حیاتِ قطبُ الہندؒ
حضرت منورویؒ

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ کی مکمل
سوانح حیات اور مختلف سلاسل تصوف کی تاریخ وخصوصیات، وابستہ
شخصیات اور رسائل و مصطلحات پر ایک جامع تحقیقی ودستاویزی مرقع

اختر امام عادل قاسمی
نبیرۂ حضرت منورویؒ

دائرۃ المعارف الربانیۃ
جامعہ ربانی منورواشریف، بہار

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ (یونس:٦٢)

حیات

قطب الہند حضرت منورویؒ

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ کی مکمل سوانح حیات اور مختلف سلاسل تصوف کی تاریخ وخصوصیات، وابستہ شخصیات اور مسائل ومصطلحات پر ایک جامع تحقیقی ودستاویزی مرقع

اختر امام عادل قاسمی
(نبیرۂ حضرت منورویؒ)

دائرۃ المعارف الربّانیۃ
جامعہ ربّانی منوروا شریف بہار

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ (یونس:٦٢)

قطب الهند حضرت منورویؒ

(یعنی قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ کے حالات وکمالات، مقامات وامتیازات، علوم ومعارف، علمی، اصلاحی وروحانی خدمات ☆ آپ کے گیارہ (۱۱) سلاسل روحانی کی تفصیلات وخصوصیات اوران سے وابستہ شخصیات کے مستند احوال ☆ تصوف کے اہم مسائل و مصطلحات ☆ اورآپ کی تالیفات وتصنیفات وخلفاء ومجازین پر مشتمل ایک جامع علمی، تاریخی، تحقیقی ودستاویزی مرقع اورایک مکمل انسائیکلوپیڈیا)

اختر امام عادل قاسمی

(نبیرۂ حضرت منورویؒ)

دائرة المعارف الربّانية

جامعہ ربّانی منوروا شریف بہار

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	حیات قطب الہند حضرت منورویؒ (مکمل سوانح حیات قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ)
تالیف	:	اختر امام عادل قاسمی (نبیرۂ حضرت منورویؒ)
سن اشاعت	:	۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۱ء
صفحات	:	**1024**
قیمت	:	**1300**
ناشر	:	دائرة المعارف الربانیۃ جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار
فائنل سیٹنگ	:	العلم کمپیوٹرس دیوبند (شاہ عالم قاسمی) 8954434315

ملنے کے پتے

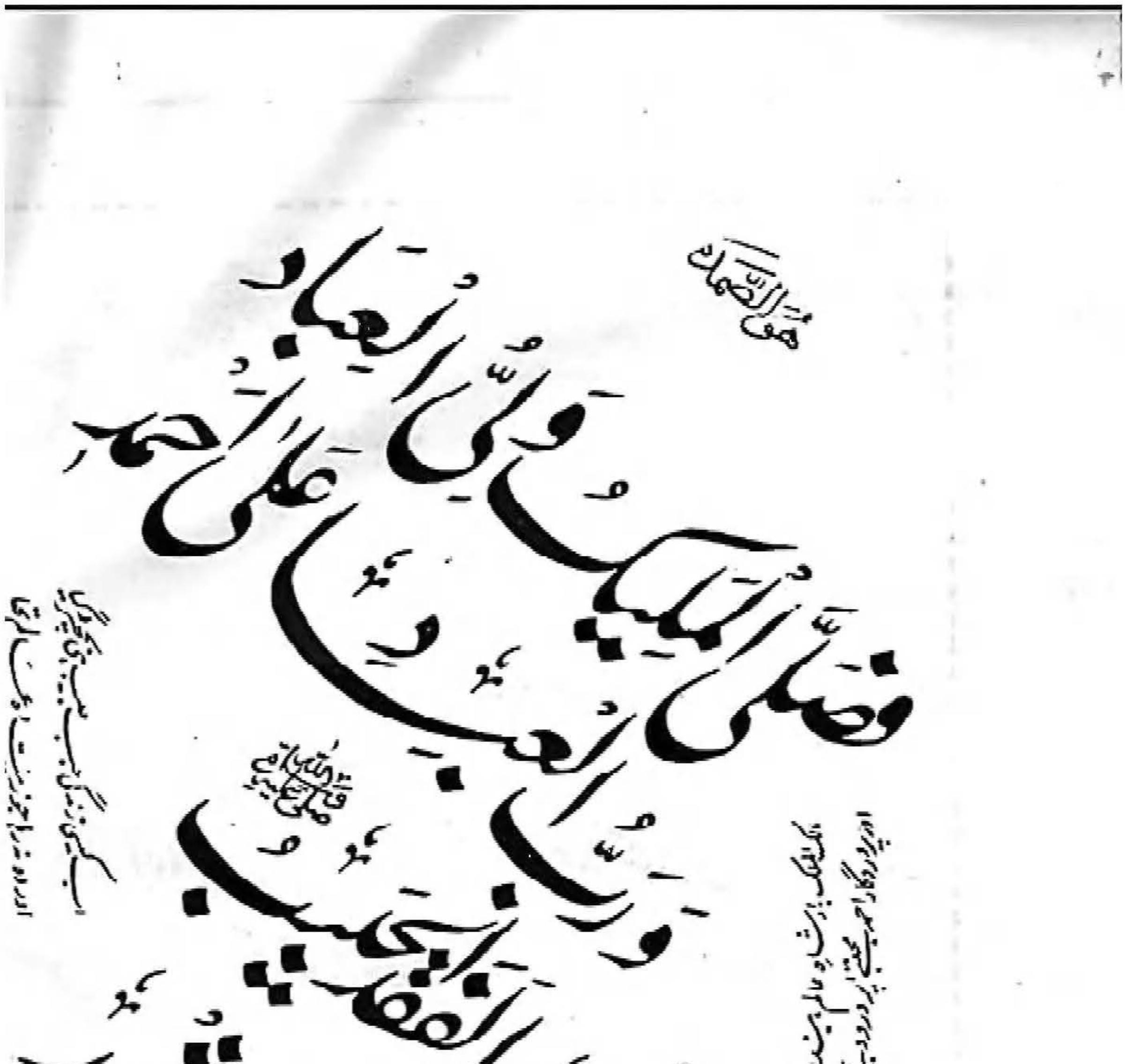
مکتبہ النور محلہ خانقاہ، دیوبند

مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ: سوہما، وایا: بتھان، ضلع سمستی پور، بہار

848207-رابطہ نمبرات:9473136822-9934082422 ویب سائٹ:

Jamia.rabbani@gmail.com• emailwww,jamiarabbani.org

مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ۲، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 25



فہرست مندرجات

فہرست مندرجات حواشی

مضامین | صفحات

حضرت امیر شریعت سابع مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کا میرے نام آخری خط

مجاہد فیض خانقاہ رحمانی مونگیر

جناب کریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا عنایت نامہ اور بارہ سو باون صفحے کا مسودہ موصول ہوا، جو آپ کے دادا جان حضرت مولانا حکیم احمد حسن صاحب کی شخصیت سے متعلق ہے، یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ آپ کو اپنے پردادا کی حیات و خدمات پر لکھنے کا موقع ملا اور ضخیم کتاب سامنے آگئی، اب آپ نے یہ کتاب بھیجی، اور خواہش ہے کہ میں مقدمہ بازی کروں، عدالت سے کوئی بھی فیصلہ جلد نہیں ہوا کرتا۔ ماشاء اللہ بھارت کا ایک ریکارڈ یہ بھی ہے کہ سپریم کورٹ سے ایک مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا اور نیچے سے اوپر فیصلہ ملنے تک صرف ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال لگ گئے۔ اس حساب سے آپ کو مجھے کم از کم ایک سو سینتیس (۱۳۷) دن تو دینے چاہئیں۔

اب آپ نے مجھ جیسے بے علم و بے قلم انسان سے اس قیمتی کتاب پر قلم افشانی کی خواہش ظاہر کی ہے اور صورتحال ایسی ہے کہ آپ نے اس کتاب میں صرف شخصیت کی سوانح نہیں لکھی ہے بلکہ بہت سے مسائل کا جغرافیہ ناپ دیا ہے، پھر تصوف کے نازک معاملات پر بھی آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے اور تصوف کی باریکیوں سے چھیڑ چھاڑ کی ہے جبکہ پورا نظام تصوف خالص عملی ہے اور۔

لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

آپ بھی اس راہ میں دو چار گام ہی چلے ہیں اور میں تو بالکل پھسڈی ہوں۔ پتہ نہیں تصوف کی باریکیوں کو آپ نے قلم سے کیسا سجایا ہے؟۔

میں ویسے بھی مسودہ یا کتاب پڑھے بغیر کوئی رائے قائم نہیں کرتا اور نہ کچھ لکھتا ہوں، آپ نے اجازت دی ہے تو ان شاء اللہ پڑھ کر پھر کچھ لکھوں گا، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے لکھنے کی توفیق دے۔

میں نے کرونا کی مصیبت کو موقع سمجھ کر قبول کیا ہے اور طلبا کی خاصی تعداد رمضان المبارک سے میرے ساتھ ہے۔ میں اور وہ سب اس عدم نقل و حمل کے دور میں کوششیں کر رہے ہیں اور بحمد اللہ بھلے کاموں میں سب مشغول ہیں اس لئے جو کام آپ نے دیا ہے ان شاء اللہ اسے انجام دوں گا مگر وقت لگے گا۔

والد ماجد اور گھر کے تمام لوگوں سے سلام مسنون کہہ دیں اور درخواست دعا۔

والسلام

محمد ولی رحمانی

۲۲ / ۴ / ۴۲

۲۲ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ

۸ دسمبر ۲۰۲۰ منگل

بخدمت جناب مولانا اختر امام عادل صاحب قاسمی، منوروا شریف۔ سمستی پور

mdwalirahmani@gmail.com

سرپرست جامعہ رحمانی، مونگیر ○ امیر شریعت بہار، اڈیشہ و جھارکھنڈ ○ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ○ بانی رحمانی فاؤنڈیشن ○ بانی رحمانی ۳۰
چیئرمین اسلامک اکاؤنٹنٹ اینڈ فینانس بورڈ ○ سرپرست اسلامی تجارہ (میگزین انگریزی اردو) ○ صدر انجمن حمایت اسلام ○ ممبر سنٹرل وقف کاؤنسل نئی دہلی
چیئرمین یو اے پی اے مخالف کل ہند تحریک ○ ممبر دار العلوم ندوۃ العلماء ○ ممبر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کورٹ ○ ممبر مولانا آزاد ایجوکیشن فاؤنڈیشن

یہ حضرت امیر شریعت سابع مولانا سید محمد ولی رحمانیؒ کا میرے نام آخری خط ہے جو حیات قطب الہند پر تقریظ کی درخواست پر لاک ڈاؤن کی مدت کے دوران ۸ / دسمبر ۲۰۲۰ء کو آپ نے لکھا تھا۔ اور اس کے لیے انہوں نے ایک سو سینتیس دن کی مہلت طلب فرمائی تھی۔ مگر حیات مستعار میں اس کے بعد صرف ایک سو پندرہ دن باقی رہ گئے تھے۔ آخر ان کی تحریر نہیں آسکی۔ خبر کے مطابق انہوں نے بار بار ارادہ کیا مگر موقعہ نہ مل سکا۔ اس طرح یہ بھی ایک تاریخی یادگار خط ہے۔ موقعہ کی سنگینی اور درد کو محسوس کیجیے۔ (اختر امام عادل قاسمی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلماتِ بابرکات

حضرت مولانا سید محفوظ الرحمٰن قادری چشتی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ

صاحبزادہ وجانشین حضرت منوروی رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ منورواشریف، ضلع سمستی پور بہار)

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدالمرسلین، امابعد

میرے والد ماجد سیدی حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منوروی علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال کو تقریباً ترپن (۵۳) سال ہو چکے ہیں، لیکن چند مختصر تذکروں کے علاوہ آپ کی کوئی مستند سوانح شائع نہیں ہو سکی، بہت دنوں سے عزیزم اختر امام عادل سلمہ کی خواہش اور بعض احباب طریق کا اصرار تھا کہ حضرت کی ایک مکمل اور معتبر سوانح لکھی جائے، جس میں حضرت کے حالات وواقعات کے ساتھ آپ کے سلاسل طریق کی تفصیلات بھی موجود ہوں، چنانچہ عزیز اختر سلمہ نے پوری محنت وتحقیق کے ساتھ اسی طرح کی ایک سوانح "حیات قطب الہند حضرت منوروی" کے نام سے تیار کی ہے، جو ایک طویل انتظار کے بعد آپ کے ہاتھوں میں پہونچ رہی ہے، میرے لئے بھی یہ لمحہ بے انتہا باعث انبساط واطمینان کا سبب ہے، اللہ پاک عزیز کی محنت کو قبول فرمائے، اور معرفت وایقان کی دولت سے بھی بہرہ ور کرے آمین، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب سالکین راہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی، آمین یارب العالمین۔

دعاگو

محفوظ الرحمٰن عفی عنہ

۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۲ھ مطابق ۹/جنوری ۲۰۲۱ء

پورے خطے اور عہد کی تاریخ اور قیمتی شاہکار

محترم المقام جناب مولانا اختر امام عادل صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حامداً و مصلیاً أما بعد!

رشد وہدایت اور عزیمت واصلاح کی تاریخ رقم کرنے والے اکابر ومحسنین کے تذکرے قوم کو اپنے ماضی سے جوڑے رکھنے اور نسل نو کو حوصلہ عطا کر کے انھیں اپنے بہتر مستقبل کی تعمیر میں مدد دیتے ہیں یہ رجالِ کار تاریخ ساز افراد اپنے کارناموں کی وجہ سے زندۂ جاوید ہوتے ہیں بعد والوں کو ان کی سوانح اور تذکرے سے روشنی ملتی ہے۔

سوانح اور تذکرہ نویسی کی اسی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے محترم مولانا مفتی اختر امام عادل صاحب نے یہ دستاویزی کتاب ''حیات قطب الہند حضرت منوروی رحمہ اللہ'' تیار کی ہے، مولانا اختر امام عادل لکھنے پڑھنے کا صاف ستھرا ذوق رکھنے والے محقق عالم دین ہیں صوبۂ بہار کے اس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا اصلاح وتربیت میں بڑا کردار رہا ہے، اور صاحب تذکرہ حضرت مولانا حکیم احمد حسن منوروی رحمہ اللہ بھی مولانا کے جد بزرگوار ہیں۔

میں اس کتاب کو جستہ جستہ مقامات سے ہی دیکھ سکا ہوں، اصل رائے تو موضوع کے ماہرین اور اس سے خوب واقفیت ومناسبت رکھنے والے ہی دیں گے، تاہم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محترم مولانا اختر امام عادل صاحب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو خوب لکھتے ہیں، چنانچہ یہ کتاب بھی انھوں نے بڑی محنت اور تتبع وجستجو سے مرتب کی ہے جس سے صرف صاحب تذکرہ ہی نہیں اس پورے خطے اور عہد کی تاریخ سامنے آجاتی ہے، ایسے تحقیقی کام کی اہمیت ودشواری کا اندازہ انھی لوگوں کو ہوسکتا ہے جو اس راہ سے گزر چکے ہیں، صاحب تذکرہ کی زندگی کے آخری سالوں میں میرا قیام بھی صوبۂ بہار میں ہی رہا لیکن مجھے

افسوس ہے کہ میں ان کی زیارت وملاقات بلکہ کسی بھی طرح کے تذکرہ وتعارف سے بھی محروم ہی رہا۔

اس کتاب میں مولانا مرحوم کے گیارہ سلاسل روحانی کی تفصیلات وخصوصیات، ان سلاسل کی ممتاز شخصیات اور تصوف کی بعض مصطلحات ومسائل بھی زیر بحث آئے ہیں جن سے قارئین کو فائدہ ہوگا، اور انھیں بہت سی اہم معلومات یکجا مل جائیں گی، ان گیارہ سلاسل میں زیادہ تر نقشبندی سلسلے ہیں۔

ہمارے اکابر رحمہم اللہ جن کو چشتیہ قادریہ نقشبندیہ اور سہروردیہ میں اپنے مشائخ سے اجازت تھی وہ اپنے مریدین اور متوسلین کو بھی ان ہی چاروں سلسلوں میں مرید فرماتے تھے، اور اپنے مشائخ کے بارے میں فرماتے تھے کہ ظاہر یعنی اتباع سنت اور اجتناب عن البدعت میں نقشبندی تھے اور باطنی اعتبار سے یعنی ذکر کے اثرات سے بیخودی اور کثرت تضرع اور بکاء کے اعتبار سے چشتی تھے، چشتیت میں سلسلہ چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ کا خاص طور پر ذکر فرمایا کرتے تھے۔

چونکہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ سے ہمارے سب اکابر انھی مذکورہ سلاسل کو چلانے والے ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کم وبیش ڈیڑھ سو سالوں میں ہندو پاکستان اور بنگلہ دیش میں انقلاب بپا کرنے والے ہیں اور خود آپ بھی بحمد اللہ ان سے استفادہ کرنے والے ہیں، جی چاہتا تھا کہ ان حضرات اکابر رحمہم اللہ کے نام کے ساتھ ان سلاسل کا ذکر ہوتا تو زیادہ خوشی ہوتی تاہم آپ کی محنت سے کتاب اپنی جگہ بہت بہترین ہے، بلکہ خاص طور پر آپ کے خاندانی بزرگوں کے سلسلہ میں ان کی زندگی کو اخلاف کے لئے زندہ رکھنے کا بہترین قیمتی شاہکار ہے اس لئے یہ فقیر دعا گو ہے کہ اللہ آپ کی اس کوشش کو قبولیت سے سرفراز فرمائے اور آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

نوٹ: میں چونکہ کم علم ہوں اور لکھنے کا تو مجھ کو کچھ بھی سلیقہ نہیں ہے اس لئے میں یہ چند سطریں کتاب میں اشاعت کے لئے نہیں بلکہ آپ کی محنت اور بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد اس مجموعہ کو تیار کرنے پر مبارکبادی پیش کرنے کے لئے بھیج رہا ہوں، میری دعائیں اور نیک تمنائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

والسلام

ارشد مدنی

۳/رجب ۱۴۴۲ھ

معتبر، مستند اور بیش قیمت مرقع

نمونۂ سلف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند

(Mufti) Abul Qasim Nomani
Mohtamim (VC) Darul Uloom Deoband
(مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دار العلوم دیوبند، الہند
PIN- 247554 (U.P.) INDIA Tel: 01336-222768 E-mail: info@darululoom-deoband.com

Ref. .... Date:...........................

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

فاضل نوجوان جناب مفتی اختر امام عادل سمستی پوری کی تازہ تالیف ’’حیات قطب الہند حضرت منورویؒ‘‘ پیش نظر ہے۔ جو تکمیل کے مراحل سے گذر کر اب طباعت کے لیے تیار ہے۔

اس سے پہلے بھی مفتی اختر امام عادل صاحب کی متعدد کتب اور رسائل زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم اور باذوق قارئین سے سند پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ مفتی صاحب کا خاص موضوع جدید فقہی مسائل کی تحقیق اور سیر وسوانح وتذکرہ نگاری ہے۔

پیش نظر ضخیم کتاب حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن صاحب منورویؒ کی مفصل سوانح عمری ہے۔ جس میں حضرت حکیم صاحب کے علمی، اصلاحی وتربیتی کارناموں کے تعارف کے ساتھ ان کے خاندانی پس منظر، صوبہ بہار کے مختلف اصلاحی مراکز اور خانقاہوں کے تذکرہ اور خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ کے تمام سلاسل کے تفصیلی تعارف نے کتاب کو تصوف اور خاص طور پر سلسلہ نقشبندیہ سے متعلق معلومات کا بیش قیمت مرقع بنادیا ہے۔ صاحب تذکرہ حضرت مولانا حکیم احمد حسن صاحب کے نبیرۂ ارجمند ہونے کی بنا پر ان کی فراہم کردہ معلومات معتبریت اور استناد کے مقبول معیار پر کھری اترتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور اصلاح وتربیت کے اس خانوادے سے بیش از بیش لوگوں کو نفع اٹھانے کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
مہتمم دار العلوم دیوبند
۲۶/۴/۱۴۴۲ھ=۱۲/۱۲/۲۰۲۰ء

مکمل سوانح اور سلاسل تصوف کا جامع مرقع

ادیب العصر حضرت مولانا سعید الرحمن الاعظمی الندوی دامت برکاتہم

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و رئیس مجلہ البعث الاسلامی لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء وامام المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه، ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے دین کی حفاظت وصیانت کے لئے ابتدا ہی سے دو مستحکم انتظامات فرمائے ہیں: ایک کتاب اللہ، دوسرے رجال اللہ، کتاب اللہ سے مراد وہ آسمانی تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے انسانیت صحیح راستہ پر قائم رہ سکتی ہے، یہ آسمانی تعلیمات قرآن کریم کے مطابق صحیفۂ ابراہیم، تورات، زبور، انجیل اور قرآن کریم کی شکل میں اتاری گئیں، ان سے انسانیت نے راہ نجات حاصل کی اور منزل مقصود پر گامزن رہی، حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء کرام کو سو (۱۰۰) صحیفے اور چار (۴) آسمانی کتابیں دی گئیں، تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا بنیادی عقائد کا حصہ ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل ہی نہیں ہوسکتا، قرآن کریم کے پہلے پارے میں ہے کہ ایمان والے وہ ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتاری گئی کتاب (قرآن کریم) پر ایمان لاتے ہیں، اور سابقہ کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں، اور آخرت کو دل و دماغ سے تسلیم کرتے ہیں ''وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝﴿۴﴾'' (۱)

ہدایت ورہنمائی کا دوسرا ذریعہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ کے ہر عہد میں بھیجا، قرآن کریم میں ہے: ''وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝﴿۲۴﴾'' (۲) ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور رسولوں کے بھیجنے کا سلسلہ قائم فرمایا، جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سے لوگوں کو آگاہ کرتے رہے، اور صحیح راستہ

(۱) البقرۃ: ۴۔ (۲) فاطر: ۲۴۔

دکھاتے رہے، بیہقی کی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام اس روئے زمین پر آئے، جن میں صحیح حدیث کے مطابق تین سو تیرہ رسول تھے، قرآن کریم میں پچیس انبیاء کرام کے نام صراحت کے ساتھ موجود ہیں: آدم، نوح، ھود، صالح، ابراہیم، لوط، شعیب، ادریس، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ایوب، یونس، موسی، ھارون، داود، سلیمان، الیاس، زکریا، یحیٰ، ذوالکفل، الیسع، عیسی، محمد، ان میں اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، کیونکہ نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا لیکن اللہ تعالی نے انسانیت کی رہنمائی کے لئے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد تابعین و تبع تابعین، نیز ہر دور میں علماء کرام کو انبیاء کا وارث قرار دیا، حدیث شریف میں آیا ہے: **ان العلماء ورثة الأنبياء** (سنن ابوداود) اور یہی علماء ربانیین، اور داعیان اسلام ہیں، جنھوں نے ہر دور میں دین کو دنیا کے کونے کونے میں پہونچایا، اور اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر دور میں انصاف پسند افراد کے دنیا میں موجود رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف الغالين وانتحال المبطلين، وتأويل الجاهلين''.

(ہر دور میں اس علم نبوت کے وارث ایسے افراد ہوں گے جو دین سے غلو پسندوں کی تحریفات، باطل پسندوں کی غلط بیانیوں اور جاہلوں کی بیجا تاویلات کو کھرچ کھرچ کر پھینکتے رہیں گے)۔ (سنن بیہقی بروایت ابراہیم بن عبدالرحمن عذری)

دعوت وعزیمت کی تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالی نے ہر دور میں ایسے علماء حق کے بھیجنے کا فیصلہ فرمایا، جنھوں نے فتنوں اور آزمائشوں سے بھرے ہوئے ماحول میں صدائے غیبی کو عوام وخواص تک پہونچانے کا عزم کیا، اور اس میں وہ کامیاب رہے، میرے مرشد ومربی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ زمانۂ نبوت کے بعد سے اپنے دور کی تاریخ دعوت وعزیمت لکھ کر اس دعوی کو حقائق اور واقعات کی روشنی میں واضح کردیا ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت حسن بصری، حضرت امام احمد بن حنبل، امام غزالی، شیخ عبد القادر جیلانی، سلطان صلاح الدین ایوبی، شیخ جلال الدین رومی، علامہ ابن تیمیہ، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت شاہ معین الدین اجمیری، شیخ شرف الدین یحیی منیری، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت سید احمد شہید اور ان کے خلفاء ومنتسبین کے جامع اور مفصل تذکرے تاریخ دعوت وعزیمت میں موجود ہیں۔ اللہ تعالی کے نیک بندے ہر دور میں پائے جاتے رہے اور دین حق کی ترجمانی، نیز اس کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دیتے رہے، جن سے لاکھوں بندگان خدا کو فیض پہونچا اور ہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس موقع پر میں صرف امام غزالی کے طویل مجاہدانہ زندگی کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں، جنہوں نے ایک مدت تک تدریسی شغل جاری رکھا، اور ہزاروں افراد کو فیض پہونچایا، لیکن ان کے دل میں کسی کمی کا احساس رہا، برابر اس کے تعلق سے فکرمند رہے، اور دس سال کا عرصہ اسی فکر میں گذارا، انہوں نے اپنی کتاب **المنقذ من الضلال** میں اس کی پوری روداد لکھی ہے، اخیر میں انہوں نے پوری بے چینی کا تذکرہ کیا، دس سال کی ریاضت ومجاہدہ کے بعد ان کا احساس تھا کہ دل کا سکون اور اندرونی راحت کے لئے اہل اللہ سے تعلق اور تسبیح ومناجات میں مشغولیت نہایت ضروری امر ہے، وہ لکھتے ہیں:

وقد علمت أن الصوفية هم السالكون لطريق الله خاصة، وأن سيرهم أحسن السير و طريقتهم أصوب الطريق و أخلاقهم أزكى الأخلاق، وأن تعاليمهم مقتبسة من مشكاة النبوة.

(مجھے معلوم ہوا کہ صوفیائے کرام ہی اللہ کے راستے پر چلنے والے ہیں، ان کا کردار بہترین کردار، ان کے منہج صحیح ترین منہج اور ان کے اخلاق پاکیزہ اخلاق ہیں، اور ان کی تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مستفاد ہیں)۔

صوبہ بہار اہل اللہ اور علمائے ربانیین کی سرزمین رہا ہے، اس کے اطراف واکناف میں خانقاہوں اور مراکز تربیت کا ایک بڑا سلسلہ ہے، مشہور خانقاہوں میں خانقاہ منیر شریف، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف، خانقاہ تاج العارفین، خانقاہ مونگیر وغیرہ ہیں، خود صاحب کتاب مولانا اختر امام عادل صاحب نے ۲۲/ خانقاہوں کا تذکرہ کیا ہے، جہاں سے اصلاح وتربیت کا عظیم کام انجام پا رہا ہے، اور تزکیہ واحسان کی سوغات لٹائی جارہی ہے، انہیں خانقاہوں میں ایک اہم خانقاہ منورواشریف سمستی پور ہے، جس کی ایک اہم اور نمایاں شخصیت قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منوروی (متوفی ۱۹۶۷ء) ہے، ان کے ذریعہ اللہ تعالی نے اصلاح و تربیت کا عظیم الشان کام لیا، اور وہ عوام وخواص میں بے حد مقبول رہے، ان کو اجازت وخلافت حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولوی سے حاصل تھی، جو اپنے علم وفضل اور تقوی وطہارت میں ایک شان رکھتے تھے۔

مقام مسرت ہے کہ حضرت مولانا اختر امام عادل قاسمی مدظلہ نے اپنے جد امجد حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منورویؒ کی مکمل سوانح اور ان کے سلاسل کی تفصیلات اور ان سے وابستہ شخصیات کا جامع مرقع تیار کردیا ہے، جو ساڑھے دس سو صفحات پر مشتمل ہے، اور اپنے موضوع کا بھرپور احاطہ کرتی ہے۔ مولانا اختر امام عادل صاحب نے ماشاء اللہ اس سے پہلے بھی اسلامی قانون کے ارتقاء پر ایک دستاویزی کتاب دو جلدوں میں تیار کی ہے، اور اپنے پردادا حضرت مولانا عبد الشکور آہ مظفرپوری کی جامع سوانح سات سو سے زائد صفحات میں مرتب کی ہے، جو اہل علم وفضل سے اعتماد حاصل کرچکی ہے، اس کے علاوہ آپ جامعہ ربانی منورواشریف میں

انتظامی اور علمی مصروفیات رکھتے ہیں، تدریس وافتاء اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے ہیں، اور وراثت نبوی کی صحیح نمائندگی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کے فیضان علم ومعرفت کا سلسلہ دراز فرمائیں، اور اصلاح وتربیت کا جو عظیم الشان کام انہوں نے اپنے ذمہ لے لیا ہے وہ عند اللہ مقبول ہو۔ **وما ذلك على الله بعزيز.**

راقم الحروف

سعید الرحمن اعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

یکم جمادی الأولی ۱۴۴۲ھ

۱۶/ دسمبر ۲۰۲۰ء

ایک شخصیت کی سوانح کے بجائے
ایک انسائیکلوپیڈیا
تعارف کتاب ومُصنف

ممتاز فقیہ ومصنف حضرت مولانا مفتی عتیق احمد بستوی صاحب دامت برکاتہم
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو وناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

جناب مولانا اختر امام عادل صاحب زید مجدہم ہندوستان کے ممتاز اہل تحقیق علماء میں سے ہیں اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھتے ہیں، بہار کے ایک معروف علمی اور دینی گھرانہ سے ان کا تعلق ہے، تدریس، تصنیف، خطابت تینوں میدانوں میں دستگاہ رکھتے ہیں، دار العلوم حیدر آباد میں ایک مدت تک تدریسی خدمات کامیابی کے ساتھ انجام دے چکے ہیں اب کافی عرصہ سے اپنے وطن میں جامعہ ربانی منوروا شریف بہار الہند میں تعلیمی، انتظامی اور اصلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کے سیمیناروں سے ان سے تعلق وملاقات کا سلسلہ شروع ہوا، اکیڈمی کے ابتدائی سیمیناروں ہی سے وہ ہر سیمینار میں بھرپور شرکت کرتے تھے، سیمینار کے موضوعات پر تفصیلی مقالات لکھتے ہیں، تجاویز کی ترتیب کے لئے جو کمیٹیاں بنتیں ان میں ان کا نام بھی ہوتا، پوری دلچسپی کے ساتھ تجویز کمیٹی میں شرکت کرتے، تجاویز کی ترتیب میں بھرپور دلچسپی لیتے اور مناقشوں میں سرگرم حصہ لیتے، ان کی بہت سی فقہی تحریریں جو بعد میں کتابی شکل میں شائع ہوئیں فقہ اکیڈمی کے سیمیناروں کے لئے لکھی گئیں اور قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں۔

ان کا اصل موضوع فقہ وافتاء ہے، مباحث فقہیہ، جمعیۃ علماء ہند کے فقہی مذاکروں میں بھی ان کی شرکت ہوا کرتی ہے، لیکن تاریخ وتذکرہ، سیرت وسوانح پر بھی ان کی اچھی نظر ہے، تاریخ وتذکرہ نگاری میں ان کے تحقیقی ذوق کا اندازہ سب سے پہلے اس ضخیم کتاب سے ہوا جو انھوں نے اپنے دادا پر حضرت مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوریؒ کے حالات پر لکھی، یہ کتاب سات سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور

مولانا اختر امام عادل صاحب کے ذوق تصنیف وتالیف اور تحقیقی پتہ ماری کا منھ بولتا ثبوت ہے اس کے بعد امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے بانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ پر ان کی تحقیقی ودل آویز کتاب منظر عام پر آئی اور انھوں نے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ کے حالات وخدمات کے کچھ نئے گوشوں پر بڑی اچھی روشنی ڈالی اور یہ دونوں کتابیں اہل علم وتحقیق کے حلقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئیں اور انھیں اردو کے سوانحی لٹریچروں میں گراں قدر اضافہ مانا گیا۔

سردست میرے پیش نظر جناب مولانا اختر امام عادل قاسمی صاحب کی تازہ تصنیف ''حیات قطب الہند حضرت منوروی'' ہے جو اشاعت کے لئے بالکل تیار ہے یہ کتاب ان کے دادا حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ کی مکمل سوانح حیات ہے جو ساڑھے دس سو صفحات پر مشتمل ہے، اس کتاب نے ایک شخصیت کی سوانح کے بجائے ایک انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کرلی ہے، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات پر لکھے گئے مختصر رسالہ کو بنیاد بناکر سوانح قاسمی مرتب فرمادی تھی جو تین جلدوں پر مشتمل ہے دو جلدیں مفصل ہیں جو ان کے حالات وکمالات پر مشتمل ہیں تیسری جلد مختصر ہے، تیسری جلد مختصر ہے جس میں حضرت مولانا نانوتویؒ کی تصنیفات اور ان کے علوم وافکار کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے، اگر تصنیفات اور علوم افکار والا حصہ حضرت مولانا گیلانیؒ کے قلم سے مکمل ہوجاتا تو دو ضخیم جلدوں سے کم نہ ہوتا، اس کتاب سے حضرت مولانا گیلانیؒ کی ذہانت، طباعی اور قوت استنتاج کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، بعض اہل علم نے حضرت مولانا گیلانیؒ کے اس کام کو تاریخ وسیرت نگاری میں اجتہاد سے تعبیر کیا ہے، جناب مولانا اختر امام عادل صاحب کی زیر نظر کتاب میں ذہانت وطباعی تو ہے لیکن ہم اسے اجتہاد فی التاریخ نہیں قرار دے سکتے، واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے زیر نظر کتاب کی تصنیف وترتیب میں عمر گراں مایہ کا بڑا حصہ صرف کیا ہے اور تمام دستیاب مراجع ہی سے نہیں بلکہ ممکنہ مراجع سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے اور کتاب کے لئے مواد کی فراہمی میں بڑی جدوجہد صرف کی ہے، تحقیق کا عمل چیونٹیوں کے منھ سے شکر جمع کرنے کی طرح ہے اس کام میں بڑی پتہ ماری کرنی پڑتی ہے اور تلاش وانتظار کے بڑے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔

میرے خیال میں اس کتاب کے مصنف مولانا اختر امام عادل صاحب تمام مراحل میں کامیاب گزرے ہیں اور بڑی سلیقہ مندی سے انھوں نے علم وتحقیق کا دسترخوان سجایا ہے میں انھیں اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کے علمی افادات کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔

مصنف کتاب اور صاحب سوانح دونوں کا تعلق ضلع سمستی پور بہار کے ایک گاؤں سے ہے اس لئے

آغاز کتاب میں صوبہ بہار خاص طور سے سمستی پور کے بارے میں بڑی قیمتی اور مفصل معلومات آگئی ہیں اور مصنف نے اپنی کشادہ قلبی اور وسعت فکری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سمستی پور کے جن چیدہ علماء کا تذکرہ کیا ہے اس میں کئی عقیدہ ومسلک اور فکر وخیال کے علماء شامل ہیں، صاحب تذکرہ کے خاندانی پس منظر اور گھریلو ماحول کا تفصیلی ذکر کرنے کے ساتھ ان کی ولادت سے تعلیم وتربیت تک کے تمام مراحل کا تذکرہ معتبر حوالوں کے ساتھ قلمبند کیا گیا ہے۔

صاحب سوانح چونکہ ایک بڑے شیخ طریقت بھی تھے، اس لئے ان کے مشائخ طریقت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان تمام سلاسل کا تعارف وتذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جن سے ان مشائخ کا تعلق تھا، یہ کل گیارہ سلاسل ہیں جن کا تذکرہ کتاب کے صفحہ ''۱۶۷'' سے لیکر صفحہ ''۶۴۸'' تک پھیلا ہوا ہے، یہ کتاب کا باب سوم ہے جس کا عنوان ہے ''تعلیم روحانی اور تزکیہ نفس'' یہ باب سلاسل تصوف پر ایک مستقل کتاب سے کم نہیں ہے، کتاب کا باب دہم ہے جس کا عنوان ہے ''بعض اہم مسائل ومصطلحات تصوف'' یہ بھی اہل علم لئے خصوصاً تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے خاصے کی چیز ہے، مصنف نے تصوف کے بعض اہم مسائل کا بہترین تعارف کرایا ہے اور بہت سی اصطلاحات تصوف پر بھرپور روشنی ڈالی ہے، ان کا تعلق ایک ایسے گھرانہ سے ہے جس میں کئی پشتوں سے احسان وتصوف سے گہرا ربط رہا ہے اس لئے ان مسائل اور مصطلحات کے بارے میں ان کا انداز ناقدانہ نہیں بلکہ ہمدردانہ ہے اور ان کے لئے انھوں نے علمی دلائل فراہم کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

کتاب کا گیارہواں باب ان کے ممتاز خلفاء اور مجازین کے حالات پر مشتمل ہے جو ۹۵۸ سے لے کر ۱۰۲۱ تک پھیلا ہوا ہے، کتاب کا بارہواں باب صاحب سوانح حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منورویؒ کی تین تالیفات پر مشتمل ہے (۱) مختصر حالات بزرگان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (۲) مختصر حالات چشت اہل بہشت (۳) امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی۔

مصنف نے یہ بڑا اچھا کام کیا کہ ان تالیفات کو اپنی اس کتاب کا جزو بنا دیا ہے، ان تینوں کتابوں پر مولانا اختر امام عادل کے حواشی اور تعلیقات ہیں جو بڑی قیمتی معلومات پر مشتمل ہیں، جن حضرات کا بھی ذکر آیا ہے ان کے حالات حاشیہ میں درج کرنے کی پوری سعی کی گئی ہے، کتاب پر لکھے گئے حواشی بڑے معلومات افزاء، بصیرت افروز اور فکر انگیز ہیں، کئی سو شخصیات کا تذکرہ ان حواشی میں آ گیا ہے، ان حواشی سے مولانا اختر امام عادل صاحب کی محنت اور علمی ریاضت کا پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے کس کس سے اور کہاں کہاں سے معلومات اکٹھا کی ہیں؟ کتاب کے اخیر میں مآخذ ومراجع کی جو فہرست ہے ان کی تعداد تقریباً دو سو ہے، بلاشبہ یہ کتاب بڑی جانفشانی، دیدہ وری اور تحقیق ونکتہ رسی کے ہفت خواں طے کر کے

لکھی گئی ہے، اور دائرۃ المعارف الربانیہ جامعہ ربانی منورواشریف بہار الہند کی طرف سے منصۂ شہود پر آنے والی ہے، اللہ تعالی مصنف کی اس گراں قدر علمی کاوش کو قبول فرمائے، اسے قبولیت سے نوازے اور امت مسلمہ کو اس سے خوب خوب فائدہ پہونچائے۔

عتیق احمد قاسمی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنو
ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۱۵ / جمادی الثانیہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۹ / جنوری ۲۰۲۱ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقدمہ

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع الحسنی الندوی دامت برکاتہم
ناظم اعلیٰ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلی من تبعہم باحسان ودعا بدعوتہ الی یوم الدین، امابعد!

دنیا میں اسلام کی اشاعت مختلف ادوار میں مختلف طریقوں اور راستوں سے ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین حق کی اشاعت اور تعلیم وتبلیغ کے لئے دور دور نکل گئے اور جو جہاں پہونچ سکے وہاں انہوں نے دین پہونچایا، تجارت ومعاملات بھی بڑا ذریعہ بنے، اور مسلمانوں نے اس کے ذریعہ اسلام کے پیغام کو عملی صورت میں پیش کیا، کہ یہ وہ راستہ ہے جس سے سب کو سابقہ پڑتا ہے۔

حکومت اور فاتحین بھی بڑا ذریعہ بنے، اور جہاں مسلمان عرب گئے وہ پورا کلچر عرب اسلامی کلچر بن گیا، اور زبان، تہذیب وثقافت سب عربی ہوگئی۔

داعیوں اور مصلحین نے اپنے اپنے طور پر یہ کام کیا، اور ان سے لوگ جڑتے چلے گئے اور ایمان کی باد بہاری چل پڑی، برصغیر میں اس کی نظیریں زیادہ ملتی ہیں، جہاں روحانی اور ارشاد وتربیت کے سلسلوں کو بہت فروغ ملا، اور ان کے مشائخ نے یہ کام بڑی دلسوزی سے کیا، برصغیر میں اسلام کی نشر واشاعت کا سب سے بڑا سہرا حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے سر بندھتا ہے، پھر شیخ الشیوخ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے سلسلہ کے لوگ بھی آئے، اور اس سلسلہ سے وابستہ ہوکر ایمان ویقین کی دولت بانٹنے لگے، سلسلۂ سہروردیہ کے مشائخ کے لوگوں نے بھی اس ملک میں قدم رکھا، اور حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کا

تعلق تو بلاواسطہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے ہے، جو سلسلہ سہروردیہ کے سر حلقہ تسلیم کئے جاتے ہیں۔ گجرات وہ خطہ ہے جہاں مختلف اور دوسرے سلاسل کے اہل حق واہل ایمان ویقین نے علم وعمل کی جامعیت کے ساتھ اس کام کو انجام دیا، ادھر دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی خانقاہ مرجع خلائق بنی ہوئی تھی اور ان کے خلفاء نے برصغیر کے جنوب وشمال، مشرق ومغرب کو ایمان ویقین کی فضا سے منور کر رکھا تھا، گیارہویں صدی ہجری کا آغاز صرف صدی کے مجدد کا منتظر نہیں تھا وہ دوسرے ہزارے کے مجدد کا استقبال کررہا تھا کہ جو گرد وغبار حالات کے تغیر اور ادوار کے بڑھنے سے آجاتا ہے، اس کے دور کرنے کا کام ایسے علماء کو کرنا ہوتا ہے جو علمی رسوخ کے ساتھ تعلق مع اللہ میں پختگی اور ربانیت کا اعلیٰ مقام رکھتے ہوں، چنانچہ امام احمد بن عبدالاحد سرہندیؒ (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ) کا ظہور ہوا جن کی تربیت اگرچہ ان کے بلند پایہ والد شیخ عبدالاحدؒ نے کی تھی لیکن اس کی تکمیل ایک ایسے جلیل القدر دہلوی بزرگ کے ذریعہ مقدر تھی جو ان کے ہم سن تھے، یعنی شیخ عبدالباقی نقشبندی حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ (۹۷۱ھ-۱۰۱۱ھ) وہ ماوراء النہر گئے اور شیخ محمد امکنگی سے وہ نسبت مع اللہ حاصل کی جو مشائخ نقشبند کے توسط سے پہونچی تھی، اور اسی سے ان کی شہرت بھی ہوئی، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایک طرف رسوم وبدعات وخرافات کے خلاف آواز بلند کی، اور توحید خالص واتباع سنت کی پرزور دعوت دی، اور تقرب الی اللہ اور نسبت مع اللہ کا سب سے مؤثر راستہ اسے قرار دیا۔

دوسری طرف اس الحاد وارتداد اور بے دینی کے خلاف نبرد آزما ہوئے جس کی لہر ایوان اقتدار سے جاری تھی، حضرت مجدد صاحبؒ نے ایسے خلفاء اور مردان کار تیار کئے جنہوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا اور ان کا سلسلہ برصغیر سے نکل کر افغانستان، ترکستان اور پھر بلاد عربیہ اور ترکی وایران پہونچا، ان کے خلفاء میں خود ان کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم نقشبندی فاروقیؒ اور پھر حضرت سید آدم بنوریؒ کا نام سب سے زیادہ روشن ہے، حضرت سید آدم بنوریؒ (م ۱۰۵۳ھ) کا حال یہ تھا کہ حکومت کے دربار کو ان کے خانقاہ وتربیت گاہ پر رشک ہوا اور ان کو ہجرت کا اشارہ ملا، اور وہ پیوند خاک طیبہ ہوئے، انہی کے سلسلہ میں پندرہویں صدی ہجری کے مجدد ومجاہد اعظم امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ ہوئے جنھیں ایک طرف اپنے اجداد کے ذریعہ اس کی روشنی ملی کہ ان کے جد اعلیٰ حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلویؒ (۱۰۳۳ھ-۱۰۹۶ھ) حضرت سید آدم بنوریؒ کے خلیفہ تھے جن کا مسکن وتربیت گاہ دائرہ شاہ علم اللہؒ کے نام سے رائے بریلی (اترپردیش) میں معروف ہے، جہاں سے حضرت سید احمد شہیدؒ نے احیاء دین ودعوت، احیاء فرائض وسنن کا عمل کیا، حج کو سینکڑوں لوگوں کے ساتھ گئے جب اس عظیم فریضہ سے پہلو تہی ہو رہی تھی، پھر واپس آکر ہجرت کا عمل کیا اور جہاد کیا، یہاں تک کہ وہ اور ان کے رفیق کار حضرت شاہ

اسماعیل شہیدؒ نے بالاکوٹ کے میدان میں ۲۴ / ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ کو جام شہادت نوش کیا، اور ان کے خلفاء ورفقائے دعوت وجہاد تعلیم وتربیت اور اصلاح ودعوت کے کام کے لئے پورے برصغیر اور افغانستان، تبت (چین) اور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے، اور ان کے ذریعہ ہزار ہا ہزار لوگ راہ یاب اور واصل الی اللہ ہوئے۔

حضرت سید احمد شہیدؒ نے دہلی میں قیام کر کے جس مدرسہ ومکتب فکر سے تربیت وتکمیل پائی تھی اس کا انتساب بھی مجددی مکتبۂ فکر وتربیت سے تھا اور حضرت سید آدم بنوریؒ کے توسط سے تھا جن کے خلیفہ حضرت سید عبداللہ محدث اکبر آبادیؒ کے تربیت یافتہ حضرت سید عبدالرحیم دہلویؒ والد ماجد حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تھے، جن کی تربیت کے دُرِّ نایاب حضرت شاہ ولی اللہ ہیں جنہوں نے تجدید واحیاء علوم اسلامیہ کا کام جس احسن طریقہ سے انجام دیا، اس کا فیض دنیا کے چپہ چپہ میں ہے، اسی سے مدرسہ ومکتبۂ فکر سے انتساب ہماری مرکزی دینی درسگاہوں دار العلوم دیو بند، اور مظاہر علوم سہارن پور اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہے، ان کے صاحبزادگان خصوصاً خلف اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) کی شان الگ تھی، علم سے ان کو زیادہ شہرت ملی اور انہوں نے ان کے تجدیدی کام کو زیادہ آگے بڑھایا، جس کو عملی شکل حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت اصلاح ودعوت وجہاد نے دی تھی۔

اسی زمانہ میں دہلی میں ایک دوسری تربیت گاہ آباد تھی وہ حضرت شاہ غلام علی دہلوی (وفات ۱۲۴۰ھ) کی ہے، جہاں بلاد عرب سے آکر ایک ممتاز طالب صادق شیخ خالد کردیؒ نے یہ دولت لی اور پھر ان کے ذریعہ یہ دولت عراق وشام اور ترکی کے علاقوں میں تقسیم ہوئی اور آج بھی اس کا فیض جاری ہے اور دوسری عظیم القدر شخصیت حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کی ہے، جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ ان کی تربیت گاہ دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں بھی کچھ مدت رہے تھے، حضرت شاہ غلام علیؒ کے عالی قدر خلفاء میں ان کا نام سرفہرست آتا اور سمجھا جاتا ہے یہ سلسلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کو پہونچتا ہے، سلسلۂ معصومیہ کی کئی شاخیں ہیں ان میں ایک شاخ سلسلۂ آفاقیہ کی بھی ہے جس کے بزرگ اویس زمانہ حضرت شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ (م ۱۳۱۳ھ) تھے ان کے خلفاء نے احیاء سنت، تبلیغ دین، احیاء علوم اسلامیہ کا کام بڑے وسیع پیمانہ پر کیا، جن میں حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء (م ۱۹۲۷ء) کا نام سرفہرست ہے، جنہوں نے اپنے وطن کانپور سے ہجرت کر کے اور اپنے قائم کردہ ادارہ وتحریک ندوۃ العلماء کی نظامت سے سبکدوش ہوکر بہار کا سفر کیا جہاں مسیحیت اور قادیانیت کے مقابلہ کے لئے انہوں نے اپنی ساری توانائیاں صرف کیں، اور ارشاد وتربیت اور تعلیم کے

ذریعہ مردان کار کی تربیت کا عمل بھی جاری رکھا۔

بہار میں اور بھی سلسلے، مکاتب فکر، مدارس، خانقاہیں آباد ہیں، ان میں خانقاہ رحمانی مونگیر کا نام، کام اور مقام جہاں نمایاں ہیں، وہیں سلسلۂ فردوسیہ کے سرحلقہ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ وہاں آرام کررہے ہیں، جن کے سلسلے سے بھی اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو بہت فروغ ملا، اور ایمان ویقین کی دولت دور دور عام ہوئی، وہیں ایک قدیم خانقاہ وتربیت گاہ خانقاہ مجیبیہ قادریہ پھلواری شریف بھی ہے جس کے مشائخ وعلماء کا کام بھی بہت نمایاں رہا ہے، وہیں صادق پور کے حضرات کی خدمات، قربانیاں، دعوت الی التوحید، اور ارشادوتربیت اور جہادوعزیمت کے دوکارنامے ہیں جسے مسلمانان ہند کی تاریخ میں کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، پھر دوسرے علمی ودینی مراکز وخاندان کی خدمات اپنی جگہ جہاں سے علامہ سید سلیمان ندویؒ، علامہ سید مناظر احسن گیلانیؒ جیسے نابغۂ روزگار ربانی علماء نکلے، اور بھی تفصیل ہے۔

پیش نظر کتاب جس عالی مرتبت شیخ حضرت قطب الہند مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منوروی قدس سرہٗ کے احوال وکمالات، علوم ومعارف، علمی، اصلاحی، وروحانی خدمات اور آپ کی تالیفات وتصنیفات اور سلسلہ کے لوگوں کے حالات وتذکرہ پر مشتمل ہے۔ ان کا تعلق سلسلۂ قادریہ سے رہا، لیکن ان کی شہرت ونسبت جس عظیم المرتبت وعالی قدر بزرگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کی تھی وہ حضرت مولانا بشارت کریم صاحب گڑھولوی قدس سرہ کی ذات بابرکات تھی جو بہار میں نقشبندی سلسلہ کے بڑے قوی النسبت بزرگ تھے وہ سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کی اس شاخ سے ہیں جس کے مشائخ نے بڑے باکمال افراد پیدا کئے، یہ حضرت شاہ احمد سعید بن شاہ ابوسعید دہلویؒ کا سلسلہ ہے، حضرت مولانا بشارت کریم صاحبؒ کا تعلق اس تربیت گاہ کے مشائخ سے ہے جنہوں نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبۂ موسیٰ زئی خانقاہ آباد کی تھی، جن کے مشائخ کا تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس طرح کیا ہے:

> ”حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے خلفاء کا استقصاء بہت دشوار ہے، مناقب احمدیہ میں اسّی (۸۰) حضرات کے نام مذکور ہیں، ہندوستان میں اس سلسلہ کی اشاعت ایک طرف شیخ دوست محمد قندھاریؒ کے ذریعہ ہوئی جن کے خلیفۂ اعظم خواجہ عثمانی دامانیؒ (م ۱۳۱۴ھ) نے ڈیرہ اسماعیل خاں کے قصبہ موسیٰ زئی میں بیٹھ کر فضا کو عشق کی حرارت اور نسبت نقشبندیہ کی سکینت سے معمور ومخمور کردیا، ان کے خلیفۂ اعظم خواجہ سراج الدینؒ (م ۱۳۳۳ھ) نے اس سلسلہ کو دور تک پہونچادیا، اللہ نے ان کو وجاہت عظیم عطا فرمائی، اور انہوں نے ارشاد وتربیت اور عزم واستقامت واشتغال بالحدیث کے ساتھ اپنے اسلاف کے سجادہ کو آباد رکھا،

خواجہ سراج الدینؒ کے خلیفہ مفسر قرآن اور داعی الی التوحید واں بچھراں کے مولانا حسین علی شاہ صاحب (۱۲۸۳ھ-۱۳۶۳ھ) ہوئے ان سے اس پیمانہ پر اصلاح عقائد کا کام ہوا اور توحید خالص کا آوازہ بلند ہوا، جس کی نظیر اس زمانہ میں مشکل ہے۔(۳)

انہی خواجہ سراج الدین کے ایک خلیفہ مولانا غلام حسین کانپوریؒ (م۱۳۴۱ھ) تھے جن کے خلیفہ حضرت شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ (۱۲۹۴ھ-۱۳۵۴ھ) ہیں جو صاحب سوانح حضرت شاہ منورویؒ کے شیخ ومرشد ہیں، صاحب سوانح کو حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کے ایک دوسرے سلسلہ سے بھی انتساب حاصل ہے جو ان کی اولاد کے ذریعہ پھیلا، اور ان کو اس کے گل سرسبد حضرت شاہ ابوالخیرؒ سے پہونچا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس سلسلہ کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

”حضرت شاہ احمد سعید صاحب کے دوسرے فرزند شاہ محمد مظہر (۱۲۴۸ھ ۱۳۰۱ھ) بڑے قوی النسبت اور کثیر الارشاد بزرگ تھے، سمرقند، بخارا، قزان، ارض روم، افغانستان وایران، جزیرۃ العرب اور شام کے صدہا طالبین راہ خدا فیض یاب ہوئے۔ ۱۲۹۰ھ میں مدینہ منورہ میں نہایت عمدہ سہ منزلہ خانقاہ تعمیر کی جو رباط مظہری کے نام سے مشہور ہے یہ باب النساء اور جنت البقیع کے درمیان واقع ہے، تیسرے صاحبزادے شاہ محمد عمر (۱۲۴۴ھ-۱۲۹۸ھ) تھے، ان کے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالخیر مجددی تھے“۔(۴)

راقم السطور کے نانا حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیٔ حسنیؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) جنہوں نے اپنے ماموں حضرت مولانا شاہ سید عبدالسلام حسینی ہسویؒ کی صحبت اٹھائی تھی جو حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کے خلفاء کبار میں تھے، انہوں نے اپنے سفرنامہ ”دہلی اور اس کے اطراف“ میں جو ۱۳۱۲ھ کا ہے، حضرت ابوالخیر مجددیؒ کا تذکرہ اور ان کی خانقاہ میں اپنی حاضری کا ذکر کیا ہے، جو اس وقت حیات تھے، حضرت شاہ منورویؒ نے حضرت شاہ ابوالخیر مجددیؒ کی بھی صحبت اٹھائی، اور ان کے سلسلہ کی برکات بھی حاصل کیں۔

افسوس کہ ایسی عظیم المرتبت شخصیت کی سوانح حیات اب تک سامنے نہیں آئی تھی، اس لئے کہ یہ سعادت ان سے ہی خاندانی نسبت رکھنے والے ایک لائق وسعید فرزند اور صاحب تصنیف وتحقیق نوجوان عالم دین مولانا اختر امام عادل صاحب زید توفیقہ کے حصہ میں تھی، انہوں نے بڑی تحقیق، جستجو، لگن اور جذبہ وفکر کے ساتھ اس کام کو انجام دینے کی فکر وکوشش کی جس میں حضرت کے احوال وتذکرے کے

(۳) تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم، طبع قدیم، ص ۱۸۸۔

(۴) تاریخ دعوت وعزیمت جلد چہارم، ص: ۳۸۹، طبع قدیم۔

ساتھ ان سے متعلق سلاسل وشخصیات کا اچھا تعارف بھی آ گیا ہے۔

آخر میں حضرت کے خلفاء ومجازین کے احوال کا بھی ذکر ہے، اور شخصیات ومقامات پر اہم حواشی بھی، جس سے کتاب ساڑھے دس سو پچاس (۱۰۵۰) صفحات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا بن گئی ہے۔

ہم اس کی قبولیت ونافعیت کے لئے دعا کرتے ہیں اور مصنف کے لئے ایک بڑے عزوشرف و سعادت کی بات سمجھتے ہوئے ان کے لئے توفیق مزید کی دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور ان کے قلم سے اور مفید چیزیں سامنے آتی رہیں۔ (آمین)

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ
وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
۲۹/ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ
۱۵/دسمبر ۲۰۲۰ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نقوش اولین

مؤلف کتاب

بہار کو ہر زمانہ میں علم وحکمت اور معرفت وروحانیت میں ایک ممتاز مقام حاصل رہا ہے، اور اس سرزمین کے فرزندوں نے اس کا نام روشن کیا ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مغل عہد حکومت میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کا پوتا محمد عظیم الشان اسے سلطنت مغلیہ کی دوسری دہلی بنانا چاہتا تھا۔(۵)

بہار خانقاہوں کی سرزمین

ایک زمانے میں یہاں بدھ مذہب کی خانقاہیں چہار سو پھیلی ہوئی تھیں، لیکن اسلام کی آمد کے بعد یہاں اسلامی خانقاہوں کا شیوع ہوا، یہاں کی مٹی میں ریاضت ومعرفت کی خوشبو رچی بسی ہے، اس لئے اسلامی خانقاہوں کو کافی فروغ ملا، اور ریاست کے ہر خطہ میں کوئی نہ کوئی اسلامی خانقاہ ضرور قائم ہوگئی، بہار کی تاریخ وتذکرہ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے، ساتویں صدی ہجری میں غالباً قطب الدین ایبک یا شمس الدین التمش کے زمانے میں بہار میں حضرت شیخ خضر دوزؒ کی خانقاہ ایسی شہرۂ آفاق تھی کہ اس کی شہرت سے متأثر ہوکر حضرت نظام الدین اولیاءؒ بھی ان کی خانقاہ میں حاضر ہونا چاہتے تھے(٦)۔

بہار میں دین چونکہ انہی خانقاہوں کے ذریعہ پھیلا اس لئے ان کے اثرات اب تک قائم ہیں، اور لوگوں کے دلوں میں ان کا بے حد احترام پایا جاتا ہے، مسلک ومشرب کے فرق کے ساتھ کئی خانقاہیں بہار میں آج بھی اپنی قابل قدر خدمات کے لئے مشہور ہیں، اور ان کا ایک وسیع حلقۂ اثر پایا جاتا ہے، مثلاً:

(۵) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۶۳ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(٦) سیر الاولیاء کرمانی ص ۱۱۲ بحوالہ **محی الملۃ** مقدمہ علامہ گیلانی ص ۲۱۔

بہار کی چند ممتاز خانقاہیں

(۱) خانقاہ رواق منیر شریف ، فردوسیہ وسہروردیہ (۲) خانقاہ حضرت عشقؒ پٹنہ (۳) خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (۴) خانقاہ فریدی ، پھلواری شریف پٹنہ (۵) خانقاہ جنیدیہ پھلواری شریف پٹنہ (٦) خانقاہ شہبازیہ بھاگلپور (۷) خانقاہ قادریہ انجھر شریف (۸) خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ (۹) خانقاہ شطاریہ قصبہ بڑی بلیا (۱۰) خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف (۱۱) خانقاہ چشتیہ داناپور (۱۲) خانقاہ معظم بہار شریف (سلسلۂ فردوسیہ) (۱۳) خانقاہ چشتیہ سہروردیہ (جیٹلی شریف) (۱۴) خانقاہ زاہدیہ بہار شریف (مخدوم بدرالدین بدرعالم زاہدیؒ) (۱۵) خانقاہ چشتیہ ارول شریف (حضرت سید مخدوم ثمن ارولیؒ) (۱٦) خانقاہ چشتیہ سہروردیہ (بیتھو شریف) (۷) (۱۷) خانقاہ سمرقندیہ دربھنگہ (۱۸) خانقاہ رحمانی مونگیر (۱۹) خانقاہ گڑھول شریف ضلع سیتامڑھی (۲۰) خانقاہ مبارکپور سہرسہ (حضرت مولانا غنیمت حسینؒ) (۲۱) خانقاہ چترا (حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ (۲۲) خانقاہ منورواشریف ضلع سستی پور وغیرہ۔

خانقاہوں میں کتب خانے

اور خاص بات یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر خانقاہوں کا تعلق علم سے قائم رہا ، اور اکثر خانقاہوں کے بانی بڑے صاحب علم وتصنیف تھے ، اس کا بڑا مظہر یہ ہے کہ بہار کے بڑے علمی کتب خانے (ایشیا کی سب سے بڑی لائبریری خدابخش لائبریری پٹنہ کا استثنا کرکے) اکثر خانقاہوں کے احاطے میں ہیں یا ان سے منسلک ہیں ، مثلاً :

☆ **کتب خانہ مجیبیہ (پھلواری شریف پٹنہ)** قدیم ترین کتب خانہ ہے جس میں تاج العارفین کے عہد سے حضرت نصرؒ کے عہد تک کی کتابیں محفوظ ہیں ، کہا جاتا ہے کہ مخطوطات ونوادرات اور افادیت و کثرت کتب کے اعتبار سے خدابخش لائبریری کے بعد اس کا دوسرا درجہ ہے ، بلکہ اس میں بعض ایسی کتابیں ہیں جو خدابخش لائبریری میں موجود نہیں ہیں (۸)۔

☆ **کتب خانہ خانقاہ منیر شریف** بھی ایک قدیم ترین کتب خانہ ہے ، جس میں حضرت مخدوم شرف الدین احمد منیریؒ (م ۷۸۲ھ / ۱۳۸۰ء) کی تمام تصانیف (ارشاد الطالبین ، ارشاد السالکین ، شرح آداب المریدین ، اور فوائد المریدین وغیرہ) کے علاوہ ہزاروں کتابیں موجود ہیں ، مرزا غالب کے دوست

(۷) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۲۱۴ ، ۲۱۵ مؤلفہ مہر النساء ، شعبۂ علوم اسلامی ، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی ، دسمبر ۲۰۰۵ء۔ (نوٹ) یہاں تک کی فہرست اسی کتاب سے لی گئی ہے۔

(۸) اسلامی کتب خانے ص ۲۷۴ مؤلفہ الحاج محمد زبیر ، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی ، اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

اور شاگرد شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ کی بھی کئی تصانیف یہاں موجود ہیں (۹)۔

☆ **کتب خانہ قادریہ (خانقاہ اسلام پور)**: خانقاہ کے سجادہ نشیں اور اس کتب خانہ کے بانی حضرت مونگا شاہ محمد عبدالقادری منعمی ابوالعلائیؒ (م ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) کی کوششوں سے یہ کتب خانہ ہزاروں نایاب مطبوعات ومخطوطات کا مخزن ہے، تصوف کے موضوع پر اچھا خاصا ذخیرہ یہاں ہے، تفسیر زاہدی جس کا حوالہ بکثرت حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اپنی تحریرات میں دیا ہے، اس کی ایک جلد یہاں موجود ہے (۱۰)۔

☆ **کتب خانہ سلیمانیہ، پھلواری شریف**: یہ خانقاہ سلیمانیہ میں واقع نادرونایاب سیکڑوں تاریخی مخطوطات اور مآخذ پر مشتمل ہے، پھلواری کے رئیس اعظم قاضی مخدوم عالمؒ کے کتب خانہ کی اکثر کتابیں جو مولانا تمنا عمادیؒ مہاجر چاٹگام کی ملکیت تھیں بھی اسی کتب خانہ میں شامل ہوگئی ہیں (۱۱)۔

☆ **کتب خانہ عمادیہ، منگل تالاب (پٹنہ سیٹی)**: یہ کتب خانہ خانقاہ عمادیہ کی ملک ہے، جس کے بانی حضرت خواجہ عمادالدین قلندر پھلورویؒ (م ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء) ہیں، یہاں بھی عربی فارسی کتابوں اور خاندانی مسودات ومخطوطات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے (۱۲)۔

☆ **کتب خانہ خانقاہ حضرت عشق (متین گھاٹ، پٹنہ سیٹی)**: یہ کتب خانہ بھی بڑی نایاب کتابوں سے معمور ہے، حضرت شاہ رکن الدین عشقؒ کے قلمی دیوان کا ایک ایسا نایاب نسخہ ہے، جو خانقاہ عمادیہ کے سوا کسی اور خانقاہ میں نہیں ہے (۱۳)۔

---

(۹) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۰ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۰) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۰ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۱) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۱ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۲) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۱ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۳) علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۱ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

☆ **داناپور پٹنہ میں حضرت مولانا شاہ محمد قائم قتیلؒ** (سجادہ نشیں) کا کتب خانہ بھی نہایت قیمتی کہا جاتا ہے، اس میں تصوف کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے(۱۴)۔

☆ **کتب خانہ مدرسہ عربیہ خانقاہ (سہسرام)**: جو ایک بزرگ شاہ کبیر درویشؒ کی یادگار میں شاہ خلیل اللہ صاحبؒ نے شاہ عالم ثانی کے تعاون سے قریب ۱۱۷۵ھ میں قائم ہوا، کہتے ہیں کہ یہ کتب خانہ بہت بڑا اور بیش قیمت تھا، مدرسہ کے ساتھ یہ کتب خانہ آج بھی موجود ہے(۱۵)۔

☆ **خانقاہ عباسی کا کتب خانہ**: کہتے ہیں کہ یہ مشہور خانقاہ تھی اور اس کا کتب خانہ بہت بڑا تھا(۱۶)۔

☆ **کتب خانہ خانقاہ رحمانی مونگیر**: یہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا قائم کردہ کتب خانہ ہے، یہ بہار کے چند بڑے کتب خانوں میں ایک ہے، نوادرات، مخطوطات اور کتابوں کی تعداد کے اعتبار سے خدا بخش لائبریری پٹنہ اور کتب خانہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے بعد بہار میں یہ تیسرا بڑا کتب خانہ ہے، خاص طور پر حضرت مونگیریؒ کی تالیفات و تصنیفات کا جتنا بڑا ذخیرہ یہاں موجود ہے کہ شاید ہندوستان کی کسی لائبریری میں موجود نہ ہو، اس حقیر کو اس کتب خانہ کی زیارت کا موقعہ ملا ہے، اس کو دیکھ کر دل و دماغ نے بے پناہ اثر قبول کیا۔

☆ **کتب خانہ گڑھول شریف**: یہ کتب خانہ حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ کی خانقاہ میں قائم ہے اور خود حضرت کی قائم کردہ ہے، ایک بار مجھے اس کتب خانہ کے تفصیلی جائزہ کا موقعہ ملا تو اندازہ ہوا کہ یہاں فوائد عثمانی قلمی نسخہ (افادات و ملفوظات حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ)، شرح المنار (علامہ عزالدین بن عبداللطیف)، مدارج النبوۃ (شیخ عبدالحق) مفہرس مخطوطہ اصل کتاب مطبوعہ نولکشور، تذکرہ حضرت مجدد الف ثانیؒ (الفرقان نمبر)، شرح رشیدیہ اصول مناظرہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ مکتبہ مصطفائی، شرح الاسباب والعلامات (الطیب) مع حاشیۃ حل المعضلات، طب اکبر فارسی (دو جلدیں)، بوستان معرفت ترجمہ مثنوی شریف، تنبیہ المغترین (علامہ شعرانی) مع حاشیۃ الکشف والتبیین (امام غزالیؒ)، رسالۂ قشیریۃ (امام ابوالقاسم القشیریؒ) جیسی بہت سی اہم ترین کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔

---

(۱۴) اسلامی کتب خانے ص ۲۷۵ مؤلفہ الحاج محمد زبیر، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی، اکتوبر ۱۹۷۸ء۔

(۱۵) علماء بہار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۱ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

(۱۶) علماء بہار کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ ص ۱۷۱ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء۔

ایسی اور بھی خانقاہیں ہونگی جن کا اس حقیر کو علم نہیں ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہار کی خانقاہیں نہ صرف یہ کہ علم سے معمور رہی ہیں بلکہ امت کے لئے علم کی سفیر بھی رہی ہیں۔

سمستی پور کی علمی، ادبی اور تاریخی اہمیت

زیر نظر کتاب جس شخصیت (قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ) کے حالات سے متعلق ہے ان کا خانوادہ بھی صدیوں سے علم اور روحانیت کا نمائندہ رہا ہے (جس کی تفصیل تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ میں موجود ہے) آپ کا اصل وطن گو کہ شہر مظفر پور تھا، جس کو ۱۷۹۰ء سے قبل مظفر خان عامل چکلہ نئی پرگنہ بسارہ نے آباد کیا تھا(۱۷)، لیکن آپ نے جس علاقہ (منورواشریف سمستی پور) کو اپنے وطن ہجرت کے لئے منتخب فرمایا، اس کی بھی ایک شاندار علمی، ادبی اور سیاسی تاریخ رہی ہے۔

سمستی پور (شمس الدین پور) ایک قدیم تاریخی شہر

سمستی پور ایک قدیم تاریخی شہر ہے، جس کو بادشاہ ابوالمظفر شمس الدین حاجی محمد الیاس بھنگیرہ (م ۷۶۱ھ/ ۱۳۵۸ء جن کے حدود مملکت بنگال و بہار سے لے کر بنارس تک تھے) نے ۷۵۶ھ/ ۱۳۵۵ء میں آباد کیا، اس کا اصل نام شمس الدین پور تھا، بعد میں اس کا نام تحریف ہو کر سمستی پور ہو گیا، حاجی پور بھی انہی کا بسایا ہوا شہر ہے(۱۸)، کہا جاتا ہے کہ مغل عہد حکومت میں سمستی پور ایک فوجی چھاؤنی تھا، اور یہاں

---

(۱۷) تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی ص ۳۶، ۳۷ مؤلفہ مفتی محمد ثناء الہدیٰ ویشالوی القاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

(۱۸) ابوالمظفر شمس الدین حاجی محمد الیاس بھنگیرہ اوائل میں ملک فیروز شاہ تغلق کا ایک معتمد ملازم تھا، دہلی سے بھاگ کر بنگالہ پہونچا، ۷۴۴ھ/ ۱۳۴۳ء میں اپنے دودھ شریک بھائی علاء الدین شاہ کا خاتمہ کر کے شمالی و مغربی بنگال کا حکمراں بن بیٹھا، لکھنوتی اور سنار گاؤں پر تصرف کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا، جارج نگر اڑیسہ پر چڑھائی کی، ترہت کے راجہ کو باج گذار بنایا، یہاں تک کہ اس کی فتوحات کا دائرہ بنگال و بہار سے بنارس تک پھیل گیا تھا، اس کے بڑھتے قدم کو روکنے کے لئے اس کے سابق آقا فیروز شاہ تغلق نے لشکر جرار کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا، بالآخر حاجی الیاس کو پسپا ہونا پڑا، وہ اپنی بے پناہ جرأت، دور اندیشی کی بدولت تیرہ (۱۳) سال تک دہلی کی افواج کی مزاحمت کو ناکام کرتا رہا۔

۱۳۵۵ء/ ۷۵۶ھ میں اسی بادشاہ نے دو شہر حاجی پور اور شمس الدین پور (جواب سمستی پور ہو گیا ہے) آباد کئے، حاجی پور میں قلعہ، رنگ محل، شیش محل، اور فصیلیں بنوائیں، اپنے عہد حکومت میں حاجی پور کو دار السلطنت بنایا، جو عرصۂ دراز تک باقی رہا، سولہ (۱۶) سال کی حکومت کے بعد ۷۶۱ھ/ ۱۳۵۸ء میں انتقال کیا، اور اپنے آباد کردہ شہر حاجی پور میں ==

فوجیں رہتی تھیں ، اور حکومت کے اعلیٰ حکام کی رہائش بھی اسی علاقے میں تھی ، سمستی پور کے قریب گنگا ندی کے کنارے محی الدین پور میں کئی قدیم مسجدیں ہیں جو اس علاقہ کی تاریخی اہمیت کے ثبوت ہیں ، سمستی پور کے شمال میں ایک علاقہ بیگم پور کے نام سے آباد ہے، جہاں بیگ برادری کے لوگ رہتے ہیں ، ممکن ہے بیگمات شاہی میں سے یہ کسی کی یادگار ہو(۱۹)۔

صنعت وزراعت کا مرکز

کسی دور میں سمستی پور کو کارخانوں کا شہر کہا جاتا تھا، جہاں بہت سے مل اور کاروباری مراکز قائم تھے، اب شاید صرف ایک جوٹ مل باقی ہے، جو اس شہر کے خوبصورت ماضی کا گواہ ہے۔

موجودہ دور میں اس شہر کی اہمیت ریلوے کی وجہ سے ہے، یہاں ریلوے کا ڈی آر ایم آفس ہے، زراعت کے معاملے میں یہ ضلع بڑا ہی خود کفیل ہے ، گنا، تمباکو، دھان ، مکئی ، گیہوں ، مرچ ، لہسن اور پیاز کے علاوہ بڑی حد تک سبزیوں کی پیداوار میں اس کا نام دور دور تک مشہور ہے، مشہور زمانہ فقیر محمد زردہ میں استعمال ہونے والا عمدہ کوالیٹی کا تمباکو اسی علاقے سے فراہم کیا جاتا تھا، فقیر محمد مرحوم تمباکو کے سیزن میں خود یہاں موجود ہوتے تھے، غالباً آج بھی ایک سڑک سمستی پور کے مغرب میں ان کے نام سے موسوم ہے، سمستی پور کے مغرب میں پوسا ایگریکلچر یونیورسیٹی کے قیام نے بھی اس علاقہ کو شہرت بخشی اور زراعت کے معیار میں ترقی ہوئی (۲۰)۔

اسی طرح سمستی پور کے مشرق میں منورواشریف سے قریب حسن پور روڈ چینی مل نے بھی اس ضلع کے وقار کو بڑھایا ہے، یہ چینی مل بھی بہت قدیم ہے اور بہار کے چند گنے چنے ملوں میں ہے جو آج تک جاری ہیں، اس مل سے گنا کی پیداوار اور چینی کی صنعت کو بہت فروغ ملا ہے۔

علم وادب کی سرزمین

یہ خطہ اپنی ایک علمی و ادبی شناخت بھی رکھتا ہے، اہل علم، ادباء اور شعراء کی بڑی تعداد یہاں پیدا

== مدفون ہوا، ایس ڈی او کے بنگلہ کے نزدیک سڑک سے پچھم جانب ایک قبر ہے، جس پر کوئی کتبہ نہیں ہے لیکن اسے حاجی الیاس کی قبر بتایا جاتا ہے، قبر کے اردگرد چھوٹا سا پارک ''حاجی الیاس پارک'' کے نام سے مشہور ہے (تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی باب دوم حاجی پور ص ۹۲ مؤلفہ مفتی محمد ثناء الہدیٰ ویشالوی القاسمی نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بحوالہ قاموس المشاہیر ج ۲ ص ۲۱، وتاریخ فرشتہ ج ا ص ۲۹)

(۱۹) شعرائے سمستی پور ص ۵ مرتبہ بسمل عارفی ، اشفاق قلق ، ناشر بسمل عارفی ، ۲۰۱۰ء۔

(۲۰) شعرائے سمستی پور ص ۵ مرتبہ بسمل عارفی ، اشفاق قلق ، ناشر بسمل عارفی ، ۲۰۱۰ء۔

ہوئی، گو کہ یہاں کی علمی و ادبی تاریخ ڈیڑھ صدی سے اوپر محفوظ نہیں ہے، لیکن اجودھیا پرشاد بہار (م ۱۸۶۲ء) کی ''ریاض ترہت''، منشی بہاری لال فطرت (م ۱۸۸۳) کی ''آئینۂ ترہت''، عزیز الدین بلخی رازؔ (م ۱۹۳۱ء) کی تاریخ شعرائے بہار'' (جلد اول)، حکیم سید احمداللہ ندوی (کراچی) کی ''تذکرہ مسلم شعرائے بہار''، ڈاکٹر کلیم عاجزؔ کی ''بہار میں اردو شاعری کا ارتقا'' اور شاداں فاروقی کی تصنیف ''بزم ''شمال'' سے یہاں کی شعری و ادبی سرگرمیوں کا پتہ چلتا ہے، یہاں شعری نشستیں ہوا کرتی تھیں، جن میں مقامی شعراء کے علاوہ ملک کے معتبر اور نامور شعراء شریک ہوتے تھے، ان میں ہادی حسن نایابؔ، منشی بہاری لال فطرتؔ، منشی اجودھیا پرشاد بہارؔ، منشی بدری ناتھ شبنمؔ، عبدالحی ذبیحؔ، شیفتہؔ بھگوان پوری، اور عبد الشکور شکورؔ جیسے نامی گرامی شعراء زینت محفل ہوتے تھے۔

۱۸۵۰ء سے قبل سمستی پور میں ادبی سرگرمیاں عروج پر تھیں، یہ دہلی میں غالبؔ، مؤمنؔ، ذوقؔ، ظفرؔ وغیرہ جیسے علم وفن کے آسمانوں کا دور تھا، اس حوالے سے مرشد حسن کامل دھرم پوری (سمستی پور) (ولادت ۱۸۲۵ء وفات ۱۸۹۱ء یا ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) (۲۱) کا ایک شعر بڑا مشہور ہوا:

---

(۲۱) مولانا سید مرشد حسن دھرم پور سمستی پور کے رہنے والے تھے، دھرم پور کو پرانی کتابوں میں دھر پور نستاواں کہا جاتا تھا، دریائے بوڑھی گنڈک کے کنارے یہ محلہ واقع ہے، مولانا مرشد حسن کا شاعرانہ تخلص کاملؔ ہے، ان کے والد صاحب کا نام مولوی سید طالب حسین تھا، بقول صاحب آئینۂ ترہت ان کا آبائی سلسلہ حضرت امام زین العابدین بن حضرت امام حسینؓ تک پہونچتا ہے، اور ننہالی نسبت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، اور مخدوم شہاب الدین سہروردیؒ تک پہونچتی ہے، ان کے جد امجد حضرت مولانا قطب الدینؒ شاہجہاں کے عہد حکومت میں ہفت ہزاری کے منصب پر فائز تھے۔

انہوں نے صرف ونحو مولوی محمد حمید عظیم آبادیؒ سے پڑھی، منطق وفلسفہ مولانا سراج الدین لکھنویؒ، مولانا واجد علی بنارسیؒ، اور علامۂ عصر حضرت مولانا فضل حق خیرآبادیؒ سے، فقہ مولانا معین الدین کڑویؒ سے، فرائض، اصول، حدیث و تفسیر حضرت مولانا تراب علی لکھنویؒ سے اور طب حضرت مولانا حکیم محمد ابراہیمؒ سے حاصل کی، علم ریاضی میں بھی خوب مہارت رکھتے تھے، سات سال لکھنؤ میں رہ کر اپنے استاذ حکیم صاحب کی سرپرستی میں طبابت بھی کی، اور اپنے عہد کے اچھے صاحب تشخیص اور باکمال معالج کی حیثیت سے شہرت حاصل کی، فارسی نثر نویسی پر بڑی قدرت حاصل تھی، نثر اچھی اور سلیس ہوتی تھی، فن شاعری سے گہرا لگاؤ تھا، شاعری زیادہ تر اردو زبان میں کرتے تھے، خواجہ وزیر لکھنویؒ کے ممتاز تلامذہ میں تھے، کلام بھی خواجہ وزیر ہی کی طرح فصیح وبلیغ ہوتا تھا، الفاظ کی چستی، زبان کی سلاست، اور خیالات کی بلندی ان کے کلام کی خاص خوبیاں ہیں۔

آپ کا قیام زیادہ تر دربھنگہ کے قاضی محلہ میں رہا، یہیں پوری زندگی درس وتدریس میں گذاری، یہیں ان کی پہلی شادی==

غزل لکھ بھیج دلی کو ملے گی دادائے کاملؔ
ظفرؔ کو، ذوقؔ کو، مؤمنؔ کو، غالبؔ کو، پریشاںؔ کو

سمستی پور کے شعراء میں کاملؔ دھرم پوری، ان کے صاحبزادے وصی الحسن مائلؔ دھرم پوری اور قیصر صدیقی وغیرہ کو ملک گیر شہرت حاصل ہوئی، کاملؔ دھرم پوری صاحب دیوان شاعر تھے، اور مائلؔ دھرم پوری کی کلیات شائع ہو چکی ہے۔

بطور نمونہ یہاں کے بعض شعراء کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، جن سے یہاں کے شعری وادبی معیار کا اندازہ ہوگا:

کاملؔ دھرم پوری کا شعر ہے:

جو ہاتھ آئے بھی دنیا تو اعتبار نہ کر
یہ فاحشہ ہے، نہیں اعتبار کے قابل

مائلؔ کا شعر ہے:

کہہ دو ہشیار رہیں عرش بریں کے حامل
ہجر میں نالے مرے سوئے فلک جاتے ہیں

مرے سینے تو خیراب چور ہیں بار حوادث سے
مگر اے ہم نشیں خود تیرے افسانے پہ کیا گذری
سحر کے بعد بھی ہیں بے خبر یہ انجمن والے
ہوا کیا شمع کا انجام، پروانے پہ کیا گذری

== مولوی شیخ درویش علی ساکن محلہ قاضی محمد عظیم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔

معقولات ومنقولات میں انہیں بڑی دستگاہ حاصل تھی، اپنے شاگردوں کو عربی کی بڑی کتابیں پڑھاتے تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں: فارسی قواعد کا رسالہ ''مخزن التفہیم''، اردو قواعد پر ''اصول کامل، فن طبابت میں ایک قرابادین ''معالجات کامل''، رحمت کامل، انیس الطالبین، اور دیوان کامل وغیرہ، ایک مسدس بھی لکھی تھی، مرثیہ نگاری اور قصیدہ نگاری دونوں میں طاق تھے۔

سن وفات کا صحیح پتہ نہیں ہے، اندازہ یہ ہے کہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں انتقال فرمایا (تذکرۂ علماء بہار ج ۱ ص ۲۸۱، ۲۸۲ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی) لیکن بسمل فاروقی نے سن وفات ۱۸۹۱ء لکھا ہے (شعرائے سمستی پور ص ۶ مرتبہ بسمل عارفی، اشفاق قلق، ناشر بسمل عارفی، ۲۰۱۰ء)

کسے معلوم میرے بعد کس عالم میں ہے مستی
نہ جانے میں نے توبہ کی تو میخانے پہ کیا گذری

(شمسؔ سمستی پوری)

دیکھتا ہوں ہر طرف جور و ستم
آدمیت کس قدر مظلوم ہے
اس قدر آسائشوں کے دور میں
آدمی تسکین سے محروم ہے
حسن بھی کچھ سوچ لے اپنے لئے
عشق کا انجام تو معلوم ہے
کاش اتنا جان لیتے وہ قمرؔ
دل کی دھڑکن کا بھی کچھ مفہوم ہے

(قمرؔ سمستی پوری)

بہ فیض عزم خزاں کو بہار کرنا ہے
بہار آئے گی فصل خزاں کی بات نہ کر
شب فراق کی گھڑیاں گذرنے والی ہیں
سحر قریب ہے سوز نہاں کی بات نہ کر

(حبیب کوثرؔ)

ہر ڈوبنے والی کشتی کا طوفاں ہی سہارا ہو جائے
موجوں کے تلاطم میں شامل فطرت کا اشارہ ہو جائے
امرت کی طرح ہم اے سورجؔ یہ زہر بھی ہنس کر پی جائیں
اے کاش نگاہ ساقی کا تھوڑا سا اشارہ ہو جائے

(سورج نرائن سورجؔ)(۲۲)

(۲۲) شعرائے سمستی پور ص ۶ تا ۲۰ مرتبہ بسمل عارفی، اشفاق قلق، ناشر بسمل عارفی، ۲۰۱۰ء۔

سمستی پور کے چند ممتاز علماء

شعراء وادباء کے علاوہ کئی نامور علماء اور محققین بھی اس خطہ میں پیدا ہوئے، جن کے ذکر کے بغیر اس علاقہ کی تاریخ ادھوری رہے گی، ان میں خاص طور پر درج ذیل حضرات قابل ذکر ہیں جن کی شہرت وفیض کا دائرہ ملک بھر میں وسیع ہوا، اور انہوں نے اپنی صلاحیتوں سے ایک زمانہ کو متأثر کیا:

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ

☆حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ (ولادت ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء وفات ۳/ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۱۹۱۸ء) اپنے عہد کے بے نظیر عالم دین تھے، ایک وسیع حلقۂ تلمذ کے مالک اور تحریک مسلک ـــــ اہل حدیث کے علمبردار بلکہ اپنے دور میں امامت کے منصب پر فائز تھے، بہار میں مسلک اہل حدیث کا سب سے بڑا ادارہ ''دارالعلوم احمدیہ سلفیہ انہی کا قائم کردہ ہے، جمعیۃ اہل حدیث ہند کے مؤسس وبانی بھی آپ ہی ہیں، بہت سی کتابوں کے مصنف اور کئی تنظیموں اور تحریکات کے بانی وروح رواں تھے (۲۳)۔

(۲۳) مولانا عبدالعزیز کے والد ماجد کا نام شیخ احمد اللہ تھا، وہ ترہت کے بڑے زمینداروں میں سے تھے، مولانا عبدالعزیز کی پیدائش ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۳ء میں موضع رحیم آباد ضلع سمستی پور میں ہوئی، رحیم آباد کا قدیم نام کچھ اور تھا، غالباً مولانا عبدالعزیز کے بڑے بھائی مولانا عبدالرحیم کے نام پر ''رحیم آباد'' کے نام سے مشہور ہوا۔

ابتدائی سے لے کر حفظ قرآن تک کی تعلیم اپنے گھر پر حافظ مٹھورامپوریؒ (جو مشاہیر حفاظ میں سے تھے) کے پاس حاصل کی، کہتے ہیں کہ آپ نے صرف ایک سال کی مدت میں حفظ قرآن مکمل کرلیا تھا، آپ کا شمار اچھے حافظوں میں ہوا، حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد تمام علوم وفنون کی کتابیں مختلف اساتذہ سے اپنے گھر پر پڑھیں، ان میں چند اساتذہ کے نام یہ ہیں: مولوی عظمت اللہ ساکن بھپورہ، مولوی محمود عالم رامپوریؒ، اور مولوی محمد یحیٰ بہاریؒ وغیرہ، جملہ علوم وفنون کی تکمیل کے بعد سند حدیث کے لئے ۱۲۹۱ھ/ ۱۸۷۴ء میں دہلی تشریف لے گئے، اور حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں سند حدیث حاصل کی، اور وطن واپس ہوئے، اور رحیم آباد ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، تقریباً پچاس (۵۰) طلبہ بیرونی تھے جن کو آپ کے والد ماجد شیخ احمد اللہ کھانا دیتے تھے، دس سال مظفر پور میں درس وتدریس کی خدمت انجام دی، (غالباً والد صاحب کے بعد)، اسی دور میں حضرت مولانا ابراہیم آرویؒ نے مدرسہ احمدیہ آرہ قائم کیا، مولانا وہاں مدرس، پھر ناظم مالیات اور آخر میں مولانا ابراہیم کی ہجرت مدینہ اور وفات کے بعد مہتمم ہوئے، اور آپ نے اس کو بہار کا مرکزی ادارہ بنادیا، بعد میں مالی دشواریوں کی بنا پر آپ اس مدرسہ کو اپنے آبائی ضلع دربھنگہ لے کر چلے آئے، جو مدرسہ احمدیہ سلفیہ کے نام سے مشہور ہوا، یہ اہل حدیث کا آج بھی مرکزی مدرسہ ہے۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا، آپ ==

مولانا عبدالوحید وحیدؔ رحیم آبادیؒ

☆حضرت مولانا عبدالعزیز کے ایک بھائی مولانا عبدالوحید وحیدؔ رحیم آبادیؒ بھی جلیل القدر علماء اور رؤساء میں شمار کئے جاتے تھے، تقریباً ۱۳۳۳ھ/ 1915ء میں انتقال کیا(۲۴)۔

حضرت مولانا سید عبدالغنی بہاری محی الدین نگریؒ

☆حضرت مولانا سید عبدالغنی بہاری محی الدین نگری سمستی پور کی قابل افتخار شخصیتوں میں سرفہرست ہیں، ان کا آبائی وطن بہار شریف کا غذی محلہ تھا، لیکن اپنی سسرال محی الدین نگر میں سکونت اختیار کر لی تھی، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کے شاگرد رشید اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادیؒ کے مرید و خلیفہ تھے، تصنیف و تالیف کا بلند ذوق رکھتے تھے، ''تذکرۃ الحسینی'' ان کی ایک تصنیف تھی، جواب نایاب ہے، اس پر حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی تقریظ تھی، مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کی سنگ بنیاد آپ ہی کے دست مبارک سے رکھوائی گئی، آپ قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے خسر محترم تھے، سن وفات معلوم نہیں ہے(۲۵)۔

مولانا عبدالودود محی الدین نگریؒ

☆حضرت مولانا عبدالودود محی الدین نگریؒ (ولادت جون ۱۸۹۸ء وفات نومبر ۱۹۶۰ء/ جمادی الاولی ۱۳۸۰ھ) دارالعلوم دیوبند کے فرزند جلیل اور بڑے مجاہد آزادی تھے، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے ناظم بھی رہے(۲۶)۔

== آپ نے کئی اہم کتابیں تصنیف کیں: سواء الطریق، حسن البیان، ہدایۃ المعتدی فی قرأۃ المقتدی، اور الرق المنشور وغیرہ، آپ کا وصال ۳/ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۶/ مارچ 1918ء میں ہوا(تذکرۂ علماء بہار ج ا ص ۱۵۲ تا ۱۵۴ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی ☆ محدث میگزین لاہور، شمارہ ۲۰۲ جنوری ۱۹۹۵ء)

(۲۴) تذکرۂ علماء بہار ج ا ص ۱۴۹ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی۔

(۲۵) جنۃ الانوار ص ۴۳ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکاؔ گڑھولوی، طبع ثالث ناشر مرکز التعلیم الاسلامی جالے دربھنگہ، ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء حاشیہ۔

(۲۶) مولانا عبدالودود کے والد کا نام قاضی شیخ حیات بخش تھا، جو محی الدین پور اسٹیٹ میں ناظر تھے، آپ کی ولادت جون ۱۸۹۸ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد مدرسہ عزیزیہ بہار شریف چلے گئے، فراغت ۱۹۲۱ء میں دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی، فراغت کے فوراً بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مدرس ہو گئے، جو اپنے وقت کا معیاری ادارہ تھا، ترک موالات کی تحریک میں حصہ لینے کی بنا پر ایک ماہ کی قید ہوئی، ۱۹۳۱ء میں دوبارہ بغاوت کے ==

مولانا حافظ عبدالرشید رامپوری سمستی پوریؒ

☆ مولانا حافظ عبدالرشید رامپوریؒ ابن حاجی قمرالدین صاحب بھی سمستی پور کے بڑے علماء میں تھے، بہترین خطیب، جمعیۃ علماء صوبہ مغربی بنگال کے صدر، جمعیۃ علماء ضلع سمستی پور کے صدر، مدرسہ حسینیہ رامپور کے بانی اور اپنے گاؤں رامپور کے تمام اداروں قومی لائبریری، مدرسہ، عیدگاہ، اور قبرستان کے صدر عالی قدر تھے، اور سب کا فنڈ انہی کے پاس جمع رہتا تھا، غریبوں کے مسیحا مانے جاتے تھے، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے فارغ اور حضرت مولانا عبدالوہابؒ کے خاص شاگرد تھے، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے ۱۹۳۲ء میں فارغ ہوئے، تحریک آزادی میں پیش پیش رہے، لباس اور وضع قطع صوفیانہ تھا، سر پر عمامہ باندھتے تھے، اچھے حافظ قرآن تھے، ۱۹۵۹ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، تقریباً اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۲۴/مئی ۱۹۸۴ء کو آپ کا انتقال رامپور میں ہوا اور یہیں مدفون ہیں (۲۷)۔

امام النحو حضرت مولانا محی الدین قاسمی چیروٹنویؒ

☆ حضرت مولانا محی الدین قاسمیؒ (ولادت ۱۹۲۲ء وفات ۱۴/اگست ۱۹۷۷ء) مقام چیروٹنہ، پوسٹ صلحابزرگ ضلع سمستی پور) بہار کے ممتاز علماء کی صف اول میں تھے، کئی بڑے مدارس میں مدرس رہے، درس و تدریس کا جو سلیقہ اور علوم وفنون میں ان کو جو مہارت تھی اس دور میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے، خاص طور پر فن نحو میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا، کئی مسائل میں وہ ائمۂ نحو (فراء وسیبویہ وغیرہ) سے بھی اختلاف کرتے تھے، ایک جہان نے ان سے استفادہ کیا، کتنے ہی ذروں کو انہوں نے آسمان بنایا اور ان کے حلقۂ تلمذ سے بڑے نادرۂ روزگار افراد تیار ہوئے (۲۸)۔

== کے جرم میں گرفتار ہوئے مگر رہا ہو گئے، پھر تیسری مرتبہ ۱۹۳۲ء میں دو سال کے لئے جیل کی سزا ہوئی، اس وقت آپ دربھنگہ کانگریس کے صدر تھے، اور بھی کئی ذمہ داریاں آپ پر تھیں، ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک بہار کے محکمۂ دیہات سدھار میں ڈسٹرکٹ پروپیگنڈہ آفیسر کی حیثیت سے کام کیا، ۱۹۴۸ء دربھنگہ ضلع جمعیۃ علماء کے صدر منتخب ہوئے، ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے ناظم رہے، آپ کے تلامذہ میں ملا محمود داؤد پوریؒ، مولانا لطف الرحمن ہرسنگھ پوریؒ، اور مولانا عبدالحفیظ سید ھولویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، نومبر ۱۹۶۰ء/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۱۷۲ تا ۱۷۴ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی)

(۲۷) تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۱۹۳، ۱۹۴ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی۔

(۲۸) مولانا محی الدین کا آبائی وطن موضع چیروٹنہ، پوسٹ صلحابزرگ ضلع سمستی پور ہے، والد ماجد کا اسم گرامی عبدالجلیل تھا، آپ کی ولادت اپنی نانیہال موضع مہیش پور ضلع سہرسہ میں سوموار کے دن بعد نماز مغرب ۱۹۲۲ء میں ہوئی، آپ ==

== کے ماموں جان مولوی نبی جان صاحبؒ نے آپ کا نام محی الدین رکھا۔

والد صاحب گو کہ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن اپنے بچہ کو پڑھانے کی تمنا ان کے دل میں تھی، چنانچہ ابتدائی تعلیم کے لئے وہ اپنے چچا مولوی ریاض الدین کے حوالے کئے گئے، آپ شروع سے ہی بڑے ذہین وفطین تھے، آپ کے شوقِ تعلیم کو دیکھ کر آپ کے خالو جان حافظ عنایت حسین (جو الٰہ آباد میں کپڑے کی تجارت کرتے تھے) آپ کو اپنے ساتھ الٰہ آباد لے گئے، اور آپ کا داخلہ مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد میں کرادیا، وہاں آپ نے چار (۴) سال کی مدت میں فارسی کا نصاب مکمل کیا، اس کے بعد آپ مدرسہ تاج المساجد بھوپال تشریف لے گئے، وہاں تین سال رہے پھر وہیں کے اساتذہ کے مشورہ سے ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور تقریباً سات سال وہاں رہ کر تمام علوم وفنون میں کمال حاصل کیا، بخاری شریف حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھی، علاوہ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت علامہ محمد ادریسؒ، وغیرہ سے بھی بہت سی کتابیں پڑھیں، ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے ----اور بیعت حضرت شیخ الاسلام مدنی سے ہوئے۔

فراغت کے بعد حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ کے ایماء پر مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ میرٹھ میں تدریسی خدمت کا آغاز کیا، ایک سال کے بعد گھر لوٹ آئے، ۱۹۴۷ء میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ نے آپ کا انتخاب مدرسہ امدادیہ کے لئے کیا، اور آپ نے وہاں مسلسل تیرہ (۱۳) سال تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں کے بعد جامعہ قاسمیہ گیا میں مدرس ہوئے، اور وہاں تقریباً تین سال متوسطات کی کتابوں کا درس دیا، پھر وہاں سے مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی بحیثیت صدر المدرسین تشریف لے گئے اور ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء تک یہاں صدر المدرسین رہے، ۱۹۶۴ء میں حضرت امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نے آپ کو جامعہ رحمانی میں تدریسی خدمت کے لئے مدعو کیا، لیکن آپ نے معذرت کردی۔

مدرسہ محمود العلوم دملہ کے بعد ۱۱/ مئی ۱۹۶۴ء سے ۱۹۷۷ء تک تقریباً تیرہ (۱۳) سال مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں آپ شیخ الحدیث بھی تھے اور قاضی بھی۔

آپ اپنے وقت کے محقق عالم دین تھے، آپ کا وجود مدرسہ کی کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا، وہ طلبہ میں خود اعتادی پیدا کرتے تھے، میرے ماموں جان جناب مولانا محی الدین سالک قاسمی (جو ان کے تلمیذ رشید تھے) نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم ان سے پڑھ کر دیوبند گئے تو دیوبند میں ان کے پایہ کا ایک بھی مدرس نہیں تھا۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت مولانا عبدالحنان بالاساتھویؒ، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب سابق شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول، حضرت مولانا حسیب الرحمن صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد، مولانا محمد یعقوب قاضی شریعت ومہتمم مدرسہ جامع العلوم مظفر پور اور میرے ماموں جان مولانا محی الدین ==

مولانا محی الدین سالکؔ قاسمی صلحاویؒ

☆موجودہ دور کے لوگوں میں میرے ماموں جان حضرت مولانا محی الدین سالکؔ قاسمیؒ (م ۹/ مارچ ۲۰۲۰ء-صلحابزرگ، ضلع سمستی پور) سابق آر ڈی ڈی دربھنگہ کمشنری و اسپیشل ڈائرکٹر محکمۂ تعلیمات صوبۂ بہار بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، ۱۹۶۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، ان کو تین زبانوں عربی، فارسی، اردو پر کامل عبور حاصل تھا، تنقیدی شعور بہت پختہ تھا، ترپل ایم اے تھے اور فرسٹ کلاس فرسٹ پاس کیا تھا، صاحب دیوان شاعر تھے، آپ کا دیوان اردو میں ہے اور قریب سات آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے، مگر اب تک غیر مطبوعہ ہے، وہ اس کو شائع کرنا چاہتے تھے، مگر افسوس اس کی مہلت نہ مل سکی، ہمارے اس خطہ میں فضلاء مدارس میں آپ واحد شخص تھے جو اس قدر علم و فضل کے ساتھ سرکاری محکمۂ تعلیم کے اتنے بلند منصب پر پہونچے، بلکہ ہندستان کے دیگر خطوں میں بھی ایسی مثالیں کم ہی ملیں گی۔

مولانا الطاف حسین مظاہری چیروٹنویؒ

☆اس موقعہ پر مولانا الطاف حسین مظاہریؒ (چیروٹنہ، ضلع سمستی پور) سابق ناظم تعلیمات مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارن پور یوپی کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، انہوں نے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں ہمارے اس خطہ کی بہترین نمائندگی کی، جس زمانہ میں (۱۹۸۵ء تا ۱۹۸۸ء) میں یہ حقیر دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا، وہ مدرسہ مظاہر علوم کے دفتر تعلیمات میں میر منشی تھے، غضب کا حافظہ پایا تھا، کسی طالب علم کو ایک بار دیکھنے کے بعد بھولتے نہیں تھے، ان کو فریب دینا آسان نہیں تھا، اس لئے طلبہ ان سے بہت خوفزدہ رہتے تھے، اسی دور میں دارالعلوم دیوبند کے دفتر تعلیمات میں ان کے ہم منصب منشی عزیز احمد صاحبؒ تھے، جو اپنی قوت حافظہ کے لئے ضرب المثل تھے، منشی عزیز احمد صاحب ساری زندگی اسی منصب پر فائز رہے، لیکن مولانا الطاف حسینؒ ترقی کر کے ناظم تعلیمات کے عہدہ تک پہونچ گئے تھے۔

== سالکؔ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

آخر وقت میں بیمار ہوئے تو علاج کے لئے دربھنگہ لے جایا گیا اور وہیں ۱۴/ اگست ۱۹۷۷ء میں ان کی وفات ہوئی، مدرسہ امدادیہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اور دربھنگہ مہراج گنج قبرستان میں حضرت مولانا عبدالرحیمؒ کے بغل میں مدفون ہوئے (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۱۴۱ ۳ تا ۳۴۳ ۳ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی، ناشر جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ سیتامڑھی، ۱۹۹۵ء☆ اور بعض چیزیں اس حقیر کی اضافہ کردہ بھی ہیں)

غرض سمستی پور کا خطہ بڑا زرخیز رہا ہے۔

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

نیز مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی اور مدرسہ خیر العلوم بردونی (۱۹۵۹ء) کے قیام سے بھی اس ضلع کی علمی عظمت وشہرت میں اضافہ ہوا۔

سمستی پور میں تصوف وروحانیت کی چہل پہل

☆ سمستی پور تصوف وروحانیت کا بھی مسکن رہا ہے، یہاں بڑے صوفیا تو پیدا نہیں ہوئے، لیکن باہر سے آنے والے صوفیا کا یہ مرکزِ توجہ ضرور رہا ہے، مثلاً:

☆ سمستی پور کے مشرق میں روسڑا کے قریب ایک مقام ''بزرگ دوار'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلیؒ کے چار خلفاء یہاں تشریف لائے تھے، جن میں ایک بزرگ کی خام قبر آج بھی وہاں موجود ہے، اور صدیوں سے سلسلۂ ارشادو ہدایت بھی جاری ہے، عرصہ تک ایک مدرسہ بھی بڑی شان سے وہاں چل رہا تھا، اسی زمانہ میں ایک بزرگ خواجہ سعد اللہ صاحب یہاں تشریف لائے، وہ بڑے صاحب جلال تھے، اچانک ان کے جلال کی زد میں آ کر چار طلبہ نیم جان ہو گئے، پھر انہی کی توجہ سے وہ زندہ بھی ہوئے، انہوں نے بزرگ دوار میں دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی، مگر بزرگ دوار کے صاحب سجادہ نے وہاں ان کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں دی، اس لئے کہ ان سے مزید نقصان کا اندیشہ تھا، صاحب سجادہ نے وہاں سے کچھ فاصلہ پر ایک جگہ کی نشاندہی کی اور کہا کہ آپ وہیں جا کر قیام کریں اور یہی چاروں طلبہ آپ کی خدمت کریں گے اور تجہیز وتکفین کا بھی انتظام کریں گے، چنانچہ خواجہ سعد اللہ صاحبؒ حسب ہدایت اسی مقام پر چلے گئے، وہ ایک وسیع وعریض جنگل تھا، کچھ دنوں کے بعد سانپ کے کاٹنے سے ان کی وفات ہوگئی اور انہی چار طلبہ نے ان کی تجہیز وتکفین کا انتظام کیا، خواجہ سعد اللہ کا مزار وہیں مرجع خلائق ہے، البتہ بزرگ دوار کا مدرسہ قصۂ ماضی ہو چکا ہے (۲۹)۔

☆ بزرگ دوار کے سجادگان کی ایک خانقاہ منورواشریف سے قریب ''بڑاہی'' گاؤں میں بھی تھی، جن میں آخری سجادہ حضرت مولانا حاجی شمس الحق صاحبؒ (م ۱۷/ اپریل ۲۰۱۱ء) ولد مولانا حاجی مقبول حسنؒ تھے، مجھے ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، خانقاہ کی بڑی جائیداد (قریب سولہ بیگھہ زمین) بھی اس گاؤں میں تھی، اب وہ خانقاہ ختم ہو چکی ہے اور جائیداد بھی، یہ سلسلۂ چشت کی خانقاہ تھی جس کو مولانا شمس الہدیٰ صاحبؒ کے نانا حاجی صفدر علیؒ نے قائم کیا تھا (۳۰)۔

(۲۹) یہ قصہ میرے والد ماجد نے بزرگ دوار کے سجادہ نشیں جناب شمس الہدیٰ صاحبؒ کے حوالے سے بیان فرمایا۔

(۳۰)- یہ باتیں مولانا شمس الہدیٰؒ (بزرگ دوار) کے اہل خانہ سے معلوم ہوئیں۔

☆ سلسلۂ چشت کے ایک اور بزرگ حضرت عبدالباقیؒ جمال پور سے تشریف لاتے تھے، اس علاقے میں ان کا مرکز منورواشریف سے قریب دریائے کرے کے کنارے ''لادھ کپسیا'' تھا، کہتے ہیں وہ دہلی کے رہنے والے تھے، اور بڑے صاحب کرامات تھے، مشہور ہے کہ کوئی شخص مشتبہ کھانا کھلا دیتا تو وہ شب کے وقت ندی میں اپنی آنت نکال کر دھو لیتے تھے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆ سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ حضرت عبدالکریم بغدادیؒ کا بھی اس علاقے میں دورہ ہوتا تھا، وہ کہاں کے رہنے والے تھے یہ معلوم نہیں ہے، منوروااور سکھاسن وغیرہ کئی بستیوں میں ان کے معتقدین موجود تھے۔

☆ سلسلۂ وارثیہ کی ایک خانقاہ منورواشریف سے مشرق میں ایک گاؤں ''میگھونہ'' میں تھی، جہاں ایک بزرگ نقیب اولیاء حاجی نقیب شاہ تھے، وہ حاجی صندل شاہؒ کے خلیفہ تھے، ان کا اس علاقے میں بڑا اثر تھا۔

☆ میگھونہ میں ایک اور وارثی بزرگ عبادت شاہ عرف برہنگی شاہؒ (م اگست ۱۹۶۴ء) تھے جن کی ایک خانقاہ چٹیا بیلاری ضلع بھاگلپور میں بھی تھی، بڑے صاحب کرامات تھے، ان کا مزار میگھونہ میں ہے، اور ''بورنگ شاہ'' کا مزار کہلاتا ہے(۳۱)۔

☆ حاجی نقیب اولیاءؒ کے ایک خلیفہ حاجی شبیر شاہؒ نے بھی اس علاقہ میں بڑی شہرت پائی، پورے خطہ میں ان کے اثرات تھے، اس خطہ میں ان کا مرکز ''صلحابزرگ'' اور ''سون منی'' دو بستیاں تھیں، جہاں وہ ہفتوں قیام کرتے تھے، ان کا مزار ہلدیہ ضلع ارریہ بہار میں ہے۔

☆ اسی طرح سلسلۂ قادریہ فریدیہ (حضرت فریدالدین آرویؒ) کی خانقاہیں منورواشریف کے جنوب مشرق میں ایک بستی ''جوگیا شریف'' اور اس سے کچھ اور آگے دوسری بستی ''بچھوتہ شریف'' میں تا حال قائم ہیں، جن پر قریب ایک صدی گذر چکی ہے، آج بھی ان کے اثرات خطہ میں موجود ہیں۔

☆ سلسلۂ قادریہ مجیبیہ پھلواری شریف کے اثرات بھی اس علاقے میں بہت گہرے تھے خاص طور پر صلحابزرگ اور چیروٹنہ میں وہاں سے منسلک لوگوں کی بڑی تعداد تھی، میرے نانیہالی خاندان کے اکثر اکابر بھی یہیں سے وابستہ تھے، وقتاً فوقتاً خانقاہ کے بزرگوں کا یہاں دورہ بھی ہوتا تھا، اور یہاں کے لوگ ان کے لئے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔

یوں صلحابزرگ کئی بزرگوں کی آماجگاہ تھا، یوپی اور بہار کے مختلف مسلک ومشرب کے علماء اور مشائخ کی

(۳۱) یہ باتیں جناب برہنگی شاہ صاحبؒ کے پوتے جناب عبدالخالق صاحب سے معلوم ہوئیں۔

یہاں آمد ہوتی تھی، اور ہر ایک کی یہاں قدر کی جاتی تھی۔

☆ آخری دور میں سلسلۂ نقشبندیہ رحمانیہ (سلسلہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ) کے اثرات بھی یہاں نفوذ کر گئے تھے، جن میں خاص طور پر بردونی، صلحابزرگ، چیروٹنہ اور لادھ پر یہاں کے معتقدین کی بڑی تعداد ہے۔

غرض یہ پورا علاقہ علم وادب، دعوت واصلاح اور معرفت وروحانیت کے لحاظ سے زرخیز تھا، اور مختلف خطوں اور سلسلوں کے مشائخ کی نیک توقعات اور پاک سرگرمیوں کا یہ مرکز رہا ہے۔

یہی وہ خصوصیات تھیں جن کی بنا پر قدرت کی طرف سے قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کی دینی، علمی اور روحانی سرگرمیوں کے لئے اس خطہ کا انتخاب عمل میں آیا، اور حضرت اپنے نانا اور شیخ اول حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کے توسط سے اس سرزمین پر وارد ہوئے اور منور وا شریف کو اپنی سکونت کے لئے اختیار فرمایا۔

منور واشریف - ماضی وحال

منور واشریف کی اکثر آبادی تارکین وطن پر مشتمل ہے، اصل مقامی آبادی پچیس فی صد سے زیادہ نہ ہوگی، زیادہ تر لوگ مختلف وجوہات کے تحت دوسرے مقامات سے یہاں آکر آباد ہوئے، اس طرح یہ گاؤں مختلف علاقوں کے رنگ ومزاج اور تہذیبوں کا سنگم اور متنوع خاندانوں کا ایک گلدستہ ہے۔

محل وقوع کے لحاظ سے یہ بستی مختلف بڑے شہروں کے وسط میں واقع ہے، پہلے یہ بستی دریائے کرے کے مغربی کنارے پر واقع تھی جس سے تھوڑی فاصلے پر ہی دریائے کرے اور دریائے کملابلان کا سنگم موجود ہے، جہاں دونوں ندیاں اپنے الگ الگ رنگوں کے ساتھ بہہ رہی ہیں۔

۱۹۶۴ء کے خوفناک سیلاب میں یہ پوری بستی غرقاب ہوگئی، اور لوگ وہاں سے منتقل ہو کر تھوڑے فاصلے پر مٹی کے باندھ کے قریب آباد ہوئے، تا کہ ہنگامی حالات میں یہ باندھ ان کے لئے حصار ثابت ہو، اس کے بعد اس بستی کی نشأۃ ثانیہ شروع ہوئی، اور دریائے کرے سے نکلی ہوئی ایک ذیلی نہر کے دو کناروں پر دور تک پھیلتی چلی گئی، اور اس کی ساخت اس طرح کی ہے کہ اس کو کبھی بھی کسی خوبصورت سیاحتی مقام میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

اس طرح منور واشریف کی تاریخ مسکن قدیم اور مسکن جدید دو قسم کے تمدنوں سے مل کر تیار ہوئی ہے، اور ثنویت میں وحدت کی بہترین مثال ہے اور یہ وہ امتیاز ہے جو اس خطہ میں کسی آبادی کو حاصل نہیں ہے۔

حضرت منورویؒ اور آپ کے نانا جان سے قبل کوئی قابل ذکر شخصیت تو یہاں نہیں گذری، اور نہ اس بستی کی کوئی علمی اور تاریخی حیثیت تھی، البتہ منوروا کے پرانے مسکن کی مسجد میں ایک قبر حاجی بدھو صاحبؒ کی تھی، جو سیلاب کی نذر ہوگئی، بتایا جاتا ہے کہ انہوں نے پا پیادہ حج کی سعادت حاصل کی تھی، یہ اُس دور میں اس علاقے کے لئے ایک نادر بات تھی، حاجی بدھوؒ کی دیگر تفصیلات معلوم نہیں ہیں، اور یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ ان کو مسجد کے صحن میں دفن کرنے کی کیا وجہ ہوئی؟ اس حقیر نے بچپن میں اس مسجد کے کھنڈرات دیکھے تھے اور اس قبر کو بھی، اب وہ نہ قبر ہے اور نہ کھنڈرات، رہے نام بس اللہ کا۔

اس کے علاوہ اس گاؤں کی اور کوئی خصوصیت نہیں تھی، لیکن اللہ پاک کو منظور تھا کہ یہ سرزمین حضرت منورویؒ کے نور سے منور ہو اور آپ کے ذریعہ اس کی ایک شناخت قائم ہو۔

حضرت منورویؒ کے نانا محترم حضرت مولانا شاہ امیر الحسن قادریؒ آخر میں صلحا بزرگ سے اسی گاؤں میں منتقل ہوگئے تھے، اور یہیں اپنی کچھ زمینیں بھی خریدی تھیں، پھر نانا کے بعد کلی طور پر یہ گاؤں حضرت منورویؒ کی دینی، علمی اور روحانی خدمات کا مرکز قرار پایا، قریب و بعید سے ارباب ذوق اور طالبین وسالکین کی آمد شروع ہوئی، پھر یہ بستی تاریخ کی روشنی میں آگئی، اور جہاں ماضی میں دور دور تک علم ورو حانیت کی کوئی رمق نظر نہیں آتی، وہاں روحانیت کی خانقاہ اور علم کی درسگاہ قائم ہوگئی، واقعی زمینوں کا بھی اپنا نصیب ہوتا ہے، **ذلك فضل الله يو تيه من يشاء.**

اس تالیف کا پس منظر

اب کچھ بات صاحب سوانح کی اور میری اس تالیف کے پس منظر کی بھی ہوجائے:

حضرت منورویؒ کا وصال نومبر ۱۹۶۷ء میں ہوا، حضرت کے وصال کے بعد قریبی مدت میں آپ کی سوانح کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاسکی، اگر اس وقت یہ کام کیا گیا ہوتا تو یقیناً مواد اور معلومات کے لحاظ سے زیادہ بہتر کام ہوتا، اس لئے کہ اس وقت براہ راست آپ کی صحبت میں بیٹھنے والوں اور سفر و حضر میں ساتھ رہنے والوں کی بڑی تعداد موجود تھی، عام مریدین کے علاوہ خاص بلکہ خاص الخاص لوگ بھی موجود تھے، آپ کی زندگی، اور علوم و معارف کے تمام ممکنہ گوشے بآسانی میسر ہوسکتے تھے، آپ کے مکاتیب جمع ہوسکتے تھے، جو تصوف کے بہت سے سوالات کے جوابات اور خوبوں کی تعبیرات پر مشتمل تھے، حضرت منورویؒ کی عادت تھی کہ اپنے خطوط میں چھوٹی چھوٹی جزئیات کا بھی ذکر فرماتے تھے، کم از کم آپ کے تمام خطوط میسر آجاتے تو آپ کی بہترین سیرت تیار ہوسکتی تھی، اور زندگی کا کوئی گوشہ ان شاء اللہ تشنہ نہیں رہتا، گو کہ آپ اپنے حالات کا زیادہ تر اخفا فرماتے تھے، لیکن جو چیزیں کھلی آنکھوں سے دیکھی گئی تھیں، کم

ازکم ان کا ریکارڈ جمع ہوسکتا تھا،لیکن فیصلۂ الٰہی سے چارہ نہیں، اللہ پاک جتنے حالات ظاہر کرنا چاہتے ہیں،اس سے زیادہ کوئی کرنہیں سکتا،اوراسی کے فیصلہ میں خیر ہے۔

حضرت منورویؒ کے حالات پراب تک کا تحریری سرمایہ

مجھے یقین ہے کہ کئی لوگوں کواس بات کا خیال آیا ہوگا کہ حضرتؒ کی سوانح کا کام ہونا چاہئے،آپ کے حلقہ میں اہل علم اوراصحاب تصنیف کی کمی نہیں تھی،اوران میں بہت سے اہل معرفت بھی تھے (اور مجھےاس کا بھی احساس ہے کہ اگروہ اکابراس اہم کام کوانجام دیتے،توآج سے بدرجہا بہتر چیز تیار ہوتی) لیکن جہاں تک مجھے علم ہے حضرت کی سوانح کے تعلق سے غالباً سب سے پہلا خیال حضرت مولانا مظفر عالم کشفی صاحب مدظلہ العالی نے میرے والد ماجد کے نام اپنے ایک خط میں (جس پر تاریخ واضح نہیں ہے) ظاہر کیا تھا،انھوں نے والدصاحب سے ضروری کاغذات کی نقل مانگی تھی---اس سے آگے کی کوئی پیش رفت معلوم نہیں ہے۔

☆اس کے بعد پھرعرصہ تک خاموشی رہی،حضرت کے وصال کےتقریباًبیس (۲۰) سال بعد ۱۹۸۷ء میں میرے والد ماجد نے حضرت منورویؒ کی کتاب ’’حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ‘‘ کی اشاعت دوم کے موقعہ پراس میں آپ کے حالات پردو(۲)صفحات کا اضافہ فرمایا،اورحضرت کی شخصیت کےتعلق سےضروری اشارات شامل فرمائے---حضرتؒ کے حالات نویسی کے سلسلے میں یہ گویا پہلی عملی پیش رفت تھی۔

☆پھرحضرت کے وصال کے ستائیس (۲۷) سال بعدآپ کے حالات کاایک مختصرتذکرہ ’’ارواح طیبہ‘‘(مؤلفہ حضرت مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ،ناشرمکتبہ عزیزیہ سیتامڑھی ، ۱۹۹۴ء) میں سامنے آیا،اس میں حضرت منورویؒ کےبعض خلفاء کابھی ذکر ہے۔

☆ارواح طیبہ کی اشاعت کےایک سال بعد ۱۹۹۵ء میں محترم جناب مولاناشمس الہدیٰ صاحب مدظلہ العالی (خلیفہ حضرت حاجی منظوراحمدمصرولیاویؒ) کی کتاب ’’الاکلیل‘‘ منظرعام پرآئی،اس میں حضرت کاذکرنسبتاًتفصیل کےساتھ کیا گیا تھا،اس کتاب کے چار ابواب میں سے تیسراباب حضرت منورویؒ کے لئے خاص ہے جوتریپن (۵۳)صفحات پرمشتمل ہے(بلحاظ طبع ثانی) جب کہ پہلا باب حضرت گڑھولویؒ،دوسراباب حضرت پنڈت جیؒ اور چوتھاباب حضرت حاجی منظوراحمدؒ کے لئے ہے۔

☆جناب مولاناشمس الہدیٰ صاحب ہی کی دوسری کتاب سیرالصالحین ۲۰۱۷ء میں (یعنی حضرت کےوصال کے پچاس سال بعد) شائع ہوئی،اس میں متعدد بزرگان نقشبند کامختصرتذکرہ ہے،حضرت

منورویؒ کا ذکر بھی دو (۲) صفحات میں ہے، اوراس میں اختصار کے ساتھ انہی باتوں کا اعادہ ہے، جو وہ اس سے قبل الاکلیل میں لکھ چکے تھے۔

حضرت منورویؒ کی کوئی مستقل سوانح اب تک شائع نہیں ہوئی

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے وصال پر آج تقریباً ترپن (۵۳) سال گذر جانے کے باوجود (چند جزوی تذکروں کو چھوڑ کر) اب تک کوئی مستقل سوانح آپ کی شائع نہیں ہوئی۔

اس حقیر کو اس بات کا بہت دنوں سے احساس تھا، گو کہ حضرت جدامجدؒ کی زیارت کا شرف مجھے حاصل نہیں ہے، میری پیدائش آپ کے وصال کے چھ (۶) ماہ بعد ہوئی، لیکن اپنے گھر میں بچپن سے ہی سب سے زیادہ جس شخصیت کا تذکرہ سنا وہ جدامجد ہی تھے، اور سچ یہ ہے کہ ہمارا ان کے علاوہ یہاں کوئی تھا بھی نہیں، اس علاقے میں ہمارا شجرہ انہی سے شروع ہوتا ہے، اس لئے تعلیم سے فراغت (۱۹۸۷ء) کے بعد سے ہی مجھے اس کام کا خیال تھا، لیکن پھر اپنی نااہلی کے سبب یکگونہ یہ بھی خیال آتا تھا کہ سلسلہ کے پرانے لوگ شاید یہ خدمت انجام دیں، مگر پرانے بادہ خوار آہستہ آہستہ اٹھتے گئے، میکدہ خالی ہوتا گیا اور کوئی باقاعدہ چیز سامنے نہ آسکی، جو بعض جزوی چیزیں سامنے آئیں ان میں (ایک آدھ کا استثنا کرکے) صحت وتحقیق اور استناد کا زیادہ اہتمام نہیں کیا گیا تھا، اس لئے وہ اغلاط سے پاک نہیں تھے---

حضرت منورویؒ کے متعلقین کے نام اس حقیر کا ایک خط

بالآخر اپنی نااہلی کے باوجود میں نے اس کام کا ارادہ کرلیا، اوراس کی صورت اولاً یہ تجویز کی کہ سلسلہ کے پرانے لوگ جو ابھی موجود ہیں، ان سے حضرت کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مضامین لکھوائے جائیں، اوران کا ایک مجموعہ شائع کردیا جائے، جو حضرت کی باقاعدہ سوانح کے لئے بعد میں دلیل راہ کا کام دے، چنانچہ آج سے تقریباً بیس (۲۰) سال قبل اور حضرت کے وصال کے تقریباً چونتیس (۳۴) سال بعد جب میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں مدرس تھا، یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۵ / مارچ ۲۰۰۱ء کو سلسلہ سے وابستہ تمام اہل علم کو میں نے ایک جوابی خط تحریر کیا، یہی خط چونکہ اس موضوع پر میرے کام کا نقطۂ آغاز ہے اس لئے اس کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس سے اندازہ ہوگا کہ میں حضرت جدامجدؒ کی حیات طیبہ کے کن خطوط پر کام کرنا چاہتا تھا، اور حضرت کی سوانح نویسی کے لئے کن سوالات کے جوابات کی ضرورت تھی؟ وہ خط درج ذیل ہے:

مخدوم و معظم! دامت برکاتکم العالیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

شمالی اور مشرقی بہار میں عارف باللہ قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں ہے، قطب العالم حضرت مولانا بشارت کریم صاحب گڑھولویؒ کے وصال پر ملال اور حضرت شاہ نوراللہ عرف پنڈت جیؒ کی ہجرت پاکستان کے بعد سلسلۂ گڑھولویؒ کے تنہا ماٗ وی و مرجع آپ ہی کی ذات گرامی تھی، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ ہی کے بلاواسطہ یا بالواسطہ مستفیدین و منتسبین اس عظیم روحانی سلسلے کو آج تک زندہ رکھے ہوئے ہیں، ہر مکتب فکر و عمل کے علماء و دانشور اور پڑھے لکھے لوگ آپ سے رجوع ہوئے اور ہر ایک کو آپ کا فیض ملا، آپ بڑے صاحب نسبت اور قوی التاثیر بزرگ تھے۔

مگر یہ ایک المیہ سے کم نہیں کہ آپ کے وصال کو آج چونتیس (۳۴) سال کا عرصہ ہونے جارہا ہے، لیکن ان پر کوئی باقاعدہ کتاب ''سوانح حیات یا خصوصی اشاعت'' نہ آسکی، جب کہ ان کے حلقہ منتسبین میں علماء اور لکھنے والوں کی کمی نہیں تھی، مگر ہمارے بہار کے بزرگوں کا جو عمومی مزاج گمنام پسندی اور اپنے کو چھپانے کا رہا ہے، اس کی وجہ سے ہمارے بہت سے اکابر کی زندگیوں کے انتہائی اہم حصے نگاہوں سے مخفی رہ گئے، حالانکہ اگر ان پر توجہ دی جاتی اور عام طور پر لوگوں کے علم میں ان کو لایا جاتا تو عبرت و موعظت کے بیش بہا خزینے لوگوں کو میسر آتے۔

حضرت منورویؒ بھی انہی گمنام ہستیوں میں سے ایک ہیں، جنہوں نے اپنے حلقے میں بڑے اہل نسبت، ارباب علم و تحقیق، اور اصحاب جستجو شخصیات کو چھوڑا، مگر ان کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی نسبت تو زندہ رہی، اور سلسلہ بھی قائم و جاری رہا، مگر خود ان کی تصویر دھندلی ہوگئی، ان کی شخصیت کے کئی پہلو تشنۂ تحقیق رہ گئے، اور عام طور پر ان کے متوسلین نے اس پر دھیان نہیں دیا، جزوی طور پر مختلف رسائل اور کتابوں میں ان کا تذکرہ آیا ہے، مگر ان کی شخصیت کے ضروری پہلوؤں پر کوئی باقاعدہ واضح اور مستند چیز نہیں آسکی، مجھے اس ضرورت کا احساس بہت دنوں سے تھا، مگر آج جب کہ حضرت سے براہ راست استفادہ کرنے والے حضرات رفتہ رفتہ رخصت ہوتے جارہے ہیں، جو معلومات اور حقائق کے اصل سرچشمہ بن سکتے تھے، تو یہ ضرورت اور شدید ہوگئی ہے کہ بلا تاخیر جس حد تک ممکن ہو حضرت پر ایک خصوصی اشاعت آنی چاہئے، جامعہ ربانی منورواشریف جو حضرت کی خانقاہ سے وابستہ ہے اور جو حضرت کی یادگار کے طور پر قائم ہوا ہے، اس پر بجا حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کی کسی ذمہ دارانہ اشاعت

کا بار اٹھائے، چنانچہ جامعہ کے ارباب انتظام نے فیصلہ کیا ہے کہ جامعہ کی طرف سے حضرت پر ایک خصوصی اشاعت پیش کی جائے۔

جناب والا کا حضرت منورویؒ یا اس سلسلہ سے جو خصوصی تعلق رہا ہے، اس کے پیش نظر آپ سے گذارش ہے، کہ اپنی معلومات کے مطابق حضرت کی شخصیت پر ایک مفصل تحریر عنایت فرمائیں، اپنی تحریر مرتب کرنے کے دوران درج ذیل پہلوؤں کو پیش نظر رکھیں تو بہتر ہے:

☆ ولادت، نسب اور خاندانی حالات ☆ ابتدائی تعلیم و تربیت ☆ ازواج و اولاد ☆ متوسطات کی تعلیم اور فراغت ☆ حکمت کی تعلیم کب حاصل کی اور کہاں کہاں آپ کا مطب رہا؟ ☆ کن سلاسل میں آپ بیعت ہوئے اور کن بزرگوں سے؟ ☆ سب سے پہلے کس سلسلے میں اور کس بزرگ سے بیعت ہوئے؟ ☆ کن سلسلوں میں آپ کو خلافت و اجازت حاصل ہوئی اور کن سے؟ ☆ حضرت مولانا ابوالخیر فاروقی دہلویؒ اور حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلویؒ سے آپ کے تعلق کی نوعیت؟ ☆ حضرت مولانا بشارت کریم صاحبؒ سے تعلق کی نوعیت؟ ☆ حضرت پنڈت جیؒ سے تعلق کی نوعیت؟ ☆ کتنے حج کئے اور کن تواریخ میں؟ تفصیلات ☆ تعلیم و تربیت کے میدان میں حضرت کی خدمات؟ ☆ تصوف کے میدان میں حضرت کی خدمات ☆ حضرت کے طرز تعلیم و تربیت کی خصوصیات ☆ معاصر بزرگوں میں حضرت کا امتیاز ☆ حضرت سے آپ کی ملاقات اور تعلق کی نوعیت اور وہ واقعات و مشاہدات جن سے آپ متأثر ہوئے ☆ خلفاء و مجازین ☆ حضرت کے مخصوص لوگ ☆ تصنیفات و تالیفات ☆ حضرت کے مرتب کردہ شجرات سلاسل پر نظر ☆ حضرت بحیثیت حکیم جسمانی ☆ حضرت کے مخصوص نسخہ جات ☆ مکاتیب و خطوط ☆ حضرت کی پسندیدہ غذائیں ☆ حضرت کی مخصوص اصطلاحات ☆ وفات حسرت آیات ☆ حضرت کی وفات پر لکھے گئے منظوم تأثرات و احساسات ☆ حضرت کے حالات سے متعلق کتابیں اور ان کا جائزہ۔

مندرجہ بالا گوشوں میں سے جس ایک یا ایک سے زائد گوشوں پر آپ مضمون تحریر فرمانا چاہیں، براہ کرم ان کی تعیین فرما کر جوابی کارڈ سے مطلع فرمائیں، یا ان کے علاوہ کوئی اور پہلو آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی آپ شامل فرما سکتے ہیں، ہماری کوشش ہے کہ یہ اشاعت جامعہ کے چوتھے سالانہ اجلاس (منعقدہ ۷ ۲ / رجب المرجب ۲۲ ۱۴ھ) سے قبل تیار ہو جائے، تاکہ اجلاس میں اس کی رسم اجراء انجام دی جا سکے، اس لئے جناب والا سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ ۳۰ / ربیع الاول ۲۲ ۱۴ھ تک اپنی تحریر جامعہ کے پتہ پر ارسال فرما کر شکریہ کا موقعہ عنایت فرمائیں۔

والسلام
اختر امام عادل قاسمی
خادم جامعہ ربانی منورواشریف، ضلع سمستی پور بہار
استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام صلالہ بارکس حیدرآباد
یکم محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

مگر قارئین کو سن کر حیرت ہوگی کہ کسی ایک نے بھی اس خط کا جواب نہیں دیا، بعض نے صرف اتنا کہا کہ اتنی تفصیلات کا ہمیں علم نہیں ہے، اور بعض نے کہا کہ ان سوالات کا جواب تو آپ ہی لوگ بتا سکتے ہیں؟---

اس طرح خصوصی اشاعت کا پروگرام پورا نہ ہوسکا، اور بالآخر میں اللہ کے بھروسے پر تنہا اس سفر پر نکل گیا، بلاشبہ راستے میں مختلف منزلوں پر کئی اہل علم اور اصحاب ذوق دوستوں اور بزرگوں کا ساتھ ملا، اور ان کے تعاون ورہنمائی سے بہت سے راستے کھلے، اور کئی مخفی گوشے سامنے آئے، میرا یہ تحقیقی سفر مسلسل جاری رہا، سب سے بڑا مسئلہ کاغذات اور کتابوں کی تلاش اور حقائق تک رسائی کا تھا، خاص طور پر آپ کے سلاسل کی دریافت اور آپ کے مشائخ کی تحقیق کا مرحلہ بہت مشکل تھا، پھر ہر سلسلہ سے وابستہ بزرگوں کے حالات جمع کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا، اکثر حضرات صرف سلسلۂ گڑھول شریف اور حضرت شاہ نوراللہؒ سے واقف ہیں، گوکہ ان کی بھی پوری تفصیل ذہنوں میں نہیں ہے، جب کہ حضرت منورویؒ کو مختلف سلاسل میں مختلف مشائخ سے نسبت واجازت حاصل تھی، حضرت منورویؒ کا اولین روحانی سلسلہ قادریہ رزاقیہ ہے، جس کی اجازت وخلافت آپ کو اپنے نانا جان حضرت مولانا امیرالحسن قادریؒ (م ۱۹۲۱ء) سے حاصل تھی، بہت کم لوگ ہیں جن کو اس سلسلہ کی تفصیلات کا علم ہو، ان تفصیلات تک رسائی واقعی دشوار تھی، ہمیں بھی ابتداء میں آپ کے نانا جان کے پیر صاحب کا صرف نام معلوم تھا، ان کا کوئی شجرہ تک گھر میں موجود نہیں تھا، غالباً ۱۹۶۴ء کے سیلاب میں سب ضائع ہوگیا،---

اسی طرح آپ کے سلسلۂ شاذلیہ کے شیخ حضرت مولانا شاہ برکت اللہ دہلویؒ کی شخصیت بالکل گمنام ہے، ان کا شجرہ اگر موجود نہ ہوتا تو اس سلسلہ کے مشائخ کا بھی پتہ نہ چل سکتا تھا، حضرت شاہ برکت اللہؒ کی شخصیت اور بھی تہ در تہ پردہ میں مستور تھی۔

آپ کے دیگر سلاسل نسبتاً معروف ہیں، لیکن ان کے بھی بہت سے بنیادی اجزاء غائب ہیں، جن کے بغیر واقعہ کی مکمل تصویر کشی ممکن نہیں، تقریباً ہر سلسلہ کا کم وبیش یہی حال ہے۔

☆ آپ حکیم تھے اور با قاعدہ آپ نے اس کا نصاب پڑھا تھا، مگر کس ادارہ میں؟ اور کب؟ زمانۂ تعلیم پر قریب ایک صدی گذر جانے کے بعد کون اس کی رہنمائی کرے گا؟

☆ آپ کی زندگی کا بڑا حصہ پورنیہ میں گذرا، پورنیہ سے آپ کو قلبی لگاؤ تھا، مگر المیہ یہ ہے کہ وہاں کے قیام کی تفصیلات پر سب سے زیادہ گرد پڑی ہوئی ہے، اور تذکرہ نگاروں نے آپ کے زندگی کے اس بڑے حصہ کو ہمیشہ نظر انداز کیا۔

☆ آپ نے دو حج کئے، لیکن بعض واقعات کے علاوہ دونوں حج کی اکثر تفصیلات کا علم نہیں تھا، دوسرے حج میں چند رفقاء سفر شامل تھے، لیکن پہلا سفر حج آپ نے تنہا کیا تھا، ان کی تفصیلات کسی اسرار سے کم نہیں تھیں۔

لیکن اللہ پاک کی مدد سے سارے مراحل آسان ہوتے چلے گئے، اور راستے نے خود منزلوں کی رہنمائی کی، جیسا کہ کتاب پڑھتے ہوئے قارئین کو اندازہ ہوگا، ورنہ مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے جو حضرت منورویؒ کے شرف زیارت سے بھی محروم رہا ہو ان کی زندگی کے احوال مبارکہ، شخصیت کے اسرار ورموز اور ان کے سفر باطن کے مختلف ادوار پر کام کرنا آسان نہ تھا۔

آج بیس (۲۰) سال کے بعد جب یہ کتاب قارئین تک پہونچ رہی ہے تو ایک طرف میرا دل مسرت بے پایاں سے لبریز ہے تو دوسری طرف اس دوران اپنے بہت سے بزرگوں اور دوستوں کے گذر جانے کا غم بھی ہے، جن کا اصرار واشتیاق میرے حوصلہ کی طاقت کو مہمیز کرتا تھا، اور جن کی دی گئی معلومات نے میرے لئے دلیل راہ کا کام کیا---افسوس وہ سوانح آنے سے قبل ہی خود صاحب سوانح کی دنیا میں چلے گئے، اب نہ ان کو کوئی انتظار پریشان کرتا ہوگا اور نہ کوئی آتش عشق جھلساتی ہوگی، ان میں خاص طور پر جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ (کملپور ردیناجپور)، حضرت صوفی منظور احمد صاحبؒ (موتیہاری چمپارن) اور ڈاکٹر عبد الرحمنؒ (صلحا بزرگ، سمستی پور) میرے لئے ناقابل فراموش شخصیات ہیں، اللہ پاک ان کی ارواح کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت کرے آمین۔

زیر نظر کتاب کا تعارف

اب ایک نظر اس کتاب کے مندرجات پر ڈال لینا ضروری ہے اس سے اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہوگا، اور دیگر تذکروں کے درمیان اس تذکرہ کی معنویت سمجھ میں آئے گی:

یہ کتاب بارہ (۱۲) ابواب پر مشتمل ہے:

باب اول: خاندانی پس منظر اور گھریلو احوال سے متعلق ہے، حضرت کے خاندان کے تفصیلی احوال

پر اس حقیر کی کتاب ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوری'' شائع ہو چکی ہے، یہاں صرف ضروری پس منظر کی نشاندہی اور گھریلو ماحول کی عکاسی کی گئی ہے البتہ افرادِ خاندان کے تعلق سے تذکرۂ حضرت آہ کی اشاعت کے بعد کچھ نئی حاصل شدہ معلومات بھی اس میں شامل کی گئی ہیں۔

باب دوم: میں ولادت سے لے کر تعلیم و تربیت تک کے احوال کا ذکر ہے، اس میں مدرسہ کی تعلیم اور طب کی تعلیم دونوں شامل ہیں۔

باب سوم: حضرت منورویؒ کی تعلیم روحانی اور تزکیہ نفس کے تفصیلی احوال پر مشتمل ہے اور یہ اس کتاب کا سب سے اہم اور مبسوط حصہ ہے، یہ گویا تاریخ و فلسفۂ تصوف پر ایک مستقل کتاب ہے، جس میں مختلف سلاسل کی تاریخ اور خصوصیات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، یہ باب تصوف کی کئی تاریخوں اور تذکروں کا نچوڑ ہے۔

اس باب میں حضرت منورویؒ کے گیارہ (۱۱) سلاسل و طرق کی تفصیل، ان سے وابستگی کی روداد، آپ کے جملہ مشائخ کے حالات، مختلف سلاسل تصوف کی مستند تاریخ، مزاج و مذاق اور خصوصیات، سلاسل سے وابستہ اکثر مشائخ کا جامع تعارف، شجرات نقشبندیہ میں مشائخ کے درمیان اتصال و انقطاع کی بحث اور بہت سے اہم مسائل تصوف پر مدلل اور واضح گفتگو کی گئی ہے۔

''واضح رہے کہ اس باب میں صرف انہی سلاسل کی تاریخ پیش کی گئی ہے جن سے حضرت منورویؒ براہِ راست مربوط تھے اور جن میں آپ باقاعدہ بیعت ہوئے تھے، ورنہ ہندوستان میں سلاسل کی تاریخ بہت طویل ہے، ان کے احاطہ کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے''۔

باب چہارم: میں آپ کے نکاح اور ازواج و اولاد کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

باب پنجم: میں حضرت منورویؒ کے دونوں اسفار حج کی روداد پیش کی گئی ہے، اور اسی ضمن میں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی تاریخ اور قطب مدینہ حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسیؒ کا تعارف و تذکرہ بھی آ گیا ہے۔

باب ششم: حضرت منورویؒ کے علمی مقام اور خدمات سے متعلق ہے، اس میں حضرت کے علمی امتیازات، تدریسی و تالیفی خدمات اور مدارس و مکاتب کی تاسیس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور اسی ضمن میں خطۂ پورنیہ کی مختصر تاریخ بھی آ گئی ہے۔

باب ہفتم: حضرت منورویؒ کی خانقاہی زندگی اور خدمات کے بارے میں ہے، یہ حضرت کے منسلکین کے لئے بہت خاص باب ہے، اس باب میں آپ کے روحانی مقام و مرتبہ، خانقاہی نظام کے مختلف ادوار، محاسن و کمالات، امتیازات و خصوصیات، اصلاحی خدمات، تربیتی اصول و معمولات، مکاشفات

وانعامات، باطنی تصرفات اور فرمودات وارشادات پر واقعات کے تناظر میں مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

باب ہشتم: میں حضرت منورویؒ کے سفر آخرت کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

باب نہم: میں حضرتؒ کی حیات طیبہ کا ایک آئینہ پیش کیا گیا ہے، جس میں آپ کی پوری زندگی پر عہد بہ عہد ایک طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

باب دہم: میں تصوف کے بعض اہم اور حساس مسائل کی توضیح اور مخصوص اصطلاحات کی تشریح پیش کی گئی ہے۔

باب یازدہم: حضرت منورویؒ کے بارہ (۱۲) خلفاء ومجازین کے حالات اور تعارف پر مشتمل ہے۔

باب دوازدہم: حضرت منورویؒ کی تین تالیفات -مختصر حالات بزرگان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ ☆ مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت ☆ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ" کا مجموعہ ہے۔

اس طرح یہ حضرت منورویؒ کی شخصیت اور حالات وکمالات اور علوم ومعارف، تصنیفات وتحریرات اور مختلف سلاسل تصوف کی تاریخ وخصوصیات، رجال تصوف کے حالات وواقعات اور تصوف کے مسائل ومصطلحات وغیرہ پر ایک جامع انسائیکلو پیڈیا تیار ہو گیا ہے، اور سیکڑوں علماء ومشائخ اور شخصیات اسلامی کی ایک پوری تاریخ اس میں آ گئی ہے، فالحمد اللہ علیٰ ذلک، ان شاء اللہ یہ ایک کتاب تصوف وتذکرہ کی بہت سی کتابوں کی طرف سے کافی ہوگی۔

پھر بھی کوئی انسانی کام غلطیوں سے پاک نہیں ہے، اگر اس میں کوئی فروگذاشت نظر آئے تو براہ کرم اس حقیر کو اس سے مطلع فرمائیں، فجزاکم اللہ احسن الجزاء، اللہ پاک اس حقیر سی کوشش کو قبول فرمائے اور دین ودنیا میں میری کامیابی اور سرخروئی کا ذریعہ بنائے آمین۔

کلمات تشکر

ان سب کے لئے میں سب سے پہلے رب العالمین کا شکرادا کرتا ہوں کہ اس نے کرونا اور لاک ڈاؤن (۲۴/ مارچ ۲۰۲۰ء تادم تحریر) جیسے عالمی فتنہ (جس نے سارے مقامی اور عالمی نظام کو دنیا کی معلوم تاریخ میں پہلی بار معطل کر کے رکھ دیا) کے دوران مجھے اس امر خیر کی توفیق بخشی، اور میں نے تعطل کے ان ایام کو بزرگوں کے ذکر خیر اور باطنی دنیا کی تفصیلات لکھنے میں گذارا، **فالحمدللہ حمداً کثیرا طیبًامبارکاً فیہ.**

اس کے بعد میں شکر گذار ہوں اپنے ان بزرگوں اور دوستوں کا جنہوں نے اس باب میں میری رہنمائی یا حوصلہ افزائی فرمائی، اپنی معلومات سے تعاون کیا، اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا، بالخصوص جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (پیغمبر پو ضلع دربھنگہ) کا جنہوں نے اس کام میں سب سے زیادہ اپنی محبت، دلچسپی اور تعاون کا مظاہرہ کیا، اور کتاب کی اشاعت تک ایک ایک لمحہ ان کا انتظار میں گذرا، اپنے بزرگوں میں سب سے زیادہ ممنون اپنے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن قادری نقشبندی دامت برکاتہم کا ہوں جن کی دعاؤں اور توجہات عالیہ سے اس کام میں آسانیاں پیدا ہوئیں، اسی کے ساتھ میں خاص طور پر حضرت مرشد الامت مولانا سید محمد رابع ندوی صاحب دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری حقیر خواہش پر اپنے ضعف وعلالت، کبر سنی اور بے پناہ مشغولیتوں کے باوجود کتاب کے لئے انتہائی قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا، نیز نمونۂ سلف حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم مہتمم و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، جانشین شیخ الاسلام حضرت الاستاذ مولانا سیّد ارشد مدنی دامت برکاتہم صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند، رئیس القلم و یادگارِ اکابر حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور ممتاز فقیہ و مصنّف حضرت مولانا مفتی عتیق احمد قاسمی بستوی مدظلہ العالی کے لئے بھی کلماتِ تشکر و امتنان پیش کرتا ہوں جن کی گراں قدر تحریرات اس کتاب کی اہمیت و معنویت کی ضمانت ہیں، اللہ پاک ان بزرگوں کا سایہ تا دیر ہم پر قائم رکھے۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء.**

اختر امام عادل قاسمی

۵/ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ، مطابق ۲۱/ نومبر ۲۰۲۰ء

(۱)

باب اول

خاندانی پس منظر
اور گھریلو ماحول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قطب الہند حضرت مولانا الحاج سید حکیم احمد حسن منورویؒ بہار کے اکابر اولیاء اللہ میں گذرے ہیں، نسباً نجیب الطرفین تھے، مادری اور پدری دونوں اعتبار سے سید تھے۔(۳۲)

آپ جس دور (۱۹۰۰ء) میں پیدا ہوئے ہندوستان اہل اللہ اور اصحاب نسبت بزرگوں سے لبریز تھا اور ملک کے مختلف حصوں میں معرفت وروحانیت کی بڑی بڑی خانقاہیں قائم تھیں۔

خاندانی پس منظر

خود جس خانوادہ میں آپ نے شعور کی آنکھیں کھولیں وہاں بھی ہر طرف علم وروحانیت کی خوشبو رچی بسی تھی اور علم ظاہر اور علم باطن دونوں اعتبار سے یہ خاندان ممتاز اور معروف تھا، یہاں پدری اور مادری دونوں جانب معرفت واحسان کا پختہ مذاق موجود تھا، آپ کے دادھیال میں نسبت نقشبندیت اور ننیہال میں نسبت قادریت کی جڑیں پیوست تھیں:

☆-والد بزرگوار حضرت مولانا سید عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ (ولادت: ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء- وفات ۱۷/جون ۱۹۴۶ء مطابق ۱۷/رجب المرجب ۱۳۶۵ھ) ایک بڑے عالم ربانی ہونے کے ساتھ بہار کے ممتاز صاحب نسبت بزرگ قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ (ولادت: ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء- وفات ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء) سے فیض یافتہ تھے (جو آپ کے رفیق درس بھی تھے)۔

☆ جد امجد استاذ الکل حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ (ولادت: ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء وفات: ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء) اپنے وقت میں علم وروحانیت کے سب سے بڑے مرجع وماویٰ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ (ولادت: ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء- وفات: ۱۳۱۳ھ م ۱۸۹۵ء) کے مخصوص متوسلین میں تھے۔

☆-اور نانا محترم حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ (متوفی ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء) سلسلۂ بانسہ کی نسبت قادریہ وچشتیہ کے امین تھے، اور بہار کے مختلف حصوں میں آپ کے فیض کا سلسلہ جاری تھا۔

(۳۲) خاندانی حالات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں حقیر مؤلف کی کتاب ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' ص ۹۸ تا ۱۹۵ مطبوعہ جامعہ ربانی منوروا شریف ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء۔ یہاں صرف اشارات اور کچھ مزید معلومات پیش کی گئی ہیں۔

گھر کا مبارک ماحول

جس گھر میں آپ کی پیدائش ہوئی وہ وقت کے ممتاز علماء، صوفیاء اور مشائخ کی آماجگاہ تھا، حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ جیسی عظیم روحانی شخصیت نے اسے شرف قدوم بخشا تھا (۳۳)، شہر کی مجذوب ہستی مولانا شاہ اصغرعلی عرف داتا کمبل شاہؒ (متوفی ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء) سے مولانا نصیر الدین نصرؔ کے دوستانہ مراسم تھے اس لئے وہ بھی بکثرت تشریف لاتے تھے، اور خود مولانا نصیر الدین نصرؔ بھی اپنے وقت کے بلند پایہ عالم دین، عظیم مربی اور شہر کے معروف حکیم تھے اس لئے بھی یہاں علماء، طلبہ، اصحاب سلوک، اور ہر مسلک ومشرب کی ممتاز ہستیوں کا اژدحام رہتا تھا،---حضرت نصرؔ کی برکت سے شہر میں کئی تعلیمی ادارے وجود میں آئے، اور آپ کے فیض نظر سے حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ، حضرت مولانا خدابخش مظفرپوریؒ (ولادت: ۱۸۶۹ء م ۱۲۸۵ھ وفات: ۱۹۳۶ء م ۱۳۵۵ھ)، حضرت مولانا شاہ وارث حسن چشتیؒ (متوفی ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء)، حضرت مولانا عبدالاحد جالویؒ (ولادت: ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۰ء وفات: ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳۶۶ھ) اور حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفرپوریؒ جیسی نادرۂ روزگار شخصیات تیار ہوئیں (۳۴)۔

آپ کی والدہ ماجدہ ''سیدہ حلیمہ خاتون'' (متوفیہ: ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء) نہایت متقی، پرہیز گار، اللہ کی ولیہ اور اپنے دور میں عہد سلف کی یادگار تھیں، ان جیسی خاتون پہلے بھی صدیوں میں پیدا ہوتی تھیں اور اب شاید صدیوں میں بھی پیدا نہ ہوں۔

اس طرح گویا علم کے پانی اور ولایت کی مٹی سے آپ کا خمیر تیار ہوا، معرفت وتقویٰ کی گود میں آپ کی پرورش ہوئی، روحانی اور نورانی ماحول میں آپ پروان چڑھے، وقت کے اکابر کے زیر سایہ آپ کی تربیت ہوئی، علم ظاہر اور علم باطن دونوں خاندان کے کاملین سے حاصل کئے، عہد طفولیت ہی میں آپ کی پیشانی میں معرفت کا نور اور سر پر ولایت کا تاج رکھ دیا گیا اور عنفوان شباب میں ہی آپ کمالات ولایت اور مقامات عالیہ سے سرفراز کیے گئے، **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء.**

اسی تناظر میں حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے اس جملہ کی معنویت ملاحظہ فرمایئے، جو انہوں نے اپنے رفیق ومسترشد اور محرم اسرار و یار غار حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ سے ارشاد فرمایا تھا کہ:

آپ کے فرزند احمد حسن پیدائشی ولی ہیں---(۳۵)

(۳۳) تفصیل کے لئے دیکھئے ''تذکرہ حضرت آہ مظفرپوریؒ'' ص ۱۰۶۔ (۳۴) حضرت مولانا سید نصیرالدین نصرؔ وردیگر مذکورہ بالا حضرات کے حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: حقیر راقم الحروف کی کتاب ''تذکرہ حضرت آہؔ مظفرپوریؒ'' ص ۱۰۳ تا ۱۳۶۔ (۳۵) تذکرہ حضرت آہؔ مظفرپوریؒ ص ۳۴۰۔

والد ماجد-حضرت مولانا سید عبدالشکور آہؔ

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید عبدالشکور آہؔ مظفر پوریؒ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین، صاحب نسبت بزرگ اور قادر الکلام شاعر و ادیب تھے، شاعرانہ تخلص آہؔ رکھتے تھے، ان کا مجموعۂ کلام ''کلیات آہ'' (''تذکرۂ حضرت آہؔ'' کا باب ششم) کے نام سے شائع شدہ ہے جس سے ان کی بے پناہ ادبی اور شعری صلاحیت اور فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت اور تعلیم

حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی ولادت شہر مظفر پور میں ۱۲۹۹ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں ہوئی، ابتدائی سے لیکر متوسطات (مشکوٰۃ شریف) تک کی بیشتر کتابیں اپنے والد ماجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ نقشبندیؒ سے پڑھیں، جو اپنے وقت کے جید الاستعداد عالم دین اور عظیم مربی تھے، کچھ کتابیں اپنے ماموں جان (جو بعد میں خسر بھی ہوئے) حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ سے بھی پڑھیں، کچھ عرصہ مدرسہ خادم العلوم (موجودہ مدرسہ جامع العلوم) مظفر پور میں بھی تعلیم حاصل کی--- پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے والد ماجد کے ایما پر ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء میں کانپور تشریف لے گئے، اور دارالعلوم کانپور (مسجد رنگیان) میں دو سال امام المعقول والمنقول علامۂ زمن حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا، منطق و فلسفہ اور حدیث و فقہ کی جملہ کتب متداولہ کی تکمیل کی، اور ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء میں دارالعلوم کانپور سے فراغت حاصل کی (۳۶)۔

(۳۶) ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں حقیر راقم الحروف نے اس مسئلہ کی تحقیق پیش کی ہے کہ جن دنوں (۱۳۱۱ھ تا ۱۳۱۵ھ) حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ اور ان کے رفقاء مثلاً حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ، حضرت مولانا خدا بخش مظفر پوریؒ وغیرہ کانپور میں زیر تعلیم تھے، استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ مدرسہ فیض عام میں نہیں بلکہ دارالعلوم کانپور میں مدرس تھے، وہ تحقیق اپنی جگہ مکمل اور درست ہے، ابھی شمائم امدادیہ (ملفوظات وحالات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کا وہ نسخہ مجھے میسر آیا جو حضرت حاجی مداد اللہ صاحبؒ اور حضرت کانپوریؒ کی حیات میں ۱۳۱۳ھ میں لکھا گیا اور ۱۳۱۴ھ میں شائع ہوا تھا، اور خاص بات یہ ہے کہ اس میں کچھ چیزیں حضرت کانپوریؒ سے بھی لے کر شامل کی گئی ہیں، -اس کتاب میں حضرت کانپوریؒ کے نام کے ساتھ" مدرس اول مدرسہ دارالعلوم کانپور لکھا گیا ہے، عبارت اس طرح ہے:==

دارالعلوم دیوبند سے فراغت

دینیات بالخصوص حدیث میں مزید رسوخ حاصل کرنے کے لئے والد گرامی کے حکم پر شوال المکرم ۱۳۱۶ھ مطابق فروری ۱۸۹۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، دیوبند میں تقریباً ایک سال قیام رہا، شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق دسمبر ۱۸۹۹ء میں آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔

نکاح۔محل اولیٰ وثانیہ

دیوبند سے فراغت کے بعد متصلاً (غالباً شعبان المعظم ۱۳۱۷ھ مطابق جنوری ۱۹۰۰ء میں) تقریباً بیس (۲۰) سال کی عمر میں آپ کے ماموں جان حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ کی بڑی صاحبزادی ''سیدہ حلیمہ خاتون'' سے آپ کا نکاح ہوا، جن کے بطن سے ۱۹۰۱ء (آغاز جنوری) میں آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا احمد حسن منورویؒ پیدا ہوئے۔

حضرت آہ کی دوسری شادی (تقریباً) ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں محترمہ انیسۃ الفاطمہ (مقام بہپورہ ضلع دربھنگہ) (متوفیہ ۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸/ اکتوبر ۱۹۶۵ء) سے ہوئی، جن سے ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں ماسٹر سید محمود حسنؒ پیدا ہوئے، ماسٹر صاحب کا انتقال ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۹۸۷ء کو ہوا۔

تدریسی خدمات

حضرت آہ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ جامع العلوم (قدیم نام خادم العلوم) مظفر پور سے کیا اور تقریباً ستمبر ۱۹۲۲ء (محرم الحرام ۱۳۴۱ھ) تک آپ مدرسہ کے صدر المدرسین رہے، اور غالباً اکتوبر ۱۹۲۲ء (صفر المظفر ۱۳۴۱ھ) میں آپ نے ارباب مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی دعوت

== ''مدرس بے نظیر ذکی وخوش تقریر حضرت الحافظ الحاج المولانا احمد حسن الڈسکوی الپٹالوی مدرس اول مدرسۂ دارالعلوم کانپور سلمہ اللہ وابقاہ'' (شمائم امدادیہ ترجمہ اردو نفحات مکیہ من مآثر امدادیہ ص ۲۸ مؤلفہ مولانا عبدالغنی بہاری عظیم آبادیؒ ومترجمہ جناب حاجی محمد مرتضیٰ خان، باہتمام محمد نثار حسین نثار مالک قومی پریس و پیام یار بماہ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ در قومی پریس مطبوع لکھنؤ مطبوع شد)

اس سے مذکورہ بالا تحقیق کی مزید تائید ہوتی ہے۔

پر مدرسہ اسلامیہ کی ملازمت اختیار فرمالی (۳۷)۔لیکن آٹھ سال بعد (تقریباً جون ۱۹۳۰ء-محرم الحرام ۱۳۴۹ھ میں) طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا (۳۸) اور آپ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ چھوڑ کر دارالعلوم مئو (یوپی) تشریف لے گئے۔

دارالعلوم مئو میں بحیثیت شیخ الحدیث وصدرالمدرسین

قیام مئو کی زیادہ تفصیلات تو معلوم نہیں ہیں، البتہ خطہ مئو واعظم گڑھ کی بعض تواریخ (۳۹) اور

(۳۷) ڈائری ماسٹر سید محمود حسن صاحبؒ، ماسٹر صاحب مرحوم کے مطابق مولانا عبدالشکور صاحبؒ ۱۹۲۳ء تک مدرسہ جامع العلوم میں رہے، لیکن غالباً یہ سہو ہے، صحیح تاریخ ۱۹۲۲ء ہے، اس لئے کہ حضرت اقدس مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی ملازمت پر فائز ہو چکے تھے (دیکھئے جنت الانوارص ۲۳۳ مکتوب نمبر ۲۶ اول ایڈیشن)

(نوٹ) یہاں ایک وضاحت یہ بھی ضروری ہے کہ میں نے ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں جامع العلوم میں تدریس کی مدت ۱۹۲۰ء تک لکھی ہے، لیکن بعد میں جو معلومات حاصل ہوئیں ان کی روشنی میں ۱۹۲۲ء کی تاریخ (جیسا کہ ماسٹر سید محمود حسن مرحوم نے اپنی ڈائیری میں لکھا ہے) درست اور ۱۹۲۰ء والی بات غلط معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کی اصلاح کرلی جائے۔

(۳۸) یہ اضطراب کیوں پیدا ہوا؟ اور کیا صورت حال پیش آئی؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، لیکن آپ نے اپنی بعض نظموں میں (جو تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ میں شائع ہو چکی ہیں) زمانۂ ملازمت کی بعض تلخیوں کا ذکر کیا ہے، اسی طرح حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے ایک مکتوب (۶/ جولائی ۱۹۳۰ء) سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے، حضرت گڑھولویؒ نے آپ کو تسلی دی ہے اور ترک ملازمت کے خیال کو خلاف مصلحت قرار دیا ہے (دیکھئے: جنت الانوارص ۲۴۳ مکتوب نمبر ۳۸ طبع اول) مکتوب سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ترک ملازمت کے خیال کو عملی شکل دی یا نہیں دی؟ لیکن دوسرے ذرائع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ ملازمت چھوڑ کر دارالعلوم مئو چلے گئے تھے، اور قریب دو (۲) سال تک وہاں شیخ الحدیث اور صدرالمدرسین کے منصب پر فائز رہے، پھر وہاں سے واپس دوبارہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ تشریف لائے، اور ۱۹۴۵ء میں ریٹائرمنٹ تک بحیثیت ایک عظیم استاذ خدمت انجام دی، وہاں کے کئی اساتذہ آپ کے شاگرد تھے جو پرنسپل کے عہدے تک پہونچے، شہر میں بھی آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی جو مختلف سرکاری وغیر سرکاری مناصب پر فائز ہوئے۔

(۳۹) دیکھئے تذکرۂ مشاہیر کوپا گنج ص ۱۱۷ تا ۱۱۸ مؤلفہ: مولانا محمد عثمان معروفی اعظمیؒ، معاون ابوالکلام جوہر ندوی، بضمن حالات مولانا اسلام الحق صاحبؒ، حسن پریس دارالعلوم مئو روڈ، ۱۴۰۵ھ۔

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ ۱۹۳۰ء میں دارالعلوم مئو میں صدرالمدرسین تھے، اور ==

دار العلوم مئو کی بعض فہرستوں (۴۰) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے دار العلوم مئو میں تقریباً دو سال (اگست ۱۹۳۰ء تا دسمبر ۱۹۳۱ء۔محرم الحرام ۱۳۴۹ھ تا شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ) تک بحیثیت شیخ الحدیث وصدر المدرسین خدمات انجام دی ہیں، اور اس دوران آپ کی شہرت کا آفتاب بحیثیت محدث وقت نقطۂ عروج پر رہا، بلکہ کہنا چاہئے کہ خطۂ اعظم گڑھ کو علم حدیث کے باب میں جو خصوصیت حاصل ہوئی، اس کی اولین تخم ریزی کرنے والے بزرگوں میں آپ کی ذات گرامی بھی شامل تھی۔

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ واپسی اور ریٹائرمنٹ

دار العلوم مئو میں ابھی آپ کے قیام کو دو سال بھی نہیں ہوئے تھے، کہ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی طرف سے مسلسل آپ کی واپسی کا مطالبہ ہونے لگا، آپ کے پٹنہ چھوڑ دینے کی بنا پر علمی وادبی طور پر یہاں جو خلا پیدا ہو گیا تھا، مدرسہ کے ذمہ داروں کو اس کا بڑا اقلق تھا، بالآخر تقریباً دو سال کے بعد ۱۹۳۱ء میں آپ پھر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ واپس تشریف لے آئے، اور ۱۹۴۵ء (۱۳۶۴ھ تک) ریٹائرڈ ہونے تک یہیں خدمات انجام دیں (۴۱)۔

== آپ ہی کے زمانۂ صدارت میں مولانا اسلام الحق صاحبؒ دار العلوم میں مدرس ہوئے، اور پھر ایک سال کے بعد جب مولانا عبد الشکور صاحبؒ یہاں سے چلے گئے تو اس منصب پر مولانا عبد الوحید سنبھلی صاحبؒ بلائے گئے۔

میں شکر گذار ہوں حضرت مولانا مفتی محمد انور علی صاحب موجودہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم مئو، اور حضرت مولانا مفتی اشتیاق احمد صاحب نائب شیخ الحدیث ومدیر رسالہ دار العلوم مئو کا کہ ان حضرات کی عنایت سے مجھے مذکورہ کتاب کے مطالعہ کا موقعہ ملا، اور اس کے متعلقہ صفحات کا عکس حاصل ہوا۔

(۴۰) دار العلوم مئو کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہاں کے تمام صدور المدرسین، شیوخ الحدیث، اور مفتیان کرام کی فہرست محفوظ رکھی گئی ہے، ایک قدیم فہرست پہلے دار العلوم مئو کے کتب خانے میں لگی ہوئی تھی، جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں اپنے استاذ گرامی حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ اور ڈاکٹر ظفر الاسلام صاحب سابق شیخ الحدیث دار العلوم مئو کے حوالے سے کیا ہے (دیکھئے: ص ۳۵۴) لیکن غالباً وہ قدیم فہرست ضائع ہو گئی، ابھی دار العلوم مئو میں علم حدیث کے موضوع پر دو روزہ سیمینار (منعقدہ ۱۹، ۲۰ / اکتوبر ۲۰۱۹ء سنیچر، اتوار) کے موقعہ پر دار العلوم مئو کے ذمہ داروں کی توجہ سے نئی فہرستیں تیار کی گئیں، اور ان کو مدرسہ کے مرکزی مقامات پر آویزاں کیا گیا، جن کی زیارت کی سعادت اس حقیر کو اور دیگر شرکاء سیمینار کو بھی حاصل ہوئی، اور بعض دوستوں کی عنایت سے ان کی پی ڈی ایف فائل اور تصاویر بھی مجھے حاصل ہوئیں۔

(۴۱) واضح رہے کہ اس سے قبل حضرت مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوریؒ کے حالات زندگی پر اس حقیر کی مستقل کتاب ==

وفات حسرت آیات

مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے سبکدوشی کے بعد وطن مالوف مظفر پور واپس ہو گئے، پھر مدرسہ جامع العلوم مظفر پور کے ارباب انتظام کی خواہش پر کچھ عرصہ اعزازی طور پر دوبارہ مدرسہ میں درس جاری فرمایا، یہاں تک کہ وقت موعود آپہونچا، ۱۷/ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۷/ جون ۱۹۴۶ء کو آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، اور مظفر پور کے رام باغ قبرستان (مولوی محمد عیسیٰ مرحوم کے باغ) میں آپ مدفون ہوئے، اناللہ وانا الیہ راجعون (۴۲)۔

❁ ❁ ❁

==شائع ہو چکی ہے اس میں دار العلوم مئو کا زمانۂ تدریس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے مقدم بتایا گیا ہے، لیکن مئو کے حالیہ سفر (بموقعہ حدیث سیمینار بمقام دار العلوم مئو، بتاریخ ۱۹، ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۹ء) اور بعد میں میسر آنے والی بعض دستاویزات سے جو معلومات حاصل ہوئیں، ان کی روشنی میں وہ معلومات مکمل نہیں تھیں، صحیح صورت حال وہ ہے جو اس کتاب میں درج کی جارہی ہے، اس لئے اب اس باب میں ان نئی تحقیقات کے بعد تذکرۂ آہ میں ذکر کردہ سابقہ چیزوں کو منسوخ تصور کیا جائے، **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

(۴۲) حضرت آہؔ کے تفصیلی حالات اور علمی وادبی خدمات کے لئے "تذکرہ حضرت آہؔ مظفر پوریؒ" (کل صفحات ۲۰۷) کا مطالعہ فرمائیں۔

۱۱۷

کوپاگنج میں تحصیل علم کیا اس کے بعد مدرسہ یوسفیہ مینڈھو گئے، وہاں مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی سے ہدایہ اخیرین، مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، شرح عقائد نسفی وغیرہ کتابیں پڑھیں، یہاں سے مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ جاکر دو تین ماہ پڑھا۔ اس وقت یہاں حضرت علامہ بلیاوی مدرس تھے وہ آپکو لیکر یہاں سے دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۳ھ میں پہونچے اور بقیہ کتابوں کی یہاں تین سال رہ کر تکمیل کی، علامہ انور شاہ کشمیری سے بخاری و ترمذی، مولانا شبیر احمد عثمانی سے مسلم، طحاوی، ابن ماجہ بیضاوی، مولانا میاں اصغر حسین دیوبندی سے ابوداؤد۔ مولانا غلام رسول خاں صاحب سے توضیح تلویح، مسلم الثبوت، امور عامہ، حمداللہ، شمس بازغہ۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب سے حماسہ، سبعہ معلقہ۔ مولانا نبیہہ حسن صاحب سے تصریح، شرح چغمینی علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی سے قاضی مبارک، میر زاہد، ملا جلال اور مولانا عبدالسمیع صاحب سے میر زاہد رسالہ کی تعلیم حاصل کی اور ۱۳۴۵ھ میں علوم مروجہ سے فارغ التحصیل ہوکر مکان آئے — یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شدھی سنگٹھن کی تحریک شباب پر تھی آریہ سماج کے جلسے جلوس، مسلمانوں کے خلاف اعتراضات اور مناظرے کے چیلنج ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے آپ نے قصبہ میں علماء و طلباء کی ایک انجمن "ضیاء الاسلام" قائم کی تاکہ اس سے اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کیا جائے، اس انجمن سے خاصا فائدہ بھی ہوا لیکن باہمی کشمکش کی وجہ سے جلد ہی یہ انجمن ٹوٹ گئی — سب سے پہلی مدرسی کا سلسلہ فراغت کے ڈیڑھ سال بعد یعنی ۱۳۴۷ھ میں پڈرونہ ضلع گورکھپور کے ایک متوسط مدرسہ "انجمن اسلامیہ" میں شروع کیا یہاں چھ ماہ رہ کر گھر چلے آئے اور ایک سال گھر پر مقیم رہے اس کے بعد ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم مئو میں سوم مدرس

CS Scanned with CamScanner

۱۱۸

ہوئے پھر ترقی کرکے مدرس دوم ہوئے پھر صدرالمدرسین ہوئے، ناظم تعلیمات بھی کچھ
دنوں رہے اور افتاء کا کام بھی کرتے رہے۔ اس وقت نو برس تک دارالعلوم میں تدریسی
خدمت انجام دی۔ جب آپ یہاں مدرس ہوئے تو صدرالمدرسین مولانا عبدالشکور صاحب
بہاری اور ان کے نائب مولانا عبدالمتین صاحب سرحدی تھے، ایک سال کے بعد مولانا
عبدالوحید صاحب سنبھلی کو صدرالمدرسین کے عہدہ پر لایا گیا تو ان کی صدارت میں آپ
ناظم تعلیمات ہوئے۔ جب مولانا عبدالمتین صاحب سبکدوش ہوتے تو آپ نائب الصدر
بنائے گئے اور جب مولانا عبدالوحید صاحب کا انتقال ہوگیا تو آپ صدرالمدرسین ہوگئے
دو سال کے بعد مولانا میرک شاہ کشمیری صدرالمدرسین کے عہدہ پر لائے گئے، آپ بعض
مجبوریوں کی وجہ سے دارالعلوم کی مدرسی ترک کرکے مکان پر آگئے، تو مولانا عبدالصمد
صاحب کی کوششوں سے مصباح العلوم میں مدرس ہوگئے، یہاں ابھی تین برس
گذرے تھے کہ دارالعلوم مئو سے پھر سلسلہ جنبانی شروع ہوئی اور ارباب مدرسہ
کی کوششوں سے دوبارہ دارالعلوم مئو کی مدرسی قبول کرلی اور پھر یہاں تین سال
تدریسی خدمت انجام دی۔ ۱۳۶۸ھ میں بعض وجوہ کی بنا پر دارالعلوم سے الگ
ہوگئے اور خانگی امور کی درستگی کیلئے گھر پر رہ کر تجارت کرنے کا فیصلہ کرلیا جب
یہ بات محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو معلوم ہوئی تو انھوں نے آپکو
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل مدرس کی حیثیت سے بھیجدیا، یہاں ابھی ایک سال مدرسی
کی تھی کہ گھر پر اہلیہ کا انتقال ہوگیا۔ والدہ بہت پہلے وفات پاچکی تھیں اسلئے
گھر پر چھوٹے چھوٹے بچوں کی نگرانی کرنے والا کوئی نہ تھا اس واسطے ڈابھیل
کی مدرسی ترک کرکے مکان پر آگئے۔ اب مدرسہ جامع العلوم والوں نے اصرار

”تذکرۂ مشاہیر کوپا گنج“ مؤلفہ مولانا محمد عثمان معروفی ؒ کے دوصفحات ۱۱۷، ۱۱۸“

شیوخ الحدیث دار العلوم مئو

مرتب
ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد اعظمی
(استاذ حدیث مدرسہ ہذا)

نمبر شمار	اسماء شیوخ الحدیث	ولادت	وفات	مدت کار
۱	مولانا کریم بخش سنبھلی (شاگرد رشید حضرت شیخ الہند)		۱۷/شوال 1361ھ ۲۸/اکتوبر 1942ء	شوال 1339ھ/ جون 1921ء سے شعبان 1242ھ/ مارچ 1924ء تک، ۳ سال شیخ الحدیث رہے۔ (شعبان 1240ھ/ اپریل 1922ء میں محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا عبد المجید (قاسم پورہ کوٹ) نے انھی سے فاتحہ فراغ پڑھا) شعبان 1341ھ/ مارچ 1923ء میں مولانا عبد اللطیف نعمانی اور مولانا عبد الحئی بھکاری پورہ مئو آنموصوف ہی سے دورہ پڑھ کر فارغ التحصیل ہوئے۔ شعبان 1342ھ/ مارچ 1924ء میں مولانا حکیم محمد فاروق صاحب نے صحاح ستہ پڑھ کر تکمیل دورۂ حدیث کی۔
۲	مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوری (شاگرد رشید حضرت شیخ الہند)	1299ھ/1881ء	1365ھ/1946ء	1931ء میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر چند ماہ فائز رہے۔
۳	مولانا عبد الوحید سنبھلی (شاگرد رشید حضرت شیخ الہند)		1355ھ/1936ء	1351ھ/ 1932ء سے 1355ھ/ 1936ء تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے۔ وفات سے چند ماہ پہلے مولانا محمد حیات سنبھلی بیماری کی وجہ سے اپنے ساتھ سنبھل لے گئے، جانبر نہ ہوسکے، وہیں وفات پائی۔
۴	مولانا اسلام الحق کوپا گنجی	1322ھ/1904ء	۷/رجون 1972ء	1936ء-1938ء
۵	مولانا سید میرک شاہ کشمیری (شاگرد رشید علامہ انور شاہ کشمیری)	1306ھ/1888ء	1393ھ/1973ء	1938ء اور اس کے بعد کے چند سالوں میں شیخ الحدیث رہے اور فتویٰ نویسی کی جزوی خدمت بھی انجام دی۔
۶	مولانا قاری ریاست علی بجری آبادی ثم مئوی	1317ھ/1900ء	1391ھ/1972ء	پہلی بار 1947ء تا 1951ء دوبارہ مولانا مسلم جونپوری کی وفات (1961ء) کے بعد سے تاحین وفات 1391ھ/ 1972ء
۷	مولانا محمد مسلم جونپوری (شاگرد رشید مولانا ماجد علی جون پوری)	1301ھ/1883ء	1381ھ/1961ء	1951-52ء میں شیخ الحدیث وصدر مدرسی کے فرائض تاحین حیات 1381ھ/ 1961ء انجام دیتے رہے۔
۸	مولانا عبد الحق اعظمی	1347ھ/1928ء	۳۱/دسمبر 2016ء	1972ء تا 1981ء شیخ الحدیث وصدر مدرس ومفتی مدرسہ رہے۔
۹	مولانا نیاز احمد اعظمی جہانا گنجی		1982ء	چند ماہ شیخ الحدیث وصدر مدرسی کے عہدہ پر رہتے ہوئے وفات پائی۔
۱۰	مولانا محمد عارف اعظمی جہانا گنجی	1352ھ/1933ء	2011ء	1982ء تا 1999ء (ریٹائرمنٹ تک) شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے۔
۱۱	مولانا قاری ظفر الاسلام مدظلہ	۱۵/فروری 1954ء		1999ء تا 2016ء (ریٹائرمنٹ تک) شیخ الحدیث وصدر مدرس رہے۔
۱۲	مولانا مفتی انور علی مدظلہ	یکم نومبر 1958ء		2016ء تا حال شیخ الحدیث وصدر مدرس اور مفتی جامعہ ہیں۔
۱۳	مولانا احمد اللہ قاسمی ندوی مدظلہ	یکم مارچ 1957ء		2016ء تا مارچ 2019ء (ریٹائرمنٹ تک) شیخ ثانی رہے۔
۱۴	(مولانا) اشتیاق احمد اعظمی قاسمی مدنی مدظلہ	۲۵/نومبر 1960ء		شوال 1440ھ/ جون 2019ء سے تا حال شیخ ثانی ہیں۔

Scanned with CamScanner

صدر المدرسین دار العلوم مئو

مرتب: ڈاکٹر مولانا اشتیاق احمد اعظمی
(استاذ حدیث مدرسہ ہذا)

نمبر شمار	اسماء صدر المدرسین	ولادت	وفات	مدت کار
۱	مولانا سلطان احمد مئویؒ		1325ھ/ 1907ء	فراغت: 1309ھ/ 1892ء، 1314ھ/ 1896ء سے مدرس اول کئی سال رہے۔
۲	مولانا حکیم محمد محمود معروفیؒ		1370ھ/ 1951ء	چند برس پہلے سے 1324ھ/ 1906ء تک صدر مدرس کے عہدہ پر فائز رہے۔
۳	مولانا محمد صابر بن حاجی محمد اسماعیل مئویؒ	1282ھ/ 1866ء کے حدود میں	1949ء	1336ھ/ 1918ء میں منصب صدارت پر متمکن رہے۔
۴	مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانویؒ		1970ء، در پاکستان	1337ھ/ 1919ء میں آپ نے صدر المدرسین کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔
۵	مولانا کریم بخش سنبھلیؒ		1361ھ/ 1942ء	1339ھ/ 1921ء تا 1342ھ/ 1924ء، صدر مدرسی کے فرائض انجام دیے۔
۶	علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ	1304ھ/ 1887ء	1387ھ/ 1967ء	غالباً 1344ھ/ 1926ء میں چند ماہ صدر مدرسی کے عہدہ کو زینت بخشی۔
۷	مولانا عبد الشکور آہ مظفر پوریؒ	1299ھ/ 1881ء	1365ھ/ 1946ء	1931ء میں صدارت کے عہدہ پر فائز تھے۔
۸	مولانا عبد الوحید سنبھلیؒ		1355ھ/ 1936ء	1351ھ/ 1932ء سے 1355ھ/ 1936ء تک منصب صدارت سنبھالتے رہے۔
۹	مولانا اسلام الحق کوپا گنجی	1322ھ/ 1904ء	1972ء	1936ء-1938ء تک صدر مدرسی فرمائی۔
۱۰	مولانا سید میرک شاہ کشمیریؒ	1306ھ/ 1888ء	1973ء، در لاہور	1938ء اور اس کے بعد کے چند سالوں میں صدر مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔
۱۱	مولانا قاری ریاست علی بحری آبادی ثم مئویؒ	1317ھ/ 1900ء	1391ھ/ 1972ء	پہلی بار 1947ء سے 1951ء تک صدر مدرسی فرمائی۔ دوسری بار 1961ء سے 1972ء تک صدر مدرسی فرمائی۔
۱۲	مولانا محمد مسلم جونپوریؒ	1301ھ/ 1883ء	1381ھ/ 1961ء	1951ء تا 1961ء
۱۳	مولانا عبد الحق اعظمیؒ	1347ھ/ 1928ء	2016ء	1972ء تا 1982ء
۱۴	مولانا نیاز احمد جہانا گنجیؒ		1982ء	1982ء میں چند ماہ
۱۵	مولانا محمد عارف جہانا گنجیؒ	1352ھ/ 1933ء	2011ء	1982ء تا 1999ء
۱۶	مولانا قاری ظفر الاسلام مدظلہ	۱۵ر فروری 1954ء		1999ء تا 2016ء
۱۷	مولانا مفتی انور علی مدظلہ	یکم نومبر 1958ء		2016ء تا حال

CS Scanned with

علمی باقیات

آپ کی علمی باقیات میں کتاب ''کلیات آہ'' اور صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت قطب الہند مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کے علاوہ آپ کے تلامذہ کی بڑی تعداد شامل ہے، جن میں سے بعض نامور تلامذہ کا ذکر (اس وقت تک میسر معلومات کے مطابق) ''تذکرۂ حضرت آہ'' میں آچکا ہے، لیکن اس کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد کئی اور نامور تلامذہ کا علم ہوا جن کے ذکر کے بغیر یہ قصہ ناتمام رہے گا۔

حضرت آہؒ کے نامور تلمیذ حضرت ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ

ان میں سب سے زیادہ ممتاز اور نامور شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالمحاسن محمد سجادؒ بانی امارت شرعیہ بہار و جمعیۃ علماء ہند کی ہے (۴۳)، جنہوں نے کانپور کے زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا

(۴۳) حضرت مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد تاریخ اسلام کی چند قابل افتخار شخصیتوں میں سے ایک تھے، امارت شرعیہ بہار، جمعیۃ علماء ہند، تحریک خلافت، تحریک دارالقضاء، تحریک حزب اللہ، سیاسی جماعت مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی، مدرسہ انوارالعلوم گیا اور نہ معلوم کتنی ہی تنظیمیں اور ادارے آپ کے دم قدم سے وجود میں آئے، آپ کا اسم گرامی محمد سجاد اور والد ماجد کا نام مولوی حسین بخش تھا، نسباً جاجنیری سادات سے تھے، آپ کی ولادت صفر ۱۲۹۹ھ (دسمبر ۱۸۸۱ء) کو بہار شریف سے قریب ایک تاریخی بستی ''پنہسہ'' میں ہوئی، چار سال کی عمر میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد بڑے بھائی کے زیر سایہ رہے، جو عمر میں آپ سے کچھ ہی بڑے تھے، ابتدائی تعلیم حضرت مولانا سید وحید الحق صاحبؒ کے پاس مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں ہوئی، پھر وہاں سے کانپور آئے اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے مدرسہ ''دارالعلوم کانپور'' میں داخل ہوئے، یہیں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ سے ان کو شرف تلمذ حاصل ہوا، کانپور کے بعد مولانا عبدالشکور صاحبؒ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے، مگر چند ماہ کے بعد ہی پھر واپس کانپور اور پھر وطن چلے آئے، کچھ دنوں کے بعد وہاں سے مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد تشریف لے گئے اور حضرت مولانا عبدالکافی الٰہ آبادیؒ کے پاس سند فراغ حاصل کی، تدریسی خدمات کا آغاز مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے کیا، پھر مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں مدرس ہوئے، پھر دوبارہ مدرسہ سبحانیہ بلائے گئے، آخر میں گیا آکر مدرسہ انوارالعلوم قائم کیا، اور یہیں سے اپنی نوع بنوع تعلیمی وتحریکی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا، جو ان کی اصل شناخت بنی، حضرت قاری احمد شاہ جہاں پوریؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت اور پھر مجاز بیعت ہوئے، وفات پھلواری شریف میں ۱۷/شوال المکرم ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۸/نومبر ۱۹۴۰ء کو ہوئی، اور خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے، (تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں اس حقیر کی کتابیں: ''حیات ابوالمحاسن اور تذکرۂ ابوالمحاسن)

عبدالشکور آہؔ مظفر پوریؒ سے درجات وسطیٰ کی بنیادی کتابیں مثلاً تہذیب اور سلم العلوم وغیرہ پڑھی تھیں، جب حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ خود بھی دارالعلوم کانپور میں منتہی جماعت کے طالب علم تھے، اور استاذ الکل حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے تلمیذ خاص تھے، بلکہ بقول حضرت مولانا محمد سجادؒ کتاب فہمی کی بنیادی صلاحیت ان میں حضرت آہؔؒ کی بدولت پیدا ہوئی، اور پھر آپ ہی کے زیر سرپرستی وہ دیوبند تشریف لے گئے، اور دارالعلوم میں داخلہ لیا، گوکہ ایک اتفاقی واقعہ کی بنا پر مولانا سجادؒ نے دیوبند چھوڑ دیا اور وہاں سے کانپور اور پھر وطن لوٹ گئے (۴۴)۔

مولانا حکیم محمد اسرار الحق صاحبؒ مؤلف تاریخ اطباء بہار

☆ آپ کے نامور تلامذہ میں ایک اہم نام ممتاز محقق اور تاریخ نگار حکیم اسرار الحق صاحبؒ مؤلف تاریخ اطباء بہار و سابق پروفیسر گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ کا بھی ہے، حکیم صاحب نے تاریخ اطباء بہار کے پیش لفظ میں حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ سے اپنے شرف تلمذ کا ذکر کیا ہے (۴۵)۔

---

(۴۴) تفصیل کے لئے دیکھئے: تذکرۂ ابوالمحاسن (مجموعۂ مقالات سیمینار) ص ۶۳ تا ۶۵ مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند دہلی، ۲۰۱۹ء۔

نوٹ: تذکرۂ حضرت آہ کی تالیف کے دوران حضرت آہؔؒ سے حضرت ابوالمحاسن مولانا سید محمد سجادؒ کے تلمذ کا مجھے علم نہیں تھا، اسی لئے اس بات کا ذکر مذکورہ کتاب میں نہ آسکا، اس کتاب کی طباعت کے بعد حسن اتفاق سے جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد سیمینار کے کنوینر کی ذمہ داری نبھانے کا مجھے موقعہ ملا، اور حضرت مولانا سجادؒ کی شخصیت پر تحقیق کے دوران مجھ پر یہ بات منکشف ہوئی کہ حضرت مولانا سجادؒ کی تعمیر و تربیت میں حضرت آہؔ مظفر پوریؒ کا اہم رول رہا ہے۔ مگر افسوس کہ حضرت مولانا سجادؒ کے تذکروں میں یہ نام اب تک فراموش کیا جاتا رہا ہے۔

(۴۵) دیکھئے: تاریخ اطباء بہار ج ۱ ص ۱۹ مؤلفہ حکیم اسرار الحق صاحبؒ سابق پروفیسر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ، پٹنہ لیتھو پریس، رمنہ روڈ پٹنہ، ۱۹۸۰ء

مولانا حکیم اسرار الحق صاحبؒ دربھنگہ کی مشہور و معروف بستی ''بردی پور'' کے رہنے والے تھے، یہیں ۲۲ / جنوری ۱۹۲۲ کو ان کی پیدائش ہوئی، ان کے والد ماجد مولوی محمد یوسف نعمانیؒ مدرسہ چشمۂ رحمت غازی پور کے سند یافتہ اور مولانا شمشاد لکھنویؒ کے تلمیذ رشید تھے، ابتدائی انگریزی تعلیم ایک سال پٹنہ نیورہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم مشرقیہ حمیدیہ قلعہ گھاٹ دربھنگہ میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا مقبول احمد صدیقیؒ، اور حضرت مولانا مقبول احمد خان صاحبؒ (تلامذہ علامہ حکیم برکات احمدؒ) اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کیا، وہاں سے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ حاضر ہوئے اور یہاں علامہ ظفر الدین بہاریؒ (تلمیذ رشید مولانا احمد رضا خان صاحب) اور حضرت مولانا عبدالشکور آہ ==

۲۳

قربانی کا جو نتیجہ ہونا چاہیے ہو کر رہا' ایک طرف تو طلبہ گرویدہ ہو کر آپ ہی کے ہو رہے اور دوسری
طرف خود حضرت متفکر اعظمؒ تحقیقات و معلومات کے بحر زخار ہو گئے۔ جس نے دیکھا ہے وہ حافظ صاحب
الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تدریس محض ایک تبرک کی حیثیت رکھتی تھی تو اس کے لئے مولاناؒ
کی اس علمی ترقی میں حیرت کی اور کبھی کوئی حد نہیں رہتی' چنانچہ میں نے اپنے اس تحیر کو عرض بھی کیا'
فرمایا کہ "نہیں وہاں بھی روشنی ملتی ہے. علاوہ اس کے میں ایک گونہ صلاحیت پیدا کر کے پہنچا تھا
مولانا محمد عبدالشکور صاحب مظفرپوری (فی الحال مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ) سے تسلیم وغیرہ
پڑھ کر کتاب فہمی کی صلاحیت پیدا ہو گئی تھی". حضرت متفکر اعظمؒ تہذیب وغیرہ پڑھنے کے زمانے میں
کانپور سے دیوبند تشریف لے گئے تھے. لیکن ایک مہتمّ سے لڑائی ہو جانے کے قصہ میں بہاری
طلبہ کو جس کے سرخیل مولانا محمد عبدالشکور صاحب تھے' دیوبند کو خیرباد کہنا پڑا. مگر حضرت سجادؒ
کو دیوبند کی یاد تازہ رہی. اکثر دیوبند کا ذکر فرمایا کرتے۔ انہی قلبی تاثرات نے سیاسیات کے
سلسلہ میں دیوبندیوں سے ایسا ملا دیا کہ ایک فرد متصور کئے جانے لگے اور اکابر علمائے دیوبند
نے بھی آپ کے تبحر علمی کے ساتھ ایثار و قربانی' استقلال و فکری جدوجہد کی قدردانی کرتے ہوئے
اپنے مشن کا ذریعہ بنا لیا بلکہ حقیقت میں جزو کل مان لیا۔ آپ ہی کے بار بار تذکرہ دیوبند نے میرے
دل میں تحریک پیدا کر دی جو مدرسہ اسلامیہ بہار شریف کے جلسہ دستار بندی کی شرکت کے بعد بھی
جامہ پہن سکی۔ شوال ۱۳۲۶ھ میں الہ آباد ہوتا ہوا بمعیت محبی جناب حافظ عبدالرحمن صاحب
بہاری (مہتمم مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ) دیوبند پہنچا' اور حضرت مولاناؒ بھی مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف

''محاسن سجاد'' مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی (مطبوعہ کتب خانہ عزیزیہ دہلی، ۱۹۴۱ء) کا ایک صفحہ،
مضمون مولانا اصغر حسین بہاریؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجادؒ

والدہ ماجدہ سیدہ حلیمہ خاتونؒ

حضرت منورویؒ کی والدہ ماجدہ ''سیدہ حلیمہ خاتون'' بھی بڑی تعلیم یافتہ، انتہائی پارسا، اور خدا رسیدہ خاتون تھیں، اپنے باکمال والد حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ کا عکس جمیل تھیں، ان کی خاک حیات ولایت وتقویٰ کے خمیر میں گوندھی گئی تھی، ان کی زندگی سراپا صبر وشکر سے عبارت تھی، عفت و پاکدامنی، اور خوف وخشیت الٰہی کا زندہ نمونہ تھیں، فقر وفاقہ میں بھی داد ودہش کا مزاج رکھتی تھیں، ان کو دیکھ کر عہد سلف کی بزرگ خواتین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، کئی کرامات آپ کی طرف منسوب ہیں:

غیبی مچھلی

ایک بار کا ذکر ہے کہ آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہریؒ عرف مولانا بہادرؒ (م ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷/فروری ۱۹۷۱ء) (۴۶) نے (جب وہ بہت چھوٹے

== مظفرپوریؒ (تلمیذ رشید حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) سے کسب فیض کیا، شمس الہدیٰ سے فراغت کے بعد ۱۹۴۳ء میں گورنمنٹ طبیہ کالج پٹنہ میں داخل ہوئے، اور ۱۹۴۷ء میں امتیازی نمبرات سے فائنل امتحان پاس کیا، اور گولڈ میڈل کے حقدار قرار پائے، فراغت کے بعد ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۰ء تک دربھنگہ ڈسٹرکٹ بورڈ میں انچارج شفاخانہ کی حیثیت سے کام کیا، ۱۹۴۷ء میں انجمن اطباء بہار دربھنگہ کے اسسٹنٹ سیکریٹری منتخب ہوئے، ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۰ء تک پورنیہ میں متنوع خدمات انجام دیں، ۱۹۶۰ء میں شفیع مسلم ہائی اسکول لہریاسرائے دربھنگہ سے وابستہ ہوئے، ۱۹۷۰ء میں بہار طبیہ کالج پٹنہ سے منسلک ہوئے اور ۱۹۸۴ء میں ریٹائرڈ ہونے تک یہیں خدمت انجام دی، ریڈیو پر بھی آپ کی طبی تقریریں نشر ہوتی تھیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، ان میں تاریخ اطباء بہار، تسہیل الدراری، رسالہ غناوسماع، اور اسرار نبض خاص طور پر قابل ذکر ہیں، روحانی تعلیم حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری مجیبیؒ سے حاصل کی، آپ ایک اچھے اور قادر الکلام شاعر بھی تھے (مذکورہ بالا کتاب کی دونوں جلدوں کے ابتدائیہ اور مصنف کی خودنوشت سے ماخوذ)

(۴۶) مولانا بہادر صاحبؒ حضرت منورویؒ کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے، حضرت حلیمہؒ کا دوسرا نکاح جناب محمد اسحاق مرحوم (موضع منورواشریف ضلع سمستی پور) سے ہوا تھا، جس سے حضرت مولانا بہادر صاحبؒ پیدا ہوئے، آپ کی وفات بدھ ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۷/فروری ۱۹۷۱ء کو ڈیڑھ بجے دن میں ہوئی، (قلمی یادداشت حضرت حاجی جمیل احمد صاحب صلحاویؒ ص ۸۷ تبییض جناب ماسٹر نورالدین صاحب حفید حضرت حاجی جمیل صاحب) باقی احوال کے لئے دیکھئے ''تذکرہ حضرت آہ مظفرپوریؒ ص ۱۰۴۔

تھے) ایک بار خواب دیکھا جس میں ان کو بہت سی رنگ برنگ کی مچھلیاں نظر آئیں، صبح آنکھ کھلی تو بچپن کا زمانہ، مچھلی کی خواہش زور پکڑ گئی، والدہ ماجدہ فجر کی نماز میں مشغول تھیں، جیسے ہی سلام پھیرا صاحبزادے نے مچھلی کا مطالبہ کر دیا، بوڑھی والدہ نے عذر پیش کیا کہ بیٹا! ابھی صبح کا وقت ہے، دھندلکا چھٹنے دو تو ان شاء اللہ مچھلی منگوا دوں گی، مگر بچہ کی ضد، ان کا اصرار جاری رہا کہ مجھے ابھی مچھلی چاہئے، لاچار ماں نے مجبور ہو کر گھر میں اپنی چارپائی کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹا! جا کر دیکھو میری چارپائی کے نیچے مچھلی ملے گی، بیٹے نے خوش خوش چارپائی کی طرف دوڑ لگائی تو دیکھا کہ سرہانے کی طرف زمین پر ایک زندہ مچھلی تڑپ رہی ہے، بیٹے نے مچھلی اٹھالی اور خوشی خوشی لاکر ماں کو پیش کیا، ماں نے قدرت الٰہی کا یہ کرشمہ دیکھا تو سر تشکر و ممنونیت کے احساس سے جھکتا چلا گیا، اور وہ کافی دیر تک سربسجود رہ کر اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتی رہیں، جس نے ان کی لاج رکھ لی اور ان کے معصوم بچہ کو مایوس نہیں کیا۔

کھانے میں برکت

☆ سجدہ سے سر اٹھایا تو بچہ مچھلی سے کھیل رہا تھا اور اس کی ادھ مری حالت اور تڑپنے کی کیفیت سے لطف اندوز ہو رہا تھا، ماں نے مصلیٰ سمیٹ کر ایک طرف رکھا، گھر میں مٹی کے چھوٹے چھوٹے دو تین برتن تھے، جن میں کھانا پکایا جاتا تھا، گھر میں ماں اور بیٹا صرف دو ہی فرد تھے، ان کے لحاظ سے یہ چھوٹے چھوٹے چند برتن بھی کافی تھے، ماں نے ایک برتن میں مچھلی پکائی اور دوسرے میں تھوڑا سا چاول تیار کیا، ابھی کھانا شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ کچھ رشتہ دار خواتین دوسرے گاؤں سے بغرض زیارت وملاقات آپہونچیں، ازراہ اخلاق ان کو بھی کھانے میں شریک کیا اور اللہ پاک نے اس تھوڑے کھانے میں اتنی برکت دی کہ سب نے آسودہ ہو کر کھانا کھایا، یہاں تک کہ معصوم صاحبزادہ کو بھی کسی کمی کی شکایت نہ ہوئی، **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء**(۴۷)۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں سے عقیدت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

ان کے تقویٰ اور للّٰہیت کے اور بھی کئی واقعات ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں درج ہیں

---

(۴۷) یہ واقعہ مجھ سے حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہری عرف مولانا بہادرؒ کے بڑے صاحبزادہ جناب مولانا عبید اللہ صاحب مدظلہ نے اپنے والد گرامی کے حوالے سے نقل کیا۔ مولانا عبید اللہ صاحب شرافت واخلاق اور علم وعمل میں اپنے خاندانی روایات کے امین ہیں، عرصہ سے ڈوڈا (کشمیر) میں اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہیں۔

تفصیل کے لئے وہیں سے مراجعت کی جائے (۴۸)۔

حضرت حلیمہؒ کا انتقال ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء کے بعد ہوا، صحیح تاریخ کا پتہ نہ چل سکا، اس لئے تقریبی تاریخ ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء تصور کی جائے (۴۹)۔

۞ ۞ ۞

(۴۸) تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۳۰۴ تا ۳۰۸۔

(۴۹) میں نے تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۳۰۸ پر آپ کی والدہ ماجدہ کی تاریخ وفات تخمینہ سے تقریباً ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء لکھی تھی، لیکن بعد میں کچھ شواہد ایسے میسر آئے جن کی بنیاد پر یہ تاریخ درست معلوم نہیں ہوتی، اس لئے کہ حضرت مولانا شاہ برکت اللہ دہلویؒ سے حضرت منورویؒ کی وابستگی کے وقت وہ باحیات تھیں، اور حضرت منورویؒ حضرت شاہ صاحبؒ سے ان کے دیئے ہوئے شجرہ کے مطابق ۱۳۷۱ھ م ۱۹۵۲ء میں بیعت ہوئے تھے۔

(۲)

بابِ دوم

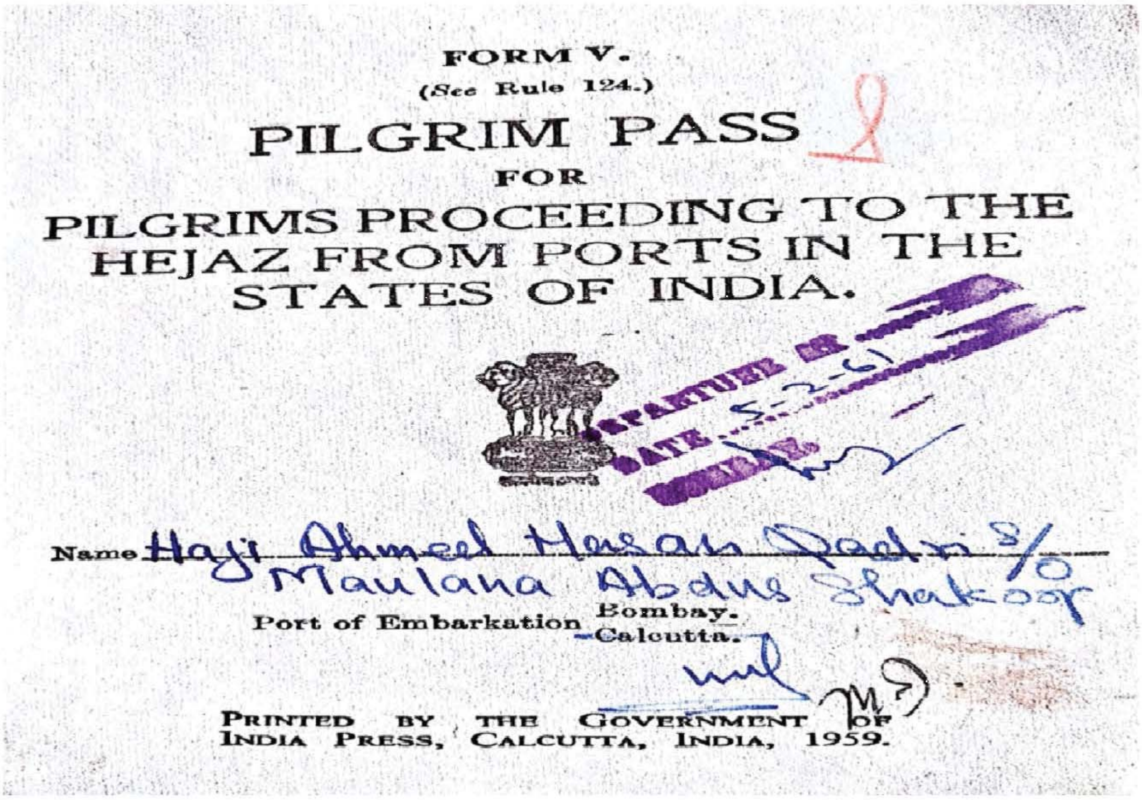
ولادت سے تعلیم و تربیت تک

ولادت باسعادت

حضرت منورویؒ کی ولادت باسعادت رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۰۱ء میں شہر مظفرپور کے محلہ چھوٹی کلیانی میں اپنے جدامجد حضرت مولانا سید نصیرالدین احمد نصرؒ کے مکان میں ہوئی۔(۵۰)

آپ کے دوسرے سفر حج کے "پلگرام پاس" (اس زمانہ کا حج پاسپورٹ) میں عمر کی صراحت موجود ہے، یہ حج پاس حکومت ہند کی جانب سے جنوری ۱۹۶۱ء میں جاری ہوا تھا، اس پر آپ نے اپنی عمر شریف اکسٹھ (۶۱) سال درج کرائی ہے، پاس بک پر آپ کا دستخط بھی موجود ہے، اس لحاظ سے آپ کی تاریخ ولادت ٹھیک جنوری ۱۹۰۱ء قرار پاتی ہے۔

(۵۰) حضرت منورویؒ اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفرپوریؒ کے جس مکان میں پیدا ہوئے، اس کی تصویر "تذکرہ حضرت آہ مظفرپوریؒ" ص ۳۱۸ پر موجود ہے، اس کتاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔


FORM V.
(*See* Rule 124.)
PILGRIM PASS
FOR
PILGRIMS PROCEEDING TO THE HEJAZ FROM PORTS IN THE STATES OF INDIA.

DATE 5-2-61

Name Haji Ahmed Hasan Qadri S/O Maulana Abdus Shakoor

Port of Embarkation Bombay. Calcutta.

PRINTED BY THE GOVERNMENT OF INDIA PRESS, CALCUTTA, INDIA, 1959.

حضرت منورویؒ کے حج ’’پلگرام پاس‘‘ کے صفحۂ اول کا عکس

INDIAN 2

FOREIGN (Resident/Non-Resident)*

† This Pilgrim Pass issued by the authority of the President of India, requests and requires all those whom it may concern to afford the person mentioned herein going on Haj all needed assistance and protection.

‡ This Pilgrim Pass has been issued to enable the holder to travel by Pilgrim Ship.

This Pass is valid for single journey from India to Hejaz during the year..1961..and for return within one year of the date of departure from India.

N.B.—The Pass is not valid for travel to any country other than Saudi Arabia.

By order of the President of India.

Foreign Secretary to the Government of India in the Ministry of External Affairs.

Issued at..Bombay..Signature of Issuing Officer..........

On..28—1—61..Designation of Issuing Officer..........

Registered at Bombay ~~Calcutta~~

On..28—1—61.. *Signature*..........

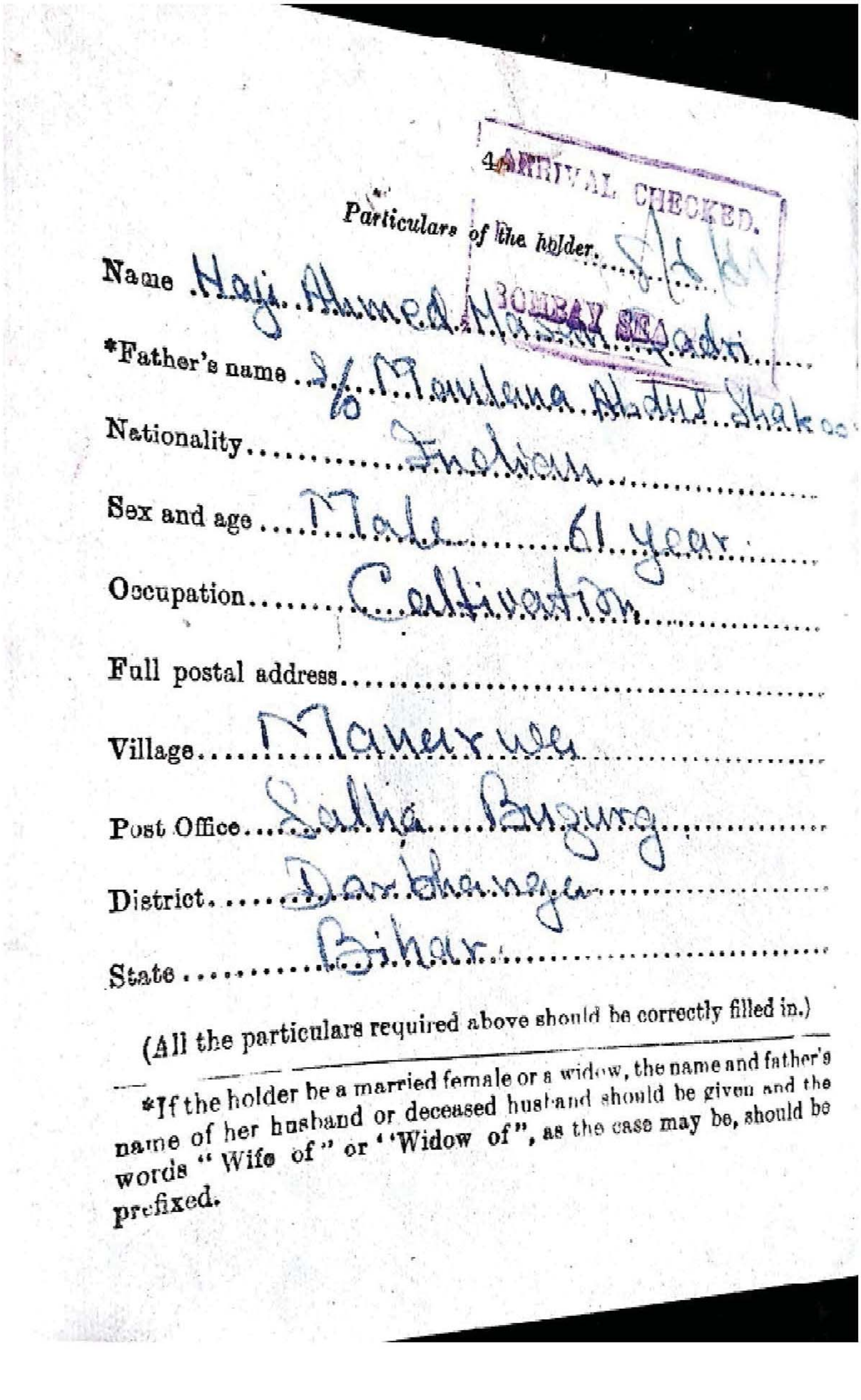
Executive Officer, Port Haj Committee.

* Strike out the words which are not applicable.

† For Indians only.

‡ For Foreigners.

حضرت منورویؒ کے حج "پلگرام پاس" کے صفحہ نمبر ۲ کا عکس



4 ARRIVAL CHECKED.
BOMBAY SEA...

Particulars of the holder.

Name Haji Ahmed Hasan Qadri

*Father's name S/o Maulana Abdul Shakoor

Nationality Indian

Sex and age Male 61 year

Occupation Cultivation

Full postal address

Village Manarwa

Post Office Salha Buzurg

District Darbhanga

State Bihar

(All the particulars required above should be correctly filled in.)

*If the holder be a married female or a widow, the name and father's name of her husband or deceased husband should be given and the words "Wife of" or "Widow of", as the case may be, should be prefixed.

حضرت منورویؒ کے حج ’’پلگرام پاس‘‘ کے صفحہ نمبر ۴ کا عکس

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم وتربیت کا آغاز اپنے جدامجد حضرت مولانا سید نصیرالدین احمد نصرؒ کے زیرسایہ ہوا، پہلی بسم اللہ داداجان نے کرائی، حضرت نصرؒ اپنے وقت کے معلم اکبر تھے، ایک زمانہ نے آپ سے فیض پایا، آپ کی نگاہ کیمیا ساز سے کتنے ہی مس خام کندن بن گئے، خود مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی عظیم شخصیت بھی حضرت نصرؒ کی تعلیم وتربیت ہی کی رہین منت تھی، حضرت منورویؒ حضرت نصرؒ کے گھر میں پہلے پوتے تھے، اس لئے قدرتی طور پر داداجان کی توجہ وشفقت کے سب سے زیادہ مستحق ٹھہرے، اورتمام پوتوں اورنواسوں میں آپ کو اولین اہمیت حاصل ہوئی، حضرت نصرؒ نے آپ کی تعلیم وتربیت اپنے ذمہ لی۔

یہ حضرت منورویؒ کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ آپ کو حضرت نصرؒ جیسا صاحب دل اور کہنہ مشق مربی اوراستاذ ملا، جس سانچہ سے حضرت آہؒ اور حضرت گڑھولویؒ جیسی شخصیتیں ڈھل کر تیار ہوئی تھیں، وہی سانچہ آپ کی تعلیم وتربیت کے لئے بھی مقرر رہا، داداجان نے آپ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، کتابی تعلیم کے ساتھ باطنی توجہات بھی جاری رہیں۔

حضرت نصرؒ کی تربیتی خصوصیات

جولوگ حضرت نصرؒ کے طریقۂ تعلیم وتربیت سے واقف ہیں وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ طالب علم کے دماغ اوردل دونوں پراپنی توجہ مرکوز کرتے تھے، اورذہن وفکر کی تربیت کے ساتھ اخلاق وروح کا بھی تزکیہ فرماتے تھے، ان کے نزدیک تعلیم کے ساتھ تقویٰ بھی زندگی کا لازمی عنصر تھا، وہ فکر وعقیدہ کی صالحیت اورطبیعت کی سالمیت پربہت زور دیتے تھے، ذہن ودماغ کی تراش وخراش کے بالمقابل قلب وروح کی بالیدگی ان کے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتی تھی، وہ اس روایتی تعلیم کے خلاف تھے جس میں طالب علم کتابوں کا تو حافظ ہوجائے لیکن عملی زندگی اس کی صفر ہو، اسی طرح وہ تعلیم کے لئے یکسوئی اور پاکیزہ ماحول کو ضروری قرار دیتے تھے، صحبت غیر کو طالب علم اور طالب سلوک دونوں کے لئے زہر تصور فرماتے تھے، کہ اس سے تشتت افکار اورانتشار اخلاق پیدا ہوتا ہے، ان کے تعلیمی و تربیتی تصورات ومعیارات کے لئے ان کا وہ مکتوب سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جوانھوں نے اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالشکور آہؒ کو تعلیم کانپور کے زمانے میں تحریر فرمایا ہے، وہ آج بھی ہر طالب علم کے لئے اسی طرح مشعل راہ ہے جس طرح اپنے زمانۂ تحریر میں تھا، بلکہ آج کے زوال پذیر ماحول میں اس

کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے، ہر طالب وسالک کے لئے اس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔

داداجان کے زیر سایہ

داداجان سے کیا کتابیں پڑھیں یہ معلوم نہیں ہے البتہ آپ تقریباً تیرہ (۱۳) سال کی عمر تک داداجان کی صحبت میں رہے، اور اس عمر میں کوئی بھی ذہین طالب علم اگر اس نے حفظ قرآن میں اپنا وقت مشغول نہ کیا ہوتو متوسطات تک کی کتابیں بآسانی پڑھ سکتا ہے، اس لحاظ سے قیاس یہ ہے کہ آپ نے جد امجد سے ہدایہ اور جلالین تک کتابیں ضرور پڑھ لی ہونگی، حضرت نصرؒ عموماً جلالین اور مشکوٰۃ پڑھا کر ہی اپنے افراد خاندان کو دوسرے بڑے اداروں میں بھیجتے تھے، جیسا کہ ان کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، حضرت آہ کو بھی انہوں نے مشکوٰۃ کے بعد ہی کانپور جانے کی اجازت دی تھی (۵۱)۔

مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں

جد امجد کے علاوہ مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا عبدالشکور آہؒ سے بھی استفادہ کا گمان غالب ہے اس لئے کہ حضرت آہ فراغت اور نکاح کے بعد ہی تقریباً ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مدرسہ جامع العلوم سے وابستہ ہوگئے تھے جہاں وہ ستمبر ۱۹۲۲ء (محرم الحرام ۱۳۴۱ھ) تک مسلسل تقریباً بائیس (۲۲) سال صدالمدرسین کے عہدہ پر فائز رہے، ظاہر ہے کہ یہ مدرسہ جامع العلوم کے تعلیمی شباب کا دور تھا، پورے ملک میں اس مدرسہ کی شہرت تھی، بالخصوص حضرت مولانا عبدالشکور آہ جیسی عبقری اور علمی شخصیت کی آمد نے اس ادارہ کی شہرت میں چار چاند لگادیا تھا، ان کے علاوہ اور بھی انتہائی لائق وفائق اساتذہ کی ایک پوری ٹیم یہاں موجود تھی، تشنگان علوم نبوت کا ایک ہجوم تھا، جو قریب وبعید سے ہر وقت آمادۂ رجوع رہتا تھا، ایسی صورت میں ناممکن ہے کہ حضرت منورویؒ مدرسہ جامع العلوم میں داخل نہ کئے گئے ہوں اور وہ بھی اس وقت جب کہ خود ان کے والد گرامی مدرسہ کے صدر المدرسین ہوں، جن کی تدریسی صلاحیت ملک گیر پیمانہ پر شہرت یافتہ تھی---اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت منورویؒ نے مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں اپنے والد ماجد اور دیگر اساتذہ سے بھی ضرور استفادہ کیا ہوگا گو سرپرستی اس عرصہ میں بھی داداجان ہی کی رہی ہو، داداجان تو مدرسہ کے بھی سرپرست تھے اور اس کی بناء اول سے شریک رہے تھے اس لئے دونوں باتوں کا جمع ہونا کوئی مستبعد نہیں ہے۔

(۵۱) حضرت مولانا نصیرالدین احمد نصرؒ کا مکتوب گرامی ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں شائع شدہ ہے، دیکھئے: ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

داداجان کے بعد

۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو جدامجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا، یہ آپ کے لئے حادثۂ جانکاہ ثابت ہوا، داداجان کی موجودگی خاندان کی ہمہ جہت شفقتوں اور محبتوں کا باعث تھی، ان کی شخصیت پورے خاندان کے لئے نقطۂ ارتکاز کی حیثیت رکھتی تھی، ان کے وصال کے بعد تو گویا دنیا ہی اجڑ گئی، ماحول میں ہر طرف سناٹا پھیل گیا، خاندان کو جوڑنے والی ہستی باقی نہ رہی تو خاندان بکھراؤ کا شکار ہوگیا، ان چیزوں کا براہ راست اثر حضرت منورویؒ کی زندگی پر بھی پڑا۔

داداجان کے وصال کے بعد والد گرامی (حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ مظفر پوریؒ) نے ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں دوسری شادی کرلی، پھر آہستہ آہستہ والد و والدہ کے مابین اختلافات کی خلیج بڑھتی چلی گئی جو علٰحدگی پر منتج ہوئی۔

ناناجان مولانا امیر الحسن قادریؒ کے زیر عاطفت

اس کے بعد قدرتی طور پر آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ اپنے ناناجان حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) (۵۲) کے پاس منتقل ہوگئے، حضرت مولانا امیر الحسن قادری صاحبؒ کا

(۵۲) حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کے والد ماجد کا نام سید شاہ فرزند علیؒ تھا، محلہ سعد پورہ شہر مظفر پور کے رہنے والے تھے، بڑے رئیس وکبیر اور زمین جائیداد کے مالک تھے، ان کا مکان علماء، صلحا، امراء اور ارباب سخن کا مرکز تھا، یہیں حضرت امیرؒ کی ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی، اس کے بعد تعلیم ظاہر کی تکمیل کے لئے باہر تشریف لے گئے، اس لئے کہ شہر میں کوئی قابل ذکر مدرسہ نہیں تھا، تعلیم ظاہر کی تکمیل کہاں اور کب ہوئی؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، البتہ تعلیم باطن کے لئے سلسلۂ بانسہ سے نسبت رکھنے والے بزرگ حضرت سید محمد اسحاق حسینیؒ سے وابستہ ہوئے اور منازل سلوک طے کرنے کے بعد اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، تعلیم باطن کی تکمیل کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ساری زندگی اس سے وابستہ رہے، اور اسی کے ساتھ طالبین کے لئے روحانی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا، تعلیمی اور روحانی سلسلہ کا آغاز غالباً اپنے شہر سے ہی کیا، پھر غلبۂ فقر اور بعض خانگی حالات کی بناپر ساری جائیداد ترک کرکے درویشی کی زندگی اختیار کرلی، اور بہار کے مختلف مقامات پر اپنی خدمات کے نقوش چھوڑے، جن کی تفصیل معلوم نہیں ہے، اس سلسلہ کی آخری جگہ منوروا شریف ہے، جہاں آپ نے تین سال (۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۱ء) قیام فرمایا، اس سے قبل بارہ (۱۲) سال (۱۹۰۶ء تا ۱۹۱۸ء) صلحابزرگ میں قیام رہا، اور اس پندرہ سال کے عرصہ میں اس پورے وسیع وعریض خطہ کو علم ونور سے معمور کردیا، اور سیکڑوں شاگرد اور اہل اللہ تیار کئے، آج انہی چراغوں سے نہ معلوم کتنے چراغ جل رہے ہیں، بڑے صاحب جذب وتاثیر اور صاحب کرامات وتصرفات بزرگ تھے، آپ کی علمی اور روحانی ہیبت ==

مکان شہر مظفر پور کے محلہ سعد پورہ میں تھا، جہاں ان کی بہن اور دیگر اعزہ واقارب رہائش پذیر تھے، خود وہ جہانیاں جہاں گشت بزرگ تھے، اور اپنی جذبی کیفیات اور بعض ذاتی حالات کی بنا پر انہوں نے فقیرانہ زندگی اختیار کر لی تھی اور اپنی تمامتر جائدادیں اور زمینات اپنی بہن بہنوئی اور دیگر رشتہ داروں کے حوالے کر کے دائمی ہجرت پر نکل چکے تھے، وہ ایک مرشد روحانی کی حیثیت سے اشارات غیبی کے تحت روئے زمین کا سفر کرتے تھے، اور جہاں اور جتنی دیر کے لئے حکم ہوتا اتنی دیر قیام فرماتے تھے، غالباً وہ مقام تکوین سے وابستہ تھے، اسی لئے ان کی زبان ایک برہنہ تلوار تھی، جو فرماتے عموماً وہ پورا ہو جاتا تھا، اسی لئے جہاں بھی وہ رہے لوگوں پر ان کی عظمت واحترام کے ساتھ ان کی ہیبت کا سکہ بھی قائم رہا، کہ نہ معلوم زبان مبارک سے کس کے لئے کیا صادر ہو جائے؟---

اللہ پاک نے ان کو دنیا کی حقیر سی فانی جائیداد کی قربانی کے بدلے لوح وقلم اور روح کائنات کی لافانی اور بے نظیر مملکت عطا فرما دی تھی (۵۳)۔

حضرت امیرؒ میں یہ کیفیت کب پیدا ہوئی اور گھر بار چھوڑ کر کب انہوں نے دائمی ہجرت کی راہ

==پورے علاقے پر قائم تھی، بڑے بڑے اصحاب علم وجاہ سامنے لب کشائی کی جرأت نہیں رکھتے تھے، کبھی عالم سکر میں ایسی باتیں ارشاد فرماتے جو لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتیں، اسی لئے بعض بوڑھے مرد وخواتین آپ کو پیار سے ''بتھو مولی صاحب'' (یعنی مجذوب مولانا) بھی کہتے تھے۔

آپ عالم وعارف کے ساتھ ساتھ ایک بڑے شاعر بھی تھے، آپ کا کلام عارفانہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے، خاص طور پر آپ کا بارہ ماسہ ادب، زندگی اور محبت وعشق کا شاہکار ہے، اس حقیر نے آپ کے کلام کے کئی خوبصورت نمونے اپنی کتاب ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں محفوظ کر دیئے ہیں۔

۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں آپ نے منورواسے بہار شریف ہجرت فرمائی، اور وہیں خانقاہ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری میں چند ماہ قیام فرما کر داعی اجل کو لبیک کہا، اور درگاہ کے احاطے میں مدفون ہوئے، آپ کی اہلیہ اور ایک جوان بیٹا صلحا آمد سے قبل ہی مظفر پور میں فوت ہو چکے تھے، ایک جوان بیٹی کنوار پن میں صلحا بزرگ میں فوت ہوئیں، ایک بیٹی حضرت حلیمہؒ جو دونوں بہنوں میں بڑی تھیں قائم رہیں، اور انہی کے بطن سے حضرت منورویؒ پیدا ہوئے، اس طرح ان کی تنہا یادگار ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو بے شمار فضائل وکمالات کی حامل اور زہد وتقویٰ کی پیکر تھیں۔ اور بیٹا کی جگہ پر ان کی یادگار ان کے نواسے حضرت منورویؒ تھے، جو ان کے جملہ علوم وکمالات اور معارف ومکارم کے وارث وجانشین ہوئے (باقی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۴۱ تا ۱۹۵ مؤلفہ حقیر راقم الحروف)

(۵۳) حضرت امیرؒ کے تفصیلی احوال کے لئے ملاحظہ فرمائیں ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری'' ص ۱۴۱ تا ۱۹۵۔

اختیار کی؟ اور اس کے بعد کن مقامات کو یہ شرف ورود حاصل ہوا؟ ان کی کوئی تفصیل معلوم نہیں ہے، البتہ جس زمانہ (۱۹۱۴ء) میں حضرت منورویؒ کا حادثۂ فراق پیش آیا، اس وقت آپ کا قیام "سلہا بزرگ" ضلع دربھنگہ (موجودہ ضلع سمستی پور) میں تھا (۵۴)، بعض دستاویزی ثبوتوں سے اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۹۰۶ء (تقریباً) میں ہی اس خطہ میں تشریف لا چکے تھے (۵۵)۔

منورواشریف تشریف آوری اور سکونت

اس لئے اندازہ یہ ہے کہ والد سے علٰحدگی کے بعد حضرت منورویؒ کچھ دنوں نانا جان کے متروکہ مکان میں اپنے رشتہ داروں کے یہاں مقیم رہے، پھر جب حضرت امیرؒ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنی دونوں بیٹیوں اور اکلوتے نواسے کو بھی سلہا بزرگ لے آئے، پھر کچھ دنوں کے بعد منورواشریف (۵۶) منتقل ہو

(۵۴) دستاویزات کے مطابق اس گاؤں کا اصل نام "سلہا بزرگ" ہی تھا، بعد میں گاؤں کے بعض اہل شعور نے اس میں ترمیم کر کے "صلحا بزرگ" کر دیا، اور اب یہ اسی طرح مشہور ہے۔

(۵۵) دیکھئے: تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۵۱۔

(۵۶) منورواشریف موجودہ ضلع سمستی پور کے حسن پور روڈ حلقۂ اسمبلی میں ۲۵ درجہ ۴۳ دقیقہ شمال اور ۸۶ درجہ ۲۰ دقیقہ مشرق پر کرے ندی کے جنوب میں باندھ سے متصل واقع ہے، اس کا تھانہ اور بلاک بتھان ہے، اس کے شمال میں صلحا بزرگ، مشرق میں سوہما اور مغرب میں بردونی مواضعات ہیں، یہ سطح سمندر سے ۳۹ میٹر یعنی ۱۲۸ فٹ کی بلندی پر ہے، قریب ترین ریلوے اسٹیشن حسن پور روڈ یہاں سے اٹھارہ (۱۸) کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، حسن پور روڈ میں چینی مل مشہور اور زمانۂ قدیم سے آج تک جاری ہے، اب بتھان میں نیا ریلوے اسٹیشن زیر تعمیر ہے جو منورواشریف سے چھ (۶) کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

یہ بستی اپنے محل وقوع اور جغرافیہ کے لحاظ سے خطہ کے مرکزی مقام پر آباد ہے، یہاں سے قریب ترین اکثر شہروں (صدر مقامات) کے فاصلے قریب قریب ہیں، مثلاً: یہاں سے کھگڑیا تیس (۳۰) کلومیٹر، سمستی پور ستر (۷۰) کلومیٹر، بیگوسرائے ساٹھ (۶۰) کلومیٹر، دربھنگہ، سہرسہ اور بھاگلپور اسی (۸۰) کلومیٹر، مونگیر چالیس (۴۰) کلومیٹر، مظفر پور ایک سو تیس (۱۳۰) کلومیٹر، پٹنہ ڈیڑھ سو (۱۵۰) کلومیٹر، اور گیا دو سو (۲۰۰) کلومیٹر کے فاصلے پر ہیں، اس طرح یہ بستی کئی بڑے اضلاع کے درمیان نقطۂ وسط میں واقع ہے، اور اس کا فیض دائرۂ مستطیل کی شکل میں بآسانی اس پورے خطہ کو محیط ہو سکتا ہے۔

اس بستی کے قریب سے جو کریہہ ندی گذرتی ہے وہ دربھنگہ سے قریب ایک مقام شیر نیہ پر کئی ندیوں سے مل کر ایک ہو گئی ہے، اور وہی یہاں پہونچتی ہے، پھر یہاں سے قریب ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر سنگم واقع ہے جہاں کریہہ ندی کو شیشوٗر ==

گئے، حضرت امیرؒ کی زندگی کے آخری تین سال منورواشریف میں گذرے ہیں، اور یہیں سے آپ ۱۹۲۱ء میں بہارشریف تشریف لے گئے اور پھر وہیں وفات پائی اور درگاہ حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ (ولادت ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء وفات ۷۵۶ھ مطابق ۱۳۵۵ء)(۵۷) کے احاطے میں مدفون ہوئے۔

مدرسہ فیض الغرباء آرہ میں داخلہ

بہرحال اب داداجان کی جگہ ناناجان نے اور مظفرپور کی جگہ منورواشریف نے لے لی، اور تعلیم وتربیت کے ایک نئے باب کا آغاز ہوا، کچھ اسباق خود پڑھائے، اور بقیہ تعلیم کی تکمیل کے لئے ناناجان نے غالباً ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں مدرسہ فیض الغرباء آرہ میں داخل کرادیا، جو مسلک ومشرب کے

==استھان کی طرف سے آنے والی کملاندی کے ساتھ گلے ملتی ہے اور ساتھ ساتھ بہتی ہے، مگر دونوں ایک دوسرے میں ضم نہیں ہوتیں، دونوں کے پانی کا رنگ جداگانہ رہتا ہے، یہ قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، اس طرح یہ بستی قدرتی، جغرافیائی، علمی اور روحانی نشانات کا خوبصورت مرقع ہے۔

پہلے یہ بستی صدیوں سے کرے ندی کے مغربی کنارے پر واقع تھی، جب کہ مشرقی کنارے پر صلحا بزرگ آج بھی آباد ہے، اگست ۱۹۶۴ء کے قیامت خیز سیلاب میں منورواشریف کی پوری بستی غرق ہوگئی، اور لوگ وہاں سے جان بچاکر نوتعمیر شدہ باندھ سے متصل اس کے جنوب میں اپنی زرعی زمینات پر آباد ہوئے، اس طرح یہ پوری بستی قدیم مسکن سے قریب ایک کلومیٹر دور باندھ کے جنوب میں منتقل ہوگئی، اب اس کی آبادی پھیلتے ہوئے مغرب میں بردونی اور مشرق میں سوہما سے متصل ہورہی ہے، صرف چند کھیتوں کے فاصلے باقی ہیں، شاید چند سالوں میں وہ بھی باقی نہ رہیں، منتقلی کے بعد اس بستی نے کافی ترقی کی، بے شمار پختہ مکانات، اچھی سڑکیں، آبادی کے بیچوں بیچ ایک نہر جو برسات میں لبریز جاتی ہے، پانچ (۵) مسجدیں اور ایک شاندار بڑا اور مشہور ومعروف مدرسہ جامعہ ربانی یہاں موجود ہیں، جمعہ کی نماز دوجگہوں پر ہوتی ہے، جامع مسجد اور جامعہ ربانی کی مسجد میں۔

یہ مسلم اکثریتی بستی ہے، اور مختلف خاندانوں کا مجموعہ ہے، یہاں کی اکثریت دوسرے مقامات سے منتقل ہوکر آئی ہے، لیکن باہم خاندانی اختلافات بہت ہیں، اور اسی بناپر اکثریت میں ہونے کے باوجود ان کا کوئی سیاسی وزن نہیں ہے، سیاسی انتخابات میں اکثر غیر مسلم امیدوار کامیاب ہوتے ہیں۔

(۵۷) حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کے تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ فرمائیں، تاریخ دعوت وعزیمت ج ۳ مؤلفہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، اور تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی۔

لحاظ سے ان کے مذاق ومزاج سے زیادہ قریب تھا (۵۸)---غالباً دوسال تک آپ نے یہاں تعلیم حاصل کی (۵۹)۔

مدرسہ کے ایک استاذ جن کو علم لدنی حاصل تھا

مدرسہ فیض الغرباء کے زمانۂ تعلیم کا ایک واقعہ حضرت منورویؒ بڑی لذت لے کر بیان فرماتے

(۵۸) مدرسہ فیض الغرباء آرہ ایک زمانے میں بہار کے ممتاز مدارس میں شمار کیا جاتا تھا، جس کی بنیاد ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۳ء میں حضرت مولانا رحیم بخش آروی بدری مجیبیؒ (متوفی ۸/شعبان المعظم ۱۳۴۴ھ مطابق ۲۱/فروری ۱۹۲۶ء) نے رکھی، یہ امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (متوفی ۱۶/صفر المظفر ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۶/ستمبر ۱۹۲۴ء) کے مرید با اخلاص تھے، پھلواری شریف میں حدیث کی چند کتابیں حضرت مولانا عبدالرحمن ناصری گنجیؒ سے پڑھیں، اس کے بعد بریلی تشریف لے گئے اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان صاحب (ولادت: ۱۰/شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴/جون ۱۸۵۶ء وفات: ۲۵/صفر ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۸/اکتوبر ۱۹۲۱ء) کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، ان کو مولانا احمد رضا خان سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، فراغت کے بعد پہلے اپنے وطن آرہ کے مشہور مدرسہ ''مدرسہ حنفیہ'' میں مدرس ہوئے، بعد میں نظریاتی اختلاف کے باعث ''مدرسہ فیض الغرباء'' کے نام سے ایک نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالی، جس کے جلسۂ سنگ بنیاد (منعقدہ ۱۹۰۳ء) میں (امیر شریعت ثانی) حضرت مولانا شاہ محی الدین قادریؒ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف (متوفی ۲۹/جمادی الاولی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۲/اپریل ۱۹۴۷ء منگل)، مولانا احمد رضا خان صاحب اور مولانا فریدالدین آرویؒ بانی خانقاہ فریدیہ آرہ جیسی اہم شخصیات نے شرکت کی، حضرت امیر شریعت اول مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ مدرسہ کے سرپرست مقرر ہوئے۔

اب مدرسہ کی وہ پہلی سی شان باقی نہیں رہی، اور تعلیمی معیار بھی برائے نام ہے، شروع میں مسلکی اعتدال تھا اب وہ بھی باقی نہ رہا (یہ معلومات مجھے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے چشم وچراغ جناب مولانا شاہ مشہود احمد قادری مجیبی ندوی صاحب مدظلہ العالی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے حاصل ہوئی ہیں جو اس مدرسہ کے سالانہ جلسوں کے برسہا برس تک ممتاز خطیب اور روح رواں رہے ہیں، اور بعض باتیں ویب سائٹ انجمن ضیاء طیبہ ڈاٹ کام سے بھی لی گئی ہیں)

(۵۹) مدرسہ فیض الغرباء میں حضرت منورویؒ کے تعلیم حاصل کرنے کی بات میرے والد بزرگوار سے جناب مولوی صوفی غلام رسول صاحبؒ (متوفی ۲۳/جمادی الاولی ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۶/دسمبر ۱۹۸۶ء بروز جمعہ) مقام صلحابزرگ ضلع سمستی پور نے نقل کی تھی، وہ کہتے تھے کہ اسی زمانہ میں میں بھی اس مدرسہ میں زیر تعلیم تھا، البتہ وہ اونچی جماعت میں تھے اور میں نچلی جماعت میں تھا---واضح رہے کہ صوفی غلام رسول صاحب بھی حضرت امیر الحسن قادریؒ کے تلامذہ میں تھے، اور حضرت امیرؒ تقریباً ۱۹۰۶ء میں صلحابزرگ تشریف لا چکے تھے، اس لئے قیاس یہ ہے کہ ان کو بھی حضرت امیرؒ ہی نے آگے کی تعلیم کے لئے مدرسہ فیض الغرباء بھیجا ہوگا۔

تھے، کہ میرے اساتذہ میں ایک ایسے استاذ بھی تھے جنہوں نے باقاعدہ کتابی تعلیم حاصل نہیں کی تھی، بلکہ وہبی طور پر ان کو علم حاصل ہوا تھا، اس کی صورت یہ ہوئی کہ استاذ صاحب کے والد مرحوم ایک بڑے صاحب دل عالم گذرے تھے، ایک عرصہ تک انہوں نے اسی مدرسہ میں تدریسی خدمات انجام دی تھیں، مدرسہ کے موجودہ تمام اساتذہ ان کے شاگرد تھے، گہرے علم کے ساتھ اونچی نسبت کے بھی حامل تھے، مگر ان کے صاحبزادے کو پڑھنے لکھنے سے کوئی مناسبت نہ تھی، طبیعت میں بے حد لاابالی پن تھا، پڑھنے کا وقت آیا تو والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اب کوئی کہنے والا بھی نہ رہا، والدہ نے بہت کوشش کی، لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا، مدرسہ کے دیگر اساتذہ صاحبزادگی کی بنا پر زیادہ سختی کرنا پسند نہیں کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ عمر عزیز کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اور والدہ اور دوسرے حضرات بھی مایوس ہوکر بیٹھ گئے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

ایک دن ان کے والد مرحوم کے پیرومرشد اچانک آرہ تشریف لائے اور انہوں نے ان کے گھر پر قیام فرمایا، ان کی والدہ اپنے شوہر نامدار کے پیر طریق کی شخصیت سے واقف تھیں، بلکہ غالباً روحانی طور پر ان سے وابستہ بھی تھیں، اس لئے انہوں نے ان کی خدمت وضیافت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، شب میں جب وہ بزرگ آرام کرنے کے لئے اپنے بستر پر لیٹے، والدہ ماجدہ نے صاحبزادے کو ترغیب دے کر ان کی خدمت کے لئے بھیجا کہ تم پڑھ تو نہیں سکے کم از کم ان کی خدمت کرکے ان سے دعائیں لے لو، شاید کسی لائق بن جاؤ،---- بزرگ نے صاحبزادہ کی حالت دیکھی تو ان کو بہت ترس آیا، ان کی والدہ نے بھی پس پردہ کچھ عرض ومعروض کیا، وہ ان کے عظیم باپ سے بے حد محبت فرماتے تھے، انہوں نے دل سے ان کو دعائیں دیں، صبح وہ بزرگ رخصت ہوئے اور ادھر صاحبزادے نے اپنے دوستوں سے ملنے کے لئے چائے خانے کی راہ لی، چائے خانہ میں اخبارات پر نظر پڑی تو حروف سمجھ میں آرہے تھے، ان کو بڑا عجیب لگا، انہوں نے غور سے پڑھا تو پورا اخبار پڑھ لیا، وہ حیرت آمیز مسرت کے ساتھ گھر واپس لوٹے اور اپنے گھر میں رکھی اپنے والد کی بعض کتابیں کھول کر دیکھیں تو وہ بھی سمجھ میں آنے لگیں، اس طرح آہستہ آہستہ گھر کی تمام کتابیں پڑھ ڈالیں، اپنی والدہ سے سارا ماجرا سنایا تو وہ خوشی سے مچل اٹھیں، اور کہا کہ یہ یقیناً ان بزرگ کی دعاؤں کا اثر ہے جن کی تم نے اس شب خدمت کی تھی۔

اب انہوں نے سیدھے مدرسہ فیض الغرباء کا رخ کیا، اور وہاں کے اساتذہ سے عرض کیا کہ میں آپ لوگوں کی کتابیں سمجھ سکتا ہوں، جو لوگ ان کے ماضی سے واقف تھے انہوں نے اس کو شروع میں بکواس قرار دیا، لیکن جب جائزہ لیا گیا تو صاحبزادہ کی بات درست ثابت ہوئی، فن کی تمام دقیق کتابیں

انہوں نے بآسانی حل کردیں۔

یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی، اس کی تصدیق کے لئے عوام وخواص اورعلماء وطلبہ کی بھیڑ لگ گئی، یہ ان کے والد مرحوم کا فیض، والدہ کی دعا اور بزرگ کی کھلی کرامت تھی ---مدرسہ کے ذمہ داران جن میں اکثریت ان کے والد مرحوم کے فیض یافتگان اور معتقدین کی تھی، نے فیصلہ کیا کہ صاحبزادہ کو باقاعدہ درس وتدریس کے لئے مدرسہ میں رکھ لیا جائے، تاکہ ان کے علم عطائی سے طلبہ بھی مستفید ہوں، نیز اس سے ان کے والد گرامیؒ کو بھی روحانی مسرت حاصل ہوگی۔

حضرت منورویؒ فرماتے تھے کہ وہ مدرس بہت اچھے تھے، لیکن ان کا خط اچھا نہیں تھا، بچہ کی طرح لکھتے تھے، اس لئے کہ تحریر کی خوشنمائی کے لئے مشق کی ضرورت ہوتی ہے جو ان کو میسر نہیں آسکی تھی۔(۶۰)

مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخلہ

اس کے بعد حضرت منورویؒ حصول تعلیم کے لئے ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے (۶۱)، جو اسی سال بلند عزائم اور منصوبوں کے ساتھ قائم ہوا تھا، اور بہار میں ایک ابھرتے ہوئے تعلیمی مرکز کی حیثیت سے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا، ممتاز اساتذہ لائے

(۶۰) یہ واقعہ میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن قادری صاحب نے نقل فرمایا اور کہا کہ میں نے کئی مجالس میں ابا جان کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا، وہ بڑی لذت ومحویت کے ساتھ اس کو بیان فرماتے تھے۔

(۶۱) دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کی بنیاد حضرت مولانا عبدالعزیز محدث رحیم آبادیؒ نے ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں ڈالی، یہ آرہ سے منتقل ہوکر دربھنگہ آیا تھا، اور تاحیات وہی اس کے نگراں اور ذمہ دار رہے، ان کے انتقال کے بعد آپ ہی کے ایک تربیت یافتہ بابو عبداللہ صاحب (جو نومسلم تھے اور مولانا مرحوم ان کو بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے) نے مدرسہ کی نظامت سنبھالی، ان کا دور نظامت بہت مختصر رہا، بابو عبداللہ کے بعد ڈاکٹر سید فریدؒ مدرسہ کے ناظم ہوئے، ان کے زمانہ میں مدرسہ نے بہت ترقی کی، اور اس کی شہرت بام عروج کو پہونچ گئی، ڈاکٹر سید فرید کے بعد آپ کے لائق فرزند ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی کے کاندھے پر یہ ذمہ داری آگئی، جو اسی مدرسہ کے پروردہ تھے، ڈاکٹر صاحب نے ترقیات کے اس تسلسل کو آگے بڑھایا، بلکہ فروغ دیا، ڈاکٹر صاحب کا انتقال ۲۳/صفر المظفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۸/جون ۱۹۹۹ء کو ہوا، ان کے بعد ڈاکٹر سید عبدالعزیز سلفی ناظم بنائے گئے، وہ بھی اسی دارالعلوم کے فیض یافتہ تھے، ان کا دور بھی مدرسہ کے لئے عہد زریں ثابت ہوا، مدرسہ کا ترقیاتی سفر ماشاء اللہ اب بھی جاری ہے (دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے ویب سائٹ سے ماخوذ)

گئے تھے، جو مسلکی تعصّبات سے بالاتر ہوکر درس دیا کرتے تھے (۶۲)۔

---

(۶۲) یہ بات جناب حاجی محمد ابراہیم مرحوم (متوفی ۱۸/ ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۶/ اگست ۱۹۸۵ء بروز منگل - پسر عبدل مرحوم مقام منورواشریف) نے حضرت منورویؒ کے حوالے سے میرے والد ماجد سے بیان فرمائی، جو حضرت منورویؒ کے رشتے میں برادر نسبتی بھی تھے اور ہم زلف بھی، اور حلقۂ بیعت میں بھی داخل تھے، وہ منورواشریف میں آپ کے دایاں بازو تصور کئے جاتے تھے، حضرت کے کئی اسفار میں وہ شامل رہے، حضرت کے دوسرے سفر حج میں بھی ہمراہ تھے، وہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن حضرت کے فیض صحبت سے ان کے ذہن ودماغ کے دریچے کھل گئے تھے، بڑی عقل ودانش کی باتیں کرتے تھے، گاؤں کے معزز رؤساء میں شمار ہوتے تھے، گاؤں کی میٹنگوں میں اکثر میر مجلس ہوتے، اور بڑے پتے کی باتیں کرتے تھے۔

حضرت رشتہ اوران کے جذبۂ خدمت کی بنا پر ان کو بہت عزیز رکھتے تھے، اور وہ بھی سراپا ایثار بنے رہتے تھے، ایک بار کا ذکر ہے کہ حضرت منورویؒ بعد نماز مغرب اپنے دروازے کے صحن میں چہل قدمی کررہے تھے اور ہاتھ میں تسبیح تھی، اہل تعلق خاموشی کے ساتھ فرش زمین پر بچھی چٹائی پر منتظر بیٹھے تھے کہ اچانک حضرت نے بڑی مایوسی کے لہجے میں فرمایا، ابراہیم! میرے پاس تو کوئی نیک عمل نہیں ہے، اور وقت رخصت قریب ہے، اللہ کے پاس کیا لے کر جاؤں گا؟ ---- حاجی ابراہیم صاحب یہ سن کر کھڑے ہوگئے اور عرض کیا کہ حضور! (علاقہ کے اکثر منسلکین اور اہل محبت حضرت کو "حضور" ہی کہتے تھے) یوں تو میں ایک گناہ گار انسان ہوں، لیکن میرا جو بھی نیک عمل حج نماز وغیرہ اللہ کو مقبول ہو وہ سب ابراہیم آپ کو پیش کرتا ہے،۔۔ حضرت نے خوش ہوکر فرمایا کہ ابراہیم! اگر اللہ نے کرم فرمایا تو جنت میں تم کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔

حاجی ابراہیم صاحب کہتے تھے کہ حضورؒ نے مجھ سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ تم قبر میں بھی ساتھ ہی رہوگے، چنانچہ حضرت کا وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ حاجی صاحب کا انتقال سخت سیلاب اور ابر باراں کے زمانہ میں ہوا، منورواشریف کا قبرستان پانی میں ڈوبا ہوا تھا، اس لئے ابتداءً ان کی قبر نہر کے کنارے واقع ان کے اپنے باغ کے اندر تیار کی گئی، لیکن قبر پانی سے بھر گئی، بالآخر کافی لیت ولعل کے بعد حضرت کے مزار کے بازو میں قبر کے لئے جگہ منتخب کی گئی جو کہ ان کے باغ کے سامنے ہی دوسرے کنارے پر واقع تھی، یہاں شاندار اور بارونق قبر تیار ہوئی، پانی کی نمی تک موجود نہ تھی، اور حاجی صاحب حضرتؒ کے قریب چند گز کے فاصلے پر مزار اقدس کے احاطے سے باہر جانب شرق میں مدفون ہوئے۔

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک
بزم گل کی ہم نفس بادصبا ہو جائے گی

حاجی صاحب مرحوم حضرت کے بڑے ہمدم وہمراز تھے، میرے والد گرامی کی عدم موجودگی میں کئی وصیتیں اور امانتیں حضرت نے آپ ہی کے پاس رکھوائی تھیں، وہ حضرت کے ابتدائی دور کی بہت سی ایسی باتیں جانتے تھے جن سے ==

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کی مرکزی عمارت



== دوسرے لوگ واقف نہیں تھے، شب وروز سفر وحضر میں حضوری کی سعادت بھی انہیں حاصل تھی، حضرت کے اکثر امور دنیا کی انتظامی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی، اوراس کووہ اپنی سعادت تصور کرتے تھے، خانقاہ میں مہمانوں کی کثرت کے مواقع پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر رہتے تھے۔

مدرسہ احمدیہ سلفیہ میں تعلیم کا قصہ بھی حاجی صاحب مرحوم ہی نے بیان کیا، ایک دفعہ سفر دربھنگہ میں وہ حضرت کے ساتھ تھے، حضرت مدرسہ احمدیہ سلفیہ تشریف لے گئے اور اپنے ایک سلفی استاذ سے ملے جو اپنے مسلک کے مطابق انسانی مادۂ منویہ کی طہارت کے قائل تھے اور یہی حضرت امام شافعیؒ اورامام احمد بن حنبلؒ کا بھی نظریہ ہے (**مغني المحتاج 1 / 79-80، وتحفة المحتاج 1 / 297، وكفاية الأخيار 1 / 41، ونهاية المحتاج 1 / 225، وحاشية القليوبي وعميرة على شرح المنهاج 1 / 70، وشرح منتهى الإرادات 1 / 102، والمبدع شرح المقنع 1 / 254، والفروع 1 / 247، والإنصاف 1 / 340**)

حضرت نے ان سے اس مسئلہ میں علمی اختلاف کیا اور بحث بھی کی، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک انسانی منی ناپاک ہے (**بدائع الصنائع 1 / 60، وتبيين الحقائق 1 / 71، والبناية على الهداية 1 / 722، وانتصار الفقير السالك 256، (4) الحطاب 1 / 104، والخرشي 1 / 92، وحاشية الدسوقي 1 / 56**)---

وہاں سے نکلے توفرمایا کہ یہ میرے استاذ تھے اور میں نے ایک ماہ یہاں تعلیم حاصل کی ہے۔

مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخلہ اور فراغت

لیکن غالباً ایک ماہ کے بعد ہی حضرت منورویؒ یہاں سے مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ منتقل ہو گئے، جو اس سے قریب ہی واقع تھا، اور اکابر کا قائم کردہ، تاریخی روایات کا حامل ایک معروف مدرسہ تھا، یہ تقریباً ۱۹۱۸ء کے اختتام کی بات ہے، اس وقت کا مدرسہ امدادیہ بہار میں اپنی شان کا منفرد مدرسہ تھا، دورۂ حدیث شریف تک وہاں تعلیم ہوتی تھی، نابغۂ روزگار ہستیاں درس وتدریس کے لئے وہاں موجود تھیں، ہندوستان کے بڑے مدارس میں اس کا شمار ہوتا تھا، طلبہ کی بڑی تعداد پڑھتی تھی، حضرت منورویؒ یہاں کے تعلیمی اور روحانی ماحول سے بے حد متاثر ہوئے، یہاں کے نورانی ماحول میں آپ کے ذوق ومزاج کی پوری غذا موجود تھی، آپ جس لطیف وعفیف ماحول کے پروردہ تھے، یہاں کی آب وہوا میں بھی وہی خوشبو رچی بسی تھی، آپ اس مدرسہ کی محبت کے ایسے اسیر ہوئے، کہ تاحیات اس کو حرز جان بنائے رکھا، مدرسہ امدادیہ ان کی نگاہ وخیال میں بس گیا تھا، ہر چھوٹی بڑی چیز کے لئے وہ مدرسہ امدادیہ کو ترجیح دیتے تھے، اپنے وطن ثانی (منورواشریف) کے علاقے میں دس (۱۰) کٹھہ اراضی اس مدرسہ کے لئے وقف کی، جو آج تک قائم ہے، اور اس کی آمدنی مدرسہ کو پہونچ رہی ہے، ہمیشہ ان کی خواہش رہی کہ ان کے متعلقین بھی اس مدرسہ کے تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں، جب تک صحت برقرار رہی، مادر علمی کی زیارت سے بھی شادکام ہوتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں آپ کی یہ خواہش تھی کہ مہاراج گنج کے قبرستان میں جہاں آپ کے بعض اساتذہ آسودۂ خواب ہیں، اپنی آخری آرامگاہ بھی بنائیں، چنانچہ آپ کے استاذ گرامی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ (ولادت ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء -وفات ۔ ۶/صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۶۰ء محلہ مہراج گنج دربھنگہ) کی قبر مبارک کے بازو میں زمین بھی مختص کر لی گئی تھی (۶۳)، لیکن تقدیر تمناؤں پر غالب رہی اور منورواشریف کی مٹی اس سعادت کو لے اڑی --- جس کی تفصیل آئندہ ان شاء اللہ آئے گی --- اس سے مدرسہ امدادیہ کے ساتھ آپ کے قلبی لگاؤ اور جذباتی رشتے کا پتہ چلتا ہے۔

(۶۳) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب محلہ مہراج گنج دربھنگہ میں ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں حاصل کی، اس کے بعد انجمن نعمانیہ شاہی مسجد لاہور، مینڈھو ضلع علی گڑھ، اور ٹونک میں تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم دیوبند پہونچے، اور ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے پاس دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ، مولانا ماجد علیؒ اور مولانا برکات احمد بہاریؒ ==

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ امدادیہ ہی میں آپ نے اعلیٰ تعلیم مکمل کی، اور ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں آپ نے یہیں سے فراغت حاصل کی، اس لئے کہ جو والہانہ وابستگی آپ کو مدرسہ امدادیہ سے تھی وہ کسی دوسرے ادارہ سے نہیں تھی، عموماً زیادہ محسن اداروں ہی سے اس قسم کے جذباتی رشتے قائم رہتے ہیں والعلم عند اللہ (۶۴)۔



مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کی عمارت

== شامل ہیں۔

فراغت کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے وابستہ ہوگئے، اور تاحیات درس وتدریس کی خدمت یہاں انجام دی، بڑے جید الاستعداد اور معقولی عالم تھے، علامہ مناظر احسن گیلانیؒ آپ کے رفقاء درس میں رہے ہیں۔ ۶/ صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۶۰ء کو وفات پائی (مشاہیر دار العلوم دیوبند ص ۸۳ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند، ناشر دفتر اجلاس صد سالہ دار العلوم دیوبند ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء)

(۶۴) البتہ حضرت منورویؒ کے ایک ممتاز خلیفہ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ (مقام بڑگاؤں، ضلع دربھنگہ بہار) کا خیال یہ ہے کہ حضرت منوروی کی فراغت مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور سے ہوئی تھی، مگر یہ بات انہوں نے حضرت سے نہیں سنی ہے، دراصل حضرت کے چھوٹے اخیافی بھائی حضرت مولانا عطاء الرحمن عرف مولانا بہادرؒ مظاہر علوم سہارن پور سے فارغ تھے، شاید اسی سے یہ خیال پیدا ہوا، **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

مدرسہ کی تعلیم سے کم عمری ہی میں فراغت ہوگئی، گھریلو حالات کے پیش نظر آپ فراغت کے بعد پورنیہ تشریف لے گئے اور ملازمت اختیار کرلی، لیکن چند (۶) ماہ کے بعد ہی ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ آپ نے طب پڑھنے کا ارادہ کرلیا (۶۵)۔

(۶۵) خدمت خلق کے جذبہ کے علاوہ پورنیہ میں زمین داروں کے استحصال اور علماء کی باہمی خانہ جنگی نے حضرت کو طب کی طرف متوجہ کیا، جس کے بعض تلخ تجربات خود حضرتؒ کو بھی ہوئے، آپ کی رائے تھی کہ جب تک علماء اپنے معاش کے لئے خود کفیل نہیں ہونگے، وہ زمین داروں اور مالداروں کے استحصال سے بچ نہیں سکیں گے اور نہ بہتر طور پر دین کی خدمت انجام دے سکیں گے۔

جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ رئیس کملپور نے مجھ سے جناب ولی اصغر مرحوم (لوٹیاباری ضلع پورنیہ) اور جناب مظہر الاسلام مرحوم (کملپور ضلع اتر دیناج پور بنگال) کے حوالے سے بیان کیا، کہ حضرت کا قیام اولاً گوا گاؤں تھانہ گوال پوکھر ضلع اتر دیناجپور (سابق پورنیہ) میں جناب غیاث الدین احمد (سرکار جو ایک بڑے زمیندار تھے) ولد مولیٰ بخش سرکار کے یہاں بحیثیت اتالیق اور معلم کے ہوا، یہاں کل تین ماہ آپ کا قیام رہا، اور ایک اتفاقی واقعہ کی بنا پر آپ نے یہ مقام چھوڑ دیا، واقعہ یہ ہوا کہ جناب غیاث الدین کے ہمراہ حضرت ایک بار کشن گنج تشریف لے گئے، وہاں غیاث الدین کا اپنا مکان اور کچہری تھی، وہیں ان کے بہنوئی حاجی احمد حسین سرکار (یہ بھی بڑے زمیندار تھے اور کشن گنج میں ان کا بھی مکان تھا) مقام گیسل ضلع اتر دیناجپور کے یہاں بھی دربھنگہ کے ایک معمر عالم دین (جو غالباً بریلوی مسلک کے تھے) ملازم تھے، کسی مسئلہ پر ان عالم صاحب سے حضرتؒ کی بحث ہوگئی، جس کی شکایت انہوں نے اپنے آقائے نعمت حاجی احمد حسین صاحب سے کی، حاجی احمد حسین صاحب زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے، انہوں نے اشتعال میں آکر غیاث الدین سرکار کو خط لکھ دیا کہ تمہارے نوجوان مولوی نے ہمارے بزرگ مولوی کی بے عزتی کی ہے، اس لئے فلاں تاریخ کو مناظرہ ہوگا تم اپنے مولوی کو کشن گنج لے کر آجاؤ، غیاث الدین صاحب نسبتاً پڑھے لکھے آدمی تھے، انہوں نے حضرتؒ سے دریافت کیا، حضرت نے اس کی تصدیق کی، بالآخر حضرت غیاث الدین کے ہمراہ مناظرہ کے لئے کشن گنج پہونچے اور وہاں فتح مبین حاصل ہوئی غیاث الدین سرکار نے اپنے بہنوئی اور ان کے مولوی صاحب کو ملامت کی اور کہا کہ "بزرگی بعقل است نہ بسال"۔

گوہا گاؤں واپسی کے بعد حضرت کے مقام واحترام میں کافی اضافہ ہوگیا تھا، لیکن حضرت کو ان ساری کاروائیوں سے سخت وحشت ہوئی اور یہ بھی خیال ہوا کہ علماء اس طرح کب تک رئیسوں اور زمینداروں کے ہاتھوں کھلونا بنے رہیں گے---اسی اثناء جناب عبد المقیت صاحب ساکن کملپور گوہا گاؤں پہونچے، غیاث الدین صاحب ان کے ماموں خسر ہوتے تھے اور وقتاً فوقتاً وہاں جاتے رہتے تھے، غیاث الدین صاحب بھی ان کی بڑی عزت کرتے تھے، انہوں نے آپ کو کملپور چلنے کی دعوت دی، اور آپ ان کے ساتھ کملپور تشریف لے گئے، اور غیاث الدین سرکار کو ==

طب کی تعلیم کے لئے لکھنؤ کا سفر

آپ جب پورنیہ سے ''منورواشریف'' تشریف لائے، تو نانا بزرگوار حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ حیات سے تھے، اور ''صلحابزرگ'' کی سکونت ترک کر کے ''منورواشریف'' میں قیام پذیر تھے، (۶۶) ظاہر ہے کہ ان سے بھی اس تعلق سے صلاح ومشورہ ضرور کیا ہوگا --- منوروا میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد آپ طب پڑھنے کے لئے لکھنؤ روانہ ہو گئے۔

تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں داخلہ

لکھنؤ میں آپ نے طب کا دوسالہ کورس (تقریباً ۱۹۲۰ء۱۹۲۱ء) مکمل کیا، لکھنؤ کے کس ادارہ میں آپ نے طب کی تعلیم حاصل کی، یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے قدیم تاریخی ادارہ ''تکمیل الطب کالج'' میں آپ نے یہ کورس مکمل کیا، جو اس وقت طب کی تعلیم کے لئے پورے ملک میں مشہور تھا اور جو آج بھی ایشیا کے سب سے قدیم طبی تعلیمی مرکز کے طور پر جانا جاتا ہے اور لکھنؤ قلب شہر (۶۷) میں (پونے چار ایکڑ اراضی پر) واقع ہے، اس ادارہ کے بانی جناب حکیم عبدالعزیز صاحبؒ (۶۸) (۱۹۱۱ء۱۸۵۵ء) تھے، جو اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور نامور

== خیر باد کہہ دیا، پھر کچھ دنوں (تقریباً تین ماہ) یہاں قیام فرما کر طب کی تعلیم کے لئے لکھنؤ روانہ ہو گئے، جس میں اہل کمل پور کا بیش بہا تعاون شامل رہا، حضرت اصحاب کملپور کے مخلصانہ تعاون کا ذکر ہمیشہ بڑی محبت کے ساتھ فرماتے تھے۔

(۶۶) حضرت مولانا سید امیر الحسن قادری کا قیام صلحا منوروا میں مجموعی طور پر پندرہ (۱۵) سال رہا ہے، جن میں بارہ سال آپ ''صلحابزرگ'' میں اور آخری تین (۳) سال منورواشریف میں رہے، آپ نے منورواشریف سے تقریباً ۱۹۲۱ء میں ہجرت کی تھی، اس کا مطلب ہے کہ ۱۹۲۰ء میں پورنیہ سے حضرت منورویؒ کی واپسی کے وقت آپ منوروا شریف ہی میں مقیم تھے۔

(67)Hakim Abdul Aziz Road, jhawai tola, Chowk, Katra Bizanbeg, Chowk, Lucknow, Uttar Pradesh 226003

(۶۸) شیخ عبدالعزیز بن اسماعیل بن یعقوب الحنفی کی ولادت ۱۸۵۵ء (۱۲۷۱ھ) میں ہوئی لکھنؤ کے انتہائی ممتاز علماء میں تھے، جو فن حکمت میں بھی اپنا بلند مقام رکھتے تھے، آپ نے درسیات کی تکمیل مولانا محمد نعیم بن عبدالحکیم الانصاری لکھنوی اور بعض دیگر اساتذہ سے کی، علم طب کی کتابیں اپنے جد امجد حضرت یعقوب اور اپنے چچا شیخ ابراہیم سے پڑھیں، تعلیم سے فراغت کے بعد ساری عمر درس وتدریس میں مشغول رہے، خاص طور پر حکمت وطب میں آپ کو ==

حکیم تھے، اور روحانی طور پر حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کے دست گرفتہ تھے، کہا جاتا ہے کہ حضرت گنج مرادآبادیؒ کے روحانی اشارے پر ہی بتاریخ ۳۰/ جون ۱۹۰۲ء (۲۲/ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ) اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا، اس ادارہ نے طب یونانی کی ترویج واشاعت میں اہم رول ادا کیا، اور بے شمار اہل فن اور اصحاب کمال یہاں سے تیار ہوئے، ۱۹۸۲ء میں حکومت ہند کی طرف سے بحیثیت کالج اسے منظوری ملی، اس کے بعد سے اس کا نظام حکومت کے ہاتھ میں ہے (۶۹)۔

۞ ۞ ۞

== بڑی شہرت وعظمت حاصل ہوئی، اس میدان میں وہ اپنے تمام معاصرین سے آگے نکل گئے، صاحب نزہۃ الخواطر حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ نے بھی آپ سے شیخ رئیس بوعلی سینا کی کتاب "کلیات القانون" کا درس لیا تھا۔ بہت ہی نیک صالح، متقی اور نماز وروزہ کے پابند تھے، ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں حج وزیارت کے شرف سے مشرف ہوئے، طب کے موضوع پر کئی رسائل تصنیف فرمائے، ایک رسالہ جوہر دماغ کے موضوع پر تھا جو انہوں نے حکیم عبدالمجید بن محمود دہلوی کے رد میں لکھا تھا، ایک اور رسالہ طاعون کے موضوع پر تحریر فرمایا، مگر اس کو اپنے صاحبزادے "عبدالرشید" کی جانب منسوب کیا، آپ کی وفات فالج کے حملے میں شب جمعہ ۱۹/ شوال المکرم ۱۳۲۹ھ (۱۲/ اکتوبر ۱۹۱۱ء) کو لکھنؤ میں ہوئی اور وہیں اپنے بزرگوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المعروف بنزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۷۸ مولانا عبدالحی الحسنی لکھنوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء) مطبوعہ دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء، نیز بعض چیزیں "تکمیل الطب کالج" کے ویب سائٹ سے بھی لی گئی ہیں)

ادارہ تکمیل الطب کالج آپ کی خوبصورت علمی یادگار ہے، مگر حیرت ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے حالات کے ضمن میں اس ادارہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔

(۶۹) یونیورسیٹی کے ویب سائٹ سے ماخوذ۔

(نوٹ) میں نے ادارہ کے موجودہ ذمہ داران بالخصوص جناب ڈاکٹر عبدالوحید صاحب (پرنسپل) اور جناب ڈاکٹر سہیل صاحب سے رابطہ کرکے کوشش کی کہ ۱۹۲۰ء-۱۹۲۱ء کے تعلیمی ریکارڈ تک رسائی حاصل کی جائے، تاکہ اس بات کی دفتری تصدیق کی جاسکے، ان حضرات نے اپنے قابل قدر تعاون سے بھی نوازا، اس کے لئے میں ان حضرات کا بے حد شکرگذار ہوں، لیکن افسوس ابتدائی ادوار کا کوئی ریکارڈ کالج میں موجود نہیں ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔



شاہ میناؒ میں قیام

اس دوران آپ کا قیام درگاہ حضرت شاہ میناؒ (۷۰) کے علاقے میں کسی رئیس کے مکان پر رہا، پھر کچھ دنوں بعد آپ وہاں سے محلہ حضرت گنج منتقل ہو گئے (۷۱)۔

(۷۰) حضرت شاہ محمد میناؒ نویں صدی ہجری کے ممتاز اولیاء اللہ میں گذرے ہیں، اسم گرامی شیخ محمد ہے، والد ماجد کا نام ''شیخ قطب الدین'' تھا، آپ شیخ قوام الدین کی دعا سے پیدا ہوئے، آپ کا لقب شاہ مینا یا شیخ مینا ہے، آپ کے والد شیخ قطب الدین دہلی سے جونپور، ڈلمو ہوتے ہوئے حضرت شیخ قوام الدین کی خدمت میں لکھنؤ حاضر ہوئے اور یہیں اقامت اختیار کر لی، اور لکھنؤ ہی میں آپ کی ولادت ہوئی، جب آپ پانچ (۵) برس کی عمر کو پہونچے تو آپ کی بسم اللہ ہوئی، علم باطن حضرت شیخ سارنگؒ سے حاصل کیا اور آپ کے خلیفہ ہوئے، وفات ۲۳/ صفر المظفر ۸۷۰ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۱۴۶۵ء میں ہوئی، مزار مبارک شاہ مینا روڈ پر میڈیکل کالج لکھنؤ سے متصل زیارت گاہ خلائق ہے (اخبار الاخیار مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۳۲۸- تاریخ اولیاء پاک وہند، مصنفہ: ڈاکٹر ظہور الحسن شارب ص ۱۸۸ تا ۱۹۰ مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء)

(۷۱) شاہ مینا میں قیام کے دوران کا ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ایک دن آپ کے میزبان رئیس صاحب نے (جن کے یہاں حضرت کا قیام تھا) آپ سے کہا کہ یہاں شہر سے باہر کچھ فاصلہ پر ایک تارک الدنیا فقیر رہتے ہیں، میرا نوکر ان کو کھانا پہونچانے کے لئے جاتا ہے، آج آپ ان کے ساتھ چلے جائیں، حضرت اس نوکر کے ساتھ تشریف لے گئے، بڑا دلچسپ سفر رہا، آپ خود بھی فقیرانہ مزاج رکھتے تھے، یقیناً خوشگوار ماحول میں اس فقیر سے آپ کی ==

== ملاقات ہوئی ہوگی---حضرت فرماتے تھے کہ نوجوانی میں اس فقیر پر عشق کا بھوت سوار ہوا، اور غالباً نواب گھرانہ کی کسی لڑکی پر عاشق ہوگیا، اور لڑکی بھی اپنے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ رکھتی تھی، مگر ظاہر ہے کہ کسی نواب زادی کا فقیر سے ملنا آسان نہیں تھا، اس لئے جب فقیر نے اپنی تمنائے وصال لڑکی کے پاس بھجوائی تو لڑکی نے جواب بھیجا کہ:

''فقیر کا بھیس اختیار کر کے فلاں جنگل میں چلے جاؤ، اور کچھ تمہاری فقیری کا چرچا پھیلے تو میں ایک فقیر سے ملنے کے بہانے وہاں آؤں گی---''

اسی دن اس عاشق نوجوان نے فقیری کا بھیس بدلا اور جنگل کی راہ لی، لیکن چندروزہ عبادت وریاضت کے بعد اس کی دنیا ہی بدل گئی، اور وہ مجازی سے حقیقی فقیر بن گیا، اس نے گمان کیا کہ جب عشق مجازی کی آرزوئیں صورت فقر کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں، تو عشق حقیقی کی مرادیں امیری اور عیش وآرام کے ساتھ کیسے پوری ہوسکتی ہیں۔

اس کی فکر کا قبلہ ہی تبدیل ہوگیا، یہاں تک کہ اس فقیر مرتاض کی شہرت آہستہ آہستہ شہر لکھنؤ تک پہونچ گئی، شہزادی تو اسی دن کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

اس نے اپنے والد سے اجازت لی اور فقیر کی چوکھٹ تک پہونچ گئی، مگر فقیر نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا، بلکہ اس نے معذرت کی کہ:

> ''اب میرے دل میں تیری محبت کے بجائے مالک حقیقی کی محبت سما چکی ہے اور یہ راستہ تم ہی نے دکھایا ہے، میں تمہارا ممنون ہوں، اس لئے میری بہن واپس جاؤ اور تم بھی اللہ کے حکم پر چلنے کی کوشش کرو''

شہزادی مایوس ہوکر واپس چلی گئی۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ اس فقیر کی کٹیا مرجع خلائق بن گئی تھی، لوگ ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر وقتاً فوقتاً حاضر ہوتے تھے، جس رئیس کے گھر میں ان کا قیام تھا وہ بھی ان کے معتقدوں میں تھا، ممکن ہے کہ شاہی گھرانے ہی کا فرد ہو، اور اسی گھر کا کبھی یہ قصہ رہا ہو، حضرت نے کبھی ان اسرار سے پردہ نہیں اٹھایا، **واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

اس فقیر کے یہاں سے واپسی پر حضرت نے محلہ شاہ مینا چھوڑ دیا اور ''حضرت گنج'' میں جا کر اقامت اختیار کر لی (یہ روایت میرے والد بزرگوار حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم نے بیان فرمائی، اور انہوں نے حضرت جد امجدؒ سے سنی،---والد صاحب نے بھی طالب علمی کے کچھ ایام لکھنؤ میں گذارے تھے، اس دوران وہ حضرت شاہ میناؒ کی درگاہ پر بھی حاضر ہوئے تھے اور درگاہ پر ایک سن رسیدہ خادم سے ان کی ملاقات ہوئی تھی جو حضرت منورویؒ سے واقف تھے بلکہ دوستانہ مراسم کے تحت خط وکتابت بھی رکھتے تھے، ان خادم صاحب نے والد صاحب کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ ''تم مولانا احمد حسن صاحب'' کے فرزند ہو'')۔

نانا جانؒ (حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ) کا سانحۂ ارتحال

قیام لکھنؤ کے دوران ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۹ھ میں آپکے نانا جان حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کی ہجرت بہار شریف اور پھر وصال کا حادثہ پیش آیا، ایک سایہ بچا تھا، وہ بھی جاتا رہا، دادا جان کے وصال کے بعد یہ دوسرا بڑا سانحہ تھا، مگر آپ نے صبر کیا اور اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا (۷۲) --- یہاں تک کہ تقریباً ۱۹۲۲ء (۱۳۴۰ھ) کے اوائل میں آپ طب کے نصاب سے فارغ ہو گئے۔

لکھنؤ کے ایک انگریزی اسکول میں ملازمت

فراغت کے بعد آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کے پیش نظر ایک انگریزی اسکول نے آپ کو خدمت کی پیش کش کی، جسے آپ نے قبول کرلیا، اور کچھ دنوں خدمت بھی انجام دی، لیکن اسکول کے ڈسپلن کے مطابق کسی انگریز افسر کی آمد پر ملازمین کے لئے کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرنا لازمی تھا، اور کھڑا نہ ہونا اسکول کے عرف میں افسر اعلیٰ کی توہین کے مترادف تھا، اسکول کا یہ طور طریق آپ کو قطعی پسند نہیں آیا، آپ نے اسکول کی خدمت سے معذرت کرلی، انگریز افسر نے آپ کو اطمینان دلایا اور اس دستور سے مستثنیٰ رکھنے کی اجازت دی، لیکن آپ نے یہ کہہ کر اس رعایت کو قبول نہیں فرمایا کہ آپ ایک شریف النفس اور نرم طبیعت افسر ہیں اس لئے اس قدر رعایت دینے پر آمادہ ہیں، لیکن اگر کوئی سخت گیر افسر آجائے گا تو میرے لئے اس دستور سے چارۂ کار نہ ہوگا (۷۳)۔

سفر دہلی اور خانقاہ مظہریہ کے زیر سایہ قیام

حضرت منورویؒ اسکول سے مستعفی ہوکر دہلی تشریف لے گئے، آپ کی خواہش تھی کہ کالج میں علم طب کا جو نصاب مکمل کیا ہے، کسی حکیم حاذق کی صحبت میں رہ کر اس کے عملی تجربات بھی حاصل کریں، چنانچہ اس مقصد کے لئے محلہ چتلی قبر دہلی میں آپ کو ایک ماہر حکیم کی صحبت میسر آگئی اور خانقاہ مظہریہ والی گلی میں رہائش کے لئے ایک جگہ بھی مل گئی۔

حکیم صاحب نے بھرپور شفقت کا مظاہرہ فرمایا، اور آپ کی طبی لیاقت کو جلا بخشنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، وہ ایک صاحب دل حکیم تھے، آپ کے حالات دیکھ کر بہت محبت کرنے لگے، غالباً ان کا تعلق خانقاہ مظہریہ سے تھا، اس وقت خانقاہ مظہریہ کے سجادہ نشیں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی

(۷۲) حضرت امیرؒ کی ہجرت اور وصال کی تفصیل ''تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری'' ص ۱۵۹ تا ۱۶۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۷۳) یہ واقعہ مجھ سے میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔

دہلویؒ (م ۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶ /فروری ۱۹۲۳ء) (۷۴) تھے، جو اس وقت برصغیر ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے سب سے بڑے مرجع وماوی تھے، اوران کی خانقاہ روحانیت کی سب سے بڑی درسگاہ مانی جاتی تھی، حضرت دہلویؒ نسبت ولایت کے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے، وہ فرماتے تھے کہ:

''جو طالب چھ (۶) ماہ ہمارے پاس ارادت کے ساتھ رہ جائے امید ہے کہ اس پر راہ ہدایت کھل جائے گی'' (۷۵)

---

(۷۴) مکمل اسم گرامی شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین خیرؔ ہے، آپ کی ولادت بتاریخ ۲۷ / ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۶ /جنوری ۱۸۵۶ء بروز یکشنبہ دہلی کی خانقاہ میں ہوئی، خود والد ماجد شاہ عمرؒ نے تاریخ ولادت کہی:

تاریخ ولادت نور چشم ابوالخیر عبداللہ اطال عمرہ

خوب سی دینا مبارکبا دیاں جب جگر گوشہ عمر صاحب کا ہو
اور کوئی پوچھے سن میلاد تو قرۃ العین عمر صاحب کہو

نو (۹) سال کی عمر میں آپ نے حفظ قرآن مکمل کیا، اور دیگر علوم درسیہ میں مشغول ہوئے، وقت کے اکابر علماء سے کتب عقلیہ ونقلیہ پڑھیں، مثلاً: حافظ عبداللہ الضریرؒ، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مدنیؒ بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، حضرت مولانا سید حبیب الرحمن صاحب رودولوی مہاجر مکیؒ، قطب مکہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید احمد دہان--- کتب حدیث حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلوی ثم المدنیؒ سے پڑھیں، کتب تصوف اپنے والد معظم شاہ عمرؒ اور عم مکرم حضرت مولانا شاہ محمد مظہرؒ سے پڑھیں۔ شعروشاعری کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے---

چار پانچ سال کی عمر ہی میں اپنے جد امجد حضرت سراج الاولیاء سے شرف بیعت حاصل کر کے خلافت خاصہ سے سرفراز ہوئے، تفصیلی علوم ومعارف وتوحید اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر کے اجازت مطلقہ وخلافت عامہ سے بہرہ ور ہوئے، بلکہ اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں بڑے بڑے علماء وفضلاء کے مرجع قرار پا گئے، آپ کی ذات علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع تھی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الہامی مشورے سے آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، وہاں بڑے بڑے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور بڑی شہرت حاصل ہوئی، پھر حضور پاک ﷺ کے اشارے سے ہندوستان تشریف لائے اور دہلی میں خانقاہ مظہریہ میں رونق افروز ہوئے، اور خلق کثیر نے آپ سے فیض پایا، ۳۶ / سال سجادہ نشیں رہ کر خانقاہ میں ہی وصال پایا اور اپنے جد امجد کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

(مقامات خیر ص ۱۵۲ تا ۱۸۲ مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ ص ۲۸ تا ۳۰)

(۷۵) مقامات خیر ص ۴۹۶، مصنفہ حضرت مولانا علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلویؒ، ناشر: شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ۲۰۱۰ء۔

خانقاہ کے احاطے میں ایک قدیم مسجد ہے جو ہر دور میں سلسلہ کے اکابر سے آباد رہی، حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے زمانہ میں صرف اصحاب نسبت اورارباب حضوری کو ہی اس مسجد میں پنج وقتہ نماز پڑھنے کی اجازت تھی، شاید دنیا میں اس وقت یہ واحد مسجد تھی جہاں صرف عارفین وذاکرین ہی نماز ادا کر سکتے تھے، جس میں ایک نمازی بھی قلبی طور پر غافلین میں سے نہیں ہوتا تھا(۷۶)۔

یوں توحضرت منورویؒ نے ولایت کی گود ہی میں پرورش پائی تھی، داداجان سلسلۂ نقشبندیہ کے کاملین میں تھے اور نقشبندیت کا پہلا تخم ان کے معصوم قلب میں پہلی بار (۱۹۱۳ء سے بھی قبل) انہوں نے ہی ڈالا تھا، جس پر تقریباً ایک دہائی مکمل ہونے والی تھی، خانقاہ مظہریہ کے زیرسایہ وہ برگ وبار لے کر شجر تناور اور پھر ثمر آور بن گیا۔

اس کے علاوہ ناناجان کے زیرصحبت سلسلۂ قادریہ چشتیہ کے منازل سلوک بھی آپ طے کر چکے تھے، اور ناناجان کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے انشاءاللہ)

حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ کے دربار میں حاضری اوراکتساب فیض

اسی موقعہ پر حکیم صاحب کے ذریعہ حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ کے آستانے پر آپ کو حاضری نصیب ہوئی، شاہ صاحبؒ نے بڑی محبت کے ساتھ آپ کو قبول فرمایا، حلقۂ ارادت میں داخل کیا اور اپنی خانقاہ میں حاضری اور مسجد میں نماز پنج گانہ کی اجازت مرحمت فرمائی (۷۷)۔

(۷۶) مقامات خیر ص ۱۴۳، ۲۴۳، مصنفہ حضرت مولانا علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلویؒ۔

(۷۷) حضرت منورویؒ کے حکیم صاحب کے پاس پریکٹس، خانقاہ مظہریہ والی گلی میں قیام اور حضرت شاہ ابوالخیرؒ سے وابستگی کی روایت خود حضرت علامہ شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ نے میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب سے نقل فرمائی تھی، اس وقت حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحبؒ کا بچپن تھا، مگر خانقاہ میں مسلسل حاضر باشی نے ان کے بچپن کو حضرت منورویؒ سے مانوس کردیا تھا، حضرت منورویؒ حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد بھی خانقاہ میں تشریف لے جاتے تھے، حضرت مولانا زید صاحبؒ نے میرے والد صاحب دامت برکاتہم (جن کو حضرت مولاناؒ سے اجازت وخلافت بھی حاصل ہے) سے فرمایا کہ ''تمہارے والد ایک ابرنوبہار تھے، خانقاہ میں تشریف لاتے تو ہرطرف خوشبوؤں کی بہار آجاتی تھی، حضرت والد صاحبؒ کے بعد جب پہلی بار وہ خانقاہ تشریف لائے تو میں اس وقت مراقبہ میں مشغول تھا، اسی حالت میں انہوں نے مجھے نام لے کر پکارا ''زید بابو ہیں؟'' مجھے لگا کہ جیسے آسمان کی بلندی سے کوئی ہاتف غیبی آواز دے رہا ہو، میں نے آنکھیں کھول دیں، اور پھر اٹھ کر میں بغل گیر ہوا''

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شاہ ابوالخیرؒ پیرانہ سالی کی وجہ سے نماز کی امامت خودنہیں فرماتے تھے بلکہ یہ ذمہ داری بڑے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالفیض عبداللہ بلال مجددیؒ (متوفی ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۱۹۷۸ء)(۷۸) کے حوالے کردی تھی، البتہ جماعت شروع ہونے سے قبل جملہ مقتدیوں کا جائزہ آپ خود بہ نفس نفیس لیتے تھے، اسی طرح طالبین وسالکین کو بھی تعلیم وتوجہ خود دیتے تھے۔

(۷۸) حضرت شاہ بلالؒ کی ولادت شب جمعہ ۲۹/ رجب المرجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۲۳/ نومبر ۱۹۰۰ء کو خانقاہ مظہریہ دہلی میں ہوئی، والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ''ہاجرہ'' اور والد ماجد کا اسم گرامی حضرت شاہ ابوالخیر عبداللہ محی الدین ہے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ تک نو (۹) واسطوں سے اور حضرت عمر بن الخطابؓ تک اکتالیس (۴۱) واسطوں سے پہونچتا ہے، آپ کی ولادت بڑی دعاؤں کے بعد آٹھ صاحبزادیوں کے بعد ہوئی، جس سے پورے خاندان اور حلقۂ احباب میں ہندوستان سے افغانستان اور بلوچستان تک خوشی کی لہر دوڑ گئی، آپ کا نام مؤذن رسول حضرت بلالؓ کے نام پر ''بلال'' تجویز کیا گیا، انتہائی پاکیزہ ماحول میں آپ کی تربیت ہوئی، چار پانچ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کے لئے مولانا محمد اسحاق میرٹھیؒ، اور مولانا سید عبدالجلیل صاحبؒ مقرر کئے گئے، جناب امیر الدین خان سے خطاطی سیکھی، قاری عبدالغنی انطاکیؒ (شام) سے مخارج کی تصحیح فرمائی، قاری ولی محمد صاحب (میرٹھ) سے قرأت کی تعلیم حاصل کی، قرأت سبعہ اور شاطبیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد اور جناب قاری نیاز احمد صاحب سے حاصل کی، مولوی خیر محمد انڈری ساکن شلگر اافغانستان سے شرح جامی اور شرح وقایہ پڑھی آپ بہترین قاری تھے، آپ امام ابوعمر وبصری کی قرأت بہ روایت دوری وسوسی دونوں میں کلام پاک کی تلاوت فرماتے تھے، جو آپ کی قرأت سنتا آپ کا گرویدہ ہوجاتا تھا، چار سال تک اسکولوں (اینگلو عربک کالج دہلی، سنڈیمن ہائی اسکول کوئٹہ) میں بھی پڑھا تاکہ عہد حاضر کی زبان سے مناسبت پیدا ہوجائے، مولوی محمد عمر سے بھی آپ نے کافی عرصہ تک پڑھا، دوران تعلیم دردشقیقہ اور نکسیر پھوٹنے کی وجہ دماغ پر ضعف کا غلبہ ہوگیا تھا، جس کی بنا پر دو تین سالوں تک تعلیم موقوف رہی، تین چار سال تک مدرسہ مولوی عبدالرب دہلی میں جناب مولوی حکیم محمد مظہر اللہ، جناب مولوی محبوب الٰہی، جناب مولانا محمد شفیع اور مولانا عبدالعلی صاحب جیسے اکابر علماء سے کسب فیض کیا، کوئٹہ کے جناب ملا امان اللہ صاحب سے بھی استفادہ کیا، آپ نے تفسیر بیضاوی، صحاح ستہ اور فن ادب کی تکمیل حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد کی، روحانی تعلیم مکمل اپنے والد ماجد سے حاصل کی، خوردسالی ہی میں وابستہ ہوگئے تھے، سولہ سترہ سال کی عمر میں آپ مرتبۂ کمال تک پہونچ چکے تھے، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ مطابق فروری ۱۹۱۷ء میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ مطابق جون ۱۹۱۷ء میں نماز پڑھانے کی خدمت آپ کے سپرد ہوئی، ۱۳۴۱ھ کی محفل میلاد میں کچھ بیان آپ سے پڑھوایا گیا، اواخر ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (اگست ۱۹۲۲ء) آپ کا عقد نکاح بی بی آمنہ دختر حضرت نورقوم نیازیؒ سے ==

اس طرح تقریباً سات آٹھ ماہ بلکہ اس سے زائد مدت تک مسلسل حکیم صاحب کی صحبت میں رہ کر آپ نے علم طب میں عملی حذاقت حاصل کی، دوسری طرف حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ جیسے حکیم معنوی سے بھی مستفید ہوتے رہے، مجالس کے علاوہ پنج وقتہ جماعت کے مستقل حاضرین میں آپ شامل رہے، اور جسمانی اور روحانی دونوں طریقۂ علاج میں آپ نے کمال پیدا کیا---- اور ایک حکیم کامل اور عارف کامل بن کر وطن واپس تشریف لائے۔

۞ ۞ ۞

== ہوا، خطبۂ نکاح والد ماجد نے پڑھا، ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۷ء) میں اہلیہ محترمہ کے ساتھ سعادت حج سے سرفراز ہوئے، آپ بلند علمی ذوق کے حامل تھے، مطالعہ کے رسیا تھے، اکثر کتابوں کے نوٹس بھی تیار کرتے تھے، اس کی کئی بیاضیں تیار ہوگئی تھیں، طبقات ابن سعد اور صحیح بخاری کی فہرستیں بھی مرتب کی تھیں، عشق نبوی سے حصۂ وافر ملا تھا،--- دوشنبہ ۱۲/صفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۶/ اگست ۱۹۶۰ء کو اہلیہ محترمہ کے وصال کا صدمہ برداشت کیا، خود آپ کا سانحۂ وفات جمعہ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۱۹۷۸ء دن کے گیارہ بجکر ۲۵ منٹ پر پیش آیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دس اولادیں یادگار چھوڑیں (مقامات خیر ص ۶۷۹ تا ۶۸۸) تفصیلی حالات کے لئے مطالعہ کریں ''سوانح حیات سید عارفین شاہ بلال'' مرتبہ حضرت شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ ناشر: حضرت شاہ ابوالخیر اکیڈمی، درگاہ شاہ ابوالخیر چتلی قبر دہلی، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء)

(۳)

باب سوم

تعلیم روحانی اور تزکیہ نفس

☆ حضرت منورویؒ کے گیارہ (۱۱) سلاسل وطرق کی تفصیل

☆ سلاسل تصوف کی مستند تاریخ، مزاج ومذاق اور خصوصیات

☆ سلاسل سے وابستہ مشائخ کا جامع تعارف

☆ شجرات میں مشائخ کے درمیان اتصال وانقطاع کا حل وغیرہ

کئی اہم مسائل تصوف جو پوری وضاحت کے ساتھ اس باب

میں زیر بحث آئے ہیں ان شاء اللہ۔

تصوف کا مفہوم، مأخذ اور مختلف سلاسل کی حقیقت

علم شریعت اور علم حکمت

یہاں تک حضرت منورویؒ کے علم ظاہر (علم شریعت اور علم طب) کے حصول کی مختصر روئیداد تھی، حضرت امام شافعیؒ اور بعض صوفیاء ان دونوں علوم کو اصل قرار دیتے تھے، اور باقی کو تکمیلات وتحسینات:

وَقَالَ الرَّبِيعُ: سَمِعْتُ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ: الْعِلْمُ عِلْمَانِ: عِلْمُ الْأَدْيَانِ، وَعِلْمُ الْأَبْدَانِ. (۷۹)

اصل علم کا مطلب یہ ہے کہ زندگی ان کے بغیر بے معنیٰ ہے، دینی زندگی کی صحت کے لئے جس طرح علم شریعت ضروری ہے، اسی طرح جسمانی تندرستی کے لئے علم طب ضروری ہے، علوم نبوت میں طب نبوی مستقل فن ہے جس پر بے شمار علماء متقدمین ومتأخرین نے کتابیں لکھی ہیں، اسی لئے پہلے اکثر علماء اور اکابر علم دین کے بعد علم طب بھی پڑھتے تھے۔ اللہ پاک نے حضرت منورویؒ کو ان دونوں علوم سے کامل طور پر بہرہ ور کیا، اور خلق خدا کو آپ کے ان دونوں علوم سے نفع عظیم پہونچا۔

تعلیم روحانی اور تزکیہ نفس

علم باطن بھی علم شریعت ہی کا ایک حصہ ہے، ظاہری احکام کی معرفت کا نام علم ظاہر ہے اور قلب، نفس، اور اخلاق سے وابستہ احکام کے جاننے کا نام علم باطن یا احسان ہے، جس طرح شریعت جسم ظاہر کی تطہیر کا حکم دیتی ہے اسی طرح جسم باطن کے تزکیہ وتصفیہ کا بھی پابند بناتی ہے، بقول حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ نفس کے نفع وضرر کے ادراک کا نام فقہ ہے:

وعرفه الإمام الأعظم بأنه معرفة النفس ما لها وما عليها لكنه يتناول الاعتقاديات كوجوب الإيمان والوجدانيات أي الأخلاق الباطنة والملكات النفسانية والعمليات كالصلاة والصوم(۸۰).

---

(۷۹) الآداب الشرعية ج ۲ ص ۴۶۸ المؤلف: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن مفلح المقدسي (المتوفى: 763هـ) ★ المدخل ج ٤ ص ۱۷٦ المؤلف: أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج (المتوفى: 737هـ) ★ إحياء علوم الدين ج ۱ ص ۵۸ المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (المتوفى: 505هـ).

(۸۰) البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۱ ص ۹ المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن نجيم، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ) ★ رد المختار على "الدر المختار: شرح تنوير الابصا" ج ۱ ص ۱۵۳ المؤلف: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر (المتوفى: 1252هـ)

اسی لئے ہر دور کے علماء اور مشائخ نے علم باطن کو بے انتہا اہمیت دی، اور علم ظاہر کی طرح علم باطن کو بھی پورے اہتمام کے ساتھ حاصل کیا۔

حضرت منورویؒ معرفت و ولایت کی گود میں پیدا ہوئے تھے، انہوں نے آنکھیں کھولیں تو گھر میں ہر طرف اللہ والوں کے تذکرے تھے، عبدیت وفنائیت کے قصے تھے، اللہ کے لئے آنے جانے والوں کے سلسلے تھے، تقویٰ وللّٰہیت کے اسباق جاری تھے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور کھاتے پیتے ہر مرحلے پر خوف خدا کی تلقین کی جاتی تھی، بچہ کا پہلا مکتب ماں کی گود ہوتا ہے، آپ کی والدہ ماجدہ ایک خداترس، پارسا اور اپنے دور کی ولیۂ کاملہ خاتون تھیں، فانی فی اللہ، راضی برضا، اور شاکر بہ قضا کی سچی مصداق تھیں، ایسی گود میں حضرت منورویؒ کی پرورش ہوئی، معرفت کا پہلا درس آپ کو اسی گود سے ملا، وہ تعلیم یافتہ بھی تھیں، انہوں نے ہر طرح آپ کو سنوارا، پڑھایا بھی، خیر اور حق کی تلقین بھی کی اور ہمیشہ اپنے مفید مشوروں سے سیدھی راہ دکھائی، وہ عارفۂ ربانی تھیں، حضرت منورویؒ امور باطن میں بھی اپنی والدہ سے مشورے فرماتے تھے، اور ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

حضرت منورویؒ کو مختلف بزرگوں سے مختلف سلاسل تصوف کی بہت سی نسبتیں حاصل ہوئیں، میرے نانا محترم حضرت حاجی محمد جمیلؒ (مقام صلحابزرگ، ضلع سمستی پور بہار، ولادت ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ-وفات: ۲۰/ اکتوبر ۱۹۹۰ء مطابق ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ)(۸۱) نے میرے والد بزرگوار حضرت مولانا محفوظ

(۸۱) اسم گرامی ''محمد جمیل'' اور والد ماجد کا نام ''عبدالجلیل'' (م ۲۸/ستمبر ۱۹۴۳ء مطابق ۷/ ۲ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ) ہے، حاجی جمیل صاحبؒ کی ولادت ''صلحابزرگ'' میں ۱۹۰۸ء/ ۱۳۲۶ھ میں ہوئی، آپ نے اپنی یادداشت کی کاپی پر اپنا سن ولادت یہی لکھا ہے، البتہ دن اور مہینہ کا پتہ نہیں ہے، آپ چار بھائی اور ایک بہن تھے، مگر تین بھائیوں کا بچپن ہی میں انتقال ہوگیا تھا اور آپ اکلوتی اولاد نرینہ کی صورت میں باقی رہے، آپ کے والد صاحب علاقے کے بڑے صاحب ثروت اور زمیندار تھے، صاحبزادہ کی راحت وآرام کے لئے ہر سہولت بہم پہونچائی، کبھی پا پیادہ چلنے کی نوبت نہیں آنے دیتے تھے، ایک گھوڑا ہمہ وقت آپ کی سواری کے لئے دروازہ پر بندھا رہتا تھا، لیکن اسی کے ساتھ تعلیم وتربیت پر بھی ان کی کڑی نگاہ تھی، وہ چاہتے تھے کہ بیٹا خوب پڑھ لکھ کر کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہو، اور ان کے خاندان کا نام روشن کرے، اس کے لئے کبھی وہ سختی بھی کرتے تھے۔ لیکن حاجی صاحبؒ کی طبیعت پر بچپن ہی سے فقر ودرویشی کا غلبہ تھا، چنانچہ والد ماجد کی ہزار خواہشوں کے باوجود آپ تعلیم دنیا کی طرف مائل نہ ہوئے، بلکہ اس زمانہ میں مروج فارسی، اردو اور ہندی علوم وفنون میں کمال حاصل کیا۔

آپ کی پوری تعلیم گھر پر ہوئی، تعلیم کا آغاز جناب مولوی مظلوم حسینؒ (بڑاہی ضلع سمستی پور) کے پاس ہوا، یہ بہت نیک صالح اور اللہ والے انسان تھے، بیعت وارشاد کا کام بھی کرتے تھے، خطۂ پورنیہ میں ان کے اثرات تھے، ان کے ==

==بعد مولوی عابد حسینؒ ولد سرور حسین (موضع منور ضلع سہرسا، تلمیذ رشید حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ، بڑے ولی کامل تھے) اور مولوی دانیال حسین (موضع بیک نز دسپول ضلع دربھنگہ) سے کچھ کتابیں پڑھیں، فارسی کی ابتدائی کتابیں (آمدنامہ وغیرہ) حافظ بلاغت حسینؒ (موضع ناری ضلع دربھنگہ) اور مولوی ولایت حسینؒ (ساکن بہار شریف) کے پاس پڑھیں، یہ کتابیں زبانی از بر یاد ہوگئی تھیں، حسن خط کی مشاقی بھی مولوی ولایت حسین صاحبؒ کے پاس کی، یہ بھی بڑے بزرگ اور ولی کامل تھے، گلستاں اور بوستاں حضرت مولانا امیر الحسن قادری مظفر پوریؒ (عرف بتھو مولی صاحب) سے پڑھیں، جو تقریباً بارہ (۱۲) سال صلحابزرگ میں مقیم رہے، ان کے چلے جانے کے بعد حافظ محبوب علی صاحبؒ (موضع چتارہ ضلع اعظم گڑھ) تشریف لائے، ان سے گلستاں، بوستاں کے علاوہ یوسف زلیخا، بہار دانش، سکندر نامہ، انشاء خلیفہ، پنج میر اور دیوان حافظ جیسی اہم کتابیں پڑھیں، حافظ صاحبؒ بڑے صاحب علم اور درس و تدریس کے ماہر انسان تھے، وہ بہت دن یہاں رہے، ان کے نام سرکاری ایڈ (ماہانہ پانچ روپے) منظور ہوگیا تھا، ان کے جانے کے بعد بچوں کی تعلیم اور وہ ایڈ حضرت حاجی محمد جمیل صاحبؒ کے نام منتقل ہوگیا، لیکن ملازمت کی قید و بند آپ کے طبع آزاد کے خلاف تھی، اس لئے کچھ دنوں کے بعد آپ نے ملازمت ترک کردی، اور اپنی جگہ مولوی حنیف صاحب (مقام بردونی ضلع سستی پور) کو مقرر کردیا، وہی ایڈ بعد میں صلحا مڈل اسکول میں تبدیل ہوگیا۔

آپ کی شادی ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ مطابق ۳/ جون ۱۹۲۸ء کو شیخ مسلم علی عرف مسلن علی ابن شیخ نادر علی مقام سونسہ ضلع سستی پور کی صاحبزادی بی بی رفیدہ سے ہوئی، جن سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں بڑے صاحبزادے محمد حسین دس سال کی عمر میں انتقال کر گئے، باقی سب زندہ رہے اور صاحب اولاد ہوئے۔

سعادت حج سے ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء میں سرفراز ہوئے۔

باطنی تعلیم خانقاہ مجیبیہ میں حضرت شاہ محی الدین پھلوارویؒ سے حاصل کی، اور ان کے بعد وہاں کے سجادگان سے آپ کے روابط ہمیشہ قائم رہے، آپ اس علاقہ میں خانقاہ مجیبیہ کے نمائندہ تھے، دار العلوم مجیبیہ کے لئے رقوم اکٹھا کر کے بھیجا کرتے تھے، ہنگامی حالات میں خانقاہ اور امارت شرعیہ کی طرف سے ریلیف کی تقسیم کی ذمہ داری بھی نبھاتے تھے، خانقاہ کے اخص ترین لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

امارت شرعیہ قائم ہوئی تو امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمر الدین پھلوارویؒ (م ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ مطابق ۳۰/ جنوری ۱۹۵۷ء) کے زمانے میں آپ علاقۂ دربھنگہ کے عامل (یعنی امیر کے نمائندہ، گورنر) بنائے گئے، اس زمانہ میں منصب قضا پر حضرت مولانا قاضی نور الحسن صاحب (م ۳/ رمضان ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۳/ اپریل ۱۹۵۶ء) فائز تھے، حسب ضرورت آپ قضا کے فرائض بھی انجام دیتے تھے، اور مختلف مقامات پر تحقیقات اور سماعتوں کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے، آپ کو اس منصب پر کب فائز کیا گیا اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، لیکن امارت شرعیہ سے جاری شدہ ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں آپ اس منصب پر فائز تھے، اور غالب گمان یہ ہے کہ اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ کے عہد قضا میں بھی آپ اس منصب پر فائز رہے ہونگے==

الرحمن صاحب دامت برکاتہم سے بتایا کہ ''میں نے حضرت منورویؒ کے پاس چودہ (۱۴) سلاسل تصوف کے اسانید اور دستاویزات دیکھے تھے''۔

==(اس دور کے کئی کاغذات اس حقیر کے پاس محفوظ ہیں)

حضرت منورویؒ سے بھی آپ نے کسب فیض کیا تھا، آپ علمی ودینی لحاظ سے حضرت منورویؒ کے دست راست اور محرم اسرار تصور کئے جاتے تھے، حضرت منورویؒ کی مجلس کے حاضر باشوں میں تھے، اور اسی عقیدت ومحبت نے ان کو قرابت کے لئے آمادہ کیا، حضرت منورویؒ نے ان کے لئے جنازہ کی امامت کی وصیت فرمائی تھی، جب کہ حضرت کے حلقۂ احباب میں علماء اور مشائخ کی کمی نہیں تھی، اس سے حاجی صاحبؒ کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے، ایک بار مجھ سے فرمایا کہ تمہارے دادا مجھ سے کہتے تھے کہ ''تم جنتی ہو لیکن بے وقوف ہو''۔

آپ نے علاقے میں بھی بڑی خدمات انجام دی ہیں، گاؤں کی مسجد جو ان کے والد نے زمین دے کر بنوائی تھی، اس کی تعمیر نو کا کام کرایا، اور کھپڑیل کی مسجد کو مسقّف مسجد میں تبدیل کیا، علاوہ پورے علاقے میں جہاں کوئی دینی یا دنیاوی ضرورت ہوتی آپ اس میں حصہ لیتے تھے، اور آپ کی رائے فیصلہ کن مانی جاتی تھی، آخری دور میں آپ کو قدسیت اور برکت کی علامت تصور کیا جاتا تھا، جنازوں کی امامت ہو یا مسجدوں اور مکتبوں کی سنگ بنیاد، لوگ تمنا کرتے تھے کہ حاجی صاحبؒ کے دست مبارک سے یہ کام انجام پائے۔

آپ باوجود ریاست وزمینداری کے سیدھی سادی زندگی گذارتے تھے، کپڑوں پر پیوند ہوتے تھے، اور خود ہی دستی مشین سے کپڑے سی لیتے اور پیوند لگا لیتے تھے، آپ کی چھتری، تکیہ اور بستر سب پر پیوند نظر آتے تھے، یعنی شاہی میں فقیری کی زندہ مثال، زمینوں کا کام رشتہ داروں اور نوکروں کے حوالے تھا، اور خود زیادہ تر وقت مسجد میں گذارتے تھے، معمولات کے بڑے پابند تھے، آخری دور میں جب وہ بہت معذور ہو گئے تھے انہوں نے میرے پوچھنے پر بتایا کہ ''اب زیادہ پار نہیں لگتا، البتہ ایک لاکھ بار درود پاک کا ورد کر لیتا ہوں --- آخری عمر میں عشق رسول کا بہت غلبہ ہو گیا تھا، ہمہ دم فنا فی الرسول رہتے تھے۔

اس حقیر کو آپ سے فارسی کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، وہ روزانہ میرے گھر منورواشریف آکر پڑھاتے تھے، بوستاں، پندنامہ اور یوسف زلیخا پڑھنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی، اکثر کتابیں ان کو زبانی یاد تھیں، فارسی اور اردو اشعار کا پورا خزانہ ان کے دماغ میں محفوظ تھا، جب میں دیوبند سے فارغ ہوا تو وہ زندہ تھے، مجھ پر بہت اعتماد فرماتے تھے، کسی مسئلہ کی تحقیق کے لئے مجھے طلب فرماتے تھے، جب کہ ضلع بزرگ میں علماء کی کمی نہ تھی، مگر ان کو بہت کم لوگوں پر اعتماد تھا، آپ کا وصال ۲۰ / اکتوبر ۱۹۹۰ء مطابق ۲۹ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ کو بروز سنیچر بوقت سات بجے صبح ہوا، اور ضلع بزرگ میں دریا کنارے والے قدیم قبرستان میں مدفون ہوئے (یہ معلومات حضرت حاجی جمیل صاحبؒ کی خود نوشت بیاض سے لی گئی ہیں، جن کی تبییض مع کچھ اضافہ جناب ماسٹر نور الدین صاحب ولد جناب مولانا محی الدین سالکؒ نے کی ہے، ج ۱ ص ۷ وج ۲ ص ۹ وغیرہ)

حاجی منظور احمد صاحب مصرولیاویؒ اور حضرت علی احمد ناظر صاحب سیوانی خلفاء حضرت منورویؒ کا بیان ہے کہ ''حضرت کو تین سو(۳۰۰)نسبتیں حاصل تھیں''۔(۸۲)

افسوسناک بات یہ ہے کہ اگست ۱۹۶۴ء کے سیلاب عظیم میں منورواشریف پوری بستی غرقاب ہوگئی تھی، اور پورے گاؤں کو وہاں سے نقل مکانی کر کے دوسری جگہ آباد ہونا پڑا تھا، منوروا کی تاریخ میں یہ پہلا سیلاب تھا جس کی وجہ سے صدیوں پرانے مسکن کو چھوڑنا پڑا، اور وہاں سے ایک کلومیٹر دور زرعی زمینات پر آباد ہونا پڑا، بہت دنوں تک لوگ مٹی کے پشتے (باندھ) پر جھونپڑا ڈال کر رہے، حضرت منورویؒ بھی دو ہفتے سے زائد باندھ پر مقیم رہے، اسی سیلاب میں جہاں بہت سی چیزیں ضائع ہوگئیں ،حضرت کا ایک پرانا بکس بھی بہہ گیا، جو ٹین کا تھا اور حضرت کے پہلے حج کا رفیق تھا، اسی بکس میں حضرت نے اپنے خاندانی کاغذات ،شجرۂ نسب اور تصوف و تعلیم کے شجرات واسناد وغیرہ کا پورا ذخیرہ سنبھال کر رکھا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں حضرتؒ کے شجرات تصوف ونسب کی جملہ تفصیلات تک رسائی حاصل کرنا ایک ناممکن عمل ہے، لیکن جو کچھ بھی میسر ہے، اسے محفوظ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اب تک کی تحقیق و جستجو کے نتیجے میں ہم حضرت کے گیارہ (۱۱) سلاسل تصوف تک پہونچ سکے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

(۸۲) مذکورہ بالا دونوں بزرگوں سے یہ روایت جناب مولانا شمس الہدیٰ صاحب راجوی ضلع دربھنگہ خلیفہ حضرت حاجی منظور صاحبؒ نے نقل کی ہے، حاجی منظور صاحبؒ کے حوالے سے یہ بات انہوں نے مجھے ایک قلمی خط میں لکھی ہے (ص ۵، ۷، یہ سولہ صفحات (فل اسکیپ سائز) پر مشتمل خط ہے، تاریخ ارقام ۵/نومبر ۲۰۰۰ء) اور حضرت علی احمد ناظر صاحب کے حوالے سے الاکلیل میں تحریر کی ہے (دیکھئے الاکلیل طبع ثانی ص ۲۱۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، ۲۰۰۷ء)

سلاسل تصوف

ہر سلسلۂ تصوف کسی نہ کسی صحابی سے جاری ہوا

تصوف کے ہر سلسلے کا ایک روحانی شجرہ موجود ہے، جو کسی نہ کسی صحابی کے توسط سے نبی کریم ﷺ تک پہونچتا ہے، یوں تو ہر صحابی رشد و ہدایت کا چراغ ہے، لیکن روحانیت و احسان کے باب میں چند صحابہ کو خصوصی شہرت حاصل ہوئی، اور تصوف کے مختلف سلسلے ان سے جاری ہوئے، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ (ولادت غالباً ۳۸۱ھ یا ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مطابق ۹۹۱ء یا ۱۰۰۹ء یا ۱۰۱۰ء – وفات ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ/ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۷۶ء) (۸۳) کے بقول:

(۸۳) اسم گرامی ''علی'' اور ابوالحسن کنیت ہے، سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، شجرۂ نسب اس طرح ہے: حضرت مخدوم علی، بن عثمان، بن سید علی، بن عبدالرحمن، بن شاہ شجاع، بن ابوالحسن علی، بن حسین اصغر، بن سید زید شہید، بن حضرت امام حسنؓ، بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ آپ کی ولادت افغانستان کے شہر ''غزنی'' میں غالباً ۳۸۱ھ یا ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مطابق ۹۹۱ء یا ۱۰۰۹ء یا ۱۰۱۰ء میں ہوئی، آپ نے علم ظاہر حضرت ابوالعباس بن محمد شقانیؒ اور دیگر اساتذہ سے حاصل کیا، آپ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے، لیکن روحانی تعلیم میں آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلیؒ (م ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۸ء) تھے، آپ ان سے سلسلۂ جنیدیہ میں بیعت ہوئے، جیسا کہ خود آپ نے کشف المحجوب میں اس کا ذکر کیا ہے، ان کے وصال کے بعد اور بھی کئی معاصر مشائخ سے استفادہ کیا، مثلاً ابوالقاسم بن قاسم عبداللہ الکرگانیؒ، ابوالقاسم امام قشیریؒ، حضرت شیخ احمد حمادی سرخسیؒ، حضرت ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانیؒ، حضرت ابوسعید ابوالخیر شیخ ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدانؒ، کے علاوہ صرف خراسان میں تین سو (۳۰۰) مشائخ کا خود داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں ذکر کیا ہے، جن سے آپ کو ملاقات حاصل تھی، حضرت خضر علیہ السلام سے بھی استفادہ کیا۔ آپ حنفی المذہب تھے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام انتہائی عقیدت کے ساتھ لیا ہے۔

آپ کی شادی والدین کی زندگی میں ہوئی تھی، مگر اہلیہ مزاج شناش نہ تھیں، اس لئے ان کی وفات کے بعد شادی نہیں کی، گیارہ (۱۱) سال کے بعد ایک خاتون کے غائبانہ حسن و کمال کے اسیر ہوئے، لیکن اللہ پاک نے دستگیری فرمائی، اور اس عورت کا خیال دل سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔

آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائیں، آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے، اور اس سے قبل نو (۹) کتابیں آپ نے اور لکھی تھیں، لیکن اب ان میں سے کوئی دستیاب نہیں ہے، بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے، بہر حال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:==

''خلفاء راشدین میں سے ہر خلیفہ سلوک کے مختلف پہلوؤں کا نمائندہ ہے، حضرت ابوبکرؓ مشاہدہ کے، حضرت عمرؓ مجاہدہ کے، حضرت عثمانؓ خلولۃ یاخلۃ (دوستی) کے، اور حضرت علیؓ حقیقت کے نمائندہ تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ سے سلسلۂ نقشبندیہ، سلسلۂ یسویہ، اور سلسلۂ بیک تاشی شروع ہوئے، حضرت عمرؓ سے سلسلۂ رفاعیہ اور سلسلۂ عقیلیہ اور حضرت

==۱- دیوان، اس کو کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا (کشف المحجوب ص ۲) ۲- کتاب فنا و بقا، ۳- اسرار الخرق والمؤونات، ۴ الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ۔ اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہؒ (م ۲۴۰ھ) کی بھی ہے جو کشف المحجوب کے مآخذ میں شامل ہے، اور اسی نام کی ایک کتاب ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے، جو لندن سے چھپ چکی ہے۔ ۵- کتاب البیان لاہل العیان، ۶- نحو القلوب، ۷- منہاج الدین، طریقت، تصوف، اور مناقب اصحاب صفہ پر مشتمل ہے، اور حسین بن منصور حلاجؒ کا حال بھی بیان کیا ہے۔ دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا۔ ۸- ایمان، ۹- شرح کلام منصورؒ

ایک کتاب کشف الاسرار کے نام سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی طرف منسوب ہے، مگر تحقیق کے مطابق وہ جعلی ہے، حضرت کی کتاب نہیں ہے۔

البتہ کشف المحجوب آپ کی سب سے اہم تصنیف ہے، جو مسائل شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے، اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے، نیز فارسی زبان میں تصوف و احسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ ہر دور کے اکابر اولیاء اللہ نے اس کو ایک بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں تصنیف کی، اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے پاک و ہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، اور آخری اقامتگاہ بننے کا شرف لاہور کی خاک کو حاصل ہوا، آپ کے لاہور آمد کی تاریخ میں اختلاف ہے، مگر قرین قیاس یہ ہے کہ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں لاہور تشریف لائے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی، آپ کی تاریخ وفات میں بھی سخت اختلاف ہے، قرین صحت ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ/ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۷۶ء ہے۔ مزار پر انوار لاہور میں مرجع خلائق ہے، ظہیر الدولۃ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود نے آپ کا مزار تعمیر کرایا، اور یہ بھی لکھا کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں وہ شیخ احمد حمادی سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید ہجویریؒ کی ہیں۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(کشف المحجوب (مترجم از ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ) ص ۱۴ تا ۶۵ مؤلفہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ، دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، تحقیق و تخریج و تدوین: ڈاکٹر خالق داد ملک، و ڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ناشر مکتبہ شمس و قمر جامعہ حنفیہ لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ)

عثمانؓ سے سلسلۂ زینیہ کا آغاز ہوا، ان کے علاوہ بیشتر سلسلے حضرت علیؓ کے ذریعہ جاری ہوئے (۸۴)۔

تصوف کے مشہور سلاسل

ابتدا میں تصوف کے مشہور سلاسل چند تھے، پھر ان سے شاخ در شاخ کئی سلسلے وجود میں آئے، چند بنیادی سلسلے ان کے بانیان کے سنین وفات کی ترتیب پر درج ذیل ہیں:

☆ نقشبندیہ: حضرت یوسف ہمدانیؒ (م ۱۱۴۰ء)، خواجہ محمد اتا لیسویؒ (م ۱۱۶۶ء)، حضرت عبد الخالق غجدوانیؒ (م ۱۱۷۹ء)- بعد میں حضرت خواجہ محمد بہاء الدین نقشبندؒ (م ۱۳۸۸ء) کی نسبت سے مشہور ہوا، اس کو سلسلۂ خواجگان بھی کہتے ہیں، تمام سلاسل میں یہ سب سے قدیم ترین سلسلہ ہے، لیکن ہندوستان میں یہ سلسلہ سب سلسلوں کے بعد پہونچا، ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ (م ۱۶۰۳ء) کے ذریعہ پہونچا، پھر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۶۲۴ء) نے اس کو نقطۂ ارتقا تک پہونچایا۔

☆ قادریہ: حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ (م ۱۱۶۶ء)

☆ سہروردیہ: حضرت ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ (م ۱۱۶۸ء) مگر اصل بانی ان کے بھتیجے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ (م ۱۲۳۴ء) ہیں۔

☆ یسویہ: حضرت احمد الیسویؒ (م ۱۱۶۶ء) سیلانی۔ خانہ بدوشانہ۔

☆ رفاعیہ: حضرت احمد ابن الرفاعیؒ (م ۱۱۸۲ء)

☆ شاذلیہ: حضرت ابو الحسن شاذلیؒ (م ۱۲۵۸ء) سے منسوب ہے۔

☆ کبراویہ: حضرت نجم الدین کبریؒ (م ۱۲۲۱ء)

☆ چشتیہ: حضرت ابو اسحاق شامیؒ (م ۹۴۰ء)، لیکن اس کی شہرت و اشاعت حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ (م ۱۲۳۶ء) کے ذریعہ ہوئی، برصغیر تک محدود۔

☆ مولویہ: حضرت جلال الدین رومیؒ (م ۱۲۷۳ء) اناطولیہ تک محدود۔

☆ بدویہ: حضرت احمد البدویؒ (م ۱۲۷۶ء) مصر تک محدود" (۸۵)

(۸۴) کشف المحجوب (کلام المرغوب) ص ۱۷۲ تا ۱۸۰ مؤلفہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویریؒ معروف بہ داتا گنج بخشؒ، ناشر: مکتبہ شمس وقمر لاہور، ۱۴۳۳ھ/ ۲۰۱۲ء۔

(۸۵) تاریخ مشائخ نقشبندیہ (للہیہ) ص ۲۷ مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبد الرسول للہی، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء۔

ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل رکھی گئی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی سجزیؒ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے، اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر سلسلہ کا کام شروع کیا، چشتیہ سلسلہ کے بعد سہروردیہ سلسلہ ہندوستان میں پہونچا، حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ۱۱۹۲ء میں بمقام ارور پیدا ہوئے، بغداد میں شیخ سہروردیؒ سے خلافت حاصل کر کے ہندوستان آئے اور ملتان میں سہروردیہ سلسلہ کی خانقاہ قائم کی، اسی زمانے میں ایک اور سلسلہ ''فردوسیہ'' ہندوستان میں قائم ہوا، جس کا مرکز بہار شریف تھا، اس سلسلے کو ہندوستان میں لانے والے تو شیخ بدرالدین سمرقندیؒ خلیفہ شیخ سیف الدین باخرزیؒ تھے، لیکن اس کو پروان چڑھانے کا کام حضرت شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ نے انجام دیا، ان کے مکتوبات تصوف کا بیش قیمت ذخیرہ ہیں۔

پندرہویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے، قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادریؒ نے ہندوستان میں قائم کیا، سید محمد غوث گیلانیؒ، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانیؒ، سید موسیٰؒ، اور شیخ عبدالحقؒ نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا۔

شطاریہ سلسلہ شاہ عبداللہ شطاریؒ (م ۱۴۵۸ء) نے قائم کیا تھا، سید محمد غوث گوالیاریؒ، اور شیخ وجیہ الدین علوی گجراتیؒ نے اس کو ہندوستان میں ترقی دی، جہانگیر کے بعد اس سلسلہ کا اثر ہندوستان میں بہت کم ہوگیا تھا۔

سب سے آخر میں اکبر کے عہد حکومت میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ ہندو ستان میں پہونچا، جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مقبول عام بنایا (۸۶)۔

مختلف سلاسل کا مقصد اور خصوصیات

مختلف سلاسل کے مقصد، نقطۂ اشتراک اور ان کی خصوصیات پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ (م ۴/رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۷/جنوری ۱۹۲۶ء) (۸۷)

(۸۶) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۷، ۱۵۸ مؤلفہ خلیق احمد نظامی، ناشر: مشتاق بک کارنر لاہور۔

(۸۷) حضرت مولانا شاہ قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلیؒ ہندوستانی علماء میں انتہائی ممتاز، مقبول اور غیور شخصیت کا نام ہے، اسم گرامی: شاہ عبدالباری۔ لقب: امام العلماء تھا، آپ والدین کی طرف سے نسباً انصاری ایوبی تھے، سلسلۂ نسب دونوں جانب سے ملا قطب الدین شہیدؒ تک سات (۷) واسطوں سے پہونچتا ہے، حضرت شاہ عبدالباری بن حضرت شاہ مولانا عبدالوہابؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرزاقؒ بن حضرت مولانا شاہ محمد جمال الدینؒ بن ملک العلماء مولانا کمال الدینؒ، ابن مولانا انوار الحقؒ ابن مولانا احمد عبدالحقؒ بن ملا سعیدؒ بن ملا قطب شہید سہالویؒ۔==

== آپ کی ولادت باسعادت ۱۰/ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۴/اپریل ۱۸۷۸ء روز یک شنبہ کو غالباً بوقت شب ''فرنگی محل''، لکھنؤ میں محلسرائے ملا حیدر کے مشرقی ڈیرہ میں ہوئی۔ چار سال کی عمر میں تعلیم شروع کی، جدامجد نے رسم بسم اللہ ادا کی، حفظ قرآن مجید یکے بعد دیگرے حافظ حاتم صاحب، حافظ وارث صاحب، اور حافظ عبدالوہاب صاحب کے پاس مکمل کیا، ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) میں حفظ قرآن مکمل ہوا، ابتدا میں پڑھنے کی طرف زیادہ رجحان نہیں رکھتے تھے، حضرت مولانا شاہ عبدالباقی بن علی محمد انصاری فرنگی محلی مدنیؒ سے اکثر علوم کا درس لیا، درمیان میں جب مولانا عبدالباقی صاحب حج کو تشریف لے گئے، تو میبذی، قطبی مع حاشیۂ میر، نفحۃ الیمن، اقلیدس عربی، خلاصۃ الحساب اور تفسیر جلالین مولانا غلام احمد پنجابی سے پڑھیں، منطق (ملاحسن و میرزاہد رسالہ کے علاوہ) اور فلسفہ، ہیئت و اصطرلاب کی تمام درسی کتابیں نیز مسلم، خیالی، میر زاہد امور عامہ، ہدایہ اخیرین اور صحیح بخاری مکرراً حضرت مولانا عین القضاۃ بن محمد وزیر الحسینی حیدرآبادیؒ سے پڑھیں جو مولانا ابوالحسنات عبدالحئی فرنگی محلیؒ کے تلمیذ رشید اور خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت بحرالعلوم کے بعد علمائے فرنگی محل میں جو شہرت ان دونوں بھائیوں کو حاصل ہوئی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔

۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) میں درسیات سے فراغت ہوئی، اور مولانا عبدالباقی صاحبؒ نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

پڑھنے کے زمانہ سے ہی انتہائی ذہین تھے، ایک نظر ڈالتے ہی کتاب سمجھ میں آجاتی تھی، اس لئے درسی کتب کے مطالعہ کے بجائے غیر درسی کتب کا مطالعہ بکثرت فرماتے تھے، آپ کے کتب خانہ (جو حضرت مولانا عبدالحئیؒ کے کتب خانہ کے بعد سب سے بڑا کتب خانہ تھا) میں کوئی کتاب ایسی نہ تھی جو آپ کی نظر سے نہ گذری ہو یا یہ کہ اس پر کچھ فوائد و حواشی نہ چڑھائے ہوں۔

کتب تصوف کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، بیعت بچپن ہی میں اپنے جد امجد سے ہوگئے تھے، اور بیعت کے ساتھ ہی پیر و مرشد نے تمام سلاسل کی اجازت ارشاد بھی مرحمت فرمادی تھی، مگر تعلیم مکمل ہونے کے بعد والد ماجد کے پاس تجدید بیعت کی، اور دوبارہ اجازت حاصل ہوئی، سلسلۂ قادریہ میں دیگر بزرگوں سے بھی اجازت حاصل ہوئی۔

۱۳۲۲ھ میں حرمین شریفین کا سفر کیا، اور حج کے بعد مدینہ طیبہ میں حضرت علامہ سید علی بن ظاہر الوتری المدنیؒ اور شیخ الدلائل علامہ سید امین رضوانؒ اور علامہ سید احمد برزنجی مدنیؒ اور بالخصوص حضرت شیخ المشائخ سید عبدالرحمٰن بغدادی نقیب الاشرافؒ قدس اللہ اسرارہم وغیرہ سے سند حدیث اور اجازت سلاسل طریقت حاصل کی۔

آپ کو تمام علوم وفنون میں تبحر کامل حاصل تھا، تمام درسی کتب میں یکساں مہارت تھی-- ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۸/ اکتوبر ۱۸۹۵ء میں آپ کی کوششوں سے جب فرنگی محل لکھنؤ میں مدرسہ عالیہ نظامیہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی تو آپ نے وہاں پوری تندہی کے ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے مدرسہ کے تعلیمی نصاب میں حساب الجبرا، جامیٹری جغرافیہ اور اوپر کی جماعتوں میں انگریزی لازم کردی تھی، مدرسہ کے اخراجات ریاست دکن، ریاست رامپور اور ریاست نان پارہ کی امداد سے پورے ہوتے تھے، اس مدرسہ سے بے شمار طلبہ نے استفادہ کیا، ابتداً معقولات کی طرف زیادہ توجہ تھی، لیکن بعد میں آپ کی مشغولیت درس قرآن وحدیث کی طرف ہوگئی تھی۔ اس کے ==

==علاوہ اپنے گھر پر مثنوی مولانا روم ؒ کا بھی درس دیتے تھے۔جس میں بڑے بڑے علماء وفضلاء شریک ہوتے تھے، آپ کے فیوض علمیہ سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن کریم کا درس دیتے تھے،جس کا نصاب غالباً پانچ پارہ تھا،اور ہفتہ میں دو دن جمعرات اور جمعہ کو سبق ہوتا تھا،خود بھی انگریزی سے واقف تھے،آپ کے باقاعدہ تلامذہ کی تعداد تین سو سے کم نہیں ہے،جن میں بڑے بڑے علماء،مشائخ اور اصحاب کمال شامل ہیں،(ایک مختصر فہرست تلامذہ حسرۃ الآفاق میں دی گئی ہے ص ۸ تا ۱۰) تمام دینی ودنیاوی امور پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے،دار العلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن ہوئے،دار العلوم دیوبند بھی تشریف لے جاتے تھے،دار العلوم معینیہ اجمیر شریف سے بھی اچھے روابط تھے،آپ نے ان آزمائشی حالات میں جب خطۂ ہندوستان پر انگریز قابض ہو چکے تھے،اور خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشیں عروج پر تھیں،اور ان کی سازشیں حجاز مقدس کے حدود تک پہونچ گئی تھیں اس وقت آپ نے (۱۹۱۳ء/۱۳۳۱ھ) میں ''انجمن خدام کعبہ'' کی بنیاد رکھی،جس کے خادم الخدام (صدر) آپ تھے اور مولانا شوکت علی اور شیخ مشیر حسین قدوائی معتمد مقرر ہوئے،اس انجمن نے حملہ آوروں کے مظالم اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کا سختی سے نوٹس لیا،مولانا تقریباً ہر مہینہ ایک مرتبہ اور بعض دفعہ دو مرتبہ خدام کعبہ کے سلسلے میں دہلی تشریف لے جاتے تھے،آپ تحریکِ خلافت اور جمعیۃ علماء ہند کے بانیوں میں ہیں،آپ نے ان کی حمایت میں بہت سے جلسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی،مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ آپ سے بیعت تھے اور آپ کے ہی دربار سے ان کو مولانا کی سند ملی تھی،لیکن جب حجاز میں سعودی تحریک اٹھی اور ارباب خلافت نے ان کی حمایت اور شریف حسین کی مخالفت کی تو آپ نے ارباب خلافت سے ترک تعلق کرلیا،اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں ''خدام الحرمین کے نام سے ایک نئی جمعیۃ قائم کی،آپ انگریز اور ان کے حامیوں کے زبردست مخالف تھے،اللہ جل شانہ نے آپ کو مقبولیت عامہ عطا فرمائی تھی۔آپ کا دولت کدہ ایک ملی اور سیاسی مرکز تھا۔جہاں ہر وقت ہر مسلک ومذہب سے تعلق رکھنے والے عوام وخواص کا اژدحام رہتا تھا۔جن کی مفت ضیافت آپ کے دسترخوان پر کی جاتی تھی، بہت فیاض اور مہمان نواز تھے۔آپ کا گھر کبھی مہمانوں سے خالی نہ رہتا تھا۔ہر آنے والے کی بڑی توقیر فرماتے تھے،غریب مسلمانوں کی امداد واعانت آپ کا شیوہ تھا۔بہت جری اور باوقار تھے،کبھی کسی سے مرعوب نہیں ہوئے،اگر کہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت ووقار کی بات آتی تو جواب دینے والوں میں پیش پیش رہتے تھے۔طبیعت پر جلال کا غلبہ تھا،خاص طور پر علماء ومشائخ کی بے پناہ عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ علماء ومشائخ کی عزت وتوقیر اسلام کی توقیر ہے۔سفر ہو یا حضر نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے،اور اس مقصد سے سفر میں کم از کم دو رفیق لازماً ساتھ ہوتے تھے،اوراد ووظائف اور صوفیانہ اعمال واشغال پر بھی سختی سے عامل تھے،آپ کے وصال سے فرنگی محل کا ایک عہد ختم ہوگیا،اور علم کا ایک بڑا باب بند ہوگیا۔آپ علمائے فرنگی محل کے سرتاج تھے،آپ کا وصال سہ شنبہ ۴/رجب المرجب ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹/جنوری ۱۹۲۶ءکو شب میں گیارہ بج کر دس منٹ پر فالج کے حملے میں ہوا۔دوسرے دن قریب ڈھائی بجے ظہر کے بعد فرنگی محل میں اپنے خاندانی قبرستان میں مدفون ہوئے۔==

اپنی کتاب فیوض حضرت بانسہ میں رقمطراز ہیں:

''مفاد سلوک وتصوف جسے میں سمجھا ہوں یہ ہے کہ انسان آیت:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (۸۸)

ترجمہ: جوایمان لائے ہیں وہ اللہ کی محبت بہت رکھتے ہیں۔

کا مصداق ہوجائے اور:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ. (۸۹)

ترجمہ: کہہ دیجئے! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم کو دوست رکھے۔

کا پورا امتثال کرلیا جاوے، یہی دو آیتیں ہیں جو مدار تصوف ہیں۔

== آپ کا پہلا عقد ۱۳۱۵ھ (۱۸۹۷ء) میں ہوا تھا، جس سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوئے، اور ولادت میں اہلیہ کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد وہ صاحبزادہ بھی چل بسا، دوسرا عقد غالباً ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) میں ہوا اس سے سترہ اٹھارہ اولاد پیدا ہوئی، لیکن ایک بھی زندہ نہ بچی، صرف دو صاحبزادیاں اور ایک صاحبزادہ (آخری عمر میں) زندہ بچے، ان میں بھی ایک صاحبزادی نے اکیس (۲۱) سال کی عمر میں شادی کے بعد دو خردسال بچوں کو چھوڑ کر الوداع کہا، اس طرح وفات کے وقت چھوٹی عمر کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ موجود تھے، جن کی شادیاں بعد میں ہوئیں۔

اولاد، تلامذہ اور مریدین کے علاوہ بہت سی اہم تصنیفات بھی یادگار چھوڑیں جن کی تعداد ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے اوپر بتائی جاتی ہے، حسرۃ الآفاق میں ایک سودس (۱۱۰) کتابوں کی فہرست نام بہ نام دی گئی ہے، علاوہ یادداشتوں اور مضامین کا مجموعہ آٹھ (۸) جلدیں، اور فتاویٰ کا مجموعہ دو جلدیں، کتب درسیہ پر حواشی وتعلیقات نیز سائنس وکلام کے موضوعات پر رسائل چونتیس (۳۴) جلدیں، بلکہ مصنف حسرۃ الآفاق کا احساس یہ ہے کہ آپ کی تصنیفات کی تعداد اس سے بھی زائد ہے جہاں تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی، آپ کی مشہور کتابیں یہ ہیں: آثار الاول من علماء فرنگی محل ☆حسرۃ المسترشد بوصال المرشد☆ التعلیق المختار علی کتاب الآثار☆ رسالہ فی حلۃ الغناء☆ سراجی پر نوٹس ☆التعلیق المختار☆ مجموعۂ فتاویٰ ☆ ماھم الملکوت شرح مسلم الثبوت، ☆الآثار المحمدیۃ والآثار المتصلۃ ☆ المذھب المؤید بما ذھب الیہ احمد وغیرہ (**الاعلام بمن فی الھند من الاعلام** ج ۸ ص ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ☆حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل، سن تصنیف: ۱۹۲۹ء) ماخوذ از حیات ابوالمحاسن ص ۳۱۴، ۳۱۵ حاشیہ، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، ناشر جامعہ ربانی منورواشریف، فرید بکڈپو دہلی ۲۰۱۹ء)

(۸۸) **بقرۃ: ۱۶۵**

(۸۹) **آل عمران: ۳۱**

یہ امر ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ ان تمام اوصاف سے متصف تھے، جو اللہ کو پسند ہیں، اور جن کا حکم اللہ نے قرآن میں دیا ہے---حضرت کی اتباع یہی ہے کہ آپ کے عادات واطوار و اعمال واحکام سب کی موافقت ہو جائے،---یہ مرتبہ جب انسان کو حاصل ہو جاتا ہے تو جو اس کے ساتھ لگاؤ پیدا کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے وابستہ ہو جاتا ہے،---الحاصل منتہائے کار تصوف ''محبت'' ہے، اور غایت سلوک تسلیم ہے، اور حقیقت امر ''اتباع سنت'' ہے، یہی مقاصد ہیں جن کی تحصیل کے لئے ارشادات مشائخ کی حاجت اور پیر کی ضرورت ہے، شیخ طبیب روحانی ہے، جو امراض قلبی وجوارح دونوں کا معالج ہے،----اب ان اطبائے روحانی نے مختلف علاج اور متنوع طرق اپنے تجربے اور استعداد طالب کے موافق تجویز کئے ہیں۔

یہی اطبائے قلوب قبل بعثت سلطان الانبیاء والاولیاء (صلوات اللہ علیہ) نبوت پر سرفراز ہوئے، اور بعد بعثت خلعت ولایت ان کو ملا---جب تک مرتبۂ نبوت تمام نہیں ہوا تھا، نبی ورسول آتے رہے، جب وہ تمام ہو گیا، تو اولیاء اللہ، خلفائے رسول اللہ ہوتے رہے، اور ہوتے رہیں گے۔اوپر ہم تصوف وسلوک کا مدار بتا آئے ہیں کہ محبت الٰہی اتباع سنت، تسلیم وسرنگونی، ان امور کو حاصل کرنا تصوف ہے، اور ان کے منازل کو طے کرنا سلوک ہے، اس کو ذہن نشیں کر کے طرق قادریہ وچشتیہ ونقشبندیہ کے فرق کو آدمی سمجھ سکتا ہے، کہ ظاہری فرق ہے اور مقصود واحد ہے، اس کے قبل ہم بتا دینا چاہتے ہیں، کہ کبار مشائخ اہل تصوف مقاصد مذکورہ بالا کے درمیان تقدم اور تأخر کو کوئی اہم نہیں سمجھتے،---تاہم بعض نے مبتدی کے لئے اتباع کو مقدم سمجھا ہے، اور بعض نے محبت کو تقدم دیا ہے۔علوم اولیاء اللہ کی تو کوئی انتہاء نہیں ہے مگر ان کے فیضان سے جس قدر مجھے ان امور میں بہرہ ہوا ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرات قادریہ ونقشبندیہ نے صورت اول کو پسند کیا ہے، کہ پہلے اتباع پھر محبت، اور حضرات چشتیہ نے پہلے محبت پھر اتباع کو مناسب سمجھا ہے، پھر حضرات قادریہ نے اتباع امور باطنی کی اہم سمجھی ہے اور حضرات نقشبندیہ نے اتباع امور ظاہری کی پہلے ضروری

قرار دی ہے، جو ارباب ارشاد میں اور ان کو ان سلاسل سے برابر کا تعلق ہے، تو وہ طالب کے ظرف کو دیکھ کر تعلیم دیتے ہیں، اور سالک کی کمی کو پورا کرتے ہیں (۹۰)۔

اس کے بعد حضرت منورویؒ کے سلاسل کی تفصیل ملاحظہ کریں:

(۹۰) تذکرہ حضرت سید صاحب ص ۳۵ تا ۳۷ مؤلفہ محمد رضا انصاری صاحبؒ تقسیم کار: دانش محل امین الدین پارک لکھنؤ، ۱۹۸۶ء۔

(۱)

سلسلۂ اول

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ

سلسلۂ قادریہ کی تاریخ، ارتقاء اور خصوصیات وامتیازات

سلسلۂ قادریہ محبوب ربانی حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (ولادت شب اول رمضان المبارک ۴۷۰ھ مطابق ۲۳ / مارچ ۱۰۷۸ء- وفات ۱۱یا ۱۷ / ربیع الثانی ۵۶۱ھ مطابق ۲۰ یا ۲۶ / فروری ۱۱۶۶ء)(۹۱) کی طرف منسوب ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تاریخ اسلام کی جلیل القدر ہستیوں میں سے ایک ہیں آپ کی ذات

(۹۱) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شخصیت تاریخ اسلام میں محتاج تعارف نہیں ہے، لیکن بطور تبرک کچھ ضروری حالات لکھے جاتے ہیں:

ولادت باسعادت

آپ کی پیدائش زیادہ تر مؤرخین کے مطابق شب اول رمضان المبارک ۴۷۰ھ مطابق ۲۳ / مارچ ۱۰۷۸ء کو ہوئی، (العبر فی خبر من غبر للذھبیؒ ج ۴ ص ۱۷۵ ☆ سیر اعلام النبلاء للذھبیؒ ج ۲۰ ص ۴۴۳ وغیرہ اکثر کتب تاریخ وسیر میں یہی تاریخ درج ہے) بعض کتابوں میں ۱۹ یا ۲۲ شعبان المعظم کا ذکر ملتا ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ، دین پوری ص ۵۵) کئی حضرات نے سن ولادت ۴۷۱ھ لکھا ہے (المنتظم لابن الجوزیؒ ج ۱۰ ص ۲۱۹ ☆ الکامل لابن اثیرؒ ج ۹ ص ۹۴ ☆ تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس للشیخ حسین بن محمد الدیار بکریؒ ج ۲ ص ۳۶۶) جبکہ کئی مؤرخین نے سن ولادت ۴۹۰ھ یا ۴۹۱ھ بھی تحریر کیا ہے (کتاب الذیل علیٰ طبقات الحنابلۃ لابن رجبؒ (۷۳۶ھ تا ۷۹۵ھ) رقم: ۱۳۴ ☆ فوات الوفیات لمحمد بن شاکر الکتبی) واللہ اعلم بالصواب

وطن مالوف

آپ کی ولادت ایران کے صوبہ کرمانشاہ کے شہر مغربی گیلان کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''نیف'' میں ہوئی، گیلان کو کیلان اور جیلان بھی کہتے ہیں۔ جیلان بغداد کے جنوب میں چالیس (۴۰) کیلومیٹر کے فاصلے پر تاریخی شہر مدائن کے قریب واقع ہے۔ اس کے شمال میں روسی سرزمین تالیس واقع ہے، جنوب میں برزکا پہاڑی سلسلہ ہے، جو اس کو آذربائیجان اور عراق عجم سے علٰحدہ کرتا ہے، جیلان یا گیلان کو دیلم بھی کہا جاتا ہے، اسی کو جیل یا گیل بھی کہتے ہیں۔

علامہ یاقوت حمویؒ نے آپ کا مولد عراقی گاؤں »بشتیر« کو قرار دیا ہے (معجم البلدان)==

نسبی شرافت ونجابت

آپ پدری اور مادری دونوں جانب سے حسنی اور حسینی ہیں، والد کی طرف سے آپ کا نسب حضرت امام حسنؓ سے اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسینؓ سے جاملتا ہے، والد ماجد کا نام نامی مشہور روایت کے مطابق حضرت ابوصالح موسیٰ اور دادا کا نام جنگی دوست حسنی گیلانیؒ ہے، (التاج المکلل من جواہر مآثر الطراز الآخر والاول لصدیق حسن خان القنوجیؒ ص ۱۶۶ ☆ الاعلام للزرکلی ج ۴ ص ۴۸) بعض لوگوں نے والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام ابوصالح لکھا ہے، جب کہ کچھ حضرات نے والد کا نام ابوصالح اور دادا کا نام عبداللہ اور پڑدادا کا نام جنگی دوست بتایا ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ، کنیت ام الخیر اور لقب امۃ الجبار ہے، آپ کے نانا شیخ عبداللہ صومعیؒ گیلان کے اکابر اولیاء اللہ میں تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔

اسی کے ساتھ آپ کو دادی (ام سلمہ) کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور پڑدادی (حفصہ) کی طرف سے حضرت عمر بن الخطابؓ سے بھی قرابت پائی جاتی تھی،

اتنی نوع بنوع خاندانی عظمتوں کے باوجود آپ کبھی اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے، بلکہ اپنے بچوں کو اس سے روکتے تھے۔

بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے

معتبر تاریخی روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے، آپ کی ولادت کے کچھ ہی دنوں کے بعد آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا تھا (نفحات الانس للجامیؒ ص ۵۵۷ تا ۵۸۷ ☆ سیرت غوث اعظم ص ۳۵ مؤلفہ مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی نقشبندی مجددی، ناشر: خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء ☆ الشیخ عبدالقادر الجیلانی الامام الزاھد القدوۃ ص ۹۲ مؤلفہ الدکتور عبدالرزاق الکیلانی، ناشر: دارالقلم دمشق، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء)

آپ اپنے والدین کی آخری اولاد تھے، آپ سے بڑے ایک بھائی عبداللہ تھے، اور جب آپ کی ولادت ہوئی اس وقت آپ کی والدہ کی عمر ساٹھ (۶۰) سال کی تھی، ظاہر ہے کہ یہ عام طور پر عورتوں کے لئے سن ایاس کی عمر ہوتی ہے، (قلائد الجواہر ص ۳ ☆ الشیخ عبدالقادر الجیلانی الامام الزاھد القدوۃ ص ۹۲ مؤلفہ الدکتور عبدالرزاق الکیلانی، ناشر: دارالقلم دمشق، ۱۴۱۴ھ) اگرچہ کہ ابن العماد الحنبلی نے دوسرے بھائی کو آپ کا چھوٹا بھائی قرار دیا ہے (شذرات الذھب لابن العماد الحنبلیؒ ج ۴ ص ۱۹۹) لیکن قرین قیاس یہی ہے کہ آپ ہی چھوٹے تھے۔

والد کے انتقال کے بعد آپ کی پوری تربیت والدہ اور نانا جان نے کی۔

بچپن ہی سے آثار ولایت نمایاں تھے

بچپن سے ہی آثار ولایت نمایاں تھے، عام طور پر بچے کھیل کود کے شوقین ہوتے ہیں لیکن آپ بچپن ہی سے لہوولہب سے دور رہے، بعض لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو ولایت کا علم کب ہوا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ دس (۱۰) برس کی عمر میں جب میں مکتب پڑھنے کے لیے جاتا تھا تو ایک غیبی آواز آیا کرتی تھی جس کو اہلِ مکتب بھی سُنا کرتے تھے کہ ==

== افسحو الولی اللہ ترجمہ: اللہ کے ولی کے لیے جگہ کشادہ کردو۔

تحصیل علم کے لئے بغداد کا سفر

جیلان میں تعلیم کا کوئی ماحول نہیں تھا، زیادہ سے زیادہ چھوٹے چھوٹے مکاتب تھے، یہاں عربی زبان کا بھی رواج نہیں تھا، ممکن ہے ٹوٹی پھوٹی عربی بولی جاتی ہو، لیکن دور بھیجنا بھی ماں کو گوارا نہ تھا، آخر ۴۸۸ھ/ ۱۰۹۵ء میں جب آپ کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال ہوگئی، تحصیل علم کے لئے والدہ نے آپ کو ایک قافلہ کے ساتھ بغداد روانہ کیا، جس میں چالیس (۴۰) دینار انہوں نے کپڑے میں سی دیئے تھے، اور راستہ میں ہمدان کے قریب ڈاکوؤں کا مشہور واقعہ پیش آیا، جس میں آپ کی راستبازی کی بنا پر نہ صرف اہل قافلہ محفوظ رہے، بلکہ ڈاکوؤں کو بھی توفیق توبہ نصیب ہوئی (قلائد الجواہر ص ۹) اسی سال حضرت ابوالفضل عبد الواحد **التمیمی** کی وفات ہوئی، اور اسی سال امام غزالی مدرسہ نظامیہ بغداد کی صدارت تدریس ترک کر کے شام وحجاز کی طرف روانہ ہوگئے تھے، یہ خلیفہ مستظہر باللہ (عہد حکومت ۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ) کا دور تھا، یہاں آپ کی کسی سے شناشائی نہ تھی، بغداد اس وقت دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا، یہاں آپ نے حدیث ابو غالب محمد بن الحسن الباقلانی، ابو محمد جعفر بن احمد السراج (م ۵۰۹ھ)، ابوبکر احمد بن المظفر، ابوالقاسم علی ابن بیان الرزار، ابوطالب بن یوسف، ابوسعد محمد ابن خشیش، اور ابوالزینی سے پڑھی، علم فقہ اور تفسیر قاضی ابوسعید (یا ابوسعد) المخرمی (م ۵۲۸ھ)، ابوالخطاب محفوظ بن احمد ال لوذانی الحنبلیؒ، ابوالوفا علی بن عقیلؒ (م ۵۱۳ھ) اور ابوالحسن محمد بن القاضی ابویعلی الفراء الحنبلیؒ سے حاصل کیا، ادب، بلاغت اور بیان ابوزریا یحیٰ التبریزیؒ (م ۵۰۲ھ) سے پڑھا۔

آپ کے اساتذہ میں ابوالغنائم محمد بن محمد بن علی الفرسیؒ، عبدالرحمن بن احمد بن یوسفؒ اور ابوالبرکات ھبۃ اللہ المبارکؒ وغیرہ کو بھی شمار کیا جاتا ہے آپ نے مذہب حنبلی اور شافعی دونوں کی تعلیم حاصل کی، اور وقفہ وقفہ سے تینتیس (۳۳) سال تک سلسلۂ تعلیم جاری رہا۔

طریقت کی تعلیم

طریقت کی تعلیم اکثر اصحاب سیر وتاریخ کے مطابق شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم الدباسؒ (م ۵۲۵ھ/۱۱۳۱ء)، ابو محمد جعفر بن احمد السراجؒ (م ۵۰۹ھ) اور قاضی ابوسعید (یا ابوسعد) مبارک بن علی بن حسین مخرمیؒ (م ۵۱۱ھ/ ۱۱۱۷ء) سے حاصل کی، خرقۂ خلافت حضرت ابوسعید مخرمیؒ سے حاصل ہوا۔

''مخرم'' بغداد کا ایک محلہ ہے جہاں بنوبویہ کے محلات تھے، یزید بن مخرم کے نام پر یہ محلہ منسوب ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے منذریؒ اور طبقات ابن رجب کے حوالے سے صراحت کی ہے، (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج ۶ ص ۲۳۱) اور بھی کئی مورخین نے اس کی تصریح کی ہے، بعض لوگوں نے مخزومی لکھا ہے یہ غلط ہے۔

تقریباً تمام ہی قدیم تذکرہ نگاروں نے حضرت شیخ کے ان مشائخ اور پیران طریق کا ذکر کیا ہے، مثلاً یہ حوالے دیکھئے: ==

==وصحب الشيخ أحمدالدباس وأخذعنه علم الطريق((الوافي بالوفياتج٦ص ٢٠٩المؤلف: صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى: 764هـ)

★وصحب الشيخ حماد الدباس الزاهد، ودرس بمدرسة شيخه المخرمي، وأقام بها إلى أن مات، ودفن بها(ذيل طبقات الحنابلة ج ١ ص ١١٨ المؤلف : عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي (المتوفى:795هـ

★وصحب الدباس،ثم إن الله أظهره للخلق،وأوقع له القبول العظيم،(سيرأعلام النبلاء ج ٢٠ ص ٤٤٤ المؤلف:شمس الدين أبوعبدالله محمدبن أحمدبن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى: 748هـ)

ابن الملقنؒ نے اپنی کتاب ''کتاب الاولیاء'' میں پورا شجرۂ طریقت اس طرح نقل کیا ہے:

ابو محمدعبدالقادر بن ابی صالح الجیلی عن ابی سعیدالمبارك بن علی المخرمی، عن الشیخ ابی الحسن علی بن محمدبن یوسف بن عبدالله القرشی، عن ابی الفرج عبدالرحمن بن عبدالله الطرسوسی، عن ابی الفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز التمیمی، عن والده الشیخ عزالدین عن الشبلی عن الجنید، عن سری السقطی، عن معروف الکرخی، عن داؤدالطائی، عن حبیب العجمی، عن الحسن البصری، عن علی رضی اللہ عنہ، عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوعن الجنیدعن جعفر الحذاء عن ابی عمر الاصطخری، عن ابی تراب النخشبی، عن شقیق البلخی عن ابراهیم بن ادهم عن موسیٰ بن یزید الراعی، عن اویس القرنی عن عمر رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ عن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (طبقات الاولیاء لابن الملقن ص ۴۹۴)

بعض تذکرہ نگاروں نے اس میں تین مشائخ طریق کا اور اضافہ کیا ہے،

۱- شیخ ابو یوسف بن ایوب بن یوسف بن الحسین بن وہرۃ الہمدانیؒ (م ۵۳۵ھ)

۲- حضرت تاج العارفین ابوالوفاء محمد بن محمد بن زید بن حسن المرتضیٰ العریضیؒ (م ۴۷۰ھ)

۳- آپ کے والد ماجد حضرت سیدنا ابو صالح موسیٰ جنگی دوست حسنی گیلانیؒ

(سیرت پیر مجیب ص ۱۰۸ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ۲۰۰۵ء

اول الذکر میں کوئی استبعاد نہیں، آپ نے بلاشبہ ان سے استفادہ کیا ہوگا، حضرت ہمدانیؒ کا ذکر آپ کے حالات میں کئی مقام پر آیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے غبطۃ الناظر میں اور علامہ ظہیر الدینؒ نے الفتح المبین وغیرہ میں اس بات کا ذکر کیا ہے۔

لیکن مؤخر الذکر دونوں بزرگوں سے بیعت وتربیت باطنی کا حصول بہت مستبعد ہے، اس لئے کہ حضرت ابوالوفاء العریضی کی سن وفات ۴۷۰ھ ہے، جب کہ حضرت شیخ کا یہ سن ولادت ہے۔

جہاں تک ان کے والد ماجد سے نسبت کا معاملہ ہے تو تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ وہ شیخ کی کم سنی ہی میں انتقال==

== کر گئے تھے، صغرسنی میں القاء نسبت باطنی، اور فیضان روحانی تو ممکن ہے، مگر با قاعدہ بیعت اور تربیت روحانی متصور نہیں ہے، بیعت کے لئے بلوغ نہیں شعور وتمیز کی عمر درکار ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس نسبت آبائی کو مستبعد قرار دیا ہے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج ۶ ص ۲۳۲ مرتبہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی)

حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے شجرۂ روحانی کے بارے میں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور مجالس ستین میں جو کچھ لکھا ہے وہی معتبر ہے، باقی بعد میں تیار کئے جانے والے شجرے مستند نہیں ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ حضرت قاضی مخرمیؒ کو حضرت شیخ کا پیر تسلیم کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب کی گفتگو سے اشارہ ملتا ہے کہ خود حضرت شیخ جیلانیؒ نے اپنی کتابوں میں اپنے والد کے سلسلہ کا ذکر نہیں کیا ہے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ج ۶ ص ۲۳۱)

اسی لئے حضرت مولانا جامیؒ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی آپ کے شیوخ طریق میں آپ کے والد ماجد کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ شیخ مخرمیؒ کا ذکر کیا ہے، اور والد کے تعلق سے صراحت کی ہے کہ وہ شیخ کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے (دیکھئے نفحات الانس للجامیؒ مترجم ص ۵۵۷ تا ۵۸۷ ☆ اخبار الاخیار ص ۳۳ تا ۵۵ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۲۰۰۴ء)

لیکن سیرت پیر مجیب کے مؤلف محترم مولانا ہلال احمد قادری نے حضرت مولانا شاہ امان اللہ قادری پھلوارویؒ کی تحقیق کے مطابق بعض خاندانی شجرات (مثلاً: الکوکب الظاہر فی مناقب الغوث عبدالقادر، مؤلفہ سید ابوالہدیٰ آفندی رفاعی ☆ جواہر السلوک مؤلفہ سید شاہ عبداللطیف معروف بہ سید شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری ☆ اور مقامات دستگیری مؤلفہ مولوی عبدالرحیم ضیا حیدر آبادی وغیرہ) کی بنیاد پر حضرت شیخ کی آبائی نسبت کا ذکر کیا ہے (سیرت پیر مجیب ص ۱۰۸ تا ۱۱۹)

اسی طرح مؤرخ لاہور جناب محمد دین کلیم قادری صاحب نے بھی اپنی کتاب تذکرۂ مشائخ قادریہ میں اس آبائی نسبت کا ذکر کیا ہے، بلکہ حیرت انگیز طور پر انہوں نے تاریخ بیعت وخلافت بھی - ماہ رجب ۴۸۸ھ درج کر دی ہے (تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۵۵) یعنی گویا حضرت شیخ کے اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر تک ان کے والد صاحب باحیات تھے، تب تو یتیم ہونے والی مشہور روایت ہی غلط ٹھہرے گی۔

بہر حال فی الجملہ القاء نسبت اور اجراء فیض کا انکار نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں ایک نسبت آبائی بھی جاری ہے، جو وہاں حضرت محمد وارث رسول نما بنارسیؒ کے ذریعہ پہونچی ہے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

ریاضت ومجاہدہ

علم ظاہر و باطن کی تکمیل کے بعد قریب پچیس (۲۵) سال (بعض لوگوں نے چودہ (۱۴) سال لکھا ہے) تک آپ ==

== آپ نے عراق کے صحراؤں اور جنگلوں میں سخت عبادت و ریاضت کی، بڑی تکلیفیں اٹھائیں، درختوں کے پتے اور چھالیں کھا کر زندگی بسر کی، فاقے کئے، یہاں تک کہ آپ کو "عبدالقادر دیوانہ" کہا جانے لگا تھا، ایک بار ایسی بے ہوشی ہوئی کہ لوگوں نے مردہ سمجھ لیا، اور تجہیز و تکفین کی تیاری بھی کرنے لگے((**سیر أعلام النبلاء ج ۲۰ ص ٤٤٤ المؤلف : شمس الدين أبوعبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى : 748هـ**

★الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۶))

حضرت خضرؑ کے ساتھ ہم طعامی کا شرف بھی حاصل ہوا۔

بے نظیر خطابت اور بے مثال وجاہت

اسی اثنا قطب وقت حضرت یوسف ہمدانیؒ (م ۵۳۵ھ) بغداد تشریف لائے، اور ان سے ملنے کے لئے خلق خدا کا ہجوم ہوا، آپ بھی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، اور اپنے جملہ مسائل و مشکلات حضرت کے سامنے پیش فرمائے، حضرت نے آپ کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمایا، اور کہا کہ آپ وعظ و خطابت شروع کریں، آپ نے عرض کیا کہ حضرت میں ایک عجمی شخص ہوں، میری کیا مجال کہ بغداد کے اہل علم اور اہل زبان کے سامنے لب کشائی کرسکوں، حضرت نے فرمایا کہ نہیں آپ نے بہت سے علوم حاصل کئے ہیں، آپ کرسی پر بیٹھ کر وعظ شروع کریں، میں آپ میں اس کی جڑ دیکھ رہا ہوں، جو ایک دن تناور درخت بنے گا(**سیر أعلام النبلاء ج ۲۰ ص ٤٣٩ المؤلف : شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى:748)**

چنانچہ ۵۲۱ھ/ ۱۱۲۷ء میں آپ نے اپنے استاذ اور شیخ حضرت ابوسعید مخرمیؒ کے مدرسہ (جو بغداد کے باب الازج پر واقع تھا) میں درس و تدریس اور وعظ و خطابت کا سلسلہ شروع کیا، پھر جلد ہی آپ کی شہرت و نیک نامی بغداد اور دور دراز تک پہونچ گئی، لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں تل رکھنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی، اللہ پاک نے ایسی وجاہت و قبولیت عطا فرمائی جو بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوئی، شیخ موفق الدین ابن قدامہؒ صاحب المغنیؒ کہتے ہیں کہ: میں نے کسی شخص کی آپ سے بڑھ کر دین کی وجہ سے تعظیم ہوتے نہیں دیکھی، بادشاہ اور وزراء آپ کی مجالس میں نیازمندانہ حاضر ہوتے اور ادب سے بیٹھ جاتے، علماء و فقہاء کا تو کچھ شمار نہ تھا، ایک ایک مجلس میں چار چار سو (۴۰۰) دواتیں ہوتی تھیں، جو آپ کے ارشادات قلمبند کرنے کے لئے لائی جاتی تھیں، شرکاء مجلس کی تعداد ستر ہزار تک بتائی جاتی ہے، آپ فرماتے تھے کہ شروع میں تو گھبراہٹ ہوئی، لیکن حضرت ہمدانیؒ کی پیشین گوئی پوری ہوئی (**سیر أعلام النبلاء ج ۲۰ ص ٤٣٩ المؤلف: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى: 748ه)**

ایک بار آپ نے خود فرمایا کہ میرے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰) ہے، اور توبہ کرنے والے ایک لاکھ سے متجاوز ہیں۔==

==اس عظمت ووجاہت اور وسعت علم کے باوجود آپ بے حد متواضع اور کریم تھے، مدرسہ میں آپ تیرہ (۱۳) علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتے تھے، آپ کے علمی تبحر کا اعتراف علامہ جمال الدین ابن الجوزیؒ کو بھی تھا، (قلائد الجواہر ص ۳۸) اسی مدرسہ کے ایک حصے میں آپ نے باقاعدہ خانقاہ بھی بنوائی تھی جہاں سیکڑوں طالبین ہر وقت موجود ہوتے تھے۔

مسلکاً آپ حنبلی تھے، لیکن فتویٰ مذہب شافعی اور مذہب حنبلی دونوں کے مطابق دیتے تھے۔

حضرت شیخؒ نے بغداد میں کل تہتر (۷۳) سال گذارے، اور عباسی خلفاء میں پانچ (۵) ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے اس وقت خلیفہ مستظہر باللہ ابوالعباس (عہد حکومت ۴۸۷ھ تا ۵۱۲ھ) کا دور تھا، اس کے بعد بالترتیب المسترشد (عہد حکومت ۵۱۲ھ تا ۵۲۹ھ)، الراشد (عہد حکومت ۵۲۹ھ تا ۵۳۰ھ)، المقتفی لامر اللہ (عہد حکومت ۵۳۰ھ تا ۵۵۵ھ)، اور المستنجد باللہ (عہد حکومت ۵۵۵ھ تا ۵۶۶ھ) تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

شیخ نے ایک دن برسر منبر جب کہ مجلس میں دوسو (۲۰۰) کے قریب اولیاء اللہ موجود تھے، یہ اعلان فرمایا کہ ''میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے''، شیخ علی ہیتیؒ نے اٹھ کر عملاً اس بات کی تائید کی، اور دیگر حضرات نے بھی سر تسلیم خم کیا، داراشکوہ نے سفینۃ الاولیاء میں ان تمام مشائخ اور اولیاء اللہ کے اسماء گرامی بھی نقل کئے ہیں، جو اس مجلس میں موجود تھے (دیکھئے: سفینۃ الاولیاء فارسی ص ۶۱ تا ۹۱ مؤلفہ داراشکوہ)

شیخ کا جسم نحیف، قد متوسط، رنگ گندمی، آواز بلند، سینہ کشادہ، ڈاڑھی لمبی چوڑی، چہرہ خوبصورت، سر بڑا اور بھنوئیں ملی ہوئی تھیں۔

ازواج واولاد

شیخ نے مختلف اوقات میں چار (۴) شادیاں کیں، ازدواجی زندگی کا آغاز ۵۳ برس کی عمر میں کیا، اس لئے کہ آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ عبداللہؒ کی ولادت ۵۰۸ھ کی ہے (قلائد الجواہر ص ۴۴) ظاہر ہے کہ اس سے ایک دوسال قبل شادی ہوئی ہوگی۔ چاروں ازواج کے نام یہ ہیں:

☆ سیدہ بی بی مدینہ بنت سید میر محمد ☆ سیدہ بی بی صادقہ بنت سید محمد شفیع ☆ سیدہ بی بی مومنہ ☆ سیدہ بی بی صادقہ۔

شیخ کی چار (۴) ازواج سے انچاس (۴۹) اولاد پیدا ہوئی، جن میں ستائیس (۲۷) لڑکے اور ۲۲ لڑکیاں تھیں، ان میں صرف چودہ (۱۴) لڑکے زندہ رہے، باقی سب (یعنی چودہ بیٹے اور اکیس بیٹیاں) آپ کی حیات ہی میں انتقال کر گئے (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر للشیخ محمد بن یحیٰی التادفی الحنبلی الحلبی (م ۹۶۳ھ) ص ۴۲ ☆**الوافي بالوفيات ج ٦ ص ٢٠٩ المؤلف: صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى: 764ه)**

حضرت شیخ کا انتقال نواسی (۸۹) یا نوے سال کی عمر میں ہفتہ کی شب ۱۱/ ربیع الثانی ۵۶۱ھ مطابق ۱۳/ فروری ۱۱۶۶ء کو ہوا، بعض نے ۸، ۹، ۱۳، اور ۱۷ بھی لکھا ہے، تدفین آپ کے مدرسے کے احاطہ میں ہوئی، وہ مدرسہ آج بھی==

سے ملت اسلامیہ کو جو نفع عظیم پہونچا وہ تاریخ کا روشن باب ہے، وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ شریعت اسلامیہ پر عمل کرنے والے اور دعوت و تبلیغ اور اتباع سنت کے علمبردار تھے۔ آپ کی علمی و روحانی مجالس میں اتنا اثر تھا کہ بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں، لاکھوں لوگوں کو توفیق توبہ نصیب ہوئی، اور ہزاروں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، روحانی طاقت، اخلاقی سربلندی اور علمی اثر و نفوذ کے ذریعہ آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، کہ آپ کے عہد میں ان کی نظیر ملنا مشکل ہے بلکہ آپ کے بعد بھی تاریخ انسانی میں اتنی ہمہ جہت اور جامع شخصیت کم ہی پیدا ہوئی۔

سلسلۂ قادریہ کا مزاج اور خصوصیات

آپ نے جس طریق اصلاح و تجدید کی بنیاد رکھی، اور روحانی مشرب و مسلک کو اختیار کیا، وہی سلسلہ آپ کے بعد سلسلۂ قادریہ کے نام سے مشہور ہوا، گو کہ اس کا سررشتہ بھی پچھلے اکابر (مثلاً: شیخ شبلیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، شیخ سری سقطیؒ، اور حضرت معروف کرخیؒ جیسے اکابر یا ان کے آبائی سلسلہ) سے

== مدرسۂ قادریہ کے نام سے معروف ہے۔

آپ نے طالبین حق کے لیے اپنے صاحبزادگان، نامور خلفاء کے علاوہ بہت سی گرانقدر کتابیں بھی یادگار چھوڑیں، ان میں سے کچھ کے نام درج ذیل ہیں:

☆غنیۃ الطالبین ☆الفتح الربانی والفیض الرحمانی ☆ملفوظات ☆فتوح الغیب ☆جلاء الخاطر من کلام الشیخ عبد القادر ☆ ورد الشیخ عبد القادر الجیلانی ☆بہجۃ الاسرار ☆الحدیقۃ المصطفویہ ☆الرسالۃ الغوثیۃ ☆ آداب السلوک و التوصل الی منازل السلوک ☆ جغرافیۃ الباز الاشہب ☆حزب الرجاء والانتہاء ☆معراج لطیف المعانی ☆یواقیت الحکم ☆ المواھب الرحمانیۃ ☆وصایا الشیخ عبدالقادر ☆ سر الاسرار فی التصوف ☆ رسائل الشیخ عبدالقادر ☆ دیوان الشیخ عبدالقادر (فارسی) ☆الفیوضات الربانیۃ ☆تنبیہ الغبی الی رویۃ النبی ☆الرد علی الرافضۃ ☆حزب عبدالقادر الکیلانی ☆ مسک الختام (تفسیر القرآن) وغیرہ۔

آپ کے حالات و خدمات اور تعلیمات پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، ڈاکٹر عبدالرزاق الکیلانی نے اکہتر (۷۱) مشہور کتابوں کی فہرست پیش کی ہے (الشیخ عبدالقادر الجیلانی - عربی - ص ۳۱۶ مؤلفہ ڈاکٹر عبدالرزاق الکیلانی ☆نفحات الانس للجامیؒ ص ۵۵۷ تا ۵۸۷ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۵۵ تا ۱۶۷ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۹۷ تا ۲۲۴ مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ناشر: مجلس نشریات اسلام کراچی، بحوالہ وفیات الاعیان، مرآۃ الجنان للیافعی، البدایۃ والنہایۃ لابن کثیرؒ، الطبقات الکبریٰ للشعرانیؒ، طبقات الحنابلۃ لابن رجب، البدایۃ والنہایہ للبستانیؒ)

پیوست ہے، لیکن آپ کی خدمات کے گہرے نقوش نے اس کو قادریہ کے نام سے ممتاز کیا، اور آپ کے ذریعہ یہ سلسلہ پورے عالم میں پھیل گیا، بڑے بڑے اکابر واعیان نے اس سے وابستگی کو اپنے لئے باعث فخر وشرف سمجھا، اس کے متبعین خطۂ عرب کے علاوہ ہندو پاک، بنگلہ دیش، ترکی، بلقان اور مشرقی و مغربی افریقہ ہر جگہ بڑی تعداد میں موجود ہیں، مقبولیت وشہرت اور تاثیر کے لحاظ سے یہ دنیا کے چند بڑے سلاسل تصوف میں سے ایک ہے۔

اس سلسلہ کا خلاصہ اتباع سنت، اور نفاذ شریعت ہے، علامہ شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:

طریقته التوحید وصفاً وحکماً وحالاً، وتحقیقه الشرع ظاهراً وباطناً. (۹۲)

اس طریق کی بنیاد سات چیزوں پر ہے: ۱-مجاہدہ ۲-توکل ۳-حسن خلق، ۴-شکر، ۵-صبر، ۶-رضا، ۷-اور صدق۔ (۹۳)

اسی طرح اس طریق کے حاملین اپنے حالات وواردات اور جذبات ومکشوفات پر قابو رکھتے ہیں، اور ان کے اظہار سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں، جذب یا مغلوب الحالی اس سلسلہ کے مذاق کے خلاف ہے (۹۴)۔ سلسلۂ قادریہ بنیادی طور پر سماع اور حال وقال جیسے اعمال واشغال سے بھی خالی ہے، خود حضرت شیخ جیلانیؒ نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں مریدین کو ہدایت فرمائی ہے کہ مریدین سماع

(۹۲) **الطبقات الکبریٰ للشعرانی ج ۱ ص ۱۲۹.**

(۹۳) آپ کی تصنیفات وتعلیمات سے ماخوذ مثلاً: فتوح الغیب، مقالہ ۵۷، الفتح الربانی مجلس ۲۵، **الغنیة** ج ۲ ص ۱۸۲۔

(۹۴) سلسلۂ قادریہ کی مشہور خانقاہ "خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف" کے ممتاز بزرگ اور بانی خانقاہ تاج العارفین حضرت پیر مجیبؒ (۱۰۹۸ھ/۱۶۸۷ء تا ۱۱۹۱ھ/۱۷۷۷ء) کے صاحبزادے حضرت شاہ نعمت اللہ قادریؒ (م ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء) مقامات ومکاشفات کے بیان کرنے سے روکتے تھے، اور فرماتے تھے کہ یہ چیزیں ظاہر کرنے کی نہیں ہیں، اصل چیز ریاضت ومحنت ہے، ورنہ حالات وکیفیات تو اولیاء اللہ کی نگاہوں کی برکت سے جانوروں میں بھی پیدا ہوجاتی ہیں، بلکہ پیڑوں اور پتھروں میں بھی ان کا اثر ظاہر ہوجاتا ہے، چنانچہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کے کتے، سید اشرف جہانگیرؒ کی بلی، اور میر ابوالعلیٰؒ کے سرمست ہاتھی کے واقعات مشہور ہیں، --- اور جو چاہے جاکر راجگیر کی پہاڑیوں میں مخدوم الملک شرف الدین بہاریؒ کی چلہ گاہ میں دیکھ لے کہ ہر پتھر ان کے اثر سے ایسا سرمست ہے کہ گویا کسی زندہ صاحب دل کے سامنے ہو، اس کے باوجود پتھروں، بلی اور کتے کو اس اثر کی بنا پر عارف نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ لذت عرفان انسانیت سے وابستہ ہے، اور انسانیت بغیر کسب وسلوک کے میسر نہیں ہوتی۔ (بستان الاکرم ترجمہ تذکرۃ الکرام ص ۲۸۲ تا ۲۸۴ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیوۃ قادری پھلواویؒ (۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء تا ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء ==

کا اہتمام نہ کریں اور نہ اس کو معمول بنائیں، لیکن اگر اتفاقاً ایسی نوبت آجائے تو حرج نہیں، پھر ادب سے دل کو خدا کی طرف متوجہ کر کے بیٹھ جائیں:

علی المریدین ان لایتکلفوا السماع ولایستقبلوہ بالاختیار، فاذا اتفق السماع ای بدون قصد فمن حق المستمع ان یقعد بشرط الادب ذاکراً ربہ بقلبہ---(۹۵)

یہ عارضی کیفیات واحوال ہیں جو سلسلہ کے بعض بزرگوں پر کبھی کسی وجہ سے طاری ہوتے ہیں، مگر یہ اصل طریق کا حصہ نہیں ہیں (۹۶)۔

== ترجمہ سید محمد اسد علی خورشید، ناشر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۸ء)

(۹۵) غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۷۹

(۹۶) سلسلۂ قادریہ کی مشہور ''خانقاہ خانقاہ مجیبیہ کے بانی'' حضرت پیر مجیبؒ سے جب آپ کے بعض احباب نے خانقاہ میں سماع جاری کرنے کی درخواست کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''قادریہ رانہ انکار است نہ ازیں کار، باز ملازمت امر غیر ضروری چہ ضرور---یعنی سلسلۂ قادریہ میں سماع سے نہ انکار ہے اور نہ اس کی ضرورت، پھر ایک امر غیر ضروری کی پابندی کیا ضروری ہے''

(بستان الاکرم ترجمہ تذکرۃ الکرام ص ۱۲۵ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد ابو الحیوٰۃ قادری پھلورویؒ (۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء تا ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء) ترجمہ سید محمد اسد علی خورشید، ناشر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۸ء)

حضرت پیر مجیبؒ کے شیخ حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسیؒ (۱۰۸۷ھ/۱۶۷۶ء تا ۱۱۶۶ھ/۱۷۵۳ء) بھی سماع کے قائل نہ تھے، لیکن اس کو حرام و ناجائز بھی نہیں سمجھتے تھے، حضرت رسول نما بنارسیؒ کا سلسلہ قادریہ قمیصیہ تھا، ان کے بعض احباب نے بھی خانقاہ میں سماع کی فرمائش کی تھی تو آپ نے حکمت سے لبریز جواب ارشاد فرمایا:

''سماع مروحۂ عشق است، آتش عشق را مشتعل و ملتہب می گرداند آں را کہ حاجت بہ مروحہ نیست خود آتش عشق وے شعلہ انگیز است، و آہ جاں گدازی جہاں سوز حاجت بہ سمع ندارد''

ترجمہ: سماع عشق الٰہی کے لئے پنکھے کی طرح ہے جو عشق کی آگ کو مشتعل کرتا ہے جس شخص کو پنکھے کی حاجت نہیں ہے، اور اس کے عشق کی آگ خود ہی بھڑکی ہوئی ہے، اور اس کی آہ جاں گداز جہاں سوز ہے، اس کو سماع کی حاجت نہیں ہے''

(نغمات الانس فی مجالس القدس ص ۱۰۳ تا ۱۰۶ مؤلفہ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر دار الاشاعت ==

ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کی آمد اور نفوذ

☆ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کے سب سے قدیم بلکہ اولین بزرگ حضرت سید نورالدین مبارک غزنویؒ (ولادت ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء - وفات ۶۳۲ھ/۱۲۳۵ء) ہیں (۹۷)، وہ حضرت شیخ

== خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء)

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں بھی حضرت پیر مجیبؒ کے شروع دور میں سماع اور قوالی وغیرہ کا کوئی رواج نہیں تھا، اس لئے کہ آپ کی آبائی نسبت نیز بنارس والی نسبت قادریہ کی تھی، البتہ جب آپ کو نسبت چشتیہ کا فیضان حاصل ہوا، اور بعض منامات والہامات کے ذریعہ سماع کی تلقین کی گئی تو آپ نے اپنے ہی دور میں سماع کو جاری فرما دیا تھا، تذکرۃ الکرام اور سیرت پیر مجیب وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے کہ:

> ''ایک شب آپ عالم خواب یا عالم معاملات میں خواجۂ بزرگ خواجہ معین الحق والدینؒ کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ مجلس سماع صوفیہ منعقد کرنا چاہئے، حضرت خواجہ بزرگ کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ بھی تشریف فرما تھے، اس ارشاد کے کچھ دنوں بعد پھر دونوں بزرگوں نے آپ کو مجلس سماع قائم کرنے کا حکم دیا، آپ نے اس بار بھی اس طرف کوئی توجہ نہیں دی، تیسری بار خواجۂ بزرگؒ نے آپ سے فرمایا، اگر آپ سماع نہیں سنتے اور مجلس صوفیہ نہیں کرتے، تو میرے سلسلے میں کسی کی بیعت بھی نہ لیجئے، اس حکم سے آپ کو سخت تردد ہوا کہ کیا کرنا چاہئے؟ طریقۂ عالیہ قادریہ میں سماع کی ضرورت نہیں ہے، اور حضرت خواجہؒ کا یہ ارشاد ہے، اسی تردد کے درمیان ایک شب بارگاہ نبویؐ سے بھی انعقاد سماع صوفیہ کی اجازت ملی، چنانچہ اسی دن سے گیارہویں اور بارہویں کی مجالس مقرر فرمائی گئیں اور ربیع الاول و ربیع الثانی اور بست و یکم رمضان شریف کے اعراس کے انعقاد کو لازم فرمایا گیا''

(بستان الاکرم ترجمہ تذکرۃ الکرام ص ۱۲۵ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیٰوۃ قادری پھلورویؒ (۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء تا ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء)، ترجمہ سید محمد اسد علی خورشید، ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۸ء☆ سیرت پیر مجیبؒ ص ۲۸۶ مؤلفہ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء طبع دوم)

اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ خانقاہ مجیبیہ میں اس کے بعد سے آج تک اس ضمن میں جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ سلسلۂ چشت کا فیضان ہے، سلسلۂ قادریہ کا نہیں۔

(۹۷) اسم گرامی نورالدین المبارک ہے، والد ماجد کا نام عبداللہ شرف الحسینی الغزنوی ہے، غزنہ میں پیدا ہوئے اور وہیں ==

==نشوونما پائی، آپ کو بچپن میں پیدائش کے دوسرے ہی دن ایک بڑے بزرگ شیخ محمد اجل شیرازیؒ (جو مستجاب الدعوات اور بلند پایہ ولی تھے) سے فیض نعمت حاصل ہوا، پہلے اپنے ماموں شیخ عبدالواحد ابن شہاب احمد الغزنویؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا اور وہاں حضرت شہاب عمر بن محمد السہر وردیؒ صاحب ''العوارف'' کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایک زمانہ تک صحبت میں رہ کر علوم ظاہرہ و باطنہ میں کمال پیدا کیا، پھر غزنہ واپس ہوئے اور حسن قبول اور شہرت تام حاصل کی، شہاب الدین غوری بھی آپ کا معتقد تھا، ہندوستان کی جنگوں میں اس نے دعائیں لیں، اور آپ کی برکت سے کامیابیاں حاصل کیں، آپ کو اس نے شیخ الاسلام کے منصب پر فائز کیا، اور ''امیر دہلی'' کا خطاب دیا، آپ اس منصب پر عرصہ تک فائز رہے، حکمراں طبقہ آپ کے ساتھ بے انتہا عقیدت رکھتا تھا، اور آپ کی ہدایات کو قبول کرتا تھا، قاضی شہاب الدین دولت آبادی (۷۶۱ھ تا ۸۴۸ھ) نے ہدایۃ السعداء میں لکھا ہے کہ سلطان شمس الدین التمش (م ۱۴/شعبان المعظم ۶۳۳ھ مطابق ۲۹/اپریل ۱۲۳۶ء) صدر مجلس کے مقام پر آپ کو بٹھاتا تھا، آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا تھا اور جنگوں میں آپ سے برکت حاصل کرتا تھا۔ فوائد الفواد (ملفوظات حضرت نظام الدین اولیاء) میں ہے کہ ایک روز شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ (۶۷۲ھ تا ۷۲۵ھ) کی بزرگی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے حضرت نظام الدین اولیاءؒ (۶۳۱ھ تا ۷۲۵ھ) نے فرمایا کہ ایک دفعہ بارش نہ ہوئی، آپ کو لوگوں نے پکڑ لیا کہ دعائے باراں کیجئے، آپ منبر پر تشریف لائے اور بارش کے لئے دعا کی، پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا کہ اے اللہ اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا، یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے، حق تعالیٰ نے بارش نازل فرمادی، اس کے بعد سید قطب الدین صاحب (بختیار کاکیؒ م ۱۴/ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۳/دسمبر ۱۲۳۵ء) کی آپ سے ملاقات ہوئی، سید صاحب نے آپ سے کہا کہ آپ کے بارے میں ہماری عقیدت بہت پختہ ہے، اور ہمیں معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کو نیاز کامل حاصل ہے، لیکن آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ ''اگر تو نے بارش نہ برسائی تو میں اس سے پہلے کسی بھی آبادی میں نہ جاؤں گا'' حضرت شیخ نظامؒ نے جواب دیا کہ چونکہ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ بارش برسے گی، اس لئے میں نے کہہ دیا، سید صاحبؒ نے دریافت کیا کہ آپ کو یہ یقین کیسے حاصل ہوگیا؟ فرمایا کہ ایک دفعہ سلطان کے دربار میں نشست کے مسئلہ پر میرا اور سید نورالدین مبارک سے تھوڑی ان بن ہوگئی تھی، اس موقعہ پر میں نے ان کو کوئی ایسی بات کہہ دی، جس سے سید نورالدین کبیدہ خاطر ہوکر چلے گئے، اسی وقت مجھ سے دعائے بارش کے لئے کہا گیا، میں نے ان کے پاس جاکر کہا کہ آپ تو مجھ سے رنجیدہ خاطر ہیں، اگر آپ مجھ سے راضی ہوجائیں تو دعا کروں گا ورنہ نہیں کروں گا، ان کے خلوت خانہ سے آواز آئی کہ میں تم سے راضی ہوں، جاکر دعا کرو۔

آپ کی وفات پہلی شب محرم ۶۳۲ھ مطابق ۲/اکتوبر ۱۲۳۴ء) کو ہوئی، اور پرانی دہلی میں حوض شمسی کے مشرق جانب مدفون ہوئے۔ (اخبار الاخیار ص ۶۶ تا مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ مولانا سبحان محمود اور مولانا محمد فاضل صاحب، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، الاعلام بمن فی الھند من الاعلام ج ۱ ص ۱۱۶ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ، ناشر: دار ابن حزم، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء)

شہاب الدین سہروردی (م ۶۳۳ھ/۱۲۳۶ء) کے خلیفہ تھے، اور حضرت سہروردیؒ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے خلیفہ تھے، حضرت سید نورالدینؒ ایک بڑے روحانی مقتدا اور دہلی کے شیخ الاسلام تھے، حضرت سلطان شمس الدین التمش (م ۱۴/ شعبان المعظم ۶۳۳ھ مطابق ۲۹/ اپریل ۱۲۳۶ء) کے زمانہ میں آپ کو ''میر دہلی'' کہا جاتا تھا۔ ان کا وصال سلطان شمس الدینؒ کے وصال سے ایک سال قبل ہوا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلسلۂ قادریہ ساتویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں حضرت پیران پیرؒ کے وصال کے پچاس (۵۰) سال بعد ہندوستان پہونچ گیا تھا۔

☆ حضرت نورالدین مبارکؒ کے بعد ایک بڑا نام حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ (ولادت ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۴ء- وفات ۶۶۹ھ/ ۱۲۷۱ء) (۹۸) کا بھی ملتا ہے، بعض اہل علم نے ان کا ذکر کیا ہے، کہ

(۹۸) **سلطان العارفین حضرت مخدوم سیّد عبدالرشید حقانیؒ** آپ علوم ظاہری و باطنی سے مالا مال تھے، بیک وقت حافظ قرآن، قاری، مفسر، عالم، محدث، عارف، ولی اور غوث زماں تھے آپ کا شمار ان ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے ساری زندگی اسلام کی سربلندی اور عشق مصطفٰی کی شمع روشن کرنے میں گزاری، آپ کا زمانہ اولیائے کرام کا زمانہ کہلاتا ہے۔ مشہور بزرگ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، شیخ فریدالدین گنج شکر، شاہ شمس تبریزی، لال شہباز قلندر، جلال الدین رومی اور جلال الدین سرخ بخاری، بوعلی شاہ قلندر، پیر موسیٰ نوابؒ وغیرہ ان کے ہم عصر اولیاء تھے۔

آپ کا خاندانی تعلق سادات بنی ہاشم سے تھا۔ آپ کے آباء و اجداد میں سے ایک بزرگ جو **سلطان شاہ حسین** کے نام سے موسوم تھے، رفقاء سلطان سبکتگین و محمود غزنوی میں شامل تھے، جنھیں ان بادشاہوں کے دربار میں ایک خصوصی مقام حاصل تھا، آپ سلطان محمود غزنوی کے تیسرے حملے کے وقت اس کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے،

سلطان محمود غزنوی نے جا بجا اپنے قلعے اور چھاؤنیاں قائم کئے تو ایک قلعہ کوٹ کروڑ میں بھی قائم کیا۔ قلعہ کوٹ کروڑ کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس میں ایک کروڑ بار سورہ مزمل کی تلاوت کی گئی تھی اور اب یہ جگہ حضرت کی اولاد میں سے ایک معروف روحانی بزرگ **سید صدر الدین محمد یوسف** المعروف لعل عیسن کروڑ کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے یہ قلعہ **سلطان شاہ حسین** کو نذرانۂ عقیدت کے طور پر پیش کیا اس علاقے میں ایک بڑی جاگیر آپ کے حوالے کی۔ آپ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے، غریبوں کی خدمت کرتے اور ظالم کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے، کروڑ کے علاقے میں آپ کے خاندان کو بڑی عزت و تکریم حاصل تھی۔

مخدوم عبدالرشید حقانی کے دادا کو تاریخ میں وہ امتیاز حاصل ہے جو پوری تاریخ میں شاید ہی کسی کو حاصل ہو کیونکہ آپ کے فرزند اکبر سے برصغیر پاک و ہند میں سلسلۂ قادریہ کی بنیاد پڑی اور فرزند اصغر سے سلسلہ سہروردیہ کو دوام حاصل ہوا۔

آپ کی ولادت ۵۶۹ھ/ ۱۱۷۴ء میں کوٹ کروڑ کے مقام پر (جس کا پرانا نام دیپال گڑھ تھا) میں ایک کامل ==

==بزرگ، ولی اللہ اور قاضی القضاء مخدوم سیّد وحید الدین احمد غوث اور سیّدہ جنت جیلانی (آپ بی بی شیخ سیّد عبد القادر جیلانی کی نسل سے تھیں) کے ہاں ہوئی۔ پیدائش کے وقت ہی سے بزرگی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ کے والدین نے آپ کا نام ''رشید الدین'' رکھا۔

آپ نے خالص علمی و روحانی اور صوفیانہ ماحول میں آنکھیں کھولیں اور بہت کم عمری میں مروجہ علوم کے مراحل طے کر لئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت مخدوم سید وحید الدین احمد غوثؒ اور مولانا ناصر الدین بلخیؒ سے کوٹ کروڑ میں ہی حاصل کی، ۱۵/ سال کی عمر میں قرآن پاک کا حفظ مکمل کر لیا۔ بعد ازاں آپ نے ملتان کا رخ کیا جو اس وقت عالم اسلام کا ایک عظیم گڑھ بن چکا تھا۔ بعد ازاں مزید حصول علم کے لیے آپ اپنے سات خدمت گاروں کے ہمراہ ملتان سے مکہ، مدینہ، خراسان، بغداد، بخارا، ہمدان اور بلخ کا سفر کیا، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور مدینہ پاک میں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور پانچ سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے اور وہاں موجود جید علما سے علم حاصل کیا پھر مختلف وفود کو حدیث وفقہ سے متعلق درس بھی دیتے رہے۔ پانچ سال مدینہ میں رہنے کے بعد آپ مکہ تشریف لے گئے اور حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بیت المقدس کا رخ کیا اور وہاں انبیا کرام کے مزارات پر حاضری دی، وہاں کے بڑے بڑے علماء ومشائخ سے کسب فیض کیا، اور قبلہ اول میں کچھ عرصہ قیام کیا۔

بیت المقدس میں علماء ومشائخ کی صحبت میں رہنے کے بعد آپ جب ہمدان پہنچے تو آپ بے مثل عالم کی حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ اس وقت ہمدان شریف کے اندر سیّد علی بن یوسف ہمدانی موجود تھے جن سے ملاقات کا آپ کو اشارہ ملا تھا۔ مخدوم عبد الرشید حقانی جب آپ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دور سے دیکھتے ہی فرمایا ''اے سیدی! آپ نے اتنی دیر لگا دی، میں کئی دنوں سے آپ کا منتظر ہوں''۔ آپ نے ادب سے گردن جھکا لی اور شیخ کامل نے حلقہ ارادت میں شامل کر لیا۔ آپ تین سال تک بطور خلیفہ اپنے مرشد کامل کی خدمت میں رہے، پھر مرشد کے حکم پر ملتان سے جانب مشرق آ کر قیام کیا۔ اور یہاں ۲۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ابوالفتح مڑل سے قطعہ اراضی خرید کر جنگل و بیابان میں ایک مسجد اور دینی و اخلاقی درس گاہ کی بنیاد رکھی جسے برصغیر میں پہلی اقامتی درس گاہ ہونے کا اعزاز و شرف حاصل ہوا۔ (پہلے یہاں نرسنگ پسر ایسر دیو کا ستھان تھا) اس درس گاہ کا مقصد علمائے حق و مبلغین اسلام اور صوفیائے کرام کی ایک ایسی جماعت تیار کرنا تھا جو لوگوں کی اخلاقی و نظریاتی روحانی و دینی تربیت دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو، یہ درس گاہ جلد ہی اقامتی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گئی۔ اس میں علوم دنیاوی کے ساتھ ساتھ علوم دینی فلسفہ ومنطق معقولات و منقولات کا علم بھی سکھایا اور پڑھایا جاتا تھا۔ نہایت قلیل عرصہ میں مخدوم حقانی کے علم و رشد اور فقر و ولایت کا چرچا چہار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ اکناف عالم سے سعید روحیں کھچ کھچا کر یہاں جمع ہونے لگیں حتیٰ کہ قال اللہ و قال الرسول سے ملتان کے در و دیوار گونجنے لگے۔ آپ کی مجلس میں علماء ومشائخ جمع ہوتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا آپ کی مجلس میں علماء ومشائخ کی ایک جماعت بحث و مناظرہ میں سرگرم تھی حتیٰ کہ سہ پہر گزر گئی کہیں شام کو جا کر اجلاس برخاست ہوا۔ یہ معمول بلاتا==

ان کے ذریعہ برصغیر میں سلسلۂ قادریہ کی بڑی اشاعت ہوئی ان کا مزار ملتان (پاکستان) کے قریب آپ کے نام سے منسوب قصبہ ''مخدوم رشید'' میں مرجع خلائق ہے، اس قصبے کا پرانا نام ''ماڑی پور'' تھا(۹۹)۔

ہندوستان میں حضرت پیران پیرؒ کے خاندانی مشائخ کی آمد

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صاحبزادگان یا پوتے پڑپوتوں میں سے کسی بھی فرد کا ہندوستان آنا ثابت نہیں ہے، البتہ آپ کے خاندانی مشائخ کی آمد کا سلسلہ ہندوستان میں نویں صدی ہجری سے شروع ہوا، جیسا کہ مشہور قادری بزرگ حضرت سید نعمت اللہ ولی قادری (م ۸۳۴ھ/۱۴۳۱ء) کا تذکرہ ملتا ہے، وہ بڑے صاحب کشف وکرامت اور سلسلۂ قادریہ میں بلند درجہ کے حامل تھے، ان کے ورودِ ہند کی قطعی تاریخ تو معلوم نہیں ہے، لیکن صاحب تاریخ فرشتہ نے ان کی وفات ۸۳۴ھ/۱۴۳۱ء درج کی ہے(۱۰۰)، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نویں صدی ہجری کے آغاز یا آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں تشریف لائے ہونگے۔

==بلا تاخیر روزانہ جاری رہتا تھا۔ یہاں سے فارغ التحصیل علما وفضلاء نے اکناف عالم میں پھیل کر تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کا لازوال کارنامہ انجام دیا۔ آپ کی تعلیمات کا عکس آج بھی ان علاقوں کی تہذیبی وثقافتی زندگی میں نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

عمر کے آخری حصے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے اور مریدین سے بھی صرف خاص اوقات میں ملاقات فرماتے، ایک دن آپ اپنے حجرے میں یاد الٰہی میں مصروف تھے، کہ ایک نورانی چہرے والے بزرگ ہاتھ میں ایک پھول لیے آپ کے حجرے کے باہر تشریف لائے اور حجرے کے باہر آپ کے پوتے مخدوم سلطان ایوب قتالؒ سے مخاطب ہوکر کہا کہ یہ پھول حضرت کی خدمت میں پیش کردو، مخدوم سلطان ایوب قتالؒ پہلے تو ہچکچائے اور اس کے بعد وہ پھول لے کر اپنے دادا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا سنایا۔ مخدوم حقانیؒ نے اس پھول کو سونگھا اور اشارہ سمجھ گئے کہ پروردگار کا بلاوا آ گیا ہے۔ آپ نے دو رکعت نفل پڑھی اور آخری سجدے میں ۶۶۹ھ/۱۲۷۱ء میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دی، آپ کے نام سے منسوب قصبہ مخدوم رشید میں قائم کردہ مدرسہ سے ملحقہ اپنے حجرے میں تدفین عمل میں آئی (حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ جلد اول، حقانی اکیڈمی، مخدوم رشید ملتان۔☆ سوانح سلطان العارفین، غوث زماں حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ، انٹرنیٹ وکی پیڈیا سے ماخوذ)

(۹۹) انٹرنیٹ وکی پیڈیا سے ماخوذ بحوالہ حضرت مخدوم عبدالرشید حقانیؒ جلد اول، حقانی اکیڈمی، مخدوم رشید ملتان۔☆ سوانح سلطان العارفین، غوث زماں حضرت مخدوم عبدالرشید حقانی۔

(۱۰۰) خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۸۸، ۱۸۹ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ۔

☆ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حضرت شیخ سید اسماعیل بن سید ابدال گیلانیؒ (م ۹۹۴ھ/۱۵۸۶ء مزار قلعہ رتھوڑ) کے حالات کے ضمن میں صاحب اخبار الاخیار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

''سب سے پہلے سید اسماعیلؒ کے بزرگ ہندوستان تشریف لائے، ان سے پہلے حضرت غوث کی اولاد میں سے کسی نے ہندوستان کی جانب رخ نہیں کیا تھا، اگر کیا بھی تھا تو قیام نہیں کیا تھا، آپ کی ذات بابرکات سے ایک خلق کثیر نے علم وہدایت سے حصۂ وافر حاصل کیا'' (۱۰۱)

☆ حضرت سید عطاء اللہ گیلانی بغدادیؒ ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء میں بغداد سے بہار شریف تشریف لائے تھے، سلسلۂ چشتیہ کا خرقہ انہوں نے حضرت نور قطب عالم پنڈویؒ سے حاصل کیا تھا، ان کا نسبی سلسلہ بھی یہاں قائم ہوا اور سلسلۂ طریقت بھی جاری ہوا، وفات ۸۶۰ھ/۱۴۵۶ء میں ہوئی، مزار مبارک بہار شریف میں ودیا ندی کے کنارے ہے (۱۰۲)۔

☆ صوبہ بہار کے دوسرے قادری النسب بزرگ حضرت سیدنا امیر محمد قادری بغدادیؒ ہیں، جو مجھر شریف ضلع اورنگ آباد (بہار) میں اقامت پذیر ہوئے، ان کے ورود ہند کی تاریخ حسب روایت خاندانی ۸۴۶ھ/۱۴۴۲ء ہے، وفات ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء میں ہوئی، ان کا خاندان صوبۂ بہار میں مشہور ومعروف ہے، اور سلسلۂ طریقت بھی جاری ہے۔ (۱۰۳)

☆ اسی طرح مشہور قادری بزرگ حضرت سید محمد غوث قادری حلبی گیلانیؒ (م ۹۳۳ھ/۱۵۲۷ء) ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں ہندوستان تشریف لائے، اور اچ (موجودہ پاکستان) کے مقام پر قیام فرمایا، اور سلسلۂ قادریہ میں کافی شہرت پائی (۱۰۴)۔

---

(۱۰۱) خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۰۹ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ۔

(۱۰۲) سیرت پیر مجیبؒ ص ۱۰۴، ۱۰۵ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری

(۱۰۳) سیرت پیر مجیبؒ ص ۱۰۵ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری

(۱۰۴) مشاہیر واکابر سادات حسنی سے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے نسبت آبائی رکھتے ہیں، عبادت وریاضت اور زہد وتقویٰ میں یکتائے روزگار تھے، والد ماجد کا نام سید شمس الدین بن سید شاہ میر بغدادی گیلانیؒ ہے، حلب میں پیدا ہوئے، تعلیم وتربیت والد ماجد سے حاصل کی، پھر مختلف ممالک کی سیر وسیاحت کرتے ہوئے کچھ دن لاہور میں قیام فرمایا، پھر حلب واپس ہوئے اور والد ماجد سے اقلیم ہند میں کسی جگہ سکونت اختیار کرنے کی اجازت طلب کی، والد صاحب کی وفات کے بعد خراسان اور ملتان ہوتے ہوئے ۸۷ھ میں اوچ کے مقام پر سکونت اختیار کی، اس وقت ==

☆حضرت سید تاج الدین محمود قادریؒ تقریباً ۸۹۹ھ/ ۱۴۹۴ء میں بنگال تشریف لائے، جو ساتویں پشت میں حضرت غوث اعظمؒ کے پوتے ہیں، انہوں نے یہاں سلسلۂ قادریہ جاری کیا پھر کچھ عرصہ بعد بغداد واپس ہوگئے اور یہاں تزکیہ وارشاد کی خدمت اپنے صاحبزادے حضرت سید ابو الحیات قادریؒ کے سپرد کر گئے، سید ابو الحیات اور ان کے قابل فخر فرزند حضرت سید قمیص اعظم قادریؒ (م ۹۹۲ھ/ ۱۵۸۴ء) سے ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کو بہت فروغ ملا، خاص طور پر بنگال، بہار، پنجاب، یوپی اور سندھ میں ان کی نسل اور سلسلۂ طریق دونوں کی بڑی اشاعت ہوئی، یہ سلسلہ قادریہ قمیصیہ کہلاتا ہے، جس میں غوث اعظمؒ کی آبائی نسبت (سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوستؒ) کو ترجیح حاصل ہے، اس سلسلہ کی اشاعت پنجاب میں حضرت قمیصؒ کی اولاد واحفاد سے، یوپی میں حضرت مولانا سید وارث رسول نما بنارسیؒ سے اور بہار میں خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ذریعہ ہوئی (۱۰۵)۔

☆اس موقعہ پر اسی دور کے خانوادۂ قادری کے مشہور ومعروف بزرگ حضرت سید بہاء الدین گیلانیؒ المعروف بہاول شیر قلندر (م ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۶ء) کا ذکر بھی بطور خاص کیا جانا چاہئے جو بغداد سے آکر ہندوستان کے شہر بدایون (یوپی) میں آباد ہوگئے تھے، کہا جاتا ہے کہ مشائخ قادریہ میں ان سے زیادہ لمبی عمر کسی نے نہیں پائی، مشہور ہے کہ کم وبیش دوسو (۲۰۰) سال کی عمر پائی، روایت ہے کہ ایک سو (۱۰۰) برس کی عمر میں آپ کو ڈاڑھی نکلی تھی، تین مرتبہ بارہ بارہ (۱۲) سال کی خلوت میں بیٹھے تھے، ایک دفعہ حالت استغراق وجذب وسکر میں اتنا طویل عرصہ ایک غار میں بیٹھے کہ جس پتھر کے ساتھ پشت تکیہ گاہ تھی جب وہاں سے اٹھے تو پشت کا کچھ چمڑا اس پتھر کے ساتھ لگا رہ گیا، یہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا عہد تھا (۱۰۶)۔

==شاہ حسین لنگاہی (م ۹۰۸ھ) ملتان وسندھ کا حاکم تھا اور سلطان سکندر لودھی (م ۹۲۳ھ) بادشاہ ہند تھا، یہ دونوں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، آپ کے وجود مسعود سے سلسلۂ قادریہ ہندوستان میں پھیلا، آپ شاعر بھی تھے، قادری تخلص کرتے تھے، حاکم ملتان شاہ حسین لنگاہی نے خواب میں حضرت غوث پاک کے اشارہ پر اپنی دختر کا نکاح آپ سے کردیا، مگر اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی، کچھ عرصہ کے بعد ممتاز بزرگ سید ابوالفتح حسینیؒ کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا جن سے چار لڑکے پیدا ہوئے، حضرت سید محمد غوث کی وفات ۹۲۳ھ میں ہوئی، مزار مبارک اوچ میں زیارت گاہ خلائق ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۸۹ تا ۱۹۱ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ)

(۱۰۵) سیرت پیر مجیبؒ ص ۱۰۵ تا ۱۰۷ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی۔

(۱۰۶) اسم گرامی ''بہاء الدین'' اور لقب بہاول شیر ہے، والد کا نام سید محمود بن سید علاء الدین تھا، سلسلۂ نسب حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ تک پہونچتا ہے، بغداد میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد اور پھوپھی نقل مکان کر کے ہندوستان ==

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ-تعارف، مزاج ومذاق اور خصوصیات

سلسلۂ قادریہ ہی کی ایک شاخ سلسلۂ قادریہ رزاقیہ ہے جو حضرت سید شاہ عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ (ولادت ۱۰۴۴ھ یا ۱۰۴۶ھ یا ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۴ء یا ۱۶۳۶ء یا ۱۶۳۸ء-وفات ۵/شوال المکرم ۱۱۳۶ھ مطابق ۶/جولائی ۱۷۲۴ء)مقام بانسہ شریف ضلع بارہ بنکی یوپی)(۱۰۷) کی طرف منسوب ہے۔

== آکر شہر بدایون میں سکونت پذیر ہوئے تعلیم وتربیت اپنے والد بزرگوار سے پائی، والد کی وفات کے بعد پھوپھی نے جو اپنے وقت کی زاہدہ وعابدہ خاتون تھیں سایۂ عاطفت میں لے لیا علم وفضل، زہدوتقویٰ، عبادت ومجاہدہ اور خوارق وکرامات میں مشائخ قادریہ میں درجۂ بلند رکھتے تھے، جذب وسکر اور ذوق وشوق کا طبیعت پر غلبہ تھا، آپ نے بڑی لمبی عمر پائی، آپ کی ایک کرامت یہ نقل کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ آپ خلوت سے اٹھ کر اس مقام پر آبیٹھے جہاں اب قصبہ حجرہ آباد ہے، اس وقت یہاں دریا بہتا تھا، دریا کے کنارے آپ نے ایک جھونپڑی بنائی اور عبادت میں مصروف ہوگئے، زمینداران قوم دھول جن کی ملکیت میں وہ زمین تھی، نے آپ کو وہاں سے اٹھ جانے کے لئے کہا، حضرت نے وہاں سے کچھ دور جاکر قیام کرلیا، وہاں بھی یہی معاملہ پیش آیا، حضرت کو جلال آگیا، اور دریا کو حکم دیا کہ یہاں سے ہٹ جائے اور ہمارے رہنے کے لئے جگہ خالی کردے، دریا اسی وقت وہاں سے دور چلا گیا، اور درمیان میں ایک بلند ٹیلہ نمودار ہوا، جس پر آپ نے قیام فرمایا، زمینداروں نے یہ منظر دیکھا تو معافی مانگی اور حضرت کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے، ۱۸/شوال المکرم ۹۷۳ھ مطابق ۱۷/مئی ۱۵۶۶ء کو بعہد جلال الدین محمد اکبر وفات پائی اور کم وبیش دوسوسال کی عمر پائی (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۹۸، ۱۹۹ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری)

(۱۰۷)-حضرت سید شاہ عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ سلسلۂ قادریہ کے اکابر مشائخ میں گذرے ہیں، حسینی سادات سے ہیں، پچیس (۲۵) واسطوں سے آپ کا نسب حضرت امام محمد باقرؒ تک پہونچتا ہے، آپ کے مورث اعلیٰ سید معین الدین اولاد سید امیر کلال جو سلسلۂ نقشبندیہ کے پیر تھے، بدخشاں سے خلجی دور حکومت میں وارد ہوئے تھے، سلطان دہلی نہایت اعزاز سے پیش آیا اور مبارز خاں کے خطاب سے نوازا، اور ایک بغاوت کو فرو کرنے کے انعام میں ان کے صاحبزادہ سید معزالدین کو سلطان نے سورجپور بہریلہ کی ریاست بطور انعام دے دی، جو چار پانچ پشتوں تک اس خاندان میں باقی رہی، بعد میں مغلوب خاندان کے ایک شخص نے تقرب سلطانی کے ذریعہ اس ریاست کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کرلی، اور آپ کے پورے خاندان کو شہید کردیا، صرف دو مستورات اپنے میکے گئی ہوئی تھیں وہ بچ گئیں، اور وہ حاملہ تھیں، ان میں ایک آپ کی دادی تھیں، ان سے آپ کے والد سید عبدالرحیم پیدا ہوئے، اور اس طرح یہ خاندان مٹنے سے بچ گیا، کچھ تھوڑی بہت زمینداری بھی رہ گئی۔

آپ اپنے والد کے تیسرے فرزند ہیں، ولادت عہد شاہجہانی ۱۰۴۸ھ مطابق ۱۶۳۸ء میں (تقریباً-عمر کے بارے میں اختلافات کے پیش نظر) موضع رسول پور متصل موضع محمود آباد (مضافات قصبہ دریاباد ضلع بارہ بنکی) میں ہوئی، ==

==والدین کی وفات کے بعد اپنے نانیہال بانسہ شریف میں بود و بوش اختیار کی، جہاں ترکہ میں کچھ زمینداری ان کی والدہ کے حصے میں آئی تھی، آپ کے چھوٹے بھائی سید محمد یسین اپنے دادیہال رسول پور ہی میں رہے، جہاں ان کے والد کی زمینداری تھی، آپ کے بھائی سید ابوتراب بھی بانسہ ہی منتقل ہو گئے، آپ کا گھرانہ کوئی علمی یا روحانی گھرانہ نہیں تھا، اور نہ آپ کے آباء واجداد میں کسی کو روحانیت سے کوئی رابطہ تھا، زمیندارانہ ماحول تھا، علاقے کے بڑے زمینداروں اور کبھی سرکاری اہلکاروں سے آویزشیں بھی رہا کرتی تھیں، ظاہر ہے کہ اس ماحول میں بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف دھیان دینا بہت مشکل امر تھا، اسی لئے آپ کے پوتے شاہ غلام حسن رزاقی رودولوی ؒ کا بیان ہے کہ:

''حضرت سید صاحب نے قرآن شریف سورۂ **الھٰکم التکاثر** (پارۂ عم) تک بس پڑھا تھا۔

الغرض اسی دنیاوی ماحول میں آپ نے ناظرہ قرآن کریم تک ابتدائی تعلیم گاؤں رسول پور کے مقامی مکتب میں حاصل کی، بقیہ تعلیم کے لئے ''ردولی شریف'' (ضلع بارہ بنکی رسول پور سے چودہ (۱۴) کوس کی دوری پر واقع ہے) کا سفر کیا، جو آپ کی معتبر سوانح کے مطابق تعلیم سے زیادہ خاندان کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کے لئے اختیار کیا گیا تھا--- آپ کے والد نے ایک خادم (نائی) ساتھ کر دیا تھا ابھی راستے ہی میں (موضع چندن پور متصل علی آباد رودولی سے چار کوس قبل) تھے کہ نائی نے آپ کو ایک درخت کے نیچے بٹھا کر گاؤں میں ایک رشتہ دار عورت کی خبر گیری کے لئے چلا گیا، تاکہ سید صاحب کے لئے کچھ کھانے پینے کا بھی انتظام کرے، اسی دوران آپ کے دشمن گھرانے کے ایک شخص کی آپ پر نظر پڑی اور آپ کو اکیلا پا کر غلط ارادہ سے آگے بڑھنا چاہا کہ اچانک رجال غیب میں سے ایک درویش شخصیت نمودار ہوئی، جن کا اسم گرامی معتبر تذکروں کے مطابق شاہ عنایت اللہ سیاح ؒ تھا، انہوں نے آپ کو نام لے کر پکارا، اس سے آپ کو کچھ سکون ملا، اور اس سوار دشمن نے فرار میں عافیت سمجھی، درویش نے وہیں درخت کے نیچے مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے بعد درویش نے اپنا برتن دیا کہ سامنے تالاب سے پانی لے آؤ، آپ نے خدمت انجام دی، درویش نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ''یوسف زلیخا'' کتاب تھی، آپ نے کتاب کا نام بتایا، درویش نے کہا کہ تم کو کیا مطلب کہ یوسف ؑ کیسے تھے؟ اور زلیخا نے کیا کیا تھا؟ اللہ نے تمہیں اپنے کام کے لئے پیدا کیا ہے۔ اسی دوران ایک شخص اپنی بھینس ڈھونڈتا ہوا ادھر آ نکلا، شاہ صاحب نے کہا: جاوہ تیرے گھر پر ہے، وہ واپس ہوا تو واقعی بھینس کو گھر پر پایا، اظہار تشکر کے لئے تھوڑا کھانا لے کر شاہ صاحب کے سامنے پیش کیا، وہ کھانا انہوں نے سید صاحب کو دے دیا کہ تم کھا جاؤ، رات زیادہ ہو گئی تھی مگر وہ نائی واپس نہیں آیا، اللہ پاک نے سید صاحب کی حفاظت کے لئے شاہ صاحب کو فرشتۂ رحمت بنا کر بھیج دیا، سردیوں کی رات تھی، شاہ صاحب نے اپنی گلیم آپ پر ڈال دی اور فرمایا، سو جاؤ، آپ سو گئے، آخر شب اس نائی کی آہٹ محسوس ہوئی تو درویش نے اپنی کملی کھینچ لی اور روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گیا، سید صاحب کی آنکھ کھل گئی، آپ پر ان کے احسان اور بزرگی کا نقش بیٹھ چکا تھا، آپ نے ان کے ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی، مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ابھی تم بچے ہو، تمہارے گھر والے پریشان==

== ہوجائیں گے، آپ نے پوچھا، پھر کب ملاقات ہوگی، انہوں نے کہا، اب ہماری ملاقات دکن میں ہوگی، اس کے بعد وہ مرد غیب تھوڑی دور آگے جاکر روپوش ہوگیا۔

سید صاحبؒ درویش کے چلے جانے کے بعد ملازم کے ہمراہ گھر واپس ہوگئے، مگر اس کے جملوں اور تھوڑی دیر کی مصاحبت کا اثر ان پر باقی رہا (تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۴۰ تا ۵۴ مرتبہ محمد رضا انصاری)

اسی کا نتیجہ تھا کہ کتابوں سے ان کی الفت ختم ہوگئی، اور جان ودل کسی دلدار کی تلاش کے لئے بے چین ہوگئے، بقول شاعر ؎

صد کتاب وصد ورق درنار کن جان ودل با جانب دلدار کن

کچھ دنوں کے بعد ان کے قلب میں تصوف واحسان کا رجحان بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوا، اور وہ کسی مرد کامل کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے، اسی درمیان معاشی مقاصد کے تحت انہوں نے دکن کا سفر اختیار کیا، اور وہاں سات سال مقیم رہ کر بانسہ واپس ہوئے، اس دوران والدین رحلت کرچکے تھے، آپ کے بھائیوں نے آپ کی شادی کرادی، مگر ایک سال کے بعد ہی پھر سیاحت کے لئے نکل گئے، آپ کو مرد خدا کی تلاش تھی، خواب میں حضرت علیؓ کی زیارت ہوئی، اور احمد آباد حضرت میر عبدالصمد خدا نماؒ کی خدمت میں حاضری کا حکم ملا، چنانچہ آپ احمد آباد گجرات کے لئے نکل پڑے، احمد آباد حضرت میر عبدالصمدؒ (خدانما) کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو انہوں نے دیکھتے ہی فرمایا: کہ عبدالرزاق! تمہارا مجھے بہت انتظار تھا، آپ ان سے بیعت ہوگئے، اور طریقۂ صوفیا کی تعلیم حاصل کی اور مشرف بخلافت ہوکر واپس ہوئے، واپسی پر انہیں حکم ملا کہ دہلی میں میرے دوست حضرت سید حسن رسول نما (م ۱۱۰۳ھ/ ۱۶۹۲ء) سے ملتے ہوئے جاؤ، چنانچہ آپ تعمیل حکم میں دہلی پہونچے اور ڈھونڈھتے ہوئے حضرت حسن رسول نماؒ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے، حضرت حسن رسول نما نے آپ کو دیکھ کر اپنے لوگوں کے سامنے ارشاد فرمایا:

''اس مرد سپاہی کو دیکھو بے محبوب نہیں رہتا، پگڑی اپنی بیچتا ہے محبوب کو بغل میں لئے ہے''

بوقت رخصت حضرت حسن رسول نما نے ہدایت فرمائی کہ ''ایسا نہ ہونا چاہئے کہ خوب شکم سیر ہوکر کھائے اور پیر پھیلاکر سورہے اور کسی فقیر کو بدنام کرے''

وہاں سے رخصت ہوکر بریلی میں اپنا تھیلہ سات (۷) روپے میں فروخت کیا، پھر موضع تلھڑ یا شاہجہاں پور کی مسجد میں قیام کیا اور وہاں سلسلۂ نقشبندیہ کے ایک شیخ سے استفادہ کرکے بانسہ تشریف لائے، اور یہاں اپنی مسند ارشاد قائم کی، اور خالص متوکلانہ زندگی گذاری، کسی کے عطایا پر تکیہ نہ کیا، سپاہی کی نوکری کرتے تھے، جو کمایا اس میں سے خود بھی کھایا اور دوسروں کی ضروریات بھی پوری کیں، ایک بار سید صاحب کے توکل اور کمالات روحانی کی خبر سن کر بادشاہ دہلی محمد شاہ (۱۱۳۰ھ تا ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۱۸ء تا ۱۷۴۸ء) نے پانچ مواضعات کی سند معافی از راہ عقیدت جاری کردی، اور یہ سند مولوی سید شاہ محمد نافع کے توسط سے آپ کو بھیجی، آپ نے فرمان لے کر چاک کرڈالا، اور فرمایا کہ ''ملکیت خالق ==

==ورزاق میں کس چیز کی کمی ہے جو میں مخلوق سے کسی چیز کا طالب بنوں'' (قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت ص ۷ تا ۱۷ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ بحوالہ کرامات رزاقیہ، وبحر ذخار، ملفوظ رزاقی وغیرہ)

آپ بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، اس لئے خلق خدا کا کافی رجوع ہوا، متعدد اکابر علماء بھی آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ، مثلاً ملا نظام الدین بن قطب الدین سہالویؒ (بانی درس نظامی)، مولانا محمد رضا، شیخ احمد عبدالحق، شیخ کمال الدین بن محمد دولت فتحپوری اور شیخ اسماعیل بن ابراہیم الحسینی البلگرامی وغیرہ،

آپ کی وفات اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں (علیٰ اختلاف الروایت-ایک روایت بانوے سال کی بھی ہے) ۵/شوال المکرم ۱۱۳۶ھ م ۶/جولائی ۱۷۲۴ء کو محمد شاہ دہلوی کے عہد حکومت میں ہوئی، اور بانسہ شریف محلہ کٹرا میں مدفون ہوئے (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام للعلامۃ السید عبدالحی بن فخر الدین الحسنی (متوفی ۱۳۴۱ھ م ۱۹۲۳ء) ج ۶ ص ۷۴۶ ط دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ م ۱۹۹۹ء۔ وتذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۴۰ تا ۵۴ مرتبہ محمد رضا انصاری)

آپ کو ''بے کمر'' آپ کی ایک مشہور کرامت کی بنا پر کہا جاتا ہے، جس کا ذکر آپ کے اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے، آپ کے سب سے معتبر سوانح نگار اور مشہور مرید وخلیفہ حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ بانی درس نظامی تحریر فرماتے ہیں:

> ''ایک عالم دین کی مجلس میں معجزات زیر بحث تھے، اس معجزے پر جو حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہراءؓ سے (صحابۂ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین کی سماعت کے ذریعہ) منقول ہے کہ:
> حضرت بی بی فاطمہؓ نے مشاہدہ فرمایا کہ پیغمبر خدا صلوات اللہ علیہ وآلہ کی چادر مبارک پیچھے سے سامنے کھینچتے تو جسم اطہر حائل نہ ہوتا، بلا تکلف ایک طرف سے دوسری طرف چلی آتی ، لوگ حیرت کا اظہار کر رہے تھے، (یقین نہیں کر رہے تھے) حضرت شیخ قدس سرہ الاصفیٰ نے (حضرت سید صاحبؒ نے جو اس محفل میں تشریف فرما تھے) فرمایا:
> ''حضرت رسول خدا صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الطاہرین کے فیض سے آج بھی آپ کی امانت کے حاملین سے جو آپ کے باطنی خلفاء ہیں ایسا ہونا ممکن ہے، پھر فرمایا کھینچو میری چادر!
> لوگوں نے (حضرت کی کمر میں لپٹی چادر کو) کھینچا اور ایسا ہی انہوں نے پایا۔
> چادر کے دونوں سرے کو لوگوں نے پکڑ کر کھینچا اندام مبارک رکاوٹ ثابت نہیں ہوا
>
> (مناقب ۵۲، ۵۳)

یہ واقعہ کہاں اور کس پس منظر میں پیش آیا ملا صاحبؒ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن ''کرامات رزاقیہ'' میں یہ واقعہ ==

== تھوڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے:

''حضرت موہان (ضلع اناؤ) میں تشریف رکھتے تھے، ندی کے کنارے پر (سئی ندی پر حسب صراحت ملفوظ رزاقی) وضو کر رہے تھے، کہ اتنے میں حضرت کو الہام ہوا، کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک شخص معجزۂ پیغمبر کا انکار کرتا تھا، اس سبب سے اس کا ایمان تلف ہوسکتا ہے، جاؤ اور اس کے ایمان کی حفاظت کرو۔

حضرت بموجب حکم کے وہاں تشریف لے گئے، (مولانا) ابوالفتح (جن کا نام سید حبیب تھا، قصبہ نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے تھے، اور قاضی ضیاء الدین قاضی جیا نیوتنوی متوفی ۹۸۹ھ/ ۱۵۸۱ء کی اولاد سے تھے)

ایک طالب علم کو پڑھاتے تھے، حضرت مولوی سے ملے، اور ان کی مجلس سے علیحدہ بیٹھ گئے، اور مولوی اس طالب علم کو حدیث پڑھانے لگے، اور اس کے معنی کئے (ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا) کہ جسد (جسم) میرا مثال روح کے ہے ---- تو اس طالب علم نے کہا: جسد اور گوشت اور پوست تو یہی آنجناب میں تھا اور روح منزہ چیز ہے، جسد اس کے برابر نہیں ----

حضرت نے فرمایا: میاں طالب علم! جس طرح مولوی کہتے ہیں اسی طرح ہے، کہ ذات پیغمبر ایسی ہوگذری ہے، کہ بیان سے باہر ہے۔

طالب علم نے کہا: میاں سپاہی! تم اپنی سپاہ گری کی باتیں کرو،

حضرت چپ رہے، پھر مولوی صاحب اس کو سمجھانے لگے،

حضرت نے پھر فرمایا: میاں طالب علم! جو مولوی کہتے ہیں، سچ ہے،

پھر اس نے وہی جواب دیا، ۔۔۔ پھر اس کو مولوی پڑھانے لگے، پھر وہ طالب علم وہی کہتا۔

تب حضرت نے فرمایا: میاں طالب علم! ان کی توجہ سے ان کی امت میں بھی ایسے لوگ ہیں کہ ان کا جسد اور روح یکساں ہے۔

طالب علم نے کہا: تم بھی ان کی امت میں ہو، تمہارا جسد و روح یکساں ہے؟

حضرت نے فرمایا: ہاں! ان کی توجہ سے ہمارا جسد اور روح برابر ہے۔

تو وہ طالب علم اٹھا، حضرت کی چادر جو گوٹ (کمر، پنڈلیوں اور بازو کے اوپر ڈالے) مارے بیٹھے تھے، کھینچ لی، (اور بے روک نکل آئی)

اس کے جی میں آیا کہ خدا جانے انہوں نے کس طرح چادر ڈالی ہوگی، تب حضرت نے فرمایا: تمہارے جی میں شبہ ہوگا، تم اپنی چادر ڈالو اور کھینچو۔

اس نے اپنی چادر ڈالی اور کھینچی چادر نکل آئی تو طالب علم کو یقین ہوگیا ----

مولوی ابوالفتح اٹھے اور پکار کے کہا، جس کو مرید ہونا ہو سو ہووے، پھر ایسا شخص نہیں ملے گا، میں تو خیر آباد کے قطبی میاں ==

آپ نے سلسلۂ قادریہ کو اس وقت سنبھالا جب ہندوستان میں ہر طرف چشت اہل بہشت کا غلغلہ تھا، آپ کے ذریعہ یہ سلسلہ پورے برصغیر میں پھیل گیا، بے شمار لوگ آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، آپ کے خلفاء کی تعداد تئیس (۲۳) بتائی جاتی ہے جن میں آپ کے دونوں صاحبزادے بھی شامل ہیں، یہ حضرات آپ کی نسبت اور فکر کو لے کر اطراف عالم میں پھیل گئے (۱۰۸)، ان میں چند سلسلوں کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور ان کے فیوض عالیہ آج تک جاری ہیں:

== سے بیعت ہو چکا ہوں، مگر پیر ارشادان کو بناؤں گا اور اپنے گھر گئے اور اپنے بیٹے کو لے آئے اور مرید کرادیا''

(تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۵۰ تا ۱۵۲ بحوالہ کرامات رزاقیہ ص ۲۵، ۲۶ نواب محمد خاں شاہجہاں پوری، مطبع مرقع عالم ہردوئی ۱۳۱۹ھ ☆ قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت ص ۱۲ تا ۱۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ)

(۱۰۸) آپ کے تئیس (۲۳) خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) حضرت سید شاہ غلام دوست محمدؒ ابن حضرت بانسہؒ (م ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء)، سلسلۂ بانسہ کی سب سے زیادہ اشاعت آپ ہی کے ذریعہ ہوئی، آپ نے اپنے تینوں صاحبزادگان: ☆ حضرت سید شاہ کرم اللہؒ (م ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۳ء) ☆ سید شاہ رحمت اللہؒ (م ۱۷/ رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ مطابق ۲۲/ اگست ۱۸۸۰ء) ☆ قطب وقت سید شاہ غلام علیؒ (م ۱۲۲۲ھ/ ۱۸۰۷ء) کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، ان تینوں صاحبزادوں میں حضرت شاہ غلام علیؒ سب سے زیادہ کثیر الفیض ہوئے۔

(۲) استاذ الہند ملا نظام الدین محمد فرنگی محلیؒ بانی درس نظامی (م ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) آپ بھی انتہائی کثیر الفیض خلیفہ تھے، بحر العلوم حضرت مولانا عبدالعلی فرنگی محلیؒ آپ کی مسند علمی وروحانی کے جانشین ہوئے۔

(۳) شیخ احمد عبدالحق فرنگی محلیؒ (م ۱۱۶۷ھ/ ۱۷۵۴ء) برادرزادۂ ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ، آپ ہی کے سلسلہ کی آخری کڑیوں میں قریب ایک سو (۱۰۰) سال قبل امام الہند حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ ہوئے، جو اپنی نوع بنوع خدمات وتحریکات کی وجہ سے آج بھی زندۂ جاوید ہیں۔

(۴) سید شاہ میر محمد اسمٰعیل بلگرامی ثم مسولویؒ (م ۱۱۶۳ھ/ ۱۷۵۰ء) ان سے بھی سلسلہ کی غیر معمولی اشاعت ہوئی۔

(۵) شاہ محمد اسحاق خانشاہجہاں پوریؒ (م ۲۲/ ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۷۵۷ء) مرید صادق اور فانی الشیخ تھے، آپ سے بھی سلسلۂ رزاقیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔

(۶) شاہ لعل سرگروہ آزادان، آپ کو شمالی پہاڑی علاقہ نینی تال کی ولایت دی گئی تھی، وہیں موضع کودیاں والا میں مدفون ہیں، سن وفات معلوم نہیں ہے، اس علاقے میں آپ کا سلسلہ جاری وساری ہے۔==

==(۷) سید شاہ منگرے میاں رودولویؒ ابن حضرت بانسہؒ، حضرت سید صاحبؒ کی تیسری بیوی کی واحد اولاد ہیں، آپ کا وصال یوم جمعہ ۶/محرم الحرام ۱۱۶۶ھ مطابق ۱۲/نومبر ۱۷۵۲ء کو ہوا، مزار مبارک محلہ صوفیانہ قصبہ رودولی ضلع بارہ بنکی (یوپی) میں مرجع خلائق ہے۔

(۸) حاجی حافظ محمد مقیم سرحدیؒ، متوطن پنجاب، جالیسر میں مقیم ہو گئے تھے، چھ (۶) مرتبہ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے، وفات ۶/شوال المکرم ۱۱۵۰ھ مطابق ۲۶/جنوری ۱۷۳۸ء کو ہوئی، مزار مبارک بانسہ شریف ہی میں ہے۔

(۹) سید تراب علیؒ، سکنہ رونا ہی ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے، بڑے صاحب کشف تھے، باقی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

(۱۰) ملا محمد رضا فرنگی محلیؒ، برادر اصغر استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ، ابتدا میں حضرت سید صاحب کے بڑے منکر تھے، اور اپنے بھائی ملا نظام الدین کی بیعت بانسہ پر اعتراض کرتے تھے، لیکن پھر بعض مبشرات و منامات کے بعد حضرت بانسویؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ حضرت سے اجازت و خلافت ملنے کے کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، وہاں ایک عرصہ تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیا، اور وہیں وفات پائی، جنۃ البقیع میں مدفون ہیں، تاریخ وفات معلوم نہیں ہے، انہوں نے مسلم الثبوت کی ایک شرح لکھی تھی (نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۸۱۶ مؤلفۃ مولانا عبد الحی لکھنویؒ)

(۱۱) ملا کمال الدین فتح پوریؒ سہالی کے رہنے والے تھے، ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ کے شاگرد تھے، بڑے عالم دین اور بحر العلوم تھے، ابتدا میں حضرت بانسہ کے معتقد نہ تھے، پھر مرید ہوئے اور آپ کے حالات و مشاہدات پر ایک کتاب "مناقب رزاقیہ" تحریر فرمائی، آپ کی وفات ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۱۴/محرم الحرام ۱۱۷۵ھ مطابق ۱۴/اگست ۱۷۶۱ء کو ہوئی، فتح پور (بارہ بنکی) میں آبادی سے باہر آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

(۱۲) شاہ رحمت اللہ صاحبؒ (امروہہ)، قصبہ امروہہ سے بارہ کوس تک کا علاقہ آپ کے زیر ولایت تھا، ۱۵/ربیع الاول ۱۱۶۲ھ مطابق ۴/مارچ ۱۷۴۹ء کو وصال فرمایا، امروہہ میں آپ کا مزار ایک باغ میں محلہ قریشیان کے پاس زیارت گاہ خلق ہے۔

(۱۳) شاہ ولی اللہ رسول نماؒ (جبالا پور مصطفےٰ آباد رام پور) بڑے صاحب کشف و کرامات تھے، استغراقی کیفیت غالب تھی، سن وفات معلوم نہیں۔

(۱۴) قاضی فیض اللہؒ (رامپور)، آپ شہر مصطفےٰ آباد عرف رامپور کے قاضی وقت تھے، اور تاحیات قاضی رہے، بلکہ ان کی نسل میں بھی یہ عہدہ برقرار رہا، آپ کے زمانے میں رامپور کے والی نواب علی محمد خان تھے، رام پور کے محلہ کوچہ قاضی میں آپ کا مزار ہے، سن وفات معلوم نہ ہو سکا۔

(۱۵) شاہ منگرے میاںؒ (بڑا گاؤں، ضلع بارہ بنکی)، بڑے صاحب مقام بزرگ تھے، مزار مبارک بڑا گاؤں==

☆ سلسلۂ رحمانیہ لکھنؤ، صوفی عبدالرحمن لکھنویؒ

☆ سلسلۂ مجیبیہ فرخ آباد، صوفی محمد طالب حسین شاکری فرخ آبادیؒ۔

☆ سلسلۂ وارثیہ دیوہ شریف بارہ بنکی، حضرت حاجی شاہ وارث علیؒ۔

☆ سلسلۂ افتخاریہ کلکتہ بنگال، حضرت مولانا محمد افتخار الحق صدیقیؒ (۱۰۹)۔

☆ سلسلۂ امیریہ حسنیہ، بتوسط خانقاہ منورواشریف بہار، حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ (۱۱۰)

== ضلع بارہ بنکی میں ہے، سن وفات معلوم نہ ہوسکا۔

(۱۶) شاہ رحمت اللہ وسواسیؒ، جالیسر پنجاب کے رہنے والے تھے، سید صاحب کے صاحبزادے سید شاہ غلام دوست محمدؒ کی تعلیم وتربیت پر مامور رہے، تاریخ وفات اور مدفن معلوم نہ ہوسکا۔

(۱۷) شاہ ابوالخیر سدھاری میاں قدوائیؒ (دریابادی) مخدوم محمد آبکش صاحب ولایت دریاباد کی اولاد سے تھے، بڑے صاحب کشف وکرامات تھے مزار مبارک احاطہ پیارے بی بی دریاباد میں واقع ہے سن وفات معلوم نہیں ہے۔

(۱۸) شاہ محمد مرادؒ، بڑا گاؤں، بارہ بنکی کے رہنے والے تھے، صاحب مقام تھے، سن وفات معلوم نہیں ہے

(۱۹) شاہ انور لکھنویؒ۔

(۲۰) مولوی عبداللہ صاحبؒ۔

(۲۱) مولوی نعیم اللہ صاحبؒ (سہارن پور)

(۲۲) شاہ ہیبت اللہ قدوائیؒ،

(۲۴) شاہ غلام حسین قدوائیؒ، آپ کا مزار درگاہ بانسہ کے احاطہ میں ہے۔

ان میں اول الذکر نو (۹) اصحاب کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت ص ۱۲ تا ۱۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ)

(۱۰۹) سوانح حیات سلسلۂ بانسہ شریف، یہ چھبیس (۲۶) صفحات کا ایک رسالہ ہے، میرے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے، جس میں چند مشہور سلاسل رزاقیہ کے شجرات جمع کئے گئے ہیں، مگر اس رسالہ کا سرورق غائب ہے اس لئے اس کے مرتب اور ناشر وغیرہ کی تفصیلات معلوم نہ ہوسکیں۔

(۱۱۰) یہی نسبت حضرت منورویؒ تک پہونچی، اور آپ کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوئی، حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ آپ کے نانا تھے، ان کو یہ نسبت بانسہ شریف سے ملی تھی، تفصیل آگے آرہی ہے۔

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ کی بعض اہم خصوصیات

☆ سلسلۂ قادریہ رزاقیہ میں اتباع شریعت کے ساتھ عشق و سرمستی اور فنائیت و دنیا بے زاری کا رنگ بہت گہرا ہے، اس سلسلہ کے اکثر اکابر دنیا سے بے تعلق اور منصب و شہرت کی دوڑ سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔

☆ توکل اس سلسلہ کا خاص وصف ہے، لوگوں سے امیدیں قائم کرنے بلکہ اکثر ان کے تحائف قبول کرنے سے بھی یہ لوگ احتیاط کرتے ہیں، اور اپنی محنت سے رزق کے حصول کا اہتمام کرتے ہیں۔

☆ اس سلسلہ کو اہل علم کے یہاں بھی بڑی قبولیت حاصل ہوئی، گوکہ اس طریق کے مرشد اول زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن شروع سے ہی اس سے بڑے بڑے اصحاب علم و تصنیف وابستہ رہے ہیں۔ پورا فرنگی محل خاندان جس نے اس ملک کو ایک مضبوط تعلیمی نظام دیا حضرت بانسویؒ کے وقت سے ہی اسی سلسلہ سے وابستہ رہا ہے، اور یہ تسلسل آج بھی قائم ہے۔

☆ اس سلسلہ کا خاص فیض یہ ہے کہ جو سالکین سلسلۂ رزاقیہ کے حقیقی مذاق سے آشنا ہو جاتے ہیں ان کو علم لدنی اور علم الاسرار سے بھی حصۂ وافر مل جاتا ہے اور اکثر ان کی زبان سے کلمات حکمت جاری ہونے لگتے ہیں۔

☆ اس سلسلہ کے اکابر عام سادہ لباس میں رہتے ہیں، ان کا کوئی مخصوص لباس یا وضع قطع نہیں ہے، ایک عام دیہاتی طرز زندگی میں بھی بڑے بڑے کاملین ہوئے ہیں، خود حضرت بانسویؒ عام سپاہیانہ لباس میں رہتے تھے، ان کو دیکھ کر اندازہ کرنا مشکل تھا کہ یہ کوئی اللہ والے بھی ہو سکتے ہیں۔

☆ اس سلسلہ کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ مشاغل دنیا کے ساتھ بھی مدارج سلوک طے کئے جا سکتے ہیں، مرید کے لئے فوری طور پر تمام کاموں سے کنارہ کش ہو کر خلوت گزیں ہونا یا چلہ کشی اختیار کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کی ادائیگی کے ساتھ بھی اشغال باطنی کی انجام دہی ممکن ہے، جیسا کہ حضرت بانسویؒ جب حضرت میر عبدالصمد خدانما (م ۱۱/ ربیع الثانی ۱۱۰۹ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۱۶۹۷ء) سے بیعت ہوئے تو آپ کے پیر و مرشد نے آپ کو چلہ کشی کا حکم نہیں دیا، بلکہ فرمایا کہ "ان کو چلہ کشی کی حاجت نہیں ہے جو اولیاء کو خلوت اور چلہ کشی میں حاصل ہوتا ہے وہ ان کو گھوڑے کی پیٹھ پر حاصل ہوگا" (۱۱۱)

(۱۱۱) قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت و خلافت ص ۱۱ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ)

عرس بانسہ کی حقیقت

☆ سلسلۂ قادریہ کے عام مزاج کے مطابق سلسلۂ رزاقیہ میں بھی سماع وقوالی وغیرہ شامل نہیں ہے، گوکہ ذاتی طور حضرت بانسویؒ کو سماع کا ذوق تھا، لیکن غالباً اس کو ان کی خاص کیفیت پر محول کیا گیا اور سلسلہ میں داخل نہیں کیا گیا، ان حضرات کے یہاں عرس کا لفظ بکثرت بولا جاتا ہے، مگر وہ آج کل کے مروجہ معنیٰ میں نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب صرف تاریخ مقررہ پر قرآن خوانی، ایصال ثواب اور تقسیم تبرک تک محدود ہے، جیسا کہ سلسلۂ رزاقیہ کے محرم اسرار، صاحب نسبت اور محقق عالم دین حضرت مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلیؒ (جو خود خانقاہ بانسہ کے منتظمین میں سے بھی ہوتے تھے) نے اپنی کتاب ''عرس حضرت بانسہؒ'' میں اس کی وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

''عرس میں شب ششم کو قرآن خوانی ہوتی ہے، اور تقسیم تبرک کیا جاتا ہے، اور کچھ نہیں ہوتا، محفل سماع کا دستور آستانہ کی طرف سے نہیں ہے، اگرچہ کہ حضرت کو ذوق سماع سے بہت تھا، یہ تفصیل ہے عرس حضرت بانسہ کی رضی اللہ عنہ وعن اتباعہ اجمعین'' (۱۱۲)

طبقۂ ملامتیہ یا قلندریہ سے قربت

☆ سلسلۂ رزاقیہ کی ایک اور بڑی خصوصیت اس کی وسیع المشربی ہے، یہاں صوفیاء کے اس طبقہ کا بھی ہر طرح احترام کیا جاتا ہے بلکہ یک گونہ قربت پائی جاتی ہے جن کو اصطلاح میں ''ملامتیہ طبقہ'' یا ''قلندر'' کہا جاتا ہے، اور ارباب معارف کی تقسیم میں اس کو ''امناء'' کا بھی نام دیا گیا ہے۔

ملامتیہ فرقہ عارفین حق کا وہ گروہ ہے جو اپنے احوال کو نہ صرف لوگوں سے چھپاتا ہے بلکہ اپنے نقائص کو ظاہر بھی کرتا ہے، تاکہ لوگ اس سے قریب نہ ہوں اور ان کی مشغولی حق میں خلل واقع نہ ہو، شمائم امدادیہ میں ہے:

''اور جاننا چاہئے کہ ''امناء'' ملامتیہ ہیں، اور وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے باطنی حالات سے کوئی اثر ظاہر پر ظہور نہیں کرتا ہے، بلکہ ظاہر ان کا اکثر ارباب ظاہر کی نظر میں خلاف شرع شریف کرے معلوم ہوتا ہے، اور حاشا کہ کوئی امر خلاف شرع شریف کرے کیونکہ مدار ترقی باطن وقرب الٰہی وابستہ اتباع سنت سنیہ پر ہے، ---اور جو کہ نظر ارباب

(۱۱۲) عرس حضرت بانسہ ص ۲۹ مؤلفہ حضرت مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلیؒ، ناشر قادری بک ایجنسی لکھنؤ، ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء

ظواہر میں معلوم ہوتا ہے، قصور وادراک ان کا ہے نہ نقصان بزرگاں ---نفس الا مر میں فی الواقع مخالف شرع ہونا امر دیگر ہے، اور نظر ناقصاں میں کچھ خلاف معلوم ہونا امر دیگر ہے، والعیب فی الاول لافی الثانی (برائی پہلی شکل میں ہے نہ کہ دوسری میں) اوران کا اس رنگ میں رہنا بھی ایک بھید ہے کہ اس کا اظہار خلاف مصلحت عظیم ہے البتہ یہ لوگ رشد وہدایت کے قابل نہیں ہیں اگر چہ بعض خواہش مند تعلیم وتلقین بھی ان سے ہوتے ہیں، لیکن راقم (مؤلف رسالہ نفحات مکیہ) کے گمان میں ان کے مسترشدین کو خوف ضرر ہی بہت ہے بمقابلہ امید نفع کے، واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اکمل واتم"

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے الفاظ میں:

"ایک شخص نے حاضرین سے عرض کیا کہ صوفی کون ہے اور ملامتی کون ہے؟ فرمایا: صوفی وہ ہے کہ سوائے اللہ کے دنیا وخلق سے مشغول نہ ہو اور رد وقبول مخلوق کی پرواہ نہ رکھے، اور مدح وذم اس کے نزدیک برابر ہو اور ملامتی وہ ہے کہ نیکی کو چھپائے اور بدی کو ظاہر کرے" (۱۱۳)

حضرت عبدالرحمن جامیؒ لکھتے ہیں:

ملامتیہ گروہ وہ کہلاتا ہے جو اخلاص کے معنی اور صدق کے قاعدے کی نگرانی میں پوری جدوجہد کرتا ہے، اور اپنی عبادت وریاضت کو مخلوق کی نظروں سے چھپانا لازم سمجھتا ہے، اسی کے ساتھ اعمال خیر کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا، جس طرح گنہ گار اپنے گناہ کے افشاء سے ڈرتا ہے اسی طرح یہ گروہ اپنی عبادت اور لوازم بندگی کے اظہار اور افشاء سے ڈرتا ہے، تاکہ اخلاص کا قاعدہ نہ ٹوٹ جائے۔

یہ گروہ بہت ہی نادر الوجود اور شریف الحال ہے لیکن مخلوق کے وجود کا حجاب کامل طور پر ان کی نظروں سے نہیں اٹھا ہے، اس لئے وہ جمال توحید کے مشاہدہ اور عین تفرید مجرد کے معائنہ میں پردہ کے اندر بیٹھے ہیں، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ اپنے احوال واعمال

(۱۱۳) شمائم امدادیہ ترجمہ اردو نفحات مکیہ من مآثر امدادیہ ص ۴۱، ۴۲، ۵۲، ۵۳ (احوال وافادات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ (م ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء) مؤلفہ مولانا عبدالغنی بہاری عظیم آبادیؒ ومترجمہ جناب حاجی محمد مرتضیٰ خان، باہتمام محمد نثار حسین نثار مالک قومی پریس وپیام یار بماہ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ در قومی پریس مطبوع لکھنؤ مطبوع شد)

کومخلوق کی نظر سے مخفی رکھنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ وہ ابھی تک مخلوق کے وجود اور اپنے نفس کو دیکھتے ہیں ، اور یہ امر توحید کے مقصد میں مانع ہے، اور نفس انسانی بھی منجملہ اغیار کے ہے، تو ابھی تک وہ خودی کو دیکھ رہے ہیں ، اور اپنے اعمال واحوال کے مطالعہ میں اس طرح مصروف ہیں ، کہ غیروں کو اپنے سے جدا نہیں کر سکے ہیں'' (۱۱۴)

چونکہ اس گروہ کے ظاہر سے عام لوگوں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لئے علماء ان کی بے قید باتوں پر نکیر بھی کرتے رہے ہیں ، مگر وہیں پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان میں بڑے بڑے کاملین بھی ہوئے ہیں ، اسی لئے سلسلۂ رزاقیہ میں ان پر تنقید کرنے سے احتیاط برتی گئی ہے ، اور ان کے اعمال واحوال میں تاویل کی راہ دکھائی گئی ہے ، حضرت بانسویؒ گوکہ سلسلۂ قادریہ کے مقتدا تھے ، اور فرقۂ ملامتیہ کے آدمی نہیں تھے ، لیکن فرقۂ ملامتیہ کے افراد سے ان کے گہرے روابط تھے ، اور ان حضرات کے پاس عقیدت ومحبت کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے ، مثال کے طور پر لکھنؤ میں حضرت شاہ دوسیؒ (م ۲۷ / جمادی الثانیہ ۱۱۲۲ھ مطابق ۲۲ / اگست ۱۷۱۰ء) نامی ایک بزرگ رہتے تھے ، جو بظاہر جوا کھیلتے تھے ، مگر حضرت بانسویؒ وہاں تشریف لے جاتے تھے ، اس سلسلے کے کئی واقعات آپ کے حالات میں موجود ہیں (۱۱۵)۔

غیر مسلموں کی مذہبی شخصیات سے ملاقاتیں

بلکہ بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن میں آپ نے غیر مسلموں کے مذہبی پروگراموں میں شرکت کی اور ان کے گذشتہ اوتاروں اور بزرگوں (مثلاً: مہاتمابدھ، کرشن جی ، رام چندر جی ، کنھیا ، کبیر وغیرہ) کی ارواح سے ازروئے کشف ملاقاتیں کیں (۱۱۶)۔

صوفیاء کی یہی وہ وسیع النظری اور حکمت عملی تھی ، جس سے ہندوستان میں اسلام کی اشاعت میں کافی مدد ملی ، ورنہ اس ملک میں ایسی متعصب اور توہم پرست قوم آباد ہے کہ اس سے کسی خیر کی امید

(۱۱۴) نفحات الانس ص ۱۵۵ مؤلفہ حضرت جامیؒ ، ترجمہ شمس بریلوی۔

(۱۱۵) قطب الاقطاب سید شاہ عبد الرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت ص ۱۵ تا ۱۷ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں ، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ ، فروری ۲۰۱۱ء / صفر المظفر ۱۴۳۲ھ ☆ تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۷ تا ۸۱ مؤلفہ مولانا محمد رضا انصاری

(۱۱۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۲۷۵ تا ۳۰۳ مؤلفہ مولانا محمد رضا انصاری ، بہت سے واقعات اس ضمن میں نقل کئے گئے ہیں ،

کرنا بہت مشکل ہے، اوران کی ہدایت کی توقع رکھنا اس سے بھی زیادہ مشکل اپنی انہی خصوصیات کی بنا پر سلسلۂ قادریہ رزاقیہ افراط وتفریط سے پاک اور نقطۂ اعتدال پر قائم ہے، اور عوام وخواص دونوں طبقے میں افادیت وتاثیر کا حامل ہے۔

نسبت قادریہ حضرت منورویؒ کی اولین نسبت اور اجازت وخلافت

حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کو اس سلسلہ کی نسبت اپنے نانا جان حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ (م ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) سے حاصل ہوئی، اور یہی وہ پہلی نسبت ہے جس میں کمال تربیت کے بعد نانا جان کی طرف سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی، اس وقت آپ کی عمر بمشکل بیس یا اکیس سال کی رہی ہوگی، آپ کی تعمیر شخصیت میں یہ نسبت اساسی اہمیت کی حامل ہے اور آپ کے تاریخ سلوک میں یہ اولین جوئے معرفت ہے جو آپ کے سینۂ مبارک سے جاری ہوا۔

حضرت منورویؒ تیرہ چودہ سال کی عمر میں (قریب ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۴ء میں) اپنے نانا جان کے زیر سایہ داخل ہوئے، اور چھ سات سال مسلسل آپ کی صحبت وتربیت میں رہ کر سلسلۂ قادریہ کے تمام منازل سلوک طے فرمائے اور قریب ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں آپ کی لکھنؤ روانگی سے قبل اجازت وخلافت مطلقہ سے سرفراز کئے گئے، نانا جان نے ظاہری وباطنی اپنی تمام چیزوں کا آپ کو وارث وجانشین بنایا اوراس علاقہ کو ترک کرکے بہار شریف تشریف لے گئے، اور وہیں ۱۹۲۱ء میں وفات پائی (جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے)

☆ نانا جان کی یہ وراثت آپ نے بہت سنبھال کر رکھی، یہ نسبت آپ کو جان ودل سے زیادہ عزیز تھی، سلسلۂ بانسہ سے ایسی وابستگی تھی، کہ روح کی گہرائیوں میں پیوست تھی، نانا جان کی پیروی میں اکثر بانسہ تشریف لے جاتے تھے، اور فیوض باطنہ حاصل کرتے تھے، نسبت قادریہ سے آپ کے جذباتی تعلق کی علامت ہے کہ آپ اپنے نام کے ساتھ قادری لکھتے تھے، اکثر آپ کا معمول اپنے نام کے ساتھ نسبت لکھنے کا نہیں تھا، صرف ''احمد حسن لاشئے'' تحریر فرماتے تھے، لیکن اگر لکھنا ہوتا تو ''قادری لکھتے تھے، آپ کے ہاتھ کی ایک بھی ایسی تحریر مجھے نہیں ملی جس میں آپ نے اپنے نام کے ساتھ صرف نقشبندی یا چشتی لکھا ہو، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ قادریہ کو اپنی اصل اور اولین نسبت تصور فرماتے تھے کہ اسی نسبت نے آپ کو کمال تک پہونچایا تھا، یہی آپ کے جملہ مدارج سلوک کی پہلی منزل تھی، تمام روحانی مقامات کی سنگ بنیاد یہی نسبت تھی، اور تمامتر حصولیابیوں کا فتح باب اسی سلسلہ کے ذریعہ ہوا تھا، اس لئے یہی نسبت باعث امتیاز بن سکتی تھی، جبکہ باقی تمام نسبتیں درجۂ کمال پر پہونچنے کے بعد

آپ کو حاصل ہوئی تھیں، وہ درجۂ تکمیل کی نہیں بلکہ درجۂ تحسین کی چیزیں تھیں، اس لئے قادریت کی نسبت کو آپ نے اولین ترجیح دی اور اس کو اپنی روحانی شخصیت کی پہلی شناخت قرار دیا، چنانچہ آپ نے اپنے کئی خطوط میں اپنے کو صرف ''احمد حسن قادری'' لکھا ہے۔

اسی طرح ۱۹۶۱ء میں مشائخ چشت کے حالات پر مشتمل آپ کی کتاب ''سرکار غریب نواز قدس سرہ'' شائع ہوئی تو اس پر مؤلف کی جگہ پر آپ کا اسم گرامی اس طرح لکھا گیا تھا: احمد حسن قادری چشتی نقشبندی مجددی در بھنگوی''۔

ظاہر ہے کہ یہ آپ نے خود یا کم از کم آپ کے حسب ہدایت لکھا گیا ہوگا۔

نسبت قادریہ کے ساتھ آپ کی گہری وابستگی کے یہ چند مظاہر بطور نمونہ پیش کئے گئے۔



ڈاکٹر عبدالرحمن صاحبؒ (مقام صلحابزرگ ضلع سمستی پور بہار) کے نام حضرت منورویؒ کے ایک خط کا عکس تاریخ ارقام: ۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۵ء


الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ٥
سرکار غریب نواز قدس سرہ
خانقاہ چشت میں جس نے قدم پھیلا رکھا
دوسرا اسکا قدم یاد فنا فی اللہ ہوا
قاب قوسین اس کے آگے ایک ادنیٰ سا مقام
واں پہونچکر کچھ نہ پوچھو کیا سے کیا وہ کیا ہوا
مولفہ
احمد حسن قادری چشتی نقشبندی مجددی دربھنگوی
باہتمام
جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی عرف میگھو مقام مانسکول
ڈاک خانہ ڈلکولہ ضلع پچھم دیناجپور۔
قیمت :- چار روپیہ

مشائخ سلسلۂ قادریہ رزاقیہ امیریہ

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ کے مشائخ کی ترتیب حضرت منورویؒ سے اوپر تک حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت مولانا سید شاہ امیر الحسن قادریؒ (م ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء)۔

آپ حضرت سید محمد اسحاق صاحبؒ کے مجاز وخلیفہ ہیں، جو حسینی النسب تھے، اور سلسلۂ بانسہ کے اکابر میں تھے، حضرت امیرؒ نے اپنے اشعار میں بانسہ شریف کے ساتھ اپنی بے پناہ عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے، مثلاً آپ کی مشہور نظم ''بارہ ماسہ'' کا یہ بند ملاحظہ کریں:

چڑھاؤں جا کے میں بانسہ میں چادر (۱۱۷)
ہے میرا مامن وملجا وہی در
اسی چوکھٹ پہ جا کر سر دھروں میں
بھلا کیوں در بدر ماری پھروں میں

اسی نظم میں آپ نے اپنے پیر طریق (حضرت سید محمد اسحاقؒ) کا بھی ذکر کیا ہے:

ہے پی میرا حسینی شاہ اسحاقؒ
میرا کعبہ ہے اس کا ابروئے طاق
مٹا دے گا وہی ہستی کا ساماں
پھر ہوگا جلوہ گر خود ماہ تاباں
امیرؔ اب ختم کر غم کی کہانی
رہے گی تیری دائم یہ نشانی (۱۱۸)

آپ پر فنا فی الشیخ کا بہت زیادہ غلبہ تھا، ہر شے میں آپ کو اپنے شیخ کا اور شیخ کے واسطے سے رب العالمین کا جلوہ نظر آتا تھا، ایک بار پیر طریق آپ کے گھر (غالباً مظفر پور بہار) تشریف لائے، تو ساری

(۱۱۷) چادر چڑھانا دراصل عشق ومحبت کے اظہار کی علامت ہے، مطلب یہ ہے کہ اپنے جذبات آستانۂ بانسہ پر نچھاور کروں، جس طرح کہ نظم (بارہ ماسہ) میں مختلف جذبات واحساسات کے اظہار کے لئے ہندوستان کے مشہور قومی تہوار ''ہولی'' کا ذکر علامتی طور پر کیا گیا ہے، صاحب نظم چونکہ بانسہ شریف سے روحانی تعلق رکھتے تھے، اور وہاں انہی رسوم وروایات کے ذریعہ اظہار عقیدت کیا جاتا تھا، اس لئے حضرت امیرؒ بھی ان کے تعلق سے عشق ومحبت کے اصول پر نرم گوشہ رکھتے تھے (تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۹۳ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی)

(۱۱۸) تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۹۴، ۱۹۵ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

کائنات اور خدا کی خدائی آپ کو اپنے گھر میں سمٹی ہوئی نظر آئی، اور بے خودی کی کیفیت میں یہ اشعار نذر عقیدت کئے:

نئے شان سے دلربا آج آیا
میرے گھر میں میرا خدا آج آیا

عیاں دیکھ لو خانہ زاد خدا کو
خدائی میں اپنے خدا آج آیا

مکاں کو نہ کیوں رتبۂ لامکاں ہو
شہ تخت لاہوت ہے آج آیا

امیرؔ الحسن کام کیا دوجہاں سے
غلامی کا میرے خطاب آج آیا(۱۱۹)

(۱۱۹) تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۷۴ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی۔

اس نظم کے تحت اس حقیر نے تذکرۂ حضرت آہ میں جو کچھ لکھا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کر دیا جائے تا کہ بعض غلط فہمیوں کا سد باب ہو سکے:

''یہ نظم بظاہر پیر طریق کے ساتھ حضرت امیرؒ کی غالیانہ عقیدت کا مظہر ہے، لیکن دراصل یہ مقام وحدۃ الوجود کا فیض اور عکس ہے--- سالک جب مقام قلب پر ہوتا ہے تو ساری کائنات میں خدا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، وہ دنیا کے ہر منظر میں خدا ہی کا عکس دیکھتا ہے، اس طرح وہ ہر موجود کا انکار کر کے صرف موجود مطلق یعنی اللہ پاک کا اقرار کرتا ہے، اس لئے جس شے کو خدا سے جتنا انتساب واختصاص حاصل ہوتا ہے، اس میں خدا کا عکس اس کو اتنا ہی گہرا نظر آتا ہے، ''ہمہ اوست'' کا نظریہ یہیں سے پیدا ہوا ہے۔

پیر طریق کے ساتھ تعلق اور مشاہدہ میں انہی وجودی کیفیات نے حضرت امیرؒ سے یہ نظم کہلوائی، جو بظاہر شریعت کے حدود سے تجاوز ہے، لیکن اس باب میں ان کو اسی طرح معذور رکھا جائے گا جیسا کہ اس سے قبل کے بہت سے صوفیاء کی شطحیات کو نظر انداز کیا گیا، مثلاً حضرت منصورؒ کا نعرۂ انا الحق، اور حضرت بایزیدؒ کا سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ نے ان کی وجودی تشریحات کی ہیں، جو ان کے مشاہدات وادراکات پر مبنی ہیں، جبکہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ان کی شہودی تعبیرات وتطبیقات پیش فرمائی ہیں، جن میں ان کے مکاشفات اور مشاہدات کے علاوہ شرعی نصوص کے ساتھ تطبیق وتوفیق بھی مطمح نظر ہیں، اور اصل سلوک اور مقام کی توضیح وتشریح بھی--- اور ان دونوں ہی بزرگوں نے ان اکابر متقدمین کو ان مسائل میں معذور قرار دیا ہے، اور ان پر تنقید کرنے سے روکا ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ نے لکھا ہے کہ دراصل سالک جب مقامات قرب کا سفر کرتا ہے، اور انفس وآفاق کے مختلف ==

==لطائف سے گذرتے ہوئے مقام قلب پر پہونچتا ہے تو اس طرح کے وجودی مشاہدات ہوتے ہیں، لیکن یہ مقام آخر نہیں ہے، بلکہ جب اس منزل سے سالک گذر جاتا ہے تو یہ عارضی کیفیات مندمل ہونے لگتی ہیں، اور آہستہ آہستہ انسان سکر سے صحو کی طرف آجاتا ہے، حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے کئی مکاتیب میں اس مسئلہ پر دقیق علمی بحثیں کی ہیں اور ان میں اصل شرعی موقف کو بھی واضح فرمایا ہے، ان کے مکتوب نمبر ۲۹۱ دفتر اول کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں، جس کا ترجمہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ خانقاہ مظہریہ چتلی قبر دہلی نے کیا ہے:

''اکثر افراد کے لئے توحید وجودی کے ظہور کا سبب توحیدی مراقبات اور کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کی بہ کثرت مزاولت بہ معنی ''لا موجود الا اللہ'' ہوا کرتی ہے، کیوں کہ اس معنی کے ساتھ کلمۂ توحید کی مزاولت سے سلطان خیال میں یہ نقش جم جاتا ہے، لہٰذا اس بنا پر جو توحید ظاہر ہوتی ہے، وہ معلول ہے، اور اس کا صاحب، ارباب احوال میں سے نہیں ہے، ارباب احوال اصحاب قلوب ہیں، اور اس طرح کی توحید والا مقام قلب سے بے خبر ہے، اس کی توحید علمی توحید ہے اور علم کے بھی درجات ہیں بعضہا فوق بعض اور بعض افراد کے لئے توحید وجودی کے ظہور اور منشاء کی وجہ انجذاب اور قلبی محبت ہے ابتدا میں یہ لوگ اذکار و مراقبات کا شغل کرتے ہیں، لیکن بلا تخیل معنیٰ توحید اور پھر اپنی جدوجہد کی وجہ سے یا محض عنایت ازلیہ کی وجہ سے مقام قلب کو پہونچ جاتے ہیں اور ان میں جذب پیدا ہوجاتا ہے، اب اس مقام میں اگر ان پر توحید وجودی کا جمال ظاہر ہوجاتا ہے، تو اس کی وجہ محبوب کی محبت کا غلبہ ہے، غلبۂ محبت نے اس کی نظر سے بجز محبوب کے سب کو پوشیدہ کردیا ہے، اب جب کہ یہ لوگ محبوب کے سوا نہ کسی کو دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو پاتے ہیں، تو لامحالہ وہ محبوب کے سوا کسی کو موجود نہیں سمجھ سکتے، یہ توحید تخیل اور توہم کے شائبہ اور علت سے پاک وصاف اور از توحید احوال ہے، اور اس توحید کے اصحاب ارباب قلوب ہیں اگر یہ افراد اسی مقام سے عالم کو رجوع کریں تو عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنے محبوب کو دیکھیں گے، اور موجودات کو اپنے محبوب کے حسن وجمال کے لئے مثل آئینہ کے پائیں گے، اگر حضرت مقلب القلوب جل وعلا کے فضل وکرم سے ان افراد کا مقام مقام قلب سے عبور ہوجائے، تو یہ کیفیت رو بہ زوال ہوجائے گی، جتنا عروج زیادہ ہوتا جائے گا اسی قدر یہ کیفیت کم ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اس کیفیت سے مناسبت تک باقی نہ رہے گی، بلکہ بعض افراد اس حد پر پہونچ جاتے ہیں، کہ وہ اس جماعت پر انکار اور طعن کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ رکن الدین ابوالمکارم علاء الدولۃ سمنانیؒ نے کیا ہے، اور بعض افراد اس کیفیت کے زائل ہونے کے بعد کچھ نہیں کہتے، نہ وہ اس کیفیت کی نفی کرتے ہیں، اور نہ اثبات یہ کاتب سطور ارباب توحید وجودی پر انکار کرنے اور ان پر طعن کرنے سے اپنے کو بچاتا ہے انکار اور طعن کی گنجائش اس وقت ہوسکتی ہے کہ اس مقام اور کیفیت رکھنے والوں کا اپنا کوئی مقصد یا کسی قسم کا اختیار ہو جبکہ یہ کیفیت بلا اختیار ظاہر ہوتی==

== ہے، تو یہ لوگ مجبور و معذور ہیں، اور مجبور و معذور پر رد نہیں کیا جا سکتا''

یہ مسئلہ بہت قدیم سے معرکۃ الآراء رہا ہے، اسی ضمن میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا نظریہ ''وحدۃ الوجود اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ ''وحدۃ الشہود'' عرصہ تک علماء، صوفیاء، اصحاب تحقیق اور ارباب مقام کے یہاں موضوع بحث رہا، اور اس پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اس موضوع پر ایک رسالہ ملک العلماء بحر العلوم علامہ عبد العلی (ولادت ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء وفات ۱۲/ رجب ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۸۱۰ء) نے بھی عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ''وحدۃ الوجود وشہود الحق فی کل موجود'' تحریر فرمایا تھا، وہ رسالہ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقی مجددی دہلویؒ کے اردو ترجمہ اور حاشیہ کے ساتھ ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوا، اس کی دوسری اشاعت حضرت شاہ ابو الخیر اکیڈمی دہلی سے ہوئی، اس رسالہ پر ناظم ندوۃ المصنفین حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کی تعارفی تحریر کا یہ اقتباس اہمیت کا حامل ہے:

''متقدمین مشائخ چشت کے یہاں اگرچہ مسئلہ وحدۃ الوجود'' کی غیر معمولی اہمیت تھی، بلکہ جذبہ خدمت خلق اور روحانی ترقی کے لئے وہ اس کو ایک درجے میں اجزائے ایمان میں شامل کرتے تھے، لیکن عوام میں اس کی تشہیر کو وہ بھی ضرر رساں خیال کرتے تھے، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر نازک اور پیچیدہ ہے، کہ ہر کس و ناکس اس کو نہیں سمجھ سکتا، بلکہ الٹا گمراہی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے اس مسئلہ پر شاید یہ مثل صادق آتی ہے کہ ایک شخص کی خوراک دوسرے کے لئے زہر ہے۔ صوفیا کے لئے وحدۃ الوجود پر اعتقاد مراتب روحانی اور مدارج ایمانی کے ارتقاء کے لئے ناگزیر تھا، لیکن عوام میں اس کی تعبیریں کفر والحاد کا ذریعہ بن گئیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ اس فلسفے کے بڑے شارح سمجھے گئے ہیں ان کے نظریہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کائنات میں کوئی چیز موجود نہیں یا یہ کہ جو کچھ موجود ہے سب خدا ہی ہے لا موجود الا ہو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اہل ظاہر کے نزدیک خدا سلسلۂ کائنات سے بالکل علاحدہ ایک جداگانہ ذات ہے، ---- **کان اللہ ولم یکن معہ شئ** -صوفیا کے یہاں خدا سلسلۂ کائنات سے الگ نہیں یعنی:

با وحدت حق ز کثرت خلق چہ باک
صد جائے اگر گرہ زنی رشتہ یکیست

دھاگے میں جو گرہیں لگا دی جاتی ہیں، ان کا وجود اگرچہ دھاگے سے ممتاز نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں دھاگے کے سوا گرہ کوئی زائد چیز نہیں ہے، صرف صورت بدل گئی ہے، علماء ظاہر اس تعبیر کو احتیاط کے خلاف خیال کرتے ہیں''

(رسالہ وحدۃ الوجود مع ترجمہ وحاشیہ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقیؒ ص ۴، اشاعت مئی ۱۹۷۱ء)

(ماخوذ از تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۷۴ تا ۱۷۷ حاشیہ)

آپ ہر سال پابندی کے ساتھ بانسہ شریف تشریف لے جاتے تھے، جس کی تفصیل میری کتاب ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں موجود ہے (۱۲۰)۔

(۲) حضرت سید محمد اسحاق صاحبؒ ابن حضرت سید عبداللہ موتی میاںؒ (۱۲۱) حضرت سید عبد الرزاق بانسویؒ سے روحانیت کے کئی سلسلے جاری ہوئے ان میں حضرت سید محمد اسحاق صاحبؒ کا سلسلہ ''سلسلۂ ذہبیہ'' کہلانے کا مستحق ہے، اس لئے کہ یہ سلسلہ نسبی (اباً عن جد) بھی ہے اور روحانی بھی، اس لئے کہ سید اسحاق صاحبؒ حضرت سید شاہ شیر علیؒ (م ۲۹/شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۷/

(۱۲۰) تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۴۲ تا ۱۴۴۔

(نوٹ) بانسہ شریف کے عرس کی حقیقت پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن خوانی اور دعا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا، اسی لئے بڑے بڑے علماء بھی اپنے اپنے دور میں اس میں شریک ہوتے تھے، مثلاً استاذ الہند حضرت ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ، قدوۃ المتأخرین وزبدۃ المحققین ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ، امام الاولیاء والارشاد حضرت مولانا عبدالوالی فرنگی محلیؒ، اور حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ وغیرہ (عرس حضرت بانسہؒ ص ۱۰، ۱۱ مؤلفہ حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ)

(۱۲۱) آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی سید عبداللہ عرف موتی میاںؒ تھا، وہ ٹونک کے رہنے والے تھے، اور ان کو حضرت سید شاہ غلام علی رزاقی بانسویؒ نبیرۂ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ سے خرقۂ خلافت حاصل ہوا تھا، علاوہ حضرت سید شاہ قطب الدین قطبی میاں شاہ جہاں پوریؒ (م ۱۵/ربیع الاول ۱۱۷۷ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۷۶۳ء) سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی جو حضرت شاہ محمد اسحاق خان شاہ جہاں پوریؒ کے (م ۲۲/ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۷۵۷ء) اور وہ حضرت بانسویؒ کے خلیفہ تھے۔

حضرت موتی میاںؒ کا انتقال بروز جمعہ ۲۴/رجب المرجب ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۷/اپریل ۱۸۸۶ء کو ہوا، مزار مبارک قادری باڑہ رامپور میں ہے، آپ کے تین صاحبزادے صاحب ارشاد ہوئے ☆ سید غلام رزاقؒ ☆ سید اسحاقؒ ☆ اور سید عبدالقادرؒ، ان تینوں صاحبزادگان کو حضرت سید شاہ شیر علی ابن سید شاہ غلام علی رزاقی بانسویؒ (م ۲۹/شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۷/نومبر ۱۸۳۷ء) سے اجازت وخلافت حاصل تھی، (قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت ص ۱۵ تا ۱۷ مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ)

ان صاحبزادگان کے مدفن اور تواریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا، غالب گمان یہ ہے کہ والد کے ساتھ رامپور میں یا بانسہ میں مدفون ہونگے، اسی طرح قرین قیاس یہ بھی ہے کہ حضرت موتی میاںؒ حضرت بانسویؒ ہی کے افراد خاندان میں سے تھے واللہ اعلم بالصواب۔

نومبر ۱۸۳۷ء) کے خلیفہ ہیں اور وہ حضرت سید شاہ عبدالرزاق بانسویؒ کے پڑپوتا ہیں، بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ سید محمد اسحاق صاحبؒ کو بھی حضرت بانسویؒ سے خاندانی قرابت رہی ہوگی، اور خاندان کی یہ شاخ کسی وجہ سے ٹونک چلی گئی ہوگی، مگر آپ کے والد ماجد حضرت موتی میاںؒ رامپور میں مدفون ہیں، رامپور میں بھی حضرت بانسویؒ کے خاندان کے کچھ لوگ آباد ہو گئے تھے، واللہ اعلم بالصواب

(۳) حضرت سید شاہ شیر علیؒ (م ۲۹/شعبان المعظم ۱۲۵۳ھ مطابق ۲۷/نومبر ۱۸۳۷ء)

آپ قطب الوقت سید شاہ غلام علی رزاقی بانسویؒ نبیرۂ حضرت بانسویؒ کے صاحبزادے ہیں، درگاہ اسحاق میاں گاڑی پورہ شاہجہاں پور کے احاطے میں مدفون ہیں۔

(۴) قطب الوقت سید شاہ غلام علی رزاقی بانسویؒ (م ۲۹/شوال المکرم ۱۲۲۲ھ مطابق ۱۷/دسمبر ۱۸۰۸ء) ابن حضرت سید شاہ غلام دوست محمد بانسویؒ

(۵) حضرت سید شاہ غلام دوست محمد بانسویؒ (م ۵/جمادی الثانیہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۲۱/جولائی ۱۷۷۶ء۔مزار درگاہ بانسہ) ابن حضرت قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ

(۶) حضرت قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ (بانسہ شریف، ضلع بارہ بنکی، یوپی۔ ولادت ۱۰۴۴ھ یا ۱۰۴۶ھ یا ۱۰۴۸ھ/۱۶۳۴ء یا ۱۶۳۶ء یا ۱۶۳۸ء۔وفات ۵/شوال المکرم ۱۱۳۶ھ م ۶/جولائی ۱۷۲۴ء)

(۷) حضرت سید شاہ میر عبدالصمد خدا نماؒ (م ۱۱/ربیع الثانی ۱۱۰۹ھ مطابق ۲۶/اکتوبر ۱۶۹۷ء) (۱۲۲)

حضرت سید شاہ عبدالرزاق صاحب بانسویؒ نے حضرت سید میر عبدالصمد خدا نماؒ کے حکم پر حضرت حسن رسول نماؒ (۱۱۰۳ھ/۱۶۹۱ء دہلی) (۱۲۳) سے بھی کسب فیض کیا تھا، جب آپ حضرت سید میر عبد

(۱۲۲) آپ کا مزار مبارک احمد آباد میں لال دروازے کے قریب زیر دیوار جیل خانہ ہے، مزار شریف پر برگد کا درخت ہے (تذکرۂ حضرت سید احمد صاحب بانسویؒ ص ۱۰۱ بحوالہ افضل الشمائل از مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ مطبوعہ ص ۲۰)

(۱۲۳)۔حضرت سید حسن رسول نما قادری اویسیؒ بارہویں صدی ہجری کے مایہ ناز فقیر صوفی بزرگ ہیں۔آپ صوبہ ہریانہ کے ایک گاؤں نارنول میں پیدا ہوئے۔آپ کا اصل نام جو آپ کی سوانح عمری میں درج ہے ''سید کاظم نجفی الاخوندی'' ہے، آپ کے والد گرامی کا نام نامی حضرت سید اسعد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہے، آپ کا شجرۂ نسب ۳۱/اکتیس واسطوں سے حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ملتا ہے۔آپ حسنی والحسینی سید ہیں۔حضرت امام نقی ہادی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادہ حضرت جعفر الذکی رحمۃ اللہ کی اولاد سے ہیں۔آپ حضرت سلطان الفقراء حضور موسی قادریؒ سے مرید ہوئے==

الصمد خدا نماؒ سے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوکر احمد آباد سے رخصت ہونے لگے تو پیر ومرشد نے ان کو ہدایت کی کہ:

''ہمارے دوست حضرت سید حسن رسول نماؒ دہلی میں قیام رکھتے ہیں، ان سے ملتے ہوئے جانا (شاید معرفت کی کوئی منزل وہاں سے وابستہ رہی ہو) اسی حکم کی تعمیل میں حضرت شاہ عبدالرزاق صاحبؒ گجرات سے سیدھے دہلی حضرت سید حسن رسول نماؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور استفادۂ باطنی کیا، چلتے وقت حضرت رسول نماؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''جاتے ہو تو آرام سے راتیں نہ بسر کرنا، فقیر کو بدنام نہ کرنا'' یہ ارشاد پیر

== اور سلسلہ عالیہ قادریہ اویسیہ جاری فرمایا۔ آپ کے خاندان میں یہی طریقہ جاری وساری ہے۔ آپ کا سلسلہ طریقت چھ (٦) واسطوں سے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ملتا ہے (آزاد دائرۃ المعارف وکی پیڈیا بحوالہ ''فوائح العرفان سوانح سید حسن رسول نما رحمۃ اللہ علیہ'' باب اول)

آپ اولیاء کبار میں سے تھے، آپ کا لقب ''رسول نما'' اس لئے پڑا کہ آپ کو دربار رسالت میں ایسا تقرب حاصل تھا کہ آپ جس کو چاہتے تھے حضرت سرور کائنات ﷺ کی زیارت سے مشرف کرادیتے تھے، ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں آپ کا وصال ہوا، قطب روڈ پہاڑ گنج سے ذرا آگے آپ کا مزار مہبط انوار الٰہی ہے، آپ کے مزار کے سراہنے سنگ مرمر کی تختی پر بخط نسخ یہ شعر کندہ ہے۔

حسن رسول نما افتخار آل حسین   اویس قرنی ثانی وثالث حسنین

آپ کی درگاہ ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کے اندر ہے، جس کا شاندار دروازہ ہے، اس کی تعمیر ۱۱۰۳ھ (۱۶۹۱ء) میں بادشاہ عالمگیر کے عہد حکومت میں ہوئی، درگاہ مسقّف نہیں ہے، زیر آسمان ہے، اور خام ہے، البتہ حاشیہ پختہ بنا دیا گیا ہے، آپ ہی کے قریب آپ کے صاحبزادے ناصر علی اور دو پوتوں کی بھی قبریں ہیں اور وہ بھی خام ہیں، ان قبروں کے گرد ایک خوبصورت آہنی کٹہرا ہے، درگاہ کے گرد چاروں کونوں پر چار دروازے اور نونو در کی غلام گردش ہے جو ستر (۷۰) فٹ مربع ہے اس کے دروازے پر بخط نسخ یہ مصرعہ تاریخ وفات سنگ مرمر کی تختی پر کندہ ہے:

ع رسول نما بارسول باقی شد۔   کتبہ العبد المذنب یاقوت رقمخان عرف عباداللہ ۱۱۰۳ھ۔

اصل درگاہ سے باہر کمپاؤنڈ کے اندر درگاہ کے متوسلین کے مکانات اور قبریں ہیں۔

(واقعات دارالحکومت دہلی ج ۲ ص ۳۵، ۵۵۷، ۵۵۸ مصنفہ بشیر الدین احمد دہلویؒ ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام، شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان ومحمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء)

ومرشد کے دوست کا دل میں ایسا اثر کیا کہ آخر وقت تک رات کو آرام نہ کیا‘‘ (۱۲۴)
اس لئے حضرت سید حسن رسول نماؒ کا شمار بھی آپ کے مشائخ طریق میں ہوتا ہے۔
(۸) حضرت شاہ ہدایت اللہ خدانما قادریؒ (م ۶ / جمادی الثانیہ ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۲ / اپریل ۱۶۵۵ء) (۱۲۵)

(۹) حضرت سید شاہ حسین خدانماؒ، برہان پور (م ۱۶ / رمضان المبارک ۹۱۵ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۵۱۰ء یا ۷ / محرم الحرام ۱۰۸۷ھ مطابق ۲۱ / مارچ ۱۶۷۶ء) (۱۲۶)
(۱۰) حضرت شاہ امان اللہ ملتانی امانی برہان پوریؒ (م ۲ / محرم الحرام ۹۱۹ھ مطابق ۱۹ / مارچ ۱۵۱۳ء) مزار مبارک دہلی میں ہے۔
(۱۱) حضرت شاہ ابراہیم بھکریؒ (بھکّر) (م ۲۳ / ذی الحجہ ۹۹۸ھ یا ۹۱۱ھ مطابق ۲۲ / اکتوبر ۱۵۹۰ء یا ۲۶ / مئی ۱۵۰۶ء) مزار مبارک برہان پور میں اتاولی ندی سے متصل شاہ بھکاری کے مقبرے کے قریب ہے (راستہ دولت میدان) (۱۲۷)
(۱۲) حضرت شاہ ابراہیم ملتانیؒ (م ۱۲ یا ۱۴ / رجب المرجب ۹۰۰ھ مطابق ۱۶ یا ۱۸ / اپریل ۱۴۹۵ء) مزار مبارک ملتان میں ہے۔
(۱۳) حضرت میراں سید بخش اللہ شیخ فرید بھکریؒ - بھکر (م ۱۵ / رمضان المبارک ۸۹۵ھ مطابق ۱۰ / اگست ۱۴۹۰ء)

---

(۱۲۴) عرس حضرت بانسہؒ ص ۱۲ مؤلفہ معشوق العاشقین حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، شائع کردہ: قادری بک ایجنسی نمبر ۸۱ وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ، ۱۳۴۴ھ / ۱۹۲۵ء۔
(۱۲۵) مزار مبارک کہماج عرب میں ہے (تذکرۃ الصلحاء)
(۱۲۶) اول الذکر مولوی عبدالحی بدایونیؒ کی روایت کے مطابق ہے، اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے، جب کہ ثانی الذکر ’’تذکرۃ الصلحاء‘‘ اور وفیات الاخیار‘‘ میں منقول ہے، مزار مبارک برہان پور میں ہے (قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقیؒ)
شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری میں شاہ حسین خدانماؒ کا سن وفات ۷ / محرم الحرام یا ۷ / صفرالمظفر ۹۲۹ھ مطابق ۵ / دسمبر ۱۵۲۲ء یا ۴ / جنوری ۱۵۲۳ء تحریر کیا گیا ہے، اور مزار ملتان بتایا گیا ہے (ص ۷)
(۱۲۷) شجرۂ وارثیہ (ص ۷) میں تاریخ وفات ۲۳ / ذی الحجہ ۹۱۱ھ درج ہے۔

(۱۴) حضرت سید شاہ جلال قادریؒ (م ۷ / شعبان المعظم ۸۸۹ھ مطابق ۷ / ستمبر ۱۴۸۴ء) (۱۲۸)

(۱۵) حضرت سید شاہ میر محمد قادریؒ (م ۲۰ / رجب المرجب ۸۲۵ھ مطابق ۱۸ / جولائی ۱۴۲۲ء) مزار بیدر دکن میں احاطہ درگاہ ملتانی پاشاہ میں ہے۔

(۱۶) حضرت شاہ بہاء الدین انصاری قادریؒ (م ۱۷ / شوال المکرم ۷۱۷ھ مطابق ۳۰ / دسمبر ۱۳۱۷ء یا ۳ / ربیع الاول ۸۰۴ھ مطابق ۱۹ / اکتوبر ۱۴۰۱ء) مزار دولت آباد میں مشرقی جانب مزار حضرت شاہ ابی العباسؒ واقع ہے۔

(۱۷) حضرت سید شاہ ابو العباس احمد قادریؒ (م ۱۷ / رجب المرجب ۷۸۵ھ مطابق ۲۲ / ستمبر ۱۳۸۳ء) دولت آباد اورنگ آباد دکن (۱۲۹)

(۱۸) حضرت سید شاہ میر حسن قادریؒ (م ۲۶ / صفر ۷۸۱ھ مطابق ۲۰ / جون ۱۳۷۹ء یا ۱۷ / شوال المکرم ۷۱۷ھ مطابق ۳۰ / دسمبر ۱۳۱۷ء) (۱۳۰)

(۱۹) حضرت سید شاہ موسیٰ قادری بغدادیؒ (م ۱۳ / رجب المرجب ۷۶۳ھ مطابق ۱۵ / مئی

---

(۱۲۸) شاہ جلال قادریؒ کا مزار کہاں ہے؟ محمد رضا انصاری صاحبؒ نے گجرات لکھا ہے (تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۲) جب کہ جناب محی الدین قادری رزاقی صاحب نے دیوبند تحریر کیا ہے (قطب الاقطاب سید عبد الرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقیؒ) واللہ اعلم بالصواب

(۱۲۹) قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۳، ۴۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقی ☆ تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۱ تا ۱۰۴ مؤلفہ محمد رضا انصاری صاحب ☆ شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ (ص ۷) مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری (ایک قدیم مطبوعہ فارسی نسخہ میرے پاس موجود ہے)

(۱۳۰) حضرت سید شاہ حسن بغدادیؒ کی ولادت بغداد میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت شیخ سید موسیٰؒ ہے، آپ خاندان جیلانی کے ایک فرد ہیں، آپ کو خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد سے عطا ہوا، ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے تھے، ۲۶ / صفر ۷۸۱ھ مطابق ۲۰ / جون ۱۳۷۹ء کو وصال فرمایا، مزار بغداد میں ہے (تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۷۴ تنویر احمد خان قادری ☆ شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ (ص ۷) مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری) البتہ آساپوری صاحب نے تاریخ وفات ۳ / شعبان ۷۶۰ھ مطابق ۷ / جولائی ۱۳۵۹ء درج کی ہے، جناب محی الدین رزاقی صاحب نے تاریخ وفات ۱۷ / شوال المکرم ۷۱۷ھ مطابق ۳۰ / دسمبر ۱۳۱۷ء بتائی ہے اور مزار ہرات میں نقل کیا ہے (قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقی) مگر قرین قیاس یہ ہے کہ مزار بغداد میں ہوگا، اس لئے کہ یہ بغداد کا سلسلۃ الذہب ہے۔

۱۳۶۲ء یا ۲۱/ شوال المکرم ۷۴۴ھ مطابق ۱۴/ مارچ ۱۳۴۴ء)(۱۳۱)۔

(۲۰) حضرت سید شاہ علی القادریؒ (م ۲۳/ شوال المکرم ۷۳۹ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۳۳۹ء یا ۱۵/ صفر ۷۳۷ھ مطابق ۲۰/ ستمبر ۱۳۳۶ء)(۱۳۲)

(۲۱) حضرت میر سید احمدؒ برادر حضرت میر سید محمد بغدادیؒ (۲۵/ ذی الحجہ ۷۲۹ھ مطابق ۲/ اکتوبر ۱۳۲۹ء)(۱۳۳)

البتہ حضرت شاہ علی قادریؒ کو اپنے والد ماجد حضرت ابونصر محمدؒ سے براہ راست بھی اجازت و خلافت حاصل ہے۔

---

(۱۳۱) آپ حضرت سید شاہ علی القادریؒ کے صاحبزادے ہیں، یعنی خاندان جیلانیؒ کے ایک فرد، اسم گرامی محمد موسیٰ ہے، ولادت بغداد میں ہوئی، اپنے والد ماجد سے ہی خلافت حاصل کی، بڑے کامل، عبادت و ریاضت میں بے مثال اور صاحب تصرف بزرگ تھے، بے شمار لوگوں نے آپ سے فیض پایا، آپ کا وصال ۱۳/ رجب المرجب ۷۶۳ھ مطابق ۱۵/ مئی ۱۳۶۲ء یا ۲۱/ شوال المکرم ۷۴۴ھ مطابق ۱۴/ مارچ ۱۳۴۴ء کو ہوا، مزار مبارک بغداد میں ہے (تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۷۴ تنویر احمد خان قادری ☆ شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ (ص ۷) مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری) جبکہ محمد رضا انصاری صاحب نے ''الاسرار العالیۃ (مخطوطہ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ مزار بیجاپور سے باہر علی پور میں ہے (تذکرہ حضرت سید صاحب ص ۱۰۲) قرین قیاس یہ ہے کہ اول الذکر روایت زیادہ درست ہو، اس لئے کہ تسلسل کے ساتھ یہ سب خانوادۂ جیلانیؒ کے ہی افراد ہیں۔
واللہ اعلم بالصواب۔

(۱۳۲) آپ حضرت شیخ سید محی الدین ابونصر محمدؒ کے صاحبزادے ہیں، یعنی خاندان جیلانیؒ کے چشم و چراغ، ولادت بغداد میں ہوئی، اپنے والد گرامی اور دیگر علماء ومشائخ سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی، اپنے والد ماجد سے بیعت و خلافت رکھتے تھے، علوم ظاہری و باطنی کے امام تھے، بڑے عابد، سخی، عالی ہمت اور صاحب فہم وفراست تھے، ہر لمحہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے، ۲۳/ شوال المکرم ۷۳۹ھ مطابق ۱۱/ مئی ۱۳۳۹ء کو وصال فرمایا (تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۷۶ تنویر احمد خان قادری ☆ شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ (ص ۸) مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری)

(۱۳۳) شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ (ص ۸) مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی، نقشبندی قادری آساپوری۔
جناب محی الدین صاحب نے اپنے شجرہ میں ان کی تاریخ وفات ۹/ صفر ۱۰۸۸ھ مطابق ۱۲/ اپریل ۱۶۷۷ء درج کی ہے جو ظاہر ہے کہ یہاں منطبق نہیں ہوسکتی (قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۴ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقیؒ)

جناب محمد رضا انصاری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''سید علی قادریؒ (نمبر ۲۰) کے بارے میں بعض شجروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو سید محمد قادریؒ سے بیعت واجازت تھی، اور سید محمد قادریؒ کو حضرت سید حسنؒ سے اور ان کو میر سید احمدؒ (نمبر ۲۱) سے، مگر مناقب رزاقیہ مصنفۂ ملا نظام الدین میں یہ واسطے نہیں لکھے گئے ہیں یا سہو کاتب سے رہ گئے یا اختلاف طرق سے'' (۱۳۴)

(۲۲) حضرت سید شیخ محی الدین ابونصر محمدؒ (م ۶، یا ۱۲، یا ۱۸ شوال ۶۵۶ھ یا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲ یا ۱۸ یا ۲۴ / اکتوبر ۱۲۵۸ء یا ۲۷ / ربیع الاول ۶۵۶ھ مطابق ۹ / اپریل ۱۲۵۸ یا ۱۷ / ذی قعدہ ۶۵۶ھ مطابق ۲۱ / نومبر ۱۲۵۸ء) (۱۳۵)۔

آپ حضرت سید ابوصالح عمادالدین عبداللہ نصر قادریؒ (ولادت ۲۴ / ربیع الثانی ۵۶۲ھ مطابق ۲۳ / فروری ۱۱۶۷ء-وفات ۶ / شوال المکرم ۶۴۳ھ مطابق ۲ / مارچ ۱۲۴۶ء یا ۲۷ / رجب المرجب ۶۳۲ھ مطابق ۲۳ / اپریل ۱۲۳۵ء) (۱۳۶) کے صاحبزادے ہیں، اور وہ حضرت سید عبدالرزاقؒ کے

---

(۱۳۴) تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۲ بحوالہ افضل الشمائل ص ۲۲ و فیوض حضرت بانسہ ص ۵۰ مصنفات حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ

(۱۳۵) آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی، والد ماجد کا نام عمادالدین ابوصالح نصر ہے، اپنے والد سے اکتساب علم کیا، حضرت حسن بن علی، ابواسحاق یوسف بن ابی حامد، اور ابوالفضل محمد بن عمرو غیرہ سے حدیث پڑھی، اعلیٰ درجہ کے محقق، محدث اور مدرس تھے، عراق کے مفتی مقرر ہوئے، آپ شکل وشباہت میں اپنے جدامجد حضرت غوث اعظمؒ کے مشابہ تھے، چار صاحبزادگان یادگار چھوڑے، ان میں صاحبزادہ حضرت شیخ سید علیؒ کو خلافت سے نوازا، ۲۷ / ربیع الاول ۶۵۶ھ مطابق ۹ / اپریل ۱۲۵۸ء یا ۶، یا ۱۲، یا ۱۸ شوال ۶۵۶ھ یا ۶۲۳ھ مطابق ۱۲ یا ۱۸ یا ۲۴ / اکتوبر ۱۲۵۸ء کو وصال فرمایا مزار حدیدہ نزد بغداد شریف میں ہے (تذکرۂ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۴۶ تنویر احمد خان)

(۱۳۶) اسم گرامی عبداللہ نصر، کنیت ابوصالح اور لقب عمادالدین ہے، آپ کے والد ماجد حضرت سید عبدالرزاقؒ حضرت غوث اعظمؒ کے فرزند ہیں، آپ کی ولادت ۱۴ / ربیع الثانی ۵۶۴ھ مطابق ۲۱ / جنوری ۱۱۶۹ء کو بغداد میں ہوئی، تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، والد ماجد کے علاوہ اپنے چچا حضرت عبدالوہابؒ سے حدیث کی تعلیم حاصل کی، دیگر علماء مثلاً: ابوالحسین بن یوسفؒ، شہدۃ بنت احمدؒ، ابوالعلاء الہمدانیؒ، ابوموسیٰ المدینیؒ، اور ابوہاشم الروشائیؒ وغیرہ سے بھی فقہ وحدیث کی کتابیں پڑھیں، آپ بہت بڑے عالم، عارف، محقق اور محدث تھے، حنبلی المسلک تھے، شریعت وطریقت کے جامع تھے، شریعت کے خلاف کوئی چیز گوارا نہ تھی، اپنے جدامجد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مدرسہ قادریہ کے مہتمم تھے، ۸ / ذی قعدہ ۶۲۲ھ مطابق ۱۷ / نومبر ۱۲۲۵ء کو خلیفہ ظاہر بامر اللہ نے آپ کو بغداد کے قاضی القضاۃ==

صاحبزادے ہیں، اس طرح آپ حضرت غوث اعظمؒ کے پڑپوتے ہیں۔

(۲۳) حضرت قطب العراق سید عبدالرزاقؒ (۱۳۷) (ولادت ۱۸/ ذی قعدہ ۵۲۸ھ مطابق

== کے منصب پر فائز کیا، اپنے حلقے میں پہلی بار یہ منصب آپ ہی کو حاصل ہوا، اسی کے ساتھ آپ اوقاف اور جملہ مساجد و مدارس (مدرسہ نظامیہ سمیت) کے بھی وزیر رہے، ان تمام اداروں میں عزل ونصب کے تمام اختیارات آپ کے ہاتھ میں تھے، اتنے بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود آپ کے رہن سہن اور تواضع واخلاق میں کوئی فرق نہیں آیا، جامع مسجد آپ پیدل جاتے تھے، خلیفہ ظاہر کے بعد جب اس کا لڑکا خلیفہ مستنصر باللہ گدی نشیں ہوا تو اس نے ۲۳/ ذی قعدہ ۶۲۳ھ مطابق ۲۱/ نومبر ۱۲۲۶ء کو آپ کو اس عہدہ سے برطرف کردیا، اس کے بعد آپ نے درس وتدریس کو اپنا مشغلہ بنالیا، ایک بڑی جماعت نے آپ سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

خلیفہ مستنصر باللہ نے آپ کو پھر ایک بار عہدۂ جلیلہ پر فائز کردیا، کلیسائے روم کو خلیفہ نے ایک بڑی خانقاہ میں تبدیل کردیا تھا، آپ وہیں دین کی خدمت کرتے تھے، آپ کے پاس جو رقم آتی وہ آپ غرباء میں تقسیم کردیا کرتے تھے، بڑے خوش اخلاق اور شیریں بیان تھے، اختلافی مسائل پر بہت نرم اور مؤثر گفتگو کرتے تھے، آپ کا وصال ۱۶/ شوال المکرم ۶۳۳ھ مطابق ۲۹/ جون ۱۲۳۶ء یا ۲/ رجب المرجب ۶۳۲ھ مطابق ۲۳/ اپریل ۱۲۳۵ء کو ہوا، مزار بغداد میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے احاطے میں واقع ہے (الشیخ عبدالقادر الجیلانی، الامام الزاھد القدوۃ ص ۲۷۸،۲۷۹ مؤلفہ الدکتور عبدالرزاق الکیلانی، ناشر دارالقلم بیروت، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء بحوالہ قلائد الجواہر ص ۴۵ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۴۵ تنویر احمد خان)

(۱۳۷) اسم گرامی ''عبدالرزاق'' کنیت: عبدالرحمن، وابوالفرح، لقب: تاج الدین، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے فرزند رشید تھے، آپ کی ولادت ۱۸/ ذی قعدہ ۵۲۸ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۱۱۳۴ء کو بغداد میں ہوئی، والد ماجد ہی کے زیر سایہ تمام علوم ظاہری وباطنی مکمل کئے، والد صاحب کے علاوہ حضرت ابوالحسن محمد بن الصائغؒ، حضرت قاضی ابوالفضل محمد بن ناصر الحافظؒ، حضرت ابوکاظم قاسم سعیدؒ اور ابوالمظفر محمد الہاشمیؒ سے بھی کئی علوم حاصل کئے، بڑے عالم حافظ اور محدث اور جامع علوم وفنون تھے، ملک عراق کے مفتی تھے، مسلکاً حنبلی تھے، آپ کے تلامذہ میں دبیثیؒ، حافظ ابن النجارؒ صاحب التاریخ، النجیب عبداللطیفؒ، التقی البلدانیؒ، الضیاء المقدسیؒ اور ابوبکر ابن نقطۃؒ جیسے بڑے علماء کے نام ملتے ہیں، رسالہ جلاء الخواطر ملفوظات حضرت غوث الاعظمؒ آپ ہی کا تالیف کردہ ہے، ایک دن والد صاحب کی مجلس میں آسمان پر مردان غیب کی زیارت کی، آپ کے پانچ فرزند اور دو صاحبزادیاں تھیں، دوشنبہ ۶/شوال المکرم ۶۰۳ھ مطابق ۵/ مئی ۱۲۰۷ء) کو وفات پائی، اور باب حرب میں مدفون ہوئے، خزینۃ الاصفیاء میں سن وفات ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۹ء درج کی گئی ہے، جبکہ تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ میں تاریخ وفات شوال ۶۲۳ھ/ اکتوبر ۱۲۲۶ء لکھی گئی ہے، مگر پہلی تاریخ راجح ہے، اس لئے کہ معتبر تواریخ (تکملۃ الاکمال ج ۲ ص ۴۹۲، اور التاج المکلل للقنوجی ==

۱۵ /ستمبر ۱۱۳۴ء-وفات دوشنبہ ۶ /شوال المکرم ۶۰۳ھ مطابق ۱۲ /مئی ۱۲۰۷ء یا ۶ /شوال ۶۲۳ھ مطابق ۶ / اکتوبر ۱۲۲۶ء) ابن حضرت غوث اعظمؒ بغداد شریف۔

''مناقب رزاقیہ مصنفۂ ملا نظام الدین میں یہی ترتیب درج ہے، مگر بعض شجروں میں سید محمد (نمبر ۲۲) کے بارے میں ہے کہ ان کو بیعت واجازت اپنے والد حضرت ابوصالح قادریؒ سے تھی ، اور حضرت ابوصالح کو اپنے والد ماجد قاضی القضاۃ حضرت سید عبدالرزاق (نمبر ۲۳)(۱۳۸) سے''

(۲۴) حضرت قطب الملۃ محبوب ربانی محی الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (ولادت شب اول رمضان المبارک ۴۷۰ھ مطابق ۲۳ / مارچ ۱۰۷۸ء-وفات ۱۱ یا ۱۷ / ربیع الثانی ۵۶۱ھ مطابق ۲۰ یا ۲۶ /فروری ۱۱۶۶ء) بغداد شریف

(۲۵) حضرت قاضی ابوسعید المبارک المخزومیؒ (یکم یا ۱۰ /محرم الحرام ۵۰۸ھ مطابق ۱۳ / جون ۱۱۱۴ء، یا ۷ ۲ / شعبان المعظم ۵۱۳ھ مطابق ۹ / دسمبر ۱۱۱۹ء یا ۷ا۵ھ/ ۱۱۲۳ء مدرسہ قادریہ باب الازج بغداد(۱۳۹)

== ص ۲۲۰ وغیرہ) میں اس کا ذکر ہے واللہ اعلم بالصواب (خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۱۸۰، ۱۸۱ مفتی غلام سرور ☆ الشیخ عبد القادر الجیلانی ،الامام الزاهد القدوة ص ۲۷۲، ۲۷۳ مؤلفہ الدکتور عبدالرزاق الکیلانی ،ناشر دار القلم بیروت ، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء ☆ قطب الاقطاب حضرت سید عبدالرزاق ص ۴۳ مرتبہ محی الدین قادری ☆ تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۴۳، ۴۴ تنویر خان قادری بدایونی)

(۱۳۸) تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۲ بحوالہ افضل الشمائل ص ۲۳ والاسرار العالیۃ-مخطوطہ

(۱۳۹) اسم گرامی''مبارک بن علی بن حسین مخرمی (اور بقول بعض مخزومی) ہے،کنیت ابوسعید ہے،بعض کتابوں میں آپ کی کنیت ابو یوسف بھی بتائی گئی ہے(سفینۃ الاولیاء دارا شکوہ) حضرت شیخ ابوالحسن قریشی ہنکاریؒ کے نامور مرید اور خلیفۂ اعظم ہیں، اٹھارہ (۱۸) سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہے،اور خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ،حدیث قاضی ابوا لعلاءؒ سے اور فقہ شیخ ابوجعفر بن موسیٰؒ سے پڑھی ،اپنے زمانہ کے سلطان الاولیاء ، برہان الاصفیاء ،قدوۂ عارفاں ، زبدۂ سالکاں ،پیر طریقت ،واقف رموز حقیقت اور جامع علوم ظاہر و باطن تھے،مذہباً حنبلی تھے،حضرت خضر کے رفیق و مصاحب اور حضرت شیخ جیلانیؒ کے پیر خرقہ تھے،آپ کے خلفاء میں حضرت شیخ جیلانیؒ کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں ملتا،قلائد الجواہر میں ہے کہ شیخ مبارک مخرمیؒ نے فرمایا کہ ایک دوسرے سے تبرک حاصل کرنے کے لئے میں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اور انہوں نے مجھے خرقہ پہنایا تھا،بغداد میں مدرسۂ باب الازج آپ ہی کا تعمیر کردہ ہے،آپ نے یہ مدرسہ اپنی زندگی میں حضرت شیخ جیلانیؒ کے حوالے کر دیا تھا، اور یہی مدرسہ حضرت جیلانیؒ کی شہرت وارشاد کا ذریعہ بنا، یکم یا ۱۰ / محرم الحرام ۵۰۸ھ مطابق ۱۳ / جون ۱۱۱۴ء، یا ۷ ۲ / شعبان المعظم ۵۱۳ھ مطابق ۹ / دسمبر ۱۱۱۹ء یا ۵۱۷ھ/ ==

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے حضرت شیخ ابوالخیر حماد بن مسلم بن ذروۃ الدباسؒ (م ماہ رمضان ۵۳۱ھ یا ۵۳۵ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۱۳۷ء یا ۱۷/اپریل ۱۱۴۱ء)(۱۴۰) اور حضرت خواجہ ابویعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ء یا ۱۰۵۰ء۔وفات ۲۲/ربیع الاول یا ۲۷/رجب ۵۳۵ھ مطابق ۱۱/نومبر ۱۱۴۰ء یا ۱۴ مارچ ۱۱۴۱ء)(۱۴۱) سے بھی کسب فیض کیا ہے۔

== ۱۱۲۳ء کو وفات ہوئی اور اسی مدرسہ کے احاطے میں مدفون ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۴۹، ۱۵۰ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۹۰، ۹۱ دین کلیم قادری ☆ تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۳۹ مؤلفہ تنویر خان قادری بدایونی)

(۱۴۰) اسم گرامی ''حماد بن مسلم دباس'' اور ابوعبداللہ کنیت ہے، دباس دوشاب فروش یعنی انگور یا کھجور کا شیرہ بیچنے والے کو کہتے ہیں، جو باسی اور ترش ہو چکا ہو، اسی اعتبار سے اس کو دوش آب یعنی باسی کہا جاتا ہے، نیز اس کے معنی ٹھنڈا پانی بیچنے والے کے بھی ہیں، اپنے زمانے کے پیران کبار میں تھے، حضرت شیخ جیلانیؒ نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے، اوائل عمر میں آپ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، اور اسی زمانے میں آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی، کہ اس عجمی نوجوان کا قدم اپنے وقت کے تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا، ان پڑھ تھے لیکن اللہ پاک نے علم لدنی کی دولت سے مالا مال کیا تھا، کم وبیش آپ کے بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) مریدین تھے، ماہ رمضان ۵۳۱ھ یا ۵۳۵ھ مطابق ۳۰/مئی ۱۱۳۷ء یا ۱۷/اپریل ۱۱۴۱ء میں وفات پائی (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۵۱ مفتی غلام سرور لاہوری)

حضرت حمادؒ کے دو شیخ تھے: شیخ منصور بطائحیؒ ☆ اور ابوسعید مغربیؒ، دونوں سلسلۂ طریق حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ حمادؒ کو شیخ منصور بطائحیؒ سے، ان کو شیخ طلحہ ابومحمد انصاری شنبکیؒ سے، ان کو شیخ ابوبکر بن ہوازن البطائحیؒ سے، ان کو سہل بن عبداللہ تستریؒ سے، ان کو ذوالنون مصریؒ سے، ان کو سفیان بن عیینہؒ سے، ان کو عمرو بن دینار الجمعیؒ سے، ان کو عبداللہ بن عباسؓ سے، اور امام حسن بصریؒ سے، اور ان دونوں کو امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے۔

شیخ منصور بطائحیؒ کے اور بھی کئی ذیلی طریق ہیں، تطویل کی وجہ سے ان کو ترک کیا جاتا ہے۔

(۲) شیخ حمادؒ کو شیخ ابوسعید مغربیؒ سے، ان کو شیخ ابوبکر احمد بن عثمان مغربیؒ سے، ان کو شیخ ابوالفضل عبدالواحد سے، ان کو شیخ احمد بن اسمعیل مکیؒ سے، ان کو شیخ ابوبکر شبلیؒ سے، ان کو جنید بغدادیؒ سے، پھر یہ حضرت علیؓ تک چلا جاتا ہے (آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن ص ۱۳۶، ۱۳۷ مؤلفہ حکیم مولانا سید شاہ محمد شعیب نیر پھلورویؒ، ناشر: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء)

(۱۴۱) بڑے عالم وعارف اور اپنے وقت کے بلند پایہ مشائخ میں تھے، ساٹھ (۶۰) سال سے زیادہ مسند ارشاد پر متمکن رہے، کچھ عرصہ کوہ زرا (حوزان کے قریب) میں بھی مقیم رہے۔==

== آپ کی ولادت موضع ''بُوزَنجِرد'' (ہمدان کے نواحی میں ایک دیہات ہے) میں ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ (۱۰۴۹ء ۱۰۵۰ء) میں ہوئی، اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں بغداد آئے، اور یہاں حضرت ابواسحاق شیرازیؒ سے فقہ، اصول فقہ اور علم الخلاف کی کتابیں پڑھیں، قاضی ابوالحسین محمد بن علی بن مہتدی باللہ، ابوالغنائم عبدالصمد بن علی بن مامون، ابوجعفر محمد بن احمد بن مسلمہ وغیرہ سے سماع حدیث کیا، علاوہ اصفہان اور سمرقند کے دیگر مشائخ حدیث سے بھی استفادہ کیا۔

علم باطن میں مشہور قول کے مطابق آپ کو شیخ بوعلی فارمدیؒ سے نسبت حاصل تھی، ان کو حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ سے، ان کو حضرت ابوعثمان مغربیؒ سے، ان کو حضرت ابوعلی رودباریؒ سے، اور ان کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے۔

آپ شیخ ابوعبداللہ یوسف الجوینی نیشاپوریؒ اور شیخ حسن سمنانیؒ کی صحبت میں بھی رہے، اور حضرت نیشاپوریؒ سے خرقہ خلافت بھی حاصل ہوا۔ حضرت نیشاپوریؒ کو نسبت حاصل ہوئی شیخ ابوطالب مکیؒ سے، ان کو شیخ ابوبکر شبلیؒ سے، اور ان کو سید الطائفہ جنید بغدادیؒ سے (آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن ص ۱۳۶، ۱۳۷ مؤلفہ حکیم مولانا سید شاہ محمد شعیب نیرؔ پھلوارویؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء)

آپ کا شمار تصوف کے بلند پایہ مشائخ میں ہوتا ہے، مرو میں آپ کا قیام عرصہ تک رہا، وہاں آپ کی خانقاہ مرجع خلائق تھی، آپ کی مجلس میں بڑے بڑے علماء و صلحاء بیٹھتے تھے، وقفہ وقفہ سے آپ ہرات میں بھی رہے، ایک مرتبہ (غالباً ۵۱۵ھ) آپ بغداد تشریف لے گئے اور مدرسہ نظامیہ میں مجلس وعظ منعقد ہوئی، اسی موقعہ پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بھی آپ کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے، اور کسب فیض کیا، اور آپ ہی کے حکم پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے وعظ کہنا شروع فرمایا، جس کا ذکر شیخ نے خود اپنے خطبات میں کیا ہے، حضرت ہمدانیؒ نے آپ سے فرمایا کہ:

''تم میں وعظ کہنے کی صلاحیت و قابلیت موجود ہے، برسر منبر لوگوں کو وعظ سنایا کرو، کیونکہ میں تم میں ایک جڑ دیکھتا ہوں، جو عنقریب درخت ہوجائے گی''

(تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۹۴)

یوں تو آپ کی ذات سے بڑی تعداد میں خلائق فیضیاب ہوئی، لیکن آپ کے دو خلفاء ایسے ہیں جن سے دو اہم سلسلے پھیلے، اول حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ اور دوم حضرت احمد یسویؒ، اول الذکر سے سلسلۂ نقشبندیہ جاری ہوا، اور مؤخرالذکر سے سلسلۂ یسویہ منسوب ہوا، ترک صوفیاء کے لئے وہ ایک نمونہ تھے، حضرت احمد یسویؒ ''حضرت ترکستان'' کہلائے۔

حضرت ہمدانیؒ کی طرف بہت سی کرامات منسوب ہیں، آپ کا وصال ہرات سے مرو آتے ہوئے ہرات و بغشور کے مابین موضع ''بامئین'' میں بروز دوشنبہ ۲۲/ ربیع الاول (یا ۲۷/ رجب) ۵۳۵ھ م ۱۱/ نومبر ۱۱۴۰ء/ ۱۴ مارچ ۱۱۴۱ء) میں ہوا، اور وہیں تدفین بھی ہوگئی، کچھ عرصے کے بعد آپ کے مریدوں میں سے ابن النجار کی کوششوں سے آپ کا جسد مبارک مرو لے جایا گیا اور حظیرہ میں دفن کیا گیا۔

(تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ ص ۹۳ تا ۹۶ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی، تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۴۴ تا ۲۴۸ مؤلفہ مولانا محمد صادق قصوریؒ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۹۷ تا ۲۰۳ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۲۶) حضرت شیخ ابوالحسن علی ہنکاریؒ (ولادت ۴۰۷ھ/ ۱۰۱۷ء- وفات یکم محرم ۴۸۶ھ مطابق ۶ فروری ۱۰۹۳ء یا ۴۸۴ھ/ ۱۰۹۱ء) موصل ہنکاریہ (۱۴۲)

(۲۷) حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسیؒ (م ۳/ شعبان المعظم ۴۴۷ھ مطابق ۲ / نومبر ۱۰۵۵ء) طرطوس (بلاد شام) (۱۴۳)

(۲۸) حضرت شیخ ابوالفضل عبدالواحد تمیمیؒ ابن حضرت شیخ عبدالعزیز یمنیؒ (م ۳۰ / جمادی الثانیہ ۴۲۵ھ مطابق ۲۶ /مئی ۱۰۳۴ء) مقبرہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ بغداد (۱۴۴)۔

بعض شجرات میں شیخ عبدالواحد یمنیؒ اور شیخ ابوبکر شبلیؒ کے درمیان ان کے والد شیخ عبدالعزیز یمنی

(۱۴۲) اسم گرامی علی بن محمود (محمد) بن جعفر القرشی الھنکاری ہے، ایک نام ابراہیم بھی بتایا گیا ہے، لقب ابوالحسن ہے، حضرت ابوسفیان ابن الحارث کی اولاد میں ہیں، ہنکار موصل کے قریب ایک قصبہ ہے، ولادت ۴۰۷ھ/ ۱۰۱۷ء یا ۴۰۹ھ/ ۱۰۱۹ء میں ہوئی، علوم متداولہ کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت شیخ محمد بن شیخ یوسفؒ سے حاصل کی، اور خرقۂ خلافت حضرت ابوالفرح طرطوسیؒ سے حاصل ہوا، صاحب خوارق وکرامات، مقتدائے زمانہ، صائم الدہر اور قائم اللیل تھے، بعد نماز عشاء تا تہجد دو قرآن کریم ختم کرتے تھے، بے شمار مشائخ سے آپ کی ملاقات تھی، بعض اکابر نے آپ کو شیخ الاسلام کا خطاب دیا تھا، آپ کی نظر عنایت سے ہزاروں لوگ صاحب کمال ہوگئے، وفات یکم محرم ۴۸۶ھ مطابق ۶ فروری ۱۰۹۳ء یا ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء کو ہوئی، مزار بغداد کے گاؤں" ہنکار" میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۴۹ ☆ تذکرۃ مشائخ قادریہ ص ۹۰ ☆ تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۳۸)

(۱۴۳) اسم گرامی یوسف، کنیت ابوالفرح تھی، اپنے زمانے کے قدوۂ اولیاء وزبدۂ مشائخ میں شمار ہوتے تھے، توکل اور تجرید وتفرید پر تمام عمر ثابت قدم رہے (خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور ص ۱۴۸ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۳۷)

(۱۴۴) کنیت ابوالفضل ہے، والد کا نام عبدالعزیز بن حرث بن اسد تھا، حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ کے مرید اور خلیفۂ اعظم تھے، آپ کے والد ماجد اور پیر حضرت شیخ ابوالقاسم ابراہیم نصر آبادیؒ حضرت ابوبکر شبلیؒ کے صحبت یافتہ تھے، پہلے شیخ خراسان حضرت ابوالقاسم نصر آبادیؒ سے اکتساب فیض کیا، پھر حضرت شبلیؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور سرفراز خلافت ہوئے، آپ کا مذہب اہل سنت والجماعت اور مسلک جنیدیہ تھا، فقہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے، شیخ کے وصال کے بعد مسند آرائے ارشاد ہوئے، پورے عالم عرب کی سیاحت کی، کئی بار حرمین شریفین کی زیارت کی، البتہ زیادہ تر قیام بغداد میں رہا، ۲۶ یا ۳۰ / جمادی الثانیہ ۴۲۵ھ مطابق ۲۶ /مئی یا ۲ / جون ۱۰۳۴ء کو وصال فرمایا، حضرت امام احمد بن حنبل کے مقبرہ میں مدفون ہیں (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۴۰ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۸۸ مرتبہ دین کلیم قادری ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۳۷ مؤلفہ تنویر خان قادری بدایونی، ناشر تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۴ء)

(۱۱/ ذی الحجہ ۳۳۲ھ مطابق ۴/ اگست ۹۴۴ء) کا واسطہ ذکر کیا گیا، جب کہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ شیخ عبدالواحد یمنیؒ اپنے والد شیخ عبدالعزیزؒ سے بیعت نہیں تھے، بلکہ صرف از راہ عقیدت ان کا نام شجرہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالعزیز یمنیؒ شیخ عبدالواحد یمنیؒ کے بھائی تھے والد نہیں تھے(۱۴۵)۔

شیخ عبدالواحد یمنی کو ابن حجر وغیرہ اپنے ''اثبات'' میں تمیمی اور ایسے ہی عبدالعزیز یمنی کو تمیمی لکھتے ہیں، یہ بنی تیم کی طرف (جو عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے) نسبت ہے(۱۴۶)

(۲۹) حضرت شیخ ابوبکر شبلیؒ (م ۲۷/ ذی الحجہ ۳۳۴ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۹۴۶ء یا ۱۰/ ذی الحجہ ۳۴۱ھ) شبل بغداد(۱۴۷)

---

(۱۴۵) تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۴ بحوالہ الاسرار العالیۃ (مخطوطہ)

(۱۴۶) تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۴ بحوالہ افضل الشمائل ص ۲۷

(۱۴۷) اسم گرامی جعفر بن یونس ہے، بعض لوگوں نے دلف بن جعفر اور بعض نے دلف بن مجد دبھی لکھا ہے، مگر شیخ سلمیؒ کی روایت کے مطابق آپ کے مزار کے کتبہ پر جعفر بن یونس لکھا ہوا ہے، کنیت ابوبکر تھی، خراسانی النسل ہیں، موضع اشبلیہ کے رہنے والے تھے، لیکن پیدائش اور پرورش بغداد میں ہوئی، جائے ولادت ''سامرا'' ہے، ''اسروشنہ'' میں قیام تھا، آپ کے والد ماجد خلیفۂ بغداد کے حاجب (صدر چوبدار) تھے، خود شیخ شبلی نہاوند کے حاکم تھے، ایک مرتبہ خلیفہ نے آپ کو بلوا کر حسن خدمت کے صلے میں خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا، وہاں سے رخصت ہو کر دربار سے نکلے ہی تھے کہ اتفاقاً چھینک آئی، اور آپ نے اسی خلعت سے ناک صاف کر لی، آپ کے بعض درباری مخالفین نے خلیفہ کے یہاں اس کو بے ادبی کے طور پر شکایت کی، خلیفہ نے ناراض ہو کر آپ کو منصب سے معزول کر دیا، اس حادثہ نے شیخ کی زندگی بدل دی، آپ نے سوچا کہ جب ایک شخص اپنی خلعت کی بے حرمتی پر اسے معزول کر سکتا ہے، تو حاکم مطلق کی دی ہوئی نعمتوں کی ناقدری پر کیا سزا ملے گی؟، آپ نے ترک دنیا اختیار کر لی، اور حضرت ابوالحسین محمد بن اسماعیل خیر النساجؒ (متوفی ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام مکروہات دنیا سے توبہ کی، حضرت خیر النساجؒ نے توبہ کرانے کے بعد آپ کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں بھیج دیا، کیونکہ آپ ان کے قرابت داروں میں سے تھے، آپ نے حضرت کی خدمت میں رہ کر علم و عرفان کا بلند درجہ حاصل کیا، بڑے مجاہدات کئے، برسوں گلی کوچوں میں گداگری کی زندگی اختیار کی، یہاں تک کہ یکتائے روزگار ہو گئے، خود حضرت جنیدؒ آپ پر فخر کرتے تھے کہ ''ہر قوم کے لئے ایک تاج ہوتا ہے، اور میرا تاج شبلی ہیں۔

علامہ سلمیؒ کے بقول: ''تم شبلی کو اس آنکھ سے مت دیکھو جس سے تم دوسرے لوگوں کو دیکھتے ہو، شبلی اللہ کی آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہے''۔==

بعض شجروں میں خواجہ ابوالفرح یوسف طرطوسیؒ (نمبر ۲۷) اور حضرت ابوبکر شبلیؒ (نمبر ۲۹) کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے، عجب نہیں کہ شیخ طرطوسیؒ نے براہ راست حضرت شبلیؒ سے بھی فیض پایا ہو، واللہ اعلم بالصواب (۱۴۸)

(۳۰) حضرت سید الطائفہ خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادیؒ (م جمعہ ۲۷/ رجب المرجب ۲۹۷ھ یا ۳۰۴ھ مطابق ۱۵/ اپریل ۹۱۰ء یا ۹۱۶ء) بغداد (۱۴۹)

== آپ بڑے عالم اور حافظ حدیث تھے، پوری مؤطا مالک حفظ تھی (جس کے کچھ نمونے طبقات الصوفیۃ للسلمیؒ میں موجود ہیں) مسلکاً مالکی تھے، اکثر بیمار رہتے تھے، کہتے ہیں کہ بائیس (۲۲) مرتبہ اسپتال میں داخل کئے گئے، ستاسی (۸۷) سال کی عمر میں ۲۷/ ذی الحجہ ۳۳۴ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۹۴۶ء کو وفات پائی، وفات سے قبل ہی موت کی خبر پھیل گئی تھی، اور جوق در جوق لوگ حاضر ہونے لگے تھے، حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ ''حیرت ہے کہ مردے زندہ کے جنازہ کے لئے آرہے ہیں'' مزار مبارک بغداد میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت شبلیؒ فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ تم اپنے حواس پر قابو رکھو اور اپنے ساتھیوں کی حفاظت کرو، تصوف کا مطلب الفت پیدا کرنا اور مہربانی کرنا ہوتا ہے، اسی طرح آپ کا یہ قول بھی بہت مشہور ہے کہ آزادی دل کی آزادی کا نام ہے اور بس۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کون سی چیز بہت عجیب ہے؟ فرمایا: وہ دل جو اپنے خدا کو پہچانتے ہوئے بھی گناہ گار رہے۔ (آپ کے بہت سے اقوال طبقات الصوفیۃ اور نفحات الانس وغیرہ میں موجود ہیں)

(طبقات الصوفیۃ للسلمیؒ ص ۲۳۷ تا ۲۴۶ ☆ نفحات الانس للجامی ص ۳۸۶ تا ۳۹۰ ☆ خزینۃ الاصفیاء مفتی غلام سرور ص ۲۴۴ تا ۲۴۷)

(۱۴۸) تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۴ بحوالہ افضل الشمائل ص ۲۷

(۱۴۹) اسم گرامی جنید، کنیت ابوالقاسم، لقب سید الطائفۃ اور طاؤس العلماء تھا، قواریری وزجاج اور خراز بھی آپ کو کہا جاتا تھا، اس لئے کہ آپ کے والد محمد بن جنید الخراز آبگینہ فروش تھے، نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن ولادت و پرورش بغداد میں ہوئی، تعلیم ظاہری حضرت ابوثورؒ (جو حضرت امام شافعیؒ کے اکابر تلامذہ میں تھے) اور شیخ محمد بن علی قصابؒ سے حاصل کی، کہا جاتا ہے کہ عقیدہ میں آپ حضرت ابوثورؒ کے متبع تھے، اور مسلک فقہی میں حضرت سفیان ثوریؒ کے مقلد تھے، آپ کی شہرت اپنے علاقے کے مفتی اور محدث کی حیثیت سے بھی تھی، اونچے درجہ کے واعظ بھی تھے، گفتگو کے وقت آپ کے منہ سے نور نکلتا محسوس ہوتا تھا، آپ حضرت سری سقطیؒ کے بھانجے تھے، اور انہی کے مرید وخلیفہ بھی تھے، ان کے علاوہ حضرت شیخ حارث محاسبیؒ، اور شیخ محمد قصابؒ کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے، آپ کو ولایت میں درجۂ امامت حاصل ہوا۔ حضرت سری سقطیؒ سے کسی نے پوچھا کہ ''کیا کسی مرید کا درجہ اپنے پیر و مرشد سے بڑھ سکتا ==

(۳۱) حضرت خواجہ ابوالحسن شیخ سری سقطیؒ (م ۳/رمضان المبارک ۲۵۰ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۸۶۴ء یا ۲۵۱ھ مطابق ۸۶۵ء یا ۲/رمضان المبارک ۲۰۵ھ مطابق ۹/مارچ ۸۲۱ء یا ۲۵۳ھ مطابق ۸۶۷ء) بغداد(۱۵۰)

== ہے؟ فرمایا: ہاں کیوں نہیں --- جنید بغدادی کا درجہ مجھ سے بہت بلند ہے''

شیخ ابوجعفر حدادؒ فرماتے تھے کہ ''اگر عقل کو مردانہ صورت دی جاتی، تو جنیدؒ کی شکل میں ہوتی''

حضرت ردیمؒ، حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ، حضرت شیخ شبلیؒ جیسے مشائخ نے آپ سے روحانی استفادہ کیا، آپ سے نسبت رکھنے والوں کو ''جنیدیہ'' کہا جاتا ہے۔

آپ نے کامل تیس (۳۰) سال تک عشاء کی نماز پڑھ کر اور ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر اللہ اللہ کیا اور اسی عشاء کے وضو سے نماز صبح ادا کی ---آپ نہ سماع سنتے تھے، نہ وجد کرتے تھے، شریعت کے بے انتہا پابند تھے، ایک دن مجلس میں توحید کے متعلق کلام فرمارہے تھے، کہ ایک مرید نے نعرہ لگایا، شیخ نے اسے منع فرمایا اور کہا کہ اگر تم نے دوبارہ ایسی حرکت کی، تو تمہیں مجلس سے خارج کر دیا جائے گا، یہ کہہ کر پھر اپنے کلام میں مشغول ہو گئے، اس نوجوان میں تاب ضبط نہ تھی، دوبارہ نعرہ لگایا، شیخ جنیدؒ نے اس کی طرف نگاہ گرم سے دیکھا، وہ اسی وقت ہلاک ہو گیا، لوگوں نے جا کر دیکھا تو جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ آپ کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑے صاحب کمال وجلال تھے، بروز جمعہ ۲۷/رجب المرجب ۲۹۷ھ (۱۵/اپریل ۹۱۰ء) وفات پائی، ہفتہ کے دن مدفون ہوئے، مزار اقدس بغداد میں زیارت گاہ خلائق ہے، بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی زبان پر تسبیح جاری تھی، چار انگلیوں کو باندھے ہوئے تھے، بڑی انگلی کھولے ہوئے تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی، آنکھیں بند کیں اور واصل بحق ہو گئے (طبقات الصوفیہ للسلمی ص ۱۱۱ تا ۱۱۶ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۳۵ تا ۱۴۳ ☆ نفحات الانس للجامی ص ۲۴۱ تا ۲۴۵)

(۱۵۰) اسم گرامی: سری بن مغلس (یا ابن المغلس)، اور کنیت ابوالحسن ہے، حضرت شیخ معروف کرخیؒ کے نامور خلیفہ تھے، اپنے عہد کے مقتدائے زماں، شیخ وقت، صاحب علم اور امام اہل طریقت تھے، آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت جنید بغدادیؒ جن کو آپ کی طویل صحبت وخدمت (تقریباً ستر سال تک) نصیب ہوئی فرماتے ہیں، کہ میں نے حضرت سری سے زیادہ کسی کو عابد وزاہد نہیں دیکھا، ستر (۷۰) سال کے دوران میں نے مرض الموت کے سوا آپ کو کبھی لیٹے ہوئے نہیں دیکھا۔ سب سے پہلے بغداد میں آپ ہی نے برسر منبر حقائق توحید بیان کئے، عراق وعجم کے اکثر مشائخ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے، پیشہ تجارت تھا، خوردہ فروشی کی دکان تھی، متفرق چیزیں بیچا کرتے تھے، اسی لئے سقطی سے مشہور ہوئے، سقطی خوردہ فروش، بساطی اور متفرق چیزیں بیچنے والے (جنرل اسٹور) کو کہتے ہیں، دکان بازار میں تھی جس پر پردہ ڈال رکھا تھا، ہر روز ایک ہزار رکعت نماز نفل ادا کرتے تھے، دس دینار پر نصف دینار سے زیادہ نفع نہیں لیتے تھے، ایک دفعہ بازار میں آگ لگ گئی، لیکن آپ کی دکان محفوظ رہی، اس سے آپ بہت رنجیدہ ہوئے کہ ==

(۳۲) حضرت خواجہ ابو محفوظ معروف کرخیؒ (ولادت ربیع الاول ۱۵۶ھ/فروری ۷۷۳ء-وفات ۲یا۸ /محرم الحرام ۲۰۰ھ مطابق ۱۵یا۲۱ / اگست ۸۱۵ء بعض مؤرخین نے ۲۰۶ھ/ ۸۲۱ء بیان کیا ہے) کرخ، بغداد کا ایک محلہ ہے(۱۵۱)

== سب کی دکانیں ختم ہوگئی، میری کیوں بچ گئی؟ بالآخر آپ نے اپنی دکان کا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دیا، ۳/ رمضان المبارک ۲۵۰ھ مطابق ۱۱/ اکتوبر ۸۶۴ء کو وفات پائی، طبقات الصوفیہ میں ۲۵۱ھ ہے، جبکہ نفحات الانس میں تاریخ تو وہی ہے لیکن سن ۲۵۳ھ ہے (طبقات الصوفیہ للسلمیؒ ص ۴۸ تا ۵۲ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۲۰۷، ۲۰۸ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۳۱ تا ۱۳۵)

(۱۵۱) اسم گرامی: معروف، اور کنیت ابو محفوظ ہے، آپ کی ولادت ربیع الاول ۱۵۶ھ/ فروری ۷۷۳ء میں ہوئی، والد کا نام فیروز، یا فیروزان یا علی الکرخی تھا، مضافات بغداد کے ایک گاؤں کرخ کے رہنے والے تھے، پہلے اپنے والدین کے مذہب ترسا پر تھے، ترسا رومی زبان کا لفظ ہے اس کا اطلاق نصاریٰ و آتش پرست دونوں پر ہوتا ہے، حضرت علی رضاؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے، پھر آپ کے والدین بھی حضرت علی رضاؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوگئے، اور حضرت علی رضاؒ نے آپ کے والد کا اسلامی نام اپنے نام پر "علی" رکھا، حضرت معروف کرخی کو حضرت علی رضاؒ کے ساتھ بے پناہ عقیدت تھی، حضرت نے بھی آپ کی ایسی تربیت فرمائی کہ امام طریقت اور مقتدائے حقیقت بن کر دین و دنیا دونوں میں معروف ہوگئے، علوم ظاہری حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) سے حاصل کئے، طریقت میں حضرت حبیب راعیؒ کے مرید و خلیفہ تھے جو حضرت سلمان فارسیؓ کے تربیت یافتہ تھے، حضرت معروف تجرید و تفرید اور بے سر و سامانی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، حضرت داتا گنج بخش شیخ علی ہجویریؒ (متوفی ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۳ء) صاحب کشف المحجوب نے لکھا ہے کہ "شیخ معروفؒ کے مناقب و فضائل بے شمار ہیں، علوم میں قوم کے مقتدا اور امام ہیں"

حضرت معروف کرخی فرماتے تھے کہ "صالحین کی تعداد تو بہت ہوتی ہے لیکن ان میں صادقین کم ہی ہوتے ہیں"۔

۲یا۸ /محرم الحرام ۲۰۰ھ/۲۱ / اگست ۸۱۵ء کو بعہد مامون الرشید وفات پائی، بعض مؤرخ ۲۰۶ھ بیان کرتے ہیں، شیعوں نے آپ کے جسم کی ہڈیاں توڑ دی تھیں، اور آپ درد کی تاب نہ لا کر انتقال فرما گئے، وفات کے بعد یہود و نصاریٰ نے دعویٰ کیا کہ شیخ ہماری قوم کے آدمی ہیں، ہم تجہیز و تکفین کریں گے، مسلمانوں نے انکار کیا، نزاع بڑھی، خدام نے عرض کیا کہ شیخ کی وصیت یہ ہے کہ جو ہمارا جنازہ زمین سے اٹھائے گا ہم اسی سے ہیں، اس پر یہود و نصاریٰ نے باری باری جنازہ اٹھانے کی کوشش کی، مگر اٹھا نہ سکے، پھر مسلمان آئے انہوں نے جنازہ اٹھایا اور جس جگہ شیخ نے وفات پائی تھی اسی جگہ اسلام کے طریق کے مطابق دفن کیا گیا، مزار مبارک بغداد میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۲۶ تا ۱۳۰ ☆ طبقات الصوفیہ ص ۷۰ تا ۷۳ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۱۸۶ تا ۱۸۷)

(۳۳) حضرت خواجہ ابوسلیمان شیخ داؤد بن نصر طائیؒ (م ۹ / رمضان ۱۷۴ھ مطابق ۲۲ / جنوری ۷۹۱ء یا ۲۸ / ربیع الاول ۱۶۲ھ مطابق ۲۶ / دسمبر ۷۷۸ء یا ۱۶۵ھ / ۷۸۲ء) بغداد (۱۵۲)

(۳۴) حضرت شیخ حبیب العجمیؒ (م ۹ / رمضان المبارک ۱۳۰ھ مطابق ۱۵ / مئی ۷۴۸ء یا ۳ / ربیع الاول ۱۵۶ھ مطابق ۴ / فروری ۷۷۳ء) بصرہ (۱۵۳)

(۳۵) حضرت تاج العرفاء خواجہ ابوسعید حسن بصریؒ (ولادت ۲۱ھ / ۶۴۲ء - وفات یکم یا ۴ / محرم الحرام ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ مطابق ۱۱ / مئی ۷۲۸ء یا ۷۲۹ء) بصرہ (۱۵۴)

---

(۱۵۲) ابوسلیمان کنیت ہے حضرت حبیب عجمیؒ کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (م ۱۵۰ھ / ۷۶۷ء) سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، بیس (۲۰) سال تک آپ کے درس میں رہے اور اس پر فخر کرتے تھے، حضرت امام اعظمؒ بھی آپ کے مکان پر تشریف لاتے تھے، مشائخ متقدمین میں سے تھے، علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا علم فقہ میں آپ کو امام الفقہاء کہا جاتا تھا، آخری عمر میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید عالم شہزادگی میں حضرت امام ابو یوسفؒ کے ہمراہ آپ کے مکان پر تشریف لائے، مگر آپ نے اندر آنے کی اجازت نہ دی، بالآخر والدہ ماجدہ کی سفارش پر آپ نے ان حضرات سے ملاقات فرمائی، آپ کا وصال ۹ / رمضان ۱۷۴ھ مطابق ۲۲ / جنوری ۷۹۱ء یا ۲۸ / ربیع الاول ۱۶۲ھ مطابق ۲۶ / دسمبر ۷۷۸ء یا ۱۶۵ھ / ۷۸۲ء کو بغداد میں ہوا، اور وہیں مدفون ہوئے، (تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۷۸، ۷۹ مؤلفہ جناب محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۷۵ء / ۱۳۹۵ھ ☆ اور بعض تواریخ وفات شجرۂ طریقت حضرت سید عبدالباری شاہؒ ص ۱۹ مرتبۂ جناب ڈاکٹر مطیع الرحمن صاحبؒ، ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء سے بھی لی گئی ہیں)

(۱۵۳) اسم گرامی حبیب اور کنیت ابو محمد تھی، ابتدا میں لاکھوں روپے کا سودی کاروبار کرتے تھے، مگر اللہ پاک نے ان کو حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں پہونچایا اور ان کے ایک وعظ نے ان کی کایا پلٹ کر رکھدی، حضرت حسن کے ہاتھ پر توبہ کی اور بیعت ہوئے، اور اپنے تمام قرضداروں کے قرض معاف کردیئے، پھر اللہ پاک نے ایسا صاحب مقام بنایا کہ بڑے مشائخ آپ کے پاس تشریف لاتے تھے، خود حضرت حسن بصریؒ بھی اکثر و بیشتر آپ کے پاس آیا کرتے تھے، ان کے علاوہ حضرت امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ آپ کے ملنے والوں میں شامل تھے، ۱۵۶ھ / ۷۷۳ء میں وصال فرمایا، بعض کے نزدیک آپ کا سال وفات ۹ / رمضان المبارک ۱۳۰ھ مطابق ۱۵ / مئی ۷۴۸ء روز دوشنبہ ہے۔

(قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۳ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقیؒ بحوالہ وفیات الاخیار ص ۳۳ ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۷۷، ۷۸ مؤلفہ جناب محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۷۵ء / ۱۳۹۵ھ)

(۱۵۴) اسم گرامی حسن، کنیت ابو محمد، ابوسعید اور ابوالنصر ہے، آپ کے والد کا نام یسار تھا (جو بصرہ اور واسط کے درمیان ایک قصبہ عیسان کے رہنے والے تھے، قید ہو کر انصار کے غلام بنے) حضرت زید بن ثابتؓ کے مولیٰ تھے، وہ حضرت ==

(۳۶) حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ (ولادت ۱۳ / رجب المرجب بعد از واقعۂ فیل تیس (۳۰) سال- وفات ۲۱ / رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۳۰ / جنوری ۶۶۱ء) نجف اشرف (۱۵۵)

==حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے، اور والدہ ماجدہ کا نام بی بی خیرۃ تھا جو حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کی باندی تھیں، آپ کی ولادت حضرت فاروق اعظمؓ کے وصال سے دو سال قبل ۲۱ھ/ ۶۴۲ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی، جس دن آپ کی ولادت ہوئی اسی دن آپ کی والدہ آپ کو لے کر حضرت امیر المؤمنین عمر ابن الخطابؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، حضرت عمرؓ نے اپنے دست مبارک سے آپ کے منہ میں کھجور کا لعاب ٹپکایا، اور فرمایا کہ اس کا نام حسن رکھو اس لئے کہ یہ خوبصورت بچہ ہے، آپ کی تربیت میں حضرت ام سلمہؓ کا بڑا حصہ ہے، شیر خوارگی کے ایام میں آپ کی والدہ کبھی کام میں مشغول ہوتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہؓ اپنے پستان مبارک سے آپ کا منہ لگالیتیں، اور اس طرح آپ کو سکون ہوجاتا، آپ نے ایک سو تیس (۱۳۰) صحابہ کی زیارت کی، جن میں سات (۷) بدری صحابہ ہیں۔

حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر چودہ (۱۴) سال کی عمر میں بیعت ہوئے، اس کے بعد وہ کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے، آپ موتی جواہر اور مروارید کی تجارت کرتے تھے، جب حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو ساری دولت فقراء میں تقسیم فرمادی، وہ اپنے وقت کے بڑے امام، محدث اور فقیہ تھے، علم وعمل میں کوئی ان کا ہمسر نہیں تھا، تقریر کا بھی بڑا ملکہ تھا، ہفتہ میں ایک بار وعظ ہوتا تھا، عوام کی بہت بڑی تعداد آپ کا وعظ سننے کے لئے جمع ہوتی تھی، جس میں اپنے زمانے کے صلحاء واتقیاء بھی شریک ہوا کرتے تھے، ہمیشہ باوضو رہتے تھے، مستجاب الدعوات اور بڑے صاحب کشف وکرامات تھے آپ کی وفات ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں یکم یا ۴ / محرم الحرام ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ مطابق ۱۱ / مئی ۷۲۸ء یا ۷۲۹ء کو ہوئی، بعض لوگوں نے ۵ / رجب ۱۱۲ھ مطابق ۲۶ / ستمبر ۷۳۰ھ لکھا ہے، مگر پہلی تاریخ زیادہ درست ہے، آپ کے تین صاحبزادے اور پانچ خلفاء ہوئے جن میں حضرت حبیب عجمی اور خواجہ عبدالواحد بن زید کافی ممتاز ہیں (خزینۃ الاصفیاء ج ص ۱۱ تا ۱۶ مؤلفہ مفتی غلام سرور ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۴ تا ۱۲۱ مؤلفہ حضرت مولانا شیخ محمد زکریا صاحبؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم سہارن پور، ۱۳۹۳ھ)

(۱۵۵) نام نامی ''علی بن ابی طالب'' کنیت: ابوالحسن، ابوتراب، اور لقب: اسد اللہ، حیدر، صفدر اور کرار ہے، والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے، آپ کی ولادت بروز جمعہ مکہ معظّمہ اور بقول بعض خانۂ کعبہ میں ۱۳ / رجب المرجب بعد از واقعۂ فیل تیس (۳۰) سال ہوئی، بعثت نبوی کے وقت آپ کی عمر شریف صرف گیارہ (۱۱) سال تھی، اور نابالغ لڑکوں میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا، ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں مسند خلافت پر متمکن ہوئے، کل مدت خلافت پانچ سال تین ماہ رہی، بعض مؤرخین نے آپ کا دور خلافت چار سال نو ماہ لکھا ہے، وفات ۱۷ یا ۲۱ / رمضان المبارک ۴۰ھ م ۲۶ یا ۳۰ / جنوری ۶۶۱ کو ہوئی، آپ کی شخصیت سلسلۂ تصوف کے ماویٰ ومرجع کی ہے، آپ کے فضائل==

(۷۳) سید المرسلین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (م ۱۲ / ربیع الاول ۱۱ ءمطابق ۹ / جون ۶۳۲ ء) گنبد خضراء مدینہ منورہ (۱۵۶)

اس طرح یہ سلسلہ چھتیس (۳۶) واسطوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتا ہے، اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان چھتیس میں سے دس (۱۰) حضرات خاندان نبوت کے افراد ہیں، جن میں اباً عن جد (باپ دادا کے ذریعہ) نسبت منتقل ہوتی چلی آئی ہے، اس بنا پر اس کو سلسلۂ ذہبیہ (سنہرا سلسلہ) کہنا بجا ہے۔

نسبت ثانیہ آبائی سلسلہ

سلسلۂ قادریہ جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سے قادریہ کہلاتا ہے، حضرت معروف کرخیؒ (نمبر ۳۲) سے اس کا ایک اور سلسلہ بھی ہے، وہ اس طرح:

(۳۳) حضرت معروف کرخیؒ نے فیض حاصل کیا امام علی موسیٰ رضاؒ (ولادت: ۱۵۲ھ مطابق ۷۶۹ء اور بقول بعض ۱۱ / ربیع الاول ۱۵۳ھ مطابق ۱۷ / مارچ ۷۷۰ء - وفات ۲۱ / رمضان ۲۰۳ھ مطابق ۲۵ / مارچ ۸۱۹ء یا ۹ / صفر ۲۰۳ھ یا ۲۰۵ھ یا ۲۰۶ھ، یا ۲۲۸ھ (مطابق ۱۹ / اگست ۸۱۸ء یا ۸۲۰ء یا ۸۲۱ء یا ۸۴۲ء) یا ۲۰۲ھ (مطابق ۸۱۷ء) یا ۱۹ /صفر المظفر ۲۰۳ھ مطابق ۲۷ / اگست ۸۱۸ء) سے (۱۵۷)۔

==ومناقب پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، آپ کی ذات عظمیٰ ہر تعارف سے بلند و برتر ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۵۹ تا ۷۰)

(۱۵۶) سیرت طیبہ پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، اس حقیر کی بھی ایک کتاب ''مقام محمود'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، قارئین ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

(۱۵۷) اسم گرامی ''علی بن موسیٰ'' کنیت ''ابوالحسن'' اور القاب: رضا، صابر، زکی، ضامن، مرتضیٰ ہیں، آپ امام جعفر صادقؒ کے پوتا ہیں، والدہ ماجدہ کا نام مؤرخین نے ''تخمینہ، شمانہ، ام النبیین، اور استقراء لکھا ہے، وہ حضرت کاظم کی والدہ بی بی حمیدہ'' کی کنیزک تھیں، ایک رات حضرت حمیدہؒ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ نے فرمایا: کہ اپنی کنیزک تخمینہ کو اپنے بیٹے موسیٰ کے نکاح میں دے دو، عنقریب اس جوڑے سے ایک آفتاب طلوع ہوگا جس کی شعائیں رہتی دنیا تک جگمگاتی رہیں گی، وہ لڑکا روئے زمین کے بہترین انسانوں میں سے ہوگا۔==

(۳۴)انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام ابوالحسن موسیٰ کاظمؒ (ولادت ۷/صفر المظفر ۱۲۸ھ مطابق ۱۱/اکتوبر ۷۴۵ء-وفات ۵/رجب ۱۸۳ھ مطابق ۱۲/اگست ۷۹۹ء یا ۲۵/رجب ۱۸۳ھ مطابق یکم ستمبر ۷۹۹ء) سے (۱۵۸)۔

==چنانچہ حضرت تخمینہؒ کے بطن سے آپ کی ولادت مدینہ پاک میں ۱۵۲ھ (۷۶۹ء) اور بقول بعض گیارہ (۱۱) ربیع الاول ۱۵۳ھ (۱۷/مارچ ۷۷۰ء) میں بہ عہد مہدی عباسی ہوئی۔ ۲۵/سال کی عمر میں آپ منصب امامت پر فائز ہوئے۔ بڑے عالم، مفتی اور مناظر تھے، حضرت خواجہ معروف کرخیؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت امام محمد تقیؒ، اور حضرت ابوالقاسم مکیؒ جیسے مشائخ عظام آپ کے دربار کے فیض یافتہ اور پروردہ ہیں۔

خلیفہ مامون نے آپ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا، اور اپنی بیٹی سے نکاح بھی کیا، درباری حاسدوں نے آپ کی اس تکریم و تعظیم کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کیں، لیکن اللہ پاک نے ان سب کو ذلیل کیا، اور آپ کی کئی کرامات اس دوران ظاہر ہوئیں، پھر مامون کی زندگی میں ہی انچاس (۴۹) سال کی عمر میں ۹/رمضان المبارک ۲۰۸ھ (۱۸/جنوری ۸۲۴ء) کو آپ انتقال فرما گئے، غالباً مامون نے زہر دے دیا تھا، بعض کتابوں میں سن وفات ۲۱/رمضان ۲۰۳ھ (مطابق ۲۵/مارچ ۸۱۹ء) مذکور ہے، بعض تذکروں میں تاریخ وفات ۹/صفر ۲۰۳ھ یا ۲۰۵ھ یا ۲۰۶ھ، یا ۲۲۸ھ (مطابق ۱۹/اگست ۸۱۸ء یا ۸۲۰ء یا ۸۲۱ء یا ۸۴۲ء) بھی درج ہے، ابن خلکان نے سال وصال ۲۰۲ھ (مطابق ۸۱۷ء) لکھا ہے، روضہ طوس کے قصبہ شاہ آباد میں واقع ہے، اس کو اب مشہد مقدس (بغداد) بھی کہا جاتا ہے، پانچ (۵) فرزند: حضرت محمد جواد، حضرت جعفرؒ، حضرت حسینؒ، حضرت ابراہیمؒ، حسنؒ اور ایک صاحبزادی یادگار چھوڑے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۰۰ تا ۱۰۹ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۷۴ تا ۷۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۵ھ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۲۷، ۲۸ مؤلفہ تنویر خان قادری بدایونی، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی بدایوں ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۴ء)

(۱۵۸)اسم گرامی ''موسیٰ'' اور لقب ''کاظم'' کنیت: ابوالحسن اور ابوابراہیم ہے، ولادت ۷/صفر المظفر ۱۲۸ھ (۱۱/اکتوبر ۷۴۵ء) کو بمقام ابوا (مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام، جہاں حضرت آمنہؓ کی قبر مبارک ہے) ہوئی، والد کا نام حضرت امام محمد جعفر صادقؒ اور والدہ کا نام حضرت ام ولد بی بی حمیدہ بربریہؒ ہے، مستجاب الدعوات تھے، آپ کی وفات کے بعد قبر شریف کے پاس بھی اجابت دعا کی تاثیر برقرار رہی، زاہد، قانع، متوکل اور فیاض تھے، بڑے صابر و شاکر اور متحمل المزاج تھے، اسی وجہ سے آپ کا لقب کاظم (غصہ پی جانے والا) پڑ گیا، دنیوی لحاظ سے بھی نہایت متمول اور صاحب وجاہت تھے، مگر یہ دولت اکثر غرباء میں خرچ ہوتی تھی، طریقت و شریعت کے مشکل مسائل وقت کے علماء آپ سے حل کیا کرتے تھے، ریاضت و مجاہدہ میں بھی کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا، تمام اہل عرب و عجم آپ کی قیادت و امامت کو باعث فخر سمجھتے تھے، آپ کے بیس یا اکیس یا پچیس صاحبزادے اور اٹھارہ (۱۸) یا بائیس یا اٹھائیس ==

(۳۵) انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام جعفر صادقؒ (ولادت ۱۳ یا ۱۷ / ربیع الاول ۸۰ھ مطابق ۲۱ یا ۲۴ / مئی ۶۹۹ء - وفات ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۸ھ یا ۱۴۹ھ مطابق ۶ / ستمبر ۷۶۵ء یا ۷۶۶ء، یا ۲۴ / شوال المکرم ۱۴۸ھ مطابق ۱۳ / دسمبر ۷۶۵ء) سے (۱۵۹)۔

== صاحبزادیاں کئی بیویوں سے تھیں، صاحبزادوں میں حضرت علی موسیٰ رضا سب سے بڑے تھے، آپ کے خلفاء میں حضرت علی موسیٰ رضاؒ اور حضرت شیخ مطلبیؒ بہت ممتاز ہوئے۔

ہمیشہ حکومت کی نگاہ میں آپ کھٹکتے رہے، خلیفہ مہدی عباسی نے آپ کو عراق طلب کیا تھا، لیکن پھر مدینہ باعزت واپس بھیج دیا، مگر ہارون رشید کا زمانہ آیا تو مدینہ کے ایک سفر میں آپ کو اپنے ساتھ بغداد لیتا گیا، اور قید خانہ میں ڈال دیا، کئی بار آپ پر قاتلانہ حملے ہوئے، لیکن آپ بال بال محفوظ رہے، یہاں تک کہ کھجور میں زہر ملا کر آپ کو کھلا دیا گیا، جس سے بدن مبارک سرخ اور پھر سیاہ ہو گیا، اور بالآخر ۵ / رجب ۱۸۳ھ (۱۲ / اگست ۷۹۹ء) اور بعض کتابوں کے مطابق ۱۸۸ھ مطابق ۸۰۳ء کو آپ کی وفات ہوگئی، عمر مبارک چون یا پچپن سال تھی، مزار شریف بغداد معلی میں واقع ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۹۵ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ مجیدیہ ص ۲۵، ۲۶ ☆ تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۷۳)

(۱۵۹) آپ کا اسم گرامی جعفر، کنیت ابوعبداللہ اور لقب صادق ہے، آپ امام محمد باقر ابن زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علیؓ کے صاحبزادے ہیں، آپ کی والدہ ام فروہؒ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ کی صاحبزادی تھیں، یعنی حضرت ابوبکر صدیق کی پڑپوتی تھیں اور پرنواسی بھی، آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ یا ۱۷ / ربیع الاول ۸۰ھ (۲۱ یا ۲۴ / مئی ۶۹۹ء) کو مدینۂ منورہ میں ہوئی، علم باطن میں آپ کو دو سلسلوں سے نسبت حاصل تھی:

۱- ایک سلسلہ جو زیادہ مشہور ہے، اور نقشبندیت کی بنیاد عموماً اسی پر رکھی جاتی ہے، وہ آپ کے نانا حضرت قاسم بن محمدؒ کا ہے، ان کو نسبت حاصل ہوئی حضرت سلمان فارسیؓ سے، ان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے، ان کو سرور دو عالم ﷺ سے۔

اسی نسبت کی بنا پر حضرت امام جعفر صادقؒ فرماتے تھے، کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مجھ کو دوہری ولادت کا رشتہ ہے۔

۲- دوسرا ان کا آبائی سلسلہ ہے، یعنی امام جعفر کو نسبت حاصل ہوئی اپنے والد امام محمد باقرؒ سے، ان کو اپنے والد امام زین العابدینؒ سے، ان کو اپنے والد حضرت امام حسینؓ سے، ان کو اپنے والد امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے، اور ان کو حضرت رسول پاک ﷺ سے۔ (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲۲۸، ۲۳۸)

آپ چودہ (۱۴) سال اپنے دادا حضرت امام زین العابدینؒ، چونتیس (۳۴) سال اپنے والد امام باقرؒ، اور ستائیس (۲۷) سال اپنے نانا حضرت امام قاسمؒ کے سایۂ تربیت میں رہے، اس طرح آپ کو ان تینوں سرچشموں سے فیضیاب ہونے کا موقعہ ملا، آپ تبع تابعین میں سے ہیں، آپ کے عہد میں اہل بیت کرام میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا، مشہور حفاظ حدیث میں سے تھے، علامہ ابن سعد آپ کو ''کثیر الحدیث'' اور حافظ ذہبی ''سادات اور اعلام حفاظ'' میں لکھتے ہیں، حدیث میں آپ کے اساتذہ والد بزرگوار امام محمد باقرؒ، محمد بن منکدرؒ، عبید اللہ بن ابی رافعؒ، عطاءؒ، عروہؒ، قاسم بن محمدؒ، نافعؒ ==

(۳۶)انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؒ (ولادت ۵۷ھ مطابق ۶۷۶ء اور بقول بعض ۵۸ھ وفات ۷/ ذی الحجہ ۱۱۲ھ مطابق ۲۳/فروری ۷۳۱ء) سے(۱۶۰)۔

(۳۷)انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام علی زین العابدینؒ (ولادت ۳۳ھ/ ۶۵۳ء اور دوسری روایت کے مطابق ۵۰ھ/-وفات ۱۸/محرم الحرام ۹۴ھ مطابق ۲۴/ اکتوبر ۷۱۲ء یا ۹۹ھ

==اور امام زہریؒ جیسے کبار محدثین ہیں، اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضرت شعبہؒ، سفیان ثوریؒ، سفیان بن عیینہؒ، ابن جریجؒ، ابوعاصمؒ، امام مالکؒ، وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ ہیں، جملہ علوم پر آپ کو دسترس حاصل تھی، حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ میں نے اہل بیت میں امام جعفرؒ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا، بڑے زاہد، متقی، خداترس اور رقیق القلب تھے، آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی قسمت کے حصے پر قناعت کرتا ہے، وہ مستغنی رہتا ہے، اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔

آپ اپنے دور میں مرجع خاص وعام تھے، بڑے بڑے اکابر نے آپ سے کسب فیض کیا، صاحب کرامات تھے، بہت سے واقعات آپ کی طرف منسوب ہیں، آپ نے بنوامیہ اور بنوعباس دونوں دور دیکھے، آپ کی وفات حسرت آیات ۱۵/ رجب المرجب یا ماہ شوال ۱۴۸ھ/ ۱۴۹ھ مطابق ۲۹/ اگست ۷۶۶ء/ ۷۶۵ء کو اڑسٹھ سال کی عمر میں مدینہ پاک میں ہوئی، اور جنت البقیع میں آرام فرما ہیں **(الاعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين ج ۲ ص ۱۲۶ تأليف خير الدين الزركلي دار العلم — بيروت بحواله: نزهة الجليس للموسوي 2: 35 ووفيات الاعيان 1: 105 والجمع 70 واليعقوبي 3: 115 وصفة الصفوة 2: 94 وحلية الاولياء 3: 192** ۔☆ تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۱۲ تا ۲۱۹ ☆ تذکرۂ نقشبندیہ توکلیہ ص ۵۷ تا ۶۳ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تہذیب التہذیب للعسقلانی، طبقات کبریٰ للشعرانیؒ، صواعق محرقہ لابن حجرؒ، شواہد النبوۃ للجامی، تذکرۃ الاولیاء للعطار، کشف المحجوب ہجویریؒ)

(۱۶۰) اسم گرامی ''محمد بن علی بن امام حسینؓ''، لقب باقر اور کنیت ابوجعفر ہے، ۵۷ھ مطابق ۶۷۶ء اور بقول بعض ۵۸ھ میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی، والدہ ماجدہ کا اسم گرامی ''فاطمہ بنت حسن بن علی المرتضیٰؓ'' ہے، آپ نے حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ کا زمانہ پایا، آپ تابعین میں شامل ہیں، صحاح ستہ میں آپ سے روایات نقل کی گئی ہیں، علوم ظاہری و باطنی اپنے والد ماجد حضرت امام زین العابدینؒ، حضرت ابن مسیبؒ اور ابن حنفیہؒ سے حاصل کئے، آپ کا لقب باقر اس لئے پڑا کہ آپ نے علم کو شق کیا اور اس کی جڑ کو پہچانا، عابد و زاہد اور شب بیدار تھے، آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ آپ کی وفات بروز دوشنبہ ۷/ ذی الحجہ ۱۱۲ھ (۲۳/فروری ۷۳۱ء) ہوئی، علامہ شعرانیؒ اور مدائنیؒ نے ۱۱۷ھ مطابق ۷۳۵ء لکھا ہے، یحییٰ بن معینؒ نے ۱۱۸ھ م ۷۳۶ء، امام بخاریؒ نے امام جعفر صادقؒ کے قول کے مطابق ۱۱۴ھ/ ۷۳۲ء تحریر کیا ہے، جو کہ ہشام اموی کا عہد تھا، حافظ ابن حجرؒ نے بھی یہی لکھا ہے، (تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۶۹، ۷۰ مؤلفہ دین محمد قادریؒ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۸۰ تا ۸۴)

مطابق ۷۱۷ء یا ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء سے (۱۶۱)۔

(۳۸) انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت سیدنا امام حسینؓ (ولادت ۴/شعبان المعظم ۳ھ یا ۴ھ مطابق ۶۲۴ء یا ۶۲۵ء۔شہادت ۱۰/محرم ۶۱ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۶۸۰ء) سے (۱۶۲)۔

(۳۹) انہوں نے اپنے والد ماجد امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ (ولادت ۱۳/رجب المرجب بعداز واقعۂ فیل تیس (۳۰) سال۔وفات ۱۷یا۲۱/رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق

(۱۶۱) اسم گرامی علی بن حسینؓ بن حیدر کرار علی المرتضیٰؓ، کنیت: ابوبکر، ابوالحسن اور ابومحمد، اور لقب: سجاد اور زین العابدین ہے، والدہ ماجدہ کا اسم گرامی بی بی شہربانو بنت یزدجرد بن نوشیرواں عادل ہے، ولادت مدینہ منورہ میں ۳۳ھ/ ۶۵۳ء اور دوسری روایت کے مطابق ۵۰ھ/ ۶۷۰ء میں ہوئی، آپ نے اکابر صحابہ مثلاً حضرت امام حسینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت مستورؓ، حضرت ابورافعؓ، اور ازواج مطہرات میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت صفیہؓ وغیرہ سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کئے، طبقۂ تابعین کے تمام بزرگ آپ کی عظمت کے قائل تھے، آپ کم سنی سے ہی فصیح اللسان تھے، واقعۂ کربلا کے بعد حضرت امام حسینؓ کے لڑکوں میں صرف آپ تنہا باقی رہ گئے تھے، اس وقت آپ کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی اور بیمار تھے، آپ کے آٹھ (۸) فرزند تھے، کوئی لڑکی پیدا نہ ہوئی، انہی فرزندوں سے آج ساری دنیا میں حسینی سادات پھیلے ہوئے ہیں، نہایت کریم اور عبادت گذار تھے، خلق خدا میں آپ کا اونچا مقام تھا، روایت میں ہے کہ ہشام بن عبدالملک حج کے لئے مکہ معظّمہ حاضر ہوا، تو لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے حجر اسود تک نہ پہونچ سکا، مجبوراً منبر پر چڑھ کر اس نے خطبہ دیا، اسی اثنا حضرت زین العابدین تشریف لائے، تو سارا مجمع بغیر کہے سنے کائی کی طرح چھٹ گیا، اور لوگوں نے حجر اسود کو آپ کے لئے خالی کر دیا، مشہور شاعر فرزدق نے اس واقعہ سے متأثر ہو کر فی البدیہ اشعار کہے، اس کی پاداش میں ہشام نے اس کو بمقام عسفان قید کر دیا ہے، علامہ عبدالوہابؒ نے آپ کا سن وفات ۹۹ھ مطابق ۷۱۷ء تحریر کیا ہے، اور سن شریف اٹھاون (۵۸) سال بتایا ہے، شہزادہ داراشکوہ نے ۹۵ھ مطابق ۷۱۳ء لکھا ہے، بعض نے ۱۸/محرم الحرام ۹۴ھ مطابق ۲۴/اکتوبر ۷۱۲ء لکھا ہے، مزار پر انوار جنت البقیع میں حضرت امام حسنؓ کے روضۂ اطہر کے پہلو میں ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۶۷، ۶۸ مؤلفہ: جناب دین کلیم قادری)

(۱۶۲) اسم گرامی: حسین، کنیت: ابوعبداللہ، ابوالائمہ، اور لقب: شہید، سید، سید الشہداء ہے، آپ کی ولادت ۴/شعبان المعظم ۳ھ یا ۴ھ (مطابق ۲۲/جنوری ۶۲۵ء یا ۶۲۶ء) کو بروز منگل مدینہ پاک میں ہوئی، صرف چھ (۶) ماہ والدہ کے پیٹ میں رہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر آپ کا نام حسین رکھا گیا، شہادت میدان کربلا میں جمعہ کے دن ۱۰/محرم الحرام ۶۱ھ/ ۱۰/اکتوبر ۶۸۰ء کو ہوئی، آپ کے حالات و مناقب پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں، آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۷۲ تا ۷۵)

۲۶ یا ۳۰ / جنوری ۶۶۱ء) سے۔

(۴۰) اور انہوں نے سید المرسلین خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (م ۱۲ / ربیع الاول ۱۱ھ مطابق ۹ / جون ۶۳۲ء) سے (۱۶۳)

سلسلۂ قادریہ رزاقیہ کی یہ شاخ انتالیس (۳۹) واسطوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک منتہی ہوتی ہے، جن میں سترہ (۱۷) حضرات خاندان نبوت کے ایسے افراد ہیں جن میں اباً عن جد (باپ دادا کے ذریعہ) نسبت منتقل ہوتی چلی گئی ہے، اس طرح سلسلہ کی یہ شاخ بھی گو کہ نسبتاً لمبی ہے لیکن سلسلۃ الذھب ہے۔

(۱۶۳) قطب الاقطاب سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ ص ۴۵ مؤلفہ جناب محی الدین قادری رزاقیؒ ☆ تذکرۂ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۵، ۱۰۶ مؤلفہ محمد رضا انصاری

(۲)

سلسلۂ دوم

سلسلۂ قادریہ مجیبیہ - تعارف، مزاج ومذاق اور خصوصیات

خانقاہ قادریہ مجیبیہ فریدیہ پھلواری شریف کی طرف رجوع

حضرت منورویؒ نے سلوک قادریہ کی تکمیل نانا جان (حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ) سے کر لی تھی، منازل سلوک نانا جان نے طے کرا دیئے تھے، اور اجازت وخلافت سے بھی آپ سرفراز ہو چکے تھے، لیکن عین عنفوان شباب میں (جب کہ آپ طب کی تعلیم کے لئے لکھنؤ میں تھے) نانا جان کے وصال سے زندگی میں ایک خلا پیدا ہو گیا تھا، دل کی دنیا اجڑ سی گئی تھی، اور کسی روحانی سرپرست سے محرومی کا احساس ہمہ وقت دامن گیر رہنے لگا تھا، دہلی کے سفر (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء) میں حضرت شاہ ابو الخیر دہلوی مجددیؒ کی صورت میں جو مرشد روحانی میسر ہوئے تھے، ان کا سایہ بھی (۱۹۲۳ء میں) سر سے اٹھ چکا تھا--- گو کہ دادا جان اور حضرت شاہ ابوالخیرؒ کی توجہات عالیہ سے ولایت نقشبندیت سے بھی سرفراز ہو چکے تھے، لیکن عمر کم تھی، اور پیاس زیادہ، ہر لمحہ ایک نئی منزل کی جستجو آپ کو پریشان رکھتی تھی، ہندوستان اب بھی اکابر سے لبریز تھا، اس لئے دوسروں میں نعمتوں کی تقسیم سے زیادہ خود موجودہ بزرگوں سے نعمتیں حاصل کرنے کا پورا موقعہ تھا، اور حضرت منورویؒ کے یہاں علم ظاہر کی طرح علم باطن میں بھی قناعت کا کوئی خانہ نہیں تھا، اور رب زدنی علماً (اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرمائیے) ان کے پیش نظر تھا۔

چنانچہ دہلی سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد (۱۶۴) والدہ ماجدہ (حضرت سیدہ حلیمہؒ) کے ایماء پر

(۱۶۴) جناب حاجی محمد یونس صاحب (مقام رسرا ضلع بلیا یوپی) نے میرے والد ماجد سے بیان فرمایا کہ مجھے پیر کی تلاش تھی، میں جب حضرت حکیم صاحب سے منورواشریف میں ان کے گھر پر ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور اپنی اس آرزو کا ذکر کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں بھی پیر کی تلاش میں ہوں، یہ وہی موقعہ تھا جب حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ کا انتقال ہو چکا تھا، اور آپ کسی مرشد کی تلاش میں تھے، غالباً ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء کی بات ہے، اور پھر مجھے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا، اور حضرت مونگیریؒ کے بڑے مناقب بیان فرمائے اور کہا کہ آپ کو وہیں==

حضرت مولانا شاہ عبید اللہ قادری مجیبی فریدی پھلواروی (ولادت ۹ / جمادی الثانیہ پنجشنبہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۱ / جون ۱۸۷۷ء - وفات ۳ / شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۵ /جنوری ۱۹۲۹ء) کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ، (۱۶۵) اور سلسلۂ قادریہ مجیبیہ کے فیوض وکمالات حاصل کر کے نسبت

== سے فیض ملے گا، میں نے پوچھا کہ پھر آپ؟ تو فرمایا کہ میرا حصہ وہاں نہیں ہے، میں ابھی غور کر رہا ہوں، چنانچہ حاجی صاحب حضرت مونگیری سے جا کر بیعت ہو گئے ،اگلے سفر میں جب ملاقات ہوئی تو فرمایا کہ میں نے والدہ کے ایما پر پھلواری شریف چھوٹی خانقاہ میں حضرت شاہ عبید اللہ صاحب سے بیعت کر لی ہے۔

واضح رہے کہ منورواشریف میں ایک عراقی قبیلہ آباد ہے، حاجی صاحب کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا اور یہاں ان کی رشتہ داری تھی ،اس لئے اکثر ان کی آمد و رفت یہاں رہتی تھی ، ان کا وصال حضرت منوروی کے بعد ہوا۔

(۱۶۵) حضرت مولانا شاہ عبید اللہ صاحب کی ولادت ۹ / جمادی الثانیہ پنجشنبہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۱ / جون ۱۸۷۷ء کو ہوئی ،صغرسنی ہی میں والدہ کا انتقال ہو گیا، اس لئے آپ کی پرورش آپ کے نانا اور نانی نے کی ،ابتدائی کتابیں اپنے والد اور اپنے چچا حضرت مولانا شاہ محمد صفت اللہ (ولادت ۳ / ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۳۵ء - وفات ۵ /صفر المظفر ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰ / اپریل ۱۹۰۴ء) سے پڑھیں ، ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں مدرسہ خانقاہ مجیبیہ میں مولانا عبد اللہ رامپوری سے شرح وقایہ اور میر قطبی کا سبق شروع کیا، ابھی چند مہینے گذرے تھے کہ آپ کے عم محترم اور پیر طریق حضرت مولانا شاہ اشرف مجیب (ولادت ۲۸ /شوال المکرم ۱۲۵۲ھ مطابق ۴ /فروری ۱۸۳۷ء وفات ۹ / شعبان ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۴ /جنوری ۱۸۹۶ء) کا انتقال ہو گیا، آپ کے منجھلے چچا اور استاذ حضرت شاہ محمد صفت اللہ نے آپ کو ان کا جانشین مقرر کیا، اس کی وجہ سے درس کا سلسلہ ایک عرصہ تک موقوف رہا، جانشینی کے بعد آپ نے بعض دوسرے اساتذہ سے تعلیم پائی۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد نعمت مجیب (ولادت ۲۸ /محرم الحرام ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۶ / جون ۱۸۳۳ء وفات ۷ /شوال ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۶ /مئی ۱۸۹۰ء) نے اپنے روبرو مرض موت میں مولانا شاہ اشرف مجیب کی نیابت سے آپ کی بیعت لی تھی،---اور آپ کے چھوٹے چچا مولانا شاہ اشرف مجیب نے اپنے زمانۂ انتقال سے پیشتر اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اور آپ کے منجھلے چچا شاہ صفت اللہ نے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا۔

آپ کی شادی چودھری واعظ الدین احمد (پٹنہ) کی صاحبزادی سے ہوئی ،ان سے ایک صاحبزادے مولانا شاہ محمد نعمت اللہ پیدا ہوئے۔

۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۵ء میں حج وزیارت مدینہ سے بہرہ یاب ہوئے ، حج سے واپسی کے بعد دو سال تک مختلف امراض میں مبتلا رہے، سر میں دو جگہ آپریشن ہوا، پیر میں بھی دو مرتبہ آپریشن ہوا، لیکن اس کے باوجود رمضان میں برابر روزے رکھے، کھڑے ہو کر تراویح کی نماز پڑھی ،وفات سے قبل اپنے احباب میں ایک ایک شخص سے معافی مانگی ==

واجازت سے مشرف ہوئے۔

==وفات سے ایک روز پیشتر آیت ''**لایرون فیھاشمسأولازمھریرًا**'' کے متعلق عجیب وغریب تقریر فرمائی، انتقال کے روز لوگوں نے عرض کیا کہ آج مرض میں افاقہ معلوم ہوتا ہے،فرمایا کہ کبھی افاقہ موت کا بھی ہوجایا کرتا ہے، وفات سے کچھ پیشتر موضع عیسیٰ پور کے ایک مخلص بزرگ نے آپ کے پاس سے کئی مرتبہ جانے کا ارادہ کیا، آپ ہر بار یہی فرماتے رہے کہ توقف کیجئے آپ نہیں سمجھتے ہیں، یہ وقت جانے کا نہیں ہے، اسی وقت امراؤ خان قوال حاضر ہوا اور آپ نے کچھ گانے کی فرمائش کی، قوال نے یہ رباعی پڑھی:

اے صاحب تاج خودنمائی سن لے　　　وے مالک تخت کبریائی سن لے
فریادہر ایک دل کی سننے والے　　　سن لےسن لےمیری دہائی سن لے

اس کے علاوہ حضرت جامیؒ کی توحیدی غزل کے کچھ اشعار سنے، آپ پر رقت طاری ہوئی، آپ کو ایک بنارسی خادم اور صاحبزادہ مولانا شاہ محمد نعمت اللہ الفریدی سہارا دے کر کمرے کے اندر لے گئے، آخری کلمات طیبات جو آپ کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

استغفراللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم.

ان کلمات کے ساتھ ہی روح اعلیٰ علیین کو پرواز کرگئی، آپ کا وصال ۳/شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۵/جنوری ۱۹۲۹ء کو بارہ بج کر پندرہ منٹ پر ہوا، غسل وتکفین کے بعد یہ عجیب بات دیکھی گئی کہ چہرۂ انور جو بیماری کی وجہ سے سفید ہوگیا تھا، بالکل تندرست وتوانا دس سال قبل کی طرح ہوگیا تھا، چنانچہ بعض حضرات دیکھ کر بول اٹھے کہ یہ دس برس قبل کا چہرہ معلوم ہوتا ہے، اپنی خانقاہ کے حجرہ میں اپنے مرشد وعم محترم حضرت مولانا شاہ اشرف مجیبؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے، حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلوارویؒ نے یہ تاریخ وفات کہی:

فخر اقراں مولوی شاہ عبیداللہ آہ　　　مجھ برادر سے جدائی تاقیامت ہوگئی
دردوغم سے اپنی حالت کیا کہوں کس سے کہوں　　　ہاں مگر اتنا کہوں گا ہائے رخصت ہوگئی (۱۳۴۶ھ)

(آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۵، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ☆اور بعض چیزیں اس اشتہار سے لی گئی ہیں جو حضرت کے وصال کے فوری بعد جناب مولانا محمد عزیز فریدی مجیبی پھلوارویؒ کی جانب سے شائع کیا گیا تھا، جو حضرت شاہ عبیداللہ صاحب سے بیعت اور مدرسہ معینیہ اجمیر شریف سے فارغ التحصیل تھے، اور مدرسہ اسلامیہ موتیہاری میں مدرس رہے، یہ اشتہار میرے پاس موجود ہے، اس اشتہار میں جناب عزیز صاحب نے حضرت کی سوانح عمری مرتب کرنے کے ارادہ کا اظہار بھی کیا تھا، پتہ نہیں وہ شرمندۂ تعمیل ہوا یا نہیں)

حضرت شاہ عبیداللہ قادری فریدیؒ کے انتخاب کی وجہ

پھلواری شریف میں حضرت شاہ عبیداللہ قادریؒ کے انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ نانیہال کی جانب سے ان سے شاید کوئی قرابت قائم تھی، حضرت منورویؒ کی والدہ ان کو بھائی کہتی تھیں، اب یہ نہیں معلوم کہ یہ رشتہ کس طرح اور کہاں سے تھا، لیکن حضرت منورویؒ ان کو ماموں جان کا مقام دیتے تھے، اور اس طرح نانا جان کی کمی اللہ پاک نے ماموں جان سے پوری کی، حضرت شاہ عبیداللہ صاحبؒ آپ پر بے پناہ شفیق اور مہربان تھے، اور اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے، پھلواری شریف میں قیام کے دوران اکثر ساتھ میں ہی ہم طعامی کا شرف بخشتے تھے۔

حضرت شاہ عبیداللہؒ کے کشف وتصرف اور شفقت کا ایک واقعہ

ایک بار کا قصہ ہے کہ رمضان المبارک میں حضرت منوروی خانقاہ فریدی میں قیام پذیر تھے، سحری غالباً انفرادی طور پر کھائی جاتی تھی، اور خانقاہ سے بہت مختصر ملتی تھی، شاید ایک پتلی چپاتی اور ایک چھوٹی پیالی فیرنی، حضرت منورویؒ جوان تھے، دل میں خیال آیا کہ اس مختصر سی سحری سے روزہ کس طرح ادا ہوگا؟ خیر کسی طرح سحری کے بعد حضرت منوروا کے لئے روانہ ہوگئے اور گھر تشریف لے آئے، حضرت منورویؒ نے کسی سے بھی اس خیال کا ذکر نہیں کیا، بلکہ خود بھی یہ خیال فراموشیدہ ہوگیا، اگلے سال رمضان المبارک کے موقعہ پر جب خانقاہ فریدیہ میں دوبارہ حاضری ہوئی، تو حضرت شاہ صاحبؒ نے خادم کو حکم دیا کہ مولوی احمد حسن سحری میرے ساتھ کھائیں گے، اس حکم کے سنتے ہی حضرت منورویؒ کو تنبہ ہوا اور سال گذشتہ کا خیال یاد آ گیا، حضرت منورویؒ بھول چکے تھے، لیکن شاہ صاحبؒ کا کشف اتنا طاقتور تھا کہ ایک سال کی بات ان کو یاد تھی، حضرت منورویؒ حسب الحکم جب سحری میں حضرت شاہ صاحبؒ کے دسترخوان پر حاضر ہوئے تو وہی معمول کی ایک روٹی اور فیرنی کی چھوٹی پیالی موجود تھی، البتہ الگ سے ایک ڈلیہ میں کچھ اور روٹیاں بھی رکھی تھیں، شاہ صاحب نے فرمایا: میں نے آپ کو اس لئے بلالیا کہ آپ آسودہ ہوکر کھائیں، اور تکلف میں بھوکے نہ رہیں، حضرت منورویؒ کے پاس ندامت اور خاموشی کے سوا اور کیا تھا، آپ نے سحری تناول فرمائی، اور وہی ایک روٹی اور فیرنی کافی ہوگئی، اور حضرت شاہ صاحبؒ کے اصرار کے باوجود ایک لقمہ بھی آپ زیادہ نہ کھا سکے۔

حضرت منورویؒ اس قصہ کو بہت لطف لے کر اپنے حلقۂ احباب میں بیان فرماتے تھے، اور اپنی طفلانہ بھولا پن اور حضرت شاہ صاحبؒ کی شفقت پدرانہ، اور کشف وتصرف کا تذکرہ فرماتے تھے۔

(۱۶۶)اس سے حضرت منورویؒ کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے غایت تعلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف

پھلواری شریف شروع سے ہی خدارسیدہ بزرگوں اور علماء کی سرزمین رہی ہے، حضرت مخدوم منہاج الدین راستیؒ (م ذی الحجہ ۷۸۷ھ/جنوری ۱۳۸۶ء)(۱۶۷) خلیفۂ حضرت مخدوم شرف الدین بہاریؒ نے اس کو ''بستان نجات'' فرمایا اور حضرت رسول نما بنارسیؒ اس کو ''قصبۂ ناجیہ'' فرماتے تھے، اس کے ابتدائی دور کی تاریخ محفوظ نہیں ہے، بعض قدیم مقابر کی موجودگی سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھویں صدی ہجری سے قبل بھی بعض اکابر اشاعت اسلام کے لئے یہاں آچکے ہیں، ان میں حضرت عاشق شہیدؒ، حضرت حاجی حرمینؒ اور مخدوم اللہ دادؒ مشہور ہیں، یہ تو چند کے نام معلوم ہیں، ورنہ معلوم نہیں کتنے اولیاء اور علماء اس خاک میں پوشیدہ ہیں، حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما بنارسیؒ فرماتے تھے، کہ:

---

(۱۶۶) مجھ سے یہ واقعہ میرے والد ماجد نے ایک سے زائد بار بیان فرمایا۔

(۱۶۷) حضرت راستیؒ سادات حسینی میں سے ہیں، گیلان (ایران) کے رہنے والے تھے، فیروز شاہ تغلق کے زمانے میں گیلان سے بہار شریف تشریف لائے، اور حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، ان کے راستی کہلانے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ''راستی'' ان کے والد ماجد کا لقب تھا، انہوں نے ان کو ہندوستان روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ جب تم کو لوگ راستی کہہ کر پکارنے لگیں تو سمجھ لینا کہ میں سفر آخرت پر روانہ ہو چکا ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا سب سے پہلے ان کے مرشد مخدوم جہاںؒ نے ہی ان کو ''راستی بیا'' کہہ کر مخاطب کیا، حضرت مخدوم بہاریؒ کی ہدایت کے مطابق انہوں نے پھلواری شریف میں قیام فرمایا، ایک روایت یہ ہے کہ خود حضرت مخدوم ساتھ تشریف لائے تھے، اس وقت یہ بالکل کوردہ دیہات تھا، انہوں نے حضرت مخدومؒ سے شکوہ بھی کیا کہ اس کوردہ دیہات میں تو کوئی طالب ہی نہیں ہے، میں کس کی تربیت کروں گا؟ حضرت مخدوم بہاریؒ کی طرف سے جواب ملا کہ وہ بہت مردم خیز جگہ ہے اس خاک سے بے شمار اولیاء اللہ اٹھیں گے، حقیقت میں وہ جگہ بستان نجات ہے، ان کا وصال ذی الحجہ ۷۸۷ھ/جنوری ۱۳۸۶ء میں ہوا، قبر مبارک پھلواری شریف میں زیارت گاہ خاص وعام ہے، ان کی اولاد پھلواری شریف میں آباد ہوئی، ان کی اولاد میں بکثرت علماء وفقہاء پیدا ہوئے، اور سلسلۂ فردوسیہ کی خلافت وجانشینی بھی صدیوں ان کے خاندان میں جاری رہی، ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء تک راستی خاندان سے ہی قاضی منتخب ہوتے رہے، اب ان کی خانقاہ تو موجود نہیں ہے، البتہ ایک عیدگاہ ان کے زمانے کی یادگار باقی ہے، مقبرہ اور عیدگاہ کی تولیت انہی کے خاندان میں اب تک چلی آرہی ہے (☆ آثارات پھلواری اعیان وطن ص ۳ تا ۶ مؤلفہ حکیم محمد شعیب نیر پھلوارویؒ ☆ سیرت پیر مجیب ص ۱۱، ۱۲ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری بحوالہ تذکرۃ الکرام)

''وہ ایسی جگہ ہے جس کی قدر و منزلت آخرت ہی میں معلوم ہوگی کہ کیسے کیسے اولیاء وصلحا وکاملین وہاں سے اٹھیں گے'' (۱۶۸)

آخری صدیوں میں اس سرزمین کی قدر و منزلت کو خانقاہ مجیبیہ نے بڑھایا، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ہندوستان کی چند بڑی خانقاہوں میں سے ایک ہے جہاں صدیوں سے معرفت وروحانیت کا چشمہ جاری ہے، جس کی طویل علمی اور روحانی تاریخ رہی ہے، جس کے بطن سے بڑی بڑی تحریکات وانقلابات نے جنم لیئے اور طاقت حاصل کی، جہاں کے سجادگان کو معنوی دنیا میں وہ جاہ وتمکنت حاصل رہی ہے کہ بڑے بڑے کجکلاہ یہاں ادب کے ساتھ حاضری کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں، یہ علم اور معرفت کی بستی ہے، اس مٹی سے ایسے ایسے علماء، صوفیا، مشائخ، اور اصحاب علم ودانش پیدا ہوئے، کہ ایک زمانہ نے ان کے علم وفضل کا اعتراف کیا، واقعی یہ علم ونور کی پھلواری ہے، جس کی خوشبو کی لہریں اور نور کی لکیریں فضائے بسیط میں پھیل چکی ہیں، اس خانقاہ نے اپنے اقدار وروایات کے تحفظ کے ساتھ تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کے میدان میں جو مثالی خدمات انجام دی ہیں اس کی نظیر ملنا صوبہ بہار ہی نہیں ہندوستان کے طول وعرض میں بہت مشکل ہے۔

اس خانقاہ کی بنیاد تاج العارفین حضرت مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادریؒ (ولادت ۱۱ / ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ یا ۱۰۹۵ھ مطابق ۲۳ / فروری ۱۶۸۷ء یا ۱۶۸۴ء - وفات ۲۰ / جمادی الثانیۃ ۱۱۹۱ھ مطابق ۲۵ / جولائی ۱۷۷۷ء) (۱۶۹) نے قریب ۱۱۲۴ھ / ۱۷۱۲ء میں رکھی، یہ وہی دور ہے جب

(۱۶۸) سیرت پیر مجیبؒ ص ۱۰ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری، بحوالہ تذکرۃ الکرام ص ۶۸ مؤلفہ مولانا شاہ ابوالحیات قادری پھلوارویؒ

(۱۶۹) اسم گرامی ''محمد مجیب اللہ'' اور لقب ''تاج العارفین'' ہے، والد ماجد کا نام سید شاہ ظہور اللہ (۱۰۶۳ھ تا ۱۱۰۴ھ / ۱۶۵۳ء تا ۱۶۹۳ء) ہے، امیر محمد حسین بن امیر عطاء اللہ کی اولاد امجاد میں ہیں، آپ کا نسب باپ کی طرف سے حضرت علی بن عبداللہ ابن جعفر طیارؓ تک اور ماں کی طرف سے حضرت امام باقرؓ نبیرۂ سیدنا امام حسینؓ ونواسۂ سیدنا امام حسنؓ تک پہونچتا ہے، (پورا سلسلۂ نسب اعیان وطن اور سیرت پیر مجیبؒ میں موجود ہے)

آپ کی ولادت ۱۱ / ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ یا ۱۰۹۵ھ مطابق ۲۳ / فروری ۱۶۸۷ء یا ۱۶۸۴ء کو ہوئی، پانچ (۵) سال کی عمر میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والد کے وصال کے بعد آپ کی پوری کفالت اور تعلیم وتربیت پھوپھاجان حضرت مخدوم برہان الدین لعل میاںؒ (م ۱۵ / ذی قعدہ ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۵ / جون ۱۶۹۶ء) نے کی، تعلیم کا آغاز پھوپھا جان کے پاس ہوا، قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم ان سے حاصل کی، نو (۹) سال کی عمر تھی کہ پھوپھاجان نے بھی داغ مفارقت دیا، حضرت مخدوم برہان الدینؒ نے اپنی زندگی ہی میں آپ کو اپنے صاحبزادے حضرت خواجہ عماد الدین قلندرؒ ==

== کے حوالے کر دیا تھا، حضرت خواجہ عماد الدین قلندرؒ آپ کے حقیقی پھوپھی زاد بھائی تھے، لیکن عمر میں باپ بیٹے کا فرق تھا، انہوں نے اولاد کی طرح آپ کی پرورش کی، حضرت خواجہ ایک متبحر عالم دین تھے، ان سے آپ نے عربی صرف ونحو، منطق، علم کلام، علم البلاغۃ، علم البیان، فقہ، طبعیات والٰہیات وغیرہ علوم وفنون کی تحصیل کی، حضرت خواجہ پر ذکر وشغل کا بہت غلبہ تھا، اس لئے کبھی مہینوں سبق بند رہتا تھا، اس زمانے میں مولانا شاہ محمد مخدوم پھلواروی (م ۲۶ / ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۶ / دسمبر ۱۷۵۹ء) خلیفۂ حضرت بنارسیؒ بنارس میں حضرت مولانا محمد وارث رسول نماؒ کے پاس تعلیم حاصل کر رہے تھے، انہوں نے آپ کو منتہی کتابوں کی تکمیل کے لئے بنارس چلنے کا مشورہ دیا، چنانچہ حضرت خواجہؒ کی اجازت سے آپ ۱۱۱۱ھ/ ۱۷۰۳ء میں بنارس کے لئے روانہ ہوئے، اور بنارس میں میر فرزند علی غازی پوری کے گھر قیام کیا، کچھ دنوں کے بعد حضرت بنارسیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت بنارسیؒ کی درسگاہ اس وقت ملک کی چند مشہور درسگاہوں میں سے ایک تھی، وہ ایک دینی درسگاہ بھی تھی اور روحانی تربیت گاہ بھی، آپ ان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے، ان سے علم ظاہر بھی حاصل کیا اور علم باطن میں بھی ان کو اپنا مرشد ورہنما بنایا، آپ حضرت کی صفت رسول نمائی سے بے انتہا متاثر تھے، کہتے ہیں کہ ان کا کوئی کام حکم نبوی کے بغیر نہیں ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ یہ وہ کیفیت ہے کہ شاید و باید ہی اس کی نظیر مل سکے، آپ کو حضرت سے اس درجہ عقیدت تھی کہ کبھی سواری سے بنارس تشریف نہ لے جاتے تھے، ہمیشہ پیادہ پا دس (۱۰) دن میں بنارس پہونچتے تھے، حضرت رسول نماؒ نے بھی آپ کے ساتھ خصوصی شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا، اور آپ کو اپنے گھر کے ایک فرد کا درجہ دیا، آپ حضرت بنارسیؒ کی خدمت میں تقریباً سات (۷) سال رہے، اور اس دوران شریعت وطریقت دونوں علوم کی تحصیل کی، ۱۱۲۲ھ/ ۱۷۱۰ء میں تکمیل کے وقت آپ کی عمر ۲۴ سال تھی، حضرت نے آپ کو جملہ نسبتوں میں اجازت وخلافت عطا فرمائی اور اپنا وارث وجانشین مقرر کیا، پھر ایک وقت آیا کہ حضرت بنارسیؒ نے اپنے مکاتیب (۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء) کے ذریعہ آپ کو اعظم الخلفاء، تاج العارفین، شیخ الزماں، آفتاب طریقت، آفتاب ہدایت اور شیخ الطریقت جیسے جلیل القدر خطابات سے سرفراز فرمایا۔

بنارس سے واپسی پر آپ کے استاذ، پیر اور مربی خواجہ عماد الدین قلندرؒ نے بھی اپنی نسبت قادریہ سے آپ کو سرفراز فرمایا اور ۱۱۲۳ھ/ ۱۷۱۱ء میں حضرت خواجہؒ کی طرف سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔ حضرت خواجہ کو سلسلۂ قادریہ مجائبیہ میں بیعت تھی یہ حضرت قطب الدین بینا دل جونپوریؒ (م ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء) کا سلسلہ ہے۔

ان کے علاوہ کچھ سلسلوں کی اجازتیں خاندان کے معمر بزرگ حضرت سید شاہ معز الدین چشتیؒ (م ۱۱۲۷ھ/ ۱۷۱۵ء) نے عطا فرمائیں، بعض طریقوں کی اجازت حضرت شاہ معز الدین چشتیؒ کے نواسے حضرت ملا محمد عتیق محدث بہاریؒ (ولادت ۱۰۷۵ھ/ ۱۶۶۴ء - وفات ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء) سے ملی۔

اس طرح خاندان کے تین بزرگوں حضرت خواجہ قلندر، حضرت شاہ معز الدینؒ، اور حضرت ملا محمد عتیق محدثؒ - سے چشتیہ، سہروردیہ، فردوسیہ، قلندریہ، مداریہ، زاہدیہ، امامیہ، طیفوریہ، شطاریہ وغیرہ سلاسل کی اجازتیں حاصل ہوئیں۔ ==

ہندوستان میں قطب الاقطاب حضرت سید شاہ عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ (م ۱۱۳۶ھ/ ۱۷۲۴ء)، حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہان آبادیؒ (۱۱۴۱ھ یا ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۸ء یا ۱۷۲۹ء)، استاذ الہند ملا نظام الدین فرنگی محلیؒ (م ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء)، حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء)، حضرت علامہ غلام علی آزاد بلگرامیؒ (م ۱۲۰۰ھ/ ۱۷۸۶ء) اور شاہ رکن الدین عشق عظیم آبادیؒ (م ۱۲۰۳ھ/ ۱۷۸۹ء) جیسی عظیم ہستیاں مسند علم و ارشاد سجائے ہوئی تھیں، اور ان کے فیوض کے چشمے اقطاع عالم میں جاری تھے، ایسی عظیم الشان ہستیوں کے درمیان اپنی شناخت قائم کرنا اور انفرادیت ثابت کرنا آسان بات نہیں تھی، لیکن اللہ پاک نے اس خانقاہ کو ایسی قبولیت و عظمت سے نوازا کہ آج تک اس کا چشمۂ فیض پوری توانائی کے ساتھ رواں دواں ہے۔

خانقاہ مجیبیہ میں تمام سلاسل کی تعلیم ہوتی ہے، لیکن سلسلۂ قادریہ کا رنگ غالب ہے، سلسلۂ قادریہ کی یہاں دو نسبتیں ہیں، ایک حضرت پیر محمد مجیبؒ کو اپنے پھوپھی زاد بھائی اور مربی حضرت خواجہ عماد الدین قلندرؒ (ولادت ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۵ء- وفات ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۱۲۴ھ مطابق ۲۴/ جون ۱۷۱۲ء

== علاوہ دو معاصر مشائخ حضرت شیخ سلطان نقشبندی مجددیؒ (م ۲۷/ رجب المرجب ۱۱۲۶ھ/ ۷/ اگست ۱۷۱۴ء) اور حضرت شاہ قاسم ابوالعلائیؒ (م ۱۱۵۴ھ/ ۱۷۴۱ء) سے سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حاصل ہوئی۔
اس طرح آپ کی شخصیت ایک جامع النسبت اور مجمع الکمالات شخصیت بن گئی۔

حضرت خواجہ قلندرؒ کی وفات (۱۱۲۴ھ) کے بعد آپ نے خانقاہ مجیبیہ کی بنیاد ڈالی، جو آپ کی حیات طیبہ ہی میں شہرت و عظمت کے نقطۂ عروج پر پہونچ گئی، آپ نے طویل عمر پائی، ترانوے (۹۳) یا چھیانوے (۹۶) سال کی عمر علی اختلاف الروایۃ، آخر عمر تک کوئی قابل ذکر عارضہ آپ کو لاحق نہیں ہوا، بڑھاپے کی وجہ سے کچھ ثقل سماعت کا اثر ہو گیا تھا، اونچا سننے لگے تھے، زکام آپ کو بہت پہلے سے رہا کرتا تھا، وفات سے ایک سال قبل ۱۱۹۰ھ/ ۱۷۷۶ء میں آپ پر فالج کا اثر ہوا، مگر علاج سے صحتیاب ہو گئے، ۲۰/ جمادی الثانیۃ ۱۱۹۱ھ مطابق ۲۵/ جولائی ۱۷۷۷ء (سیرت پیر مجیب میں انگریزی تاریخ کی تطبیق یا کتابت میں شاید سہو ہوا ہے، ۱۷۷۵ء لکھا ہے) کو دو پہر کے بعد وفات پائی، آپ کے فرزند ارجمند حضرت شاہ نعمت اللہ صاحبؒ کی مملوکہ زمین میں بوقت نماز عصر مدفون ہوئے، آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر سنگ و خشت سے نہ بنائی جائے، بعد از وفات خواب میں بھی آپ نے فرمایا، کہ میری قبر خام رہے گی، مگر پھر حضرت شاہ نعمت اللہ قادریؒ کی خواہش پر آپ نے پسماندگان کی رائے پر چھوڑ دیا (ماخوذ از سیرت پیر مجیبؒ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ)

(۱۷۰) سے حاصل ہوئی، یہ قادریہ کی وہ نسبت ہے، جو حضرت غوث اعظمؒ تک حضرت ابوسعید مخزمیؒ کے حوالے سے پہونچتی ہے، اس کے ساتھ بعض ذیلی نسبتیں بھی ہیں، یہی نسبت ہندو پاک میں قادریہ کی دیگر خانقاہوں میں بھی رائج ہے۔

(۲) دوسری نسبت قطب العصر حضرت مولانا محمد وارث رسول نما قادری بنارسیؒ (ولادت

(۱۷۰) آپ حضرت شاہ برہان الدین لعل میاںؒ کے صاحبزادے ہیں، علم وفضل اور فقر وتصوف میں آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا، آپ کی ولادت ۱۰۶۵ھ مطابق ۱۶۵۵ء میں ہوئی، یہ اورنگ زیب کی حکومت کا ابتدائی دور تھا، حصول علم کے لئے والد ماجد کی اجازت سے نوعمری ہی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اور ایک طویل عرصہ تک دہلی، لاہور، اور سادھورہ (پنجاب) میں رہ کر علوم وفنون کی تکمیل کی، انتیس (۲۹) سال کی عمر میں بہ مقام لاہور تحصیل علم سے فراغت پائی، اور پھر دو سال استاذ کے ہی مدرسہ میں تدریسی خدمت انجام دی، پھر لاہور سے روانہ ہوکر سادھورہ پہونچے، اور حضرت سید المستغرقین شاہ محمد فاضل قلندرؒ (م ۹/ رمضان المبارک ۱۱۰۴ھ مطابق ۱۳/ مئی ۱۶۹۳ء) سے شرف بیعت حاصل کیا، شاہ محمد فاضل حضرت سید قمیص قادریؒ کے پوتے اور حضرت سید ابوالمکارمؒ کے صاحبزادے تھے، حضرت خواجہ قلندرؒ کو آپ سے پہلے سے ہی عقیدت تھی، بیعت کے بعد کچھ عرصہ پیر کی صحبت میں رہے، یہاں تک حضرت شیخ نے آپ کو اپنے تمام سلاسل کی تحریری اجازت وخلافت عطا فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ: شاہ عماد الدین! تم اب مشیخت کے مرتبے کو پہونچ چکے ہو، میں تمہارے والد کے دل کو تمہارے لئے بے چین اور مضطرب پاتا ہوں، اس لئے میری خوشی اسی میں ہے کہ اپنے والد بزرگوار کو اپنے دید سے مسرور کرو'' آپ کو خرقۂ خلافت پہنایا، اور مصلیٰ، تسبیح، عمامہ اور عصا مرحمت فرما کر رخصت کیا، رخصت کے وقت یہ بھی فرمایا کہ اگر اثنائے راہ میرے متعلق کوئی خبر معلوم ہو تو واپس نہ ہونا، چنانچہ جونپور پہونچ کر حضرت شیخ کے وصال کا آپ کے قلب پر انکشاف ہوا، لیکن حسب ہدایت اپنا سفر صبر وتحمل کے ساتھ جاری رکھا، بھوجپور پہونچ کر ایک سیاح سے حادثۂ رحلت کی تصدیق ہوگئی، اب ضبط تاب نہ رہی، بہت روئے لیکن مرشد کے حکم کے مطابق سفر جاری رکھا اور تقریباً پچیس (۲۵) سال کے دورانیہ کے بعد ۱۱۰۴ھ/ ۱۶۹۳ء میں آپ پھلواری شریف واپس لوٹے، والد ماجد نے ایک جمعیت کے ساتھ قصبہ سے باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا، اور تمام چیزیں آپ کے حوالہ فرما کر گوشہ گیر ہوگئے۔ آپ کی ریاضت وچلہ کشی، اور زہد وقناعت بے نظیر تھی، آپ کے ملبوسات میں صرف ایک پیرہن، ایک لنگی، ایک پاجامہ، اور ایک تاج کے سوا اور کچھ نہ تھا، بڑے صاحب کرامات وتصرفات تھے، بہت سے سلسلوں کے جامع تھے، انسٹھ (۵۹) سال کی عمر میں ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۱۲۴ھ مطابق ۲۴/ جون ۱۷۱۲ء کو آپ کی وفات ہوئی، اور والد ماجد مخدوم برہان الدینؒ کے پائینتی میں مدفون ہوئے، آپ کے دو صاحبزادے تھے، حضرت شاہ غلام نقشبندؒ، اور حضرت شاہ انعام الدینؒ، آپ کا سلسلہ حضرت تاج العارفین پیر مجیبؒ کے ذریعہ جاری ہے (سیرت پیر مجیب ص ۲۹ تا ۳۴ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری)

۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۶ء-وفات ۱۱/ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ/ ۱۴/ فروری ۱۷۵۳ء)(۱۷۱) سے حاصل ہوئی

(۱۷۱) اسم گرامی ''محمد وارث'' اور ''رسول نما بنارسی'' سے مشہور ہیں، والد ماجد کا نام ''سید عنایت اللہ صاحب'' ہے، آپ کے اجداد میں سید احمد توختہ تمثال الرسول (م ۶۰۲ھ/) ہندوستان کی سرزمین پر سادات عظام میں آنے والے ممتاز بزرگوں میں سے ہیں، ان کی ولادت شہر ترمذ میں ہوئی تھی، اور وہیں نشو ونما پائی، والد کے انتقال کے بعد وہ ہندوستان تشریف لائے، ان کا مزار مبارک لاہور میں ہے۔

حضرت رسول نما بنارسیؒ کا اصل وطن نونہرہ پارہ ضلع غازی پور تھا، آپ کے والد ماجد قاضی سید عنایت اللہ صاحبؒ عہد عالمگیری میں بنارس کے قاضی تھے، اس مناسبت سے آپ تحصیل علم کے لئے بنارس تشریف لائے، پھر فراغت کے بعد درس وتدریس کی وجہ سے یہیں اقامت اختیار کر لی۔

نسب مبارک حضرت امام حسینؓ تک پہونچتا ہے (پورا نسب نامہ تذکرۃ الکرام اور اعیان وطن میں موجود ہے) آپ کی ولادت ۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۶ء میں ہوئی ''خلیفۂ رسول اللہ'' سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔

درسیات کی تکمیل ملا محمد علیؒ سے کی، جو اپنے عہد کے بہت بڑے جید اور متبحر عالم تھے، اور ان کا سلسلۂ تلمذ قاضی بیضاویؒ تک پہونچتا تھا، (پورا سلسلۂ تلمذ اعیان وطن میں موجود ہے)

علم حدیث میں آپ حضرت حیات سندھیؒ کے شاگرد تھے، اور وہ حضرت عبداللہ سالم بصریؒ کے شاگرد تھے، حضرت سالم بصریؒ کی سند مشہور ہے۔

بچپن ہی سے جب آپ کی عمر سات (۷) سال کی تھی، عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جذبہ دل میں پیدا ہوا، اور رفتہ رفتہ بڑھتا گیا، اس وقت عارف کامل شیخ وقت مرجع طالبین مولانا سید شاہ رفیع الدینؒ نے جو آپ کو رشتہ میں دادا ہوتے تھے، آپ کی امید افزا حالت دیکھ کر کچھ شغل قلبی کی تعلیم فرمادی، اس سے غیر مترقبہ ترقیات ہونے لگیں، نیز علوم ظاہری کی تعلیم بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہی، شغل قلبی کی مداومت کی وجہ سے سوزش عشق اس قدر بڑھ گیا کہ جذب کی حالت پیدا ہونے لگی، آپ کے والد ماجد کے ایک عارف کامل دوست حضرت شاہ غلام محمدؒ نے اس حالت کا اندازہ کرتے ہوئے آپ کے والد سے فرمایا کہ ان کی ترقیات تحمل سے زیادہ ہورہی ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں جذب نہ ہوجائے، میں ان کو ایک ورد بتادیتا ہوں جس سے حالت قابو میں آجائے گی، انہوں نے آپ کو ایک درود طریقہ کی تعلیم دی جس کی برکت سے آپ درجۂ دوام حضوری ومرتبۂ رسول نمائی پر فائز ہوئے، پھر براہ راست دربار رسالت سے آپ کو تلقینات ہونے لگیں، تکمیل سلوک کے بعد بحکم بارگاہ نبویؐ حضرت مولانا سید شاہ رفیع الدین قادریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اجازت وخرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، (آپ کا پورا شجرۂ روحانی (قادریہ قمیصیہ) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک اعیان وطن میں موجود ہے)

آپ کا خطاب ''رسول نما'' مشہور ہے، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرایا کرتے تھے، اس کی کیفیت یہ تھی کہ جب کوئی خواہشمند ہوتا تو اس کو ساڑھے تین ماہ تک استخارہ کی ہدایت فرماتے، اگر امیدوار اس ہدایت پر عمل کرتا تو اس مدت ==

ہے، اور یہ واحد نسبت ہے جو حضرت غوث اعظمؒ تک ان کے والد ماجد حضرت ابو صالح موسیٰؒ کے ذریعہ اباً عن جد پہونچتی ہے، یہ سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ کہلاتی ہے، سلسلۂ وارثیہ میں حضرت غوث پاکؒ کی آبائی نسبت کو ترجیح حاصل ہے، اور یہی نسبت خانقاہ مجیبیہ کا اصل امتیاز ہے، حضرت مولانا محمد وارث رسول نماؒ نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا، اور اس خانقاہ کی تعمیر کے پس منظر میں اس نسبت خاصہ کی توسیع واشاعت شامل ہے، جیسا کہ خانقاہ مجیبیہ کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے، جناب مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری صاحبؒ نے اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

حضرت مخدوم الانام سید قمیص الدین اعظم گیلانی قادریؒ

ہندوستان میں سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ کے مرکز النسبت حضرت مخدوم الانام سید قمیص الدین اعظم گیلانی قادریؒ (ولادت ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۲ء-وفات ۳/ ذی قعدہ ۹۹۲ھ مطابق ۵/نومبر ۱۵۸۴ء) ہیں، وہ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد میں ہیں، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید قمیص اعظم قادریؒ بن سید ابوالحیات قادری بن حضرت سید تاج الدین محمود بن حضرت سید بہاء الدین محمد بن حضرت سید جلال الدین احمد بن حضرت سید داؤد بن حضرت سیدنا جمال الدین علی بن حضرت سید ابو صالح نصر بن حضرت سید الآفاق عبدالرزاق بن حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔

== میں زیارت کی سعادت حاصل کر لیتا۔

آپ کی خصوصیات میں یہ درج کیا گیا ہے کہ آپ کے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر سبز رنگ میں اسم پاک محمدؐ منقوش تھا۔آپ کی وفات بنارس میں ۱۱/ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ/ ۱۴/فروری ۱۷۵۳ء کو ہوئی، آپ کا مزار بنارس کے محلہ ''مولوی جی کے باڑے'' میں ایک سنگی چبوترہ پر ہے۔یہ محلہ آپ ہی کے نام پر منسوب ہے، آپ نے کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں: حاشیہ میر زاہد، ملا جلال، وشرح تہذیب وتفسیر، اوراد حدیثیہ، اور رسالہ فقہیہ۔

آپ کے مستقل خلفاء سترہ (۱۷) ہیں، ان میں سب سے ممتاز نام حضرت تاج العارفین پیر محمد مجیبؒ کا ہے، بنارس کی درگاہ کا انتظام وانصرام (خصوصاً عرس کے زمانے میں) آج بھی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کی نگرانی میں ہے (آثار رات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۱۲۷ تا ۱۳۰ مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ☆ تذکرۃ الانساب ص ۱۴۸، ۱۴۹ مؤلفہ پیرزادہ مولانا سید امام الدین احمد نقوی گلشن آبادی (م ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء، تسہیل وترتیب: محمد افروز قادری چریا کوٹی ساؤتھ افریقہ، ناشر وتقسیم کار: رفاعی مشن ناسک، مہاراشٹر، ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۶ء ☆ تذکرۂ مشائخ بنارس ص ۴۷ تا ۸۴ مؤلفہ مولانا مفتی عبدالسلام نعمانیؒ تحقیق وتعلیق: مولانا عبدالباطن نعمانی، ناشر: مفتی پرنٹنگ اینڈ پبلی کیشنز وارانسی، ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳ء)

سید قمیص اعظمؒ کے جد امجد سید تاج الدین محمودؒ خواب میں حضرت غوث اعظم کے ایماء پر بغداد سے براہ ایران وکابل ہندوستان تشریف لائے تھے، اور اس وقت بنگال کے دارالسلطنت ''گورکھا'' میں اقامت اختیار فرمائی تھی، ایک عرصے تک بنگال میں لوگوں کی دینی تربیت اور اصلاح باطن کا کام انجام دیا، حاکم بنگال سید حسین شاہؒ نے بھی آپ کی شہرت سنی تو حاضر ہوکر داخل سلسلہ ہوا، آپ کی شخصیت سے متأثر ہوکر اپنے وزیر کے ذریعہ اپنی لڑکی کے رشتہ کا پیغام آپ کے پاس بھیجا، لیکن آپ نے فرمایا کہ میرا ایک لڑکا ابوالحیوٰۃ بغداد میں ہے، تمہاری لڑکی کی نسبت ہم اپنے لڑکے ابوالحیوٰۃ سے طے کرتے ہیں، چنانچہ حاکم نے آپ سے خط لے کر چند آدمیوں کو بغداد روانہ کیا، چار (۴) سال پر حضرت سید ابوالحیاتؒ بنگال پہونچے، اور ان کی شادی حاکم بنگال کی لڑکی سے ہوئی، شادی کے بعد حضرت سید تاج الدین محمودؒ نے اپنے صاحبزادے کو بنگال میں رہنے کا حکم دے کر خود بغداد واپس ہو گئے، یہیں ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۲ء میں سید ابوالحیوٰۃؒ کے قابل فخر اور عظیم المرتبت صاحبزادے حضرت قمیص قادریؒ پیدا ہوئے (۱۷۲)، انہوں نے ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں اپنے والد ماجد سے پائیں اور والد کے وصال کے

(۱۷۲) حاکم بنگال سید حسین شاہ کی صاحبزادی سے حضرت ابوالحیات قادریؒ کی شادی اور ان سے حضرت قمیص قادریؒ کے تولد کا تذکرہ جناب مولانا شاہ ہلال احمد قادریؒ نے کیا ہے، ان کے مضمون کا مأخذ جس کا ذکر انہوں نے حاشیہ میں کیا ہے ماہنامہ المجیب خانقاہ پھلواری شریف کا خصوصی شمارہ ''حالات حضرت قمیص اعظم قادریؒ نمبر (جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۰ء ج ا شمارہ ۱۰) مضمون حضرت عارف باللہ مولانا شاہ محمد امان اللہ قادریؒ، ہے،

حضرت حکیم محمد شعیب نیرؔ صاحبؒ نے ''آثارات پھلواری شریف'' میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے (دیکھئے: آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۱۵)

لیکن خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ کے مطابق شیخ ابولحیات قادریؒ کا نکاح سادھورہ میں شیخ نصر اللہ کی دختر سے ہوا تھا، جن کے بطن سے سید قمیص الدین پیدا ہوئے، شیخ نصر اللہ بھی اپنے زمانے کے مؤقر علماء وصلحاء میں شمار ہوتے تھے (دیکھئے خزینۃ الاصفیاء ص ۲۰۸، ۲۰۹ ج ا)

میں نے سیرت پیر مجیب کے مؤلف محترم جناب مولانا شاہ ہلال احمد قادری صاحب سے اس تعلق سے وضاحت چاہی تو انہوں نے مجھے جواب دیا:

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں ہمارے پیرومرشد حضرت شاہ امان اللہ قدس سرہ نے سیدنا قمیص قادری قدس سرہ کے حالات سادھورہ ضلع ہریانہ میں قمیصی خاندان کے لوگوں سے طلب فرما کر ایک مقالہ مرتب فرمایا تھا، کچھ خاندانی حالات پھلواری میں لوگوں کو معلوم تھے کیونکہ حضرت شاہ بدرالدین صاحب قدس سرہ==

بعد ان کی مسند ارشاد کو آباد کیا، آپ کا فیض بہت عام ہوا اور ملک سے بیرون ملک تک پہونچا۔

حضرت شاہ قمیصؒ کی شادی آپ کے ماموں سید نصیب شاہؒ کی لڑکی سے ہوئی تھی، وہ بہت سخت مزاج اور سخت کلام تھیں، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، وہ جلد ہی انتقال کر گئیں، اس کے کچھ دنوں کے بعد انہوں نے حرمین شریفین کا سفر کیا اور سات (۷) سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے، وہاں سے بغداد پہونچے اور بغداد میں کچھ عرصہ قیام کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے اور مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ ''سادھورہ'' (یا سالورہ) (جواب ہریانہ ضلع جمنانگر میں ہے) میں اقامت گزیں ہو گئے، سادھورہ کے قیام میں آپ کی دوسری شادی سید نصر اللہ واسطی کی صاحبزادی بی بی عائشہؒ سے ہوئی، یہ بہت عفیفہ وصالحہ اور ایثار وقربانی والی خاتون تھیں، یہ صاحب اولاد ہوئیں، ان کے بطن سے تین صاحبزادے: شاہ محمد قمیصیؒ، شاہ احمد قمیصیؒ، شاہ ابوالمکارم قمیصیؒ پیدا ہوئے۔

حضرت شاہ قمیصؒ کی پوری زندگی تبلیغ اسلام، ارشاد وتربیت اور احیاء دین میں گذری، بہت ہی صاحب کرامات تھے آپ کی ایک کرامت بہت مشہور ہے کہ کسی بت خانہ کے پاس گذرتے تو

== کے نانا سید شاہ احمد اللہ **قمیصی النسب** تھے۔ یہ مقالہ ماہنامہ المجیب جمادی الاخری ۱۳۸۰ھ دسمبر ۱۹۶۰ء جلد ا شمارہ ۱۰ میں شائع ہوا تھا، اس مقالے کی ترتیب میں گولڑہ اسلام آباد سے بھی حضرت نے مراسلت فرمائی تھی۔ حضرت سید ابوالحیوۃ قادری کی شادی خاندانی روایات کے مطابق سید حسین شاہ کی صاحبزادی سے ہوئی جن سے حضرت قمیصؒ تھے، سید نصر اللہ واسطی کی لڑکی سے قمیص قادری کی شادی ہوئی تھی اور یہ ان کا دوسرا نکاح تھا ان ہی اہلیہ کے بطن سے خاندان قمیصی ہے، خزینۃ الاصفیاء کے مصنف کو اشتباہ ہوا۔ حضرت پیر ومرشد کا وہ مقالہ میری کتاب سوانح حضرت شاہ امان اللہ قادری، میں مکمل موجود ہے، سیرت پیر مجیب کے صفحہ ۱۳۶ کے حاشیہ میں المجیب کا حوالہ موجود ہے'' والسلام

ہلال احمد قادری، شب ۹ / رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۳/مئی ۲۰۲۰ء، بذریعۂ واٹس ایپ۔

شاہ ہلال احمد صاحب نے پھر مجھے حضرت شاہ امان اللہ قادری پھلواروی کا وہ مقالہ بھی بھیج دیا، جو ان کی سوانح میں شامل تھا، اس مقالہ سے مولانا ہلال کی مذکورہ بالا باتوں کی تصدیق ہوئی، اور حضرت شاہ قمیص اعظمؒ کے حالات میں کئی نئی چیزوں کا علم ہوا۔

مجھے بھی لگتا ہے کہ صاحب خزینۃ الاصفیاء سے سہو ہوا ہے، اس لئے کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ سید نصر اللہ کی صاحبزادی سے شاہ محمد قمیصؒ کی شادی ہوئی تھی (نہ کہ ان کے والد ابوالحیات کی) (اخبار الاخیار ص ۴۲۹، ۴۳۰ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اردو ترجمہ: علامہ سبحان محمود وعلامہ فاضل، ناشر: اکبر بک سیلرز لاہور، ۲۰۰۴ء)

سارے بت آپ کے آگے سربسجود ہوجاتے، ایک راجہ کے خاص بت کدے میں تشریف لے گئے تو وہاں بھی ایسا ہی ہوا، عین اسی وقت راجہ آ گیا، راجہ یہ منظر دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔

تبلیغ وارشاد ہی کے ضمن میں آپ بنگال تشریف لے گئے تھے کہ وہاں ۳/ ذی قعدہ ۹۹۲ھ مطابق ۵/نومبر ۱۵۸۴ء کو آپ کا انتقال ہوگیا، ''امام فضل'' سے آپ کی تاریخ وفات (۹۹۲ھ) نکلتی ہے، جنازہ تین سو (۳۰۰) فقراء کی معیت میں حسب وصیت سادھورہ لایا گیا، راستہ میں ایک منزل بہار شریف بھی پڑی، بہار شریف کے محلہ گڈھ میں ایک محفوظ مقام پر جنازہ رکھا گیا، اس طرح مہینوں کی مسافت طے کر کے جنازہ سادھورہ پہونچا، یہاں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے (۱۷۳)۔

سید قمیص قادریؒ کا سلسلۂ طریقت ان کے تین خلفاء سے جاری ہوا، آپ کے فرزند اکبر حضرت سید محمد قمیصیؒ، حضرت مخدوم بدر عالم شہباز پوریؒ (م ۱۵/ شعبان المعظم ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۷/ جنوری ۱۶۰۴) (۱۷۴) اور حضرت سید عبدالرزاق المعروف بہ شیخ بہلولؒ (۱۷۵)، ان میں بڑے صاحبزادے

(۱۷۳) آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۱۵، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ بحوالہ اخبارالاخیار ☆ سیرت پیر مجیب ص ۱۳۶، ۱۳۷ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری ☆ اخبارالاخیار ص ۴۲۹، ۴۳۰ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری ص ۷۷ ۳ مؤلفہ شاہ ہلال احمد قادری)

(۱۷۴) مخدوم بدرالدین بدر عالم بڑے پایہ کے بزرگ تھے، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت علیؓ تک پہونچتا ہے، آپ کا خطاب ''کشک نوش'' ''اور پشمینہ پوش'' تھا، کیونکہ آپ کی غذا آش جو، اور پوشاک کملی تھی، ۹۵۴ھ/ ۱۵۴۷ء میں آپ اپنے والد ماجد حضرت صدرالدین صدر جہاںؒ واہل وعیال کے ہمراہ پھلواری شریف سے متصل گاؤں شہباز پور میں تشریف لائے، اور یہیں اقامت اختیار کر لی، آپ اور آپ کے والد ماجد دونوں ہی حضرت قمیص قادریؒ کے مرید وخلیفہ اور مجاز مطلق تھے، مخدوم بدر عالمؒ اپنے والد کی طرف سے بھی مجاز تھے، جب حضرت قمیص قادریؒ بنگال روانہ ہونے لگے تو صوبۂ بہار میں اپنا جانشین انہوں نے مخدوم شاہ بدر عالم کو مقرر فرمایا، چنانچہ حضرت مخدوم بدر عالم تاعمر شہباز پور ہی میں قیام فرما کر رشد وہدایت خلق میں مصروف رہے، ۱۵/ شعبان المعظم ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۷/ جنوری ۱۶۰۴ء کو آپ کا وصال ہوا، اور شہباز پور ہی میں مدفون ہوئے، آپ کے والد کا مزار بھی یہیں ہے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۱۵ تا ۱۷، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ☆ سیرت پیر مجیب ص ۱۲ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری)

(۱۷۵) شاہ عبدالرزاق شیخ بہلولؒ علم شریعت وطریقت کے جامع تھے، جوانی میں ہی عبادت ومعرفت کا ذوق پیدا ہوگیا تھا، اس لئے علم ظاہر سے فارغ ہونے کے بعد طریقت سے وابستہ ہوگئے، حق گوئی آپ کا خاص وصف تھا، اپنے دور ==

سید شاہ محمد قمیصیؒ سب سے ممتاز ہوئے (۱۷۶)۔

غازی پور کے حسینی سادات کے چشم و چراغ قطب غازی پور حضرت سید محمد المعروف بہ سید پیارےؒ نے حضرت سید محمد قمیصیؒ سے طریقت کی تعلیم حاصل کی، اور اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت سید شاہ محمد پیارےؒ ملک السادات امیر مسعود غازیؒ (م ۷ / رجب المرجب ۷۶۷ھ مطابق ۲۷ / مارچ ۱۳۶۶ء) (۱۷۷) کی اولاد میں تھے، یہ خانوادہ علم و فضل اور فقر و عرفان میں ممتاز ہونے کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا، اس خانوادے کے بیشتر اکابر میدان جنگ میں شربت شہادت سے سیراب ہوئے، خود امیر مسعود غازیؒ نے غازی پور کے ہندو راجہ سے جنگ کر کے غازی

==اپنے دور میں راہ طریق میں آپ نے بڑی شہرت پائی (اخبار الاخیار ص ۴۲۹، ۴۳۰ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

(۱۷۶) حضرت سید شاہ محمد قمیصیؒ کی ایک شاخ گولڑہ شریف (مغربی پنجاب) میں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کا خاندان ہے، ان کے یہاں بھی اباً عن جد سلسلہ قادریہ قمیصیہ موجود ہے (سوانح حضرت مولانا سید شاہ امان اللہ قادری ص ۷۷ مؤلفہ شاہ ہلال احمد قادری)

(۱۷۷) حضرت امیر سید مسعود غازی ترمذیؒ فیروز شاہ تغلق کے دور کے بڑے عظیم المرتبت بزرگوں میں شمار ہوتے تھے، وہ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں یکتا تھے، وہ بزرگ کے ساتھ ساتھ ایک بڑے جانباز سپہ سالار بھی تھے، غازی پور اور اس کے گرد و نواح میں اسلام کی قندیل انہی کی بدولت روشن ہوئی، حسینی سادات سے تھے، پورا نسب نامہ تذکرۃ الانساب ج ۱ ص ۴۲، ۴۳ پر موجود ہے۔

تاریخی کتابوں میں درج ہے کہ آپ کے اجداد مدینہ منورہ سے خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ترمذ آئے، اور ترمذ سے سیوانہ کا سفر کیا،---امیر مسعود غازیؒ کی شادی اپنے چچا سید نظام کی لڑکی سے ہوئی، ان سے تین اولادیں پیدا ہوئیں، ان کی دوسری شادی دوسرے چچا سید نجم الدین کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے بطن سے چار اولادیں ہوئیں،

غازی پور فتح کرنے کے بعد بہار کے مشہور بزرگ سید احمد چرم پوش (م ۷۸۶ھ/) سے ملنے کے لئے امیر مسعود نے بہار کا بھی سفر کیا، بہار سے واپسی پر غازی پور میں دریا کے کنارے ایک خوبصورت اور کشادہ خانقاہ بنائی، آہستہ آہستہ اس خانقاہ کی شہرت بام عروج پر پہونچ گئی، اور دور دراز بڑے بڑے بزرگان دین یہاں جمع ہو گئے، ان میں حضرت بہلول شاہؒ، اور مخدوم شاہ جلالؒ وغیرہ جیسی شخصیات شامل تھیں، آپ کا وصال ۷ / رجب المرجب ۷۶۷ھ مطابق ۲۷ / مارچ ۱۳۶۶ء کو ہوا، اور شہر غازی پور کے محلہ ہری شنکر کے محال راجے میں بڑے لڑکے سید رضا عرف راجے شہید کے بغل میں دفن ہوئے (تذکرہ مشائخ غازی پور ص ۲۱۵ تا ۲۱۸ مؤلفہ عبید الرحمن صدیقی، ناشر انیس پبلی کیشنز، غازی پور، ۲۰۰۱ء)

پور کو فتح کیا تھا(۱۷۸)

سید پیارے شاہ کے حالات معلوم نہیں ہیں، ان کی تاریخ وفات کا بھی پتہ نہیں ہے، آپ کے والد ماجد کا نام سید فتح محمد تھا، آپ کی خانقاہ قصبہ نونہرہ غازی پور میں تھی، مزار غازی پور محلہ سید واڑہ میں ہے۔

وصال کے بعد آپ کے خلف وحید حضرت سید شاہ سلیمؒ متمکن ہوئے، آپ عالم دین تھے، حضرت وارث رسول نما بنارسیؒ آپ کو ''صاحب الشریعۃ والطریقۃ'' لکھتے تھے، آپ کے حالات بھی معلوم نہیں ہیں، آپ نے اپنے والد کے سلسلہ کو آگے بڑھایا، آپ کی قبر کمہرار پٹنہ کے قبرستان میں بتائی جاتی ہے۔

آپ کی حیات میں آپ کے اکلوتے صاحبزادہ سید زین العابدینؒ سفر حج میں تشریف لے گئے او روہیں وفات پائی، ان کی یادگار ایک صاحبزادے سید رفیع الدینؒ تھے، حضرت سید پیارےؒ نے اپنے پوتے کی خوب تربیت کی اور پھر وہی آگے چل کر خانقاہ کے مسند نشیں ہوئے، سید شاہ رفیع الدینؒ کا قیام زیادہ تر نونہرہ میں رہا، یہیں آپ کی نانیہال تھی، اور آپ کے نانا حضرت سید ابو المعالیؒ کو اولاد ذکور نہیں تھی، انہوں نے آپ کو اپنے ساتھ رکھا، لیکن بیعت واجازت اور تربیت باطنی اپنے دادا حضرت سید شاہ سلیمؒ سے پائی اور ان کے جانشین ہوئے، آپ اپنے زمانے کے بڑے شیخ تھے، ریاضت ومجاہدہ میں آپ کا ثانی نہیں تھا، حضرت مولانا رسول نما بنارسیؒ آپ کے نام کے ساتھ افضل المجاہدین المتأخرین لکھتے تھے، خانقاہ مجیبیہ میں آپ کو قبلۃ السالکین کہا جاتا تھا، آپ کے حالات اور تاریخ وفات بھی معلوم نہیں ہیں، آپ کی قبر شریف موضع اسمعیل پور ضلع غازی پور میں بتائی جاتی ہے، مگر قبر کے نشانات موجود نہیں ہیں، اور نہ کوئی قبر کو جاننے والا ہے۔

نسبت حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسیؒ

قطب العصر حضرت مولانا محمد وارث رسول نما بنارسیؒ کو باطنی تعلیم حضرت شاہ رفیع الدینؒ سے حاصل ہوئی، حضرت بنارسیؒ آبائی طور پر غازی پور کے رہنے والے ہیں، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ آپ کو قریبی رشتے میں دادا ہوتے تھے، آپ کے والد ماجد بنارس میں منصب قضا پر فائز تھے، اس لئے آپ کا بچپن بنارس میں گذرا، ممکن ہے کہ یہیں آپ کی ولادت بھی ہوئی ہو، آپ کو براہ راست حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف بیعت حاصل تھا، لیکن حکم نبوی کے مطابق حضرت سید شاہ رفیع

(۱۷۸) دیکھئے تذکرۂ انساب سادات غازی پور قلمی، کتب خانہ مجیبیہ بدریہ، مرتبہ سید غلام حسین غازی پوری (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۷، ۱۳۸ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری۔

الدین قادریؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، اللہ پاک نے آپ کے ذریعہ سلسلہ کو بہت وسعت دی، آپ بڑے عالم تھے دور دراز سے طالبان علوم نبوت آپ سے فیضیاب ہونے کے لئے آتے تھے اور ان میں بعض خوش نصیب علم ظاہر کے ساتھ آپ سے علم باطن بھی حاصل کرتے تھے، انہی خوش نصیبوں میں حضرت تاج العارفین پیر محمد مجیبؒ کی شخصیت بھی تھی، آپ بھی یہاں پڑھنے کے لئے آئے تھے لیکن آپ حضرت کے علوم باطنی سے نہ صرف مستفید ہوئے، بلکہ آپ کے جملہ علوم معارف کے امین قرار پائے، یہاں تک کہ ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء میں حضرت بنارسیؒ نے اپنے تمام خلفاء ومریدین کے مجمع میں آپ کو خرقہ پہنایا اور اپنی خلافت ونیابت اور جانشینی کا اعلان فرمایا، پھر ۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۳ء میں حضرت مولانا بنارسیؒ کے وصال کے بعد ان کے تمام خلفاء ومریدین نے آپ کو جانشین رسول نماؒ تسلیم کیا اور مسائل طریقت میں آپ سے رجوع کرنے لگے۔

نسبت خواجہ عماد الدین قلندرؒ

حضرت پیر مجیبؒ نے ۱۱۲۲ھ میں چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں تمام علوم وفنون کی تکمیل کر لی تھی، ۱۱۲۳ھ میں حضرت خواجہ عماد الدین قلندرؒ (جن سے آپ کو قادریہ اور دیگر سلاسل کی نسبتیں حاصل ہوئیں) نے آپ کو بنارس سے پھلواری بلا لیا، ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۱۲۴ھ مطابق ۲۴/ جولائی ۱۷۱۲ء کو حضرت خواجہ نے رحلت فرمائی۔

اعتکاف عمری

اس کے بعد آپ مسلسل پھلواری ہی میں مقیم رہے، اور یہی اس خانقاہ کا نقطۂ آغاز ہے، کبھی کبھی پیر طریق حضرت بنارسیؒ کی زیارت کے لئے بنارس تشریف لے جاتے تھے، حضرت بنارسیؒ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ بھی موقوف ہو گیا، کبھی اتنی استطاعت نہ ہوئی کہ حج کر سکیں، اس لئے سفر حج بھی نہ ہو سکا، ایک آدھ بار آپ نے بہار شریف حضرت مخدوم شرف الدینؒ کے آستانہ پر حاضری کے لئے سفر کیا ہے، بس ساری زندگی اپنی خانقاہ میں مقیم رہے، ساری زندگی کا اعتکاف ہی اس خانقاہ کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، جو پورے اہتمام اور تسلسل کے ساتھ آج بھی قائم ہے (۱۷۹)۔

(۱۷۹) پوری تفصیل کے لئے مطالعہ کریں سیرت پیر مجیب ص ۱۳۶ تا ۱۹۳ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری، یہاں خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کا مزاج ومذاق اور اصول وخصوصیات

اس خانقاہ کے مزاج ومذاق اور اصول وخصوصیات کو سمجھنے کے لئے سیرت پیر مجیبؒ کا یہ اقتباس بہت اہم ہے:

خانقاہ مجیبیہ اصلاً قادری سلسلے کی خانقاہ ہے، اور یہ حضرت غوث اعظمؒ کی خانقاہ وزاویہ کے اصول ونظام پر قائم کی گئی تھی، طریقت کی تعلیمات اور منتسبین سلسلہ کی تربیت وتہذیب نفوس میں اسی طریق ومنہاج کو سامنے رکھا گیا جو زاویہ غوث اعظم میں جاری تھا، کیونکہ حضرت تاج العارفین پیر مجیب، سیدنا قمیص قادریؒ کے سلسلہ کے شیخ تھے، سیدنا قمیص کی ایک نسبت تو یہ تھی کہ وہ حضرت غوث اعظمؒ کی اولاد واحفاد میں تھے، دوسری نسبت یہ تھی کہ وہ سلسلۂ عالیہ قادریہ کے جلیل القدر شیخ اور غوث اعظمؒ کے آبائی سلسلۂ طریقت کے جامع تھے، اس لئے مخدوم قمیص اور ان کے مشائخ سلسلہ نے حضرت غوث اعظمؒ کی خانقاہ کے اصول ونظام کو اختیار کیا تھا، حضرت تاج العارفین کے پیش نظر اپنے انہیں پیش رو بزرگوں کا اسوہ اور نمونہ رہا اور آپ نے اپنی بصیرت اور اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اس میں اضافے کئے اور کچھ قیود وشرائط متعین فرمائے۔

زاویۂ غوث اعظم کے اساسی اصولوں میں جو امور سیدنا قمیص قادری، وسیدنا محمد وارث رسول نماؒ وحضرت خواجہ عماد الدین قلندرؒ وتاج العارفینؒ کے افادات واشاعت طریق سے معلوم ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) اقامت صلوٰۃ، ذکر ومجاہدہ، تزکیہ وتہذیب نفس، وعظ وتذکیر۔

(۲) فقر وتوکل

(۳) رزق حلال کا اہتمام

(۴) دربار سرکار سے بے نیازی

(۵) علوم دینیہ کی اشاعت

(۶) نفع رسانی وخدمت خلق

(۷) خانقاہ کو پھلواری میں قائم رکھنا

(۸) معیار جانشینی اور آداب سجادہ (۱۸۰)

خانقاہ فریدیہ قادریہ پھلواری شریف

خانقاہ مجیبیہ ہی کی ایک شاخ پھلواری شریف کی خانقاہ فریدیہ ہے، جس کی بنیاد حضرت مولانا شاہ محمد اشرف مجیب پھلوارویؒ (۱۸۱) (ولادت ۲۸/شوال المکرم ۱۲۵۲ھ مطابق ۴/اکتوبر ۱۸۳۷ء

(۱۸۰) سیرت پیر مجیب ص ۱۶۴، ۱۶۵ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری

(۱۸۱) مولانا شاہ محمد اشرف مجیبؒ مولانا شاہ احمد اصطفیٰؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، آپ کی ولادت ۲۸/شوال المکرم ۱۲۵۲ھ مطابق ۴/اکتوبر ۱۸۳۷ء کو ہوئی، درسیات کی تکمیل مولانا وصی احمدؒ اور مولانا محمد حسینؒ سے کی، حدیث کی سند مولانا آل احمدؒ سے حاصل کی، روحانی تعلیم اور اجازت وخلافت حضرت مولانا شاہ محمد علی سجادؒ سے حاصل ہوئی، آپ کو فقر وتصوف سے خاص مناسبت تھی، ریاضت ومجاہدہ کا بے حد شوق تھا، بچپن سے ہی اوراد ووظائف کے بہت پابند تھے، اکثر چلہ کشی وصوم طے کا اتفاق ہوتا تھا۔

اپنے شیخ کے وصال کے بعد آپ نے حضرت نصرؒ سے اجازت تبرک لی اور خرقۂ خلافت زیب تن کیا، اگرچیکہ اس دور میں خرقہ پہنانے کی رسم کم ہوگئی تھی، اور صرف سند اجازت ہی پر اکتفا کیا جاتا تھا، مگر آپ کو اس شرف کے حصول کی بے حد تمنا تھی، چنانچہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں اپنے شیخ کے وصال کے بعد جب آپ نے حضرت نصرؒ سے سلاسل کی اجازت لی، تو خرقہ پوشی کی بھی تمنا ظاہر کی، حضرت نصرؒ نے بتاریخ ۲۴/ربیع الاول روز جمعہ ۱۲۷۷ھ مطابق ۹/اکتوبر ۱۸۶۰ء کو دستار نظامیہ، وخرقۂ قادریہ وکمر بند وپٹکا وتسبیح وعصا عطا فرما کر الباس خرقہ فرمایا، اس روز سے اپنا لباس آپ نے یہی مقرر کرلیا، اور تمام عمر اسی لباس میں رہے۔

۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء میں مولانا عنایت رسول قادریؒ کے ہمراہ حج کے لئے تشریف لے گئے۔

آپ کے ذریعہ حضرت مولانا علی سجادؒ کے سلسلہ کو کافی فروغ ملا، اور آپ نے اپنے شیخ کی جانشینی کا حق ادا کردیا، کہا جاتا ہے کہ اگر آپ یہ ذمہ داری نہ لیتے تو یہ سلسلہ ختم ہوجاتا۔

آپ نے ہی ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء حضرت شاہ شمس الدین ابوالفرح مجیبیؒ کے ورثاء سے کچھ متروکہ اراضی خرید کر اس میں ایک خانقاہ اور مسجد کی تعمیر فرمائی، جو خانقاہ فریدی کے نام سے مشہور ہوئی، آپ کے مریدین آرہ، بنارس اور چمپارن میں بڑی تعداد میں موجود ہیں، آخر عمر میں دق کا عارضہ ہوگیا تھا، چند ماہ اس میں مبتلا رہ کر ۹/شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۴/جنوری ۱۸۹۶ء کو وفات پائی، اور اپنی وصیت کے مطابق اپنی خانقاہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں ایک حجرہ میں مدفون ہوئے، آپ کے پہلو میں آپ کی اہلیہ کا مزار ہے، اور اسی حجرہ میں آپ کے برادرزادہ اور جانشین حضرت شاہ عبیداللہ فریدیؒ مدفون ہوئے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۸، ۳۵۹، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ)

وفات ۹/ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۴/ جنوری ۱۸۹۶ء) نے ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۹۱ء میں رکھی، یہ پھلواری میں خاندان فریدی کی عظیم روحانی یادگار ہے۔

حضرت شاہ سعد اللہ فریدی رحمہ اللہ تعالیٰ

پھلواری میں اس خاندان کے سب سے پہلے بزرگ حضرت شاہ سعد اللہ فریدی المجیبیؒ (م ۴/ ذی قعدہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۷۷۶ء) ہیں، جو حضرت شیخ الاسلام فرید الحق والدین گنج شکرؒ (ولادت ۲۹/ شعبان ۵۹۴ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۱۱۹۸ء یا ۵۸۲ھ یا ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۸۶ء یا ۱۱۸۸ء یا ۱۱۸۹ء یا ۱۱۷۳ء وفات ۵/ محرم الحرام ۶۶۴ھ یا ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ یا ۶۷۰ھ مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۲۶۵ء یا ۱۲۶۷ء یا ۱۲۶۸ء یا ۱۲۶۹ء یا ۱۲۷۰ء)(۱۸۲) کی اولاد

(۱۸۲) حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے اجل خلفاء میں ہیں اور حضرت خواجہ اجمیریؒ سے بھی فیض یافتہ ہیں، اسم گرامی مسعود اور القاب فرید الدین، قطب الموحدین، قطب الزاہدین، اور گنج شکر تھے، آپ کے والد ماجد شیخ جمال الدین سلیمان حضرت سلطان محمود غزنویؒ کے بھانجے تھے، اور سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں کابل سے لاہور پہونچے، کچھ عرصہ قصور شہر میں رہے، مگر بادشاہ کے حکم پر ملتان چلے گئے، وہاں جاکر ملا وجیہ الدین خجندی کی بیٹی قسرم خاتون سے شادی کی، آپ کے تین بیٹے ہوئے: عیاض الدین محمود، فرید الدین مسعود، اور مجیب الدین متوکل، آپ کا سلسلۂ نسب آٹھ واسطوں سے کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے اور سترہ واسطوں سے حضرت سلطان ابراہیم ادہمؒ سے اور تئیس واسطوں سے حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطابؓ سے ملتا ہے، (پورا سلسلۂ نسب خزینۃ الاصفیاء میں موجود ہے) جن دنوں چنگیز خاں کے مظالم شروع ہوئے، حضرت شیخ کے دادا قاضی شعیب کابل میں تھے، اسی ہنگامہ میں وہ شہید ہو گئے، پھر آپ کے والد اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہندوستان منتقل ہو گئے، بادشاہ کی طرف سے ملتان کے علاقے میں کھوتوال (کہن والی) کی جاگیر ان کو پیش کی گئی، انہوں نے قبول کر کے وہیں اقامت اختیار کر لی، اور یہیں حضرت شیخ فریدؒ کی ولادت ۵۸۲ھ یا ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ/ ۱۱۸۶ء یا ۱۱۸۸ء یا ۱۱۸۹ء یا ۱۱۷۳ء میں ہوئی، حضرت مولانا احمد حسن منورویؒ نے تاریخ ولادت ۲۹/ شعبان ۵۹۴ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۱۱۹۸ء درج کی ہے (مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف ''سرکار غریب نواز'' ص ۱۷) یہیں آپ کی نشو ونما ہوئی، علوم ظاہری کی تکمیل ملتان میں قاضی منہاج الدین صاحب کی مسجد میں فرمائی، اور وہیں حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت کی، باقی علوم کی تکمیل قندھار اور کابل میں کی۔

تحصیل علم کے بعد بغداد پہونچے، ان دنوں شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ، سیف الدین باخرزیؒ، سعدی حمویؒ، بہاء الدین حمویؒ، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، اور شیخ فرید الدین نیشاپوریؒ جیسے اولیاء اللہ وہاں موجود تھے، آپ ان بزرگوں کی مجالس میں رہے، اور کچھ عرصہ کے بعد دہلی آ گئے اور اپنے پیر کی خدمت میں رہنے لگے، یہاں تک کہ حضرت قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکیؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا، آپ کی ولایت ==

== کا شہرہ دور دور تک پہونچ گیا، ہزاروں تشنگان بادۂ روحانیت کا رجوع شروع ہوگیا، آپ حتی الامکان عام لوگوں سے دور رہنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ آپ دہلی چھوڑ کر ہانسی چلے گئے، اور دو سال وہاں مقیم رہے، مگر وہاں بھی لوگوں نے آپ کو گھیر لیا، تو وہاں سے چل کر ایک غیر معروف مقام اجودھن (پاک پٹن) میں قیام فرما ہوئے، وہاں کے لوگ جاہل اور سخت رو تھے، اور اکثر بزرگان دین کے منکر بھی تھے، آپ شہر سے باہر کیکر کے درختوں کے ایک جھنڈ میں رہنے لگے، یہاں آپ کو اور آپ کے اہل وعیال اور متعلقین کو اکثر فاقوں کی نوبت آتی تھی، لیکن پھر آہستہ آہستہ فتوحات کے دروازے کھل گئے، وہاں کے بعض علماء اور حاسدین نے آپ کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کیں، لیکن سب ناکام ہوئے۔

آپ کو گنج شکر کیوں کہا جاتا ہے؟ اس میں کئی روایات ہیں:

☆ ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے مجاہدہ کا ارادہ کیا، تو شیخ نے بھوکا رہنا تجویز کیا، آپ نے روزے شروع کردیئے، تین دن کے بعد ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس کو اشارۂ غیبی سمجھ کر تناول فرمالیا، کھانے کے تھوڑی دیر بعد ہی قے ہوئی اور وہ پورا کھانا پیٹ سے باہر نکل گیا، آپ نے اپنے شیخ سے یہ قصہ نقل کیا، تو شیخ نے فرمایا کہ تین دن کے بعد کھایا بھی تو شرابی کے ہاتھ سے کھایا، اللہ پاک کا شکر ہے کہ وہ کھانا پیٹ میں نہ رہا، اب تین دن اور بھوکے رہو، اور جو غیب سے آئے اسے کھاؤ، تین دن گذرنے کے بعد کچھ نہ آیا، ضعف بے حد غالب ہوگیا، شدت بھوک میں کچھ کنکریاں اٹھا کر منھ میں ڈال لیں، وہ شکر بن گئیں، شیخ نے یہ سمجھ کر کہ کہیں دھوکہ نہ ہو ان کو تھوک دیا، تھوڑی دیر میں پھر شدت بھوک سے مجبور ہو کر کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈال لیں، وہ بھی شکر بن گئیں، ایسے ہی تین مرتبہ ہوا، صبح کو حضرت شیخ سے عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ بہتر کیا وہ کھالیا، اسی دن سے آپ کو گنج شکر کہنے لگے۔

☆ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک سوداگر سے آپ نے شکر مانگی، اس نے کہا کہ میرے پاس تو نمک ہے، آپ نے فرمایا نمک ہی ہوگا، دیکھا تو وہ شکر نمک بن گیا تھا، اس پر اس سوداگر نے معذرت کی، جس پر وہ شکر میں تبدیل ہوگیا۔

☆ ایک روایت یہ بھی نقل کی جاتی ہے کہ بچپن میں آپ کو میٹھا کھانے کا بہت شوق تھا، اس لئے آپ کی والدہ ماجدہ ہر روز آپ کے سرہانے میں تھوڑا میٹھا رکھ دیا کرتی تھیں، ایک دن والدہ سرہانے میں میٹھا رکھنا بھول گئیں، آپ نے نماز کے بعد حسب معمول سرہانے میں ہاتھ ڈالا تو مٹھائی موجود تھی، وہ لے کر کھانے لگے، ان کی ماں نے دیکھا تو حیران ہوئیں، پوچھا مٹھائی کہاں سے ملی، انہوں نے عرض کیا سرہانے سے، والدہ سمجھ گئیں کہ یہ غیب سے ہے، سجدہ میں گئیں اور دعا فرمایا کہ اے اللہ میرے بیٹے کو گنج شکر بنادے، تاکہ یہ دنیا میں شیرینی تقسیم کرتا رہے۔

اس طرح کے کئی واقعات نقل کئے گئے ہیں، آپ کی کرامات وتصرفات کے بھی بڑے واقعات ہیں۔

آپ کی وفات ۵/محرم الحرام ۶۶۴ھ یا ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ یا ۶۷۰ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۲۶۵ء یا ۱۲۶۷ء یا ۱۲۶۸ء یا ۱۲۶۹ء یا ۱۲۷۰ء کو ہوئی، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے سیر الاقطاب کے حوالے سے ۶۹۰ھ ==

امجاد میں ہیں، اور فتح پور سکری کے خاندان فریدی کی فروع ہیں، آپ کا خاندان فتح پور سکری سے منتقل ہو کر صوبہ بہار کے ایک گاؤں دیوریا میں آباد ہوا، یہ گاؤں فتح پور (پٹنہ) اور لکھنور (پٹنہ) کے قریب واقع ہے، آپ کے اجداد اپنے ساتھ اپنا اقتدار اور خاندانی وقار بھی لائے تھے، اور جوہر ذاتی اور وجاہت خاندانی کے قدر شناس سلاطین اسلام نے ان بزرگوں کی مدد معاش کے لئے بڑی بڑی جاگیریں بھی دی تھیں، جن کی بدولت اس خاندان کو ہر طرح کی خوشحالی اور فارغ البالی میسر تھی۔

آپ کے والد ماجد حضرت شاہ حمید الدینؒ اپنے والد کے مرید وخلیفہ تھے، وہ حضرت تاج العارفین شاہ محمد مجیب اللہ پھلورویؒ بانی خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے ہم زلف تھے، حضرت شاہ مجیب اللہؒ کی دوسری شادی نظام پور ضلع پٹنہ اور موضع بسنت پور گوندیا پرگنہ کسمر ضلع سارن کے جلیل القدر خاندان میں حضرت شاہ محمد بن شاہ نور اللہ نظام پوریؒ کی صاحبزادی بی بی طالعہ سے ہوئی تھی، جب کہ انہی کی دوسری صاحبزادی حضرت شاہ حمید الدینؒ کی زوجیت میں تھیں، حضرت شاہ سعد اللہؒ انہی سے پیدا ہوئے، اس طرح حضرت پیر مجیبؒ شاہ سعد اللہ فریدیؒ کے خالو ہوتے ہیں، پھر شاہ سعد اللہؒ کی شادی حضرت پیر مجیبؒ کی صاحبزادی بی بی عارفہ سے ہوگئی، اور حضرت تاج العارفین کی دامادی کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا، اور یہی پھلواری شریف میں آپ کے قیام وسکونت کا ظاہری سبب بنا، شادی کے بعد آپ نے پھلواری میں رہائش اختیار کر لی، ۱۱۴۵ھ/ ۱۷۳۲ء میں آپ سلسلۂ قادریہ وارثیہ میں حضرت تاج العارفین سے بیعت ہوئے، اور اکتساب سلوک کے بعد خرقۂ خلافت اور اجازت سلاسل سے مشرف ہوئے، ۹/ شعبان المعظم ۱۱۸۴ھ مطابق ۲۷/ نومبر ۱۷۷۰ء کو عیسیٰ پور (پھلواری سے متصل ایک قصبہ) کی ایک خاتون بی بی نورن بنت زین العابدین کا مکان خرید کر اس میں مقیم ہوگئے، یہ مکان خانقاہ مجیبیہ کے زنان خانہ سے پچھّم واقع ہے، یہ مکان ابھی بھی ان کے خاندان کے تصرف میں ہے۔

حضرت شاہ سعد اللہ فریدیؒ بلند مرتبہ اور صاحب حضوری بزرگ تھے، براہ راست بارگاہ نبویہ

== مطابق ۱۲۹۱ء نقل کیا ہے، اور اسی کو معتبر قرار دیا ہے، پاک پٹن ضلع ملتان میں آپ کا مزار مبارک ہے جو لاہور اور ملتان کے درمیان واقع ہے، آپ کے خلفاء کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، بعض لوگوں نے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) تک بتایا ہے، بعض نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) اور بعض حضرات نے خلفاء کی تعداد پانچ سو چوراسی (۵۸۴) لکھی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت علی احمد صابر کلیریؒ آپ ہی خلفاء میں ہیں، خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے تینتیس (۳۳) خلفاء کی فہرست دی گئی ہے، (خزینۃ الاصفیاء ص ۱۰۸ تا ۱۳۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۶ تا ۱۸۰ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارن پور، ۱۳۹۲ھ)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اورادو اشغال آپ کو تلقین کئے گئے تھے، آپ کی وفات ۴/ ذی قعدہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۷۷۶ء کو ہوئی، اور مقبرہ حضرت امیر عطاء اللہؒ میں مدفون ہوئے (۱۸۳)

حضرت مولانا شاہ عبید اللہ فریدیؒ (پیر طریق حضرت منورویؒ) چوتھی پشت میں حضرت سعد اللہ فریدیؒ کے پوتے ہیں، حضرت مولانا شاہ عبید اللہ فریدیؒ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ محمد نعمت مجیبؒ (۱۸۴) (ولادت ۲۸/ محرم ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۸۳۳ء وفات ۷/ شوال المکرم ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۶/ مئی ۱۸۹۰ء) سلسلۂ قادریہ کے بڑے کاملین میں گذرے ہیں، وہ حضرت مولانا شاہ احمد اصطفیٰؒ (۱۸۵) (ولادت ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۵ء وفات ۹/ شوال المکرم ۱۲۶۰ھ مطابق ۲۱/ اکتوبر

(۱۸۳) آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۲، ۳۵۳، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء۔

(۱۸۴) آپ حضرت شاہ احمد اصطفیٰؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۲۸/ محرم ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۸۳۳ء کو ہوئی، درسیات متوسطات تک مولانا ہادی بن مولانا احمدیؒ سے پڑھی، اور بقیہ نصف درسیات مولانا محمد حسین بن شیخ العالمین شاہ محمد نعمت اللہؒ سے مکمل کی، ۱۲۶۳ھ/ ۱۸۴۷ء میں بطریقۂ قادریہ وارثیہ حضرت مولانا شاہ ابوالحسن فردؒ سے بیعت کی، تعلیم وتربیت اور اجازت وخلافت حضرت مولانا ہادیؒ سے حاصل ہوئی، مولانا حاجی احمد علی ابراہیم بن مولانا احمدیؒ اور آپ کے خال محترم مولانا شاہ نور احمدؒ نے بھی اپنے جمیع سلاسل کی اجازت عطافرمائی تھی، حج وزیارت سے بھی آپ مشرف تھے، آپ کا مشغلہ درس وتدریس کا تھا، آپ کے تلامذہ میں مولانا منظور احمد بن مولانا نور احمد اور مولانا اسحاق وکیل حبیب پوری مشہور ہوئے۔

آپ کی شادی مولوی سید آل علی بن میر سید باقر علی بن میر سید حسن رضی (پھلواری) کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے ایک صاحبزادے مولانا شاہ عبید اللہ پیدا ہوئے۔

آپ کا وصال ۷/ شوال المکرم ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۶/ مئی ۱۸۹۰ء کو ہوا اور مقبرۂ جنیدیہ سے پورب مدفون ہوئے۔ (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۴، ۳۵۵، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء)

(۱۸۵) آپ کی ولادت ۱۲۱۰ھ/ ۱۷۹۵ء میں ہوئی، درسیات کی تحصیل حضرت شیخ العالمین مولانا شاہ محمد نعمت اللہؒ کے صاحبزادے مولانا محمد امام صاحبؒ سے کی، ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء میں حضرت شیخ اللعالمینؒ سے بیعت ہوئے، لیکن تعلیم و تربیت اور اجازت وخلافت ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ء میں حضرت فردؒ سے حاصل کی، آپ کی شادی مولانا محمد امامؒ کی صاحبزادی بی بی کلثوم سے ہوئی، ان سے تین صاحبزادے: مولانا شاہ نعمت مجیبؒ، مولانا شاہ محمد صفت اللہؒ، اور مولانا شاہ محمد اشرف مجیبؒ، اور چار صاحبزادیاں: بی بی فریدہ، بی بی وجیہہ، بی بی امۃ الرسول اور بی بی آل زہراء پیدا ہوئے، آپ کی وفات ==

۱۸۴۴ء) کے صاحبزادے ہیں ، وہ بھی سلسلۂ قادریہ مجیبیہ کے بلند پایہ بزرگ تھے، وہ حضرت شاہ سعداللہ فریدیؒ کے پوتا اور حضرت شاہ وعداللہ فریدیؒ (ولادت ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء وفات ۲/ ذی قعدہ ۱۲۴۸ء مطابق ۲۲/ مارچ ۱۸۳۳ء)(۱۸۶) کے فرزندار جمند ہیں۔

حضرت مولانا عبیداللہ فریدیؒ کے والد ماجد حضرت شاہ نعمت مجیبؒ بھی گو کہ بڑے کاملین میں ہوئے ہیں ، لیکن ان کی وفات صرف پچاس (۵۰) سال کی عمر میں ہوگئی تھی ، اس لئے اپنے مرض الموت میں اپنے صاحبزادے کو اپنے برادر خورد حضرت مولانا شاہ محمد اشرف مجیبؒ کے حوالے فرمادیا تھا، اور غائبانہ طور پر ان کی طرف سے نیابۃً صاحبزادے کی بیعت بھی لے لی تھی ، اس کے بعد حضرت شاہ عبیداللہؒ کی پوری روحانی تربیت چھوٹے چچا حضرت مولانا شاہ محمد اشرف مجیبؒ کے زیر صحبت ہوئی ، چھوٹے چچا نے انتقال سے قبل اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا، اور شیخ کے انتقال کے بعد منجھلے چچا حضرت مولانا شاہ صفت اللہؒ (۱۸۷) (ولادت ۳/ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۳۵ء

==۹/ شوال المکرم ۱۲۶۰ھ مطابق ۲۱/ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی ، اور مقبرۂ مجیبیہ میں مدفون ہوئے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۴ ، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ ، ناشر : دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء)

(۱۸۶) حضرت شاہ وعداللہؒ کی ولادت ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۲ء میں ہوئی ، درسیات اپنے خالو ملا وحید الحق ابدالؒ سے پڑھی ، ۱۱/ ربیع الثانی ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۵/ اپریل ۱۷۸۰ء کو اپنے خال محترم حضرت شاہ محمد نعمت اللہؒ سے مرید ہوئے ، تکمیل سلوک کے بعد حضرت نے آپ کو جملہ سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی ۔

آپ کی دو شادیاں ہوئیں ، پہلی شادی بی بی ذکیہ بنت شاہ محمد عاشوریؒ (ساکن باڑھ محلہ غیاث پور یکے از اولاد مخدوم الملک بہاریؒ) سے ہوئی ، ان سے ایک صاحبزادہ شاہ محمد علی یوسفؒ پیدا ہوئے ۔

دوسری شادی محل اولیٰ کے انتقال کے بعد آپ کی سالی بی بی ارزانی بنت شاہ محمد عاشوریؒ سے ہوئی ، ان سے ایک صاحبزادہ مولانا شاہ احمد اصطفیٰؒ ، اور ایک صاحبزادی بی بی ولیہ پیدا ہوئیں ۔

شاہ وعداللہؒ نے ۲/ ذی قعدہ ۱۲۴۸ء مطابق ۲۲/ مارچ ۱۸۳۳ء کو رحلت فرمائی ، اور مقبرۂ مجیبیہ میں مدفون ہوئے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۳ ، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ ، ناشر : دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء

(۱۸۷) حضرت شاہ محمد صفت اللہ کی ولادت ۳/ ذی الحجہ ۱۲۵۰ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۳۵ء کو ہوئی ، ابتدائی درسیات مولانا شاہ محمد شرف الدین پھلورویؒ سے پڑھیں ، بقیہ درسیات کی تکمیل کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے ، اور وہاں مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ کے پاس تکمیل کی ، بیعت وتعلیم اور اجازت وخلافت سب کچھ حضرت مولانا شاہ محمد ابوتراب آشناؒ سے حاصل==

وفات ۵/صفر المظفر ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۰۴ء) نے آپ کو اپنے شیخ کی جگہ پر جانشین مقرر فرمایا، اور اپنی طرف سے بھی اجازت وخلافت سے سرفراز کیا، اس طرح والد سمیت دونوں چچاؤں کی نسبتیں آپ میں جمع ہوگئیں۔

خانقاہ فریدی کی بنیاد حضرت مولانا شاہ محمد اشرف مجیبؒ نے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں رکھی، انہوں نے حضرت شاہ شمس الدین ابوالفرح طلعت مجیبیؒ (ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، ۱۷۵۰ء وفات ۱۳/شعبان المعظم ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۰/اگست ۱۸۱۳ء)(۱۸۸) کے ورثاء سے کچھ متروکہ اراضی خرید کر اس

== ہوئی، علاوہ حضرت مولانا ہادیؒ، اور حضرت مولانا حاجی احمد علی ابراہیمؒ اور حضرت مولانا نور احمدؒ نے بھی اپنے سلاسل کی اجازت عطا فرمائی تھی۔

آپ بڑے متوکل، مرتاض اور دائم الریاضت بزرگ تھے، حج وزیارت سے بھی مشرف ہوئے، آپ کی شادی بی بی آل زہراء بنت مولوی سید رعایت علی سے ہوئی تھی، ان سے چار صاحبزادے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔

آپ نے بہتر (۷۲) سال کی عمر میں بعارضۂ دق الشیخوخت بتاریخ ۵/صفر المظفر ۱۳۲۲ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۰۴ء وفات پائی، اور اپنے بڑے بھائی مولانا شاہ محمد نعمت مجیبؒ کے مزار سے پورب مولوی سید آل علی کے مزار کے بعد مدفون ہوئے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۵۷، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء)

(۱۸۸) آپ کی تاریخ ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، ۱۷۵۰ء ہے، آپ مولانا شاہ عبدالحیؒ کے صاحبزادہ تھے، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، درسیات اور فن شاعری میں حضرت مولانا شاہ محمد نور الحقؒ سے بھی تلمذ تھا، باقی درسیات کی تکمیل ملا وحید الحق ابدال سے کی، بیعت، تعلیم وتربیت اور اجازت وخلافت کل حضرت تاج العارفین پیر مجیب سے تھی۔

سلسلۂ قادریہ کی ایک دوسری اجازت راجگیر پہاڑ پر آپ کو ایک بہت معمر بزرگ حضرت سید شاہ شرف الدین حسینؒ سے ملی تھی، اس واسطے سے آپ کے اور حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے درمیان صرف دو واسطے ہیں، حضرت شاہ شرف الدین حسینؒ کو ان کے شیخ سید معین الدین سے ان کو حضرت غوث اعظمؒ سے۔

اپنے عہد میں بڑے عابد ومرتاض تھے، گھر میں مال ودولت کی کمی نہ تھی، آپ کے والد حضرت شاہ عبدالحیؒ شاہ عالم سے جاگیر آپ ہی کے نام سے لکھوائی تھی، مگر تمام عمر آپ نے ایک خرمہرہ بھی اپنی ذات پر صرف نہ کیا، تمام آمدنی اہل خاندان کے مصرف میں آتی، اور خود متوکلانہ زندگی گذارتے، عبادات وریاضات کے جو معمولات تھے سفر وحضر کسی حال میں ناغہ نہ ہوتے تھے۔

فن شاعری میں مہارت تامہ حاصل تھی، آپ کا فارسی دیوان مکمل کتب خانہ مجیبیہ بدریہ میں موجود ہے، طلعت تخلص فرماتے تھے، بسلسلۂ رشد وہدایت کلکتہ میں قیام رہا، اور وہیں بتاریخ ۱۳/شعبان المعظم ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۰/ ==

میں ایک خانقاہ اور انہی حدود میں ایک مسجد کی تعمیر کرائی تھی، جو خانقاہ فریدیہ کے نام سے مشہور ہوئی، اسی کو چھوٹی خانقاہ بھی کہتے ہیں اور خانقاہ مجیبیہ کے اصول پر تمام معمولات و اصول قائم فرمائے، یوں تو تمام سلاسل یہاں بھی ہیں، لیکن سلسلۂ قمیصیہ وارثیہ کی نسبت غالب ہے، حضرت شاہ اشرف مجیبؒ کو کوئی صلبی اولاد نہ تھی، اس لئے ان کے بھتیجے اور مسترشد حضرت مولانا عبید اللہ فریدیؒ ہی آپ کے نائب اور جانشین ہوئے۔

سلسلۂ فریدیہ بھی چند واسطوں کے بعد حضرت تاج العارفین پیر مجیبؒ سے مل جاتا ہے، اور پھر وہ بطریق وارثیہ (حضرت رسول نماؒ) نیز بطریق عمادیہ (خواجہ عماد الدین قلندرؒ) اوپر حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ تک چلا جاتا ہے۔

مشائخ سلسلۂ قادریہ مجیبیہ فریدیہ

اس سلسلہ میں حضرت قطب الہند مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کے مشائخ طریق کی ترتیب نیچے سے اوپر حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت مولانا شاہ عبید اللہ قادری و فریدیؒ (ولادت ۹ / جمادی الثانیہ پنجشنبہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۱ / جون ۱۸۷۷ء-وفات ۳ / شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۵ / جنوری ۱۹۲۹ء)

(۲) شیخ الشیوخ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف مجیب قادری و فریدیؒ (ولادت ۲۸ / شوال المکرم ۱۲۵۲ھ مطابق ۴ / اکتوبر ۱۸۳۷ء وفات ۹ / شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ مطابق ۲۴ / جنوری ۱۸۹۶ء)

(۳) سید العاشقین حضرت مولانا شاہ محمد علی سجاد قادری فریدیؒ (ولادت ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء وفات ۱۸ / رمضان ۱۲۷۱ھ مطابق ۳ / جون ۱۸۵۵ء)(۱۸۹)

==اگست ۱۸۱۳ء کو وفات ہوئی، آپ کا مزار کلکتہ محلہ مصری گلی (ولیز لی) میں ایک مسجد کے حجرہ میں زیارت گاہ عالم ہے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۳۳۹، ۳۴۰، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۳ء ☆ سیرت پیر مجیب ص ۳۳۵ تا ۳۳۹ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری)

(۱۸۹) حضرت شیخ العالمین مولانا شاہ محمد نعمت اللہ قادریؒ کے چھٹے (۶) فرزند ہیں، آپ کی ولادت ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء میں ہوئی، درسیات کی تکمیل مولانا احمدیؒ سے ۱۲۲۲ھ ۱۸۰۷ء میں کی، ۱۲۱۷ھ/ ۱۸۰۲ء میں اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے، اور تعلیم و تربیت اور اجازت و خلافت کل اپنے والد سے حاصل کی، صاحب تصانیف ہیں، رشد و ہدایت اور درس و تدریس آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا، آپ کے دریائے علم سے بہت سے لوگ سیراب ہوئے، فقر و عرفان میں بھی آپ==

(۴) شیخ العالمین حضرت مولانا شاہ محمد نعمت اللہ قادریؒ (ولادت ۴/محرم الحرام ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۵/جنوری ۱۷۴۷ء-وفات ۲۹/شعبان المعظم ۱۲۴۷ھ مطابق یکم فروری ۱۸۳۲ء)(۱۹۰)

== نے نمایاں مقام حاصل کیا، کئی لوگوں کو خلافت سے سرفراز فرمایا، مثلاً، آپ کے صاحبزادے مولانا محمد عمر درازؒ، مولانا شاہ محمد فضل اللہؒ، مولانا شاہ اشرف مجیبؒ، مولانا شاہ محمد شرف الدین پھلوارویؒ، مولانا شاہ وصی احمد پھلوارویؒ، حکیم غلام قادرؒ گھگھٹہ، اور شیخ فضل اللہؒ (ساکن نرائن پلیا)، لیکن آپ کا سلسلہ حضرت مولانا اشرف مجیبؒ کے واسطے سے جاری ہوا۔

آپ کی شادی جناب حکیم ابوالمظفر صاحب گھگھٹہ ضلع چھپرہ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی، ان سے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئے---آپ کی وفات ۱۸/رمضان ۱۲۷۱ھ مطابق ۳/جون ۱۸۵۵ء کو ہوئی، اور باغ مجیبی میں مدفون ہوئے (آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن ص ۲۹۴، مرتبہ مولانا سید شاہ حکیم محمد شعیب نیرؒ، ناشر: دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء)

(۱۹۰) آپ حضرت تاج العارفین پیر مجیبؒ کے فرزند ارجمند اور سچے جانشین تھے، بزرگان پھلواری کے جتنے تذکرے آج دستیاب ہیں وہ سب آپ کے طفیل ہیں، تذکرۃ الکرام کے مصنف کو اصلاً آپ کا ہی تذکرہ لکھنا تھا اور ضمن میں بہت سے بزرگوں کا تذکرہ بھی قلمبند کیا، اور یہی کتاب بزرگان پھلواری کے حالات پر نقش اولین ہے۔

آپ کی ولادت ۴/محرم الحرام ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۵/جنوری ۱۷۴۷ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم خود حضرت والد ماجد نے دی، اس کے بعد ملا وحید الحق ابدال کے سپرد کر دیئے گئے، ان سے فقہ، حدیث، اصول، منطق، فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیں، ۲۸/رمضان المبارک ۱۱۷۷ھ مطابق ۳۰/مارچ ۱۷۶۴ء کو جب آپ کی عمر سترہ (۱۷) سال کی تھی، والد ماجد سے سلسلۂ قادریہ قمیصیہ وارثیہ میں بیعت ہوئے، پھر اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، دیگر سلاسل کی اجازت عامہ بھی آپ کو حاصل ہوئی، آپ نے اپنے والد کی خدمت کا حق ادا کر دیا، اپنے والد سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، والد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، آپ نے خانقاہ کی توسیع واشاعت کے لئے بڑی خدمات انجام دیں، قصبہ پھلواری میں بہت سے رفاہی کام بھی کرائے، قصبہ کے لوگ آپ کو اپنا مربی وسرپرست سمجھتے تھے، آپ کو بے پناہ مرجعیت وقبولیت حاصل ہوئی، فقر وتوکل کے باوجود آپ کے عہد میں اس قدر فتح باب ہوا کہ خانقاہ کے لنگر سے روزانہ دوسو (۲۰۰) زائرین کھانا کھاتے تھے، اس میں ہندو اور مسلمان کی کوئی قید نہیں تھی، جن ہندؤں کو پکی ہوئی چیز کھانے میں احتیاط ہوتی تھی، ان کو دکان سے غلہ دلوا دیا جاتا تھا، عرس کے موقعہ پر زائرین کے علاوہ پھلواری کے ہر گھر میں کھانا بھیجا جاتا تھا، بڑے عرس میں یعنی ربیع الاول کے موقعہ پر تین دن عام لنگر جاری رہتا تھا، جن میں تقریباً پچیس ہزار (۲۵۰۰۰) آدمی کھانا کھاتے تھے۔

کثرت ریاضت وعبادت میں بھی آپ بے نظیر تھے، مؤکدہ اور غیر مؤکدہ سنتوں کے علاوہ روزانہ ساٹھ (۶۰) رکعات نفل پڑھتے تھے، شب وروز کے معمولات میں ایک وقت تصوف کی کتابوں کے درس کے لئے متعین تھا، جس میں سرفہرست مکتوبات صدی اور ملفوظات حضرت رسول نما بنارسیؒ تھے، سالکین طریقت آپ کی خلوت ہی میں آجاتے ==

(۵) حضرت تاج العارفین سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (ولادت ۱۱ / ربیع الثانی ۱۰۹۸ھ یا ۱۰۹۵ھ مطابق ۲۳ / فروری ۱۶۸۷ء یا ۱۶۸۴ء - وفات ۲۰ / جمادی الثانیہ ۱۱۹۱ھ مطابق ۲۵ / جولائی ۱۷۷۷ء)

(۶) قطب العصر حضرت مولانا سید محمد وارث رسول نما قادری بنارسیؒ (ولادت ۱۰۸۷ھ/ ۱۶۷۶ء وفات ۱۱ / ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ/ ۱۴ / فروری ۱۷۵۳ء)

(۷) افضل المجاہدین المتأخرین سید شاہ رفیع الدین قادریؒ (غازی پور یو پی)(۱۹۱)

(۸) صاحب الشریعۃ والطریقۃ حضرت سید شاہ سلیم قادریؒ (غازی پور یو پی)(۱۹۲)

== تھے، اور آپ سے سبقاً سبقاً درس لیتے تھے، آپ کے ذریعہ حضرت رسول نما بنارسیؒ کا سلسلہ کافی فروغ پایا، آپ پر اس نسبت کا خصوصی فیضان تھا، اور اس سلسلے میں طالبین کا رجوع بہت زیادہ تھا، اللہ پاک نے آپ کی نسل میں بھی بڑی برکت دی، سات (۷) صاحبزادے زندہ رہے، جن سے بے شمار علماء اور اولیاء اللہ پیدا ہوئے، آپ کی وفات اٹھاسی (۸۸) سال کی عمر میں ۲۹ / شعبان المعظم ۱۲۴۷ھ روز پنجشنبہ مطابق یکم فروری ۱۸۳۲ء کو زوال کے فوراً بعد ہوئی، کثرت اژدحام کی وجہ سے نماز جنازہ باغ مجیبی میں ادا کی گئی، سید العلماء مولانا احمدیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت تاج العارفین کے چبوترۂ مزار سے دکھن جانب علاحدہ چبوترے پر تدفین عمل میں آئی (سیرت پیر مجیب ص ۳۱۷ تا ۳۲۷ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری)

(۱۹۱) حضرت سید شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے والد ماجد کا نام سید زین العابدینؒ، دادا کا نام سید شاہ سلیم قادریؒ تھا، آپ کے والد ماجد دادا محترم کی حیات ہی میں حج کے لئے تشریف لے گئے، وہیں ان کا انتقال ہوگیا، آپ کے دادا کو اس کا بہت صدمہ ہوا، دادا نے پوتا کی خوب تربیت کی، تعلیم باطنی اور اجازت وخلافت بھی اپنے دادا ہی سے حاصل ہوئی، آپ کی نانیہال موضع اسمٰعیل پور ضلع غازی پور میں تھی، آپ کے نانا حضرت سید ابوالمعالیؒ کو اولاد ذکور نہیں تھی، آپ کی تربیت میں ان کا بھی بڑا حصہ ہے ان کی طویل صحبت آپ کو حاصل رہی، بعد میں بھی آپ کا زیادہ تر قیام اسی گاؤں میں رہا، آپ کا شمار اپنے زمانے کے مشہور ترین مشائخ میں ہوتا تھا، ریاضت ومجاہدہ میں آپ کا ثانی نہیں تھا، حضرت مولانا رسول نما بنارسیؒ آپ کے نام کے ساتھ ''افضل المجاہدین المتأخرین'' لکھتے تھے، آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے، آپ کی قبر اسمٰعیل پور کے قبرستان میں بتائی جاتی ہے، لیکن قبر کے نشانات موجود نہیں ہیں، (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۸، ۱۳۹ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری بحوالہ ''تذکرہ انساب سادات غازی پور'')

(۱۹۲) غازی پور نونہرہ کے رہنے والے تھے، آپ کے حالات بالکل پردۂ خفا میں ہیں، حضرت رسول نما بنارسیؒ نے آپ کو ''صاحب الشریعۃ والطریقۃ'' لکھا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محققین صوفیاء کی طرح آپ نے بھی باقاعدہ علوم دینیہ کی تحصیل کی تھی، اور اس میں عبور رکھتے تھے، آپ کو بیعت وخلافت اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ محمد پیارےؒ ==

(۹) قطب غازی پور حضرت سید محمد المعروف بہ سید پیارےؒ (غازی پور یوپی) (۱۹۳)
(۱۰) حضرت سید شاہ محمد قمیصی قادریؒ ابن حضرت سید شاہ قمیص الدین قادریؒ (۱۹۴)
(۱۱) حضرت سید شاہ قمیص الدین قادری گیلانیؒ (ولادت ۸۹۷ھ/ ۱۴۹۲ء وفات ۳/ ذی قعدہ ۹۹۲ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۵۸۴ء) ابن حضرت سید ابوالحیات قادریؒ
(۱۲) حضرت مولانا سید ابوالحیات قادریؒ (۱۹۵) ابن حضرت سید تاج الدین محمود بغدادیؒ

==سے حاصل تھی، ان کے بعد آپ ہی نے سلسلۂ ارشاد کو جاری رکھا اور مزید وسعت دی، آپ کو اپنے جواں سال صاحبزادے ''سید زین العابدین'' کی رحلت کا صدمہ اٹھانا پڑا، جب وہ حج پہ گئے تھے، آپ کی قبر شریف کمہرار (پٹنہ) کے قبرستان میں بتائی جاتی ہے، معلوم نہیں کس سلسلے میں پٹنہ تشریف لائے تھے، ممکن ہے کہ وابستگان سلسلہ پٹنہ میں بھی موجود ہوں، اور اسی ضمن میں تشریف آوری ہوئی ہو اور وقت موعود آپہونچا ہو، قبر کے نشانات موجود نہیں ہیں (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۸، ۱۳۹ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری)

(۱۹۳) حضرت سید شاہ محمد پیارےؒ کے والد ماجد کا نام ''سید فتح محمد'' تھا، اور بقول صاحب تذکرہ انساب سادات غازی پور (سید غلام حسین غازی پوریؒ) ''اپنے عہد کے ممتاز اور معروف بزرگ تھے، وہ ملک السادات امیر مسعود غازیؒ کی اولاد میں تھے، ملک السادات کا مزار غازی پور شہر میں ہے، ملک السادات کے اسلاف واکابر ترمذ، لاہور، سوانہ وغیرہ شہروں میں آباد ہوتے رہے، یہ خانوادہ علم وفضل اور فقر وعرفان میں ممتاز ہونے کے ساتھ جذبۂ جہاد سے بھی ہمیشہ معمور رہا ہے، اور اس خاندان کے بیشتر بزرگ میدان جنگ میں شربت سے سیراب ہوئے ہیں، باقی احوال کا علم نہیں ہے، آپ کی خانقاہ نونہرہ ضلع غازی پور میں تھی، اور آپ کا مزار غازی پور کے محلہ ''سیدواڑہ'' میں ہے (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۷، ۱۳۸ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری)

(۱۹۴) آپ حضرت سید شاہ قمیص الدین قادریؒ کے صاحبزادے اور سچے جانشین تھے، آپ حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے خانوادہ سے تعلق رکھتے ہیں، حضرت شاہ قمیص قادریؒ کا سب سے زیادہ فیض آپ ہی کے ذریعہ جاری ہوا، آپ کے خلفاء میں حضرت سید پیارے قادریؒ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی، باقی حالات آپ کے پردۂ خفا میں ہیں (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۷، ۱۳۸ مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری)

(۱۹۵) آپ حضرت سید تاج الدین محمود بغدادیؒ کے فرزند ارجمند اور آٹھویں پشت میں حضرت غوث اعظمؒ کے پوتے ہیں، ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کی اشاعت میں آپ کی حیثیت ایک سنگ میل کی ہے، آپ کے والد ماجد بغداد سے تنہا ہندوستان تشریف لائے تھے، اور بنگال میں اقامت اختیار کی، بنگال کا حاکم سید حسین شاہ آپ کا اس درجہ گرویدہ ہوا کہ اپنی لڑکی آپ کی زوجیت میں دینے کی خواہش کی، لیکن انہوں نے اس رشتہ کو اپنے صاحبزادے سید ابوالحیات قادریؒ کے لئے پسند فرمایا، اس وقت آپ بغداد میں تھے، والد صاحب نے آپ کو بغداد سے طلب فرمایا، اور حاکم بنگال کی لڑکی==

(۱۳) حضرت سید تاج الدین محمود قادری بغدادیؒ (۱۹۶) ابن حضرت سید بہاء الدین محمد القادریؒ

(۱۴) حضرت سید بہاء الدین محمد گیلانی القادریؒ المشہور بہاول شیر قلندر ابن حضرت سید جلال الدین احمد القادریؒ

(۱۵) حضرت سید جلال الدین احمد القادریؒ ابن حضرت سید داؤد ثانی قادریؒ

(۱۶) حضرت سید داؤد ثانی قادریؒ ابن حضرت سید جمال الدین علی عبداللہ القادریؒ

(۱۷) حضرت سید جمال الدین علی عبداللہ القادریؒ ابن حضرت قاضی عماد الدین ابوصالح نصر قادریؒ

(۱۸) حضرت قاضی عماد الدین ابوصالح نصر قادریؒ (ولادت ۲۴/ربیع الثانی ۵۶۲ھ مطابق ۲۳/فروری ۱۱۶۷ء- وفات ۶/شوال المکرم ۶۴۳ھ مطابق ۲/مارچ ۱۲۴۶ء یا ۲۷/رجب المرجب ۶۳۲ھ مطابق ۲۳/اپریل ۱۲۳۵ء) ابن حضرت سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاقؒ

(۱۹) حضرت سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاقؒ (ولادت ۱۸/ذی قعدہ ۵۲۸ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۱۱۳۴ء- وفات دوشنبہ ۶/شوال المکرم ۶۰۳ھ مطابق ۱۲/مئی ۱۲۰۷ء یا ۶/شوال ۶۲۳ھ مطابق ۶/اکتوبر ۱۲۲۶ء) ابن حضرت سرحلقۂ عارفاں شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ

(۲۰) حضرت سرحلقۂ عارفاں غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (ولادت شب اول رمضان المبارک ۴۷۰ھ مطابق ۲۳/مارچ ۱۰۷۸ء- وفات ۱۱ یا ۱۷/ربیع الثانی ۵۶۱ھ مطابق ۲۰ یا ۲۶/فروری ۱۱۶۶ء) ابن حضرت سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوستؒ

(۲۱) حضرت سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوستؒ (ولادت ۲۷/رجب المرجب ۴۰۰ھ مطابق

== کی شادی آپ سے کرائی، اور بیٹے کو ہندوستان میں اپنا قائم مقام بنا کر خود بغداد واپس ہو گئے (سیرت پیر مجیب ص ۱۳۶، ۱۳۷ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری ☆ اخبار الاخیار ص ۴۲۹، ۴۳۰ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اردو ترجمہ: علامہ سبحان محمود و علامہ فاضل، ناشر: اکبر بک سیلرز لاہور، ۲۰۰۴ء)

(۱۹۶) آپ ساتویں پشت میں حضرت غوث اعظمؒ کے پوتے ہیں، تقریباً ۸۹۹ھ/ ۱۴۹۴ء میں بنگال تشریف لائے انہوں نے یہاں سلسلۂ قادریہ جاری کیا پھر کچھ عرصہ بعد بغداد واپس ہو گئے اور یہاں تزکیہ وارشاد کی خدمت اپنے فرزند ارجمند حضرت سید ابوالحیات قادریؒ کے سپرد کر گئے، آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۲۰۸، ۲۰۹ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری بضمن تذکرہ حضرت شاہ قمیص الدین گیلانیؒ ☆ سیرت پیر مجیب ص ۱۰۵ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری)

۲۱/ مارچ ۱۰۱۰ء وفات ۱۱/ ذی قعدہ ۴۸۹ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۰۹۶ء مزار گیلان)(۱۹۷) ابن

(۱۹۷) آپ کی ولادت ۲۷/ رجب المرجب ۴۰۰ھ مطابق ۲۱/ مارچ ۱۰۱۰ء کو ہوئی، ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۸ء میں اپنے والد ماجد سے خلافت حاصل کی، آپ حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے والد ماجد ہیں، اسم گرامی "موسیٰ" کنیت "ابوصالح"، اور لقب جنگی دوست ہے، اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ آپ جنگ اور جہاد کو پسند فرماتے تھے، ایک تشریح یہ کی گئی ہے کہ آپ اپنے نفس سے جہاد فرماتے تھے۔

کہتے ہیں کہ ریاضات ومجاہدات کے دوران ایک دفعہ آپ کو تیسرے دن کا فاقہ تھا، آپ دریا کے کنارے پر بیٹھے تھے، کہ دریا میں ایک سیب بہتا ہوا آپ کو دکھائی دیا جسے آپ نے پکڑ کر تناول فرمالیا، بعد میں آپ کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ نہ معلوم یہ سیب کس کا تھا؟ اور میرے لئے اس کا کھالینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے؟

یہ خیال پیدا ہوتے ہی آپ اپنا قصور معاف کرانے کے لئے مالک سیب کی جستجو میں دریا کے کنارے کنارے چلے، کئی روز کے متواتر سفر کے بعد آپ کو آب رواں کے قریب ایک نہایت عظیم الشان عمارت ملی، جس میں ایک بہت وسیع باغ تھا، اس باغ میں سیب کا ایک بڑا درخت بھی نظر آیا، جس کی شاخیں میوہ سے لدی ہوئی سطح آب پر پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کو یقین ہوگیا کہ جو سیب آپ نے تناول فرمایا تھا، وہ اسی درخت کا ہے، آپ نے باغ کے مالک کے بارے میں دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس باغ اور محل کے مالک حضرت سید عبداللہ صومعیؒ ہیں، آپ نے حاضر خدمت ہوکر سارا ماجرا سنایا اور معافی کی درخواست کی۔

حضرت عبداللہ نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ یہ شخص بندگان خدا میں سے ہے، فرمایا: بارہ (۱۲) برس ہماری خدمت میں رہوتب معاف ہوگا، آپ نے بسروچشم قبول فرمایا، بارہ سال کی مدت ختم ہوئی تو حضرت عبداللہ صومعیؒ نے فرمایا کہ ایک خدمت اور ہے اسے بھی انجام دے لوتب سیب معاف کروں گا، وہ یہ کہ میری ایک لڑکی ہے جس میں چار عیب ہیں، آنکھوں سے اندھی ہے، کانوں سے بہری ہے، ہاتھوں سے لنجی ہے، اور پاؤں سے لنگڑی ہے، اس عاجزہ کو نکاح میں قبول کرو، نیز بعد نکاح دو سال ہماری خدمت میں رہنا تا کہ اس نکاح کا نتیجہ میں ایک فرزند کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں، اس کے بعد جہاں جی چاہے چلے جانا، آپ نے اسے بھی قبول فرمایا۔

جب نکاح کے بعد صاحبزادی کا سامنا ہوا تو ایک پری پیکر اور حسن وجمال کا مجسمہ سامنے موجود ہے، آپ گھبرا کر اس سے الگ تھلگ رہے، دوسرے دن حضرت صومعیؒ نے فراست سے سب کچھ سمجھ لیا، اور حضرت ابوصالح سے فرمایا، تم گھبراؤ نہیں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سب درست ہیں، میری بیٹی میں وہ ساری صفات موجود ہیں، نامحرم کے لئے اس کی آنکھیں اندھی ہیں، ناحق بات کے لئے اس کے کان بہرے ہیں، نامحرم کو چھونے کے لئے اس کے ہاتھ لنجے ہیں، اور تمہارے حکم کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے اس کے پاؤں لنگڑے ہیں۔

یہ سن کر آپ کو اطمینان ہوا، اور آپ کے قلب میں اپنی اہلیہ کی بڑی قدرومنزلت پیدا ہوئی، اور دونوں بخوشی رہنے لگے ==

حضرت سید ابو عبداللہ جیلیؒ۔

(۲۲) حضرت سید ابو عبداللہ جیلیؒ (ولادت ۱۳/ رمضان ۳۶۵ھ مطابق ۱۹/ مئی ۹۷۶ء- وفات ربیع الاول یا ربیع الثانی ۴۷۳ھ مطابق اگست یا ستمبر ۱۰۸۰ء یا ۲۴/ رمضان ۴۸۹ھ مطابق ۲۰/ستمبر ۱۰۹۶ء)(۱۹۸) ابن حضرت سید یحییٰ زاہدؒ۔

(۲۳) حضرت سید یحییٰ زاہدؒ (ولادت ۱۷/ شعبان ۳۴۰ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۹۵۲ء- وفات

== مگر آپ ابتدا سے لے کر اوسط عمر تک لاولد رہے، آخر عمر میں اولاد پیدا ہوئی۔

حضرت ابو صالح کا وعظ بہت دلنشیں ہوتا تھا، زبان میں بلا کی فصاحت اور شیرینی تھی، آپ نے القادر باللہ ابوالعباس اور القائم بامر اللہ ابوجعفر عباسی کئی خلفاء کا زمانہ پایا، آپ کی وفات ۱۱/ ذی قعدہ ۴۸۹ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۰۹۶ء کو ہوئی، مزار مبارک گیلان میں ہے (تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء ☆ سیرت غوث اعظم ص ۲۶، ۲۷ مؤلفہ مولانا ابوالبیان محمد داؤد فاروقی نقشبندی مجددیؒ، ناشر مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف، پاکستان، اشاعت اول ۱۹۲۶ء، اشاعت دوم ۱۹۸۳ء)

(۱۹۸) آپ کی ولادت ۱۳/ رمضان ۳۶۵ھ مطابق ۱۹/ مئی ۹۷۶ء کو گیلان میں ہوئی، ۲۴/ رجب المرجب ۳۸۷ھ مطابق ۶/ اگست ۹۹۷ء کو اپنے والد مکرم سے بیعت ہو کر خلافت پائی، انتہائی عابد و زاہد، با اخلاق، سخی اور منبع فیض و کرامت تھے، صرف نو (۹) سال کی عمر میں تفسیر قرآن کا درس لیا، اور عجیب کیفیات سے سرفراز ہوئے، آپ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے، آپ کا خاص ورد تھا: انت الھادی انت الحق لیس الھادی الاھو، آپ کا بیان بہت پر تاثیر ہوتا تھا، آپ کی محفل وعظ میں ہزاروں انسانوں کا اجتماع ہوا کرتا تھا جس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے تھے، بڑے بڑے اولیاء اللہ اور صالحین و عارفین بھی موجود ہوتے تھے، آپ مستجاب الدعوات تھے، آپ کی دعا سے ایک جذامی صحت یاب ہو گیا، حنفی المذہب تھے، دو شادیاں کیں، ایک بی بی فاطمہ بنت سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن جعفر ثانی بن امام علی نقیؒ کے ساتھ، جن کے شکم سے حضرت ابو صالح موسیٰ جنگی دوستؒ اور ان کے علاوہ چار بیٹے اور پیدا ہوئے، البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو صالح اور عبدالوہاب یہی دو بیٹے پیدا ہوئے،--- دوسری شادی بی بی رحمت کے ساتھ ہوئی تھی، جن کے شکم سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی جڑواں پیدا ہوئے، اور پندرھویں دن فوت ہو گئے،--- آپ کا وصال ربیع الاول یا ربیع الثانی ۴۷۳ھ مطابق اگست یا ستمبر ۱۰۸۰ء یا ۲۴/ رمضان ۴۸۹ھ مطابق ۲۰/ ستمبر ۱۰۹۶ء کو بروز پنجشنبہ بعد نماز عصر ہوا، گیلان میں مدفون ہیں (سیرت غوث اعظم ص ۲۷، ۲۸، مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ بحوالہ حجۃ البیضاء ☆ شجرۂ سہروردیہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ ص ۱۴ مؤلفہ علی احمد صابر چشتی قادری نقشبندی آسا پوری ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۵ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

۲۴/رمضان المبارک چہارشنبہ ۴۳۰ھ مطابق ۲۴/ جون ۱۰۳۹ء مزار بغداد)(۱۹۹) ابن حضرت سید محمد مورث رومیؒ۔

(۲۴) حضرت سید محمد (زکریا) مورث رومیؒ (ولادت ۱۲/ رمضان المبارک ۲۹۹ھ مطابق ۶/ مئی ۹۱۲ء وفات ۱۷/ ربیع الاول ۴۱۵ھ مطابق ۳/ جون ۱۰۲۴ء جمعہ، مزار جنۃ البقیع) (۲۰۰) ابن حضرت سید داؤدؒ۔

(۱۹۹) اسم گرامی ''سید یحییٰ'' کنیت ''ابوعلی، اور لقب'' زاہدونقی'' اور خطاب'' عارف باللہ'' ہے، آپ کی ولادت ۱۷/شعبان ۳۴۰ھ مطابق ۲۲/ جنوری ۹۵۲ء کو مدائن میں ہوئی، ۳۷۰ھ/ ۹۸۰ء میں اپنے والد ماجد سے خلافت حاصل کی، آپ مادرزادولی تھے، عہد طفلی ہی سے کرامات کا ظہور شروع ہوگیا تھا، چھ(۶) سال کی عمر میں تعلیم کی غرض سے جب استاذ محترم کے پاس پہونچے تو استاذ جتنا بتاتے تھے آپ اس سے آگے پڑھتے جاتے تھے، استاذ کو بڑی حیرت ہوئی، آپ نے کہا کہ حضرت آپ معلم ہیں اور میں متعلم ہوں، حضرت ابن جریحؒ نے تو شکم مادرہی میں گفتگو کی تھی، میری عمر تو چھ (۶) سال کی ہے، استاذ محترم نے نہایت کم سنی میں آپ کی زبان سے یہ عارفانہ کلام سنا تو اسی دن آپ کو'' عارف باللہ'' کا خطاب دیا۔

نماز باجماعت کے بے انتہا پابند تھے، اور ہر نماز کے لئے تازہ وضوفرمایا کرتے تھے، شدید بیماری میں بھی جماعت ترک نہیں ہوتی تھی، سنن ونوافل گھر میں ادا فرماتے تھے، آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئی، آپ کا وصال ۲۴/ رمضان المبارک ۴۳۰ھ مطابق ۲۴/ جون ۱۰۳۹ء چہارشنبہ کو شب میں بوقت تہجد ہوا، بغداد میں مدفون ہیں (سیرت غوث اعظم ص ۲۸، ۲۹، مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ بحوالہ حجۃ البیضاء ☆ شجرۂ سہروردیہ ص ۱۴ مؤلفہ علی احمد صابر چشتی قادری نقشبندی آساپوریؒ ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

(۲۰۰) اسم شریف ''محمد'' کنیت ''ابوالقاسم'' اور لقب ''شمس الدین اور عابد تھا، بعض کتابوں میں آپ کے نام کے ساتھ مورث اور رومی کا لاحقہ بھی ہے، آپ کی ولادت ۱۲/ رمضان المبارک ۲۹۹ھ مطابق ۶/مئی ۹۱۲ء کو ہوئی، اپنے والد محترم سے ۳۴۹ھ/ ۶۹۰ء میں خلافت پائی، بڑے متقی، متواضع اور شب زندہ دار تھے، حسن اخلاق اور حسن گفتار میں یگانۂ روزگار تھے، آپ کے صاحبزادے حضرت یحییٰ زاہد فرماتے ہیں کہ کسی شب اگر تہجد کے لئے آپ کی آنکھ نہ کھلتی تو میں ایک آواز سنتا تھا'' **الصلوٰۃ خیر من النوم یااباالقاسم شمس الدین** '' اور کوئی آواز دینے والا نظر نہ آتا تھا، آخر میں نے والد صاحب سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ خداوند قدوس نے ایک جن کے سپرد یہ خدمت کردی ہے، جب آپ کا وصال ہوا تو میں نے اس جن کو انسانی پیکر میں روتا ہوا دیکھا، وہ مجھ سے بعد میں بھی ملتا رہا، ایک دن میں نے اس جن سے پوچھا کہ جو خدمت تم میرے والد صاحب کی کرتے تھے، وہ میری کیوں نہیں کرتے، اس نے کہا کہ ابھی تم ==

(۲۵) حضرت سید سراج الدین داؤدؒ (ولادت ۱۱/شعبان المعظم ۲۴۵ھ مطابق ۱۴/نومبر ۸۵۹ء- وفات ۱۲/شعبان المعظم جمعرات ۳۲۱ھ مطابق ۱۱/اگست ۹۳۳ء مزار مکہ معظّمہ)(۲۰۱) ابن حضرت سید موسیٰ ثانیؒ۔

(۲۶) حضرت سید موسیٰ ثانیؒ (ولادت ۶/محرم الحرام ۱۹۳ھ مطابق ۲/نومبر ۸۰۸ء یا ۶/محرم الحرام ۲۲۱ھ مطابق ۳/جنوری ۸۳۶ء وفات ماہ صفر ۲۸۸ھ/فروری ۹۰۱ء جمعہ، مزار جنۃ

==اس مقام تک نہیں پہونچے ہو، تم اپنے والد محترم کے مزار پرانوار پر جاکر اکتساب فیض کرو، اولاد رسول ہو کیا عجب کہ وہی درجات حاصل ہوجائیں، چنانچہ میں نے اسی جمعہ مزار مبارک پر حاضری دی اور انعامات خصوصی سے مالا مال ہوا، اور والد صاحب نے **لاالٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین** مجھے اکیس (۲۱) دن تک پڑھنے کی ہدایت فرمائی اس کے بعد سے وہ جن میری خدمت میں رہنے لگا۔

ایک مرتبہ سیدنا حضرت عزیزؑ کے بارے میں آپ کی مؤثر گفتگو سن کر بہت سے یہودی مسلمان ہوگئے۔

آپ کو چھ (۶) بیٹے اور تین (۳) بیٹیاں ہوئیں، مگر حضرت یحییٰ رحمہ اللہ کے علاوہ سب ہی عہد طفلی ہی میں وفات پاگئے، آپ کی وفات ۱۷/ربیع الاول ۴۱۵ھ مطابق ۳/جون ۱۰۲۴ء جمعہ کو ہوئی، جنۃ البقیع میں مدفون ہیں (سیرت غوث اعظم ص ۲۹ تا ۳۱، مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ بحوالہ حجۃ البیضاء☆ شجرۂ سہروردیہ ص ۱۴ مؤلفہ علی احمد صابر چشتی آساپوریؒ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

(۲۰۱) آپ کا اسم شریف ''سید داؤد''، کنیت ''ابومحمد اور ابوبکر'' اور لقب ''سراج الدین'' ہے، آپ کی ولادت ۱۱/شعبان المعظم ۲۴۵ء مطابق ۱۴/نومبر ۸۵۹ء کو ہوئی، ذی الحجہ ۲۷۷ھ/اپریل ۸۹۱ء میں والد ماجد سے خلافت حاصل ہوئی، آپ کا قلب اطہر سوز و گداز کا گنجینہ تھا، ہر وقت خشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا، اکثر رقت طاری رہتی تھی، اہل وعیال اور منتسبین و متوسلین کو خوف الٰہی اور عبادت کی تلقین فرماتے رہتے تھے، بہت متواضع تھے، آنے والوں کو اپنی جگہ پر بٹھاتے، جو خود کھاتے دوسروں کو بھی اس میں شامل کرتے، جیسا لباس خود پہنتے، دوسروں کو بھی وہی لباس پہناتے تھے، سائلوں کو کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے، مسجد میں کوئی آپ کے احترام میں کھڑا ہوتا تو منع کرتے کہ اللہ کے دربار میں سب ایک ہیں، آپ کی دو شادیاں تھیں، جن سے چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں، آپ کا وصال مکہ مکرمہ میں ۱۲/شعبان المعظم جمعرات ۳۲۱ھ مطابق ۱۱/اگست ۹۳۳ء کو ہوا (سیرت غوث اعظم ص ۳۱، ۳۲، مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ بحوالہ حجۃ البیضاء و نور الابصار☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء)

البقیع) (۲۰۲) ابن حضرت سید عبداللہ الثانیؒ (۲۰۳)

(۲۷) حضرت سید عبداللہ (الصالح) الثانیؒ (۲۰۴) (ولادت ماہ رجب المرجب ۱۰۳ھ/ جنوری ۲۲ ۷ء- وفات جمادی الثانیہ ۱۵۶ھ/ مئی ۷۷۳ء، مزار مبارک مدینہ منورہ) ابن حضرت سید موسیٰ الجونؒ۔

(۲۰۲) اسم مبارک ''سید موسیٰ'' اور ابوعمر کنیت ہے، آپ حضرت امام جعفر صادقؒ کے نواسے ہیں، آپ کی والدہ محترمہ کا نام سیدہ ہالہ ہے، آپ کی ولادت ۶/ محرم الحرام ۱۹۳ھ مطابق ۲/ نومبر ۸۰۸ء یا ۶/ محرم الحرام ۲۲۱ھ مطابق ۳/ جنوری ۸۳۶ء کو ہوئی، والد ماجد سے ربیع الثانی ۲۳۸ھ/ ستمبر ۸۵۲ء میں اجازت وخلافت حاصل ہوئی، انتہائی متقی، صالح، کریم اور فیاض تھے، جو کچھ فتوحات میسر ہوتیں، غرباء ومساکین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ آپ کی پہلی شادی سیدہ زینب بنت سید ابراہیم مرتضیٰ ابن سید امام موسیٰ کاظمؒ کے ساتھ ہوئی، جن کے شکم سے حضرت سید داؤد کے علاوہ چھ (۶) صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔

دوسری شادی بی بی میمونہ سے ہوئی، جن کے شکم سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں، ایک عقد بی بی فاطمہ بنت طیبہ بنت حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے بھی ہوا، لیکن غالباً سلسلۂ نسب صرف حضرت داؤدؒ سے جاری رہا،--- آپ کی وفات ماہ صفر ۲۸۸ھ/ فروری ۹۰۱ء میں ہوئی (سیرت غوث اعظم ص ۳۲، ۳۳ مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ بحوالہ کنزالانساب، بحر الجمان، اور حجۃ البیضاء ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۷ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء ☆ نیز بعض چیزیں شجرۂ وارثیہ، سہروردیہ، مرتبہ علی احمد صابر آساپوری سے لی گئی ہیں)

(۲۰۳) تذکرہ مشائخ قادریہ (ص ۵۶) مؤلفہ محمد دین کلیم قادری میں سید موسیٰ ثانی کو سید موسیٰ الجون کا فرزند بتایا گیا ہے۔

(۲۰۴) تذکرۃ الانساب ص ۱۰۱ مؤلفہ مولانا امام الدین قادری میں ''سید عبداللہ ثانی'' کے نام کے ساتھ ''الصالح'' کا اضافہ موجود ہے، اور تذکرۂ مشائخ قادریہ مؤلفہ مولانا محمد دین کلیم قادری میں تاریخ ولادت ووفات (ولادت ماہ رجب المرجب ۱۰۳ھ/ جنوری ۷۲۲ء- وفات جمادی الثانیہ ۱۵۶ھ/ مئی ۷۷۳ء بمقام مدینہ منورہ) کی تصریح کے ساتھ ان کو حضرت سید عبداللہ المحض کا فرزند قرار دیا گیا ہے، اور ترتیب میں ان کا اسم گرامی حضرت موسیٰ جونؒ سے پہلے رکھا گیا ہے، اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ آپ ۱۳۳ھ/ میں اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ المحضؒ کی خلافت جدیہ سے سرفراز ہوئے (تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۷ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

سیرت غوث اعظم کے مؤلف عبدالرحیم خان قادری نے بھی یہی ترتیب رکھی ہے، اور سن ولادت اور سن وفات بھی وہی لکھی ہے جو اوپر درج ہوئی۔

لیکن کتب انساب سے معلوم ہوتا ہے کہ اوپر شجرہ کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہی درست ہے، گو کہ ان کتابوں میں سنین ولادت ووفات کا ذکر نہیں ہے، لیکن اولاد کی ترتیب مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق ہے، مثلاً علامہ اندلسیؒ کی جمہرۃ انساب ==

==العرب دیکھئے، اس میں حضرت عبداللہ کی چوبیس (۲۴) نرینہ اولاد میں ایک موسیٰ بھی ہیں، ظاہر ہے کہ یہ موسیٰ ثانی ہیں، ان کے والد عبداللہ ثانی، ان کے والد موسیٰ (الجون)، ان کے والد عبداللہ المحض، ان کے والد حسن مثنیٰ اور ان کے والد حضرت امام حسنؓ:

ومن ولد عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن: المنتقم، والمسلط، ونكال بنو محمد بن عبد الله بن إدريس بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب - رضي الله عنه -؛ ومنهم عبد الرحمن بن أبي الفاتك عبد الله بن داود بن سليمان بن عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب؛ وكان له اثنان وعشرون ذكراً بالغون، وهم: عبد الحميد، وعبد الكريم، وعبد الحكم، وعبد الله، وموسى، وعيسى، ومحمد، ويحيى، وإسماعيل، وأحمد، وعلي، والحسن، والحسين، وحمزة، ونعمة ورحمة وزيادة، ومحمود، وموهوب، والرديني، وأبو الطيب، وأبو القاسم، وعريقة، سكنوا كلهم أذنة، حاشا نعمة، وعبد الحميد، وعبد الحكم؛ فإنهم سكنوا أمج بقرب مكة. ومنهم: جعفر ابن محمد بن الحسن بن محمد بن موسى بن عبد الله بن موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب، الذي غلب على مكة أيام الإخشيدية؛ وولده إلى اليوم ولاة مكة؛ منهم: عيسى بن جعفر المذكور، لا عقب له، وأبو الفتوح الحسن بن جعفر المذكور؛ وشكر بن أبي الفتوح؛ قد انقرض عقب جعفر المذكور، إلا أن أبا الفتوح لم يكن له ولد إلا شكر. ومات شكر، ولم يولد له قط؛ وصار أمر مكة إلى عبد كان له.

مضى ولد موسى بن عبد الله بن الحسن بن الحسن بن علي بن أبي طالب (جمهرة أنساب العرب ج ۱ ص ۱۹ المؤلف: أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي (المتوفى: 456هـ)

حضرت رسول نما بنارسیؒ نے حضرت پیر مجیبؒ کو جو تحریری شجرہ عنایت فرمایا تھا، جو خود حضرت بنارسیؒ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے، اس میں بھی یہی ترتیب مذکور ہے (دیکھئے: سیرت پیر مجیبؒ ص ۹۲ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری)

اس لئے اوپر حضرت عبداللہ ثانی، حضرت موسیٰ ثانی وغیرہ کی جو تواریخ ولادت و وفات ذکر کی گئی ہیں وہ قطعی نہیں ہیں، ان میں غلطی کا امکان ہے۔

حضرت سید عبداللہ ثانیؒ بڑے زاہد و عابد اور شب زندہ دار بزرگ تھے، تہجد کی دو رکعت میں پورا قرآن کریم ختم فرمایا کرتے تھے، دن بھر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے، دوشنبہ اور جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے، آپ کے پانچ لڑکے پیدا ہوئے، بتایا جاتا ہے کہ سادات بخارا اور ترکستان انھیں صاحبزادگان کی اولاد میں ہیں (سیرت غوث اعظم ص ۴۳، ۴۴ مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰)

(۲۸) حضرت سید موسیٰ الجونؒ (ولادت ۱۴ / رمضان المبارک ۱۵۳ھ یا ۱۵۲ھ مطابق ۱۳ / ستمبر ۷۷۰ء یا ۷۶۹ء- وفات ۱۳ / ربیع الثانی ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ مطابق ۴ / جولائی ۸۲۸ء یا ۸۲۹ء جمعہ مزار بغداد)(۲۰۵) ابن حضرت عبداللہ المحضؒ

(۲۹) حضرت عبداللہ المحضؒ (ولادت ۷۰ھ/ ۶۸۹ء- وفات ۱۰ / یا ۱۸ / رمضان المبارک ۱۴۵ھ مطابق ۵ یا ۱۳ / دسمبر ۷۶۲ء مزار جنۃ البقیع)(۲۰۶) ابن حضرت امام حسن المثنیٰؒ

(۳۰) حضرت امام حسن المثنیٰؒ (۲۰۷) (ولادت ۱۲ / رمضان المبارک ۲۹ھ یا ۳۰ھ مطابق ۲۱ / مئی ۶۵۰ء یا ۶۵۱ء- وفات ۹۰ھ/ ۷۰۸ء یا ۱۷ / رجب المرجب ۹۷ھ مطابق ۱۹ / مارچ ۷۱۶ء) ابن حضرت سیدنا امام حسنؓ۔

---

(۲۰۵) اسم مبارک ''موسیٰ'' اور لقب ''جون'' یا ''جیون'' ہے، آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ رقیہ بنت حضرت امام زین العابدینؒ تھیں، آپ کی ولادت ۱۴ / رمضان المبارک ۱۵۳ھ یا ۱۵۲ھ مطابق ۱۳ / ستمبر ۷۷۰ء یا ۷۶۹ء کو ہوئی، آپ کی شادی رقیہ بنت امام محمد باقرؒ سے ہوئی، بے پناہ حسین، عالم وفاضل اور صالح ومتقی تھے، کثرت عبادت کے سبب لاغر ہو گئے تھے، آپ کی وفات ۱۳ / ربیع الثانی ۲۱۳ھ یا ۲۱۴ھ مطابق ۴ / جولائی ۸۲۸ء یا ۸۲۹ء کو ہوئی (سیرت غوث اعظم ص ۳۳ مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ ☆ تذکرۃ الانساب ص ۱۰۱ مؤلفہ مولانا امام الدین قادری ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۶ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

(۲۰۶) آپ حضرت امام حسنؓ کے پوتے، حضرت حسن مثنیٰؒ کے فرزند اور حضرت امام حسینؓ کے نواسے ہیں، اس طرح آپ نجیب الطرفین تھے، آپ کی ولادت ۷۰ھ/ ۶۸۹ء میں ہوئی، اخلاقی تمام نقائص سے پاک ہونے کی علامت کے طور پر آپ کو المحض کہا جاتا تھا، شکل وشباہت میں آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد قریب تھے، ---۱۱ / ربیع الثانی ۹۲ھ مطابق ۸ / فروری ۷۱۱ء کو اپنے والد گرامی حضرت حسن مثنیٰؒ سے خلافت پائی، آپ کے چھ (۶) صاحبزادے ہوئے، ۱۰ یا ۱۸ / رمضان المبارک ۱۴۵ھ مطابق ۵ یا ۱۳ / دسمبر ۷۶۲ء کو خلیفہ ابوجعفر عبداللہ المنصور عباس کے قید خانہ میں آپ کا وصال ہوا، اسی قید خانہ میں پانچ سال کے بعد حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی بھی وفات ہوئی (سیرت غوث اعظم ص ۳۴، ۳۵ مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۷ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

(۲۰۷) آپ حضرت امام حسنؓ کے جگر گوشہ اور سیدہ فاطمہؓ کے نور نظر ہیں، اسم گرامی حسن اور کنیت ابو محمد ہے آپ کی ولادت ۱۲ / رمضان المبارک ۲۹ھ مطابق ۲۱ / مئی ۶۵۰ء میں ہوئی، آپ کی عمر شریف ۴۰ھ/ ۶۶۱ء میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کے وقت دس (۱۰) سال تھی، سیرت وصورت میں اپنے والد محترم کے مشابہ تھے، اسی لئے آپ==

(۳۱) حضرت سیدنا امام حسنؓ (۲۰۸) (ولادت ۱۵ / رمضان المبارک ۳ھ/ مطابق ۳ / مارچ ۶۲۵ء - وفات ۵ / ربیع الاول بروز جمعرات ۴۹ھ یا ۵۰ھ مطابق ۴ / اپریل ۶۷۰ء) ابن سیدنا

== کو حسن مثنیٰ کہا جاتا تھا، آپ کے پانچ بیٹے تھے: سید عبداللہ محض، سید ابراہیم، حسن ثالث، سید داؤد، سید جعفر، اول الذکر تین بیٹے سیدہ فاطمہ صغریٰ بنت حضرت امام حسین کے بطن مبارک سے اور آخر الذکر دو بیٹے بی بی حبیبہ سے تولد ہوئے، اور پانچوں اولاد سے سلسلۂ نسب جاری ہوا، کہا جاتا ہے کہ معرکۂ کربلا میں آپ شریک تھے، اور زخموں سے چور تھے، اسماء بنت خارجہ خزاعی قبل اس کے کہ آپ شہید کردیئے جائیں لشکر ابن زیاد سے بدقت تمام آپ کو چھڑا کر لائیں اور کوفہ میں علاج کرایا، یہاں تک کہ آپ صحتیاب ہوکر مدینہ منورہ پہونچ گئے۔

خلافت اپنے والد مکرم سیدنا امام حسنؓ سے ۴۵ھ/ ۶۶۵ء میں پائی۔

بعد کے ادوار میں تولیت صدقات کا عہدہ آپ کے ذمہ رہا، اس دوران ایک بار مدینہ منورہ کے گورنر حجاج بن یوسف نے آپ کے دست مبارک سے یہ عہدہ لینا چاہا لیکن عبدالملک نے اس بات کی اجازت نہیں دی، لیکن اس کے علاوہ بہت سے مظالم کا آپ کو سامنا کرنا پڑا، اور آپ نے مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں بہت تکلیفیں اٹھائی، آپ کا وصال مدینہ منورہ میں وفات ۹۰ھ/ ۷۰۸ء یا ۱۷ / رجب المرجب ۹۷ھ مطابق ۱۹ / مارچ ۷۱۶ء میں ہوا (**الأعلام ج ۲ ص ۱۸۷ المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002 م[ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة) بحواله: المقصد الارشد - خ - ومختصر طبقات الحنابلة 359 والمنهج الاحمد - خ - والنجوم الزاهرة 4: 232 والمنتظم 7: 263 وطبقات الحنابلة 2: 171 – 177** ☆ سیرت غوث اعظم ص ۳۵، ۳۶ مؤلفہ عبدالرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ء ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۷ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

(۲۰۸) اسم گرامی ''حسن'' کنیت ''ابو محمد'' اور لقب ''تقی اور سید'' تھا، آپ کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۵ / رمضان المبارک ۳ھ/ مطابق ۳ / مارچ ۶۲۵ء کو ہوئی، حضرت امام حسنؓ سینے سے سر تک حضور ﷺ کے مشابہ تھے، حضرت امام حسن نے پچیس (۲۵) حج پیادہ پا کئے، ایک دفعہ سرکار دو عالم ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، حضرت حسنؓ آپ کی گود میں تھے، آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ امت کے دو بڑے گروہوں کو یکجا کردے گا۔

ربیع الاول ۲ ۳ھ مطابق اکتوبر ۶۵۲ء میں اپنے والد ماجد سیدنا حضرت علیؓ کی روحانی اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کو زندگی میں چھ (۶) بار زہر دیا گیا، مگر کبھی کارگر نہ ہوا، ساتویں مرتبہ میں آپ شہید ہوئے، آپ کی وفات ۵ / ربیع الاول بروز جمعرات ۵۰ھ مطابق ۴ / اپریل ۶۷۰ء کو ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۷۰ تا ۷۲ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تذکرہ مشائخ قادریہ ص ۵۷ مؤلفہ محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)

حضرت علی ابن ابی طالبؓ۔

(۳۲) سیدنا حضرت علی ابن ابی طالبؓ (م ۲۱/ رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۳۰/ جنوری ۶۶۱ء) نجف اشرف (۲۰۹)

(۳۳) شفیع المذنبین امام المرسلین سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

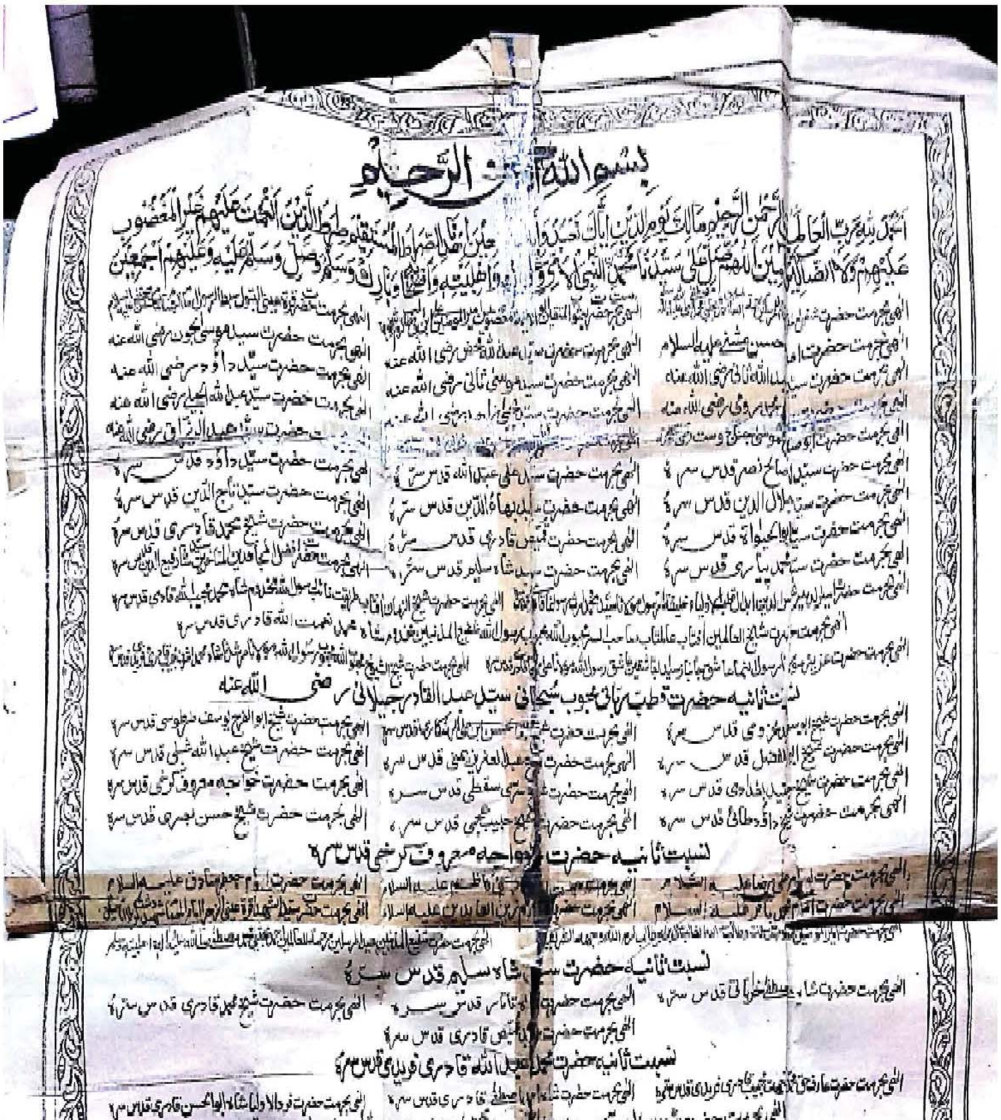
اس طرح یہ سلسلہ بتیس (۳۲) واسطوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتا ہے، اس سلسلہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بتیس (۳۲) میں سے تئیس (۲۳) واسطے یعنی حضرت سید شاہ محمد قمیصیؒ سے لیکر حضرت علیؓ تک ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، اور نسبت اباً عن جد منتقل ہوتی چلی آئی ہے، اتنا طویل سلسلۃ الذہب شاید ہی کوئی دوسرا موجود ہو، اور گو کہ اس سلسلہ کے کئی (تقریباً گیارہ) بزرگوں کے احوال اور سنین ولادت ووفات معلوم نہیں ہیں، لیکن یہ سلسلہ بہت پر تاثیر اور نسبت کے لحاظ سے انتہائی مبارک، مستند اور طاقتور ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبیداللہ فریدیؒ نے حضرت منورویؒ کو جو شجرہ عنایت فرمایا تھا، اس میں اور بھی کئی نسبتیں اور سلاسل موجود ہیں، لیکن سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ کو اولین درجہ حاصل ہے، بلکہ سلسلۂ فریدیہ کی اصل نسبت یہی ہے، اس لئے اس کی تفصیلات یہاں ذکر کی گئیں، باقی سلاسل اور نسبتوں کی تفصیلات کے لئے خانقاہ مجیبیہ سے شائع شدہ کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

---

(۲۰۹) سیرت پیر مجیب میں حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے حضرت علیؓ تک کا یہ آبائی شجرہ جواہر السلوک کے تکملہ (ص ۲۷۲) سے نقل کیا گیا ہے، جواہر السلوک علامہ سید شاہ عبداللطیف معروف بہ سید شاہ محی الدین قادری نقوی ویلوری کی تصنیف ہے، یہ کتاب ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی اور ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوئی، اس کا تکملہ ان کے مرید سید محمد صاحب نے ۱۲۸۵ھ میں لکھا، یہ کتاب مظہر العجائب مدراس سے طبع ہوئی ہے، اس کتاب کے علاوہ اور بھی کئی کتابیں اور خود خانقاہ مجیبیہ کے قدیم دستاویزات سیرت پیر مجیب کے مرتب کے پیش نظر رہی ہیں (دیکھئے: سیرت پیر مجیب ص ۱۱۳ تا ۱۱۵ مؤلفہ مولانا شاہ ہلال احمد قادری)

میرے پیش نظر حضرت شاہ عبیداللہ فریدیؒ کا وہ شجرہ بھی ہے، جو انہوں نے (غالباً ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۵ء میں) حضرت منورویؒ کو عنایت فرمایا تھا، اس میں نمبر ایک پر اسی نسبت (ترتیب) کو جگہ دی گئی ہے، جو خانقاہ مجیبیہ میں سلسلۂ وارثیہ قمیصیہ (بنارس) سے آئی ہے۔


بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسبت ثانیہ حضرت قطب ربانی محبوب سبحانی سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ

نسبت ثانیہ حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ

نسبت ثانیہ حضرت سید شاہ سلیم قدس سرہٗ

شجرۂ سلسلۂ قادریہ فریدیہ مجیبیہ پھلواری شریف، جو حضرت مولانا شاہ عبید اللہ پھلوارویؒ نے حضرت مولانا الحاج حکیم سید شاہ احمد حسن منورویؒ کو مرحمت فرمایا تھا

(۳)

سلسلۂ سوم

نقشبندیہ رحمانیہ (گنج مرادآباد)

سلسلۂ نقشبندیہ تعارف، ارتقاء اور خصوصیات

سلسلۂ خواجگان

سلسلۂ نقشبندیہ کو شروع میں سلسلۂ خواجگان کہتے تھے، اور آج بھی حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ سے حضرت محمد بہاؤ الدین نقشبندؒ تک سات (۷) مشائخ کو ہفت خواجگان نقشبند کہا جاتا ہے، حضرت خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبندؒ کے بعد یہ طریقہ آپ کے نام سے منسوب ہوگیا، اور سلسلۂ نقشبندیہ کہلایا، اس طریقہ میں پورے روحانی شجرہ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، بانئ سلسلہ سے اوپر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک سلسلۂ ذہبیہ (سنہری) کہلاتا ہے، اور بانی سے نیچے موجودہ شیخ تک سلسلۂ تربیہ کہلاتا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ دو بڑے رجحانات کا نقطۂ اتصال

تصوف میں دو بڑے رجحانات کی نشاندہی کی گئی ہے، ایک رجحان ملامت، سکر، جذب، غلبہ، خلوت اویسیت اور علٰحدگی سے عبارت ہے، اور دوسرا توکل، صحو، پابندئ شریعت، جلوت اور رفاقت سے، اول الذکر رجحان کی نمائندگی حضرت بایزید بسطامیؒ سے اور مؤخر الذکر کی نمائندگی حضرت ابوالقاسم جنید بغدادیؒ سے منسوب کی جاتی ہے، ان حضرات کی نسبت سے ان دو رجحانات کو بالترتیب خراسانی اور عراقی بھی کہا جاتا ہے، تاہم سلسلۂ نقشبندیہ میں یہ دونوں روایات باہم مل گئی ہیں، اور اس کے ثبوت کے لئے چند اہم شخصیات یعنی حضرت ابوالحسن خرقانیؒ (م ۱۰۳۴ء)، حضرت بوعلی فارمدیؒ (م ۱۰۸۴ء) اور حضرت ابویعقوب یوسف ہمدانیؒ (م ۱۱۴۰ء) کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے، جو دونوں سرچشموں سے فیضیاب تھے۔

ہفت خواجگان نقشبندیہ

سلسلۂ نقشبندیہ کو منظم کرنے اور اس کے قواعد مقرر کرنے کا سہرا حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے سر ہے، اس وقت یہ سلسلۂ خواجگان کہلاتا تھا، اس عہد کی سات (۷) عظیم شخصیات (جو روحانی شجرہ کی کڑیاں ہیں) کو ہفت خواجگان کہا جاتا تھا، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ (م ۱۱۷۹ء/ ۵۷۵ھ)
۲۔ حضرت عارف ریوگریؒ (م ۱۲۲۰ء/ ۶۱۶ھ)
۳۔ حضرت محمود انجیر فغنویؒ (م ۱۲۴۵ء/ ۶۴۳ھ)
۴۔ حضرت عزیزان علی رامیتنیؒ (م ۱۳۲۱ء/ ۷۲۱ھ)
۵۔ حضرت محمد بابا سماسیؒ (م ۱۳۵۴ء/ ۷۵۵ھ)
۶۔ حضرت امیر سید کلالؒ (م ۱۳۷۱ء/ ۷۷۲ھ)
۷۔ حضرت محمد بہاؤالدین نقشبندؒ (م ۱۳۸۹ء/ ۷۹۱ھ)

سلسلۂ نقشبندیہ کی توسیع وارتقاء اور دائرۂ اثر

سلسلۂ نقشبندیہ پر حضرت عبدالخالق غجدوانیؒ کی چھاپ ہمیشہ قائم رہی، اس کا اصل مرکز وسط ایشیا تھا، تاہم امتداد زمانہ کے ساتھ وسط ایشیا سے باہر اس کی اشاعت وسیع پیمانے پر ہوئی، اس کے اہم مراکز میں برصغیر پاک وہند، اناطولیہ (ترکی)، کوہ قاف (ایک پہاڑی خطہ اشاعت حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے عہد سے شروع ہوئی، ان مراکز کے علاوہ بھی دوسرے ممالک میں حلقے موجود تھے، مثلاً شام میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ (فرزند حضرت مجدد الف ثانیؒ) کے ایک خلیفہ مراد بن علی بخاریؒ (۱۶۴۰ء تا ۱۷۲۰ء) نے دمشق میں حلقہ قائم کیا، ان کے خلفاء میں شیخ عبدالغنی النابلسیؒ (۱۶۴۱ء تا ۱۷۳۱ء) نے شہرت پائی، اسی طرح مصر میں احمد البنا بن محمد الدمیاطیؒ (م ۱۷۱۵ء) سے یہ سلسلہ پھیلا، ترکی کے شہروں میں اس سلسلہ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ۱۸۸۰ء میں صرف استنبول میں باون (۵۲) تکیے (فقراء اور مرتاضین کی قیامگاہیں) تھے۔

انیسویں صدی عیسوی میں مکہ مکرمہ عالم اسلام میں تصوف کے سلسلوں کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں تمام سلاسل کے اکابر موجود تھے، جنوب مشرقی ایشیا میں خاص طور پر یہیں سے تصوف کی اشاعت ہوئی، اکثر حجاج کے ذریعہ یہ سلسلے اقصائے عالم تک پہونچ گئے، انڈونیشیا کے علاقہ منانگ کباؤ

(سماٹرا) میں نقشبندی مشائخ نے اشاعت اسلام میں نمایاں حصہ لیا، ۱۸۴۵ء کے قریب مکہ مکرمہ اور ترکی سے آنے والے مشائخ کے ذریعے انڈونیشیا میں یہ سلسلہ خوب فروغ پایا، عرب ممالک میں بھی نقشبندی طریقہ بالعموم مکہ مکرمہ سے ہی پھیلا، جب ۱۸۱۰ء میں شام پر وہابی تحریک کے غلبہ کا خطرہ پیدا ہوا، تو دمشق میں نقشبندی شیخ ضیاء الدین خالد (۱۷۷۸ء تا ۱۸۲۶ء) نے برصغیر کا سفر اختیار کیا، اور پھر واپس جا کر روحانی اصلاحات کا آغاز کیا، انہوں نے مختلف سلسلوں اور خود نقشبندی شاخوں کو یکجا کرنے کی بھی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ مل سکی۔

البتہ کردستان میں نقشبندی سلسلہ نے رفتہ رفتہ قادری سلسلہ کی جگہ لے لی، برزان (شمالی عراق) میں شیخ ضیاء الدین خالدؒ کے خلیفہ تاج الدین نے نقشبندی طریقہ پھیلایا، اور برزانی لوگ قادری کے بجائے نقشبندی ہو گئے۔

ترکستان اور کوہ قاف میں نقشبندی سلسلہ کا احیاء اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ہوا، اٹھارویں صدی کے آخر میں یہ سلسلہ داغستان میں پھیلا اور شیخ منصورؒ نے کوہ قاف کے قبائل کو متحد کر کے روسی تسلط کے خلاف صف آرا کیا، اُبچستان اور داغستان کے بہت سے سردار اور شہزادے بھی شیخ کے پیروکاروں میں شامل ہو گئے، اس تحریک کو تاریخ میں ''مرید تحریک'' کا نام دیا جاتا ہے، شیخ منصورؒ کو بالآخر ۱۷۹۱ء میں گرفتار کر لیا گیا، حضرت امام شاملؒ اس تحریک (مرید تحریک) کے تیسرے امام تھے، انہوں نے ۱۸۳۴ء سے ۱۸۵۹ء تک زار روس کے خلاف عظیم مزاحمت کی، آپ ۱۸۵۹ء میں قید ہوئے، مرید تحریک کی ناکامی پر ان لوگوں نے روسی تسلط پر ہجرت کو ترجیح دی، سلسلہ نقشبندیہ نے اس علاقہ کے قبائل میں اسلام کی اشاعت میں بھی بڑی کامیابی حاصل کی، چیچنیا، داغستان، ترکستان اور کوہ قاف کے دیگر علاقوں میں آج بھی اس سلسلے کے گہرے اثرات موجود ہیں۔

۱۹۲۱ء میں استنبول میں سترہ (۱۷) طریقے سرکاری طور پر تسلیم شدہ تھے، اور یہاں دوسو اٹھاون (۲۵۸) تکیے موجود تھے، ۱۹۲۵ء میں جب نقشبندی بزرگ شیخ سعیدؒ کی قیادت میں کردوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کی، تو اتاترک نے سلسلوں پر پابندی عائد کر دی، اس پر ترکی کے بجائے البانیہ تصوف کا مرکز بن گیا، ۱۹۵۰ء میں ڈیموکریٹک پارٹی کی کامیابی کے بعد پابندی نرم ہوئی اور مزارات پر حاضری کی اجازت ملی تو ایک بار پھر ترکی بالخصوص مشرقی صوبوں میں نقشبندیت کا احیاء ہوا، ایک کرد نقشبندی بزرگ سعید نورسیؒ (۱۸۷۰ء تا ۱۹۶۰ء) کے حلقہ نے مشرقی ترکی میں خاصی اہمیت حاصل کی۔

روس کے کمیونسٹ دور میں بھی تصوف پر پابندی تھی مگر نقشبندی طریقہ نے داغستان اور چیچنیا میں

دوبارہ ظاہر ہونا شروع کر دیا اوران علاقوں میں اس کی مقبولیت بالکل خلاف توقع حد تک چلی گئی، ان حلقوں میں کنتا خوجہ، ہمت کھوجہ اور بتل خوجہ قابل ذکر ہیں، روس کے زوال کے بعد نقشبندیت نے پھر زور پکڑا اور روس نیز وسط ایشیائی ریاستوں میں لادینی قوتوں کے خلاف یہ ایک بڑا چیلنج بن گئی (۲۱۰)۔

برصغیر میں یہ سلسلہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور حضرت خواجہ آدم بنوریؒ کے ذریعہ اشاعت پذیر ہوا۔

نقشبندیت کی اشاعت وارتقاء کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مشائخ فرد کے تعلق باللہ اور معرفت الٰہی کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام حیات کے نفاذ کے لئے بھی مسلسل کوشاں رہے، ان حضرات نے اپنی تعلیمات اور عملی نقوش سے اس تاثر پر خط نسخ پھیر دیا کہ تصوف کوئی ایسی ''خانقاہیت'' ہے جو ترک دنیا اور معاشرہ اور اس کے مسائل سے لاتعلقی کا دوسرا نام ہے، قرون وسطیٰ کے دوران وسط ایشیا میں اسلام پسند طاقتوں کی عملاً پشت پناہی، برصغیر میں اکبر کے دین الٰہی کے خلاف حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد، کرد قومیت کی نمو، مرید تحریک اور امام شاملؒ کا ربع صدی تک روس جیسی سپر طاقت کے خلاف حیران کن جہاد، دور حاضر میں روس کے خلاف چیچنیا کی بغاوت اور دوسری وسط ایشیائی ریاستوں میں احیائے اسلام کی تحریکیں نقشبندی سلسلہ کے اس پہلو کی زندہ مثالیں ہیں'' (۲۱۱)

سلسلۂ نقشبندیہ کی خصوصیات وامتیازات

طریقۂ نقشبندیہ ایک جامع سلسلہ ہے، بانی سلسلہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ نے ارشاد فرمایا:

☆ ''ہمارے خواجگان کی نسبت چار جہت سے ہے، ایک حضرت خضرؑ سے، دوسرے حضرت جنید بغدادیؒ سے، تیسرے حضرت بایزید بسطامیؒ سے جوان کو حضرت علیؓ کے ذریعہ پہونچی ہے، اور چوتھے جوان کو حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملی ہے، اس بنا پر اس نسبت کو نمک مشائخ کہتے ہیں''۔

☆ ''ہر شیخ کے آئینہ کے دو رخ ہوتے ہیں، میرے آئینہ کے چھ رخ ہیں، (آئینہ سے مراد قلب ہے، اور دو رخ سے مراد روح اور نفس ہیں، چھ رخ سے مراد لطائف ستہ یعنی نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ ہیں، سیر باطن قلب میں ان چھ (۶) لطیفوں کے علوم ومعارف منکشف ہوجاتے ہیں)''

(۲۱۰) تاریخ مشائخ نقشبندیہ (**للّٰهیه**) ص ۲۶ تا ۳۰ مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ **محمد عبدالرسول للّٰهی**، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء۔ للہ شریف ضلع جہلم میں حضرت غلام نبی **للّٰهی** (نقشبندی قصوری) کے سلسلہ کی تاریخ پر یہ کتاب مشتمل ہے۔

(۲۱۱) تاریخ مشائخ نقشبندیہ (**للّٰهیه**) ص ۳۱ مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول **للّٰهی**، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء (تھوڑی ترمیم کے ساتھ)۔

☆ ''میرا طریقہ عروۂ وثقیٰ ہے، یعنی اتباع سنت رسول اللہ اور اقتدائے آثار صحابۂ کرام''

☆ ''میرے طریقہ میں تھوڑا عمل زیادہ ہے، مگر متابعت شرط ہے'' (۲۱۲)

سلسلۂ نقشبندیہ رحمانیہ نصیریہ طریق اول

اسی مبارک سلسلہ کی ایک شاخ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے توسل سے حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ سے ہوتے ہوئے حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ (مظفر پور بہار) تک آئی ہے۔

حصولِ نسبت

زمانی ترتیب کے لحاظ سے حضرت منورویؒ کی پہلی نسبت نقشبندیت ہے (۲۱۳)، جوان کو اپنے گھر میں حاصل ہوئی، اس لئے کہ علم ظاہر و باطن دونوں میں آپ کے اولین شیخ و مربی آپ کے جد امجد استاذ الکل حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ تھے، انہوں نے ہی پہلی مرتبہ حضرت منورویؒ کے باطن میں نسبت نقشبندیہ کا القا فرمایا، بچپن سے تیرہ (۱۳) سال کی عمر تک آپ مسلسل اپنے جد امجدؒ کی تربیت و صحبت میں رہے، جس میں تعلیم ظاہر کے ساتھ تعلیم باطن بھی حاصل کی ---اور صوفیاء کی تاریخ سے اندازہ ملتا ہے کہ پیدائشی طور پر اولیاء کاملین اسی عمر میں نسبتوں سے آشنا ہوجاتے ہیں، یہی عمر اصل میں انسان کے بننے یا بگڑنے کی ہوتی ہے، اس عمر میں کسی سعادت مند بچے کو بزرگان کاملین کی توجہات حاصل ہوجائیں تو ساری زندگی کے لئے وہ نقش کالحجر ہوجاتی ہیں، اس کے رگ و پے میں معرفت کا نور اور محبت کا گداز سما جاتا ہے پھر کوئی اسے عام حالات میں تقویٰ اور ہدایت کے راستے سے منحرف نہیں کرسکتا۔ (۲۱۴)

---

(۲۱۲) تاریخ مشائخ نقشبندیہ **(للھیہ)** ص ۲۷۸ مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول **للّٰھی**، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء۔

(۲۱۳) البتہ چونکہ نقشبندیت کی تکمیل سلسلۂ قادریہ کی دونوں نسبتوں کے بعد ہوئی اس لئے اس کا شمار تیسرے نمبر پر کیا جاتا ہے۔

(۲۱۴) تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں اگر بچہ بالغ نہ بھی ہو تو بھی تمیز اور شعور اس عمر میں بالعموم پیدا ہوجاتا ہے، اس لئے نابالغی کی عمر میں بھی حسب حال بیعت کی گنجائش ہے، اور صوفیاء اس عمر میں بھی اپنی نسبت کا القاء فرماتے ہیں، روایات حدیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے:

★قَالَ حَدَّثَنِي أَبُو عَقِيلٍ زُهْرَةُ بْنُ مَعْبَدٍ عَنْ جَدِّهِ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ وَ كَانَ قَدْ أَدْرَكَ النَّبِيَّ - صلی اللہ علیه==

==وسلم - وَذَهَبَتْ بِهِ أُمُّهُ زَيْنَبُ ابْنَةُ حُمَيْدٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ بَايِعْهُ.فَقَالَ النَّبِيُّ - صلى الله عليه وسلم - » هُوَ صَغِيرٌ « فَمَسَحَ رَأْسَهُ وَدَعَا لَهُ(الجامع الصحيح المختصر ج ٦ ص ٢٦٣٦ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة –بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا ★سنن البيهقي الكبرى ج ٨ ص ١٤٨ حديث نمبر: ١٦٣٤٦ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز - مكة المكرمة ، 1414 - 1994تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 10)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ہشام کو ان کی والدہ حضرت زینب بنت حمیدؓ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یارسول اللہ! اسے بیعت فرمالیجئے، آپ نے فرمایا: ''یہ بچہ ہے'' پھر آپ نے عبداللہ بن ہشام کے سر پر دست مبارک پھیرا اور ان کے لئے دعا فرمائی''

اس حدیث سے بعض شارحین نے یہ مطلب پیدا کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت نہیں فرمائی ، اور فرمایا کہ چھوٹا بچہ ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن المنیر کے حوالے سے نقل کیا ہے (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ١٣ ص ٢٠١ المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة - بيروت ، 1379 تحقيق: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء: 13)

مگر یہ بیعت لازمہ کے نقطۂ نظر سے تو درست ہے، اس لئے کہ لزوم عقد کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، لیکن بیعت غیر لازمہ کے حق میں درست نہیں، بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نابالغ کی بیعت میں اس کا باپ یا دادا کی اجازت شامل ہو تو بیعت لازمہ بھی حاصل ہو جاتی ہے، اور اس کی مثال حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں، انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی ، جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ان کی عمر صرف آٹھ (۸) سال تھی:

وقال بعض العلماء إنها تلزم الأصاغر بمبايعة آبائهم وقد بايع عبد الله بن الزبير رضي الله تعالى عنهما ومات رسول الله وهو ابن ثمان سنين (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ٣٥ ص ٣١٣ المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى: 855هـ ، مكتبة الشاملة)

بچوں کے سر پر دست شفقت پھیرنا اور دعا سے نوازنا ہی اس کو شریک بیعت کرنا ہے، یہی اس کے حسب حال ہے، جس طرح کہ بڑوں کے حسب حال مصافحہ کرنا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح طور پر انکار نہیں فرمایا بلکہ بچہ ہے فرما کر اس کے حسب حال معاملہ فرمایا، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے جو ان حضرات نے حضرت عبداللہ ہشامؓ کے ساتھ بعد میں اختیار فرمایا، وہ حضرات اس قصہ کے تناظر میں یہی==

== سمجھتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسترد نہیں کیا، بلکہ شریک فرمایا:

فیلقاہ ابن عمر و ابن الزبیر رضي الله تعالی عنهم فیقولان له أشرکنا فإن النبي قد دعا لك بالبرکة فیشرکهم فربما أصاب الراحلة کما هي فیبعث بها إلی المنزل (عمدة القاري شرح صحیح البخاري ج ۱۹ ص ٤١٧ المؤلف: بدر الدین أبو محمد محمود بن أحمد العیني (المتوفی: 855هـ)

علامہ قشاشی مدنیؒ (م ۱۰۷۱ھ/۱۶۶۱ء) نے بھی ابن المنیرؒ کے حوالے سے ابن حجرؒ کی مذکورہ بالا تشریح کو مسترد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''یہ بچہ ہے'' یعنی کم سن ہے، اس طرح بیعت نہیں لی جاتی، جس طرح بڑوں سے لی جاتی ہے، اس سے بیعت کا معاملہ اس طرح ہونا چاہئے، جو بچے کے حال کے لائق ہو، یعنی جس سے ایک نوع کا اتصال قائم ہوجائے اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صغیر کے سر پر دست مبارک پھیرا، اور دعا سے سرفراز فرمایا، سر کا چھونا اتصال حسی ہے، اور یہ صغیر کے حال کے مطابق ہے، جس طرح بیعت کے لئے مصافحہ بڑوں کے حال کے مطابق ہے،''

(تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۲۲ حاشیہ)

نابالغ کی بیعت کی صحت کا ثبوت اس حدیث میں بھی موجود ہے جو اہل بیت نبوی کے سلسلۃ الذہب سے امام جعفر صادقؒ سے المعجم الکبیر طبرانی میں مروی ہے:

عَنْ جَعْفَرِ بن مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ، "أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَايَعَ الْحَسَنَ، وَالْحُسَيْنَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بن عَبَّاسٍ، وَعَبْدَ اللَّهِ بن جَعْفَرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَهُمْ صِغَارٌ لَمْ يَبْلُغُوا "، قَالَ: " وَلَمْ يُبَايِعْ صَغِيرًا إِلا مِنَّا"(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۱۱۵ حدیث نمبر: ۲۸٤٤ المؤلف: سلیمان بن أحمد بن أیوب أبو القاسم الطبراني الناشر: مکتبة العلوم والحکم – الموصل الطبعة الثانیة، 1404 - 1983 تحقیق: حمدي بن عبدالمجید السلفي عدد الأجزاء: 20)

''ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسنؓ، حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالبؓ کو بیعت میں داخل فرمایا، اور یہ سب کمسن تھے، نہ ڈاڑھی نکلی تھی، نہ سن بلوغ کو پہونچے تھے۔ اور سوائے ان کے کسی نابالغ کی آپ نے بیعت نہیں فرمائی۔

محدث جلیل شیخ علی متقیؒ (م ۹۷۵ھ/ ۱۵۶۷ء) نے بھی بیعت صغیر کو درست اور جائز قرار دیا ہے، اپنے وصیت نامے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

میرے والد نے کم سنی میں مجھے شیخ باجن برہان پوریؒ کا مرید کرادیا تھا، جب میں بالغ ہوا اپنے والد کی ہم خیالی کی، اور شیخ باجن ہی کو اپنا پیر مانا، اس بنا پر کہ بزرگوں کا کہنا ہے، کہ اگر بچہ کو کسی شیخ کا مرید کرادیا

حضرت نصرؒ اپنے پوتے (حضرت منورویؒ) کو بے حد عزیز رکھتے تھے، اولاد کی نسل میں سب سے پہلی اور بڑی اولاد آپ ہی تھے، اس لئے انہوں نے آپ کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ مبذول فرمائی، تربیت کے باب میں ان کو خاص ملکہ حاصل تھا، ان کی تربیت سے ایک زمانہ نے فیض پایا تھا، اس لئے ناممکن تھا کہ لاڈلا پوتا اس سے محروم رہ جاتا، غرض آپ کے باطن میں نقشبندیت کی پہلی نسبت کا القاء حضرت نصرؒ کے ذریعہ ہوا، جو حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کے توسط سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے ہوتی ہوئی سید الاولین والآخرین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتی ہے۔

مشائخ سلسلہ نقشبندیہ رحمانیہ نصیریہ

اس سلسلہ کے بزرگوں کے اسماء گرامی بالترتیب درج ذیل ہیں:

۱- حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ (ولادت ۱۲۶۸ھ م ۱۸۵۲ء- وفات ۱۳۳۱ھ م ۱۹۱۳ء)(۲۱۵)

== جائے، تو اسے بالغ ہونے کے وقت اختیار رہتا ہے، چاہے تو دوسرا شیخ اپنے لئے پسند کر لے، چونکہ میرے والدؒ اور شیخ باجنؒ وفات پا چکے تھے، میں نے خرقۂ مشائخ شیخ باجن کے بیٹے شیخ عبدالحکیم سے پہنا (مآثر الکرام ص ۱۹۳ بحوالہ: تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۲۳ حاشیہ)

(۲۱۵) آپ کی ولادت شہر مظفر پور میں (تقریباً) ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۲ء میں ہوئی، بڑے صاحب علم وکمال ہوئے، علم ظاہر کے اساتذہ کی خبر نہیں ہے البتہ علم باطن آپ نے حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ سے حاصل کیا، پیر ومرشد کو اپنے گھر بھی لے کر آئے اور پورے خطے کو مستفیض فرمایا، آپ کا پہلا نکاح حضرت سید شاہ فرزند علیؒ (محلہ سعد پورہ مظفر پور) کی صاحبزادی سے ہوا، جس سے مولانا عبدالشکور آہؔ صاحب اور حکیم عبدالغنی صاحب پیدا ہوئے، پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح فرمایا اس سے مولوی عبدالحمید وکیل اور مولوی محمد سعید پیدا ہوئے، آپ ایک عالم ربانی اور مرشد روحانی کے ساتھ بڑے طبیب بھی تھے، اور دواسازی بھی کرتے تھے، تعلیم وتربیت کا خاص ملکہ تھا، بڑے بڑے علماء واعیان آپ کی تربیت گاہ سے تیار ہوئے۔

آپ ضلع ہائی اسکول میں ملازم تھے لیکن ایک اتفاقی واقعہ کی بنا پر وقت سے پہلے سبکدوشی حاصل کر لی، اور مطب کو ذریعۂ معاش بنایا، آپ کا سانحۂ ارتحال (تقریباً) ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں پیش آیا، مظفر پور رام باغ قبرستان میں مدفون ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے "تذکرہ حضرت آہؔ مظفر پوریؒ ص ۱۰۳ تا ۱۳۸ مؤلفہ راقم الحروف)

۲- حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ (ولادت ۱۲۰۸ھ م ۱۷۹۳ء - وفات ۱۳۱۳ھ م ۱۸۹۵ء)(۲۱۶)

(۲۱۶) علامۂ کبیر، محدث جلیل، قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ فضل رحمن اپنے عہد کے انتہائی ممتاز اور صاحب کرامات بزرگ تھے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی ''اہل اللہ'' اور جد امجد کا ''محمد فیاض'' تھا، ولادت ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں ''ملانواں'' کے مقام پر ہوئی، ابتدائی تعلیم مولانا نور بن انوارالانصاری لکھنویؒ وغیرہ علماء سے حاصل کی، پھر دہلی کا سفر کیا، شیخ محدث حسن علی لکھنویؒ کی صحبت میں رہے، اور آپ ہی کے ذریعہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ، حضرت شاہ آفاق وغیرہ بزرگوں تک رسائی ہوئی، اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حدیث مسلسل بالاولیۃ اور مسلسل بالمحبۃ اور بخاری شریف کے ایک حصہ کی اجازت حاصل کی، اور وطن واپس ہوئے، دوسرا سفر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد کیا، اور شاہ اسحاقؒ سے صحاح ستہ پڑھی، فراغت کے بعد حضرت شاہ آفاق دہلوی نقشبندیؒ سے طریقۂ صوفیاء کی تعلیم حاصل کی، اور مجاز بیعت ہوئے، اس کے بعد وطن واپس ہوئے، ایک عرصہ تک ''ملانواں'' میں قیام کرنے کے بعد وہاں سے چار میل کی دوری پر گنج مرادآباد میں سکونت اختیار کی، یہیں شادی بھی کی، شروع میں لکھنؤ، بنارس، کانپور اور قنوج مختلف علاقوں کا بکثرت سفر فرماتے تھے، لیکن بڑھاپے میں سفر کو بالکل موقوف کر دیا، اور خانقاہ میں گوشہ نشیں ہو گئے--- گوشہ نشینی کے بعد عوام وخواص کا رجوع عام ہوا، لوگ اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے پیاسے کنویں پر ٹوٹ پڑتے ہیں، ایسی قبولیت ومحبوبیت حاصل ہوئی، اور بکثرت ایسی کرامات صادر ہوئیں کہ بقول صاحب نزہۃ الخواطر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے علاوہ تاریخ میں اور کوئی مثال نہیں ملتی۔

سیدھی سادی بے تکلف زندگی گذارتے تھے، ہدایا اور تحائف کی کمی نہیں تھی مگر وہ سب خلق خدا کے لئے خرچ ہو جاتے تھے، خانقاہ میں ہی قرآن کریم اور حدیث شریف کا درس دیتے تھے، آپ سے بے پناہ فیض پہونچا، ہزاروں بندگان خدا کو خدا تک رسائی ملی، ۲۲/ربیع الاول ۱۳۱۳ھ مطابق ۱۲/ستمبر ۱۸۹۵ء میں گنج مرادآباد میں وفات پائی، نماز جنازہ حسب وصیت صاحبزادۂ محترم جناب احمد میاں صاحبؒ نے پڑھائی، اور مقبرہ مرادخان میں مدفون ہوئے، یہ مقبرہ بالکل قبر کی ہم شکل ہے اور مسجد کے صحن میں واقع ہے اس کو دیوان مرادخان نے تیار کرایا تھا، اور انہوں نے ہی یہ مسجد بھی بنوائی تھی، مرادخان نے اس کے علاوہ اور بھی بہت سے رفاہی کام اس علاقے میں کئے تھے، مرادخان اپنے اسی مقبرہ میں مدفون ہیں، دائیں جانب صحن مسجد سے متصل حضرت شاہ فضل رحمانؒ کی قبر مبارک ہے اور مرادخان کے بائیں جانب حضرت کے صاحبزادہ جناب احمد میاں صاحبؒ مدفون ہیں، مرادخان بھی بڑے خوش نصیب ہیں دو ولیوں کے بیچ لیٹے ہوئے ہیں، **ذلك فضل الله يوتيه من يشاء**۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے اقوال وملفوظات کو آپ کے متعدد خلفاء نے جمع کیا ہے، مثلاً حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے ''ارشاد رحمانی'' کے نام سے، سید تجمل حسین بہاریؒ نے فضل رحمانی'' اور کمالات رحمانی'' کے نام سے اور مولوی عبدالغفار آسیونی نے ''ہدیۂ عشاق رحمانی'' کے نام سے وغیرہ (**الاعلام بمن فی تاریخ الهند من الاعلام "المسمیٰ بنزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر** ج ۸ ص ۱۳۲۶، ۱۳۲۷ مرتبہ = =

۳-حضرت مولانا شاہ محمد آفاق دہلویؒ (ولادت ۱۱۶۰ھ م ۱۷۴۷ء - وفات ۱۲۵۱ھ م ۱۸۳۵ء)(۲۱۷)

۴-حضرت خواجہ ضیاء اللہ کشمیری نقشبندیؒ(۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء میں بقید حیات)(۲۱۸)

==حضرت مولانا عبدالحی الحسنی الکھنویؒ (م ۱۳۴۱ھ) مطبوعہ دارابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ م ۱۹۹۹ء، وتذکرہ حضرت مولانا فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ص ۹۶ ناشر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بار دوم)

(۲۱۷)حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی بڑے عالم عارف فقیہ اور صاحب جذب بزرگ تھے، ہر وقت عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے، آپ کی ولادت ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام احسان اللہ اور دادا کا نام شیخ محمد اظہر تھا، سلسلہ نسب چھ واسطوں سے امام الطریق حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ تک پہونچتا ہے۔

آپ نے حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ کے خلیفہ حضرت خواجہ ضیاء اللہ کشمیری نقشبندیؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور خرقۂ خلافت سے نوازے گئے۔ تصوف میں آپ درجۂ کمال کو پہنچے، اور بے پناہ قبولیت حاصل کی۔ افغانستان تشریف لے گئے تو وہاں کا بادشاہ ''زمان شاہ'' آپ کی بزرگی اور اخلاق جلیلہ سے متاثر ہو کر مرید ہو گیا۔ آپ کی وفات ۷/محرم ۱۲۵۱ھ مطابق ۵/مئی ۱۸۳۵ء بروز بدھ دہلی میں ہوئی، آپ کا مزار اقدس سبزی منڈی، مغل پورہ دہلی میں خواجہ محمد زبیرؒ کی مسجد کے عقب میں ہے(**الاعلام بمن فی تاریخ الھند من الاعلام المسمیٰ بنزھۃ الخواطر وبھجۃ المسامع والنواظر** ج ۷ ص ۱۰۸۶)

۱۹۴۷ء میں ایک سکھ نے آپ کی قبرِ انور کو شہید کر دیا تھا اور اس کے اوپر رہائش اختیار کر لی تھی، جس کا دہلی کے مسلمانوں کو بڑا قلق ہوا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اسے وہاں سے نکالا اور فرش کھود کر مزار کا نشان تلاش کیا---وہ شخص کچھ دنوں کے بعد ہی اللہ کی پکڑ کا شکار ہوا اور اس کے ہاتھ گل کر جھڑ گئے، اور فوت ہو گیا۔۔ بعد میں حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ کی نگرانی میں محکمۂ اوقاف نے اس کی احاطہ بندی کر دی تھی (مقامات خیر ص ۳۸۹ مصنفہ حضرت علامہ شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ ناشر: شاہ ابوالخیر اکیڈمی، خانقاہ مظہریہ دہلی ۲۰۱۰ء)

(۲۱۸) خواجہ ضیاء اللہ نقشبندیؒ کا تعلق خطۂ کشمیر سے ہے، کہتے ہیں کہ آپ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (متوفی ۷۹۱ھ مطابق ۱۳۷۹ء) کی اولاد میں سے ہیں، بڑے امیر کبیر تاجر تھے---آپ حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ سے ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں منسلک ہوئے اور کچھ عرصہ کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، خواجہ محمد زبیر نے انہیں 'فخر کشمیر' کا خطاب دیا تھا، کشمیر میں ان کی شہرت ''احسن لین'' کے نام سے تھی، بیعت کے بعد خواجہ ضیاء اللہ دہلی میں ہی مقیم ہو گئے کشمیر واپس نہیں گئے، اسی لئے مشائخ کشمیر کے تذکرہ میں ان کا ذکر نہیں ملتا (اسرار الاخیار (تذکرہ اولیاء کشمیر) مصنفہ شمس الدین محمد، سری نگر ۲۰۰۲ء۔

حضرت خواجہ ضیاء اللہ کا سال وفات معلوم نہیں ہے، آپ کے خلیفۂ نامدار حضرت شاہ محمد آفاق کے بقول تاریخ وفات ۱۴/ربیع الاول ہے، لیکن سن وفات درج نہیں ہے، قیاس یہ ہے کہ کم از کم ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۶ء تک آپ بقید حیات==

۵-خواجہ محمد زبیرؒ (ولادت ۱۰۹۳ھ م ۱۶۸۲ء-وفات ۱۱۵۲ھ م ۱۷۴۰ء)(۲۱۹)

۶-حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانیؒ (ولادت ۱۰۳۴ھ م ۱۶۲۵ء-وفات ۱۱۱۴ھ م ۱۷۰۲ء)(۲۲۰)

== تھے، خواجہ محمد زبیر کے جوار میں مدفون ہیں، آپ کی مشہور تصنیف مقاصد السالکین ہے جو فارسی زبان میں ہے، اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ میرٹھ سے ۱۹۰۰ء میں شائع ہوا تھا (تذکرہ مشائخ پاک و ہند ج ۲ ص ۱۰۸۰ تا ۱۰۸۷ مرتبہ پروفیسر محمد اقبال مجددی لاہور ۲۰۱۳ء)

(۲۱۹) تاریخ ولادت ذی قعدہ ۱۰۹۳ھ مطابق نومبر ۱۶۸۲ء ہے، آپ کے والد ماجد حضرت ابوالعلیؒ (۱۰۶۴ھ/ ۱۶۵۴ء تا ۱۱۰۶ھ مطابق ۱۶۹۵ء) اور جد امجد حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ (متوفی ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء) ہیں، آپ کا اسم گرامی ''محمد زبیر'' کنیت ''ابوالبرکات'' اور لقب ''شمس الدین'' ہے۔

چار برس کی عمر میں پڑھنا شروع کیا، اور تمام علوم نقلیہ وعقلیہ پر کامل دسترس حاصل کی، تیرہ برس کی عمر میں اپنے جد امجد حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ کے ساتھ سعادت حج سے بہرہ ور ہوئے۔

۱۱۱۱ھ مطابق ۱۶۹۹ء میں حضرت خواجہ محمد نقشبند نے آپ کو قطب الاقطاب اور قیومیت کی خلعت پہنائی اور اپنا ولی عہد اور جانشین قرار دیکر اپنے مریدوں کی تربیت آپ کے حوالے فرمائی، ۲۹/محرم ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۴/ جون ۱۷۰۲ء کو حضرت خواجہ محمد نقشبندؒ کا انتقال ہوا اور یکم صفر المظفر ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۷/ جون ۱۷۰۲ء کو آپ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے۔ آپ قیوم چہارم تھے، نہایت کثیر العبادت تھے، نماز تہجد میں ساٹھ مرتبہ سورۂ یسین پڑھا کرتے تھے۔ ظہر اور عصر کے درمیان چوبیس (۲۴) گھنٹوں میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے تھے۔

لاہور میں ایک مدت تک آپ نے قیام فرمایا، ہزاروں بندگان خدا داخل سلسلہ ہوئے، اور بہت سے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔

اس کے بعد اپنے تمام مریدوں کو اپنے خلیفہ شیخ عبدالرحیم کے حوالے فرما کر خود سرہند تشریف لے گئے سرہند پر بلائے ناگہانی نازل ہوئی تو آپ دہلی تشریف لے گئے اور دہلی سے باہر ایک ویران مسجد میں قیام فرمایا، آپ کی برکت سے اللہ پاک نے اس جگہ کو آباد کر دیا،--- بڑی قبولیت حاصل ہوئی، بڑے بڑے امراء اور وزراء حلقہ میں داخل ہوئے --- ۴/ ذی قعدہ ۱۱۵۲ھ مطابق ۲/فروری ۱۷۴۰ء بروز بدھ بوقت اشراق انسٹھ برس کی عمر میں انتقال فرمایا، غسل وکفن کے بعد جنازہ سرہند شریف لے جایا گیا، اور بروز جمعرات ۱۲/ ذی قعدہ ۱۱۵۲ھ مطابق ۱۰/فروری ۱۷۴۰ء پورے آٹھ دن کے بعد سرہند شریف میں حضرت شیخ سعد الدین کی حویلی میں آسودۂ خاک ہوئے فرحمہ اللہ (تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۶۶۴ تا ۶۶۶ مرتبہ جناب نذیر رانجھا، جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۱ء بحوالہ حضرات القدس ج ۲ ص ۲۹۱ تا ۲۹۵ مؤلفہ شیخ بدرالدین سرہندیؒ (اردو ترجمہ ص ۳۱۲-۳۱۳-۳۱۵)

(۲۲۰) آپ حضرت خواجہ محمد معصومؒ (متوفی ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۸ء) کے دوسرے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت سے قبل حضرت مجدد صاحبؒ (م ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء) نے خواجہ محمد معصومؒ سے فرمایا کہ تمہارا جولڑکا مادر شکم میں ==

== ہے، یہ عجائب روزگار اور صاحب معارف واسرار ہوگا، اور خلقت کو اس سے فیض پہونچے گا، آپ بروز جمعہ ۷ / رمضان المبارک ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۳ / جون ۱۶۲۵ء کو سرہند شریف میں پیدا ہوئے، آپ کا لقب شرف الدین تھا اور ''حجۃ اللہ'' سے مشہور ہوئے۔

حفظ قرآن کریم کے بعد بیشتر درسی کتابیں اپنے چچا محترم حضرت خواجہ محمد سعیدؒ (م ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۶۰ء) سے پڑھیں، ایسی دقت و تحقیق سے پڑھتے تھے کہ خواجہ محمد سعید فرماتے تھے کہ:

''یہ مجھ سے پڑھنے نہیں آتے بلکہ پڑھانے آتے ہیں''

علم باطن اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ محمد معصومؒ (م ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۶۶۸ء) سے حاصل کیا، اور قلیل عرصہ میں جملہ مقامات عالیہ آپ نے طے فرمالئے، اور خلافت سے سرفراز ہوئے، خوجہ معصوم نے فرمایا:

''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خلعت قیومیت سے سرفراز فرمایا الحمد اللہ کہ وہ خلعت تم کو بھی عطا ہوئی، مبارک ہو''

آپ کا پہلا نکاح آپ کی پھوپھی زاد سے ہوا، اور اکثر اولاد انھیں کی بطن سے ہوئی۔ ۲۷ / ربیع الاول ۱۰۸۰ھ مطابق ۱۵ / اگست ۱۶۶۹ء کو دوسرا نکاح خراسان کی معروف شخصیت حضرت سید میر عبد اللہؒ کی صاحبزادی ''عائشہ بیگم'' سے ہوا۔

اللہ پاک نے بے پناہ قبولیت عطا فرمائی، عرب وعجم کے بے شمار علماء ومشائخ نے آپ کی خدمت میں حاضری دی اور استفادۂ باطنی کیا۔

۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۸۰ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

آخری عمر میں پاؤں کے درد اور خفقان کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا، جسم مبارک میں تھوڑا خم بھی آ گیا تھا، کچھ روز بیماری نے شدت اختیار کی، بالآخر شب جمعہ ۲۹ /محرم الحرام ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۴ / جون ۱۷۰۲ء کو نماز عشاء کے بعد اپنے معمولات پورے کئے، اور آرام کیا، پھر تہجد کے لئے اٹھے، تہجد کی نماز ادا فرمائی پھر کافی دیر تک سورہ فاتحہ پڑھنے کے بعد لیٹ گئے اور اسی حال میں تین بار کلمۂ شہادت پڑھا اور جان جان آفریں کے حوالہ کردی، انا اللہ وانا الیہ راجعون-- سرہند شریف ہی میں اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے مقبرہ کے شمال کی جانب ایک الگ مقبرہ میں محو استراحت ہیں، فرحمہ اللہ۔

آپ کے مکاتیب کو ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (م ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء) نے ''وسیلۃ القبول'' کے نام سے شائع کیا ہے (تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۶۴۴ تا ۶۴۸ بحوالہ مقامات معصومی مؤلفہ میر صفر احمد معصومی ج ۲ ص ۶۷۳-۷۰۳، انوار معصومیہ مؤلفہ مولانا سید زوار حسین شاہ ص ۱۳۰-۱۴۰ بحوالہ روضۃ القیومیہ مؤلفہ محمد احسان ج ۲ ص ۱۳، ج ۳ ص ۹)

۷-عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ (ولادت ۱۱/شوال المکرم ۱۰۰۷ھ مطابق ۷/مئی ۱۵۹۹ء
وفات ۹/ربیع الاول ۱۰۷۹ھ مطابق ۷/اگست ۱۶۶۸ء)(۲۲۱)

(۲۲۱)

چراغ ہفت محفل خواجہ معصوم
منور از فروغش ہند تا روم

آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں، بروز سوموار ۱۱/شوال المکرم ۱۰۰۷ھ مطابق ۷/مئی ۱۵۹۹ء سرہند شریف سے دو میل دور ''بستی ملک حیدر'' (پٹیالہ پنجاب، پٹھانوں کی بستی ہے) میں پیدا ہوئے (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۳۱۹ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ، ☆حضرات القدس ج ۲ ص ۲۶۲ مؤلفہ شیخ بدرالدین سرہندیؒ، ☆عمدۃ المقامات ص ۲۵۲ مؤلفہ حاجی محمد افضلؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۹۶ء☆ مقامات معصومی ج ۲ ص ۵۷، ج ۴ ص ۶۴، ۶۵ مؤلفہ میر صفر احمد معصومی/محمد اقبال مجددی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ء)

حضرت مجدد الف ثانیؒ آپ کی ولادت کو بہت مبارک فرماتے تھے،--آپ کی والدہ ماجدہ (م ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۱ء) حضرت شیخ سلطان تھانیسریؒ (م ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء) کی صاحبزادی اور زہد وتقویٰ کا پیکر تھیں----آپ کا اسم مبارک ''محمد معصوم'' رکھا گیا، کنیت ''ابوالخیرات'' لقب ''مجدالدین''، منصب ''عروۃ الوثقیٰ، قیوم زماں اور قطب الاقطاب تھا(انوار معصومیہ ص ۲۰ مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسینؒ ناشر ادارۂ مجددیہ کراچی ۱۹۸۹ء، تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۶۶۴ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

حفظ قرآن کریم کے بعد بیشتر درسی کتابیں اپنے والد گرامی حضرت مجدد صاحبؒ سے پڑھیں، بعض کتابیں اپنے بڑے بھائی حضرت خواجہ محمد صادقؒ (م ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۱۶ء) سے بھی پڑھیں، علاوہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم حضرت شیخ محمد طاہر لاہوریؒ (م ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء) خلیفہ حضرت مجددؒ، حضرت اخوند سجاول سرہندیؒ (مؤلف شرح وقایہ)، اور حضرت ملا بدرالدین سلطان پوریؒ (م ۱۰۸۱ھ مطابق ۱۶۷۰ء) سے بھی حاصل کی۔

جس دور میں آپ علم ظاہر کی کتابیں پڑھ رہے تھے حضرت مجدد صاحبؒ نے فرمایا:

''بابا! علوم کی تحصیل سے فارغ ہوجاؤ، کیونکہ ہم کو تم سے بڑے بڑے کام لینے ہیں'' (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۳۱۹ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۸۸ء)

سولہ (۱۶) سال کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہوگئے (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۳۲۰ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمی ☆نزہۃ الخواطر مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ ج ۵ ص ۴۰۷، دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدر آباد دکن ۱۹۵۶ء)

قیام حرمین شریفین کے دوران اپنے خلیفہ حضرت مولانا شیخ زین العابدین یمنی محدث مدنیؒ سے اجازت حدیث حاصل کی (حسنات الحرمین ص ۱۶ حضرت خواجہ محمد معصومؒ، مترجم فارسی شیخ محمد شاکر، ناشر: مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ ==

==زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۸۱ء)

فراغت کے بعد کتب متداولہ مثلاً: بیضاوی، عضدی، تلویح، مشکوٰۃ اور ہدایہ کا درس دیتے تھے (حضرات القدس ج ۲ ص ۲۶۳ مؤلفہ شیخ بدر الدین سرہندیؒ، ناشر مجلس اوقاف لاہور پنجاب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء)

حضرت مجددؒ نے گیارہ (۱۱) برس کی عمر میں دوران طالب علمی طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی تعلیم بھی شروع فرمادی تھی، یہاں تک کہ تعلیم ظاہری کی فراغت کے ساتھ ہی علوم باطن کے کمالات و مقامات سے بھی سرفراز ہوگئے---بچپن سے ہی آپ پر گریہ کی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔ حضرت مجددؒ نے آپ کو خلعت خلافت سے سرفراز اور ممتاز فرمایا اور صرف چودہ (۱۴) سال کی عمر میں ہی قطبیت کی بشارت عنایت فرمائی، حضرت مجددؒ نے اپنے ایک مکتوب گرامی (ج ۱: ۸۶ ص ۲۱۴-۲۱۶) میں قطبیت، قیومیت، خلافت، اصالت، اور محبوبیت ذاتی وکمال انفعال کا ذکر فرمایا ہے (حضرات القدس ج ۲ ص ۲۶۴)

۲۷/ذی الحجہ ۱۰۲۱ھ مطابق ۸/فروری ۱۶۱۳ء کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلیفہ حضرت میر صفر احمد رومیؒ (م ۱۰۳۸ھ مطابق ۱۶۲۸ء) کی دوسری صاحبزادی حضرت بی بی رقیہؒ سے آپ کی شادی مبارک ہوئی، آپ کی تمام اولاد انھیں کے بطن مبارک سے پیدا ہوئیں۔

والد ماجد کے وصال پر ملال کے بعد ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء میں مسند ارشاد و قیومیت پر متمکن ہوئے، اسی دن پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) آدمیوں نے آپ سے بیعت کی جن میں تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) حضرت مجدد کے خلفاء تھے۔

آپ کے دور میں سلسلۂ نقشبندیہ کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی، ترکستان، خراسان، بدخشان کے کئی حکمرانوں نے اپنے وکیل بھیج کر غائبانہ بیعت کی، جہانگیر کے بعد شاہجہاں تخت نشیں ہوا تو اس نے بھی سرہند شریف میں حاضری دی، آپ نے خواجہ محمد حنیف کابلیؒ کو کابل، خواجہ محمد صدیق پشاوریؒ کو پشاور، شیخ ابوالمظفر برہان پوریؒ کو دکن، شیخ اخوان موسیٰ کو ننگرہار، شیخ بدر الدین کو سلطان پور میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا، عبدالعزیز شاہ توران نے وکیل کے ذریعے غائبانہ بیعت کی، اسی طرح سلطان عبدالرحمن والی خراسان اور امام یمن غائبانہ مرید ہوئے، شیخ حبیب اللہ کو بخارا روانہ کیا، خلیفہ خواجہ ارغون کو ختا بھیجا اور وہاں کے حاکم قاآن نے بیعت کی۔

ملک چین کے خوش نصیب مرد صالح حضرت شیخ مراد بن عبداللہ قازانیؒ (یہ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں زندہ تھے) جنھوں نے مکتوبات امام ربانی کا عربی ترجمہ کیا ہے، نے اپنی تالیف ''ذیل الرشحات'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

''آپ سے نو (۹) لاکھ اشخاص نے بیعت کی، جن میں حضرت شیخ حبیب اللہ بخاریؒ بھی شامل تھے جو خراسان اور ماوراء النہر کے بڑے شیخ تھے، جن میں چار ہزار (۴۰۰۰) اور بقول بعض سات ہزار صاحب ارشاد خلفاء ہوئے، آپ کی توجہ کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ آپ کی صحبت میں طالب کو ایک ہفتہ میں مرتبۂ فنا و بقا حاصل ہو جاتا تھا، اور ایک ماہ میں کمالات ولایت سے مشرف ہو جاتا تھا، مقامات الٰہیہ کا کشف اس قدر صحیح تھا کہ دور سے بتا دیتے تھے کہ تیری ولایت محمدی==

== ہے یا موسوی یا عیسوی، آپ کی طبیعت اور مجلس میں جلال کا غلبہ تھا، حاضرین دم بخود رہتے تھے، بادشاہ اورنگ زیب بھی کبھی حاضر ہوتا تھا تو جہاں جگہ ملتی تھی بیٹھ جاتا تھا، بادشاہ بھی زبانی گفتگو کے بجائے اپنی بات تحریری طور پر پیش کرتا تھا، اورنگ زیب کو شہزادگی ہی کے زمانے میں (جب وہ دکن کا گورنر تھا) ۱۰۴۸ھ/ ۱۶۳۹ء میں بیعت کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کی ہمشیرگان روشن آراء بیگم اور گوہر آراء بیگم بھی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئیں، اورنگ زیب کو آپ کی دعا کی برکت سے ہندوستان کا تخت نصیب ہوا (روضۃ القیومیۃ ج ۲ ص ۱۱ مؤلفہ محمد کمال الدین احسان معصومی، ناشر: اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۱۷ء☆ تاریخ مشائخ نقشبند ص ۱۱۴ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

آپ کا طریق بعینہ وہی تھا جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ولایت خاصہ سے سرفراز کیا تھا (دیکھئے مکتوبات امام ربانی مکتوب ج ۱ ص ۲۳۶، ۴۱۵، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء)

آپ کے خلفاء میں صاحبزادگان کے علاوہ شیخ مراد بن علی بخاریؒ (۱۶۴۰ء تا ۱۷۲۰ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، دمشق و شام اور مختلف ممالک میں ان کے ذریعہ سلسلہ کی اشاعت ہوئی، ان کی وفات استنبول میں ہوئی، اسی طرح شیخ عبدالغنی النابلسیؒ (۱۶۴۱ء تا ۱۷۳۱ء) نے بھی خصوصی شہرت پائی؛ عمر کے آخری حصہ میں آپ نے اپنے خلفا اور مریدوں کو اپنے فرزندوں کی نگرانی میں تقسیم کردیا، کابل اور اس کے نواح کو خواجہ محمد صبغۃ اللہ، بدخشاں، ترکستان، قبچاق، کاشغر، ختا، روم و شام کو خواجہ محمد نقشبند حجۃ اللہ، خراسان، توران، اندراب، طبرستان، اور سجستان کو خواجہ محمد عبیداللہ مروج الشریعۃ، دکن اور پنجاب کو خواجہ محمد اشرف کے سپرد کیا، بادشاہ اورنگ زیب اور اس کے درباری امراء کو خواجہ محمد سیف الدین کے حوالے کیا گیا، بعد میں اکثر خلفاء اور بادشاہ نے خواجہ نقشبند سے رجوع کرلیا۔

دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے ارادتمندوں کا سرہند شریف میں ہجوم رہتا تھا، بعض اوقات شہر کے گرد ایک ایک میل تک مجمع کا پڑاؤ رہتا تھا، نماز کے وقت اس قدر ہجوم ہوتا کہ بعض لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر سجدہ کرتے، ایسی مقبولیت عامہ کی مثال تاریخ تصوف میں نہیں ملتی۔

آپ کا وصال پر ملال بروز ہفتہ ۹/ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ مطابق ۷/ اگست ۱۶۶۸ء کو ہوا، جنازہ میں خلائق کا بے پناہ ہجوم تھا، سرہند شریف میں قصر معصومی کے جنوب میں آپ آسودۂ خواب ہیں---شاہجہاں (م ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۶۶۶ء) کی بیٹی روشن آراء بیگم (م ۱۰۸۲ء مطابق ۱۶۷۱ء) آپ سے بیعت تھیں، انہوں نے آپ کے صاحبزادے خواجہ عبیداللہؒ سے اجازت لے کر آپ کی قبر مبارک پر ایک عالیشان عمارت تعمیر کرائی، اور اس پر یہ تاریخ تعمیر درج کی گئی:

''مرقد محبوب حق قطب زماں''

آپ صاحب تصانیف تھے، بہت سی کتابیں یادگار چھوڑیں، مثلاً اذکار معصومیہ (عربی وفارسی)، بیاض معصومی (فارسی)، خودنوشت تحریرات (فارسی)، رسالہ در آداب صوفیہ (فارسی)، رسالہ در اذکار یومی ولیلی (عربی وفارسی)، رسالہ در اصطلاحات نقشبندیہ (فارسی)، مکاشفات عینیہ: مکاشفات غیبیہ (فارسی)، مکتوبات معصومیہ (فارسی) تین جلدوں میں، یواقیت الحرمین (عربی)، حسنات الحرمین (فارسی) (تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۵۹۱ تا ۶۴۰ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

۸-حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (ولادت ۱۴/شوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۲۶/جون ۱۵۶۴ء وفات ۲۸/صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۶۲۴ء)(۲۲۲)

(۲۲۲) آپ کی ولادت باسعادت سرہند شریف شب جمعہ ۱۴/شوال المکرم ۹۷۱ھ مطابق ۲۶/جون ۱۵۶۴ء کو ہوئی، اسم گرامی ''احمد'' تھا، لفظ ''خاشع'' سے سن ولادت نکلتا ہے، بچپن ہی سے رشد وہدایت کے آثار نمایاں تھے، آپ مختون پیدا ہوئے تھے--- آپ کا نسب اشرف حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ بہت کم عمری میں حفظ قرآن مکمل فرمالیا، حفظ کے بعد اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ (م ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء) کے پاس علم ظاہری کی تحصیل میں مشغول ہو گئے، چند روز کی توجہ ہی سے ذہن ودماغ کے دریچے کھل گئے، اور آپ بڑی تیزی کے ساتھ علم ظاہر کی منزلیں طے کرنے لگے، اپنے والد ماجد کے علاوہ اور بھی کئی اساطین علم وفضل سے آپ نے استفادہ کیا، مثلاً:

☆ حضرت مولانا کمال الدین بن موسیٰ کشمیریؒ (م ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء)، یہ بڑے صاحب نسبت اور متقی عالم دین تھے۔

☆ حضرت مولانا یعقوب بن حسن صرفی کشمیریؒ (م ۱۰۰۳ء مطابق ۱۵۹۵ء) انہوں نے حرمین شریفین کے کبار محدثین حضرت شہاب الدین ابن حجر مکیؒ (م ۸۵۲ھ مطابق ۱۴۴۹ء) اور حضرت شیخ عبدالرحمن بن فہد مکیؒ وغیرہ سے حدیث پڑھی تھی۔

☆ حضرت قاضی بہلول بدخشانیؒ (م ۱۰۰۷ء مطابق ۱۵۹۸ء)، قاضی صاحب سے حضرت مجددؒ نے کئی کتابیں پڑھیں، بعد میں قاضی صاحب بھی حضرت سے مرید ہوگئے تھے۔

سترہ (۱۷) سال کی عمر میں آپ نے تمام علوم سے فراغت حاصل کرلی، اس کے بعد مسند افادہ پر متمکن ہوئے، درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا، کئی ملکوں کے طلبہ جوق درجوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے،---

آپ کا علم گہرا تھا، اور ایک زمانہ نے آپ کے علم وفضل کا لوہا مانا، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ''فیضی (م ۱۰۰۲ھ مطابق ۱۵۹۳ء) جس زمانے میں غیر منقوط تفسیر ''سواطع الالہام'' لکھنے میں مصروف تھا، ایک مقام پر مضمون کی ادائیگی کے لئے بے نقط الفاظ کے ملنے میں دشواری پیش آئی، اور دونوں بھائی اس کے حل سے عاجز آگئے، بعض علماء سے بھی مدد چاہی لیکن بات نہ بنی، بالآخر آپ نے اس کی درخواست پر نہ صرف اس عقدہ کو حل کردیا، بلکہ پورا ایک صفحہ بے نقط فصیح وبلیغ عبارت میں لکھ دیا، جس سے فیضی آپ کی صلاحیت کا معترف ہوگیا (تاریخ دعوت وعزیمت ج ۴ ص ۱۴۰ مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ، برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۱۳۲ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ)

آپ کا نکاح تقریباً ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۸۸ء میں شیخ سلطانؒ (م ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۵۹۹ء) کی صاحبزادی سے ہوا، شیخ سلطانؒ کو خواب میں اس کی بشارت ہوئی تھی، یہ شادی بڑی بابرکت ثابت ہوئی، اس کے بعد آپ کو مال ودولت کی کبھی تنگی نہ ہوئی۔

آپ نے علم باطن اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحدؒ سے حاصل کیا، سلسلۂ چشتیہ وقادریہ کا سلوک والد ماجد کے ==

== کے زیر تربیت طے کیا، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، ---حضرت شیخ عبدالاحدؒ کی آبائی نسبت سہروردیہ تھی، اور چشتیہ کی نسبت حضرت شیخ رکن الدین گنگوہیؒ (م ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء) سے اور قادریہ کی نسبت حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ (م ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء) سے حاصل ہوئی تھی، یہ تمام نسبتیں حضرت والد صاحب نے آپ کو عنایت فرما کر اپنا جانشین مقرر کیا۔

ایک عرصہ سے زیارت حرمین شریفین کی آرزو تھی لیکن والد صاحب کے ضعف وعلالت کی وجہ سے موقعہ نہ مل سکا تھا، والد کے وصال کے بعد گو مطلوبہ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے آپ پر حج فرض نہیں تھا، لیکن تمنائے وصال میں سفر حج کے ارادے سے گھر سے نکلے اور دہلی پہونچے، یہاں آپ کی ملاقات آپ کے ایک دیرینہ دوست حضرت مولانا حسن کشمیریؒ (م ۱۰۵۱ء مطابق ۱۶۴۱ء) سے ہوئی، جو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہ (م ۱۰۱۲ھ مطابق ۱۶۰۳ء) کے مرید با اخلاص تھے، انہوں نے آپ کے سامنے حضرت خواجہؒ کے مناقب وفضائل اس انداز سے بیان فرمائے کہ آپ کو بھی اشتیاق ملاقات پیدا ہوا، آپ نے پہلے سے ہی سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگوں کے بارے میں بہت کچھ فضائل وخصوصیات اپنے والد ماجد کی زبانی سن رکھے تھے، کچھ کتب تصوف میں بھی اس تعلق سے پڑھا تھا، مولانا حسن کشمیریؒ کی ترغیب پر آتش شوق بھڑک اٹھی، آپ مولانا کشمیریؒ کے ہمراہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت خواجہؒ بہت ہی لطف ومحبت سے پیش آئے، آپ کا عزم وارادہ دریافت فرمایا، حضرت خواجہؒ کسی کو بھی داخل سلسلہ ہونے کے لئے خود ارشاد نہیں فرماتے تھے، لیکن آپ کی بلندئ استعداد اور صلاحیت کو دیکھتے ہوئے حضرت خواجہؒ نے کچھ دن صحبت میں رہنے کے لئے فرمایا، آپ نے حکم کی تعمیل کی اور ایک ہفتہ کے اندر ہی ایسی لذت وحلاوت اور عروج وترقیات کا احساس ہوا کہ آپ کا یہ روحانی سفر مسلسل دو ڈھائی مہینے جاری رہا، اور اس مختصر سے عرصے میں آپ نے علم باطن کی بے شمار منزلیں طے کر لیں، آپ درجات قطبیت، فردیت، قیومیت، خلت، طینت، اصالت، محبوبیت ذاتی، سابقیت، تجدید الف ثانی تک پہونچ گئے۔ (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۱۳۲ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ، روضۃ القیومیۃ ج ا ص ۷۷ مؤلفہ حضرت محمد احسانؒ)

حضرت خواجہؒ نے نسبت خاصہ کا القا فرما کر اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور رجب المرجب ۱۰۰۸ھ مطابق جنوری ۱۶۰۰ء سرہند شریف جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اور اپنے مریدوں کا ایک حلقہ بھی آپ کے سپرد کیا۔

حضرت مجددؒ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں اس کے بعد بھی کئی مرتبہ حاضری دی اور حضرت کی صحبت میں کئی کئی دن قیام فرما کر مستفید ہوتے رہے، حضرت مجددؒ فرماتے تھے کہ

''پھر ہم ہزاروں خلعتوں اور فتوح کے ساتھ واپس آئے''

حضرت خواجہؒ نے بھی آپ کے ساتھ بڑی خصوصیت برتی، اپنے تمام مریدوں کو آپ کے حوالے کر دیا، حضرت خواجہؒ نے ایک بار آپ کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا کہ:==

== ''آپ مکمل مراد اور مکمل محبوب ہیں۔
حضرت مجددؒ خود فرماتے ہیں:
''طالبین کی تربیت میں حضرت خواجہ قدس سرہ کی سرگرمی اس وقت تک رہی جب تک میرا معاملہ انتہا کو نہ پہونچا تھا، جب آپ میرے کام سے فارغ ہو گئے تو دیکھا گیا کہ آپ نے خود کو مشیخت کے کام سے ہٹا لیا، اور طالبین کو میرے سپرد کر کے فرمایا کہ''ہم اس تخم کو بخارا و سمرقند سے لے کر آئے، اور ہندوستان کی برکت والی زمین میں بو دیئے۔ (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۳۳۰ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، حضرات القدس ج ۲ ص ۴۵ مؤلفہ شیخ بدر الدین سرہندیؒ)

حضرت خواجہ کے علاوہ دیگر تمام مشائخ عظام نے بھی روحانی طور پر اپنے اپنے کمالات اور نسبتیں آپ میں القا فرمائیں، آپ نے امتزاجاً سب کو اپنے طریقہ میں شامل فرمایا، حالت کشفی میں خود رسول اللہ ﷺ نے اولیاء عالم کے بڑے مجمع میں اپنے دست مبارک سے ایک نورانی خلعت فاخرہ زیب تن کرائی، اور ارشاد فرمایا کہ:
''یہ تجدید الف ثانی کی خلعت ہے (روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۸۹ مؤلفہ حضرت محمد احسانؒ)

چنانچہ آپ کی شہرت ملک سے بیرون ملک تک پہونچی، آپ کے چشمۂ علم وروحانیت کا فیض عالم گیر ہو گیا، آپ کے ذریعہ سلسلۂ نقشبندیہ کی بے حد ترویج وترقی ہوئی، یہاں تک کہ سلسلۂ نقشبندیہ ''سلسلۂ مجددیہ'' سے عبارت ہو گیا۔

آپ نے ہندوستان میں فتنۂ اکبری کا مقابلہ کیا، اور اپنی قوت تجدید سے دین الٰہی کے طلسم کو پارہ پارہ کر دیا، اس کے لئے آپ کو بے پناہ آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ کے خلاف سازشیں رچی گئیں، آپ کی کتابوں میں تحریفات کی گئیں، آپ کے بارے میں غلط باتیں پھیلائی گئیں، قید وبند کی صعوبتیں اٹھانی پڑیں، اپنا گھر بار اور اہل وعیال چھوڑ کر دردر کی خاک چھاننی پڑی، لیکن آپ کے پائے استقلال میں کوئی فرق نہیں آیا، آپ نے جن مشکل حالات میں سرمایۂ ملت کی نگہبانی کی اس کی کوئی مثال قریبی صدیوں میں نہیں ملتی، آج ہندوستان میں جو دین زندہ ہے وہ اسی مرد درویش کے خون جگر کا فیض ہے۔

''مجدد الف ثانی'' کا خطاب-توجیہات اور مظاہر

☆ حضرت مجددؒ کو مجدد الف ثانی کیوں کہا جاتا ہے، جب کہ حدیث میں مجدد مأۃ کا ذکر ہے، مجدد الف کا ذکر نہیں ہے؟ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے لکھا ہے کہ بلاشبہ احادیث میں صرف مجدد مأۃ کا ذکر ہے، الف کا نہیں ہے، لیکن اس کی نفی بھی نہیں کی گئی ہے، دراصل جس طرح مجددین کا تعین اہل زمانہ ان کی خدمات کے لحاظ سے کرتے ہیں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کسی مجدد کے فیوض کئی صدیوں تک جاری رہیں، یہ حضرت مجددؒ کو خود الہام ہوا تھا کہ آپ مجدد الف ہیں، یعنی اگلے ہزار سال تک آپ کے تجدیدی فیوض جاری رہیں گے، اور آنے والے صدی مجددین آپ کے مقرر کردہ خطوط سے استفادہ کریں گے۔ ==

==بعد کے ادوار میں حضرت مجددؒ کے لئے سب سے پہلے یہ لقب علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے قلم سے نکلا، اور ایسا مقبول ہوا کہ حضرت مجددؒ کے نام کا جزو بن گیا، اور تاریخ اسلام میں آپ کے سوا کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے "مجدد الف ثانی" جس کے نام کا جزو بن گیا ہو۔

☆علاوہ اس کی تصدیق صدیوں سے جاری اسلامی خدمات کے تسلسل سے ہوتی ہے، کہ صدیاں گذر گئیں لیکن حضرت مجددؒ کی تعلیمات کا فیض پورے عالم میں آج بھی جاری ہے۔

☆حضرت مونگیریؒ نے اس کی ایک مناسبت اور بھی لکھی ہے کہ چونکہ حضرت مجددؒ کی خدمات کا آغاز الف ثانی کے آغاز میں ہوا اس لئے آپ کو مجدد الف ثانی قرار دیا گیا، یعنی زمانی مناسبت کی بنا پر آپ اس لقب سے معروف ہوئے۔

حضرت مجددؒ نے دین الٰہی کا مقابلہ کیا

☆اس کی ایک اور وجہ یہ تھی، جس کا ذکر حضرت مونگیریؒ نے نہیں کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ہر مجدد اپنے عہد کے حالات کے لحاظ سے پیدا ہوتا ہے، جس دور کو جیسے مجدد کی ضرورت ہوتی ہے قدرت کی طرف سے اسی طرح کا انتظام کیا جاتا ہے، حضرت مجددؒ جس دور میں تشریف لائے، (جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ) وہ اکبر کے نئے "دین الٰہی" کے فتنے کا تھا، جس کی بنیاد ہی اس پر تھی کہ الف اول کے گذر جانے کے بعد الف ثانی کے لئے نئے دین کی ضرورت ہے، جس میں پچھلی کئی چیزیں ساقط کر دی گئی تھیں، اور کئی نئی چیزیں شامل کی گئی تھیں، کئی حلال کو حرام اور کئی حرام کو حلال کر دیا گیا تھا، اور علماء سوء کے ذریعہ اس نئے دین کی اشاعت کی جارہی تھی، اور یہ فتنہ ہندوستان کے عالمی اثر ونفوذ کی بنا پر عالمگیر بنتا جا رہا تھا، حضرت مجددؒ نے دیگر خدمات کے ساتھ اس عالمگیر فتنہ کا مقابلہ کیا، اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانیاں پیش کیں، اور اپنی آخری طاقت تک اس دین جدید کے استیصال کے لئے صرف فرمادی، اللہ پاک نے گویا آپ کو اسی دین الٰہی کے فتنے کے استیصال کے لئے بھیجا تھا، اس موقعہ پر حضرت مجددؒ جیسے طاقتور مجدد ہی کی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے اپنی فقیری اور بے سروسامانی کے باوجود نصرت الٰہی سے ایک مضبوط حکومت کی سرپرستی میں اٹھنے والے اس فتنہ کا خاتمہ کیا، اور اسی لئے الف ثانی کے دین الٰہی کے مقابلے میں بالہامات ربانی آپ کو مجدد الف ثانی کا خطاب دیا گیا، آپ ہندوستان کی تاریخ میں واحد شخص ہیں جس نے الف ثانی کے دین الٰہی کو بیخ وبن سے اکھاڑ کر اس طرح پھینک دیا، کہ آج تاریخ کے صفحات کے علاوہ اس کا کہیں وجود نہیں ہے (حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی کتاب "تذکرۂ حضرت مجدد الف ثانی: میں اس پر مفصل اور مدلل گفتگو کی ہے)

حضرت مونگیریؒ نے صدفی صد درست لکھا ہے کہ:

> "جن علماء نے آپ کو دوسرے ہزار کا مجدد مانا ہے اس کی بنا صرف الہام کی تصدیق ہی نہیں ہے، بلکہ انہوں نے آپ کی حالت کا معائنہ کیا، اور آپ کے ظاہری وباطنی فیض سے واقف ہوئے، آپ کی صحبت کا اثر اپنے دلوں میں اور اپنے بھائیوں کے دلوں میں پایا، اور یہ بھی دیکھا کہ جو حقائق اور معارف آپ==

۹ حضرت خواجہ عبدالباقی محمد رضی الدین باقی باللہؒ (ولادت ۵/ ذی الحجہ ۹۷۱ھ مطابق ۱۵/ جولائی ۱۵۶۴ء وفات: ۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۶۰۳ء)(۲۲۳)

== نے بیان فرمائے ہیں وہ مجددین سابق نے نہیں بیان فرمائے ہیں، اور پھر وہ بیان شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کے بالکل مطابق ہے''

(مکاتیب محمدیہ حصہ اول، مرتبہ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ مظفر پوریؒ ص ۴۳ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور، ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء)

حضرت مجددؒ کا وصال پر ملال تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں بروز منگل بوقت اشراق تریسٹھ روز کی بیماری کے بعد ۲۸/صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۳۰/نومبر ۱۶۲۴ء کو ہوا۔

آپ نے اپنی اولاد امجاد اور ایک وسیع حلقۂ احباب ومتوسلین کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی یادگار چھوڑیں:

۱-اثبات النبوۃ (عربی) ۲-تعلیقات عوارف، اس کتاب کا ذکر آپ کی تصانیف میں ملتا ہے لیکن کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ کی اطلاع نہیں ہے۔

۳-ردروافض (فارسی)، ۴-رسالہ آداب المریدین، ۵ رسالہ تہلیلیہ (عربی)، ۷ رسالہ علم حدیث، ۸ شرح رباعیات (فارسی)، ۹ مبدأ ومعاد (فارسی)، ۱۰ معارف لدنیہ، ۱۱ مکاشفات عینیہ: مکاشفات غیبیہ (فارسی)، ۱۲ مکتوبات امام ربانی (فارسی) دفتر اول: درالمعرفۃ، دفتر دوم: نورالخلائق، دفتر سوم: معرفۃ الحقائق وغیرہ (تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۲۰۵ تا ۲۹۶ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا مطبوعہ لاہور☆ حضرات القدس ج ۱ ص ۲۶۵ مؤلفہ شیخ بدرالدین سرہندیؒ)

(۲۲۳) سلسلۂ مشائخ نقشبند میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ پہلی شخصیت ہیں جو یہ مبارک سلسلہ برصغیر لے کر پہونچی اور آپ کے ذریعہ اس کی اشاعت ہوئی، یہ ہندی شاخ کئی اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس نے جنوبی ایشیا میں اکبر بادشاہ کی مذہبی بے راہ روی کے اثرات کا قلع قمع کیا، بادشاہوں اور امراء میں دینی حمیت کا نیا جذبہ پھونکا، ایران سے درآنے والے رفض کا سدباب کیا، مسلم تصوف پر ہندو ویدانت کے اثرات کو محو کیا، اور کتاب وسنت پر سختی سے عمل کورواج دیا، یہ سلسلہ سب سے آخر میں جنوبی ایشیا میں آیا تھا لیکن صرف چند سالوں میں اس کی مقبولیت کے سامنے باقی سلسلے ماند پڑ گئے، صرف یہی نہیں بلکہ ہندی مرکز کے مشائخ کے خلفاء نے عرب، شام وفلسطین، اور عراق وغیرہ میں سلسلہ کی نئی شاخیں قائم کیں، خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ شیخ تاج الدین سنبھلی بلاد عرب تشریف لے گئے اور وہاں سلسلہ کی اشاعت کی، آپ نے عربی زبان میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، پھر یہ سلسلہ حرمین سے حاجیوں کے ذریعہ انڈونیشیا میں پھیلا، اسی طرح خواجہ محمد معصوم کے ایک خلیفہ مراد بن علی بخاریؒ (م ۱۶۴۰ تا ۱۷۲۰ء) شام گئے اور دمشق کو مرکز بنا کر شام میں سلسلہ کو پھیلایا، ۱۸۱۰ء میں شام پر وہابی قبضہ کا خطرہ پیدا ہوا تو شیخ ضیاء الدین خالد (۱۷۷۸ء تا ۱۸۲۶ء) نے برصغیر آکر نقشبندی طریقہ کی تربیت حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے حاصل کی، اسی مرکز سے کردستان میں وسیع پیمانے پر سلسلہ کی اشاعت ہوئی (تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۳۳، ۳۳۴ مؤلفہ عبدالرسول للہی) حضرت خواجہ ==

==باقی باللہ کے والد بزرگوار حضرت قاضی عبدالسلام خلجی سمرقندی قریشیؒ اپنے دیگر افراد خاندان کے ساتھ کابل (افغانستان) میں آکر مقیم ہوگئے تھے، وہ ترک خلجی خاندان کے چشم و چراغ تھے، بعض تذکرہ نگاروں نے ان کو سید لکھا ہے۔

آپ کے والد اکابر علماء اور مشائخ میں سے تھے، انہوں نے کابل میں ایک خاتون سے شادی کی، جن کا سلسلۂ نسب حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ (م ۸۹۶ھ مطابق ۱۴۹۱ء) کے نانا بزرگوار حضرت شیخ عمر یاغستانیؒ تک پہونچتا ہے، جو خاندان سادات کے چشم و چراغ تھے، بڑی نیک سیرت اور خداترس خاتون تھیں، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی خانقاہ معلیٰ کے زائرین و متوسلین کا کھانا حضرت کے منع کرنے کے باوجود خود پکایا کرتی تھیں (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۵ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی)

حضرت خواجہؒ کی ولادت ۵/ ذی الحجہ ۹۷۱ھ مطابق ۱۵/ جولائی ۱۵۶۴ء کو کابل میں ہوئی، نام محمد ''رضی الدین'' رکھا گیا، کنیت ''ابوالمؤید'' تھی، عبدالباقی اور محمد باقی باللہ کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کو ''خواجۂ بے رنگ'' بھی کہا جاتا ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی، جب آپ کی عمر پانچ (۵) برس ہوئی تو تعلیم قرآن کے لئے خواجہ سعدؒ کے مکتب میں بٹھائے گئے، آٹھ (۸) برس کی عمر میں حفظ قرآن کریم مکمل کرلیا--- دس (۱۰) برس کی عمر میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے وقت کے معروف فاضل شاعر حضرت ملا صادق حلوائی سمرقندیؒ (م ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء) کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے، جنہوں نے ۹۷۸ھ مطابق ۱۵۷۱ء میں اپنے سفرحج سے واپسی پر مغل بادشاہ جلال الدین محمد اکبر (م ۱۰۱۴ھ مطابق ۱۶۰۵ء) کے چھوٹے بھائی اور کابل کے حکمراں مرزا حکیم کی تحریک و خواہش پر کابل میں سلسلۂ درس شروع کررکھا تھا،-- آپ حضرت ملا صادق حلوائیؒ کے ممتاز شاگردوں میں شمار ہوتے تھے، جب حضرت ملا صادقؒ کابل سے سمرقند تشریف لے گئے تو آپ بھی انہی کے ہمراہ سمرقند چلے گئے، اور ماراء النہر میں علم کی پیاس بجھانے میں مصروف ہوگئے، یہاں تک کہ اپنے معاصرین میں ممتاز ہوگئے اور علمی مراتب و فضائل میں کمال حاصل کرلیا، ہرفن کی دقیق سے دقیق کتاب آپ کے لئے پانی ہوتی چلی گئی، ایک دن آپ اپنی درسی کتابوں کے مطالعہ میں مستغرق تھے کہ کسی مجذوب نے قریب آکر کہا:

درکنز وقدوری نتواں یافت خدا را
آئینۂ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

دل پر چوٹ لگی، اور فقر و عرفان کا ذوق غالب ہوگیا، ابھی تعلیم کے کچھ ایام باقی تھے لیکن یکلخت آپ کسی مرشد کامل کی تلاش میں نکل پڑے (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۶، ۷ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی)

شروع میں آپ ماوراء النہر اور افغانستان میں سلسلۂ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل کے اکابر اہل اللہ کی صحبتوں میں حاضر اور مستفید ہوئے، آشفتگی کا عالم یہ تھا کہ جسمانی اور طبعی نزاکت کے باوجود لاہور میں موسم برسات کی دلدل اور کیچڑ میں بھی اہل دل تک رسائی کے لئے کوشاں رہتے، اور ویرانوں، بیابانوں اور قبرستانوں میں پھرتے رہتے---

== آپ کے اہل خاندان سرکاری مناصب پر فائز تھے، انہوں نے بہت کوشش کی کہ یہ بھی ادھر آ جائیں اور دنیوی منافع حاصل کریں، لیکن انہوں نے قطعاً اسے قبول نہیں کیا۔

اسی دربدری اور سیاحی کے دوران آپ کو روحانی طور پر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ اور حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے فیوض بھی یکے بعد دیگرے حاصل ہوئے مختلف بزرگوں کے یہاں سے ہوتے ہوئے آپ ایک نقشبندی بزرگ حضرت شیخ باباوالی کشمیریؒ (م ۱۰۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کسب فیض کیا، پھر وہاں سے آپ ماوراء النہر کی طرف روانہ ہوئے، راستے ہی میں حضرت خواجگی محمد مقتدیٰ امکنگیؒ (م ۱۰۰۸ھ مطابق ۱۶۰۰ء) آپ کے استقبال میں منتظر تھے، حضرت آپ کو اپنی قیامگاہ پر لے گئے، اور تین دن رات اپنے پاس رکھنے کے بعد سلسلۂ بیعت میں داخل کیا، آپ نے ان سے حضرات خواجگان نقشبند کے طریقۂ عالیہ کو اخذ کیا، اور انتہائی قلیل عرصے میں تمام منازل و مقامات طے کرتے ہوئے نسبت خاصہ نقشبندیہ سے مشرف ہوئے، اور حضرت کے مجاز طریق بن گئے، پرانے خدام کو بڑی حیرت ہوئی کہ کل آئے اور آج فارغ؟ حضرت نے فرمایا:

''باقی باللہ کام کو مکمل کر کے اصلاح کے لئے ہمارے پاس آئے تھے، جو اس طرح آئے وہ یونہی بامراد ہو کر جاتا ہے''

(برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۱۳، ۱۴ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی ☆ عمدۃ المقامات ص ۸۵ مؤلفہ حاجی محمد افضلؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۹۶ء)

حضرت خواجگی امکنگیؒ نے آپ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرما کر ہندوستان جانے کا اشارہ فرمایا، آپ تعمیل حکم کرتے ہوئے پہلے لاہور تشریف لائے، اور یہاں ایک سال قیام فرمایا، یہاں کے علماء و فضلاء بڑی تعداد میں آپ سے مستفیض ہوئے، پھر آپ دہلی جلوہ افروز ہوئے اور قلعہ فیروز آباد میں قیام فرمایا، جو انتہائی دلکش اور ساحل دریا کے قریب نہایت لطافت و پاکیزگی کا حامل مقام ہے، یہیں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۶۲۴ء) اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ء مطابق ۱۶۴۲ء) جیسی ہستیاں آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئیں۔

جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ مطابق نومبر ۱۶۰۳ء کے اوائل میں آپ پر امراض جسمانی کا غلبہ ہوا، آپ نے لوگوں سے میل جول ترک کر دیا، اجراء فیض کا کام حضرت مجدد الف ثانی کے سپرد فرمایا اور خود وصال محبوب کے ذوق و آرزو میں غرق ہو گئے،---۲۵/ جمادی الثانیہ ۱۰۱۲ھ مطابق ۳۰/ نومبر ۱۶۰۳ء کو اپنے مکان واقع کوٹلہ دہلی میں انتقال فرمایا، اس وقت آپ کی عمر مبارک بلحاظ ہجری اکتالیس (۴۱) سال تھی، دوسرے روز آپ کو مغربی دہلی میں قدم شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں شاہراہ کے متصل آسودۂ خاک کیا گیا، یہ پورا قبرستان اب خواجہ باقی باللہؒ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت خواجہ حسام الدین احمدؒ (م ۱۰۴۳ھ مطابق ۱۶۳۳ء) کی مساعی سے آپ کا نہایت خوبصورت مزار مبارک تیار ہوا، انہوں نے آپ کے مزار مبارک کے گرد ایک باغیچہ لگوایا اور ایک آبشار بنوایا تھا، لیکن حضرت خواجہ کی ==

۱۰-حضرت مولانا خواجگی محمد مقتدیٰ امکنگیؒ (ولادت ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء-وفات ۲۲/ شعبان ۱۰۰۸ھ مطابق ۷/ مارچ ۱۶۰۰ء)(۲۲۴)

==وصیت کے مطابق مرقد شریف پر چھت یا گنبد نہیں بنایا گیا، بلکہ ایک بلند چبوترہ تعمیر کیا گیا، اور جالی کی چاردیواری بنائی گئی، مزار مبارک کے قریب ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس کا فرش سنگ مرمر اور ستون سنگ بصری کے ہیں (برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) ص ۳۱، ۳۲ مؤلفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی ☆ عمدۃ المقامات ص ۹۶ مؤلفہ حاجی محمد افضلؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۹۶ء)

آپ نے صاحبزادگان حضرت خواجہ عبیداللہ عرف خواجہ کلاںؒ (م ۱۰۷۴ھ مطابق ۱۶۶۴ء)، اور حضرت خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خوردؒ (م ۱۰۷۵ھ مطابق ۱۶۶۴ء) اور خلفاء عظام کے علاوہ کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں:

☆تفسیر قرآن مجید (فارسی) ☆ رباعیات (فارسی) ☆ رسالہ طریقت (فارسی) ☆ رسالہ عرفانی (فارسی) وغیرہ، یہ تمام کتابیں مطبوعہ ہیں (تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف مؤلفہ محمد نذیر رانجھا ص ۸۵ تا ۱۱۰، آپ کے مزید واقعات و واردات کے لئے ملاحظہ فرمائیں اسی کتاب میں ص ۱۱۱ تا ۱۶۴ ☆ سرگذشت امثال باقی الموسوم بہ سیرت باقی مؤلفہ جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی نقشبندی مدیر پیشوا دہلی، ناشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی، ۱۹۲۶ء)

(۲۲۴) آپ کا اسم گرامی محمد مقتدیٰ المعروف خواجگی ہے جس کے معنی منسوب بہ خواجہ کے ہیں۔ انہیں خواجہ امکنگی حضرت بھی کہا جاتا ہے۔

بخارا سے تین میل کے فاصلے پر قطب عالم خواجہ درویش محمد کے گھر ''اِمکنہ'' نامی ایک گاؤں میں ۹۱۸ھ بمطابق ۱۵۱۲ء میں پیدا ہوئے، اسی کو بعض اہل تذکرہ نے ''امکنگ'' بھی لکھا ہے، اسی گاؤں کی نسبت سے آپ ''امکنگی'' کہلاتے ہیں (خزینۃ الاصفیاء ص ۱۴۶ تا ۱۴۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردو ایڈیشن ۱۹۹۴ء ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۷۱ تا ۱۷۳ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ (محلہ کوٹلہ بجنور) مطبع احسن المطابع مراد آباد ۱۳۲۲ھ)

قطب عالم خواجہ درویش محمد نے خواب دیکھا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں اور آپ نے اپنی آغوش مبارک میں ایک بچے کو لیا ہوا ہے، یہ دیکھ کر انہیں بے انتہا مسرت ہوئی کہ وہ بچہ ان کا اپنا فرزند محمد مقتدیٰ ہے۔ اسی سرشاری میں ان کی آنکھ کھل گئی۔۔ اس خواب کے بعد والد ماجد کی شفقت آپ پر دو چند ہوگئی، انہوں نے اپنے لخت جگر نور نظر کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

آپ کے والد ماجد اپنے زمانے کے اولیائے کاملین میں سے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت بزرگ خاتون تھیں۔ جب والدین صاحبِ تقویٰ ہوں اور مقربین بارگاہ الٰہی بھی ہوں تو اولاد پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

ظاہری اور باطنی دونوں علوم اپنے والد محترم سے حاصل کئے، سیر و سلوک کی تکمیل کے بعد خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، والد ماجد کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے، اور تیس (۳۰) برس تک مسند مشیخت پر جلوہ افروز رہے۔==

== آپ شریعت وسنت کے متبع اور خواجۂ خواجگان حضرت بہاؤالدین نقشبند کے اصل طریقہ نقشبندیہ کے سخت پابند تھے، اور اس طریقہ میں جونئی باتیں لوگوں نے پیدا کر دی تھیں، مثلاً ذکر بالجہر، اذان و جماعتِ تہجد وغیرہ ان سے پرہیز فرماتے، آپ عزیمت کا نمونہ تھے، آپ کو انتہا درجہ کی تمکین حاصل تھی، آپ کی مجلس میں رقص وسماع کی گنجائش نہ تھی، ایک مرتبہ بعض مخلصین نے درخواست کی کہ کیا حرج ہے اگر آپ کی مبارک مجلس میں مثنوی مولانا روم پڑھی جائے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مشکوۃ شریف کی چند حدیثیں پڑھی جایا کریں، بلاشبہ احادیث کا پڑھا جانا زیادہ بہتر ہے۔

سیدھی سادی زندگی گذارتے تھے، آپ کی کوئی باقاعدہ خانقاہ نہ تھی، بڑھاپے کی وجہ سے ہاتھوں میں رعشہ آگیا تھا لیکن مہمانوں کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرتے، خود کھانا لاتے، علماء وفضلا، امراء وفقراء آپ سے استفادہ واستفاضہ کے لیے حاضر ہوتے، عبداللہ خان والیٔ توران اکثر خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے۔

طبع شریف میں انتہا درجہ کا انکسار تھا، چنانچہ آپ کے بڑھاپے کے زمانہ میں ایک شخص نے عرض کیا کہ حضور مسجد بلندی پر واقع ہے اور آپ کا گھر کافی نیچے ہے، کمزوری کے باعث آنے جانے میں کافی تکلیف ہوتی ہے، اس لیے زیادہ بہتر ہوگا کہ آپ نماز عصر، مغرب وعشاء پڑھ کر ایک ہی بار واپس جایا کریں۔ جواب میں ارشاد فرمایا جیسی نمازیں ہم پڑھتے ہیں ان میں بس مسجد میں آنا جانا ہی تو کام ہے، باقی ہماری نمازوں میں کیا رکھا ہے۔

آپ فرماتے تھے کہ کرامت کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ والوں کے پاس خالصتاً لوجہ اللہ جانا چاہئے، تاکہ ان کے باطن سے حصہ ملے۔

برصغیر پاک وہند کی سرزمین آپ کی احسان مند ہے کہ آپ نے اپنے خلیفۂ اعظم حضرت خواجہ باقی باللہؒ کو یہاں بھیجا تاکہ یہ پیاسی سرزمین بھی نسبت نقشبندیہ کے آب حیات سے فیضیاب ہو جائے، اللہ پاک آپ کو اپنی شایان شان بدلہ نصیب فرمائے آمین۔

وفات سے چند یوم قبل آپ نے اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ کو خط تحریر فرمایا، اور اس میں دو شعر تحریر فرمائے:

زماں تا زماں مرگ ـــــ باد آیدم
ندانم کنوں تاچہ پیش آیدم

جدائی مبادا مرا از خدا
جگر ہرچہ پیش آیدم شایدم

اس خط کے لکھنے کے چند روز کے بعد آپ کی وفات ہوگئی۔۔۔تقریباً نوے (۹۰) سال کی عمر میں ۲۲/ شعبان ۱۰۰۸ھ بمطابق ۷/ مارچ ۱۶۰۰ء میں آپ نے انتقال فرمایا، آپ کا مزار مبارک ''امکنہ'' میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ تاریخ وصال اس طرح منظوم کی گئی ہے:

ہست ''شیخ زماں'' وصال او ==

۱۱- حضرت مولانا درویش محمدؒ (ولادت ۶ / شوال المکرم ۸۴۶ھ مطابق ۱۵ / فروری ۱۴۴۳ء- وفات ۱۹ / محرم الحرام ۹۷۰ھ مطابق ۷ ۲ / ستمبر ۱۵۶۲ء) (۲۲۵)

== ہم بخواں ''خواجۂ یقین اکبرؒ''

اسی دور میں ہندوستان میں اکبر بادشاہ (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کی مضبوط حکومت قائم تھی۔

(مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ ص ۱۶ مؤلفہ حضرت مولانا احمد حسن منورویؒ طبع دوم شائع شدہ منوروا شریف، ضلع سمستی پور، ☆ خزینۂ معرفت ص ۸۵ مرتبہ محمد ابراہیم قصوری، ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۷ ناشر مشتاق بک کارنر لاہور۔ ☆ تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۷۲ تا ۳۷۴ مولفہ محمد صادق قصوریؒ ناشر دربار عالیہ مرشد آباد پشاور ۲۰۰۷ء ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۲۹ تا ۳۳۲ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۲۲۵) آپ کی ولادت ۶ / شوال المکرم ۸۴۶ھ مطابق ۱۵ / فروری ۱۴۴۳ء کو ہوئی، بڑے عالم، عارف اور درویش تھے، بیعت سے قبل پندرہ سال تک بے آب ودانہ زہدوریاضت میں گذارے، ایک دن بھوک سے سخت پریشان ہوکر آسمان کی جانب سر اٹھایا، اسی وقت حضرت خضر علیہ السلام نمودار ہوئے، اور فرمایا کہ اگر تم کو صبر وقناعت مطلوب ہے تو اپنے ماموں جان حضرت مولانا محمد زاہد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو، آپ نے تعمیل حکم کی اور حاضر خدمت ہوکر بیعت کی اور پھر خلافت سے سرفراز ہوئے اور ماموں کے وصال کے بعد آپ کے جانشیں ہوئے۔

صاحب مقام ہونے کے باوجود اپنے احوال کا اخفا فرماتے تھے، بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے تھے، اسی لئے شروع میں لوگ آپ کو محض ایک ملا سمجھتے تھے، اتفاق سے ایک ترک درویش کا گذر آپ کے شہر سے ہوا، اس نے کہا کہ ایک مرد خدا کی بو آتی ہے، اور آپ کی طرف اشارہ فرمایا۔

آپ کے صاحبزادہ حضرت خواجگی امکنگیؒ کا بیان ہے کہ ایک دن کسی درویش نے والد صاحب سے حضرت نورالدین خوافیؒ کے مقام ومرتبہ کا ذکر کیا، والد صاحب کو ان سے ملنے کا اشتیاق ہوا، حسن اتفاق حضرت خوافیؒ ایک دن اسی علاقہ میں تشریف لے آئے، آپ نے جیسے ہی سنا، اسی حالت میں حاضر خدمت ہوئے، میں بھی آپ کے ہمراہ تھا، معانقہ کے بعد تھوڑی دیر مراقبہ ہوا اور پھر والد صاحب واپس تشریف لے آئے، واپسی کے بعد حضرت خوافیؒ نے فرمایا کہ یہ درویش کامل ہیں، یہاں کے لوگ اندھے ہیں جو آپ سے فیضیاب نہیں ہوتے، اس کے بعد ہی آپ کی شہرت ہوئی، اور رجوع عام شروع ہوگیا۔

بڑے صاحب کرامات تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے عہد میں ایک بڑے بزرگ شیخ حسین خوارزمی کردیؒ تھے جن سے مشائخ اور صوفیاء بھی خائف رہتے تھے، اس لئے کہ وہ جس مقام سے گذرتے وہاں کے ولیوں کی ولایت سلب کرلیتے تھے، مولانا درویش محمدؒ کو معلوم ہوا تو آپ نے اپنی نظر باطن سے خود شیخ ہی کی نسبت سلب کرلی اور پھر شیخ کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں شیخ سے ملاقات ہوئی، شیخ نے انتہائی تواضع وانکسار کے ساتھ آپ سے معذرت کی، مولانا نے ان کی نسبت مسلوبہ واپس کردی اور شیخ اس علاقہ کو چھوڑ کر اپنے وطن واپس لوٹ گئے۔==

۱۲حضرت مولانا خواجہ محمد زاہد وخشیؒ (ولادت ۱۴ /شوال المکرم ۸۵۲ھ مطابق ۱۹ / دسمبر ۱۴۴۸ءوفات رحلت یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ مطابق ۱۳ /نومبر ۱۵۲۹ء)(۲۲۶)

== آپ کی وفات حسرت آیات ایک سوانیس (۱۱۹) سال کی عمر میں بروز جمعرات ۱۹ /محرم الحرام ۹۷۰ھ مطابق ۲۷ /ستمبر ۱۵۶۲ءکوہوئی ،مزارمبارک ماوراء النہر میں شہرسبز''اسفرار'' کے مقام پر ہے، تاریخ وفات ''مست عشق'' اور'' شیخ اولیاء بود'' (۹۷۰ھ) سے نکلتی ہے) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۶۹، ۳۷۰☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ص ۲۱۱ تا ۲۱۳☆خزینۃ الاصفیاء ص ۱۴۵ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)،ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی ،ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ،اردوایڈیشن ۱۹۹۴ء)

(۲۲۶) حضرت خواجہ احرارؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، یہی وہ دور ہے جب ظہیر الدین بابر نے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی ،بابر کے دادا سلطان ابوسعید مرزا پر حضرت ایشاںؒ کی نظرعنایت رہی تھی، چنانچہ شاہان مغلیہ نے ہمیشہ مشائخ نقشبندیہ کا احترام قائم رکھا،اس دور کا دوسرا اہم ترین واقعہ ایران میں صفوی حکومت کا قیام تھا،جس کی بنیاد شاہ اسمٰعیل (م ۱۵۲۴ء) نے رکھی ،صفوی حکمراں مذہباً شیعہ تھے،اور جنوبی ایشیا کے سنی مغل بادشاہوں کے حریف تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت قصبۂ ''وخش'' نزدحصار علاقہ بخارا میں ۱۴ /شوال المکرم ۸۵۲ھ مطابق ۱۹ /دسمبر ۱۴۴۸ءکو ہوئی۔

آپ بقول شیخ شرف الدین محمد کشمیریؒ (صاحب روضۃ السلام) حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کے نواسہ ہیں، ذکر کی تلقین حضرت چرخیؒ کے کسی خلیفہ سے حاصل کی ،جب حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی شہرت سنی تو آپ حصار سے سمرقند کی طرف روانہ ہوئے اور سمرقند کے محلہ وائسرائے میں اترے، وہاں سے حضرت احرارؒ کا مکان تین کوس پر تھا، حضرت کو بذریعۂ کشف معلوم ہوگیا کہ مولانا زاہدؒ ملنے کے لئے آرہے ہیں، وہ عین دوپہر کے وقت مریدین کی ایک جماعت کے ساتھ سواری سے استقبال کے لئے نکلے، کسی کو معلوم نہ تھا کہ حضرت کہاں تشریف لے جارہے ہیں؟ آپ نے اونٹ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا، مولانا کی قیامگاہ پر پہونچ کر اونٹ خود رک گیا، مولانا کو حضرت خواجہؒ کی تشریف آوری کی خبر ہوئی تو بے اختیار دوڑے ہوئے باہر نکلے، حضرت کی قدم بوسی حاصل کی ،اور خلوت میں اپنے تمام حالات و واردات پیش کئے ،اور بیعت کی خواہش ظاہر کی ،حضرت خواجہؒ نے اسی مجلس میں بیعت فرما کر تکمیل تک پہونچادیا، اور خلافت عطا کر کے وہیں سے رخصت کر دیا، بعض پرانے متوسلین کو یہ بات عجیب لگی تو حضرت نے فرمایا کہ:

> ''مولانا زاہد چراغ اور تیل بتی تیار کر کے ہمارے پاس آئے تھے، ہم نے صرف روشن کر کے رخصت کردیا''

آپ خواجہ احرارؒ کے خلیفۂ اعظم ہوئے ،آپ کی رحلت یکم ربیع الاول ۹۳۶ھ مطابق ۱۳ /نومبر ۱۵۲۹ءکو ''وخش'' (مضافات حصار بمطابق حضرات القدس ،جبکہ معجم البلدان میں اسے نواح بلخ میں ختل سے متصل دریائے جیحوں کے کنارے آباد ایک گاؤں لکھا گیا ہے) میں ہوئی ،اور وہیں مزار اقدس مرجع خاص و عام ہے۔

تاریخ وفات (۹۳۶ھ) درج ذیل مادوں سے نکلتی ہے:==

۱۳۔حضرت خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرارؒ (ولادت رمضان المبارک ۸۰۶ھ مطابق مارچ ۱۴۰۴ءوفات ۲۹/ ربیع الاول ۸۹۵ھ مطابق ۱/ مارچ ۱۴۹۰ء)(۲۲۷)

==''سعادت نشان''۔''فیض الٰہی''۔''فیض ولی''۔''پیر خواجہ محمد زاہد''(تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۶۷،۳۶۶ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی ص ۲۰۹ تا ۲۱۰ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۲۳، ۳۲۴ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی)

(۲۲۷) زد بہ جہاں نوبت شاہنشہی
کوکبہ فقر عبید اللّٰہی

آنکہ زحریت فقر آگہ است
خواجہ احرار عبیداللہ است

سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجۂ بزرگ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے شہرت پائی،سلسلہ میں آپ کو''حضرت ایشاں'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے،آپ کا اسم گرامی''عبیداللہ''اور لقب''ناصرالدین''ہے،''احرار'' بھی آپ کا ایک لقب ہے،جو اصل میں''خواجۂ احرار''ہے۔اہل طریقت کی اصطلاح میں حر(جمع احرار)اسے کہتے ہیں،جو حق تعالیٰ کی عبودیت میں کمال اور غیر اللہ کی غلامی سے مکمل آزادی حاصل کرے۔

برصغیر میں اس وقت آپ کے معاصر حضرت محمد غوث گیلانیؒ (م ۱۵۱۷ء) تھے،جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی دسویں پشت سے تھے،انہوں نے سلسلۂ قادریہ کو جنوبی ایشیا میں متعارف کرایا۔اور سیاسی طور پر یہاں سید خاندان اور لودھی خاندان کی حکمرانی کا دور تھا،جس میں سلطنت دہلی کی مرکزیت کا خاتمہ ہو چکا تھا،عالم اسلام کے مغربی حصہ میں البتہ عثمانی ترکوں کی یورپ میں پیش قدمی جاری تھی،اور سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے بزنطینی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا،اور سلطان سلیم نے بعد میں مصر پر قبضہ کر کے نام نہاد عباسی خلافت ختم کی،اور یہ خلافت سلاطین ترکی کی طرف منتقل ہو گئی،اندلس میں مسلمان زوال کی انتہا کو پہونچ چکے تھے،اور یورپ کے عیسائی حکمرانوں نے ۱۴۹۲ء میں غرناطہ پر قبضہ کر کے اندلس میں مسلم اقتدار کی آخری علامت بھی ختم کر دی،اور انتہائی بربریت سے کام لیتے ہوئے مسلم تہذیب وتمدن کے نشانات مٹا دیئے۔

ولادت باسعادت رمضان المبارک ۸۰۶ھ مطابق مارچ ۱۴۰۴ء میں تاشقند کے مضافاتی قصبہ''یاغستان'' میں ہوئی،---مادۂ تاریخ ولادت''تاج عارفاں''(۸۰۶ھ)ہے،والد گرامی کا اسم مبارک''محمود بن شہاب الدین شاشی(تاشقند کا پرانا نام شاش تھا)ہے،آپ حضرت خواجہ محمد باقی بغدادیؒ کی اولاد میں سے ہیں،پیدائشی ولی تھے، والدہ ماجدہ شیخ عمر یاغستانیؒ کی اولاد سے تھیں،اور حضرت خواجہ محمود شاشیؒ کی دختر نیک اختر تھیں،کہتے ہیں کہ آپ نے مدت نفاس میں والدہ کا دودھ نہیں پیا،نفاس اور طہارت کے بعد دودھ پینا شروع کیا۔

بچپن ہی سے آثار رشد وہدایت اور انوار قبول وعنایت آپ کی پیشانی میں نمایاں تھے،آپ کے جدامجد قطب زماں خواجہ شہاب الدین کا جب وقت اخیر ہوا تو تمام پوتوں کو الوداع کہنے کے لئے بلایا،خواجۂ احرار بہت چھوٹے تھے،==

== لیکن جب وہ تشریف لائے تو آپ نے کھڑے ہوکر شفقت وعنایت کے ساتھ فرمایا کہ:

''میرے اس فرزند کے بارے میں مجھے بشارت نبوی ملی ہے کہ یہ پیر عالمگیر ہوگا اور شریعت وطریقت کو اس سے رونق حاصل ہوگی''۔

لڑکپن ہی سے مزارات مشائخ پر حاضری کا ذوق تھا، آپ کے ماموں خواجہ محمد ابراہیمؒ کو آپ کی تعلیم کی بڑی فکر تھی، آپ کو سمرقند کے اہل علم کے پاس بٹھایا، لیکن ذوق باطنی علم ظاہر کے ذوق پر غالب رہا، خواجہ صاحب بظاہر علم ظاہر تو حاصل نہ کر سکے، لیکن خواجہ فضل اللہ للیثی (جو سمرقند کے اکابر علماء میں تھے) کے بقول تفسیر بیضاوی کے کسی مقام پر وہ کوئی شبہ پیش کرتے تھے، تو بڑا سے بڑا عالم اس کو حل کرنے سے عاجز ہوجاتا تھا--- انہوں نے ۲۲/ بائیس سال کی عمر سے انتیس (۲۹) سال کی عمر تک مسلسل اسفار کئے، اور بہت سے مشائخ اور اہل اللہ کے آستانوں پر حاضری دی، سمرقند میں اکثر مولانا نظام الدین خلیفہ حضرت علاء الدین عطارؒ کی صحبت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت عطارؒ نے پیشین گوئی کی تھی کہ:

''ایک وقت آئے گا کہ دنیا کے سلاطین اس جوان کے دربار کے غلام ہونگے''

سمرقند ہی میں حضرت سید قاسم تبریزیؒ، بخارا کے راستے میں شیخ سراج الدین کلال پرمسیؒ (پرمس قصبہ وابکنی کے نواحی دیہات میں سے ہے، جو بخارا سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے) خلیفہ حضرت خواجہ نقشبندؒ، بخارا میں مولانا حسام الدین شاشیؒ خلیفہ اول حضرت سید امیر حمزہؒ بن سید امیر کلالؒ، اور خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ خلیفہ حضرت خواجہ نقشبندؒ جیسے بڑے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کیا،--- ہرات میں چار (۴) سال قیام کیا، یہاں شیخ بہاء الدین عمرؒ اور کبھی کبھی شیخ زین الدین خوافیؒ کی خدمت میں حاضری دیتے رہے، ہرات ہی میں ایک سوداگر کے ذریعہ حضرت خواجہ یعقوب چرخیؒ کے فضائل سے آگاہ ہوئے، اور آپ کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے بلخ کے راستے سے حصار کی طرف متوجہ ہوئے، بلخ میں مولانا حسام الدین پارساؒ خلیفہ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہاں سے چغانیاں میں حضرت خواجہ علاء الدین عطار کے مزار اقدس پر حاضری دیتے ہوئے حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور درمیان میں کئی موانع اور آزمائشوں سے گذرتے ہوئے آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور پہلی مجلس ہی میں حضرت چرخیؒ نے آپ کو اجازت بیعت مرحمت فرمادی اور ارشاد فرمایا:

''جو کچھ ہم کو خواجہ نقشبند سے پہونچا ہے یہی ہے، اگر تم بطریق جذبہ طالبوں کی تربیت کرو تو تمہیں اختیار ہے''

پرانے اصحاب نے اس پر اعتراض کیا تو حضرت چرخیؒ نے جواب دیا کہ:

''جو طالب کسی بزرگ کی صحبت میں آنا چاہے، تو اسے خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی طرح آنا چاہئے، کہ چراغ، تیل اور بتی سب تیار ہیں، صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہے، وہاں سے انتیس (۲۹) سال کی عمر میں آپ وطن مالوف واپس تشریف لائے۔

تاشقند میں ایک شخص کی شراکت سے آپ نے زراعت کا کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی زراعت میں ایسی برکت دی کہ بے شمار اسباب واملاک، اراضی اور جانور آپ کے پاس جمع ہوگئے، آپ کا شمار ملک کے رؤساء میں ہونے ==

۱۴-حضرت مولانا یعقوب بن عثمان چرخیؒ (ولادت ۷۶۲ھ م ۱۳۶۰ء - وفات ۱۵/صفر المظفر ۸۵۱ھ مطابق ۱۱/مئی ۱۴۴۷ء)(۲۲۸)

==لگا، لیکن یہ دولت اور اسباب دنیا آپ کی ذات کے لئے نہ تھے بلکہ خلق خدا کے لئے تھے، آپ بڑے صاحب کرامات تھے، کتب سوانح میں آپ کی کرامت کے بہت سے واقعات منقول ہیں، آپ سے عام درویشوں کے علاوہ سلاطین اور امراء وقت کو بھی فیض پہونچا، انتقال پر ملال ۲۹/ربیع الاول ۸۹۵ھ مطابق ۱/مارچ ۱۴۹۰ء کو ہوا، انتقال کے وقت آپ کی دونوں ابروؤں کے درمیان سے نور کی لکیریں نکل رہی تھیں، محلہ خواجہ کفشیر محوطہ ملایاں سمرقند میں مدفون ہوئے۔

آپ کے خلیفۂ نامدار حضرت شیخ عبدالرحمن جامیؒ نے یہ تاریخ وصال لکھی۔

بہشت وصد ونو دو پنج در شب شنبہ
کہ بود سلخ مہ فوت احمد مرسل

کشید خواجۂ دنیا و دیں عبید اللہ
شراب صافی عیش ابد ز جام اجل

حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کی بدولت قبائل میں اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی، خاص طور پر ازبک قبائل نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا، دوسری طرف سلسلۂ نقشبندیہ آپ کے خلفاء کے ذریعہ تین شاخوں کی صورت میں مختلف اطراف میں پھیلا، ایک شاخ تو وسط ایشیا کے قدیم سرچشمہ پر مشتمل تھی، اس میں سمرقند، مرو، خیوا، تاشقند، بخارا، ہرات کے شہر اہم روحانی مراکز تھے، دوسری شاخ حضرت کے خلیفہ شیخ عارف باللہ عبداللہ ساوؒ (م ۱۴۹۰ء) اور شیخ سعید احمد بخاری تکیاسیؒ کے ذریعہ مغرب میں اناطولیہ اور ترکی میں پھیلی، اس شاخ کے اثرات کوہ قاف کے علاقہ داغستان وغیرہ میں پھیلے، اور اس نے امام شاملؒ جیسے مجاہد پیدا کئے، تیسری شاخ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ذریعے برصغیر پاک وہند میں پھیلی۔ (تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۴۹ ۳۶۵ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی ص ۱۹۰ تا ۲۰۸ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۰۱ تا ۳۲۰ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی)

(۲۲۸) آپ کی ولادت غزنی (افغانستان) کے علاقہ میں ''چرخ'' کے مقام پر ۷۶۲ھ مطابق ۱۳۶۰ء میں ہوئی، پورا نام ونسب یہ ہے: خواجہ یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد بن محمود الغزنوی ثم الچرخوی ثم السہر زی المعروف یعقوب چرخی۔ آپ کے والد ماجد اکابر علماء اور اولیاء اللہ میں تھے، ان کی ریاضت کا حال یہ تھا کہ ایک روز پڑوسی کے گھر سے پانی لائے، پانی چونکہ یتیم کے پیالے میں تھا اس لئے نہیں پیا، آپ نے یہ رباعی اپنے والد بزرگوار سے پڑھی تھی:

جز فضل تو راہ کے نماید مارا
جز جود تو بندگی کہ شاید مارا
گر چلۂ ہر دو کون طاعت داریم==

== بے لطف تو کار بر نیاید مارا

آپ نے جامعہ ہرات اور دیار مصر میں تعلیم پائی، حضرت مولانا شہاب الدین سیرامیؒ (جو اپنے زمانے کے مشہور عالم دین تھے) سے تلمذ حاصل کیا اور فتویٰ کی اجازت علماء بخارا سے حاصل ہوئی، حضرت شیخ زین الدین خوافیؒ (متوفی ۸۳۳ھ یا ۸۳۴ھ ۸۳۸ھ) آپ کے ہم درس تھے۔

آپ کو زمانۂ تعلیم ہی سے حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے عقیدت تھی، تعلیم سے فراغت کے بعد وطن واپسی سے قبل حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توجہ کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا: حالت سفر میں توجہ؟ آپ نے عرض کیا کہ میں قیام کرنا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا کیوں؟ عرض کیا کہ آپ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں، حضرت نے پوچھا: دلیل؟ یہ شیطانی خیال بھی تو ہوسکتا ہے؟ آپ نے بڑے ادب وانکسار کے ساتھ عرض کیا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

اللہ جب کسی بندہ کو اپنا دوست بناتے ہیں تو اس کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں" **عن أبي هريرة: عن النبي صلى الله عليه وسلم قال (إذا أحب الله العبد نادى جبريل إن الله يحب فلانا فأحببه فيحبه جبريل فينادي جبريل في أهل السماء إن الله يحب فلانا فأحبوه فيحبه أهل السماء ثم يوضع له القبول في الأرض)**

(الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۱۷۵ حديث نمبر: ۳۰۳۷ المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا)

حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ "ما عزیزانیم" یہ جملہ سن کر آپ کی حالت متغیر ہوگئی، آپ نے بہت قبل ایک خواب دیکھا تھا یہ جملہ اسی کی طرف غماز تھا، آپ وہ خواب بھول چکے تھے لیکن حضرت کا یہ جملہ سن کر وہ یاد آ گیا

حضرت نے آپ کو اپنی کلاہ عنایت کی اور فرمایا کہ اس سے تمہارے خاندان میں برکت ہوگی اور رخصت کے وقت ارشاد فرمایا کہ: اس سفر میں مولانا تاج الدین دشتی کولکیؒ سے ضرور ملنا وہ اللہ کے ولی ہیں، ۔۔۔ چنانچہ واپسی پر حسب ارشاد کولک پہونچ کر حضرت تاج الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کی صحبت میں پہونچ کر حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی عقیدت دوچند ہوگئی، اور آپ نے عزم مصمم کر لیا کہ دوبارہ بخارا جا کر حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہوجائیں---اسی اثنا بخارا میں ایک مجذوب سے آپ کی ملاقات ہوئی جن کے آپ بہت عقیدت مند تھے، ان سے آپ نے حضرت سے بیعت ہونے کے تعلق سے دریافت کیا: تو انہوں نے فرمایا کہ جلدی جاؤ اور بیعت ہوجاؤ --- پھر کچھ اور بھی غیبی اشارے ہوئے، جن سے آپ کی عقیدت پختہ سے پختہ تر ہوتی چلی گئی، شام کے وقت آپ اپنے مسکن فتح آباد میں حضرت شیخ سیف الدین الباخرزی (متوفی ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۶۰ء) کے مزار پر متوجہ تھے کہ ==

== کہ صاحب قبر کی جانب سے اس ارادہ کی قبولیت کی نوید ملی۔

چنانچہ آپ سیدھے بخارا کی جانب روانہ ہوئے حضرت کی قیامگاہ ''قصر عارفاں'' (حضرت کی ولادت سے قبل اس مقام کا نام ''کوشک ہندواں'' تھا) حاضر ہوئے تو حضرت سرراہ آپ کے منتظر موجود تھے، حضرت خواجہؒ بہت ہی لطف ومہربانی کے ساتھ پیش آئے، آپ نے غلامی میں قبول کر لینے کی درخواست پیش کی، حضرت نے فرمایا کہ:

''علم دو ہیں: علم باطن، اور یہی نفع بخش ہے، یہ نبیوں اور رسولوں کا علم ہے، دوسرا علم ظاہر، یہ انسانوں پر حجت بنتا ہے، امید ہے کہ اللہ پاک تمہیں علم باطن سے حصہ عنایت فرمائے گا''

پھر آپ نے اشارۂ ربانی کے تحت ان کو قبول فرمایا اور''وقوف عددی''کی تعلیم دی اور ارشاد فرمایا:

''یہ علم لدنی کا پہلا سبق ہے، جو حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کو پڑھایا تھا، اور فرمایا کہ حتی المقدور عدد طاق کی رعایت رکھنا''

شرف بیعت حاصل کرنے کے بعد ایک عرصہ تک حضرت خواجہ نقشبندؒ کی خدمت میں رہے، اور اس دوران حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ سے تکمیل تعلیم وتربیت بھی کرتے رہے، پھر حضرت خواجہؒ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، اور فرمایا کہ جاؤ! تم کو اللہ کے سپرد کیا، اور ساتھ ہی حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کی پیروی کا بھی اشارہ دیا۔

آپ بخارا سے شہر کش (اصفہان یا ماوراء النہر کا گاؤں) تشریف لائے، کچھ دنوں یہاں قیام کیا تھا کہ حضرت نقشبند کے وصال کی خبر ملی، جس سے بے حد ملال ہوا-- کش میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ بدخشاں چلے گئے، بدخشاں میں چغانیاں سے حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کا مکتوب گرامی ملا جس میں حضرت نقشبندؒ کے اشارۂ متابعت کو یاد دلایا گیا تھا، آپ وہاں سے فوراً چغانیاں حاضر ہوئے اور حضرت عطارؒ کی صحبت اختیار کی، چند برس آپ کی صحبت میں رہے یہاں تک کہ ۸۰۲ھ مطابق ۱۴۰۰ء میں حضرت عطارؒ نے رحلت فرمائی، اس کے بعد آپ چغانیاں سے حصار واپس آ گئے، اور حضرت خواجہ نقشبندؒ کے حکم کے مطابق سلسلۂ رشد وہدایت شروع فرمایا، بے پناہ قبولیت حاصل ہوئی، اور کرامات کا بھی ظہور ہوا۔

اس تفصیل کے مطابق آپ اصلاً حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کے مرید وخلیفہ ہیں، لیکن چونکہ حضرت عطارؒ کی صحبت سے بھی کافی استفادہ کیا ہے اور ان کی حین حیات اپنا سلسلہ شروع نہیں فرمایا اس لئے آپ کو حضرت عطارؒ کے حلقے میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۵/صفر المظفر ۸۵۱ھ مطابق ۱۱/مئی ۱۴۴۷ء کو ہوئی، مزار مبارک ''ہلفتو'' (یا تلفنون، نزد حصار) میں مرجع خاص وعام ہے، روسی حکومت نے بعد میں اس گاؤں کا نام ''گلستان'' رکھ دیا تھا۔

مادۂ تاریخ وفات ہے: ''شمس الہدایت'' ''ابر رحمت'' (۸۵۱ھ) ==

== آپ نے کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں:

☆تفسیر یعقوب چرخی: اس میں تعوذ وتسمیہ اور فاتحہ کے علاوہ آخری دو پاروں کی تفسیر ہے، ۸۵۱ھ میں مکمل ہوئی، کئی بار چھپ چکی ہے، ۱۳۰۸ھ میں لکھنؤ سے چھپی، ۱۳۳۱ھ میں مطبع اسلامی اسٹیم پریس لاہور سے بھی شائع ہوئی۔

☆رسالۂ نائیہ: یہ مثنوی مولانا روم کے دیباچہ کی شرح ہے، رسالہ نائیہ جامی کے ہمراہ (ص ۹۵ تا ۱۵۸) انجمن تاریخ افغانستان کابل سے ۱۳۳۶ھ میں خلیل اللہ خلیلی کے حواشی کے ساتھ شائع ہوا۔

☆رسالہ انسیہ: یہ رسالہ چند فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، اس میں دوام وضو، ذکر خفی، نماز نفل اور خواجہ نقشبندؒ اور حضرت عطارؒ کے کچھ افادات کا تذکرہ ہے۔

جناب اعجاز احمد بدایونیؒ کی تصحیح کے ساتھ ''مجموعۂ ستہ ضروریہ'' (مجموعۂ رسائل حضرات نقشبندیہ) میں (ص ۱۵ تا ۳۷) ۱۳۱۲ھ مطابق ۱۸۹۴ء میں یہ چھپ چکا ہے، ۱۹۸۱ء میں جناب اقبال فاروقی مالک مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور نے رسائل نقشبندیہ کا اردو ترجمہ شائع کیا، جس میں رسالہ انسیہ ص ۸۵ تا ۱۲۶ شامل کیا گیا، ۱۹۸۳ء میں یہ رسالہ جناب محمد نذیر رانجھا صاحب کی تصحیح وترجمہ اور مقدمہ کے ساتھ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد سے مکتبہ دائرۂ ادبیات ڈیرہ اسماعیل خان کے اشتراک کے ساتھ شائع ہوا۔

☆شرح رباعی ابوسعید ابی الخیر: کتاب خانہ گنج بخش مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد کے مجموعہ ۱۴/ رسائل خطی میں اس کا ایک قلمی نسخہ (ص ۱۵۴ تا ۱۶۱) موجود ہے، ان کا نمبر ۴۸۴۴ ہے، کاتب نے آخر میں اس کا نام ''جمالیہ'' لکھا ہے، اس مجموعہ کے گیارہویں رسالے کے آخر میں تاریخ کتابت ۱۱۰۰ء درج ہے۔

☆ابدالیہ: اس کا موضوع ''اثبات وجود اولیاء اور ان کے مراتب'' ہے، یہ رسالہ جناب محمد نذیر رانجھا کے ترجمہ کے ساتھ اپریل ۱۹۷۸ء میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور کی جانب سے شائع ہو چکا ہے، اور اس کا فارسی متن انہی کی تصحیح کے ساتھ مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد نے جون ۱۹۷۸ء میں شائع کیا ہے۔

☆شرح اسماء اللہ: اس کے دیباچہ میں آپ نے لکھا ہے کہ اس سے پہلے علماء طریقت نے عربی وفارسی میں اسماء اللہ کی متعدد شرحیں لکھی ہیں، میں نے ان کے فوائد فارسی میں جمع کئے ہیں، تاکہ عام وخاص کو اس سے فائدہ پہونچے

☆قرآن شریف کا تاجک زبان میں ترجمہ: تاجک زبان میں قرآن شریف کا ترجمہ قریب چھ سو (۶۰۰) سال قبل خواجہ یعقوب چرخیؒ نے کیا تھا۔

☆رسالہ دربارۂ اصحاب وعلامات قیامت: بخط نستعلیق ۱۳ ویں ہجری، کاتب محمد املا آدینہ خواجہ الیستر خانی سرائے، بروز چہارشنبہ صفر، آغاز ناقص (مجموعہ مخطوطات، نمبر ۵۴۸۷ بنیاد خاورشناسی تاشقند، نسخہ ہائی خطی (ج ۹ ص ۱۷۸) زیر نظر محمد تقی دانش پژدہ، تہران ۱۳۵۸ ء) (بحوالہ: تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۴۸۳۴۵ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی ص ۱۸۵ تا ۱۸۹ ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۸۹-۹۰ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردو ایڈیشن ۱۹۹۴ء)

۱۵-حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ (وفات ۱۸ / رجب المرجب ۸۰۲ھ مطابق ۲۴ / مارچ ۱۴۰۰ء)(۲۲۹)

(۲۲۹) بیعت کے لحاظ سے حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ کے سلسلے میں نہیں آتے لیکن پیر صحبت نیز نسبت علائیہ کے لحاظ سے سلسلے میں داخل ہیں، اسی لئے آپ کا تذکرہ تمام مرتبین شجرہ نے کیا ہے، اور انہی کی تقلید و اتباع میں یہاں آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

آپ حضرت خواجۂ خواجگان سید بہاء الدین نقشبند بخاریؒ کے خلیفۂ اول اور نائب مطلق تھے، ولادت بخارا یا ما وراء النہر کے علاقے میں واقع ایک قصبہ ''چغانیاں'' میں ہوئی، اسم گرامی محمد بن محمد بخاری تھا، والد ماجد نے وفات پائی تو سارا ترکہ اپنے دیگر ورثہ کے لئے چھوڑ دیا ، اور حالت تجرید (بے سروسامانی) میں بخارا کے ایک مدرسہ میں داخل ہوئے ،بچپن سے طبیعت فقر کی طرف مائل تھی، ایک دن حضرت خواجہ نقشبندؒ قصر عارفاں سے اس مدرسہ میں تشریف لائے، آپ ایک حجرہ میں پھٹے ہوئے بوریا پر ایک اینٹ سرہانہ کی طرف رکھ کر مطالعہ میں مصروف تھے، حضرت خواجہؒ کی نورانی صورت پر نظر پڑی تو احترام میں کھڑے ہو گئے، حضرت خواجہ نے آپ کی پیشانی کے نور ولایت کا مشاہدہ فرمایا اور عہد طالب علمی ہی میں اپنی صاحبزادی سے ان کا نکاح کر دیا۔

طریقت کا ذوق غالب ہوا تو تعلیم ظاہر ترک کر کے حضرت خواجہؒ کے آستانے پر آ پڑے، حضرت خواجہؒ نے شرف بیعت سے مشرف فرمایا اور آپ کی توجہات خاصہ سے بہت جلد مرتبۂ کمال کو پہونچ گئے، حضرت خواجہؒ نے اپنی زندگی ہی میں بہت سے طالبوں کی تربیت آپ کے حوالے کر دی اور فرمایا کہ علاء الدین نے ہمارا بوجھ ہلکا کر دیا ہے۔

قدوۃ المحققین حضرت سید شریف جرجانیؒ فرماتے تھے کہ جب تک میں شیخ زین الدین کی صحبت میں نہیں پہونچا تھا، رفض سے نجات نہ ملی، اور جب تک خواجہ علاء الدین عطارؒ کی صحبت سے مشرف نہ ہوا مجھے خدا کی معرفت نہ مل سکی۔

حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ گو کہ حضرت نقشبندؒ کے خلیفہ تھے لیکن آپ سے جو سلسلۂ خاص چلا اس کو سلسلۂ علائیہ کہتے ہیں، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوب گرامی (دفتر اول مکتوب نمبر ۲۹۰) میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس طریقہ (نقشبندیہ) کا مبدأ حضرت خواجۂ نقشبند ہیں، اور وہ معیت ذاتیہ کے راستہ سے ابھرتا ہے، اور وہ جذبہ حضرت خواجہؒ سے انکے خلیفۂ اول خواجہ علاء الدین کو پہونچا اور چونکہ آپ اپنے وقت کے قطب ارشاد تھے، اس لئے آپ نے بھی اس قسم کے جذبہ کے حصول کے لئے ایک طریقہ وضع فرمایا اور وہ طریقہ آپ کے خانوادہ کے خلفاء میں طریقۂ علائیہ کے نام سے مشہور ہے، بلا شبہ یہ طریقہ کثیر البرکت ہے، اور اس طریقہ کا تھوڑا حصہ بھی دوسروں کے بہت سے طریقوں سے بھی زیادہ نافع ہے''

ایک اور موقعہ پر لکھتے ہیں:

''حضرت علاء الدین عطار نسبت ولایت وشہادت وصدیقیت کے ساتھ معیت ذاتیہ کی راہ سے غیبت ذات تک ==

۱۶-خواجہ خواجگان خواجہ سید محمد بہاء الدین نقشبندؒ (ولادت ۴/محرم الحرام ۷۰۸ھ یا ۷۱۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۳۰۸ء یا ۱۵/مارچ ۱۳۱۸ء یا ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۷ء، ۱۳۲۸ء وفات ۳/ربیع الاول ۷۹۱ھ مطابق ۹/مارچ ۱۳۸۹ء)(۲۳۰)

== پہونچے ہیں، اور آخری نقطہ تک رسائی حاصل کی، اور اس جگہ بقا پیدا کی ہے، قطب ارشاد تو کیا قطب مدار کا انحصار بھی اسی نقطہ تک رسائی ہے، جب تک اس مقام میں فنا و بقا پیدا نہ کی جائے، ان ہر دو قطبیت تک نہیں پہونچ سکتے، اور خواجہ علاء الدین عطارؒ نے اس مقصد تک پہونچنے کے لئے ایک طریقہ وضع کیا ہے، اور ان کے خلفاء نے اس طریقہ کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے، کہ اقرب طریقہ طریقۂ علائیہ ہے، حقیقت بھی یہی ہے، کہ یہ طریقہ قریب ترین ہے، اولیائے عظام میں سے کم ہی اس راہ سے اعلیٰ ترین مقام تک پہونچے ہیں، چہ جائیکہ وہ اس مقصد کے لئے ایسے طریقے کو وضع کرتے، حضرت محمد پارساؒ، حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ نے حضرت علاء الدینؒ کی صحبت میں اس طریقہ سے اپنا حصہ پایا'' (تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۹۱ عبدالرسول للہی)

حضرت خواجۂ نقشبندؒ کی رحلت کے بعد آپ کے جملہ اصحاب نے آپ سے استفادہ کیا، یہاں تک کہ حضرت خواجہ محمد پارساؒ (م ۸۲۲ھ مدینہ منورہ) نے بھی آپ سے بیعت کی حالانکہ ان کے بارے میں حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا کہ:

''جو مجھے دیکھنا چاہے وہ محمد پارساؒ کو دیکھ لے''

حضرت محمد پارساؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ اپنی وفات سے سات (۷) سال پہلے اوائل شعبان ۷۹۵ھ مطابق جون ۱۳۹۳ء میں چغانیاں سے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے مزار مبارک (بخارا) کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اور اٹھارہ (۱۸) روز کے بعد بخارا پہونچے، عید کی رات آپ بخارا ہی میں تھے کہ ایک درویش نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجۂ نقشبندؒ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے خوش و خرم باہر نکلے، اور فرمایا کہ مجھے یہ کرامت عطا کی گئی ہے کہ جو شخص میری قبر کے گرد چاروں طرف سوسو (۱۰۰) فرسنگ (فرسنگ کو عربی میں فرسخ کہتے ہیں، ایک فرسخ تین (۳) میل شرعی کے برابر ہوتا ہے، یعنی قریب ساڑھے پانچ کلومیٹر) کے اندر دفن ہوگا، میں باذن الٰہی اس کی شفاعت کروں گا، اور علاء الدین عطارؒ کو ان کی قبر سے ہر طرف چالیس (۴۰) فرسنگ تک شفاعت کا مرتبہ عطا ہوا ہے، اور میرے متوسلین و متبعین کو ان کی قبروں سے ایک ایک فرسنگ تک شفاعت کرنے کا مرتبہ ملا ہے۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ کی وفات حسرت آیات ۱۸/رجب المرجب ۸۰۲ھ مطابق ۲۴/مارچ ۱۴۰۰ء شب بدھ بعد نماز عشاء ہوئی، اور مدفن مبارک قصبہ چغانیاں (علاقہ بخارا اور بقول بعض ''علاقہ ماوراء النہر'') میں ہے (تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۳۵، ۳۴۰☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی ص ۱۷۸ تا ۱۸۴)

(۲۳۰) نقشبند کے لفظی معنیٰ مصور کے ہیں، اس لقب سے مراد یہ ہے ''علم الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا'' یا ''اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا''۔ یہی دور حضرت سید علی ہمدانیؒ (م ۱۳۸۵ء) مبلغ اسلام کشمیر، اور حضرت مخدوم جہانیاں ==

==جہاں گشت سہروردیؒ (م ۱۳۸٦ء) مبلغ اسلام سندھ و پنجاب کا ہے۔ سیاسی میدان میں عین اسی وقت مشہور فاتح اسلام امیر تیمور ایشیا کی حکومتوں کو تہ و بالا کر رہا تھا، اور ترکان عثمانی علم اسلامی اٹھائے یورپ میں پیش قدمی کر رہے تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۴/ محرم الحرام ۷۱۸ھ (۱۵/ مارچ ۱۳۱۸ء) کو قصر عارفاں میں ہوئی، جو شہر بخارا سے ایک فرسنگ (تین میل شرعی: قریب ساڑھے پانچ کلومیٹر) کے فاصلے پر واقع ہے (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۳۵ مصنفہ علامہ محمد نور بخش توکلیؒ)، لیکن تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۹۵ (مؤلفہ: محمد صادق قصوری) میں تاریخ ولادت ۷۲۸ھ مطابق ۱۳۲۷ء، ۱۳۲۸ء دی گئی ہے، لیکن اس میں دن تاریخ کی صراحت نہیں ہے اس لئے اول الذکر روایت زیادہ قابل ترجیح ہے)

ولادت سے قبل حضرت بابا محمد سماسیؒ نے آپ کی پیدائش کی پیشگوئی کی تھی، ولادت کے تیسرے دن آپ کے جدا مجد آپ کو لے کر حضرت بابا صاحب قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت بابا صاحبؒ نے آپ کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا اور اپنے خلیفۂ اکبر حضرت سید امیر کلالؒ کو آپ کی تربیت کے لئے مامور فرمایا۔

بچپن ہی سے ولایت و کرامت کے آثار آپ پر نمایاں تھے، آداب طریقت کی تعلیم بظاہر آپ کو حضرت سید امیر کلالؒ سے حاصل ہوئی لیکن اصلاً آپ اویسی تھے، اور آپ کی تربیت براہ راست حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی روحانیت سے ہوئی۔

کچھ دنوں آپ نے سلطان قضان کے دربار میں جلاد کا بھی کام کیا ہے، اور وہیں سے ایک ملزم کا کیس حضرت امیر کلالؒ تک پہونچنے کا ظاہری وسیلہ بنا (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۸۲)

سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کے وقت سے حضرت سید امیر کلال کے عہد تک ذکر بالجہر کو ذکر بالسر کے ساتھ جمع کیا جاتا تھا، لیکن حضرت خواجہ نقشبندؒ ذکر بالسر پر عامل تھے، اور جب حلقہ میں ذکر بالجہر شروع ہوتا آپ مجلس سے اٹھ جاتے تھے، لیکن آپ کے پیر طریق حضرت امیر کلالؒ نے اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ عملاً اس کی تائید کی۔

حضرت امیر کلالؒ سے منازل سلوک طے کرنے کے بعد مزید ترقیات کے لئے آپ نے مولانا عارف دیک کرانی (دیک کراں ایک گاؤں ہے، جو بخارا اور ہزارہ کے مابین واقع ہے، بخارا سے قریب ستائیس (۲۷) میل کے فاصلے پر ہے) سے رجوع فرمایا اور سات (۷) سال آپ کی خدمت میں رہے۔

بعد ازاں بارہ (۱۲) سال حضرت خلیل اتاؒ کی خدمت بابرکت میں رہے، جن کی صحبت کے لئے ایک خواب کے ذریعہ آپ کی رہنمائی کی گئی تھی، حضرت خلیل اتاؒ کچھ عرصہ ماوراء النہر کی بادشاہی کے منصب پر بھی فائز رہے، حضرت بہاء الدینؒ نے آپ کے دونوں ادوار دیکھے، اور آپ سے قریب رہے۔

آپ کو روحانی اور معنوی طور پر حضرت حسین بن منصور حلاجؒ، حضرت اویس قرنیؓ، امام محمد علی حکیم ترمذیؒ، سلطان الاولیاء بایزید بسطامیؒ، سید الطائفہ شیخ جنید بغدادیؒ وغیرہ بہت سے اولیاء اللہ کے مقامات کی سیر کی سعادت حاصل ہوئی۔==

== آپ کا ذریعۂ معاش زراعت تھا، اونی کپڑا اور سفید عمامہ زیب تن فرماتے تھے، خلیق، متواضع اور مہمان نواز تھے، اپنا کوئی ذاتی مکان نہ رکھتے تھے، عاریت پر رہا کرتے تھے، گھر میں کوئی خادم یا خادمہ نہ تھی، اکثر اوقات خود ہی کھانا پکاتے، دسترخوان کی خدمت بھی خود ہی انجام دیتے، جب وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: ''بندگی با خواجگی راست نمی آید'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی آپ کے پیش نظر تھی، آپ اتباع سنت کے سخت پابند تھے مگر احساس قصور کے ساتھ، مریدین کے ساتھ دسترخوان پر کھانے میں شریک رہتے، اور بڑا سے بڑا مجمع بھی ہوتا تب بھی نگرانی فرماتے کہ کوئی شخص غفلت کے ساتھ کوئی لقمہ نہ لے، جس کے بارے میں غفلت کا احساس ہوتا از راہ شفقت اس کو متنبہ فرماتے، ایسا کھانا تناول نہ فرماتے جو غصہ و کراہت کے ساتھ پکایا گیا ہو، اور نہ کسی کو کھانے کی اجازت دیتے۔ فرماتے تھے کہ جو کام غضب و غفلت یا کراہت و دشواری سے کیا جائے، اس میں خیر و برکت نہیں ہوتی، کیونکہ اس میں نفس و شیطان کا دخل ہوجاتا ہے (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۴۴ تا ۱۴۶)

آپ سے بے پناہ کرامات کا صدور ہوا، بیک وقت کئی جگہوں پر نظر آنے کے بھی بڑے واقعات آپ سے وابستہ ہیں۔

حضرت بابا سماسیؒ کے بارے میں بھی اس قسم کے متعدد واقعات نقل کئے گئے ہیں، کہتے ہیں کہ ایک بار انہوں نے بیک وقت تیرہ (۱۳) جگہ کی دعوتوں میں شرکت کی، (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۵۱) اس کی توجیہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے یہ کی ہے کہ: یہ ایک خاص حالت ہوتی ہے جس میں شیخ تو اپنی جگہ پر ہی ہوتے ہیں، مگر ان کے لطائف بحکم خداوندی مختلف جسموں میں متشکل ہو کر ایک ہی آن میں متعدد جگہوں پر نمودار ہوتے ہیں، بعض اوقات اس تشکل کی ان کو خبر تک نہیں ہوتی، یہ تجسد و تشکل کبھی عالم شہادت میں ہوتا ہے اور کبھی عالم مثال میں پایا جاتا ہے (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم مکتوب ۵۸)

آپ قطب عالم تھے، سلسلۂ نقشبندیہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے، آپ نے ایک ایسے طریق کی بنا رکھی، جو کم وقت میں روحانی فتوحات کے دروازے کھول دیتا ہے، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''طریقۂ ما از نوادر است و عروۃ الوثقیٰ است مارا از فضل آوردہ اند دریں طریقہ باندک عمل فتوح بسیار است امارعایت سنت کارے بزرگ تراست''

ترجمہ: ہمارا طریقہ ایک نادر طریقہ اور عروۃ الوثقیٰ ہے، اور اللہ کے فضل سے اس طریق میں تھوڑے عمل سے بہت ساری فتوحات حاصل ہوتی ہیں، البتہ سنت کی رعایت بڑا کام ہے۔

آپ یہ بھی فرماتے تھے ''کہ ہمارے طریق کی بنیاد احادیث و آثار پر ہے'' اسی لئے طریقۂ نقشبندیہ کا نام ''طریقۂ رسولیہ'' بھی ہے۔

ماوراء النہر کے ایک بڑے صاحب دل نے آپ سے سوال کیا، کہ ''سیر و سلوک کا مقصود کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: مقصود ''معرفت تفصیلی'' ہے، انہوں نے دریافت کیا کہ معرفت تفصیلی کا کیا مطلب ہے؟ حضرت خواجہؒ نے فرمایا: معرفت ==

== تفصیلی سے مراد یہ ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ بطریق اجمال قبول کیا گیا ہے اسے بطریق تفصیل پہچانا جائے، اور دلیل و برہان کے مرتبہ سے کشف وعیاں کے مرتبہ تک رسائی ہو جائے''

خلاف شریعت باتیں آپ کو قطعی پسند نہیں تھیں، اور بعض مشائخ سے جو بظاہر خلاف شرع چیزیں منقول ہیں ان کی آپ تاویل فرماتے تھے، مثلاً ہرات کے بادشاہ نے آپ سے سوال کیا کہ: بعض مشائخ کا قول ہے کہ ''ولایت نبوت سے افضل ہے''، وہ کون سی ولایت ہے؟ خواجہ نے فرمایا کہ اسی نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

دراصل ولایت کا تعلق قرب ذات اور وصال مع اللہ سے ہے، اور اس کے بغیر کوئی شخص نبوت سے مشرف نہیں ہو سکتا، جب کہ نبوت ایک ذمہ داری اور فریضۂ خدمت ہے جس کا تعلق خلق خدا سے ہے، اسی بنا پر بعض بزرگوں نے قرب کے لحاظ سے نبی کی ولایت کو اس کی نبوت سے افضل قرار دیا، اور حضرت بہاء الدین نقشبندؒ کی توجیہ کا مطلب یہی ہے، لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ: میں نے اپنے بعض رسائل میں ثابت کیا ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے، خواہ اسی نبی کی ولایت ہو، اور حق بھی یہی ہے، جن مشائخ نے اس کے خلاف کہا ہے ان کا قول مقام نبوت کے حالات سے بے علمی کے سبب ہے (مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۵۱)

حضرت خواجہؒ نے اپنے طریق کا خلاصہ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے حوالے سے ''خلوت در انجمن'' قرار دیا ہے، یعنی ظاہر میں خلق کے ساتھ اور باطن میں حق کے ساتھ''

آپ فرماتے تھے کہ: ہمارا روزہ ماسوا کی نفی اور ہماری نماز مقام مشاہدہ ہے''

تمام مشائخ سلسلہ کی سیر ظاہر قلب پر ہے اور مشائخ نقشبندیہ کی سیر باطن قلب میں ہے، وہ اس سیر سے قلب کے بطون میں پہونچ جاتے ہیں، اور مقام قلب میں ان پر ان چھ لطیفوں (نفس، قلب، روح، سر، خفی، اخفی) کے علوم و معارف جو اس مقام کے مناسب ہیں منکشف ہو جاتے ہیں۔

تہتر سال کی عمر میں بروز دوشنبہ ۳/ ربیع الاول ۷۹۱ھ (۹/ مارچ ۱۳۸۹ء) کو آپ نے وفات پائی، مزار مبارک قصر عارفاں میں ہے، آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے جنازہ کے آگے کلمہ شہادت اور قرآن شریف نہ پڑھا جائے، کیونکہ بے ادبی ہے، بلکہ یہ رباعی پڑھی جائے۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو　　　شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما　　　آفریں بر ہمت بازوئے تو

کسی نے آپ کی وفات پر یہ قطعۂ تاریخ وفات کہا ہے:

رفت شاہ نقشبنداں خواجۂ دنیا و دیں
آنکہ بودے شاہراہ دین و دولت ملتش
مسکن و ماوائے او چوں بود قصر عارفاں ==

۱۷- حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلالؒ (ولادت: ۶۷۶ھ م ۱۲۷۸ء وفات: ۸/ جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ مطابق ۵/ دسمبر ۱۳۷۰ء) (۲۳۱)

== ''قصر عرفاں'' زیں سبب آمد حساب رحلتش

آپ کے مرید صلاح الدین مبارک نے آپ کے حالات پر ''مقامات سیدنا الشاہ نقشبند'' کے نام سے ایک کتاب تالیف کی، جس میں آپ کے فتاویٰ کو بھی جمع کیا گیا ہے، اسی طرح آپ کے خلیفہ حضرت علاء الدین عطارؒ کی فرمائش پر محمد الحافظی بخاریؒ نے آپ کے ملفوظات جمع کئے ہیں، حدائق میں آپ کی فارسی تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے، علی بن حسین الواعظ کاشفیؒ (م ۱۵۳۲ء) نے ''رشحات عین الحیات'' میں سلسلہ کی تاریخ اور آپ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

(تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۳۶ تا ۱۷۱ (بحوالہ انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نقشبند، رشحات، نفحات) ☆ تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۹۵ تا ۳۳۳ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۵۵ تا ۲۸۸ عبد الرسول للہی)

(۲۳۱) آپ نسباً سادات سے ہیں، اٹھارہ (۱۸) واسطوں سے آپ کا نسب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتا ہے، آپ کی ولادت ۶۷۶ھ (۱۲۷۸ء) میں قصبہ سوخار (جو قصبہ سماس سے پندرہ میل اور بخارا سے ایک میل کے فاصلے پر ہے) میں ہوئی، آپ کوزہ گری کا شغل رکھتے تھے، فارسی زبان میں کوزہ گر کو کلال کہتے ہیں، اسی لئے آپ امیر کلال کے نام سے مشہور ہوئے۔

بطن مادر میں تھے کہ آپ کی کرامات کا ظہور ہونے لگا تھا، آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ کوئی مشتبہ لقمہ پیٹ میں چلا جاتا تو سخت درد ہوتا تھا، یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتی تھیں، اس کے بعد سے میں نے کھانے پینے میں بڑی احتیاط کی۔

ابتدا میں آپ کا شغل پہلوانی اور کشتی لڑنا تھا، حضرت بابا سماسیؒ کی توجہ سے آپ روحانیت کی دنیا میں داخل ہوئے، اور طریقت کے امام و پیشوا بن گئے، اپنے شیخ سے بے انتہا عشق تھا، تیس (۳۰) سال تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہے، متواتر آٹھ (۸) سال تک بلا ناغہ پیر اور جمعہ کو مغرب کے بعد سماس کے لئے روانہ ہوتے اور عشا کی نماز حضرت بابا سماسیؒ کی اقتداء میں ادا کرتے، اور پھر نماز فجر واپس اپنے گاؤں سوخار میں آکر پڑھتے، آپ کی زندگی میں کسی کو بھی اس حال کی خبر نہ ہوئی۔

شریعت کے حد درجہ پابند تھے، چھوٹے سے چھوٹے گناہ سے بھی پرہیز کرتے تھے، آپ فرماتے تھے، کہ گناہ خواہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو اسے سہل اور معمولی نہ سمجھو، آدمی گناہ کو سہل اور معمولی سمجھنے سے دوزخ میں جاتا ہے، تقویٰ کے بغیر راہ خدا نہیں کھل سکتی۔

بادشاہوں سے دور رہتے تھے، اور نہ کوئی شاہی نذرانہ قبول فرماتے تھے، ایک بار امیر تیمور (متوفی ۸۰۷ھ م ۱۴۰۵ء) نے آپ کو اپنے دربار میں تشریف لانے کی دعوت دی، آپ نے معذرت کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ ہم یہیں سے دعا گو ہیں، درویش اگر دنیا کی طرف میلان کریں تو ان کی دعا حجاب میں ہو جاتی ہے۔ بڑے صاحب کشف و کرامات ==

۱۸- حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ (ولادت: ۲۵ / رجب المرجب ۵۹۱ھ مطابق ۱۱ / جولائی ۱۱۹۵ء وفات: ۱۰ / جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ مطابق ۹ / جولائی ۱۳۵۴ء) (۲۳۲)

== بزرگ تھے، عجیب وغریب تصرفات آپ سے منقول ہیں، ایک بار حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند حاضر خدمت ہوئے، ان پر اضطراب کی کیفیت طاری تھی، انہوں نے اپنی پوستین (جس کی جیب میں کچھ شکار کردہ پرندے بھی تھے) اتار کر سامنے جلتی ہوئی آگ میں ڈال دی، حضرت امیر کلال ناراض ہوئے اور فرمایا جاؤ پوستین نکال کرلاؤ، خواجہ صاحبؒ نے عرض کیا، حضرت! وہ پوستین تو خاکستر ہوچکی ہوگی، حضرت امیر کلالؒ نے فرمایا: بہاء الدین جو چیز سالہا تک درویشوں کے زیر استعمال رہی ہو، اسے آگ کس طرح جلائے گی، اسے تو آتش عشق نے پہلے ہی جلا رکھا ہے۔ ع

سوختہ از بس کہ بریاں کے شود مثل کباب

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند گئے اور اپنی پوستین وہاں سے صحیح وسالم باہر نکال لائے۔ حضرت امیر کلالؒ نے ارشاد فرمایا: بہاء الدین! درویشوں اور ان کی چیزوں پر یہ دنیوی آگ اثر نہیں کرسکتی، کیا عجب جو کوئی درویشوں کو اپنے دل میں جگہ دے دے اسے دوزخ کی آگ بھی نہ جلائے۔

آپ کی رحلت ۸ / جمادی الاولیٰ ۷۷۲ھ (۵ / دسمبر ۱۳۷۰ء) بروز پنجشنبہ بوقت صبح صادق ہوئی، مزار شریف قصبہ سوخار میں ہے۔ قطعۂ تاریخ وفات یہ ہے: ؎

کرد رحلت چوں امیر اولیاء
ہر کسے سالش بہ سلک نظم وسفت
ہاتف غیبی بتاریخ وصال
صاحب انوار عرفان بود گفت (۷۷۲ھ)

کہا جاتا ہے کہ آپ کے ایک سو چودہ (۱۱۴) خلفاء تھے (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۷۸ تا ۲۹۲ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۲۴ تا ۱۳۴ بحوالہ مقامات امیر کلالؒ لحفید الامیر حمزہ بن الامیر کلالؒ)

(۲۳۲) بابا کا لفظ ترکی زبان میں بزرگ اور ولی کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، حضرت خواجہ محمد بابا سماسی ہفت خواجگان نقشبند میں نہایت بلند مرتبہ کے مالک ہیں۔ جب حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ کا اخیر وقت آیا، تو آپ نے اپنے اصحاب میں سے حضرت محمد باباؒ کو اپنا نائب مقرر کر کے تمام اصحاب کو ان کی متابعت اور خدمت کا حکم دیا، اور حضرت محمد باباؒ کو تاکید کی کہ میرے متعلقین کی تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

آپ کی ولادت باسعادت ۲۵ / رجب المرجب ۵۹۱ھ (۱۱ / جولائی ۱۱۹۵ء) کو قصبہ سماس میں ہوئی، جو طوس کے مضافات میں معروف بزرگ حضرت عزیزان علی رامیتنیؒ کی تاریخی بستی رامیتن سے تین میل کے فاصلے پر واقع ہے، اور بقول پیر خیر شاہ امرتسری یہ قصبہ بخارا اور رامیتن کے درمیان ہر دو سے نو نو میل کے فاصلے پر واقع ہے، باطنی تعلیم حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ سے حاصل کی اور آپ کے اجل خلفاء میں شمار ہوئے۔==

۱۹-حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ (ولادت ۵۹۱ھ مطابق ۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء-وفات ۲۸/ذی قعدہ ۷۲۱ھ مطابق ۲۶/دسمبر ۱۳۲۱ء یا ۲۸/ذی قعدہ ۷۱۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۳۱۶ء یا ۲۷/رمضان ۷۱۸ھ مطابق ۲۹/نومبر ۱۳۱۸ء)(۲۴۳)

== آپ پر محویت واستغراق کا غلبہ تھا، کہا جاتا ہے کہ اپنے ایک چھوٹے سے باغ میں کبھی تشریف لے جاتے اور گھنٹوں انگور کی شاخوں کو تراشتے رہتے، جب ایک شاخ کو کاٹتے تو غلبۂ حال واستغراق کی وجہ سے آری آپ کے ہاتھ سے چھوٹ جاتی، اور آپ بے خود ہوجاتے، اور دیر تک بے ہوش رہتے، جب ہوش میں آتے تو پھر شاخ کو کاٹنا شروع کر دیتے، اور پھر بے ہوش ہوجاتے، یہی کیفیت دیر تک برقرار رہتی تھی۔

بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، آپ نے برسوں قبل حضرت شاہ نقشبنداں خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی ولادت کی پیشگوئی کی تھی، اور کوشک ہندواں کے قصر عارفاں بننے کی بشارت دی تھی، کوشک ہندواں کے پاس سے گزرتے ہوئے اکثر آپ کی زبان پر یہ شعر جاری ہوتا تھا:

ازیں خاک بوئے مردے می آید زود
باشد کہ کوشک ہندواں قصر عارفاں شود

آپ نے بے شمار خلق خدا کو فائدہ پہونچایا، مگر چار خلفاء کامل اور نامور ہوئے:

☆ خواجہ محمد صوفیؒ جن کا مزار مقدس قصبہ سوخار میں ہے۔
☆ خواجہ محمود سماسیؒ جو کہ آپ کے فرزند ارجمند تھے۔
☆ خواجہ دانشمندؒ
☆ خواجہ سید میر کلالؒ

آپ کی وفات ۱۰/جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ (۹/جولائی ۱۳۵۴ء) کو ہوئی، مرقد مبارک سماس میں ہے۔

مادۂ تاریخ وفات

اہل محبت بابا محمد سماسی (۷۵۵ھ) ☆ رہبر پاک بابا محمد سماسی (۷۵۵ھ)
☆ برگزیدۂ آفاق جناب بابا محمد سماسی (۷۵۵ھ)

برصغیر ہندو پاک کی تاریخ میں یہ تغلق سلاطین کا زمانہ تھا، اور اس ملک کے عظیم شیخ حضرت نصیر الدین چراغ دہلیؒ (م ۱۳۵۶ء) آپ کے ہم عصر تھے۔

(تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۷۴ تا ۲۷۷ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ بحوالہ رشحات، انیس الطالبین۔ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۲۴۳) حضرت خواجہ کا نام علی تھا، چونکہ آپ اپنے آپ کو عزیزاں کہتے تھے اور اپنے بارے میں بات کرتے وقت فرماتے کہ عزیزاں کا یہ خیال ہے اس لیے آپ کا لقب سلسلۂ خواجگان میں حضرت عزیزاں ہوگیا، اہل خوارزم آپ کو==

==علی باوردی اور اہل بخارا آپ کو خواجہ علی رامیتنی کہتے رہے اور صوفیا آپ کو حضرت عزیزاں کہتے تھے، آپ کی پیدائش موضع رامیتن (بخارا شہر سے چھ میل دور) ۵۹۱ھ (۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء) میں ہوئی، آپ کچھ عرصہ اپنے آبائی وطن میں ارشاد و ہدایت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد میں حوادث زمانہ کے تحت آپ رامیتن چھوڑ کر قصبہ باورد چلے آئے اور ایک مدت تک وہیں اپنے روحانی علوم وکمالات سے خلق خدا کو مستفیض کرتے رہے۔

منگولوں کے قبضہ کی وجہ سے وسط ایشیا کے حالات ٹھیک نہ تھے۔ آپ نے بالآخر باورد سے ترک وطن کر کے مرکزی شہر خوارزم میں قیام فرمایا اور اخیر عمر تک وہیں سکونت پزیر رہے۔

خوارزم میں داخلہ سے پہلے جب آپ شہر کی فصیل تک پہنچے تو باہر ہی تک گئے اور دو درویشوں کو خوارزم کے حکام کے پاس بھیجا اور کہا کہ فقیر آپ کے شہر کے دروازے پر آیا ہے اور یہاں قیام کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر آپ کو کوئی مصلحت مانع نہ ہو تو شہر میں داخل ہو جائے ورنہ واپس چلا جائے۔ آپ نے درویشوں کو سمجھا دیا کہ اگر حاکم اجازت دے تو اس سے اس بارے میں تحریر حاصل کر لیں اور اس پر اس کی مہر بھی ثبت کرائیں۔ جب حاکم شہر اور اس کی مصاحبوں نے ان درویشوں کی درخواست سنی تو ہنسنے لگے کہ کیسے سادہ لوح لوگ ہیں۔ تاہم حاکم نے تحریری اجازت نامہ لکھ کر اپنی مہر ثبت کر دی۔ اب آپ شہر میں داخل ہوئے اور ایک گوشہ میں درویشوں کے ساتھ عبادت و ریاضت میں مصروف ہو گئے۔

آپ کا معمول تھا کہ ہر روز صبح دو مزدوروں کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لاتے اور گھر آ کر انہیں فرماتے کہ وضو کرو، ظہر اور عصر کی نماز ہمارے ساتھ ادا کرو اور ذکر میں مصروف ہو جاؤ۔ شام کو تمہیں پوری مزدوری مل جائے گی۔ مزدور اسے آسان کام سمجھتے ہوئے بہت خوش ہو کر ان ہدایات کی تعمیل کرتے۔ اس ایک دن کی صحبت کا اثر ان مزدوروں پر ایسا پڑتا کہ وہ شیخ کے پاس بغیر بلائے حاضری پر مجبور ہو جاتے۔ اس طرح آہستہ آہستہ آپ کا حلقہ وسیع تر ہونے لگا اور ایک وقت آیا کہ لوگوں کا ہجوم آپ کے در دولت پر حاضر رہنے لگا۔ ان میں شہر کے بڑے افراد بھی تھے۔ حاکم خوارزم کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو اسے خدشہ لاحق ہوا کہ شیخ کے اثر و رسوخ اور مقبولیت سے حکومت کے خلاف فساد نہ اٹھ کھڑا ہو۔ اس خیال کے تحت وہ آپ کو شہر بدر کرنے کے درپے ہوا۔ علی رامیتنی نے ان دونوں درویشوں کو اجازت نامہ مع مہر دے کر اس کے پاس بھیجا کہ ہم تمہاری اجازت سے اس شہر میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر تم بدعہدی کرنا چاہتے ہو تو ہم چلے جاتے ہیں۔ حاکم اپنا اجازت نامہ بھول چکا تھا۔ اب اس نے اسے ملاحظہ کیا تو شرمندہ ہوا اور وہ اور اس کے درباری خواجہ رامیتنی کی دور بینی اور کشف کے قائل ہو گئے اور آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔

خواجہ علی رامیتنی خوارزم میں کپڑا بننے کا کام کرتے تھے۔ آپ ہر روز شام کے وقت سوت بیچنے والوں کے بازار میں تشریف لے جاتے تھے اور جن فقیروں کا سوت نہیں بکتا تھا، ان کا سارا سوت خرید کر گھر آتے تھے۔ آپ ساری رات مراقبہ میں مصروف رہتے تھے لیکن صبح تک چالیس گز کرباس (موٹا سوتی کپڑا) تیار ہو چکا ہوتا تھا۔ اس کو بازار میں فروخت کر کے اس رقم کو آپ تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے ایک حصہ علما پر ایک حصہ فقراء پر اور ایک حصہ اپنے اہل==

==وعیال پر خرچ کرتے تھے آپ کے اس پیشہ کی وجہ سے آپ کو نساج (کپڑا بننے والا) کا لقب بھی دیا گیا۔ چنانچہ مولانا رومیؒ نے اسی لقب کے ساتھ آپ کا ذکر اپنے اس شعر میں کیا ہے:

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے

بندہ اعیان بخارا خواجہ نساج را

(اگر علم حال، قال سے بہتر نہ ہوتا تو بخارا کے سردار خواجہ نساج کے غلام کب بنتے) (نفحات الانس ص ۶۱۶ مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ (متوفی ۸۹۸ھ م ۱۴۹۳ء)، ترجمہ: شمس بریلوی، مطبوعہ دانش پبلشنگ کمپنی دہلی، ۲۰۱۰ء)

آپ ایک بڑے عالم وشاعر، ولی کامل، قطب وقت اور مجدد طریقت تھے، تصوف کے موضوع پر آپ نے ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا تھا، اس رسالہ کا نام محبوب العارفین (وسیلۃ الطالبین) ہے، ہندوستان میں اس کی پہلی طباعت غالباً کان پور میں ۱۲۸۴ھ م میں ہوئی ، یہ رسالہ آپ کے افادات کا مجموعہ ہے لیکن کس نے مرتب کیا، یہ معلوم نہیں ،البتہ اتنی بات معلوم ہے کہ حضرت خواجہؒ کے ایک صاحبزادے ''خواجہ ابراہیمؒ'' نے اپنے والد بزرگوار کے مقامات کو مرتب کیا تھا، اس رسالہ کے اکثر واقعات انہی مقامات سے ماخوذ ہے، یہ رسالہ فارسی میں ہے، اس کا اردو ترجمہ جناب قدیر محمد قریشی اکبر آبادیؒ (سابق ڈسٹرکٹ وسیشن جج) نے کیا، اور یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۹۹۰ء میں المصطفیٰ اکیڈمی حیدرآباد (پاکستان) سے شائع ہوا (رسالہ محبوب الطالبین ص ۵ تا ۷)میرے سامنے جو ایڈیشن (صفحات ۴۸) ہے، وہ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی نے دوسری مرتبہ ۱۴۳۷ھ م ۲۰۱۵ء میں شائع کی ہے۔

(اس کی پی ڈی ایف فائل مجھے جدہ سے محترم جناب ضیاء الدین رحمانی اعظمی صاحب مدظلہ نے ارسال فرمائی، **فجزاہ اللہ احسن الجزاء**)

اس رسالہ میں دو حصے ہیں ، پہلے حصے میں راہ سلوک اختیار کرنے والے کے لئے دس شرائط ذکر کی گئی ہیں ، اور دوسرے حصے میں حضرت عزیزان علی رامیتنی کے احوال ومقامات اور سولہ رشحات (ارشادات) کا ذکر ہے۔

آپ حضرت خضرؑ کے صحبت دار تھے، اور انہی کے اشارہ پر آپ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ سے بیعت ہوئے، اور آپ کے اجل خلفاء میں شمار ہوئے، حضرت خواجہ فغنویؒ نے وقت آخر اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالے کردیا تھا۔

بڑے صاحب تصرفات تھے، ایک بار ایک لڑکے نے آپ کے خدام کے لئے کھانا تیار کیا اور نہایت خلوص کے ساتھ کھلایا، حضرت نے خوش ہو کر فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو؟، تیری مراد پوری ہوگی ، اس لڑکے نے کہا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ خواجہ عزیزان بن جاؤں'' حضرت نے فرمایا، یہ بہت مشکل ہے، تیرے اندر اس کا تحمل نہیں ہے، کچھ اور مانگ اس نے کہا کہ نہیں، میری تو یہی تمنا ہے، بقول شاعر ؎

سب کچھ تجھی سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر

اب اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد ==

==بالآخر حضرت نے مجبور ہو کر خلوت خاص میں اس پر توجہ ڈالی اور وہ لڑکا تھوڑی ہی دیر میں صورت و سیرت ہر لحاظ سے آپ کا پرتو بن گیا، مگر وہ اس کا تحمل نہ کر سکا، چالیس (۴۰) دن کے بعد اس کی وفات ہوگئی۔

آپ کا علم گہرا اور ذہن رسا تھا، بڑے بڑے مسائل چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے، ایک بار حضرت شیخ بدر الدین (جو شیخ حسن بلغاریؒ کے اصحاب کبار میں تھے) نے آپ سے دریافت کیا کہ:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیرًا (الاحزاب: ۴۱)

اس آیت کریمہ میں ذکر کثیر سے ذکر زبان مراد ہے یا ذکر دل؟ آپ نے فرمایا کہ مبتدی کے لئے ذکر زبان اور منتہی کے لئے ذکر دل، مبتدی ہمیشہ تکلف سے کام لیتا ہے جب کہ منتہی کے ذکر کا اثر دل تک پہونچتا ہے، اور اس کے تمام اعضاء و اعصاب ذکر کرنے لگتے ہیں، اس وقت سالک ذکر کثیر سے متصف ہوتا ہے، اور اس حالت میں اس کا ایک دن کا کام دوسروں کے سال بھر کے کام کے برابر ہوتا ہے۔

ایک روز شیخ فخر الدین نوری (جو اکابر وقت میں سے تھے) نے آپ سے سوال کیا کہ روز ازل میں جب الست بربکم (کیا میں تمہارا رب نہیں؟ الاعراف: ۱۷۲) کے ساتھ سوال ہوا تو ایک گروہ نے لفظ "بلیٰ" (کیوں نہیں) کے ساتھ جواب دیا، مگر روز ابد میں جب اللہ تعالیٰ "لمن الملک الیوم (آج کس کی بادشاہی ہے، المؤمن: ۱۶) کہے گا تو کوئی جواب نہ دے گا، اس کا سبب کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: روز ازل تکالیف شرعیہ کی وضع کا دن تھا، اور شرع میں گفت ہوتی ہے، مگر روز ابد تکالیف شرعیہ کے اٹھا دینے اور ابتدائے عالم حقیقت کا دن ہے اور حقیقت میں گفت نہیں ہوتی، اس لئے اس روز اللہ تعالیٰ خود اپنے سوال کا جواب یوں دے گا- للہ الواحد القہار (ایک اللہ سب پر غالب ہے، المؤمن: ۱۶)۔

کسی درویش نے آپ سے پوچھا کہ بالغ شریعت کس کو کہتے ہیں اور بالغ طریقت کون ہے؟ آپ نے فرمایا: بالغ شریعت وہ ہے جس سے منی (غرور، کبر، خودی وغیرہ) نکلے، اور بالغ طریقت وہ ہے جو منی سے باہر آئے، یعنی اس کی خودی جاتی رہے۔

آپ کے دو صاحبزادے تھے: ۱- خواجہ محمد آپ کو خواجہ خورد کہا جاتا تھا، اس لئے کہ خواجہ عزیزان "خواجۂ بزرگ" کہلاتے تھے، ۲- خواجہ ابراہیم، جب حضرت خواجہ عزیزان کا وقت آخر آیا تو چھوٹے صاحبزادے کو خلافت عطا فرمائی، اور فرمایا کہ یہ حق بڑے کا تھا، لیکن خواجۂ خورد میرے بعد جلد رخصت ہو جانے والے ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، باپ کے انیس (۱۹) دن کے بعد ان کی بھی وفات ہوگئی۔ (انیس دن پر وفات کی بات تذکرۂ خیریہ اور تذکرہ تو کلیہ وغیرہ میں مذکور ہے، لیکن خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ چہلم کے دن صاحبزادہ کی وفات ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۶ تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء)

برصغیر پاک و ہند کی طرف دیکھا جائے تو خواجہ رامیتنی نے خاندان غلامان سے علاؤ الدین خلجی تک کا زمانہ پایا تھا اور مشائخ چشت میں سے بابا فرید گنج شکر، مخدوم علاؤ الدین صابر اور خواجہ نظام الدین اولیاء آپ کے ہم عصر==

۲۰-حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ (ولادت ۱۸/شوال المکرم ۶۲۷ھ مطابق ۵/ستمبر ۱۲۳۰ء وفات ۱۷/ربیع الاول ۷۱۷ھ مطابق ۶/جون ۱۳۱۷ء یا ۱۷/ربیع الاول ۷۱۵ھ مطابق ۲۸/جون ۱۳۱۵ء یا ۶۴۳ھ مطابق ۱۲۴۵ء)(۲۳۴)

== تھے۔ مغرب میں امام شاذلی، ابن عربی، احمد البدوی (بانی سلسلہ بدویہ) اور مولانا جلال الدین رومی (بانی سلسلہ مولویہ) کا تعلق بھی آپ کے عہد سے تھا۔

حضرت خواجہؒ کا وصال تقریباً ایک سوتیس (۱۳۰) سال کی عمر میں خوارزم میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں:

☆ زیادہ تر کتابوں میں ۲۸/ذی قعدہ ۷۲۱ھ (۲۶/دسمبر ۱۳۲۱ء) کی تاریخ مذکور ہے (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۵ تا ۲۷۳ ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۳۵ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ)

☆ بعض کتابوں میں سن وفات ۲۸/ذی قعدہ ۷۱۵ھ (یکم مارچ ۱۳۱۶ء) مذکور ہے (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۳ تا ۱۲۰ بحوالہ رشحات ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۳۹ مؤلفہ عبدالرسول للہی بحوالہ حضرت بدرالدین خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ)

☆ بعض حضرات نے ۲۷/رمضان ۷۱۸ھ مطابق ۲۹/نومبر ۱۳۱۸ء بھی لکھا ہے (دیکھئے: مرحمت نامۂ نعمت یعنی شجرات اہل طریقت ص ۲۷ مصنفہ شیخ محمد نعمت اللہ نقشبندی، مطبع دی آزاد پریس پٹنہ، ۱۳۴۴ھ)

لیکن زیادہ تر اصحاب تذکرہ نے اسی تاریخ کا ذکر کیا ہے جو میں نے اوپر درج کی ہے (دیکھئے: اول الذکر دونوں کتابیں نیز خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۶ تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء ☆ شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی ص ۱۵، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء)۔

(۲۳۴) آپ کی ولادت ۱۸/شوال المکرم ۶۲۷ھ (۵/ستمبر ۱۲۳۰ء) کو موضع انجیر فغنہ نزد وابکنہ (بخارا سے نو (۹) میل کے فاصلے پر ہے) میں ہوئی، آپ کا ذریعۂ معاش گل کاری (نقاشی، بیل بوٹے کا کام) تھا آپ نے حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ کے زیر سایہ روحانی سفر مکمل کیا، آپ حضرت خواجہ عارفؒ کے اجل خلفاء میں شمار ہوتے ہیں، اس طریق میں بالعموم ذکر بالسر کا طریقہ رائج تھا، صاحب ارشاد واجازت ہونے کے بعد آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس طریق میں ذکر بالجہر کا آغاز کیا، کہا جاتا ہے کہ ایسا آپ نے ایک مصلحت کے تحت کیا تھا، کیونکہ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ نے آخری وقت میں فرمایا تھا کہ ''اب وہ وقت آگیا ہے جس کی طرف ہمیں اشارہ ہوا تھا کہ طالبوں کو بر بنائے مصلحت ذکر جہر اختیار کرنا پڑے گا۔

مولانا حافظ الدین بخاریؒ (جو اس وقت کے بہت بڑے عالم اور خواجہ محمد پارساؒ کے جد اعلیٰ تھے) نے رئیس العلماء شمس الائمہ حلوائی کے اشارے سے علماء عصر کی ایک جماعت کے روبرو حضرت خواجہ محمودؒ سے سوال کیا تھا کہ آپ ذکر ==

==جہر کس نیت سے کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تا کہ سویا ہوا بیدار اور غفلت سے ہوشیار ہو جائے---- مولانا نے فرمایا کہ آپ کی نیت درست ہے اور آپ کے لئے یہ شغل جائز ہے لیکن ذکر جہر کی ایک حد مقرر کر دیجئے کہ جس سے حقیقت مجاز سے اور بیگانہ آشنا سے ممتاز ہو جائے، اس پر حضرت خواجہ نے فرمایا، کہ ذکر جہر اس شخص کے لئے جائز ہے جس کی زبان جھوٹ اور غیبت سے پاک ہو، جس کا حلق حرام و شبہ سے، دل ریاء و شہرت سے اور باطن توجہ ماسوا سے پاک ہو۔

آپ اپنے وقت کے انتہائی بلند قامت اور صاحب کرامت بزرگ تھے، حضرت علی رامیتنیؒ کو حضرت خضرؑ نے آپ سے بیعت ہونے کا مشورہ دیا تھا، آپ کی کئی کرامتیں مشہور ہیں، اور یہ سلسلہ بعد وفات بھی جاری رہا، کہتے ہیں کہ وہ مثالی شکلوں میں بعد وفات بھی نمودار ہوتے تھے، اور اپنے احباب و متوسلین کی نگرانی فرماتے تھے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت خواجہ علی رامیتنیؒ خواجہ محمود انجیر فغنویؒ کے باقی اصحاب کے ساتھ موضع رامیتن میں مشغول ذکر تھے، اچانک ایک بہت بڑا سفید پرندہ ان کے اوپر اڑتا ہوا آیا، اور فصیح زبان میں بولا ''اے علی مرد بن اور اپنے کام میں مشغول رہ''، یہ بات سن کر مجلس پر ایک کیفیت طاری ہوگئی، اور سب بے ہوش ہو گئے، جب ہوش میں آئے تو حضرت خواجہ سے دریافت کیا گیا، کہ یہ کیا معاملہ تھا؟ تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ وہ حضرت خواجہ محمود فغنویؒ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت و قوت بخشی ہے کہ وہ جس مخلوق کے قالب میں چاہیں متشکل ہو جائیں اور وہ ہمیشہ اس مقام پر پرواز کرتے ہیں۔

تا چند کنی ببادہ نوشاں انکار
انکار مکن کہ نیست نیکو ایک کار
رندے کہ بود ز بادۂ عرفان مست
زنہار بروطعنہ مکن صد زنہار

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے:

☆ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات ۱۷ / ربیع الاول ۷۱۷ھ (۶ / جون ۱۳۱۷ء) کو ہوئی، مزار مقدس وابکنہ (نزد بخارا) میں ہے۔

مادۂ تاریخ رحلت

یوسف ثانی (۷۱۷ھ) شاہ عرفانی (۷۱۷ھ)

وائے کوکب برج ولایت (۷۱۷ھ)

(تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۳ تا ۲۶۵ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲ بحوالہ رشحات و روائح)

☆ دوسری روایت ۱۷ / ربیع الاول ۷۱۵ھ (۲۸ / جون ۱۳۱۵ء) کی نقل کی گئی ہے (مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ==

۲۱-حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ (ولادت ۲۷/رجب المرجب ۵۵۱ھ مطابق ۱۵/ستمبر ۱۱۵۶ء وفات یکم شوال المکرم ۷۱۵ھ مطابق ۵/جنوری ۱۳۱۶ء یا وفات ۶۱۶ھ مطابق ۱۲۱۹ء/۱۲۲۰ء یا ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۷ء)(۲۳۵)

== ص ۱۲۸ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ (ولادت: ۱۲/رجب المرجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸/مارچ ۱۸۵۶ء- وفات: مطبع احسن المطابع مرادآباد، ربیع الاول ۱۳۲۲ھ، اور میرے جد امجد صاحب تذکرہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ نے بھی غالباً اسی کی روشنی میں یہی تاریخ رقم فرمائی ہے (مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ ص ۱۰، مطبوعہ حمیدیہ برقی پریس لہریا سرائے دربھنگہ)

☆ بعض حضرات نے تاریخ وفات ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء تحریر کی ہے (تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۴ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۲۳۵) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے خلفاء میں آپ کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہے۔

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے کل چار خلفاء تھے: ۱-خواجہ احمد صدیقؒ، ۲-خواجہ اولیائے کبیرؒ، ۳-خواجہ سلیمان کرمینیؒ، ۴-اور خواجہ عارف ریوگری (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۱)،

تحقیق کے مطابق آپ کی ولادت ۲۷/رجب المرجب ۵۵۱ھ (۱۵/ستمبر ۱۱۵۶ء کو ریوگر (بخارا سے ۱۸ میل اور غجدوان سے ۳ میل دور ایک مقام) پر ہوئی، تمام عمر اپنے شیخ کی خدمت میں رہے اور فیوض باطنی حاصل کرتے رہے، علم وحلم، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت اور رشد وہدایت میں بلند شان کے حامل تھے، شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے مسند نشیں ہو ئے اور ایک زمانہ کو فیضیاب کیا۔

تصوف کے موضوع پر آپ نے فارسی زبان میں ایک رسالہ ''عارف نامہ'' تحریر فرمایا، جس کو سلسلۂ نقشبندیہ کا پہلا رسالہ کہا جاتا ہے، اس کی تالیف آپ کے پیر بھائی حضرت خواجہ نعیمؒ کی فرمائش پر قصبہ ''نور'' میں ہوئی، (جو بخارا کے نواح میں (شمال مشرق) بیس فرسخ کے فاصلے پر زوش (ترکستان) کے نزدیک ہے)۔ انتہائی قیمتی مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ رسالہ ایک زمانے تک نایاب رہا، اب وہ جناب قدیر محمد قریشیؒ کے ترجمہ کے ساتھ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی سے شائع ہو چکا ہے، سن اشاعت ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء ہے، اس حقیر کو اس کا نسخہ (اشاعت دوم ۱۴۳۷ھ /اکتوبر ۲۰۱۵ء) جناب ضیاءالدین رحمانی اعظمی نقشبندی صاحب مدظلہ کی عنایت سے حاصل ہوا۔

حضرت عارفؒ نے بہت لمبی عمر پائی، آپ کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے:

☆ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات قریب ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) برس کی عمر میں یکم شوال المکرم ۷۱۵ھ (۵/جنوری ۱۳۱۶ء) کو ہوئی، اور ریوگر ہی میں مدفون ہوئے، آپ کے شیخ حضرت غجدوانیؒ کی وفات ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں ہوئی، گویا کہ پیرومرشد کی رحلت کے بعد آپ قریب ایک سو چالیس (۱۴۰) سال تک باحیات رہے (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۱، ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۱ مؤلفہ: مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۹ مؤلفہ حضرت حاجی احمد حسن منورویؒ، ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۰)۔==

==☆ تذکرہ توکلیہ میں حضرات القدس کے حوالے سے دن تاریخ کی صراحت کے بغیر سن وفات ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء/ ۱۲۲۰ء) درج کیا گیا ہے، یعنی قریب ایک سو (۱۰۰) سال کا فرق ☆ اور یہی تاریخ (غرۂ شوال ۶۱۶ھ) کتاب ''حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (مؤلفہ حضرت مولانا حسن نقشبندیؒ ص ۱۲۷) میں بھی مذکور ہے، نیز درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی سے شائع ہونے والی کتاب شجرۂ مبارکہ میں بھی یہی مرقوم ہے (دیکھئے: شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ ص ۱۵ مرتبہ محترم ابوالنصر انس فاروقی صاحب مدظلہ)، مولانا سید زوار حسین شاہ مجددی کی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' میں بھی ''حضرات القدس'' ہی کے حوالے سے یہی تاریخ درج کی گئی ہے، (حضرت مجدد الف ثانی ص ۱۲۷)

تاریخ مشائخ نقشبندیہ (ص ۲۲۰ مؤلفہ صاحبزادہ عبدالرسول للّٰہی) میں بھی یہی مذکور ہے۔

☆ خواجہ عارف کے جس رسالہ ''عارف نامہ'' کا ابھی ذکر آیا، اس کے آخر میں ایک قطعۂ تاریخ وفات درج ہے:

افسوس شد نہاں مہہ تاباں بزیر خاک کلکم سیاہ پوش جگر ریش وسینہ چاک

تاریخ بہر رحلت او جستم از قلم ''قطب زماں وعارف باللہ'' زد رقم

(ترجمہ: افسوس کہ چمکتا ہوا چاند زمین کے نیچے پوشیدہ ہوگیا، اس لئے میرا قلم ماتم زدہ ورنجیدہ جگر کو پارہ پارہ کرنے والا ہوگیا، اور سینے کو چاک کرنے والا ہوگیا'')

اس سے تاریخ وفات ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۷ء نکلتی ہے (عارف نامہ ص ۷۲ مؤلفہ حضرت عارف ریوگریؒ، شائع کردہ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی)

لیکن میرے نزدیک ان میں سے اول الذکر روایت (تاریخ وفات ۷۱۵ھ) زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت محمود انجیر فغنویؒ کی تاریخ ولادت ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) ہے، جیسا کہ جناب صادق قصوری صاحب نے کتبۂ مزار اور تاریخی قرائن کی روشنی میں تحریر کیا ہے، اگر آپ کی تاریخ وفات ۶۱۶ھ یا ۶۳۴ھ مانی جائے تو حضرت محمود انجیر فغنویؒ کی ملاقات آپ سے ثابت نہ ہوگی، اس لئے کہ آپ کی وفات یا تو ان کی ولادت سے قبل ہو چکی ہوگی، یا وفات کے وقت صرف سات (۷) سال کے ہونگے، جو کہ شعور اور استفادہ کی عمر نہیں ہے، جب کہ تمام اصحاب تذکرہ نے بالاتفاق حضرت فغنویؒ کو حضرت عارف ریوگریؒ کا خلیفۂ اکبر قرار دیا ہے، اس انقطاع سے بچنے کے لئے ۷۱۵ھ والی روایت ہی زیادہ قابل ترجیح ہے۔

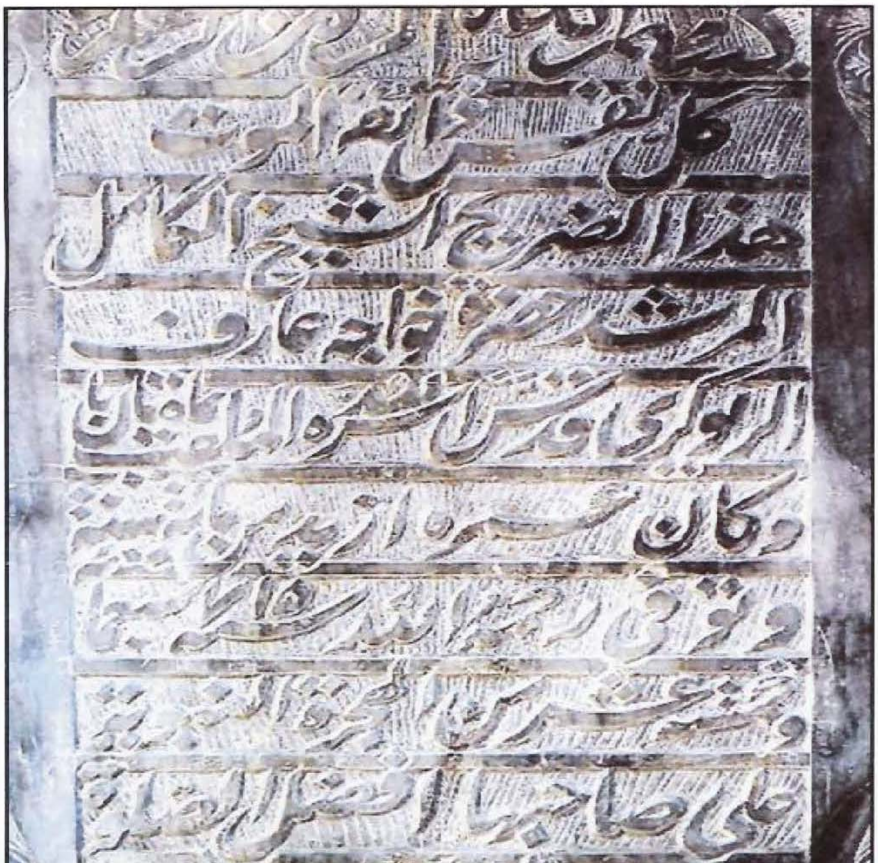
☆ اور اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عارف ریوگریؒ کے مزار مبارک پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس پر بھی تاریخ وفات ۷۱۵ھ ہی کندہ ہے، تذکرہ خیریہ میں اس کتبہ کا فوٹو دیا گیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

قطعۂ تاریخ وفات

عارف آں عارف و ولی خدا متصل شد بوصل سبحانی

''خواجہ اہل دیں'' بگو سالش نیز ''عارف امین ربانی'' (۷۱۵ھ)

(خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۱۵۱ مفتی غلام سرور لاہوریؒ)



حضرت خواجہ محمد عارف ریوگریؒ کے مزار شریف پر کندہ کتبہ

261-F

۲۲-حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (ولادت ۲۲/شعبان المعظم ۴۳۵ھ (۳۰/مارچ ۱۰۴۴ء وفات ۱۲/ربیع الاول ۵۷۵ھ مطابق ۲۳/اگست ۱۱۷۹ء اور بقول بعض ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء)(۲۳۶)

---

(۲۳۶) آپ حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے خلیفۂ اعظم، سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام اور ہفت خواجگان نقشبند کے سر خیل ہیں، آپ سے ہی سلسلۂ تربیہ کا آغاز ہوا، آپ نے ہی سلسلہ کے اصول وضوابط مرتب فرمائے، آپ کی ولادت ۲۲/شعبان المعظم ۴۳۵ھ(۳۰/مارچ ۱۰۴۴ء) کوغجدوان میں ہوئی۔

آپ کے والدگرامی قدرکا نام عبدالجمیل یا عبدالجلیل ہے، جو امام عبدالجمیل (یا عبدالجلیل) کے نام سے مشہور تھے، وہ اپنے وقت کے بڑے عالم دین تھے، اور حضرت امام مالکؒ کی اولاد میں سے تھے، ان کی شادی روم کے شاہی خاندان میں ہوئی تھی، اس لئے روم میں رہا کرتے تھے، اور حضرت خضر علیہ السلام کے صحبت دار تھے، حضرت خضرؑ نے ان کو بشارت دی تھی کہ تمہارے یہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام عبدالخالق رکھنا، حالات کی ناموافقت سے روم چھوڑکر ماوراءالنہر چلے گئے، اور بخارا سے اٹھارہ (۱۸) میل کے فاصلے پر غجدوان میں قیام پذیر ہوئے، اور یہیں حضرت خواجہ عبدالخالق کی پیدائش ہوئی۔

حضرت خواجہ عبدالخالق نے علوم ظاہرہ کی تعلیم حضرت شیخ صدرالدین قاضی بخارا سے پائی، اور ذکرخفی اور ذکرنفی واثبات کی اجازت حضرت خضرؑ سے ملی۔

حضرت خواجۂ خواجگان بہاءالدین نقشبندؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں حضرت خواجہ عبدالخالق غجداونیؒ اپنے استاد شیخ صدرالدینؒ سے علم تفسیر پڑھ رہے تھے، جب اس آیت کریمہ پر پہونچے:

ادعوا ربكم تضرعاً وخفية، انه لايحب المعتدين (الاعراف:۵۵)

ترجمہ: اپنے رب کو عاجزی اور پوشیدگی کے ساتھ پکارو، وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آپ نے استاذ مکرم سے پوچھا کہ اس پوشیدگی کی حقیقت اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ اگر ذاکر بلند آواز سے ذکر کرے یا ذکر کے وقت اس کے اعضا حرکت کریں تو دوسرا شخص اس ذکر سے واقف ہوجاتا ہے، اور اگر دل سے کرے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

إن الشيطان يجري من الإنسان مجرى الدم (الجامع الصحيح ج ۲ ص ۷۱۷ حديث نمبر: ۱۹۳۳ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا)

(ترجمہ: شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے)

اس کے مطابق شیطان ذکر سے واقف ہوجائے گا، استاد نے فرمایا کہ یہ علم لدنی ہے، اگر خدا نے چاہا تو اہل اللہ میں ==

== کوئی تمہیں مل جائے گا اور اس کا جواب بتا دے گا،---اس کے بعد آپ اولیاء اللہ کی تلاش میں رہے یہاں تک ایک دن حضرت خضرؑ سے ملاقات ہوگئی، حضرت خضرؑ نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی فرزندی میں قبول کرتا ہوں اور ایک سبق بتاتا ہوں اسے دہراتے رہنا تم پر اسرار کھل جائیں گے، پھر وقوف عددی کی تعلیم دی اور فرمایا کہ حوض میں اترو، غوطہ لگاؤ اور دل سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہو، آپ نے اس پر عمل کیا اور اس کی برکت سے بہت اسرار کھل گئے---اس کے بعد حضرت یوسف ہمدانیؒ بخارا تشریف لائے، حضرت خضرؑ نے آپ کو ان کے حوالے کر دیا، اس لئے کہ ظاہری پیر ہر حال میں ضروری ہے، پھر آپ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فیوض و برکات حاصل کرنے لگے، کہتے ہیں کہ حضرت خضر آپ کے پیر سبق ہیں، اور حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ پیر صحبت و پیر خرقہ، حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ اور ان کے مشائخ ذکر بالجہر کے عامل تھے، لیکن چونکہ آپ کو ذکر خفی کی تلقین حضرت خضرؑ نے کی تھی اس لئے خواجہ ہمدانیؒ نے اس کو تبدیل نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ جس طرح تمہیں تلقین کی گئی ہے کرتے رہو، خواجہ ابو یوسف سے بیعت ہوتے وقت آپ کی عمر بائیس (۲۲) سال کی تھی، حضرت خواجہ ہمدانیؒ کی صحبت میں آپ نے بہت مجلد منازل سلوک طے کر لئے اور کمال تک پہونچ گئے، مگر اپنے حالات کا اخفا کرتے تھے۔

علم تصوف اور علم الاسرار سے آپ کو حصہ وافر ملا تھا، اس ضمن میں متعدد واقعات آپ کے تذکروں میں نقل کئے گئے ہیں، آپ بہت جلد اشیا کے حقائق تک پہونچ جاتے تھے، مثال کے طور پر ایک دن ایک درویش حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ اگر اللہ پاک مجھے جنت وجہنم کا اختیار دے تو میں جہنم کو اختیار کروں گا کیونکہ ساری زندگی میں نے نفس کے خلاف کام کیا ہے، جنت بھی تو میرے نفس کی آرزو ہے، خواجہ صاحب نے اس درویش کی تردید کی اور فرمایا کہ بندے کو اختیار سے کیا کام، مالک جہاں بھیجے چلا جائے، اور جہاں ٹھہرائے ٹھہر جائے، بندگی اسی چیز کا نام ہے۔

اس کا ایک جواب حقیر راقم الحروف کے دل میں یہ آتا ہے کہ نفس کی مخالفت ہر جگہ مطلوب نہیں ہے، بلکہ صرف موقع امتحان پر مطلوب ہے، اور موقع امتحان (دار العمل) دنیا ہے، انعام اور جزاء کے دن مالک کی مرضی چلے گی، انعام پانے والے کی نہیں، بلکہ اس دن مالک کی خواہش یہ ہوگی کہ ساری زندگی اس نے تکلیف اٹھائی ہے اور مجھے راضی کرنے کی کوشش کی ہے، آج اس کی تکلیفوں کی ایسی جزاء دی جائے کہ میرا بندہ مجھ سے خوش ہو جائے، تو یوم الجزاء بندہ کی آرزوؤں کی تکمیل (جس کو دنیا کی زبان میں موافقت نفس بھی آپ کہہ سکتے ہیں) کا دن ہوگا اور خود مالک کو مطلوب یہی ہوگا، تو یہ کیسی حماقت ہوگی کہ مطلوب ہی کو مسترد کر دیا جائے۔

☆ نیز اس دنیا میں جس نفس کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے وہ نفس امارہ ہے، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی مخالفت مطلوب نہیں ہے، اور انسان کی جب موت ہوتی ہے تو نفس امارہ بھی مر جاتا ہے، پھر آخرت میں جب نئی زندگی کا آغاز ہوگا تو اس وقت انسان کے پاس یہ نفس امارہ موجود نہ ہوگا، پھر ظاہر ہے کہ مخالفت کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اس درویش نے پوچھا کہ سالکان طریقت پر بھی شیطان کا غلبہ ہوتا ہے؟ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جو سالک ==

== مقام فنائے نفس کو نہ پہونچا ہو غصہ کے وقت شیطان اس پر قابو پالیتا ہے، لیکن جو اس مقام پر پہونچ گیا ہو اس کو غصہ نہیں آتا بلکہ غیرت آتی ہے، اور جہاں غیرت ہوتی ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے، اور یہ صفت اس شخص میں ہوتی ہے جو کتاب اللہ کو ایک ہاتھ میں اور سنت رسول اللہ کو دوسرے ہاتھ میں لئے ہوئے ہو، اور ان دونوں کی روشنی میں راستہ چلتا ہو۔

آپ اتباع سنت اور شریعت مطہرہ کو طریقت کی روح اور خلاف شریعت کو زیغ وضلال قرار دیتے تھے۔

بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، بڑے واقعات آپ سے منسوب ہیں، آپ ولایت کے اس مقام بلند تک پہونچے کہ ہر نماز کے لئے آپ خانۂ کعبہ تشریف لے جاتے اور واپس آجاتے۔

آخری وقت آیا تو مرید وفرزند وہاں موجود تھے، آپ نے آنکھیں کھول کر فرمایا: عزیزو! خوش خبری ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہے اور اپنی رضا کی بشارت دی ہے"، تمام لوگ رونے لگے اور عرض کیا کہ ہمارے لئے بھی دعا فرمائیں، آپ نے فرمایا: تم کو بھی بشارت ہو، اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے کہ جو شخص اس طریق پر تا آخر استقامت رکھے گا، میں اس پر رحمت کروں گا اور اسے بخش دوں گا، کوشش کرو کہ اس طریقہ سے علٰحدہ نہ رہو" تھوڑی دیر بعد آواز آئی "

يَاأَيَّتُهَاالنَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ★ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (الفجر: ۲۷، ۲۸)

(ترجمہ: اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہوں، یوں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی)

اس کے ساتھ ہی آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، تاریخ وفات ۱۲ / ربیع الاول ۵۷۵ھ (۲۳ / اگست ۱۱۷۹ء) ہے، آپ کا مزار مبارک غجدوان میں ہے۔

عام تذکروں میں یہی تاریخ وفات درج ہے، جن کے نام نیچے آرہے ہیں، لیکن رسالہ "عارف نامہ" (مؤلفہ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ) کے حاشیہ میں حضرت ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ نے حضرات القدس (دفتر اول ص غلام مصطفیٰ خان صاحبؒ ص ۸، شائع کردہ زوار اکیڈمی کراچی)

آپ نے اپنے فرزندوں اور حلقۂ احباب کو جو وصیت کی تھی، اس کے چند اہم اجزاء یہ تھے: ☆ خانقاہ نہ بناؤ اور نہ خانقاہ میں رہو، ☆ اہل دنیا اور بادشاہوں سے دور رہو، ☆ قہقہہ مار کر نہ ہنسو، ☆ کسی سے کچھ طلب نہ کرو، جو مانگنا ہو اللہ پاک سے مانگو، ☆ محفل سماع میں کثرت سے نہ بیٹھو، کیونکہ سماع کی کثرت سے نفاق پیدا ہوتا ہے، اور دل مردہ ہو جاتا ہے، سماع صرف اس شخص کے لئے جائز ہے، جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو۔

طریقۂ نقشبندیہ کی بنا جن مصطلحات وکلمات پر ہے، وہ آپ ہی کے وضع کردہ ہیں، سلسلۂ نقشبندیہ کی بنیاد گیارہ (۱۱) اصولوں پر رکھی گئی ہے:

(۱) ہوش در دم (۲) نظر بہ قدم (۳) سفر در وطن (۴) خلوت در انجمن (۵) یاد کرد (۶) باز گشت (۷) نگاہ داشت (۸) یاد داشت ==

۲۳-حضرت خواجہ ابویعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ء یا ۱۰۵۰ء-وفات ۲۲/ربیع الاول یا ۲/رجب ۵۳۵ھ مطابق ۱۱/نومبر ۱۱۴۰ء یا ۱۴/مارچ ۱۱۴۱ء)

۲۴-شیخ بوعلی فارمدی طوسیؒ (ولادت ۴۰۷ھ یا ۴۳۴ھ مطابق ۱۰۱۶ء یا ۱۰۴۲ء وفات ۴/ربیع الاول ۴۷۷ھ مطابق ۱۶/جولائی ۱۰۸۴ء)(۲۳۷)

==بعد میں حضرت خواجہ نقشبندؒ نے تین اصولوں کا اضافہ کیا:

(۹)وقوف عددی (۱۰)وقوف زمانی (۱۱)وقوف قلبی

ان مصطلحات کی تشریح آئندہ ایک مستقل باب میں آئے گی۔

مادۂ وفات: آفتاب کامل (۵۷۵ھ)

(تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۵۰ تا ۲۵۹ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۹۸ تا ۱۰۹)

(۲۳۷) اسم گرامی فضل اللہ بن محمد بن علی اور کنیت ابوعلی ہے، آپ ۴۳۴ھ/ ۱۰۴۲ء ۱۰۴۳ء میں طوس کے نواحی گاؤں ''فارمد'' میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے آپ ''فارمدی'' کہلاتے ہیں۔

شعور کی عمر کو پہونچے تو حصول علم کے لئے نیشا پور تشریف لے گئے اور وہاں حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے کسب فیض کیا، یہاں آپ پر بڑے عجیب وغریب حالات وواردات ظاہر ہوئے، جب شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ نیشا پور سے تشریف لے گئے، تو آپ امام ابوالقاسم قشیریؒ صاحب رسالۂ قشیریہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے احوال وواردات بیان فرمائے، امام ابوالقاسمؒ نے فرمایا: اے لڑکے! جا تحصیل علم میں مشغول ہو''

چنانچہ آپ حصول علم میں تین سال تک مشغول رہے، اس دوران آپ نے فقہ امام ابوحامد غزالی کبیرؒ سے پڑھی، اور سماع حدیث ابوعبداللہ بن باکوشیرازیؒ، ابومنصور تمیمیؒ، ابوحامد غزالی کبیرؒ، ابوعبدالرحمن نیلیؒ، اور ابوعثمان صابونیؒ سے کیا، لیکن وہ حالات وواردات ختم نہیں ہوئے، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن آپ نے دوات میں قلم ڈال کر نکالا تو وہ سفید تھا، آپ نے امام ابوالقاسم قشیری کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا، تو امام موصوفؒ نے فرمایا: جب علم نے تجھ سے ہاتھ اٹھالیا تو بھی اس سے ہاتھ اٹھالے، اور طریقت کے کام میں لگ جا، آخر آپ مدرسہ سے خانقاہ میں آگئے اور حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ کی خدمت میں مصروف ہو گئے، ایک دن امام قشیریؒ حمام میں گئے، آپ بھی ساتھ ہو لئے، اور امام موصوف کے غسل کے لئے چند ڈول پانی حمام میں ڈال دیئے، جب امام موصوف غسل سے فارغ ہو کر حمام سے باہر آئے، تو فرمایا یہ کون شخص تھا جس نے حمام میں پانی ڈالا، آپ اس خوف سے خاموش رہے کہ کہیں مرضی کے خلاف نہ ہوا ہو، آخر امام صاحب نے دوبارہ اور سہ بارہ دریافت فرمایا تو ڈرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ خادم تھا، امام صاحب نے فرمایا: اے ابوعلی! جو کچھ ابوالقاسم قشیریؒ (یعنی میں) نے ستر (۷۰) سال میں حاصل کیا تھا، تو نے پانی کے چند ڈول میں پالیا،--- پھر آپ مجاہدے میں مشغول ہو گئے، ایک دن آپ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ آپ ==

==اس میں گم ہو گئے، آپ نے وہ کیفیت امام قشیریؒ سے عرض کی، امام صاحب نے فرمایا کہ اے ابوعلی! میری رسائی اس سے زیادہ نہیں ہے۔

اس طرح روحانیت کی پہلی نسبت آپ کو امام قشیریؒ سے حاصل ہوئی، یہ نسبت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے ہوتے ہوئے حضرت علیؓ تک پہونچتی ہے، وہ اس طرح کہ :

حضرت بوعلی فارمدیؒ کو یہ نسبت حاصل ہوئی حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ سے، ان کو خواجہ بوعلی دقاقؒ سے، ان کو خواجہ ابوالقاسم نصیر آبادیؒ سے، ان کو حضرت ابوعلی رودباریؒ، خواجہ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوبکر واسطیؒ تینوں بزرگوں سے، اور ان سب کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے، ان کو شیخ سری سقطیؒ سے، ان کو شیخ معروف کرخیؒ سے، ان کو شیخ داؤد طائیؒ سے، ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے، ان کو امام الاولیاء حضرت حسن بصریؒ سے، ان کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے، اور ان کو سرور کائنات حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۲۷ مرتبہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی)

اس کے بعد آپ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ (خلیفۂ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کی اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے، آخر حضرتؒ کی شفقت اتنی بڑھی کہ انہوں نے آپ کو اپنی دامادی کا شرف بھی عطا فرمایا۔

پھر اویسی طور پر آپ کو براہ راست حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے بھی نسبت حاصل ہوئی، بلکہ آپ کی یہی نسبت زیادہ مشہور ہوئی یہاں تک کہ بعض لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ براہ راست حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ہی کے خلیفہ ہیں، یہاں تک کہ شجرات میں بھی حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کا نام درج نہیں کیا گیا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ولادت حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی وفات کے بعد ہوئی --- اویسی طور پر فیضیابی کی بھی اپنی اہمیت ہے لیکن کمال تک رسائی کے لئے ظاہری واسطہ ضروری ہے، اسی سے استفادہ میں استناد پیدا ہوتا ہے، عام حالات میں ظاہری واسطہ کے بغیر انسان میں وہ اہلیت پیدا نہیں ہوتی کہ روحانی طور پر مشائخ متقدمین سے کسب فیض کر سکے، شیخ ظاہر کی صحبت و تربیت سے انسان کے قلب و روح میں وہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ سابقہ ارواح صالحین سے اتصال قائم کر سکے، اس لئے درمیانی واسطہ کو حذف کرنا استناد کے نقطۂ نظر سے بھی اور فیضان کے لحاظ سے بھی مناسب نہیں۔

تکمیل سلوک کے بعد آپ طوس سے نیشاپور تشریف لے گئے، وہاں آپ کا وعظ بہت مقبول ہو گیا، بڑے بڑے امراء بالخصوص نظام الملک کے یہاں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، آپ کو لسان الوقت کا خطاب دیا گیا، فتوحات کے دروازے کھل گئے، مگر وہ سب آپ صوفیا اور غرباء پر خرچ کر دیتے تھے، ابن سمعانیؒ کا قول ہے کہ "ابوعلی لسان خراسان اور شیخ خراسان تھے" بڑے بڑے اکابر وقت آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ بھی آپ ہی سے بیعت اور تربیت یافتہ ہیں۔==

۲۵-حضرت شیخ ابوالقاسم کرگانیؒ (وفات ۴۵۰ھ/ ۴۶۹ھ م ۱۰۵۸ء/ ۱۰۷۶ء)(۲۳۸)

== آپ کے خلفاء میں دونامور ہستیاں شامل ہیں، اول حضرت یوسف ہمدانیؒ جن سے سلسلۂ نقشبندیہ چلا، اوردوم حضرت احمد غزالیؒ (م ۵۲۰ھ/ ۱۱۲۶ء) جو امام غزالی کے چھوٹے بھائی تھے، ان سے دو بڑے سلسلے سہروردیہ اور مولویہ (مولانا رومیؒ کی نسبت سے موسوم) جاری ہوئے، اس طرح تصوف کی تاریخ میں حضرت ابوعلی فارمدیؒ کو یہ ممتاز مقام حاصل ہے کہ آپ کئی بڑے سلاسل کے امام ہیں۔

آپ کی وفات ۴/ ربیع الاول ۴۷۷ھ (۱۶/ جولائی ۱۰۸۴ء) کو تینتالیس (۴۳) سال کی عمر میں ہوئی، مزار اقدس طوس میں مرجع خاص وعام ہے۔

مادہ تاریخ رحلت: ''عزت'' ☆ ''عبادت'' (۴۷۷ھ)۔

(تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ ص ۸۹ تا ۹۲ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی بحوالہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکیؒ نفحات الانس ☆ تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۴۱ تا ۲۴۴ مؤلفہ مولانا محمد صادق قصوریؒ ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۲۲ مؤلفہ مولانا سید زوار حسینؒ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۹۳ تا ۱۹۶ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۲۳۸) اسم مبارک علی بن عبداللہ اور کنیت ابوالقاسم ہے، طوس کے نواح میں ایک دیہات ''کُرگان'' کے رہنے والے تھے، یہ بغداد میں سلجوقیوں کا دور تھا، اس وقت ترکستان، ایران، عراق، اور شام بغداد کے زیر نگیں تھے۔

حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ براہ راست حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے تربیت یافتہ اور خلیفہ ہیں، ان کے علاوہ تین واسطوں ۱-حضرت ابوعثمان مغربیؒ، ۲-ابوعلی الکاتبؒ، ۳-اور ابوعلی رودباریؒ- کے ذریعہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے بھی آپ کو نسبت حاصل ہے، حضرت جنید بغدادیؒ کو یہ نسبت اپنے ماموں حضرت سری سقطیؒ سے ملی، ان کو حضرت معروف کرخیؒ سے، اور حضرت معروف کرخیؒ بہت سے بزرگوں کے فیض یافتہ ہیں، جن میں دو سلسلے زیادہ مشہور ہیں:

۱-آپ کو یہ نسبت حاصل ہوئی حضرت امام علی بن موسیٰ رضا سے، ان کو امام موسیٰ کاظمؒ سے، ان کو امام جعفر صادقؒ سے، ان کو اپنے والد امام محمد باقرؒ سے، ان کو اپنے والد امام زین العابدینؒ سے، ان کو اپنے والد امام حسینؓ سے، ان کو اپنے والد امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے اور ان کو سید المرسلین حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

۲-حضرت معروف کرخیؒ کو دوسری نسبت حضرت داؤد طائیؒ سے بھی حاصل ہے، ان کو حضرت حبیب عجمیؒ سے، ان کو حضرت حسن بصریؒ سے، ان کو حضرت انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، اور ان کو حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲۲۷ تا ۲۳۸ ☆ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج ۶ ص ۲۱۳، تحقیق وتعلیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شائع کردہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی ۲۰۱۵ء)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان وسائط کے لئے غالباً شیخ احمد قشاشیؒ کی کتاب ''عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید'' سے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ آپ نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲۳۸)

حضرت کرگانیؒ اپنے وقت میں بے نظیر وبے بدل اور مرجع الکل تھے، اور کشف کے باب میں بڑی شہرت رکھتے تھے، ==

عام طور پر شجرات اور تصوف کی کتابوں میں حضرت بوعلی فارمدیؒ اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے درمیان حضرت ابوالقاسم کرگانیؒ کا نام نہیں ملتا ہے، بلکہ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ کے بعد بلافصل حضرت بوعلی فارمدیؒ کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ خرقانیؒ سے حضرت فارمدیؒ کی ملاقات ثابت بلکہ ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت خرقانیؒ کی وفات (۴۲۵ھ) کے کئی سال بعد حضرت فارمدیؒ کی ولادت (۴۳۴ھ میں) ہوئی، آپ کو باطنی کمالات اصلاً دو مشائخ طریق (حضرت ابوالقاسم قشیریؒ (۲۳۹) اور حضرت ابوالقاسم کرگانیؒ) کے زیر صحبت حاصل ہوئے۔

==حضرت قطب دوراں داتا گنج بخش ہجویری لاہوریؒ (م ۴۶۷ھ/ ۱۰۷۴ء) فرماتے ہیں کہ مجھے ایک واقعہ پیش آیا جس کا حل کرنا دشوار تھا، میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے طوس پہونچا، اس وقت آپ مسجد کے حجرے میں تنہا تھے، اور ایک ستون کو مخاطب کر کے میرا ہی واقعہ ارشاد فرمارہے تھے، میں نے عرض کیا، حضرت! آپ کس سے گفتگو کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا، اے لڑکے! اللہ پاک نے اس وقت اس ستون کو میرے ساتھ گویا کر دیا، اس نے مجھ سے سوال کیا جس کا میں جواب دے رہا ہوں۔

آپ صاحب تصانیف عالم تھے، آپ کی کتاب ''اصول الطریقۃ وفصول الحقیقۃ'' تصوف کے موضوع پر اہم تحریر ہے، وصال پر ملال ۲۳/صفر ۴۵۰ھ/ ۴۶۹ھ (۲۶/اپریل ۱۰۵۸ء/ ۱۰۷۶ء) کو ہوا (تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۸۶ تا ۸۸ ☆ سفینۃ الاولیاء (فارسی) ص ۱۲۶ مؤلفہ داراشکوہ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۸۹ تا ۱۹۲ عبدالرسول للٰہی)

(۲۳۹) حضرت شیخ ابوالقاسم قشیریؒ کا پورا نام ہے ''عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک بن طلحہ نیشاپوری القشیریؒ''، قبیلۂ بنو قشیر ابن کعب سے تعلق تھا، نیشاپور کے رہنے والے تھے، استاذ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، تاریخ ولادت ۳۷۶ھ م ۹۸۶ء ہے، حضرت شیخ بوعلی دقاقؒ سے آپ نے سلوک کی تعلیم حاصل کی، شیخ بوعلی دقاقؒ کو خواجہ ابوالقاسم نصر آبادیؒ سے انتساب تھا، ان کو حضرت ابوعلی رودباریؒ، خواجہ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوبکر واسطیؒ تینوں بزرگوں سے، اور ان سب کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے، ان کو شیخ سری سقطیؒ سے، ان کو شیخ معروف کرخیؒ سے، ان کو شیخ داؤد طائیؒ سے، ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے، ان کو امام الاولیاء حضرت حسن بصریؒ سے، ان کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے، اور ان کو سرور کائنات حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۷ مرتبہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی)

آپ بڑے صاحب کرامات اور اپنے وقت میں خراسان کے اندر مرجع خلائق تھے، سلطان الپ ارسلان آپ کا بے حد احترام کرتا تھا، تصوف وعلم الاخلاق کی مشہور زمانہ کتاب ''رسالۂ قشیریہ'' آپ ہی کی تصنیف لطیف ہے، اس کے علاوہ تفسیر قرآن بھی آپ نے لکھی، اس کا نام ''التیسیر فی التفسیر'' ہے (تین جلدوں میں ہے)، اس کا ایک نام ''تفسیر کبیر'' بھی ہے، اور اسی کو ''تفسیر لطائف الاشارات'' بھی کہتے ہیں، اور بھی کئی بلند پایہ تصانیف کا ذکر ملتا ہے، وصال پر ملال==

☆امام قشیریؒ کو یہ نسبت حضرت شیخ بوعلی دقاقؒ (متوفی ۴۰۵ھ م ۱۰۱۴ء)(۲۴۰) سے حاصل

==ربیع الثانی ۴۶۵ھ (دسمبر ۱۰۷۲ء) میں ہوا (نفحات الانس ص ۵۴۸ مؤلفہ حضرت جامیؒ ☆ **الأعلام ج ٤ ص ٥٧ المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس ، الزركلي الدمشقي (المتوفى : 1396هـ) الناشر : دار العلم للملايين الطبعة : الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م بحواله طبقات السبكي3: 243-248 والوفيات 1: 299 وتاريخ بغداد 11: 83 مفتاح السعادة 1: 438 ثم 2: 186 ومجلة الكتاب 3: 185 وتبيين كذب المفتري 271 و Brock I: 556 I 770S وانظر فهرسته. وكشف الظنون 520 و 1551 والتيمورية 1: 230. وتذكرة النوادر 24 وانظر كتابخانه دانشكاه تهران: جلدأول، ص 185)**

(۲۴۰) اصل نام حسن بن محمد بن دقاق ہے، اپنے عہد میں نیشاپور کی زبان، اعلیٰ درجہ کے خطیب، بڑے عالم دین اور یکتائے روزگار تھے، بے شمار مشائخ کو دیکھا اور فیضیاب ہوئے، آپ حضرت ابوالقاسم نصیر آبادیؒ کے خلیفہ اجل ہیں، صاحب قال کے ساتھ صاحب حال بھی تھے، طبیعت میں بے حد حرارت تھی، آپ کی مجلس میں بڑے بڑے علماء حاضر ہوتے تھے، حضرت ابوالقاسم قشیریؒ (صاحب رسالہ قشیریہ) بھی ان حاضر باشوں میں تھے، جو آپ کے شاگرد، مرید اور داماد بھی تھے، حضرت قشیریؒ نے آپ کے مجلسی افادات کا مجموعہ مرتب کیا، آپ کی مجلس میں بڑے بڑے دقیق مسائل ہوتے تھے، اور آپ کے کشف وکرامات کا بھی ظہور ہوتا تھا، مثلاً:

☆ایک صاحب مجلس میں حاضر ہوئے، اس نے شیخ کے سر پر خوبصورت دستار دیکھی تو اس کی طمع پیدا ہوگئی، اس نے سوال کیا کہ حضرت! توکل کس چیز کا نام ہے؟ شیخ نے فرمایا توکل یہ ہے کہ دستار کی طمع تم سے ختم ہوجائے۔

☆ایک شخص نے خدا کے نزول کے بارے میں دریافت کیا، تو آپ نے جواب میں دو عربی اشعار پڑھے:

خليلى هل ابصرتما اوسمعتما　　　باكرم من رب يمشى الىٰ عبده

اتىٰ زائراًمن غيروعده قال لى　　　اصوتك من تعليق قلبك بالوعد

ترجمہ: تم نے سنا کہ دیکھا ہے اے میرے دوستو!، رب سے بڑا کریم جو بندے کے پاس آئے، وعدہ کئے بغیر ہی وہ میرے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے کہ صرف میں ہوں جو تیرے دل کو آواز دے۔

آخری عمر میں آپ سراپا درد بن گئے تھے، خوف وگریہ کا بڑا غلبہ تھا، کہتے ہیں کہ جب شام ہونے لگتی تو چھت پر چڑھ جاتے، اور آفتاب کی طرف منہ کر کے کہتے کہ "بتاؤ! آج کیسی گذری، کسی جگہ تم کسی غمزدہ پر چمکے، اور کسی جگہ ان زیر وزبر ہونے والوں کی تم کو کچھ خبر ملی؟ اس طرح غروب تک سورج سے ہم کلام رہتے۔

یہ کیفیت کبھی خود کلامی میں تبدیل ہوجاتی تھی مجلس میں بھی ایسی دقیق باتیں فرمانے لگتے جو لوگوں کی فہم سے بالاتر ہوتیں، اسی لئے اخیر میں مجلس کے حاضرین کی تعداد کم ہوگئی تھی، زیادہ سے زیادہ سترہ اٹھارہ (۱۸) آدمی رہ گئے تھے، حضرت جامیؒ نے شیخ الاسلامؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "جب شیخ ابوعلی دقاقؒ کا کلام اس بلندی پر پہونچا تو ان کی مجلس لوگوں سے ==

ہوئی، ان کو خواجہ ابوالقاسم نصر آبادیؒ (متوفی ۳۶۷ھ یا ۳۷۲ھ) (۲۴۱) سے، ان کو حضرت ابوعلی رودباریؒ (متوفی ۳۲۲ھ/ ۹۴۴ء) (۲۴۲)، خواجہ ابوبکر شبلیؒ (متوفی ۳۳۴ھ/ ۹۴۶ء) وحضرت ابوبکر واسطیؒ (متوفی

== خالی ہوگئی‘‘

آپ کی وفات نیشاپور میں بماہ ذی قعدہ ۴۰۵ھ (اپریل ۱۰۱۴ء) اور بقول بعض ۴۰۶ھ (م ۱۰۱۵ء) ہوئی، اور آسمانی سورج سے ہم کلام رہنے والا علم وطریقت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا (نفحات الانس ص ۵۲۴ تا ۵۲۶ مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ، ترجمہ: شمس بریلوی، ناشر: دانش پبلشنگ کمپنی دریا گنج دہلی، ۲۰۱۰ء☆ سفینۃ الاولیاء فارسی ص ۲۷۳ مؤلفہ داراشکوہ)

(۲۴۱) پورا نام ابوالقاسم ابراہیم بن محمد بن محمود نصر آبادیؒ ہے، خراسان کے شیخ تھے، نیشاپور میں پیدا ہوئے، اور وہیں پروان چڑھے، کئی علوم میں آپ کو تبحر حاصل تھا، حدیث شریف اور علم تاریخ کے حافظ تھے، خاص طور پر علم معرفت اور حقائق کا گہرا درک حاصل تھا، روایت حدیث میں قابل اعتماد تھے، علم اور حال میں یکتائے روزگار تھے، شیخ ابراہیم شیبانیؒ کے شاگرد رشید تھے، حضرت ابوبکر شبلیؒ، شیخ واسطیؒ، حضرت ابوعلی رودباریؒ، شیخ ابوبکر طاہرؒ اور حضرت ابومحمد مرتعشؒ جیسے اکابر وقت سے مستفید ہوئے، ساری زندگی نیشاپور میں رہے، آخری عمر میں حج کے لئے تشریف لے گئے، اور مکہ معظمہ میں مقیم ہوگئے، شیخ ابوعثمان مغربیؒ ان کے استقبال کے لئے جب سامنے آئے تو تو انہوں نے خوش طبعی سے فرمایا کہ مکہ میں آپ کی کیا جگہ ہے؟، شیخ نصر آبادیؒ نے کہا کہ اور آپ کی کیا جگہ ہے، یہ میری جگہ ہے، اتفاق سے کچھ ہی مدت کے بعد حضرت ابوعثمانؒ مکہ سے نیشاپور واپس ہوگئے، اور حضرت نصر آبادیؒ تاحیات مکہ معظمہ میں مقیم رہے، یہاں تک کہ ۳۶۷ھ م ۹۷۷ء (بروایت طبقات الصوفیہ) یا ۳۷۲ھ م ۹۸۲ء (بروایت نفحات الانس) میں آپ نے انتقال فرمایا۔
(طبقات الصوفیۃ ص ۴۴۳ تا ۴۴۶ مؤلفہ شیخ ابوعبدالرحمن محمد بن الحسین السلمی، مترجم شاہ محمد چشتی، ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دریا گنج دہلی، ۲۰۱۴ء☆ نفحات الانس ص ۵۱۴، ۵۲۴ مؤلفہ شیخ عبدالرحمن جامیؒ)

(۲۴۲) اسم گرامی ’’احمد بن محمد بن قاسم بن منصور بن شہر یار رودباری ہے، آپ کے آباء کرام کا نسب کسریٰ شاہ فارس (نوشیرواں عادل) تک پہونچتا ہے، وطن مالوف بغداد تھا، لیکن مصر میں رہائش اختیار کر لی تھی، اور وہیں وفات پائی، آپ مصر کے مشائخ اور علماء کے امام تھے آپ کے ماموں ابوعبداللہ رودباریؒ ہیں۔

آپ سید الطائفہ جنید بغدادی کے اجل خلفاء میں ہیں، نیز حضرت ممشاد دینوریؒ، حضرت ابوالحسین نوریؒ، حضرت ابوحمزہؒ، حضرت حسن مسوحیؒ کے بھی فیض یافتہ ہیں، ایک عرصہ تک شام میں حضرت ابن جلاء کی صحبت میں بھی رہے۔

حضرت جنید بغدادی سے آپ کے تعلق کا پس منظر یہ ہے کہ آپ اپنے آبائی طرز کے مطابق امیرانہ ٹھاٹ باٹ کے ساتھ رہتے تھے، ایک دن حضرت جنید بغدادیؒ جامع مسجد میں وعظ فرما رہے تھے، حسن اتفاق آپ بھی اس وقت جامع مسجد میں موجود تھے، (شیخ سلمی کی روایت ہے کہ آپ مسجد کے باہر گذر رہے تھے) کہ دوران وعظ شیخ نے مجلس میں کسی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’اسمع یاھذا! اے شخص سنو، آپ نے سمجھا کہ شیخ مجھ سے ہی مخاطب ہیں، آپ کھڑے ==

۳۲۰ء/ ۹۳۲ء یا ۳۳۱ھ/ ۹۴۲ء) (۲۴۳) تینوں مشائخ سے، اور یہ سب سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی

== ہوگئے، اور حضرت کی باتیں سننے لگے، اور اسی وعظ اور حضرت کی خصوصی توجہ نے آپ کی کایا پلٹ کر رکھ دی، دل دنیا سے اچاٹ ہوگیا، اور سب کچھ دولت، جائیداد وغیرہ چھوڑ کر حضرت بغدادی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے۔

آپ نے اپنے مشائخ کے بارے میں فرمایا کہ: تصوف میں میرے استاذ حضرت جنیدؒ، فقہ میں حضرت ابو العباس بن سریجؒ، ادب میں حضرت ثعلبؒ، اور حدیث میں حضرت ابراہیم حربیؒ ہیں۔

آپ بڑے عالم، حافظ حدیث، فقیہ، ادیب، شاعر اور امام وقت تھے، شیخ عبد الرحمن سلمیؒ نے آپ کی کئی مرویات حدیث سند متصل کے ساتھ نقل کی ہیں (طبقات الصوفیۃ ۲۵۰) نفحات الانس میں آپ کے شعری نمونے بھی نقل کئے گئے ہیں۔

کتب تصوف میں آپ کے بہت سے قیمتی ارشادات محفوظ ہیں جن کا تعلق حکمت دین اور اسرار شریعت سے ہے، ان میں سے چند بطور نمونہ یہ ہیں:

☆ آپ سے "اشارہ" کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: کہ اشارہ صرف اس شخص کے وجود میں موجود شے کا اظہار ہوتا ہے، جس کی طرف اشارہ کیا جائے، اور درحقیقت اشارہ کے ساتھ اسباب ہوتے ہیں، وہ اسباب خلقت کی نظر سے دور ہوتے ہیں۔

☆ آپ سے مرید اور مراد کے بارے میں سوال کیا گیا، تو آپ نے فرمایا: مرید وہ ہوتا ہے جو اپنے نفس کے لئے وہی پسند کرتا ہے، جو اللہ نے اسے دینا ہوتا ہے، اور مراد وہ شخص ہوتا ہے جو کائنات میں اللہ کے سوا کوئی شے نہیں چاہتا۔

☆ اپنے خال محترم حضرت ابو علیؒ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ اگر اہل توحید تجرید (اللہ کے مقابلے میں ہر شے سے کٹ کر) کی زبان میں بات کریں تو ہر حق پرست مر جائے گا۔

آپ کی وفات ۳۳۲ھ (مطابق ۹۴۴ء) میں ہوئی، نفحات الانس میں ۳۳۱ھ لکھا ہے، بوقت نزع آپ کی زبان پر یہ عربی شعر جاری تھا:

وحقك لانظرت الیٰ سواك	بعین مودة حتیٰ اراك
تیرے حق کی قسم میں نے محبت کی نگاہوں سے	نہ دیکھا ہے، نہ دیکھوں گا کسی کو بھی بجز تیرے

(خزینۃ الاصفیاء ج ۴ ص ۱۳ مؤلفہ: مفتی غلام سرور لاہوریؒ، اردو ترجمہ: جناب محمد ظہیر الدین بھٹی، مکتبۂ نبویہ لاہور، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء ☆ طبقات الصوفیۃ للسلمیؒ ص ۲۴۹ تا ۲۵۳ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۴۱۶ تا ۴۱۹)

(۲۴۳) پورا نام ابوبکر محمد بن موسیٰ واسطی ہے، فرغانہ کے رہنے والے تھے، اس لئے ابن الفرغانی کہلاتے تھے، حضرت جنید بغدادی اور حضرت ابو الحسین نوری کے اولین تلامذہ میں ہیں، علم ظاہر اور باطن دونوں کے جامع تھے، قادر الکلام شاعر بھی تھے، اور صوفیانہ شاعری کرتے تھے، اس میں توحید اور معرفت کے دقیق مضامین ہوتے تھے، جس کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے، ان کو ہمیشہ ایسے سامعین کی تلاش رہی جو ان کے کلام کو سمجھ سکیں، آپ کا کلام زیادہ تر اہل مرو (فارس کا ایک شہر) کے پاس پڑھا اور سنا جاتا تھا، جو آپ کا وطن ثانی ہوگیا تھا، آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ==

(متوفیٰ ۲۹۷ھ/ ۹۱۰ء) کے خلفاء ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ سے یہ سلسلہ امیر المؤمنین حضرت علیؓ تک پہونچتا ہے۔

☆ جس میں ایک نسبت اویسی ہے: یعنی حضرت خرقانیؒ حضرت بایزید بسطامیؒ سے، وہ حضرت جعفر صادقؒ سے، وہ حضرت قاسم بن محمدؒ سے، وہ حضرت سلمان فارسیؓ سے اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے مستفید ہیں۔

اس سلسلہ میں ظاہری طور پر اتصال موجود نہیں ہے، کئی جگہ انقطاع پایا جاتا ہے۔

☆ البتہ دوسری نسبت چند واسطوں سے حضرت صدیق اکبرؓ تک پہونچتی ہے، اس میں انقطاع نہیں ہے، وہ اس طرح ہے:

''آپؒ کے شیخ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ ہیں، ان کے حضرت **ابو المظفر** مولیٰ ترک طوسیؒ، ان کے خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ، ان کے خواجہ محمد مغربیؒ (م ۲۷۹ھ/ ۸۹۲ء یا ۲۹۹ھ/ ۹۱۲ء) (۲۴۴)، ان کے

== نے عراق چھوڑ کر ''مرو'' کو کیوں اختیار کیا، تو ارشاد فرمایا کہ یہ ذہین اور اہل فہم حضرات کا شہر ہے، یہ لوگ میرے کلام کے فہم کی اہلیت رکھتے ہیں، تصوف کے اصول آپ نے مرتب کئے تھے، وہ بھی بے نظیر تھے، مرو ہی میں ۳۳۱ھ/ ۹۴۲ء میں اور نفحات اور طبقات کے مطابق ۳۲۰ء م ۹۳۲ء میں وفات پائی، اور مرو ہی میں مدفون ہوئے (طبقات الصوفیہ للسلمیؒ ص ۲۱۲ تا ۲۱۵ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۳۷۹ تا ۳۸۱ ☆ **الأعلام ج ۷ ص ۱۱۷ المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م بحواله: العروسي على شرح الرسالة القشيرية 1: 178 وطبقات الصوفية 302 وطبقات الشعراني 85 وانظر Brock S.1:357.)**

(۲۴۴) پورا نام ''ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل مغربیؒ'' ہے، آپ حضرت ابوالحسن علی بن رزینؒ کے شاگرد اور مرید ہیں، حضرت ابوالحسنؒ کو شیخ طریقت حضرت عبدالواحد رند بصریؒ سے نسبت حاصل تھی، اور شیخ عبدالواحد کو حضرت حسن بصریؒ سے شرف صحبت حاصل تھا۔

بہت مؤثر وعظ فرماتے تھے، ایک بار آپ کوہ سینا پر وعظ فرما رہے تھے، سلسلۂ سخن یہاں تک پہونچا کہ جب بندہ اللہ پاک سے اس قدر قریب ہوجاتا ہے، کہ وہ صرف خدا کا بن جاتا ہے، آپ نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کلام کی تاثیر سے ایک پتھر کو جنبش ہوئی، اور پہاڑ سے الگ ہوکر پارہ پارہ ہوگیا، اور اس کے ٹکڑے تمام جنگل میں پھیل گئے۔

آپ کے تلامذہ میں حضرت ابراہیم خواصؒ، شیخ ابوبکر بیکندیؒ اور حضرت ابراہیم بن شیبان کرمان شاہیؒ بطور خاص قابل ذکر ہیں، آپ نے ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر پائی، آپ کے شیخ حضرت ابوالحسنؒ نے بھی ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر پائی تھی، طور سینا پہاڑ (سلسلۂ کوہ ارارات شام) پر آپ کی وفات ہوئی اور وہیں اپنے پیر و مرشد حضرت ==

حضرت بایزید بسطامیؒ، ان کے حضرت امام علی رضاؒ (م ۲۰۸ھ/ ۸۲۴ء)، ان کے حضرت امام موسیٰ کاظمؒ (۱۲۸ھ ۱۸۳ھ)، ان کے حضرت امام جعفر صادقؒ، ان کے حضرت قاسم بن محمدؒ، ان کے حضرت سلمان فارسیؓ، ان کے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔

☆ حضرت امام جعفر صادقؒ کا ایک آبائی سلسلہ بھی ہے، یعنی حضرت جعفرؒ اپنے والد ماجد حضرت امام محمد باقرؒ (متوفیٰ ۱۱۲ھ/ ۷۳۱ء) سے، وہ اپنے والد ماجد حضرت امام زین العابدینؒ (متوفیٰ ۹۹ھ مطابق ۷۱۷ء) سے، وہ اپنے والد ماجد حضرت امام حسینؓ (متوفیٰ ۱۰/ محرم الحرام ۶۱ھ/ ۱۰/ اکتوبر ۶۸۰ء) سے، وہ اپنے والد ماجد امیر المؤمنین حضرت علیؓ (متوفیٰ ۱۷ یا ۲۱/ رمضان المبارک ۴۰ھ م ۲۶ یا ۳۰/ جنوری ۶۶۱ء) سے، اور وہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (۲۴۵)۔

حضرت کرگانیؒ کا دوسرا سلسلۂ طریق یہ ہے:

آپ کے شیخ حضرت ابوعثمان مغربیؒ (متوفیٰ ۳۷۳ھ/ ۹۸۳ء) (۲۴۶) ہیں، ان کے حضرت

== ابوالحسنؒ کی قبر کے بازو میں مدفون ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، بعض نے ۲۷۹ھ (۸۹۲ء) لکھا ہے، اور بعض نے ۲۹۹ھ (۹۱۲ء) لکھا ہے، صاحب طبقات الصوفیہ علامہ سلمیؒ اور علامہ جامیؒ کے نزدیک آخرالذکر روایت زیادہ صحیح ہے (طبقات الصوفیہ للسلمی ص ۱۷۱ تا ۱۷۳ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۲۵۴، ۲۵۵)

(۲۴۵) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲۲۸، ۲۳۸۔

(۲۴۶) پورا نام ''سعید بن سلام مغربی'' ہے، کنیت ''ابوعثمان'' ہے، قیروان (افریقہ) کے علاقے میں ''کرکنت'' نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، حضرت ابوعلی بن کاتبؒ سے آپ کا انتساب تھا، یوں حضرت ابوالحسن بن صائغ دینوریؒ (دینور قیروان کے قرب وجوار میں ایک گاؤں ہے) سے بھی ارادت حاصل تھی، نیز حضرت حبیب مغربیؒ، حضرت ابوعمرو زجاجیؒ، اور حضرت ابویعقوب نہر جوریؒ جیسے مشائخ سے بھی استفادہ کیا ہے، قریب تیس (۳۰) سال تک حرم مکہ میں مقیم رہے، اور وہاں سید الوقت، فرید المشائخ اور شیخ حرم کی حیثیت آپ کو حاصل رہی، اس دوران کبھی حرم شریف کے حدود میں پیشاب نہیں کیا، زہد وتقویٰ بے نظیر تھا، فراست، ہیبت اور دبدبہ میں بھی کوئی آپ کا ہم پلہ نہ تھا، کسی مجبوری سے آخری عمر میں نیشاپور چلے گئے تھے، اور وہیں ۳۷۳ھ (۹۸۳ء) میں آپ کی وفات ہوئی، اور مدفون ہوئے، آپ کی قبر کے بازو میں شیخ ابوعثمان حیریؒ اور شیخ ابوعثمان نصیبیؒ کی قبریں بھی ہیں۔

شیخ ابوالحسن کاشانیؒ بیان فرماتے ہیں کہ شیخ ابوعثمان مغربیؒ نے مجھ سے کہا تھا، کہ جس روز میں دنیا سے رخصت ہوں گا تو اس روز فرشتے بھی خاک بسر ہونگے، چنانچہ جس روز شیخ کا انتقال ہوا، میں ان کے جنازے میں حاضر تھا، نیشاپور میں اس روز اس قدر گرد وغبار اڑا کہ ایک شخص قریب سے دوسرے شخص کو نہیں دیکھ سکتا تھا (طبقات الصوفیہ للسلمیؒ ص ۳۳۸ تا ۳۴۲ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۲۵۱، ۲۵۲)

ابوعلی الکاتبؒ (متوفی ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء یا ۳۵۶ھ/ ۹۶۷ء) (۲۴۷)، ان کے حضرت ابوعلی رودباریؒ، ان کے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ، ان کے حضرت شیخ سری سقطیؒ (متوفی ۲۵۰ھ/ ۸۶۴ء)، ان کے حضرت معروف کرخیؒ (متوفی ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء)۔ پھر آپ سے یہ سلسلہ حضرت علیؓ تک چلا جاتا ہے۔

نیز اسی سلسلے میں حضرت معروف کرخیؒ سے ایک دوسری شاخ حضرت علی بن موسیٰ رضاؒ کے واسطے سے حضرت صدیق اکبرؓ تک بھی پہونچتی ہے (۲۴۸)۔

آسانی کے لئے درج ذیل نقشہ ملاحظہ فرمائیں (۲۴۹):

---

(۲۴۷) پورا نام ابوعلی حسن بن محمد ابوعلی بن کاتبؒ ہے، مصر کے مشائخ کبار میں سے ہیں، حضرت ابوبکر مصریؒ اور حضرت ابوعلی رودباریؒ کی صحبت میں رہے، حضرت رودباریؒ کے مجاز وخلیفہ ہیں، بلند حیثیت کے مالک تھے، علماء اور مشائخ دونوں طبقے میں قابل احترام تھے، صاحب کرامات تھے، حضرت ابوعثمان مغربیؒ آپ کو رودبار کا چاند کہتے تھے، خاص بات یہ تھی کہ آپ کو براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض ملتا تھا، اور مشکل مسائل کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں حل فرما لیا کرتے تھے، آپ کی وفات بقول صاحب سفینۃ الاولیاء وصاحب نفحات الانس ۳۴۶ھ/ ۹۵۷ء میں ہوئی، اور صاحب تذکرۃ العاشقین نے ۳۵۶ھ/ ۹۶۷ء تحریر کی ہے، (طبقات الصوفیۃ للسلمیؒ ص ۲۷۱، ۲۷۲ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۲۰۴ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۴ ص ۱۵)

(۲۴۸) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۲۲۷ تا ۲۳۸ ☆ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ ج ۶ ص ۲۱۳، تحقیق وتعلیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شائع کردہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی ۲۰۱۵ء ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۱۹ مؤلفہ سید زوار حسین شاہؒ، ناشر زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۱۲ء۔

(۲۴۹) اس نقشہ کو تیار کرنے کے بعد میری نظر حضرت الحاج نعمت اللہ شاہؒ موضع نوتن ہریا ضلع سارن (چمپارن) بہار کی تالیف کردہ کتاب "مرحمت نامۂ نعمت" یعنی شجرات اہل طریقت" پر پڑی، تو حضرت موصوفؒ نے بھی حضرت شاہ بوعلی فارمدیؒ سے اوپر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تک اسی طرح اتصال قائم فرمایا ہے، البتہ انہوں نے صرف ایک شاخ کے ذکر پر اکتفا کیا ہے، وہ اس طرح ہے:

☆ حضرت بوعلی فارمدیؒ شیخ ابوالقاسم قشیریؒ سے، وہ شیخ بوعلی دقاقؒ سے، وہ شیخ ابوالقاسم نصیر آبادیؒ سے، وہ شیخ ابوبکر شبلیؒ سے، وہ حضرت جنید بغدادیؒ سے، وہ حضرت سری سقطیؒ سے، وہ حضرت معروف کرخیؒ سے، وہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؒ سے، وہ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ سے، وہ امام جعفر صادقؒ سے، وہ امام محمد باقرؒ سے، وہ امام زین العابدینؒ سے، وہ امام حسینؓ سے، وہ حضرت علیؓ سے۔ (مرحمت نامۂ نعمت یعنی شجرات اہل طریقت ص ۲۸ مؤلفہ حضرت الحاج نعمت اللہ شاہؒ خلیفہ حضرت چاند شاہؒ (ٹانڈہ)، شائع کردہ باہتمام مولوی جلال الدین احمد الصدیقی، دی آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ، دسمبر ۱۹۵۹ء طبع ثانی) ==========

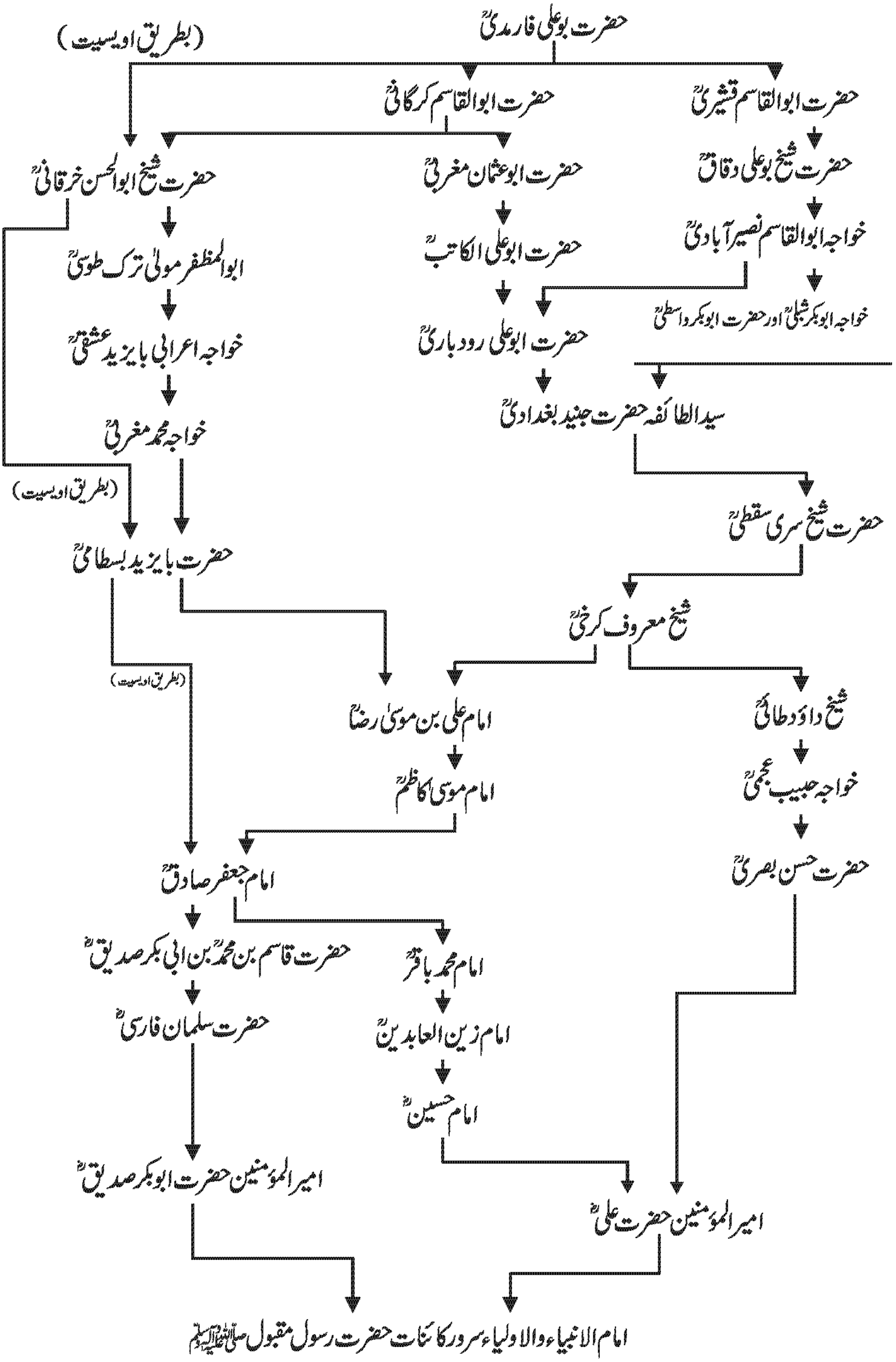
❁❁❁

====== ☆اسی طرح جناب پروفیسر مطیع الرحمن صاحبؒ (سابق صدر شعبہ اردو متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ) نے اپنے سلسلۂ نقشبندیہ (حضرت مولانا محمد سید خان صاحبؒ) کے شجرات کو "شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ" کے نام سے مرتب کیا ہے، انہوں نے بھی حضرت بوعلی فارمدیؒ کے بعد اسی طرح اتصال ذکر کیا ہے اور انہوں نے دونوں شاخوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) حضرت بوعلی فارمدیؒ حضرت ابوالقاسم قشیریؒ سے، وہ خواجہ بوعلی دقاقؒ سے، وہ خواجہ ابوالقاسم نصر آبادیؒ سے، اور وہ خواجہ بوعلی رودباریؒ سے آخر تک۔

(۲) حضرت بوعلی فارمدیؒ حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ سے، وہ حضرت ابوعثمان مغربیؒ سے، وہ حضرت بوعلی کاتبؒ سے، وہ حضرت ابوعلی رودباریؒ سے آخر تک (شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ص ۴۴ مرتبہ جناب مطیع الرحمن صاحبؒ دربھنگہ، بہ اجازت حضرت مولانا محمد سعید خان صاحبؒ منگراواں ضلع اعظم گڑھ، سن اشاعت ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء)

البتہ ان دونوں حضرات نے کسی ماخذ کی نشاندہی نہیں کی ہے کہ انہوں نے یہ نام کہاں سے لئے؟ مجھے یہ چیزیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے یہاں ملیں، اور انہوں نے یہ اپنے پیشرو ایک کتاب سے اخذ کی ہیں، جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔


حضرت بوعلی فارمدیؒ
(بطریق اویسیت)
حضرت ابوالقاسم قشیریؒ
حضرت ابوالقاسم کرگانیؒ
حضرت شیخ بوعلی دقاقؒ
حضرت ابوعثمان مغربیؒ
حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ
خواجہ ابوالقاسم نصیرآبادیؒ
حضرت ابوعلی الکاتبؒ
ابوالمظفر مولیٰ ترک طوسیؒ
خواجہ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوبکر واسطیؒ
حضرت ابوعلی رودباریؒ
خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ
سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ
خواجہ محمد مغربیؒ
(بطریق اویسیت)
حضرت شیخ سری سقطیؒ
حضرت بایزید بسطامیؒ
شیخ معروف کرخیؒ
(بطریق اویسیت)
شیخ داؤد طائیؒ
امام علی بن موسیٰ رضاؒ
خواجہ حبیب عجمیؒ
امام موسیٰ کاظمؒ
حضرت حسن بصریؒ
امام جعفر صادقؒ
حضرت قاسم بن محمدؒ بن ابی بکر صدیقؓ
امام محمد باقرؒ
حضرت سلمان فارسیؓ
امام زین العابدینؒ
امام حسینؓ
امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیقؓ
امیر المؤمنین حضرت علیؓ
امام الانبیاء والاولیاء سرورِ کائنات حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

غرض یہی دونوں بزرگ (حضرت ابوالقاسم قشیریؒ اور حضرت ابوالقاسم کرگانیؒ) فی الواقع حضرت بوعلی فارمدیؒ کے پیران صحبت ہیں، اور حضرت خرقانیؒ سے بھی اویسی طور پر آپ کو نسبت حاصل ہوئی، اس لئے وہ پیر نسبت ہیں پیر صحبت نہیں اور ظاہری استناد کے لئے پیر صحبت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۲۶-حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ (ولادت ۳۵۲ھ م ۹۶۳ء وفات ۱۰ /محرم الحرام ۴۲۵ھ مطابق ۱۰ / دسمبر ۱۰۳۳ء یا ذی الحجہ ۴۳۵ھ مطابق جولائی ۱۰۴۴ء)(۲۵۰)

(۲۵۰) آپ کا اسم گرامی علی بن احمد اور کنیت ابوالحسن ہے، طریقت میں حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ سے آپ کی روحانی تربیت اویسی طور پر ہوئی، کیونکہ آپ کی ولادت حضرت بایزید کی وفات کے بعد ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں ہوئی۔اس طرح بظاہر یہاں شجرہ میں انقطاع پایا جاتا ہے۔لیکن روزبہان اصفہانی نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی شرح وصیت نامہ میں حضرت ابوالحسنؒ کا بالواسطہ شجرہ تحریر کیا ہے، وہ یہ ہے: حضرت ابوالحسنؒ کو نسبت حضرت ابوالمظفر مولیٰ ترک طوسیؒ سے حاصل ہوئی، حضرت ابوالمظفرؒ کو خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ سے ملی، خواجہ اعرابیؒ کو خواجہ محمد مغربیؒ سے اور ان کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے حاصل ہوئی، اس سے انقطاع دور ہوجاتا ہے(تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۷۸ مؤلفہ عبدالرسول للہی ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۱۹ مؤلفہ سید زوار حسین شاہؒ، ناشر زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۱۲ء)

علاوہ ان کو شیخ ابوالعباس قصابؒ کی صحبت بھی حاصل تھی شیخ قصابؒ فرماتے تھے کہ ہمارے بعد ہمارا بازار خرقانی سنبھالیں گے، یعنی گویا وہ ان کو اپنی حاصل محنت تصور فرماتے تھے(دیکھئے: نفحات الانس ص ۵۳۱ مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ، ترجمہ شمس بریلویؒ، ناشر دانش پبلشنگ کمپنی نئی دلی، ۲۰۱۰ء)

آپ مشائخ کے سردار اور اوتاد و ابدال کے قطب تھے، ہمہ وقت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول اور حضور و مشاہدہ میں مستغرق رہتے تھے،

ابتدا میں آپ کا یہ معمول تھا کہ عشاء کی نماز خرقان میں پڑھ کر حضرت بایزیدؒ کے مزار بسطام پر تشریف لے جاتے، اور یوں دعا کرتے:

''خدایا جو خلعت تو نے بایزید کو عطا کی ہے وہ ابوالحسن کو بھی عطا فرما''۔

پھر زیارت سے فارغ ہو کر خرقان واپس ہوتے اور تمام راستے اپنے شیخ کے مزار مبارک کی طرف پیٹھ نہ کرتے اور نماز فجر عشا کے وضو کے ساتھ خرقان میں ادا کرتے، بارہ (۱۲) برس کی مسلسل حاضری اور دعاؤں کے بعد مزار مبارک سے آواز آئی ''اے ابوالحسن! اب تمہارے بیٹھنے کا وقت آ گیا ہے، یہ سن کر عرض کیا کہ میں ان پڑھ ہوں، رموز شریعت سے چنداں واقف نہیں، آواز آئی کہ تم نے جو کچھ خدا سے مانگا وہ تمہیں مل گیا، فاتحہ شروع کیجئے، جب آپ خرقان واپس پہونچے تو قرآن مجید ختم کرلیا، اور علوم ظاہری و باطنی آپ پر منکشف ہو گئے۔

==روایت ہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ ہر سال ایک مرتبہ دہستان میں شہیدوں کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، جب موضع خرقان سے گذرتے تو ٹھہر جاتے اور اس طرح سے سانس لیتے، جیسے کوئی خوشبو سونگھتا ہے، مریدوں نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی بو سونگھتے ہیں، ہم کو تو کچھ محسوس نہیں ہوتا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ چوروں، ڈاکوؤں اور رہزنوں کے اس گاؤں سے ایک مرد خدا کی خوشبو آتی ہے، جس کا نام علی اور کنیت ابوالحسن ہے، اس میں تین باتیں مجھ سے زیادہ ہوں گی:

۱-وہ اہل وعیال کا بوجھ اٹھائے گا ۲-کھیتی باڑی کرے گا ۳-اور درخت لگایا کرے گا۔

مولانا رومؒ نے مثنوی معنوی میں اس قصہ کا ذکر کیا ہے، اس کا پہلا شعر یہ ہے:

ایں طبیبان بدن دانشورند　　　　بر مقام تو ز تو واقف ترند

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اپنا خرقہ پہنائیں، آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھے ایک مسئلہ کا جواب دو کہ اگر عورت مرد کے کپڑے پہن لے تو کیا وہ مرد بن جائے گی، اس شخص نے کہا کہ نہیں، فرمایا کہ پھر خرقہ سے کیا فائدہ؟ اگر تو مرد نہیں تو خرقہ پہننے سے مرد نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، آپ اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے، اس نے آواز دی تو اندر سے بیوی نے جواب دیا کہ اس زندیق اور کذاب سے تجھے کیا کام؟ اور بھی بہت سے نازیبا کلمات کہے، اس شخص کے دل میں خیال آیا کہ جس شخص کی بیوی منکر ہے، وہ باخدا کیسے ہو سکتا ہے؟ اسی دوران اس نے دیکھا کہ حضرت جنگل کی طرف سے ایک شیر پر لکڑیوں کا گٹھا رکھے چلے آرہے ہیں، اس نے عرض کیا کہ حضرت! سمجھ میں نہیں آیا کہ باہر یہ حال ہے اور گھر کے اندر وہ حال ہے، آپ نے فرمایا کہ میں اس عورت کا بوجھ اٹھاتا ہوں اس لئے یہ شیر میرا بوجھ اٹھاتا ہے۔

ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی بن سلطان ناصر الدین سبکتگین (۹۷۱ء-۱۰۳۰ء) حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ کچھ باتیں حضرت بایزیدؒ کی بیان فرمائیں، آپ نے فرمایا کہ شیخ بایزیدؒ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے دیکھا وہ بدبختی سے محفوظ ہو گیا، سلطان نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ تو سب سے زیادہ بلند ہے، پھر آپ کو دیکھنے والے ابوجہل وابولہب کیوں شقی رہ گئے؟ آپ نے فرمایا: محمود! ادب میں رہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سوا کسی نے نہیں دیکھا، اور اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے:

وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (الاعراف:۱۹۸)

''ترجمہ: آپ سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ آپ کو نہیں دیکھ رہے ہیں''

محمود! ابوجہل اور ابولہب نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چشم ظاہر سے دیکھا جب کہ صحابۂ کرامؓ نے چشم باطن سے دیکھا، ابوجہل اور ابولہب نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک یتیم کی حیثیت سے دیکھا، جب کہ صحابۂ کرامؓ نے آپ کو اللہ تعالیٰ کے رسول کی حیثیت سے دیکھا'' یہ بات محمود کے دل میں اتر گئی، اس نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ چار چیزوں کو اختیار کیجئے۔

مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت خرقانیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ کے درمیان بھی تاریخی طور پر انقطاع پایا جاتا ہے، اس لئے یہ نسبت روحانی اور اویسی ہے، البتہ بعض مصنّفین نے درمیان میں چند واسطوں کا ذکر کیا ہے، جس سے یہ تاریخی انقطاع ختم ہو جاتا ہے:

یعنی حضرت خرقانیؒ حضرت **ابو المظفر** مولیٰ ترک طوسیؒ سے مستفید ہیں، وہ خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ سے، وہ خواجہ محمد مغربیؒ سے، اور وہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے (۲۵۱)۔

۲۷- سلطان العارفین حضرت بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ (ولادت ۱۳۶ھ/ ۷۵۳ء، ۷۵۴ء وفات ۱۵/ شعبان المعظم ۲۶۹ھ/ ۲۶۱ھ مطابق ۲/ مارچ ۸۸۳ء/ ۸۷۴ء اور ایک قول کے مطابق ۱۴/ شعبان المعظم ۳۶۱ھ مطابق ۴/ جون ۹۷۲ء)(۲۵۲)

==۱- پرہیز گاری، ۲- نماز باجماعت، ۳- سخاوت، ۴- خلق خدا پر شفقت۔

آپ نے سلطان محمود کو ایک خرقہ عنایت فرمایا تھا، سومنات کی جنگ محمود نے اس خرقہ کے طفیل میں جیتی، فتح کے بعد حضرت کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے تھے کہ محمود! تم نے میرے خرقہ کی آبرو ضائع کر دی، اگر تم اس خرقہ کے طفیل میں اللہ پاک سے دشمن کافروں کے مسلمان ہونے کی دعا کرتے، تو وہ سب مسلمان ہو جاتے۔

آپ اپنے وقت میں قطب عالم کے مقام پر فائز تھے، آپ سماع کے قائل نہیں تھے، البتہ اصحاب حال کو اس کی اجازت دیتے تھے، آپ کا قول ہے کہ "سماع اس شخص کے لئے جائز ہے جو اوپر عرش تک اور نیچے تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھے" جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے وصیت کی کہ میری قبر تیس گز گہری کھودنا اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ بسطام خرقان سے نشیب میں واقع ہے، یہ خلاف ادب ہوگا کہ مرید کی قبر پیر سے بلندی پر ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، آپ کا وصال خرقان میں ۱۰/ محرم الحرام ۴۲۵ھ (۱۰/ دسمبر ۱۰۳۳ء) وصال ہوا، اور خرقان میں آخری آرام گاہ بنی، البتہ نفحات الانس میں حضرت جامیؒ نے آپ کی تاریخ وفات ذی الحجہ ۴۳۵ھ (جولائی ۱۰۴۴ء) درج کی ہے۔

مادۂ تاریخ رحلت ہے:

"واصل رحمن" "شاہ احسن" "نور حقانی" (۴۲۵ھ)

(تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ ص ۷۳ تا ۸۵ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی بحوالہ تذکرۃ الاولیاء ☆ تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۳۱ تا ۲۳۹ مؤلفہ مولانا محمد صادق قصوریؒ ☆ نفحات الانس ص ۵۳۱ مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ، ترجمہ شمس بریلویؒ، ناشر دانش پبلشنگ کمپنی نئی دلی، ۲۰۱۰ء)

(۲۵۱) حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۱۹ مؤلفہ سید زوار حسین شاہؒ، ناشر زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۱۲ء۔

(۲۵۲) آپ کا اسم گرامی طیفور (ابن عیسیٰ بن آدم ابن شروسان) کنیت ابو یزیدؒ اور لقب سلطان العارفین ہے آپ کی ولادت ۱۳۶ھ (۷۵۳ء، ۷۵۴ء) میں بمقام بسطام (یہ علاقہ قومس میں نیشاپور جانے والے راستے پر دامغان==

== کے بعد دو منزل پر واقع ہے، یاقوت حموی نے با کے کسرہ کے ساتھ اور ابن خلکان نے با کے فتحہ کے ساتھ نقل کیا ہے، یاقوت نے اس شہر کو دیکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ کا مقبرہ وسط شہر میں بازار کی طرف واقع ہے) ہوئی، آپ کے دادا نو مسلم تھے، والد ماجد حضرت عیسیٰ ؒ کا شمار بسطام شہر کے جلیل القدر بزرگوں میں ہوتا تھا، آپ کے دو بھائی اور بھی تھے: آدم اور علی، وہ دونوں بھی زہد و عبادت میں بے مثال تھے۔

روحانی ذوق بچپن ہی سے موجود تھا، جب آپ مکتب میں زیر تعلیم تھے، سورۂ لقمان کی اس آیت پر پہونچے "**ان اشکر لی ولوالدیك** (۱۴) یعنی میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا، گھر آئے تو والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ دو گھروں کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوسکتا، یا تو آپ مجھے خدا تعالیٰ سے مانگ لیں، یا مجھے خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں، والدہ نے کہا: جاؤ میں نے تجھے اپنا حق بخش دیا، اس کے بعد آپ بسطام سے نکل گئے اور تیس (۳۰) سال تک شام کے جنگلوں، صحراؤں، اور بیابانوں میں ریاضت و مجاہدہ کرتے رہے، تقریباً ایک سو سترہ (۱۱۷) علماء و مشائخ سے فیوض و برکات حاصل کئے۔

ایک دفعہ آپ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ہر چند قدم پر جانماز بچھا کر دو رکعت نماز پڑھتے، یہاں تک کہ بارہ (۱۲) سال کے بعد مکہ مکرمہ پہونچے، فرماتے تھے کہ یہ دنیا کے بادشاہوں کا دربار نہیں کہ یکبارگی وہاں پہونچ جاؤں، اس دفعہ حج سے فارغ ہو کر واپس آ گئے، اور مدینہ منورہ زیارت روضۂ رسول کے لئے حاضر نہ ہوئے، فرمایا کہ زیارت روضۂ مقدسہ کو حج کے تابع بنانا خلاف ادب ہے، اور اگلے سال روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لئے علٰحدہ احرام باندھا، راستے میں ایک شہر میں داخل ہوئے تو عاشقوں کے ہجوم نے استقبال کیا، اور ساتھ رہنے کا عزم ظاہر کیا، آپ اس سفر عشق کو تنہا طے کرنا چاہتے تھے، آپ نے نماز فجر کے بعد قوم کی طرف مخاطب ہو کر یہ آیت کریمہ پڑھی: **اننی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدنی** (سورہ طٰہٰ: ۱۴) (ترجمہ: بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری عبادت کرو) یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ یہ تو دیوانہ ہے اور سب چھوڑ کر چلے گئے۔

حضرت ابو علی جوزجانیؒ سے حضرت بایزیدؒ کے ان الفاظ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بایزید کے کلام کو سمجھنے کے لئے بایزید کا مقام حاصل کرنا پڑے گا۔

آپ کی نماز کی کیفیت یہ تھی کہ نماز پڑھتے ہوئے سینے کی ہڈیوں سے چرچراہٹ کی آواز نکلتی تھی، جو لوگوں کو سنائی دیتی تھی، ایک روز ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی، نماز کے بعد امام صاحب نے دریافت کیا: اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے، اور نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں، پھر آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ٹھہرو، میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو شخص اپنے روزی دینے والے کو نہیں پہچانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں،

آنکس کہ نہ بیند در نماز جمال دوست فتویٰ ہمی دہم کہ نمازش قضا کند

تیس (۳۰) سال کے بعد گھر واپس لوٹے تو والدہ بہت ضعیف ہو چکی تھیں، اور بصارت بھی ختم ہو گئی تھی، والدہ نے فرمایا کہ: تم نے اتنا طویل سفر اختیار کیا کہ روتے روتے میری بصارت ختم ہو گئی، اور تیرے غم سے کمر جھک گئی" ==

==ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ نے پانی طلب کیا، پانی کے لئے دور جانا پڑا، پانی لے کر واپس لوٹے تو والدہ کی آنکھ لگ چکی تھی، جب تک آنکھ نہیں کھلی، کوزہ لئے کھڑے رہے، والدہ کی خدمت کی بدولت آپ کو مقام بلند حاصل ہوا حضرت جنید بغدادیؒ جیسے اکابر نے بھی آپ کے مقام بلند کا اعتراف کیا، فرماتے تھے کہ ”بایزید ہماری جماعت میں اسی طرح ہیں جیسے فرشتوں میں حضرت جبریل امین، اور دیگر سالکین کے میدان کی انتہا بایزید کے میدان کی ابتدا ہے“۔

آپ کے گھر سے مسجد کا فاصلہ چالیس (۴۰) قدم تھا مگر بوجہ تعظیم کبھی بھی راستے میں نہیں تھوکا۔

آپ فرماتے تھے کہ مجھے نماز سے سوائے کھڑے ہونے اور روزہ سے سوائے بھوکا رہنے کے کچھ حاصل نہ ہوا مجھے تو جو کچھ ملا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ اے بایزید! تو عبادت تو کرتا ہے مگر اس سے بہتر کوئی چیز پیش کر، میں نے عرض کیا، اے رب ذوالجلال! آپ کے پاس کس چیز کی کمی ہے؟ الہام ہوا کہ اے بایزید! ہمارے ہاں عاجزی، انکسار، بیچارگی، اور شکستگی لے کر آؤ“۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تو آپ کی زبان سے کبھی کبھی سبحانی ما اعظم شانی کا جملہ بے ساختہ نکلتا تھا اور آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، اس کیفیت کو تصوف کی اصطلاح میں ”عین الجمع“ کہتے ہیں، جس میں صوفی محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ ایک ہے، آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا، تم لوگوں پر تف ہے، تم نے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہیں کر دیا، اس کے بعد ایک ایک چھری تمام مخصوص احباب کے حوالہ فرمایا، پھر جب یہ جملہ آپ کی زبان سے سرزد ہوا اور لوگوں نے قتل کا ارادہ کیا تو تمام گھر کو ان کی شکل سے معمور پایا، مریدان باصفا چھریاں چلاتے تھے تو لگتا تھا کہ پانی پر چلا رہے ہیں، آخر کار چڑیا کی طرح آپ محراب میں بیٹھے نظر آئے، ہوش میں آنے کے بعد مریدوں نے پورا قصہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، کہ بایزید تو یہ ہے جو تمہارے سامنے موجود ہے، جس کو تم دیکھتے ہو وہ بایزید نہ تھا۔

ایک آتش پرست کو کسی نے کہا کہ تو مسلمان ہو جا! اس نے کہا کہ اگر مسلمانی یہ ہے جو بایزید میں ہے تو وہ میرے لئے مشکل ہے، اور جیسی تم میں ہے وہ مجھے منظور نہیں۔

آپ کے پاس ایک مرید تیس (۳۰) برس سے خدمت گذار تھا، اور آپ ہر روز اس سے نام دریافت فرماتے، وہ بتا دیتا، ایک روز اس نے کہا! حضرت! میں تیس سال سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں اور آپ ہر روز میرا نام پوچھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں مذاق نہیں کرتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ کا نام دل میں سما گیا ہے، کچھ اور یاد نہیں رہا، ہر روز تیرا نام پوچھتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔

بے شمار کرامات آپ سے منسوب ہیں،---آپ فرماتے تھے کہ اگر تم کسی شخص میں کرامات دیکھو اور وہ ہوا میں اڑ کر دکھائے، تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ، جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر و نہی، حفظ حدود اور آداب شریعت میں کیسا ہے؟

حضرت بایزیدؒ کو حضرت امام جعفر صادقؒ سے ظاہری ملاقات حاصل نہیں ہے، کیونکہ آپ کی پیدائش امام جعفر صادقؒ کی==

حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت جعفر صادقؒ کے درمیان بھی تاریخی اتصال نہیں ہے (جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے) اس لئے اس کو بھی نسبت روحانی اور اویسی پر محمول کیا گیا ہے، البتہ بعض اکابر طریق نے ان کے درمیان چند واسطوں کی نشاندہی کی ہے جن سے اتصال قائم ہوجاتا ہے، وہ اس طرح ہے کہ:

☆ حضرت بایزید بسطامیؒ کو نسبت حاصل ہوئی حضرت امام علی رضاؒ سے، ان کو امام موسیٰ کاظمؒ سے، اوران کو امام جعفر صادقؒ سے، اس طرح حضرت معروف کرخیؒ آپ کے پیر بھائی ہوتے ہیں (۲۵۳)۔

۲۸-حضرت امام جعفر صادق (ولادت ۱۳ یا ۱۷ / ربیع الاول ۸۰ھ مطابق ۲۱ یا ۲۴ / مئی ۶۹۹ء -وفات ۱۵ / رجب المرجب ۱۴۸ھ یا ۱۴۹ھ مطابق ۶ / ستمبر ۷۶۵ء یا ۷۶۶ء، یا ۲۴ / شوال المکرم ۱۴۸ھ مطابق ۱۳ / دسمبر ۷۶۵ء)

۲۹-حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیقؓ (ولادت ۲۴ھ م ۶۴۵ء وفات ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ مطابق ۲۰ / اکتوبر ۷۲۴ء یا ۲۴ / جمادی الثانیۃ ۱۰۸ھ مطابق ۲۹ / اکتوبر ۷۲۶ء یا ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء) (۲۵۴)

==وفات کے بعد ہوئی، البتہ آپ کی باطنی تربیت حضرت جعفرؒ سے روحانی طور پر ہوئی ہے، بعض کتابوں کے مطابق چند واسطوں سے آپ کو متصلاً بھی نسبت حاصل ہے، بایں طور کہ آپ کے شیخ امام علی رضاؒ ہیں، ان کے امام موسیٰ کاظمؒ، اوران کے امام جعفر صادقؒ ہیں، اس طرح آپ حضرت معروف کرخیؒ کے پیر بھائی ہیں (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ ص ۲۲۷)

آپ کی وفات ایک سو تینتیس (۱۳۳) سال کی عمر میں ۱۵ / شعبان المعظم ۲۶۹ھ/ ۲۶۱ھ (۲ / مارچ ۸۸۳ء/ ۸۷۴ء) اور ایک قول کے مطابق ۱۴ / شعبان المعظم ۳۶۱ھ مطابق ۴ / جون ۹۷۲ء کو بسطام میں ہوئی (تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۲۰ تا ۲۲۹ ☆ تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۶۴ تا ۷۳ بحوالہ تذکرہ اولیاء، رسالۂ قشیریہ، طبقات کبریٰ للشعرانی، نفحات الانس، انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۶۳ تا ۱۷۴ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی)

(۲۵۳) الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ ص ۲۲۷۔

(۲۵۴) جلیل القدر تابعین اور مشہور فقہاء سبعہ میں سے ہیں، اسم گرامی قاسم، کنیت ابو محمد اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے محمد کے فرزند ہیں، آپ ایک باندی کے بطن سے پیدا ہوئے، کم عمری ہی میں والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا تو آپ کی تربیت و پرورش آپ کی پھوپھی جان حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بڑے لاڈ و پیار کے ساتھ کی، حضرت عائشہؓ کی شخصیت سرچشمۂ علم و تقویٰ تھی، آپ کی عنایت و تربیت نے ان کو علم و عمل کا مجمع البحرین بنادیا۔==

==حضرت قاسمؒ نے حضرت صدیقہؓ کے علاوہ دوسرے محدثین صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، اور ابو ہریرۃؓ سے بھی پورا استفادہ کیا، ان بزرگوں نے آپ کو ایک ممتاز حافظ الحدیث بنادیا تھا، روایت حدیث میں آپ بے حد محتاط تھے، روایت بالمعنیٰ کے قائل نہیں تھے، الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے، آپ کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز ائمۂ حدیث شامل ہیں، مثلاً عبدالرحمن بن قاسمؒ، امام شعبیؒ، سالم بن عبداللہؒ، یحیٰ بن سعید انصاریؒ، سعید بن ابی ملیکہؒ، نافع مولیٰ بن عمرؒ، امام زہریؒ، عبیداللہ بن عمرؒ، ایوبؒ، ابن عونؒ، اور مالک بن دینارؒ وغیرہ۔

مسجد نبوی میں آپ کا حلقۂ درس مشہور تھا، اسی مقام پر آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن ؒ، اور سالم کے بھائی عبیداللہ بن عبداللہؒ فائز ہوئے، ان دونوں کے بعد اسی مقام پر امام مالکؒ کی مسند درس بچھی، یہ جگہ روضۂ پاک اور منبر نبوی کے درمیان دریچۂ عمرؓ کے محاذاۃ میں تھی۔

یحیٰ بن سعید انصاریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے مدینہ منورہ میں کسی شخص کو بھی ایسا نہیں پایا جس کو حضرت قاسم ؒ پر فضیلت دے سکیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے تھے کہ اگر امر خلافت میرے اختیار میں ہوتا تو میں حضرت قاسمؒ کے سپرد کردیتا۔

آپ بہت کم گو اور خاموش طبع تھے، علم باطن میں آپ کو حضرت سلمان فارسیؓ سے نسبت حاصل تھی، حضرت سلمانؓ کے توسط سے آپ کو جد امجد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت حاصل ہوئی، لیکن ظاہری طور پر حضرت سلمانؓ سے آپ کا کسب فیض کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ حضرت سلمان کی وفات کے وقت آپ (ایک قول کے مطابق) یا تو پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے، استفادہ کی عمر ہی نہیں تھی، البتہ روحانی طور پر استفادہ ممکن ہے (دیکھئے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ص ۲۳۸)

لیکن چونکہ آپ اکابر تابعین میں سے ہیں، اور بہت سے صحابہ سے آپ نے استفادہ کیا، خود حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی مربی رہی ہیں، اس لئے حضرت صدیق اکبرؓ اور آپ کے درمیان فی الجملہ اتصال ثابت ہے، اور حضرت سلمان فارسیؓ سے ظاہری انقطاع کا اثر نسبت ورابطہ کے تسلسل پر نہیں پڑے گا، واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے علاوہ امام زین العابدینؒ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے، ان کی صحبت سے حضرت علیؓ کی نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی۔

آپ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے ان کپڑوں میں کفن دینا جن میں میں نماز پڑھا کرتا تھا، یعنی قمیص، تہبند اور چادر۔

آپ کی سن وفات میں اختلاف ہے، طبقات ابن سعد کے مطابق آپ کی وفات چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں ۲۴/ جمادی الثانیۃ ۱۰۸ھ (۲۹/اکتوبر ۷۲۶ء) کو اور ابن معین اور ابن المدینیؒ کے مطابق ۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ (۲۰/ اکتوبر ء) کو ہوئی، عام طور پر محدثین نے ۱۰۶ھ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن زرکلی نے تاریخ ولادت ۳۷ھ/ ۶۵۷ء اور تاریخ وفات ۱۰۷ھ/ ۷۲۵ء نقل کی ہے (**الأعلام المؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن**==

حضرت قاسمؒ کا حضرت سلمانؓ سے استفادہ بھی تاریخی لحاظ سے مستبعد ہے اس لئے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات کے وقت (ایک قول کے مطابق) آپ پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے، استفادہ کی عمر نہیں تھی، اسلئے اس کو بھی روحانی استفادہ پر ہی محمول کیا جائے گا (۲۵۵)۔

☆ لیکن آپ اکابر تابعین میں سے ہیں، اور بہت سے صحابہ سے آپ نے استفادہ کیا ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی مربی رہی ہیں، اس طرح حضرت صدیق اکبرؓ اور آپ کے درمیان فی الجملہ اتصال ثابت ہو جاتا ہے، اس لئے حضرت سلمان فارسیؓ سے ظاہری انقطاع کا اثر نسبت ورابطہ کے تسلسل پر نہیں پڑے گا واللہ اعلم بالصواب۔

☆ علاوہ امام زین العابدینؒ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے، ان کی صحبت سے حضرت علیؓ کی نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی تھی۔

۳۰- حضرت سلمان فارسیؓ (ولادت ۴۰۴ء عام الفیل سے ایک سو ستاسی (۱۸۷) سال قبل وفات ۱۰ / رجب المرجب ۳۳ھ یا ۳۴ھ یا ۳۵ھ یا ۳۶ھ (۶ / فروری ۶۵۱ / ۶۵۴ء یا ۶۵۵ء)(۲۵۶)

==فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م بحواله: الجرح والتعديل، القسم الثاني من الجزء الثالث 118 ونكت الهميان 230 والوفيات 1:418 وصفة الصفوة 2:49 وحلية الاولياء 2:183.)

وفات مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے مقام پر ہوئی، اور وہاں سے تین میل دور "مشلل" (بقول یاقوت حموی یہ ایک پہاڑ ہے جس سے سمندر کی طرف سے قدید کو اترتے ہیں) میں آخری آرامگاہ بنی، (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۱۰ ☆ تذکرۂ نقشبندیہ توکلیہ ص ۵۵ تا ۵۶ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی، طبقات ابن سعد، تہذیب التہذیب للعسقلانیؒ، تاریخ ابن خلکان)

(۲۵۵) دیکھئے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ص ۲۳۸

(۲۵۶) آپ کی پیدائش اصفہان (ایران) - اور ایک روایت کے مطابق رامہرمز - میں مدائن کے مقام پر عام الفیل سے ایک سو ستاسی (۱۸۷) سال قبل ۴۰۴ء میں ہوئی، آپ کا نسبی تعلق آب الملک خاندان سے تھا، آپ کا خاندان آتش پرست تھا، اسلام سے قبل آپ کا مجوسی نام "مابہ بن لوذخشان ابن مورسلا بن بنوذان تھا، کہا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت عیسیٰؑ کے وصی کی زیارت کی تھی، اسلام کے بعد آپ کا نام "سلمان" رکھا گیا، کنیت "ابوعبداللہ" تھی، آپ ہی کو سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے، آپ کا خاندان مذہبی تھا، اس لئے بچپن سے ہی آپ کے اندر مذہبی ذوق موجود تھا، آتش پرستی کے رسوم میں بھی آپ نے سخت مجاہدات کئے تھے، ایک بار کسی سفر میں عیسائی طریقۂ عبادت کو دیکھا تو اس سے متاثر ہوئے اور اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کر لی، عیسائیت کی آسمانی بادشاہت کا تصور ان کو بہت اچھا لگا تھا، عیسائیت کی ==

==باقاعدہ آپ نے تعلیم حاصل کی، بڑے بڑے عیسائی علماء اور رہبانوں کی صحبت میں رہے، آخر ایک عیسائی عالم سے ان کو پتہ چلا کہ آثار بتاتے ہیں کہ اب ریگستان عرب میں ایک نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے، جو دین ابراہیمی کو زندہ کرے گا، عیسائی عالم نے انہیں مشورہ دیا کہ اگر تم اس نبی سے مل سکو تو ضرور ملنا، چنانچہ اس عیسائی عالم کے انتقال کے بعد آپ عرب تاجروں (بنوکلب کے ایک قافلہ) کے ہمراہ وادی القریٰ پہونچے، لیکن ان عرب تاجروں نے دھوکہ دیا اور ایک یہودی (عثمان بن اشہل قریظی) کے ہاتھ آپ کو غلام بتا کر بیچ دیا، آپ اسی یہودی کے ساتھ مدینہ منورہ پہونچ گئے۔

ع پہونچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

قسمت نے یاوری کی، آپ جہاں پہونچنا چاہتے تھے وہیں پہونچ گئے، ابھی تک نبی کریم ﷺ کی آمد مدینہ منورہ نہیں ہوئی تھی، جب ہجرت مدینہ ہوئی تو حضرت سلمانؓ خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں اطمینان ہونے کے بعد انہوں نے اپنی تمام سرگذشت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی، حضور ﷺ نے انتہائی محبت کا معاملہ فرمایا، اور آپ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، پھر حضور ﷺ کی عنایت سے ۵ ھ میں اس یہودی کی غلامی سے بھی آزاد ہو گئے۔

آپ کی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوئی، بڑے جہاں دیدہ اور صائب الرائے تھے، غزوۂ خندق میں آپ ہی کے مشورے سے خندق کھودی گئی، اور اس کے بعد تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ اصحاب صفہ میں سے ہیں، اس لئے آپ کا خاصا وقت حضور ﷺ کی خدمت وصحبت میں گذرا، اور علوم نبوت کے بڑے حاملین میں شمار ہوئے، بارگاہ نبوی میں آپ کو خصوصی تقرب حاصل تھا، زبان نبوت سے ''سلمان منا اھل البیت'' کا معزز خطاب ملا، حضرت علیؓ سے آپ کے مبلغ علم کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ''وہ علم وحکمت میں لقمان حکیم کے برابر تھے''

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ کہ سلمان دو کتابوں (قرآن کریم اور انجیل) کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں آپ کو مدائن کا گورنر بنا کر پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کر دیا تھا، آپ یہ رقم فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے، اور خود بوریہ اور رسیاں بنا کر گذارا کرتے تھے، اسی زمانے میں دوران گورنری ایک دن بازار سے گذر رہے تھے، کہ ایک شخص نے آپ کو مزدور سمجھ کر اپنا سامان گھر تک پہونچانے کے لئے کہا، آپ نے بے تکلف اس کا سامان اٹھالیا، کچھ دور چل کر اس شخص کو معلوم ہوا کہ یہ تو حاکم وقت ہیں، تو پاؤں پر گر پڑا اور معافی مانگی۔

بے شمار فضائل ومناقب کے آپ حامل ہیں، تقریباً ڈھائی سو سال (اور ایک قول کے مطابق ساڑھے تین سو سال) کی عمر میں حضرت سیدنا عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخر یا حضرت علیؓ کی خلافت کے آغاز میں آپ کی وفات ۱۰ / رجب المرجب ۳۳ھ یا ۳۴ھ یا ۳۵ھ یا ۳۶ھ (۶ / فروری ۶۵۱ / ۶۵۴ء یا ۶۵۵ء) کو مدائن میں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ آپ کی تجہیز وتکفین کا انتظام حضرت علیؓ نے فرمایا، وفات کے وقت آپ کا کل سرمایہ پانی کا ایک تھیلا (مشک)، لوٹا، پالان، ==

۱۳۱-حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (ولادت ۳ عام الفیل، ہجرت سے پچاس سال قبل/ ۵۷۳ء وفات ۲۱ یا ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳ھ (۲۴ یا ۲۶/ اگست ۶۳۴ء)(۲۵۷)

==پوستین اور ایک کمبل کے سوا کچھ نہ تھا، مزار مبارک مدائن میں ہے، جواب آپ کی نسبت سے "سلمان پاک" کہلاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ ایوان کسریٰ اسی مقام پر تھا، یہ جگہ بصرہ کے قریب ہے، کہتے ہیں کہ مدائن میں آج بھی آپ کی نسل موجود ہے اور سب صاحب علم وکمال ہیں، (**تاريخ دمشق ج ٢١ ص ٣٧٩ المؤلف : أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى : 571هـ ★ تاريخ بغداد 1 / 163 ★ تهذيب التهذيب ج ٤ ص ١٢٢ المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ)★تاريخ مشائخ نقشبنديه ص ١٤١ تا ١٤٧ مؤلفه عبدالرسول للهى)**

(۲۵۷) حضرت صدیق اکبر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، آپ کی سیرت وسوانح پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں، مختصراً یہ عرض ہے کہ:

اسم گرامی: عبداللہ، لقب صدیق اور عتیق، اور کنیت ابوبکر ہے، والد ماجد کا نام "ابو قحافہ عثمان" اور والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی تھا، آپ کا نسب مبارک ساتویں پشت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔

آپ کی ولادت واقعۂ فیل سے دوسال چار ماہ بعد ہوئی، جمہور کے مطابق آپ کی عمر شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم وبیش اڑھائی سال کم تھی، بزرگوں میں سب سے پہلے آپ ایمان لائے، آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ خود بھی صحابی، والدین بھی صحابی اور اولاد بھی صحابی ، یہ امتیاز آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہیں، انبیاء کے بعد سب سے افضل مقام آپ کو حاصل ہوا، قرآن کریم اور احادیث میں آپ کے فضائل پر بے شمار نصوص موجود ہیں، بعض مصنفین کا بیان ہے کہ ایک سو اکیاسی (۱۸۱) حدیثیں آپ کے خصوصی فضائل میں وارد ہوئی ہیں، اٹھاسی (۸۸) حدیثیں ایسی ہیں جن میں آپ کا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشترکہ طور پر ذکر ہے، سترہ (۱۷) حدیثوں میں بشمول آپ کے خلفاء ثلاثہ کے مناقب ہیں، چودہ (۱۴) روایات بشمول آپ کے خلفائے اربعہ کے لئے مروی ہیں، سولہ (۱۶) احادیث میں آپ کے ساتھ دیگر صحابہ کا بھی ذکر ہے، اس طرح کل تین سو سولہ (۳۱۶) روایات حضرت صدیق اکبر کے لئے ہوجاتی ہیں (تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۷۸)

آپ کی فضلیت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو جس نے بھی کچھ دیا سب کا بدلہ میں نے چکادیا ہے، سوائے ابوبکر کے کہ ان کا بدلہ میں ادا نہیں کرسکا، ان کا بدلہ قیامت کے دن اللہ پاک عطا فرمائے گا (ترمذی وابوداؤد کتاب المناقب ☆ **الجامع الصحيح المختصر ج ١ ص ١٧٧ حديث نمبر: ٤٥٤ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6)**==

۳۲-سرور دو عالم رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ولادت عام الفیل ۱، ۹/ ربیع الاول ۵۲/ سال قبل ہجرت م ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء وفات ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ م ۷/ جون ۶۳۲ء بروز سوموار)

نقشبندیت کی یہ پہلی نسبت ہے جو آپ کو اپنے جد امجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ کے ذریعے حاصل ہوئی، جو آہستہ آہستہ مختلف احوال وظروف کے تحت آپ کے اندر پختہ ہوتی چلی گئی، یہاں تک کہ زندگی کے آخری دور میں آپ پر یہی رنگ غالب ہو گیا تھا۔

حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا یہ سلسلہ اکتیس (۳۱) واسطوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتا ہے، بشرطیکہ درمیانی کڑیوں کو شمار نہ کیا جائے جن کی نشاندہی گذشتہ صفحات میں کی گئی ہے، ورنہ واسطوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔

حضرت مولانا نصیر الدین نصرؒ کے پاس کوئی شجرۂ منظومہ تھا یا نہیں، اس کا پتہ نہ چل سکا، البتہ "ارشاد رحمانی و فضل یزدانی" (مجموعۂ افادات وملفوظات حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ) مؤلفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ میں ایک شجرۂ منظومہ (بزبان فارسی) مطبوعہ ہے، یہ کتاب حضرت گنج

== حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "تصوف صدیقی" پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کمال طریقت کے لئے جن اوصاف وملکات نفسانی کی ضرورت ہے، مثلاً توکل، ورع، احتیاط، کف لسان، تواضع، شفقت بر خلق خدا، رضا، نفی ارادہ، زہد، خشیت، عبرت، عجز وانکسار، رقت قلب، تحمل، فقر ودرویشی، یہ سب حضرت ابوبکر صدیقؓ میں بتمام وکمال موجود تھے، اور اس بنا پر آپ طائفۂ اصفیاء واہل طریقت کے سرخیل اور امام تھے (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحات میں اپنے مصلیٰ کا جانشین آپ کو بنایا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد باتفاق رائے آپ خلیفۂ اول منتخب ہوئے، اور اپنے عہد خلافت میں دین کی توسیع واستحکام کے لئے عظیم الشان خدمات انجام دیں، دو سال تین ماہ نو دن سریر آرائے خلافت رہ کر تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر میں شب سہ شنبہ ۲۱ یا ۲۳/ جمادی الثانیہ ۱۳ھ (۲۴ یا ۲۶/ اگست ۶۳۴ء) کو وصال فرمایا۔ وصیت کے مطابق زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا، صاحبزادہ حضرت عبدالرحمنؓ نے پانی ڈالا، اور انہی کپڑوں میں کفن دیا گیا جو آپ نے پہن رکھے تھے، اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں گنبد خضرا کے اندر دفن ہونے کی سعادت سے مشرف ہوئے، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، اور حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ نے آپ کو قبر میں اتارا۔

آپ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں حضرت عمرؓ کو اپنے بعد جانشین نامزد فرمایا تھا، حضرت عمرؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور اسی پلنگ پر آپ کا جنازہ اٹھایا گیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اٹھایا گیا تھا۔

آپ نے چار شادیاں کیں، دو زمانۂ قبل اسلام میں اور دو زمانۂ بعد اسلام میں، اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہوئیں (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۲۴ تا ۵۰ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۲۱ تا ۱۴۰ عبدالرسول للہی)

مرادآبادیؒ کی حیات میں ہی طبع ہوئی تھی، اور آپ کی نظر سے گذری تھی، اور سند توثیق و مقبولیت بھی عنایت فرمائی تھی، اندازہ یہ ہے کہ یہی شجرہ حضرت نصرؔ کے یہاں بھی مروج رہا ہوگا، اس لئے کہ بعینہ یہی شجرہ بعض اضافوں کے ساتھ حضرت گنج مرادآبادیؒ کے سلسلے کے بزرگ حضرت مولانا محمد احمد پرتا بگڈھیؒ (م ۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۱ء الہ آباد) خلیفہ حضرت مولانا شاہ بدر علیؒ (م ۲۳/ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹/ نومبر ۱۹۳۵ء) سدھونہ، رائے بریلی کے یہاں بھی مروج ہے (۲۵۸)۔

بطور برکت و یادگار وہ شجرۂ منظومہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

شجرۂ منظومۂ خاندان عالیشان نقشبندیہ مجددیہ

خداوندا بحق سرور ما — محمد مصطفٰے پیغمبر ما
بحق حضرت صدیق اکبرؓ — وفا پروردۂ ضمن پیمبر
بحق بحر علم وکان احساں — چراغ محفل اصحاب سلماں
بحق قاسم انوار صدیق — حقیقت محرم اسرار صدیق
بحق وارث صدیق وحیدر — خطابش صادق وموسوم جعفر
بحق بایزید آں غوث بسطام — زانوارش منور روم تا شام
بحق بوالحسن آں قطب عالم — سمیّ مرتضٰی شیخ مکرم
بحق بوعلی پیر طریقت — بہار فقر وعرفان وحقیقت
بحق شیخ ابویعقوب یوسف — جمال افزائے ارباب تصوف
بحق خواجہ عبدالخالق ما — کلید گنج حکمت کان معنٰی
بحق خواجہ کو عارف آمد — زسرکنت کنزاً واقف آمد
بحق خواجہ محمودنامے — ولایت منصبے والا مقامے
بحق کاشف انوار عرفاں — علی رامیتنی خواجہ عزیزاں
بحق خواجہ بابا محمد — مشیخت پایۂ ارشاد مسند

(۲۵۸) شجرۂ منظومہ نقشبندیہ مجددیہ مع فہرست خلفاو مجازین حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتا بگڈھیؒ ص ۱۱ تا ۱۵، ناشر قاری مشتاق احمد صاحبؒ ابن حضرت پرتا بگڈھیؒ بانی مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ، سن طباعت درج نہیں ہے۔

بحق آں کہ نام او امیر است | مکمل عارف و کامل فقیر است
بحق خواجۂ مشکل کشائے | بہاء الدیں طریق پیشوائے
بحق قطب ارشاد زمانہ | علاء الدیں حقیقت آشیانہ
بحق آں کہ یعقوب است نامش | فروغ دیدۂ عرفاں مقامش
بحق ناصر الدیں خواجہ احرار | عبید اللہ نور چشم اخیار
بحق آں کہ زاہد نام دارد | شراب معرفت در جام دارد
بحق شاہ معنیٰ خواجہ درویش | بحق پیوستہ و وارستہ از خویش
بحق خواجگی کو حق نشاں بود | بہ عالم یادگار خواجگاں بود
بحق حضرت حق آگہ ما | جناب خواجہ باقی باللہ ما
بحق حضرت قیوم دوراں | سمیؐ مصطفیٰ محبوب دوراں
بحق جانشین صدر قیوم | جناب خواجہ مجد الدین معصوم
بحق نقشبنداں حجۃ اللہ | ابوالقاسم علیہ رحمۃ اللہ
بحق آبروئے فقر و ارشاد | زبیر آں قبلۂ اقطاب و افراد
بحق مشرق صبح ولایت | ضیاء اللہ پیر ما ہدایت
بحق خواجۂ ماشاہ آفاق | نمک ریز جراحتہائے عشاق
بحق فضل رحماں قبلۂ ما | کہ آمد حضرت او کعبۂ ما
بحق شہ نصیر الدین احمد | امام معرفت و عشق آمد
بحق آبروئے علم و عرفاں | حکیم احمد حسن آں قطب دوراں
الٰہی ظل او ممدود تر باد | پناہ او جہاں را بیشتر باد
بامدادش زخود آزاد گرداں | گرفتار خودم کن شاد گرداں
شہود خویش کن مارا کرامت | بحال ما فگن چشم عنایت
زاحوال تباہ خود چہ گویم | ترحم کن اگر بد یا نکویم
تہی دستیم از فقر و ریاضت | گنہ گاریم بے زہد و عبادت
ولے با ایں تباہی در تباہی | تہیدستی و عصیاں دستگاہی

بدست دوستت چوں دست دادیم — نگاہ فضل آخر فضل یابیم
وگر یاد کسے وا کردلب ہا — زجذب عشق دارم جلب وتب ہا
بہ مدحت خوانیش طاقت ندارم — ولے مجبور ازجوش بیانم
چہ گویم وصف اوالله اکبر — حبیب الله محبوب پیمبر
جمال مصطفیٰ درسینۂ او — جلال کبریاء آئینۂ او
صفائے سینۂ صدیق اکبر — ہمہ آئینۂ صدیق اکبر
لسان ناطق فاروق اعظم — بیان او ہمہ ازدوست ملہم
نگاہ چشم ذو النورین عثماں — بیند از حیا جزروئے یزداں
توانا بازوئے کرار حیدر — زآل قرۃ العین پیمبر
دل خواجہ بہاءالدین والحق — دماغ شاہ جیلاں غوث اسبق
نظام الدیں بہ محبوبیت او — ہمہ احمد بہ قیومیت او
بود ہرچیز ازخود بےنشانے — نشانے دارد از ہر خاندانے
بود او رافع دشواریٔ ما — دوائے شافی بیماریٔ ما

نباشد درد مارا ہیچ درماں
مگر تیرنگاہ فضل رحماں (۲۵۹)

---

(۲۵۹) ارشاد رحمانی وفضل یزدانی ص ۸۷ تا ۸۲ مؤلفہ حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ، مطبع انتظامی کانپور

(نوٹ) اس میں دواشعار کا اضافہ اس حقیر نے کیا ہے:

بحق شہ نصیر الدین احمد — امام معرفت وعشق آمد
بحق آبروئے علم و عرفاں — حکیم احمد حسن آں قطب دوراں

(۴)

سلسلۂ چہارم

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ-تعارف اور خصوصیات

نقشبندیہ طریق دوم

نقشبندیت کی دوسری نسبت آپ کو طب کی تعلیم سے فراغت کے بعد قیام دہلی کے دوران (۱۹۲۲ء/ ۱۳۴۰ھ میں) خانقاہ مظہریہ چتلی قبر دہلی کے سجادہ نشیں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ (ولادت: ۲۷/ ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۸۵۶ء وفات: ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶/ فروری ۱۹۲۳ء) سے حاصل ہوئی۔

حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ سے اکتساب فیض کی سعادت

حضرت منورویؒ کے لئے بڑی سعادت کی بات تھی کہ حضرت مولانا شاہ ابوالخیر دہلویؒ جیسے ولی کامل کی مسلسل صحبت تقریباً سات یا آٹھ ماہ تک حاصل ہوئی، اور کسب فیض کا موقعہ ملا۔

حضرت مولانا شاہ ابوالخیر دہلویؒ سے حضرت منورویؒ کے وابستہ ہونے کا قصہ خود آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ (ولادت ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۳/ نومبر ۱۹۰۶ء وفات ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱/ دسمبر ۱۹۹۳ء)(۲۶۰) نے میرے والد

(۲۶۰) حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلویؒ اپنے عہد کے بڑے صاحب نسبت بزرگ، عظیم محقق، اور صاحب تصنیف عالم دین تھے، انہوں نے اپنی تصنیفات کے ذریعہ خانقاہ مظہریہ اور خاندان مجددی کو نئی زندگی عطا کی، آپ کی ولادت ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۳/ نومبر ۱۹۰۶ء خانقاہ ارشاد پناہ دہلی میں ہوئی، آپ کا نام زید رکھا گیا، آپ کے والد ماجد نے اپنے تینوں بیٹوں کا نام حضرت عمر بن الخطابؓ کے صاحبزادوں کے نام پر رکھا تھا، آپ کی تاریخ ولادت پر آپ کے والد ماجد نے دو شعر کہے:

حضرت زید بن عبداللہ فرزند عمرؓ — بوالحسن عبدالغنی تاریخ میلادش بگو (۱۳۲۴ھ)
سال میلاد زید شیخ جہاں — شد محمد بشارت الرحمن (۱۳۲۴ھ)

آپ کی تربیت وخدمت خانقاہ کے پاکیزہ ماحول میں افغانستان کے علماء کے زیر نگرانی ہوئی۔==

ماجد سے بیان فرمایا کہ:

== پانچ سال تک اسکول کی تعلیم حاصل کی، اسی دوران حفظ قرآن شروع کیا، مگر اسکول کے ساتھ حفظ کے اسباق جاری رکھنا مشکل تھا، اس لئے چھوڑ دیا، پھر اسکول سے بھی الگ ہوگئے، عربی کی ابتدائی تعلیم کافیہ تک مولانا محمد عمر صاحبؒ، اور جناب ملا امان اللہ صاحبؒ سے حاصل کی، مولوی خیر محمد صاحبؒ سے بھی کچھ دنوں تعلیم حاصل کی، والد ماجدؒ سے بھی نحومیرا ورکافیہ کے کچھ اسباق پڑھے۔ عروض اور فن شاعری کی تعلیم بھی والد ماجد سے حاصل کی، ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں مدرسہ عبدالرب میں داخل ہوئے، اور دوسال وہاں تعلیم حاصل کی، اس مدرسہ میں جناب مولانا عبدالوہاب صاحبؒ، جناب مولانا حکیم جی محمد مظہر اللہؒ (م ۱۹/ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ مطابق ۹/ جولائی ۱۹۶۶ء)، جناب مولانا محبوب الٰہیؒ (م ۲۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۹۷۱ء) سے مختلف کتابیں پڑھیں، کتب حدیث میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ مکمل حضرت مولانا عبدالعلیؒ (م ۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۹۲۸ء) سے اور جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، اور سنن نسائی حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ (۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ مطابق ۷/ نومبر ۱۹۶۰ء) سے پڑھیں، دورۂ حدیث میں رفقاء کی تعداد پچاس ساٹھ تھی، لیکن عبارت کی خواندگی زیادہ تر آپ ہی کے حصے میں آتی تھی، تکمیل بخاری کے دن استاذ محترم حضرت مولانا عبدالعلیؒ نے ایک اشرفی عنایت فرمائی، حضرت مولانا عبدالعلی صاحبؒ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے شاگرد تھے، اور اپنے استاذ سے ان کو کامل قلبی تعلق تھا، ان کا ذکر کرتے تو آبدیدہ ہوجاتے تھے، ---حضرت مولانا محمد شفیع صاحب حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے داماد تھے، دیوبند میں ان کی وفات ہوئی۔

مدرسہ عبدالرب سے فراغت کے بعد ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء میں جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے اور ۱۹۳۵ء تک چارسال وہاں تعلیم حاصل کی۔

طریقت کی پوری تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، ۱۳۳۵ھ میں والد ماجد سے بیعت ہوئے اور ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، ۱۹۴۷ء میں بڑے بھائی جان حضرت مولانا محمد بلال صاحبؒ کی ہجرت پاکستان کے بعد خانقاہ مظہریہ کے مسند ارشاد پر فائز ہوئے، پھر پوری زندگی خلق خدا کی خدمت، روحانی تعلیم وتربیت، اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہے، بہت سی قیمتی، تاریخی اور دستاویزی کتابوں کے آپ مصنف ہیں، جن میں مقامات خیر، رسالہ بزم زید، مناہج السیر ومدارج الخیر، رسالہ وحدۃ الوجود، مقامات اخیار، القول الجلی فی آثار الولی بطور خاص قابل ذکر ہیں، شعروشاعری کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، برجستہ شاعری پر بھی بڑی قدرت تھی، آپ کی وفات ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱/ دسمبر ۱۹۹۳ء کو ہوئی، خانقاہ کے احاطے میں مدفون ہیں (مقامات خیر ص ۶۹۷ تا ۷۶۵ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ اور تاریخ وفات کے لئے دیکھئے: شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ ص ۱۶، ناشر: درگاہ حضرت شاہ ابوالخیر دہلی، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء)

''اسی گلی میں وہ کسی حکیم کے مطب میں پریکٹس کرتے تھے، جس زمانے میں وہ والد صاحب (حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ) کے پاس آتے تھے، میرا لڑکپن تھا، اور پھر والد صاحب کے وصال کے بعد جب پہلی بار تشریف لائے، تو میں حلقے میں تھا، انہوں نے میرا نام لے کر پکاں؟ تو ایسا لگا کہ ہاتف غیبی کی صدا آ رہی ہو، پھر میں کھڑا ہو گیا اور ان سے معانقہ کیا''

میرے والد ماجد نے حضرت مولانا زید ابوالحسن مجددی فاروقی دہلویؒ کا یہ جملہ بھی نقل فرمایا کہ:

''مولانا احمد حسن سراپا گل تھے، خانقاہ تشریف لاتے تو جیسے بہار آ جاتی تھی'' (۲۶۱)

آستانہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ- پس منظر و پیش منظر

حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ خود خاندان مجددی کے ایک فرد تھے، اور آپ کو یہ نسبت اکثر اسماء شجرہ کے لحاظ سے گویا اباً عن جد حاصل ہوئی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ ایک خلوت پسند اور تارک الدنیا بزرگ تھے، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک سال تک خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھا، بہت کم لوگوں کو آپ سے ملنے کی یا آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت ملتی تھی، بڑے بڑے نوابوں اور اعیان سلطنت کو بھی قابل اعتنا نہیں سمجھتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیفیں بھی اٹھانی پڑی، ابتدا میں سالہا سال تک مخلص خدمت گاروں کی کمی رہی، اور تنہائی کی اذیت برداشت کرنی پڑی، اردگرد سازشوں کے جال بنے گئے، ارباب حکومت کو غلط اطلاعات پہونچائی گئیں، آپ کی کم آمیزی کو جرم بنا کر پیش کیا گیا، سی آئی ڈی کے پہرے لگائے گئے، انگریز کے افسر اعلیٰ کے یہاں طلبی ہوئی، اور سات آٹھ ماہ تک رام پور میں نظر بند کئے گئے، فتووں کا کھیل کھیلا گیا، خانقاہ کی مسجد اور آپ کے اہل خانہ کو نشانہ بنایا گیا، کفر کے فتوے تک داغے گئے، خدام خانقاہ کو زدوکوب کیا گیا، غرض آپ کو تنگ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ چھوڑا نہیں گیا، اور آپ کو ہر طرح تنہا کرنے کی کوشش کی گئی، اور افسوس کی بات یہ تھی کہ اس میں غیروں سے زیادہ اپنے لوگوں کی حصہ داری تھی۔

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

لیکن آپ نے صبر کیا، اور انتہائی عزیمت کے ساتھ ہر مشکل کو برداشت کیا، فرحمہ اللہ، آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ نے ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ قلمبند

(۲۶۱) تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ ص ۱۴۱ ۳

کیا ہے۔

خانقاہ مظہریہ دہلی کی تعمیر وتولیت

حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحبؒ نے اس کے اسباب ووجوہ کی طرف بھی اشارے کئے ہیں، جن میں بڑی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ خانقاہ جہاں آپ کا قیام تھا یہ آپ کے مبارک خاندان کی یادگار تھی، اس لئے کہ اس روحانی سرچشمہ کا حقیقی آغاز آپ کے جدا کبر حضرت خواجہ سیف الدین سرہندی مجددیؒ (م ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) کے ورود دہلی (۱۰۷۶ھ ۱۶۶۵ء) کے وقت سے ہوگیا تھا، جنہوں نے اپنے والد گرامی عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصومؒ (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے حکم سے دارالسلطنت دہلی میں طرح اقامت ڈالی تھی، گویا انہی کے مبارک ہاتھوں سے اس مرجع عالم خانقاہ کی بنیاد پڑی، حضرت خواجہ سیف الدینؒ کے بعد آپ کے خلیفہ ارشد حضرت سید نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء) نے ان کی جگہ کو آباد کیا، بعد ازاں مظہر انوار الٰہی، مصدر آثار حضور وآگہی، فرید العصر وشمس الدین حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) نے اس مسند ارشاد کو زینت بخشی، آپ نے قریب تیس پینتیس برس تک اپنے انفاس قدسیہ سے اس خانقاہ کو آباد رکھا، آپ کے زمانے میں اس خانقاہ کی شہرت چاردانگ عالم میں پہونچ گئی۔

خانقاہ کا آغاز

ابتدا میں اس خانقاہ پاک کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی تفصیل معاصر کتابوں میں نہیں ملتی، البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مختصر عمارت ضرور تھی، ۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء میں حضرت مرزا صاحب اپنی خودنوشت میں آپ رقمطراز ہیں کہ:

”تقریباً بیس سال کی عمر میں فقر کی گدائی اختیار کرکے اپنے اوقات کو مدرسہ اور خانقاہ کی خدمت میں صرف کیا(۲۶۲)۔

محلہ ”امام“ جو جامع مسجد (دہلی) کے مقابل تھا، آپ اس میں رہتے تھے(۲۶۳)۔

آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ (م ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) آپ کی روحانی خدمات

(۲۶۲) تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۴۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء بحوالہ مقامات مظہری ص ۱۵۶ (مقدمہ)، مرتب: شاہ غلام علی دہلویؒ، تحقیق وتقدیم: محمد اقبال مجددی، ناشر: اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

(۲۶۳) تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۴۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء بحوالہ: عمدہ منتخبہ (تذکرۂ شعراء) دہلی ص ۵۵۲، مرتب: خواجہ احمد فاروقی، ناشر: دہلی یونیورسیٹی، ۱۹۶۱ء۔

اور خانقاہ مظہریہ کے واردین وصادرین کی کثرت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''ہزاروں لوگ آپ سے طریقہ کی تعلیم حاصل کر کے دائمی ذکر خدا میں مشغول ہوئے، تقریباً دوسو افراد تعلیم طریقہ کی اجازت حاصل کر کے راہ خدا کی ہدایت میں مصروف ہوئے۔ پچاس افراد صرف انبالہ سے مقامات احمدیہ (نقشبندیہ مجددیہ) کی نہایت کو پہونچ کر ارباب طریقت کے پیشوا بنے (۲۶۴) زمانۂ پیری میں بھی سوسو آدمیوں کو صبح وشام توجہ دی جاتی تھی (۲۶۵)

یہ سلسلہ آپ کی شہادت (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) تک جاری رہا، آپ کے وصال سے قبل آپ کی اہلیہ محترمہؒ نے آپ سے درخواست کی تھی، کہ آپ اپنی تجہیز وتکفین اور تدفین کا معاملہ ان کے سپرد فرما دیں، آپ کے مریدوں اور خلفائے عظام کو اس بات کا علم تھا، گو کہ بی بی صاحبہ کی حویلی کی خرید کے بعد حضرت مرزا صاحبؒ کی رائے تبدیل ہوگئی تھی اور اس تعلق سے ایک وصیت نامہ بھی تحریر فرما کر انہوں نے اپنے خلیفۂ خاص قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ/ ۱۸۱۰ء) کے حوالے فرمایا تھا، لیکن بروقت قاضی صاحب کے نہ پہونچ پانے کی بنا پر حضرت کی اہلیہ محترمہ ہی کی خواہش کے مطابق چتلی قبر سے متصل ان کی خرید کردہ حویلی میں حضرت کو دفن کر دیا گیا۔

اس حویلی کے علاوہ جس میں آپ مدفون ہوئے، حضرت کی اہلیہ نے (تقریباً ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں) اسی سے متصل ایک اور حویلی بھی خریدی تھی، اور دونوں حویلیاں مزار اور مخلصین کے قیام کے لئے وقف کر دی تھیں، انہوں نے دونوں حویلیوں کا وقف نامہ باقاعدہ تحریری صورت میں تیار کروایا تھا، اور اس پر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م رجب ۱۲۲۵ھ مطابق اگست ۱۸۱۰ء) کی مہریں ثبت کرائی تھیں، جس پر حضرت مولانا نعیم اللہ بہرائچیؒ (م ۱۲۱۸ھ/ ۱۸۰۳ء، ۱۸۰۴ء) نے بطور گواہ دستخط کئے تھے۔

(۲۶۴) تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۴۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء بحوالہ مقامات مظہری ص ۱۵۷ (مقدمہ)، مرتب: شاہ غلام علی دہلویؒ، تحقیق وتقدیم: محمد اقبال مجددی، ناشر: اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

(۲۶۵) تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۴۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء بحوالہ مکاتیب مظہر جان جاناں شہیدؒ ص ۵۵، ۵۷۔

خانقاہ کی تشکیل جدید اور عروج وزوال

البتہ چتلی قبر کی موجودہ خانقاہ حضرت کے خلیفۂ اکبر حضرت شاہ عبداللہ غلام علی دہلویؒ (م ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء) کے زمانے میں قائم ہوئی، مسجد کے آس پاس کی کئی زمینیں شاہ غلام علی صاحبؒ نے حاصل کیں، اور پھر ان تمام کے مالکانہ حقوق حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے جد امجد حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ (م ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء) اور حضرت شاہ احمد سعید دہلوی ثم مہاجر مدنیؒ (م ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء) کو منتقل کر دیئے، ان کے علاوہ کئی قطعات ارضی خود حضرت احمد سعیدؒ نے بھی خریدیں، حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ چوبیس (۲۴) سال تک خانقاہ کی سجادگی پر فائز رہے، لیکن جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے ان کی بنا پر دیگر بہت سے علماء کی طرح آپ نے بھی مع اہل خانہ حجاز مقدس کی طرف ہجرت کا فیصلہ فرمایا، آپ (۱۰ / ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ/ ۲۸ /نومبر ۱۸۵۷ء کو) دہلی سے نکلے اور موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل تشریف لے گئے، حجاز مقدس روانگی (جمادی الثانیہ ۱۲۷۴ھ/ جنوری ۱۸۵۸ء) کے وقت دہلی خانقاہ کی تولیت ونگرانی تحریری طور پر اپنے خلیفہ ومجاز حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ (م ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۸ء) کے حوالے کی، جن کے زیر نگرانی پہلے سے بھی قندھار (غنڈاں شریف) اور موسیٰ زئی میں دو خانقاہیں چل رہی تھیں۔

اس کے بعد حضرت احمد سعید دہلویؒ تا حیات مدینہ طیبہ ہی میں مقیم رہے، اور وہیں وفات پائی، آپ کے صاحبزادے اور خلیفۂ اکبر حضرت شاہ عمرؒ اپنے صاحبزادے (حضرت شاہ ابوالخیر) کے نکاح کی ضرورت سے رام پور (ہندوستان) تشریف لائے اور یہیں انتقال فرمایا، قبر مبارک رامپور میں ہے، (۲۶۶) حضرت شاہ عمرؒ کے وصال کے بعد حضرت شاہ ابوالخیرؒ حجاز مقدس لوٹ گئے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایماء پر پھر دوبارہ ہندوستان واپس تشریف لائے اور اپنی اس آبائی خانقاہ کے احیاء کا عزم فرمایا، حضرت احمد سعید دہلویؒ کی ہجرت مدینہ کے بعد اس خانقاہ کی مرکزیت متأثر ہوگئی تھی، اس لئے کہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کا قیام دہلی کے بجائے موسیٰ زئی میں رہا، اور دہلی کی خانقاہ کی دیکھ بھال کے لئے انہوں نے اپنے خادم خاص اور مجاز حضرت مولانا رحیم بخش اجمیری ہرصوریؒ (م ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء، ۱۸۶۷ء) (۲۶۷) کو حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کی اجازت سے مقرر فرما دیا تھا، اور

(۲۶۶) مقامات خیر ۱۲۴، ۱۲۵

(۲۶۷) بڑے فاضل قابل اور انشاء پرداز تھے، ابتداء حضرت شیخ احمد عرب صاحب مدنی الآفندی الجوخدار انصاریؒ (جوان کو ہندوستان میں ملے تھے) سے بیعت ہوئے، اور طریقۂ قادریہ وچشتیہ میں اجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی، ==

اس طرح یہ موسیٰ زئی کی ایک ذیلی شاخ بن کر رہ گئی تھی ، حضرت احمد سعید دہلویؒ کی ہجرت سے حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کی واپسی تک خانقاہ میں کوئی تعمیری کام نہیں ہوا، بلکہ اس کی حالت اس قدر ابتر ہوگئی تھی کہ مسجد کی آدھی چھت گر چکی تھی ، آس پاس کے کمرے بھی منہدم ہونے لگے تھے ، اور خانقاہ میں بہت سے غیر مخلص عناصر نے اپنا اڈہ جمالیا تھا، اللہ پاک نے حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ کے ذریعہ اس خانقاہ کی مرکزیت واپس کرائی ، اور آپ کے جد امجد حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے (۱۲۷۵ھ/ ۱۹۵۸ء میں بمقام حرم نبویؐ) جو پیشگوئی فرمائی تھی کہ ’’میری خلافت خاصہ اس بچے کے نصیب میں ہے‘‘ وہ پوری ہوئی۔

حضرت شاہ ابوالخیر کی واپسی (ربیع الثانی ۱۳۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۸۸۸ء) سے قبل حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ (متوفیٰ ۲۲ /شوال المکرم ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۶ /فروری ۱۸۶۸ء) کا انتقال ہو چکا تھا، مولانا رحیم بخشؒ بھی وفات پا چکے تھے، اور خانقاہ ہی کے احاطے میں مدفون ہوئے ، اب خانقاہ کی تولیت حضرت حاجی صاحب کے جانشین حضرت مولانا عثمان دامانیؒ کے پاس تھی ، آپ نے حضرت عثمان دامانیؒ کو خط لکھا اور خانقاہ کی امانت واپس کرنے کی فرمائش کی ، چنانچہ تین چار ماہ کے بعد حضرت عثمان دامانیؒ شعبان ۱۳۰۶ھ/ اپریل ۱۸۸۹ء میں تقریباً ساٹھ ستر آدمیوں کے ہمراہ دہلی تشریف لائے اور خانقاہ شریف آپ کو تفویض کردی ، اور وہاں موجود حاضرین میں اس کا اعلان بھی کر دیا(۲۶۸)۔

==اور کئی لوگوں کو سلسلہ میں داخل بھی کیا، چھ(۶) سال انگریز کے یہاں ملازمت کی ، اسی اثناء حسن اتفاق صوبہ سرحد کے ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ درابن میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے مثل خواں بنے ، اور درابن میں ملازمت کرنے لگے، یہیں حضرت خواجہ دوست محمد قندھاریؒ کی بارگاہ میں حاضری کا موقعہ ملا، اور آپ کی نسبت عالیہ سے متأثر ہو کر بیعت ہوگئے، ان پر واردات کا ایسا غلبہ ہوا کہ نوکری ترک کر دینے کا فیصلہ کرلیا، انگریز سرکار نے تنخواہ میں اضافہ کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ نوکری سے سبکدوش ہوگئے ، اور حضرت قندھاریؒ کے دربار کے مستقل حاضر باشوں میں شامل ہوگئے ، حضرت کے مخصوص خلفاء میں ان کا شمار ہوتا ہے، فضائل الباری نیز مکتوبات حضرت قندھاریؒ کی ترتیب میں حضرت محمد عادل کا کڑؒ کے رفیق رہے۔ آپ ہی کو خانقاہ مظہریہ دہلی کے انصرام وانتظام پر مامور کیا گیا تھا، خانقاہ دہلی ہی میں ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء، ۱۸۶۷ء میں وفات پائی (تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۱۸۴، ۱۸۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر: جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء، بحوالہ مواہب رحمانیہ ج ا ص ۱۹۷ مؤلفہ مولانا محمد اسماعیل سراجی مجددیؒ وغیرہ)

(۲۶۸) مقامات خیر ص ۲۰۰ مؤلفہ حضرت شاہ زید ابوالحسن فاروقیؒ

خانقاہ کی تعمیر جدید اور فتنوں کا آغاز

خانقاہ کو اپنی تحویل میں لینے کے بعد آپ نے مسجد اور خانقاہ کی تعمیر نو کا پروگرام بنایا، اور خانقاہ شریف کے حجروں کو نا اہل افراد سے خالی کرایا، مجر شریف کو بھی (۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء میں) توڑ کر از سر نو بنوایا، اور اس میں صرف اصل اکابر کی قبریں رہنے دیں، مولانا رحیم بخشؒ کی قبر مجر شریف سے خارج کر دی، اس کی وجہ سے ان کے مریدین نے شورش برپا کر دی اور اس میں بہت سے اہم لوگ بھی شامل ہو گئے، دھمکیوں کے گمنام خطوط آنے لگے، سازشوں اور مخالفتوں کا دروازہ کھل گیا، مخلصین اور منافقین کی شناخت مشکل ہو گئی، یہی وہ وقت تھا جب آپ نے لوگوں سے ملنا کم کر دیا، دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے خانقاہ کا دروازہ اندر سے بند رکھا جانے لگا، باہر نکلنا بھی آپ کا تقریباً بند ہو گیا تھا، اندازہ کیا جائے تو دہلی تشریف آوری کے بعد کم از کم چھ (٦) سال آپ نے کلیتاً تنہائی اور گوشہ نشینی کے گذارے ہیں، بہت محدود لوگ حلقہ میں آ کر بیٹھتے تھے، کئی سال کے بعد رفتہ رفتہ لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوئی، اور شورش کے اثرات کم ہوئے، اور افغانستان اور دنیا کے مختلف خطوں سے عوام و خواص جوق در جوق آنے لگے، اور یہ خانقاہ پھر ایک بار روحانیت کا سب سے عظیم مرکز بن گئی۔

کوئٹہ۔مرکز ثانی

خانقاہ میں قیام کے بارہ سال بعد صحت کے نقطۂ نظر سے ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق آپ نے دہلی کے علاوہ ایک دوسرا مسکن کوئٹہ (بلوچستان) کو بنایا، جہاں آپ سال میں تقریباً چھ (٦) ماہ قیام فرماتے تھے، اس طرح کوئٹہ آپ کا وطن ثانی بن گیا تھا، ابتدا میں کرایہ پر رہے پھر مستقل مکان خرید لیا تھا، ہر سال اپریل کی بیس پچیس تاریخ کو آپ کوئٹہ تشریف لے جاتے، اور اکتوبر کی بیس پچیس تاریخ تک دہلی واپس تشریف لے آتے، یہ سلسلہ ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء سے ۱۳۴۰ء/ ۱۹۲۲ء تک یعنی مسلسل تیئیس سالوں تک جاری رہا (۲۶۹)۔

حضرت گڑھلویؒ کے خانقاہ مظہریہ پہونچنے کا قصہ

خانقاہ مظہریہ میں اضطراب و انتشار کا وہی دور تھا جب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھلویؒ بھی

(۲۶۹) مقامات خیر ص ۱۹۹ تا ۲۸۲ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ، ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

بغرض بیعت وارادت (۱۹۰۲ء/ ۱۳۲۰ھ تا ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ کے درمیان) (۲۷۰) حضرت مولانا شاہ ابوالخیر دہلویؒ کے آستانہ پر حاضر ہوئے تھے، اور خود حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ (جو بعد میں آپ کے پیر طریق بنے) نے آپ کو لے کر یہاں پہونچایا تھا (۲۷۱)، اور بقول مولانا حافظ سید اطہر حسین صاحبؒ (۲۷۲) آپ نے وہاں تقریباً چھ (۶) ماہ قیام فرمایا (۲۷۳)، لیکن حضرت شاہ صاحب نے اظہار محبت کے باوجود (۲۷۴) ارادت کے لئے قبول نہیں فرمایا، جیسا کہ جنۃ الانوار میں آپ کے ایک خط اور حضرت کانپوریؒ کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے:

---

(۲۷۰) اس لئے کہ حضرت گڑھولویؒ کی فراغت کانپور سے ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۹ء میں ہوئی، ۱۳۱۷ھ میں بھی آپ وہیں مزید تعلیم میں مشغول رہے، ۱۳۱۸ھ میں حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے، اور دو سال وہاں قیام فرمایا (جنۃ الانوار ص ۱۳ طبع اول ۱۹۷۲ء گڑھول شریف، سیتامڑھی بہار) ۱۳۲۰ھ میں حجاز سے واپس تشریف لائے اور پھر حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ آپ کو لے کر حضرت شاہ ابوالخیر کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، (جنۃ الانوار ص ۱۲۶ حاشیہ) حضرت کانپوریؒ پہلے ہی سے حضرت عثمان دامانیؒ اور پھر حضرت خواجہ سراج الدینؒ موسیٰ زئی سے وابستہ ہو کر تکمیل سلوک کر چکے تھے، حضرت گڑھولویؒ کے مجموعۂ مکاتیب ''جنۃ الانوار کے مطابق حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ سے بحیثیت مسترشد آپ کی مراسلت کا آغاز ۱۹۰۵ء/ ۱۳۲۳ھ سے ہوا ہے، (یوں جنۃ الانوار میں آپ کا پہلا خط ۱۹۰۳ء کی تاریخ کا بھی ہے، لیکن اس کے مضمون اور انداز تخاطب میں کسی مرید اور مسترشد کی جھلک نظر نہیں آتی) اس کا مطلب ہے کہ ۱۹۰۵ء میں یا اس سے کچھ قبل آپ حضرت کانپوریؒ سے روحانی طور پر منسلک ہو گئے تھے، اس لحاظ سے خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر میں آپ کی حاضری ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء کے درمیان ہوئی، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۷۱) جنۃ الانوار ص ۱۲۶ حاشیہ

(۲۷۲) موضع دھموارہ ضلع دربھنگہ کے رہنے والے تھے، حضرت گڑھولویؒ کے تلمیذ رشید اور مرید با اخلاص تھے، حضرت گڑھولویؒ کی شخصیت پر ان کا ایک مختصر مضمون جنۃ الانوار میں شامل ہے (جنۃ الانوار ص ۳۱۹ طبع ثالث)

(۲۷۳) جنۃ الانوار ص ۳۲۱ طبع ثالث ۲۰۱۴ء/ ۱۴۳۵ھ، مضمون مولانا اطہر حسینؒ

(۲۷۴) جیسا کہ جنۃ الانوار میں آپ کے ایک ملفوظ سے اندازہ ہوتا ہے:

> آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ ابوالخیرؒ کی خدمت میں میں حاضر ہوا، تو انہوں نے دریافت فرمایا، کہ آپ کسی بزرگ سے متوسل ہیں، میں نے عرض کیا نہیں، تو انہوں نے کسی اپنے عزیز کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ میاں فضل رب! بہت سے لوگ آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ فلاں کا خلیفہ ہوں، فلاں کا مجاز ہوں، مگر ان کی صحبت سے سانپ بچھو کی طرح نفرت معلوم ہوتی ہے، اور یہ لڑکا کہتا ہے کہ میں کسی سے متوسل نہیں ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ اس کو سینہ سے لگا لوں (جنۃ الانوار ص ۶۲ طبع اول)

حضرت گڑھلویؒ کو اس واقعہ (عدم قبولیت ارادت) کے تقریباً دس سال کے بعد (۱۹۱۳ء/ ۱۳۳۱ھ میں) خواب میں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کی زیارت ہوئی اور اس کی اطلاع خط کے ذریعہ انہوں نے اپنے پیرومرشد حضرت کانپوریؒ کو دی، لکھتے ہیں:

''ایک دن یوں دیکھا کہ حضور مجھ کو توجہ دیتے ہیں، اور قبل توجہ کے فرمایا کہ میں تمہاری حالت دیکھتا ہوں، ایک دن اسی حالت میں یوں معلوم ہوا کہ حضرت شاہ ابوالخیر صاحب اعلیٰ حضرت دامت فیوضہم سے فرماتے ہیں، میری نسبت کہ یہ آپ کے پاس چلا گیا، گو ہمارا مرید نہ تھا، لیکن ہمارے یہاں سے بھاگ گیا، ایسا سمجھ میں آیا کہ مقصود شاہ صاحب کا شکایت کرنی تھی، اس واقعہ کے بعد طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی حالانکہ حضرت شاہ صاحب کا خیال بالکلیہ نہ رہا'' (۲۷۵)

اس خط کا جواب حضرت کانپوریؒ نے درج ذیل الفاظ میں دیا ہے، خط فارسی میں ہے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے:

''جناب شاہ ابوالخیر صاحب کی شکایت جو آپ نے واقعہ میں دیکھا ہے بجا ہے، لیکن ہمارا اور آپ کا آنا ہمارے اور آپ کی طرف سے نہ تھا، بلکہ شاہ صاحب کی طرف سے تھا، ہم لوگوں کے آنے کے بعد دل میں وہ متأسف ضرور ہوئے، جس کسی کے متعلق ارشاد ہے وہ یہی چاہتا ہے کہ اس کے ارشاد و ہدایت بالعموم ہوں، خاص کر اہل علم کو زیادہ وہ پسند کرتے ہیں، لیکن اپنے کئے کا کیا علاج، اس بات پر تشویش نہ کریں، مطمئن ہو کر اپنے کام میں مشغول رہیں، مبدأ و معاد آپ کے سامنے ہے'' (۲۷۶)

اس سوال و جواب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ نے ہی حضرت گڑھلویؒ کو مرید نہیں کیا تھا، اور اس میں حضرت گڑھلویؒ کے ذاتی تأثر و احساس کا قطعی دخل نہیں تھا (۲۷۷)

(۲۷۵) جنۃ الانوار ص ۱۶۲، ۱۶۳ تاریخ مکتوب ۲۵ / جولائی ۱۹۱۳ / ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۳۱ھ، طبع اول۔

(۲۷۶) جنۃ الانوار ص ۱۴۲، ۱۴۳

(۲۷۷) جنۃ الانوار میں حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے دو جگہ یہ بات لکھی ہے کہ حضرت گڑھلویؒ حضرت شاہ ابوالخیرؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، لیکن کوئی فائدہ محسوس نہیں ہوا اس لئے واپس چلے آئے (دیکھئے جنۃ الانوار ص ۱۴، و ص ۱۲۶ حاشیہ) مگر خود اصحاب واقعہ کے اپنے بیانات (مکاتیب) کے مطابق یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، واللہ اعلم بالصواب۔

اسی طرح ان خطوط سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی خانقاہ میں حضرت گڑھولویؒ کا قیام زیادہ طویل نہیں رہا تھا، بلکہ حضرت کانپوریؒ کے ساتھ وہ گئے تھے اور پھر حضرت شاہ صاحب کی طرف سے التفات نہ ہونے پر انہی کے ساتھ واپس بھی ہو گئے تھے، زیادہ سے زیادہ چند روزہ قیام ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت کانپوریؒ کے اس جملہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

''ہمارا اور آپ کا آنا ہمارے اور آپ کی طرف سے نہ تھا ہم لوگوں کے آنے کے بعد دل میں وہ متأسف ضرور ہوئے'' (۲۷۸)

☆ یا ممکن ہے کہ ان دنوں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کا قیام دہلی کے بجائے کوئٹہ میں رہا ہو، اور انتظار میں کئی ماہ رکنا پڑا ہو، اس لئے کہ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۲۲ء تک حضرت شاہ صاحبؒ کا معمول ہر سال چھ (۶) ماہ کوئٹہ میں قیام کرنے کا تھا۔

☆ علاوہ اس دور کے حالات کے مطابق مخصوص خدام کے علاوہ کسی کو خانقاہ میں طویل قیام کی اجازت نہیں تھی۔

یہاں یہ بحث میرے دائرۂ مقام سے بالاتر ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت گڑھولویؒ کی سلامتی طبع اور بلندیٔ مقام کو جاننے کے باوجود بیعت سے کیوں مشرف نہیں فرمایا؟

☆ بظاہر اس کا جواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا حصہ وہاں نہیں تھا، بزرگوں کے یہاں طلب وارادت کی قبولیت کے لئے حصہ ہونا شرط ہے، اس کے بغیر فائدہ نہیں ہوتا۔

☆ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ جب حضرت گڑھولویؒ حاضر دربار ہوئے تھے وہ خانقاہ کے گردوپیش فتنہ وانتشار کا دور تھا، اور حضرت شاہ صاحبؒ پر انقطاع اور تخلیہ کا ایسا غلبہ تھا، کہ کوئی شخص بآسانی باریابی حاصل نہیں کر سکتا تھا، اور جس حلقہ کی طرف سے یہ شورشیں رہ رہ کر برپا کی جارہی تھیں، کسی نہ کسی درجہ میں آپ کے رفیق سفر حضرت کانپوریؒ کا انتساب اس حلقہ سے پایا جاتا تھا، بایں طور کہ مولانا رحیم بخشؒ خانقاہ موسیٰ زئی کے نمائندہ تھے اور یہ تمام تر فتنے بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی سے تعلق رکھنے والوں کی طرف سے اٹھ رہے تھے، جن سے خانقاہ کا امن وسکون اور روحانی ماحول متأثر ہوتا تھا، ایسے حالات میں ظاہر ہے کہ سخت احتساب کے بغیر کسی شخص کو حلقۂ ارادت میں داخل کرنا قرین مصلحت نہیں تھا۔

---

(۲۷۸) جنۃ الانوار کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں جناب مولوی سید اطہر حسین صاحب کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ حضرت گڑھولویؒ خانقاہ شاہ ابوالخیرؒ میں چھ ماہ مقیم رہے'' (جنۃ الانوار ص ۱۲۳ طبع ثالث) مگر مذکورہ بالا مکتوب سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

دربار شاہ ابوالخیرؒ میں حضرت منورویؒ کی قبولیت

اس پس منظر میں یقینی طور پر یہ حضرت منورویؒ کے لئے باعث شرف بات تھی کہ آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کی بارگاہ میں رسائی حاصل ہوئی، اور کسب فیض کا موقعہ ملا۔ البتہ حضرت منورویؒ جس زمانے میں حاضر بارگاہ ہوئے تھے اس وقت تک فتنوں کا غبار چھٹ چکا تھا، دوست اور دشمن پہچانے جا چکے تھے، شاہ صاحبؒ کی شخصیت شہرت، عظمت اور روحانیت کے نقطۂ عروج تک پہونچ چکی تھی۔

حضرت منورویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کا جو دور پایا وہ طوفان کے تھم جانے اور غبار کے چھٹ جانے کا زمانہ تھا، اس لئے حضرت کی بارگاہ تک رسائی میں آپ کو کوئی دشواری نہیں ہوئی، اور نسبت نقشبندیت کے اس آفتاب عالمتاب سے مستفید ہونے کا موقعہ میسر آ گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت منورویؒ کے نزدیک نسبت شاہ ابوالخیرؒ کی اہمیت

بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت منورویؒ کی نقشبندیت کی تکمیل چونکہ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں ہوئی تھی، اس لئے ان کے نزدیک اس نسبت کی اہمیت سب سے زیادہ تھی، وہ ساری زندگی خانقاہ شاہ ابوالخیر کی عقیدت وغلامی کے اسیر رہے، حضرت شاہ صاحبؒ ہی کو سلسلۂ نقشبندیہ میں وہ اپنا اصل پیر تصور کرتے تھے، اور اسی نسبت کو وہ مرکزی درجہ دیتے تھے، باقی تمام نسبتیں اس کے مقابلے میں ان کے نزدیک فروع کا درجہ رکھتی تھیں، اس کے کئی شواہد پیش کئے جا سکتے ہیں، مثلاً:

چند شواہد

(۱) حضرت منورویؒ نے اپنی حیات طیبہ میں جب کتاب مستطاب ''مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ'' کی تالیف کا ارادہ فرمایا، تو سیدھے خانقاہ مظہریہ دہلی تشریف لے گئے، اور وہاں کی کتابوں اور شجرات کو بنیاد بنا کر کتاب مرتب فرمائی، یہ قریب ۱۹۶۰ء کی بات ہے، جب کہ وہ حضرت گڑھولویؒ کی نسبت سے بھی مشرف ہو چکے تھے، اور حضرت گڑھولویؒ کی لائبریری میں ''مجموعۂ فوائد عثمانی'' اور دیگر کتابیں بھی بالیقین موجود تھیں، جن کو وہ اپنی تالیف کی بنیاد بنا سکتے تھے، علاوہ گڑھول شریف قریب تھا، اور ان حضرات سے اہل خانہ کی طرح تعلق تھا۔

(۲) حضرت منوروی کی تالیف کردہ کتاب ''مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ'' کے مآخذ میں سے بنیادی دو کتابیں: ''حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددی) مطبوعہ ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۴ء اور ''روض الازہار فی ذکر الاخیار'' مطبوعہ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء غالباً خود حضرت شاہ

ابوالخیر دہلویؒ کی عنایت کردہ تھیں، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت پاکستان کی تاریخ" حالات نقشبندیہ مجددیہ (مؤلفہ مولانا محمد حسن) کے حاشیہ (ص ۷) پر درج ہے، جو انہوں نے اسی وقت خبر ملتے ہی رقم کی تھی، خانقاہ مظہریہ دہلی میں یہ حضرت شاہ بلال مجددیؒ کی سجادگی کا دور تھا، اس کا مطلب ہے کہ "حالات نقشبندیہ" کی تالیف کے بہت قبل سے ہی یہ کتاب آپ کے پاس موجود تھی اور زیر مطالعہ رہتی تھی۔

(۳) غالباً خانقاہ دہلی کو ماٗخذ قرار دینے ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت منورویؒ کی کتاب میں احوال کے زمرے میں حضرت گڑھولویؒ کے مشائخ سلسلہ (مشائخ موسیٰ زئی) کا ذکر نہیں آیا، بلکہ خود حضرت گڑھو لویؒ کے حالات سے بھی کتاب خاموش ہے۔

(۴) کتاب میں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے منظوم شجرہ کو من وعن شامل کیا گیا ہے، اور اسی کو اصل قرار دیتے ہوئے سلسلۂ گڑھول کو بائیں جانب ایک لکیر کے ذریعہ ممتاز کیا گیا ہے--حضرت گڑھولویؒ کے سلسلے کا شجرہ شامل نہیں کیا گیا۔

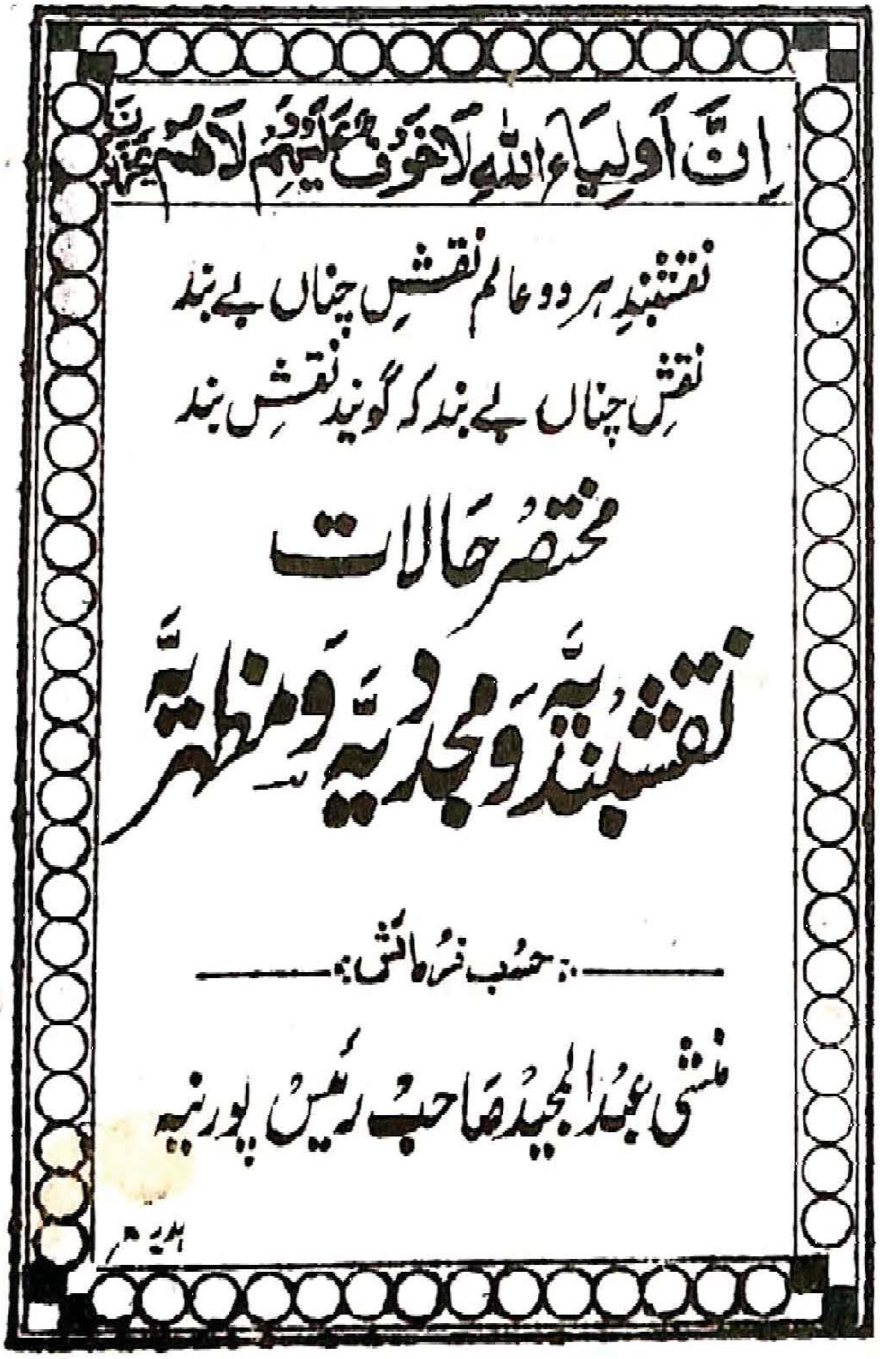
(۵) خانقاہ مظہریہ سے کئی منظوم اور غیر منظوم شجرے شائع کئے جاتے رہے ہیں، لیکن حضرت منورویؒ نے اپنے سلسلہ کے طالبین کے لئے خاص حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے تیار کردہ شجرہ کا انتخاب فرمایا ---اور خانقاہ مظہریہ سے شائع ہونے والی شجرہ کی قدیم ترین کتاب "روض الازھار فی ذکر الاخیار" کو ماٗخذ بنایا، حضرت منورویؒ کے ذخیرے میں یہ کتاب موجود ہے (۲۷۹)۔

(۶) اور سب سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ منظوم شجرہ میں شخصیات پر جب نمبرات ڈالے گئے تو حضرت منورویؒ کا نام حضرت شاہ ابوالخیرؒ والے خانہ میں درج کیا گیا۔

یہ ساری گفتگو حضرت منورویؒ کی کتاب "مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ" کے اس ایڈیشن کے حوالے سے ہے جو حضرت منورویؒ کی زندگی میں آپ کی نگرانی میں شائع ہوئی تھی، اور حلقہ دربھنگہ کے پریس سے چھپی جہاں حضرت گڑھولویؒ کے سلسلے کا فیض خود حضرت منورویؒ کے توسط سے بھی ہر طرف پھیل رہا تھا۔

---

(۲۷۹) روض الازھار فی ذکر الاخیار ص ۱۲ تا ۱۴، محبوب المطابع دہلی، ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء۔



اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْہِمْ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

نقشبند ہر دو عالم نقش چناں بے بند
نقش چناں بے بند کہ گویند نقش بند

مختصر حالات
نقشبندیہ و مجددیہ و مظہریہ

:حسب فرمائش:

منشی عبدالمجید صاحب رئیس پورنیہ

ہدیہ

"مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ" کا سرورق (طبع اول)

۵۸۶

ساری تعریفیں ہیں ثابت بس خدا کیواسطے حمد و مدحت اس کی ذات کبریا کیواسطے

عظمت و سطوت اسی رب العلا کیواسطے

ہوں درود و برکتیں اس ذات اقدس پر تمام رحمت و الطاف حق ہے جس کا حقہ لا کلام

زیر و بالا سب بنا جس کی رضا کیواسطے

عالیجناب! خاکسار احمد حسن ساکن منورو ڈاکخانہ صلحا برزگنج ضلع ورکھنگر راہ خدا کے طالبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ منشی عبد المجید صاحب رئیس قمر گنج عرف ضیا گاچھی ڈاکخانہ دلکولہ ضلع پچھم دیناج پور کی اصرار پر مختصر سوانح حیات سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ تحریر کرکے حق تالیف منشی عبد المجید صاحب رئیس قمر گنج کو بخشا۔ اب کوئی صاحب بلا اجازت ان کے کتاب شائع کرنے کی زحمت گوارا نہ کریں، بلکہ ان سے منگوالیں۔

نام

(۳۳) شاہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر دلی
(۳۴) بو بلال و زید و سالم مقتدا کے واسطے

(۳۵) نام میں جس کے احمدؐ یا حسن کی ساتھ ہی
آرزو برلا میری اس پارسا کیواسطے

(۳۴) امت احمدی کی کر دے مغفرت از فضل خود (تیش)
وہ سراج الدین مرد باخدا کیواسطے

(۳۵) نام کو ہے جس کے نسبت یا غلام یاسین
مغفرت فرما خدا اُس پیشوا کے واسطے

(۳۶) سوزِ دل اور استقامت بہر شریعت کر عطا
ہو بشارت اور کریم پارسا کے واسطے

(۳۷) کر تو مجھکو عنایت چشم تر اور دردِ دل
شاہ نور اللہ مرشد رہنما کے واسطے

عشق اپنا دے مجھے اور معرفت بھی کر عطا
اے میرے پروردگار ان اولیا کیواسطے

دین دنیا میں مجھے محفوظ رکھ عزت کے ساتھ
آل و اصحاب جناب مصطفےٰ کیواسطے

آپڑا ہوں در پہ تیرے ہر طرح سے ہوں ملول
کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول

کون ہے تیرے سوا مجھ بینوا کیواسطے

~~~ .:. ~~~
~~~

اصل نسبت میں شاہ ابوالخیرؒ اور حضرت منورویؒ کے درمیان واسطہ نہیں

یہاں یہ بات بھی پوری وضاحت کے ساتھ جان لینا ضروری ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت منورویؒ اور حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کے درمیان کوئی واسطہ موجود نہیں ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ، شجرۂ مبارکہ کے ایک شعر کا مطلب

بعض لوگوں کو منظوم شجرہ کے ایک شعر سے غلط فہمی ہوئی ہے، شعر یہ ہے:

شہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر ولی
بو بلال و زید و سالم مقتدا کے واسطے

اس شعر کے بعد حضرت منورویؒ کے نام کا شعر ہے، اس کی وجہ سے بعض حضرات سمجھتے ہیں کہ حضرت منورویؒ اور حضرت شاہ ابوالخیر کے درمیان حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ کا واسطہ پایا جاتا ہے، مگر یہ بات درست نہیں ہے:

☆ اس لئے کہ دوسرا مصرعہ پہلے ہی مصرعہ کا تتمہ ہے، یعنی ان صاحبزادگان کے والد ماجد، اگر بجائے خود یہی صاحبزادے یا ان میں سے کوئی ایک مقصود ہوتا تو ''بو'' لگانے کی ضرورت نہ تھی۔

☆ پھر جب اس مصرعہ میں ان تینوں صاحبزادگان کا تذکرہ ہے تو خصوصیت کے ساتھ حضرت مولانا زید ابوالحسنؒ ہی درمیانی واسطہ کیوں کر ہوئے؟ ان سے پہلے حضرت مولانا محمد بلال صاحبؒ کو واسطہ ماننا چاہئے، جو تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

☆ دراصل غلط فہمی کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ حضرت منورویؒ کا کہا ہوا شعر ہے، اور انہوں نے ہی شجرہ میں اپنے مرشد کے طور پر حضرت مولانا زیدؒ کا نام شامل کیا ہے، مگر یہ قطعاً درست نہیں، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ یہ مکمل شجرہ حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کا تیار کردہ ہے، اور اس میں یہ شعر پہلے سے ہی موجود ہے، حضرت منورویؒ اس شعر کے صرف ناقل ہیں، موجد نہیں۔

☆ اور خاص سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت منورویؒ نے یہ شجرہ خانقاہ سے شائع شدہ قدیم ترین کتاب ''روض الازھار فی ذکر الاخیار'' سے لیا ہے، اور جو ایڈیشن ان کے پیش نظر تھا وہ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ میں شائع ہوا ہے، یعنی حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے وصال کے صرف دو سال بعد، یہ حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحبؒ کی سجادگی کا نہیں، بلکہ حصول تعلیم کا دور تھا، اور صاحب سجادہ ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا بلال صاحبؒ تھے، حضرت مولانا زیدؒ برادر بزرگوار کی ہجرت پاکستان کے بعد ہندوستان

کی خانقاہ کے سجادہ نشین ہوئے، ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت مولانا زیدؒ کا نام اس حیثیت سے شامل کتاب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے بڑے بھائی (جو صاحب سجادہ تھے) نے بھی اس شعر میں کوئی ترمیم نہیں کی، اور والد کے شجرہ کو من وعن شائع کیا۔

اس تفصیل اور پس منظر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شجرہ میں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے نام کے ساتھ بوبلال وزید وسالم کا مصرعہ حضرت منورویؒ کا اضافہ نہیں بلکہ یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا فرمودہ شعر ہے، دراصل شاہ صاحبؒ اپنے نام کے ساتھ ازراہ محبت اپنے تینوں صاحبزادگان کا نام بھی بالعموم لکھا کرتے تھے، اس کی صراحت خود آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا زید ابوالحسن مجددیؒ نے کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ''جب ہم تینوں بھائی عالم وجود میں آ گئے تو آپ اپنے اسم گرامی کے بعد ہم تینوں کا نام بھی تحریر فرماتے تھے'' (اور اس کی کئی مثالیں پیش کی ہیں) (۲۸۰)

اس لئے مذکورہ مصرعہ سے یہ معنیٰ پیدا کرنا کہ حضرت منورویؒ کو اس طریق نقشبندیت کی اجازت حضرت مولانا زید ابوالحسنؒ سے حاصل ہوئی تھی، بڑی زیادتی اور شعر کے پس منظر اور مفہوم سے ناآشنا ہونے کی علامت ہے۔

زیادہ سے زیادہ یہ بات ممکن ہے کہ حضرت مولانا زید ابوالحسنؒ نے بھی اپنی نسبت واجازت آپ کو عنایت فرمائی ہو، یہ جداگانہ امر ہے، اس سے اصل نسبت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

❁❁❁

(۲۸۰) مقامات خیر ص ۴۱۴ تا ۴۱۵ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ


لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

روض الازہار فی ذکر الاخیار

در مطبع محبوب المطابع الکٹرک پریس دہلی

خانقاہ مظہریہ دہلی سے ۱۹۲۵ء میں شائع شدہ کتاب شجرات کا ٹائیٹل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شجرہ طیبہ منظومہ قبلہ و کعبہ جناب حضرت صاحب نور اللہ مرقدہٗ

۱۲

یا الٰہی احمدِ خیر الوریٰ کے واسطے	سرورِ عالم امام الانبیا کیواسطے
جان نثار و یارِ غار و جانشینِ مصطفٰے	حضرتِ صدیقِ اکبر باصفا کیواسطے
واقفِ اسرارِ ایزد و داخلِ آلِ رسول	فارسی سلماں صحابی مقتدا کیواسطے
نورِ عینِ حضرتِ صدیق ہادیٔ جہاں	حضرتِ قاسم امام الاصفیا کیواسطے
نورِ چشمِ مصطفٰے و مرتضٰے و فاطمہ	جعفرِ صادق امام الاتقیا کیواسطے
نیّرِ بسطام سلطان و امام العارفیں	عاشقِ حق بایزید رہنما کیواسطے
شیخ الاسلام اور پیرِ شیخ الاسلام ہرات	خرقانی بو الحسن نور الہدیٰ کیواسطے

پیرِ مولانا غزالی فارمد کے آفتاب	بوعلی شیرِ نیستانِ ہدیٰ کے واسطے
یوسفِ ہمدانی محبوب رب العالمیں	آفتابِ چرخ ہماں پُر ضیا کے واسطے
خواجہ عبدالخالق مرشد امامِ خواجگاں	غجدوانی شمعِ بزمِ اولیا کے واسطے
کاشفِ انوارِ ایزد سروِ باغ ریوگر	خواجہ عارف مرشدِ با اتقا کے واسطے
زینتِ انجیرِ فغنہ خواجہ محمود ولی	راز دانِ سرِّ خاصِ کبریا کے واسطے
حضرتِ خواجہ عزیزانِ علی رامیتنی	بادشاہِ ملکِ تسلیم رضا کے واسطے
خواجہ بابائی سماسی پیشوائی کاملاں	شاہ بازِ اوجِ عرفانِ خدا کے واسطے
سیدِ عالی نسب خورشیدِ برجِ کرمت	حضرتِ میر کلالِ پُر ضیا کے واسطے
حضرتِ خواجہ بہاءالدین جنابِ نقشبند	تاجدارِ اولیا مشکل کشا کے واسطے
شمعِ دیں خواجہ علاء الدین عطارِ ولی	قطبِ ارشادِ ہدایت رہنما کے واسطے
خواجۂ یعقوب چرخی آبروئے خانداں	عالمِ علمِ حقیقت پیشوا کے واسطے
حضرتِ خواجہ عبید اللہ احرارش لقب	ناصرِ دینِ نبی شمس الضحیٰ کے واسطے
خواجہ مولانا محمد زاہد عالی مقام	واصلِ حق الیقیں نجم الہدیٰ کے واسطے

۱۳

حضرت خواجہ محمد بابا سماسی رحمۃ اللہ علیہ

عارفِ بے مثل درویشِ محمد محوِ ذات	عاشقِ حق کشتۂ حُبِّ خدا کے واسطے
شہ رضی الدین خواجہ باقی باللہِ امام	فانی اندر ذاتِ پاکِ کبریا کے واسطے
شہ مجددِ الفِ ثانی شیخ احمد نورِ حق	نائبِ حضرت محمد مصطفٰے کے واسطے
عروۃ الوثقیٰ جنابِ حضرتِ ایشاں لقب	خواجۂ معصوم محبوبِ خدا کے واسطے
خواجہ سیف الدین محمد رہبرِ دُنیا و دیں	قطبِ عالم بادشاہِ اولیا کے واسطے
خواجۂ نور محمد سیدِ عالی نسب	قبلۂ دیں تاجدارِ اتقیا کے واسطے
شاہ شمس الدین حبیب اللہ مظہر جانِ جاں	غوثِ عالم وارثِ دینِ ہدیٰ کے واسطے
رہبرِ راہِ حقیقت شاہِ عبداللہ علی	قطبِ ارشادِ خلائق با خدا کے واسطے
ابرِ فیضانِ الٰہی چشمۂ جود و کرم	بو سعیدِ احمدی بدر الدجیٰ کے واسطے
قطبِ عالم حضرتِ احمد سعیدِ احمدی	آفتابِ چرخِ ارشاد و ہدیٰ کے واسطے
پیر و مرشد حضرتِ شاہ عمر غوثِ جہاں	مظہرِ حق نائبِ خیر الوریٰ کے واسطے
شاہ محی الدین عبداللہ ابو الخیرِ ولی	بو بلال و زید و سالم مقتدیٰ کے واسطے
عشق اپنا دے مجھے اور معرفت بھی کر عطا	اے مرے پروردگار اولیا کے واسطے

خانقاہ مظہریہ دہلی سے ۱۹۲۵ء میں شائع شدہ کتاب شجرات کے متعلقہ صفحات

مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ

اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ کی ترتیب حضرت منورویؒ تک حسب ذیل ہے:

۱-حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ (ولادت: ۲۷/ ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۸۵۶ء وفات: ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶/ فروری ۱۹۲۳ء)

(۲) حضرت ابوالسعادات شاہ محمد عمرؒ (ولادت ۶/ شوال ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۱۸۲۹ء- وفات ۲/ محرم الحرام ۱۲۹۸ء مطابق ۴/ دسمبر ۱۸۸۰ء)(۲۸۱)

(۲۸۱) آپ حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے فرزند ثالث ہیں، اسم گرامی ''محمد عمر'' اور کنیت ''ابوالسعادات'' ہے، ولادت ۶/ شوال ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۱۸۲۹ء خانقاہ دہلی میں ہوئی، حافظ قرآن تھے، علوم متداولہ حضرت مولانا حبیب اللہؒ سے، حدیث شریف اپنے چچا حضرت شاہ عبدالغنی سے، اور کتب تصوف اپنے والد ماجد سے پڑھیں، اور سلوک نقشبندیہ مجددیہ از اول تا آخر اپنے والد ماجد ہی سے حاصل کیا، بچپن سے آخر عمر تک مختلف امراض کا شکار رہے، مرض کی وجہ سے کبھی کبھی حلقہ سے غیر حاضری بھی ہوتی تھی، والد صاحب نے فرمایا کہ میں تم کو اپنی ضمنیت میں لیتا ہوں، ۱۲۶۲ء/ ۱۸۴۶ء میں آپ کا نکاح ہوا، بائیس (۲۲) سال کی عمر میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، دلی پر انگریزوں کے تسلط کے بعد مع اہل وعیال اپنے والد ماجد کے ہمراہ حجاز مقدس ہجرت کر گئے، اور ربیع الاول ۱۲۷۵ھ سے ربیع الاول ۱۲۷۷ھ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، ۱۲۷۷ھ میں والد ماجد کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ منتقل ہوگئے، ۱۲/ محرم الحرام ۱۲۷۹ء کو جدہ سے سمندری جہاز کے ذریعہ مصر کا سفر فرمایا، پھر اسی سال مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے، ۲۴/ ذی قعدہ ۱۲۸۱ء کو اہلیہ محترمہ نواب بیگم بنت جناب احمد علی (جو حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی اولاد میں تھیں) کا انتقال ہوا، پھر یکے بعد دیگرے دو ہفتے کے اندر دو ننھے صاحبزادگان کا انتقال ہوا، اس طرح مسلسل صدمات سے آپ کا دل چھلنی ہوگیا، صرف بڑے صاحبزادے حضرت شاہ ابوالخیرؒ باحیات رہے۔ امراض اور صدمات ومجاہدات نے آپ کو بہت کمزور کردیا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کا قیام تقریباً بیس (۲۰) سال رہا، اور اس دوران سینکڑوں افراد کو نسبت حضوری سے مشرف فرمایا، حسن اتفاق ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں ہندوستان تشریف لائے اور رامپور کو رونق بخشی، (جس میں صاحبزادہ کے نکاح کی غرض بھی پوشیدہ تھی) نواب رامپور نے ضیافت کا اہتمام کیا، چھ سات ماہ سے آپ ایک مرض میں مبتلا تھے، کبھی وہ بڑھ جاتا اور کبھی ہلکا ہو جاتا، پانچ چھ ماہ اسی شہر میں آپ مقیم رہے یہاں تک کہ ۲/ محرم الحرام ۱۲۹۸ء/ ۴/ دسمبر ۱۸۸۰ء کو وفات پائی، اور حضرت حافظ جمال اللہؒ کی قبر کے مغربی جانب دفن ہوئے۔ جنازہ کی نماز حضرت مولانا ارشاد حسین مجددیؒ نے پڑھائی، جو آپ کے پدر بزرگوار حضرت مولانا احمد سعیدؒ کے خلیفہ تھے۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، حضرت مولانا سید حبیب الرحمن کاظمی رودولویؒ، حضرت مولانا عبدالحق الہ آبادیؒ==

(۳) حضرت ابوالمکارم شاہ احمد سعیدؒ (ولادت یکم ربیع الثانی ۱۲۱۷ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۱۸۰۲ء-
وفات ۲/ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸/ ستمبر ۱۸۶۰ء) (۲۸۲)

== خلیفۂ حضرت شاہ عبدالغنی اور حضرت حاجی امداداللہؒ سے آپ کے خصوصی مراسم تھے، ان حضرات کا باہم اجتماع ہوتا تھا، اور سب لوگ اپنا اپنا تازہ کلام ایک دوسرے کو سناتے تھے، حضرت شاہ عمرؒ شعر وشاعری کا عمدہ مذاق رکھتے تھے۔

کئی تصنیفات یادگار چھوڑیں:

☆**الجدول المنتخبة من النهر المارمن الانهار الاربعة** (فارسی) ☆رسالۂ وظائف ومراقبات (عربی)
☆رسالہ کنز المصلی کو اردو میں نظم کیا، ☆انساب الطاہرین (حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد در اولاد کی تفصیل) (تفصیل کے لئے دیکھئے مقامات خیرص ۱۱۴ تا ۱۴۷)

(۲۸۲) حضرت شاہ ابوسعیدؒ کے فرزند اکبر ہیں، اسم گرامی احمد سعید، تاریخی نام ''مظہر یزداں'' اور کنیت ابوالمکارم ہے، نانا جان حضرت شاہ غلام صدیقؒ نے آپ کا نام ''غلام غوث'' رکھا، ولادت باسعادت یکم ربیع الثانی ۱۲۱۷ھ مطابق ۳۱/ جولائی ۱۸۰۲ء کو ریاست رامپور میں ہوئی، علوم معقول کی کتابیں مولوی فضل امام سے اور باقی کتابیں مولوی رشید الدین خان سے پڑھیں، رامپور میں مفتی شرف الدینؒ اور شاہ سراج احمد مجددیؒ لکھنؤ میں مولوی محمد اشرفؒ اور مولوی نور عالمؒ سے بھی تعلیم حاصل کی، مولوی نور عالم صاحبؒ صاحب نسبت تھے اور حدیث شریف میں ان کو حضرت شاہ عبد العزیزؒ سے اجازت حاصل تھی، آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، اور شاہ عبدالقادرؒ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے، کبھی زیارت کے لئے اور کبھی برائے استفادہ، آپ فرماتے تھے کہ ''یہ تینوں بھائی علم کے سمندر تھے'' اور یہ تینوں صاحب نسبت وکشف تھے، علوم الٰہی میں شاہ عبدالعزیزؒ اللہ کی آیات میں سے ایک آیت تھے، حضرت شاہ عبدالقادرؒ آپ پر نہایت شفیق تھے۔

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی پوری تعلیم حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ سے حاصل کی، اور شاہ صاحبؒ ہی نے خلافت سے بھی سرفراز فرمایا، تقریباً پندرہ (۱۵) سال آپ کے زیر تربیت رہے، حفظ پڑھنے کے زمانے ہی میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے اور اسی زمانے میں دس سال سے بھی کم عمر میں حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت ہو گئے، حضرت کی آپ پر خصوصی نظر شفقت تھی، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے لوگوں سے ایک بچہ طلب کیا، کسی نے نہ دیا، ابوسعیدؒ نے میری طلب پوری کر دی، اور اپنا بیٹا مجھ کو دے دیا، آپ نے حضرت شاہ صاحب سے تصوف کی کتابیں رسالہ قشیریہ، عوارف، الاحیاء، نفحات، رشحات، مکتوبات، مثنوی معنوی وغیرہ اور حدیث میں مشکوٰۃ اور ترمذی پڑھی، البتہ تمام مقامات میں والد ماجد سے بھی توجہات حاصل کیں اس لئے شجرہ میں والد ماجد کا نام نامی بھی شامل ہے۔

جمادی الثانیہ ۱۲۴۹ھ/ اکتوبر ۱۸۳۳ء میں والد ماجد حج کے لئے تشریف لے گئے تو خانقاہ آپ کے حوالے فرما دی، اس کے بعد تقریباً پچیس (۲۵) سال آپ مسند ارشاد پر فائز رہے، اواخر محرم ۱۲۷۴ھ/ اگست ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج دہلی میں داخل ہوئی، اور وہ شر وفساد مچایا اور وہ ہنگامۂ دار وگیر برپا ہوا کہ الامان والحفیظ، آپ نے بے سروسامانی ==

(۴) حضرت زکی القدر شاہ ابوسعید مجددیؒ (ولادت ۲/ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۷۸۴ء- وفات یکم شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۳۱/ جنوری ۱۸۳۵ء) (۲۸۳)

== کے عالم میں اہل وعیال ورفقاء واحباب (قریب ایک سو-۱۰۰-نفوس) کے ساتھ حجاز مقدس کی طرف ہجرت اختیار فرمائی، خانقاہ سے نکلنے کے بعد دہلی میں ہی اہلیہ محترمہ جنابہ امۃ الفاطمہ کا وصال ہوا اور ان کو حضرت نور محمد بدایونیؒ کے مزار مبارک کے جوار میں دفن کیا گیا، اس طرح کی اور بھی بڑی آزمائشوں سے گذرتے ہوئے، ڈیرہ اسماعیل خان، موسیٰ زئی پہونچے وہاں آپ کے خلیفۂ ارشد حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ نے آپ کا استقبال کیا، دوران سفر بے شمار لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، موسیٰ زئی میں قیام کے دوران ہی آپ نے دہلی کی خانقاہ تحریری طور پر حضرت حاجی دوست محمدؒ کے حوالہ کردی، حاجی صاحب کی ایک خانقاہ قندھار (غنڈان) میں اور دوسری موسیٰ زئی میں تھی، لیکن زیادہ تر قیام موسیٰ زئی میں رہتا تھا، حضرت احمد سعیدؒ کی موجودگی میں ہی خانقاہ دہلی کی نگرانی کے لئے انہوں نے اپنے خلیفہ مولانا رحیم بخش پنجابیؒ (متوفی ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء) کو مقرر فرمایا۔

موسیٰ زئی سے آپ بمبئی پہونچے اور وہاں سے بادبانی جہاز کے ذریعہ جدہ روانہ ہوئے، تین مہینہ مکہ مکرمہ قیام کے بعد آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور زندگی کے آخری لمحات تک وہیں مقیم رہے، مدینہ پاک ہی میں ظہر و عصر کے مابین منگل کے دن ۲/ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸/ ستمبر ۱۸۶۰ء کو آپ کی وفات ہوئی، محراب نبوی میں جنازہ کی نماز ادا کی گئی اور حضرت عثمان غنیؓ کی قبر اطہر کے جوار میں سپرد خاک ہوئے، عمر شریف قریب ساٹھ (۶۰) سال ہوئی

آپ صاحب تصنیف وتالیف تھے، پانچ اہم کتابیں آپ کی یادگار ہیں: ☆سعید البیان فی مولد سید الانس و الجان (اردو) ☆الذکر الشریف فی اثبات المولد المنیف (فارسی) ☆الفوائد الضابطہ فی اثبات الرابطۃ (فارسی) ☆الانہار الاربعۃ (فارسی) ☆تحقیق الحق المبین فی اجوبۃ المسائل الاربعین۔

آپ کے خلیفہ حضرت حاجی دوست محمدؒ نے آپ کا مجموعۂ مکاتیب بھی مرتب کیا تھا۔

فرزندان عالی قدر کے علاوہ آپ کے خلفاء کی تعداد اسی (۸۰) بتائی جاتی ہے، بعض لوگوں نے سینکڑوں کی تعداد بھی لکھی ہے (مقامات خیر ص ۸۸ تا ۱۱۳)

(۲۸۳) اسم گرامی زکی القدر اور کنیت ابوسعید ہے اور کنیت زیادہ مشہور ہے، ولادت باسعادت ۲/ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۷۸۴ء کو ریاست رامپور میں ہوئی، حافظ وعالم وولی باوا'' سے سن ولادت نکلتا ہے، دس (۱۰) سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، قاری نسیم صاحب سے تجوید پڑھی، اوائل عمر میں جناب ضیاء النبی مجددی کے ساتھ لکھنؤ جانا ہوا، وہاں جس مسجد میں آپ نماز پڑھتے تھے، اس کے قریب کفایت اللہ مجذوب رہا کرتے تھے، اور اکثر اوقات برہنہ ہوا کرتے تھے، وہ جب آپ کو دیکھتے ستر عورت فرماتے، کسی نے ان سے پوچھا، کیا بات ہے کہ آپ اس شخص کو دیکھ کر ستر عورت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ''وہ وقت آنے والا ہے، کہ ان کو منصب ملے گا، اور وہ مرجع اقارب ہونگے'' مجذوب نے آپ سے کہا ''تحصیل علم سے جلد فارغ ہو، تم سے ارشاد خلق وابستہ ہے'' ==

== آپ نے مفتی شرف الدین، شاہ رفیع الدین، اور اپنے ماموں شاہ سراج احمد سے کتب متداولہ پڑھیں، اور شاہ سراجؒ، اپنے پیرومرشد حضرت شاہ غلام علیؒ، اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے حدیث کی سند حاصل کی۔

روحانی تعلیم کے لئے اولاً اپنے والد ماجد سے بیعت ہوئے، انہوں نے آپ سے کہا تمہارا مرغ ہمت بلند پرواز ہے، لہٰذا اس خاندان کے خلفاء سے تکمیل نسبت کرو، چنانچہ آپ حضرت شاہ درگاہی خلیفہ حضرت شاہ جمال اللہ خلیفہ حضرت قطب الدین، خلیفہ حضرت محمد زبیر مجددیؒ سے بیعت ہوئے، بارہ سال تک فیوض و برکات حاصل کیں، شاہ درگاہیؒ نے آپ کو خلافت عطا کی اور اپنا جانشین بنایا، وہ آپ پر نہایت مہربان تھے، آپ کی طرف لوگوں کا رجوع ہوا، اور بیعت وارادت کا سلسلہ بھی شروع ہوا، اسی دوران حسن اتفاق آپ کا دلی جانا ہوا، آپ نے دلی سے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ کو پانی پت خط لکھا کہ میں آپ سے باطنی استفادہ کرنا چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے اس خط کا محبت بھرا جواب دیا اور آپ کو حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ ۱۲۲۵ھ میں آپ نے مشیخت چھوڑ کر حضرت شاہ غلام علی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اس فارسی شعر کے مصداق:

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم سرزمینے بود منظور آسمانے یافتم

ترجمہ: عشق کے سجدے کے لئے مجھے چوکھٹ مل گئی، مقصد سرزمین تھی آسمان مل گیا

حضرت شاہ غلام علیؒ کا باطنی سلسلہ حضرت سیف الدین تک دو واسطوں سے پہونچتا ہے: حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور حضرت سید نور محمد بدایونیؒ۔ جبکہ شاہ ابوسعیدؒ کا نسبی سلسلہ حضرت سیف الدین تک تین واسطوں سے پہونچتا ہے: حضرت صفی القدرؒ، حضرت عزیز القدرؒ، حضرت محمد عیسیٰؒ۔ اس کی وجہ سے شاہ صاحب آپ کے احوال پر خصوصی عنایات فرماتے تھے، چند مہینوں میں ہی آپ ولایت کے مرتبۂ علیا تک پہونچ گئے، اور حضرت شاہ صاحب نے آپ کو خلافت سے سرفراز کیا، اور سالکوں کی رہنمائی کا کام آپ کے سپرد کیا، شاہ صاحبؒ کے آخری دور کے دو نامور خلفاء مولانا خالد کردیؒ اور سید اسماعیل مدنیؒ نے بھی روحانی طور پر آپ سے استفادہ کیا ہے۔

شاہ صاحب نے آپ کو ضمنیت سے بھی سرفراز فرمایا، اور ماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں منصب قیومیت کی بشارت بھی دی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو بلا کر دہلی کی خانقاہ اور مکانات سپرد کئے، اور اپنا جانشین مقرر کیا، شاہ صاحب کی وفات ۲۲/صفر ۱۲۴۰ھ (۱۵/اکتوبر ۱۸۲۴ء) کو ہوئی، ان کے بعد آپ نو (۹) سال تین مہینے مسند ارشاد پر متمکن رہے، اور جمادی الثانیۃ ۱۲۴۹ھ/اکتوبر ۱۸۳۳ء میں اپنے دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالغنی کو ساتھ لے کر حج کے واسطے تشریف لے گئے، حج وزیارت سے مشرف ہوکر دلی واپس آرہے تھے کہ ٹونک کے مقام پر قریب چون (۵۴) سال کی عمر میں بتاریخ یکم شوال ۱۲۵۰ھ (۳۱/جنوری ۱۸۳۵ء) بروز شنبہ وفات پائی۔ مولوی خلیل الرحمن قاضی ٹونک نے نماز جنازہ پڑھائی، آپ کے دوسرے فرزند شاہ عبدالغنیؒ ہمراہ تھے، وہ آپ کے تابوت کو دہلی لائے، انساب الطاہرین میں ہے کہ شاہ احمد سعیدؒ نے تابوت منگوایا تھا، دہلی تابوت پہونچنے میں چالیس (۴۰) دن لگے، چالیس ==

(۵) حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی دہلویؒ (ولادت ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء یا ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء وفات، ۲۲/ **صفر المظفر ۱۲۴۰ھ** مطابق ۱۶/ اکتوبر ۱۸۲۴ء)(۲۸۴)

== دن کے بعد جب آپ کو تابوت سے نکالا گیا تو معلوم ہو رہا تھا کہ ابھی غسل دیا گیا ہے، کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، آپ کے نیچے جو روئی بچھائی گئی تھی، وہ بھی نہایت معطر تھی۔ آپ نے اپنی یادگار میں اولاد و مریدین کے علاوہ قرآن کریم کا ایک قیمتی نسخہ چھوڑا جو خود آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ تھا، اور سلوک مجددیہ کے موضوع پر ''ہدایۃ الطالبین'' کے نام سے ایک کتاب بھی تحریر فرمائی (مقامات خیرص ۵۷ تا ۸۷ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ)

(۲۸۴) آپ کا حسب ونسب حضرت علی مرتضیٰؓ تک پہونچتا ہے، آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبداللطیفؒ اپنے وقت کے نہایت عابد و مرتاض شخص تھے، وہ حضرت پیر ناصر الدین قادریؒ (م ۱۱۷۴ھ/ ۱۷۱۱ء) کے مرید تھے، جو حضرت خضر علیہ السلام کے ہم صحبت تھے، حضرت شاہ عبداللطیف اور ان کے پیر و مرشد کا مزار دہلی، جیش پورہ عقب عیدگاہ محمد شاہی میں واقع ہے، شاہ عبداللطیف پٹیالہ پنجاب کے رہنے والے تھے، اور قادری، چشتی اور شطاری نسبتوں سے فیض یافتہ تھے، وہ اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری کے لئے دہلی میں مقیم ہو گئے تھے۔

حضرت شاہ غلام علی کی ولادت ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء میں بٹالہ میں ہوئی، حضرت شاہ عبدالغنیؒ (۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء) نے تاریخ ولادت ''مظہر جود'' سے ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء نقل کی ہے، اور بعض دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی اسے نقل کیا ہے۔

آپ کی ولادت سے قبل آپ کے والد بزرگوار کو خواب میں حضرت علیؓ کی زیارت ہوئی، تو آپ نے فرمایا: اپنے بیٹے کا نام میرے نام پر رکھنا، چنانچہ انہوں نے آپ کی ولادت کے بعد آپ کا نام ''علی'' رکھا، جب آپ سن تمیز کو پہونچے تو خود کو ادباً ''غلام علی'' کہلوایا۔ آپ کے چچا بزرگوار (جو ایک بزرگ شخصیت کے حامل تھے اور انہوں نے ایک ماہ میں قرآن حفظ کیا تھا) نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ کا نام ''عبداللہ'' رکھا، آپ اپنی تالیفات میں اپنا نام ''فقیر عبداللہ عرف غلام علی'' لکھتے تھے۔

آپ حافظ و قاری تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں، قیاس ہے کہ بٹالہ ہی میں ہوئی ہوگی، کیونکہ آپ سولہ (۱۶) برس کی عمر تک یہیں رہے، آپ کے والد ماجد دہلی میں رہتے تھے، والد ماجد نے تعلیم باطن کے لئے آپ کو اپنے پیر و مرشد کے پاس بھیجا لیکن وہاں سے فیض آپ کے مقدر میں نہ تھا جس دن آپ پہونچے اسی شب میں حضرت ناصر الدینؒ رحلت فرما گئے۔

اس کے بعد ۱۱۷۴ھ سے ۱۱۷۸ھ تک آپ چار سال دہلی میں حصول علم میں مصروف رہے، اس دوران آپ نے حضرت شاہ ضیاء اللہؒ اور حضرت شاہ عبدالعدلؒ خلفائے حضرت خواجہ محمد زبیر سرہندیؒ (م ۱۱۵۱ھ/ ۱۷۳۹ء)، خواجہ میر دردؒ (م ۱۷۸۵ء/ ۱۱۹۹ھ)، حضرت شاہ فخر الدینؒ (م ۱۷۸۴ء/ ۱۱۹۹ھ)، حضرت شاہ نانوؒ اور حضرت شاہ غلام سادات چشتیؒ سے بھی استفادہ کیا۔ ان حضرات سے تفسیر و حدیث کا علم بھی حاصل کیا، سند حدیث حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) سے لی، بخاری شریف بھی آپ ہی سے پڑھی، اپنے پیر و مرشد سے بھی حدیث کی سند ==

== حاصل کی تھی۔

۱۱۸۰ھ/ ۱۷۶۷ء میں جب آپ کی عمر بائیس سال تھی، آپ حضرت مظہر جان جاناں شہید (م ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) کی خدمت مبارکہ میں خانقاہ مظہریہ وارد ہوئے اور بیعت کے لئے درخواست کی، اس پر حضرت مظہرؒ نے فرمایا ’’جہاں ذوق وشوق پاؤ، وہاں بیعت کرو، یہاں تو بغیر نمک کے پتھر چاٹنا ہوگا، آپ نے عرض کی ’’مجھے یہی منظور ہے‘‘ حضرت نے فرمایا، تو مبارک ہو اور پھر آپ کو بیعت فرمالیا، حضرت مظہرؒ نے آپ کو سلسلۂ قادریہ میں بیعت فرمایا اور طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کی تلقین فرمائی، اس کے بعد آپ پندرہ سال تک پیرومرشد کے ذکر ومراقبہ کے حلقہ میں شرکت فرماتے رہے۔ بالآخر اجازت مطلقہ اور بشارت ضمنیت سے مشرف ہوئے، اگرچہ آپ نے بیعت سلسلۂ قادریہ میں کی تھی لیکن تمام سلاسل کی اجازت آپ کو حاصل ہوئی، تلقین وارشاد کا سلسلہ پیرومرشد کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا تھا،

اور حضرت مظہر جان جاناںؒ کی شہادت (۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء) کے بعد خانقاہ میں آپ کے جانشین ہوئے، آپ سے طریقۂ نقشبندیہ کی خوب اشاعت ہوئی، آپ اپنے وقت کے شیخ الشیوخ اور صاحب ارشاد تھے، ایسی عالمگیر شہرت حاصل ہوئی کہ آپ کو تیرہویں صدی کا مجدد بھی کہا گیا، پوری دنیا میں آپ کے ذریعہ سلسلہ کا فیض پہونچا، خاص طور پر آپ کے خلفاء میں حضرت خالد رومیؒ (م ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء)، حضرت شیخ احمد کردیؒ، اور حضرت سید اسماعیل مدنیؒ کی بدولت سلسلہ کا فیض بلاد عرب، ترکی، شام، روم وعراق، کردستان، بغداد، بخارا اور مراکش بلکہ پورے عالم تک محیط ہوگیا، ہندوستان میں آپ کی خانقاہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے مدرسہ کا مدمقابل سمجھی جاتی تھی۔ عجم وعرب کے طالبین پروانوں کی طرح ٹوٹتے تھے، خانقاہ شریف میں کسی وقت پانچ سو (۵۰۰) آدمی سے کم لوگ نہیں ہوتے تھے، جن کے قیام وطعام بلکہ کپڑے کا انتظام بھی آپ کی طرف سے ہوتا تھا، ہندوستان کا کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جہاں آپ کا خلیفہ موجود نہ ہو، صرف ایک انبالہ شہر میں آپ کے پچاس (۵۰) خلفائے عظام موجود تھے۔

ابتدا میں کافی مالی دشواریوں کا سامنا رہا، پھر بعد میں فتوحات کے دروازے کھل گئے اور ہزاروں خلائق نے آپ کے دریائے جودوسخا سے فیض پایا، ۲۲/ صفر المظفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۶/ اکتوبر ۱۸۲۴ء بروز ہفتہ بوقت اشراق آپ نے وصال فرمایا، نماز جنازہ جامع مسجد دہلی میں حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کی امامت میں پڑھی گئی، اور اپنے پیرومرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے جوار میں دفن ہوئے، آپ کثیر التصانیف عالم دین تھے، کئی بہترین کتابیں آپ نے یادگار چھوڑیں: احوال بزرگان (فارسی) ☆ ایضاح الطریقہ (فارسی) ☆ درالمعارف (فارسی) ☆ رسالہ اذکار (فارسی) ☆ رسالہ دراحوال شاہ نقشبندؒ (فارسی) ☆ رسالہ درذکر مقامات ومعارف وواردات حضرت مجددؒ ☆ رسالہ در اعتراضات شیخ عبدالحق برحضرت شیخ مجددؒ (فارسی) ☆ رسالہ دررد مخالفین حضرت مجددؒ (فارسی) ☆ رسالہ در طریق بیعت واذکار (فارسی) ☆ رسالہ درطریقۂ شریفہ شاہ نقشبندؒ (فارسی) ☆ رسالہ مراقبات (فارسی) ☆ رسالۂ مشغولیہ (فارسی) ☆ سلوک راقیہ نقشبندیہ (فارسی) کمالات مظہریہ (فارسی) ☆ مقامات مظہری (فارسی) ☆ مکاتیب شریفہ (فارسی) ☆ ==

(۶) حضرت حبیب اللہ میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (ولادت ۱۱ / رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ مطابق یکم مارچ ۱۷۰۰ء/ ۱۷۰۲ءوفات ۱۰ /محرم الحرام ۱۱۹۵ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۷۸۱ء) (۲۸۵)

== ☆ مکتوب گرامی (اردو) ☆ ملفوظات شریفہ (فارسی) (تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندی دہلی ص ۳۲۵ تا ۳۵۳ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

(۲۸۵) آپ علوی سادات میں سے تھے، آپ کا نسب مبارک اٹھائیس واسطوں سے بتوسط محمد بن حنفیہؒ (م ۸۱ھ/ ۷۰۱ء) امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے، آپ کے آبائے کرام عظیم امراء میں سے تھے، آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ امیر کمال الدین آٹھویں صدی ہجری میں کسی تقریب سے ترک وطن کر کے طائف سے ترکستان آئے تھے، انہوں نے اس علاقہ کے حاکم کی لڑکی سے جو قبیلہ الوس قاقشالاں کا سردار تھا، شادی کرلی، حاکم کی نرینہ اولاد نہیں تھی، اس لئے حکومت کا تعلق ان (امیر کمال الدین) سے ہوگیا۔

آپ کے خاندان کے امراء میں ایک بابا خان تھے، جن تک چار واسطوں سے آپ کا نسب پہونچتا ہے، انہوں نے عہد اکبری میں بغاوت کی تھی، جس کے جرم کی سزا میں حضرت مظہر جان جاناں کے والد صاحب میرزا جان کم منصبی کا شکار رہے، انہوں نے عمر کا زیادہ تر حصہ اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ (م ۱۱۱۸ھ/ ۱۷۰۷ء) کی خدمت میں گذارا۔ لیکن آخری عمر میں ترک دنیا کر کے سلسلۂ قادری کے ایک بزرگ شاہ عبدالرحمن دہلوی قادری نوشاہیؒ (زندہ در ۱۱۲۷ھ/ ۱۷۱۵ء) سے وابستہ ہوگئے تھے، بڑے صابر وشاکر اور قانع ومتوکل بزرگ تھے، متعدد علوم کے ماہر اور بہترین مقرر بھی تھے، شعر وشاعری کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، اور جانی تخلص کرتے تھے، ان کا دو شعر حضرت میرزا مظہر جان جاناں نے اپنے خریطۂ جواہر میں نقل کیا ہے، کشتی کے فن میں بھی طاق تھے، اورنگ زیب عالمگیر کے امراء میں چند اشخاص ہی اس پایہ کے تھے، انہوں نے ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء میں وصال فرمایا۔

حضرت میرزا مظہرؒ کی ولادت باسعادت بروز جمعہ ۱۱ / رمضان المبارک ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ مطابق یکم مارچ ۱۷۰۰ء/ ۱۷۰۲ء کو کاشانۂ حضرت شاہ عبدالرحمن میں فجر کے وقت ہوئی، ایک دوسری روایت کے مطابق آپ کے والد بزرگوار آگرہ کی طرف جارہے تھے، کہ موضع کالاباغ (حدود مالوہ) میں آپ کی ولادت ہوئی۔

تاریخ ولادت کے بارے میں اختلاف ہے، مولانا نعیم اللہ بہرائچیؒ نے ۱۱۱۱ھ کو ترجیح دی ہے، بعض تذکرہ نگاروں نے ۱۱۱۳ھ کی تاریخ کو صحیح تر قرار دیا ہے۔

والد ماجد کا نام نامی میرزا جان تھا، اورنگ زیب عالمگیر نے اسی مناسبت سے آپ کا نام "جان جاں" رکھا کہ بیٹا باپ کی جان ہوا کرتا ہے، بعد میں آپ کا نام رفتہ رفتہ جان جاناں مشہور ہوگیا،

تعلیم کا آغاز والد ماجد کے پاس کیا، سن تمیز تک اکبر آباد (آگرہ) میں رہے پھر والدین کے ہمراہ دہلی آگئے، فارسی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، قاری عبدالرسولؒ سے قرآن مجید پڑھا، تجوید وقرأت کی سند انہی سے لی، مروجہ علوم منقولہ ومعقولہ کی تعلیم علماء وقت سے حاصل کی، والد ماجد نے بڑی توجہ کے ساتھ آداب شاہی، فنون سپہ گری اور صنائع ہنروری ==

== سکھائے تا کہ منصب امارت تک پہونچیں تو کوئی دشواری نہ ہو، یا ترک دنیا کریں تو کسی کی حاجت نہ ہو، نیز فنون بینک و پٹہ کے استعمال میں چودہ (۱۴) سال صرف کر کے مہارت تامہ حاصل کی، اس طرح آپ نے ہر علم و فن میں کمال پیدا کیا، اس دور کا ہر فنکار آپ کو اپنے فن کا استاد تسلیم کرتا تھا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد علوم اسلامی میں آپ نے مزید اختصاص حاصل کیا، حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ سے کئی علوم کی مبسوط کتابیں پڑھیں، علم ظاہر سے فراغت کے بعد عرصہ تک آپ طلبہ کو علوم ظاہر پڑھاتے رہے، لیکن جب نسبت باطن کا غلبہ ہوا تو شغل کتاب ترک فرما دیا۔

آپ فرماتے تھے کہ والد صاحب نے آخری وقت میں مجھے وصیت کی تھی کہ اوقات کی حفاظت کرنا، اور عمر کو بیکار کاموں میں صرف نہ کرنا، والد کے وصال کے بعد خاندان کے کئی لوگوں نے چاہا کہ آپ کو خاندانی منصب امارت مل جائے، اس کے لئے وہ ایک روز بادشاہ وقت فرخ سیر کے دربار میں بھی لے گئے، لیکن اتفاق کی بات ہے اس دن دربار نہ ہوا، رات میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۵ء) کو خواب میں دیکھا، کہ انہوں نے مزار سے نکل کر اپنی کلاہ آپ کے سر پر رکھ دی، اس کے بعد آپ کا دل دنیا کی طرف سے سرد ہو گیا۔

آپ کو جوانی ہی سے بزرگوں کی زیارت کا شوق تھا، کئی بزرگوں کی زیارت کا شرف آپ کو حاصل ہوا، مثلاً حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہان آبادیؒ، حضرت شاہ مظفر قادریؒ، حضرت شاہ غلام محمد موحدؒ، حضرت میر ہاشم جالیسریؒ وغیرہ بہت سے اکابر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

علم باطن میں آپ نے کئی پیران طریق سے اخذ و استفادہ کیا، مگر بنیادی طور پر آپ کے پیر طریق حضرت سید نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء) ہیں، اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں حضرت سید محمد نور بدایونیؒ سے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے، اور پہلی توجہ ہی میں لطائف خمسہ جاری ہو گئے، اس کے بعد ہر وقت مراقبہ کی کیفیت رہتی تھی، ریاضت و مجاہدہ میں زندگی گذرنے لگی، یہاں تک کہ پیر و مرشد کی خدمت میں چار (۴) سال رہ کر حضور و احسان کی کیفیت حاصل ہوگئی، اور سلوک نقشبندیہ مجددیہ کے مطابق ولایت کبریٰ کے مقام پر پہونچ گئے، پھر پیر و مرشد نے اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا، اپنا پیرہن مبارک بھی بطور تبرک عنایت کیا، اور بالہام ربانی شمس الدین حبیب اللہ عطا فرمایا، اس کے بعد حضرت سید نور محمد بدایونیؒ نے وصال فرمایا، پھر مسلسل چھ (۶) سال تک آپ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے رہے، اور باطنی ترقیات حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت سید نور محمد بدایونیؒ نے خواب میں قبر سے استفادہ سے منع فرمایا اور کسی زندہ بزرگ کی طرف مراجعت کا حکم دیا تا کہ کمالات بے انتہا حاصل ہوں، چنانچہ زندہ بزرگ کی تلاش میں آپ بالترتیب حضرت شاہ گلشنؒ (م ۱۱۴۰ھ/ ۱۷۲۷ء)، حضرت خواجہ محمد زبیرؒ (م ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۳۹ء) خلیفہ حضرت حجۃ اللہ نقشبندؒ (م ۱۱۱۴ھ/ ۱۷۰۲ء) و نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴ھ/ ۱۶۲۴ء)، حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹیؒ (م ۱۱۴۶ھ/ ۱۷۳۳ء، ۱۷۳۴ء) خلیفہ حضرت حجۃ اللہ نقشبندؒ کے آستانوں پر ==

== حاضر ہوئے، مگر ہر جگہ کوئی نہ کوئی عذر مانع بیعت ہوا، یہاں تک کہ آپ حضرت حافظ سعد اللہؒ (م ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۴۰ء جو حضرت خواجہ محمد معصومؒ (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے صاحبزادے حضرت محمد صدیقؒ (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۸ء) کے خلیفہ تھے) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بارہ (۱۲) سال آپ کی صحبت میں رہ کر فیوض و برکات حاصل کئے، کچھ عرصہ کے بعد حضرت حافظ صاحبؒ نے اپنے اصحاب کی تربیت پر آپ کو مامور فرمایا۔

بعد ازاں حضرت مظہرؒ حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ (م ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے جو حضرت شیخ عبد الاحدؒ (م ۱۱۲۷ھ/ ۱۷۱۵ء) نبیرۂ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقیؒ کے خلیفہ تھے، سات (۷) سال تک ان سے کسب فیض کیا، اور کمالات ثلاثہ اور حقائق سبعہ ان سے اخذ کئے، بعد ازاں اول سے آخر تک دوسری مرتبہ ایک سال کی سیر مرادی سے تمام مقامات سے گزر ہوا، اور ہر مقام کی کیفیات و حالات کوئی قوت ملی، حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ کی توجہ سے آپ کی باطنی نسبت میں اتنی وسعت پیدا ہوگئی، کہ نظر کشفی اس کے ادراک سے عاجز تھی، اور تسلیک مقامات طریقہ کی ایسی قوت حاصل ہوئی تھی جس کی حد و انتہا نہیں تھی، انہی کی برکت سے سلسلۂ قادریہ کی اجازت آپ کو خود سرکار دو عالم ﷺ سے حاصل ہوئی، حضرت شیخ سنامیؒ نے طریقۂ قادریہ کے علاوہ چشتیہ اور سہروردیہ کی اجازت سے بھی سرفراز فرمایا، آپ سے سلسلہ کو اس قدر فروغ ہوا جس کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی، حضرت شاہ ولی اللہ جیسی عظیم المرتبت شخصیت اپنے اصحاب کو آپ کی خدمت میں استفادہ کے لئے بھیجا کرتی تھی، آپ کو تربیت کا عمدہ سلیقہ تھا، خانقاہ مظہریہ باقاعدہ طور پر آپ ہی کے دور میں قائم ہوئی، آپ کو شہادت کی بڑی آرزو تھی، ہمیشہ اس کا اظہار فرماتے تھے، اللہ کریم نے آپ کی آرزوئے شہادت کو قبول فرمایا اور بدھ کی رات مؤرخہ ۷/ محرم ۱۱۹۵ھ/ ۳ جنوری ۱۷۸۱ء کو کچھ رات گذری تھی، کہ چند آدمیوں نے آپ کے دروازے پر دستک دی، اور زیارت کی خواہش ظاہر کی، آپ کی اجازت ملنے پر تین آدمی اندر داخل ہوئے اور آپ کو شناخت کرنے کے بعد گولی چلادی، گولی آپ کے دل مبارک کے قریب بائیں طرف لگی، زخمی ہو کر آپ گر پڑے، تین دن کے بعد بروز جمعۃ المبارک ۱۰/ محرم الحرام ۶/ جنوری ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء کو بوقت نماز مغرب آپ نے وصال فرمایا۔ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ فرماتے تھے کہ "آپ کو اپنی وفات کے ناگزیر واقعے کا علم تھا، اسی لئے اپنے دیوان میں خود تحریر فرمایا:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے ۔۔۔ کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

یہی شعر آپ کے مزار پر کندہ ہے۔

آپ ایک بڑے کتب خانہ کے مالک تھے، جو آپ کی وصیت کے مطابق حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کو دے دیا گیا۔ شعر و شاعری کا بھی آپ کو فطری ذوق تھا، آپ کا کلام فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں موجود ہے، آپ نے ابہام گوئی ترک کر کے بے تکلف بیان اور صاف و شستہ زبان اختیار کی، آپ صاحب تصانیف بھی تھے، کئی اہم کتابیں یادگار چھوڑیں: ==

تمام شجرات نقشبندیہ میں حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کا اسم گرامی حضرت نور محمد بدایونیؒ کے بعد متصلاً ذکر کیا جاتا ہے، جو بلاشبہ درست ہے اس لئے کہ حضرت مرزا صاحبؒ کو حضرت نور محمد بدایونیؒ سے اجازت وخلافت حاصل ہے، چار (۴) سال سے زائد ان کی صحبت بھی آپ کو میسر رہی ہے، لیکن وہیں پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت نور محمد بدایونیؒ کے وصال کے بعد بھی حضرت مرزا صاحبؒ کی تشنگی ختم نہیں ہوئی تھی، اسی لئے وہ چھ (۶) سال تک مسلسل حضرت بدایونیؒ کی قبر پر حاضری دیتے رہے، اور فیوض حاصل کرتے رہے، مگر ظاہر ہے کہ قبروں سے فیوض تو حاصل کئے جاسکتے ہیں، لیکن ترقی اور اصلاح کے لئے زندہ شخصیت سے تعلق ضروری ہے، چنانچہ صاحب قبر حضرت نور محمد بدایونیؒ نے اس مقصد کے لئے قبر پر حاضری سے ان کو روک دیا، اور فرمایا کہ کمالات کی کوئی حد وانتہا نہیں ہے، کمالات کے حصول کے لئے کسی زندہ بزرگ سے تعلق قائم کریں، اس کے بعد ہی حضرت مرزا صاحبؒ نے زندہ بزرگ کی تلاش شروع کی، اور کئی اکابر اولیاء اللہ کے آستانوں پر حاضر ہوئے، لیکن ان کا حصہ اس وقت کے دو بزرگوں کے پاس تھا، جن کی بدولت وہ کمالات کی انتہا تک پہونچے:

☆ اول حضرت حافظ سعد اللہؒ (م ۱۱۵۲ھ/ ۱۷۴۰ء) (۲۸۶)، جن کی صحبت میں مرزا صاحبؒ تقریباً بارہ (۱۲) سال رہے۔

==☆ دیوان مظہر (فارسی) ☆ اردو کلام ☆ خریطۂ جواہر (فارسی) ☆ مجموعہائے مکاتیب (فارسی) ☆ خودنوشت حالات برائے سفینہ خوش گو (فارسی) ☆ خودنوشت احوال مشمولہ سرو آزاد (فارسی) ☆ دیوان فارسی کا دیباچہ (فارسی) ☆ تقریظ رسالہ کلمات الحق (فارسی) ☆ وصیت نامہ (فارسی) ☆ تنبیہات الخمسۃ (فارسی) ☆ سلوک طریقہ (فارسی) (تذکرہ وتاریخ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۱۴۳ تا ۱۹۰ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

(۲۸۶) آپ حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادے حضرت شیخ محمد صدیقؒ کے خلیفۂ اکبر ہیں، مجددیہ سلسلہ کے عظیم تر لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں، آپ کا لقب ''سید الصوفیاء'' تھا، تیس (۳۰) سال تک اپنے پیرومرشد کی صحبت میں رہے، اور بڑی خدمت کی، بطور فخر کہا کرتے تھے، کہ میں نے تیس (۳۰) سال تک اپنے مرشد کی خانقاہ کا پانی بھرا ہے، اور سر پر گھڑے اٹھائے ہیں، جس سے میرے سر کے بال اڑ گئے اور اللہ کے ڈر میں زیادہ رونے کی وجہ سے میری نظر ختم ہوگئی، کبھی حضرت مجھے موسم گرما میں احمد آباد بھیج دیتے تو میں آپ کی جدائی کے غم میں بہت روتا تھا، لیکن آج اسی کی برکت ہے کہ میرے دروازے پر خدام کا اتنا ہجوم ہے، کہ ہر ایک کو خدمت کا موقعہ نہیں ملتا، اور میرے دل کی آنکھیں نور الٰہی سے منور ہیں۔

ایک دن شیخ سعد اللہ کے مرید نواب خان فیروز جنگ نے عرض کیا کہ شیخ حسن رسول نماؒ جسے چاہتے تھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کروادیتے تھے، میں آپ کا مرید ہوں چاہتا ہوں کہ یہ نعمت مجھے بھی حاصل ہو، فرمایا: ہم جسے ==

☆ پھر حافظ صاحبؒ کے وصال کے بعد حضرت شیخ محمد عابد سنامی مجددیؒ (م ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء) (۲۸۷) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور تقریباً سات (۷) سال ان سے کسب فیض کیا، اور ان مقامات بلند تک رسائی حاصل ہوئی جہاں وہ پہلے نہیں پہونچے تھے، علاوہ پچھلے اسباق کا بھی اعادہ فرمایا اور ان میں استحضار تام اور پختگی پیدا ہوئی۔

== چاہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے دوبار مشرف کرا دیتے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو آج رات فاتحہ پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پر فتوح کی طرف متوجہ ہو کر سو جایئے، ان شاء اللہ یہ نعمت مل جائے گی، نواب نے ایسا ہی کیا، اسی رات زیارت سے مشرف ہوا، آنکھ کھلی تو اس نعمت عظمیٰ کے حاصل ہونے پر پانچ سو (۵۰۰) روپیہ بطور شکرانہ اپنے اوپر عائد کر لیا اور تصور کیا کہ اگر دوبارہ بھی شرف زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاصل ہوئی تو پانچ سو (۵۰۰) روپے مزید ہدیۂ شکرانہ ادا کروں گا، اور پورے ہزار (۱۰۰۰) روپے صبح اپنے شیخ کی خدمت میں لے جاؤں گا، اب پھر سوئے تو زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز ہوئے، صبح ہوئی تو ہزار روپیہ کے بجائے صرف پانچ سو (۵۰۰) روپے پیر و مرشد کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے فرمایا یہ تو پہلی زیارت کا زر شکرانہ ہے، دوسری زیارت کا شکرانہ کہاں ہے؟ نواب نے فوراً زر شکرانہ ادا کیا اور معتقد کامل بن گئے۔

آپ کی خانقاہ میں ایک بلی تھی جو خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہتی تھی، اور حضرت حافظ صاحبؒ کے تصرف سے چڑیوں پر بہت مہربان تھی، چڑیاں اس سے کھیلتی تھیں، خادم غلہ کے دانے بلی کے منہ میں ڈالتے تو بلی اپنا منہ کھول کر لمبی پڑ جاتی، حتیٰ کہ چڑیاں سارے دانے اس کے منہ سے نکال لیتیں۔

آپ کی وفات ۱۱/ شوال المکرم ۱۱۵۳ھ (۲۹/ دسمبر ۱۷۴۰ء) کو ہوئی، مزار پر انوار شاہ جہان آباد دہلی میں اجمیری دروازہ سے باہر ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳ مفتی غلام سرور)

(۲۸۷) حضرت حافظ محمد عابد صاحبؒ حضرت شیخ عبد الاحدؒ کے نامور خلیفہ تھے، اپنے عہد کے سب سے ممتاز بزرگ، آبائی نسبت حضرت ابو بکر صدیقؓ تک پہونچتی ہے، آپ کو اسہال کا مرض تھا، اس تکلیف کے باوجود شب و روز طاعت و عبادات میں مصروف رہتے تھے، ہر رات نماز تہجد میں ساٹھ (۶۰) مرتبہ سورہ یٰسین پڑھتے، البتہ مرض الموت کی راتوں میں تہجد میں پینتیس (۳۵) مرتبہ سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، آپ بیس ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ کا ذکر ایک ہزار بار نفی و اثبات بحبس نفس اور تلاوت قرآن شریف کرتے، ایک ہزار بار آپ کا روزانہ کا معمول کا وظیفہ تھا، آپ کے روزانہ کے حلقے میں تقریباً دو سو (۲۰۰) علماء و صلحا بیٹھتے تھے، ہزاروں طالبان حق آپ کی توجہات عالیہ سے مقامات احمدیہ نقشبندیہ تک پہونچے، جمعہ کے دن آپ کی خانقاہ میں بہت بڑا اجتماع ہوتا، جو کوئی آپ کی نظر کیمیا اثر میں آجاتا اس کا دل ذاکر ہو جاتا تھا، کئی نام نہاد مشائخ آپ کی خفیہ توجہات کی بدولت درجۂ کمال تک پہونچے، ایک بار پاپیادہ حج بیت اللہ کا سفر کیا، وفات ۱۸/ رمضان المبارک ۱۱۶۰ھ مطابق ۳۰/ستمبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۲۴۵ تا ۲۴۹ مفتی غلام سرور)

(۷) حضرت سید السادات نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱/ ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۳/ اگست ۱۷۲۳ء) (۲۸۸)

شجرات میں حضرت نور محمد بدایونیؒ کے مشائخ میں صرف حضرت خواجہ سیف الدینؒ کا ذکر کیا جاتا ہے، حالانکہ حضرت بدایونیؒ نے حضرت خواجہ معصومؒ کے خلفاء میں خواجہ سیف الدینؒ کے علاوہ حضرت حافظ محمد محسن دہلویؒ (م ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء، ۱۷۳۵ء) (۲۸۹) سے بھی مقامات نقشبندیہ کی تعلیم حاصل کی

(۲۸۸) آپ علوم ظاہرہ وباطنہ کے ماہر، فقیہ اور عارف تھے، اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں حضرت اشرف الاتقیا محمد شریفؒ (م ۱۱۲۴ھ/ ۱۷۱۲ء) کے پاس علوم ظاہرہ کی تکمیل کی۔ علم باطن حضرت مجددؒ کے پوتے اور حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے صاحبزادے حضرت خواجہ سیف الدین مجددیؒ (م ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء) سے حاصل کیا، علاوہ ازیں آپ نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) کے نواسے حضرت شیخ محمد محسنؒ (م ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء، ۱۷۳۵ء) سے بہت سے مقامات نقشبندیہ مجددیہ طے کئے۔

حضرت شیخ سیف الدینؒ سے وابستگی کے بعد ابتدائی پندرہ (۱۵) سال تک ہر وقت استغراق کی کیفیت رہتی تھی، اور یہ استغراق اس قدر قوی ہوتا تھا کہ صرف نماز کے وقت حقیقت حال میسر ہوتی تھی، اور افاقہ ہو جاتا تھا، نماز کی ادائیگی کے بعد پھر مغلوب الحال ہو جاتے تھے، کثرت مراقبہ کی وجہ سے کمر مبارک جھک گئی تھی، اپنے دونوں بزرگوں سے یکے بعد دیگرے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، حضرت سیف الدینؒ کے وصال کے بعد ان کی خانقاہ کو آباد رکھا، اتباع سنت کا پختہ ذوق تھا، بڑے عاشق رسول تھے، ادنیٰ ادب بھی ترک نہ ہوتا تھا، صاحب کشف اور صاحب تصرف تھے، کشف بالکل صحیح ہوتا تھا، ۱۱/ ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ/ ۱۳/ اگست ۱۷۲۳ء کو عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی، مزار مبارک قبرستان پنج پیران، متصل بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۲۲۶، ۲۲۷ مؤلفہ مفتی غلام سرور☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ دہلی ص ۱۲۷ تا ۱۳۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

(۲۸۹) آپ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۲ھ/ ۱۶۴۲ء) کے نواسے ہیں، علمی مقام بہت بلند تھا، علوم عقلی ونقلی کے جامع اور یگانۂ روزگار تھے، دہلی کے علماء وفضلاء میں کسی کو آپ کے سامنے بولنے کی مجال نہیں تھی، علمی اعتبار سے یہ شہرت وعظمت حاصل ہونے کے بعد وہ حضرت خواجہ معصومؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور آپ کے ممتاز خلفاء میں شمار کئے گئے، ورع وتقویٰ اور زہد وریاضت میں بڑے ممتاز تھے، بہت سے علماء اور مشائخ نے آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مقامات بلند تک پہونچے، ۱۱۴۷ھ/ ۱۷۳۴ء، ۱۷۳۵ء میں رحلت فرمائی، اور دہلی میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مقبرہ کی غربی جانب ایک چبوترہ پر آرام فرما ہیں (تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۸۸۴، ۸۸۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۱ء☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۶۲۶ مؤلفہ مفتی غلام سرور☆ انوار معصومیہ (سوانح حیات حضرت خواجہ محمد معصومؒ) ص ۳۶۸، ۳۶۹ مؤلفہ مولانا سید زوار حسین شاہؒ، ناشر ادارۂ مجددیہ کراچی، ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء)

ہے، اور آپ کے پیران طریق میں حافظ صاحبؒ کو ممتاز مقام حاصل ہے، ارباب سلوک کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے۔

(۸) قطب العارفین محی السنۃ حضرت خواجہ سیف الدین مجددی سرہندیؒ (ولادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء وفات ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ (۳۰ / اپریل ۱۶۸۵ء) (۲۹۰)

---

(۲۹۰) آپ حضرت خواجہ محمد معصومؒ (م ۱۰۷۹ھ/ ۱۶۶۸ء) کے صاحبزادے ہیں، ولادت باسعادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء میں بمقام سرہند شریف ہوئی، حافظہ نہایت قوی، دماغ سنجیدہ، طبیعت سلیس اور فطرت نہایت سلیم تھی، ابتدائی تعلیم گھر کے پاک ماحول میں ہوئی، جب ہوش سنبھالا تو مکتب میں بٹھایا گیا، جلد ہی قرآن کریم حفظ کرلیا، بعدازاں تھوڑی ہی مدت میں تمام کتب متداولہ کی تعلیم سے فارغ ہوگئے۔

علم باطن تو ان کے گھر کی چیز تھی، باطنی فیوض وکمالات بچپن ہی سے حاصل کرنے شروع کردیئے، گیارہ سال کی عمر میں والد مکرم اور پیر طریق حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے ولایت کے اعلیٰ درجہ ''فناء قلب اور ولایت صغریٰ'' کی بشارت دی، اعزاء واقارب میں آپ کے ہم عمر اس بشارت پر رشک کرتے تھے، عنفوان شباب میں والد مکرم کی زندگی میں ولایت وارشاد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگئے، والد ماجد نے ستائیس (۲۷) سال کی عمر میں بادشاہ ہند عالمگیر اورنگ زیب (۱۰۲۷ھ-۱۱۱۸ھ/ ۱۶۵۹ء -۱۷۰۷ء) کی خواہش پر ان کی اور اہل دہلی کی اصلاح وتربیت کے لئے آپ کو دہلی روانہ کیا، آپ کے عہد شباب کا یہ دور محبوب بے چون وبے کیف کے عشق ومحبت کی سرمستیوں سے معمور تھا، اور اتباع شریعت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، شاید آپ اوائل ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء میں دہلی پہونچے، اہل شہر نے آپ کا پرجوش استقبال کیا، اور عوام وخواص اور شاہی گھرانے کے افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، بادشاہ اس وقت سفر میں تھا واپسی پر اس کو اطلاع ملی تو بہت خوش ہوا، اس نے اپنے اراکین سلطنت کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ قلعۂ معلی میں اپنے قریب ٹھہرایا، بادشاہ کی خواہش تھی کہ آپ محل میں قیام فرمائیں، لیکن آپ نے چوکیدار کی جھونپڑی میں قیام کو پسند فرمایا، بادشاہ یہیں آکر منازل سلوک طے کرتا تھا، آپ نے محل میں بہت سی غیر شرعی چیزوں کی اصلاح فرمائی، بادشاہ نے آپ کے زیر تربیت مقامات بلند طے کئے۔ آپ کی اصلاحی مساعی سے خوش ہوکر آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے آپ کو محتسب الامۃ کا خطاب عنایت فرمایا۔

آپ نہایت قوی التاثیر اور صاحب جذب وتصرف تھے، لوگ ایک اضطراب واستغراق کی حالت میں آپ کی خانقاہ میں پڑے رہتے تھے، بڑے دبدبہ اور عظمت والے شیخ تھے، سلاطین وامراء آپ کی مجلس میں مؤدب کھڑے رہتے تھے، اور ان کو آپ کے سامنے بیٹھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، بے شمار لوگ آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، تین سال دہلی میں مقیم رہنے کے بعد سرہند شریف لے گئے، پھر حضرت خواجہ معصوم کی رحلت (۱۰۷۹ء/ ۱۶۶۸ء) کے بعد آپ خانقاہ سرہند کی مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے، آپ کی طرف رجوع عام کا عالم یہ تھا کہ کم ازکم چارسو==

(۹) عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ م ۱۵۹۹ء وفات ۱۰۷۹ھ م ۱۶۶۸ء)

(۱۰) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۳۴ھ م ۱۶۲۴ء)

(۱۱) حضرت خواجہ عبدالباقی محمد رضی الدین باقی باللہؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۱۲ھ م ۱۶۰۳ء)

(۱۲) حضرت مولانا خواجگی محمد مقتدیٰ امکنگیؒ (ولادت ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء - وفات ۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء)

(۱۳) حضرت مولانا درویش محمدؒ (ولادت ۸۴۶ھ م ۱۴۴۳ء - وفات ۹۷۰ھ م ۱۵۶۲ء)

(۱۴) حضرت مولانا خواجہ محمد زاہد وخشیؒ (ولادت ۸۵۲ھ م ۱۴۴۸ء - وفات ۹۳۶ھ م ۱۵۲۹ء)

(۱۵) حضرت خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرارؒ (ولادت ۸۰۶ھ م ۱۴۰۴ء - وفات ۸۹۵ھ م ۱۴۹۰ء)

(۱۶) حضرت مولانا یعقوب بن عثمان چرخیؒ (ولادت ۷۶۲ھ م ۱۳۶۰ء - وفات ۸۵۱ھ م ۱۴۴۷ء)

(۱۷) حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ (وفات ۸۰۲ھ م ۱۴۰۰ء)

(۱۸) خواجہ خواجگان خواجہ سید محمد بہاء الدین نقشبندؒ (ولادت ۷۱۸ھ م ۱۳۱۸ء وفات ۷۹۱ھ م ۱۳۸۹ء)

(۱۹) حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلالؒ (ولادت ۶۷۶ھ م ۱۲۷۸ء وفات ۷۷۲ھ م ۱۳۷۰ء)

==(۴۰۰) طالبین ہروقت خانقاہ میں موجود رہتے تھے، اور اکثر وبیشتر چودہ سو (۱۴۰۰) آدمی دونوں وقت کا کھانا حسب فرمائش وذوق آپ کے باورچی خانہ سے کھایا کرتے تھے، اس نعمت وسہولت کے باوجود طالبین بہت جلد مقامات سلوک طے کر لیتے تھے، اس لئے کہ اس طریق کا مدار مرشد کی ہمت وتوجہ پر ہے، آپ نے سینتالیس (۴۷) سال کی عمر میں ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ (۳۰/ اپریل ۱۶۸۵ء کو سرہند شریف میں عالم بقا کی طرف رحلت فرمائی، اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مزار پر انوار سے جنوب کی طرف ذرا فاصلے پر آسودۂ خاک ہوئے، آپ کے مزار مبارک پر بڑا عالی شان گنبد ہے، اور اس کے پاس باغ لگا ہوا ہے (تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ دہلی ص ۵۵ تا ۹۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

(۲۰) حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ (ولادت ۵۹۱ھ م ۱۱۹۵ء وفات ۷۵۵ھ، ۱۳۵۴ء)

(۲۱) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ (ولادت ۵۹۱ھ م ۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء- وفات ۷۲۱ھ م ۱۳۲۱ء)

(۲۲) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ (ولادت ۶۲۷ھ م ۱۲۳۰ء وفات ۷۱۵ھ/ ۷۱۷ھ/ ۶۴۳ھ م ۱۳۱۵ء/ ۱۳۱۷ء/ ۱۲۴۵ء

(۲۳) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ (ولادت ۵۵۱ھ م ۱۱۵۶ء وفات ۷۱۵ھ م ۱۳۱۵ء)

(۲۴) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (ولادت ۴۳۵ھ م ۱۰۴۴ء وفات ۵۷۵ھ م ۱۱۷۹ء

(۲۵) حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ م ۱۰۴۹ء یا ۱۰۵۰ء- وفات ۵۳۵ھ م ۱۱۴۰ء/ ۱۱۴۱ء)

(۲۶) شیخ بوعلی فارمدی طوسیؒ (ولادت ۴۰۷ھ/ ۴۳۴ھ م ۱۰۱۶ء/ ۱۰۴۲ء وفات ۴۷۷ھ م ۱۰۸۴ء)

(۲۷) حضرت شیخ ابوالقاسم کرگانیؒ (وفات ۴۵۰ھ/ ۴۶۹ھ م ۱۰۵۸ء/ ۱۰۷۶ء)

(۲۸) حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ (ولادت ۳۵۲ھ م ۹۶۳ء وفات ۴۲۵ھ م ۱۰۳۳ء/ ۱۰۳۴ء)

(۲۹) سلطان العارفین حضرت بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ (ولادت ۱۳۶ھ م ۷۵۳ء، ۷۵۴ء وفات ۲۶۱ھ/ ۲۶۹ھ م ۸۷۴ء/ ۸۸۳ء)

(۳۰) حضرت امام جعفر صادقؒ (ولادت ۸۰ھ م ۶۹۹ء وفات ۱۴۹ھ م ۷۶۶ء)

(۳۱) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیقؓ (ولادت ۲۴ھ م ۶۴۵ء وفات ۱۰۶ھ م ۷۲۴ء یا ۱۰۸ھ م ۷۲۶ء)

(۳۲) حضرت سلمان فارسیؓ (ولادت ۴۰۴ء عام الفیل سے ایک سو ستاسی (۱۸۷) سال قبل وفات ۳۳ھ/ ۳۵ھ/ ۳۶ھ م ۶۵۱ء/ ۶۵۳ء/ ۶۵۴ء)

(۳۳) حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ (ولادت ۳ عام الفیل، ہجرت سے پچاس سال قبل م ۵۷۳ء وفات ۱۳ھ م ۶۳۴ء)

(۳۴) سرور دو عالم رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ولادت عام الفیل ۱، ۹/ ربیع الاول ۵۲/

سال قبل ہجرت م ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء وفات ۱۲ / ربیع الاول ۱۱ھ م ۷ / جون ۶۳۲ء بروز سوموار)

خانقاہ مظہریہ دہلی (حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ) کا یہ سلسلہ تینتیس (۳۳) واسطوں سے حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (درمیانی کڑیوں کی انہی تفصیلات کے ساتھ جو سلسلۂ اول میں ذکر کی گئی ہیں)

اس سلسلہ کا شجرۂ منظومہ حضرت منورویؒ کی کتاب ''مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں خانقاہ دہلی روضۃ الازہار کے مطابق حسب ذیل ہے:

شجرۂ منظومہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ اٰل محمد و علیٰ اٰل سیدنا محمد افضل صلواتك بعدد معلوماتك و بارك و سلم علیه

یا الٰہی احمد خیر الوریٰ کے واسطے
سرور عالم امام الانبیاءؑ کے واسطے

جاں نثار و یار غار و جانشین مصطفےٰ
حضرت صدیق اکبرؓ باصفا کے واسطے

واقف اسرار ایزد داخل آل رسول
واقف اسرار ایزد داخل آل رسول

نور عین حضرت صدیق ہادیٔ جہاں
حضرت قاسمؒ امام الاصفیاء کے واسطے

نور چشم مصطفےٰ و مرتضےٰ و فاطمہ
حضرت صادقؒ امام الاتقیاء کے واسطے

نیر بسطام سلطان و امام العارفیں
عاشق حق بایزیدؒ رہنما کے واسطے

شیخ الاسلام اور پیر شیخ الاسلام ہرات
خرقانیؒ بوالحسن نورالہدیٰ کے واسطے

پیر مولانا غزالیؒ فارمد کے آفتاب
بوعلیؒ شیر نیستان ہدیٰ کے واسطے

یوسف ہمدانیؒ محبوب رب العالمیں
آفتاب چرخ ہمداں پرضیا کے واسطے

خواجہ عبدالخالقؒ مرشد امام خواجگاں
غجدوانیؒ شمع بزم اولیاء کے واسطے

کاشف انوار ایزد سرو باغ ریوگر
خواجہ عارفؒ مرشد بااتقیا کے واسطے

زینت انجیر فغنہ خواجہ محمودؒ ولی
رازدان سر خاص کبریا کے واسطے

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ
بادشاہ ملک تسلیم و رضا کے واسطے

خواجہ بابائے سماسیؒ پیشوائے کاملاں
شاہ باز اوج عرفان خدا کے واسطے

سید عالی نسب خورشید برج مکرمت
حضرت میر کلالؒ پرضیا کے واسطے

حضرت خواجہ بہاء الدینؒ جناب نقشبند
تاجدار اولیاء مشکل کشا کے واسطے

شمع دیں خواجہ علاء الدین عطارؒ ولی
قطب ارشاد ہدایت رہنما کے واسطے

خواجۂ یعقوب چرخیؒ آبروئے خانداں
عالم علم حقیقت پیشوا کے واسطے

حضرت خواجہ عبیداللہؒ احرارش لقب
ناصر دین نبی شمس الضحیٰ کے واسطے

خواجہ مولانا محمد زاہدؒ عالی مقام
واصل حق الیقیں نجم الہدیٰ کے واسطے

عارف بے مثل درویش محمد محوذات
عاشق حق کشتۂ حب خدا کے واسطے

خواجۂ دیں خواجگی خورشید شہر امکنہ
ماہ کامل ہادیٔ شاہ وگدا کے واسطے

شہ رضی الدین خواجہ باقی باللہؒ امام
فانی اندر ذات پاک کبریاء کے واسطے

شہ مجدد الف ثانی شیخ احمدؒ نور حق
نائب حضرت محمد مصطفیٰؐ کے واسطے

عروۃ الوثقیٰ جناب حضرت ایشاں لقب
خواجۂ معصومؒ محبوب خدا کے واسطے

خواجہ سیف الدیں محمدؒ رہبر دنیا و دیں
قطب عالم بادشاہ اولیا کے واسطے

خواجۂ نور محمدؒ سید عالی نسب
قبلۂ دیں تاجدار اتقیاء کے واسطے

شاہ شمس الدیں حبیب اللہ مظہر جان جاںؒ
غوث عالم وارث دین ہدیٰ کے واسطے

رہبر راہ حقیقت شاہ عبداللہ علی
قطب ارشاد خلائق باخدا کے واسطے

ابر فیضان الٰہی چشمۂ جود وکرم
بوسعید احمدیؒ بدرالدجیٰ کے واسطے

قطب عالم حضرت احمد سعید احمدیؒ
آفتاب چرخ ارشاد و ہدیٰ کے واسطے

پیر و مرشد حضرت شاہ عمرؒ غوث جہاں
مظہر حق نائب خیر الوریٰ کے واسطے

شہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر ولیؒ
بوبلال وزید و سالم مقتدا کے واسطے (۲۹۱)

یاالٰہی کر عطا دارین میں ہر دم فلاح
حضرت حاجی دوست محمدؒ رہنما کے واسطے

مجھ کو اور احباب کو میرے ہدایت کر نصیب
حضرت عثمان داماںؒ پرضیا کے واسطے

---

(۲۹۱) یہاں تک پورا شجرۂ منظومہ (ایک شعر کا استثنا کر کے) بعینہ وہی ہے جو خانقاہ مظہریہ دہلی سے حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کا تیار کردہ شجرۂ منظومہ روض الازہار فی ذکر الاخیار میں شائع ہوا ہے، اور روض الازہار کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس پر سن اشاعت ۱۳۴۴ھ (مطابق ۱۹۲۵ء) درج ہے، یعنی حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے وصال کے صرف دو سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی، اس وقت حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ باحیات تھے، اور حضرت منورویؒ کا روحانی ارتباط ان سے قائم نہیں ہوا تھا، اور نہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلویؒ خانقاہ مظہریہ کے سجادہ نشیں ہوئے تھے، یہ شجرہ حضرت شاہ صاحبؒ کا تیار کردہ ہے جو قرین قیاس یہ ہے کہ مریدین کو دیا جاتا رہا ہوگا، کیا عجب کہ حضرت منورویؒ کے پاس بھی حضرت شاہ صاحب کا عطا کردہ شجرہ موجود رہا ہو اور تالیف کتاب کے وقت وہی شجرہ پیش نظر رہا ہو۔

اس تفصیل اور پس منظر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شجرہ میں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے نام کے ساتھ بوبلال وزید و سالم کا مصرعہ حضرت منورویؒ کا اضافہ نہیں بلکہ یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا فرمودہ ہے، اور شاہ صاحب اپنے نام کے ساتھ ازراہ محبت اپنے تینوں صاحبزادوں کا نام اسی طرح عموماً لکھا کرتے تھے، اس لئے اس مصرعہ سے یہ معنیٰ پیدا کیا جانا کہ ==

امت احمدؐ کی کردے مغفرت از فضل خویش
وہ سراج الدینؒ مرد باخدا کے واسطے
نام کو ہے جس کے نسبت باغلام باحسینؒ
مغفرت فرما خدا اس پیشوا کے واسطے
سوز دل اور استقامت بہر شریعت کر عطا
وہ بشارت اور کریمؒ پارسا کے واسطے
کر تو مجھ کو بھی عنایت چشم تر اور درد دل
شاہ نور اللہؒ مرشد رہنما کے واسطے

نام میں ہے جس کے احمد اور حسنؒ بھی ساتھ ہے
آرزو برلا میری اس پارسا کے واسطے
عشق اپنا دے مجھے اور معرفت بھی کر عطا
اے میرے پروردگار ان اولیاء کے واسطے(۲۹۲)
دین و دنیا میں مجھے محفوظ رکھ عزت کے ساتھ
آل و اصحاب جناب مصطفیٰ کے واسطے
آپڑا ہوں تیرے در پر ہر طرح سے ہوں ملول
کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول
کون ہے تیرے سو مجھ بے نوا کے واسطے (۲۹۳)

==حضرت منورویؒ کو اس طریق نقشبندیت کی اجازت حضرت مولانا زید ابوالحسنؒ سے حاصل ہوئی تھی، شعر کے پس منظر سے واقف نہ ہونے کی علامت ہے۔

البتہ اس میں ایک شعر زائد نظر آتا ہے جو کہ روض الازہار کے مذکورہ نسخہ میں موجود نہیں ہے، وہ شعر یہ ہے:

خواجۂ دیں خواجگی خورشید شہر امکنہ ماہ کامل ہادئ شاہ و گدا کے واسطے

ممکن ہے کہ قدیم شجرہ میں یہ شعر موجود رہا ہو، اور بعد کے ایڈیشن میں اسے حذف کر دیا گیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت منورویؒ نے ہی اس کا اضافہ کیا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲۹۲) یہ شعر بھی روض الازہار میں موجود ہے۔

(۲۹۳) اس شجرہ کو حضرت منورویؒ نے حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے بعد لکیر ڈال کر دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے، ایک حضرت شاہ احمد سعیدؒ کی نسبت خاندانی ہے جو حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ سے حضرت شاہ عمرؒ اور حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ ==

(۵)

سلسلۂ پنجم

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (موسیٰ زئی بواسطہ حضرت گڑھولویؒ)

تعارف، وابستگی اور خصوصیات

نقشبندیہ مجددیہ - طریق سوم

حضرت منورویؒ کو نقشبندیت کی تیسری نسبت قطب الاقطاب، ابوالانوار حضرت مولانا حافظ بشارت کریم گڑھولویؒ (ولادت: ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء - وفات ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء) (۲۹۴) سے حاصل ہوئی۔

==صرف دوواسطوں سے اباً عن جد حضرت منورویؒ تک پہونچی ہے، یہ عالی نسبت ہے، اور دوسری نسبت وہ ہے جو حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے خلفاء کے واسطوں سے حضرت منورویؒ کو حاصل ہوئی ہے، اس میں درمیانی واسطے کم ازکم پانچ ہیں اور اگر حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی نسبت بھی شامل کرلی جائے تو واسطے چھ (۶) ہوجاتے ہیں، پہلی نسبت کے مقابلے میں یہ نسبت بعیدہ اور سافلہ ہے--- بہرحال حضرت منورویؒ کی شخصیت نسبت آبائی اور نسبت خلفاء دونوں کی جامع ہے، اور آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہونے والوں کو دونوں نسبتوں کا فیض ملتا ہے۔

(۲۹۴) اسم گرامی: بشارت کریم، کنیت: ابوالانوار، والد ماجد کا نام: عبدالرحیم، سن ولادت جنۃ الانوار میں حضرت مولانا محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ (متوفی ۱۹۹۳ء م ۱۴۱۳ھ صاحبزادہ حضرت گڑھولویؒ صدرالمدرسین وصدر مفتی مدرسہ جامع العلوم مظفرپور بہار) نے قرینہ وقیاس سے ۱۲۹۴ھ م ۱۸۷۷ء لکھا ہے، موضع بازید پور گڑھول شریف موجودہ ضلع سیتامڑھی میں آپ کی پیدائش ہوئی جنۃ الانوار (اول ایڈیشن جولائی ۱۹۷۲ء) میں آپ کو "نسباً شیخ صدیقی" بتایا گیا ہے، اس کے بعد اس کتاب کے دوایڈیشن شائع ہوئے، دوسرا ایڈیشن حضرت مولانا محمد ادریسؒ کی حیات ہی میں شائع ہوا جو اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، البتہ اس کا تیسرا ایڈیشن آپ کے بھتیجے فاضل محترم مولانا باقی باللہ کریمی القاسمی صاحب مدظلہ العالی نے ۲۰۱۴ء میں شائع کیا ہے یہ میرے پیش نظر ہے، اس کے دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ یہ بعینہ دوسرے ایڈیشن کے مطابق ہے، اس ایڈیشن میں حضرت کے نسب کا خانہ حذف کردیا گیا ہے۔

ابھی علی گڑھ سہ روزہ سیمینار (۱تا۳ مارچ ۲۰۲۰ء بمقام ادارۂ تحقیق وتصنیف میرا موضوع: مسلم اقلیت کے مسائل==

==سیرت طیبہ کی روشنی میں) کے موقعہ پر شاہین باغ دہلی میری حاضری ہوئی تھی ،اور شاہین باغ کے اس تاریخی اور تاریخ ساز احتجاج (جس نے ملک میں انقلاب کی ایک نئی تاریخ رقم کی ،اور جو اس دور میں انقلاب کی ایک علامت کے طور پر سارے عالم میں متعارف ہوا ،اور اس کے نام پر پورے ملک میں قریب اٹھارہ سو (۱۸۰۰) شاہین باغ بن گئے ،کل مدت احتجاج ایک سو ایک (۱۰۱) دن) میں مجھے (۲۳ /فروری ۲۰۲۰ءکو) خطاب کا بھی موقعہ ملا تھا ،یہیں میرے مخلص ومحترم مشہور عالمی خطاط مولانا مفتی ابوبکر قاسمی صاحب (مقام محمد پور کواری ضلع سمستی پور بہار) برسوں سے مقیم ہیں ، میرے والد بزرگوار سے روحانی طور پر وابستہ ہیں ،ان کے پاس جنۃ الانوار (طبع اول) کا وہ نسخہ موجود ہے جس میں خود مؤلف کتاب حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ نے اپنے قلم سے بعض ترمیمات وتصحیحات کی تھیں ،تا کہ دوسرا ایڈیشن اس کے مطابق شائع کیا جائے ،اور غالباً اسی نسبت سے خود حضرت مؤلفؒ نے مولانا موصوف کو وہ تصحیح شدہ نسخہ مرحمت فرمایا تھا ،اس نسخہ کو میں نے دیکھا تو واقعتاً اس میں نسب کا حصہ قلمزد کیا ہوا تھا (جنۃ الانوار ص ۵ طبع اول)

حضرت کے اہل خانہ سے تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ پہلے ایڈیشن کے بعد بعض دوسری روایات بھی سامنے آئیں اس لئے اس باب میں خاموشی کو ترجیح دی گئی ،----اس کتاب کے علاوہ حضرتؒ کے حالات وواقعات پر جتنی کتابیں میری نظر سے گذری ہیں ،کسی میں بھی حضرتؒ کے نسب سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

آپ چھ (٦) سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ،اور تقریباً دس (۱۰) سال کی عمر میں شفقت پدری سے بھی محروم ہو گئے ،والد کے انتقال کے بعد اپنے بہنوئی کے زیر تربیت رہے ،فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم دربھنگہ میں حکیم مولانا علی حسن چھپرویؒ سے حاصل کی اور متوسطات تک تعلیم مدرسہ جامع العلوم (قدیم نام خادم العلوم) مظفر پور میں ہوئی ،یہیں آپ نے شرح جامی کے سال (۱۸۹۲ءم ۱۳۱۰ھ میں) قرآن کریم کا حفظ مکمل کیا ،اس وقت حضرت مولانا حافظ رحمت اللہ صاحبؒ (بانی مدرسہ) مہتمم تھے ،حفظ مکمل کرنے بعد آپ نے تراویح میں پورا قرآن سنایا ،رمضان کے بعد آپ کی دستار بندی عمل میں آئی جس میں آپ کے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالواسع سعدی پوریؒ (سعدی پور موضع الماس پور ضلع سمستی پور کے قریب ایک گاؤں ہے) نے ایک طویل تہنیتی نظم پیش فرمائی ،اور وہ نظم روئیداد مدرسہ میں شائع ہوئی ،یہ ترجیع بند نظم مسدس کی ہیئت میں ہے ،جنۃ الانوار میں پوری نظم نقل کی گئی ہے ،یہاں اس کا ایک بند بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے:

اے مرے حافظ بشارت نوگل باغ کمال
ہے بجا ہوں جس قدر آپ اس مسرت پر نہال
آپ کو بخشا ہے حق نے کیا ہی گنج لازوال
ہو رہا ہے جس کے باعث بزم میں یہ قیل وقال
یوں تو ہر شب کی جہاں میں شان ہی کچھ اور ہے
آج کی شب کا مگر فیضان ہی کچھ اور ہے ==

== آپ کے حفظ کے استاذ حافظ عبدالحلیم تھے، جن کا تذکرہ تہنیتی نظم میں موجود ہے (جنۃ الانوار مرتبہ حضرت مولانا محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ ص ۵ تا ۳۰)

مظفر پور کے زمانۂ تعلیم میں ہی آپ حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ سے وابستہ ہوئے، اور ان سے علمی، اخلاقی، دینی وفکری استفادہ کیا، اس کے بعد غالباً آپ ہی کے ایما پر متوسطات اور اعلیٰ تعلیم کے لئے کانپور تشریف لے گئے (۱۱۳۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء میں) اور وہیں دارالعلوم کانپور مسجد رنگیان میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور متوسطات سے فضیلت تک کی کتابیں اسی دارالعلوم میں پڑھیں اور یہیں سے فراغت حاصل کی۔

جنت الانوار (مرتبہ: حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب گڑھولویؒ) وغیرہ میں حضرت گڑھولویؒ کی تعلیم وفراغت کو مدرسہ فیض عام کانپور سے منسوب کیا گیا ہے، لیکن تاریخی طور پر یہ بات درست نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء) میں ہی مدرسہ فیض عام سے علٰحدہ ہو چکے تھے اور مسجد رنگیان نئی سڑک (چھوٹا بوچڑ خانہ) میں اپنا مدرسہ ''دارالعلوم کانپور'' کے نام سے قائم کرلیا تھا، جہاں وہ زندگی کے آخری لمحات تک فائز رہے۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق اس حقیر کی تالیف ''تذکرۂ حضرت آہؒ'' میں حضرت مولانا عبدالشکور آہؔ کی تعلیم کی بحث میں ملاحظہ فرمائیں (تذکرۂ حضرت آہ'' ص ۲۵۰ تا ۲۷۵)۔

حضرت گڑھولویؒ نے روحانی تعلیم شیخ المشائخ حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ (متوفی ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء) سے حاصل کی اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء میں تقریباً تیس (۳۰) سال کی عمر میں آپ کی شادی موضع محی الدین نگر ضلع سمستی پور (قدیم ضلع دربھنگہ) میں حضرت مولانا سید عبدالغنیؒ (تلمیذ حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ وخلیفۂ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ) کی صاحبزادی سے ہوئی (جنۃ الانوار مرتبہ حضرت مولانا محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ ص ۵ تا ۳۰)

حضرت گڑھولویؒ کا قیام ساری زندگی گو کہ ایک انتہائی پسماندہ دیہات میں رہا، لیکن آپ کے ذریعہ صوبۂ بہار میں سلسلۂ نقشبندیہ کو بڑا فروغ ہوا، بڑے صاحب کرامات وتصرفات تھے، آپ کی خانقاہ مرجع خلائق تھی، علماء ومشائخ اور عوام وخواص ہر طرح کے لوگ وہاں حاضر ہوتے تھے، خاص طور پر رمضان المبارک میں آپ کے یہاں طالبین کا ہجوم رہتا تھا، آپ نے مرید تو بہت زیادہ لوگوں کو نہیں کیا، لیکن فیض یافتگان کا حلقہ بہت وسیع تھا، عقیدت مند بھی بے شمار تھے، کئی غیر مسلموں کو بھی آپ کے دست مبارک پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، جن میں بعض حضرات روحانی طور پر بڑے صاحب مقام ہوئے، ان میں حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ (مہاجر کراچی) اور حضرت شاہ عبداللہؒ (مقام پروہی ضلع مدھوبنی بہار) بطور خاص قابل ذکر ہیں، یہ دونوں بزرگ اپنے اپنے حلقہ کے عظیم مرشد ورہنما گذرے ہیں۔

حضرت گڑھولویؒ کا سلسلۂ رشد وہدایت آپ کے وصال کے بعد آپ کے نامور صاحبزادگان حضرت مولانا حافظ ==

حضرت منوروی کی روحانی شخصیت پر ایک نظر

آستانۂ حضرت گڑھولوی تک پہونچنے سے قبل

حضرت گڑھولوی کی پر فیض شخصیت آپ کے لئے اجنبی نہیں تھی ،بچپن سے ہی ان کا اسم گرامی گھر میں سنتے آئے تھے،اس لئے کہ اس گھر سے حضرت گڑھولوی کا دوہرا رشتہ تھا،آپ کے جد امجد حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ ان کے استاذ اور مربی تھے اور والد ماجد حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری ان کے رفیق درس اور پھر مرید صادق بھی ہوئے ،اس لئے عجب نہیں کہ دادا بزرگوار کی حیات طیبہ میں بھی بچپن میں حضرت گڑھولوی کو آپ نے اپنے گھر آتے جاتے دیکھا ہو،لیکن دادا کے وصال کے بعد آپ کے ساتھ جو حالات پیش آئے اور نانا محترم حضرت مولانا سید شاہ امیر الحسن قادری کے زیر سایہ ایسے دور دراز خطے میں ان کو اپنا آشیانہ بنانا پڑا کہ وہ اپنے والد کے حلقے سے بہت

== محمد ایوب (تاریخی نام محفوظ رحمن (ولادت ۱۳۳۲ھ م ۱۹۱۴ء - وفات ۱۳۶۳ھ م ۱۹۴۴ء)،حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکاؔ ،تاریخی نام منظور الحق (وفات جنوری ۱۹۹۳ء م ۱۴۱۳ھ)،حضرت مولوی محمد ذاکر الرحمن (وفات ۱۱/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۴/ اکتوبر ۱۹۷۸ء)،اور حضرت حافظ حکیم محمد سلمان صاحب (وفات ۹/شوال المکرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۷/ جون ۱۹۸۶ء)-اور خلفاء میں حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جی (متوفی ۱۳/ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۷/ ستمبر ۱۹۵۸ء)اور قطب الہند حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منوروی (ولادت ۱۹۰۱ء م ۱۳۱۸ھ - وفات ۲۸/ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ م ۲/نومبر ۱۹۶۷ء بروز جمعرات) سے جاری ہوا۔

البتہ تقسیم ہند کے موقعہ پر حضرت پنڈت جی کی ہجرت پاکستان کے بعد یہ سلسلہ تنہا حضرت منوروی کی انفاس قدسیہ کی بدولت فروغ پایا،اور آپ اس سلسلہ کے سب سے بڑے مرجع و ماویٰ قرار پائے فرحمہ اللہ۔

حضرت گڑھولوی کا سانحۂ وفات ۱۹/محرم ۱۳۵۴ھ م ۲۲/اپریل ۱۹۳۵ء روز چہارشنبہ گذار کر بیسویں محرم کی شب قریب دو بجے پیش آیا،انا للہ وانا الیہ راجعون ۔نماز جنازہ کی وصیت آپ نے حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری کے لئے کی تھی ،مگر حضرت مظفر پوری کے بروقت نہ پہونچ پانے کی بنا پر جنازہ کی نماز حضرت گڑھولوی کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا محمد ایوب صاحب نے پڑھائی (تفصیل کے لئے دیکھئے ’’تذکرۂ حضرت آہ‘‘ص ۳۴۲،۳۴۳)

حضرت گڑھولوی تین بھائی تھے،بڑے بھائی کا نام ’’محمد فرخ حسین‘‘ تھا،آپ درمیان میں تھے،اور چھوٹے بھائی کا نام ’’محمد لطافت کریم‘‘ تھا(حاشیہ ۲ جنت الانوار ص ۲۲۵ طبع ثالث)

دور ہو گئے (۲۹۵) اسی کا نتیجہ تھا کہ جدامجد نے اپنے پوتے کے باطن میں نقشبندیت کا جو تخم ڈالا تھا، اور روحانیت کے جس سفر کا آغاز کرایا تھا، وہ درمیان میں ہی رہ گیا، اور ابھی یہ سفر پورا بھی نہ ہوا تھا کہ دوسری طرف نانا بزرگوار کے زیر تربیت سلسلۂ قادریہ کا سفر شروع ہو گیا، اور آپ نے چھ سات سال کی طویل مدت میں سلوک قادریہ کے مقامات طے کئے اور قریب بیس اکیس (۲۰) سال کی عمر میں اپنے نانا بزرگوار کے مجاز اور جانشین ہوئے۔

☆ نانا بزرگوار کے وصال کے بعد خوش قسمتی سے حضرت شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ کی بارگاہ تک رسائی نصیب ہوگئی، اور نقشبندیت کا ادھورا سفر دوبارہ شروع ہوا، جو پیر و مرشد کی نگرانی میں مسلسل چھ سات ماہ جاری رہا، آپ کی فطری صلاحیت و استعداد کے پیش نظر غالب گمان یہی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی صحبت میں رہتے ہوئے آپ نے مقامات نقشبندیہ طے کر لئے تھے، اور اس راہ میں آپ

(۲۹۵) البتہ نانا بزرگوار کے وصال اور سن کمال پر آنے کے بعد حضرت منورویؒ نے اس فاصلے کو ختم کر دیا تھا، اپنے خاندان سے ہمیشہ مراسم رکھے، خوشی و غم میں تشریف لے جاتے تھے، کئی افراد خاندان آپ سے روحانی طور پر منسلک ہوئے خود والد صاحب کی خدمت میں بھی ہمیشہ آپ کی حاضری ہوتی تھی، والد صاحب کا قیام وصال سے ایک سال قبل تک زیادہ تر مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں رہا، تو پٹنہ تشریف لے جاتے تھے، اس دور کے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے طالب علم اور حضرت مولانا عبدالشکور آہ کے شاگرد رشید جناب مولوی جنت حسین صاحب حیات پوریؒ (نزد شکر پور، سابق اردو ٹیچر سنگھوارہ ہائی اسکول جو بعد میں حضرت منورویؒ سے منسلک ہو گئے تھے) نے بیان کیا کہ میرے زمانۂ طالب علمی میں کئی بار حضرت منورویؒ اپنے والد ماجد سے ملاقات کے لئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ تشریف لائے، گو کہ والد صاحب کی طرف سے ان کو خاطر خواہ التفات نہیں ملتا تھا، لیکن اس سے ان کے معمول میں کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، وہ سلام کر کے واپس تشریف لے جاتے تھے،

یہ بات مجھ سے محترم پروفیسر جناب محمد علی نیازی صاحب مدظلہ (پروفیسر جنداہا کالج، مظفر پور) نے نقل فرمائی، مولوی جنت حسین صاحب بچپن میں نیازی صاحب کے اتالیق رہ چکے تھے، اور آخر عمر تک ان سے تعلقات رہے، خاص طور پر حضرت منورویؒ سے وابستہ ہو جانے کے بعد یہ تعلق اور بھی گہرا ہو گیا تھا، نیازی صاحب بھی حضرت ہی سے بیعت ہیں، وہ حضرت کے ہاتھ پر بتاریخ ۲۱/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸/ ستمبر ۱۹۶۵ء بروز سنیچر اپنے آبائی وطن پیغمبر پور، علاقہ سنگھواڑہ ضلع دربھنگہ میں بیعت ہوئے، حضرت سے عشق اور فنائیت کی حد تک تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے براہ راست بھی یہ بات کہی اور اپنی ایک یادداشت بھی لکھ کر بھیجی ہے (یادداشت جناب محمد علی نیازی صاحب ص ۱، ۳)

واضح رہے کہ درمیان میں حضرت مظفر پوریؒ کو اپنے صاحبزادہ سے کچھ بعد ہو گیا تھا، جس کا تذکرہ جنت الانوار کے ایک خط میں ملتا ہے، لیکن بعد میں انہوں نے اپنا دل صاف اور اپنا رویہ درست کر لیا تھا۔

نے کمال کی منزل بھی پالی تھی، اس لئے کہ شاہ صاحبؒ کا یہ ملفوظ پہلے نقل کیا جاچکا ہے کہ

''جو طالب چھ (۶) ماہ ہمارے پاس ارادت کے ساتھ رہ جائے امید ہے کہ اس پر راہ ہدایت کھل جائے گی'' (۲۹۶)

☆ حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کے وصال کے بعد والدہ ماجدہ کے ایماء پر حضرت شاہ عبید اللہ قادری پھلواروی ؒ (ولادت ۹/ جمادی الثانیہ پنجشنبہ ۱۲۹۴ھ مطابق ۲۱/ جون ۱۸۷۷ء وفات ۳/ شعبان ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۵/ جنوری ۱۹۲۹ء) کی خدمت میں تشریف لے گئے اور قادریہ کی دوسری نسبت وہاں سے حاصل ہوئی (جس کی تفصیل گذر چکی ہے)

جد امجد سے لے کر حضرت شاہ عبید اللہ قادریؒ تک ان چاروں مشائخ کی صحبت وخدمت، شفقت وعنایت اور آپ کی محنت وریاضت نے آپ کے باطن کو مجلّٰی اور مصفّٰی کر دیا تھا، اور آپ سلوک کے مقامات ومدارج طے کرتے ہوئے ولایت ونسبت کے مرتبۂ اعلیٰ پر فائز ہو چکے تھے، کئی مشائخ کی جانب سے آپ صاحب اجازت ہو چکے تھے، اور آپ کی بیعت وارادت کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا (۲۹۷)، اور آپ

---

(۲۹۶) مقامات خیر ص ۴۹۶، مصنفہ حضرت مولانا علامہ شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلویؒ، ناشر: شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ۲۰۱۰ء۔

(۲۹۷) اس کی کئی مثالیں میرے علم میں ہیں، مثلاً جناب شاہ اصغر علی صاحب (م ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء منورواشریف)

☆ ان کے علاوہ پورنیہ کے علاقے میں حضرت منورویؒ کا مطب قریب ۱۹۳۰ء سے ہی قائم ہو گیا تھا، اور اسی زمانے سے چند مخصوص مریدین بھی تھے، مثلاً جناب حاجی نعیم صاحب مرحوم (م ۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۵/ جنوری ۲۰۰۴ء) رئیس موضع بذر گاؤں ضلع کٹیہار بہار

☆ نیز حضرت گڑھولویؒ سے اجازت وخلافت کے بعد بھی دوسرے سلاسل میں بیعت کا سلسلہ کلیتاً متروک نہیں ہوا، جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب مرحوم (ولادت ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء- وفات ۵/ اپریل ۲۰۲۰ء مطابق ۱۰/ شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ) رئیس کملپور (سابق ضلع پورنیہ) اتر دیناجپور کو ۱۹۵۸ء میں آپ نے سلسلۂ چشت اہل بہشت میں بیعت فرمایا، خدام نے دریافت کیا کہ حضرت! محفوظ کو کس سلسلہ میں بیعت کیا؟ تو آپ نے چشتیہ کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا کہ ان کے آباء واجداد چشت اہل بہشت سے منسلک رہے ہیں (یہ بات مجھ سے خود حاجی صاحب کے علاوہ میرے والد صاحب نے بھی نقل کی ہے) جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب کے دادا مولوی بہادر علی صاحبؒ خطۂ پورنیہ کے معروف چشتی بزرگ حضرت مولانا عبد الحفیظ رحمن پوریؒ (م ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء) کے مجاز وخلیفہ تھے۔

☆ اسی طرح جناب الحاج نذیر احمد صاحب (ولادت ۱۹۲۴ء/ ۱۳۴۲ھ وفات ۳/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۷۸ء) (موضع اکڈنڈی پریہار ضلع سیتامڑھی) کو سلسلۂ شاذلیہ میں بیعت فرمایا، اور وہ اجازت وخلافت ==

کے فیوض روحانی کا دائرہ بہار سے بنگال تک پھیل چکا تھا، بظاہر اب کسی پیر طریق کی طرف رجوع کا کوئی ارادہ نہیں تھا، حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ باحیات تھے، اور والد ماجد کے ان سے منسلک ہونے کا بھی ان کو یقیناً علم تھا، رفیق درس تو تھے ہی، غائبانہ عقیدت ومحبت بھی بلاشبہ رہی ہوگی، لیکن اس پورے عرصہ میں کبھی وہ حضرت گڑھولویؒ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔

حضرت گڑھولویؒ کی بارگاہ تک پہونچنے کا سبب

لیکن ایک اتفاقی واقعہ نے آپ کو حضرت گڑھولویؒ کے آستانہ تک پہونچایا، وہ واقعہ کیا تھا، اس کے لئے دوروایتیں بیان کی جاتی ہیں، ممکن ہے دونوں چیزیں پیش آگئی ہوں:

☆ایک روایت یہ ہے کہ اپنے والد ماجد کو راضی کرنے کی سفارش کے لئے وہ حضرت گڑھولویؒ کے پاس گئے تھے---والد صاحب کیوں ناراض تھے؟ اس کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوسکی، اس لئے کہ صغرسنی ہی میں وہ والد کے گھر سے علاحدہ ہوچکے تھے، اور ان کی پوری کفالت وتربیت نانا جان نے کی تھی۔

لیکن کہا جاتا ہے کہ حضرت منورویؒ شغل حکمت کی بنا پر قارورہ وغیرہ چیک کرتے تھے، یہ بات ان کے والد گرامی کو پسند نہیں تھی---مگر یہ تو حکمت وطب کے پیشے کی مجبوری تھی، خود آپ کے دادا بھی حکیم تھے، اور باقاعدہ مطب کا شغل فرماتے تھے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ آپ اولیاء اللہ کے مزارات پر بکثرت تشریف لے جاتے تھے،

== سے بھی سرفراز ہوئے، گو کہ ان کے داماد مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ نے ان کو نقشبندی مجددی لکھا ہے، اور حضرت منورویؒ سے اجازت وخلافت کا بھی ذکر کیا ہے، (ارواح طیبہ ص ۳۳۹، ۳۴۰ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ، ناشر مکتبہ عزیزیہ جنک پور روڈ سیتامڑھی بہار، ۱۴۱۴ھ) جس سے بظاہر یہی متبادر ہوتا ہے کہ سلسلۂ نقشبندیہ کی ان کو اجازت دی گئی تھی، لیکن میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم نے مجھ سے فرمایا کہ میرے سامنے والد ماجد (حضرت منورویؒ) نے ان کو سلسلۂ شاذلیہ کی اجازت دی تھی، ممکن ہے کہ نقشبندیہ اور شاذلیہ دونوں کی ان کو اجازت حاصل ہو۔

☆اسی طرح حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (م ۱۹۵۷ء) کے بہت سے مریدین حضرت مدنی کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ کی طرف رجوع ہوئے، اور آپ نے ان کو ان کے شیخ کے مطابق سلسلۂ چشتیہ کی تعلیم دی۔

یہ تمام واقعات اس بات کے لئے طاقتور دلیل ہیں کہ حضرت منورویؒ کا فیضان روحانی حضرت گڑھولویؒ کے سلسلہ نقشبندیہ تک محدود نہیں تھا۔

آپ کے والد ماجدؒ اس کے خلاف تھے (۲۹۸)۔ لیکن یہ بھی بعید از صواب ہے، اس لئے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری ناجائز نہیں ہے (۲۹۹)۔

بہر حال وجہ جو بھی ہو والد کی فی الجملہ ناراضگی کا پتہ حضرت گڑھولویؒ کے ایک مکتوب سے چلتا ہے، جو حضرت نے آپ کے والد گرامی قدر حضرت مظفر پوریؒ کو تحریر فرمایا تھا، لکھتے ہیں:

''آپ کے فرزند محل اولیٰ مسمیٰ احمد حسن دو بار مجھ سے ملاقات کر چکے ہیں، درود شریف وختم مجددیہ کی اجازت بھی لی ہے، اور بہت الحاح کے ساتھ مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ والد

---

(۲۹۸) یہ دونوں وجوہات میرے والد ماجد نے نقل کی ہیں۔

(۲۹۹) دیکھئے شامی: **مطلب في زيارة القبور قوله (وبزيارة القبور) أي لا بأس بها بل تندب كما في البحر عن المجتبى فكان ينبغي التصريح به للأمر بها في الحديث المذكور كما في الإمداد وتزار في كل أسبوع كما في مختارات النوازل قال في شرح لباب المناسك إلا أن الأفضل يوم الجمعة والسبت والاثنين والخميس فقد قال محمد بن واسع الموتى يعلمون بزوارهم يوم الجمعة ويوما قبله ويوما بعده فتحصل أن يوم الجمعة أفضل اه وفيه يستحب أن يزور شهداء جبل أحد لما روى ابن أبي شيبة أن النبي كان يأتي قبور الشهداء بأحد على رأس كل حول فيقول السلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار والأفضل أن يكون ذلك يوم الخميس متطهرا مبكرا لئلا تفوته الظهر بالمسجد النبوي اه قلت استفيد منه ندب الزيارة وإن بعد محلها۔**

وهل تندب الرحلة لها كما اعتيد من الرحلة إلى زيارة خليل الرحمن وأهله وأولاده وزيارة السيد البدوي وغيره من الأكابر الكرام لم أر من صرح به من أئمتنا ومنع منه بعض أئمة الشافعية إلا لزيارته قياسا على منع الرحلة لغير المساجد الثلاث ورده الغزالي بوضوح الفرق فإن ما عدا تلك المساجد الثلاثة مستوية في الفضل فلا فائدة في الرحلة إليها وأما الأولياء فإنهم متفاوتون في القرب من الله تعالى ونفع الزائرين بحسب معارفهم وأسرارهم قال ابن حجر في فتاويه ولا تترك لما يحصل عندها من منكرات ومفاسد كاختلاط الرجال بالنساء وغير ذلك لأن القربات لا تترك لمثل ذلك بل على الإنسان فعلها وإنكار البدع بل وإزالتها إن أمكن اه قلت ويؤيد ما مر من عدم ترك اتباع الجنازة وإن كان معها نساء ونائحات تأمل قوله (ولو للنساء) وقيل تحرم عليهن والأصح أن الرخصة ثابتة لهن بحر (حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۲ ص ۲٤۲

ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8)

بزرگوار سے بطریق کلمۃ الخیر سفارش کردیویں کہ وہ مجھ سے راضی ہوجائیں، مجھ کو حقیقت حال سے گرچہ واقفیت نہیں ہے، لیکن امید بحکم **وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** (۳۰۰) آپ نظر بزرگوارانہ سے ان کو ہم آغوش فرمادیں والسلام''(۳۰۱)

حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکا گڑھولوی ؒ نے اس خط پر حاشیہ لکھا ہے کہ: ''مکتوب الیہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ کا خط اس کے جواب میں آیا کہ حضور کے حکم عالی کے مطابق میں ان سے راضی اور خوش ہوگیا'' (۳۰۲)

حضرت امیر شریعت خامس بہار واڑیسہ مولانا عبدالرحمن صاحبؒ نے اپنے استاذ محترم (حضرت آہ مظفر پوریؒ) کے حوالے سے حقیر راقم الحروف کے سامنے (بمقام مدرسہ سراج العلوم سیوان، وبمکان ڈاکٹر غلام رسول خانؒ دربھنگہ) ایک سے زائد بار بیان فرمایا (جس میں ایک بار ڈاکٹر غلام رسول خان کے مکان واقع بھیل بھدرپور، لہریا سرائے دربھنگہ میں میرے والد ماجد اور بعض دوسرے حضرات بھی موجود تھے) کہ:

حضرت گڑھولویؒ کے اس خط کے جواب میں حضرت مولانا عبدالشکورؒ کو جولکھنا تھا لکھا، پھر جب ان کی حاضری گڑھول شریف ہوئی تو حضرت گڑھولویؒ نے حضرت آہؒ سے ارشاد فرمایا:
''آپ کے فرزند احمد حسن پیدائشی ولی ہیں، ان سے ہرگز ناراض نہ ہوں'' (۳۰۳)

دوسرا محرک

☆ حضرت گڑھولویؒ سے ملاقات کے محرک کے بارے میں دوسری روایت میرے والد ماجد (مولانا محفوظ الرحمن صاحب) نے یہ نقل فرمائی کہ حضرت منورویؒ کو جگر میں تکلیف تھی، جس کی وجہ سے بھوک نہیں لگتی تھی، اور دوا علاج کے باوجود آرام نہیں ہوتا تھا، تو دعا کی غرض سے گڑھول شریف حاضر ہوئے اور اپنے مرض کی کیفیت بیان کی، حضرت نے آپ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ ''کوئی

---

(۳۰۰) سورۃ النور: ۲۲

(۳۰۱) جنۃ الانوار مکتوب ۴۳ ص ۲۴۰، طبع اول

(۳۰۲) جنۃ الانوار مکتوب ۴۳ ص ۲۴۰، حاشیہ نمبر: ۲، طبع اول

(۳۰۳) تذکرہ حضرت آہ ص ۳۳۹، ۳۴۰ پر بھی یہ واقعہ میں نے نقل کیا ہے۔

مرض نہیں ہے، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا'' حضرت منورویؒ حکیم تھے، دل ہی دل میں خیال کیا کہ'' حکیم میں ہوں اور یہ فرماتے ہیں کہ کوئی مرض ہی نہیں ہے'' حضرت گڑھولویؒ پر یہ بات منکشف ہوگئی، حضرتؒ نے فرمایا'' میں نے بھی حکمت پڑھی ہے''

مجلس برخواست ہوئی اور شب میں قیام کے بعد صبح آنکھ کھلی تو پیٹ کی تکلیف زائل ہو چکی تھی، پہلے بھوک ہی نہیں لگتی تھی، اب سخت بھوک لگی، حضرت گڑھولویؒ نے بڑی شفقت کے ساتھ آپ کو ناشتہ کرایا اور رخصت کیا حضرتؒ کی اس کرامت وعنایت سے آپ بے حد متأثر ہوئے، اور یہی اثر انگیزی رفتہ رفتہ محبت وارادت میں تبدیل ہوگئی (۳۰۴)

بہر حال حضرت گڑھولویؒ کے یہاں حاضری کا محرک جو بھی ہو، اس قدر طے ہے کہ آپ حضرت گڑھولویؒ کے یہاں بیعت وارادت کی غرض سے نہیں گئے تھے۔

حضرت گڑھولویؒ سے بیعت کا واقعہ

حضرت گڑھولویؒ سے اپنی بیعت کا قصہ ایک بار حضرت منورویؒ نے خود ہی بیان فرمایا، جس کے راوی جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (ساکن پیغمبر پور ضلع دربھنگہ، مقیم حال محلہ چندوارہ مظفر پور) ہیں جو اس سفر میں بحیثیت خادم آپ کے ہمراہ تھے کہ:

''میں حضرت گڑھولویؒ کی خدمت میں بالکل خالی الذہن حاضر ہوا تھا، بیعت وغیرہ کا کوئی خیال نہیں تھا، کہ اچانک حضرت گڑھولویؒ نے ارشاد فرمایا: احمد حسن! تم بیعت ہو گے؟ کیا ہم پر یقین آئے گا؟ میں نے (تحیر وسکتہ کے عالم میں) عرض کیا، جی! --حضرت گڑھولویؒ نے ہاتھ بڑھایا اور میں نے بھی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیا، اور بیعت ہو گئے''

''اس موقعہ پر حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت گڑھولویؒ نے ہاتھ پکڑ کر کل انیس (۱۹) اشخاص کو بیعت کیا تھا، اور میں انیسواں شخص تھا''

یہ بات حضرت منورویؒ نے مظفر پور سے قریب ایک بستی ''ڈرھول'' میں جناب ولی الرحمن صاحب عرف پچکوڑی کے مکان پر ارشاد فرمائی۔ ولی الرحمن صاحب نے اپنی اہلیہ کے علاج کے لئے حضرت کو بلایا تھا، اور حضرت براہ پیغمبر پور کٹھلیا ہوتے ہوئے کچے پکے راستے پر جناب محمد علی نیازی صاحب کے ہمراہ رکشہ کے ذریعہ ان کے گاؤں (ڈرھول) تشریف لے گئے تھے، اسی سفر میں جناب ولی الرحمن

(۳۰۴) تذکرہ حضرت آہ ص ۱۴۱۳ حاشیہ ۲۸۸۔

صاحب اور گاؤں کے کئی اصحاب داخل سلسلہ ہوئے اور حضرت نے ان کو ذکر اسم ذات کی تلقین فرمائی (۳۰۵)۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت منورویؒ حضرت گڑھولویؒ کے مرید سے زیادہ مراد تھے، آئندہ یہ سلسلۂ گڑھول چونکہ حضرت منورویؒ کے ذریعہ جاری اور ساری رہنا اللہ پاک کو منظور تھا، اور حضرت گڑھولویؒ کی قوت کشفیہ نے غالباً اس کا ادراک کر لیا تھا، اس لئے باشارۂ ربانی خود ہی اپنی یہ امانت حضرت منورویؒ کے حوالے فرمادی۔

بیعت کی تاریخ

یہ واقعہ کب کا ہے؟ اور کس تاریخ میں آپ بیعت ہوئے؟ اس کا کوئی تذکرہ کہیں نہیں ملتا، لیکن اندازہ یہ ہے کہ حضرت منورویؒ کی گڑھول شریف سے روحانی وابستگی حضرت شاہ عبید اللہ قادریؒ کے وصال (۱۹۲۹ء) کے کچھ عرصہ بعد تقریباً ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء میں ہوئی ہوگی، اور آخری چند سال حضرت گڑھولویؒ کی صحبت عالیہ سے آپ کو مستفیض ہونے کا موقعہ ملا، حضرت گڑھولویؒ اس لحاظ سے آپ کے پانچویں شیخ ہیں، نقشبندیت کی تعلیم آپ حاصل کر چکے تھے، مقامات بھی طے کر چکے تھے، حضرت گڑھولویؒ کی صحبت نے اس میں جلا پیدا کی بہت سی نئی جہتیں روشن ہوئیں، اور اس سلسلہ کے فیوض خاصہ سے مستفید ہوئے، حضرت گڑھولویؒ نے آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، خاص طور پر سلسلۂ گڑھول کی امامت وسیادت اور قطبیت آپ کے سپرد کی گئی (۳۰۶)۔

---

(۳۰۵) یادداشت قلمی جناب محمد علی نیازی صاحب ص ۲۔

(۳۰۶) میرے والد ماجد نے نقل فرمایا کہ ایک بار ہم لوگ ایک قافلے کے ساتھ جس میں جناب آڈیٹر مظہر الحق صاحبؒ (برہروا ضلع سیتامڑھی بہار)، جناب سلطان احمد خان صاحب ابن ڈاکٹر غلام رسول خان صاحب (دربھنگہ) وغیرہ شریک تھے، حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ (نستہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوئی کہ حضرت منورویؒ کو حضرت گڑھولویؒ سے براہ راست اجازت وخلافت تھی یا نہیں؟، مولانا محمود صاحبؒ نے تقریباً ایک گھنٹہ تک اس موضوع پر روشنی ڈالی اور اس بات کو ثابت کیا کہ حضرت منورویؒ کو بلاشبہ حضرت گڑھولویؒ سے اجازت وخلافت حاصل تھی---

جناب مظہر الحق صاحب نے یہ پوری گفتگو ٹیپ کی تھی، مگر وہ ریکارڈ غالباً بہت دنوں محفوظ نہیں رہ سکا۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ سلسلۂ گڑھول کے ان لوگوں میں ہیں جن کو اس سلسلہ کے تینوں اساطین سے شرف زیارت اور استفادہ کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت گڑھولویؒ کے دست حق پرست پر وہ بیعت ہوئے، ==

حضرت گڑھولویؒ کا رنگ- اور فنافی الشیخ

حضرت منورویؒ گوکہ حضرت گڑھولویؒ کے پاس اخیر میں پہونچے لیکن بہت سے سابقین پر بھی سبقت لے گئے، حضرت گڑھولویؒ سے آپ کو وہ رابطۂ خاصہ اور تعلق خاطر پیدا ہوا اور ان کا رنگ آپ پر اس قدر گہرا ہوا کہ ''من تو شدم تو من شدی'' والی کیفیت پیدا ہوگئی، ظاہر و باطن ہر لحاظ سے فنافی الشیخ کی عملی تصویر بن گئے، اور آپ نے اس امانت کو اتنی ذمہ داری کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہونچایا اور اس کو فروغ دیا کہ اس سے بہتر ممکن نہیں تھا، اپنی تواضع، سادگی، مسکنت اور بے نفسی کے باوجود سلسلۂ گڑھول کے مرجع الکل کی حیثیت آپ کو حاصل ہوئی، اس کے بعد حضرت منورویؒ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اسی نسبت کے فروغ و اشاعت کے لئے صرف کیا، آپ حضرت گڑھولویؒ کو ''اعلیٰ حضرت'' کہتے تھے (۳۰۷) جبکہ حضرت شاہ نور اللہؒ حضرت گڑھولویؒ کو ''بادشاہ'' کہتے تھے۔

حضرت گڑھولویؒ کے بعد---

حضرت گڑھولویؒ کے وصال (۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) کے بعد دو اہم ترین کام تھے جن کی تکمیل اللہ پاک نے حضرت منورویؒ سے کرائی:

سلسلۂ گڑھول کی اشاعت و استحکام- حضرت منورویؒ کا عظیم کارنامہ

(۱) پہلا کام سلسلہ کی اشاعت اور استحکام، بلاشبہ حضرت گڑھولویؒ کے بعد آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی شخصیت پورے حلقہ کے لئے مرکز عقیدت تھی، خود حضرت منورویؒ بھی آپ کے معتقدین اور خوشہ چینوں میں شامل تھے۔

حضرت شاہ نور اللہؒ کا زمانہ

لیکن ان کا عہد سخت سیاسی انتشار کا تھا، ہر طرف افراتفری مچی تھی، مسلمانوں میں اپنے مستقبل کے تعلق سے بے شمار خدشات تھے، ایک بے یقینی کی کیفیت تھی، لوگ ذہنی اور فکری اضطراب میں

== حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی صحبت میں رہے، اور حضرت منورویؒ سے تعلیم و تلقین حاصل کی اور مراتب کمال تک پہونچے، اس لئے مولاناؒ کی شخصیت اس سلسلہ میں ایک محرم راز کی ہے، اور تینوں اکابر سے تعلق ہونے کی بنا پر ان کی رائے زیادہ متوازن، معتدل، قابل اعتماد اور مبنی بر حقیقت ہے۔

(۳۰۷) بروایت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب، نیز کئی خطوط میں بھی حضرت منورویؒ نے یہ لقب استعمال کیا ہے۔

مبتلا تھے، ایسے موقعہ پر لوگوں کی توجہ معنویت کے بجائے مادیت کی طرف مبذول ہوجاتی ہے، قلب و دماغ ارتکاز کے بجائے انتشار و پراگندگی کا شکار ہوجاتے ہیں، اور علم و روحانیت کے مراکز سونے پڑ جاتے ہیں، خانقاہی ماحول کو جس سکون و قرار اور دلجمعی و یکسوئی کی ضرورت ہے، وہ مفقود ہونے لگتی ہے، حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کا حلقہ بھی اس سے کافی متاثر تھا، خود حضرت پنڈت جیؒ ہجرت کے معاملے میں ایک عرصہ تک مضطرب رہے، ان کے متعلقین میں اتفاق رائے موجود نہیں تھا، حضرت پنڈت جیؒ کی ذاتی رائے ہجرت کے حق میں تھی، بلکہ وہ حضرت گڑھولویؒ کے خانوادہ کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے تھے، لیکن انہی کے حلقے کے بہت سے لوگ اس فیصلے سے مطمئن نہیں تھے، آخر حضرت پنڈت جیؒ نے ہجرت کو ترجیح دی (۳۰۸)، اور آپ کے ساتھ کئی لوگ ہندوستان چھوڑ کر چلے گئے اور روحانیت و اخلاق کی تاریخ کا ایک عظیم باب بند ہوگیا۔

اس طرح حضرت گڑھولویؒ کے وصال (۱۹۳۵ء) سے حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت (۲۷/ دسمبر ۱۹۴۷ء) تک کا زمانہ گو کہ دس بارہ سال کے عرصہ پر محیط ہے، لیکن سیاسی اور ذہنی انتشار کی وجہ سے یہ پوری مدت روحانی اثر آفرینی کے لحاظ سے زیادہ مستحکم نہیں رہی، پھر خود پیر طریق (حضرت پنڈت جیؒ) اور آپ کے مخصوص لوگوں کے یہاں سے چلے جانے کی بنا پر جو کچھ تھا وہ بھی ختم ہوگیا۔

ایسے مشکل وقت میں حضرت منورویؒ کی واحد شخصیت تھی جس نے پورے استقلال کے ساتھ سلسلۂ گڑھول کو سنبھالا، اس کی حفاظت کی، اور بام عروج تک پہونچایا، آپ نے اپنی استقامت، مضبوط نسبت اور طاقتور شخصیت کی بدولت اس سلسلہ کو ہمہ جہت ترقیات اور عظمتوں سے روشناش کیا، اور اس کے دائرۂ اثر کو وسیع سے وسیع تر بنادیا، آج سلسلۂ گڑھول جو کچھ اور جہاں تک ہے، وہ سب کچھ اسی مرد درویش (حضرت منورویؒ) کے فیض باطن کا ثمرہ اور خون جگر کی کرشمہ سازیاں ہیں--- اور یہی وہ

(۳۰۸) جیسا کہ الاکلیل میں جناب عبدالخالق خلیقؔ کے مضمون (ص ۱۴۶ تا ۱۵۳) سے یہ مترشح ہوتا ہے، اس مضمون میں حضرت پنڈت جیؒ کا ایک جملہ نقل کیا گیا ہے:

''خالق بابو! لوگ سمجھتے ہیں کہ میرا در بھنگہ سے دوسری جگہ جانا میرے ایمان کی کمزوری ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ جس ایمان کو میں نے اتنی محنتوں سے حاصل کیا ہے، اس کو باقی رکھنے کے لئے میرا در بھنگہ میں رہنا مناسب نہیں'' (ص ۱۵۳)

اس جملہ سے اس وقت حضرت پنڈت جی کے حلقہ کی کیفیت اور خود حضرت پنڈت جی کے اپنے ذاتی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے،---- اس کے علاوہ کئی غیر تحریری روایات بھی مجھ تک اسی مضمون کی پہونچی ہیں۔

بارامانت ہے جو حضرت گڑھولویؒ نے آپ کے حوالے کیا تھا، اور یہی وہ ذمہ داری تھی جس کے لئے قدرت نے آپ کو گڑھول شریف بھیجا تھا، اس لحاظ سے آپ کی شخصیت پورے سلسلے میں فرد فرید اور مسند و مرکز کی ہے۔

حضرت گڑھولویؒ کی سوانح ومکاتیب کی ترتیب واشاعت

(۲) دوسرا اہم ترین کام حضرت گڑھولویؒ کی سوانح ومکاتیب کی ترتیب واشاعت کا تھا، حضرت کے مکاتیب علوم ومعارف اور اسرار ولطائف کا خزانہ ہیں، حضرت منورویؒ کی خواہش تھی کہ یہ کنز مستو رامت کے سامنے آئے تاکہ اہل طلب اور اصحاب ذوق اس سے فائدہ اٹھائیں، اس کے لئے آپ نے گڑھول سے لے کر کانپور تک پورے حلقہ کو متحرک کیا، اور اس کی اہمیت سے آگاہ فرمایا، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکا صاحبؒ (۳۰۹) اور حضرت حکیم حافظ محمد سلمان صاحبؒ (۳۱۰)، جناب حمید الدین انصاری اور حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا یوسف صاحب کانپوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

---

(۳۰۹) آپ حضرت گڑھولویؒ کے منجھلے صاحبزادے ہیں، آپ کی ولادت ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں گڑھول شریف ضلع سیتامڑھی میں ہوئی، آپ کا تاریخی نام منظور الحق ہے، وفات رجب ۱۴۱۳ھ مطابق جنوری ۱۹۹۳ء میں ہوئی، گڑھول شریف میں اپنے والد ماجد کے جوار میں مدفون ہیں، مدرسہ جامع العلوم کے صدر المدرسین اور صدر مفتی تھے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے، آپ کے فتاویٰ انتہائی اعتماد کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے، آپ وقار و تمکنت، جمال ونور اور محبت و معرفت کا خوبصورت نمونہ تھے، اس دور میں بقیۃ السلف اور حجۃ الخلف کا صحیح مصداق تھے، ان میں کہیں سے بھی تکلف اور تصنع کی نمود نہیں تھی، صدق وراستی کا پیکر اور علم وعمل کا مجسمہ تھے۔

(۳۱۰) آپ حضرت گڑھولویؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے، آپ کی ولادت موضع گڑھول شریف میں رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ/ مارچ ۱۹۲۷ء میں ہوئی، مکتب کی تعلیم کے بعد ایک کہنہ مشق اور تجربہ کار حافظ اویس صاحب کے پاس قرآن کریم حفظ کیا، حفظ کے بعد عربی وفارسی کی تعلیم اپنے برادر گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ سے حاصل کی، پھر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ میں داخلہ لیا، اور ۱۹۵۴ء میں طبی کالج سے فراغت کے بعد گڑھول شریف میں سرکاری حکیم کی حیثیت سے خدمت انجام دی، دور دور سے مریض آتے اور شفایاب ہوتے تھے، امراض نسواں میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی، غرباء ومساکین کا مفت علاج کردیتے تھے۔

بڑے پاک طینت اور عابد ومرتاض تھے، اپنے زہد وتقویٰ کی بنا پر دور دراز تک آپ کی شہرت تھی، گاؤں میں حضرت گڑھولویؒ والی مسجد میں پوری زندگی فی سبیل اللہ امامت کی، آپ نے تعلیم کے میدان میں بھی بڑی خدمت انجام دی ==

یہ خیال کب پیدا ہوا؟

حضرت کو اس کا خیال کب پیدا ہوا صحیح تاریخ کا پتہ نہیں ہے، لیکن اندازہ یہ ہے کہ یہ فکر پوری شدت کے ساتھ اس وقت پیدا ہوئی جب آپ حالات مشائخ نقشبندیہ اور حالات مشائخ چشتیہ مرتب فرما رہے تھے، یہ دونوں کتابیں پورنیہ کے قیام کے دوران لکھی گئی ہیں، اور وہیں کے رؤساء اور اہل خیر کے تعاون سے اس کی طباعت واشاعت عمل میں آئی۔

''حالات مشائخ چشت (غریب نواز)'' ۱۰/نومبر ۱۹۶۱ء کو جہانگیر پریس کشن گنج پورنیہ سے طبع ہوئی (۳۱۱)، اور حالات مشائخ نقشبند اس سے قبل غالباً ۱۹۶۰ء میں (کتاب پر تاریخ درج نہیں ہے) حمیدیہ برقی پریس لہریا سرائے دربھنگہ سے شائع ہوئی (۳۱۲)

ان کتابوں کے مآخذ و مراجع کے لئے آپ نے دہلی کا سفر کیا، غالباً اسی موقعہ پر حضرت نے اپنے مسترشد خاص جناب حاجی منظور احمد صاحب مصرولیاویؒ (م ۱۸/مارچ ۱۹۸۶ء مطابق ۶/رجب المرجب ۱۴۰۶ھ) کو گڑھول شریف بھیجا، تاکہ حضرت کی سوانح کی طرف کوئی پیش رفت کی جاسکے، حاجی منظور صاحبؒ کے نام حضرت منورویؒ کے ایک مکتوب کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

==اکتوبر ۱۹۷۶ء میں مدرسہ اصلاح المسلمین (کریم گنج) جھٹکی وبکھرا ضلع سیتامڑھی کی بنیاد ڈالی اور تاحیات اس کے سرپرست رہے، مسجد کی تولیت، انجمن امداد باہمی کی نگرانی، اور قبرستان کی نگرانی وغیرہ ذمہ داریاں بھی آپ نے بحسن وخوبی انجام دیں، ولایت آپ کو وراثت میں ملی تھی، ولایت کی گود میں آپ کی پرورش ہوئی تھی، والد صاحب کا انتقال بچپن میں ہوگیا تھا، اس لئے والد صاحب کے وصال کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ سے استفادۂ باطنی کیا، لیکن بڑے بھائی بھی عین جوانی میں اکتیس سال (۳۱) کی عمر میں انتقال کرگئے، تو ان کے بعد حضرت مولانا شریف حسین کانپوریؒ (ولادت ۱۹۰۰ء/۱۳۱۸ھ وفات ۱۹۷۵ء/۱۳۹۵ھ) سے رجوع ہوئے، اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، لیکن بہت کم لوگوں کی بیعت لی، ہمیشہ اپنے حالات کا اخفا کیا--- ۱۹۸۲ء میں حج کی سعادت حاصل کی، اور بہت خاموشی کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے، آپ کا وصال ۹/شوال المکرم ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۷/جون ۱۹۸۶ء کو بروز منگل ہوا، اور گڑھول شریف میں اپنے والد بزرگوار کے جوار میں مدفون ہوئے (جنۃ الانوار ص ۶۳، ۶۴ طبع ثالث ☆ تذکرۂ علماء بہار ج ۱ ص ۱۱۵، ۱۱۶ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)

(۳۱۱) کتاب کے ٹائیٹل پر تاریخ طباعت اور پریس کا نام وغیرہ درج ہے۔

(۳۱۲) حالات نقشبندیہ مجددیہ ومظہریہ ص ۲ طبع اول مؤلفہ حضرت مولانا احمد حسن منورویؒ

''عزیزم بابو منظور سلمہ اللہ تعالیٰ

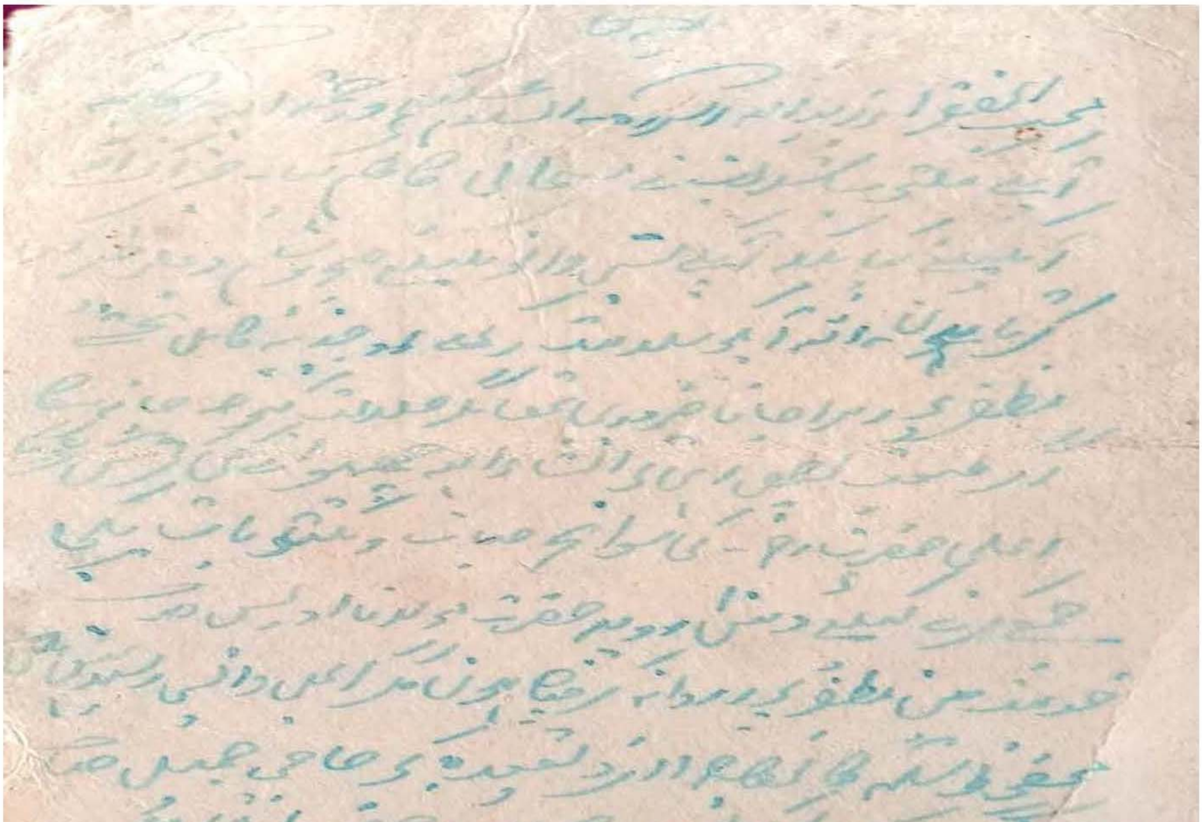
الحمد اللہ آپ کے ذریعہ سے گڑھول شریف کا جانا نہایت ہی سودمند ہوا، اللہ تعالیٰ آپ کو سعادت دارین عنایت فرمائے، ۱۲/محرم کو چار روز کے لئے دہلی جانے کا ارادہ ہے اور ان شاء اللہ ۲۲/محرم تک واپس چلا آؤں گا'' (۷/محرم ۱۳۸۰ھ مطابق یکم جولائی ۱۹۶۰ء)

ضروری اخراجات کا انتظام

حضرت کے ایک خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوانح کی تیاری اور اس کے سفری اخراجات کا بھی آپ نے پیشگی انتظام فرمایا تھا تاکہ صاحبزادگان زیادہ زیر بار نہ ہوں، ۱۹۶۴ء میں حاجی منظور صاحب کے نام ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی سوانح حیات ومکتوبات یکجا جمع کرنے کے لئے دس (۱۰) روپیہ حضرت مولانا ادریس صاحب کی خدمت میں مظفر پور روانہ کرچکا ہوں، مگر ابھی واپسی رسید نہیں ملی''

(مکتوب ۱۹/اپریل ۱۹۶۴ء مطابق ۶/ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ)





حضرت منورویؒ کا مکتوب گرامی حاجی منظور احمد صاحبؒ کے نام

جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (پیغمبر پور، دربھنگہ) (۳۱۳) نے حقیر راقم الحروف سے بیان

(۳۱۳) جناب سید محمد علی نیازی صاحب ایک معزز، زمیندار اور علمی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں، ان کی ولادت ۱۵/ شعبان المعظم ۱۳۶۹ھ مطابق ۲/ جون ۱۹۵۰ء کو بروز جمعہ آبائی وطن پیغمبر پور علاقہ سنگھوارہ ضلع دربھنگہ میں ہوئی، تاریخی نام ''مظفر الحسن'' ہے، والد ماجد (ولادت ۲۹/ ستمبر ۱۹۱۹ء مطابق ۳/ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ بمقام پیغمبر پور) کا مشہور نام نیاز احمد اور تاریخی نام ''مظفر حسن'' تھا، وہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں مناسک حج کی ادائیگی کے بعد ۶/ دسمبر ۱۹۵۵ء مطابق ۱۹/ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو اللہ کے پیارے ہوگئے، جنت المعلیٰ (مکہ معظمہ) میں مدفون ہیں، فرحمہ اللہ۔

دادا کا نام جناب عزیز احمد (ولادت ۲۹/ جنوری ۱۸۹۵ء مطابق ۲/ شعبان المعظم ۱۳۱۲ھ) تھا، حضرت گڑھولویؒ سے بیعت تھے، حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ سے رجوع ہوئے، ان کے کئی خطوط ہمارے پاس محفوظ ہیں، تفصیلی خطوط لکھا کرتے تھے، ان کا وصال ۱۴/ دسمبر ۱۹۷۹ء مطابق ۲۳/ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو پیغمبر پور میں ہوا، مسجد سے متصل مدفون ہیں۔

ان کے آباء واجداد شاہجہاں اور عالمگیر اورنگ زیب کی حکومتوں میں فوجی عہدوں پر فائز رہ چکے تھے، ان کے پاس اس کے کچھ دستاویزی ثبوت بھی موجود ہیں۔==

فرمایا کہ ۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸ / ستمبر ۱۹۶۵ء کو جس دن مجھے اپنے آبائی گاؤں پیغمبر پور علاقہ سنگھواڑہ ضلع دربھنگہ میں حضرت سے شرف بیعت حاصل ہوا، اسی مجلس میں پوسٹ کارڈ منگوا کر حضرت نے حضرت حکیم محمد سلمان صاحبؒ (م ۹ / شوال ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۷ / جون ۱۹۸۶ء) کے نام مجھ سے خط املا کروایا، اور محب ازلی! کے نام سے ان کو مخاطب فرمایا، خط میں حضرت گڑھولویؒ کی سوانح ومکاتیب کے کام میں تیزی لانے کی ترغیب دی گئی تھی، پھر خط پر خود دستخط فرمایا، اور اپنے قلم سے ۲۰ / ستمبر کی تاریخ رقم کی، اور فرمایا کہ کل تو اتوار ہے، ڈاک خانہ پرسوں (۲۰ / ستمبر کو) کھلے گا (۳۱۴)

حضرت منورویؒ کا سفر سرہند و کانپور وغیرہ

حضرت کی تحریک وترغیب بے اثر نہیں رہی، حضرت مولانا ادریس صاحبؒ اور حضرت حکیم محمد سلمان صاحبؒ وغیرہ (جو وقفہ وقفہ سے کانپور تشریف لے جاتے تھے) حضرات گڑھول نے کانپور میں سلسلہ جنبانی شروع کی، اور خطوط حاصل کرنے کی کوشش کی، لیکن اہل کانپور کی طرف سے اس باب میں غیر متوقع طور پر تاخیر اور سرد مہری کا مظاہرہ ہوا، حضرت منورویؒ کو اس کا علم ہوا، تو قدرتی طور پر بے حد رنج پہونچا (۳۱۵)، بالآخر ضعف ونقاہت اور کثرت امراض کے باوجود خود ہی کانپور جانے کا عزم فرمالیا۔

== جناب محمد علی نیازی صاحب اپنے جد امجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ۲۱ / جمادی الثانیہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۸ / ستمبر ۱۸۶۵ء کو حضرت منورویؒ سے بیعت ہوئے، اور بیعت ہوتے ہی اسی مجلس میں لطائف خمسہ جاری ہوگئے، بڑی اچھی حالت ہے، فنافی الشیخ کی نسبت حاصل ہے، شیخ کے وصال کے بعد میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم سے رابطہ رکھتے ہیں، صاحب علم، صاحب بصیرت اور صاحب رائے ہیں، جنداہا (ویشالی، بہار) کالج میں پروفیسر ہیں، اللہ پاک ان کو صحت وسلامتی کے ساتھ تادیر قائم رکھے آمین۔

جناب محمد علی نیازی صاحب کو جنۃ الانوار کی اشاعت سے خصوصی دلچسپی رہی ہے، اس کا ایک مظہر یہ ہے کہ جب اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن پریس میں جارہا تھا تو حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کی خواہش پر جناب محمد علی نیازی صاحب نے بھی دوہزار (۲۰۰۰) روپے کا تعاون پیش کیا تھا، نیازی صاحب نے کہا کہ میرے پیر ومرشد کی خواہش تھی کہ کتاب شائع ہو، اس لئے میں بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہوگیا (یہ معلومات خود جناب نیازی صاحب سے حاصل ہوئی ہیں، حضرت منورویؒ سے متعلق انہوں نے ایک یادداشت بھی میرے پاس بھیجی ہے، جن سے اس کتاب میں استفادہ کیا گیا ہے)

(۳۱۴) قلمی یادداشت محمد علی نیازی ص ۱) یہ باتیں نیازی صاحب نے مجھے فون پر بھی اور بالمشافہہ بتائی ہیں۔

(۳۱۵) جناب محمد علی نیازی صاحب نے مجھ سے نقل فرمایا کہ (۱۹۶۶ء میں) حضرت دربھنگہ تشریف لائے، میں حضرت کے ساتھ تھا، حضرت نے مولانا قاری محمد عثمان صاحب قاسمی امام وخطیب جامع مسجد باقر گنج لہریا سرائے کے یہاں قیام کیا، اس موقعہ پر حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کے رویہ پر آپ نے رنج کا اظہار فرمایا۔

اس سے پیر و مرشد کے ساتھ آپ کے بے پناہ تعلق اور فنائیت کا اظہار ہوتا ہے۔

چنانچہ وفات سے پانچ (۵) ماہ قبل حسب پروگرام بتاریخ ۲۶ / مئی تا ۲۳ / جون ۱۹۶۷ء مطابق ۱۵ / صفر المظفر تا ۱۴ / ربیع الاول ۱۳۸۷ھ آپ نے سرہند شریف کا سفر فرمایا، جس میں حضرت مولانا مفتی ادریس ذکا گڑھولوی (۳۱۶)، حاجی عبدالمنان صاحبؒ بتھا، جناب ابوالبرکات صاحبؒ، حاجی منظور احمد مصرولیاویؒ، اور حاجی ابراہیم مرحوم (منوروا شریف) وغیرہ آٹھ (۸) افراد رفقاء سفر تھے، پروگرام پہلے سے طے تھا کہ تمام لوگ مظفر پور جمع ہوں گے اور وہیں سے بذریعۂ ٹرین کانپور کے لئے روانگی ہوگی، چنانچہ اسی پروگرام کے تحت تمام احباب مظفر پور حاضر ہوئے، اور ادھر حضرت منورویؒ بھی اپنے صاحبزادے (یعنی میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب) کے ہمراہ پاپیادہ بتھان کے لئے روانہ ہوئے، بتھان سے حسن پور کی سواری ملتی تھی، لیکن بتھان سے قبل ''پسھو'' (غیر مسلموں کی ایک بستی) تک پہونچتے پہونچتے آپ کی طبیعت بگڑ گئی، اور پیدل چلنے کی ہمت نہ رہی، وہاں کئی ہندو آپ کے معتقد تھے انہوں نے حضرت کی یہ حالت دیکھی تو کسی دروازے پر آپ کے آرام کا انتظام کیا، اور پھر بالآخر بیل گاڑی کے ذریعہ آپ واپس منوروا واپس تشریف لے آئے، یعنی گویا سفر کا ارادہ مجبوراً ملتوی کر دیا، ادھر تمام احباب مظفر پور میں آپ کے منتظر تھے، حضرت کی آمد میں تاخیر دیکھ کر حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحبؒ اور جناب عبدالمنان (بتھا سیتامڑھی) حسن پور کے لئے روانہ ہوئے،

---

(۳۱۶) اسی سفر میں غالباً حضرت مولانا مفتی ادریس صاحبؒ نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی شان میں اپنا وہ منظوم نذرانۂ عقیدت (۲۶ اشعار پر مشتمل) پیش فرمایا تھا، جو ''کلام ذکا'' میں شائع ہو چکا ہے، اس نظم کے دو تین اشعار میرے والد ماجد اکثر بڑے وجد اور کیفیت کے ساتھ پڑھتے ہیں:

اے مجدد الف ثانی اے شہنشاہوں کے شاہ
ناصیہ فرسا ترے در پر امیر و بادشاہ

یوسفیت نذر زندان عقیدت ہوگئی
احمدیت باعث تکمیل سنت ہوگئی

تشنہ کامان محبت بادہ پیماں بن گئے
آستانہ کے ترے خدام آقا بن گئے

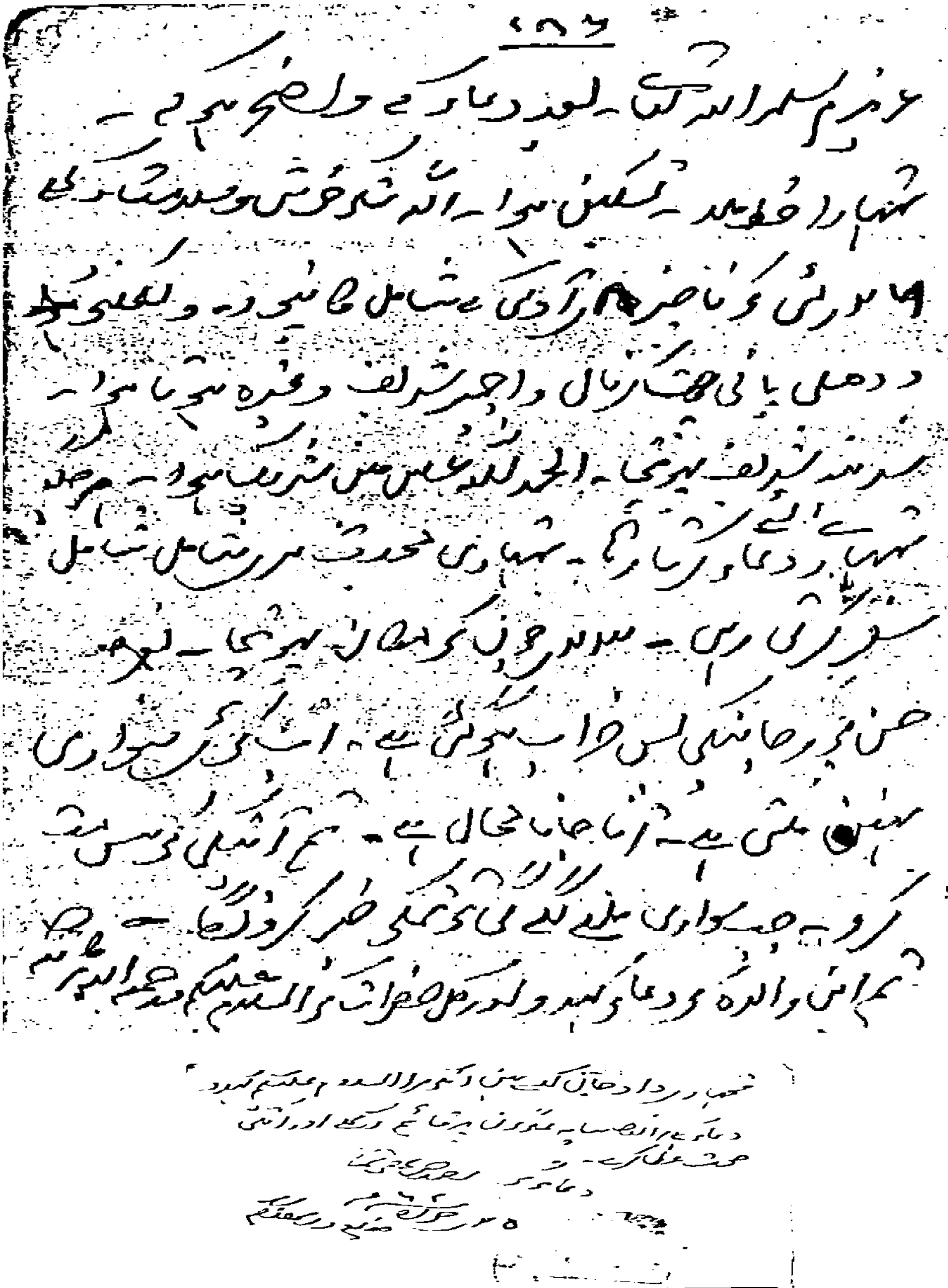
(کلام ذکا ص ۴۸ تا ۵۱ مجموعۂ کلام حضرت ذکاؔ، مرتب مولانا محمد مظہر الحق کریمی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ناشر مولانا محمد جابر حسین قاسمی مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین جھٹکی، سیتامڑھی، ۱۴۱۴ھ)

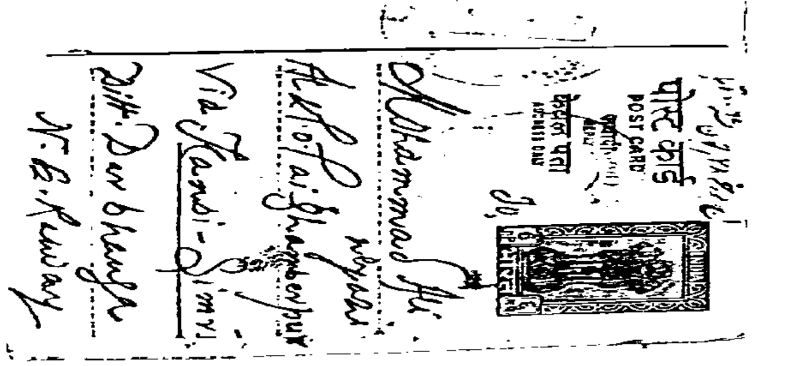
حسن پور پہونچنے پر جب حضرت کا کچھ پتہ نہ چلا تو حاجی عبدالمنان صاحبؒ (جو اس علاقہ میں بارہا سفر کر چکے تھے) نے مولانا ادریس صاحبؒ کو حسن پور کی مسجد میں ٹھہرایا اور خود منوروا کے لئے روانہ ہوئے، حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے کبھی ادھر کا سفر نہیں کیا تھا، اس لئے حاجی عبدالمنان صاحبؒ نے ان کو اس دشوار گذار راستے میں پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا، دن کے چار بجے حاجی عبدالمنان صاحبؒ منوروا شریف حاضر ہوئے، اور ساری صورت حال عرض کی، مولانا ادریس صاحب کے حسن پور پہونچنے کا ذکر سن کر حضرت بے حد پریشان ہو گئے کہ وہ پیرزادہ تھے، اور پھر ان کے بوڑھے جسم میں نہ معلوم کہاں سے جان آ گئی، فوراً کھڑے ہو گئے، سامان تو پہلے سے ہی تیار تھا، عصر کا وقت قریب تھا لیکن آپ اسی وقت روانہ ہو گئے، اور گاؤں سے نکل کر بردونی مدرسہ میں عصر کی نماز ادا فرمائی، اس بڑھاپے، ضعف و ناتوانی اور حالت مرض میں پیرزادہ کا اتنا احترام! اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

حاجی ابراہیم صاحب نے بیل گاڑی کا انتظام کیا، اور ان کے صاحبزادے جناب محمد مسلم صاحبؒ نے گاڑی کی بہلوانی کی، اور حضرت منورویؒ حاجی عندالمنان کے ساتھ حسن پور تشریف لائے، حاجی ابراہیم صاحب پہلے سے سفر سرہند کے لئے تیار نہ تھے، لیکن حضرت کے ایماء پر وہ بھی حسن پور سے ہی شامل ہو گئے، مظفر پور پہونچ کر وہاں سے کانپور کے لئے روانگی ہوئی، اور کانپور اس روحانی قافلہ کا پہلا پڑاؤ بنا (۳۱۷)، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ (صاحبزادہ وسجادہ نشیں) اور دیگر احباب و متعلقین سے گفتگو ہوئی اور تمام حضرات نے اس کام میں تعاون کا وعدہ کیا۔

❁❁❁

(۳۱۷) جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (پیغمبر پور) کے نام حضرت منورویؒ نے اپنے ایک خط (تاریخ رقم ۲۵/ جون ۱۹۶۷ء) میں مذکورہ سفر سرہند کا ذکر کیا ہے، جس میں تاریخ سفر کی بھی صراحت موجود ہے اور آٹھ نفری قافلہ، اور کانپور، لکھنؤ، دہلی، پانی پت کرنال اور اجمیر شریف وغیرہ کا بھی تذکرہ ہے، غالب گمان یہ ہے کہ اسی سفر میں پہلی مرتبہ مجموعۂ مکاتیب (جو بعد میں جنۃ الانوار کے نام سے شائع ہوا) کے مواد اور ترتیب کی طرف پیش رفت کی گئی۔ باقی قافلہ میں شامل افراد، مقاصد اور دیگر تفصیلات کا تذکرہ اس خط میں نہیں ہے، ان کا علم مجھے والد ماجد اور بعض دیگر حضرات سے ہوا۔



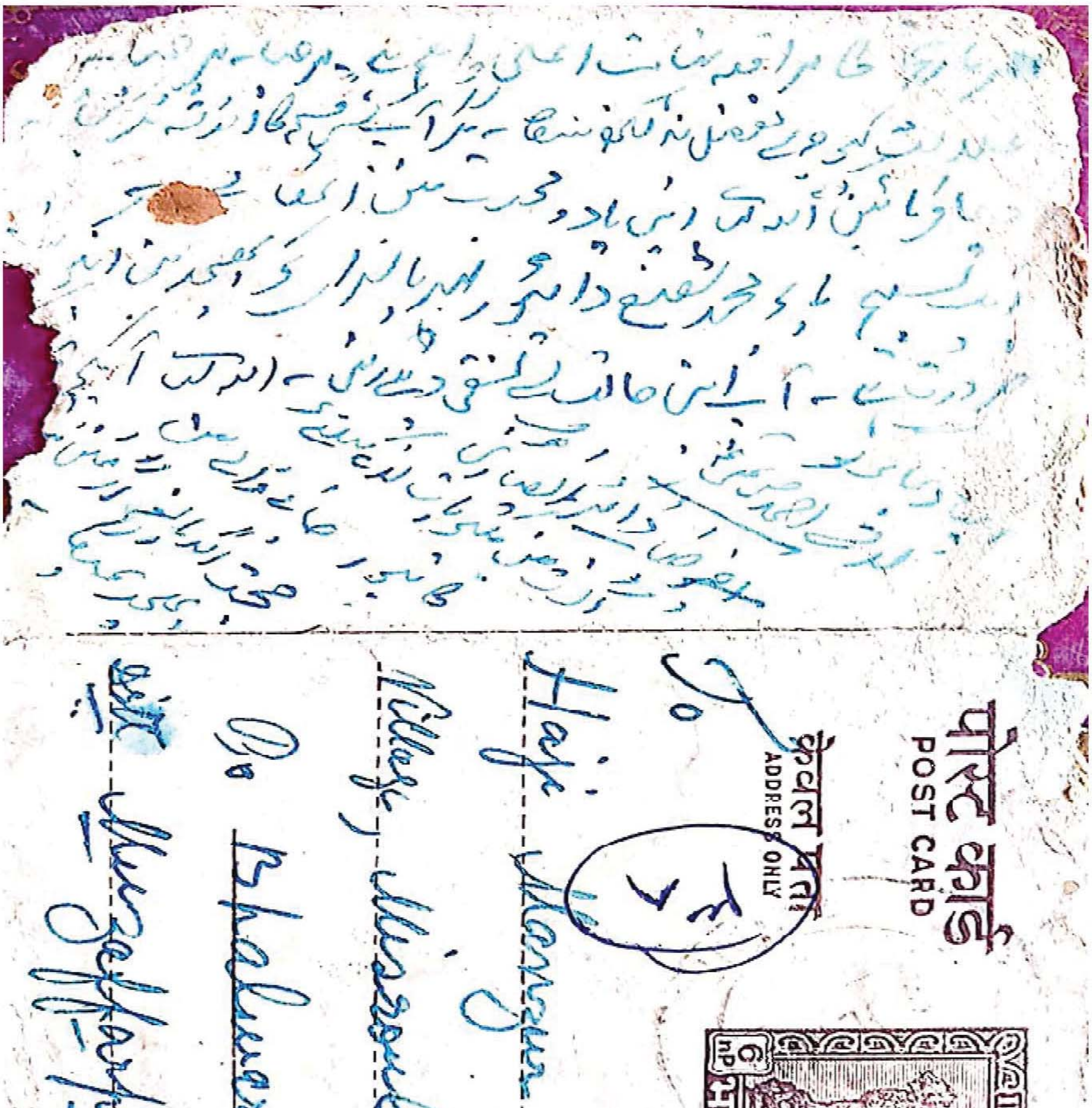


پروفیسر محمد علی نیازی صاحب کے نام حضرت منورویؒ کا مکتوب، جس میں سفر سرہند کا ذکر ہے۔

ظاہر ہے کہ تمام خطوط و کاغذات کا اتنی جلد جمع ہونا ممکن نہیں تھا، پھر ان حضرات کو آگے سرہند تک سفر کرنا تھا، ان کاغذات کو ساتھ ساتھ لئے ہوئے پھرنا بھی مناسب نہیں تھا، حضرت منورویؒ کا ایک خط حاجی منظور صاحبؒ کے نام ہے جس پر تاریخ واضح نہیں ہے، لیکن انداز تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ بالکل آخری دور کی تحریر ہے، اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ کانپور والوں نے اس کے لئے کچھ وقت مانگا تھا، چنانچہ اس کے مطابق دو ماہ کے بعد اگست (۱۹۶۷ء) میں ڈاکٹر حمید الدین انصاری صاحبؒ خطوط لانے کے لئے مستقلاً کانپور تشریف لے گئے، اس میں حضرت منورویؒ نے اطلاع دی ہے کہ:

''جناب ڈاکٹر انصاری صاحبؒ اگست میں مکتوبات لانے کے لئے کانپور جانے والے ہیں''

(دیکھئے ذیل میں اس خط کا عکس)



اس تفصیل اور حضرت منورویؒ کے مذکورہ بالا خطوط سے آپ کی فکرمندی اور اس کام سے براہ راست دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے، افسوس ہے کہ حضرت منورویؒ کے مکاتیب کا بڑا حصہ ضائع ہوگیا، اور آپ کے مخصوص لوگوں کے مکاتیب بھی محفوظ نہ رہ سکے، اگر حضرت کے کچھ اور خطوط میسر ہوجاتے تو تاریخ کی اور بھی نئی جہتیں روشنی میں آسکتی تھیں، **لکن قدر اللہ ماشاء۔**

بہرحال کانپور سے حسب توقع حضرت کانپوریؒ اور دیگر اہل تعلق (۳۱۸) کے نام کے مکاتیب اور سوانحی حالات وواقعات کا خاصا ذخیرہ حاصل ہوا، حضرت گڑھلویؒ کے نام حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ کے خطوط گڑھول شریف ہی میں موجود تھے، حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفرپوریؒ کے نام کے مکاتیب مظفرپور میں حضرت منورویؒ کے چھوٹے بھائی ماسٹر سید محمود حسن صاحبؒ کے پاس تھے، آپ نے وہ مکاتیب ان سے حاصل کیے (۳۱۹)۔

اس طرح چند ماہ کی جدوجہد کے نتیجے میں ایک پورا مجموعہ تیار ہوگیا اور حضرت منورویؒ نے وہ مجموعہ حضرت مولانا ادریس ذکّا صاحب (صاحبزادۂ گرامی حضرت گڑھلویؒ) کے حوالے فرمایا کہ اس کو بعجلت ممکنہ مرتب کرکے شائع کردیں، طباعت کے اخراجات کی ذمہ داری جناب ڈاکٹر حمیدالدین انصاریؒ (مظفرپور) نے قبول کرلی تھی، اب اس کے بعد کوئی بڑا مسئلہ نہیں رہ گیا تھا۔

حضرت منورویؒ کی بےقراری

حضرت کو امید تھی کہ اب زیادہ دن نہیں لگیں گے اور کتاب جلد سے جلد چھپ کر آجائے گی، آپ کی دلی آرزو تھی کہ ان کی زندگی میں یہ کتاب چھپ کر آجائے، کہ اس سے حضرت گڑھلویؒ کی شخصیت کا بھی تعارف ہوگا اور سلسلہ کو علمی وروحانی استحکام بھی حاصل ہوگا، حضرت منورویؒ بےقراری کے ساتھ کتاب کے منتظر رہے، اور مختلف طور پر حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کو یاددہانی بھی کراتے رہے، جس میں شفقت بھی ہوتی تھی، اور کبھی بزرگانہ تنبیہ بھی۔

(۳۱۸) مثلاً صاحبزادگان حضرت کانپوریؒ، حافظ مسعود احمد صاحب، حافظ عبداللہ صاحبؒ، قاری محمد اسلم لکھنویؒ، مولانا شریف حسین کانپوریؒ (م ۱۹۷۵ء)، مولوی صابر علی کانپوریؒ۔

(۳۱۹) یادداشت جناب محمد علی نیازی صاحب ص ۲۔

مظفر پور کا سفر اور حضرت مولانا ادریس صاحبؒ سے ملاقات

جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ (۳۲۰) (ولادت ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء- وفات ۱۰/ شعبان

(۳۲۰) جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب کی ولادت ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء کو ہوئی، ان کے پڑ دادا صوفی مجید اللہ صاحب موضع چاند گولا ضلع پورنیہ کے رہنے والے تھے مقامی حالات سے مجبور ہو کر وہاں سے منتقل ہو کر موضع کملپور میں رہائش اختیار کر لی، صوفی مجید اللہ کے صاحبزادہ مولانا بہادر علی صاحبؒ بچپن میں گھر سے فرار ہو گئے تھے اور کملپور واپسی سہسرام مدرسہ سے فراغت اور وہیں وکالت کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد قریب پندرہ سال کے بعد ہوئی، مولوی بہادر علی نے اپنی ذاتی قابلیت اور صلاحیت کی بدولت تقریباً پندرہ سو ایکڑ اراضی حاصل کی، اور پتنی دار (جو تو جیہ دار کے ماتحت ہوتا تھا اور رعیت سے جو خراج وصول کرتا تھا اس کا مخصوص حصہ تو جیہ دار کو ادا کرنا پڑتا تھا) ہوئے۔

مولوی بہادر علیؒ کو تین شادیوں سے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں زندہ رہیں، صاحبزادگان کے نام یہ ہیں: ☆ جناب عبدالحفیظ صاحبؒ (میٹرک پاس اور کشن گنج ہائی اسکول کے ٹیچر) باپ کی حیات میں انتقال کر گئے۔

☆ جناب عبدالمقیت صاحبؒ (م ۱۹۴۸ء) (فارسی داں تھے) ☆ مولوی عبدالعزیز صاحبؒ (متوفی اکتوبر ۱۹۷۸ء) مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عربی تعلیم حاصل کر رہے تھے، مگر مکمل نہ کر سکے)

حاجی محفوظ الرؤف صاحب جناب عبدالمقیت صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں، ان کے علاوہ دو صاحبزادے (جناب مظہر اسلام اور جناب محمد گلاب فضل کریم) اور پانچ صاحبزادیاں چار شادیوں سے ہوئیں۔

☆ حاجی محفوظ الرؤف کی بڑی بہن جنت آراء کی شادی عبدالحمید ولد مولوی عبدالقادر مقام گوہا گاؤں سابق ضلع پورنیہ موجودہ اتر دیناجپور بنگال سے ہوئی ☆ دوسری بہن حسن آراء (متوفیہ ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ) کی شادی اپنے پھوپھی زاد جناب مولوی ولی اصغر صاحبؒ (متوفی ۱۹۹۹ء) ولد مولوی سخاوت حسین مقام لوٹیا باری ضلع پورنیہ بہار سے ہوئی ☆ تیسری بہن جمیلہ خاتون (متوفیہ) عبدالمجید ولد نذیر احمد مقام شکار پور ضلع اتر دیناجپور بنگال سے ہوئی ☆ چوتھی بہن فاتحہ خاتون (متوفیہ ۱۹۸۵ء) کی شادی جناب ضیاء الحق ولد واجد علی مقام سور جاپور ضلع مغربی دیناجپور بنگال سے ہوئی، بڑی بہن زبیدہ خاتون باپ کی حیات ہی میں چھ سات سال کی عمر میں ہی انتقال کر گئی۔

حاجی محفوظ الرؤف صاحب کو ترکہ میں تقریباً ۳۰/ ایکڑ اراضی ملیں، ان کی تعلیم فارسی تک تھی، علاوہ ازیں ہندی حساب وغیرہ سے بھی واقفیت رکھتے تھے، والد کے انتقال کے وقت ان کی عمر ۱۳/ سال کی تھی، اسی وجہ سے وہ تعلیم مکمل نہ کر سکے، حضرت مولانا حکیم حاجی احمد حسن منورویؒ سے ان کی پہلی ملاقات والد کے انتقال کے بعد کملپور میں پندرہ (۱۵) سال کی عمر میں ہوئی، اس کے بعد حضرت تقریباً ۱۶ سال زندہ رہے، ۱۹۵۸ء میں قریب اٹھائیس (۲۸) سال کی عمر میں سلسلۂ چشتیہ میں جناب وارث علی مرحوم ولد واجد علی مرحوم مقام سور جاپور کے دروازے پر انہی کے اصرار پر حضرتؒ سے بیعت ہوئے حضرتؒ کے انتقال کے بعد حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب کو اپنا مرشد طریق بنایا۔==

المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۵ / اپریل ۲۰۲۰ء) رئیس کملپور، اتر دیناجپور مغربی بنگال نے مجھ سے بیان کیا اور اپنی تحریری یادداشت میں بھی اس کو ثبت کیا، کہ میں ۱۹۶۷ء میں حضرت کی زیارت کے لئے منوروا شریف حاضر ہوا، معلوم ہوا کہ حضرت ایک سفر پر تشریف لے جانے والے ہیں، مجھے بھی ہم رکابی اور خدمت کا شرف حاصل ہوا، یہ سفر بذریعہ جیپ ہوا، اور حضرت نے مختلف مقامات (دربھنگہ، اجراء، کھرایاں پتھرا، مظفر پور، گڑھول شریف، اور مصرولیہ وغیرہ) کا دورہ فرمایا، سفر میں جناب حمیدالدین انصاری (مظفر پور)، حاجی مسعود احمد صاحب (شکارپور بنگال)، جناب علی احمد ناظر صاحب (سیوان)، جناب انظار احمد وکیل (مظفر پور) وغیرہ قریب سات آٹھ آدمی شامل تھے۔

اس سفر میں آپ مدرسہ جامع العلوم مظفر پور بھی تشریف لے گئے، وہاں حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے ملاقات ہوئی، تو حضرت (منورویؒ) نے حضرت گڑھولویؒ کی سوانح اور مکاتیب کی اشاعت کے بارے میں دریافت فرمایا، اور تاخیر پر بہت افسوس کا اظہار کیا، اور یہ بھی فرمایا کہ سب کچھ تیار کرکے دینے کے باوجود اس قدر تاخیر کیوں ہورہی ہے؟ حضرت بھی دوزانو بیٹھے تھے اور مولانا ادریس

== ☆ منوروا شریف ان کی پہلی آمد ۱۹۶۲ء میں پرانے مسکن پر ہوئی، دوسری مرتبہ حضرت کے ہمراہ نئے مسکن پر ۱۹۶۷ء میں ہوئی، اس کے بعد سے زندگی کے آخری لمحۂ حیات تک ان کی آمدورفت جاری رہی۔

افسوس جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں کلکتہ سے ان کی وفات خبر موصول ہوئی جس سے دل ودماغ ہل گیا، ان کی وفات ۱۰ / شعبان المعظم ۱۴۴۱ھ مطابق ۵ / اپریل ۲۰۲۰ء کو کلکتہ میں ہوئی، اور لاش آبائی وطن کملپور لائی گئی، اور یہیں بعد نماز عصر تجہیز وتکفین عمل میں آئی۔

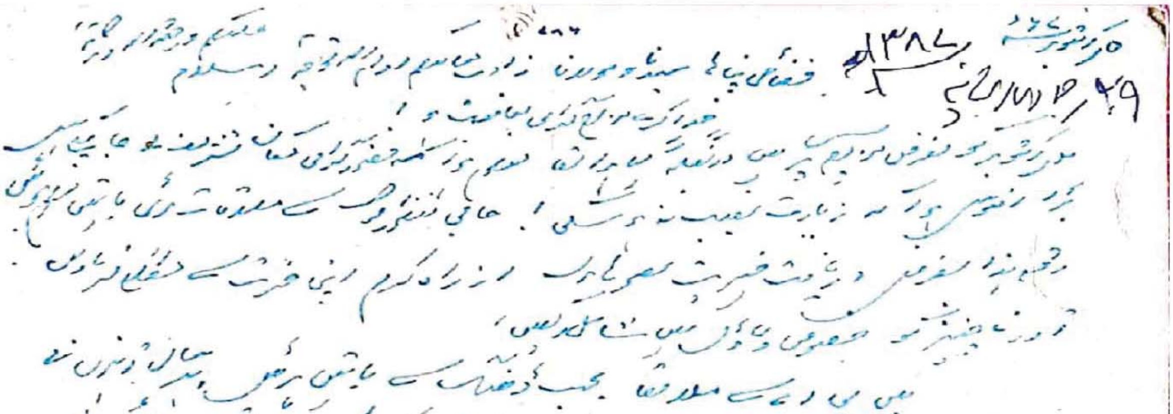
وہ میرے جدامجد کے سلسلے کی ایک یادگار تھے، وہ ایک عہد کی تاریخ، سلسلہ کی بہت سی خصوصیات اور ماضی کی خوبصورت قدروں کے امین تھے، حضرت منورویؒ کے ساتھ بارہا سفر وحضر میں رہے، میرے والد صاحب کے ساتھ تو عشق اور فنائیت کا تعلق رکھتے تھے، مجھ سے بھی بے پناہ محبت فرماتے تھے، میرے ساتھ دیوبند، دہلی، کٹیہار، پورنیہ اور ارریہ وغیرہ کے کئی اسفار ان کے ہوئے، اور ہر بار ان کی محبت میں اضافہ ہوا، وہ حدود اور مراتب کو سمجھتے تھے، میرے نزدیک وہ خطۂ پورنیہ کے ایک روشن چراغ تھے جو بجھ گیا، اور محبت واخلاق اور روحانیت کی ایک شمع تھی جو خاموش ہوگئی۔ کاش بعد کے لوگ بھی ان روایات واقدار کی حفاظت کریں اور ان کو آگے لے کر چلیں، میں پہلی بار انہی کی وجہ سے خطۂ پورنیہ میں داخل ہوا، ان کا ہمیشہ اصرار رہا کہ ان کے پیرومرشد کی سوانح میں تیار کروں، حضرت منورویؒ کے قیام پورنیہ کے زیادہ تر احوال مجھے انہی کے ذریعہ معلوم ہوئے، مجھے امید تھی کہ یہ کتاب ان کی زندگی میں آئے گی تو اپنے پیر کی سوانح دیکھ کر ان کی خوشی کی انتہا نہ رہے گی، لیکن وہ پیر صاحب کی سوانح کیا دیکھتے خود پیر صاحب کے پاس چلے گئے، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، اور اعلیٰ علیین میں مقامات سے سرفراز کرے، آمین۔

صاحب ؒ بھی، شب کا قیام جناب حامد حسین صاحب (مظفر پور ہمدرد ایجنسی والے) کے گھر پر ہوا، اور یہیں جناب ناظر صاحب، اور حمید الدین انصاری وغیرہ نے بھی آکر ملاقات کی، ان کے یہاں دو شب قیام رہا(۳۲۱)۔

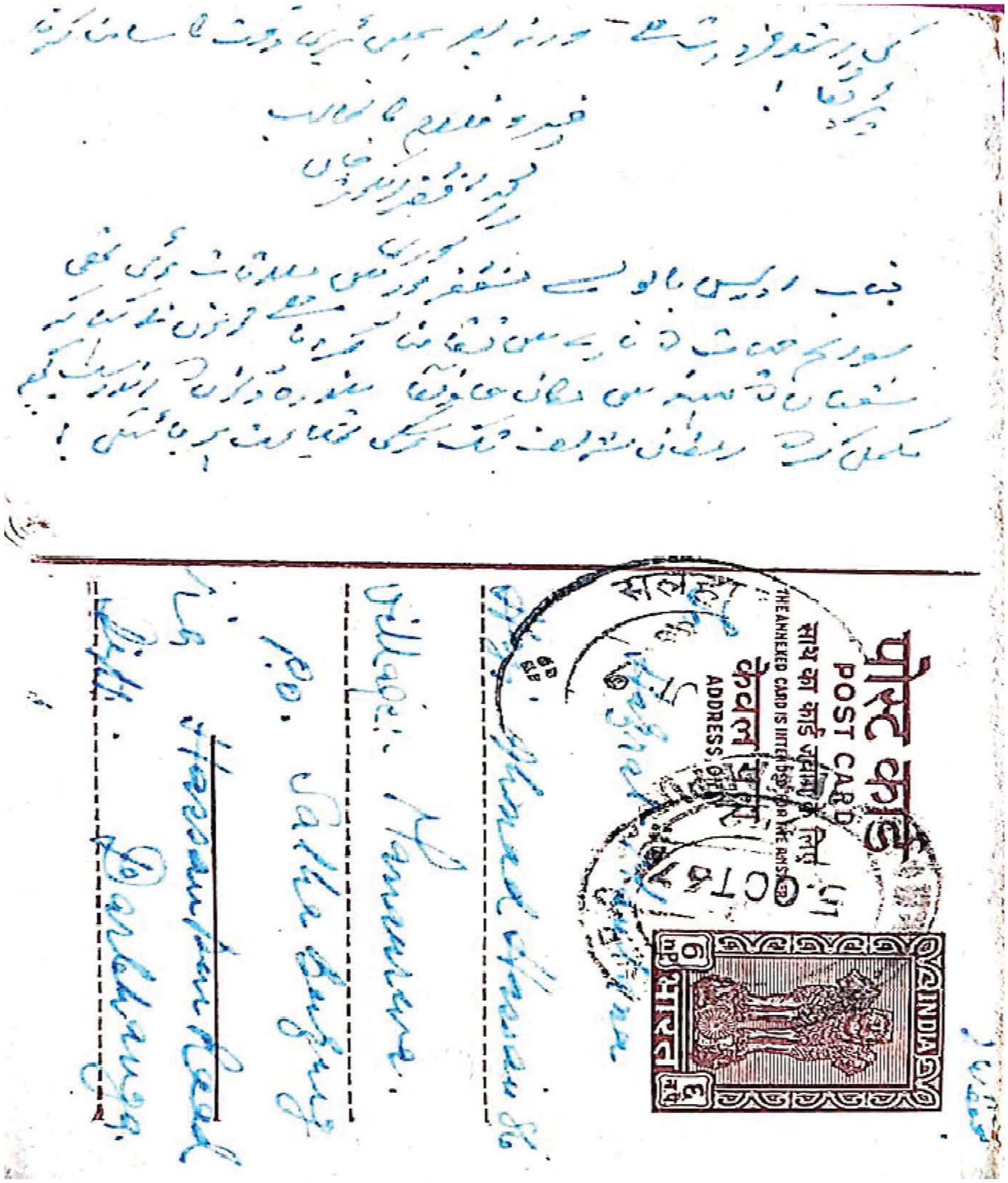
یاددہانی

ایک بار جناب اظفر الکوثر خانؒ (گوری، ضلع سیتامڑھی) کو بھی حضرت نے یاددہانی کے لئے مولانا ادریس صاحبؒ کے پاس بھیجا، جیسا کہ حضرت کے نام خان صاحبؒ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے، اس خط پر ۵ / اکتوبر ۱۹۶۷ء (مطابق ۲۹ / جمادی الثانیۃ ۱۳۸۷ھ) کی تاریخ درج ہے، خان صاحب لکھتے ہیں:

"جناب ادریس بابو سے مظفر پور میں ملاقات ہوئی تھی، سوانح حیات کے بارے میں تقاضا کر دیا ہے، انہوں نے کہا کہ شعبان کے مہینہ میں مکان جاؤں گا، پندرہ دنوں کے اندر سب کچھ مکمل کر کے رمضان شریف تک اس کی طباعت ہو جائے گی"



(۳۲۱) یادداشت جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب ص ۱، حاجی صاحب نے بالمشافہہ بھی مجھ سے یہ بات کئی بار بیان فرمائی



حضرت منورویؒ کے نام جناب اظفر الکوثر خانؒ کا خط

حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے، کام بہت زیادہ لمبا نہیں رہ گیا تھا، اگر وہ چاہتے تو کتاب جلد آسکتی تھی، اور حضرت منورویؒ کے لمحۂ انتظار کا کرب ختم ہوسکتا تھا، لیکن اللہ کی مرضی سے چارۂ کار نہیں۔

حضرت کو انتظار رہا اور امیدوں کا چراغ جلائے رہے، حاجی منظور صاحبؒ کے نام حضرت کے ایک خط میں امیدوں کی تپش صاف محسوس ہوتی ہے، کارڈ پر ۱۹۶۷ء کی مہر ہے لیکن دن اور مہینہ صاف

نہیں ہے، غالباً رجب کے ابتدائی دنوں میں لکھا گیا تھا، خط کا اقتباس دیکھئے، حاجی صاحبؒ کو ''انیس دارین'' کہہ کر مخاطب فرمایا ہے:

''ضعف بڑھ گیا ہے ان شاء اللہ بعد رمضان (آگے صاف نہیں ہے)--سوانح حیات تیار ہو چکی ہوگی''

لیکن وہ رمضان آپ کی زندگی میں نہیں آیا، تقدیر غالب ہوئی، اور تمام کوششوں اور جگر سوزیوں کے باوجود یہ مجموعہ ان کی حیات طیبہ میں منظر عام پر نہ آسکا، اور شاید اس کی کسک وہ اپنے ساتھ لے کر گئے۔

حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کو اس بات کا احساس تھا، جس کا اظہار انہوں نے حضرتؒ کے وصال کے بعد میرے والد ماجد سے پہلی ملاقات میں فرمایا تھا۔

یہ مجموعہ حضرت منورویؒ کے وصال (۲۸/رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۲/نومبر ۱۹۶۷ء) کے قریب پانچ (۵) سال بعد جولائی ۱۹۷۲ء میں ''جنۃ الانوار'' کے نام سے شائع ہوا۔

جنۃ الانوار (طبع اول) پر ایک نظر

جنۃ الانوار طبع اول اٹھا کر دیکھئے تو اس کا بنیادی سرمایہ وہی ہے جو حضرت منورویؒ نے حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کو مہیا کرایا تھا، اس کے اکثر خطوط وہی ہیں جو کانپور کے احباب سے حاصل ہوئے تھے، بہار کے صرف دو آدمیوں کے خطوط اور واقعات اس میں شامل ہیں:

☆ ایک حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوریؒ: حضرت کانپوریؒ اور حضرت گڑھولویؒ کے بعد سب سے زیادہ خطوط، واقعات، اور اشعار وغیرہ آپ ہی کے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں بھی حضرت منورویؒ ہی کے توسط سے حاصل ہوئیں۔

☆ دوسرا نام جناب مولوی سید محمد اختر صاحب (محمد پور مبارک، مظفر پور) کا ہے (جو حضرت مولانا ادریس صاحب کے خسر محترم تھے) ان کے صرف دو (۲) خطوط اور چند ملفوظات شامل ہیں، بلاشبہ یہ حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کے گھر کی چیز ہے۔

البتہ کتاب کا ابتدائیہ (جو حضرت گڑھولویؒ کے بعض سوانحی حالات و کرامات اور تصرفات وملفوظات پر مشتمل ہے) حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کا تیار کردہ ہے، اسی طرح کتاب کے آخر میں مجموعۂ فوائد عثمانی سے بعض اذکار و وظائف، تعویذات اور ختم وغیرہ بھی حضرت مولانا ادریس صاحبؒ ہی کا انتخاب ہوگا۔

☆ فارسی مکاتیب کا اردو ترجمہ جناب اصغر حسین صاحب ریٹائرڈ پروفیسر ساکن موضع محمد پور مبارک ضلع مظفر پور نے کیا۔

اگر ابتدائیہ پر نظر ڈالی جائے تو اس کا بڑا حصہ بزرگان کانپور، اور حضرت آہ مظفر پوریؒ کی روایات وحکایات پر مشتمل ہے، جن میں حضرت منورویؒ کے توسط کو خارج نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح وفات حسرت آیات پر چار (۴) اصحاب کے منظوم کلام شامل کئے گئے ہیں

۱- حضرت آہ مظفر پوریؒ (چھ اشعار)

۲- جناب محمد رضاء الرحمن رضاؔ گڑھولوی (پانچ اشعار)

۳- مولانا محمد اسحاق جالوی (تین اشعار)

۴- حضرت مولانا قاری فخر الدین صاحب گیاویؒ (ولادت ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء- وفات ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۸۸ء) (۳۲۲)- ''نوائے درد'' کے نام سے (بائیس اشعار) (۳۲۳)

ان میں اول الذکر تو ظاہر ہے کہ وہ حضرت منورویؒ کے والد ماجد ہی تھے، اسی طرح آخر الذکر کا کلام بھی عجب نہیں کہ حضرت منورویؒ ہی کے ذریعہ ملا ہو، اس لئے کہ مولانا قاری فخر الدین صاحب گیاویؒ کا پورا کلام حضرت منورویؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا حضرت کے ذخیرۂ کاغذات میں مجھے دستیاب ہوا ہے، قاری صاحب کا اصل کلام مسدس کی ہیئت پر ہے اور تینتالیس (۴۳) اشعار پر مشتمل ہے، جبکہ جنۃ الانوار میں پوری نظم شامل نہیں ہے، صرف انتخاب شائع کیا گیا ہے اور نہ مسدس کی ہیئت باقی ہے،

(۳۲۲) حضرت مولانا قاری فخر الدین گیاویؒ اس آخری دور میں بہار کے ان عظیم علماء ومشائخ میں ہوئے ہیں جنہوں نے تعلیم اور تصوف کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں ، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا خیر الدین گیاویؒ اپنے زمانے کے اکابر علماء ومشائخ میں تھے، قاری صاحب کی ولادت ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء کو ہوئی، فراغت دار العلوم دیوبند سے ۱۹۳۵ء میں ہوئی ، شیخ الاسلام حضرت مولا سید حسین احمد مدنی کے اخص تلامذہ اور خلفاء میں شمار ہوتے تھے، مدرسہ اسلامیہ قاسمیہ کے پلیٹ فارم سے آپ نے بڑے تعلیمی کارنامے انجام دیئے ، شاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے، درس حیات اور جنۃ الانوار میں اس کے خوبصورت نمونے موجود ہیں، ''نوائے درد'' کے نام سے حضرت گڑھولویؒ کی شان میں مرثیہ لکھا، اسی طرح حضرت گڑھولویؒ کے ایک مصرعہ ''تاثیر دکھا تقریر نہ کر'' پر لمبی تضمین فرمائی ، جو ان کی کتاب درس حیات میں موجود ہے اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے، ۷۷/سال کی عمر میں ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۸/فروری ۱۹۸۸ء کو انتقال فرمایا (درس حیات ص ۴۴)

(۳۲۳) جنۃ الانوار ص ۴۸ تا ۵۰ طبع اول

جب کہ حضرت قاری فخر الدین صاحب کی تصریح کے مطابق انہوں نے یہ مرثیہ مسدس کی ہیئت میں لکھا تھا(۳۲۴)۔

(۳۲۴) حضرت قاری فخر الدین صاحبؒ نے یہ مرثیہ گو کہ عہد طالب علمی میں کہا تھا، جب وہ دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، لیکن اس کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ برسوں اس کی گونج مجلسوں میں سنائی دیتی رہی، بے شمار لوگوں نے اس کی نقلیں اپنے پاس محفوظ کیں، اور بڑی تعداد میں چھپوا کر بھی اس کو تقسیم کیا گیا، لیکن پھر آہستہ آہستہ نایاب ہو گیا، جیسا کہ حضرت قاری صاحبؒ خود ہی لکھتے ہیں:

''حضرتؒ کے وصال کی خبر اچانک سن کر حواس باختہ ہو گیا، شب و روز آنسو جاری رہتے تھے، کسی کام میں جی نہیں لگتا تھا، دنیا بے کیف معلوم ہوتی تھی، آٹھ روز تک کمرے سے باہر نہیں نکلا، صرف رونا ہی کام تھا، اس ہفتہ غم میں ایک مسدس مرثیہ لکھا جس کا ہر شعر آنسوؤں کے درمیان لکھا جاتا تھا، اور پھر اس کو پڑھ پڑھ کر آنسو بہائے جاتے تھے، زندگی وبال دوش محسوس ہوتی تھی----

یہ مرثیہ ''نوائے درد'' کے نام سے پہلے تو قلمی کتاب کی شکل میں نقل ہو ہو کر تقسیم ہوتا رہا، پھر متعدد بار طبع ہو کر مفت تقسیم ہوا، اب عرصہ سے نایاب ہے''

(درس حیات، تذکرۂ بشارت کریم ص ۲۰۹ مؤلفہ حضرت قاری فخر الدین گیاویؒ، ناشر مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا، طبع ثانی ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء)

قاری صاحبؒ نے اپنی کتاب ''درس حیات'' میں اس مرثیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مگر وہ مرثیہ درس حیات میں موجود نہیں ہے، درس حیات کا پہلا ایڈیشن مئی ۱۹۷۲ء میں شائع ہوا تھا، اس کے تقریباً ڈیڑھ دو ماہ بعد جولائی ۱۹۷۲ء میں جنۃ الانوار چھپ کر آئی، اس میں ''نوائے درد'' کا منتخب حصہ شائع کیا گیا تھا، مگر وہ مسدس کی ہیئت پر نہیں ہے، اس کے بعد جنۃ الانوار کے دو ایڈیشن آئے، ان میں بھی مرثیہ علیٰ حالہ باقی رہا، درس حیات کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا، مگر اس میں بھی یہ مرثیہ شامل نہیں ہے، اس طرح وہ پورا مسدس مرثیہ نایاب ہو گیا، صرف اتنا حصہ محفوظ رہا جو جنۃ الانوار میں موجود ہے، پتہ نہیں اب وہ پورا کلام کسی کے پاس محفوظ ہے یا نہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکمل مرثیہ جو حضرت منورویؒ کے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اور ان کے اپنے قلم سے لکھا ہوا ہے جس کی بنا پر اس کی ایک دستاویزی حیثیت بھی ہے، یہاں محفوظ کر دیا جائے -- اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جنۃ الانوار میں جس طرح مرثیہ کا انتخاب شائع کیا گیا اس سے مرثیہ کی ہیئت (مسدس) مسخ ہو کر رہ گئی ہے:

نوائے درد

بر وفات حسرت آیات عالم ربانی، محبوب یزدانی، قطب سبحانی، عارف کامل علامہ فاضل مخدومی و مرشدی

حضرت مولانا حافظ و قاری حاجی **شاہ بشارت کریم** صاحب قدس سرہ العزیز ==

آہ کیا میں سن رہا ہوں آج یہ کیسی خبر
اپنے دامن میں لئے ہے جو قیامت کا اثر
وقف غم ساری زمیں صرف الم دیوار و در
اف بجز اندوہ و غم کے کچھ نہیں آتا نظر
یہ خبر ہے واقعی یا صدمۂ جانکاہ ہے
نالہ آتا ہے لبوں پر وجہ درد و آہ ہے
ہائے بیٹھے بیٹھے کیسی یہ قیامت آ گئی
مجھ سے بیکس غمزدوں کے سر پہ آفت آ گئی
کیا غضب یہ ہو گیا کیسی مصیبت آ گئی
ہاں میں سمجھا واقعی اب تیری شامت آ گئی
روٹھ کر ہم سے عدم کی آج کس نے راہ لی
تاب شنوائی نہیں اف یہ الم یہ بیکسی
مشعل راہ ہدایت یادگار نقشبند
خضر راہ سالکاں ابر بہار نقشبند
عارف رمز طریقت بادہ خوار نقشبند
واقف سر محبت، راز دار نقشبند
جس کا فیض عام وقف ہر قریب و دور تھا
سچ بتاؤں کیا تھا وہ بس اک سراپا نور تھا
وہ جسے کہتے تھے سب محبوب رب دوجہاں
آتش عشق و محبت جس کے سینہ میں نہاں
نور سے جس کے چمک اٹھا تھا ہر پیر و جوان
دوست دشمن سب پہ یکساں فیض تھا جس کا رواں
دستگیری کے لئے کافی تھی اس کی اک نظر
اس کی صحبت میں عجب تھا کیمیاوی اک اثر
عشق کی تعلیم کا سلطان تھا وہ بالیقیں
ہم نے ایسا رہبر کامل کہیں دیکھا نہیں
ناز کرتا تھا مکاں جس پر وہ ایسا تھا مکیں
اس سے ملنے کے لئے بے چین تھا خلد بریں
آہ ہم سے روٹھ کر واصل بحق وہ ہو گیا
آج نورانی لحد میں چین سے وہ سو گیا
اب نہیں ملتے کہیں دنیا میں ایسے باکمال
حامل درد محبت صاحب حسن و جمال
ذکر حق میں رات دن مشغول سب اہل و عیال
ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتی کہیں ایسی مثال
دیدہ ام بسیار خوباں و بسے جلوہ گری
شان تو چیزے دگر جاناں! تو چیزے دیگری

آہ وہ ماہ کرم اب ہم سے کیوں روپوش ہے — اب تبسم اور تکلم کے عوض خاموش ہے
ضبط کیوں کر ہو سکے اب دل سراپا جوش ہے — عقل رخصت ہو چکی باقی نہیں کچھ ہوش ہے
نور حق رخصت ہوا چھایا ہے ظلمت کا سماں
اہل عالم کے لئے ادبار و نکبت کا سماں

مہربانی ہائے بے حد مجھ پہ فرمائے گا کون؟ — شفقتوں کی بارشیں اب مجھ پہ برسائے گا کون؟
نور ایمانی سے میرے دل کو چمکائے گا کون؟ — ڈال کر اپنی توجہ مجھ کو تڑپائے گا کون ؟
زندگانی کا اب اپنی آسرا جاتا رہا
دستگیری کا مری اب سلسلہ جاتا رہا

کیوں نہ ہو غم کا مہینہ تھا محرم کا یہ ماہ — ہو گیا آخر غروب اس ماہ میں وہ رشک ماہ
وائے ناکامی مرے سر سے اٹھا ظل الٰہ — میرا روحانی پدر رخصت ہوا دنیا سے آہ
اب تو مستقبل بہت تاریک آتا ہے نظر
چاندنی آئے کہاں سے جب نہ ظاہر ہو قمر

بات کیا تھی ارفع و اعلیٰ تھی کیوں شان گڑھول — اہل دل تھے، قدر جو تھے قدر دانان گڑھول
جس کو دیکھو ہو رہا تھا کیوں ثنا خوان گڑھول — کیا تھی وجہ اژدحام مہمانان گڑھول
بات یہ ہے تھا وہاں حق کا پیارا میزباں
غمزدوں کا، بےنصیبوں کا سہارا میزباں

انقلاب اے آسماں اب بھی وہی کاشانہ ہے — ہیں وہی جام و سبو اب بھی وہی میخانہ ہے
آج بھی پھر جستجوئے بادۂ و پیمانہ ہے — اب بھی مستی کی تمنا میں ہر ایک مستانہ ہے
لیکن اب اس میکدہ میں اگلی سی رونق کہاں
میکدہ کو چھوڑ کر رخصت ہوا پیر مغاں

ہائے اب باقی نہیں وہ بادہ خواری کے مزے — منقطع اب ہو چکے وہ ہائے ہو کے سلسلے

سب پہ تیرے فیض کی ہر دم وہ گوہر باریاں — تیرے الطاف و عنایت کی تھیں افسوں کاریاں
چھن گئیں در پر ترے نادار کی ناداریاں — تیرے پاس آتے ہی دنیا سے ہوئیں بیزاریاں

ان تفصیلات کا مقصد جنۃ الانوار کا تجزیہ کرنا یا (معاذ اللہ) کسی کے کام کو ہلکا کرنا ہرگز نہیں ہے بلکہ صرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ حضرت منورویؒ کو اپنے شیخ سے کیسا گہرا تعلق تھا، انہوں نے آپ کے علوم و معارف کی توسیع و اشاعت کے لئے کیا خدمات انجام دیں، جنۃ الانوار کی تالیف میں ان کا کتنا بنیادی حصہ تھا، اور اس کتاب کی اشاعت کے لئے زندگی کے آخری لمحات تک وہ کیوں بے چین رہے؟

مزار اقدس کی تعمیر کے لئے حضرت منورویؒ کی فکر و سعی

☆ حضرت منورویؒ کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت گڑھولوی کے مزار مبارک کی تعمیر میں بھی آپ کی خصوصی دلچسپی اور سعی جمیل شامل رہی ہے، حاجی منظور صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''جناب حاجی نھوتی صاحب کا گڑھول شریف میں انتظار ہو رہا ہے، وہ دو مزدور کو لے کر گڑھول شریف جاتے، اور مزار اقدس کا کام شروع کر دیتے تو اچھا تھا، ناچیز کی جناب حضرت ڈاکٹر انصاری صاحب مدظلہ العالی سے مکمل گفتگو ہو چکی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ جلد از جلد کام شروع ہو جائے، انکے ارشاد گرامی کے مطابق یہ خط جا رہا ہے'' (۳۲۵)

تیری صحبت سے ہر اک اللہ والا ہو گیا
ظلمتیں رخصت ہوئیں ایسا اجالا ہو گیا

آہ کیوں کر دور ہو دل کی ہماری بے کلی — اپنی بدبختی کا نقشہ سامنے ہے ہر گھڑی
جانتا ہے کون ایسی رہنمائی رہبری — سچ میں کہتا ہوں کہ تھا وہ بادشاہ عاشقی

جو بھی ہو مرضی خدا کی خم سر تسلیم ہے
صبر ہے اب لازمی فریاد و نالہ تا بکے

لیکن اے شاہ ہدیٰ محبوب ربذو الجلال — آہ اب تو ہو چکا اللہ سے تیرا وصال
ہاں مگر حسرت کے قابل ہے مرے باطن کا حال — دل میں رکھنا کچھ تو اپنے فخر عاجز کا خیال

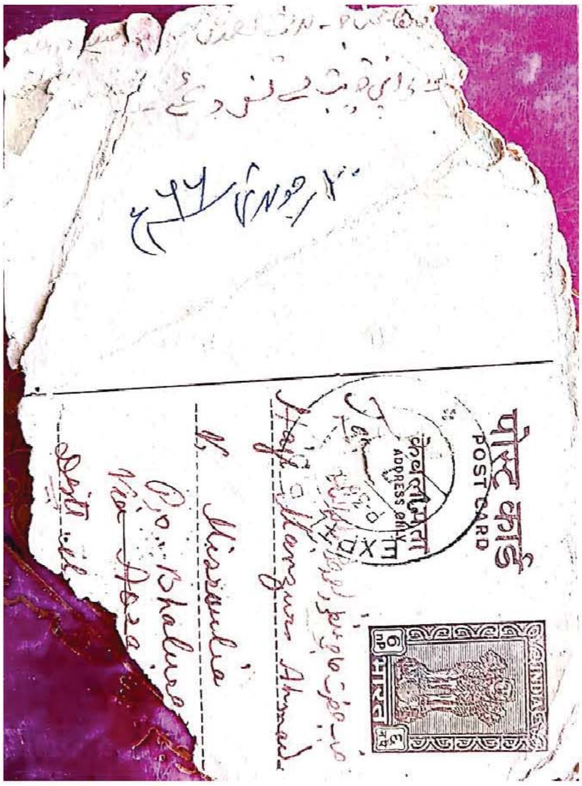
حشر کے دن آبرو رکھنا خدا کے سامنے
پیش کر دینا مجھے خیر الوریٰ کے سامنے

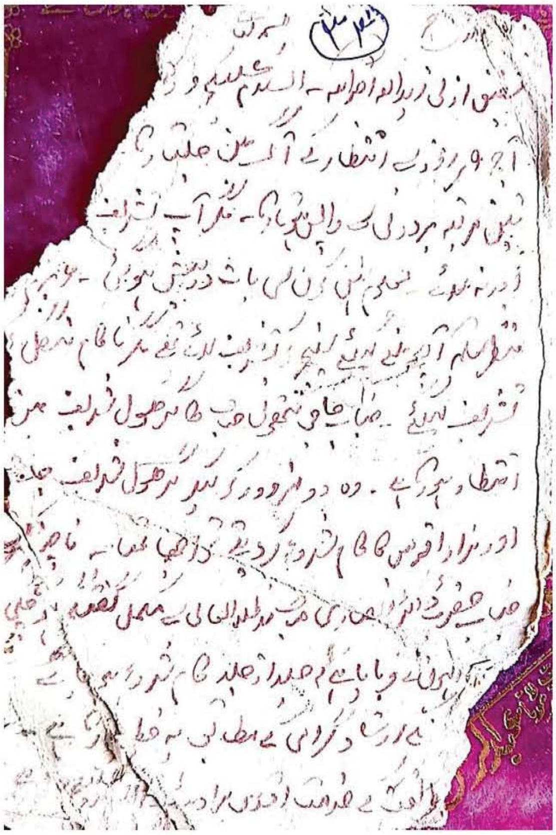
(منقولہ بقلم حضرت منورویؒ کل چار صفحات)

البتہ اس مرثیہ میں ہیئت کے لحاظ سے ایک شعر تنہا ہے، اس کے ساتھ کے دو اشعار غالباً نقل ہونے سے رہ گئے:

ہائے اب باقی نہیں وہ بادہ خواری کے مزے — منقطع اب ہو چکے وہ ہائے ہو کے سلسلے

(۳۲۵) مکتوب گرامی حضرت منورویؒ تاریخ ارقام: ۲۰/ جولائی ۱۹۶۶ء مطابق ۳۰/ ربیع الاول ۱۳۸۶ھ





حضرت منورویؒ کا مکتوب گرامی حضرت حاجی منظور احمد صاحبؒ کے نام

مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (موسیٰ زئی وگڑھول شریف)

بہرحال ان ضروری تفصیلات کے بعد اس سلسلۂ مبارکہ کی ترتیب شجرہ ملاحظہ فرمائیں:

(۱) ابوالانوار قطب الاقطاب حضرت مولانا حافظ بشارت کریم گڑھلویؒ (ولادت: ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء- وفات ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء)

(۲) حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ (متوفی ۴ صفر المظفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۵/ستمبر ۱۹۲۲ء)(۳۲۶)

---

(۳۲۶) حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ سلسلۂ نقشبندیہ کے بڑے مشائخ میں گذرے ہیں، ان کا فیض دور دور تک پہونچا، بڑے صاحب نسبت اور صاحب تاثیر بزرگ تھے ۔آپ کے والد ماجد کا نام شیخ محمد اور دادا کا نام شیخ ابراہیم ہے، آپ کی ولادت ''بنوں'' کے علاقے میں ''عیسیٰ خیل'' (ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) میں ہوئی، صرف ونحو اور ابتدائی کتابیں اپنے شہر میں شیخ ولایت سے پڑھیں، پھر حصول علم کے لئے سہارن پور تک پیدل سفر کیا، سہارن پور میں ریل میں بیٹھ کر کانپور پہونچے، اور مولانا احمد حسن کانپوری ؒ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے اور تمام درسی کتابیں ان سے پڑھیں، اور ایک مدت تک آپ سے استفادہ کیا، ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں فراغت حاصل کی، پھر کانپور ہی میں سکونت اختیار کرلی، اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی مسجد دلاری میں درس وتدریس کی خدمت سے وابستہ ہوگئے، یہ مسجد احاطۂ کمال ==

(۳) حضرت مولانا خواجہ سراج الدینؒ خانقاہ موسیٰ زئی (ولادت ۱۵/محرم الحرام ۱۲۹۷ھ مطابق ۲۹/دسمبر ۱۸۷۹ء وفات ۲۶/ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۱/فروری ۱۹۱۵ء) (۳۲۷)

== خان میں واقع ہے، (اب کوئی احاطہ باقی نہیں ہے، صرف گلیاں ہیں) یہ مسجد اب روٹی گلی میں واقع ہے، اس جگہ سب سے پہلے حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے اجداد میں شاہ محمد نصیبؒ تشریف لائے تھے، اور انہوں نے ایک خام مسجد بنوائی تھی، ۱۲۱۹ھ میں ایک شخص دین محمد طباخ اور اس کی بیوی دلاری جوفوج میں روٹی دیا کرتی تھی، نے اس مسجد کو پختہ بنوادیا، مسجد پر جو پتھر لگا ہوا ہے اس میں دین محمد کا نام لکھا ہوا ہے، مگر شہرت مسجد دلاری'' کے نام سے ہوئی، اس مسجد میں عرصہ تک مولانا محمد علی مونگیریؒ بھی درس دے چکے ہیں (سیرت مولانا محمد علی مونگیری ص ۵ بحوالہ مقامات محمدیہ ص ۵) حضرت مونگیریؒ جب سفر حج کو تشریف لے گئے تو مولانا کانپوریؒ کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، اور اپنی اہلیہ کی طرف سے ان سے حج بدل کرایا، (افادات محمدیہ ص ۲۸ مؤلفہ مولانا عبدالوارث خان صاحب حیدرآبادیؒ، ناشر دارالاشاعت رحمانی مونگیر، طبع سادس ۱۴۰۰ھ)

مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے انہوں نے مثنوی درساً درساً پڑھی۔

باطنی تعلیم کے لئے حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ موسیٰ زئی خلیفہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ سے بیعت ہوئے، البتہ سلوک کی تکمیل حضرت دامانیؒ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا سراج الدینؒ (موسیٰ زئی) کے پاس کی، اور ان کے مجاز طریق ہوئے، سات برس تک سفر وحضر میں حضرت مولانا سراج الدین کی نماز کی امامت کی، پھر کانپور میں مسجد دلاری (جہاں وہ درس وتدریس کرتے تھے) کو اپنا روحانی مستقر بنایا، گاہے گاہے حضرت مولانا فضل رحمان گنج مرادآبادیؒ کے یہاں بھی حاضری دیتے تھے، ان سے سند حدیث بھی حاصل کی۔

تجوید وقرأت میں بھی کمال حاصل تھا، قاری سبعہ تھے، کہتے ہیں کہ اتنے خوش الحان قاری تھے کہ طوائفوں نے آپ کا قرآن سن کر گناہ سے توبہ کرلی، اور نمازی ہوگئیں، صبح کی نماز میں ان کی بڑی تعداد مسجد میں الگ صف بنا کر آپ کے پیچھے نماز ادا کرتی تھی۔

بڑی شہرت وقبولیت حاصل ہوئی، سینکڑوں بندگان خدا نے فیض پایا، علم بہت پختہ تھا لیکن کوئی تصنیفی شغل نہیں رہا، البتہ درس وتدریس اور مریدین کی تربیت پر خاص توجہ تھی، اور اس کے لئے اسفار بھی کرتے تھے، آپ کے خلفاء ومریدین میں حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سب سے زیادہ ممتاز ہوئے، ۴/صفر المظفر ۱۳۴۱ھ مطابق ۲۵/ستمبر ۱۹۲۲ء میں وفات پائی، مسجد دلاری (روٹی والی گلی) میں ہی آرام فرما ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون (نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۳۲۰ ☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۴۳۷، ۴۳۸ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر: جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۰ء)

(۳۲۷) خواجہ سراج الدین کی ولادت بتاریخ ۱۵/محرم الحرام ۱۲۹۷ھ مطابق ۲۹/دسمبر ۱۸۷۹ء بروز سوموار خانقاہ سعیدیہ موسیٰ زئی میں ایک علمی وروحانی خانوادہ میں ہوئی، والد ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ ہے، ==

== قرآن مجید آخوند ملا شاہ محمد بابرؒ (چودھوان ضلع ڈیرہ اسماعیل خان) سے پڑھا، فارسی میں نظم ونثر کی متداول کتابیں، عربی میں صرف ونحو، منطق وعقائد اور علم تجوید وقرأت کے رسائل، فقہ میں کنز الدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، اصول فقہ میں نورالانوار اور چند جزو حسامی، تفسیر میں جلالین، حدیث میں مشکوٰۃ، اور ابن ماجہ حضرت مولانا محمود شیرازیؒ سے پڑھیں، اور بقیہ کتب یعنی حسامی کامل، شرح وقایہ، تفسیر مدارک، تنقیح اصول بزدوی، تلخیص المفتاح، ترجمہ قرآن کریم اور صحاح ستہ حضرت مولانا حسین علیؒ (م ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ھ) ساکن واں بھچراں ضلع میانوالی سے پڑھیں، طریقت کی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت خواجہ محمد عثمان دامانیؒ سے حاصل کی، چودہ (۱۴) سال کی عمر میں بیعت ہوگئے تھے ۲۳/ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ مطابق ۸/مئی ۱۸۹۴ء کو تحریری خلافت سے سرفراز کئے گئے جس پر حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ نے اور آپ کے خلفاء اور مخصوصین نے دستخط کئے، خلفاء ومریدین کے ایک مقدس مجمع میں آپ کے سر پر دستار باندھی گئی، جس میں نصف دستار والد ماجد نے باندھی، پھر کچھ حصہ حضرت مولانا محمود شیرازیؒ، اور پھر کچھ حصہ حضرت مولانا حسین علیؒ اور آخری حصہ حضرت لعل شاہ ہمدانیؒ (ساکن دندہ شاہ بلاول اٹک) نے تبرکاً مکمل کیا، پھر والد صاحبؒ نے آپ کو ایک جبہ پہنایا اور اس پر تمام حاضرین محفل نے مبارکباد دی، حضرت دامانیؒ نے اپنی ضمنیت، اشارت وبشارت واجازت سے سرفراز فرمایا، اسی مجلس میں آپ کے اساتذہ کے سر پر بھی دستار استادی باندھی گئی، اور دیگر خدام کی بھی دستار بندی عمل میں آئی، ۷/ربیع الاول ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۶/اگست ۱۸۹۶ء کو والد بزرگوار نے جانشینی اور امامت بھی سپرد فرمادی، پھر والد کی وفات کے بعد صرف سترہ (۱۷) سال، سات ماہ، سات دن کی عمر میں مسند ارشاد پر فائز ہوئے، مضبوط نسبت کے حامل تھے، بے شمار لوگوں کو آپ کا فیض پہونچا، سلسلۂ نقشبندیہ کو آپ سے کافی فروغ ملا، حضرت عثمان دامانیؒ کے کئی خلفاء نے آپ سے رجوع کیا اور تجدید بیعت کی، جن میں خاص طور پر حضرت مولانا محمود شیرازیؒ، حضرت مولانا حسین علیؒ، اور حضرت مولانا محمد امیر جھنڈ ویریؒ قابل ذکر ہیں، یہ حضرات آپ کی مجالس روحانی میں شریک ہوکر کسب فیض بھی کرتے تھے، بڑی عزت ووجاہت حاصل ہوئی، قندھار، کابل، بخارا، ترکستان اور بلاد اسلامیہ سے طالبین آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، طالبین کی کثرت کی وجہ سے آپ نے خانقاہ احمدیہ سعیدیہ کی توسیع اور تعمیر جدید کرائی، خانقاہ شریف کی مسجد کے پیچھے ایک بڑی سرائے بنوائی، جس میں پندرہ سولہ کمرے تھے اور اپنے صاحبزادگان گرامی اور علماء عظام کے لئے دو پختہ کمرے اور چھ دری پختہ متصل مسجد دائیں طرف بنوائی، اور ایک وسیع کتب خانہ اور ذکر وتوجہ کی ہمیشگی کے لئے ایک عالی شان بنگلہ اور لنگر خانہ شریف تعمیر کرایا تھا، جن میں روزانہ پانچ سو (۵۰۰) سے بھی زیادہ زائرین ووار دین اور خلفائے عظام وعلمائے کرام کے طعام وقیام کا بندوبست ہوتا تھا۔

حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ نے وادی سون سیکسر ضلع خوشاب کے پہاڑ میں ایک خانقاہ بنوائی تھی، آپ نے اس کی بھی مرمت اور تعمیر جدید کا کام کرایا، وہاں بھی طالبین کی کثرت کے پیش نظر کئی مکانات، ایک وسیع مسجد، اور آبنوشی اور طہارت ووضو کے لئے چاہ عثمانی کی تعمیر کرائی، اور سارے کام جدید طرز پر کرائے گئے، اس سے آپ کے بلند ذوق ==

خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ایک تعارف

حضرت خواجہ سراج الدینؒ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ڈیرہ اسماعیل خان کے سجادہ نشیں تھے، موسیٰ زئی ڈیرہ اسماعیل خان (موجودہ پاکستان) سے اکتالیس (۴۱) میل کے فاصلہ پر جنوب مغربی سمت میں واقع ہے، مشہور قصبہ درابن سے جنوب کی طرف اس کا فاصلہ تین میل ہے، اس کے مغرب کی طرف تمام علاقوں کی زبان پشتو ہے، اور مشرقی سمت کے تمام علاقوں کی زبان پنجابی ہے، خود موسیٰ زئی میں پنجابی اور پشتو دونوں زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔

موسیٰ زئی کی خانقاہ دراصل خانقاہ مظہریہ (دہلی) ہی کی ایک شاخ ہے اس کی بنیاد حضرت حاجی دوست محمد قندھاری (۱۲۱۶ھ ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۰۱ء ۱۸۶۸ء) نے ڈالی، جو حضرت شاہ ابوسعید مجددی دہلوی ؒ (۱۱۹۶ھ ۱۲۵۰ھ/ ۱۷۸۲ء ۱۸۳۵ء) کے دست مبارک پر بیعت تھے، اور خرقۂ خلافت حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی ثم مہاجر مدنیؒ (۱۲۱۷ھ ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۰۲ء ۱۸۶۰ء) سے حاصل ہوا تھا، حضرت

== تعمیر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کا کتب خانہ نادر کتابوں سے مالا مال تھا، اور اکثر علماء اور زائرین آپ کے ذوق کو دیکھتے ہوئے کتابیں لے کر حاضر ہوتے تھے، علم حدیث سے خصوصی شغف تھا، مبسوط سرخسی کی احادیث کی تخریج کی تھی۔

سفر میں بھی آپ کے ساتھ کئی سو آدمیوں کا قافلہ ہوتا تھا، اور سارے انتظام خود فرماتے تھے، اہل دنیا کی دعوت قبول نہیں کرتے تھے، آپ کی شہرت ومقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر خاص وعام کی زبان پر یہ بات رہتی تھی کہ اگر حضرت خواجہ سراجؒ چند سال مزید زندہ رہے تو کوئی شیخ طریقت ان کے عہد میں مسند آرائی نہیں کر سکے گا۔

آپ نے دو حج کئے، پہلا حج شوال ۱۳۲۴ھ/نومبر ۱۹۰۶ء میں کیا، اس میں آپ کا قافلہ پینتالیس (۴۵) اونٹوں پر مشتمل تھا، اور چھتیس (۳۶) آدمی آپ کے شریک سفر تھے، یہ سفر بڑے فیوضات کا حامل تھا۔

آپ صرف اٹھارہ (۱۸) سال مسند ارشاد پر متمکن رہے، اور کل پینتیس (۳۵) سال کی عمر پائی، مگر بے شمار خلق خدا نے آپ سے فیض پایا، آخر عمر میں آپ کو ورم امعاء کا عارضہ لاحق ہوگیا تھا، دہلی میں حکیم حافظ اجمل کے یہاں بھی زیر علاج رہے، مگر موت کا کوئی علاج نہیں، عین عالم شباب میں بروز جمعہ ۲۶ / ربیع الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۱/ فروری 1915ء کو وفات پائی، اور والد ماجد کے پہلو میں مدفون ہوئے، آپ نے اپنے پیچھے چار (۴) صاحبزادے اور چار (۴) صاحبزادیاں اور بے شمار متوسلین چھوڑے، آپ کے خلفاء کی تعداد پینتیس (۳۵) درج کی گئی ہے (نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۱۲۳۳، مجموعۂ فوائد عثمانی ص ۲۲ تا ۲۴ مرتبہ سید محمد اکبر علی دہلوی ناشر: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ میاں والی، مطبوعہ دار الکتاب لاہور ۲۰۱۷ء ☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۳۸۹ تا ۴۳۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

شاہ احمد سعیدؒ نے انہیں دہلی سے رخصت کرتے وقت یہ وصیت فرمائی تھی کہ ارشاد وہدایت کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کرنا جو پشتو اور پنجابی زبانوں کے سنگم پر واقع ہو، چنانچہ یہ قرعۂ فال موسیٰ زئی بستی کے نام نکلا، حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ نے جمادی الاولیٰ ۱۲۷۴ھ/ جنوری ۱۸۵۸ء میں اس قریہ کے مغرب میں پہاڑی نالے کے قریب ایک جگہ کو اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، جہاں آج یہ خانقاہ معلّٰی آباد ہے۔

حضرت قندھاریؒ نے اس جگہ کو اپنے قیام کے لئے پسند فرمایا، اور اپنے مریدان باصفا کی معیت میں پانی کی کمیابی کے پیش نظر موسیٰ زئی کے مغرب میں ایک پہاڑی نالے کے کنارے ڈیرہ ڈالدیا، تا کہ خورد ونوش اور دیگر ضروریات زندگی میں سہولت رہے، تھوڑے ہی عرصہ میں قبیلہ تاجو خیل کے لوگ آپ سے بے حد مانوس ہوگئے اور بہت سے داخل طریق بھی ہوگئے۔

بعض قبائل کے چند رئیسوں کو جو اس بستی میں رہتے تھے، حضرت حاجی صاحبؒ کا یہاں قیام اور اس نالے سے پانی کا استعمال سخت گراں گذرا، مگر ان میں تاجو خیل قبیلے کی عقیدت مندی کی وجہ سے آپ پر سختی کرنے کی ہمت نہ تھی، لیکن وہ موقعہ کی تلاش میں رہے، اتفاق سے ایک روز تحصیلدار (جو ہندو تھا) دورہ کرتے ہوئے ادھر آنکلا، ان لوگوں نے موقعہ غنیمت دیکھتے ہوئے اس تحصیلدار کا پرتپاک استقبال کیا، اور زور دار ضیافت کی اور اس دوران اس کو حضرت حاجی صاحبؒ کے خلاف خوب ورغلایا، چنانچہ اس نے خانقاہ پہونچ کر حضرت کو یہاں سے نکل جانے کو کہا، اور گستاخانہ لہجہ اختیار کیا، لیکن حضرت کے تصرف باطنی کے نتیجے میں وہ بے ہوش ہوکر گھوڑے سے گر گیا، گاؤں کے لوگ اس کو اٹھا کر لے گئے، ہوش میں آیا تو اس نے حاجی صاحب کے پاس دوبارہ جانے کی خواہش کی، لوگ اس کو خانقاہ لے کر آئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی، اور کچھ شرطوں کے ساتھ حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، اس کی تمام شرطیں بھی اللہ پاک نے پوری کردیں، اور حضرت کی طرف سے اس کو قومیت کے طور پر فقیر کا خطاب مرحمت ہوا، اس کے بعد سے آج تک اس کی ذریات کے لوگ اپنے نام کے ساتھ فقیر لگاتے ہیں، جن میں فقیر فیض اللہ، فقیر ابوسعید اور فقیر ابوالحسن خاص طور پر مشہور ہوئے ہیں۔

حضرت کی اس کرامت اور تحصیلدار کے مسلمان ہوجانے سے پورا علاقہ آپ کا گرویدہ اور معتقد ہوگیا، اس خطہ میں رشد وہدایت کی باد بہاری چلنے لگی، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ کی صورت میں ایک عظیم روحانی مرکز قائم ہوگیا، اور حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے جو آپ کو پیش گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی، موسیٰ زئی کی عظمت و بزرگی حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کے وہاں قیام پذیر ہونے کی وجہ سے ہے، جنہوں

نے وہاں نقشبندیہ مجددیہ سلسلے کی خانقاہ قائم کی، اسی طرح حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کی اہمیت وسعادت مندی حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلویؒ کی نسبت وخلافت کی بدولت ہے۔

پھرایک وقت آیا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی اجڑ گئی، اور حضرت شاہ احمد سعیدؒ کو وہاں سے ہجرت کرنی پڑی، آپ دہلی سے موسیٰ زئی تشریف لائے، حضرت قندھاریؒ نے ڈیرہ اسماعیل خان پہونچ کر سینکڑوں لوگوں کے ساتھ آپ کا والہانہ استقبال کیا، اور پھر موسیٰ زئی اور قندھار کی خانقاہوں کے ساتھ دہلی خانقاہ کی چابی بھی حضرت دہلویؒ نے آپ کے حوالے فرمادی، حضرت قندھاریؒ کے بعد اس خانقاہ کی سجادگی حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کے پاس آئی اور وہی تینوں خانقاہوں کے متولی ونگراں ہوئے، بعد میں حضرت دامانیؒ نے دہلی کی خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ کو واپس کردی، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، حضرت عثمان دامانیؒ کے زمانے میں اس خانقاہ کی شہرت دور دور تک پہونچ گئی، اور اطراف عالم سے طالبین کا رجوع شروع ہوگیا، حضرت عثمان دامانیؒ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ سراج الدینؒ اس منصب پر فائز ہوئے، گوکہ نوعمری میں وہ اس منصب جلیل پر متمکن ہوئے تھے، اور اسی لئے کئی لوگوں کو خدشات بھی تھے، لیکن اللہ پاک نے اس جوان صالح کے ذریعہ اس خانقاہ کی وہ آبرو بڑھائی کہ رجوع اور قبولیت کے لحاظ سے اس دور کی کم خانقاہیں اس کا مقابلہ کرسکتی تھیں، حضرت خواجہ سراج الدینؒ کو مسند سجادگی پر صرف اٹھارہ (۱۸) سال کا موقعہ ملا لیکن انہوں نے اس خانقاہ کو نقطۂ ارتقاء تک پہونچادیا، اور اس کا شمار عالم اسلام کی بڑی خانقاہوں میں ہونے لگا، سیکڑوں طالبین ہمہ وقت کے حاضر باشوں میں ہوتے تھے، عین عالم شباب میں زندگی کی صرف پینتیس (۳۵) بہاریں دیکھنے کے بعد وہ عالم آخرت کی طرف سدھار گئے، ورنہ کہا جاتا تھا کہ اگر کچھ دن اور زندہ رہ جاتے تو دنیا کی تمام خانقاہیں سونی پڑ جاتیں، **لکن قدر اللہ ماشاء**(۳۲۹)۔

اس خانقاہ کو اللہ پاک نے وہ قبولیت عطا فرمائی کہ آج پاکستان میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی اکثر خانقاہیں (مثلاً: خانقاہ عثمانیہ سراجیہ ڈیپ شریف وادیٔ سون سیکسر ضلع خوشاب ☆ خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ مجددیہ، کندیاں ضلع میانوالی ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، بگھار شریف، کہوٹہ ضلع راولپنڈی ☆ خانقاہ سراجیہ حسنیہ نقشبندیہ مجددیہ، حسن آباد تھل، ضلع لیہ ☆ خانقاہ فضلیہ نقشبندیہ مجددیہ، مسکین پور شریف، ضلع مظفر گڑھ ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، احمد پور شرقیہ احمدیہ شرقیہ، ضلع بھاولپور ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ حبیبیہ، چکوال ☆ خانقاہ سعیدیہ غفوریہ، یوسف گوٹھ، نیو کراچی ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، واں بَھچراں ضلع میاں

(۳۲۹) تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۵۷ تا ۶۴ مؤلفہ مولانا محمد نذیر رانجھا)

والی ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، مسجد دارالسلام، ساتواں میل گوجرانوالہ روڈ شیخوپورہ ☆ خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، شجاع آباد ضلع ملتان) اسی خانقاہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہیں، بلکہ ہندوستان کی بھی کئی اہم خانقاہیں (مثلاً: خانقاہ حسینیہ کانپور، خانقاہ حضرت غلام حسین کانپوریؒ، خانقاہ شاہ برکت علی کلکتہ، خانقاہ گڑھول شریف، سیتامڑھی وغیرہ) اسی شجرۂ طوبیٰ سے نکلی ہیں، یہ اس خانقاہ کا وہ امتیاز ہے، جس میں بہت کم خانقاہیں اس کی ہمسری کرسکتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب ثمرہ ہے حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کی بے پناہ محبت وخلوص کا، اور فیض ہے حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلویؒ کی حسن عنایت اور وہاں قدوم میمنت لزوم کا، اس طرح ان سب کا مرکز فیض خانقاہ مظہریہ دہلی ہے، اللہ پاک ان تمام سرچشموں کو آباد وشاد رکھے آمین۔

(۴) حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ (ولادت ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء، ۱۸۲۹ء وفات ۲۲/شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۶/جنوری ۱۸۹۷ء)(۳۲۹)

(۳۲۹) خواجہ عثمان دامانیؒ کی ولادت ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۸ء، ۱۸۲۹ء میں ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، تحصیل کلاچی میں اپنے آبائی گاؤں ''لونی'' حضرت مولانا موسیٰؒ کے گھر میں ہوئی، آپ کا نسب چار واسطوں سے قندھار اور اس کے مضافات کے قاضی القضاۃ قاضی ملا شمس الدینؒ سے ملتا ہے، آپ خاندانی طور پر افغانوں کے قبیلہ درانی کی شاخ ''اچگ زئی درانی'' سے تعلق رکھتے تھے، جو دینی حمیت وغیرت اور سخاوت وفیاضی میں ممتاز تھا۔

آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد موسیٰ صاحبؒ بڑے عابد وزاہد اور عالم وفقیہ تھے، اپنے علاقے میں ''فقیہ لونی'' کے لقب سے مشہور تھے، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے اور ماموں جان حضرت مولانا نظام الدینؒ سے حاصل کی، بچپن ہی میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا تھا، اس کے بعد آپ کی کفالت ماموں جان نے کی، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کو گاؤں سے باہر مدارس میں بھیج دیا گیا جہاں آپ نے متوسطات تک کی کتابیں پڑھیں، ابتداء سے اہل اللہ کی محبت وعقیدت دل میں بسی تھی، آپ کے ماموں جان حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کے مرید تھے، ایک بار حضرت حاجی صاحبؒ کا قافلہ چودھوان کے مقام پر فروکش ہوا، آپ کے مدرسہ کا راستہ اسی طرف سے گذرتا تھا، آپ کے ماموں جان نے کہا کہ حضرت حاجی صاحبؒ کو میرا اسلام اور پیام پہونچا دینا، خواجہ عثمان حضرت حاجی صاحبؒ سے واقف نہیں تھے، لیکن پتہ لگا کر ایک مسافر کی حیثیت سے حاضر خدمت ہوئے اور ماموں جان کا سلام پہونچایا، اسی دن باطنی طور پر وہ حضرت حاجی صاحبؒ کے تیر نظر کا شکار ہوگئے، حضرت نے آپ کی پیشانی میں سلسلۂ نقشبندیہ کا نور محسوس کرلیا تھا، جس کا اظہار حضرت قندھاریؒ نے بعد میں خواجہ عثمانؒ کے سامنے فرمایا، سلام پہونچا کر وہ تعلیم میں مصروف ہوگئے، ان کے ہدایہ پڑھنے کا سال تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد اچانک دل تعلیم سے اچاٹ ہوگیا، اور کسی صاحب دل سے بیعت کی دھن سوار ہوگئی، اساتذہ نے مشورہ دیا کہ ہدایہ اخیرین کے کچھ اسباق باقی ہیں، مکمل کرلو، مگر ان پر اضطراب ==

==واستغراق کا ایسا غلبہ تھا، کہ انہوں نے کچھ نہیں سنا، وہ سیدھے موسیٰ زئی پہونچے اور گرمی کی شدت سے گاؤں سے متصل ایک نہر میں چھلانگ لگادی، اور تھوڑی دیر نہانے کے بعد باہر نکلے، یہ ۹/ جمادی الثانیۃ ۱۲۶۶ھ مطابق ۲۲/ اپریل ۱۸۵۰ء روز جمعہ کردی، حضرت نے فرمایا: فقیری آسان نہیں ہے، خواجہ عثمانؒ نے عرض کیا، اب جو بھی ہو، سب کچھ چھوڑ کر آیا ہوں، اور تین طلاقیں دے دی ہیں، یعنی اب واپس نہیں جاسکتا، حاجی صاحب نے آپ کی طلب وہمت کو دیکھتے ہوئے فرمایا: اپنے ارادہ پر قائم رہو، مغرب کے بعد دیکھتے ہیں، چنانچہ مغرب کے بعد آپ کو حلقۂ ارادت میں قبول فرمایا، اس وقت خواجہ عثمانؒ کی عمر مبارک بائیس (۲۲) سال تھی، چونکہ آپ نے علم ظاہر کی تکمیل نہیں کی تھی، اس لئے بیعت کے بعد مشکوۃ شریف، صحاح ستہ، احیاء العلوم، معالم التنزیل، مکتوبات امام ربانی مکمل، مکتوبات خواجہ محمد معصوم اور دیگر کتب تصوف بڑی تحقیق اور توجہ کے ساتھ پڑھیں، اس کے بعد مسلسل اٹھارہ (۱۸) سال سفر وحضر میں اپنے پیر ومرشد کی خدمت میں رہے اور خدمت کا حق ادا کردیا، مشکل راستوں کا سفر کر کے پہونچتے، رات رات بھر جاگ کر حضرت کی راحت کا خیال رکھتے، اس طرح ایک لمبی مدت تک شیخ کی صحبت میں رہ کر مراتب کمال تک پہونچے، حضرت حاجی صاحبؒ نے طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، کبرویہ، قلندریہ، شطاریہ اور مداریہ تمام سلاسل میں آپ کو اپنا خلیفہ ومجاز بنایا، شرف ضمنیت سے بھی سرفراز فرمایا، اور وصال سے تقریباً ۲ روز قبل (۲۶/ رمضان المبارک ۱۲۸۴ھ مطابق ۲۰/جنوری ۱۸۶۸ء کو) تحریری طور پر آپ کو اپنا جانشین نامزد فرمایا، اور اپنی زیر نگرانی متعدد خانقاہوں کا انتظام وانصرام اور جملہ تولیت بھی آپ کے سپرد فرمادی، ان خانقاہوں میں خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، خانقاہ مظہریہ دہلی، اور خانقاہ غنڈاں (قندھار) افغانستان بھی شامل ہیں، شیخ کے وصال (۲۲/شوال المکرم ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۶/فروری ۱۸۶۸ء) کے بعد ۳۰ سال تک منصب مشیخت پر فائز رہے، حج وزیارت کے سفر سے واپسی پر موسیٰ زئی میں اقامت اختیار کی، اور یہیں سے ایک زمانہ نے آپ سے فیض پایا، آپ نے وادی سون سیکسر، ضلع خوشاب میں ڈیپ شریف کے مقام پر بھی ایک خانقاہ تعمیر کرائی، بعد میں یہ خانقاہ خانقاہ عثمانیہ سراجیہ کے نام سے مشہور ہوئی، آپ استغنا اور توکل کی دولت سے مالا مال تھے، صاحب اخلاق، متواضع اور مہمان نواز تھے،---وصال سے تین سال قبل وصیت نامہ تیار کرلیا تھا، جس میں سب کے فرائض وحقوق واضح کردیئے گئے تھے، ۲۴/ دن بیمار رہ کر بتاریخ ۲۲/شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ مطابق ۲۶/جنوری ۱۸۹۷ء بروز منگل وصال فرمایا، اور خانقاہ احمدیہ سعیدیہ میں اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی دوست محمد قندھاری کے پہلو میں مدفون ہوئے فرحمہ اللہ، آپ نے مجموعی طور پر ستر (۷۰) سال ۲ ماہ تیرہ (۱۳) روز عمر پائی، (نزھۃ الخواطر ج ۸ ص ۳۰۸، ۱۳۰۸، مجموعۂ فوائد عثمانی ص ۲۰ تا ۲۱ مرتبہ سید محمد اکبر علی دہلوی ناشر: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ میاں والی، مطبوعہ دار الکتاب لاہور ۲۰۱۷ء ☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۲۴۷ تا ۳۰۳ مؤلفہ مولانا محمد نذیر رانجھا)

(۵) حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ (ولادت ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء وفات ۲۲/شوال المکرم ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۶/جنوری ۱۸۶۸ء) (۳۳۰)

(۳۳۰) حضرت خواجہ حاجی دوست محمد قندھاریؒ کی ولادت ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء میں قندھار کے قریب ایک گاؤں ''ارغسان یوسف زئی'' میں ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت آخوند ملا علیؒ یوسف زئی درانی قبیلے کے معزز فرد تھے، بچپن ہی میں آپ کے تمام خویش واقارب اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔

کابل میں وقت کے اکابر علماء سے تعلیم ظاہری کی تکمیل کی، ابتداء ہی سے آپ میں ذوق فقر موجود تھا، اور کسی بزرگ اور عارف باللہ کا علم ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، پھر پیر کی تلاش کا جذبہ پیدا ہوا، حرمین شریفین حاضر ہوئے، حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر بغداد، بصرہ، ترکستان، روم، کردستان اور مختلف شہروں کا سفر کیا، مزارات اولیاء اللہ پر بھی حاضری دی، بغداد حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ (م ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء) کے مزار پر بھی حاضر ہوئے، لیکن کہیں آپ کے درد کی دوا نہ ملی، سلیمانیہ میں شیخ عبداللہ ہرویؒ نے آپ کو حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ کے پاس جانے کا مشورہ دیا، آخر درمیان میں کئی رکاوٹوں اور دشواریوں کو قطع کرتے ہوئے، بمبئی پہونچے، تو معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب سفر حج کی نیت سے بمبئی تشریف لائے ہوئے ہیں، حضرت جہاز کے انتظار میں بمبئی میں قیام فرما تھے، حاجی صاحب خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے اور بیعت کی درخواست پیش کی، حضرت نے شرف قبولیت بخشا اور فرمایا کہ

> ''تمہاری باطنی کشائش کے لئے وقت درکار ہے، میں حج پر جارہا ہوں اور روح کی تمام لطافتیں سرزمین حجاز کی طرف مرکوز ہیں، لہٰذا اس قلبی اضطراب کی تسکین کے لیے دہلی جا کر میرے فرزند احمد سعید کی صحبت اختیار کرو، اور ان سے کسب فیض کرتے رہو، یا پھر بمبئی ٹھہر جاؤ اور میری واپسی کا انتظار کرو''

بمبئی میں ان کا کوئی شناسا تھا، انہوں نے دہلی جانے کو ترجیح دی، سفر دہلی کے دوران خواب میں حضرت شاہ احمد سعیدؒ کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں ''تم ہمارے خلیفہ ہو'' اس سے دہلی کی کشش اور بڑھ گئی، بالآخر دہلی حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی، اور یہاں ایک سال دو ماہ قیام فرمایا، اس اثنا آپ نے حضرت شیخ سے صحاح ستہ کا درس بھی لیا، اور ہر طرح کی خدمت بھی انجام دی، آپ کی جوتیاں سیدھی کرتے، کبھی سر پر اٹھا کر رکھتے، شیخ کے ذاتی بیت الخلاء کی صفائی کرتے، اس طرح مختصر سی مدت میں ہی آپ کمال تک پہونچ گئے، اور نقشبندیہ مجددیہ، قادریہ، چشتیہ اور سہروردیہ چار سلسلوں کی خلافت سے سرفراز کئے گئے، حضرت شاہ صاحبؒ نے بوقت رخصت اپنے تحریری اجازت نامہ میں آپ کو مجمع الانوار اور معدن البحار کا لقب عنایت فرمایا، ساتھ ہی ایک دستار، ایک قمیص، اور ایک کلاہ مبارک بھی عنایت فرمائی، اور بشارت دی کہ ایک دنیا ان سے نفع حاصل کرے گی، اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے افغانستان کے سوداگروں کے ساتھ رفیق بنا کر آپ کو رخصت فرمایا، اور قافلہ والوں سے فرمایا کہ حاجی صاحب تمہارے ساتھ ہیں ایسے سمجھو جیسے فقیر تمہارے ساتھ ہے''،==

==راستے میں ہی آپ کی طرف لوگوں کا رجوع شروع ہوگیا، حاجی صاحب سوچنے لگے کہ ''اس سے پہلے تو فقیر کا یہ حال نہیں تھا اور نہ کسی نے اس سے پہلے فقیر کے ساتھ ایسا معاملہ کیا، یہ سب میرے آقا، میرے مرشد کریم کی نگاہوں اور توجہات شریفہ کی تاثیرات ہیں کہ دوست محمد فقیر سے پیر اور مرشد بن گیا''

حاجی صاحب وطن پہونچے، اور سلسلہ کا کام شروع کیا، مگر پھر بے قرار ہو کر دہلی حاضر ہوئے، چند ماہ کے بعد جب واپس ہونے تو شیخ نے پھر تحریری طور تمام سلاسل کی اجازت مطلقہ عنایت فرمائی، اس بار واپسی پر کڑی پٹھانوں کے قبیلے میں آپ کی شادی ہوئی، کڑی پٹھان اکثر خانہ بدوش ہوتے تھے، اور خیموں میں زندگی گذارتے تھے، پٹھانوں نے اس لئے حاجی صاحب کی شادی کرائی تاکہ ان کو چھوڑ کر نہ چلے جائیں، ان لوگوں نے حاجی صاحب کے لئے پانچ خیمے بنوائے، ایک گھر کے لئے، ایک باجماعت نماز کے لئے، ایک عبادت وریاضت کے لئے، دو زائرین وطالبین کے لئے، یعنی باقاعدہ خانقاہ کا آغاز ہوگیا، پھر آہستہ آہستہ آپ کی شہرت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا، بڑے بڑے علماء وفضلاء آپ سے رجوع ہوئے، ایک ایک دن میں کبھی چار چار سو (۴۰۰) لوگ بیعت ہوتے تھے، قندھار کے آس پاس کے لوگوں کو حضرت شاہ احمد سعیدؒ نے خود ہی پیغام بھیجوا دیا تھا کہ وہ حاجی صاحب سے رجوع کریں، حاجی صاحب بھی مسلسل تحفے تحائف افغانستان سے دہلی بھیجتے رہے۔

آخر میں حاجی صاحبؒ نے ''موسیٰ زئی'' میں اقامت اختیار فرمائی، اور ۱۲۶۶ھ میں خان میر عالم خان رئیس موسیٰ زئی نے خانقاہ کی شاندار تعمیر کرائی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱- وسیع اور کشادہ چہار دیواری اور درمیان میں ایک بڑا دروازہ۔
۲- دو عدد بڑے کشادہ کمرے برائے رہائش حرم محترم بمعہ حویلی۔
۳- ایک کشادہ دالان (ہوادار کمرہ) برائے خواتین پردہ نشین۔
۴- ایک تسبیح خانہ برائے محفل وختم حلقہ شریف۔
۵- ایک کشادہ مسجد جس میں چار پانچ بڑی صفیں تھیں۔
۶- تین عدد کمرے برائے خاص وعام طالبین ومہمانان۔
۷- دو عدد بڑے کمرے برائے رہائش خاص خلفا وعلماء۔
۸- ایک اصطبل گھوڑوں کے لئے۔
۹- ایک عدد کمرہ فالتو نہایت ہی صاف ستھرا کسی خاص ضرورت کے لئے۔

۲۸/نومبر ۱۸۵۷ء کو حضرت شاہ احمد سعید نے ہجرت حجاز کے موقعہ پر دہلی کی خانقاہ بھی آپ کے حوالے فرمادی، اور اس موقعہ پر آپ نے اس خانقاہ (موسیٰ زئی) میں کچھ دنوں قیام فرمایا تھا، اسی مناسبت سے حضرت حاجی صاحبؒ نے اس خانقاہ کا نام ''خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی'' تجویز فرمایا، جو خانقاہ کی پیشانی پر آج بھی کندہ ہے، موسیٰ زئی کے==

(۶) حضرت ابوالمکارم شاہ احمد سعیدؒ (ولادت ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء-وفات ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء)

(۷) حضرت زکی القدر شاہ ابوسعید مجددیؒ (ولادت ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء-وفات ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء)

(۸) حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی دہلویؒ (ولادت ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء وفات ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء)

(۹) حضرت حبیب اللہ میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (ولادت ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۰ء یا ۱۷۰۱ء وفات ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء)

(۱۰) حضرت سید السادات نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء)

(۱۱) قطب العارفین محی السنۃ حضرت خواجہ سیف الدین مجددی سرہندیؒ (ولادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء وفات ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء)

(۱۲) عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ م ۱۵۹۹ء وفات ۱۰۷۹ھ م ۱۶۶۸ء)

(۱۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۳۴ھ م ۱۶۲۴ء)

(۱۴) حضرت خواجہ عبدالباقی محمد رضی الدین باقی باللہؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۱۲ھ م ۱۶۰۳ء)

== کے علاوہ قندھار میں ناؤ ترکیاں کے مقام پر، نیز علاقہ غنڈان میں بھی آپ کی خانقاہیں تھیں، بلکہ موسیٰ زئی سے پہلے یہ خانقاہیں بنی تھیں، بے شمار کشف وکرامات آپ کی طرف منسوب ہیں، آپ کی وفات موسیٰ زئی" میں شب سوموار ۲۲/ شوال المکرم ۱۲۸۴ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۱۸۶۸ء کو ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے، خانقاہوں اور خلفاء ومریدین کے علاوہ بعض علمی تحریرات بھی آپ نے یادگار چھوڑی ہیں مثلاً: احوال دوست محمد قندھاری (فارسی) اس کا قلمی نسخہ موسیٰ زئی میں موجود ہے☆ مکتوبات شریفہ (فارسی) اکتیس مکاتیب پر مشتمل ہے، ۱۱۲ صفحات کی مطبوعہ ہے☆ تحفۂ زواریہ در انفاس سعیدیہ (فارسی) یعنی مکاتیب حضرت شاہ احمد سعیدؒ بنام حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ، ۱۴۴ صفحات میں مطبوعہ ہے (نزہۃ الخواطر ج ۷ ص ۹۶۷، ۹۶۸☆ مجموعۂ فوائد عثمانی ص ۱۶ تا ۱۸ مرتبہ سید محمد اکبر علی دہلوی ناشر: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ میاں والی، مطبوعہ دارالکتاب لاہور ۲۰۱۷ء☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی ص ۱۵۱ تا ۱۸۲ مؤلفہ مولانا محمد نذیر رانجھا)

(۱۵) حضرت مولانا خواجگی محمد مقتدیٰ امکنگیؒ (ولادت ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء-وفات ۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء)

(۱۶) حضرت مولانا درویش محمدؒ (ولادت ۸۴۶ھم ۱۴۴۳ء-وفات ۹۷۰ھم ۱۵۶۲ء)

(۱۷) حضرت مولانا خواجہ محمد زاہد وخشیؒ (ولادت ۸۵۲ھ م ۱۴۴۸ء-وفات ۹۳۶ھ م ۱۵۲۹ء)

(۱۸) حضرت خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرارؒ (ولادت ۸۰۶ھم ۱۴۰۴ء-وفات ۸۹۵ھم ۱۴۹۰ء)

(۱۹) حضرت مولانا یعقوب بن عثمان چرخیؒ (ولادت ۷۶۲ھم ۱۳۶۰ء-وفات ۸۵۱ھم ۱۴۴۷ء)

(۲۰) حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ (وفات ۸۰۲ھم ۱۴۰۰ء)

(۲۱)-خواجہ خواجگان خواجہ سید محمد بہاء الدین نقشبندؒ (ولادت ۷۱۸ھم ۱۳۱۸ء وفات ۷۹۱ھم ۱۳۸۹ء)

(۲۲) حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلالؒ (ولادت ۶۷۶ھم ۱۲۷۸ء وفات ۷۷۲ھم ۱۳۷۰ء)

(۲۳) حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ (ولادت ۵۹۱ھم ۱۱۹۵ءوفات ۷۵۵ھ، ۱۳۵۴ء)

(۲۴) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ (ولادت ۵۹۱ھم ۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء- وفات ۷۲۱ھم ۱۳۲۱ء)

(۲۵) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ (ولادت ۶۲۷ھم ۱۲۳۰ءوفات ۷۱۵ھ/ ۷۱۷ھ/ ۶۴۳ھم ۱۳۱۵ء/ ۱۳۱۷ء/ ۱۲۴۵ء)

(۲۶) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ (ولادت ۵۵۱ھم ۱۱۵۶ءوفات ۷۱۵ھم ۱۳۱۵ء)

(۲۷) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (ولادت ۴۳۵ھ م ۱۰۴۴ء وفات ۵۷۵ھ م ۱۱۷۹ء)

(۲۸)-حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھم ۱۰۴۹ء یا ۱۰۵۰ء-وفات ۵۳۵ھم ۱۱۴۰ء/ ۱۱۴۱ء)

(۲۹)-شیخ بو علی فارمدی طوسیؒ (ولادت ۴۰۷ھ/ ۴۳۴ھم ۱۰۱۶ء/ ۱۰۴۲ءوفات ۴۷۷ھم

۱۰۸۴ء)

(۳۰) حضرت شیخ ابوالقاسم کرگانیؒ (وفات ۴۵۰ھ/ ۴۶۹ھ م ۱۰۵۸ء/ ۱۰۷۶ء)

(۳۱) حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ (ولادت ۳۵۲ھ م ۹۶۳ء وفات ۴۲۵ھ م ۱۰۳۳ء/ ۱۰۳۴ء)

(۳۲) سلطان العارفین حضرت بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ (ولادت ۱۳۶ھ م ۷۵۳ء، ۷۵۴ء وفات ۲۶۱ھ/ ۲۶۹ھ م ۸۷۴ء/ ۸۸۳ء)

(۳۳) حضرت امام جعفر صادقؒ (ولادت ۸۰ھ م ۶۹۹ء وفات ۱۴۹ھ م ۷۶۶ء)

(۳۴) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیقؓ (ولادت ۲۴ھ م ۶۴۵ء وفات ۱۰۶ھ م ۷۲۴ء یا ۱۰۸ھ م ۷۲۶ء)

(۳۵) حضرت سلمان فارسیؓ (ولادت ۴۰۴ء عام الفیل سے ایک سو ستاسی (۱۸۷) سال قبل وفات ۳۳ھ/ ۳۵ھ/ ۳۶ھ م ۶۵۱ء/ ۶۵۳ء/ ۶۵۴ء)

(۳۶) حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ (ولادت ۳ عام الفیل، ہجرت سے پچاس سال قبل م ۵۷۳ء وفات ۱۳ھ م ۶۳۴ء)

(۳۷) سرور دو عالم رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ولادت عام الفیل ۱، ۹/ ربیع الاول ۵۲/ سال قبل ہجرت م ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء وفات ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ م ۷/ جون ۶۳۲ء بروز سوموار)

خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی کا یہ سلسلہ چھتیس (۳۶) واسطوں سے حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (ان تمام تفصیلات کے ساتھ جو سلسلۂ نقشبندیہ کے طریق اول میں ذکر کی گئی ہیں)

خانقاہ موسیٰ زئی کا اپنا شجرۂ منظومہ (بزبان فارسی) ہے، جس کو قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ نے اپنے دادا پیر حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی ایک تحریر سے نقل فرمایا تھا، حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے حزب البحر کے ساتھ اس کو شائع کیا، وہ شجرۂ منظومہ درج ذیل ہے:

شجرۂ طیبہ منظومہ سلسلۂ حضرات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

خداوندا طفیل ذات پاک سید عالم
محمد مصطفیٰ ختم رسل فخر بنی آدم

طفیل حضرت صدیق اکبر عاشق صادق
کہ بعد از مصطفیٰ خیر البشر شد افضل وفائق

طفیل حرمت آں فارسی حضرت سلماں
کہ شد از صحبت خیر البشر سر حلقۂ عرفاں

طفیل ابن ابن حضرت صدیق نورانی
امام الاولیاء قاسم قسیم فیض رحمانی

طفیل حضرت نوبادۂ گلزار پیغمبر
امام جعفر صادق سبیل ساقی کوثر

طفیل بایزید بو العلا سلطان مقبولاں
کہ شد بسطام ازیں میزاب فیض رحمت رحماں

طفیل بوالحسن خرقانی محبوب سبحانی
کہ از نور طریقت عالمے راکرد نورانی

بآں بوالقاسم گرگانی مسعود دیں پرور
کہ شد خلق خدارا بر صراط دین حق رہبر

بجاہ بوعلی متقی اکمل اسعد
کہ شہر فاء حد از فیض او شد گلشن سرحد

طفیل پیر ابو یوسف امام الخلق ہمدانی
کہ ذاتش از کمال عشق شد در نور حق فانی

طفیل عبدخالق غجدوانی کامل اکمل
کہ دریاد الٰہی بود ہر دم شاغل واشغل
طفیل خواجۂ عارف کہ بودہ ریوگڑ مسکن
کہ از نور طریقت کرد دلہائے جہاں روشن
طفیل خواجۂ محمود کش فغنو وطن بودہ
زمینش قصبۂ انجیر فغنو چوں عدن بودہ
طفیل آں عزیزان علی رامیتنی مقبل
کہ کردے از نگاہ ناقصاں را عارف کامل
طفیل خواجۂ باباسماسی صاحب عرفاں
ولی کامل و محبوب عالم خواجۂ دوراں
طفیل خواجۂ میرکلال آں سید اطہر
منور شد زنور فیض عامش عالم اکثر
طفیل آنکہ نور نسبتش چوں مہر رخشاں شد
بہاء الدین محمد پیشوائے نقشبنداں شد
طفیل آں علاؤالدین ماہ برج دینداری
کہ عطاری لقب می داشت فیضش عام شد جاری
طفیل حضرت یعقوب چرخی صاحب نعمت
کہ مخلوق خدارا کرد سوئے عشق حق دعوت
طفیل آں نصیرالدین فخر اولیائے دیں
عبیداللہ آں سرحلقۂ احرار با تمکین
طفیل پیر مولانا محمد اہد کامل
کہ شد مخلوق از فیضش بہ شغل فیض حق شامل
طفیل خواجہ درویش محمد عارف نوری
کہ می بردے جہانے را براہ حق بمستوری

طفیل خواجگی امکنگی شاہ سمرقندی
کہ غیرازیادحق ہرگزنمی فرمودخرسندی

طفیل حضرت باقی کہ باقی باخدابودہ
جہانے رابہ تعلیم معارف پیشوابودہ

طفیل شیخ احمدقدوۂ اصحاب عرفانی
مجددالف ثانی حضرت محبوب سبحانی

طفیل خواجہ معصوم محمدحضرت ایشاں
کریم ابن کریم وحامی وغمخواردرویشاں

طفیل شیخ سیف الدین سرہندی وفاروقی
کہ انجامید کار از عاشقی اورا بمعشوقی

بآں حافظ محمدمحسن گنجینۂ عرفاں
کہ بخشیدے بہرکس حقہ ہائے گوہرعرفاں

بآں نور محمد سید شاہ بدایونی
کہ شاغل بودباحق فارغ ازچندےوازچونی

طفیل میرزائے جان جاناں مظہرعرفاں
مکمل پیشوائے رہنمائے جادۂ عرفاں

طفیل شاہ عبداللہ پیر ارشد کامل
کہ بوداندرحریم حرمت عرفان حق واصل

بجاہ بو سعید اسعد مسعود نورانی
امام الاولیاء قطب جہاں مقبول ربانی

طفیل حضرت احمد سعید نیرانور
ولی کامل واکمل گل گلزار پیغمبر

طفیل حضرت حاجی محمددوست قندھاری
امام ومقتدائے دیں حبیب حضرت باری

طفیل حضرت شیخ الشیوخ خواجۂ عثماں
وجودش رحمت عالم عمیم الوجودوالاحساں

طفیل نورچشم اولیا محبوب یزدانی
سراج الدین محمد مظہر انوار رحمانی

طفیل مرشد کامل فقیہ وقطب دیں پرور
معین الحق غلام شہ حسین سید انور

طفیل حضرت علم الہدیٰ انوار یزدانی
ابو الانوار مولانا بشارت مظہر ثانی

امام الاولیاء قطب زماں محبوب ربانی
محقق عالم دیں کاشف اسرار قرآنی

طفیل حضرت مقبول دوراں صاحب عرفاں
حکیم وحاجی احمد حسن غمخوار درویشاں (۳۳۱)

خداوندا طفیل جملہ ایں حضرات بابرکت
بیامرزی گناہانم بہ عشق خود دہی رغبت

غریق بحر عصیانست احقر گرچہ سرتاپا
بجز امید فضل تو نمی دارد دگر ملجا

خطاہائیکہ کردم از ہوائے نفس نادانی
بیامرزی بفضل خود بدرکن ایں پریشانی

بفضل خویش رحمت کن تو قیومی وسلطانی
طفیل ایں بزرگاں خاتمہ بالخیر گردانی (۳۳۲)

---

(۳۳۱) میرے والد ماجد کی خواہش پر حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے حضرت منورویؒ کے اسم گرامی کی مناسبت سے یہ شعر موزوں فرما کر اس میں شامل فرمایا (دیکھئے: خط حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ بنام حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم، تاریخ ارقام: ۹/ اکتوبر ۱۹۸۲ء)

(۳۳۲) حضرت مولانا ادریس صاحبؒ نے اس شجرہ کو نقل کرنے کے بعد ایک نوٹ چڑھایا ہے:

''مندرجہ بالا منظوم شجرۂ طیبہ میں جن بزرگان کرام کا نام جس ترتیب سے درج ہے اس کو میں ==

(۶)

سلسلۂ ششم

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (خانقاہ موسیٰ زئی ومہدولی)

نقشبندیہ طریق چہارم

نقشبندیت کی ایک نسبت حضرت منورویؒ کو حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ (متوفی ۱۳/ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۷/ستمبر ۱۹۵۸ء) (۳۳۳) سے حاصل ہوئی۔

== نے اور جناب محمد سمیع الحسن صاحب ساکن موضع بلہا ضلع مدھوبنی نے اس تحریر سے مقابلہ کر کے دیکھ لیا ہے، جس کو حضرت مولانا محمد بشارت کریمؒ نے حضرت خواجہ سراج الدینؒ کی ایک تحریر سے نقل کیا ہے، یہ منظوم شجرہ بالکل اس تحریر کے مطابق ہے، فرق صرف یہ ہے کہ حضرت خواجہ سراج الدین اور ان سے نیچے کے اسماء گرامی اس میں نہیں ہیں، مگر ہم لوگوں کے علم میں ہیں''

(حزب البحر (مترجم) مرتبہ وطبع باجازت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب ڈگاؒ (گڑھول شریف) ص ۱۸ تا ۲۳، ناشر محمد سمیع الحسن مدھوبنی بہار، سن اشاعت: ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء)

(۳۳۳) حضرت شاہ نوراللہؒ نومسلم تھے، آبائی وطن سوراٹھ ضلع مدھوبنی اور نانیہال بھاگلپور تھا، وہ ہندو کے سوت برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کی نانیہال کے لوگ بہت خوشحال تھے، ایک وقت میں اسی (۸۰) آدمیوں کا کھانا پکتا تھا، آپ ابتداء ہی سے مذہبی خیالات کے حامل تھے، ابتدا میں بتوں پر حلوہ چڑھانا آپ کے ذمہ تھا شعور کی عمر کو پہونچے تو حق کی تلاش میں مشکل سے مشکل ریاضتیں اور مجاہدات کئے، کہا جاتا ہے کہ ہندو مذہب کے مطابق انہوں نے چوراسی (۸۴) جوگ کئے تھے، ان کی ایک کٹیا بھاگلپور اور برما کے سرحد پر تھی، اور ایک کٹیا پورنیہ میں تھی، ہندو مذہب کے زمانے میں بھی آپ کے بہت سے مریدین تھے، جس وقت آپ کو توفیق اسلام نصیب ہوئی اس وقت آپ ہندو مذہب کے مطابق'' پرہنس'' کے مقام پر فائز تھے، جو اس مذہب میں فقیری کا اعلیٰ مقام (فنافی اللہ) مانا جاتا ہے، ابتدا میں آپ کو مسلمانوں سے گاؤکشی کی وجہ سے بہت نفرت تھی، لیکن پھر ان کو بتوں سے ناامیدی ہونے لگی، اور پھر وہ تلاش حق میں سرگرداں ہو گئے، اور رات میں اکثر آپ پر گریہ وبکا طاری رہنے لگا، اس زمانے میں کالا ناتھ ساہو کی والدہ آپ کی خادمہ تھی، جو نہایت ذہین اور ہوشیار تھی، اور روز وشب آپ کے حالات پر نظر رکھتی تھی، اس خادمہ نے کہا کہ ایک ==

== ہندو فقیر در بھنگہ میں ہے اور ایک مسلمان فقیر مظفر پور میں، آپ ان سے ملئے، اگر آپ تبدیل مذہب کریں گے تو میں بھی مسلمان ہو جاؤں گی، چنانچہ آپ در بھنگہ کے لئے روانہ ہوئے، ٹرین میں ایک مولوی صاحب کو دیکھا جو دین اسلام کی باتیں کر رہے تھے، وہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے وابستہ تھے، اس زمانے میں حضرت شاہ بدرالدین قادریؒ وہاں کے سجادہ نشیں تھے، پنڈت جی چپ چاپ مولوی صاحب کی باتیں سنتے رہے، پھر مولوی صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ کو شانتی مل گئی ہے؟ جواب ملا، یہ ہم کو کہاں نصیب؟ پنڈت جی فرماتے تھے کہ وہ سچا آدمی تھا۔

اسی سفر میں پوپری (ضلع سیتامڑھی، بہار) کا ایک غیر مسلم بھی ساتھ لگ گیا تھا، وہ آپ کی قابلیت دیکھ کر آپ کو پوپری لے جانا چاہتا تھا، تا کہ وہاں کے مٹھ کا آپ کو پردھان بنا دیا جائے۔ آپ در بھنگہ اسٹیشن اتر کر درویشی بابا مجذوب سے ملنے کا ارادہ رکھتے تھے، جو مادرزاد برہنہ مہدولی گھاٹ کے پاس ایک جھونپڑی میں رہتے تھے، (حضرت مولانا محمود صاحب نستویؒ نے انہیں دیکھا تھا) لیکن ایک حسین و جمیل لانبی خوبصورت رنگریزن عورت (جس کے ہاتھوں کی انگلیاں رنگی ہوئی تھیں) نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ بادشاہ کو چھوڑ کر سپاہی کے پاس جاتے ہو؟ بادشاہ گڑھول میں ہے، چنانچہ آپ نے در بھنگہ کا ارادہ ترک کر کے گڑھول کا ارادہ کر لیا، اور اسی حالت میں حضرت گڑھولویؒ کو عالم خواب میں دیکھا کہ انہوں نے رومال سے ان کے بدن کو پوچھا، اور ان پر گریہ طاری ہو گیا، ساتھی پنڈت نے جھنجھوڑ کر پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو آپ نے اس کو ٹال دیا، گڑھول کے لئے آپ کو جو گیارہ اسٹیشن اترنا تھا، لیکن وہ ساتھ والا غیر مسلم آپ کو پوپری مندر لے آیا، چند روز اس مندر میں قیام رہا، خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر کھاتے تھے، چند روزہ صحبت کے نتیجے میں مہنت کے کئی چیلے مندر سے بھاگ کھڑے ہوئے، بالآخر مہنت نے ان سے پوچھا کہ پنڈت جی ! آپ کو جانا کہاں تھا؟ آپ نے گڑھول کا نام لیا، مہنت نے کہا: وہ تو مسلمانوں کی بستی ہے، آپ نے جواب دیا کہ اگر حکیم مسلمان ہو تو ہم علاج نہ کرائیں؟ مہنت نے دیکھا کہ دو تین روز میں اس نے میرے کئی چیلوں کو بھگا دیا، اگر یہ یہاں رہے گا تو میرا مندر خالی ہو جائے گا، اس نے موقعہ غنیمت دیکھا اور آپ کو جانے کی اجازت دے دی، وہاں سے پوپری اسٹیشن واپس آئے، تا کہ ٹمٹم وغیرہ کرایہ کر کے گڑھول جائیں، چنانچہ ایک ٹمٹم والے سے کہا کہ ہم کو گڑھول پہونچا دو گے؟ تو اس نے کہا کہ ہاں ہم پہونچا دیں گے وہی مولانا صاحب کے یہاں، جو تیل پانی پڑھ دیا کرتے ہیں ؟ آپ نے کہا، ہاں ہاں! میرا بھی تیل پانی پڑھوا دو گے؟ ہم تم کو آٹھ آنہ اور زیادہ دیں گے، ان باتوں کو ٹمٹم والے کی بیوی سن رہی تھی، اس نے اپنے شوہر سے آپ کی سفارش کی کہ یہ بڑا بھولا آدمی ہے، کرایہ کچھ کم کر دو، چنانچہ اس نے کچھ کم کر دیا، اور سیدھے حضرت گڑھولویؒ کے دروازے پر پہونچا دیا، آپ نے حضرت گڑھولوی کو ٹھیک اسی لباس میں پایا جیسا کہ در بھنگہ اسٹیشن پر خواب میں زیارت کی تھی، حضرت کو دیکھتے ہی قدموں پہ گر گئے، اور عرض کیا کہ مجھ کو پر میشور سے ملا دیجئے، آپ کے ٹھہرنے کا انتظام ایک گوالے کے یہاں کیا گیا (روایت حضرت مولانا محمود نستویؒ، مضمون جویائے حق، منقول از الاکلیل ص ۱۴۱، ۱۴۲ مؤلفہ جناب مولانا شمس الہدیٰ صاحب راجوی) ==

==ایک دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت گڑھولویؒ کے دربار میں پہونچ کر ایک کنارے آسن جما کر بیٹھ گئے، دو روز تک حضرت نے کوئی توجہ نہ کی، تیسرے روز آپ پر توجہ ڈالی، توجہ پڑتے ہی آپ تڑپنے لگے، اسی اضطراب کی حالت میں کئی دن رہے اور حضرت کی توجہ مسلسل آپ پر مرکوز رہی حضرت نے اپنا جوٹھا پانی بھی پلوایا، یہاں تک کہ چند دن میں آپ کا تزکیہ ہوگیا اور آپ پرسکون ہو گئے، پھر حضرت گڑھولویؒ نے کلمہ کی تلقین کی اور آپ مشرف باسلام ہوگئے، یہ غالباً ۱۹۲۷ء سے قبل کی بات ہے، اس وقت آپ کی عمر قریب چالیس (۴۰) سال تھی، کچھ دنوں کے بعد حضرت نے آپ کو ذکر اسم ذات کی تعلیم دی، اس ذکر کے بعد ایسی حالت ہوئی کہ جاڑے کے موسم میں تالاب میں کھڑے ہو کر ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت پنڈت جیؒ اپنے سابقہ علم کی روشنی میں حضرت گڑھولویؒ کے مقام کا تعین کرنے کے خواہشمند تھے، اس کے لئے وہ حضرت کو کھلے جسم میں دیکھنا چاہتے تھے، اتفاق سے حضرت غسل فرما کر نکلے، گنجی اور قمیص پہنے ہوئے نہیں تھے، حضرت پنڈت جیؒ نے دیکھا کہ دائیں ہاتھ میں بازو سے لے کر کہنی تک تل ہے، پنڈت جیؒ فرماتے تھے کہ یہ فطری طور پر آپ کے بادشاہ ہونے کی علامت ہے، اگر یہ تل اور اوپر تک چلا گیا ہوتا تو آپ دونوں جہان کے بادشاہ ہوتے، اسی نسبت سے حضرت پنڈت جیؒ حضرت گڑھولویؒ کو بادشاہ کہا کرتے تھے، نام نہیں لیتے تھے (ارواح طیبہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۳ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ، ناشر مکتبہ عزیزیہ جنکپور روڈ سیتامڑھی بہار، ۱۴۱۴ھ)

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ نے قرآن کریم پڑھنا سیکھا، جناب مولوی صدیق صاحبؒ اور جناب مولوی رحمت کریم صاحبؒ نے آپ کو قرآن کریم پڑھایا---قرآن کے علاوہ اردو اور فارسی کی شدھ بدھ بھی آپ کو حاصل ہوگئی تھی، مثنوی مولانا رومؒ آپ پڑھ لیتے تھے، آپ سنسکرت بھی جانتے تھے۔

گڑھول شریف میں آپ کا قیام جناب بدرالحسن صاحبؒ کے دروازہ پر رہتا تھا---بعد میں آپ نے اپنی بھاگلپور والی کٹیا مع زمین فروخت کر کے کچھ رقم سے جناب بدرالحسن صاحب کی صاحبزادی کی شادی جناب سید عبداللہ صاحب (بیلا درگاہ) کے صاحبزادے جناب سید ضحیٰ صاحب سے کرائی، اور یہی سید ضحیٰ صاحب بعد میں (۱۹۴۶ء) آپ کی نسبت نقشبندیت کے مجاز بھی ہوئے۔

باقی رقم سے گڑھول شریف کی مسجد کے بازو میں وہ زمین خریدی جہاں آج حضرت گڑھولویؒ کا مزار مبارک ہے۔

روحانی تعلیم آپ نے حضرت گڑھولویؒ ہی سے حاصل کی، آپ نے اپنے مذہب کے مطابق روحانیت کے بہت سے مقامات طے کئے ہوئے تھے، اور جنگلوں اور پہاڑوں میں کافی ریاضتیں کی تھیں، لیکن وہ ظلماتی سفر تھا، حضرت گڑھولویؒ کی توجہ وصحبت کی برکت سے وہ یکلخت نورانی میں تبدیل ہوگیا، اور آپ نے بہت جلد تمام مدارج سلوک طے کر لئے، اور کمال تک پہونچ گئے، حضرت گڑھولویؒ نے آپ کو خلافت واجازت سے مشرف فرمایا۔

حضرت گڑھولویؒ سے آپ کی خلافت کا معاملہ شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ==

==حضرت پنڈت جیؒ نے اپنے وصیت نامہ میں خود کو حضرت گڑھولویؒ کا خلیفہ کہا ہے، نیز کراچی میں ان کے مزار کے کتبہ پر بھی ان کو حضرت گڑھولویؒ اور حضرت مولانا حسین علیؒ دونوں کا خلیفہ لکھا گیا ہے، جو ظاہر ہے کہ ان کی ہدایات کے مطابق کیا گیا ہوگا۔

☆ بلکہ جنۃ الانوار میں حضرت مولانا محمود صاحب نستویؒ کی شہادت یہ ہے کہ خود حضرت گڑھولویؒ کی زندگی میں ہی حضرت پنڈت جیؒ نے لوگوں کو داخل سلسلہ کرنے کا عمل شروع کر دیا تھا، مولانا محمود صاحبؒ نے سہسرام کا ذکر کیا ہے، کہ ''حضرت پنڈت جیؒ کے واسطہ سے بہت لوگ داخل سلسلہ ہوئے'' جب کہ حضرت گڑھولویؒ باحیات ہی تھے (جنۃ الانوار ص ۲۳۲ مضمون مولانا محمود صاحب نستویؒ طبع ثالث)

ماسٹر منظر الحق صاحبؒ (م ۲۳/مئی ۱۹۹۵ء مطابق ۱۸/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مہدولی، خسر محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) کا بیان ہے کہ پنڈت جی حضرت گڑھولویؒ کی حیات ہی میں لوگوں کو اوراد و وظائف بتایا کرتے تھے، لیکن ذکر قلبی کے لئے حضرت اقدس کی خدمت میں بھیجتے تھے، اور اس کی مثال میں انہوں نے اپنے چچا ڈاکٹر بدیع الزماں صاحبؒ کا ذکر کیا ہے (الاکلیل ص ۱۵۷ طبع ثانی) خلافت و نیابت کے لئے یہ بہترین ثبوت ہے۔

البتہ انہوں نے حضرت گڑھولویؒ سے اپنے بعد کسی شیخ وقت کی نشاندہی کی درخواست کی تھی، جن سے وہ ضرورت پڑنے پر رجوع کر سکیں، تو حضرت گڑھولویؒ نے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ واں پچھراں ضلع میانوالی کی طرف رہنمائی فرمائی، اور حضرتؒ کے وصال کے بعد وہ جناب حافظ یسین صاحبؒ (دملہ، مدھوبنی) (اور غالباً جناب عبدالقیوم صاحب گڑھول شریف) کے ہمراہ حضرت مولانا حسین علیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سات (۷) سلاسل کی تحریری اجازت حاصل کی، حضرت مولانا محمود نستویؒ نے وہ اجازت نامہ دیکھا تھا (جنۃ الانوار ص ۲۳۶ مضمون حضرت مولانا محمود صاحبؒ طبع ثالث ☆ الاکلیل ص ۱۶۹ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، طبع ثانی ۲۰۰۷ء)

لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے آپ کو حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے منسوب رکھا، اور اپنے کو ان کا فرزند اور خلیفہ قرار دیا۔ بقول شاعر

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

اپنے پیر کے علاوہ دیگر مشائخ سے کمالات حاصل ہوتے ہیں مگر ارادت منقطع نہیں ہوتی

دراصل صاحب کمال ہوجانے کے بعد مختلف مشائخ سے نسبتوں اور کمالات کے حصول سے اصل شیخ کی نسبت و ارادت منقطع نہیں ہوتی، انسان اسی کا فرزند رہتا ہے جس نے اسے پہلی بار جنم دیا اور تربیت کر کے درجۂ کمال تک پہونچایا، کامل ہونے کے بعد دیگر اہل کمال اور اصحاب نسبت کی توجہات بلا طلب بھی حاصل ہوجاتی ہیں، اور مختلف مقاصد کے لئے بھی دیگر اصحاب نسبت اپنی اپنی نسبتیں عنایت کرتے ہیں، اس سے طالب کو بلاشبہ فائدہ ہوتا ہے مقامات میں ترقی==

==واقع ہوتی ہے، بہت سی نئی منزلوں اور نئی نسبتوں سے آشنائی ہوتی ہے، جن سے وہ خود بھی مستفیض ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی مستفیض کرسکتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود نسبت فرزندی اور نسبت ارادت تبدیل نہیں ہوتی وہ بدستور اپنے سلسلے کے شیخ اول کا مرید وخلیفہ رہتا ہے، اور دیگر تمام فیوض وکمالات اور نسبتوں اور مقامات کو بھی بالواسطہ طور پر انہی کا فیض تصور کرتا ہے، اس لئے کہ اگر انہوں نے اس لائق نہ بنایا ہوتا تو آج کسی کی نظر عنایت کا وہ مستحق نہ ہوسکتا تھا۔

کوئی شبہ نہیں کہ حضرت گڑھولویؒ کو متعارف کرانے میں حضرت پنڈت جیؒ کی شخصیت کا بڑا کردار ہے، حضرت گڑھولویؒ کا یہ ارشاد ہمارے حلقہ میں کافی معروف ہے کہ ”میں تو گوشۂ عافیت میں پڑا تھا اس پنڈت نے آکر ہنگامہ کردیا“

حضرت پنڈت جیؒ کہتے تھے کہ ”لوگوں کو بادشاہ کی کیسے قدر ہوگی، میری طرح پہاڑوں اور جنگلوں کی ٹھوکریں کھائے ہوتے تو قدر ہوتی، آپ لوگوں کو تو بادشاہ گود میں مل گئے“ (جنۃ الانوار ص ۳۳۵ مضمون حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نستویؒ طبع ثالث)

حضرت گڑھولویؒ کی بے پناہ شفقت وعنایت ان کو حاصل تھی، وہ اپنے آپ کو حضرت گڑھولویؒ کا بیٹا کہتے تھے، گڑھول شریف میں ایک زمین خریدی اس میں بھی اپنی یہی نسبت درج کرائی، اور اپنا سب کچھ حضرت کی ذات پر نچھاور کردیا، اسی لئے گو کہ آپ نومسلم تھے، اور اسلامی علوم سے بھی زیادہ آگاہ نہ تھے، لیکن سلسلۂ گڑھول کی توسیع و اشاعت میں آپ کی خدمات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، آپ کے جذب ومستی اور عشق وجنون نے وہ کام کیا، جو بہت سے ہوش والے بھی انجام نہ دے سکے، آپ کامل واکمل تھے اور آپ کی توجہ سے بہت سے لوگ کامل بن گئے۔

حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد ان کا اضطراب کافی بڑھ گیا تھا، جس کی وجہ سے حضرت گڑھولویؒ کی اہلیہ کے مشورہ سے ان کو دربھنگہ بھیج دیا گیا، دربھنگہ ان کی آمدورفت پہلے سے بھی تھی، ۱۹۳۱ء میں ہی دربھنگہ کے محلہ جمال پورہ میں آپ کی آمدورفت ہوچکی تھی، ۱۹۳۵ء میں بعض وجوہات سے وہ مہدولی میں جناب ماسٹر منظر الحق صاحبؒ (خسر محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ) کے مکان میں منتقل ہوگئے، اس وقت ان کی عمر قریب اڑتالیس (۴۸) سال تھی، اور ہجرت پاکستان تک یہی مکان ان کی خانقاہ بھی تھا، اور نہ معلوم کیسے کیسے اصحاب دل نے یہاں پہونچ کر آپ سے فیض پایا۔

آپ نے ساری زندگی شادی نہیں کی، آپ کا ذریعۂ معاش سرمہ تھا، جس کا نسخہ حضرت گڑھولویؒ نے آپ کو عنایت فرمایا تھا، کہا جاتا ہے کہ یہ سرمہ آنکھوں کے امراض کے لئے بہت مفید تھا۔

قرآنی بصیرت

آپ کی ایک بڑی کرامت جو اس دور میں شاید کہیں اور نہ مل سکے وہ یہ تھی کہ گو کہ آپ نے قرآن نہیں پڑھا تھا مگر قرآنی بصیرت سے حصۂ وافر ملا تھا، میرے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے مجھ سے بیان فرمایا کہ ”ایک بار مولانا محمود صاحبؒ (نستہ) کے کہنے پر ان کے ساتھ میں بھی مہدولی (دربھنگہ)==

== چلا گیا، پنڈت جی آرام کرسی پر تشریف فرما ہوئے، کسی عالم نے تلاوت کلام پاک کی، اور تھوڑی دیر خاموشی رہی، اس کے بعد پنڈت جی کی گفتگو شروع ہوئی، تو وہ پوری گفتگو ان آیات پر مبنی تھی، جو وہاں پر تلاوت کی گئی تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے ان کو علم لدنی سے نوازا تھا، جس کی وجہ سے خواص اور عوام دونوں آپ سے مستفیض ہوتے تھے۔

اور غالباً یہ حضرت مولانا حسین علیؒ کا فیض تھا، اس لئے کہ علوم قرآنی میں وہ اپنے دور میں بے نظیر تھے، اور ان کی قرآنی بصیرت سے ایک زمانہ نے استفادہ کیا تھا۔

۱۹۴۶ء میں آپ کو حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

آزادئ ہند کے بعد وہ کراچی (پاکستان) چلے گئے، کہا جاتا ہے کہ دربھنگہ کے ہندوان پر ارتداد (یعنی گھر واپسی) کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے (الاکلیل ص ۱۵۳ بروایت جناب عبدالخالق خلیقؒ)، اس لئے آپ نے تحفظ ایمان کے لئے ہجرت کو ترجیح دی، مہدولی (دربھنگہ) سے پہلے آپ موتی پور (ضلع مظفر پور) پہونچے اور پھر ۱۳/صفر المظفر ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۷/دسمبر ۱۹۴۷ء کو وہ کراچی روانہ ہو گئے، ہجرت کی یہ تاریخ حضرت منورویؒ نے اپنے زیر مطالعہ کتاب "حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (مؤلفہ مولانا حسن نقشبندی مجددی مطبوعہ مطبع احسن المطابع مرادآباد، ربیع الاول ۱۳۲۲ھ) کے حاشیہ پر اپنے قلم سے رقم فرمائی ہے، جس کی عبارت ہے:

"حضرت مولانا شاہ نور اللہ بتاریخ ۲۷/دسمبر ۱۹۴۷ء مطابق ۱۳/صفر ۱۳۶۷ھ بروز سنیچر مقام موتی پور سے کراچی روانہ ہو گئے"

میرے گھر میں یہ نسخہ موجود ہے، اور یہ بہت پختہ ثبوت ہے، اس کے علاوہ حضرت پنڈت جیؒ کی تاریخ ہجرت کی تصریح مجھے کہیں نہیں ملی۔

اس تحریر کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ یہ ہجرت ہی کے وقت رقم کی گئی تھی، حضرت منورویؒ کی اکثر یہ عادت مبارکہ تھی کہ اگر کوئی اہم خبر ملتی تو جو کتاب بھی زیر مطالعہ ہوتی اس کے حاشیہ پر اسی وقت محفوظ کر دیتے تھے، کہ مبادا بھول جائیں، اس طرح بڑی اہم تاریخیں محفوظ ہو جاتی تھیں۔

بعض تذکروں (مثلاً الاکلیل ص ۱۸۷ وغیرہ) میں محض اندازے سے اجمالی طور پر لکھا گیا ہے کہ حضرت پنڈت جیؒ نے آزادئ ہند سے چند ماہ قبل پاکستان ہجرت کی، مگر حضرت منورویؒ کی مذکورہ بالا تصریح کے مطابق یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ ہندوستان ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا، اور حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت اس کے قریب چار ماہ بعد ۲۷/دسمبر ۱۹۴۷ء کو پیش آئی۔

حضرت پنڈت جیؒ ہجرت کے بعد تقریباً دس سال تک باحیات رہے، اور کراچی میں معرفت وروحانیت کی دنیا آباد فرمائی، کراچی میں آپ کا قیام جمشید پور روڈ بہار کالونی، گورنمنٹ کوارٹر میں رہا، ایک سال کے بعد ۱۹۴۸ء میں بہار ہاؤسنگ سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، آپ اس سوسائٹی کے بانی ممبر تھے، یہ سوسائٹی صرف بہاریوں کے لئے بنائی گئی تھی، ==

حضرت پنڈت جیؒ اور حضرت منورویؒ دونوں پیر بھائی اور سلسلۂ گڑھول کے خوشہ چیں ہیں، حضرت پنڈت جیؒ عمر میں آپ سے بڑے تھے اور گڑھول شریف کی آمد میں بھی وہ چند سال مقدم تھے، حضرت پنڈت جیؒ قریب ۱۹۲۷ء سے قبل گڑھول شریف پہونچ کر مشرف باسلام ہوئے، جبکہ حضرت منورویؒ کی گڑھول شریف حاضری قریب ۱۹۳۱ء میں ہوئی ہے، البتہ حضرت پنڈت جیؒ کو جو کچھ ملا گڑھول شریف سے ہی ملا، وہ اسی خانقاہ کے تربیت یافتہ اور پروردہ تھے، جب کہ حضرت منورویؒ تمامتر حصولیابیوں کے بعد وہاں پہونچے تھے، اور ان کی تکمیل وہاں سے نہیں ہوئی، بلکہ تحسینات وترقیات وہاں حاصل ہوئی تھیں، حضرت گڑھولویؒ کی قوت ادراک نے انہیں کھینچا تھا، وہ طالب سے زیادہ مطلوب بن کر حاضر ہوئے تھے، آئندہ کے کئی کام ان کے ذمہ کرنا تھا، وہ امانت جو کانپور اور موسیٰ زئی

== حضرت نے ایک پلاٹ اس کا اپنے نام سے خرید لیا تھا، لیکن اپنی زندگی میں اس پلاٹ پر رہائش اختیار نہیں کی، بلکہ اپنی گود پالک لڑکی "بی بی ہاجرہ خاتون" (م ۱۹۹۲ء- صاحبزادی جناب بدرالحسن صاحبؒ گڑھول شریف، زوجۂ جناب سید محمد ضحیٰ صاحب، یہ آپ کی متبنیہ تھیں) کے ساتھ وصال تک اسی سوسائٹی میں مقیم رہے، بہار کالونی سوسائٹی اب شریف آباد کے نام سے مشہور ہے (الاکلیل ص ۱۸۷، ۱۸۸)

آپ زندگی کے آخری دو سال میں ذیابیطس کے مریض ہو گئے تھے، جس سے آپ کی صحت گرتی چلی گئی، بالآخر وقت موعود آپہونچا، انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے نجی مکان میں اپنی قبر تیار کر لی تھی، اور آپ کے عقیدت مند حاجی مولیٰ بخش سمرو (سندھ کی ایک مقتدر شخصیت) کے تعاون سے صدر پاکستان مرزا اسکندر بیگ سے مکان میں دفن کی اجازت بھی لے لی تھی، پاکستانی قانون کے مطابق کوئی شخص اپنی نجی زمین میں اپنی قبر نہیں بنا سکتا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے آخری دنوں میں اپنے مریدین ومعتقدین میں منادی کرائی تھی کہ ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۷۸ھ مطابق ۲۵/ستمبر ۱۹۵۸ء کو آ کر ملیں، اس اعلان پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ نفوس کراچی پہونچے تھے، ان تمام لوگوں کو شہر کی مختلف مساجد میں شب گذار کر خانقاہ آنے کا مشورہ دیا گیا تھا، فجر کی نماز کے بعد سب لوگ خانقاہ حاضر ہوئے تو خلاف معمول آٹھ بجے دن تک آپ کے حجرہ کا دروازہ بند تھا، خادم نے لوگوں کے اصرار پر دروازہ پر زور ڈالا تو اندر سے دروازہ کھلا ہوا تھا، دیکھا گیا کہ حضرتؒ چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں، اور اجازت نامہ فریم شدہ سامنے رکھا ہے، اور آپ کی روح پرواز کر چکی ہے، حسب وصیت جنازہ کی نماز ادا کی گئی، اور پہلے سے تیار شدہ قبر میں آپ کو دفن کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون (ارواح طیبہ ص ۳۴۴ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ ☆ الاکلیل ص ۱۹۱، ۱۹۲ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ راجوی)

آپ نے وصیت کی تھی کہ مزار پر نذرانہ یا چندہ پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے، عورتوں کو حدود مقبرہ کے اندر آنے کی اجازت نہیں ہے، کوئی چادر یا منت پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور کسی کو خلاف سنت وشریعت کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں ہے (الاکلیل ص ۱۴۷ مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ راجوی)

سے انہیں ملی تھی حضرت منورویؒ کے حوالے کرنی تھی، تاکہ وہ ان کے ذریعہ جاری وساری رہے، غرض حضرت پنڈت جیؒ اور حضرت منورویؒ دونوں کی اپنی اپنی شان انفرادیت تھی، دونوں حضرت گڑھولویؒ کے اجازت یافتہ تھے، اور دونوں نے ہی سلسلۂ گڑھول کو فروغ دینے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں، **فرحمهما الله.**

حضرت منورویؒ حضرت پنڈت جیؒ کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئے؟

مگر وہیں پر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حضرت منورویؒ نے حضرت پنڈت جیؒ کو اپنا بزرگ تسلیم کیا، اور حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد ان کے یہاں حاضری دی، اور ان سے نسبت کا حصول فرمایا، البتہ وہ کون سی نسبت تھی جس کے حصول کے لئے حضرت منورویؒ وہاں تشریف لے گئے، اور اس کی بنا پر ان کو عمر بھر اپنا مرشد تصور کیا؟

حضرت پنڈت جیؒ کی ایک عالی نسبت

دراصل حضرت پنڈت جیؒ حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد انہی کے ایما پر (جیسا کہ بعض معتبر حضرات نے تصریح کی ہے) حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (۳۳۴) (واں بھچھراں میانوالی- موجودہ

(۳۳۴) حضرت مولانا حسین علیؒ کی ولادت مورخہ ۲۵ / مارچ ۱۸۶۷ء مطابق ۱۹ / ذی قعدہ ۱۲۸۳ھ کو سنیچر کے دن ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام محمد تھا، وہ حافظ قرآن تھے، ان کا خاندان کئی پشتوں سے حافظ قرآن چلا آرہا تھا، اسی لئے ان کا خاندان ''میانہ'' سے مشہور تھا، پنجاب میں مولوی اور حفاظ کے گھرانے کو ''میانے'' کہتے ہیں، آپ کا گاؤں ''واں بَھچراں''، ضلع میانوالی کا ایک مشہور قصبہ ہے، جہاں راجپوت قبیلے کی ایک دوسری شاخ (بَھچر) کے افراد کثرت سے آباد ہیں، آب وہوا کے لحاظ سے یہ علاقہ گرم وخشک ہے، زمین ریگستانی اور صحرائی ہے۔

ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی، فارسی اور صرف ونحو کی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، منطق، حمد اللہ وغیرہ ضلع میانوالی کے مدارس میں مولانا غلام نبیؒ اور مولانا سلطان احمدؒ سے پڑھیں، اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں دورۂ حدیث کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، اور حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ کے پاس گنگوہ حاضر ہوئے، یہ ایسا وقت تھا جب اسباق شروع ہو چکے تھے، اور طلبہ میں کتابیں تقسیم ہو چکی تھیں، اور ان کی خوراک ورہائش کا انتظام مختلف گھرانوں میں کیا جاچکا تھا، اب کسی اور طالب علم کے لئے نہ تو کتاب میسر آسکتی تھی اور نہ خوراک ورہائش کا بندوبست ہوسکتا تھا، ان وجوہ کی بنا پر حضرت گنگوہیؒ نے شریک درس کرنے سے معذرت کر دی، مگر یہ خیال کر کے کہ طالب علم بہت دور سے آیا ہے آپ نے دو شرطوں کے ساتھ شریک درس ہونے کی اجازت دی: اولاً طالب علم کو خوراک کا بندوبست خود کرنا ہوگا۔ ثانیاً مطالعۂ کتب کے لئے کسی ساتھی طالب علم سے شراکت کرنی ہوگی۔==

==چند دنوں بعد جب استاذ محترم پر نوجوان پنجابی طالب علم کی ذہانت کا عقدہ کھلا، تو اپنی ذاتی کتابیں مطالعہ کے لئے فراہم کر دیں، اور اپنی بیٹی کے ہاں کھانے کا بندوبست کر دیا، دوران درس سبق کی عبارت پڑھنا بھی آپ کی ذمہ داری قرار پائی، دوران تعلیم حضرت کی خصوصی توجہ حاصل رہی، ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۵ء میں اول پوزیشن سے دورۂ حدیث کے امتحان میں کامیاب ہوئے، حضرت گنگوہیؒ فرماتے تھے:

''میں نے اپنی پوری زندگی میں ان سے بڑھ کر ذہین اور محنتی طالب علم نہیں دیکھا''

گنگوہ سے فارغ ہوکر حضرتؒ ہی کے مشورہ سے سہارن پور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مدرسہ مظاہر علوم میں رہ کر حضرت کے پاس ترجمہ وتفسیر قرآن پڑھی، ۱۸۸۶ء/ ۱۳۰۳ھ میں آپ نے اول پوزیشن سے درس تفسیر سے فراغت پائی۔

اس طرح مولانا حسین علیؒ صرف تین واسطوں (عن مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، عن شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، عن شاہ عبد العزیز دہلویؒ) سے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگرد ہیں۔

اس کے بعد کانپور تشریف لے گئے اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے پاس علوم وفنون کی تکمیل کی، ۱۸۸۷ء/ ۱۳۰۴ھ میں بیس (۲۰) کتابوں کا امتحان دیا اور پانچ ممتحنین کے سوالات کا سامنا کیا، مدرسہ کانپور کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی، حضرت کانپوریؒ نے آپ کی سند پر مندرجہ ذیل توصیفی الفاظ لکھے:

''امابعدفان الفهيم الاريب الذكى النجيب الكثير علمه، الدقيق فهمه، المؤيد بتا ئيد الله، القوى الفاضل اللوذعى المتوقد اليلمعى المولوى حسين على بن ميان محمد الوانى الفنجابى، صانه الله عن شر كل غوى وغبى''

کانپور سے فراغت کے بعد دوبارہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے طرز خاص پر ترجمہ وتفسیر پڑھی، آپ نے بیعت کے لئے بھی حضرت سے درخواست کی تھی، لیکن حضرت نے فرمایا کہ اپنے علاقے میں کسی اللہ والے سے رجوع کریں، اس طرح علوم وفنون میں تکمیل واختصاص کے بعد ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۶ھ میں وطن واپس لوٹے۔ اور اپنے آبائی قصبہ واں بھچراں میں درس وتدریس کے ذریعے عملی زندگی کا آغاز کیا، شروع شروع میں آپ صرف ونحو اور فنون کی کتابیں پڑھایا کرتے تھے، مگر کچھ عرصہ بعد خود کو قرآن پاک کے ترجمہ وتفسیر اور تدریس حدیث کے لئے وقف کر دیا، جس سے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی، اور دور دور سے طلبہ آنا شروع ہو گئے، آپ نے بدعات اور عقائد فاسدہ کے خلاف تحریک شروع کی، جس سے آپ کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا ہو گیا، اور گاؤں چھوڑ کر اپنی زرعی زمینوں پر گھر بنا کر رہنا پڑا، اور وہیں تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رہا، خود ہی کاشت کرتے، کھیت کاٹتے اور سارے کام کرتے اور انہی کھیتوں کی آمدنی سے طلبہ کو بھی کھلاتے اور خود بھی کھاتے، گھر کے لئے اور طلبہ کے لئے ایک ہی کھانا تیار ہوتا تھا، آپ نے طلبہ کے لئے نہ کبھی چندہ مانگا اور نہ ہدیہ قبول کیا، بلکہ ساری ضرورتیں اپنے گھر سے پوری فرماتے تھے، اس طرح ==

==پوری استقامت کے ساتھ تقریباً ساٹھ سال (۱۹۴۴ء/ ۱۳۶۳ھ) تک قال اللہ وقال الرسول کا درس انہی ریگستانی فضاؤں میں آپ کا جاری رہا۔

تعلیم ظاہر سے فراغت کے بعد ہی تعلیم باطن کی فکر آپ کو پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ اولاً حضرت گنگوہیؒ کے سامنے حرف تمنا کا اظہار کیا، لیکن حضرتؒ نے علاقے کے کسی صاحب دل سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا، وطن واپسی کے بعد بھی یہ خیال ذہن ودماغ پر راسخ رہا، چنانچہ خواب میں کچھ اشارے ہوئے، اور آپ حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کی خدمت میں ان کی گرامی خانقاہ دیپ شریف وادی سون سیکسر ضلع خوشاب حاضر ہوگئے، حضرت کی زیارت ہوئی تو خواب کے مطابق پایا، آپ نے حضرت کے پوچھنے پر بتایا کہ واں بھچراں ضلع میانوالی سے آیا ہوں، حضرت نے پوچھا کہ مولوی حسین علیؒ کو جانتے ہو؟ حضرت آپ کی شخصیت سے غائبانہ طور پر واقف تھے، آپ نے عرض کیا کہ میں ہی حسین علی ہوں، حضرت نے سنا تو فرط مسرت سے کھڑے ہوگئے، اور اپنے ساتھ دوسرے کمرہ میں لے جاکر بہت احترام کے ساتھ بٹھایا، اور آنے کا مقصد دریافت فرمایا، آپ نے عرض کیا کہ بیعت ہونے کا ارادہ ہے، حضرت نے فرمایا کہ یہاں کشف وکرامات تو ہیں نہیں، بس اپنے آپ کو جلا دینا اور مٹا دینا ہے، آپ نے دین کا علم اکابر علماء سے حاصل کیا ہے، کیوں اپنے آپ کو جلاتے ہیں؟ آپ نے عرض کیا کہ بیعت کے لئے ہی حاضر ہوا ہوں۔ پھر حضرت خواجہ عثمانؒ نے آپ کو بیعت کرلیا، ابتدا میں اپنے مزاج کے مطابق آپ نے بہت زیادہ ریاضتیں کیں یہاں تک کہ دوبارہ حضرت کی خانقاہ پہونچے تو آپ کو پہچاننا مشکل ہوگیا، حضرت خواجہؒ نے دیکھا تو حیران رہ گئے اور آئندہ ریاضت سے منع فرمادیا، حضرت کی صحبت میں رہ کر آپ نے تمام منازل سلوک طے کئے اور ۱۸۹۳ء/ ۱۳۹۳ھ میں آپ کو خلافت واجازت سے تحریری طور پر سرفراز کیا گیا، اس کے بعد حضرت خواجہؒ خود بھی طالبین کو آپ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کو آپ کے علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ کسی بھی مشکل سے مشکل مسئلے میں آپ کی رائے حرف آخر مانی جاتی تھی، حضرت نے اپنے صاحبزادگان خواجہ سراج الدین اور صاحبزادہ محمد عیسیٰ کی تعلیم وتربیت کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا، اور اس مقصد کے لئے آپ کو موسیٰ زئی بلایا، آپ نے دو سال رہ کر صاحبزادہ محترم خواجہ محمد سراج الدین اور صاحبزادہ محمد عیسیٰ کو بہت سی کتابیں پڑھائیں، بلکہ مرشد کے حکم پر روحانی تربیت بھی دی، اور پھر اپنی اجازت سے بھی صاحبزادوں کو سرفراز فرمایا۔

پھر خواجہ صاحب نے اپنے وصال سے قبل جب خواجہ سراج الدینؒ کو خلعت خلافت دینے کا فیصلہ کیا تو حضرت مولانا حسین علیؒ کو اپنے مکتوب کے ذریعہ اس کی اطلاع دی، دستار باندھنے میں آپ بھی شریک رہے۔

جولائی ۱۸۹۷ء (صفر ۱۳۱۵ھ) میں حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کے وصال کے بعد جب خواجہ سراج الدینؒ مسند ارشاد پر متمکن ہوئے تو آپ نے خواجہ سراج الدین سے رجوع فرمایا اور ان سے بھی خرقۂ خلافت حاصل ہوا۔

آپ نے اپنے وطن بھچراواں میں مدرسہ حسینیہ قائم فرمایا تھا، جو آپ کی تعلیم گاہ بھی تھا اور خانقاہ بھی، ملک اور بیرون==

پاکستان) کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور ان سے سات (۷) سلاسل کی (یعنی نقشبندیہ کے علاوہ) تحریری اجازت حاصل کی تھی (۳۳۵)۔

خانقاہ موسیٰ زئی کے بانی حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کو حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلویؒ سے آٹھ سلاسل (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، قلندریہ کبرویہ، مداریہ اور شطاریہ) کی اجازت عطا ہوئی تھی (۳۳۶)۔ وہی اجازت حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کو منتقل ہوئی، اور ان سے حضرت مولانا حسین

== ملک اور بیرون ملک سے لوگ سے آپ سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، آپ نے قرآن کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی اور دورۂ قرآن قائم فرمایا، یہ پہلا قرآنی مدرسہ تھا تو جو خالص قرآن کریم کی تعلیم کے لئے پنجاب میں قائم ہوا، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا مدرسۂ قرآن اس کے بعد شروع ہوا۔

آپ نے سفر حج (غالباً ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء میں) کیا، اس دوران بہت سے علماء حجاز سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں آپ مناظرہ کو مفید تصور نہیں کرتے تھے، لیکن اگر کوئی چیلنج کرتا تو قبول فرما لیتے تھے۔

آپ اس دور میں توحید اور علوم قرآن کے سب سے بڑے علمبردار تھے، علوم قرآن اور خاص طور پر ربط آیات پر آپ کی گہری نگاہ تھی، آپ کا کہنا تھا کہ قرآن کریم کی ہر سورت کا ایک موضوع ہے اور تمام آیات اس سے مربوط ہیں، تمام سورتوں کے موضوعات کی آپ نے تعیین بھی کی تھی، آپ اس دور میں امام ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مثیل اور نمائندہ تھے۔

آپ کے دشمنوں کی تعداد کچھ کم نہ تھی، ایک بار آپ کی موت کی افواہ اڑا دی گئی لیکن اس کے بعد آپ دو سال زندہ رہے، سوموار کی رات ۲۵/ جون ۱۹۴۴ء مطابق ۴/ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ کو آپ نے وصال فرمایا، آپ نے اہلیہ، پانچ (۵) صاحبزادے اور قابل فخر تلامذہ کے علاوہ مختلف موضوعات پر قریب ڈیڑھ درجن کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں درج ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

☆ بلغۃ الحیر ان فی ربط آیات القرآن (اردو) ☆ البیان فی ربط القرآن (تفسیر بے نظیر) اردو ☆ تلخیص الطحاوی (عربی) ☆ تحریرات حدیث (عربی) ☆ تقریر الجحو ہی علیٰ صحیح البخاری (عربی) ☆ تقریر الجحو ہی علیٰ صحیح المسلم (عربی) ☆ عون المعبود علیٰ سنن ابی داؤد (عربی) ☆ رسالہ جریدتین (عربی) ☆ برہان التسلیم یا فسخ الحج بالعمرۃ ☆ رسالہ خمس اوسق ☆ رسالہ رفع سبابہ ☆ رسالہ ذبح فوق العقدہ ☆ خلاصہ فتح القدیر ☆ رسالہ مسئلۂ علم الغیب (اردو) ☆ تحفۂ ابراہیمیہ (فارسی) ☆ حواشی فوائد عثمانی (فارسی) (رئیس المفسرین امام الموحدین مولانا حسین علیؒ ص ۴۴ تا ۱۰۷ مؤلفہ میاں محمد الیاس، اشاعت اکیڈمی پشاور)

(۳۳۵) جنۃ الانوار ص ۳۳۶ مضمون حضرت مولانا محمود صاحبؒ طبع ثالث۔

(۳۳۶) تاریخ و تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ (موسیٰ زئی) ص ۱۶۳ مؤلفہ مولانا محمد نذیر رانجھا صاحب)

علی صاحبؒ کو حاصل ہوئی (۷۳۴)۔

حضرت مولانا حسین علیؒ سے اجازت ملنے کے بعد حضرت پنڈت جیؒ کی نسبت انتہائی عالی ہوگئی تھی، اس لئے کہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کے خلیفہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تلمیذ حدیث، حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ کے تلمیذ قرآن اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے تلمیذ علوم وفنون تھے، حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ کے خلیفہ ہیں، اور وہ حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ کے، اس طرح حضرت پنڈت جیؒ مولانا حسین علیؒ کے ذریعہ صرف تین واسطوں سے حضرت شاہ احمد سعید مجددیؒ تک پہونچ گئے تھے، جب کہ حضرت گڑھولویؒ کے توسط سے درمیان میں پانچ (۵) واسطے ہیں، حضرت مولانا حسین علیؒ کی نسبت حضرت خواجہ عثمان دامانیؒ کی خلافت کے حوالے سے حضرت گڑھولویؒ کے دادا پیر کے مساوی ہے۔

حضرت پنڈت جیؒ کی یہی وہ نسبت عالی تھی جس کی بنا پر حضرت منورویؒ نے ان سے اپنا رابطہ قائم کیا، تاکہ اس سلسلہ کا فیض نسبت عالی کے ذریعہ بھی انہیں حاصل ہو، اور حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے ساتوں (۷) سلاسل سے وہ مستفیض ہوں، حضرت منورویؒ ساری زندگی کمالات کے حصول کے لئے ایک پیاسے کی طرح سرگرداں رہے، نسبت جہاں سے بھی ملی انہوں نے اسے قبول فرمایا، ان کا مزاج شروع سے بلند سے بلندتر اور کامل سے کامل تر کی جستجو کا تھا۔

علوئے نسبت کی اہمیت

دراصل جس قدر نسبت عالی ہوگی اور درمیانی واسطے کم ہونگے، سرکار دوعالم ﷺ سے قرب زیادہ ہوگا، اور اس نسبت کی بنیاد قرب واتصال پر ہے، اسی لئے تمام علماء، محدثین اور مشائخ اولیاء اللہ نے نسبت کے علو کو وجہ ترجیح قرار دیا ہے، اور نسبت کو عالی سے عالی بنانے کی سعی بلیغ کی ہے۔

حضرت منورویؒ کے طرق نقشبندیت پر ایک نظر

اس تناظر میں دیکھئے تو سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت منورویؒ کے جد امجد حضرت مولانا نصیر الدین نصرؒ کی نسبت ہو یا خانقاہ مظہریہ میں حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کی نسبت، یہ دونوں عالی نسبتیں ہیں:

☆ حضرت مولانا نصیر الدین نصرؒ کی نسبت درمیان میں صرف چھ (۶) واسطوں (حضرت مولانا

(۷۳۴) آٹھوں سلاسل کی پوری تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں (تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ (موسیٰ زئی) ص ۱۴۰ تا ۱۴۵ و ۴۴۹ تا ۴۵۵ مؤلفہ مولانا محمد نذیر رانجھا صاحب)

فضل رحمنؒ، شاہ محمد آفاقؒ، خواجہ ضیاء اللہؒ، خواجہ محمد زبیرؒ، حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانیؒ، اور خواجہ محمد معصومؒ) سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہونچتی ہے۔

☆ حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کی نسبت آٹھ (۸) واسطوں (شاہ محمد عمرؒ، شاہ احمد سعیدؒ، شاہ ابوسعیدؒ، شاہ غلام علیؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، حضرت نور محمد بدایونیؒ، خواجہ سیف الدینؒ، خواجہ محمد معصومؒ) سے حضرت مجدد الف ثانی تک منتہی ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ابوالخیرؒ کو اپنے دادا سے بھی خلافت حاصل تھی، اس لحاظ سے صرف سات (۷) واسطے ہوتے ہیں۔

جب کہ حضرت مولانا گڑھولویؒ کی نسبت گیارہ (۱۱) واسطوں (حضرت مولانا غلام حسین کانپوریؒ، خواجہ سراج الدینؒ، خواجہ عثمان دامانیؒ، حضرت حاجی دوست محمد قندھاریؒ، شاہ احمد سعیدؒ، شاہ ابوسعیدؒ، شاہ غلام علیؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، خواجہ نور محمد بدایونیؒ، خواجہ سیف الدینؒ، اور خواجہ محمد معصومؒ) سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہونچتی ہے۔

حضرت پنڈت جیؒ کے دونوں سلسلے (حضرت گڑھولویؒ اور حضرت مولانا حسین علیؒ) گو کہ خانقاہ موسیٰ زئی ہی سے نکلے ہیں، لیکن حضرت مولانا حسین علیؒ کی نسبت گڑھول کے مقابلے میں عالی ہے، اس لئے کہ حضرت مولانا حسین علیؒ کی نسبت صرف نو (۹) واسطوں سے حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہونچتی ہے، اور حضرت مولانا حسین علیؒ کو بھی شامل کرلیں تو دس (۱۰) واسطے ہوتے ہیں، اس طرح یہ نسبت (مولانا حسین علیؒ) کم از کم ایک پشت ضرور عالی ہوجاتی ہے، غالباً حضرت منورویؒ خانقاہ موسیٰ زئی کی اسی نسبت بلند کے حصول کے لئے حضرت پنڈت جیؒ (مہدولی) کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

گہرا رابطہ

حضرت پنڈت جی سے آپ کو بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، جب تک حضرت پنڈت جیؒ مہدولی میں تشریف فرما رہے، حضرت منورویؒ مسلسل وہاں حاضر ہوتے رہے، اور حضرت پنڈت جیؒ کی حقہ نوشی کے لئے بہت اہتمام سے خمیری تمبا کو بنا کر لے جاتے تھے، آپ اپنے متعلقین کو بھی ان کی خدمت میں بھیجتے تھے اور بسا اوقات خود لے کر جاتے تھے (۳۳۸)، حالانکہ حضرت پنڈت جی لوگوں کو روکتے تھے،

(۳۳۸) منورواشریف میں ایسے کئی حضرات کو میں نے دیکھا ہے، جو حضرت منورویؒ کے توسط سے حضرت پنڈت جیؒ سے بیعت ہوئے اور آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوئے، بلکہ ایک بار عقیدت مندوں کی خواہش پر حضرت پنڈت جی منورواشریف تشریف لانے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے، لیکن عین وقت پر حضرت پنڈت جیؒ نے اس کو ملتوی ==

اور حضرت منورویؒ ہی کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

حضرت پنڈت جیؒ کے نزدیک حضرت منورویؒ کا مقام بلند

حضرت پنڈت جیؒ کی نگاہ میں بھی حضرت منورویؒ کا مقام بہت بلند تھا، وہ امور معرفت میں آپ کی رائے کا بہت لحاظ فرماتے تھے، اور اکثر مشکل مسائل میں آپ کی رائے فیصلہ کن مانی جاتی تھی، اور یہ بات پورے حلقہ میں معروف تھی، اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے جو میرے والد ماجد نے کئی بار نقل فرمایا:

حضرت غوث اعظمؒ سے ایک شخص کی روحانی بیعت کا قصہ

ایک افغانی شخص حضرت پنڈت جی کی خدمت میں مہدولی حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وہ حضرت غوث اعظمؒ سے بیعت ہونا چاہتا ہے، حضرت پنڈت جیؒ نے بڑی حیرت کے ساتھ اہل مجلس سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ غوث اعظم تو صدیوں قبل پیدا ہوئے تھے، اور انتقال بھی کر گئے، اب اس دور میں کوئی دوسرا غوث اعظم پیدا ہوا ہو تو میرے علم میں نہیں ہے، اگر آپ لوگوں میں سے کسی کے علم میں ہو تو بتایئے، میں بھی جا کر ان سے بیعت ہو جاؤں گا، مجلس میں کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔

تھوڑی دیر بعد اس شخص نے پھر اپنی درخواست دہرائی، اور حضرت پنڈت جیؒ نے بھی اپنی انہی باتوں کا اعادہ فرمایا، پھر مجلس میں خاموشی پھیل گئی۔

اس شخص نے کچھ وقفہ کے بعد جب تیسری مرتبہ یہ درخواست پیش کی، تو حضرت پنڈت جیؒ جلال میں آگئے اور اس شخص کو مجلس سے نکلوا دیا کہ دیوانگی کی باتیں کرتا ہے۔

مجلس کے اختتام کے بعد اہل مجلس میں سے کسی نے اس شخص کو مشورہ دیا کہ اس کے لئے تم حضرت منورویؒ سے رجوع کرو، وہ کہیں گے تو حضرت پنڈت جیؒ انکار نہیں کریں گے، وہ شخص پتہ معلوم کر کے منورواشریف کے لئے روانہ ہوگیا، اور ٹرین سے حسن پور اتر کر پیدل منورواشریف کے لئے چلا، اس

== کر دیا، اور لوگوں سے کہا کہ تم لوگوں کے لئے مولانا احمد حسن صاحب ہی کافی ہیں، حضرت پنڈت جیؒ سے بیعت ہونے والوں میں درج ذیل حضرات بطور خاص قابل ذکر ہیں: جناب غلام عباس، جناب غنیمت حسینؒ، جناب قاضی ارشاد حسین، جناب عبدالرحمن، جناب حاجی ابراہیم، جناب قسمت حسین، جناب خدا بخش وغیرہ تقریباً دس بارہ آدمی تھے۔ اب ان میں سے کوئی موجود نہیں ہے، سب لوگ جوار رحمت میں پہونچ چکے ہیں، اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے، اور درجات بلند کرے آمین

زمانہ میں حسن پور سے منوروا شریف کے لئے کوئی سواری نہیں تھی، لوگ تقریباً اٹھارہ کلومیٹر پا پیادہ طے کرتے تھے، دوسری طرف حضرت منورویؒ بھی اپنے گھر سے حسن پور روڈ کے لئے روانہ ہوئے، درمیان میں میدو چوک (گچ پتی) کے مقام پر حضرت منورویؒ نے اس شخص کو دیکھا اور ہلکی ٹھوکر مارتے ہوئے گذرے، وہ شخص آپ کو پہچانتا نہیں تھا، اس نے پوچھا کہ منوروا شریف یہاں سے کتنی دور ہے؟ حضرت نے دریافت کیا کہ منوروا میں کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ مولانا احمد حسن صاحب سے ملنا ہے، حضرت نے کہا وہ اپنے گھر پر نہیں ہے، جہاں سے آئے ہو وہیں واپس ہو جاؤ، وہیں ملاقات ہوگی، یہ کہہ کر آپ آگے بڑھ گئے، وہ شخص تھوڑی دیر سوچتا رہا کہ کیا کریں؟ کیا اس اجنبی پر بھروسہ کریں، یا پیدل اتنا لمبا سفر طے کریں، آخر اس نے واپسی میں عافیت سمجھی، اور پیچھے پیچھے وہ بھی حسن پور کی طرف واپس ہو گیا، ٹرین کا ٹکٹ لے کر الگ الگ ڈبوں میں دونوں حضرات بیٹھے، اور دربھنگہ اترتے وقت معلوم نہ ہو سکا کہ کون کہاں گیا؟ اگلے دن حضرت پنڈت جیؒ کی مجلس میں وہ شخص پھر حاضر ہو گیا، اور دست بستہ کھڑے ہو کر اس نے اپنی درخواست پیش کی، آج مجلس کافی لبریز تھی، اور حضرت پنڈت جیؒ کی آرام کرسی کے دائیں طرف حضرت منورویؒ بھی تشریف فرما تھے، اس شخص کے سوال کے بعد حضرت پنڈت جیؒ تھوڑا جھنجھلائے اور کہا کہ یہ کون شخص ہے، بار بار ایک ناممکن چیز کا سوال کرتا ہے؟ پھر حضرت پنڈت جیؒ نے ایک ایک کر کے تمام اہل مجلس کی رائے لی کہ کیا جو ولی صدیوں قبل فوت ہو چکا اس سے آج کوئی بیعت ہونا چاہے تو ہو سکتا ہے؟ لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، آخر حضرت پنڈت جیؒ نے حضرت منورویؒ کو مخاطب کر کے کہا کہ مولانا! آپ کیا فرماتے ہیں؟ حضرت منورویؒ نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے، یہ کوئی مستبعد نہیں، کتابوں میں بھی ایسا لکھا ہوا ہے، یہ سن کر پوری مجلس پر سناٹا چھا گیا، حضرت پنڈت جیؒ بھی خاموش ہو گئے، اور مجلس برخواست ہوگئی، مغرب کا وقت قریب تھا، مسجد مکان سے متصل ہی واقع تھی، اذان ہوئی، مغرب کی نماز میں حضرت پنڈت جیؒ مسجد پہونچے، آپ ہمیشہ اتر طرف کھڑکی کے پاس صف میں کھڑے ہوتے تھے، اور آپ کے بغل میں ادباً کوئی شخص کھڑا نہیں ہوتا تھا، اور بالعموم ایک شخص کی جگہ خالی رہتی تھی، اس جگہ پر آج وہی افغانی شخص کھڑا ہو گیا، حضرت پنڈت جی نے ابھی تحریمہ نہیں باندھا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ قطب تارہ دیکھا ہے؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپ نے کھڑکی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ دیکھو وہی قطب تارہ ہے، اور یہ کہہ کر آپ نے نیت باندھ لی، ادھر اس شخص کی حالت غیر ہوئی، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا، اور پھر بے ہوش ہو گیا، اس شخص نے اپنے مشاہدے میں حضرت غوث اعظمؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

تھی، ہوش میں آیا تو کہنے لگا کہ ”پالیا، پالیا، حضرت پنڈت جیؒ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا، اور فرمایا کہ خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ، ورنہ لوگ تیرا جینا دوبھر کر دیں گے، وہ فوراً نکل گیا، کسی کو سلام تک نہیں کیا، حضرت منورویؒ کو امید تھی کہ وہ ان کے ساتھ حق وفا ادا کرے گا، لیکن سنت سے آپ فارغ ہوئے تو وہ شخص وہاں موجود نہیں تھا، آپ نے پورا شہر چھان مارا، وہ کہیں نہیں ملا، آپ فرماتے تھے کہ مجھے صرف یہی تمنا تھی کہ اس نے حضرت غوث اعظمؒ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، میں کم از کم اس سے مصافحہ تو کر لیتا۔

حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت

مہدولی میں حضرت پنڈت جیؒ کا قیام قریب بارہ تیرہ سال رہا، پھر ملک کی تقسیم ہوئی تو آپ نے ہجرت کو ترجیح دی، حالانکہ آپ کے حلقہ کے کئی لوگ ہندوستان میں ہی رہنے پر اصرار کر رہے تھے، اس ہجرت کے پیچھے اصل جذبہ تو اسلامی اسٹیٹ کے انتخاب کا تھا۔

☆ دوسرے آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا گڑھلویؒ کو بھی ہندوؤں کے زیر اقتدار زندگی گذارنا قطعی پسند نہیں تھا، اس لئے کہ آپ اس سچی حقیقت کا ادراک رکھتے تھے کہ یہ متعصب اور تنگ نظر قوم ہے، اور ایسی قوم میں حکومت کی اہلیت نہیں ہوتی، جب ان کو موقعہ ملے گا مسلمانوں سے بدلہ لینے کی کوشش کریں گے، جنۃ الانوار میں حضرت کا یہ ملفوظ نقل کیا گیا ہے کہ:

> ”میں آزادی کا مخالف نہیں، لیکن خطرہ یہ ہے کہ یہاں جو قوم ہے وہ متعصب ہے کہیں آگے چل کر یہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے“ (۳۳۹)

☆ اور ایک بڑی وجہ پاکستان میں آپ کے شیخ ثانی حضرت مولانا حسین علیؒ کی سرزمین کی کشش بھی تھی۔

ہجرت کے بعد بھی رابطہ

حضرت پنڈت جیؒ کے بعض مکاتیب کراچی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی حضرت منورویؒ کا رابطہ حضرت پنڈت جیؒ سے قائم رہا، اور مختلف امور میں بحیثیت مسترشد مشورہ بھی فرماتے رہے، مثلاً:

(۳۳۹) جنۃ الانوار ص ۳۳۵ مضمون مولانا محمود صاحب، طبع ثالث۔

قطب دہلی کی کڑی توجہ کے بعد حضرت پنڈت جیؒ کے نام خط

۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۲ء میں سلسلۂ شاذلیہ کے بزرگ اور دہلی کے قطب حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ صاحب دہلویؒ (جو اپنے وقت کے مجذوب سالک بزرگ تھے) نے حضرت منورویؒ کو جب اپنی نسبت حوالے کی (جس کی تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی) تو دہلی سے واپسی پر تین ماہ تک آپ کی حالت سخت متغیر رہی، کھانا پینا متروک ہوگیا، بھوک ختم ہوگئی، استنجا تک کا تقاضا باقی نہ رہا، دماغ پر حرارت کا غلبہ ہوگیا، کہتے ہیں کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر صرف اسم ذات نظر آتا تھا، اور نہ معلوم کیا کیا کیفیات رہی ہونگی وہ تو وہی جانتے ہونگے--

ایسے حالات میں آپ کو حضرت پنڈت جیؒ کا خیال آیا کہ ان سے توجہ و استعانت کی درخواست کی جائے، حضرت منورویؒ نے پوسٹ کارڈ پر اپنی ساری کیفیات درج کیں، اور پتہ لکھ کر منورواشریف سے متصل بستی (درمیان میں کریہہ ندی حائل تھی) صلحابزرگ تشریف لے گئے، وہیں پوسٹ آفس تھا، آپ نے کارڈ پوسٹ آفس بکس میں ڈال دیا، بکس خالی تھا، کارڈ کے گرنے کی آواز آئی ''کٹ''، اس آواز کے سنتے ہی ساری کیفیت کافور ہوگئی، اسی وقت تیز بھوک لگی، صلحابزرگ ہی میں اپنے مخلص ومسترشد حضرت حاجی جمیل احمد صاحبؒ (جو بعد میں میرے نانا بزرگوار ہوئے) کے گھر تشریف لے گئے، ان حضرات نے ضیافت کی، اور آہستہ آہستہ طبیعت بحال ہوگئی (۳۴۰)۔

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ ہجرت کے بعد بھی حضرت پنڈت جیؒ سے آپ کے روحانی روابط قائم رہے، اور مختلف روحانی مسائل ومشکلات میں آپ نے ایک مرشد کی حیثیت سے ان سے استفادہ کیا۔

مکتوب سلطان الاذکار

☆اس واقعہ کے دو تین سال بعد آپ پر سلطان الاذکار کا غلبہ ہوا، سلطان الاذکار کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا پورا وجود ظاہر وباطن اور جسم کا رواں رواں حتیٰ کہ گرد وپیش بھی ''اللہ اللہ'' کرنے لگے، کتب تصوف میں سلطان الاذکار کی یہی کیفیت بتائی گئی ہے:

وذكر لا إله إلا الله أفضل من ذكر الجلالة مطلقاً هذا بلسان أئمة الظاهر، وأما عند أهل الباطن فالحال يختلف باختلاف أحوال السالك، فمن هو في ابتداء أمره ومقاساته لشهود

(۳۴۰) یہ واقعہ مجھ سے میرے والد ماجد نے نقل فرمایا اور میری دادی مرحومہ جمیلہ خاتون صاحبہؒ (محل ثانی حضرت منورویؒ) نے بھی اس کی تائید کی تھی۔

الأغيار وعدم انفكاكه عن التعلق بها وعن إرادته وشهواته وبقائه مع نفسه يحتاج إلى إدمان الإثبات بعد النفي حتى يستولي عليه سلطان الذكر وجواذب الحق المرتبة على ذلك، فإذا استولت عليه تلك الجواذب حتى أخرجته عن شهواته وإرادته وحظوظه وجميع أعراض نفسه صار بعيداً عن شهود الأغيار واستولى عليه مراقبة الحق أو شهوده، فحينئذٍ يكون مستغرقاً في حقائق الجمع الأحديّ والشهود السرمدي الفردي، فالأنسب بحاله الإعراض عما يذكره الأغيار والاستغراق فيما يناسب حاله من ذكر الجلالة فقط، لأن ذلك فيه تمام لذته ودوام مسرته ونعمته ومنتهى أربه ومحبته، بل إذا وصل السالك لهذا المقام وأراد قهر نفسه إلى الرجوع إلى شهود غيره حتى ينفيه أو يتعلق به خاطر لا تطاوعه نفسه المطمئنة لما شاهدت من الحقائق الوهبية، والمعارف الذوقية والعوارف اللدنية. وقد فتحنا لك باباً تستدل بما ذكرناه في فتحه على ما وراءه فافهم مقاصد القوم السالمين من كل محظور ولوم، وسلم لهم تسْلَمْ ولا تنتقد حقيقة من حقائقهم تندم، بل قل فيما لم يظهر لك الله أعلم. (۳۴۱)

★ثم یلاحظ اسم الذات فی اللطیفة القالبیة وھی جمیع البدن و اذاغلب الذکر واحاط البدن کله حتی صار کل خیر من البدن ذاکراً مثل القلب تسمیٰ ھذہ الحالة سلطان الاذکار (۳۴۲)

★قال العلامة محمد بن عبدالله الباقی علیہ الرحمۃ:فینتقل الیٰ لطیفة الجسد و ھی ان یذ کر بتجمع الجسد مستحضراً لھا فی نظر القلب بطریق المشاھدة فی الجمیر ان تعبدالله کانك تراہ ولا یزال علیٰ ذلك حتیٰ تصیر جمیع اجزائه تذکر بدنك ویحصل سلطان الذکر (۳۴۳)

آپ نے ان کیفیات سے حضرت پنڈت جیؒ کو آگاہ فرمایا، اور رہنمائی کے خواستگار ہوئے، حضرت پنڈت جیؒ نے اس کا جواب ۲۰/نومبر ۱۹۵۵ء مطابق ۳/ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ کو تحریر فرمایا، جو کراچی سے ۲۲/نومبر کی ڈاک سے چل کر ۲۹/نومبر کو دربھنگہ پہونچا، خط کا مضمون یہ ہے:

''عزیزم مولوی احمد حسن سلمہ۔ دعا

آپ کا جوابی کارڈ مرقومہ دربھنگہ مورخہ ۹/ستمبر کا ۱۷/ستمبر کی ڈاک سے بروقت موصول ہوکر کاشف حالات ہوا، دعا و توجہ سے استعانت کر دی ہے، جواب بہت تاخیر کے ساتھ

---

(۳۴۱) الفتاوى الحديثية {ذيل فتاوى ابن حجر الهيتمى} ج 1 ص 150 المؤلف / أحمد شهاب الدين بن حجر الهيتمي عدد الأجزاء / 1

(۳۴۲) قطب الارشاد ص 567 بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۴۔

(۳۴۳) البھجة السنیة فی آداب الطریقة النقشبندیة ص ۴۹ بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۶۴۔

جارہا ہے، کاتب کو مہلت نہیں ملی، ویسے بہمہ وجوہ خیریت ہے الحمد اللہ۔
معمولات پر صدق وخلوص کے ساتھ مداومت کے فوائد مرتب ہوتے نظر آ کر مسرت ہوئی،
سلطان الاذکار کی صلاحیت مبارک ہو سلطان الاذکار شروع کر دیں۔
مکتوبات امام ربانی ہر سہ جلد مترجمہ اردو، صدیق بک ڈپو لکھنؤ نولکشور لکھنؤ سے دریافت کرلیں، وہاں دستیاب ہوسکتی ہے، اس وقت اس کتاب کے مطالعہ کی آپ کو اشد ضرورت ہے۔
جواب میں معمولات کی فہرست، اوقات، تعین تعداد، مداومت کے اثرات جو آپ کی دانست میں مترتب ہوتے نظر آرہے ہیں، اس کو لکھ بھیجیں، ان کی روشنی میں مزید غور کیا جائے گا، مراقبات کون کون سے کر رہے ہیں وہ بھی لکھیں''۔
اچھا ہوں، سب لوگ اچھے ہیں، بہت بہت دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ پراگندگی روزی کے اثرات بد سے آپ کو محفوظ و مامون رکھے آمین۔

دعا گو نور اللہ لاشے

اس خط سے حضرت پنڈت جیؒ کے ساتھ آپ کے مضبوط رابطہ کا پتہ چلتا ہے۔
حضرت منورویؒ کو حضرت پنڈت جیؒ کے خطوط کا انتظار رہتا تھا، اپنے ایک خاص مسترشد اور عزیز جناب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صدیقیؒ (عرف بوا ڈاکٹر) (۴۴۴) مقام صلحا بزرگ ضلع سمستی پور کو پورنیہ

(۴۴۴) ڈاکٹر صاحب کا نام ''عبدالرحمن صدیقی'' تھا ''بوا ڈاکٹر'' سے مشہور تھے، والد صاحب کا نام شیخ نوتھنی (دفعدار) تھا، ڈاکٹر صاحب کی ولادت بمقام دودھپورہ ضلع سمستی پور ۱۹۲۶ء/ ۱۳۴۴ھ (غالباً) میں ہوئی، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، اس کے بعد پٹنہ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا، پھر پٹنہ ہی میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی، اور وہاں کئی ڈاکٹروں کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ ملا، فراغت کے بعد انہوں نے ڈاکٹری کا پیشہ اختیار کیا، اور وہ عملی زندگی میں ایک کامیاب ڈاکٹر ثابت ہوئے۔

وہ دودھپورہ کے رہنے والے تھے، چیروٹنہ (صلحا بزرگ سے متصل ایک گاؤں) میں سسرال ہونے کی بنا پر یہاں سکونت اختیار کرلی تھی، میرے نانا بزرگوار حضرت حاجی جمیل احمدؒ کے دروازے پر قیام تھا، بعد میں میرے نانا جان نے ان کو ایک زمین دے دی تھی اور انہوں نے وہاں اپنا ایک آشیانہ بنالیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب ایک زندہ دل، روشن ضمیر اور صاحب عمل انسان تھے، ان کی شخصیت سراپا جہد مسلسل تھی، ان کی زندگی کذب ومنافقت سے پاک تھی، ریاء ونمود کا بھی وہاں گذر نہیں تھا، وہ انگریزی تعلیم یافتہ تھے لیکن ان کا دینی مطالعہ کافی وسیع اور اسلامی معلومات پختہ تھیں۔ وہ کئی دینی رسائل وجرائد منگواتے تھے، نیز بزرگوں کی صحبت نے ان کے ذہن ودماغ==

== کو صیقل کر دیا تھا، ڈاکٹر صاحبؒ اس آخری دور میں میرے نانا محترم حضرت حاجی جمیل احمد صاحبؒ کے وصال کے بعد صلحا بزرگ کی آبرو اور وہاں کی تہذیبی قدروں اور تاریخی وراثت کے امین تھے۔ ان کا گھر علماء اور اہل دین کا مرجع تھا، صلحا بزرگ کی علمی اور تحریکی چیزوں میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔

ڈاکٹر صاحب کو حضرت منورویؒ سے والہانہ عقیدت تھی، وہ حضرت کو اپنا مرشد و مربی تصور کرتے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں لکھا ہے کہ ''میں نے حضرت سے ایک بار بیعت کی درخواست کی تھی، لیکن حضرت نے فرمایا کہ، ''تم کو بیعت کی ضرورت نہیں ہے، میرا فیض تم کو ہمیشہ ملتا رہے گا''

سفر و حضر میں کئی بار ان کو حضرت کے ساتھ رہنے کا ان کو موقعہ ملا، بقول ڈاکٹر صاحب قریب پچیس (۲۵) سال ان کو حضرت کی صحبت حاصل رہی، بہت سے واقعات و مشاہدات کے وہ راوی ہیں، جس زمانے میں حضرت منورویؒ کا قیام پورنیہ (سورجاپور موجودہ بنگال) میں تھا، حضرت سے ان کی مراسلت بھی رہتی تھی، اور وہ علاقہ اور گھر کی خبر و خیریت اکثر لکھا کرتے تھے، حضرت بھی ان کو بیٹے کی طرح پیار کرتے تھے،، وہ پڑھے لکھے ڈاکٹر تھے، لیکن شروع میں ان کی پریکٹس نہیں چلتی تھی، بار بار حضرت سے دعا کی درخواست کی، بلکہ بعض خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی خواہش تھی کہ پورنیہ ہی میں جا کر حضرت کے زیر سایہ ڈاکٹری کریں، لیکن حضرت نے اس کو مفید نہیں سمجھا، اور ان کو لکھا کہ یہ علاقہ اب بنگال میں جا چکا ہے آپ کی ڈاکٹری کے لئے یہ مناسب جگہ نہیں ہے، بقول ڈاکٹر صاحب حضرت نے ان کے لئے دعا کی تھی کہ تم کاغذ کے ناؤ نہیں ہو لکڑی کی کشتی ہو (قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ص ۳) یعنی تم کو مٹانا اور دبانا آسان نہیں ہے۔

بالآخر حضرت کی دعا سے وہ اپنے علاقے میں چمکے کہ ادھر پچاس (۵۰) کوس میں ان کے پایہ کا کوئی ڈاکٹر نہیں تھا، مریضوں کی ایک لائن لگ گئی، مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ خود بھی طلبی پر مریضوں کو دیکھنے کے لئے مختلف بستیوں کا سفر کرتے تھے، ہاتھ میں حضرت کی دعا سے شفا تھی، اخلاق بھی بلند تھا، آنے جانے والے لوگوں کے لئے ان کا دل اور ہاتھ دونوں کھلے ہوئے تھے، ان چیزوں نے ان کو مقبول عام بنا دیا تھا۔

حضرت منورویؒ کے چھوٹے بھائی اور شاگرد حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہری عرف مولانا بہادرؒ (منوروا شریف) کی بھی صحبت و ہم نشینی انہیں حاصل تھی، حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد ان کو اپنا دینی مقتدا سمجھتے تھے۔

ان بزرگوں کے بعد میرے والد ماجد سے تعلق رہا، مجھ سے بھی حسن ظن رکھتے تھے اور خوب دعائیں دیتے تھے، اکثر ہفتہ دو ہفتہ میں منوروا تشریف لاتے تو والد صاحب سے ملاقات کے ساتھ ہم جیسے معمولی بچوں کو بھی فراموش نہیں کرتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ حضرت منورویؒ کے حالات پر کوئی اچھی سی کتاب میں تیار کروں، اس کے لئے انہوں نے اپنے بعض واقعات و مشاہدات مجھے لکھ کر دیئے تھے، اور حضرت کے کئی خطوط بھی میرے حوالے کئے جو ان کے نام تھے، اور اکثر ملاقات پر اس تعلق سے پوچھتے تھے، مگر افسوس کہ ان کی زندگی میں یہ کام شروع نہ کیا جا سکا، ان کا انتقال ==

سے اپنے ایک خط (مرقومہ ۱۹/صفر ۱۳۷۵ھ مطابق ۸/اکتوبر ۱۹۵۵ء) میں تحریر فرماتے ہیں:

''آپ اگر آنا چاہتے ہیں، تو شب پنجشنبہ ۲۶/صفر کو تشریف لائیے، اور اگر حضرت پیر مرشد کا خط آیا ہو تو اس کو ضرور لیتے آیئے''

حضرت پنڈت جیؒ کے وصال کے بعد وصیت نامہ اور تبرکات

حضرت پنڈت جی کی خانقاہ ''وقف شاہ نوراللہ'' کی طرف سے ایک خط ان کے وصال کے بعد موصول ہوا، جو ان کے کاتب محمد نظیر الاسلام صاحب کے قلم سے تھا، اس خط میں حضرت کے وصال کی اطلاع، مطبوعہ وصیت نامہ اور اس کے ساتھ حضرت کی ہدایت کے مطابق چند تبرکات بھی شامل تھے، اس خط پر پنجشنبہ ۱۲/رجب المرجب ۱۳۷۸ھ (۲۱/جنوری ۱۹۵۹ء) کی تاریخ درج ہے، اس کا مضمون ہے:

''مکرمی احمد حسن صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اعلیٰ حضرت پیر کامل مکمل، مرشد برحق کے پردہ فرما لینے کی خبر آپ کو مقامی ذرائع سے بروقت مل چکی ہوگی، وصیت نامہ حضور کا چھپ کر تیار ہے، ملفوف ارسال خدمت ہے اس کے مطالعہ سے مزید معلومات اور رہنمائی حاصل کریں

والسلام معہ الاکرام

محمد نظیر الاسلام (کاتب)

وصیت نامہ حضرت پنڈت جیؒ -مندرجات پر ایک نظر

حضرت پنڈت جیؒ نے وصال سے دو تین ماہ قبل اپنی خانقاہ کراچی، اپنی ذات، خاندان، اور اپنی جائیداد سے متعلق ایک وصیت نامہ تیار کرایا تھا، جس میں ایک ایک چیز کی تفصیل درج کی گئی تھی، یہ

==۱۱/جنوری ۲۰۱۲ء مطابق ۱۵/صفر المظفر ۱۴۳۳ھ کو پٹنہ پی ایم سی ایچ میں ہوا، اور صلحا بزرگ کے قبرستان میں اپنے محسنوں اور سرپرستوں کے جوار میں مدفون ہوئے، فرحمہ اللہ۔

آج جب یہ کتاب لکھی جا رہی ہے یقیناً ان کی روح کو تسکین پہونچے گی، یہ ان کے حسین خوابوں کی تعبیر اور برسوں کی تمناؤں کا ثمرہ ہے، اللہ پاک اس کتاب کو ان کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے آمین۔

(ڈاکٹر صاحب کی ولادت ووفات اور تعلیم کے تعلق سے معلومات ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادگان جناب ڈاکٹر عطاء الرحمن عرف ڈاکٹر بیلو صاحب اور جناب لطف الرحمن عرف ہیرا صاحب سے حاصل ہوئیں، ان حضرات کو بھی ماشاء اللہ اپنے نامور والد کے اخلاق وکردار سے حصۂ وافر ملا ہے، اللہ پاک ان کی حفاظت فرمائے آمین)

وصیت نامہ چار (۴) دفعات پر مشتمل ہے:

☆ پہلی دفعہ وقف کی تولیت وخدمت اور اپنی تدفین سے متعلق ہے، حضرت پنڈت جی نے اپنی پوری جائیداد اپنی زندگی میں "وقف نور اللہ" کے نام سے وقف کردی تھی، اور خود اس کے متولی رہے، اپنے بعد ڈاکٹر محمد ظہیر صاحب کو اس کا متولی قرار دیا، اور شق نمبر تین کے مطابق انہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا بھی اختیار دیا گیا تھا، اور اگر کسی وجہ سے وہ نہ پڑھا سکیں تو ماسٹر نذیر السلام پڑھائیں گے، خانقاہ کی خدمت کے لئے جناب محمد ادریس صاحب کو نامزد فرمایا، اور اپنی قبر اسی مکان میں تیار کرنے کی وصیت کی جس کی تعمیر حضرت پنڈت جیؒ نے خود کرائی تھی۔

☆ دوسری دفعہ خانقاہ کی سجادگی وجانشینی سے متعلق ہے، انہوں نے اس خانہ کو خالی چھوڑ دیا، اور لکھا کہ سردست میرے حلقہ میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس کو جانشین یا سجادہ نشیں قرار دیا جائے، اگر آئندہ کوئی اس لائق ہوجائے، اور اسے مقبولیت بھی حاصل ہوجائے، تو اللہ کے حکم سے وہی میرا جانشین ہوگا۔

ظاہر ہے کہ اس دفعہ کا تعلق کراچی کی خانقاہ کی سجادگی سے ہے، اس کا بحیثیت خلیفہ روحانی بیعت وارشاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس سے ہرگز یہ معنیٰ پیدا نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے کسی کو بیعت و ارشاد کے لئے عام اجازت بھی نہیں دی تھی، اس لئے کہ اسی دفعہ میں اس بات کا ذکر موجود ہے کہ ۱۹۴۶ء میں حج بیت اللہ کی روانگی سے قبل انہوں نے جناب سید محمد ضحیٰ صاحب ولد سید عبداللہ صاحب کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اور سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں بیعت وارشاد کی اجازت دی تھی۔ وصیت نامہ تیار کرتے وقت محمد ضحیٰ صاحب بھی کراچی ہی میں موجود تھے، وصیت نامہ پر ان کا دستخط موجود ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت پنڈت جی نے ہجرت سے قبل ان کو جو بیعت کی اجازت دی تھی، وہ آئندہ بھی بیعت روحانی تک ہی محدود رہے گی، خانقاہ یا وقف میں کسی قسم کے تصرف واختیار کا انہیں حق حاصل نہ ہوگا۔

غرض یہ دفعہ کلیتاً کراچی کی خانقاہ سے متعلق ہے، اور ان تحدیدات کی ضرورت وہیں کے مقامی حالات کے پیش نظر تھی، اس کا حضرت پنڈت جیؒ کے عام سلسلۂ روحانی یا ہندوستان سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

البتہ آخری دفعہ (۴) میں حضرت نے اپنی اشیاء متفرقہ کے لئے چند مخصوص لوگوں کو (جن میں پاکستان اور بیرون پاکستان دونوں جگہوں کے لوگ شامل تھے) نامزد فرمایا، اور الگ الگ اشخاص کو الگ الگ چیزوں کا حقدار بنایا، اور اسی تقسیم کے مطابق حضرت منورویؒ کے پاس بھی چند چیزیں

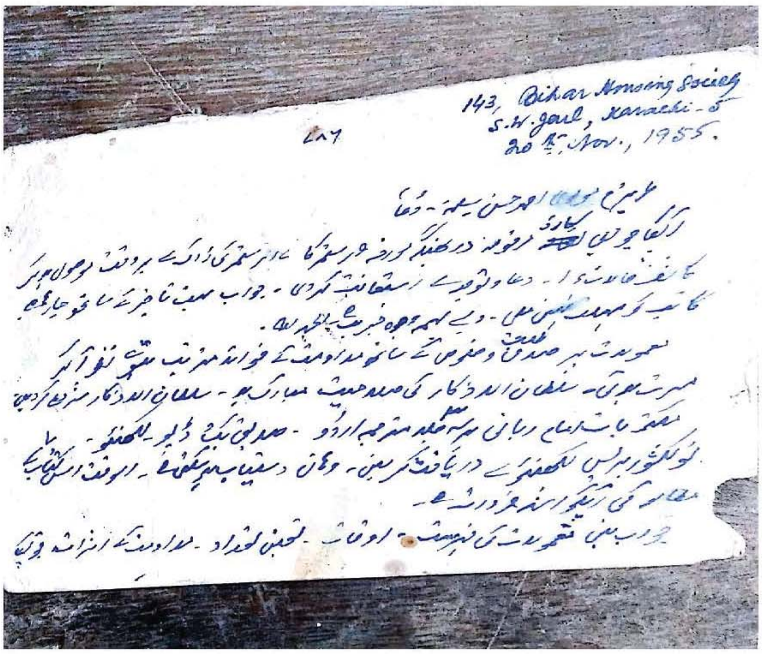
منوروا کے پتہ پر بھیجی گئی تھیں، اور اسی ضرورت کے تحت حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرتؒ کے کاتب (جناب محمد نظیر الاسلام صاحب) نے حضرت منورویؒ کو خط لکھا، اور نامزد اشیاء کے ساتھ وصیت نامہ کی ایک کاپی بھی ارسال کی۔

☆ حضرت منورویؒ کے خلیفۂ ارشد حاجی منظور احمد صاحب مصرولیاویؒ کا بیان ہے کہ: انہوں نے حضرت پنڈت جیؒ کا وہ مکتوب گرامی (پوسٹ کارڈ) بھی دیکھا تھا جس میں حضرت پنڈت جیؒ نے آپ کو اپنے سلسلہ کی اجازت بیعت وارشاد سے مشرف فرمایا تھا، مگر وہ کارڈ دریائے کریہہ کے سیلاب کی نذر ہو گیا (۳۴۵)۔

مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ (مہدولی)

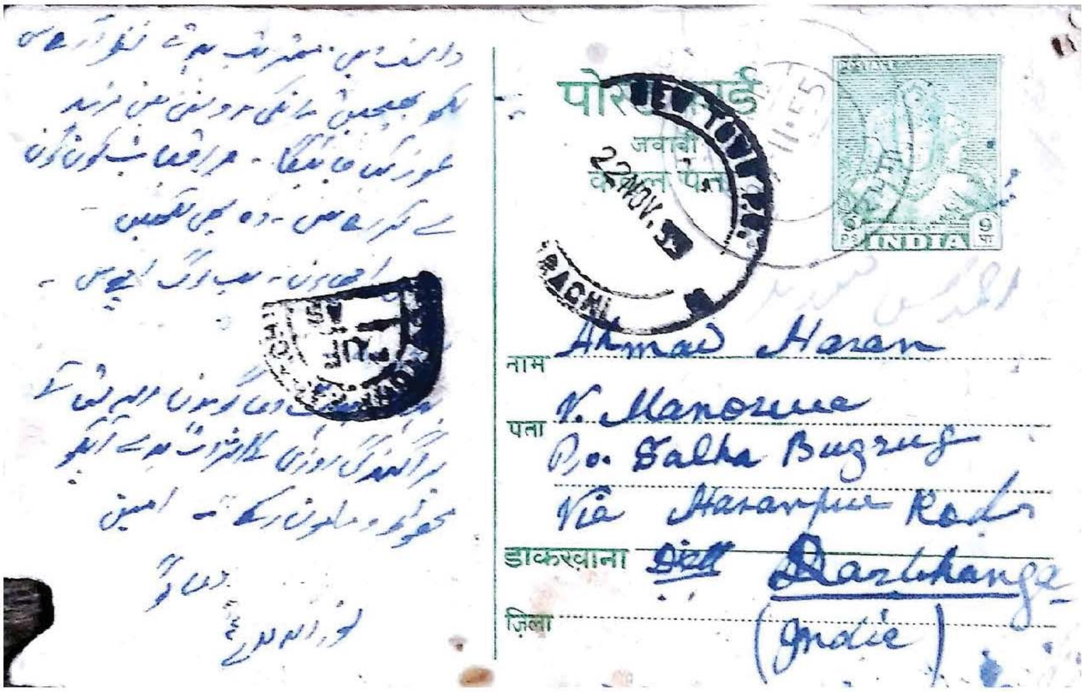
حضرت پنڈت جیؒ کا سلسلہ موسیٰ زئی کا ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ مشائخ سلسلہ وہی ہیں جن کا ذکر حضرت گڑھولویؒ کے ضمن میں گذر چکا ہے، نیز اس کا شجرۂ منظومہ (فارسی) بھی وہی ہے، جو حضرت گڑھولویؒ کے یہاں رائج تھا، میرے والد ماجد کی خواہش پر حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکا گڑھولویؒ نے ایک خط (مرقومہ ۹/اکتوبر ۱۹۸۲ء) کے ذریعہ حضرت پنڈت جیؒ کے نام کا ایک شعر موزوں کرکے ارسال فرمایا، وہ یہ ہے:

طفیل حضرت آں شاہ نور اللہ دیں پرور
سراپا نور ایماں، نور عرفاں، ہادی ورہبر

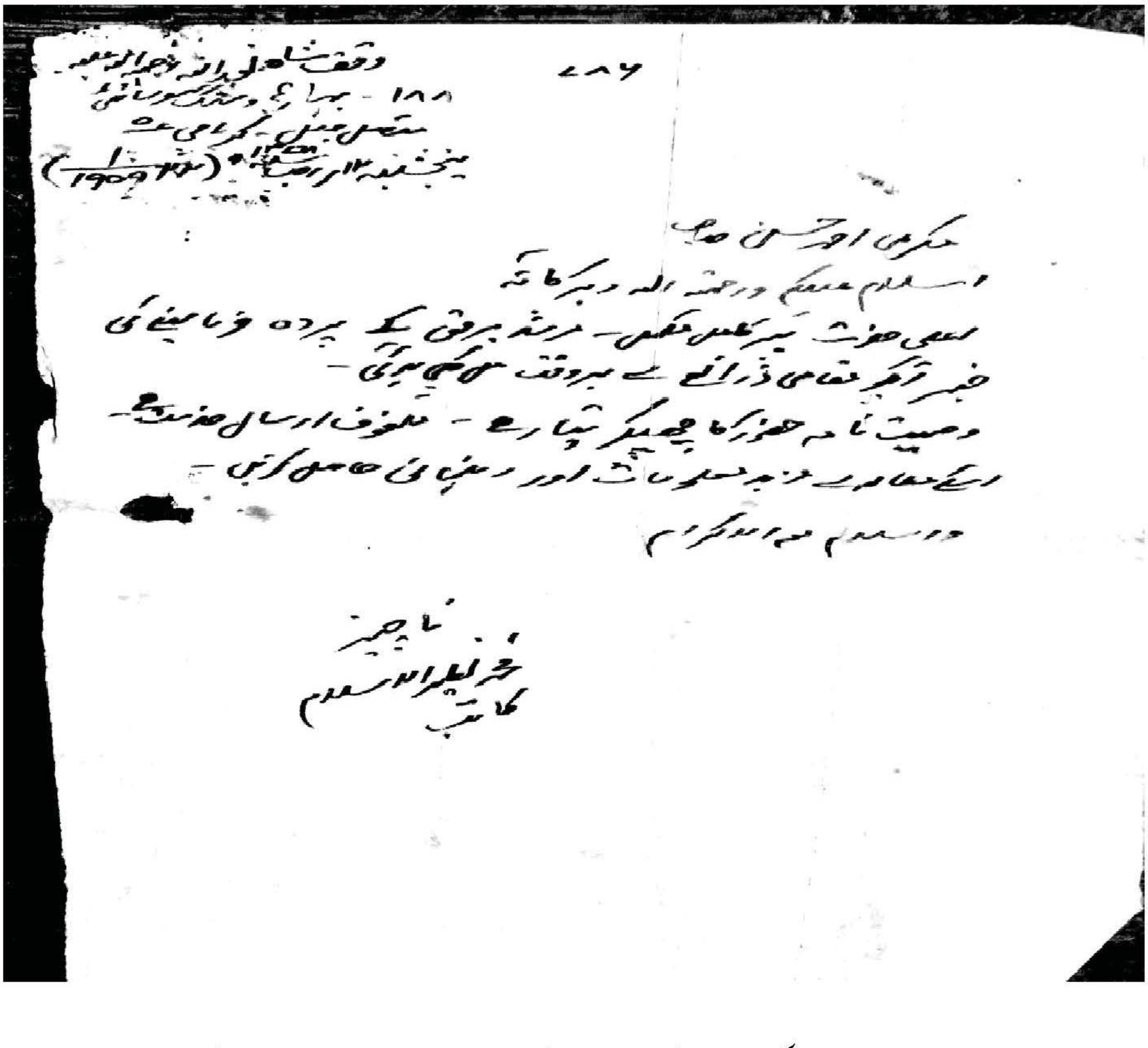

143, Bihar Housing Society
S.W. Jail, Karachi-5
20th Nov., 1955.

---

(۳۴۵) الاکلیل ص ۲۱۳ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ راجوی۔


Ahmad Hasan
V. Manorwa
P.o. Dalha Buzurg
Via Hasanpur Road
Darbhanga
(India)

حضرت منورویؒ کے نام حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کا مکتوب گرامی


۱۸۸ - بہار
(۱۹۵۹)

مکرمی احمد حسن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اعلیٰ حضرت پیر کامل مکمل - مرشد برحق کے پردہ فرما جانے کی
خبر آپکو مقامی ذرائع سے بروقت مل گئی ہوگی -
وصیت نامہ حضور کا چھپکر تیار ہے - ملفوف ارسال خدمت ہے -
اسے ملاحظہ فرما کر مسرت اور روحانی حاصل کریں -

والسلام مع الاکرام

ناچیز
محمد ظہیر الاسلام
کاتب

حضرت پنڈت جیؒ کی وفات کے بعد ان کے کاتب کا خط حضرت منورویؒ کے نام

وصیت نامہ

میں کہ شاہ نور اللہ شاہ خلیفہ حضرت مولانا بشارت کریم رحمۃ اللہ علیہ۔ گڑھول شریف ضلع مظفر پور صوبہ بہار ہندوستان بدرستگیٔ ہوش و حواس اور بلا جبر و اکراہ مندرجہ ذیل باتیں جن کا تعلق میری ذات، میرے خاندان و سلسلہ، میری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ سے ہے ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنی زندگی میں تمامی امور واضح کر دوں تاکہ کوئی ابہام اور غلط فہمی میرے بعد میرے مریدوں، بہی خواہوں اور عزیزوں کے درمیان پیدا نہ ہو۔ لہٰذا مندرجہ ذیل چند سطور بطور وصیت نامہ لکھ دیتا ہوں کہ بوقت ضرورت کام آئے۔

۱۔ کہ جائیداد غیر منقولہ میں صرف پلاٹ نمبر ۱۸۸ واقع بہار مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ تھی جس کو میں وقف فی سبیل اللہ کر چکا ہوں جو "وقف نور اللہ" کے نام سے موسوم ہے اور جس کا میں واحد اور تنہا متولی ہوں۔ میرے بعد اس وقف کے متولی ڈاکٹر محمد ظہیر صاحب ولد مولوی محمد رضی (مرحوم)، ساکن حال ۱۶۸ بہار مسلم کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ کراچی ۵ ہونگے۔ اور ان کو تمامی اختیارات بسلسلہ وقف حاصل ہوں گے۔ ڈاکٹر محمد ظہیر صاحب کو مزید حق ہوگا کہ وہ اپنے بعد کسی دوسرے متولی کا تقرر کریں۔ اس پلاٹ پر جو عمارت زیر تعمیر ہے اور مکمل شدہ حالت میں ہوگی وقف فی سبیل اللہ ہے اور بعد ممات۔ میرے جسد خاکی کو اسی مکان کے کمرہ شش پہل میں سپرد خاک کیا جائے گا اور یہ جگہ میری آخری آرام گاہ ہوگی۔ نیز یہ بھی واضح کر دیتا ہوں کہ محمد ادریس جو میری خدمت کرتے ہیں اس جگہ خدمت کرنے پر مامور رہ سکتے ہیں۔ محمد ادریس جب تک مجبور رہیں گے اس مکان کے دوسرے کمرہ میں مقیم رہ سکتے ہیں۔ لیکن بحالت شادی یہ اس مکان میں مع بیوی بچوں کے نہ رہیں۔ بلکہ دوسرے مکان میں رہیں۔ اور اس مکان میں دن کو خدمت کے لئے حاضر رہیں۔ محمد ادریس کو یہ بھی حق دیتا ہوں کہ وہ اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ تا عمر اس جگہ خدمت پر مامور رہیں۔ میرے متولی محمد ادریس کا خیال رکھیں۔

۲۔ کہ اپنے حلقہ میں سر دست کسی کو بھی اس قابل نہیں پاتا ہوں جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا متحمل ہو اس لئے کسی کو اپنا خلیفہ۔ جانشین۔ یا سجادہ نشین نہیں بناتا بلکہ اس جگہ کو خالی چھوڑتا ہوں اللہ کی امانت اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر بعدہ، اللہ تعالیٰ کسی کو اس عظیم ذمہ داری کے سنبھالنے کا اہل بنا دے اور اس کو مقبولیت عام حاصل ہو جائے تو وہی اللہ کے حکم سے میرا جانشین ہوگا۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں حج بیت اللہ کی روانگی سے قبل سید محمد رضی ولد سید عبد اللہ کو اپنا خلیفہ بنا چکا ہوں۔ جن کو صرف خاندان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں حق بیعت دیا ہے۔ اور صرف یہی حق میرے بعد بھی ان کو رہے گا۔

۳۔ کہ میری شمع حیات بجھنے کے بعد میرے جنازہ کی نماز ڈاکٹر محمد ظہیر صاحب پڑھائیں گے اور اگر کسی وجہ سے نماز جنازہ پڑھانے سے معذور ہو جائیں تو ماسٹر نذیر السلام صاحب پڑھائیں گے۔

۴۔ کہ میری جائیداد منقولہ کی ایک فہرست اس اعلان کے ساتھ منسلک ہے اور اشیاء متفرق کے ساتھ نام لکھ دیا گیا ہے جن کو وہ چیز دی گئی ہے۔ میرے متولی میرے بعد حقدار کو وہ چیز دے دیں۔ امید ہے کہ وہ اسے قبول کریں گے۔

مجھے امید ہے کہ جملہ صاحبان میرے اعلان کا خیر مقدم کریں گے اور اس پر عمل کریں گے اور کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گے اس وصیت نامہ کو محفوظ رکھا جائے۔ تحریر لکھ دی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

دستخط نور اللہ
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

(۱) گواہ شد
دستخط - محمد ظہیر
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

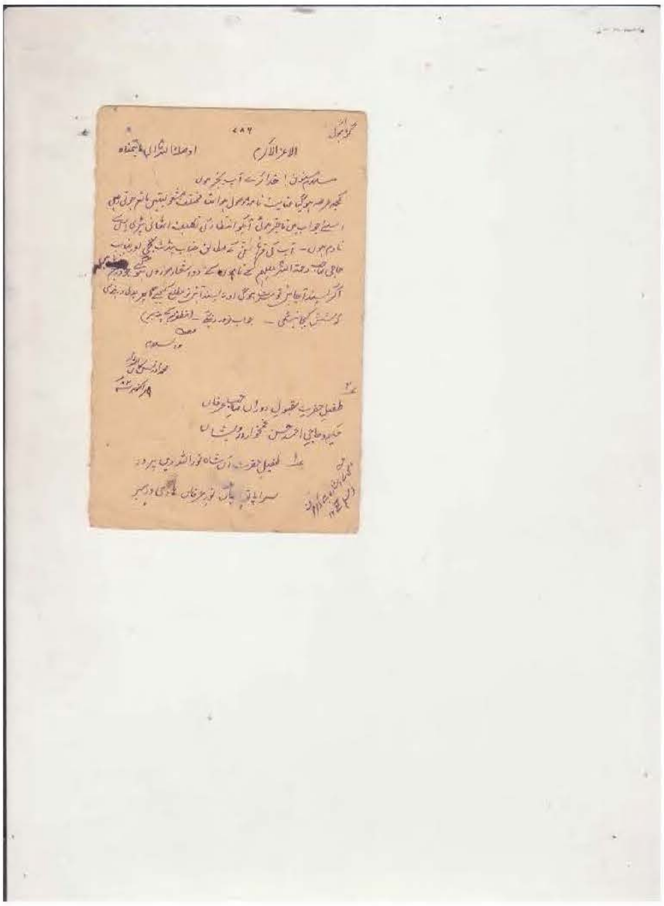
(۳) گواہ شد
دستخط - سید محمد رضی
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

(۲) گواہ شد
دستخط - محمد نظیر السلام
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

(۴) گواہ شد
دستخط - محمد ادریس
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

(۵) گواہ شد
دستخط - ابو الفضل محمد مکارم
۱۰ر جولائی ۱۹۵۸ء

حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کا وصیت نامہ



الاعز الاکرم

خدا کرے آپ بخیر ہوں

[illegible]

طفیل حضرت مقبول دوراں [illegible] عرفاں

حبیب و حاجی احمد حسن غمخوار درویشاں

طفیل حضرت آں شاہ نور اللہ دین پرور

سراپا [illegible] نور عرفاں [illegible] ہادی و رہبر

خط حضرت مولانا مفتی محمد ادریس گڑھولویؒ بنام حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب قادری نقشبندی (جس میں شجرۂ منظومہ کے لئے حضرت پنڈت جیؒ اور حضرت منورویؒ کے ناموں کے اشعار رقم کئے گئے ہیں)۔

(۷)

سلسلۂ ہفتم

سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ

تعارف اور خصوصیات

نقشبندیہ توکلیہ- طریق پنجم

حضرت منورویؒ کو خانقاہ مظہریہ (دہلی) کی ایک شاخ سلسلۂ توکلیہ سے بھی نسبت نقشبندیت حاصل ہوئی تھی، سلسلۂ توکلیہ حضرت خواجہ توکل شاہ انبالویؒ (ولادت ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء وفات ۴/ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۲/ اگست ۱۸۹۷ء) سے منسوب ہے، جن کا سلسلہ چار (۴) واسطوں سے حضرت خواجہ ابوسعید مجددی دہلویؒ تک پہونچتا ہے، سلسلۂ توکلیہ کی ایک شاخ حضرت سید بشارت علی شاہ میرٹھیؒ (م ۲۷/ رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۶/ ستمبر ۱۹۴۳ء)(۳۴۶) کے واسطے سے حضرت صوفی عبدالکریم شاہ بشارتیؒ تک امروہہ (یوپی) میں پہونچی ہے، وہ شاخ اپنے مشائخ سلسلہ کی مناسبت سے ''سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ'' کے نام سے موسوم ہے، یہ نسبت حضرت منورویؒ کو کب اور کیسے حاصل ہوئی؟ اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، البتہ اندازہ یہ ہے کہ یہ حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولوی کے وصال (۱۹۳۵ء) کے بعد کی بات ہے، کیوں کہ وہ آپ کے آخری پیر تھے ،جن کے دست مبارک پر آپ نے بیعت کی تھی، اس لئے ان کی حیات میں آپ کسی جانب توجہ نہیں فرما سکتے تھے، اور نہ اس طرح کی کوئی چیز قبول کر سکتے تھے--- حضرت گڑھولویؒ کے بعد متعدد مشائخ سے آپ کو نسبتیں عطا ہوئی ہیں، مگر باضابطہ بیعت نہیں ہوئے۔

بہر حال اس سلسلۂ خاص کا شجرہ حضرت منورویؒ کے پاس موجود تھا، جس میں ضروری وظائف بھی

(۳۴۶) حقیر راقم الحروف کی کتاب ''تذکرۂ حضرت آہ مظفر پوریؒ'' میں حضرت مولانا حکیم احمد حسن منورویؒ کے ذکر میں آپ کے مشائخ میں ''حضرت شاہ بشارت اللہ بہرائچیؒ'' کا نام تحریر کیا گیا ہے (ص ۱۴۱ حاشیہ ۲۸۸) مگر یہ سہو قلم ہے، یہ حضرت سید شاہ بشارت علی میرٹھیؒ ہیں، جن قارئین نے میری مذکورہ کتاب پڑھی ہو براہ کرم اس کی اصلاح کرلیں۔

ہیں ، میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم کو حضرت منورویؒ نے بطور خاص یہ شجرہ عنایت فرمایا تھا، اور اس کو پڑھنے اور معمول بنانے کی ہدایت دی تھی ، اور یہ آج بھی والد صاحب کے معمولات میں شامل ہے، یہ بات خود والد صاحب نے مجھے بتائی، اور یہ شجرہ بھی آپ ہی کے ذریعے مجھے حاصل ہوا۔

''سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ'' کی خصوصیات

اس سلسلے میں دیگر سلاسل کے مقابلے میں واسطے زیادہ ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ تک درمیان میں تقریباً چودہ (۱۴) واسطے ہیں، البتہ اس سلسلے میں وظائف کم اور فکر پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

☆ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہاں نقشبندیت کی تعلیم میں قادریہ کی تعلیم کا بھی امتزاج پایا جاتا ہے، اسی لئے یہ حضرات اپنے کو قادریہ نقشبندیہ کہتے ہیں ، اس طریق میں مرید کو ذکر سری اور ذکر جہری دونوں کی اجازت ہوتی ہے۔ یہ چیز باقاعدہ اس سلسلہ کی تعلیمات میں صریح طور پر مذکور ہے، میرے سامنے وہاں کے شجرہ کی کتاب موجود ہے جو سولہ (۱۶) صفحات پر مشتمل ہے، اس میں طالب کو ہدایات دیتے ہوئے لکھا گیا ہے:

> ''دوسو (۲۰۰) مرتبہ لا الٰہ الا اللہ اور چارسو (۴۰۰) مرتبہ قلب پر الا اللہ تکرار کے ساتھ خفی یا جہر کرے، چھ سو (۶۰۰) مرتبہ الا اللہ جہر سے کرے تو بھی جائز ہے، خفی کرے تو بھی ، قادریہ حضرات کے طریقہ پر جہر سے کر کے بہتر ہے، کیونکہ ہم قادریہ نقشبندیہ ہیں ، یا جس طرح شیخ تعلیم کرے'' (۳۴۷)

(۳۴۷) وسیلۂ نجات یعنی شجرۂ عالیہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ، توکلیہ، محبوبیہ، اصغریہ، بشارتیہ، کریمیہ رحمۃ اللہ علیہم ص ۱۶ حسب فرمائش حضرت خلیفہ صوفی میاں نور محمد صاحب کریمی امروہوی ثم الدہلوی مقیم لال چاہ کٹرہ شیخ چاند دہلی ، زیر ہدایت حضرت صوفی عبد الکریم شاہ صاحب بشارتی امروہوی خلیفۂ اعظم پیر سید بشارت علی شاہ صاحب میرٹھیؒ، الامان پریس دہلی۔

حضرت منورویؒ کی نانیہالی (نانا جان حضرت مولانا سید شاہ امیر الحسن قادریؒ کی) نسبت چونکہ قادریہ ہے، اور اسی نسبت میں آپ پہلی بار اجازت وخلافت سے بھی مشرف ہوئے، اس لئے سلسلۂ قادریہ سے آپ کو فطری لگاؤ تھا اور یہ نسبت آپ کے ذوق کا حصہ تھی، ممکن ہے کہ اسی ذوق نے آپ کو اس سلسلہ کی طرف متوجہ کیا ہو کہ سلسلۂ مجددیہ کی یہ ایسی شاخ ہے جہاں طالب کو دونوں طریق کے وظائف واحوال سے بیک وقت آشنا کرایا جاتا ہے، اور اس سے طالب میں ایک نئی کیفیت اور نیا رنگ پیدا ہوتا ہے اور کم وقت میں دو منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔

☆ تیسری خصوصیت اس سلسلہ کی یہ ہے کہ حضرت مرزا مظہر جاناں کے شیخ حضرت نور محمد بدایونیؒ کے علاوہ آپ کے دونوں مشائخ حضرت حافظ محسنؒ اور حضرت عابد سنامیؒ کے اسماء گرامی بھی باقاعدہ طور پر داخل شجرہ ہیں، تاکہ ان کی برکات وفیوض بھی مسلسل طالب کو حاصل ہوں، اکثر شجرات نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت نور محمدؒ بدایونی کے بعد براہ راست خواجہ سیف الدینؒ کا نام ذکر کیا گیا ہے، جب کہ حضرت مرزا صاحبؒ نے مذکورہ دونوں بزرگوں سے بھی کافی استفادہ کیا تھا۔

☆ اس سلسلہ کی ایک خصوصی ہدایت کا ذکر بھی اس موقعہ پر فائدہ سے خالی نہیں، جو مذکورہ کتاب میں درج ہے اور فی زمانہ اس کی بڑی اہمیت ہے:

> ''درویش کو کسی فتنہ فساد میں نہیں پڑنا چاہئے، ظاہر بیں اور خشک ملاؤں اور زمانۂ حال کے نئے نئے مذاہب کے غلط رویہ سے پرہیز چاہئے، اور حکومت کے ساتھ کسی معاملہ میں سرکشی نہ چاہئے، ہر ایک امر میں اپنے شیخ کی اجازت لیوے تو مرید کے واسطے بہتر ہوگا، بلا اجازت شیخ کے کفار کی مجلس اور کسی معاملہ میں شرکت نہ کرے'' (۳۴۸)

حضرت منورویؒ نے حضرت سید شاہ بشارت علی میرٹھیؒ (م ۲۷ / رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۶ / ستمبر ۱۹۴۳ء) کا زمانہ پایا تھا، بلکہ ان کے پیر حضرت اصغر علی شاہ صاحبؒ، راودر شریف (م ۹ / ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۶ / اپریل ۱۹۳۱ء) اور ان کے پیر حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ گجرات، پاکستان (م ۲۱ / رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۹ / جون ۱۹۱۸ء) سے بھی آپ کی ملاقات ممکن تھی (۳۴۹)، لیکن یہ شجرہ آپ کو ان کی وفات کے بعد ملا تھا، اس لئے کہ شجرہ میں ان کے ناموں کے

---

(۳۴۸) وسیلۂ نجات یعنی شجرۂ عالیہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ، توکلیہ، محبوبیہ، اصغریہ، بشارتیہ، کریمیہ رحمۃ اللہ علیہم ص ۵

(۳۴۹) دراصل سلسلۂ اول کی تکمیل کے بعد کسی بھی شیخ سے رجوع آپ نے اپنی طلب کی بنیاد پر نہیں کیا، بلکہ یا تو حسن اتفاق سے کسی شیخ وقت کے یہاں حاضری ہوئی، اور خود ان مشائخ ہی نے بلا طلب اپنی نسبت آپ کے حوالے فرمادی ==

سامنے سن وفات بھی درج ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی ہے، البتہ حضرت بشارت علی میرٹھیؒ کے خلیفہ حضرت صوفی عبدالکریم بشارتیؒ اس وقت باحیات تھے، ان کو دامت برکاتہم لکھا گیا ہے، قرین قیاس یہ ہے کہ آپ کی ملاقات انہی سے ہوئی تھی، شجرہ میں صوفی صاحب کے خلیفہ صوفی نور محمد صاحبؒ کا بھی ذکر ہے، جن کی خانقاہ لال کنواں کٹرا شیخ چاند دہلی میں تھی، غالب گمان یہ ہے کہ صوفی عبدالکریم صاحب امروہویؒ یہاں تشریف لاتے ہونگے، اور حضرت منورویؒ کو یہیں شرف لقا حاصل ہوا ہوگا، اور یہ بھی امکان ہے کہ صوفی نور محمد صاحب ہی واسطہ ہوں اور انہی سے یہ نسبت اور شجرہ آپ کو حاصل ہوا ہو۔ **والعلم عنداللہ۔**

مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ

اس سلسلہ کے مشائخ کی ترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) حضرت صوفی عبدالکریم شاہ بشارتیؒ (امروہہ، یوپی)

(۲) حضرت پیر سید بشارت علی شاہ صاحبؒ میرٹھ، یوپی (م ۲۷/ رمضان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۶/ستمبر ۱۹۴۳ء)

(۳) حضرت اصغر علی شاہ صاحبؒ، راودر شریف (م ۹/ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ مطابق ۲۶/اپریل ۱۹۳۱ء)

(۴) حضرت مولانا محبوب عالم صاحبؒ گجرات، پاکستان (م ۲۱/ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

== اکثر سلاسل میں آپ کی نسبتوں کا یہی حال ہے، ورنہ مذکورہ بالا مشائخ آپ کی پیدائش بلکہ شعور و ادراک اور عرفان ذات کی عمر میں آنے کے بعد بھی زندہ تھے، اگر ان بزرگوں سے ملنے کی آپ کو طلب ہوتی تو بآسانی ملاقات ہوسکتی تھی، ملک تقسیم نہیں ہوا تھا اور سرحدیں حائل نہیں تھیں، اگر ایسا ہوتا تو اس سلسلہ میں بھی واسطوں کی اتنی کثرت باقی نہ رہتی، درمیانی واسطے کم ہوجاتے، اور یہ نسبت بھی عالی ہوجاتی۔ لیکن آپ کے حالات اور مزاج کے پیش نظر غالب گمان یہی ہے کہ دلی کے اسفار کے دوران ہی اس سلسلہ کے کسی بزرگ سے آپ کی ملاقات ہوئی، اور انہوں نے ایک لائق و فائق فرزند دیکھ کر خود ہی اپنی نعمت آپ کے حوالے فرمادی۔

دراصل جس طرح مرید کو پیر کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح پیران طریق کو بھی اپنا سلسلہ زندہ اور باقی رکھنے کے لئے زندہ اور لائق افراد کی ضرورت پڑتی ہے، اور اس کے لئے بسا اوقات بالہام ربانی مشائخ کو دور دراز کا سفر بھی کرنا پڑتا ہے، ملکوں کی سرحدیں عبور کرنی پڑتی ہیں، ورنہ اچھے فرزند میسر نہ ہوں تو سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، یا غلط ہاتھوں میں پڑ کر مسخ ہوجاتا ہے۔ تاریخ تصوف میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

مطابق ۲۹ / جون ۱۹۱۸ء)(۳۵۰)

(۵) حضرت خواجہ توکل شاہ انبالویؒ (ولادت ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء وفات ۴ / ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۲ / اگست ۱۸۹۷ء)(۳۵۱)

(۳۵۰) آپ کا وطن موضع سید التحصیل پھالیہ ضلع گجرات (پنجاب) تھا، علوم دینیہ کی تحصیل کے لئے آپ ہندوستان گئے، اور فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس مقرر ہوئے، باطنی تعلیم کے لئے حضرت شاہ توکل انبالویؒ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور شرف بیعت حاصل کر کے ملازمت پر کرنال واپس آ گئے، پھر تین مہینہ کے بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر انبالہ چلے آئے، یہاں آپ کے آنے پر مدرسہ توکلیہ جاری ہوا، آپ قیام مدرسہ سے مسلسل گیارہ (۱۱) برس تک حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے، اور حضرت کے خلفاء خاص میں شمار کئے گئے، آپ سے نواحی گجرات میں بڑا فیض پہونچا اور بہت سے لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، آپ نے اپنے پیر و مرشد کے حالات پر ایک کتاب ''ذکر خیر'' لکھی تھی، آپ کا وصال ۲۱ / رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ مطابق ۲۹ / جون ۱۹۱۸ء کو ہوا (تذکرۂ نسبت نقشبندیہ توکلیہ ص ۶۱۸ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی)

(۳۵۱) خواجہ توکل شاہؒ موضع پکھوکے (جو ضلع گورداسپور میں موضع رتر چھتر اور ڈیرہ بابا نانک کے درمیان واقع ہے) میں قریب ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوئے، والدین کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا تھا، آپ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھے، آپ کے نانا جان میاں اللہ دین شاہ مست نے جو نوشاہی طریق کے ایک صاحب نسبت درویش تھے، اس در یتیم کی پرورش کی۔

آپ کا نام کچھ اور تھا، توکل شاہ لقب تھا جو خود ان کے بقول ان کو اللہ کی طرف سے عطا ہوا تھا، آپ کو ''میاں صاحب'' بھی کہتے ہیں۔

بچپن ہی سے آپ کو بزرگوں کی صحبت کا شوق دامنگیر تھا، اسی خیال سے سن بلوغ سے پہلے ہی آپ نے وطن کو خیر باد کہہ دیا، اور پھرتے پھراتے ہریانہ کے علاقہ اور کہاں کہاں ہوتے ہوئے اجمیر شریف پہونچے، وہاں ایک بزرگ چشتی نظامی رہتے تھے آپ اکثر ان کی صحبت میں حاضر ہوتے، وہ ایسے صاحب استغراق تھے کہ صبح سے اپنے حجرے کا دروازہ بند کر کے ظہر کے وقت تک مراقبے میں رہتے تھے اور سماع میں شریک نہ ہوتے تھے، ایک روز اسی بزرگ نے آپ کو بطریق چشتیہ نفی اثبات کی تلقین کی، اسی وقت کلمۂ شریفہ قلب پر جاری ہو گیا، اور عجیب کیفیت وارد ہوئی، کچھ عرصے کے بعد اس بزرگ کو حضرت خواجہ غریب نواز کی بارگاہ سے حکم ہوا تھا کہ تم بصرہ کے قطب ہو گئے ہو، وہاں چلے جاؤ۔

دوسری طرف حضرت خواجہؒ کی بارگاہ سے آپ کو اشارہ ہوا کہ تمہارا پیر پنجاب میں ہے اور تمہارا حصہ خاندان نقشبندیہ میں ہے، چنانچہ آپ وہاں سے پیر کی تلاش میں روانہ ہوئے اور گھومتے ہوئے جہانخیلاں پہونچے اور حضرت خواجہ قادر بخشؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ بھی باشارۂ غیبی آپ کے منتظر تھے، انہوں نے اپنے سینے سے لگا کر نسبتِ نقشبندیہ کا القاء فرمایا اور انوار لطائف سبعہ اور فیوض ولایات ثلاثہ وغیرہ سے آپ کو مالا مال کر دیا، فیض کا غلبہ اس قدر = =

== قدر ہوا کہ آپ کے ناک سے خون نکلنے لگا، اور آپ بے ہوش ہو گئے، کسی نے اس حالت میں آپ کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو مست ہو گئے، ان سے سلسلہ کس طرح جاری ہوگا، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ان سے بڑا سلسلہ جاری ہوگا اور میری روح ان کے مریدوں کی پرورش کرے گی، دو ماہ قیام کے بعد پیرومرشد کی طرف سے واپسی کی اجازت ملی اور آپ نے انبالہ آکر قیام فرمایا، پھر وقفہ وقفہ سے حاضر ہوتے رہے، تھوڑے ہی عرصے میں خلافت سے مشرف ہوئے، آپ کہا کرتے تھے:

''مولوی! خلافت آسمان سے خدا کی طرف سے ہوتی ہے، چنانچہ جب اس فقیر کو حضرت مرشدنا قدس سرہ کی طرف سے اجازت ملی تو میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک دستار لٹک رہی ہے، اور اس فقیر کے سر پر خود بخود لپٹ رہی ہے''

خاندان مجددیہ میں شامل ہونے کے بعد آپ نے سماع ترک کر دیا، آپ نے بڑی ریاضتیں کیں، بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو سلطان الاذکار کی مشق ایسی تھی کہ عالم شباب میں کڑے جاڑے میں انبالہ کے نبو والے تالاب میں حبس دم کے ساتھ غوطہ لگا کر نفی اثبات کیا کرتے تھے، اور دو دو گھنٹے کے بعد سر نکالتے، اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس شغل میں جو اسرار کھلتے ہیں وہ اور کسی شغل میں نہیں کھلتے، آپ پر سکرات کا غلبہ رہتا تھا، وضو کرتے وقت بڑی دقت ہوتی تھی، ایک عضو دیر تک دھوتے رہ جاتے اور ایک ایک گھڑا پانی ختم ہو جاتا تھا، پھر وصال سے کچھ قبل استغراق کا ایسا غلبہ ہوا کہ بمشکل وقت پر صرف نماز ادا کر پاتے تھے، کبھی ایک ہی رکعت پر سلام پھیر دیتے تھے، مگر کبھی نماز قضا نہ ہوتی تھی، مراقبہ میں بڑا استغراق رہتا تھا، مراقبہ شروع ہونے کے بعد خواہ آندھی چلے طوفان آئے کچھ پتہ نہیں چلتا تھا، پہلے آپ پر وحدت وجود کا غلبہ ہوا کچھ دنوں کے بعد وحدت شہود کی منزل ملی، فرماتے تھے کہ پہلے تو ہم اسی (وحدت الوجود) کو ایک بہت بڑی چیز جانتے تھے، مگر آگے چل کر معلوم ہوا کہ توحید کے آگے شاہراہ شہود بھی ہے۔

آپ نے مزارت اولیاء سے بھی کافی فیض حاصل کیا تھا۔ پیرومرشد کے وصال کے بعد بہت دنوں تک کسی کی بیعت نہ کی، جو آتا دوسرے خلفاء کے پاس بھیج دیتے تھے، آپ کے پہلے مرید خلیفہ عالم شاہ ہیں، پھر بہت جلد آپ کا فیض دور دور تک پہونچ گیا، لاہور، دہلی، کرنال، پانی پت، اجمیر شریف، احمد آباد، جے پور، بمبئی وغیرہ سے ارادتمند پروانہ وار حاضر ہو کر داخل سلسلہ ہوئے۔ بعض جن بھی آپ کے مرید تھے، آپ کی توجہ بہت سخت ہوتی تھی، بسا اوقات حاضرین حلقہ تڑپ کر بے ہوش ہو جاتے تھے، بعض لوگوں نے جادوگر کہنا شروع کیا، مگر وہ بھی پھر معتقد ہو گئے۔

ایک بار دریائے راوی کے کنارے ذکر میں مصروف تھے، کئی دنوں تک کھانے پینے کی چیز میسر نہ ہوئی تو میاں صاحب نے اللہ پاک سے مدد مانگی، چنانچہ کئی روز تک ان حضرات کو غیب سے تیار شدہ کھانا ملتا رہا، مگر اس کو من وسلویٰ قرار دینا بے ادبی قرار دیتے تھے، یہ صرف غیبی نصرت تھی۔ وہ فرماتے تھے کہ نعمت خواہ ایک ہی طرح کی ہو لیکن غیر انبیاء کو انبیاء کے مشابہ قرار دینا کسی بھی اعتبار سے بے ادبی ہے۔ ==

(٦) خواجہ قادر بخش جہانخیلیؒ (ولادت ۱۷/شوال المکرم ۱۲۳۷ھ مطابق ٦/جولائی ۱۸۲۲ء- وفات ۸/ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۹/اگست ۱۸۵٦ء)(۳۵۲)

== آپ علماء کا بے حد احترام کرتے تھے، آپ نے انبالہ میں مدرسہ توکلیہ کی بنیاد ڈالی، اور علم دین کے فیض کو عام کیا، ---عالم نہیں تھے، مگر علم لدنی سے حصۂ وافر ملا تھا، قرآن وحدیث اور تصوف سے متعلق بڑے قیمتی نکات بیان فرماتے تھے، بڑے صاحب کشف اور صاحب تصرفات تھے، وہ کبھی کبھی کراماً کاتبین کے اعمال لکھنے کا بھی مشاہدہ فرماتے تھے، حزب البحر نہیں پڑھتے تھے، آخری عمر میں اسہال ہو گیا تھا، دن رات میں پچاس پچاس مرتبہ بیت الخلا جانا پڑتا تھا، مگر اس حالت میں نماز پنجگانہ اور اشغال ومراقبات جاری رہے، بیعت وارشاد کی اجازت وخلافت بہت لوگوں کو دی، مگر خانقاہ کا سجادہ نشین اور اپنا جانشین کسی کو نہیں بنایا اور اس کو خدا کے حوالے کر دیا، کہ وہ جس کو چاہے اس لائق بنا دے گا، آپ کا یہ عمل بھی توکل ہی پر مبنی تھا، ۴/ربیع الاول ۱۳۱۵ھ مطابق ۲/اگست ۱۸۹۷ء یوم چہار شنبہ آپ نے انتقال فرمایا، جنازہ میں خلائق کا ہجوم تھا، دوبار نماز جنازہ پڑھی گئی، رات میں دس بجے تدفین عمل میں آئی۔

جب اٹھی پیا کی خاطر کو میں ڈھونڈ رہی مورے ہاتھ نہ آئیو
اور سکھی اپنا پی سووت کھویو میں اپنا پی جاگ گنوائیو

(تاریخ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۴۸۱ تا ۲۰۹ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی)

(۳۵۲) آپ کی ولادت باسعادت بروز دوشنبہ ۱۷/شوال المکرم ۱۲۳۷ھ مطابق ٦/جولائی ۱۸۲۲ء کو ہوئی، آپ کا لقب شمس العرفاں ہے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی دیدار بخش تھا، وہ بھی بڑے عارف وکامل تھے، اور غزنی سے جہان خیل کی زمین پر آ کر آباد ہوئے تھے، پانچ سال کی عمر میں قرآن کریم شروع کیا اور سات سال کی عمر میں ختم کیا، انہی ایام میں آپ کے والد ماجد نے کشمیر میں وفات پائی ،ان کا مزار کشمیر ہی میں پنجابی پیر کے نام سے مشہور ہے، بارہ سال کی عمر میں اردو، فارسی اور دینیات کی تعلیم میں مشغول رہے، پھر کھیتی کرنے لگے، چودہ (۱۴) سال کی عمر میں کھیتی کا کام چھوڑ کر تن تنہا لدھیانہ چلے گئے، اور انگریزی فوج میں ملازم ہو گئے، جس رسالہ میں آپ ترم بجانے کی ڈیوٹی پر تھے، وہ بھی کابل پر حملہ میں شریک ہوا، لڑائی ختم ہونے کے بعد آپ پانچ (۵) سال کابل ہی میں رہے، اسی اثنا آپ نے شاہ عنایت اللہ سے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور خلافت حاصل کی، پھر اپنے وطن اصلی کلال گو میں ایک سال قیام کیا، بعد ازاں پشاور ہوتے ہوئے لاہور پہونچے، اور نواب شیخ امام الدین کے یہاں ترم یا مرلی بجانے کے کام پر ملازم ہو گئے، لاہور سے آپ سنگھڑ شریف میں حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سلسلۂ چشتیہ کی نسبت مع خلافت لے کر کشمیر پہونچے، وہاں ایک درویش سید احمدؒ سے خاندان سہروردیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت ارشاد پا کر جالندھر تشریف لائے۔ یہاں حاجی حافظ محمود صاحبؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے، بیعت ہونے کے بعد آپ جمعدار محکمۂ پولیس ہو گئے، پھر ترقی کرتے ہوئے انسپکٹر ہو گئے، پھر حاجی صاحبؒ کے اشارہ پر نوکری چھوڑ دی، حاجی صاحب نے آپ کو خلافت سے مشرف کر کے خلق خدا کی تلقین وہدایت کا حکم ==

(۷) حضرت حاجی حافظ محمود شاہ صاحبؒ، جالندھر (م ۸ / ربیع الاول ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۱ /نومبر ۱۸۸۸ء) (۳۵۳)

==دیا، آپ وہاں سے اپنے وطن جہانخیلان میں آ گئے، پہلے مسجد میں قیام فرما کر ذکر واذکار شروع کیا، لیکن گاؤں کے لوگوں نے مذاق اڑایا کہ بزرگ بنتا ہے، ہمارا پیر بننا چاہتا ہے، تو مسجد چھوڑ کر ایک دوسری جگہ قیام فرمایا جواب کوٹ عبد الخالق کے نام سے مشہور ہے، یہی آپ کا مرکز رشد وہدایت بنا، آپ کے پہلے مرید جناب امام بخش ہوئے، پھر آپ کا فیض دور دور تک پہونچا، آپ کو حبس دم کی ایسی مشق تھی کہ صبح کو مکھن بادام نوش فرما کر حبس دم کرتے اور دو پہر تک صرف تین سانس لیتے اور اس میں نفی واثبات کیا کرتے تھے، مراقبہ میں بڑا استغراق ہوتا تھا، ایک دفعہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددی محدث دہلویؒ سرہند تشریف لائے اور خواجہ صاحب کو مراقب دیکھا تو فرمایا کہ مراقبہ اسی کا نام ہے جیسا کہ میاں قادر بخش کرتے ہیں۔

بڑے صاحب کرامات، مکاشفات وتصرفات بزرگ تھے، آپ کا رنگ باطنی کیفیات کے لحاظ سے اکثر بدلتا رہتا تھا، چہرہ کبھی زرد، کبھی سرخ، کبھی سبز، کبھی سفید ہوجایا کرتا تھا، آپ کے مسترشد خاص خواجہ توکل شاہؒ نے دریافت کیا، تو فرمایا:

> ''فقیروں کی ایک حالت نہیں ہوتی تھی، نہ وہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جس طرح انوار الٰہی برستے ہیں، اسی طرح سالک کی روحانی حالت بدلتی رہتی ہے، انوار الٰہیہ کے مختلف رنگوں پر ہی سالک کے لطائف کے انوار حالت جسمانی سے نمایاں ہوتے ہیں''

مسجد سے متصل حجرہ میں آپ کا قیام رہتا تھا، کمرہ کی چھت گر جانے سے آپ شہید ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، تاریخ وفات ہے: ۸ / ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۹ / اگست ۱۸۵۶ء، آپ کا مزار مبارک یتیم خانہ خالقیہ کے ہائی اسکول کی پشت پر ایک چار دیواری میں ہے جہاں اور بھی قبریں ہیں (تاریخ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۴۶۰ تا ۴۷۷ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی)

(۳۵۳) حضرت حاجی صاحبؒ ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے، بیس (۲۰) سال کی عمر میں والد صاحب کے ہمراہ سفر حج میں گئے بڑا مشکل سفر کیا، حج سے واپسی پر بمبئی آئے، یہاں آپ کے والد صاحب اور بہن صاحبہ کا انتقال ہو گیا، بمبئی سے ایک ٹھگ کے چکر میں جالندھر آ گئے، یہاں حضرت مولانا محمد شریف صاحب ہوشیار پور سے تشریف لاتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آپ کو اللہ کا نام بتایا، جب کچھ اثر ظاہر ہوا تو دریافت فرمایا کہ اس سے قبل کس سے مرید ہوئے تھے، اپنے علاقے کے ایک پیر صاحب کا نام بتایا تو فرمایا نہیں تم ہمارے مرید ہو، تمہیں اللہ کا نام ہم سے پہونچا ہے، پھر آپ ان سے بیعت ہو گئے، اور مقامات سلوک طے کئے، کچھ دنوں کے بعد ہی خلافت سے بھی مشرف فرما دیا، جب ولایت صغریٰ ہی کے مقام پر تھے کہ ایسی طاقت ونسبت حاصل ہو گئی تھی کہ توجہ کے وقت سامنے دس بیس آدمی بھی ہوں تو لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے، جالندھر کے پیرزادوں نے آپ کو نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی، گاؤں والوں کو بہکایا، حقہ پانی بند کیا، اور ظلم وستم کی ہر تاریخ دہرائی، لیکن سرکار دو عالم ==

(۸) حضرت مولانا محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام: ہوشیار پور، مدفون: سرہند (ولادت ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۴ء وفات ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء) (۳۵۴)

== صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے آپ کو تسلی دی گئی، آپ گاؤں کی آبادی سے نکل کر ایک ویران جگہ پر آکر مقیم ہو گئے، مگر وہاں بھی ان کی سازشوں کا سلسلہ جاری رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ باہر کے لوگوں نے آپ سے خوب فائدہ اٹھایا اور گاؤں کے لوگ محروم رہے، آپ کا فیض آپ کے خلفاء کے ذریعہ پہونچا، مریدوں کا شمار نہیں تھا، بے حد حلیم و بردبار تھے، آپ باضابطہ عالم نہ تھے مگر علم لدنی سے حصۂ وافر ملا تھا، فالج کے حملہ میں ۸ / ربیع الاول ۱۳۰۶ھ مطابق ۱۱ /نومبر ۱۸۸۸ء کو آپ کی وفات ہوئی، جنازہ میں خلائق کا ہجوم دیدنی تھا۔

(تاریخ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۴۴۸ تا ۴۵۹ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی)

(۳۵۴) آپ خاندان غلزیہ سے تعلق رکھتے تھے اور قندھار کے رہنے والے تھے، اپنی والدہ محترمہ کی جانب سے علوی تھے، آپ کی ولادت ۱۱۹۸ھ/ ۱۷۸۴ء کو ہوئی، سترہ (۱۷) سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار کی اجازت سے علوم ظاہری کی تحصیل کے لئے سفر اختیار کیا، دوسال کابل میں اور سات (۷) سال پشاور میں رہے، پھر دہلی وارد ہوئے، اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ جس طرح علوم ظاہری کے فاضل ہو گئے ہو، اسی طرح بحر معارف باطنی میں موجزن ہو جاؤ، عرض کیا کہ خوب، لیکن چونکہ ابھی علم ریاضی وغیرہ کا شوق جوش زن تھا، آپ دہلی سے رامپور چلے گئے، اور وہاں مفتی شرف الدین سے استفادہ کیا، وہیں ایک مجذوب سے دوسال دیوان مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ پڑھی، پھر وہاں سے بریلی آئے اور یہاں علم تجوید حاصل کیا۔ بیالیس (۴۲) سال کی عمر میں پھر دہلی لوٹ کر آئے، اس وقت حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو چکا تھا، شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ اعظم حضرت شاہ ابو سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، اور دوسال رہ کر مقامات سلوک طے کئے، اور ساتوں سلسلے میں تحریری اجازت وخلافت سے سرفراز ہوکر وہاں سے رخصت ہوئے، رخصت کے وقت آپ کے پیر طریق نے پیرہن، دستار، کلاہ اور عصا مبارک عنایت فرمایا، اور چار (۴) باتوں کی وصیت فرمائی: اول مذہب حنفیہ کی کتابوں پر عمل کرنا جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے، دوسرے یہ کہ طلبہ کو باطنی توجہ دینا، تیسرے یہ کہ بغرض دنیا امیروں سے نہ ملنا، چوتھے یہ کہ اغیار کی مجلسوں سے پرہیز رکھنا۔

دہلی سے واپسی کے بعد چند سال مزارات اولیا کے سفر میں گذرے، پھر دہلی تشریف لائے، اور حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری دی، دہلی سے جالندھر تشریف لے گئے، وہاں بہت سے لوگ داخل سلسلہ ہوئے، آخر میں ہوشیار پور میں مسجد حافظ جانی مرحوم میں جو مسجد دروازہ گوریاں کے نام سے معروف ہے آپ کا قیام رہا، اشاعت سلسلہ کے لئے بھی آپ کے کئی اسفار ہوئے، کشمیر بھی گئے۔

آپ کو ساتوں سلاسل میں اجازت تھی لیکن توجہ صرف نقشبندیہ مجددیہ کی دیا کرتے تھے، آپ کے حلقۂ توجہ میں بعض اوقات سوسو (۱۰۰) طالب ہوا کرتے تھے، آپ کو کشف بہت ہوتا تھا، طبیعت فیاض پائی تھی، وقت آخر آیا تو ==

(۹) حضرت زکی القدر شاہ ابوسعید مجددیؒ (ولادت ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء - وفات ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء

(۱۰) حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی دہلویؒ (ولادت ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء وفات ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء)

(۱۱) حضرت حبیب اللہ میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (ولادت ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۰ء یا ۱۷۰۱ء وفات ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء)

(۱۲) حضرت سید السادات نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء)

(۱۳) قطب العارفین محی السنۃ حضرت خواجہ سیف الدین مجددی سرہندیؒ (ولادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء وفات ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء)

(۱۴) عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ م ۱۵۹۹ء وفات ۱۰۷۹ھ م ۱۶۶۸ء)

(۱۵) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۳۴ھ م ۱۶۲۴ء)

(۱۶) حضرت خواجہ عبدالباقی محمد رضی الدین باقی باللہؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۱۲ھ م ۱۶۰۳ء)

(۱۷) حضرت مولانا خواجگی محمد مقتدیٰ امکنگیؒ (ولادت ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء - وفات ۱۰۰۸ھ/ ۱۶۰۰ء)

== مرض الموت میں اپنی تمام چیزیں اپنے خلفاء میں تقسیم فرمادیں، حاجی محمود صاحبؒ بعد میں آئے، حضرت نے فرمایا، آپ کہاں تھے؟، سب چیزیں ختم ہوگئیں، حاجی صاحبؒ نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ ایک چیز باقی ہے وہ ہے آپ کی ذات گرامی، میرے لئے وہی کافی ہے، حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ تم نے بڑی چیز طلب کی ہے، اچھا ہم تمہارے ساتھ ہی رہیں گے۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر میں بیاس ندی سے جانب غرب انتقال کروں تو مجھے لاہور مقبرہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے پاس سپرد خاک کیا جائے، اور ندی کے جانب شرق انتقال ہو تو سرہند شریف میں دفن کیا جائے، چنانچہ آپ نے جانب شرق ہوشیار پور میں ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں انتقال فرمایا، اور حسب وصیت آپ کی نعش مبارک سرہند شریف لائی گئی، اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے مزار مبارک کے شمال مغرب میں حوض مسجد کے جنوبی کنارے سے ملحق سپرد خاک کیا گیا (تاریخ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۴۴۳ تا ۴۴۷ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی)

(۱۸) حضرت مولانا درویش محمدؒ (ولادت ۸۴۶ھ م ۱۴۴۳ء-وفات ۹۷۰ھ م ۱۵۶۲ء)

(۱۹) حضرت مولانا خواجہ محمد زاہد وخشیؒ (ولادت ۸۵۲ھ م ۱۴۴۸ء-وفات ۹۳۶ھ م ۱۵۲۹ء)

(۲۰) حضرت خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرارؒ (ولادت ۸۰۶ھ م ۱۴۰۴ء-وفات ۸۹۵ھ م ۱۴۹۰ء)

(۲۱) حضرت مولانا یعقوب بن عثمان چرخیؒ (ولادت ۷۶۲ھ م ۱۳۶۰ء-وفات ۸۵۱ھ م ۱۴۴۷ء)

(۲۲) حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ (وفات ۸۰۲ھ م ۱۴۰۰ء)

(۲۳) خواجہ خواجگان خواجہ سید محمد بہاء الدین نقشبندؒ (ولادت ۷۱۸ھ م ۱۳۱۸ء وفات ۷۹۱ھ م ۱۳۸۹ء)

(۲۴) حضرت خواجہ شمس الدین سید امیر کلالؒ (ولادت ۶۷۶ھ م ۱۲۷۸ء وفات ۷۷۲ھ م ۱۳۷۰ء)

(۲۵) حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ (ولادت ۵۹۱ھ م ۱۱۹۵ء وفات ۷۵۵ھ، ۱۳۵۴ء)

(۲۶) حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ (ولادت ۵۹۱ھ م ۱۱۹۴ء، ۱۱۹۵ء-وفات ۷۲۱ھ م ۱۳۲۱ء)

(۲۷) حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ (ولادت ۶۲۷ھ م ۱۲۳۰ء وفات ۷۱۵ھ/۷۱۷ھ/۶۴۳ھ م ۱۳۱۵ء/ ۱۳۱۷ء/۱۲۴۵ء)

(۲۸) حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ (ولادت ۵۵۱ھ م ۱۱۵۶ء وفات ۷۱۵ھ م ۱۳۱۵ء)

(۲۹) حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (ولادت ۴۳۵ھ م ۱۰۴۴ء وفات ۵۷۵ھ م ۱۱۷۹ء)

(۳۰) حضرت خواجہ ابو یعقوب یوسف بن ایوب ہمدانیؒ (ولادت ۴۴۰ھ یا ۴۴۱ھ م ۱۰۴۹ء یا ۱۰۵۰ء-وفات ۵۳۵ھ م ۱۱۴۰ء/۱۱۴۱ء)

(۳۱) شیخ بوعلی فارمدی طوسیؒ (ولادت ۴۰۷ھ/ ۴۳۴ھ م ۱۰۱۶ء/ ۱۰۴۲ء وفات ۴۷۷ھ م ۱۰۸۴ء)

(۳۲) حضرت شیخ ابوالقاسم کرگانیؒ (وفات ۴۵۰ھ/ ۴۶۹ھ م ۱۰۵۸ء/۱۰۷۶ء)

(۳۳) حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ (ولادت ۳۵۲ھ م ۹۶۳ء وفات ۴۲۵ھ م ۱۰۳۳ء/ ۱۰۳۴ء)

(۳۴) سلطان العارفین حضرت بایزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ (ولادت ۱۳۶ھ م ۷۵۳ء، ۷۵۴ء وفات ۲۶۱ھ/ ۲۶۹ھ م ۸۷۴ء/ ۸۸۳ء)

(۳۵) حضرت امام جعفر صادقؒ (ولادت ۸۰ھ م ۶۹۹ء وفات ۱۴۹ھ م ۷۶۶ء)

(۳۶) حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر الصدیقؒ (ولادت ۲۴ھ م ۶۴۵ء وفات ۱۰۶ھ م ۷۲۴ء یا ۱۰۸ھ م ۷۲۶ء)

(۳۷) حضرت سلمان فارسیؓ (ولادت ۴۰۴ء عام الفیل سے ایک سو ستاسی (۱۸۷) سال قبل وفات ۳۳ھ/ ۳۵ھ/ ۳۶ھ م ۶۵۱ء/ ۶۵۳ء/ ۶۵۴ء)

(۳۸) حضرت امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیقؓ (ولادت ۳ عام الفیل، ہجرت سے پچاس سال قبل م ۵۷۳ء وفات ۱۳ھ م ۶۳۴ء)

(۳۹) سرور دو عالم رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ولادت عام الفیل ۱، ۹/ ربیع الاول ۵۲/ سال قبل ہجرت م ۲۰/ اپریل ۵۷۱ء وفات ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ م ۷/ جون ۶۳۲ء بروز سوموار)

اس طرح یہ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ اڑتیس (۳۸) واسطوں سے حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتا ہے (ان تمام تفصیلات کے ساتھ جو سلسلۂ نقشبندیہ کے طریق اول میں ذکر کی گئی ہیں)

اس سلسلہ کے دو منظوم شجرے مطبوعہ ہیں، ایک شجرۂ خورد ہے جو حضرت خواجہ توکل شاہؒ کے دور سے چلا آ رہا ہے، اور دوسرا شجرۂ کلاں ہے جو غالباً صوفی عبدالکریم بشارتیؒ کی خانقاہ کا تیار کردہ ہے۔ یہاں بطور برکت و یادگار شجرۂ خورد نقل کیا جاتا ہے:

شجرۂ منظومہ خورد نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ

رحم کر ہم پر خدا ذات خدا کے واسطے
شافع امت محمد مصطفےٰ ﷺ کے واسطے

بہر بوبکرؓ وعمرؓ، عثماںؓ، علیؓ اصحاب کل
اہل بیت حسنین حضرت مصطفےٰ ﷺ کے واسطے

نفس امارہ کے پھندے سے بچا پروردگار
حضرت صدیق اکبرؓ بوالوفا کے واسطے

الفت حق حب احمد ﷺ میں رہوں ثابت قدم
حضرت سلمان فارسؓ باخدا کے واسطے

مجھ کو مکروہات دنیاوی سے تو محفوظ رکھ
حضرت قاسمؒ سراج الاولیاء کے واسطے

تشنہ لب ہوں جام وحدت سے مجھے سیراب کر
جعفر صادقؒ امام الاتقیاء کے واسطے

کر فنا فی اللہ مجھ کو بہر حضرت بایزیدؒ
اس ولیٔ طالب ذات خدا کے واسطے

روز و شب ہو یاد تیری اے کریم کارساز
بوالحسن خرقانیؒ بدر الدجےٰ کے واسطے

مجھ غریب خستہ دل کی دستگیری ہے ضرور
قاسم گرگانیؒ نور الہدیٰ کے واسطے

ہمت عالی عطا فرما مجھے یاذوالجلال
بوعلیؒ صاحب دل پارسا کے واسطے

کر زلیخا کی طرح سرمست جام بے خودی
خواجہ یوسفؒ ہادیٔ شمس الضحیٰ کے واسطے

پردۂ چشم بصیرت کھول دے رب کریم
عبد خالق غجدوانیؒ مقتدا کے واسطے

سختیٔ سکرات کو آسان کرنا اے رحیم
اس محمد عارفؒ صاحب ضیا کے واسطے

گور میری نور سے بھرنا خدائے ذوالکرام
حضرت محمودؒ انجیر اولیاء کے واسطے

کیا عجب گر پرسش منکر نکیر آسان ہو
بوعلی رامیتنیؒ بوالعلیٰ کے واسطے

مؤمنوں میں حشر ہو میرا جناب کبریا
بابا سماسی محمدؒ خوش ادا کے واسطے

آفتاب حشر میں مجھ پہ ہو سایہ عرش کا
حضرت میر کلالؒ اولیاء کے واسطے

نامۂ اعمال مجھ کو ہاتھ سیدھے میں ملے
شہ بہاؤالدینؒ تاج الاولیاء کے واسطے

پلۂ نیکی ہو سنگی عدل کے میزان میں
شہ علاء الدینؒ شمس الاولیاء کے واسطے

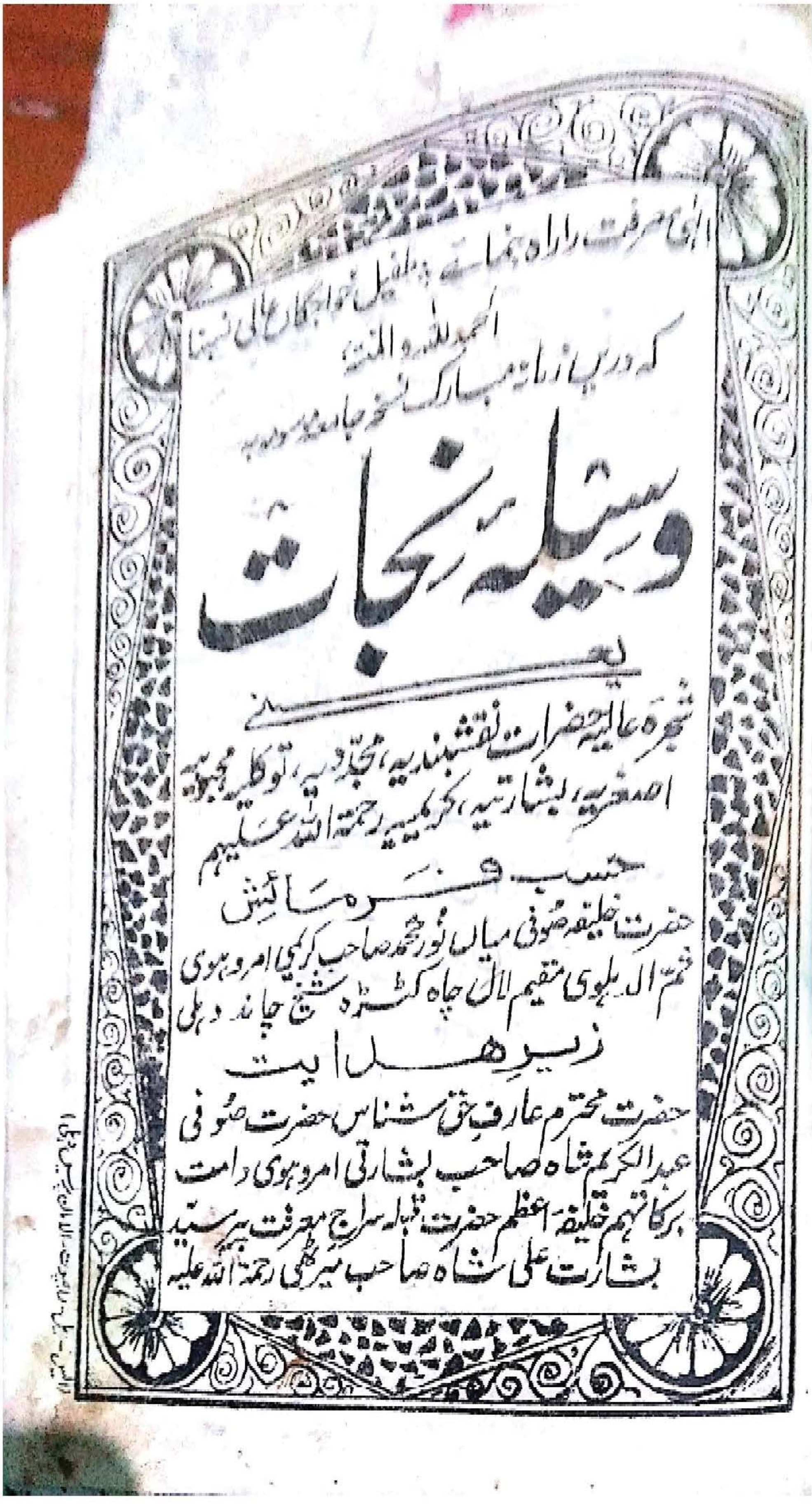
عیب پوشی حشر میں کرنا مری ستار تو
خواجۂ یعقوب چرخیؒ باوفا کے واسطے

برق کی مانند طے ہو جائے راہ پل صراط
شہ عبید اللہ احرار اولیاءؒ کے واسطے

جام کوثر دے پلا دست محمد ﷺ سے مجھے
اس محمد زاہدؒ صاحب رضا کے واسطے

اورہوں فردوس میں ہمسایۂ حضرت نبیؑ خواجہ درویش محمدؒ پرضیا کےواسطے
ہووے اہل اللہ میں یارب وہاں میرا شمار خواجہ امکنگی ولیؒ صاحب شفاکےواسطے
بعداس کے ہووہاں دیداررب مجھ کونصیب باقیؔ باللہ ؒ مقبول الدعا کے واسطے
آتش دوزخ کا ہومجھ کونہ کچھ خوف وخطر شہ مجدد الف ثانیؒ ذوالعطاکےواسطے
دین ودنیامیں مجھےخوشحال رکھنااے خدا حضرت معصومؒ مرشدرہنماکےواسطے
کرزباں کوسیف میری قلب کوپرنورکر خواجہ سیف الدینؒ تاج الاتقیاء کےواسطے
اتباع شرع میں ثابت قدم رکھنا مجھے خواجہ عابدؒ نقشبندی پارسا کے واسطے
نور دل سے ہوبدن روشن میرا فانوس واد شہ محمد محسنؒ نورالھدیٰ کے واسطے
نور عرفاں سے میرادل کرمنوراے خدا حضرت نور محمدؒ اولیاء کے واسطے
جو میری اولاد ہوسب ہومتقی وپارسا میرزائے جان جاناںؒ پیشواکےواسطے
باب رحمت کھول دے مجھ پرخداوندغفور شہ غلام باعلیؒ صاحب ہداکےواسطے
ذکرحق ہوروزوشب مونس میرااے ذوالمنن بوسعیدؒ اولیاء نجم الھدیٰ کےواسطے
جزخیال نورحق کچھ دل میں گنجائش نہ ہو شاہ مولانا شریف الاولیاءؒ کےواسطے
حافظ حاجی محمد شاہ محمود اللقبؒ آرزو برلا میری اس پارسا کے واسطے
شاہ قادر بخشؒ خواجہ خواجگاں حق کےشہید بخش دے مجھ کوخدااس مقتداکےواسطے
تیرے درپرآپڑاہوں اپنا کرلے اب مجھے شہ توکل شاہؒ پیر رہنما کے واسطے
دوجہاں کی کل مرادیں میری برلااے خدا خواجۂ محبوب عالمؒ پیشوا کے واسطے
اپنے بندوں میں مجھےمقبول کرنااے خدا خواجۂ اصغر علیؒ نورالھدیٰ کےواسطے
مبتدی ہوں کرمیری تکمیل اےرب رحیم عاجز ومسکیں بشارتؒ باحیاکےواسطے
رکھ نظرمجھ پرکرم کی توہمیشہ اے کریم صوفی عبد الکریم ؒ باصفا کے واسطے
حشرکے دن رحم کرنامیرے حال زار پر صوفیٔ نورمحمدؒ بےریاکے واسطے (۳۵۵)
چشم دل کو معرفت کےنورسے معمورکر حضرت احمد حسنؒ صاحب ضیاکےواسطے

(۳۵۵)وسیلۂ نجات ص ۲ تا ۴ شجرۂ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ بشارتیہ کریمیہ۔البتہ اس میں اخیر کاایک شعراس حقیر نے اضافہ کیاہے۔


الٰہی معرفت را راہ بنما سے بطفیل خواجگان عالی نسبنا
الحمد للہ والمنۃ
کہ دریں زمانہ مبارک نسخہ جامعہ
وسیلہ نجات
یعنی
شجرہ عالیہ حضرات نقشبندیہ، مجددیہ، توکلیہ، مجبوبہ
المظہریہ، بشارتیہ، کریمیہ رحمۃ اللہ علیہم
حسب فرمائش
حضرت خلیفہ صوفی میاں نور محمد صاحب کریمی امروہوی
ثم الدہلوی مقیم لال چاہ کٹڑہ شیخ چاند دہلی
زیرِ ہدایت
حضرت محترم عارفِ حق شناس حضرت صوفی
عبدالکریم شاہ صاحب بشارتی امروہوی دامت
برکاتہم خلیفہ اعظم حضرت قبلہ سراج معرفت پیر سید
بشارت علی شاہ صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

شجرات عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ توکلیہ بشارتیہ کریمیہ کی کتاب وسیلۂ نجات کا سرورق

(۸)

سلسلۂ ہشتم

سلسلۂ شاذلیہ تعارف، افکار و تعلیمات اور خصوصیات

سلسلۂ شاذلیہ اسلامی تاریخ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالحسن علی شاذلیؒ (ولادت: ۵۷۱ھ یا ۵۹۳ھ/ ۱۱۷۵ء یا ۱۱۹۷ء وفات: ۲۰/ ذی قعدہ ۶۵۶ھ مطابق ۱۸/ نومبر ۱۲۵۸ء)(۳۵۶) کی طرف منسوب ہے، اس کا آغاز ساتویں صدی ہجری میں تیونس اور اسکندریہ مصر میں ہوا، اور آہستہ آہستہ پورے بساط عالم میں پھیل گیا۔

(۳۵۶) حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کی ولادت مغربی مراکش کے علاقہ غمارہ میں ۵۷۱ھ یا ۵۹۱ھ/ ۱۱۷۵ء یا ۱۱۹۵ء میں ہوئی، صاحب طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ نے اول الذکر تاریخ کو درست قرار دیا ہے، اس وقت وہاں موحدین کی حکومت تھی، آپ حسنی النسب تھے، اٹھارہویں پشت میں آپ کا نسب حضرت امام حسنؓ تک پہونچتا ہے، شجرۂ نسب یہ ہے: ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار بن تمیم بن ھرمز بن حاتم بن قصی بن یوسف بن یوشع بن ورد بن بطال بن علی بن احمد بن محمد بن عیسیٰ بن ادریس ابن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بن الحسن ابن امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالبؓ۔
شجرۂ نسب میں تھوڑا اختلاف ہے لیکن مذکورہ بالا شجرہ زیادہ معروف اور مستند ہے۔
درسیات کی تعلیم فقہ مالکی کے مطابق اپنے وطن میں حاصل کی، فقہ و عربی ادب کے اساتذہ میں شیخ نجم الدین اصفہانیؒ اور علم الاخلاق کے اساتذہ میں صوفی کبیر عبداللہ بن ابوالحسن بن حرازم تلمیذ رشید سید ابومدین غوث خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ کا شمار فقہاء مالکیہ میں ہوتا ہے، علم باطن کے لئے آپ نے تطوان کا سفر کیا، اور جبل عالم میں حضرت شیخ عبدالسلام بن مشیشؒ (م ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۸ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے، جن کی رہنمائی آپ کو حضرت شیخ ابوالفتح واسطیؒ نے کی تھی، وہ مغارہ کے پہاڑ پر رہتے تھے، آپ نے حضرت ابن مشیشؒ کی صحبت میں رہ کر علم باطن میں کمال حاصل کیا، تکمیل سلوک کے بعد اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے اور حضرت شیخ ابن مشیشؒ کے حکم پر شاذلہ کی طرف رخت سفر باندھا، شاذلہ تیونس میں واقع ہے، اس علاقے میں قیام کی نسبت سے آپ شاذلی کی نسبت سے مشہور ہوئے، یہاں زہد و ریاضت کے بعد آپ نے ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۸ء میں تیونس میں ایک روحانی خانقاہ قائم کی، یہ وہ دور ہے جب حفصی سلطنت کا بانی ابوزکریا گورنر کی حیثیت سے تیونس آیا تھا، وہ شیخ ابوالحسنؒ سے خاص ارادت رکھتا تھا، آپ کی خانقاہ کا فیض یہاں بہت عام ہوا، اور عوام و خواص اور طبقۂ امراء سب متأثر ہوئے، آپ کی بے پناہ مقبولیت نے آپ کے بہت ==

== سے حاسدین بھی پیدا کردیئے، آپ کو بڑی اذیتیں دی گئیں، اور لوگوں کو آپ سے ملنے سے روکا گیا، بالآخر ۶۴۲ھ/ ۱۲۴۴ء میں آپ نے وہاں سے مصر کا رخ کیا، لیکن حاسدین نے ان کے اسکندریہ پہونچنے سے قبل ہی بادشاہ مصر اور اسکندریہ کے لوگوں تک یہ خبر پہونچادی تھی کہ ایک زندیق آپ کے ملک میں آرہا ہے، جس کو ہم نے اپنے ملک سے نکال دیا ہے، اس نے کچھ جنات مسخر کر رکھے ہیں، چنانچہ وہاں بھی اذیتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، اور آخر ایک دن ایک مجرم کی حیثیت سے آپ کو بادشاہ مصر کے حضور پیش کیا گیا، لیکن بادشاہ آپ کے علم اور روحانیت سے متاثر ہوا، اور باعزت اسکندریہ واپس بھیج دیا، پھر بذات خود آپ سے ملنے کے لئے اسکندریہ حاضر ہوا، جس سے پوری صورت حال ہی تبدیل ہوگئی، بادشاہ کو بتایا گیا تھا کہ آپ کو علم کیمیا حاصل ہے، اس نے کیمیا حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی، تو شیخ نے کہا" ہمارا کیمیا تقویٰ ہے، تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ پاک تمہیں وہ علم بخشیں گے کہ جو تم کرنا چاہو گے ہوجائے گا، بادشاہ اس جواب سے متاثر ہوا اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوگیا، اس نے اسکندریہ میں آپ کے نام بیش قیمت اراضی وقف کی، اور آپ نے یہاں باقاعدہ ایک خانقاہ کی بنیاد رکھی، تیونس کی طرح مصر میں بھی آپ کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی، عوام کے علاوہ بڑے بڑے علماء وامراء حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے، شیخ عزالدین بن عبدالسلام (۵۷۷ھ/ ۱۱۸۱ء- ٦٦۰ھ/ ۱۲٦۲ء)، شیخ علی بن دقیق العیدؒ (۶۴۱ھ/ ۱۲۴۴ء-٦۸۵ھ/ ۱۲۸٦ء)، شافعی محدث شیخ عبدالعظیم منذری (۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء- ٦۵٦ھ/ ۱۲۵۸ء)، ابن الصلاح، ابوالحسن ابن عصفور الحضرمی الاشبیلی (۵۹۷ھ/ ۱۲۰۰ء-٦٦۹ھ/ ۱۲۷۱ء)، ابن الحاجبؒ (۵۷۰ھ/ ۱۱۷۳ء-٦۴٦ھ/ ۱۲۴۹ء) اور شیخ شمس الدین اصفہانیؒ جیسے مشائخ آپ کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے۔

ابن دقیق العید فرماتے تھے کہ میں نے شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے بڑا عارف کسی کو نہیں دیکھا، لیکن اسکے باوجود لوگوں نے ان کو بہت ستایا، اپنے وطن سے نکلنے پر مجبور کیا، اور ہجرت کے بعد بھی سازشیں کیں۔

شیخ نہ صرف مجاہدۂ نفس پر زور دیتے تھے بلکہ عملاً جہاد میں بھی شریک ہوئے، آپ نے مصری سپاہ کے ہمراہ منصورہ کی جنگ میں عملی طور پر شرکت کی، یہ جنگ بنیادی طور پر فرانس کے سینٹ لوئس کی زیر قیادت ساتویں صلیبی جنگ تھی ---کئی بار سعادت حج سے بہرہ ور ہوئے۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے شیخ کون ہیں؟ فرمایا ماضی میں میرے شیخ حضرت عبدالسلام بن مشیش تھے لیکن آج کل دس سمندر سے پانی پی رہا ہوں، پانچ آسمانی اور پانچ زمینی۔

شیخ کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں ۲۰/ ذی قعدہ ٦۵٦ھ مطابق ۱۸/ نومبر ۱۲۵۸ء کو ہوئی، آپ حج کے ارادے سے مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے تھے، کہ راستے میں بیمار پڑ گئے، اور بحیرۂ احمر کے قریب مصر کے مشرقی صحراء "عیذاب" میں حمیثرا کے قریب وفات پاگئے۔ اور وہیں مدفون ہوئے۔==

سلسلۂ شاذلیہ کی مقبولیت-خصوصیات وامتیازات

حزب البحر اور دلائل الخیرات

☆اس سلسلے میں بہت جذب اور تاثیر ہے، اس لئے ارباب معرفت کے یہاں بے حد مقبول ہے، خاص طور پر اس کی حزب البحر اور دلائل الخیرات کو بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی، ہر سلسلہ کے اکابر نے اس کو اپنے معمولات کا حصہ بنایا، اس طرح سلسلۂ شاذلیہ کا فیض ہر سلسلہ کو پہونچا، یہ وہ خصوصیت ہے جو اس کو تمام سلاسل میں ممتاز کرتی ہے۔

فقہ اور تصوف کا امتزاج

☆ابتدائی شاذلی صوفیاء تصوف کے ساتھ اسلام کے قانونی اور کلامی مباحث میں بھی خاص دلچسپی لیتے تھے، وہ امام ابوالحسن اشعریؒ (م ۳۲۴ھ مطابق ۹۳۵ء) کے ساتھ امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ/ ۱۱۶۱ء) کے نقطۂ نظر کو بھی پیش نظر رکھتے تھے، خصوصاً وہ توجیہات اور اضافے جو امام غزالیؒ نے اشعری نظام فکر میں کئے تھے۔

== کہا جاتا ہے کہ وہاں ایک کھارا کنواں تھا جو آپ کی برکت سے میٹھا ہوگیا، آپ نے بوقت وفات اپنے اصحاب کو حزب البحر پڑھنے کی تاکید کی اور فرمایا کہ اس میں اسم اعظم ہے، اور شیخ ابوالعباس المرسی کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

شیخ نے باقاعدہ کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، لیکن آپ کے جو اقوال ومعارف مختلف کتابوں میں نقل کئے گئے ہیں ان سے آپ کے گہرے علم اور بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کے اکثر اقوال قرآن وحدیث سے ماخوذ ہیں، جو بے حد عارفانہ اور انسانی زندگی کے لئے مینارۂ نور ہیں، علاوہ آپ نے چند احزاب مرتب کئے تھے جو کہ قرآنی آیات پر مشتمل ہیں، ان میں سے حزب البحر اور حزب الانوار خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ احزاب سلسلۂ شاذلیہ کے پیروکاروں میں خاص طور پر مقبول ہیں، کئی مشائخ نے ان کی شروحات بھی لکھی ہیں، ان احزاب واوراد کا بنیادی موضوع خدا کی وحدانیت کا اثبات ہے، تمام مسلمان چاہے وہ روحانی طور پر کسی درجہ پر فائز ہوں ان اوراد سے مستفید ہوتے ہیں (طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۱۹ تا ۵۹، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء ☆بعض چیزیں انجمن ضیاء طیبہ ڈاٹ کام سے بھی لی گئی ہیں)

توحید، اسماء حسنیٰ اور وحدۃ الوجود

☆ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے اپنے طریقہ کی بنیاد خاص طور پر نظریۂ توحید پر رکھی، اور اس کا مقصد ذات الٰہی کا عرفان تھا، جس کے لئے وہ عقل اور نزہت روح کے اوپر خصوصی توجہ دیتے تھے، معرفت کے حصول کے لئے وہ شریعت کو بنیادی وسیلہ قرار دیتے تھے، عقیدہ کے لحاظ سے ان کے یہاں اشعری نظام عقائد کو رہنما حیثیت حاصل تھی۔

شیخ اکبر ابن عربیؒ اور ان کے ناقدین کے بارے میں شاذلیہ کا رویہ

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ اپنے ہم عصر حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربیؒ (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے برعکس ذکر اسماء الحسنیٰ کو روحانی ارتقاء کا اہم ترین ذریعہ سمجھتے تھے، شیخ ابوالحسن شاذلیؒ عقیدہ کی تصحیح پر سب سے زیادہ زور دیتے تھے---

لیکن وہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شاذلی مشائخ نے شیخ اکبر ابن عربیؒ کا دفاع کیا ہے، اور ان کے خلاف لکھنے والوں خصوصاً علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء) کی تردید کی ہے، شیخ ابن العربیؒ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے معاصر تھے، گوکہ ان دونوں مشائخ کی باہم ملاقات پر کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں ہے، تاہم شیخ اکبر کے شاگرد صدر الدین محمد قونویؒ (م ۶۷۳ھ/ ۱۲۷۵ء) مصر میں شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے ملاقات کے لئے آئے تھے، اور وہ اپنے استاذ شیخ اکبرؒ کے نظریۂ وحدۃ الوجود کے حامی تھے، اس موضوع پر ان کی کئی تصانیف موجود ہیں (۳۵۷)۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ شاذلی مشائخ اس بارے میں بہت زیادہ محتاط ہیں، شیخ ابن العربیؒ کے بارے میں وہ کوئی بھی رائے دینے سے اجتناب کرتے ہیں، وہ شیخ کے خلاف کسی قسم کی بحث کی بھی تائید نہیں کرتے، شیخ احمد زروقؒ (م ۸۹۹ھ/ ۱۴۹۳ء) نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ''شیخ اکبرؒ کے کلام میں بہت زیادہ مبہمات پائے جاتے ہیں، لہٰذا اس بات کا امکان ہے کہ عام آدمی ان کو نہ سمجھ پائے اور گمراہی کا شکار ہوجائے، جبکہ دوسری طرف شیخ اکبرؒ پر تنقید و تنقیص کی صورت میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ ابن عربیؒ کے بارے میں غلط رائے قائم کرے جبکہ ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے جس کی طرف ان کے مخالفین اشارہ کرتے ہیں''۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین شاذلیہ کے یہاں تصور توحید اور اس کا شعور بہت حد تک

(۳۵۷) الکواکب الدریۃ للمناویؒ ج ۲ ص ۱۹۳-۱۹۶

شیخ ابن عربیؒ کے نظریۂ توحید کے مماثل ہے، گو کہ وہ اس کا اظہار زبان و بیان کے بجائے ذوق و وجدان سے کرتے ہیں، شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے تھے کہ میرے شیخ حضرت عبدالسلام ابن مشیشؒ (م ۶۲۲ھ یا ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۵ء یا ۱۲۲۸ء) (۳۵۸) نے مجھے وصیت کی تھی کہ:

''اپنی بصارت ایمان کو جلا بخشو تاکہ تم اللہ کو پا سکو ہر شے میں، ہر شے کے پاس، ہر شے کے ساتھ، اور ہر شے کے قریب، اس کی ذات نے احاطہ کیا ہوا ہے ہر شے کا، قرآن کریم میں ہے ''اَلْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' (الحدید: ۳) (۳۵۹)

یہی وجہ ہے کہ شاذلیہ نے شیخ ابن عربیؒ کی تعلیمات کی نہ کبھی تردید کی، اور نہ ہی اس کی تبلیغ کی، تاہم اگر کسی نے شیخ اکبر پر تنقید کی تو اس کو ناپسند کیا، شیخ ابن عطاء اللہ اسکندریؒ کا علامہ ابن تیمیہؒ (جو شیخ اکبرؒ کے نظریات کے بڑے نقاد تھے) کے ساتھ قاہرہ کے قلعہ میں مناظرہ اس سلسلے کی اہم کڑی ہے، ابن عطاء اللہؒ نے شیخ اکبرؒ کا دفاع کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ ابن تیمیہؒ کا فہم دین صرف الفاظ کے ظاہری معانی پر مبنی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کی کتاب ''حزب البحر'' کا بھی رد لکھا تھا، اس بات کا ذکر شیخ احمد زروقؒ نے شرح حزب البحر میں کیا ہے، زروقؒ نے ابن تیمیہ کے رد کو ناقابل اعتنا قرار دیا ہے، اور لکھا ہے کہ ابن تیمیہ اپنے حفظ و اتقان کے حوالے سے ایک مسلم شخصیت کے مالک ضرور ہیں، لیکن ان کے عقیدہ پر طعن کیا گیا ہے، اور عقلی لحاظ سے اس میں کئی نقائص موجود ہیں۔

(۳۵۸) قطب دائرۃ المحققین حضرت سیدنا و مولانا عبدالسلام ابن مشیش ابن ابوبکر الحسنی الادریسی سلسلۂ شاذلیہ کے سب سے بڑے مصدر فیض ہیں، یہ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کے پیر طریق اور ایک بڑے عالم ربانی ہیں، بے شمار کرامات و واقعات آپ سے منسوب ہیں، رمضان المبارک کے مہینے میں دن میں ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے، آپ کی فضلیت کے لئے یہی بہت کافی ہے کہ آپ تین بڑے اقطاب: سید ابراہیم الدسوقیؒ، سید احمد البدویؒ، اور سید ابوالحسن الشاذلیؒ کے استاذ ہیں، آپ کو مغرب میں وہی درجہ حاصل ہے جو مصر میں حضرت امام شافعیؒ کا تھا، آپ نے ۶۲۲ھ یا ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۵ء یا ۱۲۲۸ء میں شہادت کی موت پائی، ابن ابی الطواجن نے آپ کو قتل کر دیا تھا، تطوان کے سرحد پر جبل الاعلام کے پاس آپ کا مزار مرجع خلائق ہے (طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ ص ۵۹، ۶۰ مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء)

(۳۵۹) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۳۵، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

لیکن متأخرین شاذلیہ کے یہاں ابن تیمیہؒ کے تعلق سے بعد اور شدت میں تخفیف پیدا ہوئی، مثلاً شیخ محمد بن علی سنوسیؒ (۱۷۸۷ء ۱۸۵۹ء)، جو شیخ احمد بن ادریسؒ (م ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) کے طریقۂ محمدیہ سے منسلک تھے، جو کہ شاذلیہ کی ہی ایک شاخ شمار کی جاتی ہے، یہ دونوں حضرات ایک طرف ابن عربیؒ کو اپنے مشائخ میں شمار کرتے ہیں، تو دوسری طرف ابن تیمیہؒ کی عظمت کے بھی قائل ہیں اور ان کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں (۳۶۰)۔

ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رابطہ اور فنائیت

☆ سلسلۂ شاذلیہ میں توحید و معرفت کے ساتھ فنا فی الرسول کی بھی بڑی اہمیت ہے، احزاب شاذلیہ، قصیدہ بردہ، دلائل الخیرات وغیرہ کے مطالعہ سے یہ بات مزید آشکارا ہوجاتی ہے، شیخ ابوالحسن مرسیؒ سے منقول ہے کہ:

> ''چالیس برس سے ایک لمحہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نظروں سے پوشیدہ نہیں ہوئے، اور اگر وہ ایک لمحہ کے لئے بھی میری آنکھوں سے اوجھل ہوجائیں تو میں خود کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں'' (۳۶۱)

اتباع شریعت اور طریقت و شریعت کا امتزاج

☆ اس سلسلہ کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ جذب کے مقابلے میں اتباع شریعت کو اور سکر کے بجائے صحو کو اہمیت دی جاتی ہے۔ شیخ ابوالحسنؒ کے نزدیک طریقت و شریعت کو جمع کرنے ہی کا نام ایمان ہے۔ کشف و مشاہدہ شریعت کے مقابلے میں معتبر نہیں، اس لئے کہ کتاب و سنت کی عصمت و تقدیس کی ضمانت اللہ پاک نے دی ہے، جب کہ کشف و الہام کے صحیح ہونے کی ضمانت اللہ پاک نے نہیں دی ہے۔

شیخ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو فقیر پنج وقتہ نماز با جماعت کا پابند نہ ہو اس کا کوئی مقام نہیں ہے۔

نیز کہتے تھے کہ مسلمانوں کی جماعت (سواد اعظم) کے ساتھ رہو خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو،

---

(۳۶۰) قواعد التصوف ص ۴۸ مؤلفہ شیخ احمد زروق، تحقیق: ابراہیم الیعقوبی، مطبعۃ الملاح، ۱۹۶۸ء، ☆ شرح حزب البحر ص ۴۳ مؤلفہ شیخ احمد زروق، تحقیق احمد فرید المزیدی، ناشر: دار جوامع الکلم قاہرہ۔ مأخوذ از الاحسان، شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی، شمارہ نمبر ۱ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد ص ۱۵۲ تا ۱۶۴ مقالہ نگار: ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ایسوی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

(۳۶۱) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ ص ۶۸، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد الفاسی الکوھن،

اور انفرادی آراء پر عمل نہ کرو (۳۶۲)۔

شریعت کو بہت زیادہ اہمیت دینے کی بنا پر فقہاء و محدثین کے یہاں اس سلسلہ کو بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔

اورادِ ماثورہ کا اہتمام

☆ اس سلسلہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے اکثر اوراد و وظائف اور معمولات قرآن کریم اور سنت نبویہ سے مأخوذ ہیں، غیر ماثور دعائیں اس سلسلے میں بہت کم ملتی ہیں۔

عام طرز زندگی کی روش

☆ اس سلسلہ کے سالکین کا کوئی امتیازی خرقہ یا لباس نہیں ہے، اس کے اکابر ہمیشہ عام لوگوں کی طرح زندگی گذارتے ہیں، خود شیخ ابوالحسن شاذلیؒ بہت نفیس لباس زیب تن فرماتے تھے۔

یہ حضرات دنیاوی زندگی سے بھاگ کر مشاہداتی زندگی کی طرف نہیں آئے تھے بلکہ معاشرہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کے معمولات بجالاتے تھے، اور اسی کے ساتھ وہ روحانی مشاہدہ و مراقبہ بھی کرتے تھے، شاذلیہ کے یہاں یہ طریقہ عہد نبوی کے معاشرہ سے مأخوذ ہے، جہاں مسلمان بغیر کسی امتیازی نشانات کے عام زندگی گذارتے تھے، اور روزمرہ کے سماجی امور کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ روحانی ارتقا کے لئے ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے (۳۶۳)۔

شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کا قول ہے کہ شیخ وہ ہے جو تمہارے لئے راحت کا سامان پیدا کرے نہ کہ تھکاوٹ کا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

یسروا ولا تعسروا. (۳۶۴)

شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا مطلب اپنے پیر طریق شیخ عبدالسلام ابن

---

(۳۶۲) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۲۲، ۲۵، مؤلفہ ابو علی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

(۳۶۳) الاحسان، شعبۂ علوم اسلامیہ وعربی، شمارہ نمبر ا گورنمنٹ کالج یونیورسیٹی، فیصل آباد ص ۱۵۲ تا ۱۶۴ مقالہ نگار: ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ایسوی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسیٹی، ملتان۔

(۳۶۴) صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب بیان ان کل مسکر خمر --- حدیث نمبر: ۵۲۱۶

مشیشؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف رہنمائی کرو اس کے علاوہ کسی اور چیز کی طرف انہیں راغب نہ کرو'' (۳۶۵)

اسقاط تدبیر

☆ شاذلیہ کے یہاں ایک اہم ترین صوفیانہ ریاضت اسقاط تدبیر ہے، ابن عطاء اللہ اسکندریؒ نے اس موضوع پر مستقل کتاب تحریر کی ہے: التنویر فی اسقاط التدبیر''۔

اسقاط تدبیر کا مطلب حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کے الفاظ میں یہ ہے کہ'' کوئی عالم اس وقت تک مقام علم میں مکمل نہیں ہوسکتا، جب تک وہ چار آزمائشوں میں نہ ڈالا جائے:

۱-دشمنوں کا گالی دینا، ۲-دوستوں کا ملامت کرنا، ۳-جاہلوں کا طعنہ دینا، ۴-علماء کا حسد کرنا۔ (۳۶۶)

سلسلۃ الذہب سلسلۂ قطبیت

حضرت شیخ ابن مشیشؒ نے اللہ پاک سے یہ دعا مانگی تھی کہ قطب میرے گھر (خاندان شاذلیہ) میں پیدا فرما، اور آپ کی یہ دعا قبول کی گئی (۳۶۷) چنانچہ ہر دور میں قطبیت اس سلسلہ میں موجود رہی ہے۔

☆ حضرت شیخ ابن مشیشؒ کا قول ہے کہ قطب کی پندرہ (۱۵) علامات ہیں، اگر کوئی قطبیت کا مدعی ہو، تو ان علامات کو ظاہر کرنا چاہئے (۳۶۸)۔

اصول خمسہ

☆ شیخ ابوالحسن شاذلی کی تعلیمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس طریقہ کے مشائخ نے اس کی تعلیمات

(۳۶۵) لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابی العباس وشیخہ ابی الحسن، للشیخ تاج الدین بن عطاء اللہ احمد بن محمد الشاذلی الاسکندریؒ (م ۷۰۹ھ) ص ۲۵۴،۲۵۵

(۳۶۶) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۴۲، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

(۳۶۷)-طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۴۰، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

(۳۶۸) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۲۷، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

کے پانچ (۵) بنیادی اصول بیان کیے ہیں، جن کو سلسلۂ شاذلیہ کے ''اصول خمسہ'' کہا جاتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱-ظاہر و باطن دونوں میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا

۲-اقوال اور افعال دونوں میں سنت کی اتباع کرنا۔

۳-توجہ اور عدم توجہ ہر دو صورت میں مخلوق سے اعراض کرنا

۴-قلیل اور کثیر ہر دو صورت میں اللہ سے راضی رہنا۔

۵-خوشحالی اور تنگی ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع کرنا(۳۶۹)۔

سلسلۂ شاذلیہ کی پچیس (۲۵) اہم خصوصیات

☆ صاحب طبقات الشاذلیۃ علامہ الکوہن الفاسیؒ نے عارف ربانی ابوعبداللہ محمد بن محمد المدغری الحاجی الفاسیؒ کی ایک تالیف لطیف کے حوالے سے سلسلۂ شاذلیۃ کی پچیس (۲۵) خصوصیات تحریر کی ہیں، وہ اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

۱-اکابر شاذلیہ کے اسماء گرامی لوح محفوظ میں موجود ہیں۔

۲-اس سلسلہ کا مجذوب بھی حالت صحو میں ہوتا ہے، کبھی مغلوب الحال نہیں ہوتا۔

۳-ہر دور میں قطب سلسلۂ شاذلیہ ہی سے ہوتے ہیں۔

۴-ان کی نسبت سلب سے محفوظ ہوتی ہے۔

۵-یہاں مرید کو اسم اعظم کی تلقین کی جاتی ہے، اور یہی اسم ذات بھی ہے، اسی لئے شاذلی کو ذاتی بھی کہا جاتا ہے۔

۶-اس کے شیخ تربیت کا فیض کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

۷-کسی ولی کی ولایت اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کا اختتام طریق شاذلیہ پر نہ ہو۔

۸-اس کے باطنی مقامات کی بنیاد اسی توحید خالص پر ہے جس پر صحابہ کا علم باطن مبنی تھا۔

(۳۶۹) الاحسان، شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی، شمارہ نمبر ۱ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد ص ۱۵۲ تا ۱۶۴ مقالہ نگار: ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ایسوی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔ بحوالہ اصول الطریقۃ شیخ احمد زروق۔

۹- یہاں مبتدی بھی سلسلہ میں داخل ہوتے ہی حالت بیداری میں زیارت نبوی سے مشرف ہو جاتا ہے، بشرطیکہ صدق نیت اور خلوص کے ساتھ داخل ہو، اور مقامات کی ترقی کے ساتھ اس میں دوام پیدا ہوتا ہے، یہ اس سلسلہ کی بڑی خصوصیت ہے۔

۱۰- مشرق ومغرب کے جملہ علماء واولیاء ہر دور میں اس سلسلہ کے مداح ومعترف رہے ہیں۔

۱۱- اہل دیوان ہمیشہ شاذلی اکابر میں سے ہوتے ہیں، اس لئے کہ یہ سلب اور سوء خاتمہ سے محفوظ ہیں۔

۱۲- مرید اگر اس سلسلہ میں پوری یکسوئی اور صدق وخلوص کے ساتھ داخل ہو، تو بہت جلد اس کا فتح باب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ طریقۂ اجتباء ہے۔

۱۳- اس طریق میں ہمت، حال اور قال سب کے ذریعہ تربیت ہوتی ہے۔

۱۴- یہ سلسلہ شریعت وحقیقت دونوں کا جامع ہے، اس کا ظاہر اتباع سنت اور باطن انوار ذات کے مشاہدہ سے معمور ہوتا ہے، جمع وتفریق کسی حالت میں یہاں حجاب نہیں ہے، یہاں ہر چیز کو اسی طرح ادا کیا جاتا ہے جو اس کا حق ہے، یہ عارفین کاملین کی شان ہے۔

۱۵- اکابر سلسلہ کے علوم ومعارف کتاب وسنت سے مأخوذ ہیں۔

۱۶- بانی سلسلہ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ خصوصی فیوض ذاتیہ اور صفات ربانیہ کے حامل تھے۔

۱۷- اسی لئے آپ کو امام مہدیؑ کا عکس جمیل کہا جاتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی خلیفۃ اللہ ہوں گے۔

۱۸- اس سلسلہ میں کبھی اس درجہ انجذاب اور فنائیت نہیں ہوتی کہ انسان مغلوب الحال ہو جائے اور خلاف شریعت چیزوں کا ارتکاب کرنے لگے، اس لئے کہ یہ چیز عرفان کی کمی اور مشاہدہ کی کمزوری سے پیدا ہوتی ہے، اور یہ سلسلہ اس سے پاک ہے۔

۱۹- اہل اللہ کے نزدیک سلسلۃ الذہب کا اطلاق صرف طریقۂ شاذلیہ پر ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ سلسلہ اول سے آخر تک اقطاب کا سلسلہ ہے، غیر قطب یہاں سلسلۂ مشیخت پر فائز نہیں ہو سکتا، یہ اس سلسلہ کا بڑا امتیاز ہے۔

۲۰- اس سلسلہ کے اکابر اپنی ذات یا ولایت کا اخفا نہیں کرتے۔

۲۱- یہ غنا باللہ اور فقر الی اللہ کا راستہ ہے۔

۲۲- اس سلسلہ کے قطب کامل شیخ ابن مشیشؒ تھے، قیامت تک کے مشائخ سلسلہ کو ان کا فیض ملتا رہے گا، ان کا امتیاز یہ ہے کہ یہ عالم روحانیات میں تین اقطاب کے استاذ ہیں:

۱- سید ابوالحسن الشاذلیؒ ۲- سید ابراہیم الدسوقیؒ ۳- اور سید احمد البدویؒ۔

۲۳- یہاں شدت و خشکی نہیں ہے، اس سلسلہ کے اکابر اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی دوستوں جیسا معاملہ کرتے ہیں۔

۲۴- قضائے حاجت اور دفع بلایا میں اس سلسلہ کے اوراد و اشغال اکسیر کا درجہ رکھتے ہیں، جس سے ہر سلسلہ کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

۲۵- یہاں ہر سالک کے لئے زندہ شیخ ہونا ضروری ہے، گذرے ہوئے لوگوں سے محض روحانی استفادہ تکمیل سلوک کے لئے کافی نہیں ہے، ہاں کمال حاصل کرنے کے بعد نسبت اویسیت سے مشرف ہوسکتے ہیں (۳۷۰)۔

☆ شاذلیہ کے یہاں ابتدائی مشائخ اور ان کی کتابوں کا خاص مقام ہے، وہ اس سلسلے میں حکیم ترمذیؒ (م ۲۸۵ھ/ ۸۹۸ء) کی ''ختم الولایۃ''، ابوطالب مکیؒ (م ۳۸۶ھ/ ۹۹۶ء) کی قوت القلوب، امام غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، ابن عطیہ کی المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز اور قاضی عیاض کی ''الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ'' کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔

تاہم سلسلۂ شاذلیہ کی تعلیمات کا خلاصہ شیخ ابن عطاء اللہ کی کتب میں پایا جاتا ہے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کتاب الحکم، ۲- التنویر فی اسقاط التدبیر، ۳- لطائف المنن، ۴- القسط المجرد فی معرفۃ اسم المفرد، ۵- مفتاح الفلاح و مصباح الارواح۔

ان میں خاص طور پر کتاب الحکم اور لطائف المنن بنیادی اہمیت کی حامل ہے، لطائف المنن حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ اور آپ کے مرید و جانشیں شیخ ابوالعباس المرسیؒ کی حیات و افکار پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ شیخ ابن صباغؒ نے ''درۃ الاسرار و تحفۃ الابرار'' کے نام سے شیخ ابوالحسن شاذلی کے افکار و حالات پر کتاب لکھی ہے، ان کتابوں سے اس سلسلے کے مزاج و مذاق اور بنیادی تعلیمات پر روشنی پڑتی ہے (۳۷۱)۔

(۳۷۰) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمّیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۵۴ تا ۵۹، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق و تحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

(۳۷۱) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمّیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۱۹ تا ۵۹، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق و تحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

سلسلۂ شاذلیہ کا نفوذ وشیوع

سلسلۂ شاذلیہ کو اپنی تعلیمات وخصوصیات کی بنا پر ہر حلقہ میں قبول عام حاصل ہوا، ہر سلسلۂ تصوف کے علماء ومشائخ نے اس سے خوشہ چینی کی، مغرب الاقصیٰ سے پروان چڑھنے والا یہ سلسلہ آہستہ آہستہ پورے شمالی افریقہ کا اہم ترین روحانی سلسلہ بن گیا، اس وقت شمالی افریقہ میں پائے جانے والے تمام صوفی سلاسل کسی نہ کسی حوالے سے شاذلیہ کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، مغرب کے مشہور صوفی طرق خصوصاً حنفیہ، جزولیہ، درقاویہ، بوزیدیہ، دفاعیہ، زروقیہ، عیساویہ، سنوسیہ سلسلۂ شاذلیہ کی شاخیں ہیں، عصر حاضر میں اس سلسلہ نے یورپ اور امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں اور مستشرقین کو بہت متأثر کیا ہے، بلکہ اس کے فیوض پورے عالم میں پہونچ چکے ہیں (۳۷۲)۔

قطب دہلی حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ

ہندوستان میں سلسلۂ شاذلیہ کی نمائندہ شخصیات میں ایک بڑی شخصیت عارف باللہ قطب دہلی حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (ولادت ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء تقریباً - وفات ۲۷/ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۴/جنوری ۱۹۶۳ء)(۳۷۳) کی گذری ہے، جو اپنے دور میں طاقتور

(۳۷۲)الاحسان، شعبۂ علوم اسلامیہ وعربی، شمارہ نمبر ا، گورنمنٹ کالج یونیورسیٹی، فیصل آباد ص ۱۵۲ تا ۱۶۴ مقالہ نگار: ڈاکٹر غلام شمس الرحمن ایسوی ایٹ پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسیٹی، ملتان۔

(۳۷۳)اسم گرامی ''محمد برکت اللہ'' ہے، استاذ برکت اللہ، برکت اللہ خوش نویس، اور منشی برکت اللہ کے ناموں سے بھی مشہور تھے، والد ماجد کا نام محمد نجف تھا، ولادت غالباً ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء میں ہوئی، وطن مالوف دہلی ہی تھا، سندھی مسلمانوں کی بے پناہ عقیدت اور پھر انہی کے قبرستان میں مدفون ہونے کی بنا پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ آپ باہر سے تشریف لائے تھے، آپ کا نرم ونازک اور منحنی وجود اور شستہ وشگفتہ اور لطیف پیرایۂ بیان آپ کے دہلوی ہونے کی غمازی کرتا ہے، آپ خود اپنے نام کے ساتھ دہلوی لکھتے تھے (دیکھئے آثار البرکۃ ص ۶۸ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء☆ نیز میرے جد امجد حضرت منورویؒ کو جو قلمی شجرہ آپ نے عنایت فرمایا تھا اس پر بھی دستخط میں آپ نے اپنے کو دہلوی تحریر کیا ہے)

نیز آپ کے کتبۂ مزار پر بھی آپ کو ''تہذیب دلی کا امیں، اشراف دہلی باوقار'' لکھا گیا ہے

خطاطی آپ کا ذوق تھا، اس پر اجرت نہیں لیتے تھے، محض فن کی خدمت کے طور پر یہ کام انجام دیتے تھے، آپ کا ذریعۂ معاش شیشہ کی تجارت تھا، اپنی کتابیں خود ہی کتابت کرتے اور اپنے خرچ سے چھپواتے تھے اور خود ہی فروخت بھی کرتے تھے، جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر آپ کتابیں فروخت کرتے تھے، اور پھاٹک حبش خان کوچہ مولوی قاسم ==

==(موجودہ نام تلک بازار) میں شیشہ کی دکان بھی تھی، جس میں آپ شیشہ فروخت کرتے تھے، اور اسی نسبت سے آپ ''سوداگر آئینہ'' بھی کہلاتے تھے، آپ کی کتابوں ''آثار البرکۃ، اور ستون دین'' پر آپ کے نام کے ساتھ یہ لاحقہ موجود ہے۔
آپ نے علم ظاہر کہاں سے حاصل کیا؟ نیز خطاطی میں آپ کے استاذ کون تھے؟ یہ سب باتیں پردۂ خفا میں ہیں، لیکن آپ کی تصنیفات آپ کے گہرے علم کی عکاس ہیں، آپ کی کتابیں علوم و معارف کا گنجینہ اور معلومات کا بحر بے کراں ہیں، ان کی زبان صاف ستھری، تروتازہ، اور روحانیت و نورانیت سے معمور ہے، خاص طور پر ''آثار البرکۃ'' انتہائی وقیع اور اہم تصنیف ہے، یہ شاذلی افکار و نظریات کی نمائندہ کتاب ہے، وہ اس لائق ہے کہ ارباب تصوف اس کو اپنے مجلسی افادات و تعلیمات میں بطور نصاب داخل کریں، ماضی قریب میں برصغیر کی کسی خانقاہ سے شاذلیہ کے افکار و تصورات پر اتنی معیاری کتاب شائع نہیں ہوئی۔
فن خطاطی میں آپ نے بے نظیر شہرت حاصل کی، برصغیر کے مشہور خطاط ''مولانا یوسف دہلوی'' جنہوں نے بعد میں پاکستانی کرنسی کی ڈیزائننگ کی تھی، وہ آپ کے تلمیذ رشید تھے، ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ بھی بہت سے تلامذہ رہے ہونگے، خطاطی کی شہرت میں آپ کی روحانی شخصیت عام لوگوں کی نگاہوں سے مستور ہوگئی، وہ اپنے وقت میں دہلی کے قطب تھے، لیکن روحانی طور پر آپ سے استفادہ کرنے والے افراد شاید اس دور میں بھی انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے، عقیدت مندوں کی کمی نہیں تھی، لیکن آپ کا روحانی سلسلہ منورواشریف کے علاوہ کہیں نظر نہیں آتا۔
روحانی تعلیم آپ نے کس سے حاصل کی؟ اور آپ کے ظاہری پیر طریق کون تھے؟ یہ بھی واضح طور پر معلوم نہیں ہے، لیکن آپ نے اپنی کتاب ''آثار البرکۃ'' میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کو شیخنا لکھا ہے (آثار البرکۃ ص ۶۱ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے روحانیت کے اسباق حضرت گنج مرادآبادیؒ سے حاصل کئے تھے، البتہ سلسلۂ شاذلیہ کی نسبت اویسی طور پر براہ راست حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ سے ملی تھی، اور یہی نسبت آپ پر غالب رہی، آپ اپنے نام کے ساتھ شاذلی کا لاحقہ لگاتے تھے، اس دور میں آپ شاذلی افکار و نظریات کے مضبوط علمبردار تھے، آپ کی کتاب آثار البرکۃ اس موضوع پر شاہکار حیثیت رکھتی ہے۔
تاعمر آپ نے شادی نہیں کی تھی، مدیر شمع جناب مولوی محمد یوسف صاحبؒ نے (جو آپ کے مرید بھی تھے) اولاد کی طرح آپ کی خدمت کی، آخری عمر میں آپ پھاٹک حبش خان چھوڑ کر ''کڑا'' چلے گئے تھے، غالباً وہاں کوئی ارادت مند رہا ہوگا، جناب مولوی محمد یوسف صاحب مدیر شمع کی کوششوں سے آپ دوبارہ دہلی تشریف لائے، اور شمع کمپنی کی ایک کرایہ کی عمارت کے ایک کمرہ میں آپ نے اقامت اختیار کی، یہ گلی رنگ محل خورد میں جناب اخلاص احمد کلکتویؒ کا مکان تھا، جس کو شمع کمپنی نے کرایہ پر لے رکھا تھا، مکان نمبر تھا: ۲۴۷۴، اس حقیر نے اس مکان کی زیارت کی ہے۔==

== لیکن جس زمانے میں حضرت منورویؒ کی آپ سے ملاقات ہوئی تھی اس زمانے میں آپ کا قیام غالباً محلہ فراش خانہ، گلی میر مداری میں تھا، جیسا کہ حضرت دہلویؒ نے خود اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر یہ پتہ لکھ کر حضرت منورویؒ کے حوالے کیا تھا۔

آپ نے لمبی عمر پائی، آخری عمر میں جھک گئے تھے، دبلے پتلے اور نحیف ونزار تھے، دس (۱۰) نمبر کا موٹا چشمہ پہنتے تھے ، آواز بہت نرم اور دھیمی تھی، لیکن ہمت کے دھنی تھے، بڑھاپے میں کہتے تھے کہ ''اگر میں نظام الدین پیدل جانا چاہوں تو جاسکتا ہوں، یعنی ''نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو'' کی بہترین مثال۔

آپ کی بہت سی کرامتیں مشہور ہیں، مثلاً:

☆ جناب موسیٰ بٹلہ صاحب (ولادت ۱۹۳۵ء) ساکن پھاٹک حبش خان (انہوں نے شاہ برکت اللہ صاحبؒ کی زیارت کی تھی، اس وقت شاہ صاحب کی عمر قریب نوے (۹۰) سال تھی) نے اپنی بہن کا قصہ بیان کیا، کہ وہ بہت غصہ ور اور چڑچڑے مزاج کی تھیں، ان کے والد حافظ یسین صاحبؒ (م ۱۹۷۸ء) ان کو لے کر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا، اس کا نام کیا ہے؟ بتایا گیا ریحانہ ہے، آپ نے فرمایا، نام کا اثر ہے، ایک جلالی بزرگ خاتون اسی نام کی گذری ہیں، نام بدل دو ٹھیک ہوجائے گی، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ ٹھیک ہوگئیں، یہ ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔

☆ بٹلہ صاحب ہی کا بیان ہے کہ ایک غیر مسلم (ہری) کی آنکھ چلی گئی تھی، سارے علاج ومعالجہ سے مایوس ہوکر حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کی دعا سے اس کی آنکھ واپس آگئی، وہ حضرت کا ایسا معتقد ہوا کہ ساری زندگی آپ کی خدمت کرتا رہا، بٹلہ صاحب نے اس غیر مسلم کو دیکھا تھا۔

☆ آپ کی ایک خاص کرامت یہ تھی، کہ مریض کا سمت معلوم کرکے اپنی قیام گاہ پر ہی زمین پر انگلی رکھ کر دعائیں پڑھتے تھے، مریض کو لانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اور وہ اپنے گھر میں شفایاب ہوجاتا تھا۔

☆ مجھ سے جناب حکیم محمد احمد صاحب (عمر ۷۹ سال، شاہ صاحب کی زیارت سے مشرف ہیں) ساکن پھاٹک حبش خان دہلی تلمیذ حکیم عبدالسلام دسنویؒ نے بتایا کہ کسی جادو کے اثر سے ان کو ہر جمعرات کو پیشاب میں خون آنے لگا تھا، لوگوں کے مشورہ پر ان کے والد جناب حکیم محمد شفیق صاحب (م ۱۹۸۸ء) نے حضرت سے جاکر تکلیف عرض کی، تو حضرت نے فرمایا کہ گھر جاکر گردہ کے مقام پر ہاتھ رکھو اور پانچ منٹ کے بعد ہٹالینا، والد صاحب نے ایسا ہی کیا، اور حضرت نے اپنی رہائش گاہ پر ہی دعا پڑھی، اور شفا نصیب ہوگئی۔

حکیم صاحب نے بتایا کہ حضرت کے وصال کے بعد وہ مرض پھر عود کر آیا، تو والد صاحب نے حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ سجادہ نشین خانقاہ شاہ ابوالخیر دہلی کی خدمت میں حاضر ہوکر ساری کیفیت بیان کی اور تعویذ کی درخواست کی، حضرت مولاناؒ نے فرمایا، تعویذ تو میں کسی کو دیتا نہیں ہوں لیکن آپ کے کہنے پر دیتا ہوں، مگر وہ باقی نہیں رہے گی، چنانچہ حضرت مولاناؒ کی تعویذ کی برکت سے بیماری ختم ہوگئی، اور تعویذ بھی اپنے آپ غائب ہوگئی۔

== ☆ مذکورہ دونوں حضرات نے بیان کیا کہ حضرت انتہائی نفیس پریس کئے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، مجھے حضرت کی ایک تصویر بھی دکھائی، جو حکیم محمد احمد صاحب کے والد حکیم شفیق صاحب مرحوم کے مطب پر نشست کی ہے، ان کے مطب پر اکثر علماء، مشائخ اور اصحاب فن کی مجلس ہوتی تھی، میں نے دیکھا کہ واقعی حضرت شاہ صاحبؒ انتہائی قیمتی اور عمدہ جوڑا پہنے ہوئے ہیں، ان حضرات کا بیان ہے کہ حضرت کے پاس ایک بکس تھا جس میں ہمیشہ چند جوڑے کپڑے صاف ستھرے پریس کئے ہوئے موجود رہتے تھے، لیکن آج تک کسی نے نہیں دیکھا کہ وہ کپڑے کون لاتا ہے، کون دھوتا اور پریس کرتا ہے، حضرت کے پاس تو بیوی بچے نہیں تھے، اور نہ حضرت کو کبھی کپڑے دھوتے ہوئے دیکھا گیا، لوگوں کا احساس تھا کہ یہ کپڑے بھی ان کے پاس غیب سے آتے تھے، واللہ اعلم بالصواب۔

موسیٰ بٹلہ صاحب کا بیان ہے کہ آخری عمر میں حضرت کا کھانا تینوں وقت کا میرے گھر سے جاتا تھا، اور میری والدہ کھانا تیار کرتی تھیں۔

حج کی سعادت سے بھی آپ سرفراز تھے، جیسا کہ آپ کے کتبۂ مزار پر ''آپ کو حاجئ حرم'' لکھا گیا ہے۔

آپ کی وفات ۲۷/ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۴/ جنوری ۱۹۶۳ء کو بروز جمعرات صبح آٹھ بج کر پینتیس منٹ پر ہوئی، تجہیز و تکفین کا انتظام جناب موسیٰ بٹلہ صاحب کے والد ماجد حافظ یسین صاحب نے کیا، اور عیدگاہ سے قریب سندھی مسلمانوں کے قبرستان میں مدفون ہوئے، اس قبرستان میں سوائے سندھی پنجابیوں اور ان کی مسجد کے امام اور مؤذن کے کسی کو دفن کرنے کی اجازت نہیں ہے، لیکن حضرت چونکہ ان کے پیر اور معلم روحانی تھے، اس لئے آپ کی قبر شریف وہاں تیار کی گئی، سرہانے میں کتبہ لگا ہوا ہے جس پر آپ کا اسم گرامی، والد ماجد کا نام اور تاریخ وفات درج ہے، دوسری جانب درج ذیل قطعات تاریخ وفات کندہ ہیں:

مزار خورشید صداقت (۱۹۶۳ء)

اپنے رب سے جاملا تحریر کے فن کا رئیس
آہ یہ صوفی منش اہل طریقت کا جلیس

الخاطب خوش رقم فن کتابت کا امام
ایسا تھا خطاط کامل ہر قلم جس کا نفیس

تہذیب دلی کا امیں اشراف دہلی باوقار
نرم تھی گفتار جس کی اور زباں جس کی سلیس

بست و ہفت شعبان ہجری تیرہ سو ہشتاد دو (۱۳۸۲ھ)
وقت صبح آٹھ پینتیس اور تھا یوم الخمیس ==

روحانیت اور بے نظیر خطاطی کے لئے پورے ملک میں مشہور تھے، استاذ برکت اللہ، یا برکت اللہ خوش نو یس یا منشی برکت اللہ کے نام سے آپ جانے جاتے تھے، ملک کے طول وعرض میں آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے تھے، برصغیر کے مشہور خطاط یوسف دہلویؒ (۳۷۴) (۴/ستمبر ۱۸۹۴ء - ۱۱/ مارچ ۱۹۷۷ء پاکستان) جنھوں نے بعد میں پاکستان کے روپیہ کی ڈیزائننگ کی، آپ کے شاگرد تھے، مشہور زمانہ شمع کمپنی کے مالک جناب مولوی محمد یوسف صاحبؒ مدیر شمع (مدفون قبرستان پنجابیان دہلی) آپ کے مرید تھے، اس زمانہ میں دہلی کی اکثر مساجد میں بلکہ بیرون دہلی بھی آپ کی خطاطی کے بہترین نمونے آویزاں ہوتے تھے، شمع والوں نے بھی آپ کی خوشنویسی کے بعض نمونے شائع کئے تھے، ان میں سبحان ربی الاعلیٰ، اور ''ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر'' وغیرہ کے طغرے بہت دنوں تک مسجدوں کے محرابوں کی زینت رہے، سندھی پنجابی مسلمان ہزاروں کی تعداد میں آپ سے وابستہ تھے (۳۷۵)،

==ہائے یہ حاجی حرم اللہ کو پیارا ہوا
وائے آغوش لحد ہے برکت اللہ خوش نویس

(حضرت شاہ صاحبؒ کے تعلق سے مذکورہ بالا معلومات جناب موسیٰ بٹلہ صاحب اور جناب حکیم محمد احمد صاحب سے اور کچھ آپ کے کتبات مزار سے حاصل ہوئیں، کچھ چیزیں آپ کی کتابوں سے بھی اخذ کی گئی ہیں)

(۳۷۴) خط نستعلیق کے معروف خطاط اور دہلوی طرز نستعلیق کے موجد تھے، ان کی پیدائش ۴/ستمبر ۱۸۹۴ء کو دہلی میں ہوئی، لیکن تقسیم کے بعد وہ پاکستان منتقل ہو گئے تھے اور کراچی میں سکونت اختیار کی، ان کا آبائی علاقہ ڈھاب والا نزد وزیر آباد ہے، کراچی میں ایک سڑک حادثہ میں ۱۱/ مارچ ۱۹۷۷ء کو ان کی وفات ہوئی، ان کے والد منشی محمد الدین جنڈیالوی اپنے زمانہ کے معروف خطاط تھے، انہوں نے ۱۹۳۲ء میں غلاف کعبہ کی خطاطی کی تھی۔ (ماخوذ از دائرۃ المعارف ویکی پیڈیا)

(۳۷۵) کہا جاتا ہے کہ آج سے تین سو (۳۰۰) سال قبل ان سندھی مسلمانوں کو ایک بزرگ حضرت شمس تبریزؒ کی بدولت نعمت اسلام نصیب ہوئی، واقعہ اس طرح ہوا کہ یہ پورا ایک ہی خاندان ہے، یہ خاندان قبل از اسلام کسی مذہبی رسم کے مطابق ندی میں نہانے کے لئے جارہا تھا، اور لیٹ ہوگیا تھا، راستے میں حضرت شمس تبریز سے ملاقات ہوئی، حضرت نے ان کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے کہا کہ ہم تو اپنے مذہب کے مطابق نہانے جارہے ہیں، اور دیر ہورہی ہے، آپ نے فرمایا کہ اگر میں وقت پر پہونچادوں تو واپسی میں میری بات مان لوگے؟ ان لوگوں نے وعدہ کیا کہ اگر ایسا ہوجائے تو ہم مان لیں گے، غالباً ان کو امید نہیں رہی ہوگی کہ اتنی دور دراز کا راستہ وقت پر طے ہو سکے گا، حضرت شمس تبریزؒ نے کہا کہ سب لوگ اپنی آنکھیں بند کریں، پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ کھول لیں، آنکھ کھولی تو وہ آن کی آن میں اپنی منزل پر پہونچ چکے تھے، وہ بہت حیران ہوئے، انہوں نے وہاں اشنان کیا، اور پورے قافلے کے ساتھ واپس ہوئے،==

اور آپ کو اپنا مرشد و رہنما تصور کرتے تھے، آپ ایک نستعلیقی شخصیت کے مالک تھے، جس طرح آپ کا خط نفیس تھا آپ کی شخصیت بھی اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ نفیس تھی، ہاتھ میں عمدہ اسٹیل کی چھڑی ہوتی تھی، اور امام الطریق حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کی طرح انتہائی نفیس لباس زیب تن فرماتے تھے، اپنے دور میں دہلی کی قطبیت پر فائز تھے، اور اس وقت کے اہل دل آپ کے اس منصب و مقام سے خوب آگاہ تھے، بظاہر آپ شیشہ و آئینہ کی سوداگری کرتے تھے، لیکن حقیقت میں آپ اس پردے میں سودائے دل بیچتے تھے، اور دلوں کو آئینہ بنانے کا کام کرتے تھے، جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کتابوں کی فروخت کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے بھی وہاں موجود ہوتے تھے جو ان کے منصب کے مطابق ان پر عائد ہوتی تھیں، قطب اکثر عام انسانوں کی دسترس سے بالاتر ہوتا ہے، اس لئے اس کے حالات بھی زیادہ تر پردۂ راز میں رہتے ہیں، شاید جس وقت وہ دہلی میں موجود تھے اس وقت بھی بہت کم لوگ ان کی اصل شخصیت سے واقف تھے، اس لئے ان کی زندگی کے اکثر پہلو آج تک تشنۂ تحقیق ہیں۔

ظاہری پیر طریق

آپ اس مقام تک کیسے پہونچے اور آپ کے ظاہری پیر کون تھے، اس کا بھی علم نہیں ہے، البتہ آپ نے اپنی کتاب ''آثار البرکۃ'' میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کو ''شیخنا ومولانا'' (یعنی ہمارے شیخ) لکھا ہے (۳۷۶)، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ظاہری پیر طریق حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ تھے۔

نسبت شاذلیہ

البتہ شاذلیہ کی نسبت اویسی طور پر براہ راست امام الطریق حضرت شاہ ابوالحسن شاذلیؒ کی روحانیت سے آپ کو حاصل ہوئی، اس کے بعد آپ اپنے کو حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کی طرف منسوب کرنے لگے

== واپسی پر اسی جگہ حضرت شمس تبریز سے پھر ملاقات ہوگئی، حضرت نے ان کو وعدہ یاد دلایا، اور وہ سب کے سب حسب وعدہ حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ آج وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اور باہم نظم وضبط ہے، بزرگوں کے ہمیشہ معتقد رہے، ان کا قبرستان بھی بہت منظم ہے، ایسا نظم وضبط ہندوستان کے بہت کم قبرستانوں میں ملے گا (یہ تاریخی واقعہ مجھے جناب موسیٰ بٹلہ اور حکیم محمد احمد صاحبان نے سنایا، ان کا تعلق بھی اسی خاندان سندھ سے ہے)

(۳۷۶) آثار البرکۃ ص ۶۱ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

تھے، اور ان کو اپنا شیخ روحانی قرار دیتے تھے، جیسا کہ سلسلۂ شاذلیہ کا دستور ہے، کہ جب سالک درجۂ کمال تک پہونچ جاتا ہے، تو اس پر حسب مقام براہ راست بالا بالا فیضان شروع ہو جاتا ہے، اور اس کی نسبت عالی ہو جاتی ہے، حضرت شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

''ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے شیخ کون ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں پہلے حضرت شیخ عبدالسلام بن مشیشؒ کی طرف نسبت کرتا تھا، لیکن اب کسی کی طرف نسبت نہیں کرتا، بلکہ دس سمندروں میں غوطہ زن رہتا ہوں، وہ دس (۱۰) سمندر یہ ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، (یہ پانچ زمینی سمندر ہیں) حضرت جبرئیلؑ، حضرت میکائیلؑ، حضرت عزرائیلؑ، حضرت اسرافیلؑ، اور روح اکبر (یہ پانچ آسمانی سمندر ہیں) (۷۷۳)

غالباً اس کے بعد ہی مرتبۂ قطبیت عطا کیا جاتا ہے، کہ اس سلسلہ میں مشیخت کے لئے قطبیت لازم ہے، بلکہ اصحاب شاذلیہ کے بقول دنیا کے اکثر خطوں کے اقطاب بھی اسی سلسلے سے چنے جاتے ہیں، شاذلیہ کا یہ بھی کہنا ہے کہ کسی ولی کی ولایت کی تکمیل کے لئے بھی نسبت شاذلیہ ضروری ہے، خواہ وہ کسی سلسلہ کا ولی ہو، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ تمام سلاسل کے اولیاء اللہ بلکہ عام سالکین بھی التزاماً حزب البحر اور دلائل الخیرات کا ورد رکھتے ہیں، جو کہ سلسلۂ شاذلیہ کا خاص سرمایہ ہے۔

علم ظاہر

حضرت شاہ برکت اللہ دہلویؒ کے علم ظاہر کے اساتذہ کی تفصیل معلوم نہیں ہے، لیکن ان کی کتابوں سے لگتا ہے کہ وہ علماء دیوبند سے بہت قریب تھے، بالخصوص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ سے وہ بہت متأثر نظر آتے ہیں، ان کے بہت سے اقوال کتاب کی زینت ہیں، ممکن ہے کہ اسی چشمۂ علم کی کسی شاخ سے آپ فیضیاب ہوئے ہوں۔

وقیع تصنیفات

آپ کی تصنیفات آپ کے پختہ علم اور گہری بصیرت کے آئینہ دار ہیں، آپ صوفی اور عارف

(۷۷۳) طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ (المسمّٰی جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ) ص ۲۶، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ

کے ساتھ بہت بڑے عالم ربانی بھی تھے، اور آپ علم کی روح اور اشیاء کے حقائق تک دسترس رکھتے تھے، آپ کی دو کتابیں میرے پیش نظر ہیں، ممکن ہے کہ آپ کی اور بھی تصنیفات ہوں، ان میں ایک مختصر رسالہ ''ستون دین'' (۱۶ صفحات) ہے، جو ۱۳۷۰ھ/ ۱۹۵۱ء میں دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے شائع ہوا ہے، یہ کلمہ، نماز، روزہ، رویت ہلال وغیرہ دین کی ضروری معلومات ومسائل پر مشتمل ہے۔

''آثار البرکۃ'' سلسلۂ شاذلیہ کی ایک شاہکار کتاب

دوسری کتاب آثار البرکۃ (صفحات ۱۱۰) ہے، جو ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء میں جید برقی پریس، بلی ماران دہلی سے شائع ہوئی ہے، یہ کتاب علم وحکمت کا گنج گرانمایہ ہے، اور اس کی مستحق ہے کہ علماء وصوفیاء اس کتاب کو اپنے درس ومطالعہ میں شامل رکھیں، اس کی سطر سطر اسرار ومعارف سے لبریز ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ ہر بات کے لئے قرآن وحدیث سے استدلال واستیناس کیا گیا ہے، جو بڑے عالم ہی سے ممکن ہے، اسی طرح کتاب کا بڑا حصہ سلسلۂ شاذلیہ کے علوم وافکار پر مشتمل ہے، جو سلسلہ کی کتابوں سے آپ کے گہرے اشتغال اور مطالعہ کی علامت ہے، اس ضمن میں بہت سے عارفین وکاملین کے اقوال نقل کئے گئے ہیں، اس کے ایک حصہ کو کشکول کا نام دیا گیا ہے، اس میں اقوال کے علاوہ بہت سے اوراد واشغال اور مجرب نسخے بھی شامل ہیں۔

''آثار البرکۃ'' سے چند علمی، روحانی اور فکری تراشے

بطور نمونہ کتاب کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ جن کی رسائی اصل کتاب تک نہیں ہے وہ ان لہروں سے اس بحر مواج کی وسعت وگہرائی کا اندازہ کرسکیں:

علم مکاشفہ اور علم معاملہ

☆علم کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اے بھائی! علم دو قسم کا ہے، ایک علم مکاشفہ دوسرا علم معاملہ، علم مکاشفہ اس نور کا نام ہے جو قلب میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے غیب کا مشاہدہ کیا کرتا ہے، اور یہ علم موجود و متحقق ہے اور تا قیامت رہے گا، ---اس علم مکاشفہ کو بجز اشارہ اور رمز وکنایہ صاف طور پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس کے اظہار کی اجازت میں کوئی فعلی یا قولی روایت نہیں مل سکی، اور حدیث میں آیا ہے کہ---بعض علوم کی یہ شان ہے جیسے پوشیدہ چیز کہ بجز اہل معرفت کے اس کو کوئی نہیں جانتا، اور یہی علم افضل ہے، اس لئے کہ مقصود بالذات

ہے اور علم معاملہ اس کا وسیلہ ہے، اور علم معاملہ ان امور کی واقفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ سے قریب کریں یا جو اللہ سے بعید بنا دیں، اور یہ علم مقدم ہے کیونکہ علم مکاشفہ کے لئے اس کا حصول شرط ہے، کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا**، جو لوگ مجاہدہ کرتے ہیں ہمارے متعلق ہم ضرور اپنے راستے بتا دیتے ہیں، پس جب مجاہدہ مقدم اور شرط ہوا ہدایت طریق یعنی مکاشفہ کے لئے تو مجاہدہ کا علم جس کو علم معاملہ کہتے ہیں بدرجۂ اولیٰ مقدم ہوا، اور حدیث میں آیا ہے کہ جب حارثہؓ نے دنیا سے بے رخی و اعراض کرنے کے بعد اپنی حالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ امور غیبیہ مجھ پر منکشف ہوتے ہیں، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم حقیقت تک پہونچ گئے ہو پس اس پر قائم رہو، البتہ اگر عنایت خداوندی بندہ کو کھینچ لے تو علم معاملہ کے بغیر ابتداء ہی علم مکاشفہ نصیب ہو جاتا ہے، جیسا کہ جادوگران فرعون میں ہوا کہ سجدہ میں گرتے ہی ان کو جنت کے اپنے مکانات اخروی نظر آ گئے اور علم شریعت کے بغیر طریقت نصیب ہوئی، سو یہ علم معاملہ علم مکاشفہ سے جدا نہیں ہوتا چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نور کی علامت دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا التجافی عن دار الغرور، یعنی سرائے دنیا سے دل برداشتہ ہونا اس کی شناخت ہے کہ قلب میں علم مکاشفہ کا نور آ گیا، پس یہ دو علم ہیں جن کی شریعت میں فضیلت آئی ہے، ان کے سوا تمام علوم فضیلت سے خالی ہیں" (۳۷۸)

ورثۂ انبیاء کا اصل مصداق

اسی ضمن میں ورثۂ انبیاء کی یہ تحقیق انیق اور نکتۂ لطیف بھی خاص طور پر قابل توجہ ہے:

"تفسیر بحر مواج کے مصنف شیخ شہاب الدین دولت آبادیؒ نے شیخ بدیع الدین شاہ مدارؒ کی خدمت میں لکھا کہ اس حدیث کی تحقیق کیا ہے: **العلماء ورثۃ الانبیاء**، یعنی عالم لوگ پیغمبروں کے وارث ہیں، اس میں ہمارا طائفہ (یعنی علماء ظاہر) مراد ہے یا تمہارا گروہ (یعنی علماء باطن) شاہ مدارؒ نے اس کے جواب میں لکھا کہ تمہارا علم اکتسابی ہے جس کو کسب اور کوشش سے حاصل کیا جائے، اس کو میراث نہیں کہہ سکتے، لیکن ہمارا علم موہبی ہے (یعنی خدا کی بخشش ہے اور خود بخود دل میں القا ہوتا ہے) اس لئے حدیث کو اسی پر محمول کرنا

(۳۷۸) آثار البرکات ص ۶، ۷ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء

چاہئے، کیونکہ یہی لوگ تمام انسانوں کے سردار اور تمام مخلوق سے اشرف ہیں اور حق تعالیٰ کا راستہ بتانے والے ہیں'' (۳۷۹)

علماء اور صوفیاء سے خطاب

کتاب میں جگہ بہ جگہ علماء ظاہر اور صوفیاء کو قیمتی ہدایات کی گئی ہیں، اور بہت مؤثر پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اے شخص تو مہندی سے اپنے بالوں کو سرخ کر کے خود ہی دھوکے میں پڑ گیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ میرے بال تو سرخ ہیں سفید نہیں، حالانکہ جانتا ہے کہ دراصل تیرے بال سفید ہیں، جن کو ہر ہفتہ مہندی سے لال کرتا ہے، اسی طرح تو اپنی عملی وقلبی حالت سے خوب واقف ہے کہ تیرے اندر علم کا ذرا اثر نہیں، مگر زبانی تقریروں سے جیسا دوسروں کو دھوکہ دیا تھا خود دھوکہ میں پڑ گیا، اور اپنے کو سچ مچ عالم سمجھنے لگا، تو سچائی کی سواری پر مضبوطی کے ساتھ سوار ہو کر ہمت کے لشکروں سے وسوسہ اور وہم کی صفوں کو درہم برہم کرتا ہوا مخلوق کے چکر سے نکل کر خالق کے دھیان میں لگتا ہوا اس کی رسی کو مضبوط تھامتا ہوا تاکہ ہاتھ سے رسی چھوٹ کر تو الگ نہ ہو جائے احتیاج کا جھنڈا اٹھا کر اس کے سامنے اپنی ذلت کا نقارہ بجاتا ہوا بیوی بچوں، مال اور اپنی ہستی اور اپنی عبادت، اپنی بیداری اور اپنی غفلت کے پردوں سے الگ ہٹتا ہوا بارگاہ قرب کی طرف توجہ کر، تیرا اپنے آپ کو بیدار سمجھنا بڑی غفلت ہے، تیرا اپنے کو منور سمجھنا گہری تاریکی ہے---(۳۸۰)

تذکر وتفکر کے عنوان سے مختلف عبادات واعمال کا دقیق اور عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے، اس کا بھی ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''ایک عبادت کی قسم تفکر ہے، حدیث ہے **تفکر ساعة خیر من عبادة سنة** ایک ساعت کا فکر سال بھر کی عبادت سے بہتر ہے، اور تفکر معرفت وواقفیت حق کی طلب کا نام ہے، اور تفکر سے پہلے تذکر ہوا کرتا ہے، یعنی اشیاء معلومہ کا قلب کے لئے حضور، مثلاً معلوم ہے کہ پائیدار شے بہتر ہوتی ہے ناپائیدار سے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آخرت پائیدار ہے اور دنیا نا

(۳۷۹) آثار البرکۃ ص ۲۲، ۲۳ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۰) آثار البرکۃ ص ۳۳ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

پائیدار، پس ان دونوں مقدمات کی یاد کا نام تذکر ہے، اب لامحالہ یہ نتیجہ نکلے گا کہ آخرت بہتر ہے دنیا سے اور اس تحصیل نتیجہ کا نام تفکر ہے، اور تفکر کا فائدہ تین چیزیں ہیں، اول علم، یعنی معرفت و آگاہی کا حاصل ہونا، جس سے حال پیدا ہو، دوم حال، یعنی قلب کا متاثر ہونا جس سے عمل پیدا ہو، سوم عمل، یعنی اعضائے جسمانی کی خدمت---(۳۸۱)

ذکر کی حقیقت

ذکر کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حروف کا ذکر بغیر حضور قلب کے ذکر لسانی ہے اور حضور و توجہ ذکر قلبی ہے، اور حضور سے بھی غائب ہو جانا اور مذکور میں محو ہو جانا ذکر سر ہے، پس ذکر کے وقت اگر ذکر کرنے والا شخص ذکر کو سمجھتا ہے تو ایک درجہ تنزل رکھتا ہے، اور اگر حضور بھی نہیں ہے، تو دو درجہ نیچے ہے، اور اس ذکر بلا حضور کو لقلقہ کہتے ہیں، اور خلاصہ ذکر کا مذکور میں اتنا مستغرق ہو جانا ہے کہ اثناء ذکر میں اگر ذکر کو بھی سمجھے گا تو یہ بھی حجاب ہے، اور اس مرتبۂ محویت کو فنا سے تعبیر کیا کرتے ہیں، اور فنا یہ ہے کہ اپنے نفس سے، اپنے اعضاء سے، اپنے حواس باطنی سے اور نیز جملہ اشیاء خارجی سے غائب ہو جائے اور سب کو حق تعالیٰ میں فنا کر دے اور جب کبھی ہوش میں آئے اسی کو پائے، پس اس حالت میں اگر اتنا علم بھی باقی ہوگا کہ میں ہمہ تن فانی ہو گیا تو یہ بھی کدورت ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ فنا سے بھی فانی ہو جائے، کیونکہ فنا سے بھی فانی ہو جانا غایت فنا ہے حق تعالیٰ ہمیں اور جملہ طالبین کو یہ مرتبہ نصیب فرمادے'' (۳۸۲)

فقر، زہد اور قناعت وغیرہ درجات

فقر، زہد اور قناعت وغیرہ کے درجات کی تعیین کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''فقر کی تعریف یہ ہے کہ ضرورت کے قابل بھی نصیب نہ ہو، اگر اس ناداری پر مسرور رہا اور ضرورت سے زیادہ کو ناپسند سمجھا تو اس کو زاہد کہیں گے، اور اگر زائد سے نہ کراہت ہے نہ

(۳۸۱) آثار البرکتہ ص ۱۵ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۲) آثار البرکتہ ص ۴۴ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

رغبت تو اس کا نام رضا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اے گروہ فقراء! اپنے دلوں سے رضا عطا کرو، زائد کی رغبت و کراہیت دونوں کو نکال دو کہ اپنے فقر پر ثواب پاؤ اور یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں، اور اگر زائد کی طلب تو چھوڑ دی مگر محبوب یہی ہے کہ زائد ملے تو اس کو قانع کہیں گے، اور اگر زیادہ کی رغبت ہو مگر اس کی طلب کو عاجز ہونے کی وجہ سے چھوڑا تو اس کا نام حریص ہے، اور اگر ضروریات کا محتاج ہو اور میسر نہ آئے تو اس کا نام مضطر ہے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مال کا وجود اور عدم برابر ہو جائے اور اس کا نام استغنا ہے، نہ کہ غنا، کیونکہ غنا ذات باری کے ساتھ مخصوص ہے---(۳۸۳)

وحدۃ الوجود

متقدمین شاذلیہ کے طرز پر شیخ اکبر محی الدین بن عربیؒ کے وحدۃ الوجود کی عکاسیاں بھی کتاب میں موجود ہیں، شیخ کے اقوال بھی بکثرت نقل کیئے گئے ہیں، (۳۸۴)

کرامات اولیاء کی حقیقت

کرامات اولیاء پر ایسی لطیف بحث فرمائی ہے جو شاید کم جگہوں پر مل سکے، اس کا عنوان ہے ''کرامت سے دل کو خوش نہ ہونا چاہیئے'' یہ تفصیلی بحث ہے، اس کا ابتدائی حصہ ملاحظہ کیجئے:

''اے درویشو! اگر تم سے کسی کرامت کا ظہور بھی ہو تو وہ خوشی کا مقام نہیں، یاد رکھو اولیاء اللہ کرامت کو ایسا چھپاتے ہیں جیسا عورت حیض کے خون کو چھپایا کرتی ہے، اب سنئے، کرامت کے دو پہلو ہیں، اس کو دو کے ساتھ نسبت ہے، ایک مکرم سے جس نے کرامت عطا کی، یعنی اللہ تعالیٰ شانہ، دوسری ہم سے کہ ہمارے ہاتھ سے اس کا ظہور ہوا، اب سمجھو کہ کرامت مکرم کی نسبت سے تو بڑی قیمتی اور پیاری چیز ہے مگر ہماری نسبت پر نظر کرتے ہوئے وہ کچھ نہیں، کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس وقت کریم کے دروازہ سے اکرام و انعام آتا ہے بڑا معظم و معزز ہوتا ہے، تمام درباری لوگوں کے دل تعظیم کے ساتھ اس کا استقبال کرتے

(۳۸۳) آثار البرکۃ ص ۲۰ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۴) آثار البرکۃ ص ۲۲، ۲۳ وغیرہ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

ہیں ، اور جب اس کی نسبت غلام کی طرف منتقل ہوگئی اب وہ چیز سب کی نظروں میں ہلکی ہو جاتی ہے۔(۳۸۵)

مقام نبوت، مقام صدیقیت اور مقام ولایت پر بھی معتدل اور محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔(۳۸۶)

سماع کی حقیقت

سماع کی حقیقت پر کئی صفحات میں انتہائی منصفانہ، مدلل اور جامع کلام کیا گیا ہے، اور بحث کو فیصلہ کن انداز میں اس طرح ختم کیا گیا ہے کہ:

''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تحریر فرماتے ہیں: عشق سماع عشق معائنہ سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ معائنہ صرف آنکھوں سے ہے اور سماع دل سے متعلق ہے، اور اسلم صورت سماع سے پرہیز کرنا ہی ہے اور بات تو یہ ہے کہ منتہی کو ضرورت نہیں اور مبتدی کو نقصان ہے'' (۳۸۷)

غرض یہ کتاب بیش قیمت علمی، فکری اور روحانی مباحث پر مشتمل ہے اور مصنف کی شریعت و طریقت کی جامع شخصیت کی عکاس ہے۔

حضرت شاہ صاحب اپنی تحریر کے آخر میں اپنا نام عموماً اس طرح لکھتے تھے:

''حررہ راجی الی اللہ الحقیر الفقیر سراپا تقصیر محمد برکت اللہ غفر لہ دہلوی'' (۳۸۸)

اور کبھی صرف محمد برکت اللہ، اس کتاب میں کئی جگہ اختتام بحث پر آپ کا نام مرقوم ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ آپ کے مختلف افادات کا مجموعہ ہے یا مختلف مجلسوں میں لکھی گئی تحریریں ہیں، جن کو آثار کے نام سے آپ نے خود مرتب کر دیا تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

---

(۳۸۵) آثار البرکۃ ص ۲۹ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۶) آثار البرکۃ ص ۳۶، ۳۷ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۷) آثار البرکۃ ص ۵۳ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۸۸) آثار البرکۃ ص ۶۸ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء ☆ نیز حضرت منوروی کے شجرۂ شاذلیہ پر آپ نے اسی طرح دستخط فرمایا ہے، البتہ اس میں ''الشاذلی'' کا اضافہ ہے۔

حضرت شاہ برکت اللہؒ سے حضرت منورویؒ کی ملاقات

حضرت منورویؒ کی آپ سے ملاقات دہلی میں ہوئی ، یہ ۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۵ / مارچ ۱۹۵۲ء کی بات ہے جب حضرت منورویؒ دہلی (مہرولی) میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ آپ کے دو تلمیذ اور مسترشد جناب محمد وارث علی صاحبؒ عرف وشواس جی (م ٦ / رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۲ / اپریل ۱۹۸۸ء) اور جناب مولوی محمد کلیم الدین صاحبؒ (سورجاپور اتر دیناجپور بنگال) شامل تھے، غالباً دن کا وقت تھا، وہاں آپ کی ملاقات ایک مجذوب سے ہوئی، اس مجذوب کی بعض حرکتوں کی وجہ سے آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے، شاید وہ مجذوب یہی چاہتا تھا، آپ نے اس سے پوچھا کہ ابھی دہلی کا قطب کون ہے؟ اس نے بتایا کہ اس وقت وہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کتابیں بیچ رہے ہیں، ---

دلی کا قطب جامع مسجد کی سیڑھیوں پر کتابیں بیچ رہا تھا

حضرت وہاں سے فارغ ہوکر سیدھے جامع مسجد تشریف لے گئے، وہاں ایک مرد ضعیف کتابوں کی دکان سجائے بیٹھے تھے، آپ سلام کر کے شیخ کی طرف توجہ کئے بغیر پھیلی ہوئی کتابوں کو دیکھنے لگے، بظاہر کوئی کسی کی طرف متوجہ نہیں تھا، لیکن حقیقت میں دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت منورویؒ نے غالباً دو کتابوں (آثار البرکۃ اور ستون دین) کا انتخاب فرمایا (یہ دونوں کتابیں کتاب فروش بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ صاحبؒ ہی کی تھیں) اور ادب سے دریافت کیا کہ ان کا ہدیہ کیا ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب دیا کہ ''اس کا ہدیہ تم ہو؟ یہ غیر متوقع جواب سن کر حضرت منورویؒ نے کتابیں رکھ دیں، اور یہ کہہ کر چل پڑے کہ میں کسی کا ہدیہ ہونے والا نہیں ہوں، لیکن ابھی چند قدم ہی بڑھے تھے کہ پیچھے سے ایک مضبوط اور توانا ہاتھ نے گردن پکڑی، اور انتہائی رعب کے ساتھ فرمایا کہ بھاگتا کہاں ہے؟ بارہ (۱۲) سال سے انتظار میں بیٹھا ہوں، اور آج آیا ہے تو فرار اختیار کرتا ہے، حالانکہ حضرت شاہ صاحبؒ فطری طور پر انتہائی نرم و نازک آدمی تھے، اور اس وقت ان کی عمر شریف قریب اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی، اور ان کے مقابلے میں حضرت منورویؒ قریب اکیاون (۵۱) سال کے مرد جوان تھے، لیکن اس دن اس بوڑھے کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ ٹس سے مس نہ ہو سکے، اور ان کے حکم کی تعمیل کے سوا چارۂ کار نہ رہا، شاہ صاحبؒ کے ساتھ دکان

پر واپس آئے، شام قریب تھی، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ میرے ساتھ رہیں، آج شب کا کھانا میرے ساتھ کھائیں، مغرب کی نماز کے بعد ان شاء اللہ قیامگاہ پر چلیں گے۔

مقام قطبیت کے لئے نسبت شاذلیہ کی ضرورت

اس دوران حضرت منورویؒ شاہ صاحب کی شخصیت اور مقام سے پوری طرح باخبر ہو چکے تھے، وہ یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے، کہ قطب آنچہ گوید دیدہ گوید، قطب مشاہدہ کے بغیر کچھ نہیں بولتا، اور قطب کی حکم عدولی سخت نقصان دہ ہوسکتی ہے، حضرت شاہ صاحبؒ قطبیت کے مقام پر فائز تھے، اور حضرت منورویؒ بھی مقامات سلوک طے کر کے اولیاء کاملین کے زمرہ میں داخل ہو چکے تھے، لیکن شاید مقام قطبیت پر فائز ہونے کے لئے شاذلیہ کی اس نسبت خاصہ کی ضرورت تھی، جس کا انتظام قدرت کی طرف سے بے شان وگمان بلکہ بے اختیار آپ کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کی صورت میں کیا گیا تھا۔

تکمیل کے بعد خصوصی نسبتوں کے لئے طلب واختیار کی ضروت نہیں ہوتی

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابتداءً تحصیل سلوک کے لئے کسب وریاضت کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن تکمیل کے بعد خصوصی نسبتوں کے فیضان یا مقامات خاصہ تک رسائی کے لئے سالک کی طلب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ بے طلب اور بے اختیار قدرت کے تکوینی نظام کے تحت اس کا انتخاب عمل میں آتا ہے، اور اس سے وہ نہ فرار اختیار کرسکتا ہے، اور نہ دستبردار ہوسکتا ہے۔

دراصل ولایت تعلق مع اللہ کا نام ہے، پھر اس کے مراتب ہیں، جس کا تعلق اللہ پاک سے جتنا مضبوط اور متنوع ہوگا اس کی ولایت کا درجہ اتنا ہی بلند ہوگا، ولایت کے لئے ضروری نہیں کہ اسے کسی ذمہ دارانہ منصب پر فائز بھی کیا جائے، بلکہ یہ اللہ کی مرضی کے مطابق اولیاء اللہ میں سے کچھ لوگوں کا انتخاب عمل میں آتا ہے، اور ان پر اضافی ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں، لیکن جو حضرات کسی ذمہ داری کے لئے منتخب نہ کئے جائیں، ان کی ولایت میں اس سے نقص واقع نہیں ہوتا، بلکہ بعض ایسے اولیاء اللہ بھی ہوتے ہیں جو کمال وتمام کے باوجود بیعت وارشاد کے جھمیلے سے اپنے کو دور رکھتے ہیں، اور یہ ان کے ناقص ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، ---- بیعت وارشاد کی وسعت یا کسی منصب کی سرفرازی سے فیضان کی اشاعت ہوتی ہے، سلسلہ زندہ رہتا ہے اور اس خدمت کی بدولت مقامات میں ترقی حاصل ہوتی ہے، لیکن فی نفسہٖ کمال ولایت کے لئے یہ چیزیں لازم نہیں ہیں۔

امور تکوین میں اختیار نہیں ہوتا

ولایت کے حصول سے بیعت وارشاد کے عمل تک کا معاملہ دائرۂ تشریع میں آتا ہے، اور انسان کو اس پر اختیار بھی رہتا ہے، لیکن اس سے آگے کسی منصب یا ذمہ داری کے لئے اگر کسی کا انتخاب کیا جائے، تو یہ امر دائرۂ تکوین میں چلا جاتا ہے، اور انسان کے اختیار سے خارج ہو جاتا ہے، نہ اس منصب کو قبول کرنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ اس کی ذمہ داریوں کی ادائیگی اختیاری ہوتی ہے، وہی کرنا پڑتا ہے جو اللہ پاک کے قانون تکوین اور اس کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے، خواہ صاحب مقام کی ذاتی رائے اس فیصلہ سے متفق ہو یا نہ ہو، بلکہ وہ ظواہر شریعت سے بھی مطابقت رکھے یا نہ رکھے، اسی لئے بہت سے اولیاء اللہ شروع میں اس سے گھبراتے ہیں، کہ ''مقرباں رابیش بود حیرانی'' لیکن یہ چیز اختیاری نہیں ہوتی، پھر اللہ سے تعلق کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی مرضی پر چلا جائے، اپنے علم اور ذاتی رجحانات کو دخیل نہ بنایا جائے، اگر خدانخواستہ کوئی شخص ایسی غلطی کر بیٹھے اور شریعت ظاہرہ اور عام قانون انسانیت کے تحت کسی فیصلے میں پس وپیش کرے تو اس کو اس ذمہ داری سے الگ کیا جاسکتا ہے، بزرگان دین کی تاریخ میں ایسے کئی واقعات موجود ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

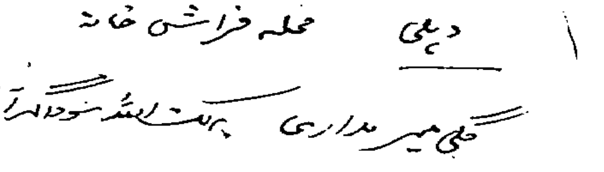
حضرت شاہ صاحبؒ کی قیامگاہ پر یادگار دعوت - راز و نیاز کی باتیں

بہرحال مغرب کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی دکان سمیٹی اور اپنے تینوں مہمانوں کو لے کر محلہ فراش خانہ کی ایک تنگ وتاریک گلی ''گلی میر مداری'' میں واقع ایک چھوٹے سے حجرہ میں داخل ہوئے (۳۸۹)، اس زمانے میں آپ کے ساتھ ایک نوجوان لڑکا بطور خادم رہتا تھا، آپ نے خادم سے

(۳۸۹) کتاب ''آثار البرکۃ پر پھاٹک حبش خان کا پتہ مطبوعہ ہے، اور جناب حکیم محمد احمد صاحب نے گلی ''رنگ محل خورد'' میں ایک مکان کی نشاندہی بھی کی تھی وہ پھاٹک حبش خان سے ہی نکل کر جاتی ہے، لیکن حضرت منورویؒ کے کاغذات میں ایک چھوٹے سے رقعہ پر غالباً حضرت شاہ برکت اللہ صاحبؒ ہی کے قلم سے ایک دوسرا پتہ درج کیا گیا ہے:

''دہلی، محلہ فراش خانہ، گلی میر مداری، برکت اللہ سوداگر آئینہ''

اندازہ یہ ہے کہ کتاب کی طباعت کے وقت وہی پتہ رہا ہوگا، لیکن بعد میں تبدیل ہو گیا ہوگا، اس لئے حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت منورویؒ کو الگ سے کاغذ پر لکھ کر دیا ہوگا، غالباً حضرت منورویؒ کی ملاقات اسی مرقومہ پتہ پر ہوئی ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔



کہا کہ خاص مہمان آئے ہیں، ان کے لئے کھانا تیار کرو، خادم نے عرض کیا کہ حضرت پکانے کے لئے کچھ نہیں ہے، شاید پیسہ کی کمی تھی یا اس وقت تک دکان بند ہو چکی تھی، آپ نے فرمایا، کچھ بھی تلاش کرو۔۔۔مٹی کے چند گھڑے تھے، جن میں غالباً مطبخ کے لئے غلہ وغیرہ رکھا جاتا ہوگا، خادم نے تمام گھڑوں کو الٹ پلٹ کر جھاڑا تو بمشکل چند دانے جو کے اور چند کشمش کے برآمد ہوئے، آپ نے فرمایا ایک دیگچی میں پانی بھر کر یہ جو اور کشمش کے دانے ڈال دو اور اوپر سے ڈھکن رکھ دو، حضرت کے پاس مٹی تیل کے فیتہ والا اسٹوپ تھا، خادم نے اسی اسٹوپ پر جو کی کھچڑی بنانے کی تیاری شروع کی، اور حضرت اپنے مہمان کے ساتھ مشغول ہو گئے، دونوں بزرگوں میں کیا باتیں ہوئیں، شاہ صاحب نے حضرت منورویؒ کو کیا دیا، یہ تو باطنی معاملات ہیں، وہی دونوں جانیں، البتہ حضرت منورویؒ کے رفقاء سفر کا بیان ہے، کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس ایک پرانا بکس تھا، اس میں سے انہوں نے کچھ کاغذات نکالے، جو حضرت منورویؒ کے نام سے تحریر شدہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دستخط کے ساتھ پہلے سے تیار تھے، شاید اس میں کچھ اضافہ کر کے آپ نے دوبارہ دستخط فرمایا(۳۹۰)، اس کے بعد بکس سے کوفتہ، کباب، پان، کتھ کسیلی وغیرہ نکالے اور فرمایا کہ:

> ''مجھے تمہارا ایک عرصہ سے انتظار تھا، دیکھو یہ سب چیزیں میں نے تمہارے لئے پہلے سے تیار کر رکھی ہیں''

حضرت منورویؒ کو یہ چیزیں بہت مرغوب تھیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو آپ کے ذوق و مزاج کا بھی پورا علم تھا۔

یہ پردہ اٹھایا تو اچھا نہ ہوگا

یہ چیزیں بظاہر بہت عجیب ہیں، لیکن جو لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات سے واقف ہیں، جیسا کہ کچھ چیزیں گذشتہ صفحات میں آچکی ہیں، ان کے لئے اس میں کوئی تحیر کی بات نہیں ہے، یہ سب تکوینی نظام ہے جو عالم بالا سے طے ہوتا ہے، اور متعلقہ اشخاص کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے، ممکن ہے پانے والے کو پہلے سے اس کی خبر نہ ہو لیکن دینے والے کو بتا دیا جاتا ہے کہ کون سی چیز کب کس کے حوالے کی جائے گی؟ بلکہ شاید یہاں پانے والا بھی پہلے سے کچھ دھندلی سی واقفیت رکھتا تھا، ورنہ حضرت منورویؒ کو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر قطب دہلی کی تلاش کیوں تھی؟ اور وہ مجذوب

(۳۹۰) اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ شجرہ کا پہلا صفحہ سیاہ روشنائی سے اور دوسرا صفحہ نیلی روشنائی سے لکھا ہوا ہے، اور دونوں صفحہ پر دستخط موجود ہیں۔

پہلے سے کیوں اس کے لئے تیار بیٹھا تھا؟ غرض یہ ایک الگ دنیا ہے، یہاں عقل کے گھوڑے نہیں دو ڑائے جا سکتے، یہاں ہر شخص عاجز و درماندہ ہے، کوئی بے خبر ہے، اور کسی کو خبر ہے تو زبان کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔

اس موقعہ پر کیف مرادآبادی کی یہ نظم بالکل مناسب حال ہے جس کو خود صاحب واقعہ حضرت شاہ برکت اللہ صاحب نے آثارالبرکۃ میں نقل کیا ہے:

راز

ہو پر کیف جلوہ کہ رنگیں مناظر — نظر میں سمایا تو اچھا نہ ہوگا
گزر جا ہر اک شے سے دامن بچا کر — کہیں دل لگایا تو اچھا نہ ہوگا
غم نیستی ہو کہ نیرنگ ہستی — تخیل پہ چھایا تو اچھا نہ ہوگا
کوئی نقش بھی عالم ماسوا کا — تصور میں آیا تو اچھا نہ ہوگا
جھکایا ہے جس سر کو در پر ہمارے — کہیں پر جھکایا تو اچھا نہ ہوگا
کہیں بھول کر غیر کے نقش پا کو — جبیں سے لگایا تو اچھا نہ ہوگا
حقیقت کی پنہاں سی بھی اک جھلک کو — فسانہ بنایا تو اچھا نہ ہوگا
ہمیں ہم ہیں باطن میں لیکن بظاہر — یہ پردہ اٹھایا تو اچھا نہ ہوگا
وہ نغمہ جو پچھلے پہر ہم سنائیں — کسی کو سنایا تو اچھا نہ ہوگا
وہ جلوہ جو چھپ کر کبھی ہم دکھائیں — تعین میں لایا تو اچھا نہ ہوگا
کبھی ڈھنگ سے رہ، کسی حال میں رہ — ہمیں گر بھلایا تو اچھا نہ ہوگا
ہماری عطا کی ہوئی بے خودی سے — کبھی ہوش آیا تو اچھا نہ ہوگا
ہزاروں مصائب ہیں راہ طلب میں — اگر ہچکچایا تو اچھا نہ ہوگا
ہو کچھ بھی مگر جو قدم اٹھ گیا ہے — وہ پیچھے ہٹایا تو اچھا نہ ہوگا
تجھے کیا ملا، کیوں ملا، کس نے بخشا — کہیں ذکر آیا تو اچھا نہ ہوگا
جو ظاہر میں باطن کی کیفیتوں کا — اشارہ بھی پایا تو اچھا نہ ہوگا
یہ کہہ کر انہوں نے مجھے راز سونپا — کسی کو بتایا تو اچھا نہ ہوگا
جو آنکھوں سے ظاہر ہوا تو ہی جانے — جو ہونٹوں تک آیا تو اچھا نہ ہوگا

(کیف مرادآبادی)(۳۹۱)

کشمش اور جو کی کراماتی کھچڑی

ادھر یہ روحانی معاملات طے ہوئے دوسری طرف خادم نے اطلاع دی کہ کھچڑی تیار ہو چکی ہے، یہ حضرات دیکھ کر حیران رہ گئے کہ چند دانے جو اور کشمش سے پوری دیگچی کھچڑی تیار ہوگئی تھی، حضرت شاہ صاحبؒ کی کھلی کرامت، حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت منورویؒ کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا، اور باقی حضرات کا کھانا الگ لگایا گیا، اس طرح ایک ہی نشست میں نسبت، قطبیت اور اجازت وخلافت کے تمام مراحل طے فرما کر شاہ صاحب نے آپ کو رخصت فرمادیا(۳۹۲)

دہلی سے واپسی پر حضرت منورویؒ کی حالت متغیر

دہلی سے واپسی پر جب آپ منوروا شریف پہونچے تو آپ کی حالت سخت متغیر تھی، حضرت شاہ صاحب کی کڑی توجہ، نسبت کی تاثیر اور قطبیت کے بارگراں نے کچھ دنوں کے لئے آپ کو متزلزل کر کے رکھ دیا، بھوک پیاس ختم، وجود بوجھل، دل ودماغ متأثر، استنجاء تک کی حاجت نہیں، بس برائے نام کھاتے پیتے تھے، ہر جگہ اسم ذات کا نظارہ اور ہر منظر میں نور خدا کی جلوہ گری تھی، خدا کے علاوہ کائنات میں کچھ نہ تھا، پھر آدمی کھائے تو کیا کھائے، استنجا کرے تو کہاں کرے، ایک عجیب مشاہدہ واستغراق کی کیفیت تھی، جس سے کسی لمحہ چھٹی نہیں ملتی تھی۔ نہ معلوم کن کیفیات سے آپ گذرے، زندگی کی ساری سرگرمیاں ٹھپ پڑ گئی تھیں، لوگوں سے ملنا جلنا بھی ترک کردیا تھا، بلکہ آپ کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ شاید دماغ ماؤف نہ ہو جائے، اس وقت حضرت منورویؒ کی والدہ ماجدہ حیات سے تھیں، والدہ سے عرض کیا کہ اگر خدانخواستہ میری حالت متغیر ہو، اور کبھی جنون کے آثار دیکھئے تو مجھے چارپائی سے باندھ دیجئے گا، تاکہ میں باہر نہ نکل سکوں، لیکن اللہ پاک کے فضل سے یہ کیفیت تو پیدا نہیں ہوئی، مگر قلب وجگر پر بہت دنوں تک اس کا اثر رہا، اور تقریباً تین ماہ تک مسلسل اسی حالت میں آپ رہے، تین ماہ کے بعد

(۳۹۱) آثار البرکۃ ص ۱۰، ۱۱ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

(۳۹۲) یہ واقعہ میرے والد صاحب نے اپنی کئی مجلسوں میں سنایا، اور والد صاحب نے یہ واقعہ جناب محمد وارث علی صاحبؒ (عرف وشواس جی) اور جناب مولانا کلیم الدین صاحبؒ (سور جاپور اتر دیناجپور بنگال) سے سنا، جو اس سفر میں حضرت منورویؒ کے ہمراہ تھے۔

خیال آیا کہ اپنے مرشد روحانی حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ (جو اس وقت کراچی پاکستان میں باحیات تھے) کو اپنے حالات سے واقف کرایا جائے، اور ان سے توجہ واستعانت کی درخواست کی جائے۔

حضرت شاہ نور اللہؒ عرف حضرت پنڈت جیؒ کے نام ایک خط

چنانچہ ایک پوسٹ کارڈ پر اپنے حالات لکھے اور اس پر حضرت پنڈت جیؒ کا پتہ لکھ کر صلحا بزرگ تشریف لے گئے، پوسٹ آفس وہیں تھا، واضح رہے کہ اس وقت صلحا بزرگ اور منورواشریف کے درمیان صرف ایک ندی (کرے) حائل تھی، ندی کے مغربی ساحل پر منورواشریف اور مشرقی ساحل پر صلحا بزرگ آباد تھا، آپ نے پوسٹ آفس کے بکس میں جوں ہی خط ڈالا، اور خط کے گرنے کی آواز سنائی، وہ تمام کیفیت یکلخت کافور ہوگئی، دل، دماغ، جگر سب کام کرنے لگ گئے، اچانک تیز بھوک لگی، چنانچہ پوسٹ آفس سے قریب ہی حضرت حاجی جمیل احمد صاحبؒ (جو بعد میں اس حقیر کے نانا ہوئے) کی خواہش پر ان کے دولت خانہ پر تشریف لے گئے، صلحا بزرگ کے اکثر حضرات آپ سے گہری عقیدت اور روحانی وابستگی رکھتے تھے، بہت سے حضرات آپ کے نانا بزرگوار حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کے شاگرد بھی تھے، حاجی جمیل صاحب بھی ان لوگوں میں شامل تھے، ان سے یک گونہ بے تکلفی بھی تھی، حاجی صاحب کو حضرت کی بدلی ہوئی حالت کا علم تھا، وہ صلحا بزرگ میں اچانک حضرت کو دیکھ کر بے انتہا مسرور ہوئے، اس لئے کہ اس کیفیت کے بعد صلحا بزرگ کی آمدورفت بھی تقریباً متروک ہوگئی تھی، حاجی صاحب نے ناشتہ وغیرہ کا اہتمام کیا، اور آپ نے رغبت کے ساتھ تناول فرمایا، اس کے بعد آہستہ آہستہ آپ پرسکون ہوگئے، اور زندگی رفتہ رفتہ معمول پر آگئی (۳۹۳)۔

خط ڈالتے ہی سارے عوارض دور ہوگئے-کس کی نسبت نے کام کیا؟

حضرت پنڈت جیؒ نے اس خط کا کیا جواب دیا وہ تو معلوم نہیں ہے، لیکن بظاہر ان کے جواب کی نوبت ہی نہیں آئی اس سے قبل ہی ان مشکل حالات کو آپ نے عبور فرمالیا، اور اس وادئ خارزار سے آپ نکل آئے، دراصل یہ تمام حالات خود عالم بالا سے پیدا کئے گئے تھے، ظاہر ہے کہ اچانک کوئی بوجھ

(۳۹۳) یہ واقعہ میرے والد صاحب دامت برکاتہم کے علاوہ میری دادی جان نے بھی سنایا، اور صلحا بزرگ میں میرے نانا جان حاجی جمیل صاحب کے یہاں پہونچنے اور کھانے پینے کا تذکرہ خود میرے نانا جان نے بھی والد صاحب سے فرمایا۔

پڑنے سے دشواریاں تو پیدا ہوتی ہیں، اور ان کے تحمل میں کچھ وقت بھی لگتا ہے، خدائی نظام کے تحت یہ ایک وقتی پریشانی تھی جو بہر حال ختم ہونی تھی، لیکن اس عالم اسباب میں ہر کام سبب کا پابند ہے، حضرت پنڈت جی کو خط لکھنا اس کا ایک ظاہری سبب تھا، سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوا اور یہ بات آپ پر ظاہر ہوگئی کہ حضرت پنڈت جیؒ کا خط ابھی صلحابزرگ کے پوسٹ آفس ہی میں ہے، اور آپ کے حالات درست ہو گئے۔

☆ممکن ہے کہ اس میں حضرت پنڈت جیؒ کی روحانی نسبت کا دخل ہو، کہ خط ڈاک میں ڈالتے ہی رابطہ قائم ہوگیا اور حضرت پنڈت جیؒ کی نسبت کا فیض آپ کو حاصل ہوگیا، اور اس روحانی نصرت کے ذریعہ آپ نے اپنی مشکل عبور کرلی، اس میں کوئی ضروری نہیں کہ حضرت پنڈت جیؒ کو اس کی خبر بھی ہوئی ہو، اس لئے کہ رابطہ کے لئے استفادہ کرنے والے شخص کا تیقظ اور قوی النسبت ہونا کافی ہے، اور کام تو سب اللہ پاک کرتے ہیں، رابطہ کی کوشش کرنا اور سبب ظاہر کو اختیار کرنا انسان کا کام ہے، اور بس۔

☆البتہ اس میں ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مخصوص ذمہ داریوں کے تحت آپ کو قطب دہلی کی بار گاہ میں بھیجا گیا تھا، جسمانی عوارض دراصل آپ کے روحانی ارتقاء کا ذریعہ تھے، آپ کی حیرانیاں اور پریشانیاں سب پروردگار کے سامنے تھیں، اور یہ سب نظام تکوین کے تحت ہوا تھا، اور اس کی پیشین گوئی حضرت شاہ برکت اللہ صاحبؒ نے عطائے نسبت کے وقت ہی کردی تھی، شجرۂ مبارکہ میں دوسرے صفحہ پر نئے قلم سے پہلی ہدایت یا وارننگ اسی سے متعلق ہے، لکھتے ہیں:

"☆بعض اوقات کوئی حال باعث کلفت ہوتا ہے، یہ عمدہ مشائخ کے احوال سے ہے اور ترقی مقام کا باعث اور بے کلفت ثمرۂ الفت حاصل نہیں ہوتا" (۳۹۴)

لیکن جب آپ کی بے تابی حد سے بڑھی، اور ان رازہائے سربستہ میں آپ نے اپنے محرم اسرار اور مرشد روحانی کو شریک کرنے کا ارادہ کیا، تو قطبیت شاذلیہ کی غیرت نسبت نے بایماء ربانی ان عوارض کو خود ہی سلب کرلیا، اور کسی دوسرے کی روحانی شرکت گوارا نہ کی، تا کہ روحانی ارتقا کا یہ نیا سفر مسدود نہ ہو، اور بتوفیق الٰہی آپ اپنی ذمہ داریاں انجام دے سکیں، اس لحاظ سے یہ حضرت شاہ برکت اللہ صاحبؒ کی نسبت خاصہ کا بھی فیض ہو سکتا ہے (۳۹۵)۔

---

(۳۹۴) شجرۂ مبارکہ شاذلیہ حضرت شاہ برکت اللہ دہلویؒ ص ۲

(۳۹۵) میرا اپنا احساس یہ ہے کہ حضرت شاہ برکت اللہ صاحبؒ کا یہ فیض آج بھی جاری وساری ہے، اور ان کی نسبت حضرت منورویؒ کی روحانیت کے ساتھ مسلسل مربوط ہے، اس کی ایک مثال مجھ جیسے اندھے بہرے اور ناکارہ شخص کی ان کے حالات کی دریافت اور مزار اقدس تک رسائی کا واقعہ ہے، بلاشبہ حضرت شاہ برکت اللہ دہلویؒ کی شخصیت ==

==ہمارے گھر میں اجنبی نہیں تھی، جب سے شعور کی عمر کو پہونچا ان کے اسم گرامی کی گونج کانوں سے ٹکرائی، ان کی طاقتور نسبت کا ذکر اور حضرت داداؒ کی حالت کے تغیر کا قصہ بھی گوش گذار ہوا، شاہ صاحبؒ کے دست مبارک کا لکھا ہوا شجرہ اور ان کی دو کتابیں ''آثار البرکۃ اور ستون دین'' ہمارے گھر میں موجود ہیں، لیکن نام کے علاوہ ان کی شخصیت کی کوئی تفصیل گھر میں بلکہ حضرت جد امجدؒ کے پورے حلقۂ احباب میں کسی کو معلوم نہیں تھی، حضرت والد صاحبؒ بھی ان کے ذاتی احوال سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، اور نہ یہ اندازہ تھا کہ وہ کہاں سے آئے تھے اور کہاں گئے، اور کہاں مدفون ہیں؟ صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ دہلی کے قطب تھے، اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر انوار پر ایک مجذوب نے ان کی رہنمائی کی تھی، اور حضرت منورویؒ جامع مسجد کی سیڑھیوں تک پہونچے تھے، اس سے آگے کہاں گئے؟ کس مقام پر جو اور کشمش کی کھچڑی تیار ہوئی، شجرہ رقم کیا گیا، پان اور مسالہ کا تبرک عنایت ہوا وغیرہ یہ تفصیلات بھی کلیتاً پردۂ خفا میں تھیں، حضرت منورویؒ نے بھی اس معاملہ کو راز ہی رکھا، اور کسی پر ظاہر نہیں فرمایا کہ انہیں کہاں سے کیا ملا؟ وہ تو ایک بحر ناپیدا کنار تھے، جس کے نہ ساحل کا پتہ تھا اور نہ گہرائی کا اندازہ، وہ تو اللہ پاک کو ظاہر کرنا تھا کہ ان کی حالت منوروا پہونچتے پہونچتے بگڑ گئی، بہت ضبط کرنے کی کوشش کی، لیکن جب تحمل کا یارا نہ رہا تو راز فاش ہو گیا، گھر میں بھی لوگوں کو معلوم ہوا، یاران طریق کو بھی پتہ چلا، اور مرشد طریق حضرت پنڈت جیؒ کو بھی آگاہی کرائی، ورنہ بہت سی چیزوں کی طرح یہ معاملہ بھی راز گم گشتہ ہی رہ جاتا۔

جب میں نے آپ کے حالات قلمبند کرنے کا ارادہ کیا تو دیگر بہت سے مراحل کی طرح حضرت شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ کا مرحلہ بھی میرے لئے سخت مشکل تھا، نہ ان کے سلسلہ کی تفصیلات کا علم تھا اور نہ ان کے پیر طریق کا کوئی اندازہ، نہ ان کے شخصی احوال کی خبر، اور نہ مرقد و مدفن کا پتہ، دہلی جیسے عظیم شہر میں ان کا پتہ چلانا آسان نہ تھا، دہلی تو میری آمد و رفت بہت دنوں سے تھی اور ہے اور اب تو ایک چھوٹی سی کٹیا بھی کھڑی کر دی ہے، اس نسبت سے بھی آنا جانا پڑتا ہے، لیکن آج کی بدلی ہوئی دہلی میں سو (۱۰۰) سال پرانے آثار کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا، جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نہ معلوم کتنی بار اس ارادہ سے پہونچا کہ شاید کوئی خضر راہ اس شخصیت گم شدہ کا پتہ دے، کئی بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر بھی حاضری دی، اور گھنٹوں ایک ایک چہرہ میں کسی رہنما چہرے کی تلاش رہی، کئی مستانوں کے کمبلوں میں بھی جھانکا، لیکن کامیابی نہ مل سکی۔

آخر ایک سفر جس میں مخلص و کرم فرما جناب مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی (بھتورہ، ضلع مدھوبنی) سابق استاذ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد و جامعہ ربانی منوروا شریف بھی شریک تھے، اس گرہ کشائی میں کامیاب اور نتیجہ خیز ثابت ہوا، اور اس کی رہنمائی بھی اسی جامع مسجد کی سیڑھیوں نے کی، ایک اجنبی شخصیت کے ذریعہ ہم اس محلہ تک پہونچے جس کی کسی گلی میں حضرت شاہ برکت اللہ صاحب کا کبھی قیام رہا تھا، اور یہ سب چیزیں بھی ایسی مرحلہ وار طے ہوئیں کہ کوئی نہیں جانتا==

== جانتا کہ کس نے کیا بتایا؟ ایک بتانے والے کے ذریعہ پھاٹک حبش خان کی مسجد تک پہونچے، پھر وہاں سے کسی کی ہدایت پر حاجی موسیٰ بٹلہ صاحب کی دکان تک پہونچے، اور پھر بٹلہ صاحب کے ذریعہ حکیم محمد احمد تک رسائی ہوئی، اور حکیم صاحب نے ہمیں حضرت شاہ صاحبؒ کے مرقد تک پہونچایا، شاہ صاحب کے شخصی احوال کا بڑا حصہ انہی دونوں بزرگوں سے حاصل ہوا، کچھ چیزیں شاہ صاحب کے کتبۂ مزار سے معلوم ہوئیں، حضرت شاہ صاحبؒ کی ایک نادر تصویر بھی ہمیں حاصل ہوئی، اور دلچسپ بات یہ ہوئی کہ اس پورے قضیہ میں ہمارا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہوا، شاہ برکت صاحبؒ کا خوان برکت ہر جگہ جاری رہا فالحمد اللہ علیٰ ذلک۔

اس موقعہ پر میں اپنے دونوں محسنوں کا مختصر تعارف کرانا بھی ضروری سمجھتا ہوں، جو انہی سے پوچھ کر میں نے ان کے سامنے لکھ لیا تھا:

☆ **حاجی موسیٰ بٹلہ صاحب** (پھاٹک حبش خان، کوچہ مولوی قاسم، موجودہ نام تلک بازار): والد ماجد کا نام حافظ یسین صاحب (م ۱۹۷۸ء) ہے، بٹلہ صاحب کی ولادت پھاٹک حبش خان دہلی میں ۱۹۳۵ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم فتحپوری اسکول میں ہوئی، درجۂ پانچ کے بعد دلی کالج (اب ذاکر حسین کالج) میں داخل ہوئے لیکن والد صاحب نے وہاں سے ہٹا کر اپنے کاروبار میں شریک کرلیا، موسیٰ صاحب کا آبائی کاروبار آج بھی قائم ہے، ان کو حضرت شاہ برکت اللہؒ کی زیارت کا شرف بچپن میں حاصل ہوا ہے، آخر عمر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے تینوں وقت کا کھانا ان کے گھر سے ہی جاتا تھا، اور ان کے انتقال کے بعد تجہیز وتکفین کا کام بھی ان کے والد صاحب ہی نے انجام دیا، انہوں نے شاہ صاحبؒ کے کئی واقعات سنائے جو ان کے عہد اخیر یعنی ۱۹۶۱ء کے آس پاس سے تعلق رکھتے ہیں۔

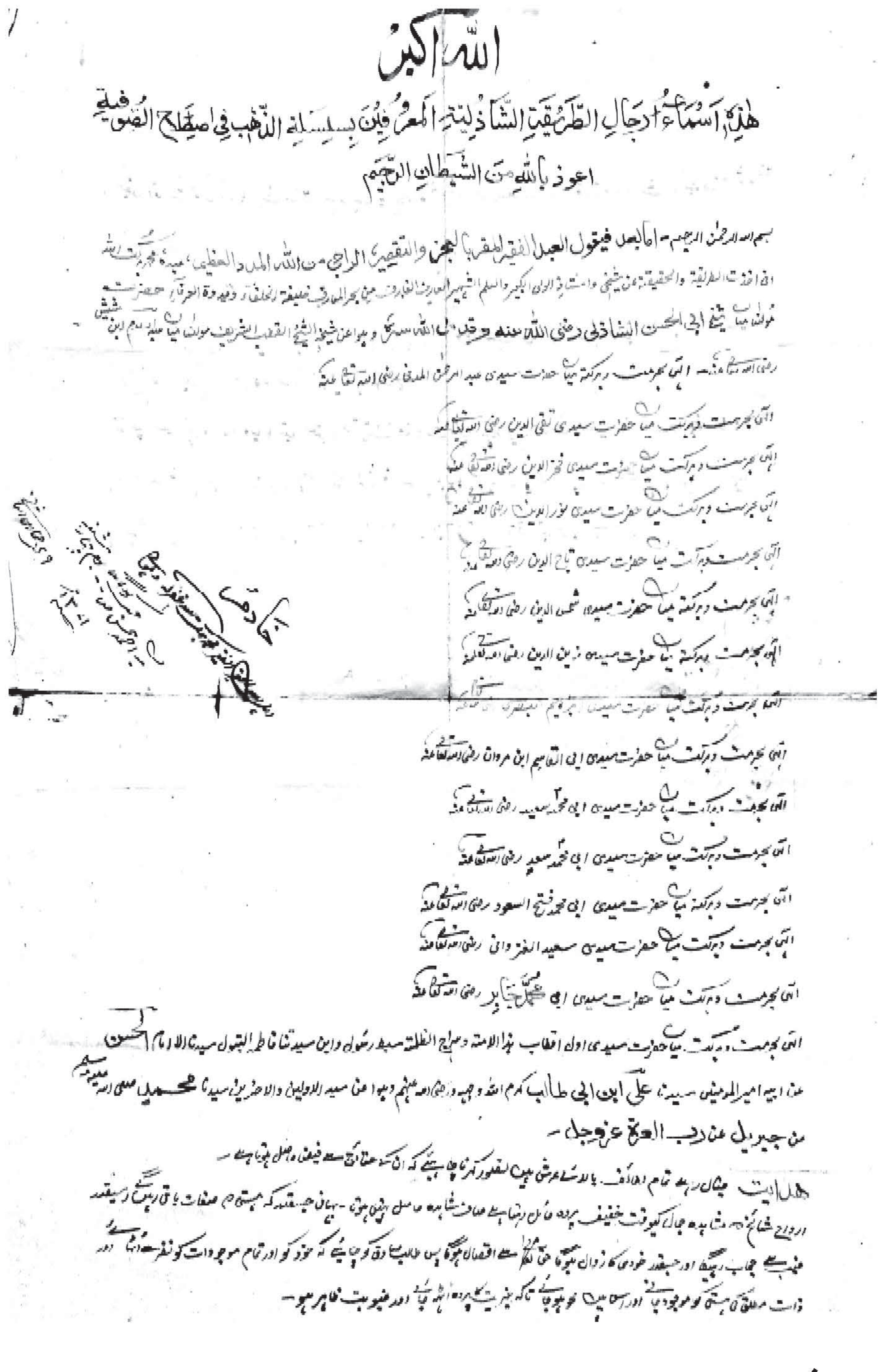
بٹلہ صاحب کا مرکز نظام الدین سے بھی گہرا تعلق ہے، پہلے دن جب ہم لوگ ان کی دکان پر پہونچے تو وہ اپنی دکان بند کر رہے تھے، اور انہوں نے کہا کہ اب کل ملاقات ہوگی، پھر وہ ہم کو لے کر بستی حضرت نظام الدین چلے آئے، وہاں سے ہم اپنی قیامگاہ شاہین باغ چلے گئے۔

☆**حکیم محمد احمد صاحب** (ولادت ۱۹۴۱ء پھاٹک حبش خان): والد ماجد کا اسم گرامی حکیم محمد شفیق صاحبؒ (م ۱۹۸۸ء) ہے، سندھی برادری سے تعلق رکھتے ہیں، پنجاب یونیورسیٹی چندی گڑھ سے ادیب فاضل کیا، پھر یونانی دواسازی کا مشغلہ اختیار کیا، آج تک اسی مشغلہ سے وابستہ ہیں، حکیم محمد احمد صاحب حکیم عبدالسلام دسنویؒ (بہار) کے تلمیذ رشید ہیں، اس لئے بہار کی نسبت سے ہمارے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمایا، اور ضعف وعلالت کے باوجود اپنے خرچ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے مزار اقدس تک خود ہم کو لے کر گئے، اچھے احوال کے مالک ہیں، متواضع، خوش اخلاق اور تہذیب دہلی کے امین ہیں۔

مگر ان دونوں حضرات میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت میں قطب دہلی تھے، وہ سلسلۂ شاذلیہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے اور صاحب تصانیف تھے، میں نے جب ان کو یہ چیزیں بتائیں تو ان کا تأثر اور گہرا ہوگیا، اور انہوں نے ہمارے ساتھ بڑی محبت کا مظاہرہ کیا، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔**

باقی حقیقت کا علم تو بس اللہ کو ہے، ہم اندھے تو صرف قیاس آرائیاں کر سکتے ہیں، اللہ پاک ہمیں بھی معرفت وروحانیت کی حلاوت ولذت اور چشم بینا عطا فرما دے آمین۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں


اللہ اکبر

ھٰذہٖ اسماء رجال الطریقۃ الشاذلیۃ المعروفین بسلسلۃ الذھب فی اصطلاح الصوفیۃ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی تقی الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی فخر الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی نور الدین رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی تاج الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی شمس الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی زین الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی ابی القاسم ابن مروان رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی ابی محمد سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی ابی محمد فتح السعود رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی سعید الغزوانی رضی اللہ تعالٰی عنہ

الٰہی بحرمت و برکت میاں حضرت سیدی ابی محمد جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ

من جبریل عن رب العزۃ عز و جل

شجرۂ مبارکہ سلسلۂ شاذلیہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (صفحۂ اول)

بعض اوقات کوئی حال باعث کلفت ہوتا ہے۔ یہ بھی عمدہ مشائخ کے احوال سے ہے اور ترقی مقام کا باعث اور یہ کلفت ثمرۂ الفت

فصل نہیں ہوتا۔

مرشدوں کی محبت عین اللہ رسول کی محبت ہے کہ ان کے نائب ہیں۔

اپنے اعمال نیک پر نظر رکھنا اور ہر وقت نادم اور پشیمان رہنا گویا رحمت حق اور افعال الٰہی کو اپنی طرف جذب کرتا ہے

جس گناہ کے بعد ندامت کامل ہو وہ گناہ نیکی پر فوق ہے۔

اگرچہ اسماء الٰہی و اسماء اولیا باعتبار معنی اور حقیقت مغایرت نہیں رکھتے ہیں اس لئے کہ اولیا کی ذات مع اپنے اسماء و صفات

اسماء و صفات الٰہی میں مستغرق اور گم ہو کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوگئے ہیں اور اپنی صفات سے کچھ خبر نہیں رکھتے ہیں مگر خدا

نہیں ہوگئے ہیں۔ مردان خدا خدا نباشند۔ لیکن ز خدا جدا نباشند۔ فرق اعتباری باقی ہے۔

یہ شجرہ میاں احمد حسن صاحب

قبول فرمائیے

شجرۂ مبارکہ سلسلۂ شاذلیہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (صفحۂ دوم)

قال اللہ تعالیٰ عزوجل

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

آثارُ البرکۃ

مؤلفہ

محمد برکت اللہ غفرلہ

سوداگر آئینہ پھاٹک حبش خاں، دہلی

مطبوعہ محبوب برقی پریس بازار بلی ماران دہلی

۱۳۶۵ھ

حضرت مولانا شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ کی شاہکار کتاب ''آثار البرکۃ'' کا سرورق

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے

رسالہ

ستون دین

سنہ ۱۳۷۰ھ

مؤلفہ

محمد برکت اللہ سوداگر آئینہ پھاٹک حبش خاں دہلی

مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ کی کتاب ستون دین کا سرورق

۲

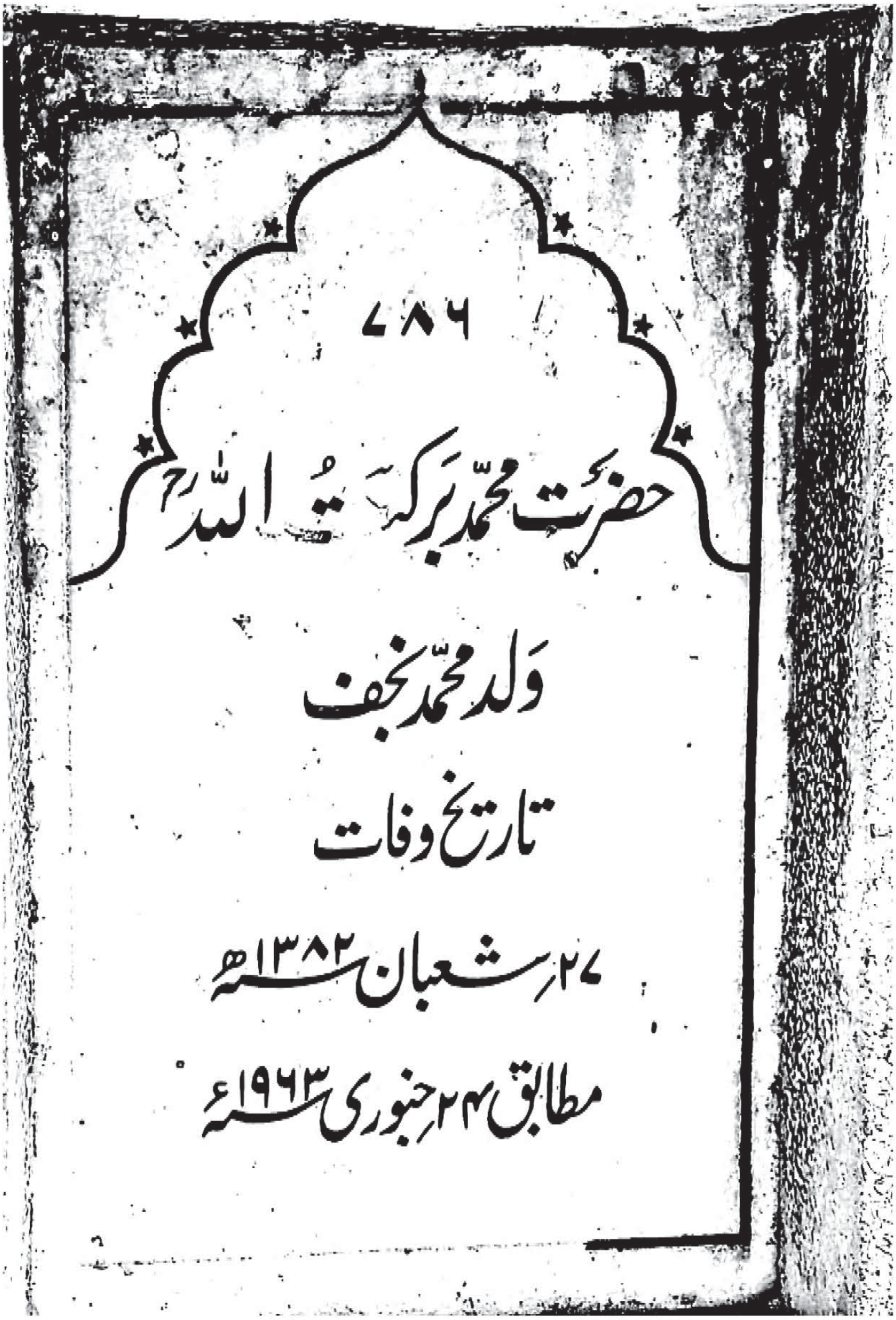
۴۸۶

مَعلُومَات

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۹ ماہ ربیع الاول یوم دوشنبہ مطابق ۲۰ ر اپریل ۵۷۱ء مطابق یکم جیٹھ سمت ۶۲۸ بکرمی۔ اور مشہور یہی ہے کہ آپ کے پیدائش کی تاریخ ۱۲ ر ربیع الاول ہے۔ حضور کا نام آپ کے دادا عبد المطلب نے رکھا تھا۔ پہلے یہ نام کسی کا نہیں ہوا۔ حضور کے والد ماجد کا نام عبد اللہ تھا۔ اور والدہ کا نام آمنہ۔ حضور کے نو یا بارہ چچا اور چھ پھوپیاں۔ حضور کو پیدائش شریف سے اکتالیسویں برس ۹ ربیع الاول مطابق ۱۲ ر فروری سنہ ۶۱۰ء بروز دوشنبہ کوہِ حرا کے ایک غار میں نبوت کی باعظمت خلعت عطا فرمائی گئی۔ اُس وقت عمر مبارک چالیس سال ایک دن کی تھی جب آپ نے تبلیغ شروع کی۔ آزاد مردوں میں حضور کے جاں نثار دوست ابوبکر صدیق رضی۔ آزاد عورتوں میں حضور کی محترمہ علیہا شہنشاہِ عالم کی مقدس ملکہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ آزاد بچوں میں حضور کے چچا زاد بھائی علی رضی۔ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی جو حضور کے آزاد کردہ غلام تھے۔ باندیوں میں حضور کی آزاد کردہ باندی ام ایمن ایمان سے مشرف ہوئے۔

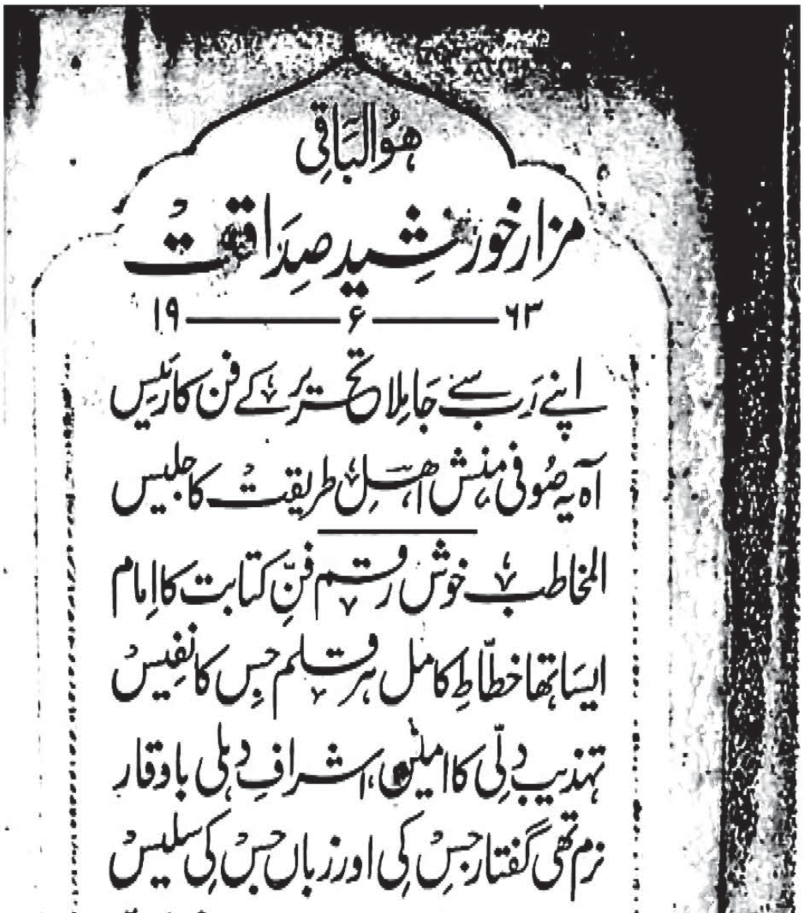
محمد برکت اللہ

حضرت شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ کی کتاب ستون دین کا پہلا صفحہ



Scanned by CamScanner

کتبۂ مزار حضرت شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلی رح (دہلی قبرستان پنجابیان)



Scanned by CamScanner

کتبۂ مزار حضرت شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (دہلی قبرستان پنجابیان)



Scanned by CamScanner

مزار مبارک حضرت شاہ برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (دہلی قبرستان پنجابیان)

شجرۂ مبارکہ سلسلۂ شاذلیہ

حضرت مولانا شاہ برکت اللہ صاحبؒ کو سلسلۂ شاذلیہ کی نسبت اویسی طور پر براہ راست امام الطریق حضرت مولانا شاہ ابوالحسن الشاذلیؒ کی روحانیت سے حاصل ہوئی تھی، اس لئے شجرہ کا آغاز حضرت شاہ ابوالحسن شاذلیؒ کے اسم گرامی سے ہوا ہے، شجرہ کا ابتدائی حصہ عربی میں ہے، پھر شجرہ کے اختتام پر اردو زبان میں سالک کے لئے ضروری ہدایات دی گئی ہیں، جن میں پوری طرح متقدمین شاذلیہ کے طرز پر توحید اور فنافی الذات کا رنگ نمایاں ہے۔ شاہ صاحبؒ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا یہ شجرہ ہے، ان کی عادت شریفہ تھی کہ سب کے نام کے ساتھ میاں لکھتے تھے، جیسا کہ شجرہ سے ظاہر ہوتا ہے، آخر میں حضرت منورویؒ کا نام بھی اسی طرح لکھا گیا ہے کہ ''میاں احمد حسن صاحب کو دیا گیا'' شجرہ کا آغاز اس طرح ہوا ہے:

اللہ اکبر

هذه اسماء رجال الطريقة الشاذلية المعروفين بسلسلة الذهب فى اصطلاح الصوفية

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

امابعد فيقول العبد الفقير المقر بالعجز و التقصير من الله المدد العظيم، عبده محمد بركت الله انى اخذت الطريقة و الحقيقة عن شيخى و استاذى الولى الكبير و العلم الشهير العارف الغارف من بحر المعارف خليفة الخلفاء و قدوة العرفاء حضرت مولانا ميان شيخ ابى الحسن الشاذلى رضى الله عنه و قدس الله سره و هو عن شيخه الشيخ القطب الشريف مولانا ميان عبد السلام ابن مشيش الخ.

اس شجرہ کے مطابق حضرت منوروی کے سلسلۂ شاذلیہ کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱) قطب دہلی حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ (ولادت ۱۲۸۷ھ/ ۱۸۷۰ء تقریباً۔ وفات ۲۷/ شعبان المعظم ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۴/ جنوری ۱۹۶۳ء)

(۲) امام الطریق حضرت شیخ ابوالحسن علی شاذلیؒ (ولادت: ۵۷۱ھ یا ۵۹۳ھ/ ۱۱۷۵ء یا ۱۱۹۷ء وفات: ۲۰/ ذی قعدہ ۶۵۶ھ مطابق ۱۸/ نومبر ۱۲۵۸ء)

(۳) امام الاقطاب حضرت عبدالسلام ابن مشیشؒ (م ۶۲۲ھ یا ۶۲۵ھ/ ۱۲۲۵ء یا ۱۲۲۸ء)

(۴) حضرت عبدالرحمن المدنی العطار الزیاتؒ (متوفی پانچویں صدی ہجری)(۳۹۶)

حضرت زیات کو ایک نسبت شیخ المشائخ، قطب ربانی حضرت ولی اللہ ابومدین شعیب بن حسن الاندلسی البجائیؒ (ولادت ۴۳۸ھ/ -وفات ۵۷۲ھ/ ۱۱۷۶ء)(۳۹۷) سے بھی حاصل ہے، جو غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ تھے، پھر شیخ سے اوپر سلسلۂ سند وہی ہے جو سلسلۂ قادریہ کے تحت بیان کیا جاچکا ہے۔

(۵) حضرت سید تقی الدین الفقیر النہروندی الواسطی العراقیؒ (م ۵۹۴ھ/ ۱۱۹۸ء)(۳۹۸)

---

(۳۹۶) اسم گرامی عبدالرحمن ہے اور ''الزیات'' لقب ہے، کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں تیل فروشوں کے محلہ میں رہائش کی بنا پر ان کا یہ لقب پڑا، اکابر اولیاء اللہ اور رجال غیب میں سے تھے، غوثیت کاملہ کے مقام پر فائز تھے، حضرت عبد السلام ابن مشیشؒ جب سات (۷) سال کے تھے، اور ان میں جذب کا ظہور ہوا، تو حضرت ''زیات'' جلوہ افروز ہوئے اور ان کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ ''میں تمہارا شیخ ہوں، اور ہر حال اور ہر مقام میں تمہارا واسطہ ہوں، اور ان کے تمام مقامات کی آپ نے خبر دی ---بعد میں حضرت عبدالسلام بن مشیشؒ سے دریافت کیا گیا کہ شیخ آپ کے پاس آتے تھے یا آپ خود جاتے تھے، تو انہوں نے جواب دیا کہ دونوں صورتیں ہوتی تھیں، پھر پوچھا گیا کہ طے الارض کے طور پر آتے تھے یا چل کر، تو حضرت ابن مشیش نے فرمایا کہ طے الارض ہوتا تھا۔ آپ کی وفات پانچویں صدی ہجری میں ہوئی، متعین تاریخ معلوم نہیں ہے (طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ -المسمیٰ جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ -ص ۶۱، مؤلفہ ابوعلی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء)

(۳۹۷) حضرت ابومدین شعیبؒ کی ولادت ۴۳۸ھ/ ۱۰۴۶ء میں ہوئی، حضرت ابوالحسن بن حرزہمؒ، ابوالحسن بن غالبؒ، اور شیخ ابویعزیٰ یلنورؒ جیسے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، علم باطن کی تعلیم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے حاصل کی، بلند پایہ عالم ربانی، شیخ طریق، اور شریعت وحقیقت کے آپ جامع تھے، قطب ربانی کے نام سے آپ مشہور تھے، آپ کا شمار حفاظ حدیث میں ہوتا تھا، خاص طور پر آپ ترمذی کے حافظ تھے، مذہب مالکی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، اور آپ کی طرف لوگوں کا کافی رجوع تھا، بہت سی کرامات آپ کی طرف منسوب ہیں، آپ کی وفات ۵۷۲ھ/ ۱۱۷۶ء میں ہوئی (شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ ج ۱ ص ۲۳۶ مؤلفہ محمد بن محمد بن عمر بن قاسم مخلوف (م ۱۳۶۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۳ء/ ۱۴۲۴ء)

(۳۹۸) اکابر علماء واولیاء اللہ میں تھے، حضرت شیخ احمد الرفاعیؒ (م ۵۷۰ھ) کی صحبت وتربیت میں رہے، اور ان سے خرقۂ تصوف حاصل کیا، شیخ کے ساتھ مدینہ منورہ کے اس تاریخی سفر میں بھی شامل تھے، جس میں روضۂ پاک سے سرکار ==

(۶) حضرت سید فخر الدینؒ

(۷) حضرت نور الدین ابو الحسن علیؒ

(۸) حضرت محمد تاج الدینؒ

(۹) حضرت محمد شمس الدینؒ

(۱۰) حضرت زین الدین القزوینیؒ

(۱۱) حضرت ابراہیم البصریؒ

(۱۲) حضرت ابو القاسم احمد بن مروانؒ

(۱۳) حضرت ابو محمد سعیدؒ

(۱۴) حضرت ابو محمد سعدؒ

(۱۵) حضرت ابو محمد فتح السعودؒ

(۱۶) حضرت سعید الغزوانیؒ

(۱۷) حضرت ابو محمد جابرؒ

(۱۸) اول اقطاب ھذہ الامۃ حضرت سیدنا امام حسن بن علیؓ

(۱۹) امیر المؤمنین سیدنا حضرت علی ابن ابی طالبؓ

(۲۰) سید الاولین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(۲۱) حضرت جبریل امینؑ

(۲۲) رب العالمین اللہ عزوجل

(شجرہ کے آخر میں اردو زبان میں درج ذیل چند ہدایات ہیں):

ہدایت: خیال رہے تمام لطائف بالائے عرش ہیں تصور کرنا چاہئے کہ ان کے حقائق سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ ارواح مشائخ کے مشاہدۂ جمال کے وقت خفیف پردہ حائل رہتا ہے، صاف مشاہدہ حاصل نہیں ہوتا، یہاں جس قدر کہ ہستی کے صفات باقی رہیں گے،

== دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دست مبارک حضرت رفاعیؒ کے لئے برآمد ہوا تھا، اس کا مشاہدہ کرنے والوں میں سے ایک آپ بھی تھے، آپ کی وفات ۵۹۴ھ/ ۱۱۹۸ء میں ہوئی (طبقات الشاذلیۃ الکبریٰ - المسمّٰی جامع الکرامات العلیۃ فی طبقات السادۃ الشاذلیۃ - ص ۶۱، مؤلفہ ابو علی الحسن بن محمد بن قاسم الکوھن الفاسی المغربی (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء)

اسی قدر غیب سے حجاب رہے گا اور جس قدر خودی کا زوال ہوگا حق تعالیٰ سے اتصال ہوگا، پس طالب صادق کو چاہئے کہ خود کو اور تمام موجودات کو نظر سے اٹھائے اور ذات مطلق کی ہستی کو موجود جانے اور اس میں محو ہو جائے تا کہ غیریت کا پردہ اٹھ جائے اور غیوبت ظاہر ہو۔ (صفحۂ اول ختم)

☆ بعض اوقات کوئی حال باعث کلفت ہوتا ہے، یہ عمدہ مشائخ کے احوال سے ہے اور ترقی مقام کا باعث اور بے کلفت ثمرۂ الفت حاصل نہیں ہوتا

☆ مرشدوں کی محبت عین اللہ و رسول کی محبت ہے کہ ان کے نائب ہیں۔

☆ اپنے اعمال نیک پر نظر رکھنا اور ہر وقت نادم و پشیمان رہنا گویا رحمت حق اور افضال الٰہی کو اپنی طرف جذب کرنا ہے، جس گناہ کے بعد ندامت کامل ہو وہ گناہ نیکی پر فوق ہے۔

☆ اگرچہ اسماء الٰہی و اسماء اولیاء باعتبار معنیٰ اور حقیقت کے مغائرت نہیں رکھتے ہیں، اس لئے کہ اولیاء کی ذات مع اپنے اسماء وصفات کے اسماء وصفات الٰہی میں مستغرق اور ہالک ہو کر فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو گئے ہیں، اور اپنی صفات سے کچھ خبر نہیں رکھتے ہیں، مگر خدا نہیں ہو گئے ہیں۔

مردان خدا خدا نباشند۔ فرق اعتباری باقی ہے۔

یہ شجرہ میاں احمد حسن صاحب کو دیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

دستخط (صفحۂ ثانی)

خادم اہل اللہ الحقیر الفقیر محمد برکت اللہ غفرلہ دہلوی الشاذلی

دستخط (صفحۂ اول)

خادم اہل اللہ الحقیر الفقیر محمد برکت اللہ غفرلہ دہلوی

میاں احمد حسن صاحب کو دیا گیا، یوم چہارشنبہ، ۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۷۱ھ۔

اس شجرہ کے مطابق یہ سلسلہ انیس (۱۹) واسطوں سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہونچتا ہے۔

(۹)

سلسلۂ نہم

سلسلۂ چشتیہ صابریہ رزاقیہ- تعارف اور خصوصیات

سلسلۂ چشتیہ

چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل تو حضرت شیخ ابواسحاق شامیؒ (م ۱۴/ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۹۴۱ء) (۳۹۹) نے ڈالی تھی ،لیکن اس کی شہرت واشاعت خواجۂ خواجگاں حضرت معین الحق

(۳۹۹) لقب شرف الدین یا شریف الدین تھا، کہا جاتا ہے کہ آپ شام کے رہنے والے تھے، جب بیعت کا ارادہ ہوا تو چالیس (۴۰) دن تک استخارہ کیا اور پھر غیبی اشارہ پر بغداد میں حضرت خواجہ ممشاد دینوریؒ (م ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے ،خواجہ ممشاد دینوری کے بارے میں اصحاب سیر نے لکھا ہے کہ وہ عموماً اپنی خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے، جب کوئی آتا تو پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم؟ اگر مقیم ہو تو اس خانقاہ میں آجاؤ، اور اگر مسافر ہو تو یہ خانقاہ تمہاری جگہ نہیں ہے ،چونکہ جب تم چندروز یہاں رہو گے اور مجھے تم سے انس ہو جائے گا اور پھر تم جانا چاہو گے تو مجھے اس کی تکلیف ہو گی اور مجھ میں فراق کی طاقت نہیں ہے۔

جب خواجہ ابواسحاق ان کی خانقاہ میں حاضر ہوئے تو پوچھا، تمہارا کیا نام ہے؟ عرض کیا: ابواسحاق شامی ، فرمایا: ’’آج سے لوگ تجھے ابواسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے، اور چشت اور اس کے نواح کے لوگ تجھ سے ہدایت پائیں گے اور ہر وہ شخص جو تیرے سلسلہ ارادت میں داخل ہوگا، اس کو قیامت تک چشتی کہہ کر پکاریں گے‘‘

آپ سات (۷) سال شیخ کی خدمت میں رہے، اور صاحب اجازت وخلافت ہوئے ،شیخ کے ایماء پر آپ نے چشت کو اپنا مرکز رشد وہدایت بنایا، آپ خواجۂ چشت کے نام سے مشہور ہوئے۔

آپ علم ظاہر وباطن کے جامع اور بڑے عابد وزاہد تھے، اور فقر وفاقہ کی زندگی بسر کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ آپ سات دن کے بعد افطار کرتے تھے، آپ ہی سلسلۂ چشت کی اولین خشت ہیں، آپ کے بعد بھی مسلسل کئی مشائخ چشتی کے نام سے ہوئے ہیں، اس لئے یہ سلسلہ ’’سلسلۂ چشتیہ‘‘ کے نام سے مشہور ہوا، بڑے صاحب تصرف تھے، آپ سماع سنتے تھے، نظر کی تاثیر کا عالم یہ تھا کہ کوئی گنہ گار آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا تو ہمیشہ کے لئے اس دل میں گناہ سے نفرت بیٹھ جاتی ،کوئی بیمار آتا تو شفایاب ہو جاتا--- طے الارض کی کرامت اکثر صادر ہوتی تھی ،جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سو دو سو آدمیوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے فوراً منزل مقصود پر پہونچ جاتے۔==

والدین حسن سجزی چشتی اجمیریؒ (ولادت ۱۴/رجب المرجب ۵۳۷ھ مطابق ۸ فروری ۱۱۴۳ء-وفات ۶/رجب المرجب یوم دوشنبہ ۶۳۲ھ مطابق ۲/اپریل ۱۲۳۵ء)(۴۰۰) کی مرہون منت ہے۔

==ایک مرتبہ قحط کے موقعہ پر بادشاہ وقت اور ہزاروں لوگ دعا کے لئے حاضر ہوئے، حضرت مجلس سماع میں تھے، وجد میں آئے اور دعا فرمائی اور بارش ہوگئی، دوسرے دن پھر کسی ضرورت سے بادشاہ آیا تو آپ رونے لگے، اس نے عرض کیا کہ حضرت کے ملال کا باعث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کے بار بار آنے سے یہ ڈر رہے کہ مجھ سے کوئی گناہ تو ایسا صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے امراء کی مصاحبت اتنی شروع ہوگئی، اور غرباء کی مصاحبت سے اتنا وقت کم ہوگیا، مبادا میرا حشر بجائے مساکین کے امراء کے ساتھ نہ ہوجائے۔

آپ کی وفات ۱۴/ربیع الثانی ۳۲۹ھ مطابق ۲۰/جنوری ۹۴۱ء کو ہوئی، آپ کا مزار عکہ میں ہے جو شام کے نواح میں ہے، آپ کے خلفاء میں خواجہ ابواحمد ابدال، خواجہ ابومحمد، خواجہ تاج الدین مشہور ہوئے (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۱، ۱۵۲ مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: مکتبہ شیخ زکریا، سہارن پور، ۱۳۹۳ھ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۷، ۲۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ مؤلفہ خلیق احمد نظامی بحوالہ سیر الاولیاء (فارسی مطبوعہ چرنجی دہلی) ص ۳۹، ۴۰ و تذکرۃ الاولیاء ص ۳۸۳، ۳۸۴ (اردو ترجمہ عبدالرحمن شوق امرتسری)

(۴۰۰) اسم گرامی "معین الدین" ہے اور سلطان الہند، ہندالولی، اور خواجہ غریب نواز کے القاب سے مشہور ہیں، والد ماجد کا اسم گرامی غیاث الدین ہے، وہ عراق میں مدفون ہیں، والدہ ماجدہ کا اسم گرامی "خاص الملکہ" تھا، جو اصفہان کی رہنے والی تھیں، آپ کی پیدائش باتفاق اہل تاریخ ۱۴/رجب المرجب ۵۳۷ھ مطابق ۸ فروری ۱۱۴۳ء میں ایران کے علاقہ سیستان کے قصبہ سنجر میں ہوئی (مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز ص ۱۳ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ طبع اول ۱۹۶۱ء) بعض کتابوں میں ۵۳۰ھ بھی لکھا ہے۔

شیخ زکریاؒ نے تاریخ مشائخ چشت میں "سنجر" لکھا ہے (ص ۱۶۵) لیکن جناب خلیق نظامی صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح لفظ "سجزی" ہے، سنجری نہیں، خواجہ صاحبؒ کا وطن سجستان تھا، اسی کی نسبت سے "سجزی" کہے جاتے تھے، کاتب کی غلطی سے یہ لفظ "سنجری" مشہور ہوگیا، رسالہ "احوال پیران چشت" غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے، جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا میری نظر سے گذرا ہے۔

فتوح السلاطین (تصنیف ۱۳۵۰ھ بہ تصحیح محمد یوشع، مطبوعہ مدراس ۱۹۴۸ء، ص ۴۶۶) کے اشعار بھی "سجزی" ہی سے موزوں ہوتے ہیں، ایک شعر ہے:

معین الدین آں سجزی دیں پناہ   کہ خفت است بہ اجمیر آں مرد راہ

علامہ عصامیؒ کی فتوح السلاطین ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا ہے (دیکھئے: تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۴، ۱۶۵ مؤلفہ خلیق احمد نظامی)==

== آپ کا نسب گیارہویں پشت پر حضرت امام حسینؓ سے ملتا ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے:

’’خواجہ معین الدین چشتیؒ بن حضرت غیاث الدین حسن چشتیؒ بن حضرت سید کمال الدین حسن چشتیؒ بن حضرت سید نجم الدین طاہرؒ بن حضرت سید عبدالعزیزؒ بن سید ابراہیمؒ بن سیدنا امام موسیٰ کاظمؒ بن سیدنا امام جعفر صادقؒ بن سیدنا امام باقرؒ بن سیدنا امام زین العابدینؒ بن سیدنا امام حسینؓ بن مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب۔

(خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۲ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز ص ۱۳، ۱۴ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ طبع اول ۱۹۶۱ء)

پندرہ (۱۵) سال کی عمر تھی کہ والد صاحب نے انتقال فرمایا، آپ تین بھائی تھے، والد کے ترکہ سے آپ کے حصہ میں ایک وسیع وعریض باغ آیا، آپ اسی میں مشغول رہتے تھے، کہ ایک مرد قلندر ابراہیم مجذوب قہندزی (یا قندوزی) باغ میں تشریف لائے، حضرت شیخ نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی، اور ان کے لئے کچھ انگور اور کچھ پھل لے کر آئے، قلندر نے اپنے دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ کو دیا، کھاتے ہی آپ نے اپنے دل میں انوار الٰہی اترتے ہوئے محسوس کیا اور دنیا کی خواہشات ختم ہونے لگیں، آپ نے باغ وغیرہ سب فروخت کر کے فقراء میں تقسیم کردیا اور سفر میں نکل گئے، پہلے سمرقند پہونچے، وہاں حفظ قرآن اور علوم ظاہری کی تکمیل کی، ان سے فراغت کے بعد عراق تشریف لے گئے، اور وہاں قصبہ ہارون پہونچ کر حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے بیعت ہوئے اور ایک ہی دن میں تمام منازل سلوک طے کر لئے، اور تمام علوم باطن سے بھی سرفراز ہو گئے، لیکن امتثال امر شیخ میں بیس (۲۰) سال حضرت کی خدمت میں رہے، پھر حضرت شیخ نے آپ کو ہندوستان کی ولایت پر مأمور فرمایا، حضرت شیخ سے رخصت ہو کر آپ اپنے عہد کے مشاہیر مشائخ: حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ (سنجان)، حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ (جیلان)، حضرت شیخ ضیاء الدین (پیرومرشد حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ)، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ، حضرت خواجہ محبوب سبحانی خواجہ اوحد الدین کرمانیؒ (ان سے آپ کو خرقۂ خلافت بھی حاصل ہوا) حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ (ہمدان)، حضرت ابوسعید تبریزیؒ (تبریز) (پیرومرشد شیخ جلال الدین تبریزیؒ)، حضرت محمود اصفہانیؒ (اصفہان)، خواجہ ابوسعید مہندیؒ، خواجہ ناصر الدین استرآبادیؒ (جو حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کی اولاد میں تھے، اور ان کی عمر ایک سو ستائیس ہو چکی تھی، ان کی صحبت میں حضرت ابوسعید ابوالخیر اور شیخ ابوالحسن خرقانیؒ)، اور شیخ العارفین شیخ عبدالواحد غزنویؒ (غزنین، پیر شیخ نظام الدین ابوالمؤید) وغیرہ کی زیارت وصحبت سے مستفیض ہوئے، اور ان مقامات سے ہوتے ہوئے آپ لاہور پہونچے، راستے میں بے شمار کرامات کا ظہور ہوا، اور لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، لاہور میں دس ماہ تک حضرت مخدوم علی ہجویریؒ (ولادت غالباً ۳۸۱ھ یا ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مطابق ۹۹۱ء یا ۱۰۰۹ء یا ۱۰۱۰ء – وفات ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ / ۱۰۷۳ء تا ۱۰۷۶ء) کے مزار پر انوار پر اعتکاف فرمایا، لاہور سے ==

==روانہ ہوکر دہلی تشریف لائے، کچھ دن دہلی میں قیام فرما کر آپ دس محرم الحرام ۵۶۱ھ مطابق ۲۲ /نومبر ۱۱۶۵ء کو اجمیر شریف رونق افروز ہوئے، اجمیر میں سب سے پہلے جس نے شرف ارادت حاصل کیا وہ سید حسین خنگ سوار تھے، جو پہلے شیعہ تھے، حضرت کے ہاتھ پر توفیق توبہ نصیب ہوئی اور حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے، ان کے بعد ہزار ہا خلقت خدا داخل سلسلہ ہوئی، جن میں اکثر غیر مسلم تھے، اسلام قبول کر کے وہ داخل سلسلہ ہوئے، کہا جاتا ہے کہ اجمیر کا انتخاب سرکار دو عالم ﷺ کی طرف سے کیا گیا تھا، حضرت نے اجمیر میں آبادی سے باہر ایک جگہ مناسب دیکھ کر ایک درخت کے نیچے پڑاؤ ڈالا، ان دنوں دلی کا راجہ پتھورا رائے بھی اجمیر آیا ہوا تھا، ساربان نے آکر کہا کہ یہ راجہ کے اونٹوں کی جگہ ہے، اس جگہ سے کہیں اور چلے جائیں، آپ وہاں سے اٹھ کر رانا ساگر تالاب کے کنارے قیام فرما ہوئے، وہاں بہت سے بت بنے ہوئے، دوسری طرف راجہ کے اونٹ پچھلے مقام پر بیٹھے تو بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھ نہ سکے، ساربان سمجھ گئے کہ اسی فقیر کی بددعا کا اثر ہے، ان لوگوں نے جا کر حضرت سے معافی مانگی تو وہ اونٹ کھڑے ہوگئے، یہ خبر سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، تمام اسلام دشمن جمع ہوئے اور راجہ سے شکایت کی اور کہا کہ یہ ایک بیگانہ آدمی ہمارے بت خانے کے پاس سکونت پذیر ہے، جب تک وہ یہاں سے نہ ہٹے گا ہم وہاں نہیں جاسکتے، اس کے بعد راجہ کے مظالم کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس نے آپ کو ہر طرح تنگ کیا، جن اور دیو آپ کے مقابلے میں لائے گئے، بہت سے جادوگروں نے آپ پر جادو چلایا، واقعات مشہور ہیں مگر راجہ کی ساری تدبیریں ناکام ہوگئیں، یہاں تک کہ اللہ پاک کی طرف سے شہاب الدین غوریؒ کے ذریعہ راجہ کا کام تمام کردیا گیا، وہاں کا سب سے بڑا مہنت رام دیو اور اس علاقہ کا سب سے بڑا جادوگر جوگی جے پال مسلمان ہوگئے، مہنت کا نام شادی دیو اور جوگی کا نام عبداللہ بیابانی رکھا گیا۔

اللہ پاک نے آپ کو فیاض فطرت کے ساتھ دست غیب سے بھی نوازا تھا، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیس (۲۰) سال حضرت کی خدمت میں رہا، کسی مانگنے والے کو محروم نہیں کیا، مصلےٰ کے نیچے ہاتھ ڈالتے اور جو ہاتھ میں آتا اسے مرحمت فرمادیتے، ان کا یہ بھی بیان ہے کہ اس دوران میں نے ان کو کبھی غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آپ کی رہائش ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتی تھی، لباس بہت سادہ تھا، دوتہی میں لپٹے ہوئے بیٹھے رہتے تھے، آپ کی غذا پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی نہیں ہوتی تھی۔

آپ کی وفات سلطان شمس الدین التمشؒ کے دور میں ہوئی، تاریخ وفات جمہور اہل تاریخ کے نزدیک ۶ / رجب المرجب یوم دوشنبہ ۶۳۲ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۲۳۵ء ہے، بعض نے ۳۰ / ذی الحجہ بھی لکھا ہے، مگر پہلا قول صحیح ہے، البتہ سن وفات میں سخت اختلاف ہے، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، ۶۳۶ھ، ۶۳۷ھ کئی اقوال ہیں، عمر میں بھی کئی اقوال ہیں، بعض نے چھیانوے (۹۶) سال، بعض نے ایک سو چار (۱۰۴) اور بعض نے ایک سو سات (۱۰۷) سال بتائی ہے، مزار مبارک اجمیر شریف میں مرجع خلائق ہے۔==

''چشت'' خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے، اسی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ مشہور ہوا، حضرت خواجہ ابواسحاق چشتی شامیؒ (م ۱۴/ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۹۴۱ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے اسم گرامی کے ساتھ تذکروں میں چشتی لکھا ہوا ملتا ہے، حضرت ابواسحاق چشتیؒ سے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ تک مسلسل کئی اکابر کا تعلق اسی خطۂ چشت اہل بہشت سے رہا، حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے قبل بھی سلسلۂ چشت کے بعض اکابر ہندوستان تشریف لائے تھے، جیسا کہ حضرت جامیؒ نے خواجہ ابومحمد بن ابی احمد چشتیؒ (ولادت یکم محرم الحرام ۳۳۱ھ مطابق ۱۹/ستمبر ۹۴۲ء وفات ۱۴/ ربیع الاول ۴۱۱ھ مطابق ۱۳/ جولائی ۱۰۲۰ء یا یکم رجب ۴۱۱ھ مطابق ۲۶/اکتوبر ۱۰۲۰ء) (۴۰۱)

==مشہور ہے کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ظاہر ہوا ''حبیب اللہ مات فی حب اللہ'' (اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں دنیا سے گیا)

خلفاء اور مریدین کی تعداد بے شمار ہے، آپ سے اسلام کو اس ملک میں فروغ ہوا، کہا جاتا ہے کہ نوے (۹۰) لاکھ آدمی آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہوئے، سلسلۂ چشتیہ پورے برصغیر میں آپ ہی کے ذریعہ پھیلا، اور آپ ہی اس سلسلہ کے امام الطریق بھی ہیں۔

حضرت خواجہ کی دو اہلیہ تھیں، ایک تو سید وجیہ الدین جو حضرت خنگ سوار کے ماموں تھے، کی بیٹی تھیں، ان کا اسم گرامی ''بی بی عصمت'' تھا، ان کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے، ---حضرت خواجہ کی دوسری بیوی ہندوستان کے راجاؤں میں سے ایک راجہ کی بیٹی تھیں، وہ مسلمان ہوگئی تھیں، ان کا اسلامی نام ''امۃ اللہ'' رکھا گیا، ان کے بطن سے ایک بیٹی ''حافظہ جمال'' پیدا ہوئیں، ان کے شوہر کا نام شیخ تقی الدین تھا، (اخبار الاخیار ص ۵۹ تا ۶۵ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۶۱ تا ۶۷ مؤلفہ مفتی غلام سرور ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۵ تا ۱۷۰ مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: مکتبہ شیخ زکریا، سہارن پور، ۱۳۹۳ھ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۸ خلیق نظامی)

(۴۰۱) آپ کا لقب ولی الدین یا ناصح الدین تھا، پیدائشی ولی تھے، کہا جاتا ہے کہ حمل کے زمانہ میں والدہ کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی، نسباً سید حسنی تھے، آپ کی ولادت یکم محرم الحرام ۳۳۱ھ مطابق ۱۹/ستمبر ۹۴۲ء میں ہوئی، پیدا ہوتے وقت سات مرتبہ کلمہ پڑھا، ایام رضاعت میں بھی ذکر جاری رہتا تھا، کئی غیر مسلم یہ دیکھ کر مسلمان ہوگئے، خرقۂ خلافت اپنے والد ماجد خواجہ ابواحمدؒ سے حاصل کیا، سات (۷) سال کی عمر میں بیعت ہوئے، اور بارہ (۱۲) سال کی عمر تک ایک حجرہ میں تنہا رہے، روزہ رکھتے اور مجاہدے کرتے تھے، والد کے وصال کے بعد چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں سجادہ نشیں ہوئے، بہت سی کرامات آپ سے منسوب ہیں، ایک مرتبہ دریا کے کنارے اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ ادھر سے بادشاہ وقت کا گذر ہوا، اس نے دینار کی ایک تھیلی ہدیہ کی، آپ نے انکار کیا، لیکن جب اس نے اصرار ==

کا ذکر کیا ہے کہ وہ سلطان محمود غزنوی ؒ کے ہمراہ ہندوستان (سومنات) آئے تھے، اور ان کی دعا سے لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی تھی (۴۰۲)۔

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ حضرت خواجہ غریب نواز ؒ سے جاری ہوا

لیکن سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں جاری کرنے کا شرف حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ کو حاصل ہوا، وہ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے، اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا، میر خورد نے ان کو ''نائب رسول اللہ فی الہند'' لکھا ہے (۴۰۳)،

اجمیر شریف کی تاریخی اور مذہبی اہمیت

ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مضبوط گڑھ تھا، دور دراز سے ہندو مذہبی رسومات کے لئے وہاں حاضر ہوتے تھے (۴۰۴)، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ اجمیر کی تاریخی و مذہبی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پرانے زمانہ میں ہندوستان پر ایک راجہ حکمراں تھا، جس کی سلطنت برہما سے لے کر غزنی تک پھیلی ہوئی تھی، اس راجہ کا نام ''آجا'' تھا، جسے ہندی زبان میں آفتاب کہا جاتا ہے، اور میر ہندی زبان میں پہاڑ کے معنیٰ میں ہے، اس طرح اس شہر کا نام ''اجامیر'' رکھا گیا، ہندی میں اس شہر کا نام آج میر یا آجامیر ہی ہے، مگر مرور زمانہ کے ساتھ یہ اجمی سے مشہور ہو گیا''ہندوؤں کی تاریخ میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں پہاڑوں پر تعمیر ہونے والی دیواروں میں سب سے پہلے یہی دیوار تعمیر ہوئی، جو اجمیر کے پہاڑ کے اوپر ہے، اسی طرح سرزمین

== کیا، تو آپ نے دریا کی طرف رخ کیا اور سیکڑوں مچھلیاں دینار لئے ہوئے کنارے پر آگئیں، حضرت شیخ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس قدر خزانۂ غیبیہ موجود ہو وہ تمہاری تھیلی کی قدر کیا کرے۔

ستر (۷۰) سال کی عمر میں باشارۂ غیبی محمود غزنوی کے ساتھ سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے، آپ کی وفات اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۴/ ربیع الاول یا یکم رجب ۴۱۱ھ مطابق ۱۳/ جولائی یا ۲۶/ اکتوبر ۱۰۲۰ء کو ہوئی، ''امام برحق'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے، مزار مبارک چشت میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۴ تا ۴۶ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۵ تا ۱۵۷ شیخ زکریا کاندھلوی ؒ)

(۴۰۲) نفحات الانس للجامی ص ۵۶۰، ترجمہ شمس بریلوی، ناشر دانش پبلشنگ کمپنی، دریا گنج دہلی، ۲۰۱۰ء۔

(۴۰۳) سیر الاولیاء (فارسی) ص ۴۵، ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۵ خلیق نظامی۔

(۴۰۴) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۵ خلیق نظامی

ہند میں جوسب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ پھکر کا حوض ہے، جو اجمیر سے آٹھ میل پر ہے، اور ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں، اور ہر سال چھ روز کے لئے تحویل عقرب کے وقت وہاں جمع ہو کر غسل کرتے ہیں، ان میں سے جو قیامت کے قائل ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت بھی اسی حوض سے شروع ہوگی، اور آجا نام جو اس ملک میں ہندو تھے پہلے سے رکھتے تھے، پتھورا سب سے آخری راجا ہے جس سے مسلمانوں نے ملک ہند حاصل کیا'' (۴۰۵)

چشتیہ سلسلہ آپ کے زمانے میں ہی کافی دور دراز تک پہونچ گیا تھا، بعد میں یہ آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعہ پورے برصغیر میں پھیل گیا۔

سلسلۂ چشتیہ کی خصوصیات وامتیازات

جذب وتاثیر

☆اس سلسلہ کی بڑی خصوصیت جذب اور تاثیر ہے، یہ قول سے زیادہ عمل کی معنویت کے قائل ہیں، ان کی کوشش ہوتی ہے کہ زبان سے کچھ کہے بغیر ان کے عمل کی کشش خود بخود لوگوں کو کھینچ لے، شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا قول ہے:

''ہر چہ علماء بزبان دعوت کنند، مشائخ بعمل دعوت کنند'' (۴۰۶)

(علماء جس بات کی دعوت زبان سے دیتے ہیں مشائخ عمل سے دیتے ہیں)

ایک دن ایک مسلمان ایک ہندو کو لے کر شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، حضرت شیخ نے پوچھا:

''ایں برادر تو ہیچ میلے بمسلمانی دارد؟

(تیرا یہ بھائی مسلمانی سے بھی کچھ رغبت رکھتا ہے؟)

اس شخص نے عرض کیا: میں اسی غرض سے اسے یہاں لایا ہوں کہ جناب کی نظر التفات سے وہ مسلمان ہو جائے، شیخ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، فرمایا:

''اس قوم پر کسی کے کہنے کا اثر نہیں ہوتا، ہاں اگر کسی صالح مرد کی صحبت میں آجایا کریں

---

(۴۰۵) اخبار الاخیار ص ۶۳ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

(۴۰۶) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۹ خلیق نظامی بحوالہ سیر الاولیاء ص ۳۲۱

توشاید اس کی برکت سے مسلمان ہوجائیں‘‘ (۴۰۷)

☆ کرامات ان کے یہاں بھی ثانوی درجہ کی چیز ہے، بلکہ مشائخ سلسلہ نے اظہار کرامات کی مذمت کی ہے، اور اس کو ’’حیض الرجال‘‘ سے تعبیر کیا ہے (۴۰۸)۔

پرتو جمال

☆ چشتی اکابر اکثر جمال کے پرتو ہوتے ہیں، ان کے اخلاق کی ٹھنڈک لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ حسن اخلاق کی بنیاد تین چیزوں پر ہے: ۱- لوگوں سے خندہ پیشانی کا برتاؤ ۲- کسب حلال ۳- بندگان خدا پر توسع (۴۰۹)

ہندوؤں کے تعلق سے وسیع النظری

☆ سلسلۂ چشتیہ کا اصل میدان چونکہ ہندوستان رہا اس لئے اس سلسلہ کے اکابر ہندوؤں کے سلسلے میں وسیع النظر واقع ہوئے ہیں، نافع السالکین کے حوالے سے جناب خلیق نظامی صاحب نے نقل

(۴۰۷) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۹ خلیق نظامی بحوالہ فوائد الفواد ص ۱۸۲۔

(نوٹ) حضرت شیخؒ کا یہ جملہ ہندو قوم کی نفسیات کا بالکل صحیح تجزیہ ہے، نصیحتیں اور تقریریں اس قوم پر اثر انداز نہیں ہوتیں، وعظ کی محفلیں ان کے لئے مؤثر نہیں ہیں، یہ شکتی اور طاقت کی پوجا کرنے والی قوم دل ودماغ اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے محروم ہے، دلائل سے ان کو مطمئن کرنا بے سود ہے، یہ قوم صرف کرامات اور اچھی صحبتوں سے متأثر ہوتی ہے، اسی لئے ہندوستان میں اسلام زیادہ تر مشائخ اور صوفیاء سے پھیلا، جن کی زبانیں خاموش اور دل طاقتور ہوتے تھے، اگر یہ لوگ وعظ وتقریر کی محفلوں سے مسلمان ہوتے تو سارا ہندوستان مسلمان ہو چکا ہوتا، لیکن ان صفات کے حامل مشائخ ہمیشہ کم ہوئے اس لئے اس قوم کے اسلام قبول کرنے کی شرح بھی کم رہی، جب تک صوفیاء کی طاقت اسلامی معاشرہ میں موجود تھی ہندو قوم مسلمان اور اسلامی شعائر کا بہت احترام کرتی تھی، بلکہ روحانی طور پر خوفزدہ رہتی تھی، لیکن آج ہمارے یہاں ایسے مشائخ اور صوفیا نہیں رہے اسی لئے آج اس قوم کی جرأت مسلمانوں کے مقابلے میں بڑھتی جارہی ہے، آج اس ملک میں مسلمانوں کے قومی اور ملی تحفظ اور اشاعت اسلام کے لئے پھر اسی خانقاہی نظام کی ضرورت ہے جس کو لوگ چھوڑتے جارہے ہیں،

خراب جان کر جس کو بجھا دیا تم نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہوگی

(۴۰۸) تاریخ مشائخ چشت ص ۲۵۲ خلیق نظامی

(۴۰۹) تاریخ مشائخ چشت ص ۲۵۲ خلیق نظامی بحوالہ سیر الاولیاء ص ۵۶۰

کیا ہے کہ:

''ہمارے سلسلہ کا یہ اصول ہے کہ مسلمان اور ہندو دنوں سے صلح رکھنی چاہیئے:

حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام

با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام (۴۱۰)

وہ ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیتے ہیں، اس لئے خلق خدا کے درمیان وصل کی بات کرتے تھے نہ کہ فصل کی، ایک شخص نے بابا فرید گنج شکرؒ کی خدمت میں قینچی پیش کی، تو فرمایا: مجھے تو سوئی دو، میں کاٹتا نہیں، جوڑتا ہوں (۴۱۱)۔

☆ ایک دن صبح کے وقت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، امیر خسرو کے ساتھ اپنے جماعت خانہ کی چھت پر چہل قدمی کر رہے تھے، دیکھا کہ پڑوس میں کچھ ہندو بتوں کی پوجا کر رہے ہیں، فرمایا:

''ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے''

(ہر قوم کا اپنا یک راستہ، دین اور قبلہ گاہ ہے)

امیر خسرو نے فوراً ہی دوسرا مصرعہ کہا:

من قبلہ راست کردم جانب کج کلاہے

(میں نے تو اپنا قبلہ ایک کج کلاہ کی طرف ٹھیک کر لیا ہے)

کہتے ہیں کہ اسوقت شیخ نظام الدین اولیاء کے سر پر ٹوپی ٹیڑھی رکھی ہوئی تھی۔

یہ مکالمہ ان اکابر کے افکار کا ترجمان اور چشتیہ سلسلہ کے اصولوں کا بہترین آئینہ دار ہے (۴۱۲)

☆ بابا فرید گنج شکرؒ کی خانقاہ میں جوگی اکثر حاضر ہوتے تھے، دومرتبہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی ان سے وہاں گفتگو ہوئی، ایک بار عالم علوی اور سفلی پر بات چھڑ گئی، جوگی نے اپنے خیالات کی جو وضاحت کی تو شیخ نظام الدینؒ پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا: ''مرا سخن او خوش آمد'' (مجھے اس کی بات اچھی لگی) (۴۱۳)

حضرت امیر خسروؒ کا یہ شعر بھی ان کے انہی جذبات کا ترجمان ہے:

اے کہ زبت طعنہ بہ ہندو بری

(۴۱۰) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۶ خلیق نظامی بحوالہ نافع السالکین ص ۱۷۶

(۴۱۱) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۷ خلیق نظامی بحوالہ فوائد الفواد

(۴۱۲) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۸ خلیق نظامی بحوالہ انوار العیون (قلمی) نیز تزک جہانگیری

(۴۱۳) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۰۷ خلیق نظامی بحوالہ فوائد الفواد ص ۸۵

ہم زوے آموز پرستش گری

(اے ہندو کو بت کا طعنہ دینے والے شخص! اس سے پرستش کا طریقہ سیکھ لے) فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ

''یکے از حاضران پرسید کہ ہندوے کہ کلمہ می گوید وخدائے را بوحدانیت یادمی کند رسول را برسالت، اما ہمیں کہ مسلمان می آئند ساکت می شود عاقبت او چہ باشد''

حاضرین میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک ہندو کلمہ پڑھتا ہے، اللہ کی وحدانیت اور رسول کی رسالت پر اعتقاد رکھتا ہے، لیکن جوں ہی مسلمان آتے ہیں خاموش ہوجاتا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟''

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے جواب دیا کہ:

''معاملۂ او بحق است تا حق چہ کند، **ان شاء عفا و ان شاء عذب**''

یعنی اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے، چاہے تو معاف کردے اور چاہے تو عذاب دے (۴۱۴)

غیر مسلموں کو ذکر کی تعلیم

مشائخ چشت ہدایت فرماتے تھے کہ اگر کوئی ہندو تمہاری صحبت سے گرویدگی یا عقیدت کی بنا پر تمہارے پاس آنے جانے لگے اور تم سے ذکر وغیرہ کے متعلق پوچھے تو فوراً بتادو، اس فکر میں نہ رہے کہ وہ باقاعدہ مسلمان ہوجائے جب اسے روحانی تعلیم دی جائے، یہی بات شاہ کلیم اللہ دہلویؒ کے ایک مکتوب میں ہے:

''صلح با ہندو و مسلمان سازند وہر کہ ازیں دو فرقہ کہ اعتقاد بشما داشتہ باشند، ذکر وفکر مراقبہ وبگویند کہ ذکر بخاصیت خود او را بربقۂ اسلام خواہد کشید'' (۴۱۵)

سماع ایک روحانی علاج

☆ سلسلۂ چشتیہ کا ایک خاص امتیاز ان کا ذوق سماع ہے، سماع باقاعدہ یہاں داخل سلوک ہے، اور اس کو کئی روحانی عوارض کا علاج مانا جاتا ہے، مولانا محمود کاشانیؒ نے مشائخ کے لئے اس کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ از کثرت معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے وملالتے

(۴۱۴) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۱۰، ۳۱۱ خلیق نظامی بحوالہ فوائد الفواد ص ۱۳۵

(۴۱۵) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۱۰ خلیق نظامی بحوالہ مکتوبات کلیمی ص ۷۴

درقلوب ونفوس حادث شود وقبض ویاسے کہ موجب فتور اعمال وقصور احوال بود طاری گردد،
بس مشائخ متأخر از برائے رفع ایں عارضہ ودفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع صوت
طیبہ والحان تناسبہ واشعار مہیجہ مشقوقہ بروجہے کہ مشروع بود نمودہ اند (۴۱۶)

(یعنی کبھی اصحاب ریاضت کو کثرت معاملات کی وجہ سے قلب ونفس میں ضعف واضمحلال طاری ہوجاتا ہے جو معمولات کی ادائیگی یا واردات وکیفیات کی راہ میں حائل ہوتا ہے، متأخرین مشائخ نے اس طرح کے عوارض کو دور کرنے کے لئے سماع کو ایک روحانی علاج قرار دیا ہے، کہ جائز طریق پر اچھی آواز اور خوبصورت ترنم کے ساتھ بامعنیٰ اشعار پڑھے جائیں، تو اس سے ضعف واضمحلال دور ہوجاتا ہے)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چشتیہ کے یہاں بھی سماع بذات خود مقصود نہیں ہے، یہ ایک علاج ہے، جس کی ضرورت مرض کی صورت میں پیش آتی ہے، عام حالات میں اکابر چشت کے یہاں بھی سماع کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک روحانی غذا ہے جس میں آداب کی رعایت ضروری ہے۔

آداب وشرائط سماع

یہاں سماع کے جواز وعدم جواز کی بحث غیر ضروری ہے، اس لئے کہ جیسا کہ مذکورہ بالا اقتباس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سماع کی صرف جائز صورتوں کی گنجائش ہے، ناجائز کی نہیں، آلات کے علاوہ خود قلب کی کیفیت واحوال کا بھی سماع کے حکم پر اثر پڑتا ہے، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ (۳۷۶ھ/۹۸۶ء ۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء) نے حضرت شیخ ابوعلی دقاقؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ:

”سماع عوام کے لئے حرام ہے اس لئے کہ ان کے نفوس اپنی حالت پر باقی رہتے ہیں، زاہدوں کے لئے مباح وجائز ہے، کیونکہ انہیں مجاہدات حاصل ہیں، اور ہمارے مریدوں کے لئے مستحب ہے کہ ان کے دل زندہ ہوں“---

اور شیخ ممشاد الدینوریؒ فرماتے تھے کہ میں نے جنیدؒ کو فرماتے سنا کہ جس نے تکلفاً سماع کو چاہا اس کے لئے یہ فتنہ ہوگا، مگر جسے خود بخود یہ چیز حاصل ہوجائے، اس کے لئے سماع راحت ہے، (۴۱۷)

---

(۴۱۶) تاریخ مشائخ چشت ص ۳۱۴ خلیق نظامی بحوالہ مصباح الہدایت ص ۱۸۲، ۱۸۳۔

(۴۱۷) الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۰۶، ۵۰۷ مؤلفہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ (۳۷۶ھ/۹۸۶ء ۴۶۵ھ/۱۰۷۳ء)، ترجمہ: محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر العلوی، ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ سماع کی چار (۴) قسمیں ہیں:

۱-حلال، ۲-حرام، ۳-مکروہ، ۴-مباح

اگر صاحب وجد کو حق کی طرف زیادہ میل ہے تو سماع اس کے حق میں مباح ہے، اگر اس کا میلان مجاز کی طرف زیادہ ہے تو سماع اس کے حق میں مکروہ ہے، لیکن جس کا دل بالکل مجاز ہی کی طرف ہو اس کے لئے سماع حرام ہے، اور جب میلان طبع کلیتاً حق کی طرف ہو تو سماع حلال ہے (۴۱۸)۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ سماع کے حلال ہونے کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں:

۱-مسمع ۲-مستمع ۳-مسموع ۴-آلۂ سماع

☆ مسمع (یعنی گانے والا) مرد کامل ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔

☆ مستمع (یعنی سننے والا) یادِ حق سے خالی نہ ہو،

☆ مسموع (یعنی جو چیز گائی جائے) فحش نہ ہو۔

☆ آلۂ سماع (یعنی مزامیر) موجود نہ ہوں

مشائخ چشت کا خیال تھا کہ اگر ان میں سے ایک شرط بھی پوری نہ ہو تو سماع حرام ہے (۴۱۹)۔

لیکن بعد کے ادوار میں رفتہ رفتہ ان شرائط کو نظر انداز کیا جانے لگا، یہاں تک کہ صرف رسم باقی رہ گئی، اور سماع کی روح ختم ہو گئی، اسی لئے سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ کلیم اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اب صرف ''ہائے ہو سماع'' رہ گیا ہے، شاہ صاحبؒ موجودہ دور میں کثرت سماع کو ناپسند کرتے تھے، اور اس کی وجہ یہ تحریر فرمائی کہ:

''امروز قدر راگ مشائخ نمی شناسند و آداب را رعایت نمی کنند'' (۴۲۰)

(یعنی آج کل مشائخ کے سماع کا معیار لوگوں کو معلوم نہیں ہے، اور لوگ آداب کی رعایت ملحوظ نہیں رکھتے)

حضرت شیخ زکریاؒ تحریر فرماتے ہیں:

''مجلس سماع کے منعقد کرنے کے لئے علماء نے دس (۱۰) شرطیں لکھی ہیں ان شرائط کے

(۴۱۸) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۳ خلیق نظامی بحوالہ سیر الاولیاء ص ۴۹۱، ۴۹۲۔

(۴۱۹) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۳ خلیق نظامی بحوالہ سیر الاولیاء ص ۴۹۲۔

(۴۲۰) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۳ خلیق نظامی بحوالہ مکتوبات کلیمی ص ۸۳۔

پائے جانے کے بعد غالباً اہل افتاء بھی اس کی زیادہ مخالفت نہ کریں، وہ شرائط اکابر سلسلہ کے کلام میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں، لیکن حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک مستقل رسالہ ''حق السماع'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے، اور اس میں امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم سے پانچ شرائط اور پانچ موانع تحریر فرمائے ہیں''

اس کے بعد شیخ زکریا صاحبؒ نے حضرت تھانویؒ کے مذکورہ رسالہ سے کئی صفحات میں اس کے اقتباسات نقل فرمائے ہیں، جس کا آخری پیر گراف یہ ہے:

''اب اپنے زمانے کا حال دیکھ لیجئے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں، انہوں نے اس کو دال روٹی کر رکھا ہے، اور ذرا سا بہانہ مجلس منعقد کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے، یہاں تک شرائط و عوارض کی تفصیل اور اپنے زمانہ کی حالت ہم نے دکھلا دی، اب جواز و ناجواز کا فیصلہ خود ناظرین کر لیں، ہمارے عرض کرنے کی ضرورت نہیں'' (۴۲۱)

اس تفصیل سے سماع کے بارے میں اکابر چشت کا نقطۂ نظر واضح ہوتا، سماع کے موضوع پر متعدد مشائخ نے تفصیلی بحثیں کی ہیں، مثلاً مولانا فخر الدین زراویؒ نے رسالہ ''اصول السماع'' میں، امام غزالیؒ نے کیمیائے سعادت'' میں، حضرت شیخ ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں، اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ ''**قرع الاسماع باختلاف اقوال المشائخ واحوالھم فی السماع**'' وغیرہ میں مفصل روشنی ڈالی ہے، تفصیل کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ صابریہ رزاقیہ-طریق اول

حضرت منورویؒ کو نسبت چشت سب سے اول اپنے نانا بزرگوار اور پیر طریق حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ سے حاصل ہوئی، اس لئے کہ حضرت امیرؒ کو بانسہ شریف کی مجموعی نسبت حاصل تھی، اور حضرت بانسویؒ کو چشتیہ کی اجازت و خلافت بطریق اویسیت حضرت خواجۂ خواجگان معین الدین چشتی اجمیریؒ سے اور نیز مخدوم العالم حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ (ولادت ۶۷۷ھ/ ۱۲۷۸ء-وفات ۱۵/ جمادی الثانیہ ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ مطابق ۱۴/فروری ۱۴۳۳ء یا ۱۴۳۴ء)(۴۲۲) سے حاصل

(۴۲۱) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۴ تا ۲۰۴ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ

(۴۲۲) اصل نام ''احمد'' ہے، اور عبدالحق لقب ہے، سلسلۂ نسب حضرت عمر بن الخطابؓ تک پہونچتا ہے، آپ کے دادا شیخ داؤد جو کہ حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ سے نسبت رکھتے تھے، ہلاکو خان کے زمانے میں بلخ سے ہندوستان آئے، اس وقت ہندوستان میں علاء الدین خلجی کی حکومت تھی، خلجی نے ان کو اودھ کا گورنر مقرر کیا، ==

== آپ کی پیدائش ۶۷۷ھ/ ۱۳۷۴ء میں رودولی میں ہوئی، بارہ برس کی عمر میں علوم ظاہرہ کے لئے اپنے بڑے بھائی مولانا تقی الدین صاحب کے پاس دہلی پہونچے، وہ ایک بڑے عالم اور ایک دینی مدرسہ کے سربراہ تھے، وہاں کے شاہزادے ان کے معتقد تھے، اور تعلیم حاصل کرتے تھے، صرف ونحو کی کتاب شروع کی، جب یہ مثال آئی کہ ضرب زید عمرواً، تو آپ نے دریافت کیا کہ زید نے عمرو کو کیوں مارا؟ اس کا کیا قصور تھا؟ بھائی صاحب نے سمجھایا کہ یہ فرضی مثال ہے، کسی نے کسی کو نہیں مارا تو کہنے لگے کہ میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں ابتدا ہی سے ظلم اور جھوٹ کی تعلیم دی گئی ہو، بھائی صاحب افہام وتفہیم کے لئے شہر کے دوسرے بڑے بڑے علماء کے پاس بھی آپ کو لے گئے، مگر آپ نے علم ظاہری حاصل کرنے سے صاف انکار کردیا، وہ بچپن سے ہی صاحب حال تھے، اور سات (۷) سال کی عمر سے ہی تہجد کی نماز پڑھنے لگے تھے، آپ نے بھائی صاحب سے عرض کیا کہ مجھے علم باطن سکھادیں، چنانچہ وہ علم ظاہر چھوڑ کر علم باطن میں مشغول ہوگئے اور سالہاسال تک جنگلوں میں عبادت وریاضت کی، پیر کی تلاش میں مختلف علاقوں کا سفر کیا، حضرت نورقطب عالمؒ کے پاس بھی پہونچے، مگر مطلب براری نہیں ہوئی، وہاں سے بہار پہونچے، وہاں دو دیوانے رہتے تھے، ایک کا نام شیخ علاء الدین تھا، دوسرے کا معلوم نہیں، یہ ننگے رہا کرتے تھے، صرف معمولی لنگوٹ باندھتے تھے، ان دونوں دیوانوں سے آپ نے کافی فیض پایا، اور آپ پر جو افسردگی تھی وہ بشاشت وخوشی میں تبدیل ہوگئی، پھر ان کو حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی کے پاس جانے کا اشارہ ہوا، اور آپ پانی پت کے لئے روانہ ہوئے، حضرت شیخ جلال الدین کو بھی از راہ کشف آپ کے آنے کی خبر ہوگئی، آپ پہونچے اور تھوڑے امتحان کے بعد شیخ نے آپ کو قبول کرلیا اور آپ داخل سلسلہ ہوئے، آپ نے از راہ تصدیق تین بار حق حق کہا، حضرت جلال نے بھی جواب میں حق حق کہا، حضرت جلال نے اسی نسبت سے آپ کو عبدالحق کا لقب دیا، حضرت جلال نے آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا، اور فرمایا کہ میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ ہمارے سلسلے کو تمہارے واسطے سے جاری رکھے۔

شیخ کے ہزاروں خلفاء اور لاکھوں مریدین ہوئے، جو عرب وعجم سے لے کر چین اور روس تک پہونچ گئے، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں تھا جہاں شیخ کا خلیفہ نہیں پہونچا، سلسلۂ عالیہ صابریہ چشتیہ آپ ہی کی وساطت سے پھیلا، آپ کے ایک صاحبزادے کا نام شیخ احمد محمد عارف تھا، بڑے صاحب کمال تھے۔

شیخ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے پچاس (۵۰) سال تک اپنے محلہ کی مسجد میں جھاڑو لگائے، پھر بھی مسجد کا راستہ بھول جاتے تھے، تو مریدین حق حق کہتے ہوئے آگے آگے چلتے تھے، بڑے صاحب کرامات تھے، آپ کا وصال سلطان ابراہیم مشرقی کے دور میں ۱۵/ جمادی الثانیہ ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ مطابق ۱۴/فروری ۱۴۳۳ء یا ۱۴۳۴ء کو ہوا، مزار مبارک رودولی شریف میں ہے (اخبارالاخیار ص ۳۹۴ تا ۳۹۸ مؤلفہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۳۷۲ تا ۳۷۸ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۶ تا ۱۹۰ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ)

ہوئی، یہاں حضرت مخدوم رودولوی سے حضرت سید صاحب بانسویؒ تک کا شجرۂ بیعت (جناب محمد رضا انصاری صاحب کی کتاب تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ کے مطابق) درج کیا جارہا ہے:

مشائخ سلسلۂ چشتیہ صابریہ رزاقیہ

(۱) حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ (ولادت ۶۷۷ھ/ ۱۳۴۷ء - وفات ۱۵/ جمادی الثانیہ ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ مطابق ۱۴/ فروری ۱۴۳۳ء یا ۱۴۳۴ء)

(۲) حضرت کبیر الاولیاء جلال الدین پانی پتیؒ (ولادت ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۶ء - وفات ۱۳/ ربیع الاول یا ذی قعدہ ۷۶۵ھ مطابق ۲۷/ دسمبر ۱۳۶۳ء)(۴۲۳)

(۴۲۳) اسم گرامی "محمد بن محمود یا خواجہ محمود ہے، لقب "جلال الدین" ہے جو شیخ کی طرف سے ملا تھا، سلسلۂ نسب امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفانؓ سے ملتا ہے، آپ کی ولادت (غالباً) ۶۹۵ھ/ ۱۲۹۶ء میں ہوئی، آپ حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ کے خلیفۂ اعظم ہیں، آپ نے بڑے مجاہدات کئے، اخیر عمر میں استغراق کا غلبہ ہوگیا تھا، نماز کے وقت خدام متوجہ کرتے تھے، نماز کے بعد پھر استغراق کی حالت طاری ہوجاتی تھی۔

آپ کو بہت قبول عام حاصل ہوا، آپ کی خانقاہ کے لنگر میں روزانہ کم از کم ایک ہزار آدمیوں کا کھانا بنتا تھا، آپ کے خلفاء کی تعداد چالیس (۴۰) بتائی جاتی ہے، جن میں ہر خلیفہ سے مستقل سلسلہ جاری ہوا۔

بڑے صاحب کرامات تھے، آپ کی ایک کرامت سے متاثر ہوکر لوگوں نے اپنے گاؤں کا نام جلال آباد رکھ دیا، آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا گذر دریا کے کنارے ہوا، وہاں ایک ہندو جوگی آنکھیں بند کئے بیٹھا تھا، تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھولیں، اور حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوکر بڑی مبارکباد دی، کہ تم بڑے اچھے وقت پر دریا پر آئے ہو، اس لئے کہ میرے پاس ایک پارس کا پتھر ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا، کہ آنکھیں کھولنے کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے گا اس کو دوں گا، اب اتفاقاً تو مل گیا، یہ کہہ کر بڑے احسان کے ساتھ وہ پتھر آپ کی نذر کردیا، حضرت نے لے کر اس کو دریا میں پھینک دیا، وہ جوگی نہایت غصہ سے بے چین ہوا، اور شدت غم میں رونے لگا، اس نے کہا کہ تم کو نہیں لینا تھا، نہ لیتے، تم نے میری زندگی بھر کی پونجی ضائع کردی، حضرت نے فرمایا کہ جب تم مجھے دے چکے تو مجھے اختیار تھا میں جو چاہوں کروں، اگر تم کو اتنا ہی غم ہے تو جاؤ دریا میں سے اپنا پتھر نکال لو، وہ اندر گیا تو وہاں سیکڑوں پتھر نظر آئے، حضرت نے کہا کہ اپنا ہی پتھر لانا، چوری نہ کرنا، لیکن اس نے چپکے سے ایک اور پتھر اٹھالیا، وہ دونوں پتھر لے کر دریا سے نکلا، حضرت نے فرمایا کہ یہ بدعہدی ہے، اس نے آپ کی خدمت میں آکر سر رکھ دیا، اور مسلمان ہوگیا۔

آپ نے دو بار سفر حج کیا، حضرت شیخؒ کا وصال ستر (۷۰) سال کی عمر میں ۱۳/ ربیع الاول یا ذی قعدہ ۷۶۵ھ ==

(۳) حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ (م ۱۹ / شعبان یا ۱۰ / جمادی الاولی یا جمادی الثانیۃ ۷۱۵ھ یا ۷۱۶ھ یا ۷۱۸ھ یا ۷۱۹ھ مطابق ۲۵ یا ۳۱ / نومبر یا ۲۸ / اگست یا ستمبر ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۶ء یا / ۱۳۱۸ء یا ۱۳۱۹ء) (۴۲۴)

== مطابق ۲/۷ / دسمبر ۱۳۶۳ء یا ۱۹ / اگست ۱۳۶۴ء کو ہوا، مزار مبارک پانی پت میں ہے، آپ کے پانچ صاحبزادے تھے: خواجہ عبدالقادر، خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی، خواجہ کریم الدین، اور خواجہ عبدالاحد، یہ پنج گنج ولایت کہلاتے تھے، تصوف کے موضوع پر ''زاد الابرار'' کے نام سے آپ کی ایک تصنیف کا ذکر بھی ملتا ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۳۷ تا ۲۳۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۴ تا ۱۸۶ شیخ زکریا کاندھلوی)

(۴۲۴) سادات ترک میں سے ہیں، والد ماجد کا نام حضرت شیخ احمد بسویؒ ہیں، سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت محمد بن حنفیہ بن علی المرتضیٰ سے ملتا ہے، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطن کی طلب میں ماوراء النہر ہوتے ہوئے پاک پٹن تشریف لائے، اور وہاں حضرت بابا فرید گنج شکر سے بیعت ہوئے، اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے، پھر آپ کے حکم پر کلیر شریف میں حضرت صابر کلیریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور بیٹے کی طرح ان کی خدمت کی، حضرت صابر کلیریؒ آپ کو بیٹا ہی فرماتے تھے، پندرہ سال تک آپ حضرت صابر کے غسل، وضو، کھانا پکانے اور لکڑیاں لانے کی خدمت پر مامور رہے، وفات سے قبل حضرت صابرؒ نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا، اور تحریری اجازت عطا فرمائی، اور اسم اعظم بتلا کر پانی پت کی ولایت پر مقرر فرمایا، اور کہا کہ میری وفات کے تین دن بعد چلے جانا، کلیر میں اس سے زیادہ نہ ٹھہرنا۔ حضرت شمس الدین نے عرض کیا کہ حضرت! پانی پت کی ولایت پر ان دنوں شاہ شرف الدین بوعلی قلندرؒ فائز ہیں، میں وہاں کس طرح جا سکتا ہوں؟ حضرت نے فرمایا کہ ان کی ولایت کا دور ختم ہو چکا ہے، تم پہونچو گے تو وہ تمہیں شہر کے دروازے پر آکر ملیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت صابرؒ کی وفات کے تین دن بعد حضرت شمس الدین پانی پت کے لئے روانہ ہوگئے، اور وہاں حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کو ان باتوں کو انکشاف ہو چکا تھا، حضرت شمس الدین کا قیام آپ کے کمرے ہی میں رہا، اور دونوں بڑی محبت واتحاد کے ساتھ رہے، تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

حضرت شمس الدینؒ بڑے صاحب مقام اور صاحب کرامات تھے، پیرو مرشد کی حیات ہی میں ان کی اجازت سے ایک بار آپ نے سلطان بلبن کے لشکر میں ملازمت کر لی تھی، سخت سردی کے موسم میں جس تالاب سے آپ وضو فرماتے تھے، اس میں آپ کے وضو کے مقام پر پانی گرم ہو جاتا تھا، اس سے اہل فوج آپ کے بہت معتقد ہوئے، شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ تک پہونچی، بادشاہ بھی معتقد ہو گیا، اس نے قلعہ کی فتح کی دعا کے لئے التجا کی، چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اسی دن قلعہ فتح ہو گیا، لیکن اس راز کے انکشاف کے بعد آپ نے ملازمت ترک کر دی، اور کلیر واپس ہو گئے، پھر شیخ کے وصال کے بعد پانی پت چلے گئے، ہندوستان میں آنے سے قبل آپ نے ترکستان میں شادی کی تھی، اور ان سے سید احمد پیدا ہوئے، جن کی نسل ترکستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ ==

(۴) شیخ المشائخ حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ (ولادت ۱۹ / ربیع الاول ۵۹۲ھ مطابق ۷ ۲ / فروری ۱۱۹۶ء - وفات ۱۳ / ربیع الاول ۶۹۰ھ مطابق ۲۲ / مارچ ۱۲۹۱ء)(۴۲۵)

== آپ کا وصال جمہور کے قول کے مطابق ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۵ء میں ہوا، بعض نے ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ء یا ۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ء اور ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء بھی نقل کیا ہے، مہینہ کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے، ۱۹ / شعبان المعظم، یا ۱۰ جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ، (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۶۳ تا ۱۶۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ شیخ زکریا کاندھلویؒ ☆ مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز ص ۹۷، ۹۸ مؤلفہ حضرت منورویؒ)

(۴۲۵) آپ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں ہیں، آپ کی ولادت ۱۹ / ربیع الاول ۵۹۲ھ مطابق ۷ ۲ / فروری ۱۱۹۶ء کو ملتان کے ایک مقام ''کوتوال'' پر ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام عبدالرحیم جیلانی (م ۱۷ / ربیع الاول ۵۹۷ھ مطابق یکم جنوری ۱۲۰۱ء) اور والدہ ماجدہ کا نام ہاجرہ جمیلہ خاتون (م ۲ / محرم ۶۱۴ھ مطابق ۱۷ / اپریل ۱۲۱۷ء) ہے، نسباً آپ سید حسنی ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب پیران پیر حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تک پہونچتا ہے، آپ اپنے ماموں بابا فریدؒ کے لنگر خانہ کے تقریباً بارہ سال تک منتظم رہے، لیکن صریح اجازت نہ ہونے کی بنا پر کبھی لنگر سے کچھ نہیں کھایا، ہمیشہ روزہ رہے، اور جنگل کی جڑی بوٹیوں پر اکتفا فرمایا، بارہ (۱۲) سال بعد حضرت کے دریافت کرنے پر بتایا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد حضرت اقدس کے اس میں تصرف کرتا، حضرت نے یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا خطاب مرحمت فرمایا، اور خرقۂ خلافت سے نوازا، دہلی کی روحانی نگرانی سپرد کی، اور حکم دیا کہ پاک پٹن سے پہلے ہانسی جاؤ، شیخ جمال الدین قطب ہانسویؒ سے اپنے خلافت نامہ پر مہر لگواؤ پھر دہلی جاؤ، چنانچہ آپ ان کی خدمت میں پہونچے مگر ملاقات کے بعد دونوں میں تلخی پیدا ہوگئی، اور شیخ جمال نے دہلی کی ولایت کا خلافت نامہ پھاڑ دیا، آگے تفصیلی واقعات کتابوں میں موجود ہیں، الغرض یہ دونوں حضرات بابا فریدؒ کے پاس پاک پٹن پہونچے، اور بابا فریدؒ نے حضرت صابر کو کلیر کی ولایت سپرد کی اور ازسرنو خلافت نامہ تیار کروا کر دیا، اس سے آگے کے واقعات بھی معروف ہیں، جن میں رطب و یابس بھی ہیں۔

آپ بڑے صاحب مقام تھے، حضرت خواجہ فریدؒ فرماتے تھے کہ ''میرے باطنی وظاہری علوم تو حضرت نظام الدین کو ملے، مگر میرے پیروں کے ظاہری اور باطنی علوم کے سمندر علاء الدین کے حصہ میں آئے، میرے سینے کے تمام علوم خواجہ نظام الدین بدایونیؒ نے حاصل کئے، مگر میرے دل کے تمام علوم واسرار علاء الدین صابر نے لئے''

حضرت صابرؒ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا، نیز طبیعت پر جلال بھی غالب تھا، وصال کے بعد بھی اس کے اثرات عرصہ تک باقی رہے، مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا، جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ مزار پر حاضر ہو، بہت دنوں تک یہی کیفیت رہی، بالآخر حضرت شاہ عبدالقدوس اپنے دور میںؒ ایک بار مزار اقدس پر حاضر ہوئے، اور صاحب مزار سے جمال کی درخواست کی، تو یہ چمک موقوف ہوئی۔==

(۵) حضرت شیخ الاسلام فرید الحق والدین گنج شکر اجودھنی فاروقیؒ (ولادت ۵۸۲ھ یا ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ/ ۱۱۸۶ھ یا ۱۱۸۸ء یا ۱۱۸۹ء یا ۱۱۷۳ء وفات ۵/محرم الحرام ۶۶۴ھ یا ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ یا ۶۷۰ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۲۶۵ء یا ۱۲۶۷ء یا ۱۲۶۸ء یا ۱۲۶۹ء یا ۱۲۷۰ء)

(۶) قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (ولادت ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء- وفات ۱۴/ یا ۲۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۳ یا ۱۳/دسمبر ۱۲۳۵ء یا ۱۲۳۶ء) (۴۲۶)

== آپ کی وفات حالت سماع میں ۱۳/ربیع الاول ۶۹۰ھ مطابق ۲۱/مارچ ۱۲۹۱ء چہار شنبہ کو ہوئی ،مزار مبارک کلیر شریف میں ہے،آپ کے مزار پر شہنشاہ ہند نورالدین جہانگیر نے گنبد تعمیر کرایا تھا (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵۳ تا ۱۵۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ شیخ زکریا کاندھلویؒ ☆ مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز ص ۸۱ تا ۹۷ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ)

(۴۲۶) حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ اکابر اولیاء اللہ اور مستجاب الدعوات بزرگوں میں تھے، آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت امام جعفر صادقؒ سے ملتا ہے، آپ کی ولادت ماوراء النہر کے ایک قصبہ ''اوش'' میں ۵۸۲ھ/ ۱۱۸۶ء میں آدھی رات کے وقت ہوئی ،لیکن ایک جگہ حضرت قطبؒ نے خواجہ غریب نوازؒ کے آستانہ پر حاضری کی تاریخ ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء لکھی ہے، اگر یہ درست ہے تو مذکورہ تاریخ پیدائش درست نہیں ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ نے آپ کی تاریخ پیدائش ۱۹/ربیع الاول ۵۳۷ھ (مطابق ۱۹/ اکتوبر ۱۱۴۲ء) روز دوشنبہ، وقت صبح صادق تحریر کی ہے (مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ ''سرکار غریب نواز'' ص ۶۴ مؤلفہ حضرت منورویؒ)

آپ کو ''کاکی'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ کو زمانۂ غربت میں غیب سے مصلیٰ کے نیچے سے روٹی ملتی تھی، ''کاک'' کے معنیٰ روٹی کے ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنی اہلیہ سے کہہ دیا تھا کہ بوقت ضرورت فلانے طاق سے روٹی لے لیا کرو، مل جائے گی، مگر کسی سے قرض نہ لینا، مفصل واقعہ کتابوں میں موجود ہے، اور بھی کئی روایات نقل کی گئی ہیں، یہاں صرف اشارہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

ڈیڑھ (یا ڈھائی- مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ ''سرکار غریب نواز'' ص ۶۴ مؤلفہ حضرت منورویؒ) سال کی عمر تھی کہ والد ماجد حضرت سید کمال الدین احمد بن موسیٰؒ کا انتقال ہو گیا، والدہ ماجدہ نے اپنے یتیم بیٹے کی پرورش کی، پانچ (۵) سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ نے اپنے کسی پڑوسی کے ساتھ ایک معلم کے پاس آپ کو بھیجا، راستہ میں ایک بزرگ ملے انہوں نے دریافت کیا، کہ اس لڑکے کو کہاں لے جاتے ہو، پڑوسی نے جواب دیا کہ تعلیم کے لئے مکتب لے جا رہا ہوں، فرمایا کہ میرے حوالے کردو، میں ایک معلم کے پاس بٹھا دوں گا، وہ بزرگ خواجہ ابوحفص اوشیؒ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ احکم الحاکمین کا حکم ہے، کہ اس لڑکے کو توجہ سے پڑھاؤ، اور یہ کہہ کر وہ چلے گئے، حضرت استادؒ نے دست شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا کہ بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضرؑ تمہیں میرے حوالہ فرما گئے ہیں---==

==ایک روایت یہ ہے کہ جب خواجہ قطب الدین قصبہ اوش میں پہونچے تو ان کی عمر چار سال چار ماہ تھی، آپ حضرت شیخ کی خدمت میں علم ظاہری کی تحصیل کے لئے حاضر ہوئے، حضرت استاذ نے تختی لے کر کچھ تحریر فرمانے کا ارادہ کیا، کہ ندائے غیبی موصول ہوئی کہ خواجہ صاحبؒ کی تحصیل ظاہری قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے حوالہ ہے، اس لئے حضرت شیخؒ نے وہ تختی رکھ دی، اس کے بعد قاضی حمید الدین صاحب سے آپ نے کلام مجید ختم فرمایا، تعلیم الدین میں ہے کہ ہاتف غیبی کی آواز سے قاضی حمید الدین ناگوریؒ چشم زدن میں آنکھیں بند کئے وہاں پہونچے، تختی لے کر پوچھا، اے قطب الدین! کہاں سے شروع کروں؟ آپ نے فرمایا: لکھئے: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ الآیۃ، قاضی صاحب نے حیران ہوکر پوچھا، کہ پچھلے پندرہ پارے؟ عرض کیا کہ میں نے والدہ سے یاد کرلئے ہیں، اس کے بعد چار دن میں آپ نے قرآن مجید ختم کرلیا، پھر باقی دیگر علوم ظاہرہ کی تکمیل بھی جلد ہی کرلی۔

علم ظاہری سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے بیعت ہوئے، اور سترہ (۱۷) سال کی عمر میں خرقۂ اجازت حاصل کیا، آپ حضرت غریب نوازؒ کے اول خلیفہ ہیں، پھر حضرت خواجہ صاحبؒ نے دہلی کی ولایت پر فائز کرکے آپ کو دہلی روانہ کیا۔

دہلی میں آپ کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور دہلی میں آپ کے قیام سے سلسلہ چشتیہ کو کافی فروغ ملا، وہاں حکمران وقت سے لے کر عام آدمی تک سب ہی آپ سے متأثر تھے، سلطان شمس الدین التمش آپ کا ایسا گرویدہ ہوا کہ اس نے آپ کی یادگار میں قطب مینار تعمیر کرایا،---- البتہ حاسدین کی بھی ایک بڑی جماعت موجود تھی، جس میں بڑی بڑی شخصیتیں بھی شامل تھیں، جس سے بددل ہوکر ایک بار آپ نے دہلی چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا، اور حضرت اجمیریؒ کے ساتھ دہلی سے روانہ ہوگئے، لیکن لوگوں کی بے پناہ طلب اور اصرار پر حضرت خواجہ اجمیریؒ نے آپ کو واپس کردیا۔

آخری عمر میں آپ پر استغراق کی کیفیت رہنے لگی تھی، کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو دیر تک اس کی آمد کا آپ کو علم نہیں ہوتا، ایک مرتبہ شیخ علی سکزیؒ (جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے رشتہ دار تھے، اور قطب صاحب کے پڑوس میں رہتے تھے) کے مکان پر مجلس احباب گرم تھی، حضرت خواجہؒ بھی مجلس میں موجود تھے، محفل سماع میں قوال نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانے دیگر است

(خنجر تسلیم ورضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

یہ سن کر آپ چار روز حالت سکر میں رہے اور اسی حالت میں پانچویں دن انتقال فرمایا، آپ کا وصال پچاس یا باون یا چوہتر سال کی عمر میں ۱۴/یا ۲۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۱۳ یا ۱۳/ دسمبر ۱۲۳۵ء یا ۱۲۳۶ء دوشنبہ کو ہوا۔

آپ نے وصال سے قبل وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھاوے جس نے کبھی حرام کے لئے کمر بند==

(۷)امام الطریق خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین سجزی چشتی اجمیریؒ (ولادت ۵۳۷ھ/ ۱۱۴۲ء-وفات ۶ / رجب المرجب یوم دوشنبہ ۶۳۲ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۲۳۵ء)

(۸)حضرت خواجہ ابوالنورعثمان ہارونیؒ (ولادت ۵۲۶ھ/ ۱۱۳۲ء وفات ۵ /شوال المکرم ۶۱۷ھ یا ۶۰۳ھ یا ۵۶۷ھ یا ۵۹۷ھ یا ۶۳۳ھ مطابق ۹ / دسمبر ۱۲۲۰ء یا ۱۲۰۷ء یا ۱۱۷۲ء یا ۱۲۰۱ء یا ۱۲۳۶ء)(۴۲۷)

==نہ کھولا ہو، کسی غیر محرم پر اس کی غلط نظر نہ پڑی ہو، سنت عصر اور تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہ ہوئی ہو۔

جنازہ سے قبل آپ کے خلیفہ خواجہ ابوسعید تبریزیؒ نے حضرت کی یہ وصیت سنائی تو بڑے بڑے لوگ جنازے میں موجود تھے، سب حیران ہوئے کہ ایسا شخص کہاں تلاش کیا جائے، آخر کار جب لوگ مایوس ہو گئے تو مجبوراً سلطان التمش (م ۱۴/شعبان ۶۳۳ھ مطابق ۲۹ /اپریل ۱۲۳۶ء) آگے بڑھے اور فرمایا کہ حضرت! آپ نے میرا راز فاش کر دیا، اور پھر انہوں نے جنازہ کی نماز پڑھائی، مزار مبارک مہرولی میں ہے، پہلے قبر کچی تھی، ۹۴۸ھ/۱۵۴۱ء سے وہاں کچھ عمارت وغیرہ بننا شروع ہوئی (اخبار الاخیار ص ۶۷ تا ۶۹ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۷۶ تا ۱۹۰ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۱ تا ۱۷۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ)

(۴۲۷)اسم گرامی ''عثمان'' اور کنیت ابوالنور یا ابوالمنصور ہے، آپ کی ولادت نیشاپور کے نواح میں ''ہارون'' کے مقام پر ۵۲۶ھ/ ۱۱۳۲ء میں ہوئی، اور وہیں سکونت بھی تھی، حافظ قرآن اور شریعت وطریقت کے جامع تھے، ہر روز ایک قرآن ختم کرتے، آپ حضرت شیخ حاجی شریف زندنیؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، شیخ نے خلافت کے وقت کلاہ چارترکی (چار کلیوں کی ٹوپی) پہنائی تھی، اور ارشاد فرمایا کہ اس سے چار ترکوں کی طرف اشارہ ہے، ترک دنیا، ترک آخرت (بجز حق تعالیٰ شانہ)، ترک کھانا وسونا (مگر اتنا کہ زندگی باقی رہے) اور ترک خواہش نفس۔

ستر (۷۰) سال تک مجاہدہ فرمایا، کہتے ہیں کہ مجاہدہ میں آپ کی نظیر نہیں تھی، کبھی بھر پیٹ کھانا نہیں کھایا، ساتویں دن منہ بھر پانی پیتے تھے۔ بہت صاحب کرامات تھے، اکثر سفر میں رہتے تھے، ایک مرتبہ آتش پرستوں کے شہر میں تنور میں ایک بچہ کو لے کر دو گھنٹے تک بیٹھے رہے اور دونوں پر آگ نے کوئی اثر نہیں کیا، یہ ولایت ابراہیمی ہے، اس پر پورا گاؤں مع سردار مسلمان ہو گیا، سردار کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا، اور اس بچے کا ابراہیم۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک بار میں شیخ کے ساتھ دریا پر پہونچا کوئی کشتی نہیں تھی، شیخ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو، پھر تھوڑی دیر میں ارشاد فرمایا کھول دو، میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو دریا کے اس پار کھڑے تھے، مجھ کچھ پتہ نہ چلا کہ کس طرح اس پار آ گئے۔

حضرت شیخؒ کا وصال اکانوے (۹۱) سال کی عمر میں ۵ /شوال المکرم ۶۱۷ھ یا ۶۰۳ھ یا ۵۶۷ھ یا ۵۹۷ھ یا ۶۳۳ھ مطابق ۹ / دسمبر ۱۲۲۰ء یا ۱۲۰۷ء یا ۱۱۷۲ء یا ۱۲۰۱ء یا ۱۲۳۶ء کو ہوا، مزار مبارک مکہ مکرمہ میں ہے، آپ==

(۹) حضرت خواجہ نیر الدین حاجی شریف زندنیؒ (ولادت ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء - وفات ۳ یا ۱۰/ رجب المرجب ۶۱۲ھ مطابق ۳ یا ۱۰/ نومبر ۱۲۱۵ء، یا ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء یا ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴ء) (۴۲۸)

== کے چار خلفاء مشہور ہوئے، ۱- حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، ۲- حضرت خواجہ نجم الدین صغریؒ، ۳- شیخ سوری منگوہیؒ، ۴ خواجہ محمد ترک (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵۷ تا ۱۶۱ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۱ تا ۱۷۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ خزینۃ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، تعلیم الدین)

(۴۲۸) اسم گرامی ''شریف'' اور لقب ''نیر الدین'' تھا، ولادت ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء میں بمقام ''زندنہ'' ہوئی، آپ مقتدائے مشائخ اور پیشوائے ابدال تھے، چودہ (۱۴) سال کی عمر سے باوضو رہنے لگے تھے، خرقۂ خلافت حضرت شیخ خواجہ مودود چشتیؒ سے حاصل کیا، بہت مجاہدے کئے، چالیس (۴۰) سال تک ایک جنگل میں رہے، اور درختوں کے پتوں اور پھلوں پر گذارا کیا، فقر و تجرید پر کاربند تھے، اکثر پرانے کپڑے پہنتے تھے، تین دن پر ایک بار بے نمک کی سبزی سے افطار کرتے تھے۔

خدمت خلق کے جذبۂ بے پایاں سے سرشار تھے، ایک غریب شخص کی سات لڑکیوں کی شادی کے اخراجات کے لئے سات (۷) سال تک ایک یہودی کی غلامی قبول کی، اور پیشگی سات ہزار (۷۰۰۰) دینار اس ضرورت مند کو دلوادیئے، اور خود اس کی غلامی میں حسب وعدہ رہے، بادشاہ کو اطلاع ملی تو اس نے آپ کے پاس سات ہزار بھجوادیئے کہ اپنا قرضہ ادا کر کے اس غلامی سے نجات پا جائیں، لیکن آپ نے وعدہ خلافی کرنا مناسب نہیں جانا اور بادشاہ کی بھیجی ہوئی رقم بھی غرباء میں تقسیم کردی، یہودی نے حضرت کے ایثار و اخلاق اور جذبۂ استقامت کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا، اور اپنا قرضہ معاف کر کے آپ کو آزاد کردیا، حضرت نے بھی اللہ پاک سے دعا کی کہ پروردگار! اس نے مجھے قرض سے آزاد کیا تو اسے کفر سے آزاد فرمادے، اللہ پاک نے آپ کی دعا قبول کی اور وہ یہودی مسلمان ہوگیا، اور حضرت کی صحبت میں رہ کر کاملین واصلین میں ہوا۔

یہ فقر ان کا اختیاری تھا، ایک شخص نے بطور نذرانہ کچھ رقم لے کر حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اس نے اصرار کیا تو فرمایا کہ یہ جنگل پورا بھرا ہوا ہے، حضرت کے اشارہ پر اس نے دیکھا تو سونے کی نہر رواں دواں تھی۔

آپ کے بارے میں مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ کا پس خوردہ (بچا ہوا) جو شخص کھالیتا تھا وہ مجذوب ہوجاتا تھا، اگر آپ کا سماع سن لیتا تو اس قدر روتا کہ بے ہوش ہوجاتا۔

آپ پر رقت وخشیت کا غلبہ تھا، اکثر آنکھوں سے آنسو جاری رہتے، اور نعرہ مار کر بے ہوش ہوجاتے تھے۔

آپ کی وفات ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۳ یا ۱۰/ رجب المرجب ۶۱۲ھ مطابق ۳ یا ۱۰/ نومبر ۱۲۱۵ء کو ہوئی بعض نے سن وفات ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء اور بعض نے ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴ء لکھا ہے، آپ کے جائے مزار میں بھی اختلاف ہے، قنوج، زندنہ اور شام تینوں اقوال ہیں، آپ کے سب سے مشہور خلیفہ حضرت عثمان ہارونیؒ ہوئے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۵۷ تا ۵۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۰ تا ۱۶۲ شیخ زکریا کاندھلویؒ)

(۱۰) قطب الاقطاب حضرت خواجہ مودود چشتیؒ (ولادت ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۹ء - وفات یکم رجب ۵۲۷ھ مطابق ۱۴/ مئی ۱۱۳۳ء)(۴۲۹)

(۱۱) خواجہ سید ناصر الدین ابو یوسف بن سمعان الحسینی الچشتیؒ (م ۳/ رجب المرجب ۴۵۹ھ مطابق ۲۵/ مئی ۱۰۶۷ء)(۴۳۰)

---

(۴۲۹) خواجہ مودود چشتیؒ کا لقب ''قطب الاقطاب اور قطب الدین'' تھا شمع صوفیان و چراغ چشتیان وغیرہ خطابات سے بھی یاد کئے جاتے ہیں، پیدائشی ولی، یگانۂ روزگار، محبوب پروردگار، صاحب الاسرار اور مخزن الانوار تھے، آپ کی ولادت ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۹ء میں ہوئی، نسباً سید حسنی تھے، اپنے والد ماجد خواجہ ابو یوسفؒ سے خرقۂ اجازت حاصل کیا، سات (۷) سال کی عمر میں حفظ قرآن کریم مکمل کیا، اور سولہ (۱۶) سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہوئے، بعض اہل تاریخ کی رائے یہ ہے کہ علم ظاہر کی تکمیل، علم باطن کی تحصیل کے بعد حضرت شیخ احمدؒ کے مشورہ سے کی، انتیس (۲۹) سال کی عمر میں والد کے انتقال کے بعد والد کے جانشین ہوئے، کہا جاتا ہے کہ آپ کے ایک ہزار مشہور خلفاء تھے (شیخ زکریا کاندھلویؒ نے دس ہزار خلفاء تحریر کیا ہے) اور مریدین کی تو گنتی نہیں تھی۔

آپ کو طی الارض کی کرامت حاصل تھی، جب جی چاہتا مکہ مکرمہ پہونچ کر طواف و زیارت سے مشرف ہو جاتے، فضا میں اڑنے کی بھی صلاحیت رکھتے تھے، کشف قلوب اور کشف صدور بھی آپ کو حاصل تھا، فقراء سے بہت محبت فرماتے، معمولی لباس استعمال کرتے، آپ کی وفات ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں یکم رجب ۵۲۷ھ مطابق ۱۴/ مئی ۱۱۳۳ء کو ہوئی، تجہیز و تکفین کے بعد ایک ہیبت ناک آواز آئی جس کی دہشت سے لوگ درہم برہم ہو گئے، یہ رجال غیب کی جماعت تھی، نماز جنازہ پہلے رجال غیب نے پڑھی، اس کے بعد عام آدمیوں نے ادا کی، نماز جنازہ کے بعد تابوت خود بخود اڑنے لگا، اور قبر تک جا پہونچا، کہا جاتا ہے کہ اس کرامت سے قریب دس ہزار غیر مسلم مسلمان ہو گئے، مزار مبارک چشت میں ہے، آپ نے بڑی تعداد میں نسبی اور روحانی اولاد کے علاوہ منہاج العارفین اور خلاصۃ الشرقیۃ جیسی اہم تصانیف یادگار چھوڑیں (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۹ تا ۵۴ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۹، ۱۶۰ شیخ زکریا کاندھلویؒ)

(۴۳۰) اسم گرامی ''ابو یوسف'' اور لقب ''ناصر الدین'' تھا، والد ماجد کا اسم گرامی ''سید محمد سمعان'' تھا، نسب مبارک تیرہ (۱۳) واسطوں سے حضرت امام حسینؓ تک پہونچتا ہے، ولادت چشت میں ہوئی، خرقۂ اجازت اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتیؒ سے حاصل کیا، وہ آپ کو بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے، آپ کی عمر چھتیس (۳۶) سال کی تھی تو ماموں جان کا انتقال ہوا، اور آپ سجادہ نشین ہوئے۔

آپ نے بہت مجاہدے کئے، خواجہ حاجی (خلیفہ حضرت ابو اسحاق شامیؒ) کے مقبرہ کے پاس (اور بقول شیخ زکریا کاندھلویؒ اپنے مکان میں) ایک چلہ خانہ بنا کر بارہ (۱۲) سال تک اس میں چلہ کھینچا، آپ جمال طریقت اور کمال حقیقت کے مالک تھے، بڑے صاحب کرامات تھے، ایک بار سفر میں پتھر پر پانی مارا تو چشمہ جاری ہو گیا، جس سے تمام رفقاء ==

(۱۲) حضرت خواجہ ناصح الدین محمد ابو محمد بن ابی احمد چشتیؒ (ولادت یکم محرم الحرام ۳۳۱ھ مطابق ۱۹ / ستمبر ۹۴۲ء وفات ۱۴ / ربیع الاول ۴۱۱ھ مطابق ۱۳ / جولائی ۱۰۲۰ء یا یکم رجب ۴۱۱ھ مطابق ۲۶ / اکتوبر ۱۰۲۰ء)

(۱۳) قطب العالمین قدوۃ الدین حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ (ولادت ۶ / رمضان المبارک ۲۶۰ھ مطابق ۲۸ / جون ۸۷۴ء-وفات یکم یا ۳ / جمادی الثانیہ ۳۵۵ھ مطابق ۳۱ / مئی ۹۶۶ء)(۴۳۱)

== سفر سیراب ہوئے، یہ ولایت موسوی ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ چشمہ اب تک جاری ہے، اوراس کو پینے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے، اس کا پانی گرمی میں ٹھنڈا اور سردی میں گرم رہتا ہے۔

آپ حافظ قرآن نہیں تھے، اس کا آپ کو بڑا قلق تھا، ایک مرتبہ باشارۂ ربانی سو (۱۰۰) مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو پورا قرآن شریف حفظ ہوگیا، اس کے بعد سے پانچ (۵) ختم روزانہ کیا کرتے تھے، آپ کی وفات چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں اکثر مؤرخین کے نزدیک ۳ / رجب المرجب ۴۵۹ھ مطابق ۲۵ / مئی ۱۰۶۷ء کو ہوئی بعض نے اوائل جمادی الآخر، بعض نے یکم جمادی الاولیٰ، اور بعض نے ۴ / ربیع الثانی بھی لکھا ہے، مزار مبارک چشت میں ہے، آپ کی شادی کنک کے مقام پر ایک درویش کی بیٹی سے ہوئی تھی، آپ کے صاحبزادے خواجہ مودود چشتیؒ کے علاوہ خواجہ عبداللہ انصاریؒ بھی آپ کے مشہور خلیفہ ہوئے ہیں (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۶ تا ۴۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۷، ۱۵۸ شیخ زکریا کاندھلویؒ)

(۴۳۱) آپ کا لقب ''قدوۃ الدین'' تھا، نسباً سید حسنی تھے، سلسلۂ نسب چند واسطوں سے حضرت حسن المثنیٰ سے ملتا ہے، صاحب اسرار اور باتفاق اہل زمانہ قطب ابدال تھے، حضرت ابو اسحاق شامیؒ کے خلیفۂ اکبر تھے، ریاضت ومجاہدہ میں بے مثال اور خوارق وکرامات میں لاثانی، والد ماجد کا اسم گرامی سید ابراہیم تھا، وہ فرغانہ کے سلطان تھے، آپ کی ولادت ۶ / رمضان المبارک ۲۶۰ھ مطابق ۲۸ / جون ۸۷۴ء کو قصبہ چشت میں ہوئی، یہ خلیفہ معتصم باللہ کا دور تھا، حسن ظاہر اور حسن باطن دونوں سے مالامال تھے، سات (۷) سال کی عمر سے حضرت خواجہ ابواسحق شامیؒ کی خدمت میں حاضری شروع کردی تھی، علم ظاہر اور علم باطن دونوں حضرت ہی سے حاصل کئے، سولہ (۱۶) سال کی عمر میں علم ظاہر سے فارغ ہوئے، اور پھر آپ ہی سے بیعت ہوگئے، بعض لوگوں کی رائے ہے کہ تیرہ (۱۳) سال کی عمر ہی میں بیعت ہوگئے تھے،---بچپن سے ہی زاہدانہ مزاج تھا، والد صاحب ایک شراب خانہ کے مالک تھے، ایک دن لڑکپن ہی میں شراب خانہ میں گھس کر شراب کے تمام مٹکوں کو توڑ دیا، پھر اللہ پاک نے والد صاحب کو بھی توفیق توبہ نصیب کی، یہ ۲۸۰ھ / ۸۹۳ء کی بات ہے۔

ایک مرتبہ اپنے والد کے ہمراہ شکار پر جارہے تھے، کہ اتفاقاً ایک پہاڑی علاقے میں راستہ گم ہوگیا، اور آپ تنہا رہ گئے، ادھر ادھر گھومتے ہوئے ایک جگہ پہونچے تو دیکھا حضرت شاہ ابواسحق صاحبؒ چالیس (۴۰) بزرگوں (یہ رجال

(۱۴) حضرت خواجہ ابواسحاق شامیؒ (م ۱۴/ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مطابق ۲۰/ جنوری ۹۴۱ء)
(۱۵) حضرت کریم الدین منعم خواجہ علو ممشاد دینوریؒ (م ۱۴/ محرم الحرام ۲۹۹ھ مطابق ۱۵/ ستمبر ۹۱۱ء یا ۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء یا ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء)(۴۳۲)

==الغیب تھے) کے ساتھ کھڑے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت کے قدموں پہ گر گئے، اوران کے ہمراہ چلے گئے، پھر انہی کے ساتھ تقریباً آٹھ (۸) سال رہے، اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، گھر والوں کو معلوم ہوا کہ وہ فلاں پہاڑ پر حضرت ابواسحاقؒ کے ساتھ رہتے ہیں، آدمی بھیجا کہ آجائیں، لیکن حضرت کی رفاقت کی لذت آپ کو ایسی مل گئی تھی کہ آپ نے سلطانی پر گدائی کو ترجیح دی، تیس (۳۰) برس تک آپ بستر پر نہیں سوئے، روزانہ دن میں دو اور شب میں دو قرآن ختم فرماتے تھے، نذرانے قبول نہیں فرماتے تھے، اچھے لباس اور اچھے کھانے سے بھی احتراز کرتے تھے۔

بڑے صاحب کرامت تھے، ایک بار کفار کی ایسی بستی سے گذرے جہاں کے لوگ گذرنے والے راہگیر مسلمانوں کو آگ میں جلادیتے تھے، آپ نے آگ پر ہی اپنا مصلیٰ بچھایا، اور آگ سرد ہوگئی، اس کرامت کو دیکھ کر پورا گاؤں مسلمان ہوگیا، آپ کی وفات یکم یا ۳/ جمادی الثانیہ ۳۵۵ھ مطابق ۳۱/ مئی ۹۶۶ء کو ہوئی، مزار مبارک چشت میں ہے، ''قطب العالمین'' سے تاریخ وفات نکلتی ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۲ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۳ تا ۱۵۵ شیخ زکریا کاندھلویؒ)

(۴۳۲) آپ کا لقب کریم الدین منعم تھا، بغداد اور ہمدان کے درمیان ایک شہر دینور کے رہنے والے ہیں، آپ حضرت ردیم، حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت سفیان ثوریؒ کے معاصر تھے، پہلے آپ بہت مالدار تھے، آپ کے جود وسخا کا دور دور تک چرچا تھا، اور اسی وجہ سے آپ کا لقب کریم الدین منعم پڑ گیا تھا، لیکن بعد میں فقر و فاقہ اختیار کر کے مکہ معظّمہ چلے گئے تھے، حافظ قرآن تھے، علم ظاہر و باطن دونوں کے امام تھے، ابن جلاء اور ان کے اکابر کی صحبت سے مشرف ہوئے، خواجہ ہبیرہؒ کے علاوہ اور بھی چند سلسلوں میں آپ کو اجازت حاصل ہے۔

خواجہ ممشاد دینوریؒ اور خواجہ دینوری دو جداگانہ شخصیتیں یا ایک؟

اس میں اختلاف ہے کہ خواجہ ممشاد دینوریؒ اور خواجہ دینوریؒ ایک ہی شخص ہیں یا الگ الگ، چونکہ زمانۂ وفات اور حالات میں بڑی یکسانیت ہے، اس لئے بظاہر ایک ہی معلوم ہوتے ہیں، اور چونکہ دونوں کا سلسلۂ خاندان علٰحدہ ہے، اس لئے بعض لوگوں نے دو جدا شخصیتیں قرار دیا ہے، خواجہ علو دینوریؒ کو سلسلۂ چشتیہ میں اور خواجہ ممشاد دینوریؒ کو سلسلۂ سہروردیہ میں شمار کیا ہے، حضرت شیخ زکریاؒ نے پہلے قول کو ظاہر قرار دیا ہے، لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء کی تحقیق یہ ہے کہ الگ الگ والا قول ہی درست ہے، اور صاحب سفینۃ الاولیاء کی بھی یہی رائے نقل کی ہے۔

شیخ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، چالیس (۴۰) سال تک دن میں کبھی کھانا نہیں کھایا، بیعت سے قبل حضرت خضرؑ کی صحبت میں رہے، اوران کے اشارہ سے بیعت بھی ہوئے تھے، اسی لئے بیعت کے فوراً بعد ہی شیخ نے اجازت وخلافت دے دی، شیخ نے توجہ کی تو بے ہوش ہوگئے، پھر ہوش میں آئے، اس طرح چالیس (۴۰) بار ہوا، آخر میں شیخ نے اپنا لعاب ==

(۱۶) حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ یا ابوہبیرہ بصریؒ (ولادت ۱۶۷ھ/ ۷۸۳ء-وفات ۷/ شوال المکرم ۲۸۷ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۹۰۰ء یا ۲۷۹ھ/ ۸۹۳ء)(۴۳۳)

(۱۷) حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشیؒ (م ۷/ شوال ۲۷۶ھ مطابق ۵/ فروری ۸۹۰ء یا ۲۴/ شوال ۲۵۲ھ مطابق ۱۰/ نومبر ۸۶۶ء یا ۱۴ یا ۲۴/ شوال ۲۰۲ھ مطابق ۲۸/ اپریل ۸۱۸ء یا ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ھ)(۴۳۴)

==دہن منہ میں ڈالا تو بالکل ہوش میں آ گئے، اور فرمایا کہ جو بات تیس (۳۰) برس کے مجاہدہ میں حاصل نہیں ہوئی وہ شیخ کی تھوڑی توجہ سے حاصل ہوگئی۔

بڑے صاحب تاثیر تھے، ایک مرتبہ چند بت پرستوں سے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ غیر خدا کو پوجتے ہو اس کا اتنا اثر ہوا کہ سب مسلمان ہو گئے۔

آپ کا وصال ۱۴/ محرم الحرام ۲۹۹ھ مطابق ۱۵/ ستمبر ۹۱۱ء کو ہوا، امام شعرانی نے طبقات میں ۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء اور صاحب خزینۃ الاصفیاء نے سن وفات ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء لکھا ہے، اور اس پر وقائع نگاروں کا اتفاق نقل کیا ہے، یہ مقتدر باللہ کا زمانۂ خلافت ہے، مزار مبارک دینور میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۲ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۸ تا ۱۵۱ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ انوار العاشقین، خزینۃ الاولیاء، تذکرۃ الفقراء، تعلیم الدین)

(۴۳۳) اکثر مشائخ نے آپ کا نام "ہبیرۃ" لکھا ہے، اور بعض نے "ابوہبیرہ" بتایا ہے، لقب "امین الدین" تھا، ولادت ۱۶۷ھ/ ۷۸۳ء میں بمقام بصرہ ہوئی، سترہ (۱۷) سال کی عمر میں حفظ قرآن اور تمام علوم ظاہرہ سے فارغ ہو گئے، مجاہدہ کے شروع سے خوگر تھے، روزانہ دو کلام مجید ختم کیا کرتے تھے، تیس (۳۰) سال تک مجاہدہ کیا کہ ہدایت کا راستہ کھلے، جب مایوس ہو گئے تو مغفرت کی بشارت کے ساتھ آواز آئی کہ علم باطن کے لئے خواجہ مرعشیؒ کے پاس جاؤ، خواجہ صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو صرف ایک ہفتہ میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، طبیعت پر یکسوئی غالب تھی، پوری عمر ایک حجرہ میں گذار دی، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، لذائذ دنیا سے الگ تھلگ رہتے تھے، آپ کی صحبت سے بڑے بڑے کاملین پیدا ہوئے، ایک سو بیس سال کی عمر میں ۷/ شوال المکرم ۲۸۷ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۹۰۰ء کو وصال فرمایا، بعض نے ۲۷۹ھ/ ۸۹۳ء تحریر کیا ہے، مزار مبارک بصرہ میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۳ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۷، ۱۴۸ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ انوار العاشقین، خزینۃ الاولیاء، تعلیم الدین)

(۴۳۴) اسم گرامی "حذیفہ" اور لقب "سدید الدین" تھا، بڑے عالم، عابد اور فقیہ تھے، علم سلوک کے موضوع پر صاحب تصانیف ہیں، سات (۷) سال کی عمر میں قرأت سبعہ کے حافظ وقاری ہو گئے تھے، اور سولہ (۱۶) سال کی عمر میں علوم ظاہر سے فارغ ہو چکے تھے، اس کے بعد حضرت خضرؑ کی رہنمائی میں حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ تک رسائی ہوئی، اور چھ (۶) ماہ میں درجۂ کمال تک پہونچ گئے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، اور چھ (۶) دن کے بعد افطار کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اہل دل کی غذا الا اللہ الا اللہ ہے، تیس (۳۰) سال تک بلا وجہ بے وضو نہیں رہے، آپ پر گریہ وزاری کا غلبہ تھا، آپ کی==

(۱۸) حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہم بن منصورؒ (م بروز جمعہ ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۲۸۰ھ مطابق ۱۸ / اگست ۸۹۳ء یا ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء یا ۲۶۵ھ / ۸۷۹ء یا ۱۶۲ھ / ۷۷۹ء یا ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء) (۴۳۵)

==وفات مشہور قول کے مطابق ۱۴ یا ۲۴ / شوال ۲۰۲ھ مطابق ۲۸ / اپریل ۸۱۸ء کو ہوئی، شعرانیؒ نے سن وفات ۲۰۷ھ / ۸۲۳ھ لکھا ہے، یہ بات شیخ زکریاؒ نے لکھی ہے، لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء نے تذکرۃ العاشقین کے حوالے سے سن وفات (۷ / شوال) ۲۷۶ھ مطابق ۵ / فروری ۸۹۰ء نقل کیا ہے اور سیر الاقطاب کے حوالے سے ۲۴ / شوال ۲۵۲ھ مطابق ۱۰ / نومبر ۸۶۶ء لکھا ہے، اور ان میں پہلی تاریخ کو درست قرار دیا ہے، تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے وصال کے بعد آپ نو (۹) سال تک باحیات رہے، جناب محمد رضا انصاری صاحب نے بھی ۲۷۶ھ والی تاریخ ہی نقل کی ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۲، ۳۳ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۵، ۱۴۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ سفینۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگان چشت، تعلیم الدین ☆ تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۱۰ تا ۱۱۲ مؤلفہ جناب محمد رضا انصاری)

(۴۳۵) اسم گرامی ابراہیم، اور کنیت ابو اسحاق ہے، والد ماجد کا نام ادہم ہے، یہ مرد قلندر تھے، اور بادشاہ وقت کی اکلوتی شاہزادی کے شوہر تھے (جس کا عجیب وغریب پس منظر کتابوں میں مرقوم ہے)۔

آپ کا سلسلۂ نسب پانچ (۵) واسطوں سے حضرت عمر بن الخطابؓ تک پہونچتا ہے، بعض لوگ آپ کو سید حسینی بھی بتاتے ہیں، آپ کی ولادت شہر بلخ میں ہوئی، خرقۂ اجازت خواجہ فضیل بن عیاضؒ سے ملا، ان کے علاوہ خواجہ عمران بن موسیٰؒ، خواجہ امام باقرؒ، شیخ منصور سلمیؒ، اور خواجہ اویس قرنیؒ سے بھی اجازت حاصل ہے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کی مجالس میں بھی حاضر ہوتے تھے، اور امام صاحبؒ آپ کو سیدنا و سندنا کے القاب سے یاد فرماتے تھے، کثرت سے روزے رکھتے تھے، اور چار پانچ دن پر افطار کرتے تھے، بہت کم سوتے تھے اور پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے۔

ابتداء میں آپ شاہ بلخ کے متبنیٰ ہونے کی بنا پر ولی عہد اور پھر بادشاہ ہوگئے تھے، جس کے قصے عام طور پر مشہور ہیں، لیکن پھر آپ پر فقر کا غلبہ ہوا اور آپ نے تخت شاہی چھوڑ کر صحرانوردی اختیار کرلی، اور ایک پہاڑ پر جاکر سکونت اختیار کی، جمعرات کے روز اس پہاڑ سے باہر نکلتے اور لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتے، اس میں آدھی رقم راہ خدا میں صدقہ کردیتے اور باقی آدھی اپنے ہفتہ بھر کے خرچ کے لئے رکھتے، ایک زمانہ تک مجاہدات میں مشغول رہے، پھر باشارۂ غیبی مکہ مکرمہ حاضر ہوئے، اور حضرت فضیل بن عیاضؒ سے بیعت ہوکر منازل سلوک طے کئے، حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیمؒ علوم کی کنجی ہیں۔

ترک سلطنت کے بعد امراء و وزرائے بلخ نے دوبارہ واپسی کے لئے بارہا اصرار کیا، لیکن آپ نے اسے قبول نہیں کیا، ---آپ سے بہت سی کرامات و واقعات منسوب ہیں۔

(۱۹) حضرت خواجہ ابوعلی فضیل بن عیاضؒ (وفات ۳ / ربیع الاول ۱۸۷ھ مطابق ۴ / مارچ ۸۰۳ء یا ۱۸۶ھ/ ۸۰۲ء)(۴۳۶)

== آپ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ایک سو دو (۱۰۲) برس کی عمر میں ۱۶۲ھ/ ۷۷۹ء میں ہوئی، سمعانیؒ نے ۱۶۱ھ/ ۷۷۸ء کا قول نقل کیا ہے، محدثین کا قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قابل اعتماد ہے، یہ بات حضرت شیخ زکریاؒ نے لکھی ہے، لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھا ہے کہ سیرا لاقطاب میں آپ کی وفات بروز جمعہ ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۲۸۰ھ مطابق ۱۸ / اگست ۸۹۳ء لکھی ہے، اور سفینۃ الاولیاء میں ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء ہے، مخبرالواصلین میں ۲۶۵ھ/ ۸۷۹ء ہے، جناب محمد رضا انصاری صاحبؒ نے بھی قریب یہی بات لکھی ہے، آپ کا مزار شام میں بتایا جاتا ہے، اور بعض لوگوں نے مدینہ منورہ بتایا ہے، آپ کے دو خلفاء تھے، ایک خواجہ شقیق بلخیؒ، دوسرے حضرت حذیفہ المرعشیؒ (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۴ تا ۳۲، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۳،۱۴۵ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین، انوارالعاشقین نفحات، انوار الاتقیاء، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین)

(۴۳۶) آپ کی کنیت ''ابوعلی''، ''ابوالفضل'' اور ابوالفیض ہے، اصل وطن کوفہ ہے، آپ کی ولادت سمرقند یا بخارا میں ہوئی، آپ کو خلافت خواجہ عبدالواحدؒ کے علاوہ حضرت ابوعیاض بن منصور بن معمر سلمیٰ عن محمد بن مسلم عن محمد بن حبیب عن ابی بکر الصدیقؓ سے بھی حاصل ہے، اور اس طرح سے یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبرؓ کے واسطے سے حضور ﷺ تک پہونچتا ہے، ابتداء آپ کا پیشہ رہزنی اور لوٹ مار تھا، بلکہ آپ ڈاکوؤں کے سردار تھے، لیکن نماز روزہ کا اہتمام اس وقت بھی قائم تھا، ایک بار اسی طرح کے کسی سفر میں جارہے تھے کہ کان میں یہ آیت کریمہ پڑی: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ (الحدید:۱۶) یہ سنتے ہی دل کی کایا پلٹ گئی، توبہ کی اور تمام چھینے ہوئے مال اس کے مالکان واپس کئے، سب کی تفصیل ان کے پاس پہلے سے لکھی ہوئی موجود تھی، توبہ کے بعد کوفہ حاضر ہوئے، اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں کچھ دن مقیم رہے، وہاں سے حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے بیعت کے خیال سے بصرہ آئے، مگر ان کی وفات ہو چکی تھی، اس لئے خواجہ عبدالواحد سے بیعت ہو گئے، آپ کا ذریعۂ معاش لوگوں کے لئے پانی بھرنا تھا، اسی کی اجرت سے اپنی اور گھر والوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔

آپ صائم الدہر تھے، پانچ دن پر افطار کرتے تھے، پانچ سو (۵۰۰) رکعات نفل روزانہ ادا کرتے تھے، روزانہ دو ختم قرآن کرتے تھے، اتباع سنت کا بڑا لحاظ رہتا تھا، وقت کے اکابر علماء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور استفادہ کرتے تھے آپ کے پانچ خلفاء ہوئے: ۱- سلطان ابراہیم بن ادہمؒ، ۲- شیخ محمد شیرازیؒ، ۳- خواجہ بشر حافیؒ، ۴- شیخ ابورجاء عطاریؒ، ۵- خواجہ عبدالباریؒ، آپ کی وفات ۳ / ربیع الاول ۱۸۷ھ مطابق ۴ / مارچ ۸۰۳ء کو (کسی قاری سے سورۃ القارعۃ کی تلاوت سن کر) حرم شریف میں ہوئی مخبرالواصلین میں سن وفات ۱۸۶ھ/ ۸۰۲ء درج ہے جنتہ = =

(۲۰) حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن زیدؒ (م ۲۷/صفر المظفر ۱۷۰ھ مطابق ۳۱/اگست ۷۸۶ء یا ۱۷۷ھ/ ۷۹۳ء/ یا ۱۷۶ھ/ ۷۹۲ء یا ۱۷۸ھ/ ۷۹۴ء)(۴۳۷)

(۲۱) حضرت تاج العرفاء خواجہ ابوسعید حسن بصریؒ (ولادت ۲۱ھ/ ۶۴۲ء-وفات یکم یا ۴/محرم الحرام ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ مطابق ۱۱/مئی ۷۲۸ء یا ۷۲۹ء) بصرہ

(۲۲) حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ (ولادت ۱۳/رجب المرجب بعد از واقعۂ فیل تیس (۳۰) سال-وفات ۲۱/رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۳۰/جنوری ۶۶۱ء) نجف اشرف

(۲۳) سرور کائنات، سید الموجودات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۴۳۸)

اس طرح یہ نسبت چشتیہ حضرت عبدالرزاق بانسویؒ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تئیس (۲۳) واسطوں سے پہونچتی ہے، جبکہ حضرت بانسویؒ اور حضرت منورویؒ کے درمیان پانچ (۵) واسطے ہیں، جو سلسلہ اول قادریہ کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں، اس طرح کل اٹھائیس (۲۸) واسطوں سے حضرت منورویؒ کی نسبت چشتیہ صابریہ رزاقیہ امام الاولین والآخرین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہوتی ہے۔

==المعلیٰ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے جوار میں مدفون ہوئے، بعض لوگوں نے ماہ وفات محرم لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۰ تا ۲۴، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۰ تا ۱۳۷ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین، روضۃ الریاحین، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین)

(۴۳۷) آپ کی کنیت ابوالفضل ہے، والد ماجد کا نام زید ہے، حضرت خواجہ حسن بصریؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، ان کے شاگرد بھی ہیں، حضرت علیؓ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے، علاوہ حضرت عبداللہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ اور خواجہ کمیل بن زیادؒ سے بھی خرقۂ تبرک حاصل ہوا تھا، طبیعت پر تجرید وتفرید غالب تھی، صائم الدہر تھے، تین دن پر افطار کرتے تھے، بیعت سے قبل چالیس (۴۰) سال تک مجاہدہ کیا، مختلف علاقوں کی سیاحی کی، بڑے صاحب کرامات تھے، آپ کی سیر آفاقی اور کرامات کے بڑے واقعات کتابوں میں منقول ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، ۲۷/صفر المظفر ۱۷۰ھ مطابق ۳۱/اگست ۷۸۶ء یا ۱۷۷ھ/ ۷۹۳ء/ یا ۱۷۶ھ/ ۷۹۲ء یا ۱۷۸ھ/ ۷۹۴ء متعدد اقوال ہیں، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے ۱۷۷ھ والی روایت کو ترجیح دی ہے، مزار مبارک بصرہ میں ہے، آپ کے اجل خلفاء تین ہیں: خواجہ فضیل بن عیاضؒ، خواجہ ابوالفضل بن رزینؒ، خواجہ ابو یعقوب سوسیؒ۔ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی اور شیخ نجم الدین کبریٰ کا سلسلہ خواجہ ابویعقوب سوسیؒ سے ملتا ہے، (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵ تا ۲۰، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۱ تا ۱۳۰ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین، خزینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء، روضۃ الریاحین)

(۴۳۸) تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۱۰ تا ۱۱۲ مولفہ جناب محمد رضا انصاری

(۱۰)

سلسلۂ دہم

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ رزاقیہ

سلسلۂ چشتیہ طریق دوم

حضرت سید عبدالرزاق بے کمر بانسویؒ کو چشتیہ کی دوسری نسبت بطریق اویسیت حضرت خواجہ نصیرالدین محمود روشن چراغ دہلیؒ (م ۱۸/ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۲۱/ستمبر ۱۳۵۶ء یا ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء)(۴۳۹) سے حاصل تھی، اور ان کو حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الحق

(۴۳۹) آپ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، بڑے صاحب اسرار، عابد و زاہد اور کریم النفس بزرگ تھے، حضرت سلطان المشائخ کے وصال کے بعد دہلی کی ولایت پر آپ ہی فائز ہوئے تھے، آپ حسنی سادات سے ہیں، آپ کے جد امجد کا اسم گرامی حضرت عبداللطیف یزدیؒ ہے، آپ کے والد ماجد حضرت یحیٰی لاہور میں پیدا ہوئے، مگر شیخ نصیرالدین محمود اودھ میں پیدا ہوئے، ابھی آپ کی عمر نو (۹) سال کی تھی کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، آپ کی والدہ ماجدہ نے جو سیدۂ زمانہ اور عارفۂ وقت تھیں، آپ کی خصوصی تربیت کی، علوم ظاہرہ کی کتابیں حضرت مولانا عبدالکریم شروانیؒ اور پھر حضرت مولانا افتخار الدین گیلانیؒ سے پڑھیں، نوجوانی ہی میں ترک و تجرید کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے، بالغ ہونے کے بعد ایک نماز بھی جماعت کے بغیر ادا نہیں کی، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، چالیس (۴۰) سال کی عمر میں اودھ سے دہلی آئے، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، حضرت نظام الدین اولیاءؒ ان دنوں دیوگری میں دریا کے کنارے ایک نوتعمیر بالاخانہ میں رہتے تھے، اور اس خلوت خانہ میں حضرت خواجہ نصیرالدینؒ کے بغیر کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی، حضرت نظام الدینؒ نے آپ کو چراغ دہلی کے خطاب سے سرفراز فرمایا، حضرت شیخ نصیرالدینؒ کے یہاں سماع ہوتا تھا، لیکن مزامیر کا استعمال ممنوع تھا، صرف تالی یا نعرہ کی آواز سے سماع ہوتا تھا۔

آپ کے مزاج میں تحمل اور عفو تھا، ایک بار تنہائی میں مراقب تھے کہ ایک دشمن نے موقعہ پا کر چاقو سے آپ پر حملہ کیا، اور پھر مردہ سمجھ کر چلا گیا، لوگ اس کو پکڑ کر لے آئے اور اس سے انتقام لینا چاہتے تھے، لیکن آپ نے منع فرمادیا، بلکہ بیس روپے انعام دیئے کہ اس کو چاقو چلانے میں بڑی محنت کرنی پڑی، اس حادثہ کے بعد آپ تین (۳) سال زندہ رہے، آپ کی وفات ۱۸/ رمضان المبارک ۷۵۷ھ مطابق ۲۱/ستمبر ۱۳۵۶ء کو ہوا، بعض حضرات نے سن وفات ۷۵۲ھ/۱۳۵۱ء لکھا ہے، مگر قول اول صحیح ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۱۹ تا ۲۲۵، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری==

والدین اولیاء بدایونیؒ (ولادت ۲۷/صفر المظفر ۶۳۶ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۲۳۸ء یا ۱۲۳۶ء وفات بروز چہار شنبہ یا جمعرات ۱۷یا۱۸/ربیع الاول یا ربیع الثانی ۷۲۵ھ مطابق ۱۱/مارچ یا ۱۰/اپریل ۱۳۲۵ء)(۴۴۰) سے اوران کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے آخر تک (اسی کے مطابق

== ☆اخبار الاخیار ص ۱۸۱ تا ۱۹۵ مؤلفہ حضرت شیخ دہلویؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۲۰۱ تا ۲۰۵ خلیق نظامی)

(۴۴۰) حضرت بابا فریدؒ کے خلیفہ خاص اور محرم اسرار تھے، آپ کا اسم گرامی سید محمد بن سید احمد دانیال بن سید علی بخاریؒ ہے، القاب: سلطان المشائخ، سلطان الاولیاء اور سلطان السلاطین ہیں محبوب الٰہی کے خطاب سے بھی مشہور ہیں، نفحات الانس میں آپ کا اسم گرامی ''شیخ نظام الدین خالدی دہلوی'' لکھا گیا ہے، آپ نجیب الطرفین سادات حسینی الحسنی سے تھے، پورا سلسلۂ نسب تاریخ نظامی میں موجود ہے، آپ کے جد بزرگوار حضرت سید علیؒ اور جد مادری (نانا) خواجہ سید عرب بخاریؒ دونوں آپ کے والد احمد دانیال کے ساتھ بخارا سے ہجرت کر کے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ لاہور میں رہے، پھر بدایون میں آ کر قیام پذیر ہوئے۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ کی ولادت بدایوں میں ۲۷/صفر المظفر ۶۳۶ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۲۳۸ء یا ۱۲۳۶ء کو ہوئی، اسی سال سلطان التمشؒ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا انتقال ہوا، ابھی پانچ (۵) سال کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہو گیا، اور وہ بدایوں میں مدفون ہوئے، آپ کی والدہ جن کا اسم گرامی ''بی بی زلیخا'' تھا، بڑی عارفہ اور کاملہ تھیں، انہوں نے آپ کی بہترین پرورش کی، گھر میں غربت تھی، حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے تھے، کہ جس دن گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو اماں جان فرماتیں کہ ''آج ہم خدا کے مہمان ہیں''

والدہ ماجدہ نے آپ کو مکتب میں بٹھایا، مکتب کے بعد عربی کی تعلیم شروع کی، مقامات حریری حضرت مولانا شمس الملکؒ سے، مشارق الانوار حضرت مولانا کمال الدین محدثؒ سے، تجوید اور قرأت سبعہ شہرۂ آفاق قاری مولانا شادی نقری سے، پڑھی، آپ بارہ (۱۲) سال کی عمر ہی میں تمام علوم مروجہ اور متداولہ سے فارغ ہو گئے، اور دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے، علم حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، ہیئت، ہندسہ، منطق،، معانی وغیرہ جملہ علوم میں آپ نے کمال حاصل کیا، علوم عقلیہ سے خصوصی دلچسپی کی بنا پر اس دور میں طلبہ آپ کو ''نظام الدین منطقی'' کہہ کر پکارتے تھے۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد سولہ (۱۶) سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لائے، کچھ عرصہ دہلی میں اپنی والدہ ماجدہ اور ہمشیرہ کے ساتھ مقیم رہے، اور یہیں ان کی ملاقات حضرت نجیب الدین متوکلؒ (جو حضرت بابا فریدؒ کے برادر حقیقی تھے) سے ہوئی، آپ نے محلہ سرائے نمک میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد یہ مکان بدل دیا اور زیر مسجد ہلال طشت دور قیام فرمایا، یہاں تک کہ آپ کی بیس (۲۰) سال کی عمر ہوگئی، اور تمام علوم میں مہارت تامہ حاصل ہوگئی، ایک دن آپ نے شیخ نجیب الدین سے عرض کیا کہ''شہر کا منصب قضا مل جائے تو بہتر ہے، حضرت شیخ نے تبسم کیا اور فرمایا ''نظام الدین! قاضی مشو چیزے دیگر شو'' نظام الدین! قاضی مت بنو، کچھ اور بن جاؤ تم ایک ایسے بادشاہ ہو گے کہ ایک عالم تمہارے زیر سایہ آرام پائے گا، اور تم ایسے ماہ منور ہو گے کہ سارا جہاں تمہارے نور سے منور ==

==ہوگا'' حضرت شیخ کی بات سن کر آپ کا ارادہ بدل گیا، اور تکمیل علم باطن کا ارداہ کرلیا، اسی اثناء ایک دن جامع مسجد میں صبح کی اذان کے وقت مؤذن نے منارہ پر یہ آیت کریمہ پڑھی: **الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ الآیۃ** اس آیت کریمہ کا سننا تھا کہ دل کی دنیا بدل گئی، پھر حضرت شیخ نجیب ؒ ہی کی وساطت سے آپ کو حضرت خواجہ فریدؒ کے حضور رسائی ہوئی، اور آپ پاک پٹن تشریف لے گئے، ۱۵/ رجب المرجب ۶۵۵ھ مطابق ۴/ اگست ۱۲۵۷ء روز چہارشنبہ کو پاک پٹن بابا فرید کی خدمت میں پہونچے، حضرت بابا فریدؒ سے آپ نے قرآن کریم کے چھ (۶) پارے تجوید کے ساتھ پڑھے، عوارف کے چھ باب کا درس لیا، تمہید ابوشکور سلمی اور بعض دیگر کتب بھی شیخ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، حضرت کی صحبت میں آپ درجۂ کمال کو پہونچے اور خرقۂ خلافت سے سرفراز کئے گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ بابا فریدؒ کی حیات میں پاک پٹن تین بار اور وصال کے بعد سات بار یعنی کل دس (۱۰) بار تشریف لے گئے، پہلی بار سات ماہ سترہ (۱۷) روز قیام فرمایا، پھر دو سال تک سالانہ حاضر ہوتے رہے۔

پیرومرشد نے ہندوستان کی ولایت سپرد کرکے آپ کو دہلی روانہ کیا، دہلی میں آپ نے ''رادت عرض'' کے مکان میں قیام فرمایا، یہ سہ منزلہ مکان تھا، اس میں کھڑکیاں اور طاق بہت زیادہ تھے، اوپر کی منزل پر سید محمد کرمانیؒ ٹھیرے، درمیانی منزل میں حضرت سلطان المشائخ اور نیچے درجہ میں اجودھن سے آئے ہوئے لوگ، دو سال کے بعد مالک مکان نے یہ مکان خالی کرالیا، اس کے بعد شیخ صدرالدینؒ کے مرید سعید کاغذی کے مکان کے بالاخانہ پر ایک ماہ رہے تھوڑے دنوں شادی گلابی کی حویلی میں بھی رہے، پھر چند سال آپ کے ایک عقیدت مند شمس الدین رکابدار کے مکان میں رہے۔

رکابدار صاحب کے مکان میں حضرت کو کوئی تکلیف نہیں تھی، لیکن شہری زندگی سے طبیعت اباء کرتی تھی، اور دل گوشۂ عافیت اور تنہائی کا متقاضی تھا، ایک دن اسی خیال میں حوض رانی چلے گئے اور اس کے کنارے بیٹھ کر اللہ پاک سے کسی گوشۂ تنہائی کی دعا مانگی، غیب سے ''غیاث پور کا اشارہ ملا، آپ نے یہ مقام نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا، اس کی دریافت کے لئے اپنے ایک دوست محمد نیشاپوریؒ کے گھر پہونچے، لیکن وہ گھر پر موجود نہیں تھے، معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گئے ہوئے ہیں، حضرت یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بالآخران کے گھر والوں کی مدد سے آپ غیاث پور پہونچے، دیکھا کہ ایک معمولی اور چھوٹا سا گاؤں ہے، آخر یہیں دریائے جمنا کے کنارے سکونت اختیار کرلی۔

انہی دنوں معزالدین کیقباد جو غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، اس نے موضع کیلوکھڑی میں جو کہ غیاث پور کے قریب ہی تھا قصر شاہی کی بنیاد ڈالی تھی اور نیا شہر آباد کیا تھا، اور مسجد جامع بھی وہیں بنوائی تھی، اس لئے موضع غیاث پور میں حضرت کی ولایت کا شہرہ سن کر لوگوں کی آمد و رفت بڑھنے لگی، جب کہ اسی بھیڑ سے بچنے کے لئے آپ نے دہلی سے نقل مکانی کی تھی، اس لئے اس مقام کو چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا، لیکن ایک مرد غیب نے آکر آپ کو اس ارادہ سے روک دیا، اور پھر آپ کہیں نہیں گئے۔

موضع غیاث پور میں جہاں آپ نے قیام فرمایا تھا، وہاں پہلے پھوس کے چھپر تھے، انہی چھپروں میں اپنے مریدین==

== کے ساتھ رہتے تھے، اگر کوئی معتقد خانقاہ بنانے کی خواہش ظاہر کرتا تو آپ منع فرمادیتے تھے، آخر ضیاء الدین وکیل عماد الملک نے خانقاہ بنانے کی التجا پیش کی، آپ نے انکار کردیا، پھر حضرت خواجہ ابوبکر چشتیؒ، خواجہ اقبالؒ، حضرت محمد کرمانیؒ، اور سید حسین کرمانیؒ جیسے اکابر کی سفارشات پر آپ نے اجازت دے دی، اور ایک ماہ میں خانقاہ تیار ہوگئی، یہ خانقاہ اب بھی مقبرۂ ہمایوں کے شمال میں موجود ہے، خانقاہ تیار ہونے کے بعد ضیاء الدین صاحب کا انتقال ہوگیا، ---اب یہ پوری آبادی بستی حضرت نظام الدینؒ کے نام سے جانی جاتی ہے۔

یہاں ابتدا میں حضرت کو فقر و فاقہ کا سامنا رہا، لیکن پھر ایک مجذوب کی آمد کے بعد جس نے کھولتی ہوئی ہنڈیا توڑ دی تھی، فتوحات کے دروازے کھل گئے، اس مجذوب نے کہا کہ آج سے تم ظاہر و باطن کے بادشاہ ہو''

سلطان علاء الدین خلجی نے یہاں وسیع و عریض خانقاہ تعمیر کرائی، آپ کی خانقاہ میں کافی بڑا لنگر چلتا تھا، کہا جاتا ہے کہ دو ہزار روپے روز کا خرچ تھا، لیکن خلجی کے بعد جب اس کا بیٹا قطب الدین خلجی حاکم دہلی ہوا، تو بعض وجوہات سے وہ حضرت کا مخالف ہوگیا، اور آنے جانے والوں اور ذرائع آمدنی پر کئی پابندیاں عائد کردیں، حضرت کو اس کی خبر ملی تو آپ نے لنگر کا خرچ دوگنا کردینے کا اعلان فرمایا، یعنی دو ہزار کی جگہ چار ہزار (۴۰۰۰) روپے، اور فرمایا کہ پیسے کی ضرورت ہو تو فلانے طاق سے لے لینا اور بسم اللہ کرکے خرچ کرنا۔ بادشاہ کو اس کی خبر ملی تو بہت شرمندہ ہوا---

کہتے ہیں کہ آپ کے پیر حضرت باباصاحبؒ نے دعا فرمائی تھی کہ "تمہارے باورچی خانے میں ہر روز تہتر (۷۳) من نمک استعمال ہو" اس دعا کا عملی مظاہرہ حضرت محبوب الٰہیؒ کی زندگی میں ہوا۔

سلطان قطب الدین خلجی کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ دیگر درباری علماء و مشائخ کی طرح حضرت بھی اس کے دربار میں حاضری دیں، لیکن آپ نے اس کی بات کبھی نہیں مانی، اس کی وجہ سے اس نے آپ کو بہت ستایا، لیکن اللہ پاک نے آپ کی حفاظت کی۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے تاعمر شادی نہیں کی، اور مجرد رہے، بڑے کرامات و واقعات آپ کی ذات گرامی سے وابستہ ہیں، اکانوے (۹۱) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، موت سے چالیس (۴۰) دن قبل آپ نے کھانا ترک کردیا تھا، اور آخری ایام میں ہر نماز دوبار پڑھتے تھے، آٹھ (۸) روز تک آپ کا پیشاب بند رہا، آپ نے لنگر سمیت اپنی تمام ذاتی چیزیں لوگوں میں تقسیم کردیں، بروز جمعرات ۱۸ / ربیع الاول ۷۲۵ھ مطابق ۱۱ / مارچ ۱۳۲۵ء کو وصال پر ملال ہوا، اخبار الاخیار میں تاریخ وفات بعد طلوع آفتاب بروز چہارشنبہ ۱۷ / ربیع الاول ۷۲۵ھ درج ہے، ممکن ہے کہ ۱۷ کو وفات ہوئی ہو اور رات دیر گئے تدفین عمل میں آئی ہو، بعض لوگوں (مثلاً مخبر الواصلین) نے آپ کی عمر چورانوے (۹۴) سال لکھی ہے، تاریخ نظامی میں تاریخ وفات ۱۸ / ربیع الثانی ۷۲۵ھ مطابق ۱۰ / اپریل ۱۳۲۵ء تحریر کی گئی ہے، سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے ایک ماہ اور اٹھارہ دن قبل فوت ہوا تھا۔

آپ کے خلفاء اور مریدین کی تعداد حد و شمار سے فزوں تر ہے، آپ کے ملفوظات و افادات کا مجموعہ حضرت امیر حسن ==

جو سلسلۂ نہم میں گذرا)(۴۴۱)

==علائی سنجریؒ (م ۷۳۸ھ/ ۱۳۳۷ء) نے ''فوائد الفواد'' کے نام سے مرتب کیا، جس کو شہرۂ آفاق حیثیت حاصل ہوئی ،حضرت محبوب الٰہیؒ کی زندگی میں یہ کتاب مرتب ہوگئی تھی ،اس کتاب کی تدوین ۷۰۲ھ/ ۱۳۰۳ء میں شروع ہوئی ۷۱۷ھ/ ۱۳۱۷ء میں مکمل ہوئی ،حضرت محبوب الٰہی نے خوش ہوکر مرتب کو اپنا جبۂ مبارک عنایت فرمایا، خواجہ امیر خسروؒ نے ہدیۂ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''حسن! اپنی کتاب مجھے دے دو اور میری زندگی کی ساری تحریریں تم لے لو''۔
حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے قریب ایک سو (۱۰۰) سال کی زندگی پائی ،اس دوران آپ نے سات (۷) بادشاہوں کا عہد حکومت دیکھا، جن میں کچھ آپ کے معتقد تھے اور کچھ حاسد ومخالف ،وہ سات بادشاہ یہ ہیں: ۱- سلطان غیاث الدین بلبن (م ۶۸۶ھ/ ۱۲۸۷ء)، ۲- سلطان معز الدین کیقباد (م ۶۸۹ھ/ ۱۲۹۰ء) یہ بادشاہ آپ کا معتقد تھا، ۳- سلطان جلال الدین خلجی (م ۶۹۹ھ/ ۱۳۰۰ء)، یہ بھی آپ کا معتقد تھا، ۴- سلطان علاء الدین خلجی (م ۶/ شوال ۷۱۵ھ مطابق/ جنوری ۱۳۱۶ء)، ناخواندہ بادشاہ تھا اور آپ کا معتقد تھا، ۵- سلطان قطب الدین خلجی (م ۲۹/ شوال ۷۲۰ھ مطابق ۹/ دسمبر ۱۳۲۰ء)، یہ آپ کا سخت مخالف تھا، اس کے بعد وقتی طور پر خسرو خان نے حکومت پر قبضہ کیا تھا، لیکن غیاث الدین تغلق کے آنے کے بعد الگ ہوگیا، خسرو خان حضرت کا معتقد تھا، ۶- غیاث الدین تغلق (م ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء)، یہ آپ کا مخالف تھا، ۷- محمد تغلق (م ۲۱/ محرم الحرام ۷۵۲ھ مطابق ۲۷/ مارچ ۱۳۵۱ء) یہ آپ کا معتقد تھا (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۷۵ تا ۱۹۳، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ اخبار الاخیار ص ۱۲۹ تا ۱۴۱ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۷۵۱، ۷۵۲ ☆ تاریخ نظامی ص ۷ تا ۲۷ مؤلفہ پیر ضامن نظامی سید بخاری سابق سجادہ نشیں درگاہ حضرت نظام اولیاء، ناشر: پیرزادہ خواجہ احمد نظامی، منیجت کتب خانہ نظامی دہلی)
(۴۴۱) تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۱۲ مؤلفہ جناب محمد رضا انصاری

(۱۱)

سلسلۂ یازدہم

سلسلہ چشتیہ صابریہ مجددیہ

سلسلہ چشتیہ-طریق سوم

حضرت منورویؒ کو سلسلۂ چشتیہ کی تیسری نسبت خانقاہ مظہریہ دہلی سے حاصل ہوئی، یہ سلسلہ اویسیہ نہیں، متصلہ ہے، اس سے قبل سلسلۂ چہارم نقشبندیہ کے تحت عرض کیا گیا ہے، کہ حضرت منورویؒ ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ (ولادت: ۲۷/ ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۶/ جنوری ۱۸۵۶ء وفات: ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶/ فروری ۱۹۲۳ء) سے بیعت ہوئے تھے، اور حضرت شاہ صاحبؒ سے آپ کو نسبت مجددیہ حاصل ہوئی تھی، نسبت مجددیہ ایک جامع نسبت ہے اس میں سات (۷) سلاسل (نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ صابریہ و نظامیہ، سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ) کی نسبتیں موجود ہیں (۴۴۲)، جن کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے، اور خانقاہ مظہریہ کی روایت حسب حال ومقام ان ساتوں سلاسل میں اجازت دینے کی رہی ہے، جن کو اجازت عامہ یا اجازت مطلقہ کہا جاتا ہے، اکثر چار سلاسل - نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ - کی اجازت دی جاتی تھی، پھر اجازت عامہ دی جاتی تھی، اس روایت کے مطابق حضرت منورویؒ کو حاصل شدہ نسبت مجددیہ کے ضمن میں نسبت چشتیہ بھی بالیقین شامل تھی، البتہ اس کی ایک علٰحدہ اجازت آپ کو حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ (ولادت ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۳/ نومبر ۱۹۰۶ء وفات ۱۷/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱/ دسمبر ۱۹۹۳ء) سے بھی حاصل ہوئی، اور اسی لئے حضرت منورویؒ نے اپنی کتاب ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' میں سلسلۂ چشتیہ کا جو شجرۂ منظومہ شائع کیا تو اس میں حضرت مولانا زید ابوالحسن صاحبؒ کا اسم گرامی بھی بحیثیت مرشد شامل فرمایا۔ (۴۴۳)

(۴۴۲) مقامات خیر ص ۵۱۱ تا ۵۲۰ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ

(۴۴۳) واضح رہے کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ سے حضرت منورویؒ کے رابطہ کی تمام تر تفصیلات خود حضرت مولانا زید صاحب کی گفتگو سے ماخوذ ہیں، جو انھوں نے میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت ==

==برکاتہم کے سامنے ارشاد فرمائی تھی، والد ماجد خود بھی حضرت مولانا زیدؒ کی نسبت واجازت سے سرفراز ہیں، اس لئے آپ کا درجہ اس باب میں صاحب البیت کا ہے، کئی کئی ہفتے والد صاحب کا حضرت کے پاس میں قیام رہتا تھا، اور خلوت وجلوت دونوں طرح کی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقعہ ملا ہے، اس لئے پوری تفصیل اور یکگونہ بے تکلفی کے ساتھ حضرت سے والد صاحب کی گفتگو ہوتی تھی، یہ خصوصیت حضرت منورویؒ کے حلقہ میں شاید ہی کسی کو حاصل ہو، خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ سے حضرت منورویؒ کے روابط کے بارے میں زیادہ تر معلومات حضرت مولانا زیدؒ سے ہی حاصل ہوئیں، ورنہ حضرت منورویؒ تو سراپا تواضع وایثار اور فنائیت واخفا کا پیکر تھے، انہوں نے ہمیشہ اپنے حالات کا اخفا کیا۔

ایسی صورت حال میں کسی بیرونی شخص (جس کا مبلغ علم دین اور روحانیت کی مبادیات سے زیادہ نہ ہو) کے استفسار پر حضرت منورویؒ نے کسی مجلس میں چند جملے ارشاد فرما دیئے، تو اسی کو پوری حقیقت تصور کرلینا نادانی کی بات ہے، سوائے ان لوگوں کے جو پورے پس منظر سے واقف ہوں کوئی ان جملوں کی مدد سے اصل حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا، اس تناظر میں کہی گئی اکثر باتیں قیاس آرائی اور قصہ گوئی تو ہوسکتی ہیں، مگر حقیقت امر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اجازت کے لئے بیعت شرط نہیں ہے

نیز تصوف کی تاریخ اور تعلیمات اور مختلف مشائخ کی طرف سے اجازتوں کے واقعات کی روشنی میں یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ کسی کامل کو کامل کی طرف سے کسی نسبت کی اجازت کے لئے باقاعدہ بیعت وارادت کی ضرورت نہیں ہے، حضرت منورویؒ ابتدائے عہد ہی میں سلسلۂ مجددیہ میں حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ سے بیعت ہوئے تھے، جس میں نسبت چشتیہ بھی شامل تھی، حضرت منورویؒ کو آپ سے نسبت مجددیہ مظہریہ حاصل ہوئی، جب کہ حضرت منورویؒ اس سے قبل اپنے نانا بزرگوار سے بھی سلسلۂ قادریہ اور چشتیہ میں مجاز ہوچکے تھے، پھر حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ کے وصال کے بعد دیگر مشائخ سے بھی کئی نسبتیں اور مقامات حاصل ہوئے، اور تقریباً پینتیس چالیس کے بعد (تقریباً ۱۹۵۵ء میں) دہلی تشریف آوری کے موقعہ پر حضرت مولانا زید صاحبؒ سے آپ کی ملاقات ہوئی اور انہوں نے بھی اپنی طرف سے نسبت چشتیہ کی اجازت مرحمت فرمائی، ظاہر ہے کہ اس کو اصطلاحی بیعت وارشاد سے کیا واسطہ؟ لیکن چونکہ چشتیہ میں حضرت مولانا زید صاحبؒ کی نسبت بھی شامل ہوگئی تھی، اس لئے شجرۂ منظومہ میں حضرت منورویؒ نے ان کا نام بھی شامل فرمایا۔

شجرہ میں نام کی شمولیت کے لئے پیر طریق ہونا لازم نہیں

واضح رہے کہ شجرہ میں نام کی شمولیت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ باقاعدہ پیر طریق ہی ہو، شجرہ میں برکت وعقیدت کی بنیاد پر بھی نام شامل کیا جاتا ہے، جیسا کہ حضرت سید عبدالرزاق بے کمر بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) کے حالات میں آپ کے اسماء شجرہ پر بحث کرتے ہوئے آپ کے سیرت نگار حضرت مولانا محمد رضا انصاری رقمطراز ہیں کہ:

"بعض مخطوطوں سے مترشح ہوتا ہے کہ شیخ عبدالواحد تمیمی (م ۴۲۵ھ) کو شیخ عبدالعزیز تمیمی (یا یمنی، بنی تمیم کی طرف منسوب) سے بیعت نہیں تھی، بلکہ عقیدت تھی، اور فرط عقیدت سے ان کا نام بھی شجرے میں شامل کرلیا"

(تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۰۴ مؤلفہ محمد رضا انصاری صاحب بحوالہ الاسرار العالیۃ (مخطوطہ)

اور شیخ اول حضرت نانا محترم سے جو آپ کو نسبت چشتیہ حاصل ہوئی تھی اس کے چونکہ دونوں سلسلے اویسی ہیں، متصل نہیں ہیں، غالباً اسی لئے حضرت کی کتاب چشت میں ان کا ذکر نہیں آیا۔

مشائخ سلسلہ چشتیہ صابریہ مجددیہ

اس سلسلہ کے مشائخ کی ترتیب حضرت منورویؒ کے مرتب کردہ شجرۂ منظومہ کے مطابق حسب ذیل ہے(۴۴۴):

(۱) حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ (ولادت ۲۵ / رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۳ /نومبر ۱۹۰۶ء وفات ۱۷ / جمادی الثانیہ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱ / دسمبر ۱۹۹۳ء) بلحاظ اجازت

(۲) حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ (ولادت: ۲۷ / ربیع الآخر ۱۲۷۲ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۸۵۶ء وفات: ۲۹ / جمادی الثانیہ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۶ /فروری ۱۹۲۳ء) بلحاظ بیعت

(۳) حضرت ابوالسعادات شاہ محمد عمرؒ (ولادت ۱۲۴۴ھ مطابق ۱۸۲۹ء- وفات ۱۲۹۸ء ۱۸۸۰ء

(۴) حضرت ابوالمکارم شاہ احمد سعیدؒ (ولادت ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء- وفات ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸۶۰ء)

(۵) حضرت زکی القدر شاہ ابوسعید مجددیؒ (ولادت ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ء -وفات ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۵ء

(۶) حضرت شاہ عبداللہ المعروف بہ شاہ غلام علی دہلویؒ (ولادت ۱۱۵۶ھ/ ۱۷۴۳ء وفات

(۴۴۴) مقامات خیر میں سلسلۂ چشتیہ کا جو شجرہ شائع کیا گیا ہے اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے درمیان بالترتیب تین (۳) نام حضرت منورویؒ کے شجرہ سے مختلف ہیں، مقامات خیر میں حضرت مجددؒ کے بعد تین نام اس طرح ہیں: حضرت محمد سعیدؒ (ولادت شوال ۱۰۰۵ھ/مئی ۱۵۹۷ء-وفات ۲۷ / جمادی الثانیہ ۱۰۷۰ھ مطابق ۹ / مارچ ۱۶۶۰ء)، حضرت عبدالاحد وحدتؒ (م ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء)، اور حضرت شیخ محمد عابد سنامی مجددیؒ (م ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ءؒ (مقامات خیر ص ۵۱۵ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ)

جبکہ حضرت منورویؒ کے شجرہ میں حضرت مجددؒ کے بعد دیئے گئے نام یہ ہیں: حضرت خواجہ محمد معصومؒ، حضرت خواجہ سیف الدینؒ، اور حضرت نور محمد بدایونیؒ (مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت ص ۱۰۹ مؤلفہ حضرت منورویؒ، ناشر: جناب محمد لقمان صاحب قادری عرف میگھو مقام مانسکول ضلع پچھم دیناجپور بنگال، نومبر ۱۹۶۱ء)

۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء)

(۷) حضرت حبیب اللہ میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ (ولادت ۱۱۱۱ھ یا ۱۱۱۳ھ/ ۱۷۰۰ء یا ۱۷۰۱ء وفات ۱۱۹۵ھ/ ۱۷۸۱ء)

(۸) حضرت سید السادات نور محمد بدایونیؒ (م ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۳ء)

(۹) قطب العارفین محی السنۃ حضرت خواجہ سیف الدین مجددی سرہندیؒ (ولادت ۱۰۴۹ھ/ ۱۶۳۹ء وفات ۱۰۹۶ھ/ ۱۶۸۵ء)

(۱۰) عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (ولادت ۱۰۰۷ھ م ۱۵۹۹ء وفات ۱۰۷۹ھ م ۱۶۶۸ء)

(۱۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (ولادت ۹۷۱ھ م ۱۵۶۴ء وفات ۱۰۳۴ھ م ۱۶۲۴ء)

(۱۲) حضرت مولانا شیخ عبدالاحد سرہندیؒ (م ۱۷/ رجب المرجب ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۳/ فروری ۱۵۹۹ء یا ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۷ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۱۵۹۸ء)(۴۴۵)

(۴۴۵) حضرت شیخ عبدالاحدؒ کا شجرۂ نسب حضرت شیخ شہاب الدین فرخ کابلیؒ تک پہونچتا ہے، آپ علوم ظاہری کی تحصیل و تکمیل میں مصروف تھے، کہ جذبۂ محبت الٰہی کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اس زمانہ کے شہرۂ آفاق چشتی صابری بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء) کی خدمت میں حاضری دی، اور ان کے دست مبارک پر سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں شرف بیعت حاصل کیا، پیرومرشد نے ضروری تعلیم و تلقین کے بعد علم ظاہر کی تکمیل کا حکم دیا، اور فرمایا کہ علم کے بغیر درویش بےنمک کھانے کے مانند ہوتا ہے، آپ نے پیرومرشد کی کبرسنی کا خیال کرتے ہوئے عرض کیا، کہ حضرت مجھے خوف ہے کہ علوم دین کی تکمیل کر کے یہاں حاضر ہوا تو شاید یہ دولت ہاتھ نہ لگے، حضرت شیخ گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا: ''اگر میں حیات نہ رہا تو میرے فرزند رکن الدین سے یہ دولت حاصل کر لینا''

آپ پیرومرشد کے حکم کے مطابق واپس جا کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے، اسی دوران حضرت کے وصال کی خبر ملی اور آپ کا وہ اندیشہ درست ثابت ہوا، اور بےحد صدمہ پہونچا۔

علم ظاہر سے فراغت کے بعد مختلف شہروں کی سیاحت کی اور کئی بزرگوں سے استفادہ کے بعد حضرت شیخ رکن الدینؒ (م ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اپنے صاحبزادے حضرت شیخ رکن الدینؒ کو حضرت شیخ الاحدؒ کے بارے میں ہدایت فرما گئے تھے، اس لئے حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کے ساتھ بہت شفقت اور خصوصیت کا معاملہ فرمایا، اور بہت جلد آپ نے منازل سلوک طے کر کے ۹۷۹ھ/ ۱۵۷۱ء، ۱۵۷۲ء میں قادریہ اور چشتیہ صابریہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے، حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کو فصیح و بلیغ عربی ==

==زبان میں تحریری خلافت نامہ عطا فرمایا تھا، جو برکات احمدیہ (زبدۃ المقامات) میں درج ہے۔

آپ نے سرہند شریف سے چار فرسنگ دور قصبہ پائل میں حضرت شاہ کمال کیتھلی قادریؒ (م ۹۸۱ھ/ ۱۵۷۳ء) کی خدمت میں رہ کر سلسلۂ قادریہ کے فوائد و برکات بھی اخذ کئے، اور ان سے نسبت فردیت وخلافت حاصل کی، آپ نے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پوتے حضرت شاہ سکندر قادریؒ (م ۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء) سے بھی استفادہ کیا۔

علاوہ ازیں آپ نے کابل سے بنگال تک سیاحت فرمائی، اور اس دوران حضرت شیخ اللہ دادؒ، مولانا فخر الدینؒ، حضرت سید علی قوام نظامیؒ (جونپور) اور دیگر مشائخ سے بھی استفادہ کیا، اور پھر سرہند واپس تشریف لائے، اور آخر تک یہیں مقیم رہے۔

آپ کو تمام علوم پر کامل دسترس حاصل تھی، فقہ واصول میں آپ کی نظیر نہیں تھی، اصول بزدوی کی تدریس میں آپ کو خاص شہرت حاصل تھی، کتب تصوف میں تعرف، عوارف المعارف، اور فصوص الحکم بھی بڑی عمدگی سے پڑھاتے تھے۔

آپ تحقیق وذوق کے لحاظ سے حضرت شیخ ابن العربی (م ۶۳۸ھ/ ۱۲۴۰ء) کے مشرب پر تھے، مگر شریعت کا ضبط واحترام بھی پوری طرح قائم تھا، زبان سے سکر وشطحیات کی کوئی بات نہیں نکلتی تھی، مسئلۂ وحدت الوجود کی تفہیم وجودی طریقے سے کرتے تھے--- آپ پر بے نفسی اور تفرید کا غلبہ تھا، شاگردوں کی کثرت کے باوجود کبھی کسی سے کوئی خدمت نہیں لیتے تھے، گھریلو ضروریات کی اشیاء خریدنے کے لئے خود بازار جایا کرتے تھے۔

آپ کی بیعت وخلافت گو سلسلۂ چشتیہ وقادریہ میں تھی، مگر آپ سلسلۂ نقشبندیہ سے کمال اشتیاق کا اظہار کرتے اور اس کے متعلق بلند کلمات فرماتے تھے، اور اسی چیز نے آپ کے صاحبزادے حضرت مجددؒ کو سلسلۂ نقشبندیہ کا اسیر کیا۔ اور پھر یہ خاندان ساری دنیا میں نقشبندیت کی ایک علامت بن گیا۔

آپ کی شادی اٹاوہ کے نزدیک سکندرہ کے مقام پر ایک معزز گھرانہ میں ہوئی، آپ کی تمام اولاد امجاد انہی کے بطن سے پیدا ہوئیں، اللہ پاک نے آپ کو سات (۷) صاحبزادے عطا فرمائے۔

آپ کا آخری وقت آیا تو کئی بار ارشاد فرمایا کہ: بات وہی ہے جو شیخ نے فرمائی تھی، حضرت مجدد صاحبؒ حاضر خدمت تھے، انہوں نے سمجھا کہ شیخ سے مراد شیخ ابن عربیؒ ہیں، لیکن آپ کے پوچھنے پر فرمایا کہ نہیں، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، انہوں نے دریافت کیا کہ وہ بات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''حقیقت میں حق سبحانہ تعالیٰ ہستی مطلق ہے، لیکن لباس کونیہ محجوبوں کی آنکھ پر ڈال کر انہیں دور ومہجور رکھتا ہے''۔

آپ کا وصال اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۷ / رجب المرجب ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۳ /فروری ۱۵۹۹ء کو وصال فرمایا، بعض مؤرخین نے آپ کی تاریخ وصال ۲۷ / جمادی الاولیٰ ۱۰۰۷ھ مطابق ۲۶ / دسمبر ۱۵۹۸ء لکھی ہے، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے--- اولاد اور مریدین کے علاوہ کئی اہم تصنیفات (مثلاً کنوز الحقائق، اسرار التشہد) یادگار چھوڑیں (تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۲۰۹ تا 215 مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)

(۱۳) حضرت شاہ رکن الدین گنگوہیؒ (ولادت ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۸۹۷ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۱۴۹۲ء وفات ۱۵/ ذی الحجہ ۹۷۵ھ مطابق ۲۰/ جون ۱۵۶۸ء یا ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴ء یا ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء)(۴۴۶)

(۱۴) قطب العالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (ولادت ۸۵۲ھ یا ۸۶۰ھ/ ۱۴۴۸ء یا ۱۴۵۶ء وفات ۲۰/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۳/ دسمبر ۱۵۳۷ء یا ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء یا ۲۳/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۶/ دسمبر ۱۵۳۷ء یا ۹۴۰ھ/ ۱۵۳۳ء یا ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء)(۴۴۷)

(۴۴۶) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے فرزند دوم اور سچے جانشین ہیں، طریقۂ چشتیہ کے مشہور اکابر میں ہیں، اسم گرامی ''محمد'' اور ''رکن الدین'' سے مشہور ہیں، آپ کی پیدائش شاہ آباد میں ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۸۹۷ھ مطابق ۲۳/ مارچ ۱۴۹۲ء کو ہوئی، جیسا کہ آپ نے خود ''لطائف قدوسی'' میں تحریر کیا ہے، بڑے ہوئے تو علوم ومعارف کے اشتیاق میں مرکز علم وفن دہلی تشریف لے گئے، اور وہاں شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین دہلویؒ، شیخ سید احمد الحسینی الملتانیؒ، اور شیخ ابراہیم بن معین الحسینیؒ سے درسیات کی جملہ کتابیں پڑھیں، علم ظاہر سے فراغت کے بعد علم باطن کے لئے اپنے والد ماجد حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے رجوع ہوئے، اور درجۂ کمال تک پہونچے، سلسلۂ قادریہ کی تعلیم اپنے استاذ شیخ ابراہیم الحسینیؒ سے حاصل کی، شیخ رکن الدین کے مقام کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو، تو شیخ جلال الدین تھانیسریؒ، اور عزیزم مولانا رکن الدین کو پیش کردوں گا، آپ صاحب تصنیف بزرگ ہیں، مرج البحرین، لطائف قدوسیہ، اور مکتوبات کئی کتابیں یادگار چھوڑیں، آپ کا وصال ۱۵/ ذی الحجہ ۹۷۵ھ مطابق ۲۰/ جون ۱۵۶۸ء یا ۹۷۲ھ/ ۱۵۶۴ء یا ۹۸۳ھ/ ۱۵۷۵ء میں گنگوہ میں ہوا، مزار مبارک گنگوہ میں ہے (نزھۃ الخواطرج ۴ ص ۱۱۴ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی ☆ حضرت مجدد الف ثانی ص ۵۸ مؤلفہ شاہ زوار حسین، بحوالہ زبدۃ المقامات ص ۱۰۱، ۱۰۲ ☆ مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز ص ۱۰۰ مؤلفہ حضرت منورویؒ ☆ تذکرہ اکابر گنگوہ ج ۱ ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ مرتبہ مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی، ناشر: مکتبہ شریفیہ گنگوہ، ۱۴۳۵ھ)

(۴۴۷) آپ کا اسم گرامی ''اسمٰعیل اور لقب'' شاہ عبدالقدوس'' ہے، اپنے لقب ہی سے زیادہ مشہور ہیں، بعض لوگوں نے اسمٰعیل آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی قرار دیا ہے، اور سلسلۂ نسب اس طرح تحریر کیا ہے: شاہ عبدالقدوس بن اسمٰعیل، بن صفی، بن نصیر الحنفی الردولوی الگنگوہی۔

آپ کی ولادت ۸۵۲ھ یا ۸۶۰ھ/ ۱۴۴۸ء یا ۱۴۵۶ء (علیٰ اختلاف الروایۃ) میں ہوئی، آپ ردولی شریف کے رہنے والے ہیں، پینتیس (۳۵) سال آپ کا قیام ردولی شریف میں رہا، ۸۹۶ھ/ ۱۴۹۱ء میں عمر خان کاشی (جو سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے تھے) کی خواہش واصرار پر آپ شاہ آباد تشریف لے گئے، اور پینتیس (۳۵) سال ==

(۱۵) حضرت شیخ محمدؒ (م ۱۷/ صفر ۸۹۸ھ مطابق ۱۶/ دسمبر ۱۴۹۲ء) (۴۴۸)

== سال وہاں بھی مقیم رہے، ۹۳۲ھ/ ۱۵۲۶ء میں ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں آپ گنگوہ تشریف لائے، اور یہاں چودہ (۱۴) سال قیام فرما کر وصال فرمایا اور یہیں کی نسبت سے مشہور ہوئے۔

علوم ظاہرہ و باطنہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا، آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن ہی میں صاحب کرامات ہو گئے تھے، آپ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارفؒ کے خلفاء میں ہیں، لیکن آپ نے حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کی روحانیت سے بھی استفادہ کیا، جیسا کہ حضرت نے اپنی کتاب ''انوار العیون'' میں اس کی صراحت کی ہے، اور حضرت کی ہی روحانیت نے آپ کو اپنے پوتے حضرت شیخ محمد بن شیخ عارفؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تھی، آپ کو اپنے شیخ کے علاوہ شیخ قاسم اودھیؒ (جو سلسلۂ سہروردیہ کے اکابر میں ہیں) سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔

آپ کا پیشہ زراعت تھا، لیکن اس کی آمدنی کا بڑا حصہ فقراء میں تقسیم کر دیتے تھے--- آپ کو سماع کا ذوق تھا، اور مجلس سماع میں بڑے شوق سے شرکت فرماتے تھے۔

آپ ایک صاحب تصنیف عالم تھے، مؤلفات میں ایک کتاب ''انوار العیون'' مشہور ہے، جس کو سات فنون پر مرتب کیا گیا ہے، اور حقائق و دقائق تصوف سے لبریز ہے، اس میں فن اول کا زیادہ حصہ حضرت شیخ عبدالحق کے حالات پر مشتمل ہے، ان کے علاوہ تعلیقات علی شرح الصحائف (علم کلام کے موضوع پر)، حاشیۃ التعرف شرح بسیط عوارف المعارف، مرآۃ الاسرار، اقتباس الانوار، اور انوار العارفین بھی آپ کی اہم کتابیں ہیں۔

آپ کے سات (۷) صاحبزادے تھے اور سب ہی صاحب فضل و کمال ہوئے، آپ کا وصال چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں بحالت نماز ۲۰/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۳/ دسمبر ۱۵۳۷ء کو ہوا (یہ آپ کے صاحبزادہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کی کتاب ''لطائف قدوسی'' کے مطابق ہے) بعض لوگوں نے ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء لکھا ہے (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۵۸ حاشیہ مؤلفہ مولانا شاہ زوار حسینؒ) بعض نے ۲۳/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۶/ دسمبر ۱۵۳۷ء اور بعض نے ۹۴۰ھ/ ۱۵۳۳ء لکھا ہے، ایک قول ۹۲۵ھ/ ۱۵۱۹ء کا بھی ہے، مگر شیخ زکریا صاحبؒ نے اول الذکر ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء کے قول کو ترجیح دی ہے (اخبار الاخیار ص ۴۵۰ تا ۴۵۴ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۳ تا ۲۰۹ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریاؒ، بحوالہ خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، افاضات یومیہ، السنۃ الجلیۃ، حق السماع)

(۴۴۸) آپ حضرت شیخ عارف بن شیخ عبدالحقؒ کے صاحبزادے اور سچے جانشین ہیں، آپ پر اکثر استغراق کا غلبہ رہتا تھا، وصال کا وقت قریب آیا تو اپنے صاحبزادے شیخ الاولیاء معروف بہ شیخ بدھؒ اور مرید خاص حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (جو اس وقت شاہ آباد میں تھے) طلب فرمایا، نزع کا وقت تھا، سکر سے جب بھی ہوش میں آتے فرماتے الحمد اللہ سمجھ گیا'' حضرت گنگوہیؒ نے دریافت کیا کہ'' کیا چیز سمجھ گئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توحید مطلق کو سمجھ گیا، اس کے بعد آپ نے اپنی تمام امانات و معارف اور اسم اعظم وغیرہ جو مشائخ سے ملتی آ رہی تھیں حضرت مولانا شیخ عبد==

(۱۶) حضرت شیخ احمد عارفؒ (م ۱۷/صفر ۸۵۹ھ مطابق ۱۴/فروری ۱۴۵۵ء یا ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء) (۴۴۹)

(۱۷) حضرت مخدوم شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ (ولادت ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء- وفات ۱۵/جمادی الثانیہ ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ مطابق ۱۴/فروری ۱۴۳۳ء یا ۱۴۳۴ء)

(۱۸) حضرت کبیر الاولیاء جلال الدین پانی پتیؒ (ولادت ۶۹۵ھ/۱۲۹۶ء- وفات ۱۳/ربیع الاول یا ذی قعدہ ۷۶۵ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۳۶۳ء)

(۱۹) حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ (م ۱۹/شعبان یا ۱۰/جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ ۷۱۵ھ یا ۷۱۸ھ یا ۷۱۹ھ مطابق ۲۵/نومبر یا ۲۸/اگست یا ستمبر ۱۳۱۵ء یا ۱۳۱۸ء یا ۱۳۱۹ء)

(۲۰) شیخ المشائخ حضرت خواجہ علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ (ولادت ۵۹۲ھ/۱۱۹۶ء- وفات ۱۳/ربیع الاول ۶۹۰ھ مطابق ۲۲/مارچ ۱۲۹۱ء)

(۲۱) حضرت شیخ الاسلام فرید الحق والدین گنج شکر اجودھنی فاروقیؒ (ولادت ۵۸۲ھ یا ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ/۱۱۸۶ھ یا ۱۱۸۸ء یا ۱۱۸۹ء یا ۱۱۷۳ء وفات ۵/محرم الحرام ۶۶۴ھ یا ۶۶۶ھ یا ۶۶۷ھ یا ۶۶۸ھ یا ۶۷۰ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۲۶۵ء یا ۱۲۶۷ء یا ۱۲۶۸ء یا ۱۲۶۹ء یا ۱۲۷۰ء)

(۲۲) قطب الاقطاب حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ (ولادت ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء- وفات ۱۴/یا ۲۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۳ یا ۱۳/دسمبر ۱۲۳۵ء یا ۱۲۳۶ء)

(۲۳) امام الطریق خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین سجزی چشتی

== عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حوالے کیا، آپ کی وفات کا صحیح حال معلوم نہیں ہے، مگر شجرات کے مطابق تاریخ وفات ۱۷/صفر ۸۹۸ھ مطابق ۱۶/دسمبر ۱۴۹۲ء ہے، آپ کے صاحبزادے بھی صاحب فضل وکمال ہوئے، ان کو باپ سے خلافت حاصل تھی، اور بعض لوگوں کے مطابق ان کی تکمیل حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے پاس ہوئی (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۱، ۱۹۲ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریاؒ)

(۴۴۹) آپ کا اسم گرامی ''عارف'' اور بقول بعض شیخ احمد ہے، آپ حضرت شیخ عبدالحق ردولویؒ کے صاحبزادے اور سچے جانشین ہیں، علم شریعت اور طریقت کے جامع تھے، والد کے وصال کے بعد سجادہ نشین ہوئے، والد کے وصال کے وقت آپ کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی، اور شیخ کامل ہو چکے تھے، آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، بعض لوگوں نے ۱۷/صفر ۸۵۹ھ مطابق ۱۴/فروری ۱۴۵۵ء لکھا ہے، بعض نے ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء لکھا ہے، مزار مبارک ردولی شریف میں ہے (تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۰، ۱۹۱ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریاؒ)

اجمیریؒ (ولادت ۵۳۷ھ/ ۱۱۴۲ء-وفات ۶ / رجب المرجب یوم دوشنبہ ۶۳۲ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۲۳۵ء)

(۲۴)حضرت خواجہ ابوالنورعثمان ہارونیؒ (ولادت ۵۲۶ھ/ ۱۱۳۲ء وفات ۵ /شوال المکرم ۶۱۷ھ یا ۶۰۳ھ یا ۵۶۷ھ یا ۵۹۷ھ یا ۶۳۳ھ مطابق ۹ / دسمبر ۱۲۲۰ء یا ۱۲۰۷ء یا ۱۱۷۲ء یا ۱۲۰۱ء یا ۱۲۳۶ء)

(۲۵)حضرت خواجہ نیرالدین حاجی شریف زندنیؒ (ولادت ۴۹۲ھ/ ۱۰۹۹ء - وفات ۳ یا ۱۰ / رجب المرجب ۶۱۲ھ مطابق ۳ یا ۱۰ /نومبر ۱۲۱۵ء، یا ۵۸۴ھ/ ۱۱۸۸ء یا ۵۸۰ھ/ ۱۱۸۴ء)

(۲۶) قطب الاقطاب حضرت خواجہ مودود چشتیؒ (ولادت ۴۳۰ھ/ ۱۰۳۹ء-وفات یکم رجب ۵۲۷ھ مطابق ۱۴ /مئی ۱۱۳۳ء)

(۲۷)خواجہ سید ناصرالدین ابو یوسف بن سمعان الحسینی الچشتیؒ (م ۳ /رجب المرجب ۴۵۹ھ مطابق ۲۵ /مئی ۱۰۶۷ء)

(۲۸)حضرت خواجہ ناصح الدین محمد ابومحمد بن ابی احمد چشتیؒ (ولادت یکم محرم الحرام ۳۳۱ھ مطابق ۱۹ /ستمبر ۹۴۲ء وفات ۱۴ / ربیع الاول ۴۱۱ھ مطابق ۱۳ / جولائی ۱۰۲۰ء یا یکم رجب ۴۱۱ھ مطابق ۲۶ / اکتوبر ۱۰۲۰ء)

(۲۹) قطب العالمین قدوۃ الدین حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتیؒ (ولادت ۶ / رمضان المبارک ۲۶۰ھ مطابق ۲۸ / جون ۸۷۴ء-وفات یکم یا ۳ / جمادی الثانیہ ۳۵۵ھ مطابق ۳۱ /مئی ۹۶۶ء)

(۳۰)حضرت خواجہ ابواسحاق شامیؒ (م ۱۴ / ربیع الثانی ۳۲۹ھ مطابق ۲۰ /جنوری ۹۴۱ء)

(۳۱)حضرت کریم الدین منعم خواجہ علومشا د دینوریؒ (م ۱۴ /محرم الحرام ۲۹۹ھ مطابق ۱۵ /ستمبر ۹۱۱ء یا ۲۹۷ھ/ ۹۰۹ء یا ۲۹۸ھ/ ۹۱۰ء)

(۳۲)حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ یا ابوہبیرہ بصریؒ (ولادت ۱۶۷ھ/ ۷۸۳ء-وفات ۷ / شوال المکرم ۲۸۷ھ مطابق ۹ / اکتوبر ۹۰۰ء یا ۲۷۹ھ/ ۸۹۳ء)

(۳۳)حضرت خواجہ سدید الدین حذیفہ المرعشیؒ (م ۷ /شوال ۲۷۶ھ مطابق ۵ /فروری ۸۹۰ء یا ۲۴ /شوال ۲۵۲ھ مطابق ۱۰ /نومبر ۸۶۶ء یا ۱۴ یا ۲۴ /شوال ۲۰۲ھ مطابق ۲۸ / اپریل ۸۱۸ء یا ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ھ)

(۳۴) حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادہم بن منصورؒ (م بروز جمعہ ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۲۸۰ھ مطابق ۱۸ / اگست ۸۹۳ء یا ۲۶۱ھ / ۸۷۵ء یا ۲۶۵ھ / ۸۷۹ء یا ۱۶۲ھ / ۷۷۹ء یا ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء)

(۳۵) حضرت خواجہ ابوعلی فضیل بن عیاضؒ (وفات ۳ / ربیع الاول ۱۸۷ھ مطابق ۴ / مارچ ۸۰۳ء یا ۱۸۶ھ / ۸۰۲ء)

(۳۶) حضرت خواجہ ابوالفضل عبدالواحد بن زیدؒ (م ۲۷ / صفرالمظفر ۱۷۰ھ مطابق ۳۱ / اگست ۷۸۶ء یا ۱۷۷ھ / ۷۹۳ء یا ۱۷۶ھ / ۷۹۲ء یا ۱۷۸ھ / ۷۹۴ء)

(۳۷) حضرت تاج العرفاء خواجہ ابوسعید حسن بصریؒ (ولادت ۲۱ھ / ۶۴۲ء - وفات یکم یا ۴ / محرم الحرام ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ مطابق ۱۱ / مئی ۷۲۸ء یا ۷۲۹ء) بصرہ

(۳۸) حضرت امیرالمؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ (ولادت ۱۳ / رجب المرجب بعد از واقعۂ فیل تیس (۳۰) سال - وفات ۲۱ / رمضان المبارک ۴۰ھ مطابق ۳۰ / جنوری ۶۶۱ء) نجف اشرف

(۳۹) سرور کائنات، سیدالموجودات حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (۴۵۰)

اس طرح یہ سلسلہ اڑتیس (۳۸) واسطوں سے حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہونچتا ہے۔

اس سلسلہ کا شجرۂ منظومہ حضرت منورویؒ نے اپنی کتاب "مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت" کے آخر میں شائع کیا ہے، اس شجرہ کے بعض اشعار "روح الارواح" (مؤلفہ خواجہ شاہ فیضان احمد، رام پور سہارن پور) کے شجرۂ چشتیہ ناصریہ سے کچھ ترمیم کے ساتھ لئے گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کئی شجرات کو سامنے رکھ کر حضرت منورویؒ نے یہ شجرۂ منظومہ چشتیہ مرتب کیا ہے واللہ اعلم بالصواب، وہ شجرہ درج ذیل ہے:

(۴۵۰) مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت ص ۱۰۳ تا ۱۱۱ شجرۂ عالیہ چشتیہ، مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ۔

شجرۂ منظومہ عالیہ چشتیہ

یا خدا اپنے جمال کبریا کے واسطے　　سرور عالم محمد مصطفٰےؐ کے واسطے
اپنی الفت کر عطا کل اولیا کے واسطے

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل و گلزار سے　　کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے
مصطفٰےؐ کے واسطے خیر الوریٰ کے واسطے

دور کر دل سے حجاب جہل و غفلت میرے سب　　کھول دے دل پر در علم حقیقت میرے سب
ہادیٔ عالم علیؓ مشکل کشا کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن اے ذوالمنن　　تا کہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن
شیخ حسن بصریؒ امام الاولیاء کے واسطے

کر میرے دل سے تو واحد اب دوئی کا حرف دور　　دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور
خواجہ عبدالواحدؒ زید شہا کے واسطے

راہ زن میرے ہیں دو قزاق با گرز گراں　　تو پہونچ فریاد کو میری کہیں اے مستعاں
شہ فضیل ابن عیاضؒ اہل دعا کے واسطے

نے طلب شاہی کی نے خواہش گدائی کی مجھے　　بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے
شیخ ابراہیم ادہمؒ بادشاہ کے واسطے

عیش و عشرت سے دو عالم کی نہیں مطلب مجھے　　چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یارب مجھے
شیخ حذیفہ مرعشیؒ صاحب صفا کے واسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں ہوں بے خبر　　بخش وہ نور بصیرت جس سے تو آوے نظر
بو ہبیرہؒ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شادی و غم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر　　اپنے درد و غم سے یارب دل کو میرے شاد کر
خواجہ ممشاد علویؒ بو العلا کے واسطے

حد سے گزرا درد فرقت اب تو اے پروردگار　　کر مری شام خزاں کو وصل سے روز بہار

شیخ ابو اسحاق شامیؒ خوش ادا کے واسطے

صدقہ احمدؐ کے یہ ہے امید تیری ذات سے تو بدل کر دے مرے عصیاں کو اب حسنات سے
احمد ابدال چشتیؒ باسخا کے واسطے

مست اور بے خود بنا بوئے محمدؐ سے مجھے محترم کر خواریٔ کوئے محمد سے مجھے
بو محمدؒ محترم شاہ دلا کے واسطے

رحم کر مجھ پر تو اب چاہ ضلالت سے نکال بخش عشق و معرفت کا مجھ کو یارب ملک و مال
شاہ بو یوسفؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے

آتش شوق اس قدر دل میں مرے بھر اے ودود ہر بن مو سے مرے نکلے تری الفت کا دود
خواجۂ مودود چشتیؒ پارسا کے واسطے

دور کر مجھ سے غم موت و حیات مستعار زندہ کر ذکر شریف حق سے اے پروردگار
شہ شریف زندنیؒ بااتقا کے واسطے

یاالٰہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام جس سے جز عشق نبیؐ مجھ کو نہ ہووے اور کام
خواجۂ عثمانؒ باشرم و حیا کے واسطے

بے طرح ہے نفس و شیطاں درپئے ایمان و دین جلد ہو یارب میرا آ کر مددگار و معین
شہ معین الدینؒ حبیب کبریا کے واسطے

عشق کی رہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید خنجر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
خواجہ قطب الدینؒ مقتول ولا کے واسطے

دے ملاحت مجھ کو حق تمکینیٔ ایمان سے اور حلاوت بخش تو گنج شکر عرفان سے
شہ فرید الدین شکرؒ گنج بقا کے واسطے

اے میرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لیل و نہار عشق میں اپنے مجھے بے صبر و بے تاب و قرار
شیخ علاء الدین صابرؒ بارضا کے واسطے

ہے مکدر ظلمت عصیاں سے میرا شمس دیں کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
شیخ شمس الدین ترکؒ شمس الضحیٰ کے واسطے

دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال ایک ذرہ درد کا یاحق مرے دل میں تو ڈال
شہ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے واسطے

کھول دے راہِ طریقت قلب پر یارب میرے — کر تجلی حقیقت قلب پر یارب میرے
احمد عبد الحقؒ شہ ملک بقا کے واسطے

کر عطا راہ شریعت روئے احمدؐ سے مجھے — اور دکھا نور حقیقت خوئے احمدؐ سے مجھے
اور دکھا نور حقیقت خوئے احمدؐ سے مجھے

کر معطر روح کو بوئے محمدؐ سے مری — اور منور چشم کو روئے محمدؐ سے مری
اے خدا شیخ محمدؒ رہنما کے واسطے

حب دنیاوی سے کر کے پاک مجھ کو اے حبیب — اپنے باغ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
عبد قدوسؒ شہ قدس وصفا کے واسطے

ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک و مال — یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ وجلال
شاہ رکن الدینؒ جلیل اصفیا کے واسطے

شرک وعصیان وضلالت سے بچا کر اے کریم — کر ہدایت مجھ کو اب راہ صراط المستقیم
شیخ عبد الاحدؒ باصدق وصفا کے واسطے

حب حق حب الٰہی حب مولا حب رب — الغرض کر دے مجھے محو محبت سب کا سب
شہ مجدد الف ثانیؒ باخدا کے واسطے

داغ عصیان وجرائم سے نہ ہو خجلت مجھے — اتقا وعفت وعصمت کا دے خلعت مجھے
خواجہ معصومؒ میر اصفیا کے واسطے

میں بنوں مرد مجاہد حق کی منزل کے لئے — سیف ہو میری زباں تردید باطل کے لئے
شاہ سیف الدینؒ تاج الاولیا کے واسطے

معصیت عصیاں نہ آئے بھول کر میرے قریب — روز وشب مجھ کو تر از وق عبادت ہو نصیب
حضرت نور محمدؒ پر ضیاء کے واسطے

مجھ کو از سر تا بہ پا کر مظہر صدق وصفا — ہو میری اولاد بھی ہو متقی و پارسا
جان جاناں شاہ مظہر میرزاؒ کے واسطے

ہو خیال ماسوا سے اے خدا ہرگز نہ کام — روز وشب ہر وقت ہر ساعت رہوں تیرا غلام
شہ غلام با علیؒ مرد رضا کے واسطے

کامل انسانیت کے حسن سے ہوں ارجمند — چرخ رفعت پر میرا انجم سعادت ہو بلند

بوسعیدؒ پاک نجم اہتدا کے واسطے

جلوۂ حسن مجازی میں حقیقت ہوعیاں　　　بن کے میں تیرا محب ہو جاؤں محبوب جہاں

حضرت احمد سعیدؒ مقتدا کے واسطے

بادۂ حسن تجلی سے مجھے مخمور کر　　　میرے دل کو معرفت کے نور سے معمور کر

مولوی شاہ عمرؒ صدق و صفا کے واسطے

اس طریقہ پر چلوں مطلق نہ ہو جس میں غلو　　　دے مجھے دنیا و عقبیٰ میں شرافت اور علو

حضرت بوالخیرؒ شاہ پرصفا کے واسطے

بندگی میں تیری استغراق ہو لیل ونہار　　　تیرے نیک و پاک بندوں میں ہو میرا بھی شمار

مرشد زید حسنؒ صاحب ولا کے واسطے

مبتدی ہوں کر میری تکمیل اے رب غفور　　　اور بشارت دے مجھے اپنے کرم کی اے غفور

عاجز و مسکین احمدؒ بے نوا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یارب غرض ہر کار میں　　　کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں

مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کے واسطے

آ پڑا در پہ ترے میں ہر طرف سے ہوں ملول　　　کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول

یاالٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و صلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعين. (۴۵۱)

یہ مختلف سلاسل تصوف کے (اب تک کی معلومات کے مطابق) گیارہ (۱۱) طرق ہیں جن سے حضرت منورویؒ فیضیاب ہوئے، (۴۵۲) بلاشبہ ان میں تسلسل نہیں ہے، بلکہ یہ پورے عرصۂ حیات میں

---

(۴۵۱) مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت ص ۱۰۳ تا ۱۱۱ شجرۂ عالیہ چشتیہ، مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ۔

(۴۵۲) حضرت منوروی کے کاغذات میں ایک مطبوعہ شجرہ "شجرۂ عالیہ قادریہ مجددیہ نقشبندیہ چشتیہ مبارکیہ آبادانیہ" کا بھی موجود ہے، جس میں آخری شیخ شاہ مبارک حسینؒ ہیں جو حضرت شاہ فریدالدین آرویؒ کے خلیفہ تھے، لیکن اس شجرہ پر حضرت منورویؒ کا نام نہیں ہے، اور نہ میرے والد ماجد کو اس شجرہ کے بارے میں کوئی علم ہے اس لئے اس شجرہ کو حضرت منورویؒ کے سلاسل میں شامل نہیں کیا گیا۔==

وقفہ وقفہ کے ساتھ پھیلے ہوئے ہیں، اور روحانیت کا یہ سفر ساری زندگی پر محیط ہے، لیکن قارئین کی سہولت کے لئے ان سب کو ایک لڑی میں پرو دیا گیا ہے، تا کہ حضرت منوروی ؒ کی پوری روحانی زندگی ایک نظر میں سامنے آجائے، اسی کے ساتھ حضرت منوروی ؒ کی تعلیم کا یہ دونوں (ظاہری اور باطنی) دور مکمل ہوتا ہے۔

۞ ۞ ۞

== ☆ اسی طرح ایک مختصر رسالہ روح الارواح (مطبوعہ کمرشیل آرٹ پری کلکتہ) بھی آپ کے کاغذات میں دستیاب ہوا ہے جو خواجہ شاہ فیضان احمد ؒ (قصبہ رام پور منہاران ضلع سہارن پور محلہ محل الانصار) کی تالیف ہے، اس میں ایک منظوم شجرۂ طیبہ چشتیہ ناصریہ بھی شامل ہے، یہ کتاب ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' کی ترتیب کے وقت حضرت منوروی ؒ کے پیش نظر رہی ہے، اس لئے کہ اس کے کئی اشعار کچھ ترمیم کے ساتھ حضرت منوروی ؒ کی مذکورہ بالا کتاب میں شائع شدہ شجرہ منظومہ میں شامل ہیں، لیکن صاحب شجرہ سے آپ کا روحانی رابطہ بھی تھا؟ یہ معلوم نہیں ہے، اس لئے اس سلسلہ کو بھی شامل نہیں کیا گیا ہے۔

(۴)

باب چہارم

نکاح اورازواج واولاد

گلشن احمد حسن

سہرا بموقعہ شادی حضرت مولانا الحاج احمد حسن منوروی ؒ

(منجانب والد ماجد حضرت مولانا عبدالشکور آہ مظفر پوری ؒ)

یہ تابش رخ روشن پہ ضوفگن سہرا
کمال حسن کا وہ مہر اور کرن سہرا

ادا ادا میں دکھاتا ہے بانکپن سہرا
بنا ہے قافلۂ دل کا راہزن سہرا

ہے انبساط کا باعث جبین روشن پر
نہیں تو چاند کے ٹکڑے پہ ہو گہن سہرا

کہیں گلاب کہیں موتیا کھلی دیکھی
طرح طرح کے ہیں پھول اور چمن چمن سہرا

زہے نصیب کہ لڑیاں ہیں پانچ سہرے میں
بنا ہے یمن و سعادت کا پنجتن سہرا

چڑھا جو سر تو نکالا ہے پاؤں چادر سے
وہ دیکھو چوم رہا ہے لب ودہن سہرا

خدا کا فضل ہو دولہا دولہن رہیں آباد
دعا پہ ختم کرو اے حسنؔ حسن سہرا

(تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری ؒ ص ۵۳۳ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی)

تعلیم ظاہری اور تعلیم باطنی سے فراغت اور علمی وروحانی مراحل کی تکمیل کے بعد والدہ ماجدہ نے دیگر افراد خاندان کے مشورے سے آپ کی شادی کا فیصلہ کیا، نانا جان حضرت مولانا امیر الحسن قادری ؒ کا انتقال ہو چکا تھا، جو آپ کے اصل سرپرست تھے۔

’’سیدانی‘‘ ایک تاریخی بستی

اس خلا کو پر کرنا تو ممکن نہ تھا، لیکن والدہ ماجدہ کی کوششوں سے ان کے آبائی شہر مظفر پور سے قریب

تیس (۳۰) کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی تاریخی بستی سیدانی (جواب چک سیدانی کے نام سے مشہور ہے) تھانہ پارو (اب تھانہ سریا) کے ایک معزز گھرانے میں آپ کا رشتہ قائم ہوا، یہاں خانوادۂ سادات کی ایک شاخ آباد ہے جو حضرت مخدوم محمد عرف شاہ قاضن شطاریؒ (۴۵۳) (م ۱۱/شوال المکرم ۹۰۱ھ مطابق یکم جولائی ۱۴۹۶ء یا ۳/صفر ۸۹۲ھ مطابق ۶/فروری ۱۴۸۷ء- جن کا مزار ''میراں جی کی درگاہ'' کے نام سے ویشالی میں مشہور ہے (۴۵۴)) کی نسل سے بتائی جاتی ہے، اسی بستی میں حضرت

(۴۵۳) آپ امام محمد تاج فقیہ کی اولاد سے ہیں جن سے بہار میں اسلام کی نشر واشاعت ہوئی، سلسلۂ نسب اس طرح ہے ''شیخ محمد بن علاء الدین بن قاضی عالم بن قاضی جمال الدین بن مخدوم علی بن سلیمان شطاری بن صلاح الدین بن مخدوم اسمٰعیل بن امام محمد تاج فقیہ،--- قاضی منیر اور قاضن کے لقب سے مشہور ہیں، منیر کے قاضی تھے، آپ بنیا بساڑھ ضلع ویشالی کے رہنے والے تھے، علوم ظاہری و باطنی دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے، اور شریعت وطریقت کے جامع تھے، طریقت کے تمام مروج سلاسل سے ان کو نسبت حاصل تھی، طریقۂ فردوسیہ اپنے والد بزرگوار شیخ علاء الدین سے، طریقۂ سہروردیہ شیخ رکن الدین جونپوریؒ سے، طریقہ چشتیہ شیخ زاہد بن بدرالدین چشتی سے، طریقۂ قادریہ شیخ عبدالوہاب بن عبدالرحمن صدیقی سے، طریقۂ مداریہ شیخ حسام الدین اصفہانی جونپوریؒ سے، اور طریقۂ شطاریہ براہ راست اس کے بانی و امام شیخ عبداللہ بن حسام الدین شطاریؒ سے حاصل کیا، اور خلافت بھی پائی، شطاریہ کا رنگ غالب تھا اس لئے شطاری سے مشہور ہوئے، آپ کی تاریخ وفات کتبۂ مزار پر ۱۱/شوال المکرم ۹۰۱ھ مطابق یکم جولائی ۱۴۹۶ء درج ہے، اور یہی تاریخ حدیقۃ الانساب ص ۲۱۴ اور تذکرۂ بزم شمال ج ۱ ص ۲۸ مؤلفہ شاداں فاروقی میں بھی ہے، جب کہ قاضی اطہر مبارک پوری صاحب نے'' دیار پورب میں علم اور علماء ص ۲۶۱ پر تاریخ وفات ۳/صفر ۸۹۲ھ مطابق ۶/فروری ۱۴۸۷ء تحریر کی ہے، اور ۹۰۱ھ کو اس کی تصحیف کا نتیجہ قرار دیا ہے، نفحات العنبریہ میں تاریخ وفات ۹۰۲ھ درج کی گئی ہے، گویا اس امر میں اختلاف ہے (تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی ص ۶۶، ۶۷ مؤلفہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی ناشر: جامعہ ایوبیہ نصیر چک ویشالی، ۲۰۰۱ء، بحوالہ دیار پورب میں علم وعلماء ص ۲۶۱ از قاضی اطہر مبارکپوری، آئینۂ ترہت ص ۹۲، تذکرۂ بزم شمال ج ۱ ص ۲۸ از شاداں فاروقی) مگر کتبہ نیز بعض معتبر تذکروں میں مرقوم ہونے کی بنا پر میرے نزدیک ۹۰۱ھ والی تاریخ راجح معلوم ہوتی ہے۔

(۴۵۴) یہ مزار راجہ وشال (جس کے نام پر ویشالی شہر آباد ہے) کے گڈھ سے تین سو گز جنوب مغرب میں واقع ہے، مزار کا پشتہ اینٹ سے بنایا گیا ہے جو سطح زمین سے تیئس (۲۳) فٹ آٹھ انچ بلند ہے، احاطہ تقریباً ایک سو چالیس (۱۴۰) قطر کا ہے، مزار پر کتبہ لگا ہوا ہے، جس پر میراں جی کا نام اور سن وفات درج ہے (تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی ص ۲۱ مؤلفہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی) قاضی اطہر مبا کپوریؒ نے اپنی کتاب دیار پورب میں علم اور علماء'' میں آپ کا مزار ''جونپور'' لکھا ہے، لیکن مفتی محمد ثناء الہدیٰ صاحب ویشالوی صاحب تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی نے اس کو غلط قرار دیا ہے، ممکن ہے بنیا بساڑھ کو حدود جونپور میں داخل ہونے کی وجہ سے جونپور لکھ دیا ہو (تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی ص ۶۷ مؤلفہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی)

میراں جیؒ کی بہن ''بواغوثن باندی'' بھی سڑک کے کنارے ایک قبرستان میں مدفون ہیں، جن کی قبر ممتاز کردی گئی ہے، کہا جاتا ہے کہ جب مخدوم محمد عرف شاہ قاضن شطاریؒ (جو تبلیغ اسلام کے لئے اس خطہ میں تشریف لائے تھے) پر دشمنوں نے حملہ کیا اس موقعہ پر بوا صاحبہ کسی طرح وہاں سے نکلیں، راستے میں سیدانی کے قریب سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے سانس لینے کے لئے رکیں، لیکن غالباً دشمنوں نے ان کا تعاقب کیا، اور ان کو اپنی عزت وناموس کا اندیشہ ہوا تو وہیں پر زمین سے شق ہوجانے اور پناہ دینے کی درخواست کی، چنانچہ زمین شق ہوگئی اور وہ اس کی گود میں چلی گئیں، اور دشمن منہ دیکھتے رہ گئے، بعد میں لوگوں نے اسی مقام پر آپ کی قبر بنادی ہے، غالباً اس بستی کا نام انہی کے نام پر ''سیدانی'' پڑ گیا (۴۵۵)۔

''سیدانی'' بستی کے ایک معزز خانوادہ میں حضرت منورویؒ کی شادی

اسی بستی میں میراں جیؒ کے خاندان کے ایک فرد حاجی سید احمد حسینؒ آکر آباد ہوئے تھے، انہی کی اپنی نواسی جمیلہ خاتون عرف رمضانیؒ (۴۵۶) (ولادت ۱۳۳۳ھ/ 1915ء وفات ۳۰/ جمادی الاولیٰ

(۴۵۵) یہ بات اس گاؤں کے بوڑھے بزرگوں کے یہاں معروف ہے، مجھے اپنے خاندان کے اور اس گاؤں کے کئی بزرگوں سے یہ بات معلوم ہوئی۔

(۴۵۶) جمیلہ خاتون عرف رمضانی (میری بڑی دادی جان) خاندانی شرافت ونجابت کے ساتھ ذاتی محامد ومحاسن کی حامل تھیں، نرم گفتار اور بلند اخلاق کی مالک تھیں، نماز روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر وشغل کی پابند تھیں، اردو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں، کھانا نفیس اور لذیذ پکاتی تھیں، ان کے ہر کام میں سلیقہ مندی نمایاں تھی، شادی کے بعد زیادہ تر ان کا قیام منوروا شریف ہی میں رہا، یہ اس دور کی بات ہے جب حسن پور اور سمستی پور کے درمیان دریائے گنڈک پر ریلوے برج بھی نہیں بنا تھا، اور سمستی پور سے حسن پور کی طرف آنے والی ٹرین دریا کے اُس پار اور حسن پور سے سمستی پور کی طرف جانے والی ٹرین دریا کے اِس پار رک جاتی تھی، اور مسافر کشتی کے ذریعہ دریا عبور کر کے اپنی ٹرین پر بیٹھتے تھے، لیکن اس مشکل کے باوجود دادی جان نے منوروا کا قیام ترک نہیں کیا، یہ بات خود دادی جان نے بتائی، منوروا شریف میں وہ ''سیدانی والی'' کے نام سے مشہور تھیں، البتہ بعض بزرگوں کے ارشاد کے مطابق جب حضرت منورویؒ نے دوسری شادی کی تو بڑھتی عمر نیز راستہ کی دشواریوں کے پیش نظر حضرت منورویؒ کی اجازت سے ان کا قیام زیادہ تر سیدانی میں رہنے لگا، حضرت منورویؒ نے حاجی ابراہیم صاحب کو بھیج کر سیدانی میں ان کے نام سے باقاعدہ زمین خریدی اور مکان بنوایا، اور ماہانہ اخراجات کا انتظام فرمایا، مگر گاہے گاہے اس کے بعد بھی وہ آیا کرتی تھیں، بلکہ حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد بھی منوروا شریف ان کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہا، وہ مہینوں یہاں قیام کرتی تھیں، میرے والد صاحب دونوں ماؤں کے اکلوتے فرزند تھے، اس لئے والد صاحب دونوں ہی کا پورا خیال رکھتے تھے۔==

۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷/ جولائی ۲۰۰۶ء بروز جمعرات) بنت جناب اختر حسین بن منصب علی سے تقریباً ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں حضرت منورویؒ کی تقریب شادی خانہ آبادی عمل میں آئی، جمیلہ خاتون کی والدہ کا نام "بی بی مٹو" تھا، وہ سیدہ تھیں، البتہ ان کے والد ماجد جناب اختر حسین صاحبؒ نسباً شیخ تھے۔

محل اولیٰ کی اولاد

شادی کے وقت حضرت منورویؒ کی عمر قریب بتیس (۳۲) سال اور اہلیہ محترمہ کی عمر قریب پندرہ (۱۵) سال تھی (۴۵۷)، ان کے بطن سے تین (۳) صاحبزادیاں پیدا ہوئیں، جن میں دو صغر سنی میں ہی انتقال کر گئیں اور ایک صاحبزادی زندہ رہی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے (۴۵۸):

☆ عائشہ خاتون: ولادت ۹/ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۵/ دسمبر ۱۹۳۴ء بروز جمعہ بوقت صبح پانچ بجے وفات ۲۱/ شعبان المعظم ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۲/ ستمبر ۱۹۴۱ء قریب سات (۷) سال کی عمر میں۔

☆ فاطمہ خاتون: ولادت ۲۶/ ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷/ جنوری ۱۹۳۸ء بروز بدھ چار بجے صبح - وفات ۲۴/ صفر ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۲/ مارچ ۱۹۴۲ء بروز منگل ایک بجے شب میں، قریب چار (۴) سال کی عمر۔

☆ زاہدہ خاتون: ولادت ۱۲/ صفر ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۷/ فروری ۱۹۴۳ء بروز جمعرات صبح ۵/ بجے، ماشاء اللہ یہ صاحبزادی زندہ رہیں اور صاحب اولاد ہوئیں، اور تا دم تحریر باحیات ہیں (۴۵۹)۔

==دادی جان کی ولادت تقریباً ۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں ہوئی، ان کی والدہ کا نام "بی بی مٹو" تھا، وہ سید احمد حسینؒ کی صاحبزادی تھیں جو حضرت میراں جیؒ کے خانوادہ کے ایک فرد تھے، دادی جان کی وفات بروز جمعرات ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷/ جولائی ۲۰۰۶ء کو آٹھ بجے شب میں سیدانی میں ہوئی، صبح سویرے یہ حقیر والد صاحب کے ہمراہ مظفر پور کے لئے روانہ ہوا، جمعہ کے بعد نماز جنازہ والد صاحب نے پڑھائی، اور بواغوثن باندی والے قبرستان میں انہی کے جوار میں مدفون ہوئیں، **اناللہ وانا الیہ راجعون.**

(۴۵۷) دونوں کی عمروں کا یہ فرق دادی جان (جمیلہ خاتون عرف رمضانی صاحبہ) خود بیان فرماتی تھیں۔

(۴۵۸) تمام اولاد کی ولادت ووفات کی تاریخیں خود حضرت منورویؒ نے اپنے قلم سے رقم فرمائی ہیں، وہ تحریر اس حقیر کے پاس محفوظ ہے، البتہ محل ثانی کی آخری دو بیٹیوں کا ذکر اس میں نہیں ہے۔

(۴۵۹) سیدہ زاہدہ خاتون صاحبہ (میری پھوپھی جان) بہت بااخلاق اور بے پناہ خوبیوں کی حامل ہیں، اپنی ماں کی طرح شیریں زبان اور شیریں اخلاق ہیں، ان کو نو (۹) اولاد ہوئی، جس کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے:

۱- سائرہ خاتون: ولادت ۱۸/ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸/ اگست ۱۹۶۲ء- وفات ۲۲/ رجب المرجب==

بڑی صاحبزادی کی شادی

محترمہ زاہدہ خاتون صاحبہ کی شادی شہر مظفر پور (محلہ املی چٹی) میں جناب سید لیاقت حسین صاحبؒ ولد سید ہدایت حسین ولد سید الٰہی بخشؒ کے صاحبزادہ جناب سید فضل حق صاحب (م ۲۷/ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/ اگست ۲۰۰۸ء)(۴۶۰) سے ۶/ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۴/ دسمبر ۱۹۶۱ء کو ہوئی۔

==۲-شمسہ خاتون یا شمیمہ خاتون: ولادت ۱۳/ رمضان ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۹/ جنوری ۱۹۶۴ء، وفات پاگئی، تاریخ وفات معلوم نہیں۔

۳-اسماء خاتون: ولادت ۲۵/ رمضان ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۹/ جنوری ۱۹۶۵ء

۴-ڈاکٹر سید محمد سکندر عالم: ولادت ۱۰/ رمضان ۱۳۸۶ھ مطابق ۲۴/ دسمبر ۱۹۶۶ء

۵-نسیمہ خاتون: ولادت ۲۳/ ذی الحجہ ۱۳۸۹ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۷۰ء

۶-طفیل احمد: ولادت ۲۱/ محرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۵/ فروری ۱۹۷۳ء

۷-فیاض احمد: ولادت ۲۱/ محرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۵/ فروری ۱۹۷۳ء

۸-رخسانہ خاتون: ولادت ۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۸ء

۹-امتیاز احمد: ولادت ۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۲/ اکتوبر ۱۹۷۸ء

(یہ تفصیلات مجھے ڈاکٹر سید محمد سکندر عالم صاحب سے حاصل ہوئیں)

(۴۶۰) سید فضل حق صاحب تین بھائی اور چار بہنیں ہیں، سید فضل حق صاحب ان میں بڑے تھے، بھائیوں کے نام یہ ہیں: سید انوار الحق، سید انظار الحق، اور بہنوں کے نام بالترتیب یہ ہیں: مدینہ خاتون، سیدہ خاتون، صابرہ خاتون، عشرت خاتون سید فضل حق صاحب کی تعلیم مختصر اردو، ہندی تک محدود تھی، مڈل اسکول پاس تھے، علاوہ ۱۹۵۰ء میں غالباً موتیہاری صدر سے ڈریسر کا کورس بھی پاس کیا تھا، ویشالی ضلع کے پاتے پور گاؤں میں سرکاری ہاسپٹل میں ڈریسر کے پوسٹ پر ملازم تھے، لیکن زبان اور مزاج کے سخت تھے، اور طبیعت پر قلندری غالب تھی، ملازمت راس نہیں آئی، اور استعفادے دیا، کچھ دنوں دھنباد کیولوری میں بھی سرکاری ملازم رہے، وہ بھی چھوڑ دی، نالندہ یونیورسیٹی میں بھی غالباً ۱۹۷۱ء میں نوکری ملی تھی اس سے بھی استعفادے دیا، گھر والوں کا بیان ہے کہ پانچ جگہوں پر ان کو ملازمت ملی، مگر کسی جگہ وہ جم کر کام نہیں کرسکے، بالآخر گھر بیٹھ گئے، اور جو تھوڑی بہت خاندانی زمینیں تھیں ان کی کاشتکاری میں مشغول ہو گئے، کتابوں کی جلد سازی کے فن میں طاق تھے، یہ کام بھی کچھ دنوں کیا۔

وہ مجاہد آزادی تھے، تحریک آزادی کے دوران کئی بار جیل گئے، لیکن ملک جب آزاد ہوا تو وظیفۂ آزادی کے لئے درخواست نہیں دی۔

دھن کے پکے اور عزم کے سچے انسان تھے، کسی بات کا ارادہ کرلیتے تو انجام تک پہونچا کر دم لیتے تھے، ایک بار==

سید لیاقت حسین صاحبؒ بھی حضرت منورویؒ سے بیعت تھے، وہ شادی میں کچھ تاخیر چاہتے تھے، لیکن حضرت منورویؒ کو حج میں جانا تھا، آپ اس ذمہ داری سے فارغ ہونا چاہتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے سفر حج (یکم شعبان المعظم ۱۳۸۱ھ مطابق ۸/جنوری ۱۹۶۲ء) سے تقریباً ایک ماہ قبل شادی کے جملہ اخراجات کی ادائیگی کے ساتھ مختلف ذمہ داریاں متعلقہ اشخاص پر تقسیم فرمادیں، تاکہ پورے ذہنی فراغ اور یکسوئی کے ساتھ آپ حج کی تیاری کرسکیں۔

دوسری شادی - لادھ کپسیا میں

☆محل اولیٰ سے اولاد نرینہ نہ ہونے کی بنا پر بعض بزرگوں نے جن میں حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ سرفہرست ہیں، آپ کو نکاح ثانی کا حکم دیا، ممکن ہے والدہ ماجدہ کا اشارہ بھی رہا ہو، البتہ اس بار اسی علاقے (منورواشریف) میں نکاح کرنا مناسب معلوم ہوا جو آپ کا وطن ہجرت تھا، تاکہ دونوں علاقوں کے روابط کا توازن برقرار رہے، چنانچہ آپ کی دوسری شادی اس علاقہ کی مشہور بستی لادھ کپسیا (۴۶۱) (ضلع سمستی پور) میں ایک معزز خاندان کے فرد جہانگیر عرف جہانیؒ ابن بہاریؒ کی

==پیسوں کی دقت تھی، اور منوروا شریف آنے کی تمنا تھی، بس سائیکل پر صبح بیٹھے اور تقریباً ایک سو ساٹھ (۱۶۰) کلومیٹر مسافت طے کر کے شام کو مغرب سے قبل منوروا پہونچ گئے، پہونچنے کے بعد تھوڑی دیر تکان کی وجہ سے بے خبر پڑے رہے پھر اٹھ کر بیٹھ گئے، اور چائے پی کر حسب معمول مجلس میں شریک ہوگئے، جب کہ اس وقت ان کی عمر ستر (۷۰) سال سے متجاوز تھی۔

ابتدائی زندگی آزادخیالی میں گذری، شہر میں اپنی آبائی جائیداد بھی فروخت کرڈالی، اور سیدانی کو مسکن بنالیا، لیکن آخری عمر میں انتہائی نیک صالح، نمازوں کے پابند، تہجد گذار اور شب بیدار ہوگئے تھے، رات کے آخری پہر مسجد میں چلے جاتے تھے، اور اشراق کے بعد ہی لوٹتے تھے، آخری دنوں وہ گاؤں کی مسجد کی آبرو تھے، حضرت منورویؒ کی صحبتوں کا رنگ چڑھ گیا تھا، حضرتؒ آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے، ان کا انتقال ۲۷/شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۳۰/اگست ۲۰۰۸ء کو ہوا، اور ''بواغوشن باندی'' والے قبرستان میں مدفون ہوئے (اس میں کچھ چیزیں مجھے پہلے سے معلوم تھیں اور کچھ جناب فضل حق صاحب کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر سکندر عالم صاحب سے حاصل ہوئیں)

(۴۶۱) یہ اہل علم اور اہل شعور کی بستی ہے، دوسرے علاقوں سے بھی مختلف اصحاب علم وتقویٰ اس بستی میں کھنچے چلے آئے، دربھنگہ کے قریب مہدولی (جس کو حضرت پنڈت جیؒ اور حضرت استاذ وصی احمدؒ کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی) کے ایک معزز خاندان کے فرد جناب ضیاء الرحمن صاحب (عرف دولہا بابو) ابن جناب بدیع الرحمن صاحب یہاں آکر آباد ہوئے، یہاں ان کی سسرال تھی، وہ منشی علی جان صاحب (لادھ کپسیا) کے داماد تھے، اس خاندان ==

صاحبزادی محترمہ جمیلہ خاتونؒ (۴۶۲)(م ۶ / فروری ۲۰۰۸ء مطابق ۲۶ / محرم الحرام ۱۴۲۹ھ) سے تقریباً ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔

== کے بعض افراد نے بہار مدرسہ بورڈ کے حوالے سے قابل ذکر شہرت حاصل کی ، یہاں جس گھرانے میں ضیاء الرحمن صاحب کی شادی تھی (منشی علی جان اور منشی نور محمد کا گھرانہ) وہ بھی پورے خطہ میں علمی اور سیاسی اعتبار سے ممتاز مانا جاتا تھا، اس خاندان کی عظمت رفتہ کے آخری چشم و چراغ (جن کو میں نے دیکھا ہے) وہ مکھیا مطیع الرحمن صاحب مرحوم ابن منشی نور محمد صاحب تھے، ان کی یہاں طوطی بولتی تھی۔

بتایا جاتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالباقی صاحبؒ (جمال پور دربھنگہ)اور حضرت مولانا عارف حسین ہرسنگھ پوریؒ (ہرسنگھ پور دربھنگہ) جیسی عظیم علمی وروحانی شخصیات کی اس گاؤں میں آمد رہی ہے، اور کئی کئی دن تک ان بزرگوں کا یہاں قیام رہتا تھا، امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تشریف آوری بھی یہاں ہوئی ہے، آج بھی اس گاؤں میں اہل علم و دانش اور اصحاب تقویٰ کی ایک تعداد موجود ہے، مثلاً: میں نے اپنی آنکھوں سے اس گاؤں کی سب سے بزرگ اور متقی شخصیت جناب کریم الدین صاحب مرحوم کی دیکھی ہے، جو میرے والد ماجد کے اپنے خالو تھے ، زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن ان کا فکری شعور بلند تھا، اہل علم سے دقیق سوالات کرتے تھے، علاوہ ذکر و شغل ،تقویٰ اور خوف خدا میں وہاں ان کی نظیر نہیں تھی ،ایک سیدھے سادھے مرد مؤمن کی ایک علامت تھے، آخر میں میرے والد ماجد (جو رشتہ میں ان کے عزیز ہوتے تھے) سے بیعت ہو گئے تھے، اسی طرح میرے خالو جان اور خسر محترم حضرت مولانا عزیز الرحمن قاسمی (سن فراغت ۱۹۶۰ء ، ۱۹۶۱ء -تلمیذ رشید حضرت مولانا فخر الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند ،باحیات ہیں) کو اس پورے خطہ میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، حضرت الاستاذ مولانا قاضی طفیل احمد رحمانی امارت شرعیہ بہار کی طرف سے ایک زمانے تک پورے ضلع سمستی پور کے قاضی بلکہ ہر طرح کی علمی وملی سرگرمیوں کے روح رواں رہے، انہی کے برادر خورد جناب مفتی سہیل احمد قاسمی صاحب آج کل امارت شرعیہ پٹنہ کے مرکزی دارالافتاء میں صدر مفتی ہیں، اور ان حضرات کی وجہ سے موجودہ امیر شریعت حضرت اقدس مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب دامت برکاتہم کو بھی اس گاؤں سے بہت قریب ترین رابطہ ہے۔

(۴۶۲) حسن اتفاق سے میری دونوں دادیوں کا نام جمیلہ خاتون ہی تھا، فرق صرف یہ تھا کہ بڑی دادی کا عرفی نام رمضانی تھا، اس لئے وہ اسی نام سے یا پھر ''سیدانی والی'' کے نام سے جانی جاتی تھیں، جب کہ چھوٹی دادی جو کہ میری حقیقی دادی تھیں، وہ ''جمیلہ یالا دھ والی'' کے نام سے معروف تھیں، میری دادی اپنی چار بہنوں میں تیسرے نمبر پر تھیں، بڑی بہن زیتون خاتون (م ۳/ دسمبر ۱۹۹۸ء مطابق ۱۲ / اگست ۱۴۱۹ء) کی شادی برا ضلع دربھنگہ میں جناب سلیمان صاحبؒ (م ۱۹۷۰ء/ ۱۳۹۰ھ) سے تھی، منجھلی بہن صابرہ منورواشریف میں جناب محی الدین صاحب کی زوجیت==

محل ثانیہ کی اولاد

محل ثانیہ سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

☆ حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب (ولادت ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۱/ دسمبر ۱۹۴۴ء بروز سوموار) الحمداللہ باحیات ہیں، اللہ پاک آپ کا سایہ بصحت وعافیت تادیر قائم رکھے (۴۶۳)۔

۔۔۔

==میں تھیں، یہ لاولد تھیں، تیسرے نمبر پر میری دادی جمیلہ خاتون تھیں جو منوروا شریف ہی میں میرے جد امجد حضرت منورویؒ کی محل ثانیہ تھیں، چوتھی بہن "حسینہ خاتون عرف دکھنی خاتون (م ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء) کی شادی لادھ کپسیا ہی میں جناب کریم الدین صاحبؒ (م ۲۴/فروری ۲۰۱۲ء مطابق ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ) سے تھی۔ میری دادی کے والد ماجد جناب جہانگیر عرف جہانیؒ اور والدہ دونوں حضرت منورویؒ سے بیعت ہو گئے تھے

میری دادی جمیلہ خاتون صاحبہ ناخواندہ تھیں، مگر نماز وغیرہ کے لائق ضروری سورتیں اور دعائیں یاد تھیں، بہت سے اشعار اور کہانیاں بھی یاد تھیں، جب ہم لوگ چھوٹے تھے وہ کوئی نہ کوئی کہانی ہمیں سنایا کرتی تھیں، نماز روزہ، اور ذکر وشغل کی پابند تھیں، حق گو اور حق شعار اور بے حد محنتی و جفاکش تھیں، انہوں نے اپنے شوہر حضرت منورویؒ کی خدمت کا حق ادا کیا، حضرت منورویؒ کی والدہ حضرت بی بی حلیمہؒ کی بھی انہوں نے بڑی خدمت کی، اور ان کی بڑی دعائیں حاصل کیں۔

دادی جان آخری قریب دس سالوں میں بالکل معذور ہو گئی تھیں، میری والدہ ماجدہ نے ان کی بہت خدمت کی، ان کا وصال ۶/ فروری ۲۰۰۸ء مطابق ۲۶/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ کو بوقت صبح سات بجے ہوا، جنازہ کی نماز بعد نماز عصر حضرت والد صاحب نے پڑھائی، جنازہ میں خلائق کا بے پناہ ہجوم تھا-- اللہ پاک دادی جان کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے سرفراز کرے آمین۔

(۴۶۳) حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب (میرے والد ماجد) کے تفصیلی حالات ان شاء اللہ آگے خلفاء ومجازین کے باب میں آئیں گے، یہاں صرف خانگی زندگی سے متعلق ضروری تفصیل پیش کی جارہی ہے، آپ نے تعلیم کا آغاز چار سال کی عمر میں کیا، ابھی پانچ چھ سال کے تھے کہ (قریب ۱۹۵۰ء میں) علاقہ میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، اور حضرت منورویؒ اپنے اکلوتے صاحبزادے کی حفاظت کے لئے آپ کو پورنیہ لے کر چلے گئے، جہاں ان ==

== کا مطب اور خانقاہ تھی، اس طرح آپ کی ابتدائی سے لےکر فارسی تک کی تعلیم (قریب چھ سال) سورجاپور خانقاہ میں خود حضرت منورویؒ کے پاس ہوئی، صفر ۱۳۷۶ھ/ستمبر ۱۹۵۶ء میں آپ سورجاپور سے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ چلے گئے، اور قریب چھ سال دارالعلوم مجیبیہ میں تعلیم حاصل کی (میرے پاس منی آرڈر کی دو رسیدیں موجود ہیں، جو حضرت منورویؒ نے والد صاحب کو مدرسہ مجیبیہ پھلواری شریف کے پتہ پر بھیجی تھیں، ایک پر ۱۵/نومبر ۱۹۵۸ء اور دوسری پر ۴/اگست ۱۹۵۹ء کی تاریخ درج ہے، ان سے ان دوسالوں میں پھلواری شریف میں آپ کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے)

وہاں سے بنارس گئے اور کچھ دن وہاں رہ کر ۱۹۶۳ء میں لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں نظیر آباد میں آپ کا قیام تھا (لکھنؤ نظیر آباد کے پتہ پر والد صاحب کے نام منی آرڈر کی ایک رسید میرے پاس ہے، جس پر یکم جولائی ۱۹۶۳ء کی تاریخ درج ہے، اس سے ۱۹۶۳ء میں آپ کی لکھنؤ میں موجودگی کا علم ہوتا ہے) لکھنؤ کے بعد آپ گھر واپس آ گئے، اور اپنے والد صاحب کی خدمت وصحبت میں مصروف ہو گئے، اور درجۂ کمال تک پہونچے۔

اللہ پاک نے آپ کو پانچ (۵) اولاد عطا فرمائی، جن میں ایک لڑکا صغرسنی ہی میں انتقال کر گیا، باقی چار باحیات ہیں، اس کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے: (۱) اختر امام عادل (حقیر راقم الحروف): ولادت ۱۰/محرم الحرام ۱۳۸۸ھ مطابق ۹/اپریل ۱۹۶۸ء بروز منگل بوقت صبح صادق، بمقام صلحا بزرگ نانی جان کے گھر میں۔

(نوٹ) واضح رہے کہ اس حقیر کی اصل تاریخ پیدائش یہی ہے، جو اوپر درج ہوئی، میری آئی ڈی، آدھار وغیرہ پر تاریخ پیدائش ۲۵/مارچ ۱۹۶۷ء دی گئی ہے، جو صحیح نہیں ہے، اس غلطی کا پس منظر یہ ہے کہ میرے والد ماجد کے ایک ارادتمند جناب ڈاکٹر افتخار احمد خان صاحب سابق پروفیسر سائنس کالج پٹنہ (جن کو والد صاحب کے اول مرید ہونے کا اعزاز حاصل ہے) نے (قریب ۱۹۹۲ء میں) والد صاحب سے عرض کیا، کہ امید ہے کہ اس بار ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا صاحب (ڈاکٹر صاحب ان کے کلاس فیلو تھے، اور دونوں میں بہت گہرے مراسم تھے) کی سرکار بننے پر ان (یعنی پروفیسر صاحب) کے پٹنہ یونیورسیٹی کا وائس چانسلر بننے کا زیادہ امکان ہے، ایسے موقعہ پر اگر اختر بابو کے پاس کسی اسکول یا کالج کی ڈگری ہوتی تو ان کو یونیورسیٹی میں تدریسی خدمت کا موقعہ مل سکتا تھا، اور یونیورسیٹی کے اسباق بہت محدود ہوتے ہیں اس لئے وہ خالی وقتوں میں تصنیف وتالیف اور دیگر دینی خدمات بھی انجام دے سکتے ہیں، اس طرح وہ ذہنی فراغ کے ساتھ زیادہ بڑا کام کر سکتے ہیں، اور گھر سے قریب بھی رہیں گے (میں ان دنوں دارالعلوم حیدرآباد میں مدرس تھا)، میرے والد ماجد نے اس سے اتفاق فرمایا، ان دونوں بزرگوں نے میرے سامنے یہ بات رکھی، میں نے تھوڑا تأمل کیا، لیکن پھر ان حضرات کی دلیلوں کے سامنے خاموش ہو گیا --- مگر مسئلہ یہ تھا کہ سرکاری سند کے حصول کی شکل کیا ہوگی، اس زمانے میں میسور کی اوپن یونیورسیٹی میں ایم اے کا فاصلاتی کورس ہوتا تھا جس میں براہ راست صلاحیت کی ==

اکلوتے فرزندارجمند کی شادی

آپ کا نکاح بتاریخ ۱۱ / ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۶ / مارچ ۱۹۶۴ء بروز جمعرات صلحابزرگ ضلع سمستی پور (اُس وقت ضلع دربھنگہ) کے ایک انتہائی معزز اور علمی وروحانی خاندان میں حضرت حاجی

== بنیاد پر امتحان میں شرکت کی اجازت ہوتی تھی، پروفیسر صاحب بہت باخبر آدمی تھے، وہ اکسس بینک کا ممبر ہونے کے ناطے اکثر مدراس اور بنگلور وغیرہ کا سفر کرتے رہتے تھے، غالباً انہوں نے ہی یہ راستہ بتایا تھا، بہر حال حیدر آباد پہونچ کر میں نے اس سلسلے میں کوشش شروع کی، تو معلوم ہوا کہ ایم اے کے امتحان کے لئے عمر کم از کم پچیس (۲۵) سال ہونی شرط ہے، جب کہ میری عمر اس وقت صرف چوبیس (۲۴) سال تھی، اور میرے دارالعلوم دیوبند کی اسناد وغیرہ پر بھی یہی عمر درج ہے، میں نے پروفیسر صاحب کو فون کے ذریعہ اس مشکل سے آگاہ کیا، تو انہوں نے سرکاری میونسپلٹی پٹنہ سے میری نئی تاریخ پیدائش (۲۵ / مارچ ۱۹۶۷ء) کا سرٹیفکیٹ بنواکر بذریعۂ رجسٹری ڈاک مجھے بھیج دیا، اب تو کوئی راہ فرار نہیں تھی، پروفیسر صاحب کی اہلیہ محترمہ ڈاکٹر شبنم خان صاحبہ (یہ بھی والد صاحب سے بیعت ہیں) نے ایم اے اردو کے کچھ نوٹس بھی مجھے فراہم کئے، اور باقی نوٹس یونیورسیٹی کے آفس سے ملے--- بہر حال میں نے میسور جاکر ایم اے اردو کے دوسالہ امتحانات میں شرکت کی، اور امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوا۔ لیکن اللہ پاک کو کچھ اور ہی منظور تھا، دوسری طرف بہار کا سیاسی نقشہ تبدیل ہوگیا اور کانگریس کے بجائے جناب لالو پرساد صاحب کی حکومت قائم ہوگئی، اور اس طرح یہ خواب ادھورا رہ گیا---

میری بدلی ہوئی تاریخ پیدائش اسی ٹوٹے بکھرے خواب کی ایک نشانی ہے، آگ تو بجھ گئی لیکن اس کا دھواں باقی ہے، تمناؤں اور امیدوں کی انہی ٹوٹی ہوئی کرچیوں کو سامنے رکھ کر اللہ پاک سے اپنی غلطیوں کی معافی چاہتا ہوں آمین۔

(۲) رضوان احمد: ولادت ۲۷ / رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۶ /نومبر ۱۹۷۱ء بروز منگل بوقت صبح صادق، بمقام صلحابزرگ نانی جان کے گھر میں۔

(۳) رضی الدین (رضی احمد): ولادت ۱۱ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۳ / جون ۱۹۷۳ء بروز بدھ، بمقام صلحابزرگ نانی جان کے گھر میں- وفات ۲۹ /محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۳ /فروری ۱۹۷۶ء بروز سوموار بوقت دس بجے شب، بمقام منورواشریف۔

(۴) محبوب فروغ احمد: ولادت ۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۹۷ھ مطابق ۳ /مئی ۱۹۷۷ء بروز منگل بوقت ایک بجے دن، بمقام صلحابزرگ بڑی خالہ جان نور جہان صاحبہ (ولادت ۱۰ / رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ مطابق ۴ /نومبر ۱۹۳۸ء وفات ۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۳ / مارچ ۱۹۸۱ء بروز جمعہ) کے گھر میں۔

(۵) صغیرہ آمنہ (ذاکرہ خاتون): ولادت ۲۸ /محرم الحرام ۱۴۰۱ھ مطابق ۷ / دسمبر ۱۹۸۰ء، بوقت صبح چھ بجے، بمقام منورواشریف (یہ معلومات مجھے والد بزرگوار اور نانا جان کے کاغذات سے حاصل ہوئی ہیں)

جمیل احمد صاحبؒ کی صاحبزادی محترمہ ''عشرت افزاء'' (ولادت ٦ / ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۵ / جنوری ۱۹۵۱ء بروز سوموار، میرے نانا جان نے میری والدہ کا نام یہی تحریر کیا ہے) سے ہوا ، اور تقریب رخصتی (شادی) جمعرات ۱۰ / رجب المرجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۵ / نومبر ۱۹۶۵ء کو عمل میں آئی ،جس میں احباب طریق بڑی تعداد میں شریک ہوئے ،ان میں حضرت علی احمد ناظر ،اور خطۂ پر یہار کے احباب بطور خاص قابل ذکر ہیں ،حضرت حاجی منظور احمد صاحب مصرولیاویؒ اپنی علالت کے باعث تشریف نہ لاسکے (۴۶۴)۔

☆ رابعہ خاتون (ولادت ۲٦ /صفر المظفر ۱۳٦۷ھ مطابق ۱۱ / جنوری ۱۹۴۸ء بروز اتوار بوقت دس بجے دن) یہ بیٹیوں میں چوتھے نمبر پر تھیں اس لئے ان کا نام رابعہ نام رکھا گیا، الحمدللہ تادم تحریر باحیات ہیں (۴۶۵)۔

چھوٹی بیٹی کی شادی - سادگی کا ایک نمونہ

ان کی شادی موضع بلہا (نزد صالحپور سنگھیا) ضلع سمستی پور (اس وقت کا ضلع دربھنگہ) کے ایک شریف گھرانے میں جناب مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم کے صاحبزادے جناب عبدالغنی صاحبؒ (۴۶٦)

(۴۶۴) یہ تفصیلات میرے جدامجد حضرت منورویؒ کے بعض خطوط وتحریرات اور میرے نانا جان کی قلمی یادداشت سے ماخوذ ہیں۔

(۴۶۵) محترمہ رابعہ خاتون ایک ولی صفت اور سیدھی سادی خاتون ہیں، کہا جاتا ہے کہ ظاہر وباطن دونوں لحاظ سے وہ اپنی دادی بی بی حلیمہؒ کا پرتو ہیں ،وہ ان کو کملی یا کنول کہا کرتی تھیں ،ان کی شادی موضع بلہا (نزد صالحپور سنگھیا) ضلع سمستی پور (اس وقت کا ضلع دربھنگہ) کے ایک شریف گھرانے میں جناب مولوی عبدالحمید صاحب مرحوم کے صاحبزادے جناب عبدالغنی صاحبؒ (م ۲۱ / ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳ / جون ۱۹۹۲ء) سے ۱۳۸۱ھ/ ۱۹٦۲ء میں ہوئی ،ان سے چھ (اولاد) پیدا ہوئی ،جس کی تفصیل بالترتیب حسب ذیل ہے:

(۱) محمد شعیب: ولادت ۱۹٦۴ء	(۲) اصغری خاتون: ولادت ۱۹٦۹ء
(۳) صالحہ خاتون: ولادت ۱۹۷۲ء	(۴) فاتحہ خاتون: ولادت ۱۹۷۵ء
(۵) دلشاد احمد: ولادت ۱۹۷۸ء	(٦) راضیہ خاتون: ولادت ۱۹۸۱ء

(۴٦٦) جناب عبدالغنی صاحبؒ کی تعلیم اردو اور ہندی تک محدود تھی ،لیکن وہ مرد صالح اور مرد مجاہد تھے ،ایمان کا نوران کی پیشانی سے ہویدا تھا ،حسن گفتار اور حسن کردار کا پیکر تھے ،ایک زندہ دل انسان تھے ،جس مجلس میں رہتے وہ مجلس زعفران زار رہتی تھی ،سخت سے سخت حالات میں بھی میں نے انہیں مایوس نہیں دیکھا ،چہرہ کھلا ہوا پھول معلوم ہوتا تھا ، اپنے اخلاق وکردار کی بدولت کلکتہ میں ان کے رابطے کا حلقہ بہت وسیع تھا ،کلکتہ میں سرکاری ٹرانسپورٹ کے محکمہ میں ==

==وہ ملازم (بس ڈرائیور) تھے، ان کے والد جناب مولوی عبدالحمید صاحب کی کلکتہ میں پاک سرکس کے علاقے میں بیک بگان روڈ پر کوئلہ کی دکان (کول شاپ) تھی، اور اسی نسبت سے ان کی عمر کا بیشتر حصہ کلکتہ میں گذرا، بعد میں وہ خضر پور بیلاڈی ایچ روڈ میں ایک چھوٹی سی مسجد کے احاطے میں کرایہ پر روم لے کر رہنے لگے تھے، حضرت منورویؒ کی نظر باطن کا رنگ ان کی زندگی میں نظر آتا تھا، حضرت کے بعد وہ اپنے برادر نسبتی (میرے والد ماجد) سے باضابطہ بیعت ہوگئے تھے، اور ادواشغال کے پابند تھے، مسجد کے احاطے میں رہنے کا مقصد اپنی نماز اور دینی زندگی کی حفاظت تھی، مسجد میں رہنے کی وجہ سے تمام اہل صلاح اور اصحاب تقویٰ سے ان کے تعلقات قائم ہوگئے تھے، ہر شخص ان کے کردار کی عظمت کا معترف تھا، ان کے ذریعہ بہت سے اہل علم اور اہل دین میرے والد ماجد سے قریب ہوئے، بعض حضرات نے شرف بیعت بھی حاصل کیا، ان میں جناب غلام ربانی صاحب (ساکن نوادہ، بہار) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کے والد ماجد جناب غلام غوث صاحب مرحوم کوئلہ کے بڑے تاجر تھے، ان کا اپنا مکان اور اپنی دکان تھی، جناب غلام ربانی صاحبؒ ان کے بڑے لڑکے تھے، اور دکان وہی سنبھالتے تھے، انہی کی ایک دکان اور مکان جناب عبدالرزاق صاحب (بلہا) نے کرایہ پر لے رکھا تھا، جناب عبدالرزاق صاحبؒ حضرت منورویؒ سے بیعت تھے، اس لئے والد صاحب کا قیام کلکتہ میں زیادہ تر انہی کے یہاں ہوتا تھا، ان کا مکان نسبتاً وسیع تھا، اور ان کا ذوق ضیافت بھی بلند تھا، کبھی کبھی عبدالغنی صاحب کے یہاں بھی قیام رہتا تھا، جناب عبدالرزاق صاحب کے یہاں جناب غلام ربانی صاحب کو میرے والد صاحب سے شرف نیاز حاصل ہوا، وہ مختلف مجلسوں میں بیٹھے اور والد صاحب سے متأثر ہوئے، اور جناب عبدالغنی صاحب کی سفارش پر والد صاحب نے ان کو داخل سلسلہ کیا، اور پھر ان کے ذریعہ ان کا پورا خاندان مع والد، والدہ، اور بھائی بہن بہنوئی وغیرہ جو نوادہ میں آباد ہے میرے والد بزرگوار سے وابستہ ہوگیا، اور یہ سلسلہ پھیلتا ہی چلا گیا،---اسی طرح والد صاحب کے خودنوشت قلمی سفرنامہ (تاریخ ارقام ۲۸/ اگست ۱۹۸۹ء) میں امام مسجد حافظ اسرارالحق صاحب کا بھی ذکر ملتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ کی تعلیم حاصل کی تھی، اور ان کی سلامتی فکر کی تعریف کی گئی ہے۔

کسی بہنوئی کو اپنے سالے کا ایسا عاشق اور معتقد کم ہی دیکھا گیا ہوگا، ان کو کبھی مذاق کرتے ہوئے نہیں پایا گیا، بے حد احترام کرتے تھے، بلند آواز سے گفتگو بھی نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح جناب عبدالغنی صاحب کے آبائی گاؤں بلہا ضلع سستی پور کے اکثر لوگ بھی والد صاحب سے وابستہ تھے، جن میں بعض اصحاب نسبت اور ارباب کمال بھی ہوئے، والد صاحب بکثرت بلہا تشریف لے جاتے تھے اور کئی دن بہن کے گھر پر قیام فرماتے تھے، صبح سے دیر گئے رات تک پھوپھی جان کے گھر پر مجلس لگی رہتی تھی، اور واردین وصادرین کی ہلکی یا بھاری ضیافت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، بلہا میں علم اور دین کی جو بھی بوباس آج نظر آتی ہے، وہ سب میرے والد بزرگوار کے قدوم میمنت لزوم کا فیض ہے، اور ان سب کا ذریعہ جناب عبدالغنی صاحب تھے۔ اللہ پاک نے ان کو بڑے کمالات سے نوازا تھا، وہ عہد گذشتہ کے ایمان والوں کا ایک نمونہ تھے، ایسے لوگ اب بہت کم ==

(۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳/ جون ۱۹۹۲ء) سے ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۲ء میں ہوئی (۴۶۷)۔

شادی انتہائی سادگی کے ساتھ انجام دی گئی، مولوی عبدالحمید صاحب کی ایک بیٹی زبیدہ کی شادی پہلے منورواؔ میں ہوئی تھی، جناب عبدالغنی صاحب اپنی بہن کے ساتھ منوروا آئے تھے، جناب اسحاق خلیفہ صاحب (منورواشریف) ان کو لے کر حضرت منورویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کی نگاہ باطن نے ان کا انتخاب کرلیا، اور اسی سفر میں رشتہ کی ساری بات بھی مکمل کرلی، میرے والد صاحب گھر پر موجود نہیں تھے، یہ ان کی تعلیم کا زمانہ تھا۔

مولوی عبدالحمید صاحب دوبارہ اپنی بیٹی سے ملنے کے لئے آئے تو حضرت کے پاس بھی برائے ملاقات حاضر ہوئے، آپ نے ان سے ازراہ مزاح پوچھا کہ مولوی صاحب! آپ نے رشتہ تو طے کرلیا لیکن آپ نے ہمارے حسب ونسب کی تحقیق کی یا نہیں؟، وہ بولے، حضرت! آپ کے حسب ونسب کی

== پیدا ہوتے ہیں، بستی بستی ڈھونڈ جایئے ایسے لوگ آپ کو نہیں ملیں گے۔

ان کا انتقال کلکتہ ہی میں ہوا، ان سے پندرہ دن قبل بلہا کے جناب عطا محمد صاحب کا انتقال کلکتہ میں ہوا تھا، اس کا ان پر بہت اثر تھا، آخر پندرہ دن کے بعد ۲۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۳/ جون ۱۹۹۲ء کو پچپن سال کی عمر میں ان کی بھی وفات ہوگئی، اور سولہ آنہ قبرستان خضر پور کلکتہ میں مدفون ہوئے، ابھی ایک بیٹی کی شادی کے علاوہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکے تھے، مکان بھی کھپڑے اور مٹی کا تھا، انہوں نے اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے دو بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑیں، ایک بیٹی کی شادی ہوگئی تھی، ان کی وفات کی خبر ہمارے گھر میں کسی قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھی، اس وقت ذرائع معلومات بہت محدود تھے، تقریباً ایک ہفتہ کے بعد ۳۰/ جون ۱۹۹۲ء کو ان کی وفات کی اطلاع ملی لیکن اس ناگہانی جوان العمر موت پر کسی کو یقین نہیں آتا تھا، میری دادی جان اور والد صاحب بہت پریشان تھے، میں ان دنوں دارالعلوم حیدرآباد میں ملازم تھا، میرے رفیق درس مولانا عبدالجبار قاسمی (مقام سکھاسن ضلع سمستی پور، مقیم احمد آباد گجرات) ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تھے، وہ بھی والد صاحب سے وابستہ ہیں، والد صاحب نے ان کو حکم دیا کہ حضرت منورویؒ کے مزار پر جاکر پریشانی عرض کریں اور صحیح صورت حال دریافت کریں، انہوں نے پھوپھاجان کو کبھی دیکھا نہیں تھا، بہر حال انہوں نے حکم کی تعمیل کی، ابھی وہ قبر پر بیٹھے ہی تھے کہ محسوس ہوا کہ دروازے پر کوئی تابوت لاکر رکھا گیا، اور حضرت منورویؒ نے اس کا کپڑا خود ہٹایا اور فرمایا کہ "ماشاء اللہ میرے عزیز! تم آگئے"۔ مولانا عبدالجبار صاحب نے یہ ساری صورت حال والد صاحب سے آکر عرض کی اور پھوپھاجان کے چہرہ کا نقشہ بتایا جو اصل کے مطابق تھا، اس طرح ایک بڑا تذبذب ختم ہوگیا۔

ع پہونچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

(ان میں کچھ چیزیں میرے علم میں پہلے سے تھیں اور کچھ والد ماجد سے معلوم ہوئیں)

(۴۶۷) یہ بات حضرت منورویؒ کے نام جناب مولوی عبدالحمید صاحب اور جناب عبدالغنی صاحب کے خطوط سے معلوم ہوئی۔

تحقیق کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت نے فرمایا، ہم تو یہاں کے باشی نہیں ہیں، ہوسکتا ہے کہ ہم دھوبی ہوں---آپ کو پہلے گاؤں کے لوگوں سے ہمارے نسب وغیرہ کی تحقیق کرنی چاہئے تھی، مولوی صاحب بہت گھبرائے، ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں شاید آپ دھوبی ہی نہ ہوں؟ وہاں سے نکل کر گاؤں کے معززین کے پاس پہونچے اور ساری بات نقل کی، تو لوگوں نے ان کو اطمینان دلایا کہ نہیں وہ تو سید ہیں بعض اہل دانش نے ان کو سمجھایا کہ دھوبی ایک پیشہ ہے اور جس طرح دھوبی لوگوں کے کپڑے صاف کرتا ہے حضرت بھی لوگوں کے دل اور باطن کو صاف کرتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ ہم بھی دھوبی ہیں، پھر آپ ہونے والے سمدھی بھی ہیں، اس لئے شاید تھوڑا مزاح بھی شامل ہے۔

اس طرح نہ مولوی عبدالحمید صاحبؒ حضرتؒ کے حسب ونسب کے چکر میں پڑے اور نہ حضرتؒ نے کبھی مولوی صاحب کا گاؤں یا گھر دیکھا، وقت مقرر پر شادی انجام دے دی گئی، اور زندگی میں کبھی حضرت نے اپنی بیٹی کا گھر نہیں دیکھا۔

شادی کے دن دولہے میاں حضرت سے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت نے پاندان سے ایک چونی (چار آنہ) نکال کر ان کو عنایت فرمائی، میری دادی جان کو اتنی قلیل رقم دیکھ کر کچھ ناگوار گذرا، لیکن میرے پھوپھا جان نے وہ چونی ہمیشہ سنبھال کر رکھی، وہ کہتے تھے کہ یہ چونی نہیں، برکتوں کا خزانہ ہے (۴۶۸)۔

☆ حمیدہ خاتون، ولادت کی تاریخ معلوم نہیں ہے، البتہ بچپن ہی میں حضرت منورویؒ کے پہلے حج کے موقعہ پر ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء میں انتقال کر گئیں۔

☆ سعیدہ خاتون: ان کی ولادت ووفات کی تاریخیں بھی معلوم نہیں ہیں، یہ بھی صغرسنی ہی میں انتقال کر گئی تھیں، آخرالذکر ان دونوں صاحبزادیوں کی ولادت ووفات کا علم مجھے دادی جان اور والد ماجد سے ہوا، حضرت منورویؒ کی کوئی تحریر اس سلسلے میں دستیاب نہ ہوسکی، اور نہ گھر میں کسی کو صحیح تاریخ معلوم ہے۔

---

(۴۶۸) یہ باتیں مجھے حضرت والد صاحب نے بتائی ہیں۔

(۵)

باب پنجم

سفر حرمین شریفین

حضرت منورویؒ کے دو اسفار حج کی روداد

عشق کی آخری منزل دیار حبیب کی حاضری ہے، حج عاشقوں کی سب سے بڑی عبادت ہے جہاں آتش عشق کو غذا میسر ہوتی ہے، اور دل مضطرب کو قرار ملتا ہے، تمام عبادتوں میں حج ایک ایسی عبادت ہے جو خدا کی محبوبیت اور بندہ کے عشق و وارفتگی کی مظہر ہے، اسی لئے حسب استطاعت وشوق ہر مؤمن کی آرزو ہوتی ہے کہ اس دیار قدس کا سفر کرے اور وہاں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائے۔

عشق کی طاقت نے دیار حبیب تک پہونچایا

حضرت منورویؒ کی مالی حیثیت پر غور کیا جائے تو (پہلے حج کے موقعہ پر) ان پر از روئے شرع حج فرض نہیں تھا، وہ فطری طور پر ایک مرد درویش تھے، گو کہ وہ اپنی دادیہال اور نانیہال دونوں جگہ بڑی جائیداد چھوڑ کر آئے تھے، مگر وہ سب ان کے لئے افسانۂ ماضی ہو چکی تھیں، ۱۹۴۴ء تک کوئی اولا د نرینہ نہ ہونے کی بنا پر زمینوں کی خرید کی طرف بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی، صرف اتنی زمین موجود تھی کہ سال بھر اپنا اور واردین وصادرین کا خرچ بکفایت پورا ہو سکے، ابتداء میں (کم ازکم ۱۹۵۰ء تک) آپ کے پاس رہائشی دو کٹھہ زمین کے علاوہ صرف تھوڑی سی اراضی تھیں، جن سے گھر کے لئے سال بھر کا غلہ نکل آتا تھا، ایسے حالات میں سفر حج کا ارادہ کرنا محض ان کی گرمئ عشق اور طلب صادق کی دین تھی، جس نے تن تنہا اس مسافر کو دیار حبیب تک پہونچایا، اور رب العالمین اور رحمۃ اللعالمین کی عنایات وبرکات سے سرفراز کیا۔

درویشانہ زندگی

البتہ ۱۹۴۴ء میں اللہ پاک نے آپ کو فرزند دلبند سے نوازا، اور میرے والد ماجد پیدا ہوئے، دوسری طرف آپ کی طبابت وحکمت کو آہستہ آہستہ قبولیت وفروغ حاصل ہوا، اور پھر فتوحات کے درواز ے بھی کھلے تو آپ نے فرزند دلبند کی پیدائش کے چند سالوں (۱۹۵۰ء) کے بعد کچھ زمینیں منوروا شریف اور کچھ پورنیہ میں خریدیں، مگر اس کے بعد گھریلو اور خانقاہی اخراجات میں بھی کافی اضافہ ہو گیا تھا، اسفار کی کثرت ہو گئی تھی، اور مہمانوں کا ہجوم بھی گھر پہ رہنے لگا تھا، عام طور پر آپ ہدایا قبول نہیں کرتے تھے، اور اگر ہدیہ قبول فرماتے تو اپنی طرف سے اس کا عوض کسی نہ کسی عنوان سے واپس کر دیتے تھے، اس طرح جو کچھ اللہ پاک دیتے تھے وہ سب خلق خدا پر خرچ ہو جاتا تھا، کبھی اپنے کو امیروں کی صف میں داخل نہیں ہونے دیا، فقیری کی زندگی گذاری، فقیرانہ روش قائم رکھی، فقیروں کی خدمت کی، اور اسی فقرو بے سروسامانی میں اتنے کام کر گئے کہ آج تک ان کے نقوش کی پرچھائیوں سے بے شمار

لوگ ـــــ مالامال ہورہے ہیں۔

حضرت منورویؒ نے اسی عالم بے سروسامانی میں تین (۳) حج کئے، دو حج (۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء اور ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) تو خود ادا کئے اور تیسرے حج (۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) میں جب سفر کا یارانہ رہا، اور دربار میں خود حاضری ممکن نہ رہی، تو ایک شخص کے ذریعہ حج بدل کرایا۔

پہلا سفر حج

(رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق جولائی ۱۹۵۰ء تا محرم الحرام ۱۳۷۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۰ء)

حضرت منورویؒ نے پہلا حج ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء میں کیا، اس حج کی تفصیلات زیادہ معلوم نہیں ہیں، روداد لکھنے کا آپ کا مزاج نہیں تھا، جو خود آتش محبت میں جل رہا ہو وہ اپنے ہی جلنے کی کیا روداد لکھے، فسانہ تو اکثر تماشائی لوگ لکھتے ہیں، جو مٹ چکا ہو وہ اپنے ذکر کو کیا نقش دوام بخشے، بحر عشق و معرفت میں جو خود مبتلائے غرق ہوا سے اپنے غرق کی کیفیت بیان کرنے کا ہوش کہاں، صاحب حال کو اتنی فرصت کہاں، کہ وہ اپنے حال کی داستان لکھے، شکستہ دل انسان اپنے شیشۂ دل کے ذرات خود کہاں سمیٹتا پھرے، آپ کے حج کے بارے میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت معلوم ہو سکا وہ بعض مشاہدین کے ذریعہ یا حج کے ان دستاویزات کی بدولت جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔

حج کی تیاریاں

حج کی تیاریاں رجب المرجب ۱۳۶۹ھ/ اپریل ۱۹۵۰ء سے قبل ہی شروع ہوگئی تھیں، آپ کے حج پلگرام پاس (پاس نمبر **PO4/29**) پر کاغذی کاروائی کا آغاز ۲۳ / اپریل ۱۹۵۰ء مطابق ۴ / رجب المرجب ۱۳۶۹ھ سے ہوا ہے، ظاہر ہے کہ پیسوں کا انتظام اور دیگر تیاریاں اس سے قبل ہی شروع ہوگئی ہونگی، چنانچہ پورنیہ بالخصوص کملپور (موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال) کے احباب نے تانبا اور پیتل وغیرہ کے بہت سے قیمتی ظروف ہدیہ میں پیش کئے تھے، علاوہ گھر میں کچھ چیزیں تھیں، سب کو فروخت کر کے آپ نے اپنے زاد سفر اور کرایہ وغیرہ کا انتظام کیا، گھر میں چار پانچ مہینے کی خوراک اور بقدر ضرورت نقد رقم رکھ کر دونوں اہلیہ سمیت تین کمسن بچوں (زاہدہ خاتون عمر سات سال ☆ محفوظ الرحمن عمر چھ سال ☆ اور رابعہ خاتون عمر ۲ سال) کو اللہ کے حوالے کیا، اور بمبئی کے لئے تنہا روانہ ہوگئے۔

مختار نامہ عام

مکان کی زمین کے علاوہ کاشت کی ایک دوزمینیں تھی، وہ جناب مصطفیٰ عراقی گدام دار صاحب (م ۲۷/جنوری ۱۹۷۵ء مطابق ۱۳/محرم ۱۳۹۵ھ) (۴۶۹) کے حوالے کیا، اوران کے نام باقاعدہ مختار نامہ عام بنادیا تاکہ حسب ضرورت اس کی پیداوار کی قیمت یا زمین فروخت کر کے زمین کی قیمت وہ حجاز مقدس بھیج سکیں، مختار نامہ کا مضمون یہ تھا:

''چوں من مقر کا ارادہ حج بیت اللہ کا ہے، اور بہت ممکن ہے کہ کچھ زمانہ وہاں قیام کا موقعہ ہو، اور ہندوستان سے روپیہ حجاز بھیجنے کی ضرورت ہو، اس لئے من مقر کی خواہش ہوئی کہ اراضی مندرجہ خانہ نمبر ۵ جو خاص حقیت ومقبوضگی من مقر کی ہے، اس کو کسی کے سپرد کردوں کہ اس کو جوت وآباد کر کے جو پیداوار بعد وضع خرچ کے ہو اس کو فروخت کر کے روپیہ اپنے پاس رکھیں، اور حسب ضرورت روپیہ حجاز روانہ کریں، بلکہ ضرورت ہو تو منجملہ اراضیات مذکور فروخت بھی کریں، اور اس کی قیمت من مقر کے پاس بھیج دیں، چنانچہ من مقر نے اپنی خواہش نزد مقر الیہ مندرجہ خانہ ۲ پیش کیا، جو شخص دیانت دار اور لائق ہیں، تو انہوں نے کارہائے مذکور کو انجام دینا منظور کیا، اس لئے مقر الیہ مندرجہ خانہ ۲ کو اپنا مختار عام مقرر کرنا ضروری ہے، بنابر من مقر اقرار صالح کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ من مقر نے مقر الیہ مندرجہ خانہ ۲ کو مختار عام نسبت اراضی مندرجہ خانہ ۵ مقرر کیا، واختیار دیا کہ من مقر کی غیر حاضری میں تا واپسی از حجاز اراضیات مذکور کو اپنے تحت رکھ کر جوت وآباد کرائیں، اور جو پیداوار ہو، اس کو فروخت کر کے حسب ضرورت طلب کرنے پر روپیہ حجاز روانہ کیا کریں، اور اگر ضرورت ہو تو کل یا جز واراضی مندرجہ خانہ ۵ کو بحیثیت مختار عام من جانب من مقر فروخت کریں، اور قبالہ تحریر وتعمیل کر کے رجسٹری کا اقرار نزد رجسٹرار کریں، اور ہر فعل کردہ مقر الیہ فعل من مقر تصور ہوگا، ومن مقر کوئی عذر، اعتراض بابت تحریر وتعمیل دستاویزات قبالہ جات یا کسی دیگر قسم دستاویز کی نسبت پیش نہیں کریں گے، اس لئے یہ مختار نامہ عام بحق

(۴۶۹) چھڑوں کے بڑے تاجر تھے، حضرت منورویؒ کے معتقد اور خصوصی معتمد تھے، بہت نیک اور ایمان دار تھے، ان کا پورا خاندان حضرت سے وابستہ تھا، ان کے والد کا نام محمد عثمان تھا، پہلی مرتبہ وہی منورواشریف وارد ہوئے اور یہاں سکونت اختیار کر لی، جناب محمد عثمان صاحبؒ بھی حضرت منورویؒ سے منسلک تھے، ان کے دوسرے صاحبزادے محمد مرتضیٰ تھے، یہ تمام حضرات منورواشریف کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

مقرالیہ لکھ دیا کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے‘‘ (۴۷۰)

بمبئ میں سفری کاروائی کی تکمیل

آپ بمبئ کب پہونچے، یہ تو معلوم نہیں ہے البتہ آپ کے پلگرام پاس پر بندرگاہ کی پورٹ حج کمیٹی کے ایگزیکیٹو افسر کے دستخط کی تاریخ ۱۱/ جولائی ۱۹۵۰ء مطابق ۲۴/ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ ہے، اندازہ یہ ہے کہ اس سے ایک آدھ ہفتہ قبل بمبئ ضرور پہونچے ہونگے، اس کے بعد ویزہ اور بینک کی کاروائی عمل میں آئی، ویزہ لگنے کے بعد ۲۸/ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۴/ جولائی ۱۹۵۰ء کو جہاز کے کرایہ کے لئے تین سوتہتر روپے (۳۷۳) چھ آنے جمع کرائے گئے۔

سفری تفصیلات

۱۹/ جولائی ۱۹۵۰ء مطابق ۲/شوال ۱۳۶۹ھ کو دیگری سفری تفصیلات کی کاروائی پوری کی گئی، مثلاً نومنی یعنی کسی حادثہ کی صورت میں نامزد با اختیار شخص کا تعین، جہاز اور اس میں درجۂ سفر کا تعین وغیرہ:

☆ نومنی کے خانہ میں محفوظ الرحمن (بیٹا) اور زاہدہ خاتون (بیٹی) کا نام درج ہے۔

☆ پانی جہاز (شپ) کا نام ’’اسلامی‘‘ ہے، اور درجۂ سفر فرسٹ کلاس اختیار کیا گیا تھا۔

☆ ٹکٹ ریٹرن (یعنی آمدورفت دونوں کا) لیا گیا تھا، ٹکٹ نمبر تھا: 36425، اس لئے کہ اس وقت کے دستور کے مطابق جدہ میں جہاز سے اترنے کے بعد پلگرام پاس کا اندراج انڈین قونصلیٹ میں ضروری تھا، اور اس وقت واپسی ٹکٹ بھی دکھانا پڑتا تھا، اگر واپسی ٹکٹ موجود نہ ہو تو زر امانت کے طور پر رقم جمع کر کے اس کی رسید حاصل کی جاتی تھی، ایسا نہ کرنے پر واپسی میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

بمبئ سے روانگی

۵/شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۲/ جولائی ۱۹۵۰ء کو آپ بمبئ میں پانی جہاز پر سوار ہوئے، اور تقریباً چودہ (۱۴) دن کے بحری سفر کے بعد ۱۹/شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مطابق ۵/ اگست ۱۹۵۰ء کو جدہ پہونچے، اور انڈین کونسلیٹ میں اندراجات وغیرہ کا عمل مکمل کیا گیا، جدہ میں غالباً کئی دن ٹھہرنا پڑا، سواری (اونٹ) وغیرہ کے انتظام میں شاید تاخیر ہوئی، پلگرام پر درج تاریخ کے مطابق آپ ۸/ ذی

(۴۷۰) دو صفحات کا یہ مختار نامہ عام حقیر راقم الحروف کے پاس محفوظ ہے۔

قعدہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۲۳ / اگست ۱۹۵۰ء کو مکہ معظّمہ پہونچے۔

معلم حج

آپ کے معلم یا جدہ میں سفری انتظامات کے وکیل کا نام ''حسین ابوزید'' تھا، پلگرام پاس پر یہی نام درج ہے، اس زمانہ میں معلم بمبئی آجاتے تھے، اور یہیں سے ان کی رہنمائی شروع ہوجاتی تھی، لیکن اتفاق سے آپ کے قافلہ کے معلم اچانک بمبئی ہی میں بیمار ہو گئے، اور اس نے قافلہ کی قیادت حضرت منورویؒ کے حوالے کردی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ گھر سے تنہا چلے تھے، مگر بمبئی پہونچ کر لشکر بن گئے، یہ اس قافلہ کی خوش نصیبی تھی اس نے آپ جیسے بزرگ شخصیت کی قیادت میں حج کا عمل پورا کیا، اس قافلے نے آپ سے بہت فیض پایا، قافلہ والوں نے آپ کی بڑی خدمت کی، حالانکہ آپ اپنے ساتھ کھانے پکانے وغیرہ کا سب سامان ساتھ لے کر گئے تھے، لیکن پورے قافلہ نے آپ کو اپنا مہمان بنالیا، ہر وقت دعوتیں ہونے لگیں، اور آپ کے غذائی سامانوں کا تھیلا بندھا کا بندھا رہ گیا، بلکہ وہ اسی طرح منوروا واپس آگیا (۱۷۴)۔

حج سے فارغ ہوکر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور روضۂ پاک کی حاضری اور دیگر اعمال واشغال اور آداب ورسوم سے فارغ ہوئے۔

سرمستی وخودفراموشی کی کیفیت

☆ مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ دونوں جگہ آپ پر عجیب سرمستی وخودفراموشی کی کیفیت طاری رہی، ایک عینی مشاہد کے بیان کے مطابق مکہ ومدینہ میں کہیں آپ نے چپل استعمال نہیں کی، چپل کو بغل میں دبائے رکھتے تھے اور ہر جگہ پیادہ پا چلتے تھے، جب کہ وہاں کے اکثر راستے اس وقت سنگلاخ اور نوکیلے پتھروں سے بھرے ہوئے تھے، پیدل چلنے سے پاؤں لہولہان ہوجاتے تھے، مضبوط سے مضبوط اعصاب والے لوگ بھی اس کی ہمت نہیں کر پاتے تھے، آپ تو خیر سے نرم ونازک اور منحنی وجود رکھنے والے انسان تھے، لیکن آپ کا عشق انہی سنگلاخ راستوں پر چلنے کے لئے مجبور کرتا تھا، بقول شاعر ؎

انہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
میرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

---

(۱۷۴) یہ بات میرے والد صاحب اور گاؤں کے کئی بوڑھے بزرگوں نے مجھ سے نقل کی، کہ سارا سامان جس طرح ہم لوگوں نے باندھ کر دیا تھا ویسے ہی واپس آگیا۔

☆اسی طرح ایک عجیب بات یہ بھی دیکھی گئی کہ آپ کے ہاتھ میں ایک بند ڈبہ رہتا تھا، بعد میں پتہ چلا کہ اس میں آپ کا پیشاب ہوتا تھا، آپ نے اپنے پورے زمانۂ قیام حرمین میں سرزمین قدس پر ادھر ادھر کہیں پیشاب نہیں کیا، بلکہ اسی ڈبہ میں محفوظ کر لیتے تھے، اور مکہ معظمہ میں ابوجہل کے مکان پر اور مدینہ پاک میں حدود مدینہ سے باہر دور جا کر وہ پیشاب پھینک آتے تھے۔

☆اسی مشاہد کا یہ بھی بیان ہے کہ محویت واستغراق کے عالم میں کبھی گھنٹوں گم سم کھڑے رہتے تھے، کبھی ہنستے اور کبھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے، ایسی کیفیت کہ دیکھنے والوں کو بھی ان پر ترس آجاتا تھا۔

یہاں تو آنکھوں کے بل چلنا چاہئے

وہاں تو کوئی ان سے کچھ پوچھنے والا نہ تھا، بس ایک خاموش نگاہ ناقد تھی جوان باتوں کو نوٹ کر رہی تھی (۴۷۲)، وطن مالوف کی واپسی پر جب ان حاجی صاحب کے ذریعہ یہ خبر عام ہوئی، تو بعض مخصوص اہل تعلق کے اصرار پر حضرت نے اس کی تصدیق کی اور وضاحت فرمائی کہ جس سرزمین پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ کے قدم مبارک پڑے ہوں وہاں سواری یا جوتوں سے چلنا بےادبی ہے، وہ تو اس لائق ہے کہ آنکھوں کے بل انسان چلے لیکن اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم پیادہ پا ہی سہی، رہا پاؤں کا زخمی ہونا، تو عشق میں تکلیف تو ہوتی ہی ہے، اس درد میں بھی لذت ہے، ہم تو درد عشق ہی کے لئے وہاں گئے تھے، پھر اس درد سے فرار کہاں؟ اسی لئے میں نے پیشاب کرنے میں بھی احتیاط کی کہ نہ معلوم کہاں کہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گذرے ہوں؟، اور کہاں کہاں آپ نے نشست فرمائی ہو؟ لہذا میں پیشاب کو لے جا کر دشمن رسول ابوجہل کے مکان پر ڈال آتا تھا، اور اس سے یک گونہ مجھے سکون ملتا تھا کہ میں نے اس ظالم سے کسی نہ کسی درجہ میں اپنے حبیب کا انتقام لے لیا، (۴۷۳) اب لوگ اسے

(۴۷۲) دراصل ان واقعات کے راوی پورنیہ کے جناب حاجی چھجو صاحب (اصل نام غالباً شجاع الدین) ہیں، وہ بھی اسی سال سعادت حج سے بہرہ ور ہوئے، اور بمبئی سے حجاز تک دور دور سے شریک سفر رہے تھے، حضرت منورویؒ کا مستقل قیام ان دنوں پورنیہ ہی میں تھا، سورجاپور میں آپ کا مطب اور خانقاہ تھی، اس لئے حاجی صاحب آپ کو جانتے تھے اور آپ بھی ان سے کسی حد تک واقف تھے۔

(۴۷۳) اس زمانے میں حرم پاک مختصر تھا اور ابوجہل کا مکان حرم سے دور تھا، لیکن اب حرم کی کافی توسیع ہوگئی ہے، ۱۹۰۷ء میں مجھے مکہ معظمہ حاضری کا شرف حاصل ہوا تو میں نے دیکھا کہ جس جگہ ابوجہل کا گھر تھا وہاں حرم پاک کے لئے بیت الخلا بنا دیئے گئے ہیں، میں نے اپنے دادا کی بصیرت کی داد دی کہ آج ساری دنیا ابوجہل کے مکان پر پیشاب کر رہی ہے، میں بالارادہ اپنی ضرورت کے لئے اسی حصے میں جاتا تھا کہ اپنے دادا کے نقش پا کی پیروی کر سکوں۔

دیوانگی سمجھیں یا جنون اور پاگل پن قرار دیں، مجھے تو اس کا ہوش نہیں تھا (۴۷۴)۔

به عشق تو ام می کشند غوغائیست
تو نیز برسر بام آ که خوش تماشائیست

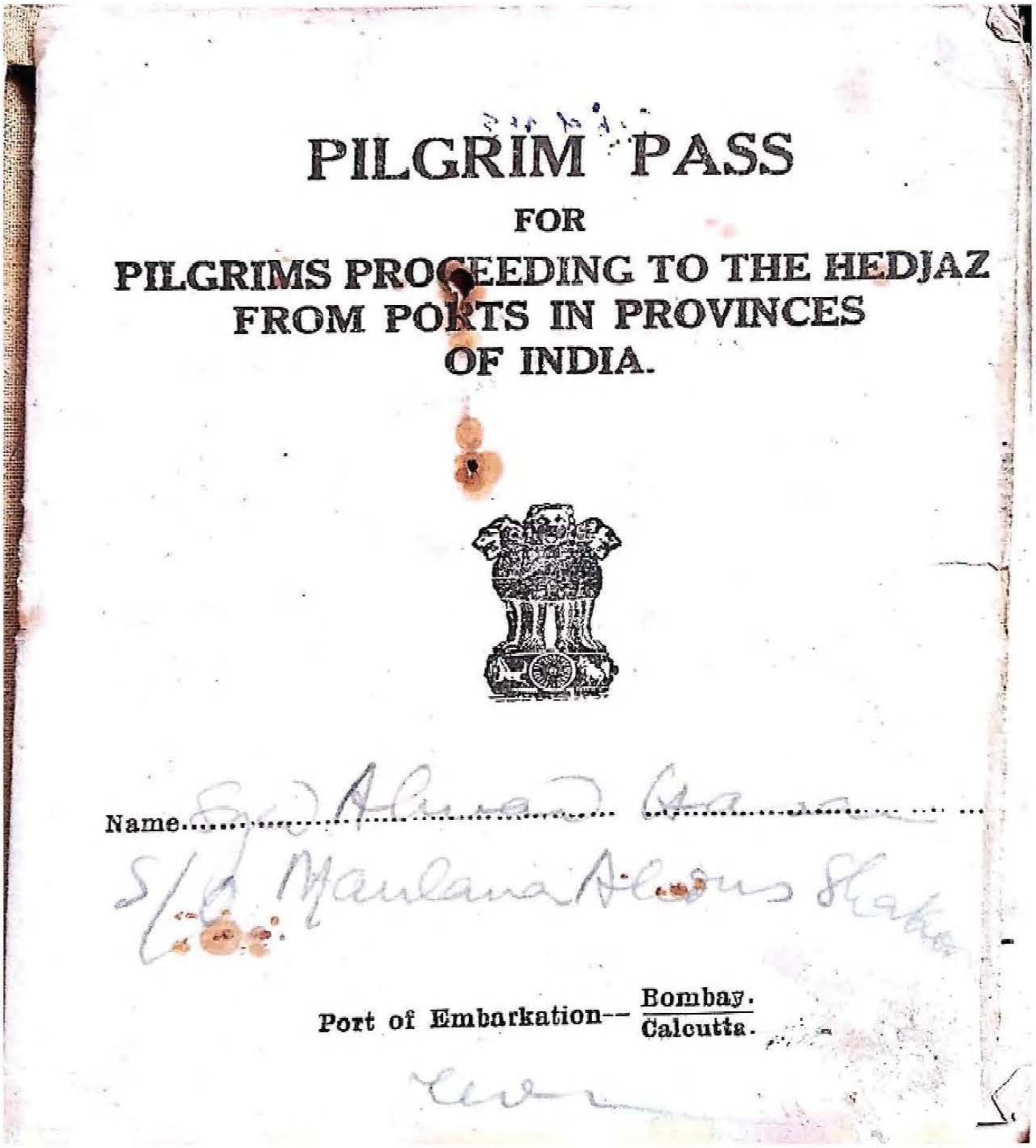
اگر کچھ تھی تو بس یہ تھی تمنا آخری اپنی
کہ وہ ساحل پہ ہوتے اور کشتی ڈوبتی اپنی

وطن واپسی

انہی کیفیات کے ساتھ آپ نے قریب دو ماہ حجاز مقدس میں گذارے، اور دیار حبیب کی خوشبوؤں سے مشام جان کو معطر کیا، ۶/محرم الحرام ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۰ء کو آپ واپس بمبئی تشریف لائے (۴۷۵)، پھر وہاں سے منورواشریف آئے، اور یہاں کچھ دن قیام فرما کر پورنیہ تشریف لے گئے۔

۞ ۞ ۞

(۴۷۴) حضرت منورویؒ سے جن لوگوں نے تحقیق حال کی ان میں بطور خاص جناب ولی اصغر صاحبؒ (لوٹیاباری ضلع پورنیہ) اور جناب محمد وارث علی صاحبؒ (سورجاپور ضلع اتر دیناجپور بنگال) قابل ذکر ہیں، اور انہی حضرات نے بعد میں میرے والد ماجد کے سامنے یہ واقعات نقل کئے، اور والد صاحب نے کئی بار یہ واقعات ہم لوگوں کے سامنے بیان فرمائے۔
(۴۷۵) تواریخ کی جملہ تفصیلات آپ کے حج پلگرام پاس بک سے لی گئی ہیں جو انیس (۱۹) صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں حاجیوں کے لئے اردو اور بنگلہ زبانوں میں ضروری سفری ہدایات بھی موجود ہیں۔

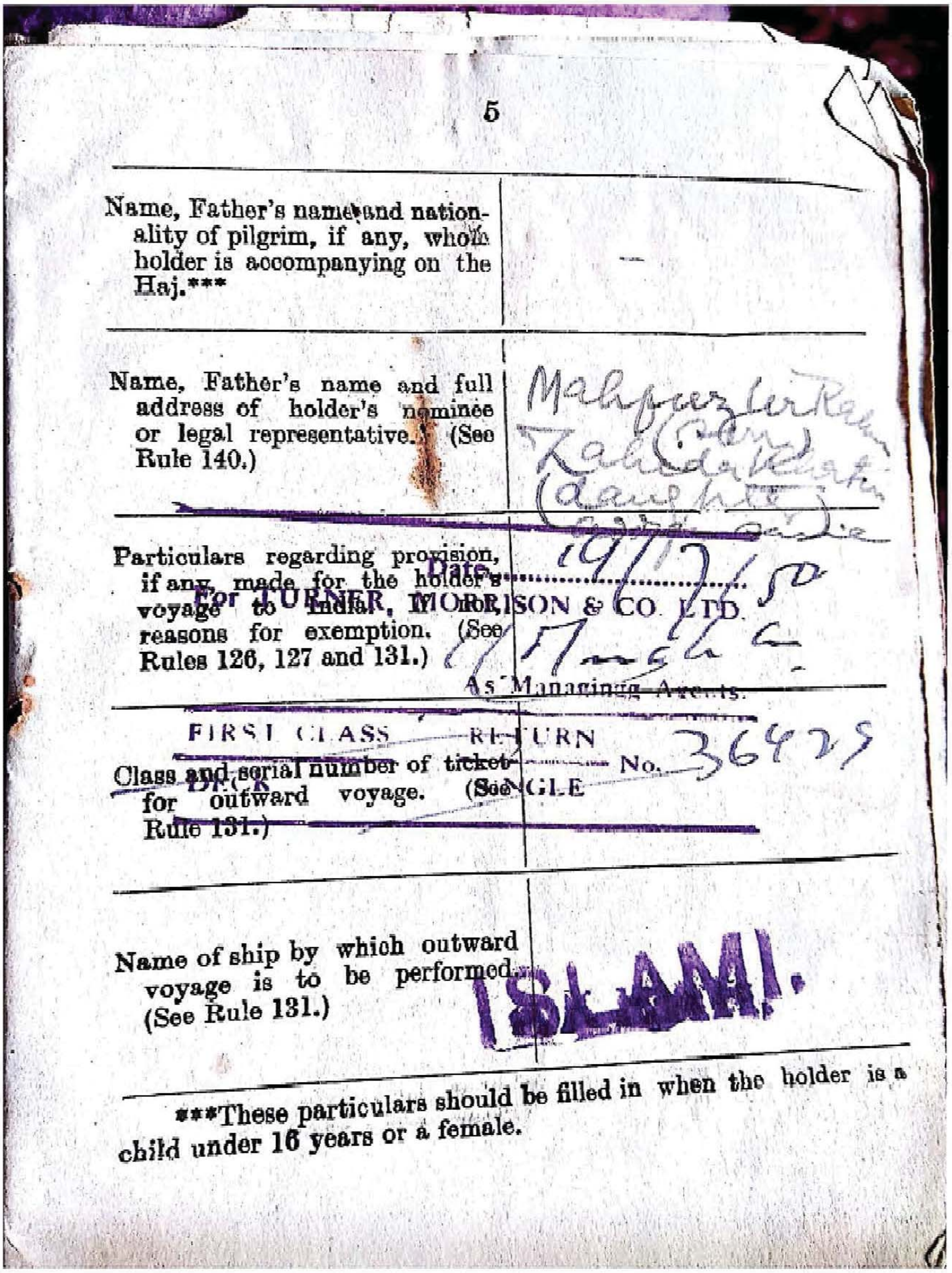

PILGRIM PASS
FOR
PILGRIMS PROCEEDING TO THE HEDJAZ FROM PORTS IN PROVINCES OF INDIA.

Name..

Port of Embarkation-- Bombay. / Calcutta.

Scanned by CamScanner

حضرت منورویؒ کے پہلے حج (۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ) کاپلگرام پاس (سرورق)



5

Name, Father's name and nationality of pilgrim, if any, whom holder is accompanying on the Haj.***	—
Name, Father's name and full address of holder's nominee or legal representative. (See Rule 140.)	Mahfuzur Rahman (son) Zahida Khatun (daughter) [illegible]
Particulars regarding provision, if any, made for the holder's voyage to India, or reasons for exemption. (See Rules 126, 127 and 131.)	Date 19/7/50 For TURNER, MORRISON & CO. LTD. [illegible] As Managing Agents.
Class and serial number of ticket for outward voyage. (See Rule 131.)	FIRST CLASS RETURN DECK SINGLE No. 36429
Name of ship by which outward voyage is to be performed. (See Rule 131.)	ISLAMI.

***These particulars should be filled in when the holder is a child under 16 years or a female.

Scanned by CamScanner

حضرت منورویؒ کے پہلے حج (۱۹۵۰ء/۱۳۶۹ھ) کا پلگرام پاس (اندر کا ایک صفحہ)

دوسرا سفرِ حج

(شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق جنوری ۱۹۶۱ء تا ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق جون ۱۹۶۱ء)

ایک سال قبل سے عزمِ سفر اور تیاریاں

حضرت منورویؒ نے دوسرا حج ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں کیا، لیکن آپ کے مکاتیب سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس حج کا ارادہ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء ہی میں کیا تھا، اور رجب المرجب ۱۳۷۹ھ/ جنوری ۱۹۶۰ء میں بلکہ اس سے بھی قبل آپ نے فارم بھر دیا تھا، پلگرام پاس نمبر (۷۶۳) بھی آپ کو مل چکا تھا (۴۷۶)، کرایہ کی رقم بھی بھیج دی تھی، اور یہ رقم بمبئی آفس ۲۵ / رجب المرجب ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۵ / جنوری ۱۹۶۰ء کو پہونچ بھی گئی تھی (۴۷۷)---

حاجی منظور احمد صاحبؒ کی شمولیت اور کاروائی کا آغاز

البتہ یہ تمام تر تیاری آپ کے تنہا سفرِ حج کی تھی، لیکن پھر غالباً آپ ہی کے ایماء پر آپ کے مرید خاص حاجی منظور احمد صاحبؒ (مصرولیا) بھی اس میں شریک ہوئے، اور ان کی کاغذی کاروائی شوال المکرم ۱۳۷۹ھ/ اپریل ۱۹۶۰ء میں شروع ہوئی، حاجی صاحبؒ مصرولیا کی رفاقت سے حضرت منورویؒ کو خوشی تو بہت ہوئی (۴۷۸)، جیسا کہ حضرت اپنے ایک خط میں حاجی صاحبؒ کو لکھتے ہیں:

> ''عزیزم بابو منظور سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کا لفاف و کارڈ دونوں ملا، بے حد خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، ناچیز وکیل صاحب کا شکریہ تہ دل سے ادا کرتا ہے، ناچیز نے بھی جوابی کارڈ مولانا عبد العزیز صاحب کو کل لکھا ہے، دیکھئے بمبئی سے کیا جواب آتا ہے، ان شاء اللہ ضرور کامیابی ہوگی'' (۴۷۹)

---

(۴۷۶) مکتوب حضرت منورویؒ بنام حاجی منظور احمد صاحبؒ بتاریخ ۲۳/ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۱/ اپریل ۱۹۶۰ء

(۴۷۷) مکتوب حضرت منورویؒ بنام حاجی منظور احمد صاحبؒ بتاریخ ۲۵/ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۲/ اپریل ۱۹۶۰ء

(۴۷۸) مکتوب بتاریخ ۱۳/ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۱/ اپریل ۱۹۶۰ء۔

(۴۷۹) مکتوب بتاریخ ۱۳/ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۱/ اپریل ۱۹۶۰ء۔

حضرت منوروی ؒ کو اندیشہ اور سفر کی تیز تر کوششیں

لیکن تاخیر کی وجہ سے حضرت کو اندیشہ تھا کہ شاید وقت پر کاروائی پوری نہ ہو سکے، اور خدانخواستہ سفر مشکل ہو جائے، کیوں کہ پانی جہاز کے اُس دور میں شوال سے ذی قعدہ کے وسط تک صرف ڈیڑھ ماہ میں کاروائی کی تکمیل بہت مستبعد تھی، اس لئے حضرت نے بمبئی میں مقیم بہار کے مشہور وممتاز عالم دین اور بمبئی میں کئی اہم اداروں کے بانی حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز صاحبؒ (م ۱۹۶۶ء/ ۱۳۸۶ھ) (۴۸۰)

(۴۸۰) آپ کا اصل نام ''بابوجان'' تھا، آپ کے والد کا نام شیخ صمدانی تھا، سیتامڑھی کے ایک گاؤں ''بیرار'' کے رہنے والے تھے، والد صاحب پڑھے لکھے نہ تھے، لیکن اپنے بیٹے کو پڑھانے کا عزم کیا، اور علاقے کے ایک عالم مولانا محمود عالم ''صاحب (تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ) جو اسی سال دیوبند سے فارغ ہو کر آئے تھے، کے پاس اپنے بچے کو لے گئے، اور پڑھانے کی درخواست کی، مولانا محمود صاحب نے ان کو اپنی شاگردی میں قبول کیا، ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مولانا نے ان کو مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھیج دیا، وہاں اساتذہ نے آپ کا نام بابوجان ختم کر کے ''عبدالعزیز'' تجویز کیا، اس دن سے آپ عبدالعزیز ہو گئے، مدرسہ امدادیہ کے بعد آپ امروہہ چلے آئے، اور یہاں سے سند فراغ حاصل کیا، پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور فاضل دارالعلوم دیوبند ہوئے، دیوبند میں آپ کو حضرت علامہ انورشاہ کشمیریؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ جیسے اساطین علم سے استفادہ کا موقعہ ملا، فراغت کے بعد وطن پہونچے تو والدین دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، اپنے دالان میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اور تین سال تک بلا معاوضہ گاؤں کے بچوں کو پڑھایا، آپ مفتی بھی تھے، آپ سے لوگ مسائل میں رجوع ہوتے تھے، اس کے بعد چھ (۶) سال مدرسہ اشرف العلوم کنہواں میں تدریسی خدمت انجام دی، ۱۹۲۵ء/ ۱۳۴۳ھ میں مدرسہ احمدیہ مدھوبنی میں مدرس ہوئے، اور یہاں بھی چھ (۶) سال رہے، اس کے بعد حضرت مولانا عبدالوہاب دربھنگویؒ اور مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوریؒ اور دیگر اساتذہ کے حکم سے ۱۹۳۰ء/ ۱۳۴۸ھ میں آپ بمبئی تشریف لے گئے، مولانا حکیم مسعود احمد (جو حکیم اجمیری کھڑک کے نام سے مشہور تھے) و برادران کو پڑھانا شروع کیا، پھر کھوکھا بازار مسجد میں امامت وخطابت بھی کرنے لگے، اس وقت بمبئی میں بڑی جہالت تھی، کوئی قابل ذکر عالم دین موجود نہیں تھا، وہاں آپ کی خدمات تاریخ میں سنہرے حرفوں میں لکھی جائے گی، آپ نے بڑا کام کیا، کچھ دنوں جامع مسجد بمبئی کے مدرسہ محمدیہ میں صدر مدرس کے منصب جلیل پر فائز رہے، پھر کچھ بزرگوں کے مشورے سے نمازی منزل دوٹانکی پر دارالعلوم امدادیہ کی بنیاد رکھی، اور اس میں مدرس ومفتی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، بمبئی میں آپ مفتی مہاراشٹر اور مولانا بہاری کے نام سے مشہور ہوئے، جمعیۃ علماء مہاراشٹر کی بنیاد بھی آپ ہی نے رکھی، جمعیۃ علماء مہاراشٹر کی جانب سے شاہ سعود کے لئے استقبالیہ پیش کیا، شاہ نے تمغہ اور تلوار سے آپ کی قدرافزائی کی، میران روڈ بمبئی میں مدرسہ ''عزیزیہ'' آپ ہی کے نام پر ہے جس کو آپ کے بھتیجے جناب مولانا مظہر عالم صاحبؒ نے قائم کیا تھا۔==

کو اس کے لئے خصوصی خط تحریر فرمایا، اور اس کے ساتھ ان کے لئے اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب (ولادت ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء وفات ۶/صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰/ جولائی ۱۹۶۰ء دربھنگہ) کا مکتوب بھی منسلک کیا(۴۸۱)، تاکہ کاروائی میں مزید تیزی لائی جاسکے--- مغل لائن میں دو سیٹ بک کرنے کے لئے آپ نے فرمادیا تھا۔

حضرتؒ کی بے قراری اور حاجی منظور صاحبؒ کو ہدایات

لیکن ان تمام تر تدبیروں کے باوجود بمبئی سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، اس سے حضرت کو قلق واضطراب پیدا ہوا، وقت میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ ڈاک سے خط وکتابت کی جاسکے، آپ نے حاجی صاحب کو تاکید کی کہ تار یا ٹیلی فون سے رابطہ کر کے معاملہ کو یقینی بنائیں، اس لئے کہ اس سال بمبئی سے آخری جہاز ۲۲/مئی ۱۹۶۰ء مطابق ۲۵/ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ کو روانہ ہو رہا تھا، جو تقریباً ۳/یا ۴ ذی الحجہ کو جدہ پہونچنے والا تھا، اس اضطراب میں حضرت کو کبھی جی میں آتا تھا کہ اللہ کے بھروسہ پر بمبئی کے لئے نکل جائیں، مگر پھر خیال آتا کہ سیٹ کنفرم کئے بغیر سفر کرنا مناسب نہیں ہے، بمبئی آنے جانے میں اس وقت کم سے کم دوسو (۲۰۰) روپے خرچ ہوتے تھے، آپ نے متعلقہ حضرات کو بار بار خطوط لکھے، تاکہ کسی طرح سفر کی کوئی صورت پیدا ہو، اکثر خطوط تو ضائع ہو گئے، البتہ حاجی منظور صاحب کے نام بعض دستیاب خطوط سے حضرتؒ کی بے قراری و بے چینی اور اس وقت کی صورت حال کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت منورویؒ کے بعض مکاتیب

ان خطوط کے کچھ اقتباسات (تاریخی ترتیب پر) پیش ہیں:

بابو منظور حفظکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم

تین خط آپ کی خدمت میں روانہ کر چکے ہیں، آپ کے دیدار کے لئے دل بے قرار ہے، اگر بمبئی کے خط کا جواب آجائے تو فوراً لے کر تشریف لائیے، اور تاریخ روانگی مقرر کیجئے، ۵/ مئی ۱۹۶۰ء (۸/ذی قعدہ ۱۳۷۹ھ) کے بعد جانا بے کار ہوگا، ۲۲/مئی تک جہاز جانے کی

==مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے گاؤں بیرار میں بھی ''مدرسہ تعلیم الدین'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، آپ کی وفات ۱۹۶۶ء/۱۳۸۶ھ میں موضع بیشی میں ہوئی، اور اپنے آبائی گاؤں موضع بیرار ضلع سیتامڑھی میں مدفون ہوئے (تذکرہ علماء بہار ج ۱ ص ۱۷۹، ۱۸۰ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)

(۴۸۱) مکتوب حضرت منورویؒ بنام حاجی منظور احمد صاحبؒ بتاریخ ۲۷/شوال المکرم ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۵/اپریل ۱۹۶۰ء

تاریخ ہے، در بھنگہ سے سفارشی خط بھی لیتے آیئے گا، اگر چہ سیٹ کی امید کم ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر روانہ ہونا چاہئے، اگر ممکن ہو تو بذریعۂ ٹیلی فون دریافت کر لیجئے، اور ضرور دریافت کر کے روانہ ہونا اچھا ہے، جیسی آپ کی رائے ہو تشریف لا کر طے کیجئے، اب خط و کتابت کا وقت نہیں ہے، ٹیلی فون یا جوابی تار دے کر دریافت کیجئے، میرا نمبر ۶۳ ۷ ہے، ۲۲/ مئی کے بعد جہاز ختم ہے، ناچیز آپ کی کوشش کا امیدوار ہے۔

مکرر عرض ہے کہ بغیر جوابی تار کے جانا بہتر نہیں، دوسو (۲۰۰) روپے برباد کرنے سے بہتر ہے کہ تار سے جواب منگائیے۔

آپ کا دعا گو احمد حسن قادری
ضلع دربھنگہ

۲۱/ اپریل ۱۹۶۰ء مطابق ۲۳/ شوال المکرم ۹ ۷ ۱۳ھ

اس مکتوب کے دو روز کے بعد ایک اور خط تحریر فرمایا:

''عزیزم بابو منظور سلمہ اللہ تعالیٰ — السلام علیکم

چوتھا خط ارسال خدمت ہے، آپ بذریعۂ جوابی تار یا ٹیلی فون جلد از جلد جواب منگا کر تشریف لا کر تاریخ سفر مقرر کیجئے، ہم آپ کے منتظر ہیں، اب وقت نہیں ہے، آج تک بمبئی سے کوئی جواب نہ آیا، اور نہ مولانا عبد العزیز صاحب ہی نے جواب دیا، آپ کے پاس کیا جواب آیا لکھئے، بغیر سیٹ کے سفر کرنا مناسب نہیں، ورنہ ناکامیابی کا پورا خطرہ ہے، ۲۲/ مئی کے بعد جہاز ختم ہے، جواب منگا کر ۵/ مئی تک روانہ ہو جانا چاہئے، مغل لائن میں دو سیٹ کہا ہے، ٹیلی فون سے معلوم کریں، ۶۳ ۷ نمبر میرا ہے، یا مولانا عبد العزیز صاحب سے بذریعۂ تار دریافت کیجئے، ۲۵/ جنوری کو میرا روپیہ وہاں پہونچ چکا تھا، جلد جواب دیجئے تاکہ سفر کا انتظام کیا جائے اگر ممکن ہو تو ایک سو اسی (۱۸۰) روپے جواب آنے پر روانہ کر دینا چاہئے۔

احمد حسن قادری عفی عنہ

۲۲/ اپریل ۱۹۶۰ء مطابق ۲۵/ شوال المکرم ۹ ۷ ۱۳ھ

پھر دو دن کے بعد ایک اور خط روانہ فرمایا:

'' عزیز روحی سلمہ اللہ تعالیٰ

آپ کا لفافہ وکارڈ ملا، حالات سے واقفیت ہوئی، دین مہر کے مطابق زمین لکھ دینا بہتر ہے(۴۸۲)۔

مولانا عبدالعزیز صاحب کا کوئی خط نہیں آیا ہے، مولانا عبدالرحیم صاحب سے بھی جوابی کارڈ لکھوا کر بھیجا ہے، اور ہم نے بھی لکھا ہے، مگر کسی کا بھی جواب نہیں آیا، آپ جلد جلد خط لکھا کیجئے تاکہ تشفی ہوتی رہے، بحالت مجبوری پلگرام پاس سے بھی چلنا ضروری ہے، کوشش بلیغ فرمائیے، ٹیلی فون کے ذریعہ دریافت کیجئے، ناچیز تو بے حد مجبور ہے، اگر آپ کوشش نہ فرمائیں گے تو سفر کی امید کم ہے، جس صورت سے ممکن ہوامسال چلنے کی کوشش کیجئے۔

دعا گو

احمد حسن قادری عفی عنہ

۲۵/ اپریل ۱۹۶۰ء مطابق ۲۷/ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ

سفر آئندہ سال (۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) کے لئے مؤخر

آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا، بمبئی سے کوئی جواب نہیں آیا، اور سفر حج اگلے سال (۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) کے لئے ملتوی کرنا پڑا، حضرت منورویؒ تنہا سفر کر سکتے تھے، لیکن آپ نے غالباً حاجی صاحب کی وجہ سے اس سفر کو مؤخر کر دیا، آپ پر فریضۂ حج تو باقی نہیں تھا، محض آتش عشق کی تسکین کے لئے آپ بے چین تھے، سفر کا مؤخر ہو جانا آپ کے لئے صدمہ کی بات تھی، لیکن ضعف و نقاہت کی وجہ سے رفیق سفر کے بغیر سفر کرنا مناسب معلوم نہیں ہوا، یہ حاجی منظور صاحب کی خوش نصیبی تھی کہ ابھی حلقۂ بیعت میں آئے ہوئے تین (۳) سال بھی نہیں گذرے تھے کہ حج جیسے مبارک سفر میں حضرتؒ کی ہم رکابی کا شرف ان کو حاصل ہوا، اور یہ ان کی محبوبیت کی علامت ہے کہ حضرت نے ان کے سفر حج کے لئے سعی بلیغ فرمائی، اور ان کی وجہ سے اپنا سفر مؤخر کر دیا، **فرحمهما الله**۔

۱۳۸۰ھ میں دوبارہ سفر حج کی تیاری

اگلے سفر کی تیاری موجود کاغذات اور خطوط کی روشنی میں صفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۸/ اگست ۱۹۶۰ء کے اواخر سے شروع ہوئی، اس لئے کہ حضرت منورویؒ کے ایک مکتوب (مرقومہ ۱۳/ ربیع الاول

(۴۸۲) غالباً حاجی منظور صاحبؒ نے حج سے قبل اپنی اہلیہ کے حق مہر کے بارے میں دریافت کیا تھا، اس پر یہ ارشاد ہوا کہ حج سے قبل جملہ حقوق العباد کو ادا کر دیں، اگر دین مہر میں زمین دینی ہے تو لکھ دینا (رجسٹری کر دینا) بہتر ہے۔

۱۳۸۰ھ مطابق ۶/ستمبر ۱۹۶۰ء بنام حاجی منظور صاحبؒ) میں بمبئی کے جواب کے انتظار کا ذکر ہے ---البتہ دفتری کاروائی جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ مطابق نومبر ۱۹۶۰ء سے شروع ہوئی (۴۸۳)۔

رمضان المبارک سے قبل حجاز مقدس پہونچنے کی خواہش

حضرت کی خواہش تھی رمضان المبارک مدینہ منورہ میں گذاریں، سال گذشتہ بھی آپ کی کوششوں کا ہدف (جو آپ نے اپنے لئے شروع کی تھیں) یہی تھا، آپ نے رجب ہی میں رقم جمع کرادی تھی، تا کہ شعبان کے اخیر تک مدینہ منورہ پہونچ جائیں، لیکن اللہ پاک کے علم میں یہ سعادت آپ کے لئے اگلے سال مقدر تھی، اس لئے اس بار پھر آپ نے خصوصیت کے ساتھ یہ کوشش کی کہ شعبان المعظم ہی میں حجاز مقدس پہونچ جائیں، چنانچہ حاجی منظور صاحب کو ایک خط (مرقومہ ۱۱/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق ۴/اکتوبر ۱۹۶۰ء) میں تحریر فرمایا:

''عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ''

بعد دعا کے واضح ہو کہ آپ کا خط مل کر باعث مسرت ہوا، شعبان میں جو جہاز جائے گا اس سے ان شاء اللہ جائیں گے، تا کہ وہاں روزہ رکھ سکیں نومبر سے حج کا کام شروع ہوجائے گا، کوئی ایسی صورت نکالئے کہ روپیہ یہیں جمع کر دیں اور مکہ معظّمہ میں لے لیں (۴۸۴)، خیر اس وقت طبیعت بہت خراب ہے، اچھے ہونے پر لکھیں گے----ان شاء اللہ

دعا گو

احمد حسن عفی عنہ

۱۱/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق ۴/اکتوبر ۱۹۶۰ء

---

(۴۸۳) مکتوب حضرت منورویؒ بنام حاجی منظور احمد صاحبؒ بتاریخ ۱۱/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ مطابق ۴/اکتوبر ۱۹۶۰ء

(۴۸۴) پہلے سفر حج میں مالی وسعت اتنی نہیں تھی اور ابلاغ و ترسیل کے ذرائع بھی اتنے ترقی یافتہ نہ تھے، اس لئے آپ نے اپنی زمین گاؤں کے ایک صاحب پاس رکھ دی تھی اور ان کے نام مختار نامہ عام بنا دیا تھا تا کہ حسب ضرورت وہ رقم ارسال کرسکیں (جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے)

لیکن دوسرے سفر حج میں اللہ پاک نے مالی طور پر کچھ وسعت عطا فرمادی تھی اور دنیا کے ذرائع ترسیل نے بھی کافی ترقی کی تھی، اس لئے خیال ہوا کہ رقم پہلے ہی بھیج دی جائے تا کہ مکہ معظّمہ پہونچنے کے بعد دقت پیش نہ آئے، یوں بھی اس بار نسبتاً طویل قیام کا ارادہ تھا۔

سفر حج کی کاروائی کا آغاز

حج کی کاروائی نومبر ۱۹۶۰ء سے شروع ہوئی، اور آپ نے پہلی فرصت میں رقم جمع کرانے کی کوشش کی، چنانچہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۶۰ء مطابق ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ ہی کو آپ نے حاجی منظور صاحب کو اس طرف توجہ دلاتے ہوئے خط تحریر فرمایا:

''عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ''

بعد دعا کے واضح ہو کہ ایک خط آپ کی خدمت میں جا چکا ہے، فوراً تشریف لائیے تاکہ روپیہ جمع کر دیا جائے، ورنہ بحالت مجبوری ۲۵/اکتوبر کو ناچیز روپیہ لے کر حاضر خدمت ہوگا، میری طبیعت خراب ہے اس لئے مجبوری ہے آپ آتے تو بہتر ہوتا، ورنہ ۲۴/اکتوبر کو یہاں سے ناچیز روانہ ہو جائے گا ان شاء اللہ، اور آپ کے شامل روپیہ جمع کرے گا''

(۱۸/اکتوبر ۱۹۶۰ء مطابق ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ)

منورواشریف سے کئی حجاج کی شمولیت

آپ کے دوسرے حج کی خبر پچھلے سال سے ہی گشت کر رہی تھی، گوکہ آپ ان چیزوں کو جلدی ظاہر نہیں فرماتے تھے، لیکن پچھلے سال کی محرومی کے غم نیز حاجی منظور صاحب کی منورواشریف بار بار آمد کی وجہ سے یہ بات پوشیدہ نہ رہ سکی، اور علاقہ میں یہ بات مشتہر ہوگئی، اس کے نتیجے میں کئی لوگوں میں زیارت بیت اللہ کا جذبہ بیدار ہوا۔ اس کا تذکرہ حضرت نے اپنے ایک مکتوب (مرقومہ ۲۳/نومبر ۱۹۶۰ء مطابق ۲/جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ بنام حاجی منظور صاحب) میں کیا ہے:

''امسال قبل رمضان بہت لوگ جارہے ہیں، آپ جلد کوشش کریں'' (۴۸۵)

---

(۴۸۵) علاقہ سے اس سال کتنے لوگ سفر حج پر گئے اس کی تفصیل معلوم نہیں ہے، البتہ منورواشریف سے چند ناموں کا علم ہوسکا، جو درج ذیل ہیں:

(۱) حاجی ابراہیم پسر عبدل (متوفی ۱۸/ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۶/اگست ۱۹۸۵ء بروز منگل) (۲) حاجی بشارت حسین صاحب (۳) حجن امام النساء صاحبہ (عرف امامن) زوجۂ محمد حسین (۴) حجن نجم النساء صاحبہ زوجۂ محمد یعقوب (۵) حجن سکونت صاحبہ والدۂ بشیر جیٹھ رعیت (۶) حجن انیسہ خاتون صاحبہ زوجۂ بشیر جیٹھ رعیت (۷) حجن عبیدن صاحبہ (عرف مسنی) زوجۂ گوہر علی مرحوم۔

ناموں کی یہ تفصیل محترم جناب حافظ التجا صاحب (ولادت ۱۹۴۳ء ساکن موضع منورواشریف) سے حاصل ہوئی، ==

ان میں خاص طور پر حاجی ابراہیم صاحب (منوروا شریف، جو رشتہ میں حضرت کے ہم زلف اور برادر نسبتی تھے) کا ذکر آپ کے ایک خط میں ملتا ہے، جناب محمد وارث علی صاحبؒ (مقام سورجاپور ضلع اتر دیناجپور بنگال) کے نام ایک خط (مرقومہ ۷/دسمبر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۶/جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ) میں حضرت نے لکھا ہے کہ:

''امسال یکم شعبان (۱۳۸۰ھ مطابق ۲۰/جنوری ۱۹۶۱ء) کو بابو ابراہیم اور بہت سے حضرات مکہ معظّمہ جارہے ہیں''

اس قافلہ میں حاجی منظور احمد صاحبؒ اور حاجی ابراہیم صاحبؒ ہر جگہ حضرت کے ساتھ خادم کی طرح رہے، اورانہوں نے خدمت وارادت کا حق ادا کیا۔

بمبئ روانگی اور کاروائی کی تکمیل

کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بہار حج کمیٹی کا آفس رمنہ روڈ پٹنہ میں تھا، ظاہر ہے کہ ابتدائی کاروائی یہیں سے ہوئی ہوگی، بہار کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد حضرت کا قافلہ بمبئ کے لئے روانہ ہوا، بمبئ میں دستاویزات پر پہلی کاروائی یکم شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۰/جنوری ۱۹۶۱ء کو کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ اس سے کم از کم ایک دو روز قبل ہی یہ حضرات بمبئ پہونچ گئے ہونگے۔

۲۷/جنوری تا ۳/فروری ۱۹۶۱ء مطابق ۸ تا ۱۵/شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ میڈیکل ٹیسٹ وغیرہ کی کاروائی ہوئی، ۴/فروری ۱۹۶۱ء مطابق ۱۶/شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ کو ویزہ کا عمل مکمل ہوا۔

سفری تفصیلات

پلگرام پاس کی روشنی میں آپ کے سفر کی تفصیلات اس طرح تھیں:

☆ معلم کا نام ''سید مجوب شیخ''، یہ پورے صوبۂ بہار کے معلم تھے۔

☆ پی پی (پلگرام پاس) نمبر: **B1/312**

☆ پتہ: مقام منوروا، پوسٹ آفس: صلحا بزرگ، ضلع دربھنگہ بہار۔

☆ نومنی (نامزد وارث) کے خانہ میں صاحبزادۂ محترم ''محفوظ الرحمن'' کا نام درج ہے، پہلے حج کے کاغذ میں بیٹا کے علاوہ بیٹی ''زاہدہ خاتون'' کا نام بھی شامل تھا، لیکن دوسرے حج کے موقعہ پر بیٹی کی

== ان میں چار خواتین ان کے خاندان کی تھیں، اور ان کو رخصت کرنے کے لئے حافظ صاحب حسن پور ریلوے اسٹیشن تک گئے تھے، اس وقت ان کی عمر سولہ سترہ سال تھی، میرے والد ماجد نے بھی ان ناموں کی تصدیق کی۔

شادی ہو چکی تھی، اس لئے غالباً ان کا نام شامل نہیں کیا گیا۔

☆ پانی جہاز (شپ) کا نام ''محمدی'' تھا۔

☆ سیٹ فرسٹ کلاس کے بجائے ڈیک کلاس (Deck Class) بک کی گئی تھی، یہ فرسٹ کلاس سے کمتر درجہ ہے، غالباً ایک کمرے میں الگ الگ کیبن ہوتے تھے، ڈیک کلاس میں کیبن بک ہوتے تھے، جب کہ فرسٹ کلاس میں ایک مستقل کمرہ مل جاتا تھا۔

پہلے حج میں حضرت تنہا تھے، اس لئے آپ نے فرسٹ کلاس سیٹ بک کی تھی، لیکن دوسرے حج میں رفقاء سفر کی رعایت میں آپ نے ڈیک کلاس اختیار فرمایا، تاکہ دوسرے رفقاء اس کا تحمل کر سکیں، یہ ایثار اور رفقاء سفر کی رعایت کی بہترین مثال ہے۔

بمبئی سے جدہ کا بابرکت سفر

۵/فروری ۱۹۶۱ء مطابق ۱۷/شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ کو بمبئی میں آپ اپنے قافلے کے ساتھ جہاز پر سوار ہوئے، اور ایک ہفتہ کے بحری سفر کے بعد ۱۲/فروری ۱۹۶۱ء مطابق ۲۴/شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ کو آپ جدہ پہونچے (۴۸۶)، آپ کے رفیق سفر حاجی منظور صاحب کا بیان ہے، جہاز کا منظر بڑا عجیب تھا، آپ کی نورانی اور روحانی مجالس سے جہاز کے اکثر لوگوں نے فیض اٹھایا، اور تقریباً ایک سو (۱۰۰) سے زیادہ آدمی حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے (۴۸۷)۔

مکہ مکرمہ میں ورود مسعود

جدہ سے آپ ۲۹/شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵/فروری ۱۹۶۱ء کو مکہ مکرمہ پہونچے، اسی تاریخ میں آپ نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ (۴۸۸) میں زر امانت جمع کر کے سند امانت حاصل کی تھی، مکہ

(۴۸۶) تواریخ کی جملہ تفصیلات آپ کے حج کے کاغذات سے ماخوذ ہیں، جو اس حقیر کے پاس محفوظ ہیں۔

(۴۸۷) یہ بات حاجی منظور صاحبؒ اور حاجی ابراہیم صاحب کے حوالے سے میرے والد ماجد نے نقل فرمائی۔

(۴۸۸) دارالعلوم حرم کے نام سے بھی مشہور تھا، اس دور میں یہاں معمولی فیس پر حجاج کرام کے قیام کی بھی سہولت تھی، اور حجاج کی بڑی تعداد یہاں ٹھہرتی تھی، جیسا کہ مدرسہ کے کتابچہ (۱۹۶۳ء) سے ظاہر ہوتا ہے، جس کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا، غالب گمان یہ ہے کہ حضرت منورویؒ کا قیام بھی یہیں رہا ہوگا، یہ اس دور میں حرم شریف سے بمشکل سات آٹھ منٹ کے فاصلے پر تھا، مدرسہ کا مرکزی دفتر اس وقت ''محلہ حارت الباب'' میں تھا، اور مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا محمد سلیم صاحبؒ (م ۲/شعبان ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۸/جولائی ۱۹۷۷ء) تھے، اس وقت مدرسہ پر تقریباً ایک صدی بیت چکی تھی، اور اس کی اپنی پانچ (۵) مستقل عمارتیں تھیں، اب یہ مدرسہ وہاں سے جنوب مکہ میں محلہ ''الککعکیۃ'' ==

== میں منتقل ہو چکا ہے اور یہ جدید ترین عمارتوں کا ایک شہر ہے۔

یہ نظامیہ طرز تعلیم کی پہلی درسگاہ تھی جو حجاز مقدس میں قائم ہوئی، اس مدرسہ کی بنیاد حضرت مولانا محمد رحمت اللہ ابن خلیل الرحمن عثمانی کیرانویؒ (ولادت جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ مطابق مارچ ۱۸۱۸ء وفات ۲۲/ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ مطابق یکم مئی ۱۸۹۱ء شب جمعہ، مدفون جنۃ المعلیٰ بجوار ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ) نے ڈالی، اس کا آغاز رجب المرجب ۱۲۸۵ھ مطابق اکتوبر ۱۸۶۸ء میں انہوں نے اپنے خرچ سے احاطۂ حرم میں ''باب الزیادۃ'' سے کیا، پھر بعض ہندوستانی مہاجرین (نواب فیض احمد خان رئیس ضلع علی گڑھ وغیرہ) کی مدد سے جبل قینقاع (یا جبل ہندی) کے پاس محلہ ''الشامیۃ'' میں ''دار السقیفۃ'' نامی ایک عمارت میں یہ منتقل ہوا، اور کئی سال تک اسی حالت میں چلتا رہا، اس وقت یہ ''مدرسۃ الشیخ رحمت اللہ'' یا ''المدرسۃ الہندیۃ'' کے نام سے معروف تھا، اس لئے کہ یہ ہندوستانی مہاجرین کی امداد سے چلتا تھا، اور پڑھنے والے طلبہ کی زیادہ تر تعداد انہی مہاجرین کی اولاد کی ہوتی تھی، حسن اتفاق ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں کلکتہ کی ایک متمول خاتون محترمہ ''صولت النساء بیگم'' حج کے لئے اپنی بیٹی اور داماد کے ساتھ مکہ مکرمہ آئیں، ان کا ارادہ تھا کہ حاجیوں کے قیام اور ان کے سامانوں کی حفاظت کے لئے ایک عمارت وقف کریں، ان کے داماد حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے تلامذہ میں تھے، وہ حضرت مولانا کی شخصیت سے واقف تھیں، اپنے داماد کے ذریعہ وہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور مکہ مکرمہ میں رباط کی تعمیر کے سلسلے میں مشورہ چاہا، مولانا نے فرمایا کہ مکہ میں رباط کی کمی نہیں ہے، یہاں مہاجرین کی اولاد کے لئے ایک مدرسہ کی ضرورت ہے، جہاں وہ علم دین حاصل کر کے کچھ بن سکیں، آج ان کی اکثریت یہاں بے دین اور نکمی ہوتی جارہی ہے، اگر آپ مدرسہ تعمیر کردیں تو یہ زیادہ بڑا کام ہوگا، اس نیک دل خاتون نے اس مشورہ کو قبول کیا، اور اس نے ایک بڑی رقم مولانا کے حوالے کی کہ آپ اس سے زمین خرید کر مدرسہ کی تعمیر کریں، چنانچہ مولانا نے حرم سے قریب محلہ ''خندرلیسۃ'' میں ایک بڑی زمین خریدی، اور ۱۵/ شعبان المعظم ۱۲۹۰ھ مطابق ۷/ اکتوبر ۱۸۷۳ء کو مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھی، وہ خاتون بھی مسلسل مکہ مکرمہ میں موجود اور زیر تعمیر مدرسہ کو دیکھنے کے لئے آتی رہیں، یہاں تک کہ اس زمین پر پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمرے بن کر تیار ہو گئے، اور ۱۴/ محرم ۱۲۹۱ھ مطابق یکم اپریل ۱۸۷۴ء کو ایک بڑے اجلاس میں (جس میں اکابر علماء و اعیان شریک ہوئے) اس کا افتتاح عمل میں آیا، مولاناؒ نے اپنے مجوزہ خاکہ کے مطابق ایک مدرسہ کی تشکیل کی، اور اس کے نام سے اپنا نام ہٹا کر اس محسنہ خاتون کے نام پر ''مدرسہ صولتیہ'' رکھا، اس مدرسہ نے بہت جلد اور بے پناہ ترقی کی، اس کے فیض عام کی شہرت سن کر ایک بار ملک عبد العزیز زیارت کے لئے حاضر ہوئے، تو مدرسہ کو دیکھ کر اپنے تأثر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''یہ ہماری سرزمین کا جامعہ ازہر ہے'' --- خود جامعہ ازہر نے بھی اس کی اسناد کو منظوری دی، اور یہاں کے فارغین جامعہ ازہر اور سعودی یونیورسٹیوں میں داخلہ کے اہل قرار دیئے گئے (کتابچہ دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، مرتب کردہ: جناب مولانا محمد سلیم صاحبؒ، شائع کردہ: رجب ۱۳۸۳ھ/ دسمبر ۱۹۶۳ء سے مأخوذ ☆ مجاہد اسلام مولانا محمد ==

مکرمہ میں آپ کا قیام کم از کم ۷/رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۲/فروری ۱۹۶۱ء تک رہا، یہاں عمرہ اور مقامات مقدسہ پر حاضری وغیرہ سے فراغت کے بعد آپ مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔



مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کی قدیم ترین عمارت اور صدر دروازہ

دیار حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں

رمضان المبارک کے باقی ایام آپ نے مدینہ پاک میں جوار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذارے، اور مسجد نبوی میں رفقاء کے ہمراہ اعتکاف کا شرف حاصل کیا۔

قطب مدینہ حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسیؒ سے ملاقات

یہیں مسجد نبوی میں آپ کی ملاقات حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی مہاجر مدنیؒ (ولادت ۱۸۹۴ء/ ۱۳۱۱ھ-وفات ۲/ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸/مئی ۱۹۶۹ء) (۴۸۹) سے ہوئی، جن کو آپ

== رحمت اللہ کیرانویؒ ص ۳۶۰ تا ۳۶۵ مؤلفہ مولانا اسیر ادروی، ناشر دارالکتاب لاہور، مئی ۲۰۱۵ء، ☆ نیز کچھ چیزیں ''المدینۃ ڈاٹ کام سے بھی لی گئی ہیں)

(۴۸۹) حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسیؒ کی ولادت ۱۸۹۴ء/۱۳۱۱ھ میں دریائے سندھ کے کنارے جدباء کے بالمقابل ریاست سوات میں واقع ایک چھوٹی سی بستی ''ہاشم خیل بانڈہ'' (جو کہ اس وقت تربیلہ ڈیم میں زیر آب ہے) میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام ''حضرت مولانا شاہ سید عباسیؒ'' ہے، جو سلسلۂ قادریہ کے بڑے بزرگوں میں تھے ==

==ہاشم خیل بانڈہ میں پتھروں کی ایک چھوٹی سی مسجد میں امام تھے، جس پتھر پر آپ نماز پڑھتے تھے کثرت سجود کی وجہ سے اس پر نشان پڑ گیا تھا، ان کی قبر اسی گاؤں کے قبرستان میں ہے، جواب زیر آب ہے۔

والدہ کا نام اسماء تھا، بڑی عبادت گذار اور شب بیدار خاتون تھیں، کہا جاتا ہے کہ ان کو شب قدر حاصل ہوئی تھی اور انھوں نے اپنے چاروں بچوں کے لئے دعا کی تھی، جس کی وجہ سے اللہ پاک نے سب کو علم ظاہر اور علم باطن سے نوازا، جس گھر میں وہ رہتی تھیں وہ گاؤں والوں نے ان کے شوہر کو امام ہونے کے ناطے دے رکھا تھا، شوہر کے انتقال کے بعد گاؤں والوں نے نیا امام رکھ لیا اور ان سے مکان خالی کرالیا، وہ نیک خاتون اپنے یتیم بچوں کو لے کر دریا پار ''جدباء کڑکلی لے کر چلی گئیں، اور وہاں اپنے کسی رشتہ دار کے مکان میں ٹھہریں، ریشم کی ٹوپیاں بنا کر اپنے بال بچوں کی پرورش کی، جب بچے بڑے ہوئے تو ان کو تعلیم کے لئے باہر بھیج دیا، آخر میں مدینہ منورہ ہجرت کر گئی تھیں اور وہیں وفات پائیں، اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت مولانا عبدلغفور عباسیؒ چار بھائی تھے، اور سب ہی صاحب کمال ہوئے، ابتدائی تعلیم سب نے اپنے علاقے میں حاصل کی، صرف ونحو اور فنون کی ابتدائی کتابیں جدباء میں پڑھیں، اور اونچی تعلیم کے لئے بڑے بھائی مولانا محمد معصومؒ کے ہمراہ دہلی آئے، اور یہاں مدرسہ امینیہ میں داخلہ لیا، اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس سند فراغ حاصل کی۔

مولانا عبدالغفور صاحب اپنے بھائیوں میں دوسرے نمبر پر تھے، فراغت کے بعد مدرسہ امینیہ ہی میں مدرس ہو گئے، آپ جامع المعقولات والمنقولات تھے، فنون کی مشکل کتابیں مثلاً قاضی حمد اللہ، امور عامہ، خیالی، صدرا وغیرہ آپ کے پاس ہوتی تھیں، آپ نے پانچ (۵) سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ آپ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔

روحانی تعلیم کے لئے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فضل علی قریشیؒ ساکن مسکین پور ضلع مظفر گڑھ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، سلسلۂ قادریہ کی خلافت حضرت مولانا محمد یونس صاحب (پائمال شریف) سے ملی۔

دہلی کے بعد کچھ دنوں اپنے علاقے میں کالش کے مقام پر تدریس وامامت کی خدمت انجام دی۔ پھر مدینہ منورہ کا عزم فرمایا، ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء میں آپ جدباء سے دہلی تشریف لائے، اور حج کے ارادے سے حجاز پہونچے، اور پھر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، مدینہ منورہ میں آپ کا قیام محلہ درویشیہ باب المجیدی جوار حرم نبوی میں تھا، اب یہ حصہ مسجد نبوی کی توسیع میں آچکا ہے، آپ کی قیامگاہ ایک خانقاہ کی حیثیت رکھتی تھی، آپ کا فیض ہندوستان، پاکستان، شام، ترکی، افغانستان، بنگلہ دیش اور مختلف ممالک میں پہونچا، حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی چاروں مسلک میں آپ کے خلفاء و منتسبین موجود ہیں۔==

''قطب مدینہ'' کہتے تھے(۴۹۰)، وہ بھی مسجد نبوی میں معتکف تھے، آپ ان کو پہلے سے نہیں جانتے تھے، بقول حاجی منظور صاحب ان کی شخصیت کا انکشاف بحیثیت قطب مدینہ آپ کو بذریعۂ کشف ہوا، اور پھر دونوں ایک دوسرے سے بے حد قریب ہو گئے، شاہ صاحبؒ کا قیام محلہ درویشیہ باب المجیدی (اب یہ مسجد نبوی کی توسیع کا حصہ بن گیا ہے) کے پاس اپنے ذاتی مکان میں تھا، اور وہی ان کی خانقاہ بھی تھی۔

قطب مدینہؒ کی خانقاہ میں حضرت منورویؒ کی تشریف آوری

رمضان کے بعد شاہ صاحبؒ نے حضرت منورویؒ کو اپنی خانقاہ پر تشریف لانے کی دعوت دی، اور اس کے لئے کافی اصرار فرمایا، حضرت نے ان کی دعوت قبول کی، اور ان کے مکان پر تشریف لے گئے، حاجی منظور صاحبؒ بھی ہمراہ تھے، آپ کے پہونچنے میں تھوڑی تاخیر ہوئی، حضرت شاہ عبدالغفور صاحبؒ کے یہاں احباب و مریدین کی ایک جماعت پہلے سے موجود تھی، آپ پہونچے تو شاہ

==اتباع سنت پر آپ بہت زور دیتے تھے، آپ کے ملفوظات وافادات کا مجموعہ آپ کے منتسب خاص حضرت مولانا فضل سبحان عباسیؒ نے ''ترجمان شریعت وطریقت'' کے نام سے مرتب کیا ہے، اس سے آپ کی علمی جامعیت اور روحانی کمالات کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کی ہمیشہ یہ تمنا رہی کہ مدینہ پاک میں مدفن نصیب ہو، اللہ پاک نے یہ تمنا پوری کی، اور ۲/ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۸/مئی ۱۹۶۹ء کو مدینہ پاک میں وصال ہوا، اور جنۃ البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے جوار میں مدفون ہوئے۔ اللہ پاک نے آپ کو چار فرزند اور چھ دختران عطا فرمائیں، بڑے صاحبزادے مولانا عبدالحق عباسی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل اور آپ کے جانشین ہوئے، جنۃ البقیع میں مدفون ہیں، دوسرے فرزند مولانا عبدالرحمن عباسیؒ ہیں، یہ بھی جنۃ البقیع میں مدفون ہیں، تیسرے فرزند مولانا محمد سعید عباسیؒ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل اور عربی زبان کے شاعر تھے، جنۃ المعلیٰ مکہ مکرمہ میں مدفون ہیں، چوتھے بیٹے مولانا محمد شریف عباسی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل ہوئے اور مکہ معظّمہ میں رہے۔ (ترجمان شریعت وطریقت (افادات حضرت شاہ عبدالغفور العباسی المدنی) ص ۳۳ تا ۳۸ مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحان عباسی، ناشر ادارۃ الصدیق، کلفٹن کراچی طبع چہارم)

(۴۹۰) حضرت منورویؒ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کو قطب مدینہ کہا کرتے تھے، اسی لئے حضرت منورویؒ کے حلقہ میں وہ قطب مدینہ'' کے لقب سے معروف ہیں، لیکن حضرت مولانا عبدالغفور عباسی صاحب کے کسی تذکرہ میں یا ان کے اپنے حلقہ میں یا کسی اور جگہ اس لقب کا ذکر نہیں ملتا، ان کے کسی مرید، مسترشد یا اہل خانہ یا کسی دوسرے معاصر بزرگ نے ان کو قطب مدینہ نہیں لکھا ہے، یہ حضرت منورویؒ کی معرفت اور قوت کشفیہ کی دین ہے کہ انہوں نے حضرت شاہ عبدالغفورؒ کے مقام کا انکشاف کیا اور ان کو اپنے دور کا قطب مدینہ قرار دیا---حضرت شاہ صاحبؒ کے حلقہ اور دیگر اہل معرفت کو بھی اس انکشاف سے استفادہ کرنا چاہئے۔

صاحب اپنے احباب کے ساتھ ذکر و مراقبہ میں مصروف ہو چکے تھے، آپ بھی خاموشی کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئے، اور اپنی چٹکی دبالی، چٹکی دباتے ہی مجلس کی ساری کیفیت ختم ہوگئی، حضرت شاہ صاحبؒ نے بے چین ہو کر آنکھ کھولی تو دیکھا کہ حضرت منورویؒ پیچھے تشریف فرما ہیں، دوڑے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ آپ کی جگہ یہاں نہیں، وہاں ہے، شاہ صاحبؒ نے آپ کو لے جا کر مسند نشیں کیا، حاجی منظور صاحب بدستور پیچھے ہی اپنی جگہ بیٹھے رہے، پھر شاہ صاحبؒ کی خواہش پر آپ نے مجلس پر توجہ مبذول کی، اور دوبارہ مراقبہ شروع ہوا تو پوری مجلس نہال ہوگئی، اور ہر شخص نے ایک نئی کیفیت ولذت کا احساس کیا، اس طرح شاہ صاحبؒ نے آپ کے ذریعہ اپنے مریدوں کو مستفید کیا (۴۹۱)۔

حضرت منورویؒ کے مقام بلند کا اعتراف

حضرت شاہ صاحبؒ آپ کی عظمت اور مقام بلند کے بے حد مداح اور قدرشناش تھے، آپ کی نسبت سے کوئی شخص بھی ان سے ملتا تو بے حد خلوص ومحبت کا مظاہرہ فرماتے تھے، اور اپنے فیوض عالیہ سے بھی مستفید کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال یہ واقعہ ہے، جو میں نے کئی بار اپنے والد ماجد سے سنا:

''ڈاکٹر حاجی مشتاق احمد صاحبؒ (بکھن گاواں نزد اونسی ضلع دربھنگہ) نے بیان کیا (وہ حضرت منورویؒ سے بیعت تھے) کہ جب انہوں نے اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کا ارادہ کیا تو خواہش ہوئی کہ اہلیہ کو بھی حضرت سے بیعت کرادیں، چنانچہ وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حرف تمنا پیش کیا، حضرت نے فرمایا کہ آپ حج میں جارہے ہیں، وہاں قطب مدینہ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب سے ان کو بیعت کرادیں، ان کو انہی سے زیادہ فیض پہونچے گا، ڈاکٹر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! وہ تو ہم کو جانتے نہیں ہیں، اگر انکار کردیں تو؟ حضرت نے فرمایا کہ میں ایک خط لکھ دیتا ہوں، چنانچہ وہ حج میں گئے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے، اور پتہ معلوم کر کے حضرت شاہ صاحبؒ کے دربار میں پہونچے، اور عرض تمنا کے بعد حضرت منورویؒ کا خط پیش کیا، خط میں حضرت نے ان کو ''قطب مدینہ'' لکھا تھا، شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو بھائی! انہوں نے مجھے قطب مدینہ لکھا ہے، اور میں مدینہ پاک کی سرزمین پر بیٹھ کر کہتا ہوں کہ وہ میرے قطب ہیں اور مجھے منوروا سے فیض ملتا ہے، لیکن چونکہ انہوں نے مجھے حکم دیا ہے اس لئے میں آپ کی اہلیہ کو بیعت کر لیتا ہوں۔

(۴۹۱) یہ واقعہ حاجی منظور صاحبؒ نے میرے والد ماجد سے نقل کیا، اور والد ماجد نے ہم لوگوں کے سامنے بیان فرمایا۔

(۴۹۲) یہ واقعہ خود جناب ڈاکٹر مشتاق احمد صاحبؒ نے میرے والد ماجد سے بیان فرمایا۔

اس سے ان دونوں بزرگوں کے باہمی روابط اور ایک دوسرے کے اعتراف مقام کا پتہ چلتا ہے۔

دربار رسالت سے ہندوستان واپسی کا حکم

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران حضرت منورویؒ نے دربار رسالت سے خصوصی اکتساب فیض کیا، کہا جاتا ہے کہ حضرت منورویؒ اس سفر میں حجاز سے ہندوستان واپس ہونا نہیں چاہتے تھے، بلکہ یہیں جوار آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ساری زندگی گذار دینا چاہتے تھے، اوراس کی تائید کئی شواہد سے ہوتی ہے:

☆ حضرت منورویؒ یہاں حاضری کے لئے قریب ایک سال سے پریشان تھے، اسی بے قراری میں آپ نے اپنی بیٹی کی شادی بڑی عجلت میں کی، اور حج سے فراغت کا انتظار نہ کیا، جب کہ لڑکے والوں نے خواہش کی تھی کہ حضرت! حج سے واپسی پر یہ تقریب انجام دی جائے تو بہتر ہوگا، لیکن حضرت نے کسی کی نہ سنی اور تمام اخراجات وغیرہ کا انتظام فرما کر ساری ذمہ داری انہی حضرات کے حوالے کر دی، آپ پر ایسا اضطراب طاری تھا کہ بیٹی کی شادی میں بھی شریک نہ ہو سکے۔

☆ دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس سفر میں آپ نے اپنا واپسی ٹکٹ نہیں لیا تھا، جب کہ پہلے سفر حج میں آپ ریٹرن ٹکٹ لے کر گئے تھے، واپسی ٹکٹ نہ ہونے کی بنا پر اس مرتبہ آپ کو جدہ کے انڈین قونصلیٹ میں قانونی تکمیل کے لئے زرامانت کے طور پر بارہ سو (۱۲۰۰) روپے جمع کرنے پڑے، جو اس زمانے کے حساب سے بہت بڑی رقم تھی۔

حضرت نے اتنا طویل قیام مدینہ پاک میں غالباً اسی لئے کیا تھا کہ دربار رسالت سے یہاں قیام کی منظوری حاصل کریں، اور اسی لئے ان کو قطب مدینہ کی بھی تلاش ہوئی، تا کہ وہ اس معاملے میں ان کی معاونت کریں، لیکن دربار رسالت سے آپ کو اس کی اجازت نہیں مل سکی اور حکم ہوا کہ ہندوستان واپس جاؤ، وہیں تم سے فیض پہونچے گا (۴۹۳)۔

---

(۴۹۳) یہ بات حضرت منورویؒ کے حلقہ میں معروف ہے، حضرت منورویؒ اپنے مخصوص احباب کے سامنے بڑے افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار فرماتے تھے، جس کے ناقل میرے والد ماجد ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہزار تکلیفوں کے باو جود آپ نے منوروا شریف کی سرزمین کو ترک نہیں کیا، جب کہ یہ آپ کا پیدائشی وطن نہیں تھا، آپ اس کو بآسانی چھوڑ سکتے تھے، لیکن اپنی اولاد کو بھی وصیت کر گئے کہ صبر کے ساتھ خاموش دیوار کی طرح یہیں وقت گذار دو---- اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

مقام قطبیت ہند اور رسول نمائی

اس طرح دربار رسالت ﷺ سے آپ ہندوستان کی قطبیت و نیابت سے سرفراز کئے گئے، اور آپ کو آقائے مدینہ ﷺ کا سفیر اور نمائندہ بنا کر ہندوستان واپس بھیجا گیا۔

اور غالباً اسی کے بعد آپ کو وہ مقام حضوری حاصل ہوا کہ ہر وقت آقائے مدینہ ﷺ آپ کی نظروں کے سامنے رہتے تھے، بلکہ بوقت ضرورت دوسروں کو بھی مشاہدہ کرا سکتے تھے، اس طرح قطبیت کے ساتھ آپ کو صفت ''رسول نمائی'' بھی حاصل ہوئی، جس کی کچھ تفصیل اور بعض واقعات آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

حضرت شاہ عبدالغفور عباسیؒ آپ کی اس خصوصیت اور مقام سے آگاہ تھے اسی لئے وہ آپ کا بے حد احترام کرتے تھے۔

آستانۂ ذوالنورینؓ پر حاضری کا عجیب واقعہ

☆ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک دن حضرت منورویؒ جنۃ البقیع تشریف لے گئے، حاجی منظور صاحب بھی ہمراہ تھے، حضرت کافی دیر تک جنۃ البقیع میں گھومتے رہے، اور پھر واپس آگئے، مغرب کے بعد مسجد نبوی کے کسی گوشے میں ایک ستون سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور گرمی کی وجہ سے قمیص اتار دی تھی، کہ اچانک آپ نے حاجی منظور صاحب کو آواز دی: منظور بابو! منظور بابو! جلدی سے میری قمیص لائیے، حاجی صاحب نے حکم کی تعمیل کی، حضرت قمیص پہنتے ہوئے تیزی کے ساتھ مسجد نبوی سے نکلے اور جنۃ البقیع حاضر ہوئے، اور کافی دیر تک حضرت ذوالنورین عثمان غنیؓ کی قبر اطہر پر مراقب رہے۔

واپسی پر حاجی صاحب کے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ صبح جب ہم لوگ جنۃ البقیع گئے تھے، اس وقت میں نے حضرت عثمان غنیؓ کی قبر شریف کی تلاش کی تھی، لیکن ان کی قبر کا پتہ نہ چل سکا اور میں مایوس واپس چلا آیا، اسی مایوسی کی کیفیت میں بیٹھا تھا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے خادم طلبی کا فرمان لے کر تشریف لائے، میں تیزی سے ان کے پیچھے چل پڑا، اس طرح حضرت عثمان غنیؓ نے خود اپنی قبر کی رہنمائی فرمائی، اور اپنی خاص نسبت قرآنی سے بھی سرفراز فرمایا (۴۹۴)۔

---

(۴۹۴) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے حاجی منظور صاحب کے حوالے سے نقل فرمایا۔

دربار عثمانی رضی اللہ عنہ سے نسبت قرآنی کی نعمت

اس کے بعد قرآن کریم سے ایک خاص نسبت آپ کو پیدا ہوگئی تھی، اور تدبر و تفکر اور فہم قرآن کی وہ دولت بیش بہا نصیب ہوئی کہ شاید و باید، میرے والد صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار مجھ سے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ رمضان میں تم نے کتنا قرآن پڑھا؟ میں نے کئی ختم بتائے، آپ نے سرد آہ کھینچی اور فرمایا کہ ماشاء اللہ بہت خوب، میں تو پورے رمضان میں صرف ایک چوتھائی پارہ قرآن پڑھ سکا---

دراصل ایک ایک آیت کا فیضان اتنا شدید ہوتا تھا کہ جیسے سینہ پھٹ جائے گا، گھنٹوں ایک ایک آیت کے بحر عمیق میں غرق رہتے تھے، شاید یہ اسی نسبت عثمانی رضی اللہ عنہ کا فیض تھا۔

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل - ایک سبق آموز واقعہ

مدینہ منورہ کے قیام کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے رفقاء سفر میں ایک حاجی صاحب کی باطنی کیفیت مدینہ پاک کی سرزمین پر پہونچ کر بھی اچھی نہیں تھی، حاجی منظور صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سے درخواست کی کہ ان کی حالت پر بھی تھوڑی توجہ کی جائے، ان کا خیال تھا کہ شاید حضرت ان پر توجہ نہیں فرماتے ہیں، اسی لئے ان کے قلب سے ظلمت دنیا ختم نہیں ہوتی، حضرت نے فرمایا: ٹھیک ہے آج آپ ان کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی قبر اطہر پر لے جائیں، وہ میری ماں ہیں، اور میری طرف سے ان کی خدمت عالیہ میں توجہ اور دعا کی درخواست پیش کریں، وہ خوشی خوشی ان کو لے کر جنۃ البقیع حاضر ہوئے، اور حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر مراقب ہوگئے، حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا مشاہدہ میں آئیں تو حاجی منظور صاحب نے بصد عجز و نیاز درخواست پیش کی، آواز آئی کہ لاؤ کہاں ہے وہ شخص---؟ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ صاحب وہاں موجود نہیں تھے، بہت افسوس ہوا، کہ اتنا قیمتی وقت ہم نے ضائع کر دیا، اس لمحہ میں ہم کچھ اور مانگ لیتے تو ہم کامیاب ہوجاتے، وہاں سے نکلے تو وہ حاجی صاحب باب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوریں خرید رہے تھے، حاجی منظور صاحب نے خفگی کا اظہار کیا، اور پھر ان کو اپنے حال پر چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا:

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ بخشد خدائے بخشندہ(۴۹۵)

مدینہ منورہ سے مکہ معظّمہ روانگی اور فریضۂ حج سے فراغت

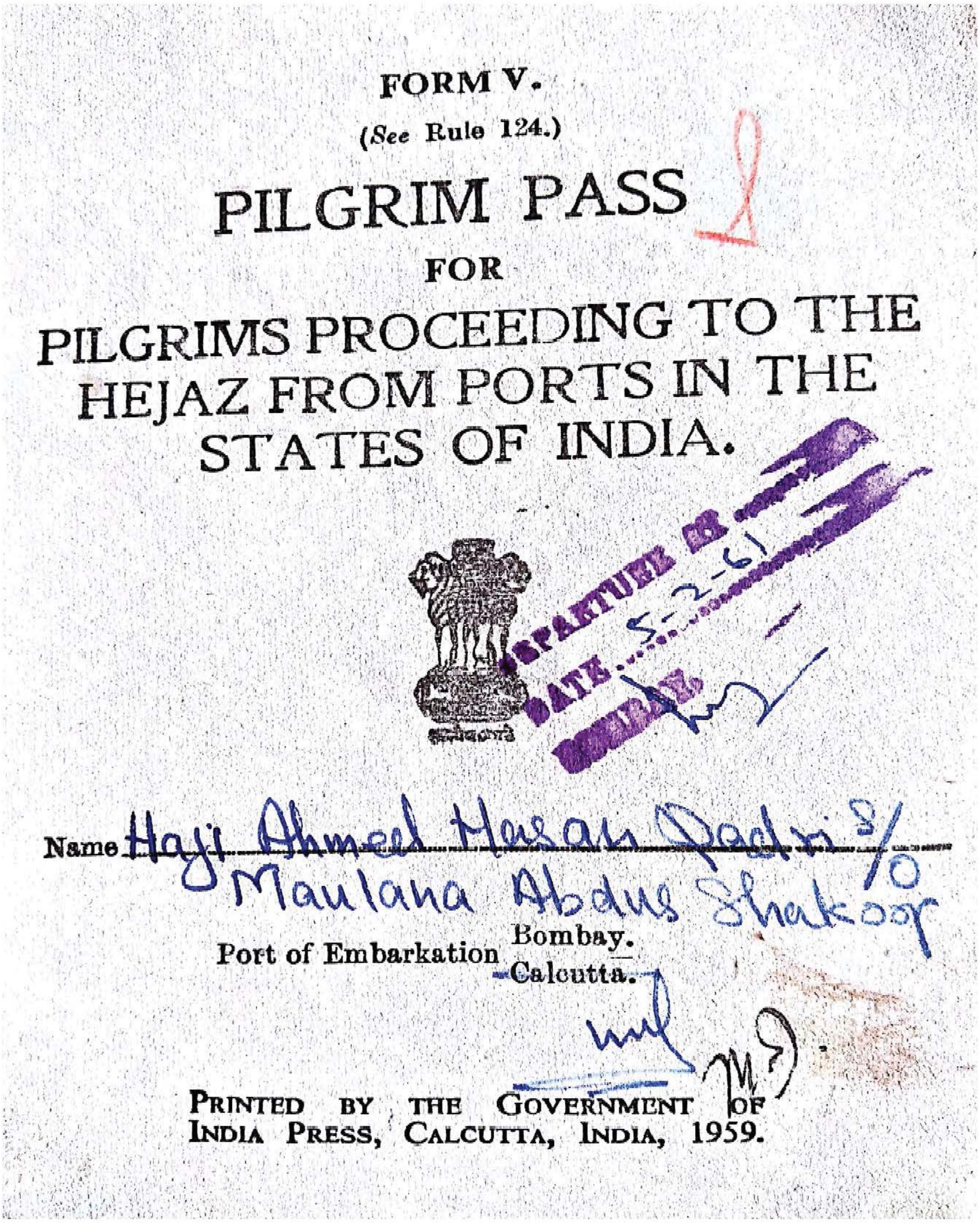
حج کا موسم قریب آیا تو آپ مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے، مدرسہ صولتیہ کی سند امانت سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۵/ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۰/ مئی ۱۹۶۱ء کو آپ مکہ مکرمہ میں موجود تھے، اس کے بعد آپ اعمال حج میں مصروف ہو گئے۔

ہندستان واپسی

حج سے فارغ ہو کر آپ پہلے جہاز سے ہندستان کے لئے روانہ ہو گئے، فرسٹ شپ کی صراحت پلگرام پاس پر موجود ہے، لیکن جدہ سے آپ کی روانگی کس تاریخ میں ہوئی ؟ وہ صاف نہیں ہے، البتہ آپ نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے اپنی زرامانت (جومختلف مراحل میں جمع کی تھی)۱۲/ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۸/ مئی ۱۹۶۱ء کو واپس لے لی تھی، اور آپ کے بمبئی پہونچنے کی تاریخ پلگرام پاس پر ۸/ جون ۱۹۶۱ء مطابق ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ درج ہے، جبکہ اس وقت جہاز کو جدہ سے بمبئی تک پہو نچنے میں تقریباً سات (۷) دن لگتے تھے، اس لحاظ سے غالباً آپ یکم یا ۲ جون ۱۹۶۱ء مطابق ۱۵ یا ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو جدہ سے روانہ ہوئے، اور ۸/ جون ۱۹۶۱ء مطابق ۲۲/ ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو بمبئی پہونچے، پھر وطن تشریف آوری ہوئی۔

---

(۴۹۵) یہ واقعہ خود حاجی منظور صاحبؒ نے میرے والد ماجد سے بیان فرمایا، اور والد صاحب نے بارہا اس کو اپنی مجلسوں میں نقل فرمایا۔



FORM V.

(*See* Rule 124.)

PILGRIM PASS

FOR

PILGRIMS PROCEEDING TO THE HEJAZ FROM PORTS IN THE STATES OF INDIA.

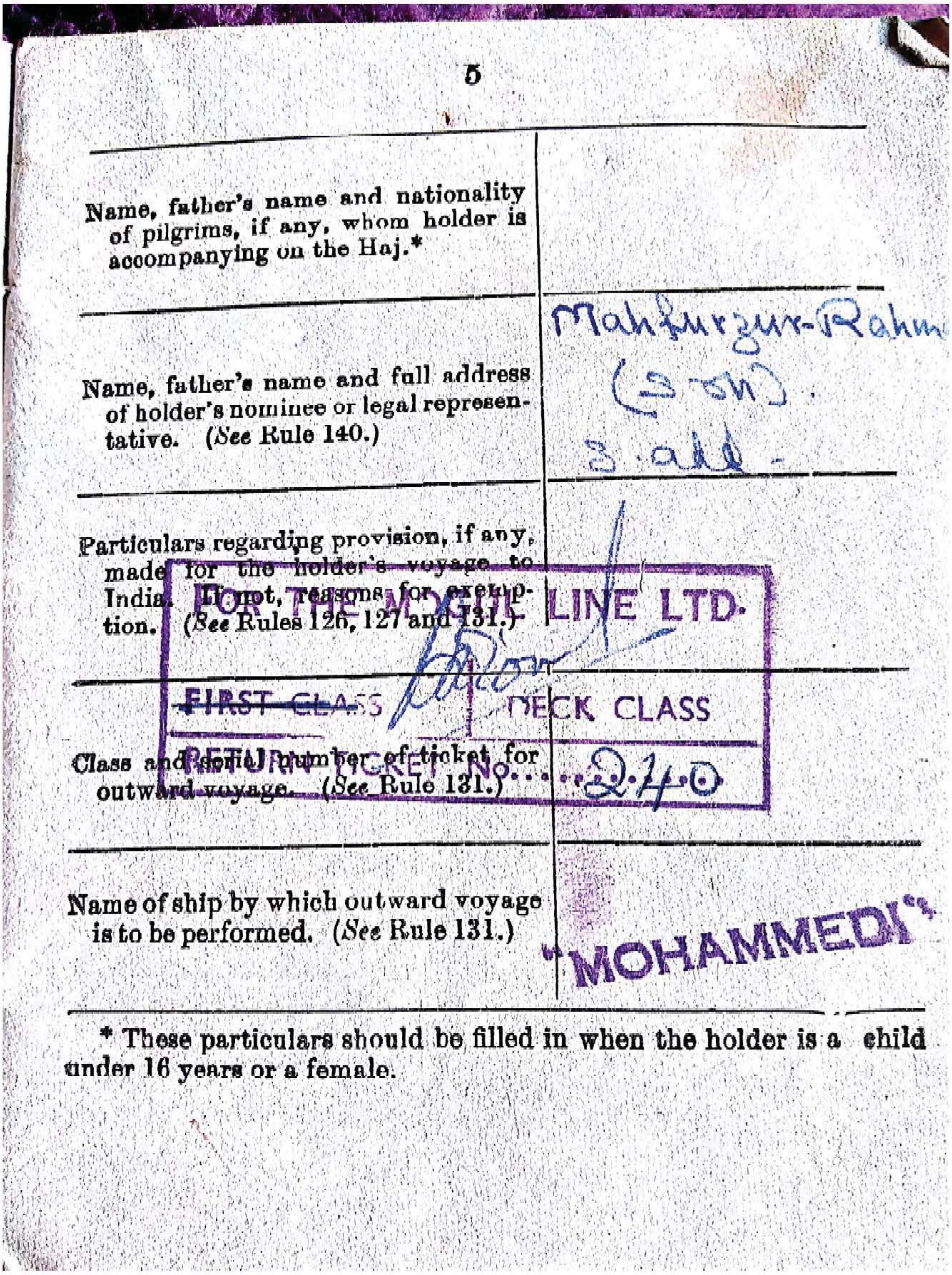
DATE 5-2-61

Name Haji Ahmed Hasan Qadri S/O Maulana Abdus Shakoor

Port of Embarkation Bombay. ~~Calcutta.~~

PRINTED BY THE GOVERNMENT OF INDIA PRESS, CALCUTTA, INDIA, 1959.

حضرت منورویؒ کے دوسرے حج کے پلگرام پاس کا سرورق



5

Name, father's name and nationality of pilgrims, if any, whom holder is accompanying on the Haj.*	
Name, father's name and full address of holder's nominee or legal representative. (*See* Rule 140.)	Mahfuzur-Rahm (S on). S. add.
Particulars regarding provision, if any, made for the holder's voyage to India. If not, reasons for exemption. (*See* Rules 126, 127 and 131.)	FOR THE MOGUL LINE LTD.
Class and serial number of ticket for outward voyage. (*See* Rule 131.)	~~FIRST CLASS~~ DECK CLASS RETURN TICKET No. 240
Name of ship by which outward voyage is to be performed. (*See* Rule 131.)	"MOHAMMEDI"

* These particulars should be filled in when the holder is a child under 16 years or a female.

پلگرام پاس کا اندرونی صفحہ



24

Visa

سفارة المملكة العربية السعودية بالهند

تاشيرة حج رقم ١٨٢

تاريخ منح التاشيرة ١٦/٨/١٣٨٠

مدة صلاحيتها: موسم حج عام ١٣٨٠

مدة الاقامة بالمملكة: موسم حج عام ١٣٨٠

لا يجوز لحامل هذا الجواز العمل بأجر أو بدون أجر. على حامله مراجعة مكتب الجوازات خلال ٤٨ ساعة من دخوله المملكة.

تعتبر هذه التأشيرة ملغاة اذا حصل حاملها على تاشيرة اسرائيلية.

عن السفير

MGIPC—484—39 (P) FSP/60—(15234/C-932)—13-3-60—25,000 Booklets.

پلگرام پاس کا اندرونی صفحہ

تیسرا حج بدل

(۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء)

حضرت منورویؒ تیسرا حج ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں کرنا چاہتے تھے، اوراس کے لئے اخراجات کا بھی انتظام کرلیا تھا، لیکن جب صحت کمزور رہنے لگی، اور آپ سفر کے لائق نہ رہے، تو اپنی وفات (۲۸/ رجب المرجب ۱۳۸۷ھ) سے ایک ڈیڑھ ماہ قبل قریب جمادی الاولیٰ ۱۳۸۷ھ میں آپ نے پندرہ سو (۱۵۰۰) روپے (موجودہ وقت میں قریب ڈیڑھ لاکھ کے برابر) حاجی ابراہیم صاحب (منور وا شریف) کے حوالے کئے کہ ''میری طرف سے حج بدل کا انتظام کریں(۴۹۶)۔

۞ ۞ ۞

(۴۹۶) یہ واقعہ مجھ سے میرے والد ماجد نے نقل فرمایا، حاجی ابراہیم صاحب مرحوم نے حضرت کی طرف سے حج بدل کے لئے کس کو بھیجا، یہ معلوم نہ ہوسکا۔

(٦)

باب ششم

علمی مقام اور خدمات

☆علمی امتیاز

☆ تدریسی خدمات

☆تصنیفی خدمات

☆مدارس و مکاتب کی تاسیس

حضرت منورویؒ ایک صاحب دل درویش کے ساتھ ایک بڑے عالم ربانی بھی تھے، ان کا علم بہت پختہ اور مطالعہ بے حد وسیع تھا، اس کا اندازہ اکثر ان لوگوں کو ہوتا تھا جن کو علم اور کتابوں سے اشتغال تھا، مثلاً:

علمی رعب

☆ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (بڑگاؤں) تلمیذ رشید حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک مرتبہ حضرت منورویؒ سے حصن حصین (حدیث کی مشہور کتاب) کی اجازت کی درخواست کی، پھر حضرت کے سامنے جب کتاب پڑھنی شروع کی، تو آپ کے رعب کی وجہ سے ان کی زبان کانپنے لگی، اور ایک لفظ بھی وہ نہ پڑھ سکے (۴۹۷)۔

حضرت منورویؒ مرجع المشائخ بھی تھے اور مرجع العلماء بھی

☆ آپ کے حلقۂ ارادت میں علماء کی بڑی تعداد شامل تھی، اور یہ علماء آپ کی روحانیت وتقویٰ کے ساتھ آپ کے علمی تبحر سے بھی بہت متأثر تھے، اور بہت سے دقیق علمی مسائل میں آپ سے رجوع کرتے تھے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ:

حضرت مولانا عتیق احمد چندرسین پوریؒ (ولادت ۲۳ / ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ / جولائی ۱۹۳۵ء وفات ۹ / ربیع الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱ / اکتوبر ۱۹۸۸ء) تلمیذ رشید حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا ضلع دربھنگہ میں حدیث وفقہ کے استاذ تھے، اور حضرت منورویؒ سے منسلک بھی ہو گئے تھے، ایک جگہ یا ساریہ! الجبل، کی روایت آئی، تو اس کی تحقیق کے لئے انہوں نے حضرت سے رجوع فرمایا، تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی (۴۹۸)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ جس طرح مرجع المشائخ تھے، مرجع العلماء بھی تھے۔

مقطعات قرآنی کے اسرار

☆ جناب پروفیسر محمد علی صاحب کی روایت ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت نے جناب عزیر احمد صاحب (پروفیسر صاحب کے دادا) کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ ''ہم پر'' ق، م'' حروف مقطعات

(۴۹۷) یہ واقعہ حاجی منظور صاحبؒ کے حوالے سے مولانا شمس الہدیٰ صاحب نے نقل کیا ہے (الاکلیل ص ۲۱۷ طبع ثانی)

(۴۹۸) یہ واقعہ حضرت مولانا عتیق صاحب نے میرے والد ماجد اور کئی حضرات سے نقل کیا۔

کے اسرار ظاہر ہوئے ہیں'' (۴۹۹)

کوئی چاہے تو مجھ سے اس آیت کی تفسیر لکھ لے

☆ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا کہ ایک بار حضرت نے اپنے احباب کی مجلس میں جس میں بہت سے علماء بھی موجود تھے، ارشاد فرمایا کہ ''کوئی چاہے تو مجھ سے آیت کریمہ'' **لاالہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین**'' (سورہ یونس) کی تفسیر لکھ لے، اس وقت میرے ذہن میں اس کے لئے جو مضامین ہیں کہ ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے گی'' اس ارشاد کے وقت حضرت پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی، مگر افسوس کسی نے ان مضامین عالیہ کو لکھنے کی زحمت نہیں کی، سب لوگ سکتہ کی کیفیت میں صرف سسن کر رہ گئے (۵۰۰)۔

حدیث وفقہ کی کتابیں مستحضر تھیں

☆ ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمود احمد صاحب نستویؒ (ولادت ۲۰/نومبر ۱۹۱۰ء مطابق ۱۶/ ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ- وفات، ۲۹/مئی ۱۹۸۸ء مطابق ۱۱/شوال المکرم ۱۴۰۸ھ) (۵۰۱) نے میرے

(۴۹۹) قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی صاحب (پیغمبر پور دربھنگہ) ص ۱۔ جناب عزیز احمد صاحب پیغمبر پور کے رئیس تھے، طبیعت میں دینداری تھی، حضرت گڑھولویؒ سے ۱۹۱۵ء میں بیعت ہوئے اور قریب بیس (۲۰) سال تک اپنے پیرومرشد کی خدمت کی، حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ سے رجوع ہوئے، اور روحانی تعلیم حاصل کی اسم ذات روزانہ ایک ہزار بار، درود طریقت اور ختم مجددیہ ان کے معمولات میں شامل تھے، حضرت کے نام کئی خطوط منورواشریف میں موجود ہیں۔

(۵۰۰) یہ قصہ جناب غنیمت حسین مرحوم اور جناب حاجی ابراہیم مرحوم (منورواشریف) بھی نقل کرتے تھے۔

(۵۰۱) حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ کے والد ماجد جناب عبدالصمد بن یادعلی، حاجی منور علی صاحبؒ خلیفۂ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے بھائی تھے، مولانا محمود صاحبؒ اپنے آبائی گاؤں نستہ ضلع دربھنگہ میں ۲۰/نومبر ۱۹۱۰ء مطابق ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ کو پیدا ہوئے، گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے، پھر امر وہہ میں ایک سال رہنے کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ جیسے اساطین علم سے استفادہ کیا اور وہیں سے فراغت حاصل کی، آپ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ، مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ، اور مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کے ساتھیوں میں ہیں، فراغت کے بعد مدرسہ احمدیہ مدھوبنی، پھر مدرسہ اسلامیہ آواپور ڈھاکہ چمپارن، مدرسہ محمود العلوم دملہ، مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے دربھنگہ، اور مدرسہ جامع العلوم مظفرپور میں تدریسی خدمات انجام دیں، دملہ اور دربھنگہ میں امارت شرعیہ کے ==

والد صاحب سے بیان فرمایا کہ حدیث وفقہ کی کتابیں ان کو مستحضر تھیں، کتابوں میں کسی مضمون کو تلاش کرنے کے لئے ان کو فہرست دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، وہ سیدھے کتاب کھولتے اور ایک دوصفحہ آگے پیچھے وہ مضمون مل جاتا تھا(۵۰۲)۔

ایک فقہی مسئلہ پر مذاکرہ

☆حاجی ابراہیم صاحب (منورواشریف) کا بیان ہے کہ ایک فقہی مسئلہ پر حضرت نے اپنے ایک سلفی استاذ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ میں مضبوط علمی بحث کی تھی، اس موقعہ پر وہ حضرت کے ساتھ دربھنگہ گئے تھے، یہ ان کا چشم دید واقعہ ہے(۵۰۳)۔

یہ ان کے استحضار علم اور قوت استدلال کی علامت ہے۔

ایک حوالہ کی غلطی پر گرفت

☆کشن گنج میں ایک بزرگ عالم دین نے کوئی تقریر کی، حضرت منورویؒ اس وقت نوجوان تھے، مجلس میں موجود تھے، آپ نے ان کو ٹوک دیا، اور فرمایا کہ مولانا! کیا کتاب میں اسی طرح ہے؟ حضرت نے یہ جملہ اس انداز میں فرمایا کہ وہ مولانا صاحب سناٹے میں آگئے، تفصیلی واقعہ آگے آرہا ہے(۵۰۴)۔

اس سے آپ کی وسعت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ کی علمی خدمات کا دائرہ

آپ کی علمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، آپ کی علمی خدمات کو تین عنوانات کے تحت سمیٹا جا سکتا ہے:

۱-تدریسی خدمات ۲-قلمی خدمات ۳-مدارس ومکاتب کی تاسیس

== قاضی بھی رہے، ۲۹/مئی ۱۹۸۸ء مطابق ۱۱/شوال المکرم ۱۴۰۸ھ کو انتقال فرمایا (تذکرہ علماء بہار ص ۳۶۲، ۳۶۳ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی شمسی)

(۵۰۲) یہ بات میرے والد صاحب نے بیان فرمائی۔

(۵۰۳) یہ بات میرے والد صاحب نے نقل فرمائی

(۵۰۴) یہ واقعہ مجھ سے جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب مرحوم (سابق رئیس کملپور اتر دیناجپور بنگال) نے نقل فرمایا۔

(۱)

تدریسی خدمات

حضرت منوروی ؒ کی زندگی میں خطۂ پورنیہ کی اہمیت

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز پورنیہ سے ہوا، یوں تو پورنیہ آپ کی نوع بہ نوع سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے، آپ کی اصلاحی اور روحانی خدمات ہوں، یا طبی اور تعلیمی سرگرمیاں، سب کا نقطۂ آغاز پورنیہ ہی تھا، پورنیہ آپ کی آرزؤں اور نیک امیدوں کا مرکز تھا، وہ ساری دنیا سے محبت رکھتے تھے، مگر جو محبوبیت آپ کے نزدیک اصحاب پورنیہ کو حاصل تھی، وہ مجموعی اعتبار سے ہندوستان کے کسی خطہ کو نہیں تھی، دوسرے لوگ اگر آپ کے لئے قمیص کی حیثیت رکھتے تھے، تو اہل پورنیہ کی مثال آپ کے نزدیک گنجی اور بنیائن کی تھی، پورنیہ کے احباب نے محبت وایثار کی جو مثالیں قائم کیں وہ حضرت منوروی ؒ کی تاریخ حیات میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتی ہیں۔

پورنیہ علم وفن اور محبت کی سرزمین

واضح رہے پورنیہ سے مراد وہ قدیم پورنیہ ہے جس کا ایک بڑا حصہ اب بنگال میں شامل ہو چکا ہے، یہ پورا خطہ محبت کی خوشبوؤں کا مسکن اور علم وفن اور ذوق لطیف کا مامن ہے، یہ مٹی دور دور سے اہل علم اور اصحاب فن کو کھینچ کر اپنی گود میں جمع کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، ایک وقت تھا کہ یہ سرزمین علم وفن میں ممتاز خطوں کی ہمسری کرتی تھی، ڈاکٹر محمد اکرام ''آب کوثر'' میں لکھتے ہیں:

> ''بلبن کے بیٹے بغرا خان جس نے سرزمین بنگال کی محبت میں دہلی کے تاج کو ٹھکرا دیا تھا، بڑی کوشش کی کہ کسی طرح امیر خسرو لکھنؤتی (سعد اللہ پور) میں مقیم ہوجائیں اور اس شہر کو شعر وسخن میں دہلی پر بھی فضیلت حاصل ہوجائے۔
>
> بنگال کے ایک بادشاہ سلطان غیاث الدین بلبن نے بلبل شیراز خواجہ حافظ کو بنگال آنے کی دعوت دی تھی اس سرزمین میں جس قدر شیریں ودلگداز فارسی نثر لکھی جاتی تھی، اس کا اندازہ بنگال کے روحانی پیشوا حضرت نور قطب عالم کی تحریروں سے ہوتا ہے'' (۵۰۵)

(۵۰۵) آب کوثر ص ۶۶ مؤلفہ ڈاکٹر محمد اکرام

خطۂ پورنیہ تاریخی وجغرافیائی پس منظر

پورنیہ ہندوستان کے شمال مشرقی سمت میں ایک قدیم ترین شہر ہے، جس کی تاریخ کئی ہزار سال پرانی ہے۔

مغل دور سے ہی انتظامی امور کے اعتبار سے پورنیہ کا اہم مقام رہا ہے، اور برطانوی سامراج کے دور میں بھی یہیں سے آس پاس کے علاقوں پر کنٹرول کیا جاتا تھا۔

پہلے ضلع پورنیہ میں ارریہ، کٹیہار، اور، کشن گنج اضلاع بھی شامل تھے، اب اس پورے خطہ کو سیمانچل کہا جاتا ہے، اس سے بھی پیچھے جائیں تو پورنیہ کافی وسیع نظر آتا ہے، فوجداروں کے عہد میں (سترہویں صدی عیسوی کے آخر سے ۱۷۷۰ء تک) اس کا نقشہ دیکھیں تو اس کے شمال میں گورکھاراج نیپال، جنوب میں ضلع مرشدآباد، مشرق میں رنگ پور اور دیناجپور اور مغرب میں بھاگلپور اور ترہت نظر آتے ہیں، یہ بکانن ہملٹن کے تیار کردہ نقشہ (۱۸۰۸ء) کے مطابق ہے، ریاض السلاطین کے مصنف غلام حسین سلیم پوری لکھتے ہیں:

”از گندہ گولہ (کاڑھا گولہ) ولب گنگ (گنگا ندی) تا مورنگ دہ روزہ ملک وسیع پورنیہ است“

یعنی کاڑھا گولہ سے مورنگ یعنی پورنیہ کی اتری سرحد پر پہونچنے میں دس دن لگ جاتے تھے، ----تو مرشدآباد سے یعنی پورنیہ کی دکھنی سرحد چونا کھالی سے اتری سرحد تک یعنی مورنگ تک پہونچنے میں کتنے دن لگ جاتے ہونگے، جب کہ کاڑھا گولہ دوتہائی پر واقع تھا، اور ہے۔

آئین اکبری سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ضلع میں سرکار تاجپور، سرکار پورنیہ، اور سرکار مونگیر کے پرگنات بھی شامل تھے(۵۰۶)۔

تقریباً چار سو (۴۰۰) سال قبل پورنیہ مشرقی ہندوستان کا باقاعدہ ایک صوبہ تھا اور یہ مغل حکمراں کی ماتحتی میں تھا، نواب اسفندیار خان (۱۶۸۰ء تا ۱۶۹۲ء) بارہ (۱۲) سال پورنیہ کا حاکم رہا، راجگان کھگڑا (کشن گنج پورنیہ) کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے، کہ جلال گڑھ کا قلعہ اسی کے عہد میں بنا، اور ۱۰۳۰ھ /۱۶۲۱ء راجہ سید جلال الدین محمد خان بہادر والی اسٹیٹ کھگڑہ نے اسفندیار خان کے حکم سے اس قلعہ کی تعمیر کی، جس کا مقصد مورنگ کے بھوٹیوں کی یورش کو روکنا تھا، اسی تاریخ میں لکھا ہے کہ جلال الدین

(۵۰۶) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۷، ۸ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء بحوالہ ریاض السلاطین ص ۴۵ مؤلفہ غلام حسین سلیم پوری۔

محمد خان نے بھوٹیوں سے زبردست جنگ کی، اوران کو پسپا کر دیا، تو اسی فتح کی خوشی میں شہنشاہ جہانگیر نے سید جلال خان کو راجہ سید جلال الدین محمد خاں بہادر کا خطاب عطا کیا(۵۰۷)۔

پورنیہ کی تاریخ کا سب سے خوبصورت دورنواب معین الدین سیف خان (۱۱۳۲ھ تا ۱۱۶۲ھ/ ۱۷۲۲ءتا ۱۷۵۰ء) کا عہد حکومت ہے، جس کو سلطان عالمگیر اورنگزیب نے بیرنگر کے راجہ بیر سنگھ کی سر کوبی کے لئے بھیجا تھا، سیف خان نے ۱۷۳۱ء میں کوسی ندی کو پار کیا، اور راجہ بیر سنگھ کو شکست دے کر دھرمپور، گوراری، ناتھ پور اور دھپ ہر کے علاقوں کو پورنیہ میں شامل کرلیا، اس کے زمانے میں پورنیہ نے سب سے زیادہ ترقی کی، اس نے اپنے ماتحت علاقہ کی توسیع کی، اسی نے کوسی ندی سے پچھّم کے علاقوں کے لئے فصلی سنہ اور پورب کے علاقوں کے لئے بنگالی سنہ کی ایجاد کی۔

سیف خان نے مسلم ہنرمندوں، تاجروں اور بہادروں کو اپنے صوبے میں آباد کرنے کو ترجیح دی، ان میں سے دو بہت اہم تھے، محمد رضا لکھڑا کشن گنج کے نواب اور امیر تک میر یا بروا ہا (سلطان پور) کے میر صاحب، میر صاحب نے برواہا کے آس پاس کے پندرہ گاؤں خرید لئے۔

سیف گنج کٹیہار اسی کی یادگار ہے، فاربس گنج کے اطراف میں سیف گنج پرواہا نامی مقام بھی سیف خان ہی کے نام پر ہے، پورنیہ سیٹی کے محلہ کیونلا پور میں ایک مسجد "سیف خانی مسجد" کہلاتی ہے(۵۰۸)۔

پلاسی کی لڑائی (۱۷۵۷ء) اور اس میں نواب سراج الدولہ کی شکست نے پورے سیاسی نظام کو بدل دیا۔

پورنیہ کے آخری فوجدار محمد علی خان بہادر ۱۷۷۰ء تک یہاں کے حاکم رہے، اسی سال پورنیہ پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور مسلم حکام کا سلسلہ ختم ہوگیا، مسلم عہد حکومت میں پورنیہ سیاسی قوت، صنعت وتجارت اور علم وتہذیب کے فروغ میں کافی آگے تھا، مثلاً:

صنعتیں: بیدر (دکن) کے برتن بنانے کی صنعت کافی عروج پر تھی، گھر گھر میں یہ برتن بنتے تھے، بیدر کے برتن (حقہ، سرپوش، صراحیاں، اور اگلدان وغیرہ) مرشد آباد، ڈھاکہ، کلکتہ، دیناجپور اور رنگپور بھیجے جاتے تھے، اس صنعت کی وجہ سے پورنیہ کو پورے ملک میں شہرت حاصل تھی۔

اسی طرح خیمہ دوزی کی صنعت، صابن سازی، شال شوبی ورفوگری، کاغذ سازی، جوتا سازی،

(۵۰۷) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۳، ۱۴ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء بحوالہ منتخب السیر فارسی (تاریخ راجگان کھگڑہ)، مؤلفہ خواجہ فدا علی اثنا عشری، مطبوعہ نظامی پریس پٹکاپور کانپور۔

(۵۰۸) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۲۱، ۲۲ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء

ڈھول سازی، مشعل سازی، بسکٹ سازی، زیور سازی، تانبے کے ظروف بنانے کی صنعت، گاڑی بنانے کا کام، چٹائی کی صنعت، کپڑے کی صنعت، کپڑا کی رنگائی، اور کمبل سازی وغیرہ بے شمار صنعتیں اس دور میں پائی جاتی تھیں، جن کی بدولت یہاں کے عام لوگ بھی بہت خوشحال تھے۔(۵۰۹)

جہاں تک زبان و ادب اور علم وفن کا تعلق ہے، تو اس لحاظ سے بھی پورنیہ بہت آگے تھا، فوجداروں کے عہد میں پورنیہ کی سرکاری زبان فارسی تھی، یہ حکمراں خود بھی فارسی زبان و ادب کے بڑے عالم تھے، اور ان میں سے بعض نے فارسی علم وادب کے نامی گرامی علماء وفضلاء کو اپنے دربار سے وابستہ کر کے علم وادب کو فروغ دینے کی کوشش کی، اس کے اثر سے پورنیہ ضلع میں فارسی پڑھنے لکھنے کا کافی رواج ہوا، شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی فارسی کے مدرسوں اور مکتبوں کا جال سا بچھ گیا، بعض پرگنے اور بعض بعض گاؤں فارسی علم وادب کا مرکز بن گئے، مولوی محمد سلیمان صاحب سلیمانؔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''پورنیہ دہلی سے دور اور لکھنؤ سے الگ سہی مگر'' ادیم پورنیہ ''شیراز و تبریز کے'' سہیل'' سے کبھی ضرور رنگ یاب تھا، حضرت غالبؔ کا'' عنقائے مدعا'' ممکن ہے، اس کے دام آگہی میں نہ آئے، لیکن'' غریب شہر'' کے'' سخنہائے گفتنی'' سمجھنے کو یہاں بہتیرے زبان داں موجود تھے''(۵۱۰)۔

مسلمان خط وکتابت تک فارسی میں کرتے تھے، لوگ فارسی میں شاعری بھی کرتے تھے، اس کے ثبوت میں قلمی نسخوں کے علاوہ مطبوعہ کتابیں بھی ملتی ہیں، کلیات عزیزی ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۶ء کی چھپی ہوئی ہے(۵۱۱)۔

مندر تک کے کتبے فارسی میں ہوتے تھے، مثلاً پورنیہ سیٹی مندر کا کتبہ، عیسائیوں کے مزارات پر فارسی کتبے لگائے جاتے تھے، اس کے کئی نمونے تاریخ فوجداران میں موجود ہیں، مسلم تو مسلم غیر مسلم

(۵۰۹) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۸۵، ۹۱ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء

(۵۱۰) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۰۳، ۱۰۴ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء بحوالہ مضمون مولوی محمد سلیمان صاحب سلیمانؔ کشن گنج بہ عنوان'' انجمن ترقی اردو کشن گنج پر ایک اجمالی نظر'' ماخوذ از گلدستہ مشاعرہ کشن گنج ۲/ مئی ۱۹۳۴ء ارمغان اتفاق۔

(۵۱۱) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۰۴ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء بحوالہ خطبۂ استقبالیہ اردو کانفرنس کشن گنج منعقدہ ۶/ مارچ ۱۹۴۵ء بصدارت مولانا شاہ حسین آرزوؔ پھلواروی لائبریرین گورنمنٹ اردو لائبریری پٹنہ، مرتبہ: مولوی سلیمان صاحب مطبوعہ جہانگیر پریس کشن گنج پورنیہ۔

رؤسا کی لائبریوں میں بھی فارسی مخطوطات کی بڑی تعداد ہوتی تھی، مثلاً سلطان پور کے زمیندار مہاراجہ مہندر نارائن رائے کی لائبریری میں جو کہ ڈیوڑھی سیف گنج کٹیہار میں تھی، فارسی کے کئی قلمی نسخے موجود تھے: مثلاً دیوان حافظ، مہاراجہ کی فرمائش پر فرحت حسین وکیل محکمۂ صدر امین اعلیٰ ضلع پورنیہ نے لکھی تھی ''پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت کے مصنف نے دیگر لائبریریوں (مثلاً مہین گاؤں کی لائبریری) کا سروے کر کے اکتالیس فارسی مخطوطات کی فہرست دی ہے، مثلاً: جامع الحکایات ولوامع الروایات ☆ تاریخ سلطنت خاقان ☆ اکبرنامہ مرقومہ ۱۰۶۸ء ☆ ترجمہ رسالہ جالینوس ☆ شاہنامۂ فردوسی ☆ رسالہ استعارات فارسی ☆ کریما مخمس ۱۳۱۴ھ ☆ گلستاں ☆ مثنوی بوعلی شاہ قلندر مرقومہ ۱۲۹۸ھ ☆ سکندر نامہ قلمی ☆ اختیارات قاسمی (طب کی کتاب) وغیرہ اور ان کے علاوہ اور بھی کافی مخطوطات کا ذکر کیا ہے جو وہ نہیں دیکھ سکے (۵۱۲)۔

۱۷۶۵ء کی الٰہ آباد کی سندھی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی عملاً بنگال کی مالک بن گئی، اس کے فوراً بعد کنٹرول سخت کرنے کے لیے بنگال کے صوبوں کو ضلع کہا جانے لگا اور پورنیہ صوبہ بنگال کا ایک ضلع بن گیا، جس کی سرحد دارجلنگ سے گنگا ندی تک جاتی تھی --- بدلے ہوئے حالات میں سلطان پور ایک زمیندارانہ حصہ بن گیا، جس کے آدھے حصہ پر میر صاحب کا حق تھا اور آدھے پر ''رانی اندراوتی'' کا جو ''اندر نارائن رائے'' کی اہلیہ تھیں، اس رانی کا میکہ ''رانی گنج'' کے پاس کے گاؤں ''ہنس کولہ'' تھا اور آج کا ''رانی گنج'' رانی اندراوتی کے نام پر ہی جانا جاتا ہے۔

راجہ اندر نارائن کی زمینداری ۱۸۵۰ء میں مرشد آباد کے پرتاپ سنگھ کو بیچ دی گئی، پرتاب سنگھ کے لیے اتنے دور سے اس علاقہ کی نگرانی کرنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے انہوں نے ۱۸۵۹ء میں سلطانپور کی زمینداری ایک انگریز مسٹر ''الیک زینڈر فاربس'' کو بیچ دی، اسی کے ساتھ اس علاقے کی ترقی کے ایک نئے دور کی شروعات ہوئی۔

دوسری طرف ۱۸۶۰ء میں میر صاحب کا انتقال ہو گیا، ان کا کوئی وارث نہیں تھا، نتیجتاً دھیرے دھیرے ان کی بھی زمینداری الیک زینڈر فاربس کی زمینداری میں شامل ہو گئی یا کر دی گئی، الیک زینڈر فاربس نے پورے پرگنے میں نیل کی کھیتی کروائی، جب یوروپ میں کیمیائی طور پر نیل بننے لگا تو نیل کی کھیتی بند کروا دی گئی، ۱۸۹۰ء میں الیک زینڈر فاربس اور اس کی بیوی ''ڈائینا'' کی ملیریا کے سبب موت ہو گئی، اس کے انتقال تک سلطان پور کی زمینداری پورنیہ ضلع کی سب سے بڑی زمینداری بن گئی تھی۔

(۵۱۲) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۰۳ تا ۱۰۹ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء

”آرتھر ہینری فاربس“ نے والد کے فوت ہو جانے کے بعد حکومت سنبھالی اسی کے وقت میں ”سلطان پور“ کا نام بدل کر ”فاربس گنج“ رکھا گیا یہ ظالم انسان تھا اسی نے اعلامیہ جاری کیا کہ ”سلطان پور کا کوئی بھی باشندہ اپنے رہنے کے لیے پکا مکان نہیں بنائے گا“۔

اس خاندان کا آخری وارث مسٹر مکائی تھا، ۱۹۴۷ء کے بعد یہ خاندان انگلینڈ چلا گیا اور آزادی کے بعد سے سنہ ۱۹۹۰ء تک موجودہ اررِیہ، کشن گنج وغیرہ اضلاع پورنیہ ضلع کا حصہ تھے (۵۱۳)۔

شہر پورنیہ بہترین ڈاکٹروں اور اسپتالوں کے لئے پورے بہار میں شہرت رکھتا ہے، مشرقی ہندوستان میں تجارتی نقطۂ نظر سے یہ شہر بہت اہمیت کا حامل ہے، کمبل، چٹائی اور سرسوں کے تیل وغیرہ گھریلو صنعتیں یہاں زیادہ ہیں۔

کوسی ندی بہار کے اس خطہ سے ہو کر گزرتی ہے، ان کے علاوہ یہاں کی اہم ندیاں پنار، باگمتی اور مہانندا ہیں جن سے کاشت کاری میں آب پاشی کی جاتی ہے۔

ندیوں کی کثرت کی وجہ سے ماحول انتہائی خوبصورت اور سبزہ زار معلوم ہوتا ہے، البتہ برسات کے موسم میں گردو پیش کے دیہاتوں میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن پہلے کی بنسبت اب بسا غنیمت ہے، شہر کے قرب وجوار میں لوگوں کے پختہ مکانات کم دکھائی دیتے ہیں، زیادہ تر ٹین یا گھاس پھوس کے مکانات نظر آتے ہیں، لیکن اب نئی نسل پختہ مکانات کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔

دربھنگہ اور پورنیہ کا رشتہ

دربھنگہ کا پورنیہ سے گہرا رشتہ رہا ہے، پورنیہ کا کوسی پار بیرنگر کا علاقہ ایک زمانہ تک دربھنگہ کے مہا راجہ راگھو سنگھ کے زیر ولایت رہا تھا، بیرنگر کا راجہ بیر سنگھ مہاراجہ دربھنگہ کا جمعدار تھا، اور دربھنگہ کا مہاراجہ سلطنت مغلیہ دہلی کا باج گذار تھا، ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے دونوں علاقوں کا باہم مضبوط رشتہ قائم تھا (۵۱۴)۔

نیز دربھنگہ اگر علم وفن اور معرفت وروحانیت کی سرزمین رہا ہے تو پورنیہ علم وادب کے ساتھ قدیم ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں اور زمینداریوں کا گہوارہ تھا، اہل دل اور اصحاب خیر مسلم روسا کی جتنی بڑی تعداد پورنیہ میں تھی بہار کے کسی اور خطہ میں نہیں تھی، یہاں کے لوگ دیندار، علم نواز، فکر وفن

(۵۱۳) ویکی پیڈیا سے ماخوذ

(۵۱۴) پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۷، ۱۸ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء

کے قدر شناس اور اللہ والوں سے محبت کرنے والے تھے (۵۱۵)، علماء اور اولیاء اللہ کی خدمت واطاعت کو یہ حضرات اپنی سعادت تصور کرتے تھے، یہاں کی مٹی میں ایسی نمی اور زرخیزی اور آب و ہوا میں ایسی رنگارنگی تھی کہ ہر فکر و خیال اور ہر مسلک و مشرب کے لوگ کھچے چلے آتے تھے، اس دور میں وہاں علم و روحانیت کی خدمت کے لئے بھی لوگ جاتے تھے اور ملازمت کی تلاش اور کسب معاش کے لئے بھی، پورنیہ کے طلبہ دربھنگہ و مظفر پور وغیرہ کے مدارس میں حصول علم کے لئے آتے تھے (۵۱۶)، اور وہاں کے طالبین بکثرت یہاں کے مشائخ سے مربوط تھے، یہاں تک کہ بعض لوگ حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے بھی بیعت تھے، جب کہ حضرت گڑھولویؒ خطۂ پورنیہ کے لئے اس وقت نسبتاً ایک گمنام بزرگ تھے (۵۱۷)۔

جس عہد سے ہم بحث کر رہے ہیں اس عہد میں بھی یہ رشتہ قائم تھا اور دربھنگہ کے متعدد علماء وفضلاء پورنیہ کے علاقے میں مقیم تھے، اور غالباً بظاہر یہی سبب بنا کہ حضرت منورویؒ مدرسہ کی تعلیم سے فراغت کے بعد دربھنگہ سے سیدھے پورنیہ تشریف لے گئے۔

(۵۱۵) مثال کے طور پر میر عبدالہادی روشنؔ صاحب دیوان شاعر مصاحب نواب صولت جنگ مدفن پورنیہ ☆ میر باقر حزیںؔ تلمیذ حضرت مرزا مظہر جان جاناں، مصاحب صولت جنگ، مدفن پورنیہ ☆ ہیبت قلی خان حسرتؔ، صاحب دیوان شاعر، تلمیذ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، مصاحب نواب شوکت جنگ (م ۱۲۰۱ھ)، مدفن پورنیہ ☆ میر مستقیم جرأتؔ، مصاحب نواب محمد علی خان مائلؔ ☆ اور مقامی شعراء میں بھگوان دین تائبؔ (ارریہ م ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) ☆ تفسیر پورنوی ☆ تسطیرؔ پورنوی تلامذہ علامہ شوق نیموی، ☆ سالم لکھنوی ثم پورنوی تلمیذ ناسخ لکھنوی (م ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء) وغیرہ اصحاب فن کے نام لئے جاسکتے ہیں، جنھوں نے پورنیہ کے علم وفن کی آبرو بڑھائی (پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۱۱۵ تا ۱۱۸ مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء)

(۵۱۶) حضرت منورویؒ کے منسلکین میں جناب مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ (م ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۴/ اگست ۱۹۸۴ء- مقام ضیاء گاچھی، دیناجپور بنگال، سابق پورنیہ) اور جناب مولوی بہاء الدین صاحبؒ (م ۱۴/ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۲۰۱۵ء- ضیاء گاچھی، دیناجپور بنگال، سابق پورنیہ) سیتامڑھی بہار کے مشہور وممتاز مدرسہ ''اشرف العلوم کنہواں شمسی'' کے طالب علم رہے ہیں۔

(۵۱۷) مثلاً حضرت کے حلقۂ عقیدت کی ایک معروف بستی ''لوٹیاباری''، ضلع پورنیہ کے جناب محمد سلیم صاحبؒ (م ۱۹۷۱ء/ ۱۳۹۱ھ) ابن یقین علی صاحب حضرت گڑھولویؒ سے بیعت تھے، اور یہ حضرت منورویؒ کی وہاں تشریف آوری سے قبل کی بات ہے، جب حضرت منورویؒ وہاں جلوہ افروز ہوئے، اس وقت وہ زندہ تھے، حضرت کی آمد کے بعد وہ آپ سے وابستہ ہوگئے، حضرت گڑھولویؒ وصال فرما چکے تھے۔

گواگاؤں اسٹیٹ میں قیام اور تدریسی سلسلہ کا آغاز

پورنیہ میں حضرت کا قیام مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر رہا ہے، سب سے پہلے تقریباً ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں جناب غیاث الدین احمد سرکار ولد مولیٰ بخش سرکار (۵۱۸) مقام گواگاؤں تھانہ گوال پوکھر ضلع پورنیہ (موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال) کی دعوت پر ان کے یہاں تشریف لے گئے، اور ان کے بچوں کے اتالیق (معلم ومربی) کی حیثیت سے قیام فرمایا، اسلامی ادوار میں ہر خطہ کے مسلم رؤسا اور زمیندار اپنے یہاں دیگر اہل خدمت اور اصحاب فن کے ساتھ علماء اور حکماء کو بھی باقاعدہ ملازم رکھتے تھے، اور یہ بھی ان کے اظہار شان کا ایک حصہ ہوتا تھا، غیاث الدین سرکار اپنے علاقے کے بڑے زمینداروں میں تھے، فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے، اور بہت باشعور اور غیور انسان تھے، ان کا گاؤں اسٹیٹ کہلاتا تھا، کشن گنج اس وقت پورنیہ ضلع کا ایک سب ڈویزن تھا، وہاں بھی ان کا ایک عالیشان مکان اور کچہری تھی، جہاں وہ اپنے زمینی مسائل، تحصیلات اور حساب وکتاب کے لئے آکر قیام کرتے تھے، وہاں بھی مستقل عملہ اور خدام رہتے تھے۔

کشن گنج میں ایک مناظرہ کی روداد

مگر غیاث الدین سرکار کے یہاں حضرتؒ کا قیام بہت مختصر (صرف تین ماہ) رہا، اور اس کا سبب یہ ہوا کہ غیاث الدین سرکار کے ایک بہنوئی حاجی احمد حسین (۵۱۹) سرکار گنجریا اسٹیٹ مقام گیسل موجودہ ضلع اتر دیناجپور کے یہاں دربھنگہ کے ایک معمر عالم دین بحیثیت اتالیق رہتے تھے جو غالباً بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے، حاجی احمد حسین سرکار کی بھی ایک حویلی اور کچہری کشن گنج میں تھی، ایک بار غیاث الدین سرکار کے ساتھ حضرت منورویؒ کشن گنج تشریف لے گئے، اُدھر حاجی احمد حسین سرکار کے وہ عالم صاحب بھی کسی دینی پروگرام کے لئے کشن گنج آئے ہوئے تھے، پروگرام میں ان عالم صاحب کی تقریر ہوئی، وہاں حضرت بھی موجود تھے، کسی خلاف واقعہ بات پر حضرت نے ان کو بہت ہی ادب کے ساتھ متنبہ کیا کہ:

---

(۵۱۸) پورنیہ میں بڑے زمینداروں کو سرکار کہا جاتا تھا۔

(۵۱۹) جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ نے مجھے ''حاجی احمد حسین سرکار'' ہی لکھوایا تھا، اور وہ یہ روایت جناب مولوی ولی اصغر صاحب کے حوالے سے نقل کرتے تھے، مولوی ولی اصغر صاحبؒ حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ کے اپنے بہنوئی تھے، میرے والد ماجد نے بھی اس کی تائید کی۔

مولانا! جیسا آپ فرمار ہے ہیں کیا کتاب میں اسی طرح ہے؟

حضرت کا ابھی عنفوان شباب تھا، ڈاڑھی مونچھ کی مسیں بھی پوری طرح بھیگی نہیں تھیں، مولانا کو یہ ٹوکنا ناگوار گذرا اور معاملہ بحث ومباحثہ تک پہونچ گیا، مجلس میں اکثر لوگ مولانا صاحب کے حامی اور عقیدت مند تھے لیکن حضرت کی مدلل گفتگو کی وجہ سے کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوئی، مجلس میں غیاث الدین سرکار موجود نہیں تھے، برسر مجلس اس بحث ومباحثہ سے ان معمر عالم صاحب کو یک گونہ اپنی خفت کا احساس ہوا، انہوں نے اس کی شکایت گیسل اسٹیٹ جا کر اپنے آقائے نعمت حاجی احمد حسین سرکار سے کی، حاجی احمد حسین صاحب زیادہ پڑھے لکھے آدمی نہ تھے، ان کو اس پر بہت طیش آیا، انہوں نے اس کو اپنی بےعزتی قرار دیا، اور اپنی انا کا مسئلہ بنالیا اور اسی وقت غیاث الدین سرکار کو خط لکھا کہ:

''آپ کے مولوی نے میرے مولوی کی بے عزت کی ہے اس لئے آپ اپنے مولوی کو لے کر فلاں تاریخ میں کشن گنج آجائیں، وہاں دونوں مولویوں کا برسر خلائق مناظرہ ہوگا، اور اس دن یہ فیصلہ ہوگا کہ تمہارا مولوی اچھا ہے یا میرا مولوی (گویا مولوی نہیں قربانی کا بکرا ہو)

غیاث الدین سرکار پڑھے لکھے آدمی تھے، مگر تھے تو زمیندار ہی، وہ بھی کہاں تاب رکھنے والے تھے، انہوں نے حضرتؒ سے استمزاج کے بعد اس چیلنج کو قبول کرلیا۔

حضرت کے لئے یہ عجیب صورت حال تھی، مناظرہ ومباحثہ سے آپ کو قطعاً مناسبت نہیں تھی، حتی الامکان اس سے گریز کرتے تھے، لیکن ملازمت کے دباؤ اور تنقیح مسئلہ کی مجبوری سے آپ بادل ناخواستہ مناظرہ کے لئے آمادہ ہوگئے، وقت مقررہ پر آپ غیاث الدین سرکار کے ساتھ کشن گنج پہونچے، ادھر حاجی احمد حسین سرکار کے ساتھ وہ عمر رسیدہ مولانا صاحب بھی بہت سی کتابوں کے ساتھ پہلے ہی سے موجود تھے، علاقہ کے رؤساء اور معززین شہر سے مجلس لبریز تھی، اہل علم کی بھی بڑی تعداد وہاں موجود تھی، حضرت گوکہ کم عمر اور اس میدان کے نو وارد تھے لیکن علم تازہ اور ذہن حاضر تھا، کتاب کے بغیر خالی ہاتھ مجلس مناظرہ میں پہونچے۔

پہلی تقریر انہی بزرگ مولانا صاحب کی ہوئی، اور بظاہر بہت مدلل اور پرجوش تقریر تھی، ان کے مقابلے میں حضرت کی گفتگو بہت سنجیدہ اور ٹھہر ٹھہر کر ہوئی، لیکن آپ نے انہی کی کتابوں کے حوالے سے ان کی تقریر کا رد کیا اور ایک دو تقریروں کے بعد ہی بادل چھٹ گیا اور حضرت کو فتح مبین حاصل ہوئی، جس کا اعتراف تمام شرکاء مجلس نے کیا، خود حاجی احمد حسین سرکار کو بھی اس کا احساس ہوا۔

غیاث الدین سرکار نے اپنے بہنوئی حاجی احمد حسین سرکار اور ان مولانا صاحب کو ملامت کی کہ:

''بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال''

اس مناظرہ کے بعد حضرت کی شہرت وعظمت میں چار چاند لگ گئے، اور پورے علاقے میں آپ کے علم وفضل کا سکہ بیٹھ گیا، جناب غیاث الدین سرکار بھی آپ کا پہلے سے زیادہ احترام کرنے لگے، لیکن آپ کو طبعی طوران چیزوں سے وحشت تھی، آپ کو اندیشہ ہوا کہ آئندہ بھی اس قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے، جوسراسر زمیندارانہ استحصال اورانانیت کی پیداوار ہیں، ان کودین اور تحقیق دین سے کوئی تعلق نہیں---اس لئے آپ نے گواگاؤں پہونچنے کے بعد غیاث الدین سرکار کی ملازمت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کرلیا، غیاث الدین نے بہت اصرار کیا لیکن آپ نے معذرت کرلی (٥٢٠)۔

کمل پور مدرسہ کا قیام اور تدریس

☆ کمل پور پوسٹ سورجاپور ضلع اتر دیناجپور (قدیم ضلع پورنیہ) کے جناب عبدالمقیت صاحب (متوفی ١٣٦٧ھ مطابق ١٩٤٨ء) ولد جناب مولانا بہادر علی صاحبؒ کی سسرال گواگاؤں میں غیاث الدین سرکار کے خاندان میں تھی، مولوی عبدالمقیت کی بیوی غیاث الدین سرکار کی بھانجی تھی، اس رشتہ سے اکثر مولوی عبدالمقیت صاحب سسرال جاتے تو غیاث الدین سرکار سے بھی ضرور ملتے تھے، وہیں ان کی ملاقات پہلی بار حضرت منورویؒ سے ہوئی، اور دونوں ایک دوسرے سے بہت مانوس ہو گئے، جناب عبدالمقیت صاحب گوکہ باقاعدہ مولوی نہیں تھے لیکن ذہین فطین، اور مردم شناس انسان تھے اور غیاث الدین سرکار بھی ان کے فہم وشعور کے قائل اور قدردان تھے۔

مذکورہ مناظرہ کے بعد جب حضرت منورویؒ کو گواگاؤں سے بددلی پیدا ہوئی تو عبدالمقیت صاحب نے موقعہ غنیمت جان کر حضرت کو اپنے علاقے میں تشریف لے چلنے کی دعوت دی----دراصل ان کی ایک عرصہ سے تمنا تھی کہ ان کے اپنے آبائی اسٹیٹ میں کوئی مدرسہ قائم ہو، ظاہر ہے اس کے لئے کسی اچھے صاحب علم اور قابل شخص کی ضرورت تھی، انہوں نے سوچا کہ حضرت سے بہتر شخص ہمیں

(٥٢٠) پورنیہ میں غیاث الدین سرکار کے یہاں قیام اور مناظرہ کی روداد سے متعلق یہ واقعات مجھے جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب رئیس کملپور ضلع اتر دیناجپور (ولادت: ١٣٥١ھ مطابق ١٩٣٢ء) نے اپنے بہنوئی جناب ولی اصغر صاحب مرحوم رئیس لوٹیاباری ضلع پورنیہ (متوفی ١٤١٩ھ مطابق ١٩٩٩ء) اور اپنے بھائی جناب مظہر الاسلام صاحب مرحوم کملپور کے حوالے سے بیان فرمائے، جو حضرت منورویؒ کے عہد اول کے تلامذہ میں سے تھے، حاجی محفوظ الرؤف صاحب مرحوم سلسلۂ چشتیہ میں حضرت منورویؒ کے دست گرفتہ تھے---میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب قادری (جن کا بچپن پورنیہ میں گذرا ہے) نے بھی ان روایات کی تصدیق کی ہے۔

پھر کہاں ملے گا؟ (۵۲۱)

حضرت نے ان کی دعوت قبول فرمالی اور کمل پور تشریف لے گئے، اور حضرت منورویؒ کی برکت سے وہاں ایک دینی مدرسہ قائم ہوگیا، اور تعلیم کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا (۵۲۲)--- جناب عبدالمقیت

(۵۲۱) جناب عبدالمقیت صاحب ایک معزز علمی اور دینی گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد ماجد جناب مولانا بہادر علی صاحبؒ اپنے وقت کے ممتاز عالم دین اور ایک صاحب نسبت بزرگ تھے، مولانا بہادر علی صاحبؒ کے والد صوفی مجید اللہ صاحب موضع چاند گولا ضلع پورنیہ کے رہنے والے تھے، اپنے خاندانی حالات سے تنگ آکر انہوں نے ترک وطن کرلیا اور موضع کمل پور میں آکر رہائش اختیار کرلی، ابتدا میں غربت و تنگدستی کا سامنا رہا، لیکن صاحبزادہ مولانا بہادر علی بہت بابرکت ثابت ہوئے، بچپن میں کسی بات کو لے کر یہ گھر سے فرار ہوگئے تھے، اور قریب پندرہ (۱۵) سال تک لاپتہ رہے، اس اثنا میں یہ مختلف مدارس کی سیر کرتے ہوئے سہسرام پہونچے، اور یہاں مدرسہ کبیریہ سہسرام میں داخل ہوئے، جو اس وقت صوبۂ بہار میں اسلامی علوم وفنون کا ممتاز مدرسہ تھا، اور ایک صاحب نسبت بزرگ اور اپنے زمانہ کے ولی کامل حضرت شاہ کبیرؒ کی یادگار کے طور پر ان کی خانقاہ کی سرپرستی میں چل رہا تھا، بادشاہ شاہ عالم (متوفی ۱۱۲۳ھ مطابق ۱۷۱۱ء) اور بادشاہ فرخ سیر (متوفی ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۸ء) کے زمانے میں یہ مدرسہ بڑی اہمیت وعظمت کا حامل تھا، اس کے جملہ اخراجات شاہی خزانۂ عامرہ سے ادا کئے جاتے تھے، شاہ عالم اور شاہ فرخ سیر نے ایک بڑی جائیداد اس کے لئے وقف کی تھی، اسلامی ہند کے سقوط کے بعد یہ مدرسہ ادبار کا شکار ہوگیا، لیکن ہر دور کے علماء ربانیین نے اس مدرسہ کی حفاظت کی، اور علمی حلقوں میں اس کی شہرت برقرار رہی (حیات عابد- خدمات اور کارنامے، مرتبہ: مولانا حسب اللہ ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ص ۷۴، ۷۵ ناشر: خانقاہ عابدیہ چندی پور مالدہ بنگال ط ۲۰۰۲ء)

مولانا بہادر علی صاحبؒ بھی اس مدرسہ کی شہرت سن کر وہاں پہونچے، اس وقت مدرسہ کے صدر المدرسین حضرت مولانا حفیظ الدین رحمان پوریؒ بانی خانقاہ رحمان پور ضلع پورنیہ (متوفی ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء) تھے، حضرت رحمان پوریؒ کے سامنے آپ نے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد وہیں وکالت بھی پڑھی، تعلیم باطن بھی حضرت رحمن پوریؒ سے ہی حاصل کی، اور اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، پندرہ سال کے بعد وطن لوٹے تو علاقہ میں آپ کے علم وقابلیت کی دھوم مچ گئی، آپ نے اپنی ذاتی صلاحیت سے تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) ایکڑ اراضی حاصل کیں، اور علاقہ کے پتنی دار مقرر ہوئے، زمیندارانہ نظام میں پتنی دار توجیہ دار کے ماتحت ہوتا تھا اور وہ رعیت سے خراج وصول کر کے ایک مخصوص حصہ توجیہ دار کو ادا کرتا تھا، اس طرح دین کے ساتھ ان کو دنیوی وجاہت بھی حاصل ہوگئی،--- ان کی قبر کمل پور میں اپنے مکان کے احاطے میں مسجد سے متصل ہے، اور ان واقعات کے راوی جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب بھی اب وہیں اپنے دادا کے جوار میں آرام کررہے ہیں **فرحمھما اللہ**۔

(۵۲۲) اس دور کے تلامذہ میں جناب مظہر سمیع صاحب اور جناب علی مظفر صاحب صاحبزادگان جناب عبدالحفیظ صاحب، جناب محفوظ الرحمن عرف عیدو ولد مولوی سخاوت حسین موضع لوٹیاباری ضلع پورنیہ، جناب وارث علی صاحب ولد جناب==

صاحب کو زمینداری کے کاموں سے فرصت نہیں تھی، علاوہ وہ باقاعدہ عالم نہیں تھے، ان کی قابلیت فارسی دانی تک محدود تھی، اس لئے مدرسہ کی انتظامی ذمہ داری انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی جناب مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (متوفی ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۰/اپریل ۱۹۷۹ء) (۵۲۳) کے حوالے کردی۔

لیکن یہ سلسلہ بہت زیادہ دنوں تک نہ چل سکا، اور صرف تین (۳) ماہ کے بعد ہی کچھ ایسی وجوہات پیدا ہوئیں جن کی بنا پر حضرت منورویؒ نے فی الحال تدریسی خدمت موقوف کردی، اور طب پڑھنے کا عزم فرمالیا، حضرت کمل پور سے رخصت ہو کر وطن مالوف "منورواشریف" تشریف لے آئے، یہ تقریباً ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء کی بات ہے، جب آپ کی عمر شریف تقریباً بیس (۲۰) سال تھی۔

منورواشریف میں نظام تعلیم و مسجد کی اصلاح

طب کی تعلیم میں دو سال صرف ہوئے، جس کی تفصیل حصول تعلیم کے باب میں گذر چکی ہے، تعلیم طب سے فراغت کے بعد اہل پورنیہ کے اصرار پر ایک سال کے لئے آپ پورنیہ تشریف لے گئے، اور ملہنا میں قیام کیا، مگر اس دوران آپ کی توجہ تدریس کے بجائے طبی خدمات پر رہی (جس کی تفصیل آئندہ آئے گی)۔

ایک سال کے بعد آپ تقریباً ۱۳۴۲ھ/ ۱۹۲۴ء میں آپ وطن مالوف منورواشریف تشریف لے آئے، آپ کے نانا جان حضرت مولانا سید شاہ امیر الحسن قادریؒ (جو اس پورے خطہ کے معلم و مرشد تھے) کے وصال کے بعد یہاں کا تعلیمی نظام بکھر گیا تھا، اس لئے اہل بستی کی شدید خواہش پر آپ نے دینی تعلیمی نظام کی ذمہ داری قبول فرمائی، تاکہ نانا جان کی قائم کردہ تعلیمی تحریک کا احیاء ہو سکے، آپ نے گاؤں کی مسجد اور مکتب کے نظام کو درست کیا، علم دین کی طرف سے لوگوں میں بے رغبتی عام ہو رہی تھی اس کی اصلاح فرمائی، علماء اور اہل اللہ سے رابطہ قائم کرنے پر زور دیا، دینی مجالس کے ذریعہ عام لوگوں میں دینی افکار و جذبات کی نشو و نما کی، گاؤں کے بہت سے طلبہ آپ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، آپ کی تدریسی صلاحیت و شہرت نیز صلاح و تقویٰ سے متأثر ہو کر صلحا بزرگ وغیرہ سے بھی بہت

==واجد علی صاحب مقام سور جاپور ضلع اتر دیناجپور بنگال، اور مولانا کلیم الدین صاحب ولد جناب صولا دعلی مقام سور جاپور قابل ذکر ہیں، اب یہ تمام حضرات راہی دار بقا ہو چکے ہیں، اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے آمین۔

(۵۲۳) مولانا عبدالعزیز صاحب نے مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عربی تعلیم حاصل کی، مگر مکمل نہ کر سکے، ان کی یہ تاریخ وفات میرے والد ماجد کے رجسٹر میں درج ہے۔

سے طلبہ ندی عبور کر کے آپ کے پاس حاضر ہوتے تھے، اس طرح آپ کی تشریف آوری سے علاقے میں ایک نئی چہل پہل محسوس کی گئی، آپ نے یہاں کے ماحول کی درستگی کے لئے اپنی بے پناہ توانائی صرف کی۔

منوروا شریف میں آپ کا قیام قریب آٹھ (٨) سال رہا، اس طویل عرصے میں آپ نے ایک دینی اور علمی انقلاب برپا کر دیا اور ایک نسل دینی تعلیم کے لئے تیار کر دی (٥٢٤)۔

حضرت منورویؒ کا دس سالہ تدریسی دور

١٣٣٧ھ مطابق ١٩١٩ء میں فراغت کے بعد قریب ١٣٥١ھ/ ١٩٣٢ء تک (دو تین سال کا وقفہ چھوڑ کر جو طب کی تعلیم کا زمانہ ہے) تقریباً دس (١٠) سال آپ کی مسلسل تدریسی خدمات کا دور ہے، اس دوران آپ کی زیادہ تر توجہ تدریس و تعلیم پر رہی، اور بہار و بنگال کے مختلف علاقوں میں آپ نے بے شمار تلامذہ تیار کئے۔

١٣٥١ھ/ ١٩٣٢ء کے بعد آپ کا رخ زیادہ تر تعلیم روحانی کی ذمہ داریوں کی طرف منعطف ہو گیا، اور درس و تدریس سے زیادہ رابطہ قائم نہیں رہا (مخصوص شاگردوں کا استثناء کر کے) (٥٢٥)۔

---

(٥٢٤) اس زمانہ کے تلامذہ میں جناب اسحاق امین مرحوم (م ١٥/ جنوری ١٩٧٨ء مطابق ٥/ صفر المظفر ١٣٩٨ھ)، جناب غلام عارف مرحوم، جناب حاجی مقبول صاحبؒ، وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(٥٢٥) مثلاً حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہری عرف مولانا بہادرؒ (ولادت ١٣٥٠ھ/ ١٩٣٢ء - وفات ٢٠/ ذی الحجہ ١٣٩١ھ مطابق ١٧/ فروری ١٩٧١ء)، جناب محمد مونس صاحب مرحوم ولد جناب حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم (منوروا شریف) اور جناب عبد المغنی صاحب (صلحا بزرگ، ولادت ١٩٣٥ء/ ١٣٥٤ھ) وغیرہ عہد تدریس کے بعد کے تلامذہ ہیں، جب آپ کا زیادہ تر وقت روحانیت کی تعلیم میں صرف ہونے لگا تھا، اور اسی میں کچھ مخصوص طلبہ کو آپ پڑھاتے بھی تھے۔

(۲)

قلمی خدمات

حضرت منورویؒ ایک صاحب تصنیف وتالیف بزرگ تھے، آپ نے دیگر علمی و روحانی اور ملی خدمات کے ساتھ تصنیف وتالیف پر بھی توجہ دی، اور کئی اہم کتابیں مرتب فرمائیں، جن میں دو کتابیں آپ کی حیات مبارکہ میں شائع ہوئیں:

''مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ''

(۱) مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (صفحات ۴۷): یہ آپ کی اولین تالیف ہے جو شائع ہوئی، سن تالیف کتاب پر درج نہیں ہے، لیکن اندازہ یہ ہے کہ ۱۹۶۰ء میں لکھی گئی ہے، کتاب حمیدیہ برقی پریس، بلوا گنج، لہریا سرائے دربھنگہ سے شائع ہوئی ہے، لیکن اس کا حق طباعت منشی عبدالمجید صاحب رئیس قمر گنج عرف ضیا گاچھی، ڈاکخانہ دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور (۵۲۶) کو دیا گیا تھا، اور غالباً انہوں نے اس کی طباعت کے اخراجات میں بڑا حصہ لیا تھا۔

یہ کتاب حجم میں گو کہ بہت مختصر ہے لیکن اپنے موضوع پر حاوی اور جامع ہے، اس میں سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ (سلسلۂ حضرت شاہ ابوالخیرؒ) کے تمام مشائخ کا نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب ہر شخص کے لئے لائق مطالعہ ہے، کتاب کے آخر میں سلسلۂ نقشبندیہ کے بنیادی اذکار واشغال دیئے گئے ہیں، جن کی ضرورت سلسلہ میں داخل ہونے والے ہر طالب کو پڑتی ہے، اور منتہی کو بھی ان سے رستگاری نہیں ہے۔

---

(۵۲۶) جناب عبدالمجید صاحب قطب بنگال حضرت مولانا محمد عابد چندی پوریؒ (ولادت ۱۷/ربیع الثانی ۱۲۸۲ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۸۶۲ء وفات ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۲/اکتوبر ۱۹۵۸ء) کے شاگرد اور مرید تھے، لیکن حضرت منورویؒ کی صحبت کو بھی غنیمت جانتے تھے، ان کی عقیدت کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ ان کو اولاد نہیں ہوتی تھی، حضرت کی دوا اور دعا کی برکت سے اللہ پاک نے ان کو اولاد عطا فرمائی، پھر انہوں نے تاحیات حضرت کا دامن نہیں چھوڑا، اپنی اہلیہ اور بچوں کو حضرت سے بیعت کرایا، وہ حضرت منورویؒ کے حلقۂ احباب میں بہت اہتمام کے ساتھ مفت تسبیح تقسیم کرتے تھے، اور یہ خدمت آپ حضرت منورویؒ کی اجازت سے انجام دیتے تھے۔

البتہ اذ کار واشغال میں حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ کی تعلیم وتلقین بھی پیش نظر رکھی گئی ہے، جیسا کہ طریقۂ اسم ذات کے ضمن میں گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہمارے حضرت مولانا سید شاہ بشارت کریم صاحبؒ نے فرمایا: ''ایں ہم کن آں ہم کن تا غلبہ کرا باشد''، اس خیال کی مواظبت میں کوشش کرے پھر غلبۂ حال یا تو سب کام کو چھڑا دے گا یا یکبارگی ایسی عنایت ایزدی ہوگی کہ کوئی کام اس خیال کو مانع نہ ہوگا اور خلوت درانجمن کا مدعا حاصل ہوگا'' (۵۲۷)

اذ کار واشغال کے بعد سلسلہ کا شجرۂ منظومہ دیا گیا ہے جو حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کا تیار کردہ ہے، البتہ حضرت منورویؒ نے اس کے ساتھ آخر میں حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ اور حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کے بشمول سلسلۂ موسیٰ زئی کے بزرگوں کے اسماء گرامی بھی شامل کئے ہیں، اس لئے کہ حضرت منورویؒ کو دونوں جانب سے نسبت حاصل تھی، البتہ اسماء گرامی کی ترتیب ایسی رکھی گئی ہے جس سے نسبت شاہ ابوالخیرؒ کی اصالت ظاہر ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء میں میرے والد ماجد نے بعض احباب کے تعاون سے شائع کیا، مگر کتاب پر سن اشاعت درج نہیں ہے، اس ایڈیشن میں حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ اور حضرت منورویؒ کے حالات کا اضافہ کیا گیا ہے

اس کا تیسرا ایڈیشن حضرت والد ماجد کی اجازت سے خانقاہ عثمانیہ نقشبندیہ بڑگاؤں ضلع دربھنگہ کے زیر اہتمام غالباً ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوا، وہ دوسرے ایڈیشن کے بعینہ مطابق ہے۔

''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت

''(المعروف بہ سرکار غریب نواز''

(۲) ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' (صفحات ۱۱۲):

اس کتاب کا اصل نام یہی ہے، جیسا کہ حضرت منورویؒ نے اندرون کتاب تمہید میں اس کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''امابعد: خاکسار احمد حسن ساکن منورواڈاکخانہ صلحابزرگ ضلع دربھنگہ راہ خدا کے طالبوں کی خدمت میں ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' تحریر کرکے آپ حضرات کے سامنے

(۵۲۷) مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ ص ۳۴ مؤلفہ حضرت منورویؒ

پیش کرتا ہے، امید کہ قبول فرما کر دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے'' (۵۲۸)

اور امر واقعہ بھی یہی ہے کہ یہ کتاب سلسلۂ چشت اہل بہشت کے حالات پر مشتمل ہے، اور اس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ سلسلہ کے اکثر مشائخ کا تذکرہ موجود ہے، لیکن چونکہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے حالات نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، اس لئے یہ ''سرکار غریب نوازؒ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ابتداء حضرت مؤلف نے صرف حضرت غریب نوازؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا ہو، لیکن تکمیل کے بعد اس میں دیگر بزرگان کے حالات بھی شامل کیے گئے، اور یہ پورے سلسلۂ چشت کی نمائندہ کتاب بن گئی، اس کی تائید حضرت منورویؒ کے ایک خط (مرقومہ ۷/ دسمبر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۶/ جمادی الثانیۃ ۱۳۸۰ھ) سے ہوتی ہے جو انہوں نے جناب محمد وارث علی صاحب رئیس سورجاپور کو لکھا ہے، لکھتے ہیں:

''۲۹/ جمادی الثانی تک ان شاء اللہ حاضر خدمت ہونے کی کوشش کریں گے، ---خواجہ غریب نوازؒ کی مکمل سوانح عمری لکھی جا چکی ہے، ان شاء اللہ لیتے آئیں گے''

کتاب کے آخر میں سلسلۂ چشتیہ کا منظوم شجرہ بھی شامل کیا گیا ہے، اس شجرہ میں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زیدؒ اور حضرت منورویؒ وغیرہ کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

اس کتاب کا مسودہ آپ کے دوسرے حج سے قبل جمادی الثانیۃ ۱۳۸۰ھ/ دسمبر ۱۹۶۰ء میں تیار ہو گیا تھا، جیسا کہ مذکورہ بالا مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس کی طباعت کی نوبت حج ثانی کے بعد آئی، اور ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء مطابق ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ کو جہانگیر پریس کشن گنج سے طبع ہوئی، کتاب کے سرورق پر ناشر کی جگہ پر جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی عرف میگھو، مقام مانسکول ضلع پچھم دیناجپور کا نام درج ہے، البتہ کتاب کے آخری صفحہ (۱۱۲) پر حسب فرمائش کے عنوان سے نو (۹) حضرات کے اسماء گرامی بھی شامل ہیں، غالباً ان حضرات نے طباعت کے خرچ میں حصہ لیا ہوگا، وہ اسماء گرامی کتاب کی ترتیب کے مطابق حسب ذیل ہیں:

(۱) جناب مولوی حاجی فقیر محمد صاحب چشتی مظہری متولی مدرسہ غوثیہ مظہریہ قمر گنج مقام ضیا گاچھی۔

---

(۵۲۸) مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت **المسمیٰ بہ** ''سرکار غریب نوازؒ'' ص ۲ مؤلفہ حضرت منورویؒ، باہتمام: جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی، موضع مانسکول ضلع پچھم دیناجپور، سن طباعت ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء۔

(۲) جناب منشی عبدالمجید صاحب قادری چشتی مہتمم مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ رئیس ضیا گاچھی، ڈاکخانہ دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور

(۳) جناب محمد وارث علی صاحب نقشبندی چشتی رئیس سورجاپور، دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور

(۴) جناب عین الدین صاحب نقشبندی چشتی رئیس مانسکول دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور (۵۲۹)

(۵) جناب مولوی ولی اصغر صاحب نقشبندی رئیس لوٹیاباری ضلع پورنیہ

(۶) امین عبدالستار صاحب مظہری مقام ضیا گاچھی، دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور

(۷) جناب منشی شمس الدین قادری چشتی مانسکول، ڈاک خانہ دلکولہ ضلع پچھّم دیناجپور

(۸) حاجی منظور احمد صاحب موضع مصرولیا ضلع مظفر پور

(۹) حاجی محمد ابراہیم صاحب موضع منوروا ضلع دربھنگہ۔

ان حضرات میں سے اب کوئی اس دنیا میں باقی نہیں ہے۔

یہ کتاب شائع ہوئی تو حضرت منورویؒ اس کے بہت سارے نسخے لے کر بارگاہ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور وہاں کے خدام اور حاضرین وزائرین میں ان کو تقسیم کیا، یہ دربار خواجہؒ سے آپ کے گہرے انس اور عقیدت کی علامت تھی۔

حج سے واپسی پر دربار خواجہؒ میں حاضری غالباً اس نیابت ہند کی توثیق کے لئے بھی تھی جس کے لئے دربار رسالت سے آپ کو ہندوستان واپس بھیجا گیا تھا۔

یہ کتاب اب عام طور پر نایاب ہے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع نہیں ہوا۔ مذکورہ دونوں کتابیں حضرت منورویؒ کی حیات مبارکہ میں شائع ہوئیں۔

''امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ''

(۳) امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (صفحات ۲۴ قلمی نسخہ): حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مختصر سوانح حیات بھی آپ نے قلمبند فرمائی تھی، جس میں حضرت مجددؒ کے مختصر حالات مبشرات، مقامات اور اولاد وغیرہ کا ذکر ہے، کتاب مکمل ہے، اس میں حضرت مجددؒ کی ولادت سے لے کر وفات تک کا پورا ذکر ہے، البتہ سن تالیف درج نہیں ہے۔

اس کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ پر سلسلۂ نقشبندیہ کا رنگ غالب تھا، آپ اس سلسلہ کوئی

(۵۲۹) تاریخ وفات ۶ / ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۷ / مارچ ۱۹۷۸ء

وجوہ سے زیادہ پسند فرماتے تھے:

☆ یہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جاری ہوا ہے۔

☆ اس کا آغاز عالم خلق کے بجائے عالم امر سے ہوتا ہے۔

☆ یہ شریعت مطہرہ سے زیادہ قریب ہے، اس میں خرافات و منکرات کی کوئی گنجائش نہیں ہے، وغیرہ۔

یہ رسالہ آج تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا، مگر خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ قلمی نسخہ پوری طرح محفوظ ہے اور خود حضرت منورویؒ کے دست مبارک سے تحریر شدہ ہے، پہلی بار یہ کتاب اب زیور طبع سے آراستہ ہورہی ہے، اللہ پاک کتاب اور مصنف کتاب کے فیوض عالیہ سے پوری امت کو مستفید فرمائے آمین۔

(۳)

مدراس ومکاتب کی تاسیس

آپ کی علمی خدمات کا اہم باب مدارس ومکاتب کا قیام ہے، جہاں بھی آپ تشریف فرما رہے یہ فکر آپ پر حاوی رہی کہ امت زیورِ علم سے آراستہ ہو، اور جگہ بجگہ چھوٹے چھوٹے مدارس ومکاتب قائم ہوں جن میں دین کی بنیادی تعلیم دی جائے، ہر جگہ بڑے اداروں اور جامعات کی ضرورت نہیں ہے، ضرورت ہے چھوٹی سطح پر امت کے ہر فرد تک علم دین پہونچانے کی، اس سلسلے میں آپ کبھی اور کہیں غافل نہیں رہے، اس سلسلے کی خدمات کی زیادہ تفصیلات ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں، لیکن بطور مثال چند نمونے پیش خدمت ہیں:

منورواشریف میں دینی درسگاہ کا قیام

☆اس کی ایک مثال منورواشریف میں دینی درسگاہ کا قیام ہے، حضرت منورویؒ سے قبل منوروا میں کوئی باضابطہ مکتب موجود نہیں تھا، آپ کے نانا جان حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ کی زندگی کے آخری تین سال یہاں ضرور گذرے ہیں، اور اس کا فیض بھی اس گاؤں کو ملا ہے، لیکن ان کی علمی سرگرمیوں کا بڑا مرکز صلحا بزرگ تھا، اور سارے علاقے میں زیادہ تر وہیں کے توسط سے ان کا علمی فیض پہونچا، منورواشریف میں یہ اہم ترین خدمت حضرت منورویؒ نے انجام دی، اور ان کی قائم کردہ درسگاہ سے حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہریؒ عرف مولانا بہادرؒ جیسے عالم ربانی پیدا ہوئے، جن کے علم سے ایک زمانہ نے فائدہ اٹھایا، ایک عرصہ تک وہ جامعہ رحمانی مونگیر کے استاذ رہے، ایک پوری نسل انہوں نے تیار کی، پھر ان کے شاگردوں کے توسط سے یہ فیض ملک گیر ہوگیا۔

بعد میں حضرت منورویؒ نے یہ عظیم دینی درسگاہ حضرت مولانا بہادرؒ کے حوالے کر دی تھی، اور پھر تاحیات مولانا بہادرؒ اس درسگاہ کے مدرس وناظم رہے، مولانا بہادرؒ کے وصال (۱۹۷۱ء) کے بعد کچھ دنوں اس سلسلہ کو میرے والد ماجد نے جاری رکھا، پھر یہ سلسلہ موقوف ہوگیا تا آں کہ یہاں جامعہ ربانی (۱۹۹۸ء میں) اس حقیر کے ذریعہ قائم ہوگیا۔

مدرسہ غوثیہ مظہریہ قمر گنج کا قیام

(۲) مدرسہ غوثیہ مظہریہ قمر گنج مقام ضیا گاچھی پوسٹ جگدیش پور ضلع مغربی دیناجپور بنگال کا قیام بھی حضرت منورویؒ کی انہی مساعی کا حصہ ہے، ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء میں یہ مدرسہ قائم ہوا، اس مدرسہ کے مہتمم حضرت کے زمانہ میں آپ کے خلیفۂ اول جناب مولانا حاجی فقیر محمد صاحب چشتی مظہری تھے، اس مدرسہ نے تعلیم کے میدان میں بڑی شہرت حاصل کی، حضرت کے وصال کے بعد بھی یہ مدرسہ جاری رہا، اور اسی کے ساتھ حاجی فقیر محمد صاحب کی خانقاہ ربانیہ (سن قیام ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) بھی آباد رہی (۵۳۰)۔

مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ ضیا گاچھی کا قیام

(۳) مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ ضیا گاچھی بھی حضرت منورویؒ ہی کے ایماء پر قائم ہوا تھا، اس کا سن قیام معلوم نہیں ہے، اس کے مہتمم جناب منشی عبد المجید صاحب قادری چشتیؒ تھے، اس مدرسہ نے بھی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے کافی شہرت پائی، بڑے بڑے جلسے کئے، جن کا سلسلہ حضرت کے وصال کے بعد بھی جاری رہا، اس مدرسہ کے ابتدائی جلسوں کے کئی پوسٹر ہمارے پاس محفوظ ہیں جن سے اس مدرسہ کی شہرت ومقبولیت اور خدمات کا اندازہ ہوتا ہے، حضرتؒ کے وصال کے بعد یہ مدرسہ میرے والد ماجد کی سرپرستی میں جاری رہا (۵۳۱)۔

---

(۵۳۰) سن تاسیس مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا غلام صابر صاحب نے اپنی ڈائری سے لکھ کر بھیجا ہے (ص ۷ ۳، ۴۴)

(۵۳۱) ان دونوں مدرسوں کا تذکرہ حضرت منورویؒ کی کتاب ”مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت“ میں موجود ہے، نیز مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ کے سالانہ جلسہ کا پوسٹر بھی اس حقیر کے پاس موجود ہے۔

(۷)

باب ہفتم

خانقاہی زندگی

(تزکیہ واحسان کی دنیا میں حضرت منورویؒ کا مقام اور خدمات)

روحانی مقام ومرتبہ، محاسن وکمالات، امتیازات وخصوصیات،
اصلاحی خدمات، تربیتی اصول ومعمولات، مکاشفات
وانعامات اور فرمودات وارشادات

(۱)

حضرت کا خانقاہی نظام اور روحانی واصلاحی سفر کی داستان تاریخی ادوار کے تناظر میں

آپ کی حیات طیبہ کا اصل محور یہی خانقاہی نظام تھا، آپ اسی سلسلۃ الذہب کے ایک فرد فرید تھے، تصوف واحسان اور تزکیہ نفس کے میدان میں آپ نے جو عظیم الشان خدمات انجام دیں اپنے عہد میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، گوکہ آپ نے بظاہر گمنامی کی زندگی اختیار کی، شہرت وہجوم کے مواقع سے گریز کرکے ہمیشہ گوشۂ تنہائی کو پسند فرمایا، تکلفات سے بالاتر ہوکر تواضع وسادگی کو اپنا شعار بنایا، اور اہتزاز وارتعاش کے بجائے خاموشی اور صبر وقناعت کو اپنا حصار بنایا، لیکن اس سادگی، گمنامی، بے نفسی اور فنائیت کے باوجود اللہ پاک نے آپ سے بڑے بڑے کام لئے۔

کیفؔ پیدا کر سمندر کی طرح　　　وسعتیں، خاموشیاں، گہرائیاں

خانقاہی خدمات کا آغاز سرزمین پورنیہ سے

علمی سرگرمیوں کی طرح آپ کی خانقاہی خدمات کا آغاز بھی سرزمین پورنیہ سے ہوا، اور اس کی ابتدا مطب سے ہوئی، آپ پورنیہ میں بحیثیت طبیب چار (۴) مقامات پر رہے، اور طبیب جسمانی کے ساتھ طبیب روحانی کی خدمات بھی انجام دیں، آپ روحانی بیماریوں کا علاج بھی جسمانی علاج کے پردے میں کرتے تھے، اپنے کو شیخ طریق کے بجائے محض ایک حکیم کے طور پر متعارف کرتے تھے، لیکن جو صاحب نظر تھے وہ آپ کو پہچان لیتے تھے اور دامن مراد بھر لیتے تھے۔

روحانی وتربیتی مراکز (خانقاہیں)

آپ نے اپنی زندگی میں منورواشریف کے علاوہ خطۂ پورنیہ میں دو روحانی مراکز قائم فرمائے، جہاں براہ راست طالبین اخلاقی تربیت اور روحانی فیوض حاصل کرتے تھے:

(۱) بذرگاؤں (سابق ضلع پورنیہ موجودہ ضلع کٹیہار) جہاں تقریباً ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء تا ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء بارہ (۱۲) سال آپ کا قیام رہا۔

(۲) سورجاپور خانقاہ (سابق ضلع پورنیہ، موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال) یہاں ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء تا ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء تقریباً آٹھ (۸) سال قیام رہا۔

بظاہر یہاں مطب تھے لیکن اصلاً یہ روحانی خانقاہیں بھی تھیں، جہاں جسمانی بیماریوں سے زیادہ روحانی بیماریوں کا علاج کیا جاتا تھا۔

حضرت منورویؒ کا قیام پورنیہ

جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ لکھنؤ اور دہلی میں طب کی تعلیم سے فراغت کے بعد آپ منورواشریف واپس ہوئے اور پھر یہاں سے پورنیہ تشریف لے گئے، اس سے قبل کچھ عرصہ آپ نے پورنیہ میں تدریسی خدمت انجام دی تھی، بلکہ وہیں سے آپ طب کی تعلیم کے لئے روانہ ہوئے تھے، اس لئے بہت سے حضرات آپ کی صلاحیت وصالحیت سے مانوس اور آپ کی شرافت وتقویٰ سے متأثر تھے، ان کا اصرار ہوا کہ پورنیہ کو ایک بار پھر اپنی خدمات عالیہ کا مرکز بنایا جائے، دوسری طرف منورواشریف اس وقت ایک پسماندہ علاقہ تھا، جہاں آپ جیسے بلند پایہ عالم وحکیم کی قدرشناسی نیز بہتر معاش کے امکانات بہت محدود تھے، آپ پر اپنی والدہ اور دیگر گھریلو ذمہ داریاں بھی تھیں، اس لئے آپ نے اہل پورنیہ کی دعوت قبول فرما کر (غالباً ۱۹۲۳ء میں) آپ نے دوبارہ پورنیہ کے لئے رخت سفر باندھ لیا۔

ملہنا (ضلع پورنیہ) میں قیام اور خدمات

اس بار قرعۂ فال موضع ملہنا تھانہ امور ضلع پورنیہ کے لئے نکلا، یہ بستی پورنیہ کی مشہور ندی ''مہانندا'' کے مغربی ساحل سے کچھ فاصلہ پر آباد ہے، مولوی عبدالمقیت صاحب (موضع کمل پور) کی دوسری شادی ملہنا میں جناب کالوخان مرحوم کی صاحبزادی مریم النساء (متوفیہ: ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء) سے ہوئی تھی، اس نسبت سے ان حضرات کی آمدورفت کمل پور رہتی تھی، غالباً کمل پور میں ہی اس خاندان کے کچھ لوگوں کی آپ سے ملاقات ہوئی، اور پھر وہی حضرات ملہنا میں آپ کے لئے ذریعۂ تعارف بن گئے۔

حضرت کے دوسرے سفر پورنیہ کے موقعہ پر غالباً جناب کالوخان صاحب انتقال کر چکے تھے، البتہ ان کے بھتیجے جناب واحد علی خان صاحب اور صاحبزادگان جناب عظیم الدین خان اور عبدالعزیز خان صاحبان کا دور تھا،---اس بار آپ بظاہر وہاں بحیثیت حکیم تشریف لے گئے تھے اور انہی خان

برادران نے آپ کے قیام وغیرہ کا انتظام کیا(۵۳۲)

ایک انگریز ڈاکٹر سے ملاقات اور بحیثیت حکیم آپ کی شہرت کا آغاز

یہاں آپ تشخیص وعلاج کے ساتھ دواسازی کا کام بھی کرتے تھے، اس لئے جڑی بوٹیاں اور مفردات لانے کے لئے اکثر آپ کو ملہنا سے کشن گنج جانا پڑتا تھا، جو وہاں سے تقریباً چالیس (۴۰) کلو میٹر کے فاصلے پر ہے، کشن گنج میں اتفاقاً ایک انگریز ڈاکٹر سے آپ کی ملاقات ہوگئی، جو اپنے ایک مریض کے علاج کے لئے بے حد پریشان تھا، ایک لمبے عرصے سے زیر علاج رہنے کے باوجود اس کو کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا، حضرت گو کہ ابھی نوعمر اور اس میدان کے نو وارد تھے لیکن اس انگریز ڈاکٹر کی خواہش پر آپ نے اس کا حکیمی علاج شروع کیا، اللہ کے کرم سے بہت جلد اسے شفا مل گئی، اور یہی آپ کی حکمت کا ذریعۂ اشتہار بن گئی، انگریز ڈاکٹر بھی آپ کا معتقد ہوگیا اور اس نے متعدد لاعلاج مریضوں کو آپ کے پاس بھیجا، اور اللہ پاک نے سب کو شفا عطا فرمائی، قدرت کی طرف سے آپ کو دست شفا حاصل تھا، آپ کے علاج میں دوا کے ساتھ دعا کا عنصر بھی شامل ہوتا تھا، اس لئے دوا تیر بہ ہدف کام کرتی تھی، اس دور میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ:

''حکیم صاحب کے پاس موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج ہے'' (۵۳۳)

شب کے سناٹے میں جناتوں کی تعلیم وتربیت

اس زمانہ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جس سے آپ کی روحانی شخصیت کا بھی ادراک ہوتا ہے، اور گو کہ اس وقت آپ بحیثیت حکیم شہرت رکھتے تھے، لیکن کچھ خاص لوگ آپ کی روحانی شخصیت سے بھی باخبر ہونے لگے تھے۔

کشن گنج میں آپ کے زمانۂ تعلیم طب کے ساتھی ''جناب حکیم واثق الیقین صاحب'' کا بھی مطب تھا، جو گیا (بہار) کے رہنے والے تھے، کشن گنج میں زیادہ تر حضرت کا قیام انہی حکیم صاحب کے مہمان خانے میں ہوتا تھا، حکیم صاحب آپ کے خاندانی پس منظر اور باطنی حالات ومقامات سے واقف تھے، اس لئے وہ بے حد آپ کا لحاظ کرتے تھے، اور ہمیشہ اپنے یہاں قیام کے لئے اصرار کرتے تھے، حکیم

(۵۳۲) دوسرے سفر کی یہ تفصیل مجھے جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ ابن جناب عبدالمقیت صاحبؒ (کمل پور) نے بتائی۔

(۵۳۳) یہ واقعہ میرے والد مکرم حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب نے بیان فرمایا۔

صاحب متمول شخصیت کے مالک تھے، ان کی پریکٹس اچھی خاصی چلتی تھی، کچھ خدام اور ملازمین بھی ان کے پاس رہتے تھے، باقاعدہ ان کا مہمان خانہ تھا، جہاں ان کے مہمان ٹھہرا کرتے تھے، غالباً مریضوں کی سہولت کے لئے یہ مہمان خانہ بنوایا گیا ہوگا، جو دوسرے مہمانوں کے بھی کام آتا ہوگا۔

ایک بار کئی شب حضرت کو وہاں ٹھہرنے کی نوبت آئی، پہلے دن جب رات آدھی سے زیادہ گذر گئی تو آپ اپنے بستر سے اٹھے اور باہر نکل گئے، اور پھر صبح واپس آئے، مہمان خانے میں ایک اور شخص بھی اسی کمرہ میں مقیم تھا جو شاید حکیم صاحب کا کوئی خاص رشتہ دار تھا، ایک شب کے بعد جب دوسری شب حضرت اٹھے تو اسے تجسس ہوا کہ آخر رات کے اندھیرے میں یہ مولانا صاحب کہاں جاتے ہیں؟ اس نے حضرت کو حکیم صاحب کے یہاں آتے جاتے بارہا دیکھا تھا، لیکن آپ کی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔

اس نے آپ کا پیچھا کیا، رات کی تاریکی میں چلتے ہوئے حضرت ایک سنسان جنگل میں داخل ہوئے اور کافی دیر چلتے رہے یہاں تک کہ ایک بڑی سی مسجد نظر آئی، جو سفید پوش عابدوں اور زاہدوں سے بھری ہوئی تھی اور سب لوگ کسی شخصیت کے منتظر بیٹھے تھے (یہ سب جن تھے اور غالباً حضرت سے وابستہ تھے) حضرت وہاں پہونچے تو سب نے آپ کا کھڑے ہوکر استقبال کیا اور آپ کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے، آپ نے ان کو وعظ و تلقین فرمائی، مجلس ختم ہوئی اور آپ باہر نکلے تو تعاقب کرنے والے شخص پر نظر پڑی، آپ نے جو خشمگیں نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بے ہوش ہوگیا، صبح جب آنکھ کھلی تو وہ کسی سنسان جنگل میں پڑا تھا، نہ کوئی مسجد تھی اور نہ کوئی آدم اور نہ آدم زاد، بڑی مشکل سے اس نے اپنے ہوش وحواس بحال کئے اور کئی دن کے سفر کے بعد حکیم صاحب کے یہاں واپس لوٹا۔

حضرت نے اسی دن واپسی پر حکیم صاحب سے فرمایا کہ حکیم صاحب! اب آئندہ میں آپ کے یہاں نہیں ٹھہروں گا، حکیم صاحب نے حیرت سے پوچھا: کیوں؟ کوئی تکلیف؟ آپ نے فرمایا کہ آپ کے یہاں کے لوگ مجھ پر شک کرتے ہیں، اور میرا پیچھا کرتے ہیں۔

حکیم صاحب حیرت واستعجاب میں رہے، ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، جب دو تین دن کے بعد ان کا آدمی واپس آیا، تب صحیح صورت حال معلوم ہوئی، حکیم صاحب اس واقعہ کے بعد بہت زیادہ آپ کے معتقد ہو گئے، اس لئے کہ اس طرح کے بعض واقعات پچھلے بزرگوں کے بارے میں تو ضرور سنے تھے، لیکن اس دور میں بھی ایسے ولی اللہ موجود ہیں، ان کے تصور میں بھی نہیں تھا، کہتے ہیں کہ وہ حضرت سے بیعت بھی ہو گئے تھے---اگر یہ درست ہے تو حکیم صاحب کا شمار پورنیہ میں حضرت کے اولین مریدین میں ہوگا---وہ اس واقعہ کو بعد میں رو رو کر بیان کرتے تھے کہ ہم لوگوں نے

حضرت کی قدر نہیں کی (۵۳۴)۔

آپ کے مریدین میں جناتوں کی بڑی تعداد تھی

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنات بھی بڑی تعداد میں آپ سے مرید تھے، اور آپ سے استفادہ میں جن بھی پیچھے نہیں تھے، اور اس کے شواہد ہر دور میں ملتے ہیں، جناب اظفر الکوثر خان صاحب (مقام گوری ضلع سیتامڑھی، جو حضرت کے عہد آخر کے مریدین میں ہیں) کا بیان ہے کہ حضرت ایک بار گوری تشریف لائے، اور مسجد میں تنہا موجود تھے، میں حضرت کے لئے پان لانے گھر چلا گیا، واپسی پر دیکھا کہ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، میں انتہائی حیران ہوا کہ ابھی تو ایک شخص بھی مسجد میں نہیں تھا، دفعتاً اتنے سارے لوگ کہاں سے آگئے؟ اس عاجز کی حیرانی پر حضرت نے فرمایا کہ یہ آپ کے پڑوسی ہیں، ان سے آپ لوگوں کو کوئی گزند نہیں پہونچے گی --- یہ جنات کی جماعت تھی، جو حضرت کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئی تھی (۵۳۵)۔

رات بھر غیر مرئی مخلوقات کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا

☆ جناب ولی اصغر صاحب مرحوم (لوٹیا باری، ضلع پورنیہ) بھی سورجاپور کے عہد قیام میں اس قسم کے واقعات سناتے تھے، کہ ایک شب میں نے حضرت کی خانقاہ میں قیام کیا تو رات بھر کھٹ پٹ اور لوگوں کی آمد و رفت کی آوازیں کان میں آتی رہیں، کبھی ایسا ہوتا کہ پورا مکان ہل جاتا تھا، اور میں چونکہ کر بیٹھ جاتا کہ شاید زلزلہ آگیا، ایک بار ایک بالکل کالا کلوٹا خوفناک شکل والا شخص نظر آیا، ڈر سے میری حالت خراب ہوگئی، حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں، یہ کچھ نہیں کرے گا، یہ خود مصیبت زدہ ہے، یہ ایک دھوبی ہے، اس کو نکال دیا گیا ہے، اسی کی شکایت لے کر حاضر ہوا ہے، اور سفارش چاہتا ہے۔

جنات کی مقبوضہ اراضی خالی کرائی گئیں

☆ اسی طرح پورنیہ میں بہت سی زمینوں پر جناتوں کا قبضہ تھا، حضرت کے حکم پر انہوں نے پوری زمین خالی کر کے وہیں ایک محدود حصہ میں منتقل ہو گئے اور وہاں اپنی مسجد تعمیر کر لی، اندازہ یہ ہے کہ یہ سب حضرت سے روحانی استفادہ بھی کرتے تھے۔

---

(۵۳۴) یہ واقعہ خود حکیم واثق الیقین صاحب مرحوم نے جناب ولی اصغر صاحب مرحوم (لوٹیا باری ضلع پورنیہ) سے بیان کیا، اور جناب ولی اصغر صاحب نے میرے والد مکرم حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب سے بیان کیا۔

(۵۳۵) الاکلیل ص ۲۳۹ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب

ملہنا میں حضرت کا قیام صرف ایک سال رہا، لیکن اللہ پاک نے آپ کے علاج میں بڑی برکت دی، یہاں لوگوں کو جسمانی اور روحانی دونوں طرح کا فیض پہونچا۔

منورواشریف واپسی اور ارشادو ہدایت کا باقاعدہ آغاز

اس کے بعد آپ منورواشریف واپس آگئے اور تقریباً آٹھ سال (۱۳۴۲ھ تا ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء) منورواشریف میں قیام رہا، اور یہیں تدریس وامامت کے ساتھ ارشادو ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا، اور اسی زمانہ میں آپ کی روحانی تعلیم کی برکت سے عملی طور پر پہلی مرکزی خانقاہ منورواشریف میں قائم ہوئی، اور بے شمار لوگ معرفت وروحانیت کی دنیا سے آشنا ہوئے، البتہ اس زمانے میں آپ بیعت بہت کم لیتے تھے، اکثر تعلیم وافاضہ پر اکتفا کرتے تھے، کوئی بہت اصرار کرتا تو بیعت فرمالیتے تھے، اسی زمانہ کے مریدین میں جناب اصغر شاہ صاحب (م ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء منورواشریف) (۵۳۶) کا نام سب سے زیادہ نمایاں ہے، جو پہلے سلسلۂ قادریہ وارثیہ سے وابستہ تھے، پھر

(۵۳۶) جناب شاہ اصغر علی صاحب (م ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء) ایک امی بزرگ تھے، حضرت منورویؒ سے عمر میں بڑے تھے، اسی لئے حضرتؒ ان کو شاہ صاحب کہتے تھے، پہلے وہ سلسلۂ قادریہ وارثیہ میں جناب عبادت شاہ عرف برہنگی شاہؒ (م اگست ۱۹۶۴ء) میگھونہ ضلع کھگڑیا بہار) خلیفہ نقیب شاہؒ سے وابستہ تھے، پھر وہ حضرت منورویؒ سے رجوع ہوئے، اور حضرت امیر الحسن قادریؒ کے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے، اونچی نسبت کے مالک تھے، اکابر وقت ان سے دعائیں کراتے تھے، مستجاب الدعوات تھے، حضرت منورویؒ کے پاس بھی کوئی دعا کرانے آتا تو بسا اوقات ان کی طرف محول فرمادیتے تھے، اس سلسلے میں بعض واقعات مشہور ہیں، جن کا ذکر آگے آئے گا ان شاء اللہ، مشتبہ کھانا ان کو ہضم نہیں ہوتا تھا، غریب اور مزدور آدمی تھے، درمیان میں کچھ دنوں گھر میں کھانے پینے کی دشواری ہوگئی، تو مسجد میں مقیم ہوگئے، اور کسی سے کچھ نہ کہا، کئی ماہ تک ان کو آسمان سے کھانا ملتا رہا، چلتے تھے تو راستہ سے سلام کی آوازیں آتی تھیں، مسجد میں نماز کے وقت فرشتوں کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے، ایک بار تراویح میں سورۂ مریم پڑھی جارہی تھی، تو حالت نماز میں جانب غرب انہوں نے حضرت مریمؑ کا مشاہدہ کیا، اس زمانہ میں حضرت منورویؒ اکثر کہا کرتے تھے کہ "اگر اللہ پاک کل روز محشر پوچھے گا کہ کیا لے کر آئے ہو؟ تو اصغر شاہ کو پیش کروں گا۔

وہ فنافی الشیخ تھے، فنائیت کا یہ عالم تھا کہ شیخ کے اشارہ کو حکم کا درجہ دیتے تھے، شیخ کی مجلس سے واپس جاتے تو الٹے قدموں جاتے، کبھی شیخ کی طرف پشت نہیں کی، نہ شیخ کے مکان کی طرف پاؤں پھیلا کر سوئے، ایسا طالب صادق صدیوں میں پیدا ہوتا ہے، ایسی ہستیوں کا ذکر کتابوں میں پڑھا ہے، لیکن اس علاقے میں وہ پیدا ہوئے اور لوگوں نے چلتے پھرتے انہیں دیکھا۔==

حضرت منورویؒ سے آپ کے نانا جان کے سلسلۂ قادریہ رزاقیہ میں بیعت ہوئے، اور انتہائی بلند مقامات تک پہونچے۔

اس زمانہ میں منورواا اور آس پاس میں معتقدین کی تعداد تو بہت تھی، مگر مریدین کم تھے، اس وقت آپ کے آخری پیر بیعت حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ حیات سے تھے، اس لئے یہ بات خلاف ادب معلوم ہوتی تھی کہ حضرت شیخ سے استفادہ کے بجائے خود منصب افادہ پر فائز ہوں۔

ایک مریض کو لے کر گڑھول شریف حاضری

اسی دور کا واقعہ ہے کہ آپ کے ایک مجلس نشین جناب قاضی ارشاد صاحب (۷۵۳) (م ۱۹۶۹ء

== بڑے متواضع تھے، کسی کا نام لے کر نہیں پکارتے تھے، چھوٹے بڑے سب کو خلیفہ کہہ کر بلاتے تھے۔

شاہ صاحبؒ ایک روز ہانپتے کانپتے حضرت کے پاس پہونچے، اور کہا کہ حضرت مجھے بچا لیجئے، حضرت نے پوچھا، کیا ہوا؟ غالباً مغرب بعد کا وقت تھا، انہوں نے کہا کہ مسجد سے نکلا تو دیکھا کہ ایک خوبصورت نازنین مسجد کے دروازہ پر کھڑی ہے، جیسے ہی میں بڑھا وہ مسکراتی ہوئی مجھے پکڑنے کے لئے دوڑی، وہ میرا پیچھا کر رہی تھی، حضرت کچھ دیر خاموش رہے، پھر ایک سرد آہ کھینچی اور فرمایا کہ اچھا آخری چائے پی لیجئے، صبح میں ان کے انتقال کی خبر ملی، وہ نازنین ان کی نماز تھی۔

حضرت منورویؒ نے ان کی وفات کے بعد ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحبؒ کے آس پاس ستر (۷۰) گز چاروں طرف جو بھی مدفون ہوگا، وہ مرحوم و مغفور ہوگا ان شاء اللہ، منوروا شریف کے مشہور عالم و مربی حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہری عرف مولانا بہادرؒ (م ۱۹۷۱ء) کا بیان ہے کہ انتقال کے بعد ان کے جسم میں کان لگایا تو اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی۔

ان کی صحیح تاریخ وفات کا پتہ نہ چل سکا، ۱۹۵۶ء تک وہ باحیات تھے، سورجاپور خانقاہ سے ڈاکٹر عبدالرحمن صلحاویؒ کے نام لکھے گئے حضرت کے کئی خطوط میں اصغر شاہ صاحب کا تذکرہ ہے، حضرت نے ان کو سلام کہلوایا ہے، مختلف قرائن سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء کے آس پاس ہوا۔

جو واقعات اوپر نقل کئے گئے ہیں وہ اس علاقے میں زبان زد عام وخاص ہیں، والد صاحب کے علاوہ جناب غنیمت حسین صاحب مرحوم بھی یہ واقعات بڑی لذت لے کر بیان کرتے تھے، منوروا شریف کی سرزمین پر اتنا صاحب مقام شخص (غالباً) پیدا نہیں ہوا۔

(۷۵۳) قاضی ارشاد حسین صاحب کی تعلیم قرآن کریم اور معمولی اردو خوانی تک محدود تھی، قاضی انکا ٹائیٹل تھا، جیسا کہ دیہات میں لوگ کسی کو اپنے میں زیادہ سمجھدار جان کر کوئی خطاب دے دیتے ہیں، منورواا اور اس کے اطراف میں ایسے کئی لوگ تھے، جو اسی طرح کے مختلف فرضی القاب سے جانے جاتے تھے، جن کی فی الواقع کوئی اصلیت نہیں تھی مثلاً: حسن جان وکیل (بردونی)، یوسف بالسٹر (منوروا شریف) اور قاضی ارشاد حسین (منوروا) وغیرہ۔

البتہ قاضی ارشاد صاحب بہت نیک صالح اور نماز، تہجد اور تلاوت قرآن وغیرہ کے پابند تھے، حضرت منورویؒ ==

موضع منوروا شریف) کو مرگی کی بیماری ہوگئی تھی، اور بہت کچھ علاج معالجہ کے باوجود افاقہ نہیں ہوتا تھا، رہ رہ کر اس کا دورہ پڑتا تھا، آخر ان کو حضرت لے کر دعا کے لئے گڑھول شریف حاضر ہوئے اور قاضی صاحب کی اہلیہ بھی ہمراہ گئیں، حضرت گڑھولویؒ بہت محبت سے ملے، قاضی صاحب کی اہلیہ کو اندر جانے کی اجازت ملی، اور ان کی درخواست پر حضرت گڑھولویؒ کی اہلیہ نے بھی سفارش کی، حضرت نے فرمایا کہ:

''مولوی احمد حسن کے ساتھ آئے ہیں، کیسے دعا نہ کریں''

حضرت گڑھولویؒ نے قاضی صاحب کے لئے دعا فرمائی، اور اللہ کے حکم سے وہ صحتیاب ہو گئے، پھر یہ بیماری ان کو کبھی لوٹ کر نہیں آئی، بلکہ ان کے خاندان میں بھی کسی کو یہ مرض آج تک نہیں ہوا، اللہ پاک سب کی حفاظت فرمائے آمین (۵۳۸)۔



حضرت منورویؒ کی حیات مبارکہ میں تعمیر کردہ مکان جو آپ کی قیامگاہ بھی تھا اور خانقاہ بھی۔

== کی صحبت کا رنگ پوری طرح نمایاں تھا، حضرت گڑھولویؒ کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ کے توسط سے حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ سے بیعت ہوئے، مگر ساری تعلیم حضرت منورویؒ سے حاصل کی، غریب آدمی تھے، اپنے کھیت وغیرہ کا کام خود کرتے تھے، مگر کام تہجد کے بعد رات اندھیرے میں شروع کرتے، اور فجر کی اذان تک فارغ ہوجاتے تھے، فجر کے بعد مسجد میں تلاوت قرآن کے لئے بیٹھ جاتے تھے، صحابہ کی زندگی کا رنگ یہی تھا، ان کی وفات حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد قریب ۱۹۶۹ء میں ہوئی۔

(۵۳۸) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا، اور والد صاحب کو خود صاحب واقعہ جناب قاضی ارشاد حسین صاحب نے بتایا، قاضی صاحب کے صاحبزادے جناب عبدالخالق مرحوم اور دیگر حضرات کو بھی اس واقعہ کا علم تھا۔

بذرگاؤں تشریف آوری اور خطۂ پورنیہ میں آپ کی پہلی خانقاہ

تقریباً ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء میں تیسری مرتبہ پورنیہ کا سفر فرمایا، اس بار آپ کی منزل ''بذرگاؤں'' (تھانہ بدلام پور ضلع کٹیہار- سابق پورنیہ) کی بستی تھی، بستی کے معزز اور تعلیم یافتہ رئیس جناب مولوی سخاوت حسین صاحب ولد احمد حسین صاحب، ان کے چھوٹے بھائی جناب عترت حسین صاحب اور بعض دیگر حضرات نے آپ کا پرتپاک خیر مقدم کیا (۵۳۹)، حضرت نے چند روز ان کی ضیافتیں قبول کرنے کے بعد مسجد سے متصل باقاعدہ اپنا مطب قائم فرمایا، اور خورد ونوش کا بھی خود انتظام فرمایا، یہ مطب آپ کی رہائش گاہ بھی تھا اور دینی وروحانی تعلیم گاہ بھی، یہاں بھی آپ کی شہرت زیادہ تر حکیم صاحب کی حیثیت سے رہی، لیکن خاص لوگ آپ کی روحانی شخصیت سے بھی واقف تھے، اور بعض حضرات روحانی اصلاحات بھی لیتے تھے، اس دور میں آپ زیادہ تر اپنے نانا جان کے سلسلۂ قادریہ وچشتیہ میں بیعت فرماتے تھے۔

یہاں کے مریدین میں جناب حاجی نعیم الدین صاحب (م ۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۵/ جنوری ۲۰۰۴ء) (۵۴۰) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو سلسلۂ قادریہ میں حضرت سے بیعت تھے، اور ساری زندگی فدائیت اور جاں نثاری کی بہترین مثال قائم کی۔

اور غالباً اسی دور میں ضیا گاچھی (موجودہ ضلع اتر دیناجپور، بنگال) کے لوگ بھی آپ سے قریب ہوئے، اور منشی تمیز الدین اور منشی عبدالمجید کا خانوادہ آپ سے منسلک ہوا (۵۴۱)، مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ فرزند منشی تمیز الدین صاحبؒ جیسے فاضل یگانہ آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے، جو بعد

(۵۳۹) جناب عترت حسین صاحب کی شادی کمل پور میں مولوی عبدالمقیت کی بہن صالحہ خاتون سے تھی، ممکن ہے کہ انہی کے ذریعہ یہ حضرات حضرت سے قریب ہوئے ہوں۔

(۵۴۰) جناب حاجی نعیم صاحب مرحوم (م ۱۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق ۵/ جنوری ۲۰۰۴ء) رئیس موضع بذرگاؤں ضلع کٹیہار بہار حضرت سے سلسلۂ قادریہ (امیریہ) میں بیعت ہوئے، حاجی نعیم صاحب بچپن میں یتیم ہو گئے تھے، بڑے بھائی شرف الدین نے پرورش کی کی، تعلیم بہت معمولی اردو اور پرانی ہندی تک محدود تھی، تجارت اور زراعت مشغلہ تھا، ذاکر وشاغل تھے اور علماء ومشائخ سے محبت رکھتے تھے۔

ان کے ایک صاحبزادے جناب فیاض الحق صاحب مع اہلیہ میرے والد ماجد سے بیعت ہیں، دینی حالت بہت اچھی ہے، ایثار وقربانی کا جذبہ ورثہ میں ملا ہے، اللہ پاک ان کو سلامت باکرامت رکھے آمین۔

(۵۴۱) جیسا کہ ان کے بعض اہل خانہ (مثلاً مولانا غلام صابر ولد مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ) کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے۔

میں اس پورے خطہ کے لئے مرشد ورہنما مقرر کئے گئے، اور ضیا گا چھی میں حضرت کے ایماء پر ایک ذیلی خانقاہ ''خانقاہ ربانیہ'' بھی حاجی صاحب نے قائم کی۔

اہل بذرگاؤں نے حضرت کی بڑی خدمت کی، آپ ان کے اخلاق ومحبت اور قدر شناسی سے بے حد مسرور ہوئے اور مسلسل بارہ (۱۲) سال تقریباً ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء تک ان کو شرف قیام بخشا(۵۴۲)، اس دوران وطن مالوف (منورواشریف) سے بھی رابطہ قائم رہا، آمدورفت بھی جاری رہی، اور بذرگاؤں کے اطراف وجوانب میں بھی دینی وروحانی اسفار ہوتے تھے۔

---

(۵۴۲) اس عہد میں بذرگاؤں کے جن احباب نے حضرت سے دینی وروحانی استفادہ کیا، ان میں خصوصیت کے ساتھ مولوی سخاوت حسین اور جناب عترت حسین کے علاوہ جناب عبادت حسین اور جناب افضل حسین (صاحبزادگان جناب احمد حسین مرحوم)، جناب مہتاب الدین، جناب قطب الدین اور جناب راحت حسین وغیرہ قابل ذکر ہیں، ---- جناب مہتاب الدین صاحب کے صاحبزادے جناب حاجی نعیم الدین آپ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہوئے (بروایت جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب (کمل پور) اور میرے والد مکرم حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب دامت برکاتہم)



یہ بذرگاؤں (ضلع کٹیہار بہار) کی جامع مسجد ہے، اس سے متصل سڑک کے کنارے ایک جھونپڑی نظر آرہی ہے اسی جگہ حضرت منورویؒ کا مطب اور خانقاہ تھی۔ رہے نام بس اللہ کا

کملپور میں قیام

بذرگاؤں کے بعد قریب ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں ایک بار پھر کمل پور تشریف لے گئے اور جناب عبدالمقیت صاحب کے یہاں ایک سال بحیثیت طبیب قیام فرمایا، البتہ اس دوران کچھ خاص لوگ روحانی طور پر بھی وابستہ ہوئے۔

غالباً اسی دور میں جناب محمد وارث علی صاحب (سورجاپور) اور جناب مولوی ولی اصغر صاحب (لوٹیاباری) سلسلۂ بیعت میں داخل ہوئے۔

ایک قلعی گر کی موت کا واقعہ

اسی زمانے کی بات ہے کہ کشن گنج سے ایک قلعی گر آیا ہوا تھا، اس کی ایک بدتمیزی پر جس میں یگونہ شریعت کے ایک حکم کا استخفاف بھی جھلکتا تھا، حضرت کو غصہ آیا، اور آپ کی زبان مبارک سے نکل گیا کہ ''تم نے اپنی موت کو دعوت دی ہے؟ --- بات آئی گئی ہوگئی، کچھ دنوں کے بعد حضرت کچھ دوائیں اور جڑی بوٹیاں خریدنے کے لئے کشن گنج تشریف لے گئے، جس میں رفیق سفر جناب مولوی ولی اصغر صاحب تھے، حضرت کسی پنساری کی دکان پر کچھ جڑی بوٹیاں خریدنے کے لئے رکے اور ادھر مولوی ولی اصغر صاحب تھوڑی دیر کے لئے حضرت کی اجازت سے غائب ہوگئے، کچھ دیر میں وہ سر پکڑے ہوئے آئے، حضرت نے ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا کہ ''تم تحقیق کرنے گئے تھے؟ فقیر تو جھوٹ ہی بولتا ہے، اللہ سچ کر دیتا ہے'' ---

جناب ولی اصغر صاحب نے کہا، جی حضور! میں اسی قلعی گر کے گھر گیا تھا، معلوم ہوا کہ دو تین دن قبل اس کا انتقال ہوگیا، آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ مرجائے گا؟ حضرت نے فرمایا، مجھے کیا معلوم، میں نے تو صرف اس بنا پر ایسا کہا تھا کہ قلعی کرنے والے لوگ اکثر ٹی بی اور دمہ کے مریض ہوجاتے ہیں، اور اکثر اسی مرض میں مرجاتے ہیں، میں حکیم ہوں، میں نے اس شخص کے مرض کو پہچان لیا تھا --- (۵۴۳)

سورجاپور خانقاہ کا قیام

کمل پور کے بعد حضرت پھر منورواشریف واپس تشریف لے آئے، اور وطن سے ہی مختلف مقامات کے دورے فرمانے لگے، آپ کا حلقۂ بیعت رفتہ رفتہ وسیع ہوگیا تھا، اور بہار کے مغربی اضلاع کے بھی بعض احباب و متوسلین سلسلہ میں داخل ہونا شروع ہوگئے تھے، وہ حضرات بھی صحبت سے مستفید ہونا

(۵۴۳) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے بیان فرمایا، اور ان سے جناب مولوی ولی اصغر صاحبؒ نے نقل کیا۔

چاہتے تھے، خاص طور پر حضرت گڑھولویؒ کے وصال اور حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جی رح کی ہجرت کراچی کے بعد اس کی ضرورت اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی، ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا تھا، اس لئے ادھر کے حضرات کی خواہش تھی کہ حضرت کا قیام زیادہ سے زیادہ منورواشریف میں رہے، پورنیہ جیسے دور دراز خطہ میں آپ کے قیام سے ادھر کے لوگوں کو استفادہ میں کافی دشواری ہوتی تھی، حضرت کو بھی اس بات کا احساس تھا، اس لئے کمل پور سے آنے کے بعد پورنیہ واپسی کا ارادہ آپ نے غالباً ملتوی کر دیا تھا، لیکن اہل پورنیہ کے اصرار پیہم کی وجہ سے ان کے خلوص وایثار اور بے نظیر قربانیوں کے پیش نظر حضرت ایک بار پھر وہاں تشریف لے گئے، اور سورجاپور ہاٹ (موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال، جہاں آج بہت بڑا بازار ہے اس وقت یہ سڑک کے کنارے ایک غیر آباد علاقہ تھا) میں سڑک کے کنارے ایک درخت کے نیچے جس کے ایک جانب سورجاپور ریلوے اسٹیشن ہے، آپ نے پڑاؤ ڈال دیا، یہ آپ کے تلمیذ رشید اور مسترشد مولوی کلیم الدین (سورجاپوری) کی زمین تھی، سورجاپور (۵۴۴) کے احباب نے اسی مقام پر ایک مطب اور خانقاہ تیار کی، اور ساتھ ہی ایک چھوٹی سی خس پوش مسجد بھی بنائی، اور بعد میں غالباً حضرت ہی کے ایما پر ایک مدرسہ بھی قائم ہو گیا، حضرت کی زندگی میں پہلی بار یہ جگہ ''سورجاپور خانقاہ'' کے نام سے مشہور ہوئی، (۵۴۵) یہ تقریباً ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء (یا ۱۹۵۲ء) کی بات ہے، (۵۴۶) جب کہ ملک تقسیم ہو چکا تھا، اور ہر طرف نفرت، غم اور اداسی کا ماحول تھا، ان حالات میں یہ مرد درویش یہاں لوگوں کو سکینت وروحانیت کی تعلیم دے رہا تھا۔

---

(۵۴۴) پرگنہ سورجاپور پورنیہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے، یہ کھگڑا اسٹیٹ کے تحت تھا، کھگڑا کشن گنج شہر سے متصل دکھن اور پچھم ہے، اور اب کشن گنج میونسپلٹی کا حصہ ہے، یہ عرصہ تک راجگان کھگڑا کا پایہ تخت رہا ہے، کھگڑا اسٹیٹ کے راجگان کے مورث اعلیٰ سید خان دستور ایرانی تھے، اور شیر شاہ اور ہمایون میں بنگالہ میں جو جنگ ہوئی تھی، اس میں عسکری امداد کے سبب سے ہمایون نے ۹۶۲ھ/ ۱۵۴۵ء میں ان کو پرگنہ سورجاپور کی زمینداری اور قانون گو کا خطاب عطا کیا گیا تھا (پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت ص ۳۳ حاشیہ، مؤلفہ اکمل یزدانی)

علاوہ سورجاپوری زبان اور تہذیب کی بھی ایک اپنی شناخت رہی ہے۔

(۵۴۵) خود حضرت منورویؒ نے بھی اپنے مکاتیب میں اس کو سورجاپور خانقاہ تحریر فرمایا ہے، مثلاً اس زمانے میں ڈاکٹر عبدالرحمن صلحاویؒ کے نام کئی خطوط میرے پاس محفوظ ہیں، جن میں ''سورجاپور خانقاہ'' خود حضرت کے قلم سے تحریر ہے۔

(۵۴۶) جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب نے اپنی یادداشت میں مجھے ۱۹۵۲ء لکھوایا تھا، لیکن والد صاحب سے سنے ہوئے بعض واقعات کے تناظر میں مجھے کم از کم یہ ۱۹۴۸ء کی بات معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اسی خانقاہ میں میرے والد ماجد نے تعلیم حاصل کی، کئی بڑے مشائخ نے یہاں آکر قیام فرمایا، (۵۴۷)اسی خانقاہ کی سرپرستی میں کئی بڑے دینی اجلاس ہوئے، اور یہیں سے مختلف مدارس ومکاتب اور خانقاہوں کی نگرانی کی گئی، بہت سے لوگوں نے خانقاہ کے لئے زمینیں وقف کیں، کچھ زمینیں حضرت کو نذرانے میں (بعوض قلیل) پیش کی گئیں، غرض یہ خطۂ پورنیہ میں حضرت منورویؒ کی روحانی سر بلندیوں کے نقطۂ ارتقا کا دور تھا۔

سورجاپور میں ایک مشترکہ اصلاحی اجلاس

اس دور کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ایک بار حضرت نے خانقاہ کی نگرانی میں دیوبندی بریلوی اختلافات کی شدت کو کم کرنے کے لئے ایک بڑا مشترکہ اجلاس منعقد کیا، جس میں پورے ملک سے دونوں مکتب فکر کے معتدل علماء کو دعوت دی گئی، قریب تین دن تک یہ اجلاس جاری رہا، حضرت نے جلسہ کے لئے ایک مجلس منتظمہ بنادی تھی، وہی پورے اجلاس کو کنٹرول کررہی تھی، تمام مقررین پہلے دن پہونچ گئے، اور سب سے بحیثیت میزبان حضرت کی ملاقات بھی ہوگئی، لیکن عین جلسہ شروع ہونے سے کچھ دیر قبل شب میں حضرت غائب ہوگئے، اور پروگرام کے اختتام تک کہیں نظر نہیں آئے، بہت سے متعلقین خاص طور پر آپ کے جاننے والے علماء، شعراء ومقررین آپ کی زیارت کے لئے پریشان تھے، لیکن اختتام اجلاس سے تھوڑی دیر قبل آپ تشریف لے آئے، اور تمام علماء کو خوش اخلاقی کے ساتھ رخصت کیا۔

آشورہ گڑھ کے جنگل میں

اجلاس کے بعد آپ کے خاص لوگوں کو تجسس ہوا کہ حضرت کہاں چلے گئے تھے؟ تو کافی اصرار کے بعد یہ راز کھلا کہ آپ ان دنوں آشورہ گڑھ کے جنگل میں اللہ کی یاد میں مصروف رہے، وہ اس قیل و قال کو سننا پسند نہیں کرتے تھے، آشورہ گڑھ کا جنگل سورجاپور سے تقریباً تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر تھا، اور اس قدر خوفناک تھا کہ دن میں بھی کوئی انسان وہاں سے گذرنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، کہا جاتا ہے کہ

(۵۴۷) مثلاً ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کے نام حضرت نے اپنے ایک خط میں حضرت چراغ علی شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے کا تذکرہ کیا ہے، جو سات (۷) روز سے خانقاہ میں مقیم تھے (مکتوب ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۵ء)

اسی طرح اور بھی اہل اللہ کی آمدورفت یہاں ہوتی رہتی تھی، مثلاً کھمیا (ضلع پورنیہ) کے حاجی احسان صاحب بڑے عابدوزاہد انسان تھے، ان کی آمدورفت رہی ہے۔

اس میں شیر، چیتا اور خطرناک جنگلی جانور رہا کرتے تھے، لیکن حضرت منورویؒ اکثر اس جنگل میں ریاضت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، اب وہ جنگل ختم ہو چکا ہے، اور ہر طرف آبادی پھیل چکی ہے، اس سے حضرتؒ کی ریاضت ومجاہدہ اور اختلافی مسائل میں آپ کے نقطۂ اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے۔(٥٤٨)

ایک دور دراز بستی سے ذکر کی آواز سننے کا واقعہ

اسی دور کا یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ ایک بار حضرت اپنے شاگرد خاص اور محرم اسرار جناب مولوی ولی اصغر صاحبؒ کو ساتھ لے کر پیادہ پا کھمیا (ضلع پورنیہ) روانہ ہوئے، اور فرمایا کہ حاجی احسان صاحب سے ملنا ہے، درمیان میں مہانندا ندی عبور کر کے جانا پڑتا تھا، لیکن کھمیا پہونچے تو حاجی صاحب گھر پر موجود نہیں تھے، کچھ دنوں کے بعد حضرت دوبارہ گئے، اور مگر اس بار بھی ملاقات نہیں ہوئی، حضرت نے واپسی میں کہا کہ اب انہیں خود آنا پڑے گا، مولوی ولی اصغر صاحبؒ حضرت سے بہت قریب اور کچھ شوخ بھی تھے، عرض کیا کہ حضور! کیا بات ہے کہ اتنی دور پیدل چل کر اور تکلیف اٹھا کر بار بار تشریف لاتے ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا، کہ وہ ذکر بہت زور زور سے کرتے ہیں، ان کی آواز سے میرا کان پھٹنے لگتا ہے، ان کو کہنا چاہتا ہوں کہ آہستہ ذکر کریں، ولی اصغر صاحب نے عرض کیا کہ حضور! سورجاپور سے کھمیا قریب تیس پینتیس کلومیٹر دور ہے، درمیان میں مہانندا ندی حائل ہے، اتنی دور کی آواز سے آپ کا کان پھٹتا ہے، اور اس سے پہلے ہی سورجاپور سے صرف چھ (٦) کلومیٹر کے فاصلے پر حفنیہ گاؤں میں چشتیہ کی مشہور خانقاہ ہے، وہ لوگ بھی ذکر بالجہر کے عامل ہیں، ان کے ذکر کی آواز نہیں آتی؟ حضرت نے فرمایا، کہ نہیں، میں ان کی آواز نہیں سنتا ہوں۔

دو چار دن کے بعد حاجی احسان صاحب کو پیٹ میں تیز درد ہوا، مقامی ڈاکٹروں سے دوا وغیرہ لی مگر افاقہ نہیں ہوا، مجبوراً وہ حضرت حکیم صاحبؒ (حضرت منورویؒ) کے پاس سورجاپور خانقاہ حاضر ہوئے، حضرت نے ان کو ایک دوا دی اور اپنے بستر پر لٹا دیا، اور بمشکل دس منٹ وہ لیٹے ہونگے کہ حضرت نے ان کو جگایا کہ حاجی صاحب اٹھئے، خواہ مخواہ کیوں لیٹے ہیں، وہ اٹھے تو واقعتاً بیماری ختم ہو چکی تھی، اس کے آگے ان دونوں بزرگوں میں کیا بات ہوئی وہ معلوم نہیں (٥٤٩)۔

(٥٤٨) اس پورے واقعہ کے راوی خطۂ پورنیہ کے مشہور عالم حضرت مولانا غلام یاسین صاحب (تاراباڑی، ضلع پورنیہ) ہیں، جو خود اس جلسہ میں شریک تھے، اور حضرت منورویؒ کے بے تکلف دوست بھی تھے، انہی کے ذریعہ یہ راز واشگاف ہوا، انہوں نے یہ واقعہ میرے والد ماجد کو سنایا، اور والد ماجد نے ہم لوگوں سے بیان فرمایا۔

(٥٤٩) یہ پورا واقعہ میرے والد صاحب نے بیان فرمایا، اور ان سے جناب ولی اصغر صاحبؒ نے نقل کیا حاجی احسان صاحبؒ سے مولوی ولی اصغر صاحب کی رشتہ داری بھی تھی۔

غرض سورجاپور خانقاہ ایک تربیت گاہ بھی تھی، اور تعلیم گاہ بھی، دانشگاہ بھی تھی اور علماء ومشائخ کی فرودگاہ بھی، وہاں دوائے دل بھی ملتی تھی اور دوائے جان بھی۔

سورجاپور خانقاہ کا یہ دور ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء سے شروع ہوکر ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء کے اختتام پر منتہی ہوتا ہے۔

منورواشریف میں مستقل قیام اور طالبین کا رجوع عام

۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۷ء سے حضرت منورویؒ کا مستقل قیام منورواشریف میں رہنے لگا، محل وقوع کے لحاظ سے منورواشریف پورے شمالی بہار کے لئے ایک مرکزی جگہ تھی، جہاں مشرق ومغرب اور شمال و جنوب ہر طرف سے لوگ آکر استفادہ کرسکتے تھے، اس دور میں دربھنگہ، سیتامڑھی، مظفرپور، مدھوبنی، چمپارن، سیوان، اور جنوبی بہار کے طالبین کا رجوع زیادہ رہا، درج ذیل حضرات بھی اسی دور میں منسلک ہوئے:

☆ حضرت حاجی منظور احمد صاحبؒ (مصرولیا ضلع مظفرپور)
☆ حاجی ابراہیم صاحبؒ (مادھے پور ضلع مظفرپور)
☆ حضرت صوفی منظور احمد صاحبؒ (موتیہاری چمپارن)
☆ حضرت علی احمد ناظر صاحب (میاں کے بھٹکن، سیوان)
☆ داروغہ محمد عیسیٰ صاحبؒ (سیوان)
☆ عبدالکریم جمعدار صاحبؒ (سہرسہ)
☆ حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (بڑگاؤں ضلع دربھنگہ)
☆ ڈاکٹر غلام رسول خان صاحبؒ (دربھنگہ)
☆ جناب عبدالصمد نورتن صاحبؒ (مدھوبنی)
☆ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمن صاحبؒ (چندرسین پور مدھوبنی)
☆ جناب حاجی نذیر احمد صاحبؒ (اکڈنڈی ضلع مدھوبنی)
☆ حضرت شاہ عبداللہ صاحبؒ (پروہی ضلع مدھوبنی) وغیرہ

اپنے عہد میں حضرت منورویؒ کی منفرد اور جامع شخصیت

اس دور میں اصلاح وارشاد کے نقطۂ نظر سے اسفار کی بھی کثرت ہوگئی تھی، اور ذمہ داریاں اور

مصروفیات بھی دو چند ہوگئی تھیں، دراصل حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت پاکستان کے بعد آپ کی شخصیت تنہا بچ گئی تھی آپ اس دور میں سلسلۂ نقشبندیہ کی آبرو تھے، جہاں خانقاہ مظہریہ دہلی اور موسیٰ زئی دونوں نسبتیں موجود تھیں، بلکہ اور بھی بہت سی نسبتوں کے آپ جامع تھے، (جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے) آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، اس وقت حضرت منورویؒ کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں تھی جو اتنی جامع اور مختلف النوع نسبتوں کی حامل ہو، خانقاہ منورواشریف اس وقت واحد خانقاہ تھی جس کی موجوں میں بڑی بڑی نسبتوں کا رنگ اور ملک کی بڑی خانقاہوں کا فیض شامل تھا، یہاں خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیرؒ دہلی، خانقاہ حضرت شاہ فضل رحمانؒ گنج مرادآباد بواسطہ حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؒ، خانقاہ حضرت شاہ عبدالرزاقؒ، بانسہ شریف بواسطہ حضرت شاہ امیرالحسن قادریؒ، خانقاہ فریدیہ مجیبیہ پھلواری شریف بواسطہ حضرت شاہ عبیداللہ فریدی قادری پھلوارویؒ، خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی بواسطہ حضرت مولانا شاہ بشارت کریمؒ گڑھول شریف، خانقاہ توکلیہ بواسطہ حضرت صوفی عبدالکریم شاہ بشارتیؒ (میرٹھ)، خانقاہ مہدولی، خانقاہ پچراواں بواسطہ حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ، اور خانقاہ شاذلیہ دہلی بواسطہ حضرت شاہ برکت اللہ دہلویؒ وغیرہ سب کی نسبتیں ایک پیکر میں جمع ہوگئی تھیں، ایسی مجمع الکمالات اور مجمع السلاسل شخصیت کی موجودگی اس دور میں اللہ پاک کی ایک نعمت عظمیٰ تھی، جو تمام اہل اللہ کی توجہات کا مرکز اور اکابر کے فیوض کا سرچشمہ تھی، اسی لئے اس دور کے بعض بزرگوں نے بہار میں موجود اپنے سلسلہ کے لوگوں کو حضرت منورویؒ سے مستفیض ہونے کی ہدایت فرمائی، مثلاً:

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کی اپنے مریدین کو ہدایت

☆ مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا در بھنگہ، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی اور جامعہ رحمانی مونگیر وغیرہ کے بہت سے علماء جو حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے وابستہ تھے، حضرت مدنیؒ کے وصال (١٩٥٧ء) کے بعد حضرت منورویؒ سے وابستہ ہوگئے، اس ضمن میں سب سے اہم نام حضرت مولانا سعید صاحبؒ چندرسین پوریؒ (٥٥٠) (متوفی ١٤/

(٥٥٠) حضرت مولانا سعید صاحب قاسمی حسینیؒ اپنے وقت کے بڑے عالم دین تھے، والد ماجد کا نام قاضی تصور علی تھا، آبائی وطن چندرسین پور ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں میں مولوی محمد حبیب اور مولوی محمد خلیل سے حاصل کی، پھر اپنے برادر بزرگوار حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب قاسمی بشارتیؒ کے زیر سایہ مدرسہ محمودالعلوم دملہ میں فارسی کی تکمیل کی، اور وہیں ابتدائی عربی مولانا محمد ادریس دملویؒ، مولانا شرف الدین رتھوسویؒ، اور مولانا قاری محمد زکریا سہارن پوریؒ سے ==

مئی ۱۹۷۰ء مطابق ۲۶ /صفر المظفر ۱۳۹۰ھ) مہتمم مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا ضلع دربھنگہ کا ہے جو اپنے وقت میں استاذ الاساتذہ تھے، ان کے ساتھ حضرت مدنیؒ سے منسلک بہت سارے احباب حضرت منورویؒ سے وابستہ ہوگئے، اس منظر کو دیکھنے والوں میں ایک اہم نام حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب چندرسین پوریؒ (۵۵۱) (ولادت: ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۳۸ء- وفات: ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ

== پڑھی، اس کے بعد کچھ دنوں اپنے بھائی مولانا عبدالحفیظؒ کے ساتھ مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا دربھنگہ میں رہے، پھر یہاں سے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ گئے، اور مولانا عبدالوہابؒ، مولانا عبدالودودؒ، مولانا مفتی عبدالحفیظؒ، مولانا عبدالرحیمؒ، مولانا زکریاؒ، مولانا عبدالواحدؒ، مولانا محمد طیبؒ، اور مولانا محمد مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ سے مشکوٰۃ تک تعلیم حاصل کی، فضیلت کی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، اور اور وہاں دو تین سال رہ کر حضرت مولانا عبدالسمیع، حضرت مولانا اعزاز علیؒ، علامہ ابراہیم بلیاویؒ، اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تعلیم کی تکمیل کی، ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد مدرسہ بشارت العلوم میں مدرس ہوئے، پھر بڑے بھائی کی وفات کے بعد مدرسہ کے ناظم ہوئے اور تاحیات اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے، نظامت کے ساتھ درس وتدریس اور فتویٰ نویسی کا سلسلہ بھی جاری رہا، اور خاص بات یہ تھی کہ آپ یہ ساری خدمت بلا معاوضہ فرماتے تھے، اللہ پاک نے گہرے علم سے نوازا تھا، اصول وفروع پر وسیع نظر تھی، بڑے بڑے علماء نے آپ کے علم کا اعتراف کیا، آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہوئی، جن میں حضرت مولانا عتیق الرحمن چندرسین پوریؒ، حضرت مولانا محمد ازہر قاسمی حسینیؒ بانی مدرسہ حسینیہ رانچی، حضرت مولانا زبیر احمد قاسمی سابق ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی، اور مولانا عبدالطاہر قاسمیؒ استاذ جامعہ رحمانی مونگیر زیادہ نامور ہوئے۔

روحانی تعلیم حضرت مدنیؒ سے حاصل کی، حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ کی صحبت سے مستفیض ہوئے، ۴/مئی ۱۹۷۰ء مطابق ۲۷ /صفر المظفر ۱۳۹۰ھ دوشنبہ کو آپ کا وصال ہوا اور چندرسین پور قبرستان میں اپنے بھائی اور استاذ کے جوار میں مدفون ہوئے (تذکرۂ علماء بہار ج ۱ ص ۳۲۶، ۳۲۷ مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی ☆ یادحرم وانجح منظوم ۱۳۱، ۲۳۲ مؤلفہ مولانا اہل اللہ صاحب چندرسین پوریؒ)

(۵۵۱) اسم گرامی: زبیر احمد، والد ماجد کا نام عبدالشکور اور وطن مالوف چندرسین پور (ضلع مدھوبنی بہار) تھا، تاریخ پیدائش ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۳۸ء ہے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی، پھر مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا میں داخل ہوئے اور ابتدائی فارسی سے متوسطات تک کی کتابیں یہیں حضرت مولانا سعید صاحب اور دیگر اساتذہ سے پڑھیں، اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے پاس بخاری شریف کی تکمیل کی، فراغت کے بعد تدریسی خدمات کا آغاز اپنی مادر علمی مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا سے کیا، اس کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر، مدرسہ اشرف العلوم کنہواں، دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد اور مدرسہ مفتاح العلوم مئو کئی بڑے مدارس میں اعلیٰ درجہ کے مدرس رہے، مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کے ناظم ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز ر==

مطابق ۱۳/ جنوری ۲۰۱۹ء) سابق شیخ الحدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد وسابق ناظم مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کا بھی ہے، وہ حضرت مولانا سعید صاحبؒ کے شاگرد رشید تھے، حقیر راقم الحروف جس زمانے (۱۹۹۹ء تا ۲۰۰۳ء) میں دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں مدرس تھا، مولانا زبیر احمد صاحب وہاں شیخ الحدیث تھے، اور میرے پاس ترمذی تھی، میں نہیں جانتا تھا کہ مولانا موصوفؒ حضرت منورویؒ سے بیعت ہیں، ایک دن انہوں نے میری رہائش گاہ پر اپنی بیعت کا تذکرہ کیا کہ میرے تمام اساتذہ اور بزرگ حضرت منورویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہورہے تھے تو میں بھی بیعت ہوگیا، میں نے دریافت کیا کہ مدرسہ بشارت العلوم کے اکثر علماء تو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے بیعت تھے، پھر حضرت منورویؒ سے کیسے منسلک ہوئے؟ مولانا نے جواب دیا کہ اس کی صحیح حقیقت تو میرے اساتذہ کو معلوم ہوگی، لیکن اس زمانے میں یہ بات مشہور تھی کہ کسی استفسار پر حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے آخری وقت میں اپنے مریدین کو حضرت منورویؒ سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی تھی (۵۵۲)۔

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے حضرت منورویؒ کی ملاقات

اس ضمن میں ایک مشہور واقعہ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس کے راوی حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہری عرف مولانا بہادرؒ (برادر خورد حضرت منورویؒ) ہیں، کہ حضرت منورویؒ اجمیر جاتے

== ہے، مدرسہ اشرف العلوم کا اجلاس صد سالہ آپ کے ہی عہد نظامت میں انجام پذیر ہوا، تقریباً اڑتیس (۳۸) سال آپ مدرسہ اشرف العلوم کنہواں سے وابستہ رہے، روحانی تعلیم حضرت منورویؒ سے حاصل کی، دوبار سفر حج کی سعادت حاصل کی، ۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳/ جنوری ۲۰۱۹ء بروز اتوار صبح سات بجے وفات پائی، اور چندرسین پور قبرستان میں مدفون ہوئے (جامعہ اشرف العلوم کنہواں سے جاری کردہ ایک تعارفی خط۔ (مرقومہ ۱۱/ شعبان ۱۴۴۰ھ) سے ماخوذ)

(۵۵۲) اس ضمن میں استاذ مکرم حضرت مولانا عبدالمالک صاحب چندرسین پوری نے حضرت مولانا عبیداللہ صاحبؒ (چندرسین پور مدھوبنی) کے حوالے سے مجھے ایک اور واقعہ سنایا کہ میں اور حضرت مولانا سعید صاحب جب حضرت منورویؒ کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے (جب کہ ہم لوگ پہلے سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بیعت تھے) تو ایک دن میں نے خواب میں حضرت مدنیؒ کو دیکھا، حضرت کو دیکھتے ہی میں قدموں پر گر پڑا اور روتے ہوئے حضرت سے معافی مانگی (اس خیال سے کہ ان کو چھوڑ کر ہم لوگ حضرت منورویؒ سے جڑ گئے تھے، شاید یہ بات حضرت مدنیؒ کو ناگوار گذری ہو) حضرت مدنیؒ نے تسلی دی اور فرمایا کہ میری دی ہوئی تسبیح پڑھتے رہو، باقی استفادہ کرنے میں کچھ حرج نہیں، حضرت مدنیؒ کے اس ارشاد کے بعد ان حضرات کو اپنے عمل پر انشراح ہوگیا اور حضرت منورویؒ سے عقیدت بھی دو چند ہوگئی۔

ہوئے دہلی وارد ہوئے، حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ بھی غالباً جمعیۃ علماء ہند کی کسی میٹنگ کے سلسلے میں دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، غالباً یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے، حضرت منورویؒ اسٹیشن سے سیدھے حضرت مدنیؒ کی قیامگاہ پر پہونچے، حضرت آرام فرمارہے تھے، خدام نے کہا کہ ابھی ملاقات نہیں ہوگی، آپ کو انتظار کرنا ہوگا، حضرت منورویؒ نے فرمایا کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، آپ مولانا کو میرا پیغام پہونچادیں کہ ایک شخص بہار سے آیا ہے، صرف کھڑے کھڑے مصافحہ کرے گا اور روانہ ہو جائے گا، حضرت مدنیؒ نے یہ پیغام سنا تو ملاقات کی اجازت دے دی، حضرت منورویؒ اندر تشریف لے گئے، حضرت مدنیؒ آپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے، کھڑے کھڑے خاموشی کے ساتھ دونوں بزرگوں کا مصافحہ ہوا جس میں قریب پانچ منٹ صرف ہوئے، پھر حضرت منورویؒ سیدھے واپس ہوگئے، وہاں غالباً مہمانوں کی ضیافت کے لئے الٰہ آبادی امرود کی کئی ٹوکریاں رکھی ہوئی تھیں، حضرت گذرتے ہوئے چلے گئے، حضرت مدنیؒ نے کسی خادم سے کہا کہ تین (۳) عدد امرود جلدی سے ان کی خدمت میں پیش کرو، حضرت منورویؒ اس وقت تک دراوزے پر پہونچ گئے تھے، خادم نے دوڑ کر تحفہ پیش کیا، وہاں موجود خدام نے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون صاحب تھے؟ عجیب حالت میں تھے، حضرت نے فرمایا، بڑے صاحب مقام لوگوں میں ہیں، ایک چیز کی تحقیق کے لئے آئے تھے، میں نے بھی ایک ذمہ داری ان کے حوالے کردی، خدام نے یہ سنا تو بہت افسوس کیا کہ ہم لوگ ان سے ملاقات نہ کرسکے، وہ لوگ جلدی سے باہر کی طرف لپکے، لیکن حضرت مدنیؒ نے فرمایا کہ اب کوئی فائدہ نہیں، وہ اجمیر پہونچ چکے ہیں (۵۵۳)۔

بعض لوگوں نے اس واقعہ کی توجیہ یہ نقل کی ہے کہ حضرت مدنیؒ کانگریس کے حامی بلکہ اس کے

(۵۵۳) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے حضرت مولانا عطاء الرحمن مظاہریؒ کے حوالے سے نقل کیا، حضرت مولانا عطاء الرحمن صاحب مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے شاگرد تھے، اور وہیں سے حضرت مدنیؒ سے ان کا رابطہ ہوا، نیز مونگیر کے زمانۂ تدریس میں بھی حضرت مدنیؒ کی آمدورفت مونگیر ہوتی تھی، حضرت مولانا عطاء الرحمن عرف مولانا بہادر صاحب نے یہ واقعہ خود حضرت مدنیؒ کے حوالے سے نقل فرمایا، اور کہا کہ "آپ کے بڑے بھائی تشریف لائے تھے، اور عجیب وغریب احوال میں تھے، میں نے ان کو بیعت ارشاد کی اجازت دی ہے۔

بعد میں یہ واقعہ میں نے کئی دوسرے حضرات سے بھی سنا، ممکن ہے کہ حضرت منورویؒ نے بھی کسی سے یہ واقعہ بیان کیا ہو، لیکن میرے علم میں اس واقعہ کی سند متصل یہی ہے۔

واضح رہے کہ بیعت ارشاد کی اجازت کی غرض کم از کم حضرت مدنیؒ کے حلقۂ طریق کی نگرانی وتربیت تو ضرور تھی۔

سرگرم ممبر تھے، حضرت منورویؒ کو اس کی وجہ سے آپ کے مقام ولایت کے بارے میں کچھ تأمل تھا، اسی اطمینان کے لئے وہ حضرت مدنیؒ سے ملنا چاہتے تھے، ملاقات پر حضرت مدنیؒ کے مقام بلند کا انکشاف ہوا تو دل کا بوجھ اتر گیا اور تمام اندیشے کافور ہو گئے (۵۵۴)، اس کے بعد آپ حضرت مدنیؒ کے بے حد مداح اور معترف ہو گئے تھے، اور اگر کسی مجلس میں کوئی شخص اس تعلق سے گفتگو چھیڑتا تو حضرت سخت ناراض ہوتے تھے (۵۵۵)۔

بیعت ارشاد کی اجازت

بہر حال اس موقعہ پر حضرت مدنیؒ نے آپ کو بیعت ارشاد کی اجازت دی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ شمالی اور مشرقی بہار میں حضرت مدنیؒ سے منسلک بہت سے علماء حضرت منورویؒ کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہوئے، اور بعض لوگ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے (۵۵۶)۔

طی الارض کے ذریعہ اجمیر شریف کی حاضری

اس سفر اجمیر میں آپ کے دو تلمیذ اور مسترشد جناب محمد وارث علی صاحب (سورجاپور) اور جناب مولوی کلیم الدین صاحب بھی شامل تھے، مگر بہار سے جب دہلی اسٹیشن اترے تو حضرت نے ان دونوں سے کہا کہ آپ لوگ اجمیر جائیں، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، وہ لوگ حیران رہ گئے، کہ بہار سے ساتھ آئے اور اب کہتے ہیں کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے، لیکن حکم سے چارۂ کار نہیں تھا، وہ لوگ

(۵۵۴) الاکلیل ص ۳۱۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، نہیں معلوم یہ بات مؤلف نے کس سے سن کر نقل کی، لیکن میرے والد صاحب بھی اس کا ذکر فرماتے ہیں۔

(۵۵۵) جیسا کہ ایک بار مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا ضلع دربھنگہ میں ایک بار حضرت کی مجلس میں بعض لوگوں نے حضرت مدنیؒ کے مقام ولایت کے تعلق سے کوئی سوال کیا تو حضرت کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس ہوئے، اس کے راوی حضرت مولانا سعید صاحب چندرسین پوریؒ اور حضرت مولانا عتیق صاحب چندرسین پوریؒ ہیں، مجھ سے یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا، والد صاحب کو ان دونوں بزرگوں سے ملاقات حاصل تھی۔

(۵۵۶) واضح رہے کہ بیعت کی اجازت دینے کے لئے صوفیاء کے یہاں بیعت ہونا شرط نہیں ہے، علماء دیوبند میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ کو بغیر بیعت کے مجاز بنادیا تھا، جب ان کو حضرت تھانویؒ کا اجازت نامہ ملا، تو تھانہ بھون جاکر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا ہوں، پھر یہ اجازت نامہ کیسے؟ تو اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ اگر اجازت کے لئے بیعت شرط ہو تو آیئے اب بیعت کر لیتا ہوں (فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۷۶ بحوالہ ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ ص ۵۳ حصہ ۱۰)

مایوس ہوکر اجمیر کی ٹرین میں بیٹھ گئے، اور ادھر حضرت غالباً اسی وقفہ میں حضرت مدنیؒ سے ملے، اور پھر جیسا کہ عرض کیا گیا کہ طی الارض کے ذریعہ اجمیر پہونچ گئے، جب یہ دونوں حضرات اجمیر شریف پہونچے تو حضرت منورویؒ وہاں پہلے سے موجود تھے، ان لوگوں نے آپ کو وہاں دیکھا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں کی وجہ سے مجھے چار آنہ زیادہ خرچ کر کے آنا پڑا، ورنہ تم سوچتے کہ ہمیں راستے ہی میں چھوڑ دیا، یہ حضرات حیران تھے، کہ اس کے بعد تو کوئی سواری نہیں تھی، پھر چار آنہ زیادہ کہاں خرچ ہوا؟ بہر حال یہ راز اس وقت ان کی سمجھ میں نہیں آیا (۵۵۷)۔

اپنے شیخ کی اجازت سے دوسرے شیخ سے فیض حاصل کرنا

یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جب کسی سلسلہ کا مرید صاحب سلسلہ کی اجازت سے دوسرے شیخ کی صحبت میں بیٹھتا ہے، اور اس کی توجہ باطنی سے مستفید ہوتا ہے تو اس کو اپنے ہی سلسلہ کا فیض ملتا ہے---- نیز اگر دوسرا شیخ جامع النسبت ہو تو خواہ وہ کسی نسبت سے اس کی طرف متوجہ ہو اس کو اپنی ہی نسبت کا فیض پہونچتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب (سیوان) کا بیان ہے کہ حضرت کے پاس دوسرے سلسلہ کے جو طالبین آتے تھے ان کو اسی سلسلے کی تعلیم دیتے تھے البتہ توجہ و مراقبہ نقشبندیہ مجددیہ کے مطابق دیا کرتے تھے، میں نے جب اس تعلق سے حضرت سے استفسار کیا، تو حضرت نے فرمایا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کو سولہ (۱۶) سلسلوں میں اجازت حاصل تھی، اس لئے جس شخص کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مطابق توجہ دی جائے اس کا اثر اس شخص کی استعداد کے مطابق اسی سلسلے میں پہونچے گا (۵۵۸)۔

البتہ طالب کو چاہئے کہ اپنے شیخ کی حیات میں اس کی اجازت کے بغیر دوسرے شیخ کی طرف رجوع نہ ہو، ورنہ فائدہ سے زیادہ نقصان ہوسکتا ہے۔ اسی لئے کوئی بھی شیخ کامل کسی دوسرے شیخ کے مرید کو ان کی اجازت کے بغیر داخل سلسلہ نہیں کرتا، بلکہ شیخ کے وصال کے بعد بھی زیادہ تر مشائخ سابقہ

(۵۵۷) واقعہ کا یہ حصہ میرے والد صاحب نے جناب وارث علی صاحب عرف وشواس جیؒ (سورجاپور ضلع دیناجپور بنگال) کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

(۵۵۸) الاکلیل ص ۲۲۹ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، یہ بات میرے والد ماجد بھی بکثرت بیان فرماتے ہیں، حضرت مجدد کے سولہ سلسلوں کا ذکر تو نہیں کرتے البتہ بہت سے سلسلے تھے، اس معمولی فرق کے ساتھ دونوں روایات کا مآل ایک ہی ہے۔

بیعت کو ہی باقی رکھتے ہیں اور صرف تعلیم اور توجہ پر اکتفا کرتے ہیں، لیکن اصول کے مطابق ان کو بھی شیخ اور پیر ہی کا درجہ حاصل ہے۔

کئی مشائخ سے استفادہ کا اصول اور ہر ایک کو پیر طریق کا درجہ حاصل

واضح رہے کہ جس طرح علم ظاہر میں کئی اساتذہ سے استفادہ کی گنجائش ہے اسی طرح علم باطن میں بھی کئی مشائخ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، اور سلسلۂ نقشبندیہ میں چونکہ اصل چیز تعلیم و تعلم ہے، اس لئے جن مشائخ سے بھی تصوف کے کسی مقام کی تعلیم حاصل کی جائے، اصطلاح میں اسے بھی پیر اور شیخ قرار دیا جائے گا، ایسا نہیں ہے کہ شیخ اول ہی صرف پیر و مرشد کہلانے کا حق رکھے، اور دوسرے مشائخ اس حق سے محروم ہوں، خاص طور پر سلسلۂ مجددیہ میں سالک کے ان تمام مشائخ کو پیر قرار دیا جاتا ہے جن سے جزوی یا کلی طور پر تعلیم حاصل ہوئی ہو، بلکہ سلسلۂ مجددیہ میں مختلف جہتوں سے بھی مختلف بزرگوں سے استفادہ کی گنجائش ہے، البتہ خرقۂ ارادت کسی ایک سے لینا چاہئے اور ایک سے خرقۂ ارادت مل جانے کے بعد دوسرے سے خرقہ لینا صحیح نہیں۔ ہاں خرقۂ تبرک کئی بزرگوں سے لیا جاسکتا ہے، حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک مکتوب میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کی ہے، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> ''اس طریق میں پیری و مریدی طریقہ کے تعلم و تعلیم پر موقوف ہے، نہ صرف کلاہ و شجرہ پر جو مشائخ کے اکثر طریقوں میں مروج ہے، حتیٰ کہ ان میں سے متاخرین نے پیری و مریدی کو کلاہ و شجرہ پر منحصر کردیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پیر کا تعدد تجویز نہیں کرتے، اور طریق سکھانے والے کو مرشد کہتے ہیں، پیر نہیں جانتے، اور آداب پیری کے اس کے حق میں مدنظر نہیں رکھتے، یہ ان کی بڑی جہالت اور نادانی ہے، نہیں جانتے کہ ان کے مشائخ نے پیر تعلیم اور پیر صحبت کو بھی پیر کہا ہے، اور پیر کا تعدد تجویز فرمایا ہے، بلکہ پیر اول کی حین حیات میں اگر طالب اپنی ہدایت کسی اور جگہ دیکھے تو اس کو جائز ہے کہ پہلے پیر کے انکار کے بغیر دوسرے پیر کو اختیار کرے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اس بات کی تجویز کے لئے علماء بخارا سے اس بات کا فتویٰ درست فرمایا تھا، ہاں اگر ایک پیر سے خرقۂ ارادت لیا ہو تو پھر دوسرے سے خرقۂ ارادت نہ لے، اور اگر لے تو تبرک کا خرقہ لے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا پیر ہرگز نہ پکڑے، بلکہ روا ہے کہ خرقۂ ارادت ایک سے لے اور طریقت کی تعلیم دوسرے سے اور صحبت تیسرے کے ساتھ رکھے، اور اگر یہ تینوں دولتیں ایک ہی سے

میسر ہوجائیں ،تو زہے قسمت ونعمت، اور جائز ہے کہ مشائخ متعددہ سے تعلیم وصحبت کا استفادہ کرے۔جاننا چاہئے کہ پیر وہ ہے جو مرید کو حق سبحانہ کی طرف رہنمائی کرے، یہ بات تعلیم طریقت میں زیادہ ملحوظ اور واضح ہے، کیونکہ پیر تعلیم شریعت کا استاد بھی ہے، اور طریقت کا رہنما بھی ہے، برخلاف پیر خرقہ کے، پس پیر تعلیم کے آداب کی زیادہ تر رعایت کرنی چاہئے ،اور پیر بننے اور کہلانے کا زیادہ مستحق یہی ہے۔(۵۵۹)

غرض ۱۹۵۶ء کے بعد سے تاحیات (۱۹۶۷ء) آپ کی تمامتر روحانی خدمات منورواشریف ہی کی خانقاہ سے انجام پائیں،منوروا کی خانقاہ ظاہر ہے کہ آپ کے سلسلہ کی سب سے مرکزی خانقاہ تھی اور ہے۔

دو ذیلی خانقاہیں-مشرقی ومغربی

البتہ مذکورہ تین (۳) خانقاہوں (منورواشریف، بذرگاؤں اور سورجاپور) کے علاوہ حضرت منورویؒ کی ہدایت پر آپ کی حیات ہی میں دو ذیلی یا علاقائی خانقاہیں بھی قائم ہوئی تھیں ☆ایک بہار کے مشرقی حصہ (پورنیہ) میں ☆اور دوسری مغربی حصہ (مظفرپور) میں، جہاں براہ راست آپ سے نہیں بلکہ آپ کے مقرر کردہ خلفاء سے مقامی طالبین استفادہ کرتے تھے،اس کا مقصد لوگوں کو عام حالات میں دور دراز کے سفر کی تکالیف سے محفوظ رکھنا تھا۔

(۱) مشرقی حصہ کی خانقاہ ضیا گاچھی (موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال) میں خانقاہ ربانیہ کے نام سے ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں حضرت مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ کی نگرانی میں قائم ہوئی۔

(۲) اور مغربی حصہ کی خانقاہ مصرولیا یا گوری ضلع مظفرپور میں حضرت منورویؒ کے اواخر دور (۱۹۶۴ء) میں حضرت حاجی منظور احمد صاحبؒ (مصرولیا) کی زیر نگرانی قائم ہوئی۔

❁ ❁ ❁

---

(۵۵۹) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۵۱۸ دفتر اول حصہ چہارم ،اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی ،بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۱ء۔

حضرت منوروی ؒ کا تصوف، انداز تربیت اور خصوصیات وکمالات

یہاں تک حضرت منوروی ؒ کے خانقاہی، روحانی اور اصلاحی سفر کی روئیداد بیان کی گئی، اب ایک نظر حضرت کے تصوف، انداز تربیت اور خصوصیات وکمالات پر بھی ڈال لیں، گو کہ اس کا بڑا حصہ گذشتہ صفحات میں بھی آچکا ہے، مگر اس ضمن میں چند چیزیں اور پیش کی جاتی ہیں۔

مقامات بلند اور خصوصیات وامتیازات

آپ کا سراپا

آپ کا سراپا ایمان وعرفان کا مظہر جمیل، جبین انور سے باطن کا نور ہویدا، متوسط قد وقامت، نورانی صورت، کتابی چہرہ، روشن پیشانی، بیضوی رنگت، چشم مخمور جس میں برق جلال کی نمود، لب تبسم ریز، اوسط درجہ کی کھڑی ناک، چہرہ پر ہلکی ڈاڑھی، سر پر سفید اونچی دو پلی ٹوپی، سفید قمیص جس میں دامن شق نہیں ہوتے تھے، سفید کھلا ہوا پاجامہ یا لنگی، لب ولہجہ میں بلا کی مٹھاس اور تاثیر، گفتگو محبت اور درد دل سے معمور جس میں ایمان کی حرارت اور علم کی پختگی شامل ہوتی تھی، بلند اخلاق اور اعلیٰ درجہ کے فیاض ومہمان نواز، علم دوست اور خرد نواز، بلند حوصلہ اور بہادر، جرأت وعزیمت کے پہاڑ، تواضع وسادگی کے پیکر، عالی نسب اور عالی نسبت ایک عہد ساز شخصیت، جن کا وجود اس سرزمین پر اللہ کی حجت وبرہان تھا۔

اتباع شریعت کا اہتمام

آپ کی زندگی شریعت وطریقت کی جامع، تصوف واحسان کا نمونہ اور سچی مؤمنانہ زندگی کا عکس جمیل تھی، آپ کے یہاں شریعت سے سرمو انحراف کی گنجائش نہیں تھی، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب (صلحا بزرگ) کا بیان ہے، کہ میں لگ بھگ پچیس (۲۵) سال حضرت کے ساتھ سفر وحضر میں رہا، کبھی کوئی بات شریعت کے خلاف نہیں پائی (۵۶۰)۔

سفر وحضر میں معمولات کا اہتمام

آپ روزمرہ کے معمولات بہت پابند تھے، ان میں کبھی ناغہ نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ سفر میں بھی

(۵۶۰) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن ص ۳

کبھی معمولات ترک نہیں ہوتے تھے، اسی لئے جب ٹرین میں سفر کی نوبت آتی تو اکثر فرسٹ یا سکنڈ کلاس سے سفر فرماتے تھے، اور اس کا مقصد یہی تھا کہ نماز اور معمولات میں دشواری نہ ہو، ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب نے اپنی قلمی یادداشت میں لکھمنیا سے پورنیہ کے سفر کا حال لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ سکنڈ کلاس ٹکٹ لے لیں، ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ اس کلاس میں اس دن ہم دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا، میں تو آرام سے سوگیا، لیکن جب بھی آنکھ کھلی حضرت کو نماز پڑھتا ہوا پایا (۵۶۱)۔

ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے بتایا تھا کہ حضرت فرماتے تھے کہ فرسٹ یا سکنڈ کلاس میں زائد لوگ سفر نہیں کرتے، اس طرح معمولات کی ادائیگی میں سہولت ہوتی ہے۔

☆ سفر حج کے ضمن میں بھی گذر چکا ہے کہ حضرت نے پہلا سفر حج تنہا فرسٹ کلاس میں اور دوسرا سفر احباب کے ساتھ سکنڈ کلاس میں کیا تھا۔

شخصیت انوار الٰہی کا آئینہ

مؤمن اس سرزمین پر اللہ پاک کا نمائندہ ہے، اس کی شخصیت انوار الٰہی کا آئینہ ہوتی ہے، مؤمن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کا کام کرے اور اسے دیکھ کر اللہ یاد آئے، حدیث میں ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، جن کو دیکھنے سے خدا کی یاد آتی ہو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

عن ابن عباس قال: قيل يا رسول الله أي جلسائنا خير؟ قال: من ذكركم الله رؤيته وزاد في علمكم منطقه وذكركم بالآخرة عمله قال حسين سليم أسد: إسناده لين. (☆)

ترجمہ: حضرت رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ہمیں کس کی مجلس میں بیٹھنا چاہئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس کو دیکھ کر اللہ یاد آئے، جس کی بات سے تمہارے علم میں اضافہ ہو، اور اس کا عمل دیکھ کر تمہیں آخرت کی طرف رغبت ہو۔

حضرت منورویؒ اس حدیث کے مکمل مصداق تھے۔

☆ بے شمار واقعات ہیں جن سے آپ کی شخصیت کی انفرادیت اور بلند مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا

---

(۵۶۱) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ص ۲۔

(☆) **مسند أبي يعلى ج ٤ ص ٣٢٦ حديث نمبر: ٢٤٣٧ المؤلف: أحمد بن علي بن المثنى أبو يعلى الموصلي التميمي الناشر: دار المأمون للتراث – دمشق الطبعة الأولى، 1404 - 1984 تحقيق: حسين سليم أسد عدد الأجزاء: 13 الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها**

ہے، یہاں بطور نمونہ چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔

آج جو بھی مجھے دیکھے گا کلمۂ اسلام پڑھ لے گا

☆ جناب غنیمت حسین صاحبؒ (موضع منوروا شریف) نے بیان کیا کہ (زندگی کے آخری دور کی بات ہے) ایک بار ہم چند احباب حضورؒ کے پاس بیٹھے تھے، جن میں حاجی ابراہیم صاحب مرحوم (منوروا شریف) بھی تھے، حضور پر ایک خاص کیفیت طاری تھی، اسی اثنا آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، چلنے کی طاقت نہیں ہے، کاش کوئی مجھے بیل گاڑی پر بٹھا کر ''سوہما'' (منوروا شریف سے متصل خالص غیر مسلموں کی ایک بڑی بستی) لے کر چلتا، مجھے یقین ہے کہ آج جو بھی مجھے دیکھے گا خود ہی کلمۂ اسلام پڑھ لے گا، کسی کو دعوت اسلام دینے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی''

جناب غنیمت حسین مرحوم کہتے تھے کہ ہم لوگ اس وقت سکتے میں رہ گئے اور کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ وہ حضور کو ''سوہما'' لے کر چلا جاتا، جب کہ گاؤں میں بیل گاڑی کی کمی نہ تھی، صرف وقت کی نزاکت کو سمجھنے کی کمی تھی (۵۶۲)۔

در و دیوار سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی تھی۔ سلطان الاذکار

☆ ڈاکٹر عبد الرحمن صاحبؒ (صلحابزرگ) بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے گاؤں صلحا بزرگ سے آپ کے بارے میں سوچتا ہوا آپ کی خانقاہ منوروا شریف حاضر ہوا، وہ تو ایک آئینہ تھے، دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ میرے بارے میں کیا سوچتے رہتے ہیں؟ پھر مجھے اپنے قریب بلایا، اور کہا کہ میرے جسم سے کان لگائیں، میں نے کان لگایا، تو صاف طور پر اللہ اللہ کی آواز آرہی تھی، پھر فرمایا کہ بیچ میں کان لگائیں، میں نے کان لگایا تو اس سے بھی ذکر کی آواز آرہی تھی، پھر فرمایا کہ دوسرے بیچ میں کان لگائیں، وہاں بھی یہی آواز تھی، پھر فرمایا کہ دیوار سے کان لگائیں، میں نے تعمیل حکم کی، تو دیوار بھی اللہ اللہ کر رہی تھی، میں حیران ہو گیا، آپ نے فرمایا کہ حیران ہونے کی بات نہیں ہے، اللہ والوں کے یہاں در و دیوار سے بھی اللہ اللہ کی آواز آتی ہے (۵۶۳)۔

اسی کو سلطان الاذکار کہتے ہیں کہ عارف کے وجود کے ساتھ گرد و پیش کی تمام چیزیں ذکر و تسبیح میں

(۵۶۲) یہ بات جناب غنیمت حسین صاحب سے میں نے براہ راست سنی ہے، ان کے علاوہ میرے والد ماجد نے بھی یہ بات جناب غنیمت حسین صاحب مرحوم اور حاجی ابراہیم صاحب مرحوم کے حوالے سے بارہا نقل فرمائی۔

(۵۶۳) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبد الرحمن ص ۳۔

مشغول ہو جائیں جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ گردوپیش کی تمام چیزیں (پہاڑ اور پرندے وغیرہ) تسبیح خوانی کرتی تھیں، قرآن کریم میں اس کا ذکر آیا ہے۔

وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ (۵۶۴)

کبھی ذکر کے وقت تمام اعضا الگ الگ ہو جاتے تھے

☆ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا کہ حضرت کے کئی احباب نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ذکر کے وقت حضرتؒ کے جسم کے تمام اعضاء الگ الگ ہو جاتے تھے، اور ہر ایک سے اللہ اللہ کی آواز آتی تھی ---کبھی اچانک دیکھنے والا شخص اس کیفیت سے خوفزدہ ہو جاتا تھا۔

حضرت کے پیچھے نماز ادا کرنے کی کیفیت

☆ آپ کی نماز اور ذکر و عبادت کی کیفیت کا صحیح اندازہ کوئی دوسرا شخص نہیں کرسکتا، البتہ حضرت مولانا محمد تسلیم صاحب رحمانیؒ (۵۶۵) (ولادت ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء وفات ۲۶ /محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

---

(۵۶۴) سورۃ الانبیاء: ۷۹۔

(۵۶۵) اسم گرامی ''محمد تسلیم'' والد ماجد کا نام ''محمد منیف'' ہے، آپ کی پیدائش ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں سدھولی ضلع دربھنگہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم قاعدۂ بغدادی سے گلستاں بوستاں تک اپنے وطن میں مولانا مقبول احمد صاحبؒ سے حاصل کی، متوسطات (عربی اول سے عربی چہارم تک) کی کتابیں مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں پڑھیں، پھر جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد چلے گئے اور وہاں درجات عربی پنجم وششم کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد ہفتم عربی کے سال دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور وہاں دورۂ حدیث سے ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد تدریس کا آغاز پورنیہ بہار کے ایک مدرسہ سے کیا، چند ماہ کے بعد مدرسہ فلاح المسلمین راگھوپور ضلع مدھوبنی چلے آئے، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے وابستہ ہو گئے، ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم دربھنگویؒ (۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۸ء - ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء) کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق مدرسہ امدادیہ کے ناظم مقرر ہوئے، ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء میں حضرت امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ (۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ء ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء) کی دعوت پر جامعہ رحمانی مونگیر کے نائب ناظم کے عہدہ پر سرفراز ہوئے۔

مذکورہ دونوں اداروں میں آپ کی خدمات نا قابل فراموش ہیں، آپ بڑے عالم اور مقبول خطیب تھے، افراد سازی کی بے پناہ صلاحیت آپ میں موجود تھی۔ روحانی تعلیم کے لئے حضرت منورویؒ سے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے زمانۂ قیام میں وابستہ ہوئے، اور آپ کی صحبت بابرکت سے مستفید ہوئے، حضرت کے وصال کے بعد حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ سے رجوع کیا، اور تکمیل سلوک کے بعد اجازت وخلافت حاصل کی (پس مرگ زندہ ص ۶۴۸ مؤلفہ مولانا==

مطابق ۳/ مارچ ۲۰۰۳ء) سابق ناظم مدرسہ امدادیہ دربھنگہ وجامعہ رحمانی مونگیر، مقام سدھولی ضلع دربھنگہ) نے مدرسہ امدادیہ میں ایک دن کا واقعہ نقل کیا ہے، جس سے آپ کی نماز کی کیفیت اور نسبت باطنی کے طاقتور فیضان کا اندازہ ہوتا ہے، کہ ایک بار حضرت کی تشریف آوری مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں ہوئی، اور صبح نماز فجر کی امامت (غالباً لوگوں کی خواہش پر) حضرت نے فرمائی، مولانا محمد تسلیم صاحب ؒ (مقام سدھولی ضلع دربھنگہ) کا بیان ہے جو خود اس نماز میں شریک تھے کہ تمام علماء نے محسوس کیا کہ آج پہلی مرتبہ ایک مرد مؤمن کے پیچھے نماز ادا کی گئی ہے، نماز کے دوران ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مسجد کی چھت اڑ جائے گی، مسجد کے تمام درو دیوار ہل رہے تھے (۵۶۶)۔

ظاہر ہے کہ یہ آپ کی معنوی طاقت کے اثرات اور بلند نسبت باطنی کی کرشمہ سازی تھی، اور مسجد کی چھت نہیں اڑ رہی تھی بلکہ شرکاء نماز کے قلوب اور باطن کے احوال منقلب ہو رہے تھے۔

حالت عبادت میں نظر پڑتے ہی جسم پر آبلے پڑ گئے

☆ جب آپ اپنی عبادت یا ذکر و فکر میں مشغول ہوتے تو اس وقت کی حالت کا مشاہدہ ہر شخص کے لئے قابل تحمل نہیں ہوتا تھا، جناب محمد فخر الدین شاہ صاحب (وفات ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲/ دسمبر ۲۰۲۰ء- مقام صلحا بزرگ ضلع سمستی پور) کا بیان ہے کہ ایک بار شب برأت کے موقعہ پر بعد نماز عشاء حضرت حاجی جمیل احمدؒ، اور جناب یوسف خلیفہ مرحوم (صلحابزرگ) کے ہمراہ وہ حضرت منورویؒ کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے نکلے، اتفاق سے گھاٹ پر کشتی موجود نہیں تھی،

== نور عالم خلیل الامینی استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند ورئیس التحریر الداعی، ناشر: ادارہ علم وادب، افریقی منزل دیوبند، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ/ مئی ۲۰۱۰ء)

حضرت منورویؒ سے وابستگی کا ذکر اس کتاب میں نہیں ہے، یہ خود مولانا تسلیم صاحب کے ذریعہ ہماری معلومات پر مبنی ہے (دیکھئے: الاکلیل ص ۲۱۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، طبع ثانی)

نیز یہ بات مولانا تسلیم صاحبؒ نے خود مولانا امین الدین قاسمیؒ استاذ مدرسہ شور بازار سہرسہ سے بمبئی میں دوران سفر چندہ بیان کی تھی، اور مولانا امین صاحبؒ منورواشریف سے قریب ایک گاؤں ہرہی (ٹکواز پور) کے رہنے والے تھے، اور ان کو اور ان کے گھر کو ہمارے گھر سے بالخصوص حقیر راقم الحروف سے گہرا رابطہ رہا ہے، ان کے حوالے سے یہ بات ان کے بڑے بھائی مولانا محمد اسلام الدین صاحب مدظلہ (سابق مبلغ جامعہ رحمانی مونگیر) نے نقل فرمائی۔

(۵۶۶) یہ واقعہ جناب اظفر الکوثر خان صاحب نے اپنے مضمون میں مولانا محمد تسلیم صاحبؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (دیکھئے: الاکلیل ص ۲۱۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، طبع ثانی)

مگران حضرات کے اشتیاق کا عالم یہ تھا کہ انہوں نے بڑی مشکل سے پانی میں ڈوبی ہوئی ایک کشتی نکالی اوراس کے ذریعہ دریا کو عبور کیا، یہ منورواشریف پرانے مسکن کی بات ہے، جب حضرت کے مکان پر پہونچے تو حجرہ کا دروازہ اور کھڑکیاں بند تھیں، یہ حضرات ادھرادھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک فخر الدین شاہ صاحب کی نظر مکان کے احاطے میں انار، مہندی اورامرود کے درختوں کے جھنڈ کی طرف گئی اوران کے بیچ حضرت کی شبیہ دکھائی دی، بس نظر پڑتے ہی شاہ صاحب کے جسم پر بڑے بڑے آبلے پڑ گئے، اورانہوں نے کراہتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے بہت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ آج حضرت سے ملاقات نہیں ہوسکے گی، خیریت اسی میں ہے کہ ہم لوگ واپس چلے جائیں، شاہ صاحب کی بات پرلوگوں نے عمل کیا، راستے میں شاہ صاحب نے ساری بات بتائی اوراپنے جسم کے آبلے بھی کھول کر دکھائے، صلحاپہونچ کران کے دونوں ساتھی (حاجی جمیل صاحبؒ، اوریوسف خلیفہ صاحبؒ) توشب گذاری کے لئے مسجد چلے گئے، لیکن شاہ صاحب آبلوں کی تکلیف اورسوزش کی وجہ سے اپنے گھر چلے آئے، اور گھر پہونچتے ہی بے ہوش ہوگئے، اور صبح تک کسی چیز کا ہوش نہ رہا، فجر کے بعد جب آس پاس کے لوگ شاہ صاحب کو دیکھنے کے لئے آئے تو جسم پر کوئی نشان موجود نہیں تھا، اورنہ کوئی تکلیف باقی تھی، سب کے فہم سے بالاتر بات تھی (۵۶۷)۔

(۵۶۷) یہ واقعہ خودشاہ فخر الدین صاحب نے مجھ سے بیان کیا، شاہ صاحب بہت نیک صالح اوررقیق القلب انسان تھے، ان کے والد کا نام محمد شمس الدین تھا، صلحابزرگ کے رہنے والے ہیں، وارثی سلسلہ کے ایک بزرگ حاجی شبیر شاہ صاحبؒ سے بیعت تھے، حاجی شبیر شاہ صاحب حاجی نقیب اولیاء (میگھونہ ضلع کھگڑیا) کے خلیفہ تھے، اوروہ حاجی صندل شاہ ضلع چھپرہ کے خلیفہ تھے، حاجی شبیر شاہ صاحب کا مزار ہلدیہ ضلع ارریہ میں ہے، شبیر شاہ صاحب کا قیام صلحابزرگ میں یوسف خلیفہ صاحب مرحوم کے مکان پر ہوتا تھا، اوروہ دودو مہینے ٹھہرتے تھے، حضرت منورویؒ سے بھی شبیر شاہ صاحب کو گہرااوریکگونہ بے تکلفی کا تعلق تھا، منورواشریف حضرت سے ملنے کے لئے آتے تھے، اورحضرت بھی ان سے ملاقات کے لئے صلحابزرگ تشریف لے جاتے تھے، اسی باہمی تعلق کا نتیجہ تھا کہ ان سے وابستہ اکثر لوگ حضرت منورویؒ کی مجالس میں پابندی سے شریک ہوتے تھے۔

شاہ فخر الدین بھی حضرت منورویؒ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، اوراکثر صحبت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد میرے والد ماجد سے بھی عقیدت کا تعلق قائم رہا، ان کی وفات ۲۶/ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۲/دسمبر ۲۰۲۰ء سنیچر کو ہوئی (واضح رہے کہ آج سے چودہ (۱۴) سال قبل ۲۴/جون ۲۰۰۶ء کوانہوں نے منورواشریف کسی آمد کے موقعہ پر حضرت منورویؒ کے سلسلے میں اپنی بعض یاداشتیں مجھے قلمبند کرائی تھیں، مذکورہ واقعہ اس قلمی یادداشت میں موجود ہے)

ع اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

عبادت کے وقت غیر اللہ کی شناخت ختم ہوجاتی تھی

☆ایک اور خاص بات یہ تھی کہ ذکر وعبادت کے وقت عموماً آپ پر ایسا استغراق اور محویت طاری ہوتی تھی کہ انسانوں کی پہچان ختم ہوجاتی تھی، اور اپنے قریب ترین لوگوں کو بھی آپ نہیں پہچان پاتے تھے، میرے نانا بزرگوار حضرت حاجی جمیل احمدؒ کے ساتھ کئی بار ایسا ہوا کہ انہوں نے سلام کیا تو قطعی ان کو نہیں پہچان سکے، کافی تعارف کرانے کے بعد جب کیفیت ہلکی ہوتی تو پہچان لیتے، اور پھر بہت ندامت وافسوس کا اظہار فرماتے (۵۶۸)۔

☆اسی طرح ایک بار میرے پھوپھا جان جناب فضل حق صاحب مرحوم کے ساتھ کٹیہار اسٹیشن پر بھی ہوا، کہ حضرت نماز سے فارغ ہوئے اور انہوں نے آپ کو سلام کیا، تو حضرت نے ان کو بالکل نہیں پہچانا (پورا واقعہ آگے آرہا ہے) (۵۶۹)۔

اللہ کے ساتھ مشغول ہونے کے بعد غیر اللہ سے قطع تعلق ہی عبادت کی روح ہے، اور قطع تعلق کا کامل درجہ یہ ہے کہ غیر اللہ کی شناخت بھی مفقود ہوجائے۔

حضرت منورویؒ رسول نما بزرگ تھے

☆حضرت منورویؒ کی ایک بڑی خصوصیت جس سے آپ کے امتیاز وانفرادیت اور عظمت شان پر بھرپور روشنی پڑتی ہے، آپ کی صفت رسول نمائی تھی یعنی آپ حسب موقعہ سالکین کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بلکہ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت بھی کرادیتے تھے، اس ضمن میں یہ واقعہ بطور خاص قابل ذکر ہے، جو اپنے وقت کے ایک بڑے عالم دین اور شیخ طریق حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (مقام بڑگاؤں ضلع دربھنگہ، سابق امام وخطیب جامع مسجد لہریا سرائے دربھنگہ، وتلمیذ رشید حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ وخلیفہ ارشد حضرت منورویؒ) کے ذاتی تجربہ ومشاہدہ پر مبنی ہے، وہ یہ ہے کہ:

''قاری صاحب جس زمانے میں جامع مسجد لہریا سرائے کے امام تھے، حضرت منورویؒ سے بیعت ہوئے، انہوں نے بیعت سے قبل حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! توجہ کس کو کہتے ہیں؟ حضرت

---

(۵۶۸) حاجی جمیل صاحب کا مذکورہ واقعہ میرے والد ماجد نے بیان فرمایا۔

(۵۶۹) پھوپھا جان جناب فضل حق صاحبؒ نے اپنا واقعہ خود مجھ سے بیان فرمایا۔

نے فرمایا، مجھے تو پڑھے ہوئے بہت دن ہوگئے، آپ کا علم تازہ ہے، آپ ہی بتائیے، اتنا کہہ کر آپ خاموش ہوگئے، اس کے بعد چائے نوشی ہوئی، اور کمرہ کی لائٹ گل کر دی گئی، حضرت نے فرمایا کہ آنکھ بند کر لیجئے، آنکھ بند کرتے ہی ان پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی، اور وہ زمان ومکان کے حدود سے نکل کر دربار رسالت میں حاضر ہوگئے، اب ان کے سامنے حضرت منورویؒ نہیں بلکہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز آئی کہ عثمان! ہاتھ بڑھاؤ، اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد قاری صاحب کو ہوش آیا تو دیکھا کہ سارا منظر غائب ہو چکا تھا، اور حضرت منورویؒ فرمارہے تھے، کہ عثمان بابو! کیا ہوگیا آپ کو؟ قاری عثمان صاحب بعد میں کہتے تھے کہ میں نے دل میں کہا کہ سب کچھ کر کے پوچھتے ہیں کہ کیا ہوگیا آپ کو؟

اتنا بھی کرم ان کا کوئی کم تو نہیں ہے
غم دے کے وہ پوچھے ہیں کوئی غم تو نہیں ہے

قاری صاحب نے حضرت سے سارا منظر بیان کیا، تو حضرت نے فرمایا، مولانا! مبارک ہو، اور اسی مجلس میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمادیا۔ بعد میں وظائف وریاضت کے مطابق ترقیات ہوتی رہیں، اور ان کا روحانی سفر جاری رہا۔

قاری صاحب اس واقعہ کو بیان کر کے اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ میرے شیخ رسول نما بزرگ تھے، ان کی ایک توجہ سے مجھے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور آپ کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

اسی موقعہ پر مولانا نے حضرت سے حصن حصین (حدیث کی مشہور کتاب) کی اجازت بھی حاصل کی (۵۷۰)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت عالم بیداری میں بھی ممکن ہے

گوکہ یہ واقعہ عالم بیداری کا نہیں بلکہ استغراق ومحویت کی حالت سے متعلق ہے، جس میں کوئی استبعاد نہیں، لیکن علماء محققین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت عالم بیداری میں بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

والصحيح في تأويل هذا الحديث ان مقصوده ان رؤيته في كل حالة ليست باطلة

(۵۷۰) یہ واقعہ خود قاری عثمان صاحب نے ایک سے زائد مرتبہ ہم لوگوں کے سامنے بیان فرمایا، اور ایک بار میں نے ان سے پوچھ کر قلمبند بھی کر لیا تھا۔

ولاأضغاثابل هي حق في نفسهاولورؤي على غيرصورته فتصورتلك الصورة ليس من الشيطان بل هو من قبل الله وقال وهذاقول القاضي أبي بكر بن الطيب وغيره ويؤيده قوله فقد رأى الحق أي رأى الحق الذي قصدإعلام الرائي به فان كانت على ظاهرها والاسعى في تأويلها ولا يهمل أمرها لأنها إما بشرى بخير أو انذار من شر إماليخيف الرائي وإمالينزجر عنه وإمالينبه على حكم يقع له في دينه أو دنياه وقال بن بطال قوله فسيراني في اليقظة يريد تصديق تلك الرؤياه في اليقظة وصحتها وخروجها على الحق وليس المراد أنه يراه في الآخرة لأنه سيراه يوم القيامة في اليقظة فتراه جميع أمته من رآه في النوم ومن لم يره منهم وقال بن التين المراد من آمن به في حياته ولم يره لكونه حينئذ غائبا عنه فيكون بهذا مبشرا لكل من آمن به ولم يره أنه لابدأن يراه في اليقظة قبل موته قاله القزاز وقال المازري ان كان المحفوظ فكأنمارآني في اليقظة فمعناه ظاهر وإن كان المحفوظ فسيراني في اليقظة احتمل أن يكون أراد أهل عصره ممن يهاجر إليه فإنه إذا رآه في المنام جعل ذلك علامة على أنه يراه بعد ذلك في اليقظة وأوحي الله بذلك إليه صلى الله عليه و سلم وقال القاضي وقيل معناه سيرى تأويل تلك الرؤيا في اليقظة وصحتها وقيل معنى الرؤيا في اليقظة أنه سيراه في الآخرة وتعقب بأنه في الآخرة يراه جميع أمته من رآه في المنام ومن لم يره يعني فلا يبقى لخصوص رؤيته في المنام مزية وأجاب القاضي عياض باحتمال أن تكون رؤياه له في النوم على الصفة التي عرف بها ووصف عليها موجبة لتكرمته في الآخرة وأن يراه رؤية خاصة من القرب منه والشفاعة له بعلو الدرجة ونحو ذلك من الخصوصيات قال ولا يبعد أن يعاقب الله بعض المذنبين في القيامة بمنع رؤية نبيه صلى الله عليه و سلم مدة وحمله بن أبي جمرة على محمل آخر فذكر عن بن عباس أو غيره أنه رأى النبي صلى الله عليه و سلم في النوم فبقي بعد أن استيقظ متفكرا في هذا الحديث فدخل على بعض أمهات المؤمنين ولعلها خالته ميمونة فأخرجت له المرآة التي كانت للنبي صلى الله عليه و سلم فنظر فيها فرأى صورة النبي صلى الله عليه و سلم ولم ير صورة نفسه ونقل عن جماعة من الصالحين أنهم رأوا النبي صلى الله عليه و سلم في المنام ثم رأوه بعد ذلك في اليقظة وسألوه عن أشياء كانوا منها متخوفين فأرشدهم إلى طريق تفريجها فجاء الأمر كذلك. (١٧٥)

(١٧٥) فتح الباري شرح صحيح البخاري ج 12 ص 385 المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر : دار المعرفة - بيروت، 1379 تحقيق: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء: 13

علامہ عبدالرحمن ابوالفضل السیوطیؒ رقمطراز ہیں:

وَقَالَ اِبْن بَطّال قَوْله "فَسَيَرَانِي فِي الْيَقَظَة" يُرِيدتَصْدِيق تِلْكَ الرُّؤْيَا فِي الْيَقَظَة وَصِحَّتهَا وَخُرُوجهَا عَلَى الْحَقّ, وَلَيْسَ الْمُرَاد أَنَّهُ يَرَاهُ فِي الْآخِرَة لِأَنَّهُ سَيَرَاهُ يَوْم الْقِيَامَة فِي الْيَقَظَة فَتَرَاهُ جَمِيع أُمَّته مَنْ رَآهُ فِي النَّوْم وَمَنْ لَمْ يَرَهُ مِنْهُمْ. وَقَالَ اِبْن التِّين: الْمُرَاد مَنْ آمَنَ بِهِ فِي حَيَاته وَلَمْ يَرَهُ لِكَوْنِهِ حِينَئِذٍ غَائِبًا عَنْهُ فَيَكُون بِهَذَا مُبَشِّرًا لِكُلِّ مَنْ آمَنَ بِهِ وَلَمْ يَرَهُ أَنَّهُ لَا بُدّ أَنْ يَرَاهُ فِي الْيَقَظَة قَبْل مَوْته قَالَهُ الْقَزَّاز. (٥٧٢)

من رآني في المنام فسيراني في اليقظة بفتح القاف قال النووي فيه أقوال أحدها المراد به أهل عصره ومعناه أن من رآه فِي النوم ولم يكن هاجر يوفقه الله سبحانه تعالى للهجرة و رؤيته صلى الله عليه و سلم فِي اليقظة عيانا والثاني معناه أن يرى تصديق تلك الرؤيا في اليقظة وصحتها وأبعد أن يكون معناه سيراني في الدار الآخرة لأنه يراه في الآخرة جميع أمته من رآه في الدنيا ومن لم يره والثالث يراه فِي الآخرة رؤية خاصة من القرب منه وحصول شفاعته ونحو ذلك انتهى وحمله بن أبي جمرة وطائفة على انه يراه فِي الدنيا حقيقة ويخاطبه و أن ذلك كرامة من كرامات الأولياء ونقل عن جماعة من الصالحين أنهم رأوا النبي صلى الله عليه و سلم في المنام ثم رأوه بعدذلك فِي اليقظة وسألوه عن أشياء كانوا منها متخوفين فأرشدهم إلى طريق تفريجها ثم ذكر أن الحديث عام فِي أهل التوفيق. (٥٧٣)

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں:

فقد وقعت رؤيته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته لغير واحد من الكاملين من هذه الأمة والأخذ منه يقظة، قال الشيخ سراج الدين بن الملقن في طبقات الأولياء: قال الشيخ عبد القادر الكيلاني قدس سره: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل الظهر فقال لي: يا بني لم لا تتكلم؟ قلت: يا أبتاه أنا رجل أعجم كيف أتكلم على فصحاء بغداد فقال: افتح فاك ففتحته فتفل فيه سبعاً وقال: تكلم على الناس وادع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة فصليت الظهر وجلست وحضرني خلق كثير فارتج علي فرأيت علياً كرم الله تعالى

(٥٧٢) الأحاديث الواردة في الصحيحين في الجن والشياطين ج 1 ص 47 جمع وإعداد فيصل بن سعيد بن محمد الصاعدي

(٥٧٣) الديباج شرح صحيح مسلم بن الحجاج 5 ص 286 المؤلف: عبدالرحمن ابن أبي بكر أبو الفضل السيوطي

وجهه قائماً بإزائي في المجلس فقال لي : يا بني لم لا تتكلم؟ قلت:يا أبتاه قد ارتج علي فقال: افتح فاك ففتحته فتفل فيه ستاً فقلت: لم لا تكلمها سبعاً قال: أبداً مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم توارى عني فقلت: غواص الفكر يغوص في بحر القلب على درر المعارف فيستخرجها إلى ساحل الصدر فينادي عليها سمسار ترجمان اللسان فتشتري بنفائس أثمان حسن الطاعة في بيوت أذن الله أن ترفع، وقال أيضاً في ترجمة الشيخ خليفة بن موسى النهر ملكي : كان كثير الرؤية لرسول الله عليه الصلاة والسلام يقظة ومناماً فكان يقال : إن أكثر أفعاله يتلقاه منه صلى الله عليه وسلم يقظة ومناماً ورآه في ليلة واحدة سبع عشرة مرة قال له في إحداهن : يا خليفة لا تضجر مني فكثير من الأولياء مات بحسرة رؤيتي ، وقال الشيخ تاج الدين بن عطاء الله في لطائف المنن : قال رجل للشيخ أبي العباس المرسي يا سيدي صافحني بكفك هذه فإنك لقيت رجالاً وبلاداً فقال : والله ما صافحت بكفي هذه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : وقال الشيخ لو حجب عني رسول الله صلى الله عليه وسلم طرفة عين ما عددت نفسي من المسلمين، ومثل هذه النقول كثير من كتب القوم جداً.

وفي "تنوير الحلك" لجلال الدين السيوطي الذي رد به على منكري رؤيته صلى الله عليه وسلم بعد وفاته في اليقظة طرف معتد به من ذلك ، وبدأ في الاستدلال على ذلك بما أخرجه البخاري. ومسلم. وأبو داود عن أبي هريرة قال :" قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من رآني في المنام فسيراني في اليقظة ولا يتمثل الشيطان بي". (٥٧٤)

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک'' لکھا ہے، اوراس میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے، اور بہت سے واقعات پیش کئے ہیں، تفصیل کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے ہاتھ پر بیعت

☆ بلکہ طالبین کے حالات کے مطابق مختلف گذرے ہوئے بزرگوں کے ہاتھوں پر بھی آپ بیعت کراتے تھے، جناب اظفر الکوثر خان صاحبؒ (٥٧٥) (گوری ضلع سیتامڑھی) نے لکھا ہے کہ

(٥٧٤) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج 16 ص 144 المؤلف : شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) مصدر الكتاب : موقع التفاسير.

(٥٧٥) جناب اظفر الکوثر خان صاحبؒ گوری ضلع سیتامڑھی کے رہنے والے تھے،، بہت دنوں اپنی پنچایت کے مکھیا ==

ایک بار وہ رمضان المبارک میں منوروا شریف پہونچے، اتفاق سے وہ شب قدر تھی، عشا کے بعد حضرت نے فرمایا کہ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سے بیعت ہونگے؟ انھوں نے عرض کیا، ہاں! آپ نے مہمان خانہ میں کچھ تسبیحات دے کر فرمایا، کہ بیٹھے رہئے ---- اور شرط یہ ہے کہ آپ بیدار رہیں، سوئیں نہیں ---- لیکن خان صاحب کو نیند آ گئی، اور جب حضرت تشریف لائے تو ان کو بیدار کیا اور فرمایا کہ ہائے افسوس! آپ سو گئے۔

ع این سعادت بزور بازو نیست (٥٧٦)

آپ کا مقام اہل عرفان، مجاذیب اور اصحاب تکوین کی نظر میں

حضرت منورویؒ کی نسبت کا رنگ اہل معرفت محسوس کر لیتے تھے

آپ کی نسبت بہت طاقتور اور صحبت بڑی پر تاثیر ہوتی تھی، جو لوگ صدق دل کے ساتھ آپ سے منسلک ہو جاتے تھے یا صحبت میں بیٹھتے تھے، ان پر ایک خاص رنگ چڑھ جاتا تھا، اور آپ کی نسبت کی کیفیت ان میں منتقل ہو جاتی تھی، اور اہل معرفت اس رنگ کو محسوس کرتے تھے۔

☆ جناب اظفر الکوثر خان صاحبؒ کا بیان ہے کہ ان کے چھوٹے بھائی لئیق الزماں خان مرحوم مرض مرگی میں مبتلا تھے، ان کی صحت کے لئے ہندوستان سے لے کر حرمین شریفین تک دعائیں کرائی گئیں، لیکن مرض میں افاقہ نہ ہوا، انہیں کسی نے خبر دی کہ مراد آباد کی پولیس لین کی مسجد میں ایک مستجاب الدعوات بزرگ رہتے ہیں، چنانچہ ان کو بھی خط لکھا گیا، خط کا جواب آیا کہ ’’آپ تو خود ایک شیخ وقت سے منسلک ہیں ان سے کیوں نہیں کہتے‘‘۔ (٥٧٧)

☆ جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب مدظلہ (پیغمبر پور ضلع دربھنگہ) نے اس حقیر سے بیان کیا

== ہے، ان کے خانوادہ کے لوگ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے وابستہ تھے، لیکن خان صاحب ١٩٦٣ء میں حضرت منورویؒ سے بیعت ہو گئے، حضرت کے بڑے عاشق وجاں نثار تھے، حضرت کے کاتب ہونے کا شرف بھی ان کو حاصل تھا، بارہا منوروا شریف حاضری دی، حضرت کی حیات میں بھی اور حضرت کے وصال کے بعد بھی، حضرت منورویؒ سے منسوب کئی واقعات کے راوی ہیں، طویل عمر پائی، غالباً ٢٠١٧ء میں انتقال فرمایا۔

(٥٧٦) الاکلیل ص ٢٣٨ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب اظفر الکوثر خان صاحب

(٥٧٧) بروایت جناب مولانا شمس الہدیٰ صاحب (الاکلیل ص ٢١٦ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، طبع ثانی)

کہ میں ایک بار حضرت مولانا حافظ محمد سعید خان صاحب (۵۷۸) (ولادت رمضان ۱۳۲۵ھ/نومبر ۱۹۰۷) وفات ۲۷/محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۰/جنوری ۱۹۷۶ء منگراواں ضلع اعظم گڑھ یوپی) کی مجلس میں حاضر ہوا اور مصافحہ کیا تو مصافحہ کرتے ہی انہوں نے فرمایا کہ لگتا ہے کہ ''آپ کسی شیخ کامل سے وابستہ ہیں'' جبکہ انہوں نے پہلے اپنا کوئی تعارف نہیں کرایا تھا۔

لکھمنیا میں ایک مجذوب کی ملاقات اور عشاق کا ہجوم

☆ اہل معرفت مجاذیب اور مستان بھی حضرت کا بے حد احترام کرتے تھے، سفر ہو یا حضر، جہاں دیکھتے وہ آپ کو پہچان لیتے تھے، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحبؒ (صلحا بزرگ) نے لکھمنیا (ضلع بیگوسرائے بہار، جہاں حضرت شیخ سلطانؒ کا مزار مبارک ہے) میں ایک مجذوب کا قصہ نقل کیا ہے، کہ حضرت شیخ سلطانؒ کے مزار پر حاضری وغیرہ سے فراغت کے بعد اسٹیشن تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک خستہ حال پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک مجذوب نے آپ کو دیکھا تو کھڑا ہو گیا اور سلام پیش کیا، اور حضرت سے بڑے ادب سے چائے پینے کی درخواست کی، حضرت نے اس کی دعوت قبول کی اور چائے خانے میں تشریف لے گئے، اس نے کباب اور تین کپ چائے کا آرڈر کیا، پھر دونوں آدمی معرفت وسلوک کی باتیں کرنے لگے، اور ایسی دقیق باتیں کیں کہ ڈاکٹر صاحب کہتے تھے کہ کچھ سمجھ میں

---

(۵۷۸) حضرت مولانا حافظ محمد سعید خان صاحبؒ کے والد ماجد کا نام جناب حافظ عبدالستار خان تھا، آپ کی پیدائش اخیر عشرہ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ مطابق اوائل نومبر ۱۹۰۷ء میں بمقام چھتے پور، سرائے میر اعظم گڑھ ہوئی، آبائی وطن نونا ری، سرائے میر ضلع اعظم گڑھ ہے، بعد میں آپ نے موضع منگراواں تھانہ گمبھیر پور ضلع اعظم گڑھ کو اپنا وطن ثانی بنالیا تھا، حفظ قرآن موضع نوناری میں ۱۹۱۸ء میں کیا، ابتدائی فارسی وعربی کی تعلیم موضع بکھرا ضلع اعظم گڑھ میں حاصل کی، ۱۹۲۶ء میں مدرسہ ضیاء العلوم کان پور سے فضیلت کی سند حاصل کی، ۱۹۳۶ء میں طب کا کورس مکمل کیا، فراغت کے بعد ۱۹۲۸ء میں مدرسہ محمدیہ الہ آباد میں ملازمت اختیار کی، اور ۱۹۳۸ء تک وہاں ملازم رہے، ۱۹۴۱ء میں شبلی نیشنل اسکول اعظم گڑھ میں عربی ٹیچر ہوئے اور وہاں ۱۹۶۹ء تک ملازم رہے، ---- روحانی تعلیم حضرت حافظ حامد حسن صاحب علویؒ (م ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ مطابق ۳۰/ستمبر ۱۹۵۹ء گونڈہ یوپی) سے حاصل کی، ۱۹۳۸ء میں بیعت ہوئے اور ۱۹۴۰ء میں خلافت سے سرفراز ہوئے۔ کئی بار حج وزیارت سے مشرف ہوئے، آپ کی وفات ۲۷/محرم الحرام ۱۳۹۶ھ مطابق ۳۰/جنوری ۱۹۷۶ء بمقام منگرواں ہوئی۔ (شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۲۹ مؤلفہ پروفیسر مطیع الرحمن صاحبؒ پٹنہ، مطبوعہ لیبل لیتھو پریس رمنہ روڈ پٹنہ، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء ☆ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی ص ۴۳ مرتبہ پروفیسر محمد مطیع الرحمن سابق صدر شعبۂ اردو، متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ)

آئیں اورزیادہ تر سمجھ میں نہیں آسکیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کوئی صاحب مقام فقیر تھا، چائے سے فارغ ہوکر حضرت بڑی تیزی سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا کہ پہلی ٹرین جدھر کی آرہی ہو وہاں کا ٹکٹ لے لیں، اور دعا کریں کہ جلد گاڑی آجائے ورنہ لوگ دم نہیں لینے دیں گے، سورجاپور (بنگال) کی ٹرین آرہی تھی، حضرت کے حکم پر میں نے دوسکنڈ کلاس ٹکٹ لے لئے، اور ہم لوگ ٹرین میں سوار ہوگئے، کھڑکی سے باہر نظر پڑی تو لوگوں کا جم غفیر اسٹیشن کی طرف آرہا تھا، بہت سے لوگ ڈبے تک پہونچ گئے، گاڑی نے سیٹی دی، اور حضرت نے اپنا ہاتھ باہر کردیا، ٹرین رینگتی رہی اور لوگ اسی حالت میں مصافحہ کے نام پر آپ کا دست مبارک مس کرتے رہے، یہاں تک کہ ٹرین تیز ہوگئی، ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ اسٹیشن پر کافی لوگ جمع ہوگئے تھے اور بہت سے ابھی تک قطار میں چلے آرہے تھے، یہ کسی ہاتف غیبی کی آواز تھی یا اسی مجذوب کا اشارہ تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا (۵۷۹)۔

آنکھ والے ہی تیرے جوبن کا تماشا دیکھیں

شہر سمستی پور میں ایک برہنہ مجذوب نے آپ کو دیکھ کر اپنا تن ڈھانک لیا

☆ سمستی پور شہر میں ایک برہنہ مجذوب رہتا تھا، ایک دن اتفاق سے شہر میں حضرت منورویؒ سے اس کا سامنا ہوگیا، جلدی سے وہ کسی دکان میں داخل ہوا اور اس سے کپڑے مانگ کر اپنے تن کو ڈھانک لیا، لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ برہنہ شخص آج کپڑے پہن کر گھوم رہا ہے، حضرت جب تک شہر میں موجود رہے وہ کپڑے میں ملبوس رہا، حضرت کے رخصت ہونے کے بعد اس نے پھر کپڑے اتار کر پھینک دیئے، لوگوں نے اس سے وجہ دریافت کی تو کہا کہ ایک مرد خدا آج یہاں آیا تھا اس کے سامنے برہنہ پھرنا بے حیائی اور خلاف ادب تھا، باقی شہر میں تو جانور بستے ہیں، جانوروں سے کیا پردہ؟ (۵۸۰)

دھنباد میں ایک مجذوب نے حضرت کی وفات کی اطلاع دی

☆ میرے پھوپھا مرحوم جناب فضل حق صاحب جس زمانے میں دھنباد میں کوئیلوری میں ملازم تھے، اسی زمانے میں ایک مستان ہمیشہ راستے میں ملتا تھا، ایک دن اس نے ان کو آواز دے کر بلایا اے لڑکے ادھر سنو!، اور آسمان کی طرف اشارہ کرکے بولا کہ آج اس زمین کا قطب اللہ کے یہاں

(۵۷۹) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ص ۲۔

(۵۸۰) یہ واقعہ میرے پھوپھا محترم جناب فضل حق صاحب نے بیان کیا، اس سفر میں وہ حضرت کے ساتھ تھے۔

چلا گیا، ہم یتیم ہو گئے اور نہ معلوم ہم جیسے کتنے ہی لوگ یتیم ہو گئے، دیکھو آسمان رو رہا ہے---- فضل حق صاحب نے اسے ایک مجذوب کی بڑ سمجھ کر اس پر توجہ نہیں دی اور اپنے کام میں لگ گئے، چند دنوں کے بعد میرے والد ماجد کا خط ان کو موصول ہوا جس میں حضرت منورویؒ کے وصال کی خبر دی گئی تھی، انہوں نے تاریخ وفات دیکھی تو یہ وہی دن تھا جب مجذوب نے انہیں بلا کر مذکورہ بات کہی تھی، اب ان کی آنکھ کھلی اور دوڑے ہوئے اسی جگہ کی طرف لپکے جہاں وہ مستان بیٹھا کرتا تھا، مگر آج وہ یہاں موجود نہیں تھا، بلکہ کئی دن سے وہ نظر نہیں آیا تھا، آس پاس والوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ قریب ایک ہفتہ سے وہ نظر نہیں آتا، شاید کہیں اور چلا گیا ہو، جناب فضل حق صاحب نے اس دن پورا شہر چھان مارا مگر اس مستان کا پتہ نہ چلا (۵۸۱)۔

ان واقعات سے اندازہ ہوتا کہ اہل معرفت اور اصحاب تکوین کی نگاہوں میں آپ کا کیا مقام تھا، اور قریب و بعید کے مجاذیب اور اصحاب حال آپ کی شخصیت سے کس حد تک واقف تھے؟

چار مشائخ کے سلسلے آپ کے ذریعہ قائم ہیں

☆ حضرت منورویؒ کی شخصیت یوں تو مجمع السلاسل تھی، لیکن آپ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ چار (۴) مشائخ کے سلسلے صرف آپ کی شخصیت اور چشمۂ روحانی سے جاری ہوئے، بلکہ اب ان کا وجود بھی آپ ہی کے ذریعہ قائم ہے، وہ چار سلاسل یہ ہیں:

(۱) حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ (آپ کے نانا جان اور شیخ اول) کا سلسلۂ قادریہ رزاقیہ امیریہ تنہا حضرت منورویؒ کی ذات گرامی سے جاری ہوا، اور آج بھی یہ سلسلہ آپ ہی کے حلقۂ ارادت میں زندہ ہے۔

(۲) حضرت مولانا شاہ بشارت کریم گڑھولویؒ، کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی بھی آج حضرت منورویؒ ہی کی ذات سے جاری و ساری و زندہ ہے، یوں تو حضرت گڑھولویؒ نے کئی حضرات کو اجازت و خلافت سے نوازا، جن میں حضرت کے صاحبزادگان کے علاوہ خلیفۂ اکبر حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جی بھی شامل ہیں، لیکن یہ سلسلہ صرف حضرت منورویؒ سے جاری ہوا، آج حضرت گڑھولویؒ کا سلسلہ وہی ہے جو حضرت منورویؒ کا ہے۔

(۵۸۱) یہ واقعہ جناب فضل حق صاحب نے میرے والد ماجد سے بیان فرمایا، اور والد صاحب نے ہم سے نقل کیا۔

(۳) حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ حسینیہ پچراواں بھی آج ہندوستان میں حضرت منورویؒ ہی کے ذریعہ زندہ اور قائم ہے، وصیت نامہ کے مطابق حضرت پنڈت جیؒ نے جناب سید ضحیٰ بن عبداللہ (ساکن بیلا درگاہ) کو سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی اجازت وخلافت دی تھی، لیکن وہ پاکستان چلے گئے، پاکستان میں ان کا سلسلۂ رُوحانی جاری ہے یا نہیں، معلوم نہیں، لیکن ہندوستان میں حضرت پنڈت جی کا سلسلہ (بشمول نسبت حضرت مولانا شاہ حسین علی صاحبؒ) صرف حضرت منورویؒ کے سلسلہ کے ساتھ جاری ہے۔

(۴) حضرت مولانا شاہ برکت اللہ صاحب دہلویؒ کے سلسلۂ شاذلیہ کا بھی ہندوستان میں سوائے حضرت منورویؒ کی خانقاہ کے کہیں وجود نہیں ہے، میں نے دہلی میں ان کے کئی دیکھنے والوں سے ملاقات کی، مگر روحانی طور پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے کسی سلسلۂ فیض کا سراغ نہ مل سکا، بلکہ ان کے جاننے والوں کو ان کی شخصیت کی حقیقی معرفت بھی میسر نہیں تھی، وہ صرف ان کے بعض ظاہری احوال اور کرامات وواقعات سے زیادہ واقف تھے۔

اس طرح چار (۴) بڑے مشائخ کے سلسلے حضرت منورویؒ کی شخصیت پر انحصار کرتے ہیں، یہ وہ اہم خصوصیت ہے جو آپ کے عہد میں بہت کم بزرگوں کو حاصل ہوئی۔

ہر طالب کو اس کا مطلوبہ رنگ حاصل ہوتا تھا

مذکورہ بزرگوں سے آپ کے غایت تعلق ہی کا فیض تھا کہ جس شخص کو جس رنگ کی طرف میلان ہوتا حضرت کو وہ اپنے اسی مطلوبہ رنگ میں پاتا تھا، اس کی بھی کئی مثالیں موجود ہیں، بطور نمونہ چند واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

حضرت گڑھولویؒ اور حضرت پنڈت جیؒ کی شباہتیں

حضرت مولانا محمود احمد صاحب نستویؒ کا بیان ہے کہ جب وہ مدرسہ امدادیہ میں مدرس تھے ایک بار وہ نماز ظہر کے لئے مدرسہ کی مسجد میں داخل ہوئے، تو وضوخانہ میں دیکھا کہ حضرت شاہ نور اللہ صاحب عرف حضرت پنڈت جیؒ وضو فرما رہے ہیں، مگر نماز کا وقت قریب تھا، سنت بھی باقی تھی، سنت کے بعد وہ امامت کے مصلیٰ پر بڑھ گئے، سلام پھیرا تو دائیں طرف پہلی صف میں سب سے آخر میں حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی شبیہ نظر آئی، مگر دعا کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے، کمرے ہی میں سنت ونفل ادا کی اور یہ بات ذہن سے نکل گئی، کچھ دیر کے بعد کسی مانوس شخصیت کے

قدموں کی چاپ سنائی دی ،دروازہ بھڑ کا ہوا تھا،اس لئے آنے والی شخصیت نگاہوں سے مستور تھی ، قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آئی اور سلام کے بعد آواز آئی کہ ''محمود بابو ہیں؟ آواز سن کر مجھے پہچاننے میں دیر نہیں لگی کہ یہ تو حضرت منورویؒ ہیں، میں نے جلدی سے دروازہ کھولا،اور حضرت کو بصد ادب واحترام بٹھایا،اور دریافت کیا کہ حضرت کب تشریف لائے؟ حضرت نے فرمایا کہ میں تو دس بجے دن ہی میں آگیا تھا،نماز میں نے مدرسہ کی مسجد ہی میں ادا کی ہے۔

حضرتؒ کے اس ارشاد کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ وضوخانے میں بھی حضرت ہی نظر آئے تھے اور نماز کی پہلی صف میں دائیں طرف بھی آپ ہی تھے ،مولانا محمود صاحبؒ بہت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ میں نے وقت کی قدر نہیں کی ، میں نے حضرت کو حضرت پنڈت جیؒ کے رنگ میں بھی دیکھا اور حضرت گڑھولویؒ کی صورت میں بھی،لیکن میں نے موقعہ گنوادیا(۵۸۲)۔

حضرت گڑھولویؒ کے صاحبزادگان نے آپ کو حضرت گڑھولوی کی شکل میں دیکھا

اسی طرح کا ایک واقعہ حاجی منظور احمد صاحبؒ نے بیان فرمایا کہ حضرت ایک بار گڑھول شریف تشریف لے گئے،بعد نماز مغرب مسجد میں مراقب ہوئے،حضرت گڑھولویؒ کے تینوں صاحبزادگان

(۵۸۲) یہ واقعہ حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ نے جناب مظہر الحق صاحب سابق ڈسٹک آڈٹ آفیسر (ولادت ۱۹۳۴ء وفات ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۸ء مقام برہرواضلع سیتامڑھی) سے بیان فرمایا،جب وہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں کرایہ پر ایک روم لےکر رہتے تھے۔

جناب مظہر الحق صاحب حضرت منورویؒ کے آخری مریدوں میں سے تھے،انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت کے پاس حاضر ہوا تو حضرت نے پوچھا،کس لئے آئے ہو؟ جو مانگنا ہو مانگ لو،میں سوچنے لگا کہ میرے پاس سرکاری ملازمت ہے،دنیوی طور پر کوئی دقت تو ہے نہیں، میں نے عرض کیا،اللہ کی رضا مانگنے آیا ہوں،اللہ تک پہونچنے کا راستہ بتا دیجئے ،حضرت نے ان کو سلسلۂ بیعت میں داخل کرلیا۔گوکہ حضرت کی زیادہ صحبت ان کو حاصل نہ ہوسکی ،لیکن رنگ ایسا پختہ چڑھ گیا تھا کہ کبھی نہیں اترا،حضرت کے وصال کے بعد میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب سے رجوع کیا،اور مقامات سلوک طے کئے،اہل معرفت میں سے تھے،اللہ پاک نے چشم بینا سے نوازا تھا،بہت ہی نیک صالح اور متقی تھے،منوروا شریف اتنی کثرت سے تشریف لاتے تھے کہ یہاں کا ہر شخص ان کو پہچانتا تھا،وہ میرے والد صاحب کے لئے افراد خانہ میں شامل تھے،سفر وحضر میں ان سے زیادہ میرے والد ماجد کے ساتھ کوئی نہیں رہا،والد صاحب کے سب سے زیادہ قریب اور محرم اسرار لوگوں میں شامل تھے،انہوں نے اچھی زندگی پائی اور اچھی موت بھی ، کلکتہ علاج کے لئے گئے تھے،وہیں ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو ہاسپیٹل میں انتقال کیا اور لاش آبائی گاؤں برہرواضلع سیتامڑھی لائی گئی،اور یہیں قبرستان میں مدفون ہوئے،اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے آمین۔

یعنی حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ ،حضرت ذاکر بابوؒ ،اور حضرت سلمان بابوؒ اور خود حاجی منظور صاحبؒ بھی شریک مراقبہ تھے،حضرت درمیان میں تھے اور سب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھے تھے،مراقبہ کے بعد حضرات صاحبزادگان نے بتایا کہ حضرت حاجی احمد حسنؒ کی جگہ پر دیکھا کہ بابا (حضرت گڑھولویؒ) تشریف فرما ہیں'' (۵۸۳)

حاجی منظور کو حضرت گڑھولویؒ کی شبیہ نظر آئی

☆ حاجی منظور احمد صاحب (مصرولیا ضلع مظفر پور) بیعت ہونے سے قبل جب پہلی بار منور وا شریف اپنی پولیس کی ڈیوٹی پر آئے،تو وہ عید الاضحیٰ کا موقعہ تھا، جب نماز کے لئے مسجد پہونچے،تو سلام ودعا کے بعد انہوں نے دیکھا کہ حضرت گڑھولویؒ کے ایک ہم شکل بزرگ مسجد سے نکلے اور ایک گلی کی طرف روانہ ہو گئے، حاجی صاحب نے بچپن میں حضرت گڑھولویؒ کو دیکھا تھا، حیران ہوئے کہ یہاں یہ بزرگ کون ہیں؟ جوان کے بالکل ہم شکل ہیں، انہوں نے نماز کے بعد لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی بزرگ رہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں ایک حکیم صاحب ہیں، حاجی صاحب نے کہا کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں، کسی صاحب نے مشورہ دیا کہ کل صبح دس بجے کے بعد ان سے ملاقات ہوگی، چنانچہ کل ایک صاحب کو ساتھ لے کر وہ حاضر بارگاہ ہوئے (۵۸۴)۔

قال سے زیادہ صاحب حال-زبان کے بجائے واردات سے علاج

☆ آپ کا ایک بڑا امتیاز یہ بھی تھا کہ آپ قال سے زیادہ صاحب حال تھے،حقائق آگاہ تھے، لیکن زبان سے بہت کم اظہار کرتے تھے، اکثر آپ کے احوال حقائق کی ترجمانی کرتے تھے، اور آپ کی خاموشی ہی آپ کا بیان ہوتی تھی،

ع خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

جیسا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارند

---

(۵۸۳) یہ واقعہ حاجی منظور صاحبؒ نے میرے والد ماجد کو سنایا، نیز حاجی منظور صاحب کے مرید مولانا شمس الہدیٰ صاحب نے بھی انہی کے حوالے سے یہ واقعہ میرے نام ایک خط میں تحریر کیا ہے (ص ۷)

(۵۸۴) الاکلیل ص ۲۲۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، اور یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ میں نے اپنے والد ماجد سے بھی سنا ہے۔

کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

نقشبندی اکابر عجیب قافلہ سالار ہوتے ہیں کہ خاموشی کے ساتھ قافلے کو حرم تک پہونچا دیتے ہیں۔

اس طریقہ میں زیادہ تر افادہ اور استفادہ خاموشی میں ہے، ان بزرگواروں نے فرمایا ہے کہ جس کو ہماری خاموشی سے نفع حاصل نہ ہوا، وہ ہمارے کلام سے کیا نفع حاصل کرے گا، اور اس خاموشی کو انہوں نے تکلف کے ساتھ اختیار نہیں کیا ہے، بلکہ ان کے طریق کے لوازم اور ضروریات سے ہے، کیونکہ ان بزرگواروں کی توجہ ابتدا ہی سے احدیت مجردہ کی طرف ہے، اور اسم وصفت سے سوائے ذات کے کچھ نہیں چاہتے، اور معلوم ہے کہ اس توجہ کے مناسب اور اس مقام کے موافق خاموشی اور گونگا ہونا ہے، **من عرف الله کل لسانه** (جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گنگ ہوگئی) اس بات کی مصداق ہے (یہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا مقولہ ہے) (۵۸۵)

اس دور میں ایسی مثالیں عنقا ہیں، زبان سے علم ومعرفت کی تقریریں کرنے والے لوگ بہت ہیں، لیکن حقیقت کو آئینہ اور کیفیت کو آپ بیتی بنا دینے کی صلاحیت رکھنے والے لوگ اب نایاب ہیں، اور یہی گوہر نایاب حضرت منورویؒ کے پاس موجود تھا، اس کی بہت سی مثالیں آپ کی زندگی میں موجود ہیں، چند نمونے یہاں پیش کئے جارہے ہیں:

''یاساریۃ! الجبل'' روایت کی عملی تفہیم کشف حجاب

حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب چندرسین پوریؒ نے بیان فرمایا کہ ایک بار وہ مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا ضلع دربھنگہ بہار (۵۸۶) میں حدیث کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے اس روایت

(۵۸۵) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۵۱۹ دفتر اول حصہ چہارم، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۱ء۔

(۵۸۶) مدرسہ بشارت العلوم (کھرایاں پتھرا) حضرت قطب الاقطاب مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے نام سے منسوب ہے، اس کی بنیاد ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۵ء میں پڑی، اس کا ابتدائی نام ''مدرسہ تجوید القرآن'' تھا، بعد میں حضرت گڑھولویؒ کی اجازت سے آپ کے نام پر اس کا نام ''مدرسہ بشارت العلوم'' رکھا گیا، اس کے اولین ناظم قاری محمد یسین صاحب (مقام جلوارہ ضلع دربھنگہ) تھے، ان کے بعد دوسرے ناظم اور صدر مدرس حضرت مولانا عبدالحفیظ چندرسین پوری (حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحبؒ کے والد ماجد) ہوئے، ان کے بعد تیسرے ناظم حضرت مولانا محمد سعید ==

پر پہونچے، جس میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن عین خطبہ کے دوران برسرِ منبر سیکڑوں میل دور حضرت ساریہ بن زنیم رضی اللہ عنہ کو پکار کر فرمایا:

یاساریة بن زنیم! الجبل (اے ساریہ! پہاڑ کی آڑ میں چلے جاؤ)

اور یہ آواز حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ اور ان کے پورے لشکر نے صاف صاف سنی، بعض روایتوں میں آتا ہے یہ آواز وادی میں تین بار گونجی، اور اسی غائبانہ ہدایت کے نتیجے میں اللہ پاک نے لشکر اسلامی کی

==مولانا محمد سعید صاحب چندرسین پوری رحمہ اللہ (مولانا عتیق الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے چچا) ہوئے، حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب ان کے بعد چوتھے ناظم تھے، جو ۱۹۸۸ء تک تاحیات ناظم رہے (ماخوذ از کتابچہ ''مسائل حج وقربانی'' ص ۲، مرتبہ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمن صاحب رحمہ اللہ، ناشر: مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا، ۱۹۷۳ء)

یہ مدرسہ اس حقیر کی مادر علمی بھی ہے، ۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء میں قریب ایک سال مجھے اس مدرسہ میں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے، اس دوران میرا قیام حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب رحمہ اللہ کے حجرہ میں رہا، کھانا پینا بھی آپ ہی کے ساتھ ہوتا تھا، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے میرے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا سلوک فرمایا، اور اپنے بیٹے کی طرح پیار دیا، اللہ پاک ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔

دراصل میری عمر اس وقت بہت کم تھی، بمشکل آٹھ یا نو سال کی رہی ہوگی، میرے جد امجد رحمہ اللہ کو اس مدرسہ سے بہت تعلق تھا، اسی نسبت سے میرے والد ماجد نے جب مجھے پڑھنے کے لئے باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا، تو اسی مدرسہ کا انتخاب فرمایا، اس لئے کہ اسی مدرسہ میں میرے معصوم بچپن کو گھر جیسا پیار مل سکتا تھا، والد صاحب کو میرے بچپن کی وجہ سے بہت فکر تھی، والد صاحب نے حضرت مولانا عتیق صاحب رحمہ اللہ کو اس تعلق سے خط لکھا، تو مولانا رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب تحریر فرمایا:

''عزیز محترم بابو محمد محفوظ الرحمن صاحب حفظکم اللہ فی الدارین''

تحیۃ وسلاماً بخیر و مستخیر ہوں

محبت نامہ مل کر کاشف المرام ہوا، اس سے قبل بذریعہ منی آرڈر روپیہ ملا تھا، فجزاکم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء ----آپ اپنے بچہ کا داخلہ یہاں چاہتے ہیں، بڑی اچھی بات ہے، ضرور لے آویں، اپنا بچہ سمجھوں گا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تعلیم وتربیت کا خاص خیال رکھوں گا، اپنا مدرسہ ہے جیسے چاہیں رکھیں، مدرسہ کھل چکا ہے، اس خط کو دیکھتے ہی تشریف لاویں۔ مدرسہ کی فلاح وبہبودی اور ہر قسم کی ترقی کے لئے دعا کرتے رہیں--- بہرکیف آپ اپنے بچہ کو لے آویں، ان شاء اللہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی، ویسے تحصیل علم کے زمانے میں کچھ تکلیف تو ہوتی ہی ہے، جسے برداشت کئے بغیر حصول علم مشکل ہے،

چوں شمع از پئے علم باید گداخت کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

بقیہ خیریت ہے، دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔ فقط والسلام

العبد محمد عتیق الرحمن غفرلہ (۱۸/شوال ۱۳۹۸ھ)

حفاظت فرمائی اوراس کو فتح حاصل ہوئی:

عن نافع أن عمر بعث سرية فاستعمل عليهارجلايقال له:سارية. فبينا عمر رضي الله عنه يخطب يوم الجمعة فقال: يا سارية الجبل يا سارية الجبل فوجدوا سارية قد انحاز إلى الجبل في تلك الساعة يوم الجمعة وبينهما مسيرة شهر.

عن نافع عن ابن عمر أن عمر بعث جيشا وأمر عليهم رجلا يدعى سارية. قال: فقام عمر يخطب الناس يوم الجمعة فأقبل يصيح وهو على المنبر: يا سارية الجبل يا سارية الجبل فقدم رسول الجيش فسأله فقال: يا أمير المؤمنين لقيناعدونافهزمونافإذاصائح يصيح: ياساريةالجبل فاستندنابأظهرناإلى الجبل فهزمهم الله فقيل: إنك كنت تصيح بذلك(٥٨٧)

اس مقام پر دماغ میں وسوسہ پیدا ہوا کہ حضرت عمرؓ کی یہ آواز سیکڑوں میل دور حضرت ساریہؓ تک کیسے پہونچی ہوگی؟ جب کہ اس دور میں آواز کو تیزی سے پہونچانے والے آلات موجود نہیں تھے، کئی دنوں تک وہ اسی خیال میں غلطاں وپیچاں رہے، حالانکہ بعض روایتوں میں خود حضرت عمر بن الخطابؓ کی زبانی یہ صراحت موجود ہے، کہ کسی مردغیب نے ان کی آواز وہاں تک پہونچادی تھی:

فبيناعمريخطب يوم الجمعة إذصرخ ثلاث صرخات يقول: ياسارية بن زنيم الجبل الجبل قد ظلم من استرعى الذئب الغنم. قال: فسمع ذلك فلما سمع عبد الرحمن بن عوف دخل على عمر فقال: كأنك أعرابي بيناأنت تخطب إذ صرخت ثلاث صرخات: يا سارية بن زنيم الجبل الجبل قد ظلم من استرعى الذئب الغنم فقال عمر: إنه وقع في روعي ألجأه العدو إلى الجبل قال: فلعل عبدا من عباد الله يبلغه صوتي قال: فجاء سارية بن زنيم من الجبل فقال: سمعت صوتا يوم الجمعة نصف النهار: ياسارية بن زنيم، الجبل الجبل، ظلم من استرعى الذئب الغنم. (٥٨٨)

کرامات اولیاء پر یقین رکھنا ہمارے عقیدہ کا حصہ ہے، مگر مسئلہ یہاں علم الیقین کا نہیں، عین

---

(٥٨٧) دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ٢ ص ١٤١ حديث نمبر: ٥١٠ المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد الاصبهاني (المتوفى: 430هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث.

(٥٨٨) دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ٢ ص ١٤٢ حديث نمبر: ٥١١ المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبدالله بن أحمد الاصبهاني (المتوفى: 430هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث

الیقین کا تھا جو انشراح صدر اور اطمینان قلب کے لئے مفید ہوتا ہے (۵۸۹)، اور یہ محض کسی عالمانہ تقریر سے حاصل نہیں ہوسکتا تھا، وہ اسی ذہنی کش میں تھے کہ مدرسہ میں حضرت منورویؒ کی آمد کی خبر ملی، حضرت کا معمول تھا کہ اس علاقے میں جب بھی کہیں کا دورہ ہوتا تو کچھ دیر کے لئے مدرسہ بشارت العلوم عموماً تشریف لے جاتے تھے (۵۹۰)، شاید آپ اجرا ضلع مدھوبنی کے سفر پر تھے کہ اچانک یہاں تشریف لائے، حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحبؒ نے اپنی مشکل حضرت کے سامنے رکھی، حضرت نے خاموشی کے ساتھ سنا، اور صرف اتنا فرمایا کہ ''حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے، ایسا ہوجاتا ہے''، پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ اجرا کے لئے روانہ ہوگئے، جمعرات کا دن تھا، مولانا عتیق الرحمن صاحبؒ بھی اپنے گھر ''چندرسین پور'' چلے گئے، گھر پہونچ کر غالباً بعد نماز مغرب وہ اپنی مردانہ بیٹھک

(۵۸۹) یہی چیز حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے قرآن کریم کی اس آیت میں مذکور ہوئی ہے:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَى وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (البقرة:260)

(۵۹۰) حضرت منورویؒ کے اس معمول کا ذکر حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب ناظم مدرسہ بشارت العلوم نے حضرت کے وصال کے تقریباً تین سال بعد میرے والد ماجد کے نام اپنے ایک خط (مرقومہ ۲۳ / رجب المرجب ۱۳۹۰ھ مطابق ۲۵ / ستمبر ۱۹۷۰ء) میں کیا ہے، یعنی منصب نظامت سنبھالنے کے بعد آپ کا یہ پہلا خط تھا، جو آپ نے میرے والد صاحب کو تحریر فرمایا، اس خط کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''عزیز گرامی قدر بابو محمد محفوظ الرحمن سلمہ اللہ الرحمن

میں بحمد اللہ بخیر ہوں، امید کہ آنجناب بھی بخیر و عافیت ہونگے۔

میں ان دیرینہ تعلقات کی بنا پر جو حضرت حاجی صاحب قدس سرہ ونور اللہ مرقدہ کو مدرسہ بشارت العلوم سے تھے، اور حضرت علیہ الرحمۃ کی دلی خواہش تھی کہ مدرسہ مذکور زیادہ سے زیادہ ترقی پذیر ہو، جناب کی خدمت میں جرأت کرتا ہوں، کہ آپ اس کو اپنا مدرسہ سمجھتے ہوئے اپنے پدر بزرگوار کی طرح یہاں آمد ورفت جاری رکھیں، اور مدرسہ کی فلاح و بہبود کے لئے دعا کریں، حضرت علیہ الرحمۃ جب بھی اس طرف کا سفر کرتے تھے تو اکثر و بیشتر مدرسہ ھذا کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازتے تھے، میں آپ سے بھی امید رکھتا ہوں کہ اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے---

العبد محمد عتیق الرحمن غفرلہ خادم مدرسہ بشارت العلوم

مکمل اور اصل خط اس حقیر کے پاس محفوظ ہے۔

میں تھے، اور بہت سے ملاقاتی بھی مجلس میں موجود تھے، کہ اچانک مولانا کو اپنے گھر کی عورتوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں، جب کہ زنانہ مکان وہاں سے فاصلے پر تھا، مولانا کو بہت غصہ آیا کہ عورتیں اتنی زورزور سے کیوں بول رہی ہیں کہ یہاں تک آواز آرہی ہے؟ لیکن یہ آواز صرف مولانا سن رہے تھے، اہل مجلس میں کوئی ان کا شریک نہیں تھا، آپ نے اندر پیغام بھیجا کہ عورتیں بلند آواز سے بات نہ کریں، یہاں بہت سے مرد حضرات بھی بیٹھے ہیں---عورتیں حیران ہوئیں کہ یہاں تو سب حسب معمول ہے، کوئی چیخ پکار نہیں ہے، تھوڑی دیر کے بعد اور بھی کئی مخصوص رشتہ داروں کی آوازیں مولانا کے کان میں آنے لگیں جن کو آپ اچھی طرح پہچانتے تھے، اور ان کے مکانات کافی دور یا دوسری بستیوں میں تھے، اب گھر کی خواتین سے آپ کا غصہ کافور ہوا اور دوسری پریشانی شروع ہوئی، ابھی کچھ ہی دیر گذری تھی، کہ مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا کے اساتذہ اور طلبہ کی آوازیں بھی سماعت سے ٹکرانے لگیں، جب کہ مدرسہ آپ کے گاؤں سے قریب پچاس (۵۰) کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر واقع ہے، اب آپ کی حیرانی کی انتہا نہ رہی، جس نے بھی سنا اس کو دماغی مرض قرار دیا، مولاناؒ نے بھی سمجھا کہ شاید مجھے جنون ہوگیا ہے، پوری رات اسی کیفیت میں جاگ کر گذری، مقامی طور پر دوا وغیرہ لی گئی، مگر کوئی افاقہ نہ ہوا، آخر طے ہوا کہ دربھنگہ میں دماغ کے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھایا جائے، سنیچر کے دن مولانا کو لوگ لے کر مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا پہونچے، تاکہ وہاں مشورہ کے بعد دربھنگہ کے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جایا جائے، ادھر مدرسہ کے اطراف میں بھی بات مشتہر ہوگئی تھی کہ مولانا کو جنون ہوگیا ہے، مولانا علاقے کے ایک معتبر عالم دین تھے، ایک مشہور مدرسہ کے استاذ اور ایک بڑے خاندان کے چشم و چراغ تھے، یہ منظر دیکھنے کے لئے خلقت اُمڈ پڑی، مدرسہ کا صحن لوگوں سے بھر گیا، اسی دوران حضرت منوروی اجرا وغیرہ سے واپسی میں پھر مدرسہ تشریف لائے، آپ نے اس ہجوم کی وجہ دریافت کی تو لوگوں نے عرض کیا کہ مولانا عتیق صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہے، ان کو دربھنگہ لے جانے کی تیاری ہورہی ہے، مولانا عتیق صاحبؒ نے سلام کے بعد اپنی ساری تکلیف حضرت سے بیان کی، حضرت نے سب کچھ سننے کے بعد فرمایا: ''پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ایسا ہوجاتا ہے''---یہ کہہ کر آپ تشریف لے گئے، اور ادھر مولانا کی طبیعت بحال ہونے لگی، تھوڑی ہی دیر میں ساری کیفیت کافور ہوگئی، اور وہ ہشاش بشاش ہوگئے، پھر ذہن حضرت کے اس جملہ کی طرف منتقل ہوا کہ حضرت نے اس مرض سے پہلے اور بعد دونوں سوالوں کے جواب میں ایک ہی طرح کا جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ ''پریشانی کی بات نہیں ہے، ایسا ہوجاتا ہے'' اور پھر تنبہ ہوا کہ یہ دراصل حدیث ساریہؓ

کے اس سوال کا جواب تھا کہ آواز بغیر آلۂ ترسیل کے کیوں کر پہونچی؟ جب ہمارے دور میں مدرسہ اور دوسرے مقامات کی آوازیں بغیر آلۂ ترسیل کے کانوں تک پہونچ سکتی ہیں، تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی آواز پہونچنے میں کیا استحالہ ہے؟(۵۹۱)

اس طرح کسی زبانی تقریر و تفہیم کے بغیر حضرت کی توجہ سے اس روایت کی حقیقت حضرت مولانا عتیق صاحب رحمہ اللہ پر منکشف ہوگئی۔

❁ ❁ ❁

(۵۹۱) یہ واقعہ خود حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب رحمہ اللہ اور مدرسہ کے دیگر اساتذہ نے میرے والد ماجد کو سنایا، اور والد صاحب نے ہی پہلی بار ہم لوگوں کے سامنے یہ قصہ نقل فرمایا، چنانچہ حضرت مولانا عتیق صاحب کے انتقال (۱۹۸۸ء) پر میں نے اپنے پہلے تعزیتی مضمون ''غم کے آنسو'' میں اس واقعہ کا ذکر کیا تھا اور وہ مضمون ''آئینۂ دارالعلوم دیوبند'' میں اسی سال شائع ہوا--- بعد میں اس واقعہ کی تصدیق مولانا کے حلقہ کے دیگر ذرائع سے بھی ہوئی، ان میں خاص طور پر مدرسہ بشارت العلوم کے متعلقین میں حضرت مولانا عبدالمالک صاحب (چندرسین پور) قابل ذکر ہیں انہوں نے یہ واقعہ حضرت قاری محمد شعیب صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل فرمایا۔

(۳)

طریقۂ تربیت واصلاح

☆ آپ کا طریقۂ تربیت بھی بڑا منفرد تھا، غلطیوں پر زبان سے نکیر کم فرماتے تھے (الا یہ کہ کوئی بات خلاف شریعت سرزد ہو) بلکہ اپنی قوت قلبیہ اور تصرفات روحانیہ سے اس کی اصلاح کرتے تھے اور آہستہ آہستہ وہ شخص صحیح راستہ پر آجاتا تھا مثلاً:

فساد عمل کی اصلاح قوت قلب کے ذریعہ

بعض مشائخ بے ڈاڑھی والوں کو بیعت نہیں کرتے ہیں، اور بعض تو ایسے لوگوں سے مصافحہ تک کے روادار نہیں ہوتے، خود حضرت منورویؒ کے حلقہ میں حضرت شاہ عبداللہ صاحبؒ (پروہی ضلع مدھوبنی) کسی ڈاڑھی منڈے شخص سے مصافحہ نہیں کرتے تھے، لیکن حضرت منورویؒ کے یہاں یہ شدت نہیں تھی، وہ ظرف اور حصہ دیکھ کر کسی بھی شخص کو بیعت کر لیتے تھے، اور آہستہ آہستہ وہ شخص خود ہی شریعت کے رنگ میں رنگ جاتا تھا، یہ آسان بات نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے طاقتور روحانیت کی ضرورت ہے۔

بیج ڈال دی ہے پھل اپنے وقت پر تیار ہوگا

آپ ہمیشہ فرماتے تھے کہ ''بیج ہم نے ڈال دی ہے پھل اپنے وقت پر تیار ہوگا'' اسی طرح آپ کا یہ بھی جملہ مشہور تھا کہ ''ہانڈی پکانا مقصود ہے جلانا مقصود نہیں ہے'' یعنی اگر کسی شخص کی اصلاح میں دیر ہو تو گھبرانا نہیں چاہئے، اس لئے کہ کھانے کے لائق چیز پکنے میں وقت لگتا ہے، اگر عجلت کا مظاہرہ کیا جائے اور آنچ تیز کر دی جائے تو کھانا نہیں پکے گا، بلکہ ہانڈی جل جائے گی، روحانی مقامات کے طے کرانے میں بھی حضرت کا طریق کار یہی تھا، وہ کبھی عجلت نہیں کرتے تھے، اور نہ مایوس ہوتے تھے، آپ کے کئی احباب جو بڑے مقامات تک پہونچے ابتدائی زندگی ان کی بہت قابل تعریف نہیں تھی۔

سلسلہ میں ہر مسلک ومشرب کے لوگ داخل ہوتے تھے

اسی لئے ہر مسلک ومشرب کے لوگ داخل سلسلہ ہوتے تھے اور استفادہ کرتے تھے، آپ کے حلقۂ ارادت میں ہر مکتب فکر کے لوگ تھے، مگر آپ کے آستانے پر پہونچ کر نہ کوئی دیو بندی رہتا تھا اور

نہ بریلوی، سب نقشبندی، قادری، چشتی وغیرہ ہوجاتے تھے، آپ کے حلقوں میں پورنیہ کا حلقہ اس باب میں بہت زیادہ حساس تھا، لیکن وہاں بھی آپ کا مشرب یہی رہا، اور بریلوی اور دیوبندی دونوں طبقے کے علماء اور عوام آپ سے وابستہ ہوئے، اور ان میں بڑی حد تک اعتدال پیدا ہوا(۵۹۲)۔

کافر کی بیعت

بلکہ حضرت کبھی کافر کو بھی بیعت کر لیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "ک" یعنی ظلمت کفر اور "م" یعنی نور ایمان انسان کی پیشانی میں نظر آجاتا ہے، اس لئے جس کافر کی پیشانی میں نور ایمان کا مشاہدہ

(۵۹۲) اس ضمن میں حلقۂ پورنیہ کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے، جناب مولانا فقیر محمد صاحب (ضیا گاچھی ضلع اتر دیناجپور) حضرت منورویؒ کے مجاز تھے، حضرت کی حیات ہی کی یہ بات ہے، کہ وہ ایک گاؤں میں کسی عقیدت مند کی دعوت پر تشریف لے گئے، وہاں ان کی شخصیت سے متأثر ہوکر گاؤں کے اکثر و بیشتر لوگ آپ سے بیعت ہو گئے، ان کے واپس آنے کے کچھ عرصہ بعد کوئی کشمیری بابا وہاں آئے، اور لوگوں کو بیعت کرنا چاہا، لوگوں نے عذر پیش کیا کہ ہم لوگ مولانا فقیر محمد صاحب سے بیعت ہو چکے ہیں، کشمیری بابا نے سنتے ہی کہا کہ کسی کی بیعت درست نہیں ہوئی، بلکہ سب کا نکاح بھی ٹوٹ گیا، اس لئے کہ فقیر محمد ایک دیوبندی پیر کا خلیفہ ہے، گاؤں کے لوگ یہ سن کر پریشان ہو گئے، سب نے ان صاحب کو پکڑا جن کے توسط سے مولانا فقیر محمد صاحب اس گاؤں میں تشریف لائے تھے، وہ صاحب مولانا فقیر محمد کے گھر پر حاضر ہوئے، اور سارا ماجرا سنایا اور کہا کہ کشمیری بابا نے سب لوگوں سے آپ کی بیعت توڑوا دی ہے، اس لئے کہ آپ کے پیر دیوبندی ہیں، مولانا فقیر محمدؒ کو یہ سن کر بڑا اجلال آیا، وہ ایک معزز اور زمیندار گھرانے کے آدمی تھے، اس علاقے میں ان کے والد کی طوطی بولتی تھی، انہوں نے کہا کہ تمہارے گاؤں کے لوگ میرے پیر کی ولایت دیکھنا چاہتے ہیں، میرے پیر تو دور کی بات ہیں، میں ان کا ادنیٰ غلام ہوں کہو جا کر کشمیری بابا سے، میں تمہارے گاؤں حاضر ہو رہا ہوں، مجھ سے ولایت میں مقابلہ کر لے، یہ کہہ کر انہوں نے اس شخص کو رخصت کر دیا، اور خود سفر کی تیاری شروع کر دی، شروانی اور عمامہ زیب تن کر کے ہاتھ میں عصا لئے ہوئے ایک گھوڑے پر سوار ہوئے، اور سیدھے اس گاؤں کے قبرستان پہونچے اور اپنی عصا قبرستان کے ایک کنارے میں گاڑ کر بیٹھ گئے، اور گاؤں میں خبر بھجوادی کہ میں ایک مٹھی چنا لے کر قبرستان پہونچ چکا ہوں، کشمیری بابا سے کہو کہ قبرستان آجائیں، یا تو وہ مردوں کو اٹھا دیں یا میں اٹھا دوں؟ اور یہیں سے میرا اور ان کا فیصلہ ہوگا، گاؤں کے لوگ تو اسی دن کے منتظر تھے، کشمیری بابا کو خبر ہوئی تو چپکے سے وہ فرار ہو گیا، لوگ ان کو تلاش کرتے پھرے، مگر وہ نہیں ملا، مولانا فقیر محمد صبح سے شام تک وہیں قبرستان میں جمے رہے، اور نماز با جماعت بھی وہیں کسی خالی زمین میں ادا کی، جب لوگ کشمیری بابا کی طرف سے مایوس ہو گئے تو سب نے قبرستان پہونچ کر مولانا سے معافی مانگی، اور پھر مولانا اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے (یہ واقعہ میرے والد ماجد نیز جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ کمل پوری نے مجھ سے ایک سے زائد بار نقل فرمایا)

ہوتا، اسے بیعت فرما لیتے ،لوگ متعجب ہوتے ،لیکن آہستہ آہستہ وہ صاحب ایمان ہوکر مرتا تھا، یا کم ازکم اتنا فائدہ ضرور ہوتا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے اس کے دل میں جذبۂ خیر خواہی پیدا ہو جاتا تھا(۵۹۳)۔

جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب نے بھی نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت نے اپنے قدیم متوسلین سے اپنے کسی ہندو مرید کے بارے میں فرمایا کہ''روشنی دیکھتا ہے''--''ٹرین میں کہا کہ پوجا کرنے جارہے ہیں'' (۵۹۴)

ہندوستان کے موجودہ معاشرے میں صوفیانہ حکمت عملی کی یہ بہترین مثال ہے،جس سے اس ملک میں اسلام کی آبیاری ہوئی ،اور آج بھی اسی صوفیانہ حکمت عملی کی ضرورت ہے،اس کے بغیر اس ملک میں ملت اسلامیہ کا باعزت تحفظ بہت مشکل ہے،مگر ظاہر ہے کہ اس کے لئے مضبوط قوت تصرف اور روحانی واخلاقی طاقت کی ضرورت ہے،جس کی ہر دور میں بہت کمی رہی ہے(۵۹۵)۔

تنبیہ لسانی کے بجائے عملی

البتہ خاص لوگوں کی غلطیوں پر آپ تنبیہ فرماتے تھے، بلکہ جو جتنا قریب ہوتا تھا وہ اسی قدر تنبیہ کا مستحق قرار پاتا تھا، کہ''مقرباں رابیش بود حیرانی''،مگر یہ تنبیہ بھی (اپنے گھر والوں کا استثنا کرکے (۵۹۶)) عموماً لسانی کے بجائے عملی ہوتی تھی،یعنی کچھ بولنے کے بجائے عمل سے ناراضگی کا اظہار ہوتا تھا،مثلاً:

(۵۹۳)مثلاً بکھری کے قریب بہادر پور اسٹیٹ کے زمیندار''گوپال بابو رائے بہادر''جن کے راج کے حدود چودہ (۱۴) کوس میں پھیلے ہوئے تھے،اور منورواشریف کے قریب موضع بلاہی ضلع سستی پور تک ان کی زمینداری تھی،کسی موقعہ پر وہ حضرت منورویؒ کے تیر نظر کا شکار ہوئے ، اور منوروا حاضر ہوئے ،ایک روایت یہ ہے کہ حاضر ہونا چاہتے تھے،لیکن حضرت نے فتنہ کے اندیشے سے ان کو روک دیا،اور غائبانہ عقیدت وتعلق کو کافی قرار دیا،سنا جاتا ہے کہ وہ اور ان کی اہلیہ اندر سے مسلمان ہوگئے تھے ،جس سے حضرت منورویؒ بھی واقف تھے،لیکن انہوں نے اپنے راج اور خاندان کی مصلحتوں سے اپنے ایمان کو چھپایا،اللہ پاک ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمائے آمین۔

(۵۹۴)قلمی یادداشت پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ا۔

(۵۹۵)کافر کی بیعت کا تذکرہ بطور خاص میرے والد ماجد اور حضرت منورویؒ کے خلیفہ جناب علی احمد ناظر صاحب نے کیا ہے،ناظر صاحب نے ایک بار میرے والد ماجد سے اس سلسلے میں کچھ استفسار بھی کیا تھا،''م'' اور''ک'' کی تشریح میرے والد ماجد نے کی ہے،اور اس کی تائید جناب ناظر صاحب نے کی۔

(۵۹۶)گھر والوں کے ساتھ آپ کی تنبیہ ہمیشہ لسانی ہوتی تھی ، بہت زجر وتوبیخ فرماتے تھے،اس کا فائدہ آپ یہ بتاتے تھے کہ اس سے اصلاح اعمال کے ساتھ ان کی نفس کشی اور ترقی روحانی ہوتی ہے(یہ بات جناب حاجی ابراہیم==

حاجی منظور احمد صاحبؒ کی ایک غلطی پر تنبیہ

حضرتؒ کے دوسرے سفرِ حج (۱۹۶۱ء) میں حاجی منظور صاحبؒ رفیقِ سفر تھے، حج سے واپسی پر جہاز میں حضرتؒ کی ایک مجلس میں جس میں بہت سے نئے اور پرانے طالبین وسالکین شریک تھے، ایک صاحب بڑے جذب ومستی میں شیخ سعدی کی مشہور عربی رباعی پڑھ رہے تھے:

بلغ العلیٰ بکمالہ ۞ کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ ۞ صلوا علیہ و آلہ

پڑھنے والے پر خاص کیفیت طاری تھی، حضرت بھی خاموشی کے ساتھ بیٹھے سن رہے تھے، وہ مکرر سہ کرر یہی رباعی پڑھتے رہے، حاجی منظور صاحبؒ نے ان کو درمیان میں ٹوک دیا کہ یہ کوئی حدیث قدسی تو نہیں ہے (یعنی بار بار اس کے تکرار کی کیا حاجت ہے؟)

حضرت منورویؒ کو یہ بات بہت ناگوار لگی، اور آپ نے حاجی صاحب سے رخ موڑ لیا، بات چیت بھی ترک فرمادی، حاجی صاحب روزانہ حضرتؒ کا بستر جھاڑتے تھے، اور دیگر ضروریات کا بھی خیال رکھتے تھے، ان تمام ذمہ داریوں سے حضرتؒ نے ان کو سبکدوش کر دیا، اور حتی الامکان اپنا کام خود کرنے لگے یا دوسرے مخلصین انجام دیتے تھے، حاجی صاحب بہت پریشان ہوئے، اور کئی دن ان کے اسی کرب میں گذرے کہ حضرت کی ناراضگی کیسے دور ہو، آخر جہاز بمبئی پہونچ گیا، حضرتؒ نے اپنا سامان مسافر خانے میں رکھا، اور کھانے کے لئے ہوٹل کی طرف تشریف لے گئے، حاجی صاحبؒ بھی پیچھے پیچھے ڈرتے ڈرتے چلے لیکن تھوڑے فاصلہ پر رہے، حاجی صاحبؒ کہتے تھے کہ مجھے یقین تھا کہ حضرتؒ خواہ کتنے ہی ناراض ہوں لیکن کھانے میں فراموش نہیں کریں گے، حضرتؒ ہوٹل میں پہونچے اور حاجی صاحب کے لئے بھی کھانے کا آرڈر دے دیا، حاجی صاحب ہوٹل پہونچے تو حضرتؒ نے

== صاحب مادھے پوریؒ سے حضرت منورویؒ نے خود بیان فرمائی تھی، اور مجھ سے یہ بات حاجی ابراہیم صاحبؒ کے صاحبزادے جناب مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب (مقیم دبئی) نے اپنے والد گرامی کے حوالے سے نقل کی) ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات نے یہ توجیہ بیان کی ہے۔

علاوہ اس کا دوسرا نفع یہ تھا کہ لسانی زجر وتنبیہ سے جب دل کا غبار نکل جاتا تھا تو قلبی اذیت پر صبر کا نقصان سامنے والے شخص کو نہیں ہوتا تھا، ورنہ بزرگوں کا کسی تکلیف پر خاموش ہوجانا اور صبر کر لینا متعلقہ شخص کے لئے بہت خطرناک اور نقصان دہ ہوسکتا ہے، یہ بات کئی آثار وروایات سے بھی ثابت ہے، نیز میرے والد صاحب نے یہ بات حضرت منورویؒ کے حوالے سے نقل فرمائی۔

صرف اتنا فرمایا کہ آپ کے کھانے کا بھی آرڈر دے دیا ہے، اپنا کھانا لے کر کھالیں، اتنے دنوں میں یہ پہلا موقعہ تھا، جب حضرت نے ان کو شرف تخاطب بخشا، حاجی صاحبؒ نے موقعہ غنیمت جانا اور بھرے ہوٹل میں آپ کے پائے اقدس پر گر گئے، اور زور زور سے رونے لگے، حضرتؒ نے ان کا سر اٹھایا، اور کرسی پر بیٹھنے کو کہا، انہوں نے کہا جب تک آپ معاف نہیں کریں گے اسی طرح پڑا رہوں گا۔ حضرتؒ نے مسکرا دیا اور فرمایا کہ سب معاف ہے اٹھ کر بیٹھئے، پھر ارشاد فرمایا کہ درست ہے کہ شیخ سعدیؒ کی رباعی کوئی حدیث قدسی نہیں ہے لیکن وہ کس ذات اقدس ﷺ کی شان میں کہی گئی ہے؟ اور شیخ سعدیؒ نے کس کیفیت میں اور کس مقام سے یہ رباعی کہی تھی اور اسے کیسی مقبولیت حاصل ہوئی؟ اور اس پڑھنے والے شخص کی کیا حالت تھی؟، یہ سب کچھ آپ نے نہیں دیکھا، اور سر راہ چلتے ہوئے مست ہاتھی کو ٹکر ماردی، حاجی صاحب نے توبہ کی، اور حضرتؒ نے بھی ان کو اپنے سینے سے لگالیا (۵۹۷)۔

شفقت و تواضع کے ذریعہ صلاحیتوں کو مہمیز کرنا

لیکن عام حالات میں آپ بہت شفیق تھے، چھوٹوں کا بھی اکرام کرتے تھے، اور محبت و ادب کے ساتھ ان کا نام لیتے تھے، اس کا اظہار آپ کے بعض مکاتیب سے بھی ہوتا ہے، جن میں آپ نے اپنے مریدین اور متعلقین کو مختلف القاب اور خطابات سے موسوم فرمایا ہے، اور اپنے لئے انتہائی کسر نفسی کے الفاظ استعمال کئے ہیں، جو عام طور پر مشائخ کے یہاں دیکھنے میں نہیں آیا، مثلاً:

دوسروں کے لئے: ☆ انیس الغربا ☆ انیس دارین ☆ محب الفقراء ☆ محب روحی ☆ محب ازلی ☆ شفیق ازلی ☆ زاداللہ احترامہ ☆ حضرت ☆ شاہ صاحب ☆ مخدوم من ☆ عزیز از روح وجسد ☆ ہادیٔ دین ☆ عزیز معارف آگاہ ☆ یادگار نقشبند ☆ تشریف لایئے ☆ بریں نازم کہ دارم با تو نیاز وغیرہ۔

اور خود کے لئے: ☆ آپ کا خادم ☆ آپ کا احقر ☆ لاشے ☆ آپ کی دعائے مغفرت کا امیدوار ☆ آپ کا ناچیز خادم وغیرہ (۵۹۸)۔

دراصل بڑوں کی شفقت و محبت سے (طبیعت میں سلامتی ہو تو) چھوٹوں کی صلاحیت اور قوت نمود کو مہمیز ملتی ہے، اور تواضع سے تکلفات کے حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور استفادہ کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔

(۵۹۷) یہ واقعہ خود حاجی منظور صاحبؒ نے میرے والد ماجد کو سنایا، وہ حضرت کے طریق اصلاح اور شفقت کو یاد کر کے آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

(۵۹۸) یہ چند مکاتیب کو دیکھ کر میں نے کچھ چیزیں نقل کی ہیں، اگر آپ کے تمام مکاتیب میسر ہوتے تو کچھ اور چیزیں بھی مل سکتی تھیں، **ولکن اللہ قدر ماشاء.**

علماء کی تربیت واصلاح کا خصوصی اہتمام

علماء کی تربیت واصلاح کا آپ خصوصی اہتمام فرماتے تھے، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا کے اکثر علماء آپ سے وابستہ تھے، اور آپ ان کی تربیت کے لئے خاص طور پر وہاں تشریف لے جاتے تھے، اور علماء کی تعلیمی سہولت کے لحاظ سے اکثر جمعرات کو بعد نماز عصر اور بعد نماز عشاء آپ کی مجلس ہوتی تھی، اور اس میں خاص طور پر علماء شریک ہوتے تھے، مگر دوسروں کے لئے بھی پابندی نہیں تھی (۵۹۹)۔

اسی طرح کی ایک مجلس کا ذکر ہے جو مدرسہ امدادیہ میں قائم تھی اور حضرت منوروی تشریف فرما تھے، حضرت مولانا محمد اویس قاسمیؒ (رائے پور ضلع سیتامڑھی) اور کئی اکابر علماء موجود تھے، کہ حضرت نے مولانا اویس صاحبؒ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا! میں شیخ سعدیؒ کی رباعی پڑھا کرتا تھا جس میں ''چہ کنم چہ کنم'' لگا ہوا تھا، وہ میں بھول گیا، مولانا اویس صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت کی اس خواہش پر میں نے شیخ سعدی کی رباعی پر ''چہ کنم'' والی ایک تضمین تیار کردی، آخری مصرعہ کی تضمین اور بندش تھوڑی مشکل تھی لیکن حضرت کے فیض سے اللہ پاک نے اسے بھی آسان کردیا، وہ تضمین یہ ہے:

چہ کنم بیان کمال او بلغ العلیٰ بکماله
چہ کنم بیان جمال او کشف الدجیٰ بجماله
چہ کنم بیان خصال او حسنت جمیع خصاله
بروں از بیاں ہمہ حال او صلوا علیه وآله

مولانا اویس صاحب فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ پاک ان اشعار کی برکت سے مجھے معاف کردے گا (۶۰۰)۔

---

(۵۹۹) حضرت کے اس معمول کا علم مجھے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب (چندرسین پور) سے ہوا۔

(۶۰۰) حضرت مولانا محمد اویس قاسمی اپنے وقت کے بڑے عالم، فقیہ اور محدث تھے، علمی مآخذ پر ان کی گہری نگاہ تھی، شاندار مدرس اور بہترین خطیب تھے، بے شمار مدرسوں اور اداروں نے ان سے استفادہ کیا، ان کی ولادت ۲۷/ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۵/ دسمبر ۱۹۳۳ء کو ضلع سیتامڑھی کے نان پور تھانہ کے موضع رائے پور میں بوقت صبح صادق ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے دادا بزرگوار اور والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد عربی چہارم تک مدرسہ جامع العلوم مظفر پور میں پڑھا، یہاں حضرت مولانا جمیل احمد خان صاحبؒ سے خاص استفادہ کیا، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخل ہوئے اور عربی ششم تک تعلیم حاصل کی، بطور خاص حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ، حضرت مولانا محی الدین==

اور قبر شق ہو گئی

☆۱۹۶۵ء میں اسی طرح کی ایک مجلس کا ذکر ہے جب حضرت نے علالت کی وجہ سے مدرسہ بشارت العلوم میں ایک ماہ سے زائد قیام فرمایا تھا، جناب انوار قوال صاحب (موضع بھریاہی ضلع دربھنگہ، جو مجلس کے حاضر باشوں میں تھے) نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت! آپ آج حیات ہیں، تشریف رکھتے ہیں، اور ہم لوگ مستفید ہوتے ہیں، لیکن آپ کی وفات کے بعد اگر ہم قبر پر حاضر ہوں تو کیا وہاں بھی آپ توجہ کریں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ ان شاء اللہ، میری قبر پر آنے والا بھی محروم نہیں ہوگا---

چنانچہ حضرت کے وصال کے بعد جناب انوار قوال صاحبؒ منورواشریف آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے، اور خیال آیا کہ دیکھیں حضرت حسب وعدہ توجہ فرماتے ہیں یا نہیں؟ ابھی چند سکنڈ ہی

== صاحبؒ (صلحا بزرگ) اور حضرت مولانا عبدالفتاح سرحدیؒ جیسے جبال علم کے پاس زانوئے تلمذ تہ کیا، پھر دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف حضرت مولانا سید فخر الدین صاحبؒ کے پاس پڑھی، نیز حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ، حضرت علامہ محمد حسین بہاریؒ، اور حضرت مولانا معراج الحق صاحبؒ ان کے جلیل القدر اساتذہ ہیں، وہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا ریاست علی بجنوریؒ (سابق استاذ دارالعلوم دیوبند) کے ہم سبق تھے۔

فراغت کے بعد تدریسی زندگی کا آغاز مدرسہ امدادیہ دربھنگہ سے کیا اور مسلسل گیارہ (۱۱) سال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں، اسی زمانہ میں حضرت منورویؒ سے مدرسہ امدادیہ میں بیعت ہوئے، اور مقامات سلوک طے کئے، حضرت نے درود شریف (سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ) کا وظیفہ دیا تھا، ساری زندگی اس کو حرز جان بنائے رکھا، حضرت سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے، بلکہ اس سلسلے کے تمام ہی مشائخ سے ان کو دلی لگاؤ تھا۔

مولانا مرحوم کے تلامذہ میں مولانا محمد رضوان القاسمیؒ (بانی دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد)، مولانا نور عالم خلیل الامینی استاذ دارالعلوم دیوبند و مدیر الداعی، اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۵/ ستمبر ۱۹۹۸ء بروز جمعہ دہلی میں وفات پائی، اور وہیں دارالعلوم قاسمیہ (پریم نگر، سلیمان نگر) کے احاطے میں مدفون ہوئے (یہ معلومات مولانا اویس صاحب کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا محمد شاہد اویس قاسمی ناظم دارالعلوم قاسمیہ پریم نگر دہلی سے حاصل ہوئیں، مذکورہ بالا تضمین کا قصہ بھی موصوف ہی نے ارسال فرمایا، حضرت منورویؒ سے مولانا کی بیعت کی اطلاع بھی موصوف نے دی، نیز خود مولانا محمد اویس صاحبؒ نے میرے برادر عزیز رضوان احمد قاسمی کے سامنے بھی اس کا اظہار فرمایا تھا، جس کی اطلاع پہلی بار آنعزیز ہی کے ذریعہ مجھے حاصل ہوئی تھی)

گذرے تھے کہ لگا کہ قبرشق ہوگئی اور حضرت کا سراپا نظر آنے لگا، یہ منظر دیکھ کر جناب انوار قوال صاحب بے ہوش ہوگئے، کافی دیر کے بعد جب ان کو ہوش آیا تو قبر سے اٹھ کر اپنی نشست گاہ میں واپس ہوئے (۶۰۱)۔

(۴)

طریقۂ بیعت وذکر ومراقبہ

آپ کی بیعت اکثر زبانی ہوتی تھی، عموماً ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت نہیں فرماتے تھے، حضرت گڑھولویؒ کا بھی عام معمول یہی تھا، بلکہ زبان سے ہی ضروری ہدایات ارشاد فرماتے اور اوراد و وظائف کی تعلیم دیتے تھے، اسی سے ارادت کا آغاز ہوجاتا تھا۔

ذکر ومراقبہ بھی بالعموم اجتماعی نہیں ہوتا تھا، آپ کی مجلس میں بیٹھنے سے ہی حضوری کی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی، خاموشی کے ساتھ بیٹھنا ہی ذکر اور مراقبہ تھا۔

اصل چیز صحبت ہے

اس لئے کہ اصل چیز صحبت ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جو کچھ حاصل ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت سے ہوا، کسی ولی کامل کی صحبت میسر ہوجائے تو وہ سالک کے حق میں سیکڑوں نفل عبادت وریاضت سے بالاتر ہے، اسی لئے صوفیاء کے یہاں صحبت اولیاء کو صد سالہ طاعت بے ریا سے افضل مانا گیا ہے، حضرت منورویؒ کے یہاں بھی اصل زور صحبت پر تھا، اس دوران کسی ذکر ومراقبہ کی ضرورت نہیں تھی، ذکر ومراقبہ کی جو بھی تعلیم دی جاتی تھی، وہ اپنے گھروں میں رہ کر کرنے کے لئے تھی، حضرت کی خدمت میں آنے کے بعد انفرادی یا اجتماعی تسبیح ومراقبہ غفلت کی علامت تصور کی جاتی تھی (الا یہ کہ شیخ کسی موقعہ پر خود اس کی اجازت دیں) اس لئے کہ ذکر ومراقبہ ہی سے اگر منزل طے ہوجاتی تو شیخ کے پاس جانے کی ضرورت کیا تھی، کتابوں میں تمام اذکار واوراد موجود ہیں، ان کو دیکھ کر انسان اللہ کی یاد میں مشغول رہے، اور اپنا علاج خود کرلے، لیکن انسان اپنے امراض کی خود تشخیص نہیں کرسکتا،

(۶۰۱) یہ واقعہ مجھ سے حضرت مولانا عبدالمالک صاحب (چندرسین پور) نے حضرت الاستاذ مولانا عبیداللہ عرف حضرت مولانا شاہجہاں صاحبؒ (چندرسین پور) کے حوالے سے بیان فرمایا اور مولانا عبیداللہ صاحب سے جناب انوار قوال صاحبؒ نے خود بیان کیا تھا۔

اس کے لئے کسی طبیب روحانی کی ضرورت ہے، اور مرض کا علاج ڈاکٹر کے پاس جاکر ہوگا، اس کی صحبت کے آئینہ میں ہی مرض کی شناخت ہوسکتی ہے، شیخ اس کے عیوب وکمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہیں، اور پھر ان کی اصلاح کا طریقہ بتاتے ہیں۔

تخلیہ کے بغیر تحلیہ مفید نہیں

اس طرح تخلیہ کے بعد پھر تحلیہ شروع ہوتا ہے، اور اس کے بعد ذکر وریاضت اور مراقبہ سے انسان روحانی ترقیات حاصل کرتا ہے، مرض کا علاج کئے بغیر جو لوگ ذکر ومراقبہ سے ترقیات حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ کمزور بنیادوں پر اونچی عمارت تعمیر کرنے کا خواب دیکھتے ہیں، اس سے روح کو تقویت تو حاصل نہیں ہوتی، البتہ اس کے امراض خفیہ مزید طاقتور ہوتے چلے جاتے ہیں، جو آئندہ اس کے لئے نقصان یا ہلاکت کا باعث ہوسکتے ہیں۔

ذکر روح کی تقویت کے لئے ہے، مرض کے علاج کے لئے نہیں، علاج کے لئے صحبت شرط ہے، صحبت سے امراض کا ازالہ بھی ہوتا ہے، اور خیر کی طرف طبیعت کا امالہ بھی، خربزہ خربزہ سے رنگ پکڑتا ہے، آئینہ سورج کے نور سے روشنی حاصل کرتا ہے، اس لئے صحبت اولیاء روحانی امراض کے علاج کے لئے بھی مفید ہے اور روح کی ترقی کے لئے بھی، اسی لئے جو لوگ بزرگوں کے دربار میں آنے کے بعد بھی صحبت اور فکر کے بجائے اپنے بندھے ٹکے نظام میں مصروف رہتے ہیں، وہ محروم رہ جاتے ہیں، حضرت منورویؒ کے یہاں اس کی بڑی تاکید تھی کہ یہاں حاضری کے بعد فکر اور خاموشی کے ساتھ ہر ممکن طور پر صحبت کا التزام کیا جائے، بزرگوں کے آستانے پر پہونچ کر صرف فکر کی ضرورت ہے، لسانی ذکر وتسبیح کی نہیں، یہ بسا اوقات غفلت بن جاتی ہے (۶۰۲)۔

کبھی شیطان بھی مراقبہ کراتا ہے

حاجی منظور صاحبؒ نے بیان کیا کہ حضرت نے ایک بار فرمایا کہ کبھی مراقبہ کی مجلس میں شیطان گھس جاتا ہے، اور پورا مراقبہ شیطان کراتا ہے، اور اہل مجلس کو خبر بھی نہیں ہوتی، حضرت کی یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوئی، لیکن حضرت نے مدینہ پاک جیسی مبارک سرزمین پر ایک شیخ کی مجلس ذکر ومراقبہ میں جس میں قریب چار پانچ سو افراد شریک تھے، یہ منظر مجھے اپنی آنکھوں سے دکھا دیا کہ تمام لوگ بشمول شیخ آنکھ بند کرکے مراقب بیٹھے تھے، اور شیطان بیچ میں خوب رقص کر رہا تھا، حضرت اسی وقت

(۶۰۲) اور اس کی شہادت میرے والد ماجد کے بشمول حضرت کے بہت سے مریدین نے بھی دی ہے۔

وہاں پہونچے تھے، بس حضرت نے مجلس میں بیٹھتے ہی اپنی چٹکی بند کرلی، اور مراقبہ کی کیفیت سلب کرلی، شیخ طریق نے آنکھ کھول کر دیکھا تو پیچھے حضرت موجود تھے، وہ تیزی سے اٹھ کر آئے، اور حضرت کو اپنی جگہ لے گئے، حضرت نے شاید ان کو اس سلب کرنے کی وجہ بتائی ہوگی، بہر حال حضرت کے ذریعہ دوبارہ مراقبہ شروع ہوا، اور تمام لوگ فیضیاب ہوئے۔

ظاہر ہے کہ اس طرح کی نگرانی شیخ کامل ہی کرسکتا ہے، اس لئے شیخ کامل کی صحبت سے بڑھ کر سالک کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں کوئی استبعاد نہیں ہے، اس لئے کہ محفل ذکر میں شیطان کے گھس جانے کا ذکر کتب حدیث وتفسیر میں بھی ملتا ہے، علامہ آلوسیؒ رقمطراز ہیں:

وقال ابن عمر وقد رأى ساقطاً من سماع القرآن فقال إنا لنخشى الله تعالى وما نسقط: هؤلاء يدخل الشيطان في جوف أحدهم، وأخرج عبد الرزاق. وعبد بن حميد. وابن المنذر عن قتادة أنه قال في الآية هذا نعت أولياء الله تعالى قال: تقشعر جلودهم وتبكي أعينهم وتطمئن قلوبهم إلى ذكر الله تعالى ولم ينعتهم الله سبحانه بذهاب عقولهم والغشيان عليهم إنما هذا في أهل البدع وإنما هو من الشيطان. (۶۰۳)

بزرگوں کے آستانے پر اپنی تسبیح پڑھنا بھی غفلت ہے

یہی حکم بعد وفات بزرگوں کے آستانے پر حاضری کا بھی ہے، حضرت منورویؒ کے وصال کے بہت عرصہ بعد جناب حافظ شفیع الرحمن صاحب (مقام جھگڑوا ضلع دربھنگہ) منورواشریف تشریف لائے، وہ حضرت مولانا ادریس ذکا صاحب گڑھولویؒ سے بیعت تھے، ان کی رشتہ داری چیروٹہ (نزد صلحا بزرگ) میں تھی، جہاں وہ آتے رہتے تھے، حضرت مولانا ادریس صاحبؒ کی ہدایت پر وہ منورواشریف حضرت منورویؒ کے مزار پر حاضر ہوئے، اور شب میں میرے والد ماجد کے پاس قیام فرمایا، وہ ایک معمر اور جہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے، رات میں بیٹھ کر تسبیح میں مشغول تھے کہ باہر صحن میں حضرت منورویؒ کی شبیہ نظر آئی، حضرت نے ان کے ہاتھ سے تسبیح چھین کر دور پھینک دی، صبح فجر کے بعد بمشکل وہ تسبیح دور دراز کٹھل کے درخت کے نیچے ملی، انہوں نے یہ سارا قصہ میرے والد ماجد سے بیان فرمایا، اور یہ بھی بتایا کہ ایسا میرے ساتھ دوسری بار ہوا ہے، اس سے پہلے سرہند شریف میں بھی میرے ساتھ ایسا

(۶۰۳) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج 17 ص 456 المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ)

ہی ہوا تھا، میرے والد ماجد نے فرمایا کہ بزرگوں کے دربار میں حاضری کے بعد تسبیح پڑھنا بھی غفلت ہے، یہاں کی آب وہوا سے فیض پانا چاہیئے، اور فکر کے ساتھ صاحب مزار کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے (۶۰۴)۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور حضرت منورویؒ کا طرز عمل

دراصل بزرگان دین کا فیض ان کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے، موت سے ان کی ولایت ختم نہیں ہوتی، اہل سنت والجماعت کا یہ نظریہ ہے:

حضرت شیخ عبدالغنی النابلسیؒ فرماتے ہیں:

کرامات الاولیاء---الاحیاء والاموات، اذ لا ینعزل عن ولایته بالموت۔ (۶۰۵)

اسی لئے اصحاب سلوک بزرگوں کے مزارات پر اینٹ پتھر کی زیارت کے لئے نہیں بلکہ صاحب مزار کی روحانیت سے ملنے کے لئے جاتے ہیں، حضرت منورویؒ بھی مزارات اولیاء پر حاضری دیتے تھے، لیکن وہاں کے اینٹ پتھر کو مس نہیں کرتے اور نہ ہاتھ باندھتے تھے، نہ عموماً آنکھ بند کر کے مراقب ہوتے تھے، بلکہ حسب معمول رہتے تھے اور اسی حالت میں صاحب مزار سے ان کی ملاقات ہوتی تھی، دراصل نسبت جب طاقتور ہوتی ہے تو وہ ہر وقت مستحضر رہتی ہے، اس کے استحضار کے لئے آنکھ بند کرنے یا کسی مخصوص عمل کی ضرورت نہیں پڑتی، اسی لئے بہت سے عارفین کھلی آنکھوں ہمہ وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال انور کا مشاہدہ کرتے ہیں، مگر یہ منتہیوں کا مقام ہے بلکہ ان میں بھی خاص الخاص لوگوں کو ہی یہ رتبہ ملتا ہے (۶۰۶)۔

---

(۶۰۴) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔

(۶۰۵) الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۱ ص ۲۹۲ بحوالہ فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۶۷ وکذا فی روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۰۸، علامہ آلوسیؒ۔

(۶۰۶) میرے والد صاحب نے بیان فرمایا کہ جب وہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں طالب علم تھے، اس دور میں حضرت منورویؒ کئی بار خانقاہ تشریف لائے، اور مزارات پر حاضری دی، لیکن انہوں نے کبھی حضرت کو قبروں پر بوسہ دیتے یا ہاتھ باندھتے یا قبر کے پاس بیٹھ کر مراقبہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، کھڑے کھڑے ہی کچھ پڑھ کر ایصال ثواب فرمادیتے تھے۔

صاحب مزار اٹھ کر بیٹھ گئے

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (بڑگاؤں) نے بیان فرمایا کہ ایک بار وہ حضرت منورویؒ کے ساتھ دربھنگہ میں سلسلۂ مداریہ کے مشہور بزرگ حضرت مخدوم بھیکا شاہ سیلانیؒ (چارسو سالہ قدیم ترین بزرگ) کے مزار پر حاضر ہوئے، حضرت منورویؒ تو حسب معمول بیٹھے رہے، لیکن قاری صاحب نے آنکھ بند کی تو دیکھا کہ صاحب مزار اپنی قبر میں حضرت کی طرف رخ کر کے دوزانو بیٹھ گئے ہیں، قاری صاحب حضرت کی عظمت شان سے بے حد متاثر ہوئے کہ پرانے اکابر بھی حضرت کا اتنا اکرام کرتے ہیں (۶۰۷)۔

حضرت شیخ سلطانؒ (لکھمنیا) کے مزار پر حاضری

ڈاکٹر عبدالرحمن صاحبؒ (صلحابزرگ) نے اپنی قلمی یادداشت میں لکھمنیا (ضلع بیگوسرائے) کے سفر کا حال تحریر کیا ہے، کہ حضرت مختلف مقامات کا سفر کرتے ہوئے لکھمنیا میں حضرت شیخ سلطانؒ (ولادت ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۲ء وفات ۲۷/ رجب المرجب ۱۱۲۶ھ مطابق ۷/ اگست ۱۷۱۴ء)(۶۰۸)

(۶۰۷) یہ قصہ سب سے پہلے مجھ سے جناب پروفیسر محمد علی صاحب (پیغمبر پور دربھنگہ) نے قاری عثمان صاحب کے حوالے سے بیان کیا، بعد میں قاری صاحب سے اس کی تصدیق کی گئی۔

(۶۰۸) حضرت شیخ سلطانؒ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بلند پایہ بزرگ تھے، وہ حضرت خواجہ سید آدم بنوریؒ (م ۱۳/ شوال ۱۰۵۴ھ مطابق ۳/ دسمبر ۱۶۴۴ء) کے خلیفہ تھے، اور خواجہ آدمؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ممتاز و مشہور خلیفہ ہیں، شیخ سلطان کا آبائی وطن پوکھریا تھا، جس کو بلیا بزرگ بھی کہتے ہیں، بعد میں وہ لکھمنیا منتقل ہو گئے، والد ماجد کا نام شیخ حبیب اللہ ہے، سلسلۂ نسب چند پشتوں تک اس طرح ہے: شیخ سلطان بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ طیب بن شیخ قاضی طیغور بن شیخ حضرت عرف شیخ جعفر بن شیخ میران بن شیخ نظام الدین بن شیخ ضیاء الدین بن شیخ قاضی عثمان بن شیخ قاضی نعمت اللہ بن شیخ حضرت مخدوم صلاح بن خواجہ عبدالرحمن غازی بن ابوبکر۔

شیخ سلطانؒ کی ولادت ۱۰۳۱ھ/ ۱۶۲۲ء میں پوکھریا کے مقام پر ہوئی، بارہ برس کی عمر تک اپنے گاؤں میں مقیم رہے، اسی اثناء کمسنی ہی میں آپ کا رشتہ اپنے حقیقی ماموں حاجی شکر اللہ صاحب کی صاحبزادی سے طے کر دیا گیا تھا، پھر آپ تعلیم کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے، وہاں حضرت شیخ علم اللہ نقشبندی رائے بریلویؒ آپ کے ہم درس ہوئے، تعلیم ظاہری سے فراغت کے بعد تعلیم باطنی کے لئے حضرت خواجہ آدم بنوریؒ سے رجوع کیا، اور سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کے مجاز ہوئے، حضرت ملا طاہر لاہوریؒ سے سلسلۂ قادریہ مجددیہ کی اجازت وخلافت حاصل کی، بعض حضرات کی رائے ہے کہ قادریہ اور نقشبندیہ دونوں نسبتیں حضرت آدم بنوریؒ سے حاصل ہوئیں، ممکن ہے کہ قادریہ مجددیہ کی اجازت دونوں بزرگوں سے ملی ہو۔==

== آپ کی طویل غیوبت سے گھر کے لوگ مایوس ہو گئے تھے، آپ کی کوئی خبر وخیریت معلوم نہیں تھی، اس لئے گھر والوں نے سوچا کہ زیادہ انتظار کرنا مناسب نہیں ہے، آپ کی منسوبہ لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دینا چاہئے، کہ اچانک تقریباً بارہ برس کے بعد ۱۰۵۴ھ/ ۱۶۴۴ء میں آپ مکان تشریف لے آئے، راستے ہی میں آپ کو دودھ پلانے والی دائی نے پہچان لیا، اور اس نے دوڑ کر گھر میں خبر دی کہ میرا ''سلو'' آیا ہے، کچھ دنوں کے بعد تقریب شادی انجام دی گئی---لیکن ایک دن آپ خاموشی کے ساتھ اپنی اہلیہ کو لے کر حسب ارشاد حضرت شیخ لکھمنیاں تشریف لائے، اور یہاں گنگا ندی (پہلے گنگا ندی ادھر ہی سے بہتی تھی) کے کنارے (موجودہ) پرانی مسجد سے پورب ایک ٹٹی کا مکان تیار کر کے اپنی اہلیہ کے ہمراہ قیام پذیر ہوئے، اس وقت یہاں کوئی آبادی نہیں تھی، صرف گھاٹ پر ایک دھوبن دوسری بستی سے آ کر کپڑے دھویا کرتی تھی، گھاٹ کا یا دھوبن کا نام لچھمنیا تھا، لیکن آپ کی تشریف آوری کے بعد اس بستی کا نام ''سلطان چک لکھن عرف لکھمنیا'' ہو گیا، آپ کی اولاد میں ایک شخص ''شاہ دست بند عرف لکھن میاں'' کی کچھ زمینیں یہاں قابل کاشت تھیں، لکھمنیا انہی کے نام سے منسوب ہوا۔

انہی دنوں اودھ کا رہنے والا ایک برہمن جس کا نام گھنشیام تھا، کشتی سے تجارت کا مال لے کر سلطان پور لکھمنیا کے قریب لنگر انداز ہوا، اتفاق سے طوفان آیا، اور اس کی کشتی پھنس گئی، اور غرق ہونے کے قریب ہو گئی، جب ساری تدبیر کر کے وہ تھک گیا، تو کسی کے مشورہ پر وہ دعا کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت کی دعا سے اس کی کشتی سلامت نکل آئی، اور وہ پورے خاندان کے ساتھ مسلمان ہو گیا، اس کا اسلامی نام عبداللہ اور اس کی بیٹی کا نام مشرفہ رکھا گیا، اس نے اپنی بیٹی کو آپ کی زوجیت میں قبول کرنے کی درخواست کی تا کہ ساری زندگی وہ خانقاہ کی جاروب کشی کرے اور آپ کی خدمت انجام دے سکے، حضرت نے اسے قبول فرمایا۔ شیخ عبداللہ (م ۱۱۴۰ھ / ۱۷۲۷ء) گو کہ شاعر نہیں تھے لیکن انہوں نے مستی میں یہ شعر کہا:

جھاڑی سے لوٹا بھئے اور رسوئیں سے طعام
گھنشیام سے عبداللہ بھئے یہ بدھنا کا کام

یہاں آپ کی تشریف آوری کے بعد رفتہ رفتہ آبادی پھیلنے لگی، بعض کاغذات سے معلوم ہوتا ہے علاقہ مالدہ تک سے لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے، پھر مسجد کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ آپ کی توجہ سے ۱۰۵۹ھ/ ۱۶۴۹ء میں خانقاہ سے قریب ایک مسجد تعمیر کی گئی، جو برسوں آپ کے زیر نگرانی آباد رہی، اور آج بھی آباد ہے۔

آپ صوفی اور عارف ہونے کے ساتھ باقاعدہ عالم دین بھی تھے، آپ اور حضرت شاہ علم اللہ الحسینیؒ ایک ہی استاذ کے شاگرد تھے، اس بات کا ذکر آپ کے سوانح نگاروں نے کیا ہے، اسی طرح آثارات پھلواری شریف المعروف بہ اعیان وطن میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ سلطانؒ نے پیر مجیبؒ کو خلافت نامہ باقاعدہ لکھ کر دیا تھا، اور وہ تحریری خلافت نامہ غالباً خانقاہ مجیبیہ میں موجود ہے، شیخ نے حضرت پیر مجیبؒ کو ۱۱۲۵ھ/ ۱۷۱۳ء میں سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت دی تھی۔

کے مزار پر حاضر ہوئے، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحبؒ کا بیان ہے، حضرت جب لکھمنیا میں داخل ہوئے، تو ایک خوبرو نوجوان عالم دین سے ملاقات ہوئی، اور خبر خیریت دریافت کرنے کے بعد انہوں نے کھانے کی دعوت پیش کی، حضرت نے فرمایا کہ آپ کی دعوت قبول ہے، لیکن ابھی دو تین بزرگوں کے یہاں حاضری دینی ہے، اس کے بعد ان شاء اللہ آپ کے یہاں آؤں گا، انہوں نے کہا کہ حضرت! آپ نے میرا مکان نہیں دیکھا ہے، حضرت نے فرمایا کہ میں تلاش کرلوں گا، یعنی کسی صورت میں حضرت اس وقت کہیں جانے کو تیار نہیں ہوئے، حضرت اس کے بعد ایک خانقاہ میں تشریف لے گئے، وہاں کوئی بزرگ تھے، ان سے کچھ دیر تک معرفت وطریق کی باتیں ہوئیں، پھر وہاں سے قریب ہی حضرت شیخ سلطانؒ کا مزار تھا، آپ کے ساتھ وہ بزرگ بھی مزار پر حاضر ہوئے اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے، یوں بھی پیدل چل کر دونوں آدمی تھک چکے تھے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں آنکھ بند کرنے یا مراقبہ وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، حضرت نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ یہاں کیسا لگ رہا ہے؟، ڈاکٹر صاحب نے کہا: بہت اچھا لگ رہا ہے، اور فیض مل رہا ہے، فاتحہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ اسی داعی کا آدمی بلانے کے لئے پہونچ گیا، پھر حضرت اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور ہم لوگ کھانے سے فارغ ہوئے (۶۰۹)۔

==حضرت شیخ سلطانؒ کی وفات ۲۷/ رجب المرجب ۱۱۲۶ھ مطابق ۷/ اگست ۱۷۱۴ء (اور ایک روایت کے مطابق ۱۱۰۶ھ/ ۱۶۹۵ء) میں ہوئی، مزار مبارک لکھمنیا میں مسجد سلطانیہ سے متصل ایک چھوٹے سے احاطے میں ہے، آپ کے خلفاء میں آپ کے داماد حضرت حافظ حمید الدین ساکن بہار شریف (جن کی شادی یکے بعد دیگرے آپ کی دو بیٹیوں سے ہوئی) اور حضرت پیر مجیبؒ پھلواری شریف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، شیخ سلطانؒ کی پسری اور دختری دونوں نسل آج بھی جاری ہے، ممکن ہے کہ ان کے خاندان میں روحانی سلسلہ بھی قائم ہو، البتہ روحانی سلسلہ حضرت پیر مجیبؒ سے یقیناً جاری ہے (ماخوذ از کتاب ''آثارات پھلواری شریف المسمیٰ بہ اعیان وطن ص ۱۳۱ مؤلفہ حضرت حکیم محمد شعیب نیرؔ پھلورویؒ ☆ وکتاب شیخ سلطان لکھمنیاوی مجددی نقشبندیؒ - حیات وخدمات (کل صفحات ۱۳۲) مؤلفہ پروفیسر شاہ غلام سلطانی سبکدوش صدر شعبہ اردو بی این وی کالج مدھے پورہ بہار، ناشر: فردوس پبلی کیشنز، لکھمنیا بیگوسرائے اگست ۲۰۱۲

(نوٹ) واضح رہے کہ یہ کتاب بہت سے خاندانی کاغذات ودستاویزات، نیز ایک قدیم دستاویزی کتاب ''گلدستۂ ریاض سلطانی، ہدیہ بیاض عثمانی المعروف بہ تاریخ سلطانی'' مؤلفہ شاہ محمد عثمان خورد کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی ہے، اور مصنف نے ماشاء اللہ کافی محنت کی ہے، ایک بار میرے سفر لکھمنیا کے موقعہ پر مصنف مدظلہ نے یہ کتاب مجھے ہدیہ کے طور پر پیش فرمائی تھی)

(۶۰۹) قلمی خودنوشت یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن ص ۳۔

(٥)

مکاشفات والہامات

(ا) کشف قبور-اصحاب قبور کے احوال

حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ نے مجھ سے حضرت مولانا محمود احمد نستویؒ (نستہ ضلع دربھنگہ) کے حوالے سے بیان فرمایا کہ حضرت منورویؒ کو کشف صدور کے ساتھ کشف قبور بھی بہت ہوتا تھا۔

جناب مولوی ولی اصغر صاحبؒ (لوٹیاباری، ضلع پورنیہ) بیان کرتے تھے کہ حضرت اصحاب قبور سے بھی اسی طرح متعارف تھے، جس طرح انسان زندہ لوگوں سے متعارف ہوتا ہے، کسی صاحب قبر کے پاس سے آپ گذرتے تھے تو اس کا پورا حسب ونسب آپ بیان کردیتے تھے(٦١٠)۔

قبروں کے احوال کا منکشف ہونا حدیث سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اس قسم کے انکشافات ہوئے تھے تو اگر آپ کی غلامی کی بدولت آپ کی امت کو بھی اس نسبت کا پرتو حاصل ہو تو کچھ مستبعد نہیں، البتہ اس کے لئے ظرف کی ضرورت ہے، تحمل کی طاقت نہ ہو انسان ہلاک بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لو علمتم ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا. (٦١١)

ترجمہ: جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو ہنسو گے کم اور روؤ گے زیادہ۔

(٦١٠) جناب ولی اصغر صاحبؒ کے حوالے سے یہ بات میرے والد ماجد نے سنائی --- اور تقریباً یہی بات میرے نانا جان حضرت حاجی جمیل صاحبؒ نے بھی میرے والد صاحب کو بتائی، حاجی جمیل صاحبؒ کہتے تھے کہ حضرت منورویؒ کی مجلس میں کسی بزرگ کا تذکرہ آتا تو اس کا پورا حسب ونسب مع تاریخ ولادت ووفات بیان فرمادیتے تھے، جیسے کہ انہوں نے حال ہی میں ان کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا ہو، مگر اس میں ایسے بزرگان مرحومین بھی شامل تھے جن کا کوئی تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا۔

(٦١١) الجامع الصحيح ج 1 ص 354 حديث نمبر: 997 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة—بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ مناویؒ نے لکھا ہے کہ بعض صوفیاء کو بھی اس قسم کے مکاشفات ہوتے ہیں، اور یہ ان لوگوں کے لئے قابل تحمل ہے جن کی جسمانیت پر روحانیت غالب آ چکی ہو، پھر روحوں کے احوال سے ان کو دہشت نہیں ہوگی:

وفيه أن الكشف بحسب الطاقة ومن كوشف بما لا يطيقه هلك تنبيه : قال بعض الصوفية : الاطلاع على المعذبين والمنعمين في قبورهم واقع لكثير من الرجال وهو هول عظيم يموت صاحبه في اليوم والليلةموتات ويستغيث ويسأل الله أن يحجبه عنه وهذا المقام لا يحصل للعبدإلابعدغلبةروحانيته على جسمانيته حتى يكون كالروحانيين فالذين خاطبهم الشارع هناهم الذين غلبت جسمانيتهم لامن غلبت روحانيتهم والمصطفى صلى الله عليه وسلم كان يخاطب كل قوم بما يليق بهم. (٦١٢)

ملا علی قاری نے بھی قریب یہی بات لکھی ہے:

وفيه أن الكشف بحسب الطاقةومن كوشف بما لايسعه يطيح ويهلك وقال ابن حجر ووجه هذا التلازم أن الكشف عن ذلك العذاب يؤدي جهلة العامة إلى ترك التدافن خوفا عليهم منه ويؤدي الخاصة إلى اختلاط عقولهم وانخلاع قلوبهم من تصور ذلك الهول العظيم فلايقربون جيفةميت. (٦١٣)

اہل اللہ فوت شدہ لوگوں کے احوال معلوم کر سکتے ہیں

محققین صوفیاء کے نزدیک بھی یہ مستبعد نہیں ہے، اولیاء اللہ توجہ و مراقبہ کے ذریعہ پچھلے بزرگوں کے احوال اور نسبتیں معلوم کر سکتے ہیں، البتہ مشائخ نقشبندیہ کو اس میں خصوصی مہارت ہوتی ہے، (٦١٤) کہا جاتا ہے کہ حضرت مولانا شاہ فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کو کشف قبور میں کمال حاصل تھا (٦١٥)،

(٦١٢) **فيض القدير ج 5 ص 435 المؤلف : زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي المناوي (المتوفى : 1031هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع.**

(٦١٣) **مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج 1 ص 461 المؤلف : الملا علي القاري، علي بن سلطان محمد (المتوفى : 1014هـ) المصدر : موقع المشكاة الإسلامية.**

(٦١٤) فتاویٰ حقانیہ ج ٢ ص ٢٥٦، ٢٥٧ مجموعۂ افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب و دیگر مفتیان دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پاکستان، ناشر دارالعلوم حقانیہ۔

(٦١٥) امداد الفتاویٰ ج ٥ ص ١٥٨، حضرت مولانا تھانویؒ۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس کا ایک طریقہ بھی تحریر فرمایا ہے:

اما الاطلاع علیٰ نسبة اهل الله فطريقه ان يجعل بين يديه ان كان حياً وقبره ان كان ميتاً ويفرغ نفسه عن كل نسبة ويفضي بروحه الیٰ روح هٰذا الشخص زماناً. (۶۱۶)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی لکھا ہے کہ اہل اللہ میت کی طرف توجہ کے ذریعہ اس کے احوال معلوم کر سکتے ہیں، اور کبھی خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں (۶۱۷)۔

اس ضمن میں حضرت منورویؒ کے بعض واقعات پیش کئے جاتے ہیں:

ایک مجذوب کی قبر

☆ پروفیسر محمد علی نیازی صاحب کا بیان ہے کہ جناب حاجی وراثت حسین صاحبؒ سابق سکریٹری انجمن خدام ملت قلعہ گھاٹ دربھنگہ کے مکان کے احاطے میں ایک خام قبر تھی، نیازی صاحب نے بھی اسے دیکھا تھا، حضرت نے فرمایا کہ وہ ایک مجذوب کی قبر ہے، اور حاجی وراثت نے خود انہیں دفن کیا تھا (۶۱۸)۔

شادپور (ضلع کھگڑیا) میں ایک پختہ قبر کا معاملہ

جناب ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب عرف "بوّا ڈاکٹر" (صلحا بزرگ ضلع سمستی پور) نے اپنی یادداشت میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ:

"ایک بار میرا سفر حضرت کے ساتھ جلکوڑہ، پھر جلکوڑہ سے لکھمنیا اور اس کے بعد لکھمنیا سے بذریعہ ٹرین پورنیہ کا ہوا، جلکوڑہ سے لکھمنیا جاتے ہوئے بذریعۂ کشتی گنڈک ندی پار کی، ندی عبور کرنے کے بعد راستے میں ایک گاؤں "شادپور" واقع ہے، سڑک سے متصل ایک پختہ قبر ملی، اور اسی سے متصل ایک کنواں بھی تھا، سخت گرمی کا موسم تھا، تیز دھوپ تھی، میں نے کہا کہ حضرت! یہ شاید کسی بزرگ کی قبر ہے، تھوڑی دیر یہیں بیٹھ جائیں، حضرت نے فرمایا کہ یہاں سے جلدی نکلو آگ کا شعلہ نکل رہا ہے، حضرت

---

(۶۱۶) فتاویٰ حقانیہ ج ۲ ص ۲۵۶، ۲۵۷ مجموعۂ افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب ودیگر مفتیان دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پاکستان، ناشر دار العلوم حقانیہ، بحوالہ شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۱۱۶ مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(۶۱۷) امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵۸، حضرت مولانا تھانویؒ۔

(۶۱۸) قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۲۔

یہ بولتے ہوئے آگے بڑھ گئے، لیکن میں وہیں بیٹھ گیا کہ کسی مقامی شخص سے معلوم کروں کہ یہ کس کی قبر ہے؟ اتفاق سے ایک بوڑھا شخص گذر رہا تھا، میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ تو اس نے بتا یا کہ یہ ایک بوڑھی عورت کی قبر ہے، میں نے پوچھا وہ کیا کرتی تھی، اس شخص نے کہا کہ وہ ایک طوائف تھی، جب اس کا انتقال ہوگیا تو اسی کے پیسے سے یہ پختہ قبر بنادی گئی، اور جو پیسہ بچ گیا اس سے یہ کنواں تیار کیا گیا،--- میں یہ سن کر حیران رہ گیا، میں نے جا کر حضرت سے درخواست کی کہ حضور! اس آگ کو ٹھنڈا کیجئے، میں نے بہت اصرار سے یہ بات کہی تو حضرت نے اسے قبول کیا اور فرمایا، ٹھیک ہے، میں دعا کرتا ہوں، تم آمین کہو" پھر حضرت نے اطمینان کا اظہار کیا اور ہم لوگ وہاں سے آگے بڑھے" (۶۱۹)۔

میت سے آواز آئی

☆ جناب محی الدین صاحب (منورواشریف) کا انتقال ہوا، جو رشتہ میں آپ کے ساڑھو (ہم زلف) ہوتے تھے، جنازہ کی نماز حضرت منورویؒ نے پڑھائی، جنازہ کے بعد حضرت نے بیان فرمایا کہ میں جنازہ کے لئے آگے بڑھا تو میت سے آواز آئی کہ ذرا اطمینان اور توجہ کے ساتھ میرے لئے دعائے مغفرت کیجئے (۶۲۰)۔

(۲) کشف صدور

کشف صدور کا مطلب ہے دلوں کے احوال اور خیالات کو پڑھ لینا، یہ چیز اختیاری نہیں ہے، لیکن اللہ کے فضل سے کبھی کبھی بزرگوں کو ایسے امور کا بھی انکشاف ہوتا ہے، حضرت منورویؒ کے یہاں بھی اس طرح کے بہت واقعات موجود ہیں، جناب ڈاکٹر عبدالرحمن صاحبؒ (صلحابزرگ) نے اپنی قلمی یادداشت میں لکھا ہے کہ:

> "کشف کا مادہ بے حد تھا، وہ سمجھتے تھے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، اور وہ فوراً کہہ دیتے تھے، حیرت وتعجب ہوتا تھا، کبھی کبھی میں ڈر جاتا تھا، لیکن وہ اپنی شفقت ومحبت سے گھبراہٹ کو دور کردیتے تھے، اور کہتے کہ یہ کوئی خاص بات نہیں ہے" (۶۲۱)

---

(۶۱۹) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب صلحاویؒ ص ا۔

(۶۲۰) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے جناب غنیمت حسین مرحوم کے حوالے سے بیان فرمایا، غنیمت مرحوم جنازہ میں شریک تھے، اور حضرت منورویؒ نے ان سے یہ بات ارشاد فرمائی تھی۔

(۶۲۱) قلمی خودنوشت یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن ص ا۔

ایک نو وارد کی آمد کی پیشگی اطلاع اور تصرف کا عجیب واقعہ

☆ جناب اظفر الکوثر خان صاحب (گوری ضلع سیتامڑھی) نے بھی آپ کے کشف وتصرف کے کئی واقعات نقل کئے ہیں، کوئی شخص آپ کے پاس حاضری کے ارادہ سے روانہ ہوتا تو اکثر اس کے روانہ ہوتے ہی آپ کو خبر ہوجاتی تھی، اور آپ اس کی تیاری شروع فرمادیتے تھے، چنانچہ جب وہ پہلی بار منورواشریف حاضر ہوئے، تو انہوں نے حضرت کو نہیں دیکھا تھا، اور نہ حضرت ان کو جانتے تھے، انہوں نے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے بعض اساتذہ (مولانا تسلیم صاحب وغیرہ) سے صرف حضرت کا نام سنا تھا، اور حاجی منظور صاحب سے پتہ معلوم کرکے منورواشریف کے لئے روانہ ہوئے، اس سے آگے کا قصہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

''یہ عاجز منورواشریف کے لئے روانہ ہوگیا، لہریا سرائے اسٹیشن پر بیٹھ کر ایک ایک بات

ع کاغذ پر رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کر

کو میں نے دل کے کھٹکے، وساوس اور شیطانی خطرات وغیرہ کو زیر تحریر کرلیا، تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہ جائے، جب حسن پورا اسٹیشن گاڑی پہونچنے والی تھی، کہ اچانک ایک صاحب ڈبہ میں داخل ہوئے اور مجھ سے پوچھا کیا آپ منورواشریف جائیں گے؟ میں نے کہا، ہاں! وہ بولے ایک صاحب رکشہ سے جارہے ہیں، آپ اس پر بیٹھ جائیں، اسٹیشن پر گاڑی رکی اور میں ان کے ساتھ رکشہ اسٹینڈ تک پہونچا، اس اجنبی نے مجھے ناشتہ چائے پان پیش کیا، اور پھر بولے چلئے میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں، ایک صاحب رکشہ پر پہلے ہی سے بیٹھے تھے، ہم دونوں آدمی رکشہ پر بیٹھ گئے، اور بتھان بازار پہونچ کر ہم تینوں رکشہ سے اتر گئے، اب یہاں سے پیدل کا دشوار گذار سفر شروع ہوتا ہے، اور پیدل چلنے کے علاوہ کوئی دوسری صورت سواری کی نہیں تھی، سخت گرمی کا موسم، رات اندھیری، کھیت، آڑ باندھ طے کرتے ہوئے افتاں وخیزاں منورواشریف کی حد میں پہونچ گئے، اوران دونوں اجنبی نے اشارہ سے حضرت عارف باللہ (حضرت منورویؒ) کا مکان بتایا، اور ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کبھی ملاقات نہ ہوسکی، میرے لئے نئی جگہ تھی، اندھیری رات تھی، ناآشنا سے ملنا تھا، دل میں دھڑکن تھی اور کیفیت عجیب پریشان کن تھی، نہایت دھیرے دھیرے چل کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا، تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، اور نور کا ایک سراپا میرے

سامنے تھا، بدحواسی کے عالم میں میں کھڑا ہو گیا، فرمایا بیٹھ جایئے، ایک لوٹا پانی لا کر رکھا اور حکم ملا کہ آپ نے ظہر، عصر اور مغرب کی نماز ادا نہیں کی ہے، قضا پڑھ لیجئے، عشا و ظہر کی دو دو اور مغرب کی تین ---- بعد فراغت نماز حضرت نے کھانا کھلایا اس کے بعد بستر کی طرف اشارہ فرمایا، یہاں سو جایئے، کھٹمل اور مچھر نہیں ہیں، تھکا ماندہ تھا نیند جلدی آ گئی، ---صبح نماز اور اطمینان کے بعد خیر و عافیت دریافت فرمایا، اور تعارف ہوا، اس کے بعد لہیر یا سرائے اسٹیشن پر جو کچھ میں نے نوٹ کیا تھا اس کے متعلق فرمایا کہ میرا خط میرے حوالے کیجئے، میری تحریر کا دیر تک مطالعہ فرماتے رہے، اور دھیرے دھیرے بولتے رہے یہ بھی ہو گیا، وہ بھی ہو گیا، سب ہو گیا، بات ہماری سمجھ سے باہر تھی (۶۲۲)۔

یہ بیعت کے لئے نہیں، بندوق کی لائسنس کے لئے آیا ہے

☆ حضرت علی احمد ناظر صاحب (سیوان) نے بیان فرمایا کہ ایک بار میں حضرت کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص مونگیر سے حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میں حضور سے بیعت کے لئے حاضر ہوا ہوں، حضرت نے غور سے اس شخص کو دیکھا اور فرمایا کہ جایئے آپ پہلے اپنے ہاتھ اور چہرہ کو دھو کر آیئے، جب وہ مجلس سے چلا گیا تو حضرت نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا، کہ یہ شخص تو بندوق کی لائسنس کے لئے آیا ہے، بیعت کے لئے نہیں، ناظر صاحب حیران ہو گئے، وہ شخص حضرت کے پاس دو روز ٹھہرا، جب کچھ بے تکلف اور مانوس ہو گیا تو اس نے مجھ سے کہا، میں ایک کام سے آیا ہوں اگر حضرت چاہیں گے تو یہ کام ہو جائے گا، میں نے پوچھا وہ کون سا کام ہے؟ اس نے کہا، ایک بندوق کی لائسنس لینا چاہتا ہوں، اگر حضرت کمشنر کے پی اے صاحب کو کہہ دیں گے تو میرا کام ہو جائے گا، میں نے اس کی بات حضرت کے سامنے پیش کی، تو آپ نے فرمایا، کہہ دیجئے، بیچارے کا کام ہو جائے گا (۶۲۳)۔

آپ کے بچے گھبراتے ہونگے

☆ جناب علی احمد ناظر صاحب کا بیان ہے کہ میں ایک بار منورواشریف میں حضرت کی مجلس میں خاموش بیٹھا تھا، اور دل میں بال بچوں اور اہلیہ کو تنہا چھوڑ کر آنے کا خیال پریشان کر رہا تھا، حضرت

(۶۲۲) الاکلیل ص ۲۳۶، ۲۳۷ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب اظفر الکوثر خان صاحبؒ

(۶۲۳) الاکلیل ص ۲۴۲، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب علی احمد ناظر صاحب، میرے والد ماجد نے بھی یہ قصہ سنایا ہے۔

نے فوراً کہا: ناظر بابو! آپ کی اہلیہ اور بچے سب گھبراتے ہونگے، ابھی واپس جانے کا وقت ہے، آپ چلے جائیں، میں بڑا شرمندہ ہوا (۶۲۴)۔

مجلس ذکر میں ایک شخص تعویذ کی نیت سے حاضر ہوا

☆ جناب علی احمد ناظر صاحب ہی نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مریدین کی ایک جماعت مسجد کے صحن میں ذکروفکر میں مشغول تھی، جس میں حاجی منظور صاحب بھی تھے، حافظ یسین صاحب (ساکن کنہواں ضلع سیتامڑھی) بھی وہاں آگئے تھے، حضرت نے اچانک اشراف باطن سے فرمایا، ناظر صاحب! کاغذ ہے لائیے، کاغذ پیش کیا گیا، آپ نے فرمایا، حافظ صاحب کے سامنے رکھ دیں، میں انہیں ایک تعویذ لکھا دیتا ہوں، انہیں کام آئے گا، حضرت نے بتایا اور حافظ صاحب نے تعویذ لکھ لی، پھر حضرت سے اجازت لے کروہ چلے گئے، میں حافظ صاحب کے ساتھ کچھ دور تک گیا، حافظ صاحب نے مجھ سے خود کہا، بڑی خجالت ہوئی، میں سوچ رہا تھا کہ اگر حضرت تعویذ لکھوا دیتے تو میں چلا جاتا اور ایسا ہی ہوا، جب میں نے حضرت سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا جس کی نیت تعویذ کی ہو اس کو کیا فائدہ ہوگا؟ (۶۲۵)۔

ایک دعوت میں آپ دسترخوان سے اٹھ گئے

☆ حضرت علی احمد ناظر صاحب کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت کو ناشتہ کی دعوت دی، اور حضرت احباب کے ہمراہ اس کے یہاں تشریف لے گئے، ناشتہ دسترخوان پر لگ گیا پھر آپ دفعتاً دسترخوان سے اٹھ گئے، میزبان کو بڑی تکلیف ہوئی، لوگ بھی حیرت میں تھے کہ ایسا کیوں ہوا؟ میں نے ہمت کر کے حضرت سے اس کی وجہ پوچھی تو حضرت نے فرمایا اس نے مال غصب سے ناشتہ کا انتظام کیا تھا، تحقیق کی گئی تو بات درست نکلی (۶۲۶)۔

آگے پولیس والے اتار دیں گے

☆ جناب علی احمد ناظر صاحب ہی بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت پر یہار (ضلع سیتامڑھی) تشریف لے گئے، بیلا تھانہ کے داروغہ جنک بابو حضرت کے بڑے عقیدت مند تھے، وہ بھی آگئے،

(۶۲۴) الاکلیل ص ۲۴۲، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون حضرت علی احمد ناظر صاحب۔

(۶۲۵) الاکلیل ص ۲۴۳، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون حضرت علی احمد ناظر صاحب۔

(۶۲۶) الاکلیل ص ۲۴۳، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب علی احمد ناظر صاحب۔

حضرت کو پریہار سے دربھنگہ واپس آنا تھا، مجھے حضرت نے اپنے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا، میں نے جلدی سے فرصت لی اور ہم لوگ تیار ہوکر بس اسٹینڈ پر آگئے، بہت سارے لوگوں کے علاوہ جنک بابو داروغہ بھی حضرت کو رخصت کرنے اسٹینڈ تک آگئے تھے، داروغہ جی نے ڈرائیور کو حاکمانہ لہجہ میں ہدایت کی کہ یہ میرے دومہمان ہیں ان کو سیتامڑھی تک آرام کے ساتھ لے جاؤ، ڈرائیور نے آگے دوسیٹ جو آرام دہ تھی مخصوص کردیا، ہم لوگ بیٹھ گئے، بس کھلنے میں کچھ دیر تھی، سب لوگ کھڑے تھے، حضرت نے مجھ سے کہا، پولیس والے آگے ہم لوگوں کو اس سیٹ سے اتار دیں گے، میں نے داروغہ جی سے حضرت کی بات نقل کی، جنک بابو نے جواب دیا نہیں سرکار! کوئی آپ کو نہیں اتارے گا، میں ڈرائیور سے پھر کہہ دیتا ہوں، بس کھلی، کچھ دیر تک چلتی رہی، ایک جگہ ایک پولیس آفیسر اپنی وردی میں کھڑا تھا، اس نے گاڑی روک دی اور ڈرائیور کو حکم دیا کہ آگے کی سیٹ خالی کردو، ڈرائیور نے کہا، حضور! یہ بیلا تھانہ کے داروغہ جنک بابو کے خاص مہمان ہیں، آخر کار مجھے حضرت کو تنہا چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا پڑا (۶۲۷)۔

حاجی منظور صاحب تیار ہونے کے بعد کیوں نہیں آئے؟

☆ حضرت علی احمد صاحب ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حاجی منظور صاحب سے ملنے کے لئے دربھنگہ پہونچا، پھر ہم دونوں نے حضرت کی زیارت کے لئے منورواشریف کا پروگرام بنالیا، پوری ترتیب بن گئی، لیکن عین وقت پر حاجی منظور صاحب نے اپنا پروگرام منسوخ کردیا، اور فرمایا کہ علی احمد! تم تنہا چلے جاؤ، چنانچہ میں تنہا منورواشریف حاضر ہوا، جب حضرت کے مکان پر پہونچا تو حضرت نے فرمایا، حاجی منظور صاحب تیار ہونے کے بعد کیوں نہیں آئے؟ اور آپ کو تنہا کیوں روانہ کردیا؟ میں آپ کا انتظار کررہا تھا، آیئے (۶۲۸)۔

میں نے مرغ کا پروگرام بدل دیا ہے

☆ جناب علی احمد صاحب بیان فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ برسات کے موسم میں بہ ہزار دقت و پریشانی میں منورواشریف حاضر ہوا، حضرت نے مرغ کا انتظام کیا اور فرمایا کہ غسل وغیرہ کرلو تو گوشت کو کانٹ چھانٹ کیا جائے گا، جس وقت میں نل پر غسل کررہا تھا تو دیکھا کہ مچان پر بڑے بڑے گھیورے لٹک رہے ہیں، اس کا بھرتہ بڑا عمدہ ہوگا، میں غسل کرہی رہا تھا کہ حضرت وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا کہ ناظر بابو! میں نے مرغ کا پروگرام بدل دیا ہے، ابھی میں اسی گھیورے کا بھرتہ آپ کو کھلاؤں

(۶۲۷) الاکلیل ص ۲۴۳، ۲۴۴ مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب علی احمد ناظر صاحب۔

(۶۲۸) الاکلیل ص ۲۴۴، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب علی احمد ناظر صاحب۔

گا، مجھے بڑا افسوس ہوا کہ میری حماقت سے مرغ چھوڑ کر بھرتہ پر اکتفا کرنا پڑا، اسی افسوس میں تھا کہ حضرت نے کہا کہ مرغ شام کو کھلاؤں گا، اور حضرت مسکرانے لگے (۶۲۹)۔

تمہارا بھائی مجھے گالی دے رہا ہے

☆ جناب محی الدین صاحب مرحوم (مقام لادھ کپسیا ضلع سمستی پور، جو رشتہ میں حضرت منورویؒ کے برادر نسبتی ہوتے تھے) نے راقم الحروف سے بیان کیا، کہ ایک مرتبہ وہ، جناب محمد موسیٰ صاحب مرحوم (مقام لادھ کپسیا، جو حضرت کے اپنے برادر نسبتی تھے) اور جناب حاجی ابراہیم صاحب مرحوم (منورواشریف، یہ بھی رشتہ میں حضرت کے برادر نسبتی اور ہم زلف ہوتے تھے) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت کچھ تصوف اور کچھ اپنے بارے میں ارشاد فرمانے لگے، ہم تینوں آدمی حضرت کے روبرو بیٹھے تھے، اچانک حضرت نے حاجی ابراہیم صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: ابراہیم! تمہارا بھائی مجھے گالی دے رہا ہے، میں نے فوراً عرض کیا کہ حضرت دائیں یا بائیں؟ جناب موسیٰ صاحب بائیں طرف تھے، آپ نے فرمایا، بائیں، جناب موسیٰ صاحب سناٹے میں آگئے، وہ من ہی من میں سوچ رہے تھے کہ یہ یوں ہی ڈینگ رہے ہیں، جناب موسیٰ صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ حضرت کی اس بروقت تنبیہ کی ہیبت سے ان کو پیشاب نکل آیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ حضرات کافی خائف اور محتاط رہنے لگے تھے۔

(۳) کشف نور-حجابات اٹھ گئے

کشف صدور اور کشف قبور کے ساتھ کشف نور کے بھی بڑے واقعات حضرت منوروی کے بارے میں منقول ہیں، کشف نور میں حجابات اٹھ جاتے ہیں، اور ماورائے نظر چیزیں مشاہدہ میں آنے لگتی ہیں۔

☆ ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب (صلحا بزرگ) کا بیان ہے کہ ایک بار میں تنہا منوروا شریف خانقاہ میں حاضر ہوا، آپ کچھ دین کی باتیں کرنے لگے، اور کچھ دیر کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ سامنے والی دیوار موجود نہیں ہے، میرے سامنے کوئی بڑا سا میدان ہے، جو خوشنما پھولوں اور درختوں سے بھرا ہوا ہے، اور وہ جھوم رہے ہیں، چار بجے دن کا وقت تھا، میں نے گھبرا کر اپنا چشمہ اتارا، آنکھیں ملیں، چشمہ کو صاف کیا، مگر وہ منظر بدستور قائم رہا، مجبوراً حضرت سے دریافت کیا کہ میں ایسا ایسا دیکھ رہا ہوں، حضرت

(۶۲۹) الاکلیل ص ۲۴۴، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب علی احمد ناظر صاحب۔

نے میری گھبراہٹ محسوس کرلی، فرمایا کوئی خاص بات نہیں ہے، فکر نہ کریں، پھر وہ منظر غائب ہوگیا(۶۳۰)۔
قاری عثمان صاحب کو توجہ کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو زیارت حاصل ہوئی، وہ بھی کشف نورہی کی ایک قسم ہے، جس میں حجابات اٹھ گئے اور مدینہ پاک کا مشاہدہ شروع ہوگیا۔

منورواشریف سے مصرولیا نظر آیا

☆ جناب اظفر الکوثر خان صاحب کا بیان ہے کہ:
''میں ایک مرتبہ منورواشریف حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، دوران گفتگو اچانک حضرت قطب عالم نے فرمایا کہ'' ارے! حاجی منظور گر گئے--- میں ادھر ادھر دیکھنے لگا، بھاری بھرکم جثہ والا آدمی، شبہ ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ باندھ سے نیچے اترتے ہوئے پاؤں پھسل گیا ہو، اور گر پڑے ہوں، باہر نکل کر دیکھا، بہت دور تک نظر دوڑائی، لیکن حاجی صاحب کہیں نظر نہیں آئے، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حاجی صاحب کہیں نظر تو نہیں آرہے ہیں؟ فرمایا وہ دیکھو! اتنا کہنا تھا کہ منوروا سے لے کر مصرولیا تک تقریباً سو(۱۰۰) کلومیٹر کی دوری سمٹ گئی، کوئی حجاب و پردہ درمیان میں نہیں رہا، میں نے صاف طور پر دیکھا کہ لوگ حاجی صاحب کو اٹھا کر بستر پر لٹا رہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد میرے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ لاکھوں میل کی مسافت فقیر لئے کوئی معنیٰ نہیں رکھتی(۶۳۱)۔

''فوج لاہور چلی گئی تھی''

☆ ہندو پاک جنگ کے دوران کسی نے حضرت سے جنگ بندی کی دعا کی درخواست کی، آپ نے دعا فرمائی، اور ارشاد فرمایا کہ''فوج لاہور چلی گئی تھی'' یہ پیغمبر پور ضلع دربھنگہ میں حضرت کی تشریف آوری کے موقعہ کی بات ہے(۶۳۲)۔

۞ ۞ ۞

(۶۳۰) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبد الرحمن صاحب ص ۳، اسی موقعہ پر ڈاکٹر صاحب نے حضرت سے بیعت کی درخواست کی تھی مگر حضرت نے فرمایا کہ مرید ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم کو میرا فیض ملتا رہے گا۔
(۶۳۱) الاکلیل ص ۲۳۸، ۲۳۹ مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب۔
(۶۳۲) قلمی یادداشت پروفیسر محمد علی صاحب نیازی ص ۲۔

(۶)

باطنی تصرفات

اہل اللہ کے یہاں تدبیر ظاہر کے ساتھ تصرف باطنی کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے، اسی لئے بسا اوقات عام لوگوں کی تدابیر کارگر نہیں ہوتیں اور اہل اللہ کا عمل تیر بہ ہدف ثابت ہوتا ہے۔

تصرف باطنی کی حقیقت اور ثبوت

دراصل اللہ پاک اپنے خاص بندوں کی لاج رکھتے ہیں اور بہت سے ایسے کام بھی ان کے ذریعہ پورا کراتے ہیں جو عام حالات میں بظاہر ممکن نظر نہیں آتے، ایک حدیث میں ہے:

فقال النبي صلى الله عليه وسلم إن من عباد الله من لو أقسم على الله لأبره. (۶۳۳)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں، جو اللہ کے اوپر (بطور ناز) قسم کھالیں تو اللہ پاک ضرور ان کی لاج رکھیں گے۔

اسی کے ساتھ ایک بات اور شامل کریں کہ اہل اللہ کو اللہ پاک کی ذات اقدس پر ایک خاص یقین واعتماد حاصل ہوتا ہے، اور جب اس یقین کے ساتھ کوئی بات وہ کہتے ہیں یا کوئی عمل کرتے ہیں تو اللہ پاک اس کو خالی نہیں جانے دیتے، بلکہ معیت الٰہی اس میں اثر انداز ہوتی ہے، اور نہ ہونے والا کام بھی اللہ پاک کی عنایت خاصہ سے ہوجاتا ہے، ایک حدیث میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

قال النبي صلى الله عليه وسلم (يقول الله تعالى أنا عند ظن عبدي بي وأنا معه إذا ذكرني. (۶۳۴)

---

(۶۳۳) صحيح البخاري ج2ص 961 حديث نمبر: 2556 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة—بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987
تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

(۶۳۴) صحيح البخاري ج6ص 2694 حديث نمبر: 6970 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة—بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987
تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندہ کے گمان کے پاس رہتا ہوں، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو اس کو میری معیت حاصل ہوتی ہے۔

اسی کو صوفیا کی اصطلاح میں تصرف باطنی کہتے ہیں، اس میں بڑا دخل قوت قلبیہ کا بھی ہوتا ہے، اہل اللہ اپنے قلب کی طاقت سے کیفیات کو تبدیل کر دیتے ہیں، اور اس کا ثبوت حدیث پاک میں موجود ہے:

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّي فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هَذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَأَمَرَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَآ فَحَسَّنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِي نَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَرَقًا الحديث. (۶۳۵)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مسجد میں تھا، ایک شخص نے آ کر نماز پڑھی، اور قرآن مجید کی اس طرح تلاوت کی جس کو میں نے غلط سمجھا، (اس لئے کہ مجھے دوسری طرح یاد تھا)، پھر ایک دوسرا شخص آیا اس نے اسی آیت کو اور طرح پڑھا، نماز کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا، آپ نے دونوں سے قرآن سنا، اور پھر دونوں کو درست قرار دیا، میرے دل میں تکذیب کی عجیب کیفیت (درجۂ وسوسہ میں) پیدا ہوئی، عہد جاہلیت سے بھی شدید تر، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب میری یہ بڑھتی ہوئی کیفیت محسوس کی تو میرے سینہ پر ہاتھ مارا، جس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ ہو گیا، اور خوف سے میری یہ حالت ہوئی کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے ان سب قرأتوں کی وجہ تحسین بتائی کہ ان سب طریقوں سے پڑھنے کی اجازت ہے۔

اس حدیث میں بالارادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرب لگائی جس سے صحابی کی پچھلی حالت ختم ہوئی،

---

(۶۳۵) الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 2 ص 202 حديث نمبر : 1941 المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات.

اور باری تعالیٰ کے مشاہدہ کی کیفیت پیدا ہوئی، اسی کا نام تصرف ہے۔

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پہلی وحی کے نزول کی روایت منقول ہے، جس میں حضرت جبرئیلؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پڑھنے کو کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو تین بار دبایا، جس سے آپ میں پڑھنے کی قوت پیدا ہوئی، اور پھر اس کی شدت سے بخار آ گیا، ظاہر ہے کہ یہ بھی تصرف باطن ہی تھا:

فجاءه الملك فقال اقرأ قال (ما أنا بقارئ). قال: (فأخذني فغطني حتى بلغ مني الجهد ثم أرسلني فقال اقرأ قلت ما أنا بقارىء فأخذني فغطني الثانية حتى بلغ مني الجهد ثم أرسلني فقال اقرأ فقلت ما أنا بقارىء فأخذني فغطني الثالثة ثم أرسلني فقال (اقرأ باسم ربك الذي خلق. خلق الإنسان من علق. اقرأ وربك الأكرم). فرجع بها رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجف فؤاده فدخل على خديجة بنت خويلد رضي الله عنها فقال (زملوني زملوني). فزملوه حتى ذهب عنه الروع الحديث. (۶۳۶)

اہل اللہ عطائے نسبت اور سلب نسبت دونوں کی طاقت رکھتے ہیں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''اہل اللہ جس طرح نسبت کے عطا کرنے پر کامل طاقت رکھتے ہیں اور تھوڑے وقت میں طالب صادق کو حضور و آگاہی بخش دیتے ہیں، اسی طرح نسبت کے سلب کرنے میں بھی پوری طاقت رکھتے ہیں، اور ایک ہی بے التفاتی سے صاحب نسبت کو مفلس کر دیتے ہیں، ہاں سچ ہے جو دیتے ہیں وہ لے بھی لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے غضب اور اپنے اولیاء کرام کے غضب سے بچائے'' (۶۳۷)

تمام بزرگوں کی طرح حضرت منورویؒ کے یہاں بھی اس طرح کے واقعات بکثرت ملتے ہیں،

(۶۳۶) صحيح البخاري ج 1 ص 4 حديث ؛ 3 المؤلف :محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 - 1987 تحقيق :د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

(۶۳۷) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۵۱۹ دفتر اول حصہ چہارم، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۱ء۔

بطور نمونہ چند واقعات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

دست شفا- بڑی سے بڑی بیماری کا سستا علاج

☆ حضرت بڑے حکیم بھی تھے اور ہاتھ میں اللہ پاک نے شفا بخشی تھی، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب کا بیان ہے کہ بڑی سے بڑی بیماری کا نسخہ آپ کا زیادہ سے زیادہ دس آنہ کی جڑی بوٹی ہوتی تھی، مثلاً عرق النساء کا انگریزی دواؤں میں کوئی کامیاب علاج نہیں ہے، لیکن آپ صرف دس بارہ آنے کی دوا لکھ دیتے اور مریض بالکل ٹھیک ہوجاتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت نے مجھے ایک نسخہ لکھ کر دیا تھا، جو پچاسوں بیماریوں کا علاج تھا، البتہ ہر بیماری کے لئے اس کو بنانے کا طریقہ الگ تھا، حضرت نے فرمایا کہ اس نسخہ کو پکڑلو کروڑپتی بن جاؤگے، یہ آپ کے کمال حکمت کا بھی مظہر تھا اور باطنی تصرف کا بھی۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں نے وہ نسخہ اپنی فائل میں سنبھال کر رکھا تھا، لیکن آپ کے وصال کے بعد اس کو تلاش کیا تو نہیں مل سکا، بہت افسوس ہوا کہ ایک قیمتی چیز میں نے ضائع کردی، ڈاکٹر صاحب کو ساری زندگی اس کا افسوس رہا (۶۳۸)۔

سلب امراض

☆ حضرت کے تصرفات کا ایک حصہ سلب امراض بھی تھا، مہلک سے مہلک بیماری کو اپنی روحانی طاقت سے سلب فرمالیتے تھے، اور اس کا مقصد اپنے طالبین کی دینی ودنیوی اصلاح وفلاح تھا، اس سلسلے میں حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب کا ایک ذاتی تجربہ انہی کی زبانی ملاحظہ فرمایئے:

''۱۹۶۴ء میں راگھوپور دیارا میں میری پوسٹنگ ہوگئی، اپریل کا مہینہ تھا، پیرومرشد حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ کے شرف زیارت کو مظفرپور چلا آیا، حضرت نے مجھے حکم دیا، کہ تم مکان چلے جاؤ اور میں بھی تمہارے یہاں جاؤں گا، حضرت کی محبت میں میں گھر چلا آیا، گھر پہونچ کر میں شدید بخار میں مبتلا ہوگیا، بڑی چیچک نکل آئی، حضرت حویلی کے اندر تشریف لائے، تقریباً دس منٹ خاموش بیٹھے رہے، پھر فرمایا علی احمد! میں گھر واپس جاؤں گا تم بالکل نہ گھبراؤ، ان شاء اللہ جلد ہی اچھے ہوجاؤگے، اور پھر حضرت بھٹکن سے رخصت ہوگئے، دھیرے دھیرے میں روبصحت ہونے لگا، صبح ہوتے ہوتے بخار کی شدت ختم ہوگئی، اور دانہ کا نکلنا بھی بند ہوگیا، اور اللہ کے فضل سے میں اچھا ہوگیا، حضرت سے

(۶۳۸) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ص ۴۔

ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وفور شوق میں مظفر پور چلا آیا، معلوم ہوا کہ حضرت منورواتشریف لے گئے، گفتگو کے درمیان لوگوں نے بتلایا کہ حضرت فرمارہے تھے کہ علی احمد کو چیچک نکل آئی تھی، میں نے اس کو سلب کرلیا ہے، ان شاء اللہ چند روز میں اچھا ہوجائے گا، حقیقت سلب معلوم کرنے کی غرض سے منوروا چلا گیا، حضرت بہت خوش ہوئے، بدن کھول کر دیکھا، صاف ستھرا کہیں کوئی زخم نہیں تھا، آپ نے فرمایا، مرض بہت سخت تھا، میں نے سلب کرلیا، اللہ نے رحم فرمایا پھر چیچک کے متعلق مزید باتیں بتائیں، جرأت کرکے میں نے پوچھ ہی لیا، حضرت سلب کیا ہے؟ فرمایا، آخر آپ نے پوچھ ہی لیا، خیر سنئے! لطیفۂ روح سے سلب کا کام ہوتا ہے، خواہ سلب روحانیت ہو یا سلب امراض، اس لطیفہ کو لطیفۂ سلبیہ بھی کہتے ہیں، جب سالک طریقت میں بالغ ہوجاتا ہے تو یہ قوت بفضلہٖ تعالیٰ پیدا ہوتی ہے، اس عاجز نے دریافت کیا کہ طریقت میں سالک کب بالغ ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، جب سالک فنا و بقا کی منزل طے کرلے اس وقت اس میں بہت ساری خوبیاں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً اس کی توجہ میں طاقت آجاتی ہے، جو شخص فنا و بقا سے پہلے ان امور کی طرف توجہ دیتا ہے، تو دینے اور لینے والا دونوں ناکام ہوتے ہیں، اور اس کی ترقی کے راستے رک جاتے ہیں، فنا و بقا کے بعد ہاتف کی آواز سنتا ہے، اجتہاد کا دروازہ کھل جاتا ہے، دل کی سلامتی میسر ہوتی ہے، ان کے علاوہ اور بھی خوبی پیدا ہوتی ہے، لیکن سلب کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس سے بہت سارے نقصانات ہیں، امراض سلب کرنے میں بہت سے خطرات ہوتے ہیں، کیونکہ سلب کرنے والا پہلے امراض کو اپنے آپ میں جذب کرلیتا ہے پھر اپنی قوت سے اسے باہر پھینکتا ہے، اگر پھینکنے میں کامیابی نہیں ہوئی، تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے، پھر حضرت نے سلب کا طریقہ بتایا، اور یہ بھی کہا کہ اس طرح رجحان کرنے سے روحانی قوت میں کمی آجاتی ہے، اے عزیز سلب بیماری یا روحانی سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ ذکر و فکر سے وابستہ رہنا چاہئے، اور اتباع سنت کی کوشش کرنی چاہئے (۶۳۹)۔

(۶۳۹) یہ حضرت علی احمد ناظر صاحب کے ایک مفصل مضمون سے ماخوذ ہے، یہ مضمون انہوں نے مجھے جناب عبدالسلام صاحب (موضع جلوارہ ضلع دربھنگہ) کے بدست منورواشریف بھیجا تھا، یہ مضمون اس سے قبل کتاب وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا مرتبہ مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی صاحبزادہ حاجی ابراہیم صاحب مادھے پوریؒ میں چھپ چکا ہے (دیکھئے ص ۲۸۰ تا ۲۹۵، ناشر: حافظ محمد رزین اشرف ندوی پونے، ۲۰۱۲ء)

دیگر صوفیاء کے یہاں بھی اس کا ذکر اور طریقہ ملتا ہے (مثلاً ملاحظہ کریں: کلیات امدادیہ رسالہ ضیاء القلوب ص ۵۴، ۵۵ مؤلفہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، ناشر: دارالاشاعت کراچی)

بیمار بچہ کی بیماری سلب کرلی

☆اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے، فخر الدین شاہ صاحب (صلحابزرگ) کا بیان ہے کہ ان کے لڑکے ابو مطلب کا ختنہ صبح کے وقت ہوا، اور دوپہر تک ٹھیک رہا، اس کے بعد ناقابل برداشت تکلیف شروع ہوگئی، ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا، دعاء تعویذ والوں کو بھی بلایا گیا، مگر کوئی افاقہ نہیں ہوا، آخر منورواشریف حضرت کی خانقاہ میں حاضر ہوئے، سلام کے بعد ساری صورت حال عرض کی، حضرت سن کر جلال میں آگئے، اور آہستہ آہستہ کچھ کچھ بولنے لگے، اور صحن میں ٹہلنے لگے، اور چٹکی بھی چلنے لگی، تھوڑی دیر کے بعد حضرت بیٹھ گئے، اور ایک تعویذ دی اور فرمایا کہ بچہ کو آرام ہوگیا ہے، بچہ سورہا ہوگا، مگر اس تعویذ کو بھی باندھ دیجیئے گا، دودن میں ان شاء اللہ زخم بھی ٹھیک ہوجائے گا، جب یہ حضرات واپس آئے تو واقعی بچہ آرام سے سورہا تھا، جب کہ منوروا جاتے وقت بچہ بہت بے چین تھا، اور دودن کے بعد زخم بھی ٹھیک ہوگیا---اس طرح حضرت منورویؒ نے اپنی غائبانہ توجہ سے اس بچہ کی بیماری سلب فرمالی (۶۴۰)۔

ایک پریشان لڑکے کی مشکل آسان ہوئی

☆جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (پیغمبرپور دربھنگہ) نے بیان کیا کہ ایک بار حضرت باقر گنج لہیریا سرائے کی جامع مسجد میں مولانا قاری عثمان صاحب کے حجرہ میں تشریف فرماتھے، یہ خادم بھی اس وقت موجود تھا، ایک کمسن لڑکا حاضر خدمت ہوا اور اہل وعیال کی طرف سے اپنے والد کی بے اعتنائی کی شکایت کی، حضرت نے پوچھا، کس برادری سے تعلق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ''سید'' آپ نے مجھ (پروفیسر صاحب) سے فرمایا کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے نام سے فاتحہ پڑھ دو، میں نے تعمیل حکم کی، آپ خوش ہوکر مسکرانے لگے، یعنی گویا اس لڑکے کا کام ہوگیا تھا (۶۴۱)۔

جذبی کیفیت کا سلب

☆کبھی سالک میں جذب کی غیر معتدل کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، جس کے کئی اسباب ہیں، اگر کوئی پیر کامل بروقت دستگیری نہ کرے تو انسان دیوانہ اور مجذوب ہوجاتا ہے، لیکن پیر کامل میسر ہو تو وہ اپنی

(۶۴۰) قلمی یادداشت جناب فخر الدین شاہ صاحب صلحابزرگ۔

(۶۴۱) قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ا۔

توجہات سے اس کیفیت میں اعتدال پیدا کردیتا ہے، اور بے اعتدالیوں کو سلب کرلیتا ہے، حضرت منورویؒ اپنے مریدین کی اس لحاظ سے بھی کڑی نگرانی فرماتے تھے، اور حالات کے افراط وتفریط پر اپنی روحانی طاقت سے قابو رکھتے تھے، اس کا ایک ذاتی تجربہ خود حضرت علی احمد ناظر صاحب (سیوان) نے بیان فرمایا، لکھتے ہیں:

''اس حقیر کی پوسٹنگ ۱۹۵۹ء میں پریہار بلاک میں ہوئی، اس وقت مجھ پر ایک حالت جذب کی پیدا ہوئی، کئی ہفتوں تک جذب ومستی کے تھپیڑے کھاتا رہا، لیکن پیرومرشد کی توجہ عالی سے سلوک کی راہ پر آیا، اس وقت کے حال کا کیا کہنا، دل ودماغ پر ہلکی ہلکی شورش چھائی رہتی اور ایسی جاذب کیفیات کہ مغلوب الحال رہتا، اور پھر ایک قسم کا سرور ایسا طاری ہوتا کہ مجھ کو دنیا ومافیہا سے بے خبر کردیتا، فہم کی صلاحیت کم ہوگئی تھی، اور ہر لمحہ طبیعت میں دنیا سے کنارہ کشی کا جذبہ مسلط رہتا اور یہی خواہش رہتی کہ ایک طرف خاموش بیٹھا رہوں اور اس لمحہ میں جو مشاہدہ ہوتا ایسا دلکش معلوم ہوتا کہ اسی شہود میں محو رہوں، اور دنیا کے مجذوبان حاضر وغائب سے فیوض وبرکات کی بارش ہوتی رہتی، پھر صوفیائے کرام اور مجذوبان میں جو تصادم ہوتا رہتا وہ مشاہدہ قابل ذکر ہے، لیکن اس عاجز میں وہ صلاحیت نہیں کہ اس کو قلمبند کرسکے، صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں:

بحر فنا میں جو ڈوبے مزہ اسی کو ملتا ہے
جیتے جی جو مر کے دیکھے پتہ اسی کو چلتا ہے

یہ ہمارے پیر صاحب کی توجہ وشفقت کا اثر ہے کہ اس ناچیز کو دشوار گذار گھاٹی سے نکال کر سلوک کی صاف شفاف راہ پر لگادیا، اس موقعہ پر طریقت کے بھائی مرحوم نذیر احمد صاحب ایکڈنڈی کا بہت احسان مند ہوں کہ میری بے خبری کے زمانے میں میرے ساتھ رہے، اور میرے بال بچوں کی دیکھ ریکھ کرتے رہے، اور یہ پیرومرشد حضرتؒ کی شفقت تھی کہ دس بارہ روز پر منورواشریف سے پریہار آجاتے، جب میری طرف سے آپ کو اطمینان ہوگیا پھر ایک بار حضرت حاجی منظور احمد کو ساتھ لے کر آئے اور پوری تفصیل سے میری حالت کو سنا اور میں نے ہر چھوٹی بڑی کیفیت کو آپ کے سامنے پیش کیا، وہ حالات اب تک یاد ہیں، لیکن تحریر کے قابل نہیں۔ حضرت نے فرمایا، اللہ نے رحم کیا ورنہ تمہارا گھر ویران ہوجاتا حاجی منظور سے کہہ دیتا ہوں وہ تم کو دیکھتے رہیں گے، تم ان سے زیادہ مانوس ہو۔(۶۴۲)

(۶۴۲) وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا'' مرتبہ مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی صاحبزادہ حاجی ابراہیم صاحب مادھے پوری، مضمون حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب، ص ۲۹۰، ۲۹۱، ناشر: حافظ محمد رزین اشرف ندوی پونے، ۲۰۱۲ء

عبدالکریم جمعدار (ابدال) کی کیفیت جذب کی اصلاح

☆اسی طرح کا ایک واقعہ جناب عبدالکریم جمعدار صاحب (۶۴۳) (م ۲۵/جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ) کا بھی ہے، وہ حضرت منورویؒ سے منسلک تھے، اور تکمیل سلوک کے بعد مقام ابدال تک پہونچ چکے تھے، اور مستجاب الدعوات تھے، لوگ ان سے دعائیں کرانے آتے تھے، خود حضرت منورویؒ بھی اپنے یہاں آنے والے بعض حاجتمندوں کو ان کے پاس دعا کے لئے بھیجتے تھے (۶۴۴) ---

ان کا واقعہ ہے کہ ان کی حالت درمیان میں بگڑنے لگی تھی، غالباً جذب اور بے خودی کا ان پر ایسا غلبہ ہوا کہ اپنی نماز تک کا ہوش نہ رہا، کہتے ہیں کہ چار نمازیں ان کی فوت ہو چکی تھیں، کہ حضرت منوروا شریف سے ان کی قیامگاہ (سیوان) پر بلا کسی اطلاع کے اچانک تشریف لے گئے، حضرت کو سخت بخار تھا، کہتے ہیں کہ کم از کم ایک سو چار (۱۰۴) ڈگری بخار رہا ہوگا، حضرت صبح کے وقت پہونچے تھے، عبد الکریم صاحب کا دروازہ اندر سے بند تھا، آپ نے آواز دی کریم بابو! کریم بابو! حضرت کی عادت تھی کہ کوئی بات دو بار بولتے تھے، کریم بابو نے گھبرا کر دروازہ کھولا، اور حضرت کو دیکھ کر پریشان ہو گئے، حضرت کا جسم بخار سے تپ رہا تھا، اور آپ کراہ رہے تھے، کریم بابو نے سلام کیا اور آپ نے جواب دیا، پھر الٹے قدموں واپس ہو گئے، اور کریم بابو کے اصرار کے باوجود نہیں بیٹھے، اور فرمایا کہ صرف آپ کو دیکھنے کے لئے آیا تھا، کریم بابو بھی گھبراہٹ میں جلدی جلدی تیار ہوئے اور حضرت کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے، حضرت وہاں سے مظفر پور تشریف لائے اور کریم بابو ساتھ ساتھ رہے، اس طرح ان کی حالت ٹھیک ہو گئی، اور پھر دوبارہ کبھی ایسی حالت پیدا نہیں ہوئی (۶۴۵)۔

(۶۴۳) حضرت عبدالکریم جمعدار ابن جناب ستاب علی مرحوم چپرام کوٹھی ضلع سہرسہ بہار کے رہنے والے تھے، وہ ایک پولیس آفیسر تھے، ریٹائرمنٹ کے بعد سہرسہ شہر کے ہٹیا گاچھی محلے میں سکونت اختیار کر لی تھی، ۲۵/جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ کو انتقال فرمایا، ان کے تفصیلی حالات خلفاء و مجازین کے باب کے تحت آرہے ہیں۔

(۶۴۴) ایک واقعہ میرے علم میں بھی ہے، حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ (رئیس کملپور اتر دیناجپور بنگال) نے مجھ سے خود بیان کیا، کہ ایک بار میں اور ماسٹر مسعود صاحب ایک پریشانی میں مبتلا ہو کر حضرت کی خدمت میں منوروا شریف حاضر ہوئے، تو حضرت نے ہمیں عبدالکریم جمعدار کے پاس بھیج دیا اور فرمایا کہ وہ مقام ابدال پر فائز ہیں، ان سے جا کر دعا کراؤ، چنانچہ ہم لوگوں نے ہم لوگ حضرت کے حکم کی تعمیل میں وہاں حاضر ہوئے اور ان سے دعا کرائی۔

(۶۴۵) یہ واقعہ مجھ سے میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔ یہ واقعہ کب پیش آیا اس کا پتہ نہ چل سکا، البتہ جناب علی احمد ==

پردہ پر حضرت کی شبیہ نظر آئی

☆ جناب اظفر الکوثر خان صاحب نے حضرت کے تصرفات بیان کرتے ہوئے اپنا ایک عجیب وغریب واقعہ بیان کیا کہ ایک بار ایک سی آئی ڈی انسپکٹر کی غلط صحبت کے نتیجے میں وہ سنیما دیکھنے چلے گئے، ابھی فلم شروع نہیں ہوئی تھی، کہ پردہ پر حضرت کی شبیہ نظر آئی، دانتوں تلے انگلی دبائے ہوئے اشارہ سے فرما رہے ہیں، یہ کیا ہو رہا ہے، شرم وندامت سے میں پانی پانی ہو گیا، اس کے بعد پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کی، ملاقات پر حضرت نے اشارہ فرمایا کہ آپ مجھے بڑی زحمت میں ڈال دیتے ہیں، یہ بہت بری عادت ہے" (۶۴۶)

ٹرینوں اور بسوں کا ٹھہر جانا

☆ سفر میں ٹرینوں اور بسوں کے رکنے کے متعدد واقعات نقل کئے گئے ہیں، کہ کبھی اسٹیشن پر نماز پڑھتے ہوئے گاڑی نے سیٹی دے دی، سگنل ہو گیا، لیکن جب تک آپ ٹرین پر سوار نہیں ہوئے، ٹرین روانہ نہیں ہوئی، ایک بار پنڈوہ (مالدہ بنگال) کے سفر میں ٹمٹم کو اسٹیشن پہونچنے میں تاخیر ہوگئی، گاڑی اسٹیشن پہونچ کر بہت دیر کھڑی رہی، جب تک حضرت ٹکٹ لے کر گاڑی پر تشریف فرما نہیں ہوئے ٹرین نہیں چلی، اس سفر میں آپ کے ساتھ کئی احباب شامل تھے (۶۴۷)۔

بلکہ کبھی آپ کے پاس سے لوٹنے والے زائرین کو بھی یہ شرف حاصل ہو جاتا تھا (۶۴۸)

اندھیرے میں راستے روشن ہو جاتے

☆ جناب اصغر علی شاہؒ، جناب غنیمت حسینؒ (۶۴۹)، حاجی محمد ابراہیم (منورواشریف) وغیرہ

== احمد ناظر صاحب کے نام حضرت کے ایک مکتوب (مرقومہ ۱۸/ جولائی ۱۹۶۷ء) میں کریم بابو جمعدار کے یہاں جانے کا ذکر ہے، پتہ نہیں یہی موقعہ تھا یا اور کوئی موقعہ، واللہ اعلم بالصواب۔

(۶۴۶) الاکلیل ص ۲۳۸، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، میرے والد ماجد نے بھی یہ قصہ کئی بار سنایا۔

(۶۴۷) اس سفر میں جناب مولوی ولی اصغر صاحبؒ (لوٹیاباری، پورنیہ) بھی شامل تھے، یہ قصہ انہوں نے میرے والد ماجد سے نقل فرمایا۔ ان کے علاوہ جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ (کملپور، دیناجپور) نے بھی یہ قصہ مجھ سے بیان کیا۔

(۶۴۸) الاکلیل ص ۲۴۰، مؤلفہ مولانا محمد شمس الہدیٰ صاحب، مضمون جناب اظفر الکوثر خان صاحب۔

(۶۴۹) جناب غنیمت حسین صاحبؒ (منورواشریف) لاٹھی کے مشہور استاذ تھے، استاذ غنیمت کے نام سے آج تک نسلیں انہیں یاد کرتی ہیں، وہ ایک ان پڑھ شخص تھے، کبھی کسی مکتب یا مدرسہ کا منہ نہیں دیکھا، لیکن حضرت منورویؒ کی صحبت ==

حضرت کی مغرب بعد کی مجلس میں روزانہ کے حاضر باشوں میں تھے، اور عشا کے بعد واپس ہوتے تھے، ان حضرات کا بیان ہے کہ منورواشریف کے قدیم مسکن پر گلیاں بڑی تنگ و تاریک تھیں، رات کے اندھیرے میں خاص طور پر برسات کے موقعہ پر ان کو عبور کرنا آسان نہیں تھا، لیکن اکثر ایسا ہوا کہ واپسی میں راستہ روشن نظر آتا تھا، اور معلوم ہوتا کہ جیسے کوئی ہلکی روشنی آگے آگے چل رہی ہو، جب کہ اس وقت آس پاس کسی روشنی کا تصور بھی نہیں تھا، اور یہ زیادہ تر تنگ و تاریک اور کیچڑ زدہ علاقوں میں ہوتا تھا (۶۵۰)۔

(۷)

طی الارض کے واقعات

☆ آپ کی طے الارض کی کرامت بہت مشہور تھی، اس سے قبل سفر دہلی کے ذکر میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے حوالے سے ذکر آچکا ہے کہ آپ چند لمحات میں دہلی سے اجمیر پہونچ گئے تھے۔

بغیر کشتی کرے ندی عبور فرمائی

☆ جناب سلطان احمد امین (۶۵۱) (مقام صلحا بزرگ ضلع سمستی پور) نے بیان فرمایا کہ ایک بار حضرت صلحابزرگ تشریف لائے، جب واپس ہوئے تو کئی لوگ گھاٹ تک پہونچانے کے لئے آئے، مگر جون جولائی کی گرمی اور دوپہر کا وقت تھا، دوپہر میں بہت کم لوگ سفر کرتے ہیں، کشتی اس پار تھی، کوئی مسافر ادھر سے آنے والا دور تک نظر نہیں آرہا تھا، کچھ دیر انتظار کے بعد حضرت نے اپنے میزبانوں سے کہا کہ آپ لوگ کب تک کھڑے رہیں گے، کشتی آئے گی تو میں چلا جاؤں گا، لوگ جانے کو تیار نہ تھے، لیکن حضرت نے اصرار کر کے ان کو واپس کیا، سلطان صاحب کا بیان ہے کہ ہم نے واپس

==بابرکت کے فیض سے ان پر علم کا دروازہ کھل گیا، وہ بآسانی قرآن کریم اور اردو کتابیں پڑھ لیتے تھے، انتہائی صاحب دل اور صاحب نسبت لوگوں میں تھے، طبیعت پر مزاح غالب تھا، بڑے واقعات انہیں مستحضر تھے، قریب ۲۰۱۲ء میں وفات پائی۔

(۶۵۰) یہ واقعہ تو کئی لوگوں سے منقول ہے، لیکن مجھ سے یہ قصہ جناب غنیمت حسین صاحب نے نقل کیا، اور میرے والد ماجد نے بھی مذکورہ حضرات کے حوالے سے نقل فرمایا۔

(۶۵۱) سلطان امین صاحب صلحابزرگ کے معزز اور اہل دانش لوگوں میں سے تھے، امانت (زمین کی پیمائش) کا پیشہ کرتے تھے، ابھی کچھ دنوں قبل ان کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جاتے ہوئے پیچھے مڑکر دیکھا تو حضرت دریا کے اس پار خراماں خراماں تشریف لے جارہے تھے، یعنی ابھی ایک منٹ بھی نہیں گذرا تھا، اور کشتی بھی اسی پار تھی، ہم لوگ حضرت کی اس کھلی کرامت پر حیران رہ گئے (۶۵۲)۔

تین سال تک منوروا سے پروہی کھانا پہونچاتے رہے

☆ حضرت منورویؒ کے طے الارض کے واقعات میں ایک مشہور واقعہ حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ (مقام پروہی ضلع مدھوبنی بہار) کو مسلسل تین سال تک کھانا پہونچانے کا ہے، شاہ صاحب ایک نومسلم تھے، حضرت گڑھولویؒ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرنے کا شرف حاصل کیا، حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی تربیت میں رہے اور حضرت منورویؒ سے تکمیل سلوک کی، ماشاء اللہ کافی صاحب فیض بزرگ تھے، ان کا حلقۂ بیعت بہار کے وسیع وعریض حصہ میں پھیلا ہوا ہے، شاہ صاحب حضرت منورویؒ کو ''ابا'' کہتے تھے، حضرت منورویؒ کی زندگی میں ایک ایک ماہ منورواشریف میں قیام کرتے تھے، ایک موقعہ پر کھانے پینے کی دشواری ہوگئی تھی تو تقریباً مسلسل تین سال تک ہر روز حضرت منورویؒ نے خود منوروا سے پروہی تک ان کو تازہ کھانا پہونچایا، جبکہ منوروا اور پروہی کے درمیان قریب ڈیڑھ سو (۱۵۰) کلومیٹر کا فاصلہ ہے (۶۵۳)۔

منوروا سے ستر (۷۰) کلومیٹر دور شہر سمستی پور میں آپ نظر آئے

☆ اسی ضمن میں یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جناب غنیمت حسین صاحبؒ (موضع منورواشریف) ایک بار سمستی پور اپنی کسی ضرورت سے تشریف لے گئے، اسٹیشن والی مسجد میں گئے تو وہاں حضرت منورویؒ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، نماز کے بعد آپ نے سنتیں ادا کیں، پھر ان کے سامنے ہی آپ مسجد سے باہر نکلے اور شہر کی طرف روانہ ہوگئے، غنیمت صاحب بھی پیچھے پیچھے تیزی سے نکلے، مگر باہر نکلے تو آپ کہیں نظر نہیں آئے، انہوں نے خیال کیا کہ شاید اسٹیشن کی طرف گئے ہونگے اور شاید ٹرین میں ملاقات ہوجائے، مگر پھر منوروا تک کہیں ملاقات نہیں ہوئی، جب شام کو مغرب کے وقت حاضر دربار ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ حضور! آج آپ سمستی پور تشریف لے گئے تھے؟ حضرت نے انکار کیا، غنیمت صاحب نے کہا کہ میں نے مسجد میں آپ کو دیکھا تھا اور مسجد سے باہر نکلتے ہوئے بھی

---

(۶۵۲) یہ واقعہ مجھ سے خود سلطان امین صاحب نے نقل کیا۔

(۶۵۳) یہ واقعہ خود شاہ عبداللہ صاحب نے میرے والد ماجد سے بیان فرمایا۔

دیکھا، حضرت نے فرمایا، آپ کو غلط فہمی ہوئی، میں آج صبح سے اپنے گھر پر ہی ہوں--- جب کہ اسٹیشن کی مسجد بہت بڑی نہیں ہے، پہلے اور بھی چھوٹی تھی، اور لوگوں کا ہجوم بھی اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی کو پہچاننے میں دھوکہ ہو، غنیمت صاحب خاموش ہوگئے اور ساری زندگی وہ اس قصہ کو بیان کرکے اپنی حیرانی کا اظہار کرتے رہے (۶۵۴)۔

رات میں اپنی زرعی اراضی کا گشت لگاتے ہوئے نظر آتے

☆ اسی طرح ہمارے اس پورے خطہ میں یہ بات آج تک مشہور ہے کہ حضرت رات میں اپنے کھیتوں کا گشت لگاتے ہوئے نظر آتے تھے، بعض بٹائی داروں نے چوری کی تو آپ نے ان کی چوری کی نشاندہی بھی فرمادی تھی، اس سے پورے علاقے میں ایسی ہیبت لوگوں میں بیٹھ گئی تھی، کہ اگر کوئی غلطی سے بھی پیشاب یا کسی ضرورت سے حضرت کے کھیت میں بیٹھ جاتا اور احساس ہوتا کہ یہ حضرت حکیم صاحبؒ کا کھیت ہے تو وہ پیشاب کرنے کی حالت میں بھی جلدی سے اٹھ جاتا کہ شاید حکیم صاحب کو خبر ہو جائے اور اسے نقصان پہونچے۔

(۸)

تعبیر خواب کا علم

حضرت منورویؒ کے نام آئے ہوئے خطوط میں بڑی تعداد ان خطوط کی ہے جن میں خوابوں کی تعبیر دریافت کی گئی ہے، افسوس ان کے جواب میں حضرت نے جو خطوط لکھے، وہ دستیاب نہ ہو سکے، ورنہ حضرت کی زندگی کا یہ باب بھی مرتب ہو جاتا۔

تعبیر اور تاویل کا فرق

آپ کو اس باب میں بھی درک کامل اور بصیرت تامہ حاصل تھی، اور بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ اپنی نظر باطن سے خواب کی صحیح حقیقت تک پہونچ جاتے تھے، اور جو کچھ نظر آتا وہی بیان فرماتے تھے محض ظن وتخمین سے کوئی جواب نہیں دیتے تھے، جیسا کہ عموماً اس میدان میں ہوتا ہے، فنی اصولوں پر بتائی گئی تعبیر کو تعبیر کہتے ہیں، لیکن ان سے بالاتر ہوکر آنے والے نتائج کے مشاہدے کی روشنی میں

(۶۵۴) یہ قصہ براہ راست میں نے جناب غنیمت حسین صاحب سے سنا ہے اور ان کے صاحبزادگان اور دیگر حضرات بھی اس قصہ کو نقل کرتے ہیں۔

تعبیر بتائی جائے تو وہ تاویل کہلاتی ہے، تعبیر میں غلطی کا امکان زیادہ ہے، اس لئے کہ اس کی بنیاد قیاس اور اصول پر ہے، جب کہ تاویل میں غلطی کا امکان نسبتاً کم ہے، اسی لئے حدیث میں آیا ہے کہ مؤمن کا خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہے، اس کو بیان کرنے میں محتاط رہنا چاہئے، اور اپنا خواب ہر شخص کے سامنے بیان نہیں کرنا چاہئے کہ خواہ مخواہ تعبیر بتانے میں لوگ قیاس آرائی نہ شروع کردیں، خواب صرف ایسے شخص سے بیان کرنا چاہئے جو مخلص اور صاحب نظر ہو:

عَنْ عَمِّهِ أَبِي رَزِينٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "إِنَّ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ جُزْءٌ مِنْ أَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ، وَهِيَ عَلَى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ يُحَدِّثْ بِهَا، فَإِذَا حَدَّثَ بِهَا، وَقَعَتْ" قَالَ: أَظُنُّهُ قَالَ: "لَا يُحَدِّثُ بِهَا إِلَّا حَبِيبًا أَوْ لَبِيبًا" حديث حسن لغيره. (٦٥٥)

محض اندازے سے خواب کی تعبیر بتانا گناہ ہے، جب تک کہ اس فن میں بصیرت حاصل نہ ہو لب کشائی نہیں کرنی چاہئے۔

فائدة لا ينبغي أن تقص الرؤيا إلا على معبر ويجب على من لا يعرف علم التعبير أن لا يعبر رؤيا أحد فإنه يأثم على ذلك لأنها كالفتوى وهي في الحقيقة علم نفيس وقد ورد في الحديث ما معناه أن الإنسان إذا لم يعلم الجواب وسكت عنه فإنه يؤجر. فائدة ينبغي للمعبر أن يستوفي قص الرؤيا فما كان منها موافقا للأصول فيجتهد في تعبيره وما كان خارج عنها فيلغيه عنه، وإذا قصت عليه رؤيا ورأى ما يكره فلا يكتمه بل يعرف الرائي بعبارة حسنة بحيث يفهم الرائي منه ذلك، ومنهم من قال إنه يعبر الرؤية الجيدة ويترك ضدها بحيث يأمر

---

(٦٥٥) مسند الإمام أحمد بن حنبل ج26 ص 115 حديث نمبر:16195 المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1421هـ - 2001م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وهو مذيل بحواشي التحقيق كاملة] ★مسند أبي داود الطيالسي—المشكول، ج2 ص 414 حديث نمبر:1184

المؤلف: سليمان بن داود بن الجارود المتوفى سنة 204 هـ تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي بالتعاون مع مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار هجر الناشر: هجر للطباعة والنشر الطبعة: الأولى سنة الطبع: 1419هـ - 1999م عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: مكتبة أبي المعاطي أعده للشاملة: مصطفى الشقيري.

الرائي بالتحذير والتوبة والصدقة. (۶۵۶)

دراصل حقائق اشیاء اور اسرار کائنات سے جس کو جتنی مناسبت ہوگی اسی قدر اس کی تعبیر میں صداقت پیدا ہوگی۔

حضرت منورویؒ کی تعبیر پوری ہوئی

اس ضمن میں یہاں ایک واقعہ قابل ذکر ہے، جس سے اس علم میں آپ کے کمال اور خوابوں کے پیچھے پوشیدہ حقائق وواقعات کے مشاہدہ کی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے:

پروفیسر محمد علی نیازی صاحب نے بیان کیا کہ ان کے دادا جناب عزیز احمد صاحب (رئیس پیغمبر پور) نے ۱۹۶۶ء کے آخر یا ۱۹۶۷ء کی ابتدا میں کوئی تشویشناک خواب دیکھا، اس کی تعبیر کے لئے انہوں نے ایک خط مع جوابی کارڈ کانپور حضرت مولانا یوسف مجددیؒ کو اور دوسرا خط حضرت منورویؒ کو لکھا، کانپور سے جواب آیا کہ ''آپ کا آخری وقت آگیا ہے'' جب کہ حضرت منورویؒ کا جواب موصول ہوا کہ ''ابھی آپ کو بہت کچھ دیکھنا ہے''۔ دو الگ الگ اور متضاد جوابات۔

بعد کے حالات نے حضرت منورویؒ کی تعبیر پر مہر تصدیق ثبت کردی، جناب عزیز احمد صاحب اس خواب کے بعد کم از کم بارہ (۱۲) سال باحیات رہے، ان کا انتقال ۱۴/ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ہوا (۶۵۷)۔

❁ ❁ ❁

---

(۶۵۶) الاشارات في علم العبارات ج 1ص 275 المؤلف: خليل بن شاهين الظاهري، غرس الدين (المتوفى: 873هـ)

(۶۵۷) یہ واقعہ جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب نے مجھ سے زبانی بھی ایک سے زائد بار نقل کیا، نیز اپنی یادداشت کے طور پر لکھ کر بھی دیا، نیازی صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے اپنے دادا کے پاس دونوں پوسٹ کارڈ دیکھے تھے، اور مذکورہ تعبیرات کے الفاظ بعینہ مجھے یاد ہیں۔

(۹)

نذرانہ اور تعویذ کے تعلق سے آپ کا طرز عمل

آپ کا ذریعۂ معاش زراعت یا طبابت تھا، بعد میں جب بیعت وارشاد کی مصروفیت بڑھ گئی تو طبابت کا مشغلہ بھی ترک کر دیا تھا، اس کے بعد ظاہری ذریعۂ آمدنی کا بیشتر انحصار زرعی اراضی کی پیداوار پر رہ گیا تھا، یہ زمینیں بھی زیادہ تر آپ نے خریدی تھیں، کسی نے ہدیہ میں بھی زمین دینی چاہی تو قبول نہیں کی، بلکہ فرمایا کہ کچھ نہ کچھ قیمت لے لو، اس طرح کئی زمینیں برائے نام قیمتوں پر آپ کے نام مخلصین نے کر دی تھیں، ہدایا اور تحائف کے باب میں بھی بہت محتاط تھے، بہت مشکل سے قبول فرماتے تھے، بلاشبہ ہدیہ قبول کرنا سنت ہے، لیکن حالات وظروف اور ہدیہ دینے والے کے احوال و مقاصد کو دیکھنا بھی ضروری ہے، کبھی نذرانے کے نام پر فتنے بھی پیدا ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب (صلحا بزرگ) نے خانقاہ سورجا پور میں اپنا چشم دید مشاہدہ لکھا ہے کہ:
حضرت کسی کا نذرانہ قبول نہیں کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ خاص لوگوں سے پان کا تحفہ قبول کر لیتے تھے، اور پھر اس کے بدلے میں ان کو بھی کچھ عطا فرما دیتے تھے، تعویذ بھی جلدی نہیں دیتے تھے، کہتے تھے کہ فلاں سے لے لو (۶۵۸)۔

تکلفات سے گریز اور تواضع وسادگی

گو کہ آپ کی پیدائش شہر میں ہوئی تھی اور آپ کے زیادہ تر افراد خاندان بھی شہر میں ہی بود و باش رکھتے تھے لیکن آپ شہری تکلفات سے دور بہت سیدھی سادی زندگی گذارتے تھے،

اپنا کام خود کرتے تھے

اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، ضرورت کے وقت اپنا کھانا بھی خود پکا لیتے تھے، ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب نے سورجا پور خانقاہ کا قصہ لکھا ہے کہ میں حضرت کے ہمراہ سورجا پور خانقاہ پہونچا، صبح کا وقت تھا، حضرت نے فرمایا یہاں کھانا خود پکانا ہوگا، حضرت کے حکم پر میں نے ٹین کے کئی ڈبے تلاش کئے تو تھوڑی سی موڑھی (بھنا ہوا چاول) مل گئی، ہم لوگوں نے اسی سے ناشتہ کیا اور چائے پی، اور پھر

(۶۵۸) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب ص ۳۔

دوپہر کے لئے کھچڑی بنی، حضرت نے پکائی، اور میں نے مدد کی، یہ خانقاہ آبادی سے باہر ایک سنسان جگہ پر واقع تھی، ہم لوگ کھچڑی سے فارغ ہوکر خانقاہ میں بیٹھے تب لوگوں کو حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا اور پھر دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا(۶۵۹)۔

کوفتہ وکباب بہت مرغوب تھے اور خود تیار کرتے تھے

اس سے قبل دیگر مقامات پر بھی جہاں آپ رہے اپنے کھانے پینے کا انتظام خود فرمایا، بلکہ منورو ا شریف میں قیام کے دوران بھی کوفتہ کباب وغیرہ آپ خود تیار کر لیتے تھے، اور ایسی فنکاری سے تیار کرتے تھے کہ ایک ایک مہینہ تک وہ خراب نہیں ہوتے تھے، بلکہ اس طرح کہ گویا وہ تازہ ہوں، بہت سے واردین وصادرین نے بیان کیا کہ حضرت نے ان کو تازہ تازہ کوفتہ وکباب کھلایا، کباب اور کوفتہ آپ کو بے حد مرغوب تھے، اور آپ کے دسترخوان کا لازمی جزو مانے جاتے تھے،

حضرت مولانا غلام یسین صاحبؒ (تاراباڑی ضلع پورنیہ) نے میرے والد ماجد سے بتایا کہ حضرت منورویؒ کو کوفتہ اور کباب اس لئے پسند تھے کہ ان کا دل یادالہی کی حرارت میں جل بھن کر کباب ہو چکا تھا، اور دل جلے کو جلی بھنی چیزیں زیادہ پسند ہوتی ہیں(۶۶۰)۔

آپ کے پان کی لذت

آپ پان بھی خود اپنے ہاتھ سے بناتے تھے، بہت چھوٹا پان ہوتا تھا، لیکن لذت وکیف میں اس کا جواب نہیں تھا، ہر آنے والے کی تمنا ہوتی تھی کہ حضرت اسے اپنے ہاتھ سے پان عنایت فرمادیں، جن لوگوں نے آپ کے ہاتھ سے پان کھایا ہے ان کا بیان ہے کہ وہ لذت دنیا کے کسی پان میں نہیں ملی خواہ کتنے ہی مسالہ جات ڈال کر بنایا گیا ہو، دراصل بزرگوں کے یہاں پان معرفت کی علامت تصور کیا جاتا ہے، اور پان کے اندر ڈالے گئے مسالہ جات کے ہر رنگ کو ایک لطیفہ سے خاص نسبت ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ عام پان کو اس پان سے کیا نسبت؟ حضرت کا پاندان اور اگالدان بہت دنوں تک آپ کے وصال کے بعد میرے والد صاحب کے زیر استعمال رہے۔ میرے والد صاحب کو پان مع کیفیت ولذت وراثت میں ملا ہے، اور اس میں میری والدہ ماجدہ بھی شریک ہیں، حضرت منورویؒ ہی کی طرح پاندان اور اگالدان میرے والد صاحب کی مجلس کے بھی اجزاء لازمہ ہیں۔ اور لوگ آج بھی کم وبیش

(۶۵۹) قلمی یادداشت ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ص ۲۔

(۶۶۰) یہ بات مجھ سے میرے والد ماجد نے بیان فرمائی۔

وہی لذت وکیف پاتے ہیں، جو کبھی حضرت منورویؒ کے عطا کردہ پان میں ہوتے تھے۔

لباس اور بود وباش-ترتیب اور سلیقہ مندی

آپ کا لباس بھی سادگی اور عاجزی کا نمونہ ہوتا تھا، فاخرانہ لباس استعمال کرنے کا معمول نہیں تھا، عموماً سفید بغیر شق کی ہوئی قمیص اور لنگی اور دوپلی کھڑی ٹوپی استعمال فرماتے تھے، خاص مواقع پر یا سفر میں لنگی کی جگہ پر کھلا ہوا پاجامہ پہنتے تھے، قمیص بالعموم سوتی یا کھادی کپڑے کی اور لنگی ڈل کی ہوتی تھی۔

گھر میں آپ چوکی پر آرام فرماتے تھے، لیکن نشست کے لئے چارپائی استعمال کرتے تھے، اہل مجلس اکثر نیچے چٹائی یا فرش پر بیٹھتے تھے، البتہ معمر اور معزز لوگوں کے لئے دو لمبے لمبے بنچ رکھے ہو تے تھے۔

آپ کے کمرے میں یا مجلسی نشستگاہ میں ہر سامان کی جگہ اور ہیئت مقرر تھی، بایں طور کہ کبھی اندھیرے میں بھی اس سامان کی ضرورت ہو تو تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہو، اور اس میں کبھی خلاف ورزی گوارا نہیں تھی، اگر کوئی شخص کوئی سامان ٹیڑھا یا مقررہ جگہ سے ہٹا کر رکھ دیتا تو سخت تنبیہ کا مستحق قرار پاتا تھا، بعض لوگ اس جرم غفلت میں مجلس سے نکال دیئے جاتے تھے(۶۶۱)۔

آپ کا سامان سفر

سفر میں بیگ کی جگہ پر بوریے کا تھیلا استعمال کرتے تھے، اس میں لازمی طور پر کوئی کتاب، ایک لوٹا، گلاس، پاندان اور کم از کم ایک جوڑا زائد کپڑا اور لنگی ہوتی تھی۔

روپیہ جیب میں نہیں رکھتے تھے

روپیہ کبھی اپنی جیب میں نہیں رکھتے تھے، گھر پر ہوتے تو پاندان میں یا کسی کتاب میں یا بستر کے نیچے پائتانے میں ڈال دیتے تھے، اور اگر سفر میں ہوتے تو کپڑے کا بٹوہ اس کے لئے ہوتا تھا، اور وہ بٹوہ عموماً تھیلا میں پڑا رہتا تھا، اور اگر سفر میں کسی ضرورت سے جیب میں بٹوہ رکھنا پڑے، تو حالت نماز میں بٹوہ لازماً جیب سے باہر نکال کر رکھ دیتے تھے، ایک بار کا قصہ میرے پھوپھا جان جناب فضل حق

(۶۶۱) ایک بار جناب حاجی مسعود صاحب (شکارپور، بنگال) اور جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحب (کملپور، بنگال) منوروا شریف آئے، جوانی کا وقت تھا، لوٹا استعمال کرنے کے بعد اپنی جگہ پر تو صحیح رکھا لیکن اس کی ٹوٹی کا رخ صحیح نہیں تھا، حضرت اس قدر ناراض ہوئے کہ قریب تھا کہ وہ یہاں سے نکال دیئے جاتے، ساری زندگی یہ ڈانٹ ان حضرات کو یاد رہی، حضرت نے فرمایا کہ شریف گھرانے میں پیدا ہوجانا کمال نہیں ہے، شرفاء کی زندگی گذارنا کمال ہے۔

مرحوم نے بیان فرمایا کہ وہ کہیں سے آتے ہوئے کٹیہار اسٹیشن پر اترے، تو دیکھا کہ حضرت مصلیٰ بچھائے اسٹیشن پر نماز پڑھ رہے ہیں، جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے تو فضل حق صاحب نے سلام کیا، حضرت نے جواب دیا، اور پوچھا، کون؟ حضرت جب ذکر و عبادت میں ہوتے تو اکثر لوگوں کو پہچان نہیں پاتے تھے، انہوں نے جواب دیا فضل حق، پوچھا، کون فضل حق؟ انہوں نے جواب دیا مظفر پور، اور پورا تعارف بتایا، تب حضرت نے پہچانا، پھر بڑی شفقت فرمائی، اور کہا کہ تم راستے میں مل گئے، میں تم کو کیا دوں، دیکھو ایک بٹوہ میں نے یہاں رکھا تھا، کہیں نظر آرہا ہے؟ وہ بٹوہ لوگوں کے پاؤں سے لگ کر بہت دور چلا گیا تھا، اور حضرت کو خبر بھی نہیں ہوئی، فضل حق صاحب وہ بٹوہ ڈھونڈھ کر لائے اور حضرت کو پیش کیا، اس میں بہت سارا روپیہ تھا، حضرت نے تین سو روپیہ اس میں سے نکال کر ان کو دیا کہ میری بیٹی کو دے دینا، اور کچھ ان کو بھی عنایت فرمایا (۶۶۲)۔

اس سے آپ کی بے نفسی، اور دنیا اور اہل دنیا سے شدید بے رغبتی کا اندازہ ہوتا ہے، لوگ روپیہ پیسہ کو حفاظت سے رکھتے ہیں، اور یہاں اس کو قدموں تلے روندا جاتا تھا، اور اس کے ضائع ہونے کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی تھی، مگر اللہ پاک اپنے خاص بندے کی چیزوں کی خود حفاظت کرتے ہیں۔

(۱۰)

حادثات، آزمائشیں اور صبر و شکر

☆ آپ کی زندگی آزمائشوں سے گھری ہوئی تھی، بچپن سے لے کر ضعیفی تک اور اندرون خانہ سے لے کر باہر کبھی تکلیفوں اور آزمائشوں سے رستگاری نہیں ملی، لیکن زبان پر حرف شکایت نہیں آیا، بلکہ صبر اور خاموشی کے ساتھ تمام تکلیفوں کو برداشت کیا، اور ہر حال میں اللہ پاک کے فیصلے پر راضی رہے۔

زندگی کا کانٹوں بھرا سفر

تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں باپ دادا کا گھر چھوٹا، شہری زندگی چھوڑ کر ایک چھوٹے سے دیہات میں گذارا کیا، اور محرموں کے بجائے نامحرموں میں زندگی گذاری، پھر جن سے تکلیفیں اٹھائیں انہیں پر اعتماد کرنا پڑا وغیرہ ایک لمبی تاریخ ہے---لیکن آپ کا ظرف بہت اونچا تھا، آپ نے صبر اور

(۶۶۲) یہ واقعہ خود میرے پھوپھا جان جناب فضل حق صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا، اور میرے والد صاحب نے بھی یہ واقعہ نقل فرمایا۔

رضا کو اپنا شیوہ بنایا، ہمیشہ اور ہر شخص سے نہایت حسن اخلاق اور تواضع سے ملتے تھے، اکثر پٹنہ اپنے والد ماجد سے اور بارہا مظفر پور اپنے اہل خاندان سے ملنے کے لئے بھی تشریف لے جاتے تھے، اور حسب مراتب سب کا خیال رکھتے تھے، کئی افراد خانہ کو داخل سلسلہ بھی کیا، اوران میں بعض مجاز بھی ہوئے۔

میرا تو کوئی گھر نہیں ہے---

آپ کی طبیعت کے درد کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابتدائی دور میں دوران سفر کئی لوگ پوچھتے تھے کہ آپ کا گھر کہاں ہے؟---آپ خاموش ہوجاتے، کیا جواب دیتے، اپنا گھر چھوٹنے کے بعد کوئی جگہ ایسی نہ ملی جسے وہ اپنا گھر کہہ سکیں:

اہل چمن بات نہ سمجھیں وہ چمن مجھ کو ملا
اہل وطن چین نہ دیویں وہ وطن مجھ کو ملا

کوئی بہت اصرار کرتا تو کہتے کہ اللہ کی زمین پر، اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ انسان انسان کو اپنے حدود سے نکال دیتا ہے، مگر اللہ کسی کو اپنی زمین سے نہیں نکالتا، اہل فہم سمجھ جاتے تھے، لیکن بعض لوگ نادانی پر اتر آتے، اور اصرار کرنے لگتے، چنانچہ اسی طرح کا ایک واقعہ دربھنگہ شہر میں پیش آیا، اور تکلیف دہ صورت پیدا ہوگئی، یہ اس دور کی بات ہے جب آپ بہت زیادہ متعارف نہیں ہوئے تھے، واقعہ یہ ہوا کہ:

جسے اپنے رازق کا پتہ نہ ہو اس کے پیچھے میری نماز درست نہیں

آپ نے ایک مسجد میں نماز باجماعت ادا کی، نماز کے بعد امام صاحب نے آپ کو ایک بزرگ صورت دیکھ کر ملاقات کی، اور پوچھا، آپ کا گھر کہاں ہے؟ کچھ تأمل کے بعد آپ نے فرمایا، میں کیا جواب دوں، میرا تو کوئی گھر نہیں ہے، امام صاحب نے کہا، کہیں تو رہتے ہونگے؟ آپ نے فرمایا، اللہ کی زمین پر، امام صاحب نے سوال کیا، آپ کرتے کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا، اللہ اللہ کرتے ہیں، امام صاحب نے پھر ناگواری سے کہا کہ پھر کھاتے کہاں سے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کا جواب میں دوں گا، مگر پہلے میں اپنی نماز دہرالوں، امام صاحب نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ جسے اپنے رازق کا پتہ نہ ہو اس کے پیچھے میری نماز درست نہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے نماز دہرائی اور وہاں سے رخصت ہوگئے (۶۶۳)۔

---

(۶۶۳) یہ واقعہ مجھ سے میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔

منورواشریف کا تاریخی سیلاب پوری بستی کا نقل مکانی

☆انہی حادثات میں ایک بڑا حادثہ وفات سے قریب تین سال قبل وطن ہجرت منورواشریف کی غرقابی کا ہے، ۱۹۶۴ء کا سیلاب منورواشریف کی تاریخ میں سب سے خوفناک سیلاب مانا جاتا ہے، جس میں پورا گاؤں غرقاب ہوگیا تھا، حضرت منورویؒ کا گھر بھی اسی کی زد میں آیا، اور یہ مصیبت اتنی ناگہانی تھی کہ اتنی مہلت بھی نہ مل سکی کہ ضروری چیزیں بھی گھر سے باہر نکال سکیں، حضرت کے زیادہ تر خاندانی کاغذات، نادرونایاب وثائق ودستاویزات اور کتابوں کا بیش ذخیرہ سب دریا برد ہوگئے، غالباً اپنا آبائی وطن چھوٹنے کے بعد زندگی کا دوسرا یہ سب سے بڑا حادثہ تھا، جس میں خاندانی پوری تاریخ دفن ہوگئی، اناللہ واناالیہ راجعون ۔مگر آپ صبروعزیمت کا پہاڑ تھے، زبان پر کبھی اف تک نہ لائے، البتہ اپنے صاحبزادے کو صبر کی تلقین کے ساتھ فرمایا کہ ''خاندان کی پوری تاریخ گم ہوگئی، اب ساری زندگی تمہیں رونا پڑے گا'' (۶۶۴)۔

جولائی ۱۹۶۴ء/ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ میں یہ سیلاب عظیم آیا، اور ۳۱/ جولائی ۱۹۶۴ء مطابق ۲۰/ ربیع الاول ۱۳۸۴ھ کو پوری بستی زیر آب ہوگئی، ایک مکان بھی محفوظ نہ رہ سکا، حضرت کا مکان بھی ڈوب گیا اور پانی کی زد میں آکر منہدم ہوگیا، آپ نے گھر چھوڑ کر منورواہی میں واقع مٹی کے پشتہ (باندھ) پر پناہ لی، اور ٹی کا نیا مکان بننے تک تقریباً تین ہفتہ اسی باندھ پر مقیم رہے، اسی عرصہ میں حضرت نے حاجی منظور احمد صاحبؒ (مصرولیا) کو اپنے ایک خط (مرقومہ ۱۵/ اگست ۱۹۶۴ء) میں تحریر فرمایا، جس سے آپ کے بے پناہ صبرورضا کا اندازہ ہوتا ہے:

معارف آگاہ زیداحترامہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۶/ روز ہوتا ہے کہ مکان --غرقاب ہوچکا ہے، ۱۶/ روز سے ناچیز باندھ پر زندہ بشکل مردہ پڑا ہوا ہے، الحمدللہ ایک ذرہ بھی افسوس نہیں ہے، اگر ہے تو یاد کی، --- ہمہ وقت دعا ہی دعا ہے، اندیشہ نہ کیجئے، بہتر ہی بہتر ہے، جمیع احباب سے السلام علیکم کہہ دیجئے۔

دعا گو احمد حسن غفرلہ

۱۵/ اگست ۱۹۶۴ء

---

(۶۶۴) یہ بات بھی مجھ سے میرے والد ماجد نے بیان فرمائی۔

(۱۱)

بعض فرمودات وارشادات

آپ کے ارشادات وہدایات اور ملفوظات ومکتوبات کا زیادہ بڑا حصہ ضائع ہوچکا ہے، جو کچھ بچا اس کا بہت کچھ ذکر آپ کے سوانحی حالات کے ضمن میں پیچھے آچکا ہے، کچھ متفرق چیزیں رہ گئی ہیں وہ یہاں پیش کی جارہی ہیں:

اصل چیز یہ ہے کہ انسان اہل دل ہوجائے

☆ حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب کا بیان ہے کہ:

''میرے پیرومرشد حضرت مولانا احمد حسنؒ ہمیشہ فرماتے تھے کہ ''علی احمد ذاکر ہوگئے، لطائف کے معاملے بھی ختم ہوگئے، لیکن ہماری خواہش ہے کہ اللہ تم کو پارس پتھر اور اہل دل بنادے، اکثر تنہائی میں بڑی بےقراری سے فرماتے اور میں بھی بڑی عاجزی سے کہتا کہ حضرت !اس عاجز کے لئے اللہ سے دعا فرمادیں'' (۶۶۵)۔

کبھی نقل بھی اصل میں تبدیل ہوجاتا ہے

☆ حضرت ناظر صاحب نے نقل کیا کہ حضرت فرماتے تھے کہ ''کبھی جھوٹ بھی سچ ہوجاتا ہے اور نقل بھی اصل میں تبدیل ہوجاتا ہے، ہرفن کا مبتدی ہمیشہ نقل ہی سے آغاز کرتا ہے لیکن اللہ پاک آہستہ آہستہ اسے اصل تک پہونچاتے ہیں، اس ضمن میں حضرت نے ایک واقعہ بیان فرمایا کہ:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے زمانے میں ایک ناقص پیر اپنے کچھ مریدین کو لے کر مسجد کے اندر مراقبہ میں مصروف تھے، حضرت مرزا صاحب مسجد تشریف لائے تو ان کو پتہ چل گیا کہ یہ سب یوں ہی ڈھونگ رچائے آنکھ بند کرکے بیٹھے ہیں، حضرت نے پیر صاحب پر خاموشی کے ساتھ توجہ دی، اور پیر صاحب کو حقیقت کا مرتبہ حاصل ہوگیا، انہوں نے آنکھ کھولی تو مرزا صاحبؒ نے انہیں دیکھ کر مسکرایا

(۶۶۵) ''وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلو پیڈیا'' مرتبہ مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی صاحبزادہ حاجی ابراہیم صاحب مادھے پوری، مضمون حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب، ص ۲۸۶، ناشر: حافظ محمد رزین اشرف ندوی پونے، ۲۰۱۲ء۔

اور فرمایا کہ کبھی جھوٹ بھی سچ ہو جاتا ہے (۶۶۶)۔

دعا اور سجدہ کے وقت ذکر تیز ہو جاتا ہے

☆ جناب عزیز احمد صاحب (رئیس پیغمبر پور ضلع دربھنگہ) کو مخاطب کر کے حضرت نے فرمایا کہ:

''آپ کامیاب محبت ہیں، جو کامیاب ہے وہ ناکام ہے، جو ناکام ہے وہ کامیاب ہے'' (۶۶۷)

☆ جناب عزیز احمد صاحب سے ہی ایک دوسرے موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''دعا اور سجدہ کے وقت ذکر تیز ہو جاتا ہے'' (۶۶۸)

طریقۂ نقشبندیہ کی فضیلت

☆ یوں تو آپ سے کئی سلسلوں کا فیض عام ہوا لیکن آپ کا عملی رجحان سلسلۂ نقشبندیہ کی طرف زیادہ تھا، جیسا کہ اس سلسلہ کے لئے آپ کی عظیم الشان خدمات سے ظاہر ہوتا ہے، نیز اس کا اندازہ آپ کی کتاب ''حضرت امام ربانی کے ایک اقتباس سے بھی ہوتا ہے جس میں آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کی عظمت وخصوصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرمایا:

''طریقت کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ مرید اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے، ورنہ فیض سے محروم رہتا ہے، اس سلسلہ کے پیر اعلیٰ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ ہیں، جن کی شان یہ ہے کہ: افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق۔ پس آپ کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے سے شریعت و طریقت دونوں کی تکمیل ہوتی ہے، علاوہ ازیں اس طریقہ کے تمامی اصول وفروع میں اتباع سنت واجتناب بدعت بدرجۂ کمال ہے، یعنی اصحاب کبار کا سالباس ہے، انہی کی سی معاشرت، ویسے ہی افکار واشغال، وہی محاسبۂ نفس، اور ہر دم کی حضوری، وہی آداب شیخ، کم ریاضتیں اور فیضان کثیر اور کمالات ولایت کے علاوہ کمالات نبوت کی بھی تعلیم، نہ اس میں چلہ کشی ہے، نہ ذکر بالجہر، نہ سماع، نہ مزامیر، نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف نہ چادر اندازی، نہ ہجوم عورات، نہ سجدۂ تعظیمی نہ سر کا جھکانا، نہ بوسہ دینا، نہ توحید وجودی، نہ دعویٰ انا الحق وہمہ

(۶۶۶) ملفوظات حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب نقشبندی مجددی ص ۴۷، ۴۸ مرتبہ: حکیم محمد تجمل حسین مظاہری، مطبوعہ پٹنہ، جولائی ۱۹۹۶۔

(۶۶۷) قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۱۔

(۶۶۸) قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۱۔

اوست، نہ مریدوں کو پیروں کی قدمبوسی کی اجازت، نہ مرید عورتوں کی ان کے پیروں سے بے پردگی۔

نظم

کیا سلسلوں میں سلسلۂ نقشبند ہے
جو نقشبند ہے وہ یقیں حق پسند ہے
جس کو حصول سلسلۂ نقشبند ہے
واللہ ارجمند ہے وہ ارجمند ہے
طالب کو استواریٔ ایمان ہے نصیب
جس کے سبب سے مرتبہ اس کا دو چند ہے(۶۶۹)

☆ایک موقعہ پر آپ جامع مسجد لہیر یا سرائے میں تشریف فرما تھے، تو آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ سلسلۂ احمدیہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لوح محفوظ میں احمد ہے''(۶۷۰)

لوگوں پر دنیا کی طلب غالب ہے

☆ڈرہول ضلع مظفر پور میں تشریف آوری کے موقعہ پر ایک صاحب کو غسل کا حکم دیا، وہ بوڑھے آدمی تھے پس و پیش کرنے لگے، تو فرمایا کہ ''ابھی بتادیں گے کہ فلاں جگہ دفینہ ہے تو فوراً چلے جائیے گا''(۶۷۱)

حضرت مونگیریؒ ولی اکمل تھے

☆حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ''وہ ولی اکمل تھے''(۶۷۲)

صابرین وشاکرین کی جماعت

☆خانقاہ مجیبیہ کے بزرگوں کے بارے میں فرمایا کہ ''یہ صابرین وشاکرین کی جماعت ہے''(۶۷۳)

(۶۶۹)قلمی نسخہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۹ مؤلفہ حضرت منورویؒ، مطبوعہ نسخہ اسی مجموعہ میں شامل ہے۔
(۶۷۰)قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۱۔
(۶۷۱)قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۲۔
(۶۷۲)قلمی یادداشت جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب ص ۲۔
(۶۷۳)یہ بات میرے والد ماجد نے نقل فرمائی۔

(۸)

باب ہشتم

وفات حسرت آیات

زندگی کے آخری لمحات، مبشرات، اشارات
و واقعات، قطعات تاریخ وفات، منظومات

منزل آرزو

آخر ہر مسافر ایک دن اپنی منزل پر پہونچتا ہے،حضرت منورویؒ نے بھی اپنی زندگی کا دورانیہ طے کیا،جس کی اکثر منزلیں دشوار اور رہگذر صبر آزما تھے،جس کے راستے پھولوں کی سیج سے نہیں کانٹوں سے بھرے پڑے تھے،بڑی بڑی ذمہ داریوں کے بوجھ آپ نے اٹھائے،اونچی اونچی نسبتوں کے ہفت خوان طے کئے،کوئی بزم ہو کوئی انجمن،جہاں روشنی کی کمی ملی وہاں چراغ جلا دیئے،اور ان چراغوں کو اپنے خون جگر سے روشن کیا،یہاں تک کہ قدرت کو آپ سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہو چکا،تو وقت موعود آپہونچا جو ہر مؤمن کی منزل آرزو ہے۔

نوع بنوع امراض اور جسمانی کمزوری

آخری سالوں میں جسمانی کمزوری کافی بڑھ گئی تھی،چینی (سوگر) کا عارضہ تو برسوں کا رفیق تھا، اوراس کی بدولت دوسری کئی بیماریاں بھی ہم رکاب رہتی تھیں۔

پھیپھڑا اچھلنی

وفات سے قریب دوسال قبل جولائی یا اگست ۱۹۶۵ء/ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۳۸۵ھ میں ایک بار سخت بیماری کا حملہ ہوا،غالباً کسی سفر پر تشریف لے گئے تھے کہ اچانک بیمار پڑ گئے،اسی موقعہ پر مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا میں قریب ایک ماہ سے زائد آپ نے قیام فرمایا(۶۷۴)،کمزوری کا احساس بہت زیادہ تھا اور بھوک بالکل غائب تھی،دربھنگہ میں آپ کا اکسرے ہوا تو معلوم ہوا کہ پھیپھڑا اچھلنی ہو چکا ہے،اس کا مطلب ہے کہ سوراخ ہونے کا عمل بہت دنوں سے جاری تھا،اس رپورٹ کو دربھنگہ کے مشہور ڈاکٹر مایا شنکر پرساد نے دیکھا تو حیران رہ گیا،حضرت قاری شعیب صاحب چندرسین پوریؒ (۶۷۵) (جو اس وقت مدرسہ بشارت العلوم میں استاذ تھے اور ڈاکٹر کے یہاں لے جانے

(۶۷۴) البتہ اس پوری مدت میں حضرت کا کھانا جناب نورالحق صاحب (م اکتوبر ۱۹۹۲ء کھرایاں) کے یہاں سے آتا تھا،وہ مسلکاً اہل حدیث تھے لیکن بزرگوں کی عقیدت مندی اور کفش برداری کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے۔

(۶۷۵) حضرت قاری محمد شعیب صاحب بہترین حافظ وقاری تھے،ان کی ولادت چندرسین پور میں ۱۹۳۴ء/ ۱۳۵۳ھ میں ہوئی،ابتدائی تعلیم مدرسہ بشارت العلوم میں حاصل کی،اس کے بعد مدرسہ عالیہ تجوید القرآن لکھنؤ میں داخلہ لیا،اور تجوید کے نصاب کی تکمیل کی،انتہائی صالح،متقی اور اوراد واشغال کے پابند تھے،حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب کے دوستوں میں تھے،جب یہ حقیر مدرسہ بشارت العلوم میں زیر تعلیم تھا،تو بعض اسباق میں نے ان سے پڑھے تھے،وہ==

==میرے انتہائی قابل قدر اساتذہ میں تھے، میری عمر اس وقت بہت کم تھی، اور مدرسہ سے نکلنے کے بعد دوبارہ ان سے ملاقات نصیب نہیں ہوئی، لیکن ان کی نورانی صورت، ان کا اٹھنا بیٹھنا، وضو نماز ایک ایک چیز آج تک میرے آئینۂ خیال میں محفوظ ہے۔

حضرت منورویؒ سے بیعت تھے، اور انتہائی بلند مقام کے مالک تھے، ان کا ایک خط (مرقومہ: ۱۳/ ذی قعدہ ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۷/ اپریل ۱۹۶۱ء) اپنے پیرومرشد حضرت منورویؒ کے نام میرے پاس محفوظ ہے، اس سے ان کے شیخ سے گہرے رابطہ اور بلند مقام کا اندازہ ہوتا ہے، اس خط کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''مخدوم ومکرم ومطاع معظم جناب حضرت مرشدنا وسیدنا ومولانا الحکیم احمد حسن مدظلہ العالی و مدفیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

--ذکر ابھی تک مسموع نہیں ہو رہا ہے، مگر اس شعر پر پابندی سے عمل کرتا ہوں، ؎

او بشنود یا نشنود گفتگوئے می کنم حاصل آید یا نیاید جستجوئے می کنم

رمضان شریف کے قبل ایک خواب دیکھا تھا، وہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک کرسی پر رونق افروز ہیں، میں ان کے قریب جا کر رونے لگا، تو انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ قریب بلایا اور میرا گال تھپتھپا کر فرمایا بیٹے محنت کرو، اس کے بعد میں وہاں سے روانہ ہوا تو معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام موٹر سے تشریف لا رہے ہیں تو میں ایک کنارے کھڑا ہو گیا، مگر جب وہ قریب آئے تو خدا جانے کیسے میں ان کے موٹر کے نیچے چلا گیا، تو فوراً جلدی سے اتر کر فرمانے لگے کہ کہیں چوٹ تو نہیں آئی، اس کے بعد وہ چلے گئے تو ایک شخص آئے اور کہنے لگے کہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیر قدم ہو، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی---حضرت! ہماری حالت زار پر نگاہ کرم کیجئے، بار بار خیال ہوتا ہے کہ اس راستہ میں میرا حصہ کچھ نہیں ہے؟

احقر محمد شعیب مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا

بتاریخ ۱۳/ ذی قعدہ یوم پنجشنبہ ۱۳۸۰ھ

مجھے نہیں معلوم کہ حضرت منورویؒ نے ان کو اس خط کا کیا جواب دیا، لیکن فی الجملہ اس خط سے قاری صاحب کے مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، جب کہ اس خط کے بعد حضرت منوروی قریب سات (۷) سال زندہ رہے، ظاہر ہے اتنی طویل مدت میں قاری صاحب نہ معلوم اور کن مقامات تک پہونچے؟ میں نے قاری صاحب کو حضرت منورویؒ کے وصال کے تقریباً نو دس سال کے بعد دیکھا تھا، دینداری اور تقویٰ کا پیکر جمیل تھے، قاری صاحب کی وفات ۱۱/ نومبر ۲۰۰۱ء مطابق ۲۳/ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ میں چندرسین پور میں ہوئی، اور وہیں قبرستان میں مدفون ہوئے، اللہ پاک ان کو زمرۂ صالحین وصدیقین میں شامل فرمائے آمین۔

والے خدام میں ایک وہ بھی تھے) کا بیان ہے کہ ڈاکٹر نے بڑی حیرت کے ساتھ کہا کہ حضور آپ زندہ کیسے ہیں آپ کے تو دونوں پھیپھڑے ختم ہو چکے ہیں؟ حضرت نے فرمایا، وہ مجھے معلوم ہے، میں آپ کے پاس اس کے لئے نہیں آیا، مجھے جو بھوک اور کمزوری وغیرہ کی تکلیف ہے آپ اس کی دوا دیں ،اور باقی اللہ پر چھوڑ دیں، اس ڈاکٹر نے اس سے قبل کسی چلتے پھرتے انسان کو اس حالت میں کبھی نہیں دیکھا تھا، اس نے کہا کہ ڈاکٹری کے اصول پر اس مرحلے میں پہونچ کر کسی انسان کا زندہ رہنا ممکن ہی نہیں ہے، یہ انسان معلوم نہیں ہوتے، یہ بھگوان کا کوئی روپ ہو سکتے ہیں، اس کے بعد سے وہ آپ کو بھگوان کہا کرتا تھا (معاذ اللہ)۔

ڈاکٹر کی اس رپورٹ سے حلقۂ احباب میں سخت مایوسی پھیل گئی، اور کسی کو بھی یہ امید نہ رہی کہ حضرت اب زندہ رہ سکیں گے، بلکہ شاید گھر (منورواشریف) تک واپسی کی بھی مہلت نہ مل سکے گی، حالانکہ حضرت اپنے طور پر مطمئن تھے، لیکن اہل تعلق کی خاطر جوئی میں منورواشریف سے کفن منگوانے کی اجازت دے دی، آپ اپنا کفن برسوں قبل تیار کر چکے تھے، اس وقت مدرسہ بشارت العلوم کے ناظم حضرت مولانا سعید صاحب (چندرسین پوری) تھے، جو اس وقت اس پورے خطہ میں استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے، ان بزرگوں کے مشورے سے حضرت قاری محمد شعیب صاحبؒ کو منورواشریف کفن لانے کے لئے بھیجا گیا، قاری صاحب منورواشریف پہونچے، تو اس خبر کو سن کر منورا میں بھی گویا صف ماتم بچھ گئی، قاری صاحب کفن لے کر چلے تو ان کے ساتھ بیس پچیس خاص اہل تعلق کا قافلہ بھی دربھنگہ کے لئے روانہ ہوا، اور تمام لوگ مدرسہ بشارت العلوم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے یہ ہجوم دیکھا تو ان حضرات کی محبت پر مسرور ہوئے، لیکن سب کو پھر اسی دن واپس فرما دیا، اور کہا کہ میں ابھی ٹھیک ہوں، ان شاء اللہ مرنے والا نہیں ہوں، حضرت قاری شعیب صاحبؒ نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کفن بھی منگوالیا گیا، اور اہل محبت کو واپس بھی کر دیا گیا؟ حضرت نے فرمایا، ابھی ان شاء اللہ نہیں مروں گا، کئی واقعات پیش آنے باقی ہیں (۶۷۶)۔

---

(۶۷۶) یہ قصہ حضرت منوروی کے حلقے میں بے حد مشہور ہے، میرے والد ماجد کے علاوہ بے شمار اہل تعلق سے میں نے یہ واقعہ سنا، لیکن خاص طور پر یہ واقعہ مجھ سے حضرت الاستاذ مولانا عبدالمالک صاحب (چندرسین پور) نے بیان کیا، جو اس زمانے میں مدرسہ کے طالب علم تھے، اور حضرت کی خدمت پر مامور تھے، انہوں نے یہ واقعہ کچھ چشم دید اور کچھ حضرت قاری محمد شعیب صاحب کے حوالے سے نقل فرمایا۔

☆ مولانا عبدالمالک صاحب ایک باصلاحیت اور مرد مجاہد عالم دین ہیں، ان کی ولادت ۱۹۴۸ء/ ۱۳۶۸ میں ہوئی ==

چنانچہ حضرت اس واقعہ کے بعد دو سال سے زائد زندہ رہے اور ان تمام عوارض اور نوع بہ نوع بیماریوں کے باوجود آپ کی دینی وروحانی سرگرمیوں کا سلسلہ جاری رہا، بلکہ اس میں مزید تیزی آ گئی، سالکین کی تربیت اور دیگر مقاصد کے لئے قریب وبعید کے اسفار بھی موقوف نہیں ہوئے، بلکہ اس حالت میں بھی جب کہ انسان میں اٹھنے بیٹھنے تک کی سکت باقی نہیں رہتی، آپ اپنا سامان اٹھائے پیادہ پا میلوں کا سفر طے فرما لیتے تھے، اور رفتار بھی تیز ہوتی تھی، منورواشریف سے حسن پور روڈ ریلوے اسٹیشن (۱۸/کلومیٹر) تک پیدل جانا ایک عام سی بات تھی۔

حیرت انگیز روحانی طاقت

دراصل جسم آپ کا کمزور ہو رہا تھا مگر روحانی طاقت فزوں تر تھی، اس لئے بہت سے کام جو جسمانی طاقت سے ممکن نہ تھے، روحانی قوت سے انجام پاتے تھے۔

ایک موٹی لکڑی تنہا اٹھا کر رکھدی

میرے والد ماجد نے نقل فرمایا کہ ایک دن حضرت نے مجھے ایک موٹی لکڑی کی طرف (جو دروازہ کے صحن میں رکھی ہوئی تھی) اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بیچ میں پڑی ہے، اس کو کنارے کردو، میں سڑک کی طرف نکلا کہ کچھ جوانوں کو بلالوں اس لئے کہ لکڑی بہت موٹی تھی، اکیلے اٹھانا مشکل تھا، حضرت نے پوچھا، کہاں جارہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ لوگوں کو بلانے کے لئے، حضرت جلال میں آ گئے اور فرمایا کہ ایسی جوانی سے کیا فائدہ؟ ایک لکڑی نہیں اٹھ سکتی، حضرت کراہتے ہوئے اٹھے، آپ کے ایک ہاتھ میں تسبیح تھی، آپ نے اس موٹی اور بھاری لکڑی کو تنہا اٹھا کر مطلوبہ مقام پر رکھ دیا، جب کہ تسبیح

== ابتدائی تعلیم اپنے وطن چندرسین پور میں حضرت مولانا امیر حسن صاحبؒ کے پاس حاصل کی، پھر مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا میں داخلہ لیا، ۱۹۷۱ء/۱۳۹۱ھ میں یہاں سے نکل کر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، ۱۹۷۳ء/۱۳۹۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد ایک دو جگہ تدریسی خدمت انجام دینے کے بعد ۱۹۷۵ء/۱۳۹۵ھ میں مدرسہ بشارت العلوم میں بحیثیت مدرس تشریف لائے، اور ۲۰۱۸ء/۱۴۳۹ھ تک تقریباً تینتالیس (۴۳) سال ان کی تدریسی خدمات کا سلسلہ یہاں جاری رہا، اب ماشاء اللہ اپنے وطن چندرسین پور میں بقید حیات ہیں، اللہ پاک ان کا سایہ تادیر قائم رکھے آمین۔

جب یہ حقیر ۱۹۷۸ء میں مدرسہ بشارت العلوم میں زیر تعلیم تھا تو مولانا عبدالمالک صاحب ایک نوجوان مدرس تھے، اس حقیر کو بھی آپ سے بعض اسباق پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

والے ہاتھ کی صرف انگلی لگی تھی، میرے والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں حضرت کی یہ روحانی طاقت دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، بلکہ جس نے بھی سنا وہ حیران ہو گیا۔

مرض الموت کا آغاز

وفات سے قریب دو (۲) ماہ قبل اچانک طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی، تشنجی کیفیت پیدا ہو گئی اور بدن پورا اکڑ گیا، بظاہر لگا کہ جیسے فالج کا حملہ ہوا ہو، فوراً مظفر پور لے جایا گیا، وہاں چھ (۶) روز زیر علاج رہے اور پھر منوروا شریف واپس تشریف لے آئے۔

دربھنگہ میں ڈاکٹر غلام رسول خان صاحبؒ کی کوٹھی پر قیام

دربھنگہ کے مشہور معالج الحاج ڈاکٹر غلام رسول خان صاحب(۶۷۷) (متوفی ۲۴ / جمادی

---

(۶۷۷) ڈاکٹر غلام رسول خان صاحب اپنے وقت میں دربھنگہ کے ممتاز لوگوں میں تھے، اللہ پاک نے دین و دنیا کی سرفرازیاں عطا فرمائی تھیں، وہ ایک کامیاب ڈاکٹر اور متقی و پرہیز گار مسلمان تھے، کئی اداروں اور مسجدوں کے ممبر اور صدر تھے، علم دوست، علم نواز، صاحب خیر، اور اولیاء اللہ کے عقیدت مند تھے، ان کا آبائی وطن اورنگ آباد (گیا) بہار تھا، وہاں پٹھان ٹولی محلہ میں آبائی مکان بھی تھا، والد ماجد کا نام عبدالرحمن خان تھا، ان کی پیدائش اورنگ آباد میں غالباً ۱۹۰۶ء میں ہوئی، اورنگ آباد میں اسکول کی تعلیم کے بعد دربھنگہ اور پھر پٹنہ میں تعلیم حاصل کی، اور پٹنہ یونیورسیٹی میں ممتاز نمبرات (فرسٹ) سے کامیاب ہوئے، ۱۹۳۰ء میں گولڈ میڈل (تقریباً ساڑھے چار بھری سونا) سے نوازے گئے، اس وقت ان کو LMP کی ڈگری ملی تھی جو موجودہ MBBS کے مساوی تھی، وہ دانتوں کی سرجری کے اسپیشلسٹ بھی تھے، فراغت کے بعد ان کی پہلی نوکری اڑیسہ میں ہوئی، پھر ۱۹۳۱ء میں دربھنگہ چلے آئے، اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، انہوں نے یہاں بڑی نیکنامی حاصل کی، یہاں کے علماء، مشائخ اور دینی اداروں سے ان کے رابطے قائم ہوئے، ۱۹۵۹ء میں حضرت شاہ نظام الدین پھلوارویؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور بزرگوں کی عقیدت ان کے رگ و پے میں سما گئی، ڈاکٹر صاحب باقر گنج جامع مسجد کے حاضر باش نمازیوں میں تھے، بعد میں مسجد کے ذمہ دار بھی ہوئے، اس وقت مسجد کے امام حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب (بڑگاؤں) تھے، جو حضرت منورویؒ سے وابستہ تھے، ڈاکٹر صاحب نے امام صاحب کو ذکر و شغل اور مراقبہ وغیرہ کرتے ہوئے دیکھا، تو وہ بے حد متاثر ہوئے، اور پھر قاری صاحب ہی حضرت منورویؒ تک ان کے پہونچنے کا وسیلہ بن گئے---- چنانچہ غالباً مئی ۱۹۶۷ء میں قاری صاحب کے توسط سے وہ حضرت منورویؒ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اور خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے سجادہ نشیں حضرت مولانا شاہ امان اللہ پھلوارویؒ کی اجازت سے حضرت کے سلسلۂ روحانی میں داخل ہو گئے، حضرت منورویؒ کو خود بھی سلسلۂ مجیبیہ کی نسبت واجازت حاصل تھی ممکن ہے کہ حضرت نے ان کو اسی سلسلہ کی تعلیم دی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نسبت مجددیہ کے ==

الثانیہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۸/ مئی ۱۹۷۹ء بروز سوموار) کو اس کی خبر ملی تو وہ گاڑی لے کر منورواشریف حاضر ہوئے اور ۱۲/ستمبر ۱۹۶۷ء مطابق ۶/جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ کو وہ حضرت کو لے کر دربھنگہ چلے گئے اور اپنے یہاں رکھ کر باقاعدگی کے ساتھ تمام جانچ وغیرہ کرائی، تو معلوم ہوا کہ تشنجی کیفیت فالج کی وجہ سے نہیں بلکہ چینی (سوگر) کی وجہ سے پیدا ہوئی، اور تپ دق کا بھی اثر ہے، اسی موقعہ پر حضرت کا قیام دربھنگہ میں ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی پر مسلسل بائیس (۲۲) دن تک رہا، اس دوران ڈاکٹر صاحب کا دولت خانہ مرجع علماء ومشائخ بنا رہا، حضرت کے روحانی فیوض کا چشمہ پوری طاقت کے ساتھ رواں دواں تھا، اور زائرین اور عیادت کرنے والوں کے علاوہ طالبین صادقین کی بھی بڑی تعداد ہر وقت موجود رہتی تھی، بہت سے نئے لوگ داخل سلسلہ ہوئے، اس طرح صبح سے شام تک وہاں زائرین وطالبین کا سلسلہ جاری رہتا تھا، دوسری طرف ڈاکٹر صاحب نے بھی پوری فیاضی اور دریا دلی

== کے ذریعہ توجہ دی ہو اور ان کو اپنے ہی سلسلہ کا فیض ملنے لگا ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے حضرت کی خدمت وارادت کا حق ادا کیا اور اپنے آپ کو کلیتاً حضرت پر فدا کر دیا، حضرت کے آخری لمحات میں بیرونی احباب ومریدین میں تنہا ڈاکٹر صاحب کو حضوری کا شرف حاصل ہوا، پیر کی محبت میں وہ بار بار منورواشریف جیسے پسماندہ دیہات میں حاضری دیتے رہے، اور وفات کے وقت قریب ایک ہفتہ مسلسل موجود رہے، اور حضرت کے آخری لمحات کے شاہد وامین بنے، حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد میرے والد ماجد سے وابستہ ہوئے جیسا کہ والد صاحب کے نام ان کے ایک خط (مرقومہ ۲۳/اکتوبر ۱۹۷۰ء) سے پتہ چلتا ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنے خط میں حضرت منورویؒ کے کئی خلفاء مثلاً حضرت قاری محمد عثمان صاحب اور حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ (جو دس روز سے ڈاکٹر صاحب کے گھر پر مقیم تھے، اور غالباً ڈاکٹر صاحب کی طلب کو دیکھتے ہوئے میرے والد صاحب نے ہی ان کو بھیجا تھا) کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

''مجھ کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہونے کو ہے، اگر کوئی فائدہ ہوگا تو آپ ہی سے ہوگا اور آپ ہی پر نظر رہے گی، اس بات کو آپ ہی سمجھیں''

اس سے ڈاکٹر صاحب کی والد صاحب سے والہانہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف یہ کہ خود رجوع ہوئے، بلکہ اپنے صاحبزادے ڈاکٹر افتخار احمد خان صاحب کو بھی اپنے سامنے (۱۹۷۲ء میں) میرے والد ماجد کے ہاتھ پر بیعت کرایا۔

۲۴/جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۸/مئی ۱۹۷۹ء بروز سوموار ڈاکٹر صاحب نے وفات پائی، اور دربھنگہ ہی میں مدفون ہوئے (یہ معلومات ڈاکٹر صاحب کے صاحبزادے جناب ڈاکٹر پروفیسر افتخار احمد خان صاحب مدظلہ سے حاصل ہوئی ہیں، البتہ بعض چیزیں میں نے والد صاحب سے سنی ہیں، اور کچھ والد صاحب کی ڈائری سے لی ہے)

کے ساتھ تمام آنے جانے والے لوگوں کی میزبانی کا حق ادا کیا۔

آوازۂ جرس

ایک دن بعد نماز مغرب عین اس وقت جب حضرت کی مجلس اپنے عروج پر تھی اور اکثر قدیم مخلصین بھی موجود تھے اچانک جرس (گھنٹی) کی آواز سنائی دی، جس کو تمام اہل مجلس نے بھی سنا، یہ آواز تین بار آئی، کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا، مجلس پر ایک سناٹا سا چھا گیا:

کس ندانست کہ منزل گہ آں یار کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

(حافظ شیرازیؒ)

سب لوگ حیرت زدہ تھے کہ بند کمرے میں یہ کیسی نامانوس آواز تھی؟ اس لئے کہ ڈاکٹر صاحب کی کوٹھی شہری ہنگاموں سے دور ایک خاموش اور پرسکون علاقے میں واقع تھی، اور قریب ایک بیگھہ چند کٹھے کے رقبے میں پھیلی ہوئی تھی، علاوہ کوٹھی احاطہ بند تھی اور اس کے تین جانب مختلف پھلوں اور پھولوں کے درخت لگے ہوئے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی باغیچہ میں یہ سرخ محل بنایا گیا ہو، احاطہ کا مین گیٹ بھی کوٹھی سے فاصلہ پر تھا، غرض باہر سے کسی آواز کے آنے کی گنجائش نہیں تھی۔

آخر اس خاموشی کو توڑتے ہوئے حضرت خود گویا ہوئے کہ منظور بابو کو میں نے بڑے شوق سے پال پوس کر تیار کیا تھا کہ وہ میری نماز جنازہ پڑھیں گے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ مجھے ہی نماز جنازہ پڑھنی ہوگی" اتفاق سے اس دن حاجی منظور صاحب کو سخت بخار تھا، حضرت کے اس جملہ سے لوگوں کا ذہن ان کی طرف منعطف ہو گیا، حالانکہ اس آوازۂ جرس کا مقصد حضرت نے خوب سمجھ لیا تھا، مگر آپ نے محبین کے متوقع اندیشے کے صدمے کو کم کرنے کے لئے مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا، حضرت نے صبح ہوتے ہی حاجی منظور صاحب کو مصرولیا (ان کے گاؤں) رخصت کر دیا کہ آپ بیمار ہیں گھر چلے جائیں، وہ راضی نہیں تھے، لیکن حکم کی تعمیل میں رخصت ہو گئے۔

سفر آخرت کی تیاری

دوسری طرف آپ نے اپنی رحلت کی تیاری شروع فرمادی، آپ کی خواہش تھی کہ دربھنگہ میں اپنے اساتذہ کرام کے پہلو میں دفن ہوں، چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق لہیریا سرائے کے پوکھر والے قبرستان میں جس میں آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ مدفون ہیں، ان

کے جوار میں ایک زمین خاص کر لی گئی، اور تقریباً ضروری تیاریاں بھی کی جانے لگیں۔

منورواشریف میں آخری آرام گاہ ہونے کا اشارہ

کہ اچانک ایک دن حضرت کو منورواشریف کا مشاہدہ ہوا اور اشارہ کیا گیا کہ آپ کی آخری آرامگاہ منورواشریف کی سرزمین ہوگی، اس اشارہ کے بعد آپ نے منورواشریف واپسی کی تیاری شروع کردی، احباب حیران ہوئے کہ یہاں قبر کی بات ہوگئی، اور تیاریاں بھی شروع ہوگئی ہیں---- مگر آپ نے فرمایا کہ نہیں، شاید قدرت کو یہ منظور نہیں ہے، اس لئے کہ میرے بعد محفوظ (صاحبزادۂ محترم) وہاں تنہا رہ جائے گا، ہمارا خاندان تو اس گاؤں میں نہیں ہے، کم ازکم میری قبر کو دیکھ کر سکون پائے گا، ورنہ عجب نہیں کہ میرے بعد وہ بھی منورواچھوڑ دے (۶۷۸)۔

بالآخر بائیس (۲۲) روز کے بعد مورخہ ۳/ اکتوبر ۱۹۶۷ء مطابق ۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ کو آپ منورواشریف واپس تشریف لے آئے اور گاؤں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

مکاتیب الوداع

منورواشریف واپسی کے بعد حضرت نے بعض مخلصین کے نام جو خطوط تحریر فرمائے ہیں ان میں آپ کی علالت اور مذکورہ سفر وغیرہ کا ذکر موجود ہے، میرے پیش نظر اس وقت دو مکاتیب ہیں اور دونوں پر تاریخ تحریر ۴/ اکتوبر ۱۹۶۷ء مطابق ۲۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ درج ہے:

---

(۶۷۸) یہ باتیں میرے والد ماجد نے بیان فرمائیں، والد صاحب بھی ان ایام میں دربھنگہ ہی میں تھے، ان کو اکزیما کا شدید مرض تھا، ڈاکٹر کو دکھانا تھا اور حضرت کے پاس بھی رہنا تھا، میرے والد صاحب کے ساتھ دربھنگہ میں بعض آزمائشوں کے واقعات بھی پیش آئے، لیکن فضل الٰہی نے دستگیری کی، اور ہر آزمائش میں آپ سرخرو ہو کر نکلے۔ والد صاحب نے کچھ واقعات خود دیکھے اور کچھ دیگر حاضرین مجلس اور صاحب خانہ سے معلوم ہوئے۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ حضرت منورویؒ کی آخری آرامگاہ کے لئے منورواشریف کا انتخاب ایک حسن انتخاب اور اس سرزمین کے حق میں بہتر فیصلہ تھا، ورنہ میرے والد ماجد بھی شاید اس بستی کو چھوڑ دیتے، والد صاحب نے خود فرمایا کہ میں نے آخری وقت میں ابا جان سے کہا تھا کہ آپ کے بعد میں اس گاؤں میں نہیں رہوں گا، یہ جفا پرستوں اور قدرنا شناسوں کی سرزمین ہے، حضرت نے سامنے کی دیوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس دیوار کو ایک طمانچہ رسید کرو، والد صاحب نے تعمیل حکم کی، حضرت نے پوچھا: اس دیوار سے کوئی آواز آئی؟ والد صاحب نے عرض کیا کہ نہیں، فرمایا کہ ”بس! اسی خاموش دیوار کی طرح یہاں زندگی گذارلو“

☆ ایک خط ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب دامت برکاتہم کے نام ہے:

عزیز از جان وجسد! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پہلے چھ (۶) روز مظفر پور میں علاج ہوتا رہا، تب مکان آیا، پھر یہاں سے بذریعۂ موٹر ڈاکٹر غلام رسول خان صاحب مقام دربھنگہ کے ہاں رہا، وہاں پہ معلوم ہوا کہ یہ تشنجی کیفیت چینی آنے کی وجہ سے ہے، اور ٹی بی کے اثرات بھی موجود ہیں، فالج کا مطلق وجود نہیں ہے،--- ۲۲ روز کے بعد کل مکان واپس آیا، تو آپ کا خط ملا، اور بے حد تشفی ہوئی، اللہ آپ کو خوش رکھے، آپ اندیشہ نہ کیجئے، ان شاء اللہ عنقریب آپ کو اچھی زندگی مل جائے گی، آپ اپنی خیریت سے تشفی کیجئے،

آپ کا دعا گو

لاشے احمد حسن عفی عنہ

☆ دوسرا خط ڈاکٹر حامد حسن صاحب (ہمدرد ایجنسی مظفر پور) کے نام ہے:

محب روحی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲ روز تک ڈاکٹر غلام رسول صاحب کے زیر علاج رہ کر دربھنگہ سے کل مکان پہونچا، تب آپ کا محبت نامہ ملا، بے حد مسرور ہوا، اور ناچیز ہنوز بیمار ہے، دوا شدت کے ساتھ جاری ہے، آئندہ اللہ حافظ ہے، اگر آپ کو تشریف لانا ہو تو پیشاب والی گولی دس عدد لیتے آیئے گا، ورنہ ضرورت نہیں، اللہ آپ کو خوش وکامیاب رکھے، میرے کل احباب کو میرا اسلام کہہ دیجئے، بچوں کو دعا۔

دعا گو

لاشے احمد حسن عفی عنہ

موت تو کہیں بھی آنی ہے

کچھ دنوں کے بعد ڈاکٹر غلام رسول صاحب پھر منورواشریف حاضر ہوئے اور اپنی خواہش پیش کی کہ حضرت علاج کے لئے دربھنگہ چلا جائے، وہاں ہر طرح کی سہولت رہے گی، دیہات میں بہت سی پریشانیاں ہیں، لیکن اب حضرت نے صاف انکار فرما دیا، اور کہا کہ موت تو کہیں بھی آنی ہے تو منوروا ہی میں کیوں نہ آجائے، دراصل مختلف قرائن واشارات کے تحت حضرت کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تھا، گو

کہ صحیح تاریخ کا پتہ نہ ہو لیکن ایک تقریبی اندازہ آپ کو ہو چکا تھا کہ رب العالمین کے یہاں حاضری کا وقت قریب ہے۔

اب میرے پاس کہاں موقعہ ہے؟

چنانچہ ایک دن جناب حاجی ابراہیم صاحب مرحوم (منوروا شریف) نے سنگاپوری کیلا کے درختوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے (جو حضرت کے دروازے پر لگے ہوئے تھے، اور ان میں برگ وبار کے آثار نمودار ہو رہے تھے) کہا کہ حضور! اس سال رمضان المبارک میں یہ کیلے خوب کام آئیں گے، حضرت نے فرمایا، اب میرے پاس کہاں موقعہ ہے، ہاں آپ لوگ کھائیے گا(٦٧٩)۔

وصیت نامہ، حج بدل کا انتظام اور ضروری ہدایات

اس دوران وصیت کے کاغذات بھی آپ نے تیار کرائے، مختلف حضرات کے لئے مختلف ہدایات اس میں رقم کی گئی تھیں، جس کو جو سامان دینا تھا وہ بھی حوالے کر دیا گیا، یا نشان زد کر دیا گیا، ان آثار سے قبل حضرت نے ارادہ کیا تھا کہ اس سال پھر سفر حج کی سعادت حاصل کریں گے، لیکن ان آثار کے ظہور کے بعد اب وقت میں گنجائش نہیں تھی، اس لئے اس کے لئے پندرہ سو(١٥٠٠) روپے (جو موجودہ زمانہ کے حساب سے قریب ڈیڑھ لاکھ کے مساوی ہوگا) حاجی ابراہیم صاحب (منوروا شریف) کے سپرد فرمائے، کہ میری طرف سے حج بدل کا انتظام کریں۔

منوروا شریف میں عکس کعبہ کی زیارت

لیکن حضرت کو حج وزیارت سے محرومی کا اس قدر قلق تھا کہ کئی دن تک چین نہ آیا، گو کہ صحت جواب دے چکی تھی اور معلوم تھا کہ وقت میں گنجائش نہیں ہے، لیکن دل کے اضطراب پہ قابو نہیں تھا، بالآخر ایک شب حضرت نے اپنے دروازے کے صحن میں عکس کعبہ کی زیارت فرمائی، اور پھر حضرت کے دل مضطر کو یک گونہ قرار آیا، جس کعبہ کے طواف کے لئے وہ بے چین تھے خود کعبہ قلب مؤمن کے طواف کے لئے حاضر ہو گیا، اور جس محبوب کے شوق دیدار نے ان کو بے قرار کر رکھا تھا وہ خود اپنے انوار و

(٦٧٩) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا، اس موقعہ پر ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، جو میری ذات سے متعلق ہے اور والد ماجد ہی اس کے ناقل ہیں، کہ حضرت جد امجد کے وصال کے وقت میں شکم مادر میں قریب تین (٣) ماہ کا تھا، کسی نے حضرت سے اس کا ذکر کیا تو فرمایا کہ ''چمن لگایا تو ہے لیکن دیکھ نہیں سکوں گا''۔

تجلیات کے ساتھ عاشق کے خلوت کدے میں محمل نشیں ہوا، سبحان اللہ! جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا باتیں ہیں (۶۸۰)۔

ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

اہل پورنیہ نے حضرت کی اجازت سے حسب روایت کچھ دینی اجتماعات کے پروگرام رکھے تھے، جن میں حضرت کو شرکت کرنی تھی، چنانچہ اہل پورنیہ کا ایک وفد حضرت کو لینے کے لئے آپہونچا، لیکن حضرت تو صاحب فراش تھے، چلنے پھرنے کی طاقت نہیں تھی، حضرت نے اپنی جگہ اپنا قائم مقام بنا کر میرے والد ماجد کو بھیجا اور بزبان حال فرمایا:

کیفیت چشم اس کی تجھے یاد ہے سوداؔ
ساغر کو مرے ہاتھ سے لیجو کہ چلا میں

(مرزا رفیع سوداؔ)

والد صاحب نے نم آنکھوں کے ساتھ حضرت سے وعدہ لیا کہ "پھر آپ سے ملاقات ہوگی؟ آپ نے فرمایا، ان شاء اللہ، اس کے بعد وفد کے ہمراہ والد صاحب پورنیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے تمام پروگراموں میں شرکت اور ملاقاتوں سے فارغ ہو کر قریب ایک ہفتہ کے بعد واپس ہوئے (۶۸۱)۔

---

(۶۸۰) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا اور یہ حضرت کے خاص لوگوں میں کافی مشہور ہے۔

(۶۸۱) میرے والد ماجد نے فرمایا کہ پورنیہ کے پروگراموں نے طول پکڑا اور مجھے آنے میں تھوڑی تاخیر ہوئی تو ایک دن جب میں کملپور میں حاجی محفوظ الرؤف صاحب کے یہاں موجود تھا میں نے مشاہدہ میں چار بزرگوں کو دیکھا، جن میں ایک میرے ابا جان تھے، میں صرف انہی کو پہچان سکا، باقی لوگ میرے لئے اجنبی تھے، پھر ان میں سے ایک بزرگ نے تعارف کرایا کہ میں امیر حسن ہوں (یعنی حضرت منورویؒ کے نانا جان)، یہ شاہ نور اللہ عرف پنڈت جیؒ ہیں، اور یہ حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ ہیں، پھر فرمایا کہ تمہارا کام ابھی ختم نہیں ہوا؟ حضرت منورویؒ کی آنکھوں میں بھی جلال کے آثار نمایاں تھے، اس مشاہدہ سے والد صاحب سخت پریشان ہوئے اور آپ نے سمجھا کہ شاید حضرت کا انتقال ہو گیا، اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے جب کہ شام ہو رہی تھی، لوگ کہہ رہے تھے کہ صبح چلے جایئے گا، جناب صوفی اسرائیل صاحب اور جناب محمد وارث علی صاحب شامل ہوئے اور یہ تین رکنی قافلہ منوروا شریف پہونچا، لیکن حضرت نے دونوں اصحاب پورنیہ کو اسی وقت رخصت کر دیا۔

امامت نماز اور جملہ امور صاحبزادے کے حوالے

حسن پور اسٹیشن اترے، تو یہیں سے تشویشناک خبریں ملنے لگیں، جناب حسن جان وکیل صاحب (بردونی ضلع سمستی پور) بھی چینی مل کی ضرورت سے حسن پور گئے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ شاید تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے، والد صاحب حاضر خدمت ہوئے، آپ نے آنکھیں کھولی اور فرمایا، تم نے بہت انتظار کرایا، پھر سفر کی تفصیلات پوری توجہ اور محبت کے ساتھ سنیں، اس کے بعد حضرت تین دن باحیات رہے، پانچوں وقت کی نماز با جماعت خانقاہ کے احاطے ہی میں ہو رہی تھی، امامت تو پہلے ہی حضرت نے اپنے صاحبزادے کے حوالے کر دی تھی، ان تین دنوں میں باقی چیزیں بھی سپرد فرما دیں، بیرونی احباب میں اس وقت صرف ڈاکٹر غلام رسول خان صاحبؒ موجود تھے، باقی مقامی احباب کی بڑی جماعت موجود تھی، ان تین دنوں میں اکثر آپ کی آنکھیں بند رہیں، صرف نماز کے وقت آنکھ کھولتے اور سہارے سے وضو اور نماز سے فارغ ہو کر پھر لیٹ جاتے اور آنکھ بند ہو جاتی، البتہ کوئی قرآن کریم کی تلاوت کرتا تو آنکھ کھل جاتی تھی۔

جنازہ، تجہیز و تکفین اور قبر کے لئے ہدایات

اس دوران حاجی جمیل صاحب، حاجی غلام حسین صاحب(۶۸۲) (متوفی ۲۸ / جمادی الاولیٰ

(۶۸۲) حاجی غلام حسین صاحب میرے نانا جان حضرت حاجی جمیل صاحبؒ کے چچا زاد بھائی تھے، عالم، قاری، صوفی اور ایک نستعلیقی شخصیت کے حامل تھے، ایک زمانے تک صلحا بزرگ پنچایت کے مکھیا رہے، صلحا میں چار بستیوں کی مشترکہ عیدگاہ کے تاحیات امام رہے، مدرسہ سبحانیہ الٰہ آباد سے فارغ تھے، وہیں سے فن تجوید بھی حاصل کی، انتہائی خوبصورت آواز کے مالک تھے، قرآن کریم اور نعت پاک پڑھتے تو سماں بندھ جاتا تھا، فارسی زبان تو گویا ان کے گھر کی لونڈی تھی، بلند اخلاق اور شاندار سیرت کی بنا پر ان کی شخصیت اس پورے خطہ میں اپنے عہد میں ایک چراغ کے مانند تھی، علماء اور صالحین سے محبت رکھتے تھے، خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں حضرت شاہ محی الدین پھلوارویؒ سے بیعت تھے، اور خانقاہ سے ان کے گہرے مراسم تھے، ایک بار صلحا بزرگ میں آتش زدگی ہوئی تو خانقاہ کے سجادہ نشیں صاحب نے ان کے لئے اور حضرت حاجی جمیل صاحب کے لئے جوڑے سلوا کر بھیجے، حضرت منورویؒ سے بھی بے حد عقیدت رکھتے تھے، اور آپ کے دربار کے حاضر باشوں میں تھے، حضرت منورویؒ بھی ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے، ان کی وفات ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵ / مارچ ۱۹۸۲ء کو بروز جمعرات صبح سات بجے ہوئی، اور عیدگاہ والے قبرستان میں مدفون ہوئے، اس حقیر کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے، اکثر میں نے دیکھا کہ وہ منوروا شریف لاتے تھے اور مزار کے سامنے دروازہ پر ایک بنچ پر بیٹھ کر شاہنامۂ اسلام انتہائی سریلی آواز میں پڑھتے تھے، روتے تھے اور کہتے تھے کہ میں صاحب مزار کو سنا رہا ہوں، میں زندگی میں بھی ان کو سنایا کرتا تھا۔

۱۴۰۲ھ مطابق ۲۵ / مارچ ۱۹۸۲ء صلحا بزرگ) اور صوفی غلام رسول صاحب (صلحا بزرگ) وغیرہ علاقے کے بہت سے خاص احباب تشریف لائے ، اور رموز و اسرار کی باتیں ہوئیں ، مقام قبر کی نشاند ہی فرمائی ، جنازہ پڑھانے کے لئے حاجی جمیل صاحب کو نامزد فرمایا اور والد صاحب سے فرمایا کہ تم جنازہ پڑھانے کا تحمل نہیں کر سکو گے، اس لئے حاجی صاحب نماز جنازہ پڑھائیں گے، غسل دینے کے لئے جناب اصغر شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے جناب امیر الدین مرحوم کو مقرر فرمایا ، جناب امیر الدین صاحب کو حضرت منورویؒ بیٹے کی طرح عزیز رکھتے تھے

وصال پر ملال

جمعرات ۲۸ / رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۲ / نومبر ۱۹۶۷ء کی نماز فجر آپ نے سہارے سے ادا فرمائی ، اور نماز کے بعد تقریباً سات بجے صبح سے سکرات کی کیفیت شروع ہوگئی، احباب و متعلقین تلاوت میں مصروف تھے، والد صاحب بھی وہیں پر موجود تھے، اور حضرت ہی کے بستر پر بیٹھ کر مسلسل قرآن کریم پڑھ رہے تھے، جب حضرت کی طبیعت زیادہ بگڑنے لگی ، اور وقت اجل قریب آ گیا تو والد صاحب اس کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکے، اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، روتے ہوئے ان کا سر حضرت کے سینے سے جا لگا، یہاں تک کہ دن میں دو (۲) بج کر پچیس (۲۵) منٹ پر حضرت کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی ، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس وقت بھی والد صاحب کا سر حضرت کے سینۂ مبارک پر تھا، حاجی غلام حسین صاحبؒ نے والد صاحب کا سر اٹھایا، اور صبر کی تلقین کی اور کہا کہ اب ساری ذمہ داری آپ پر ہے، اپنے آپ کو سنبھالئے ، حاجی جمیل صاحب اور دیگر حضرات نے بھی تسلی کے کلمات کہے، اس سے والد صاحب کو قرار آیا اور آنسو اس طرح خشک ہوئے کہ پھر نہیں نکلے، آپ نے انتہائی صبر اور وقار کے ساتھ ساری ذمہ داریاں ادا کیں ، تدفین کے لئے حضرت نے دروازے ہی پر ایک درخت کے نیچے جہاں آپ اکثر حلقہ فرماتے تھے اور ذکر و عبادت میں مصروف رہتے تھے، نشاندہی فرما دی تھی ، نومبر کے مہینے میں نسبتاً دن چھوٹا ہوتا ہے، اور شام کو قریب سوا پانچ بجے مغرب کا وقت ہو جاتا ہے، اس لئے بعجلت قبر تیار کی گئی ، کفن پہلے سے ہی تیار تھا، غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراحل کی نگرانی والد صاحب نے راست فرمائی ، جب کہ آپ کی عمر بمشکل تئیس (۲۳) سال تھی ، لیکن آپ نے ایک معمر بزرگ کی طرح ہر مرحلہ کی قیادت کی ۔

نسبت خاصہ یا نسبت اتحادی

دراصل بزرگوں کے یہاں ایک نسبت خاصہ ہوتی ہے جس کو نسبت اتحادی بھی کہا جاتا ہے، یہ بالعموم بوقت وفات منتقل ہوتی ہے، اور یہ کسی ولی کی وہ آخری نسبت ہوتی ہے جس سے بالعموم وہ شخص سر فراز ہوتا ہے جو وفات پانے والے بزرگ سے سب سے زیادہ قریب ہو، اگر بوقت وفات کسی قریب ترین شخص کو ولی کے سینہ سے الصاق حاصل ہو جائے، تو اس کے اندر نسبت خاصہ کی منتقلی کا زیادہ امکان ہوتا ہے، اس نسبت کے حصول کے بعد وہ شخص اپنے شیخ یا مورث کا کلیتاً قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اس کو اصطلاح میں نسبت اتحادی بھی کہا جاتا ہے۔

ع تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ایک نظیر

اس کی تشریح و تائید کے لئے حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ (م ۲۴/مئی ۱۹۸۲ء مطابق ۲۹/ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ) کی آپ بیتی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں، جو حضرت مولانا یوسف کاند ھلویؒ (ولادت ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء وفات ۱۳۸۴ھ/ ۱۹۶۵ء) کی جانشینی اور ان کی طرف حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ (ولادت ۱۳۰۳ھ/ ۱۸۸۵ء وفات ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء) کی نسبت خاصہ کی منتقلی سے متعلق ہے، حضرت شیخ رقمطراز ہیں:

> ''مشائخ کے یہاں ایک نسبت خاصہ ہوتی ہے، جو شیخ کے انتقال پر کسی ایک کی طرف جو شیخ سے زیادہ نسبت اتحادیہ رکھتا ہو منتقل ہوا کرتی ہے۔
>
> حضرت اقدس رائے پوریؒ کا رمضان المبارک میں یعنی چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس صاحب) کے انتقال سے دو ماہ بعد رائے پور سے ایک والا نامہ آیا، جس میں حضرت قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ حضرت دہلویؒ کی نسبت خاصہ کے متعلق مختلف روایات سننے میں آئیں، میرا خیال تمہارے متعلق تھا--- میں نے اسی وقت جواب لکھا کہ حضرت! آپ حضرات نہ معلوم کہاں ہیں وہ تو لونڈا لے اڑا۔
>
> شوال میں جب حسب معمول عید کے بعد رائے پور حاضری ہوئی، تو عزیز مولانا محمد یوسف صاحبؒ بھی میرے ساتھ تھے، حضرت رائے پوریؒ نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں تو میں نے آپ کے خط کو تواضع پر محمول کیا تھا لیکن اب تو مولانا یوسفؒ کو دیکھ کر آپ کی بات کی

تصدیق کرنی پڑی، آپ نے بالکل سچ اور صحیح فرمایا، اب اس میں بالکل تردد نہ رہا، چچا جان کی بیماری میں بھی عزیز یوسف مرحوم اکثر نمازیں پڑھایا کرتے تھے، لیکن چچا جان کے انتقال کے بعد صبح کی نماز جو اس نے پڑھائی ہے میرا دل تو اسی نے کھینچ لیا تھا، اور میں اسی وقت سمجھ گیا کہ الوداعی معانقہ بیٹے کو دے گئے، ہوا یہ تھا کہ انتقال کے وقت بلکہ نزع شروع ہونے کے وقت چچا جان نور اللہ مرقدہ نے عزیز مولانا یوسف صاحب کو بلایا جو سور ہے تھے، اور انتقال صبح اذان سے کچھ پہلے ہوا تھا، اور بلا کر یوں فرمایا تھا کہ ''آ یوسف لپٹ لے ہم تو جا رہے ہیں'' وہ چچا جان کے سینے پر گر گیا اور بندہ کے خیال میں اسی وقت نسبت القائی کا القا ہوا تھا، واللہ اعلم (۶۸۳)۔

جیسے تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو

میرے والد ماجد کے ساتھ بھی بعینہ یہی معاملہ ہوا، جیسے تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو، ساری زندگی کی عبادت و ریاضت اور خدمت و ہم نشینی ایک طرف اور اس آخری لمحات میں سینۂ مبارک پر آپ کی سرافگندگی اور بے خودی ایک طرف، عینی شاہدین کا بیان ہے کہ جس وقت آپ کا سر حضرت کے سینہ سے اٹھایا گیا تو اس وقت آپ کا رنگ بدلا ہوا تھا، پھر صبح جب والد صاحب نے فجر کی نماز پڑھائی تو اس کی کیفیت ہی کچھ اور تھی، جب کہ حضرت کی علالت کے دوران بھی روزانہ ہر نماز آپ ہی پڑھاتے تھے، لیکن یہ نماز ان سب سے مختلف تھی، نماز کے بعد حاجی ابراہیم صاحب (منورواشریف - جو رشتہ میں والد صاحب کے خالو اور ماموں ہوتے تھے) نے آپ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ آج وہ کل والا محفوظ نہیں ہے، تمام شرکاء جماعت اور دیگر متوسلین کا احساس بھی یہی تھا، اس کے بعد سے حاجی ابراہیم صاحب آپ کا احترام کرنے لگے تھے۔

نماز جنازہ اور تدفین

بہر حال والد صاحب نے انتہائی مستعدی کے ساتھ تجہیز و تکفین کے تمام تر انتظامات مکمل کئے، اور مغرب کی نماز کے بعد خانقاہ کے احاطے میں حسب وصیت حضرت حاجی جمیل صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، جنازہ میں شریعت کے قانون کے مطابق تعجیل کا لحاظ رکھا گیا تھا، لیکن اس کے باوجود بے شمار خلائق کا ہجوم تھا، خانقاہ کے پورے خطہ میں کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی، اتنا بڑا جنازہ اس خطہ کی تاریخ

(۶۸۳) آپ بیتی حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ ج ۱ ص ۳۷۳، ۳۷۴، ناشر مکتبہ عمر فاروق کراچی، اشاعت دوم۔

میں دیکھا نہیں گیا، جنازہ کے بعد حسب وصیت آم کے درخت کے نیچے کچھ فاصلہ پر تدفین عمل میں آئی۔

ایک سفید فام اجنبی مخلوق نے اپنی جان دی

تدفین سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو ایک عجیب منظر دیکھنے کو ملا، ایک کافی بڑے سائز کا سفید رنگ کا کتا خانقاہ کے احاطے میں مردہ پڑا ہوا ملا، جبکہ چند لمحوں پہلے وہیں خلائق کے ہجوم نے نماز جنازہ ادا کی تھی، مگر کسی کو وہ نظر نہیں آیا تھا، لوگ حیران رہ گئے کہ اس سے پہلے اس طرح کا کتا کبھی یہاں نظر نہیں آیا، اور اتنے بڑے سائز کا کتا بھی کسی نے آج تک نہیں دیکھا تھا، یہ کدھر سے آیا اور کب آیا کسی کو نہیں معلوم، حضرت حاجی جمیل صاحبؒ اور کچھ خاص متوسلین نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جن کی اقسام میں سے ہے، جو شاید حضرت کا مرید رہا ہو، اور صدمہ میں جان دے دی، چنانچہ اس کتے کو بھی نہر کے کنارے دفن کر دیا گیا۔

جان ہی دے جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

❁ ❁ ❁

قطعات تاریخ وفات وکلمات عقیدت ومحبت

قطعات تاریخ وفات

جناب مولانا مظفر عالم کشفیؔ (مصرولیا ضلع مظفر پور) سجادہ نشیں خانقاہ مصرولیا ضلع مظفر پور بہار

اللھم اغفر (۱۳۸۷ھ)

رفت آں ساقی محفل بہ جوار رحمت — حیف در چشم زدن صحبت یا آخر شد
عندلیب دل سوزاں بہ فراقش نالاں — روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

(۱۹۶۷ء)

دیگر

چواز دنیائے فانی رخت بربست — چراغ ملت آں درویش خوش بخت
پئے تاریخ رحلت گفت کشفیؔ — جنید وقت و ہادی زماں رفت

(۱۳۸۷ھ)

نذرانۂ عقیدت

جناب مولانا مظفر عالم کشفیؔ (مصرولیا ضلع مظفر پور) سجادہ نشیں خانقاہ مصرولیا

رفت شاہ نقشبنداں رہبر دنیا و دیں

عالم ربانی قطب سبحانی الحاج حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ

یادگار نقشبنداں رہبر دنیا و دیں — وارث علم نبوت کاشف اسرار دیں
عارف کامل مکمل با علوم معرفت — واقف رمز طریقت صاحب علم ویقیں
ذات او خلق مجسم پیکر صدق و صفا — صاحب ایثار وعلم وحلم واوصاف حسیں
ازسحاب فیض او سیراب کشت قلبہا — چشمۂ عرفان او بودہ رواں بر ہر زمیں
ازقلوب ما محباں زنگ عصیاں دور کرد — قدر اہلیت جلا دادہ بہر قلب حزیں

ہر کسے کہ شد میسر صحبتش گر یک زماں
منکشف شد معنی یک ساعتے بااہل دیں

ناگہاں آمد پیام وصل از ایزد تعال
لبیک سعدیک گفتہ کردند رحلت ایں چنیں

ہر موئے تن اللہ اللہ ذکر حق را شغل زن
سینہ اش معمور از انوار ایمان ویقیں

(۱۳۸۷ھ)

گفت تاریخ وصالش کشفی دلگیر ایں
روح وریحان سلام ادخلوھا خالدیں
(۱۹۶۷ء)

اشکہائے محبت

جناب رمزی اٹاری صاحب

وہ دیوانہ جسے اللہ کا سودائے کامل تھا
لہو میں جس کے اک سوز روان عشق شامل تھا

وہ موجیں مارتا دریا تھا فیضان نبوت کا
بہار کھا تھا جس نے چشمہ فارانی سعادت کا

وہ جس کا کارفرما دورتک پاکیزہ افسوں ہے
وہ جس کی کوششوں کا خطۂ پر یہار ممنوں ہے

خموشی سے کیا کرتا تھا جو اسلام کی خدمت
منور وا صلحا سے دارالبقاء وہ ہوگیا رخصت

کہاں سے لائے گا تیرا وہ درد و دل سوزی
محبت کی تڑپ، اخلاص مندی، درس آموزی

تیرا دیدار حق آثار نیکی کی تجارت تھا
خوشا وہ ہم نشیں حاصل جنہیں فخر زیارت تھا

چراغ حق کے پروانوں کو سوز و ساز دیتا تھا
حرارت سے نفس کی گرمئ پرواز دیتا تھا

جہاں سے کوچ کرتے وقت بھی غم تھا تو اس کا تھا

طہارت، تزکیہ، تعلیم اور سب کی سعادت کا

خدا اس جذبۂ سعی و عمل کا اجر دے تجھ کو
جہاں میں آخرت میں منزل صالح ملے تجھ کو

نہ پوچھو اہل دل کی موت کیا ہے زندگانی ہے
اور ان کی زندگی کیا ہے، محبت کی نشانی ہے

خدا کے شوق میں یوں سانس لیتا تھا زمانے میں
فرشتہ جیسے آہیں بھر رہا ہو قید خانہ میں

خدا کی یاد میں دامن نہ چھوڑا تھا دم آخر
اجل حسرت سے تکتی رہ گئی ذوق لب ذاکر

میری حسرت بھری آنکھوں سے جو آنسو ٹپکتے ہیں
کسی کی یاد میں فرش زمیں پر سر پٹکتے ہیں

گلہائے عقیدت

جدِّ امجد الحاج حضرت مولانا حکیم احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

==========================

مولانا رضوان احمد قاسمی (منوروا شریف، نبیرۂ حضرت منورویؒ)

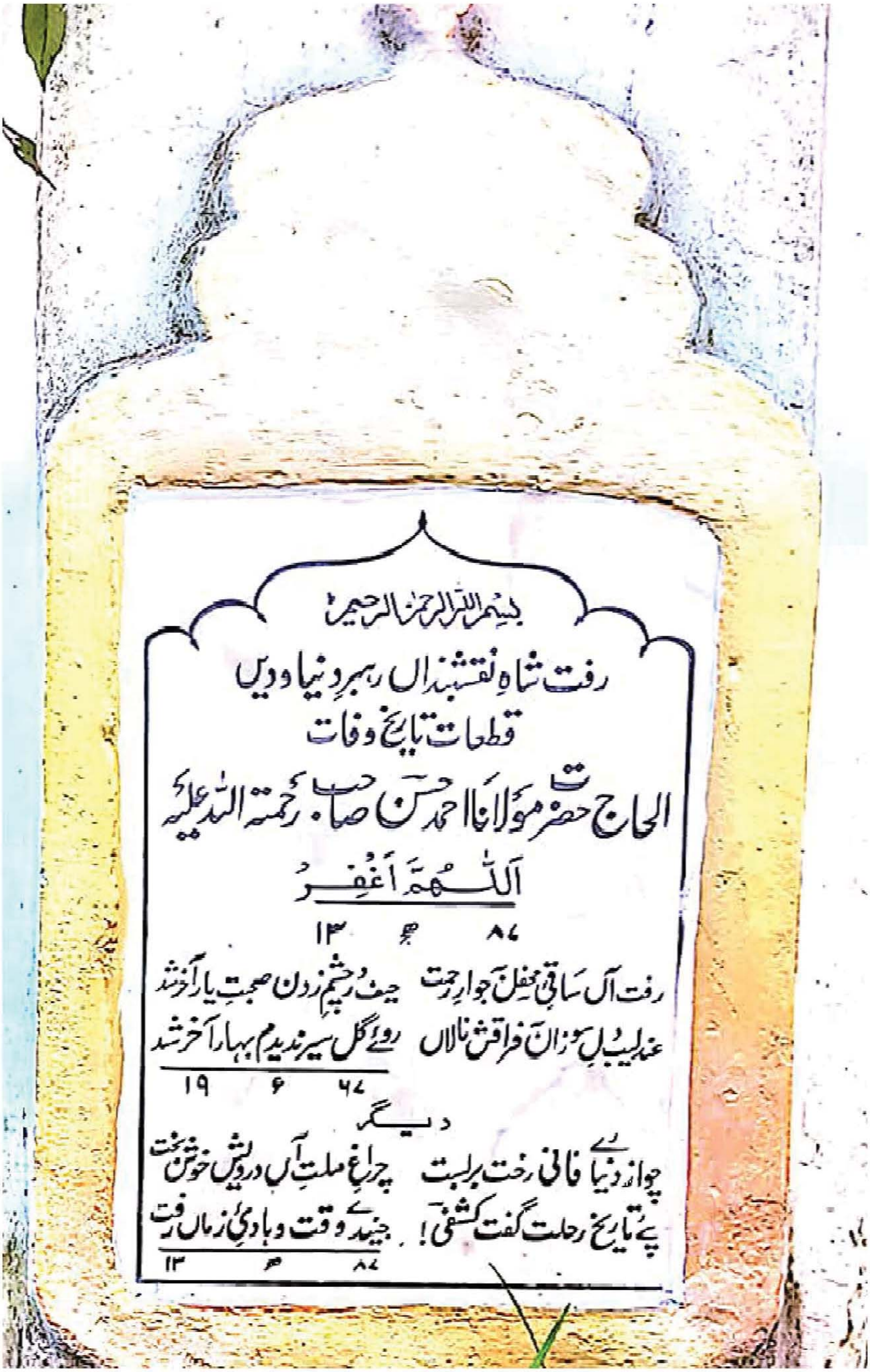
جدِّ امجد، قطبِ دوراں، ابرِ نیساں، دُر فشاں
یادگارِ نقشبنداں، تا جدارِ سالکاں
گلستانِ علم و عرفاں، پیرِ دانا، راز داں
سینہ بِریاں، دیدہ گریاں، سوختہ شد قلب وجاں
طفلک و پیری جوانی بود اورا بے مثال
یادِ نبوی نقش بردل، ذکر باری بر زباں
چہرہ اش پرنور مانند آفتابِ نیم روز
از شعاعِ روئے او روشن شدہ چند کارواں
صحبتِ او کیمیا و معدنِ عشقِ الٰہ
ہرکہ آمد شد قمر وشل ابر رفتگاں
قادری و نقشبندی مظہری چشتی چراغ
نسبتِ حسن و حسینی بود حاصل بے گماں
نور عین شہ بشارت، شاہ نوراللہ ولی
شاہ محی الدین و برکت دہلوئ سروراں
وصف آں گر من بگفتم اے برادر بالیقیں
مثلِ احمد مرشدِ کامل نہ بیند ایں زماں
ہرکہ دارد زاں عقیدت، ذکر کردند صبح وشام

برسجودش رشک آید ساکناں را کل جہاں

رفت شیخ احمد حسن و یاد او پائندہ است
پسرش محفوظِ رحماں، جانشینِ پیرِ آں

اختر و رضوان و محبوب، ایں دعا کردند مدام
مالک یومِ الجزاء، او را دہد خلد جناں

حیف برتو آہ رضواںؔ، زندگیت داغدار
چشم پُرنم قلب پُرغم بایدت چوں عارفاں



کتبہ مرقد مبارک قطب الہند حضرت الحاج مولانا حکیم احمد حسن منورویؒ

(۹)

باب نہم

آئینۂ حیات

قطب الہند حضرت مولانا الحاج سید احمد حسن منورویؒ
کی حیات طیبہ بہ یک نظر - عہد بہ عہد

☆اسم گرامی: سید احمد حسن

☆والد ماجد: حضرت مولانا سید عبد الشکور آہ مظفر پوریؒ

☆والدہ ماجدہ: سیدہ حلیمہ خاتونؒ

☆جد امجد: حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ مظفر پوریؒ

☆نانا محترم: حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ

☆ولادت باسعادت:

رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۰۱ء بمقام چھوٹی کلیانی شہر مظفر پور بہار

☆استاذ اول از ابتدا تا متوسطات:

حضرت مولانا سید نصیر الدین احمد نصرؔ مظفر پوریؒ تا ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء

☆نسبت نقشبندیہ مجددیہ آفاقیہ رحمانیہ: ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء سے قبل

☆داخلہ برائے حصول تعلیم متوسطات:

مدرسہ جامع العلوم مظفر پور بہار تا ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء

☆تکمیل تعلیم ظاہری متوسطات: مدرسہ فیض الغرباء آرہ - ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء

☆داخلہ درجات علیا: دار العلوم احمدیہ سلفیہ در بھنگہ - ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء (ایک ماہ)

☆داخلہ درجات علیا: مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے در بھنگہ - ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء

☆فضیلت دورۂ حدیث شریف: مدرسہ امدادیہ لہریا سرائے در بھنگہ - ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء

☆بیعت و تکمیل سلوک قادریہ رزاقیہ:

حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ - ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء تا ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء

☆بیعت و تکمیل سلوک سلسلۂ چشتیہ صابریہ رزاقیہ:

حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ -- ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء تا ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء

☆بیعت و تکمیل سلوک سلسلۂ چشتیہ نظامیہ رزاقیہ:

حضرت مولانا سید امیر الحسن قادریؒ -- ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء تا ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء

☆تدریسی خدمات: گوا گاؤں سابق پورنیہ - ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء (چند ماہ)

☆تاسیس مدرسہ کملپور و تدریس: ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۲۰ء

☆اجازت و خلافت مطلقہ سلسلۂ قادریہ رزاقیہ: از نانا جان ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء

☆طب کی تعلیم-دوسالہ کورس:

ادارہ تکمیل الطب کالج لکھنؤ-۱۹۲۰ء ۱۹۲۱ء/۱۳۳۸ھ ۱۳۳۹ھ (فراغت ۱۹۲۲ء (۱۳۴۰ھ) کے اوائل میں)

☆نانا جان (شیخ اول) کی ہجرت اور وفات: ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۳۹ھ

☆لکھنؤ میں ایک انگریزی اسکول میں ملازمت اور استعفا: ۱۹۲۲ء/۱۳۴۰ھ

☆بیعت و تکمیل سلوک نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ:

حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ-۱۹۲۲ء/۱۳۴۰ھ

☆منوروا شریف میں قیام اور تعلیم و تربیت کا نظام: ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء

☆بیعت و تکمیل سلوک قادریہ مجیبیہ:

حضرت شاہ عبیداللہ قادری پھلواروئیؒ-غالباً ۱۹۲۴ء یا ۱۹۲۵ء/ ۱۳۴۲ھ یا ۱۳۴۳اء

بیعت و تکمیل سلوک نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ سراجیہ کریمیہ:

حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ-تقریباً ۱۹۳۱ء/۱۳۴۹ھ

نکاح محل اولیٰ: ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء

نسبت واجازت سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ عثمانیہ حسینیہ:

حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ (مہدولی)-۱۹۳۶ء/۱۳۵۵ھ کے بعد

نکاح محل ثانیہ: ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء

نسبت واجازت سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ محبوبیہ اصغریہ بشارتیہ کریمیہ:

حضرت صوفی عبدالکریم شاہ بشارتیؒ تک امروہہ ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء کے بعد

پہلا حج: ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء

نسبت واجازت سلسلۂ شاذلیہ:

حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلوی الشاذلیؒ-جمادی الثانیہ ۱۳۷۱ھ مطابق مارچ ۱۹۵۲ء

نسبت واجازت سلسلہ چشتیہ صابریہ مجددیہ:

حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ، بواسطہ حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ-غالباً ۱۹۵۵ء/ ۱۳۷۴ھ میں

دوسرا حج: ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء

منوروا شریف کا تاریخی سیلاب اور گاؤں کا نقل مکانی: ۱۹۶۴ء/ ۱۳۸۳ھ

تیسرا حج (حج بدل کی صورت میں): ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء

وفات حسرت آیات:

جمعرات ۲۸ / رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۲ / نومبر ۱۹۶۷ء دو بج کر پچیس منٹ دوپہر

قلمی خدمات

☆مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

☆مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت

☆امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

مدراس و مکاتب کی تاسیس

☆منوروا شریف میں دینی درسگاہ کا قیام

☆مدرسہ غوثیہ مظہریہ قمر گنج کا قیام

☆مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ ضیا گاچھی کا قیام

روحانی مراکز اور خانقاہوں کی تاسیس

(۱) خانقاہ منوروا شریف کی تاسیس، جہاں بحیثیت پیر طریق آپ کا باقاعدہ قیام رہا:

(۱۳۴۲ھ تا ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء)، پھر ۱۹۵۷ء یا ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۷۶ھ تا ۱۳۸۷ھ کل اٹھارہ (۱۸) سال آپ کا یہاں قیام رہا۔

(۲) بذر گاؤں خانقاہ کی تاسیس (سابق ضلع پورنیہ موجودہ ضلع کٹیہار):

جہاں تقریباً ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء تا ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء تقریباً بارہ (۱۲) سال آپ کا قیام رہا۔

(۳) سورجا پور خانقاہ کی تاسیس (سابق ضلع پورنیہ، موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال):

۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء تا ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۶ء تقریباً آٹھ (۸) سال یہاں قیام رہا۔

(۴) خانقاہ ربانیہ ضیا گاچھی (موجودہ ضلع اتر دیناجپور بنگال):

۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء- زیر نگرانی حضرت مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ

(۵) خانقاہ مصرولیا ضلع مظفر پور: (غالباً ۱۹۶۴ء)- زیر نگرانی حضرت حاجی منظور احمد صاحبؒ

(۱۰)

باب دہم

بعض اہم مسائل ومصطلحات تصوف

(تصوف کے بعض اہم اور حساس مسائل کی توضیح
اور مخصوص اصطلاحات کی تشریح)

تصوف کے کئی نام ہیں، علم القلب، علم الاخلاق، احسان، سلوک اور طریقت، یہ سب ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں، قرآن وسنت میں اس کے لئے زیادہ تر ''احسان'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، اور ہمارے زمانے میں لفظ ''تصوف'' زیادہ مشہور ہے۔

تصوف کی حقیقت

تصوف کا مقصد انسان کے معنوی رذائل کی اصلاح اور باطنی وروحانی ترقی ہے، قرآن وسنت میں بہت سے باطنی اعمال وخصائل کی نشاندہی کی گئی ہے، مثلاً: تقویٰ، محبت الٰہی، اخلاص، توکل، صبر وشکر، تواضع، خشوع، قناعت، حلم، سخاوت، حیا، رحم دلی وغیرہ، ان کو فضائل یا اخلاق حمیدہ کہا جاتا ہے، ان کی تحصیل اسلام میں مطلوب ہے، انہی فضائل کے حصول کا نام روحانی ترقی ہے۔

اور بہت سے باطنی اعمال وعادات اللہ پاک کو ناپسند ہیں، مثلاً تکبر، عجب، غرور، ریا، حب مال، حب جاہ، بخل، بزدلی، لالچ، دشمنی، کینہ، سنگدلی، اور شہوت وغضب کا غلبہ وغیرہ ان کو رذائل یا اخلاق رذیلہ کہا جاتا ہے، ان کو ترک کرنے کا نام اصلاح باطن ہے۔

تصوف کا خلاصہ بس یہی دو چیزیں ہیں، اصلاح باطن اور ترقی باطن، قرآن وحدیث میں بے شمار مقامات پر ان فضائل ورذائل کا ذکر آیا ہے، اور ان کے حصول واجتناب کی تلقین وہدایت کی گئی ہے، صوفیاء کے یہاں جو کچھ ہے سب اسی کی محنت ہے۔

بعض بزرگوں نے تصوف کا خلاصہ بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس کی ابتدا تصحیح نیت ہے (**انما الا عمال بالنیات الحدیث** (۶۸۴)) اور انتہا مرتبۂ احسان کی تحصیل ہے (**ان تعبد اللہ کانك تراہ الحدیث** (۶۸۵))، ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زوائد یا تحسینات ہیں، ان پر تکمیل کا انحصار نہیں ہے (۶۸۶)

---

(۶۸۴) صحيح البخاري ج 1 ص 1 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

(۶۸۵) صحيح البخاري ج 1 ص 27 حديث نمبر: 50 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

(۶۸۶) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: احیاء علوم الدین للغزالی ج اول، اور التشرف فی معرفۃ احادیث التصوف مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہ

بیعت کی ضرورت اور ثبوت

مگر یہ چیزیں خود سے پیدا نہیں ہوجاتیں، ان کے لئے شیخ کامل اور طبیب حاذق کی ضرورت پڑتی ہے، جو انسان کے احوال اور مزاج و مذاق کے اعتبار سے علاج تجویز کرے، اسی لئے بیعت کی ضرورت ہے، یہ بیعت اسلام یا بیعت امارت یا بیعت جہاد نہیں ہے بلکہ طالب اپنے مرشد کے سامنے ترک معاصی اور توبہ کا عہد کرتا ہے، اور پھر ساری زندگی اس عہد کی پابندی کرتا ہے، اور یہ عہد گو کہ بظاہر اپنے پیر کے ہاتھ پر کرتا ہے لیکن اصلاًوہ ہاتھ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نمائندہ ہوتا ہے، یہ بیعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صحابہ سے لی تھی، حضرت عبادہ ابن الصامت رضی اللہ عنہ جو بدر اور بیعت عقبہ میں بھی شریک رہ چکے تھے، روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی تھی، آپ نے فرمایا:

بايعوني على أن لاتشركوا بالله شيئا ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا أولادكم ولا تأتوا ببهتان تفترونه بين أيديكم وأرجلكم ولاتعصوا في معروف. (۶۸۷)

ترجمہ: تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ تم شرک نہ کروگے، چوری نہ کروگے، زنا نہ کروگے، اپنی اولاد کو قتل نہ کروگے، کسی پر بہتان نہ لگاؤ گے، اور معروف میں اطاعت سے سرکشی نہ کروگے''

ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت

یہ بیعت کبھی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی کی جاتی تھی، حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ سات، آٹھ، نو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر تھے:

فَقَالَ أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللّٰهِ وَكُنَّا حَدِيثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ فَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللّٰهِ فَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ أَلَا تُبَايِعُونَ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَبَسَطْنَا أَيْدِيَنَا وَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَعَلَامَ نُبَايِعُكَ قَالَ عَلَى أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ وَتُطِيعُوا وَأَسَرَّ كَلِمَةً خَفِيَّةً وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا. (۶۸۸)

---

(۶۸۷) صحيح البخاري ج 1 ص 15 حديث نمبر: 18 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة—بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987
تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

(۶۸۸) الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج 3 ص 97 حديث نمبر: 2450 المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة. بيروت ==

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ بیعت نہیں کرو گے؟ ہم لوگوں نے تازہ تازہ کچھ دنوں قبل بیعت (اسلام) کی تھی، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم تو آپ کے ہاتھ پر بیعت کر چکے ہیں، پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم لوگ رسول اللہ سے بیعت نہیں کرو گے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم تو بیعت کر چکے ہیں، مگر جب آپ نے تیسری بار یہ جملہ ارشاد فرمایا تو ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ فرمایئے اب کس چیز پر ہم بیعت کریں، آپ نے فرمایا کہ بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کی عبادت کرو گے، اس کے ساتھ شرک نہ کرو گے، اور پانچوں نمازوں کی پابندی کرو گے، اطاعت کرو گے، اور ایک بات آہستہ سے فرمائی، اور فرمایا کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرو گے"

بیعت طریقت سنت ہے واجب نہیں

یہی وہ بیعت ہے جو صوفیا اور مشائخ کے یہاں مروج ہے، اس کو بیعت طریق کہتے ہیں، یعنی سیدھے راستہ پر چلنے کی بیعت، یہ بیعت واجب نہیں ہے، اسی لئے تمام صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیعت نہیں لی، جب کہ بیعت اسلام، بیعت امارت اور بیعت جہاد سب کے لئے واجب ہے، لیکن بیعت طریق سنت ہے، اس بیعت سے انسان کے اندر خیر کے محرکات پیدا ہوتے ہیں اور شر کے محرکات کمزور پڑتے ہیں، یہ وہ تجربہ ہے جو عہد نبوی سے آج تک مشائخ نے کیا ہے۔

متعدد سلاسل و طرق اور اصول و اصطلاحات

پھر ہر شیخ کا اپنا اپنا طریقہ، اپنے اصول اور اپنی اصطلاحات ہیں، جو مشائخ کے اجتہاد و تجربہ پر مبنی ہیں، اسی لئے کئی سلسلے اور طریقے وجود میں آگئے، اور دین کے دیگر شعبوں کی طرح یہاں بھی بہت سے مسائل و فروع پیدا ہو گئے، ان میں بہت سے مسائل و اصطلاحات کا ذکر گذشتہ صفحات میں سوانحی حالات کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن چند اہم چیزیں ابھی تشنہ تفصیل ہیں، جن کا سمجھنا طالبین بلکہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ضروری ہے۔

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت

شریعت: مجموعۂ احکام کا نام ہے اس میں احکام ظاہری و باطنی سب شامل ہیں، پہلے اس کے لئے

==الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات [ملاحظات بخصوص الكتاب] 1- الكتاب مشكول 2- موافق للمطبوع كاملاً بحمد الله 3- معنون.

فقہ کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی، فقہ کی تعریف امام صاحب سے منقول ہے:

معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا،

بعد میں یہ اصطلاح تبدیل ہوگئی، اور فقہ صرف اعمال ظاہرہ کے مجموعہ کا نام ہوگیا، اور اعمال باطنہ کے مجموعہ کو تصوف کہنے لگے۔

طریقت: اعمال باطنہ کے مجموعہ کا نام ہے، یعنی سینہ وقلب کے اندر ایسا نور پیدا ہو جس سے انسان میں عشق، محبت، شکر، صبر، اخلاص اور تقویٰ پیدا ہوجائے، اور اخلاق ذمیمہ اور اعمال رذیلہ سے سینہ وقلب صاف ہوجائے۔

حقیقت: ان اعمال باطنہ کی درستی سے قلب میں جو جلا اور صفا پیدا ہوتا ہے، اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ (متعلقہ اعیان واعراض بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ) وحقائق الہیہ صفاتیہ وفعلیہ (بالخصوص اللہ اور بندہ کے درمیانی معاملات سے متعلق) منکشف ہوتے ہیں، ان مکشوفات کو حقیقت کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک حقیقت ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ جس بزرگ پر یہ باتیں ظاہر ہوں اس کو محقق اور عارف کہتے ہیں۔

معرفت یا وصلت: اور اس انکشاف کو معرفت کہتے ہیں، بایں طور کہ کسی لمحہ خدا کی یاد سے دل غافل نہ ہو، اور دل عشق الٰہی سے زندہ ہوجائے (۶۸۹)۔

حضرت داتا ہجویریؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''مشائخ صوفیاء نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ علم جو حال کے نزدیک ہے اس کا علم اپنے حال سے جو بیان کرتا ہے، وہ معرفت ہے، اور اس کے عالم کو عارف کہتے ہیں، اور جو علم معنیٰ سے جدا اور معاملات سے خالی ہو، اسے علم کہتے ہیں، اور اس کے جاننے والے کو عالم---
>
> شریعت نام ہے اس کا جس پر نسخ وتبدل روا ہو، جیسے احکام واوامر، تو شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی محافظت کرے، تو معلوم ہوا کہ شریعت کا قیام بلا وجود حقیقت محال ہے، اور بلا شریعت وجود حقیقت بھی محال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص زندہ جان سے ہوتا ہے، جب جان جاتی ہے، تو وہ شخص مردہ ہوجاتا ہے، اور جان اس کے ساتھ ایسے ہے کہ ان کی قدر وقیمت ایک دوسرے کے ساتھ ہے، اسی طرح

---

(۶۸۹) امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۷۸، ۱۷۹ مجموعۂ فتاویٰ حضرت تھانویؒ و دیگر کتب تصوف۔

شریعت بلا حقیقت ریا کاری ہے، اور حقیقت بلا شریعت نفاق (۶۹۰)۔

معرفت کی تفصیلی بحث کشف المحجوب میں کشف حجاب کے ضمن میں موجود ہے، داتا ہجویریؒ نے اس موضوع پر دقیق علمی گفتگو کی ہے (۶۹۱)۔

سلسلۂ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور باقی سلاسل حضرت علیؓ سے جاری ہونے کی حکمت

سلاسل کی بحث میں ضمناً یہ بات آچکی ہے کہ مختلف صحابہ سے مختلف روحانی سلاسل جاری ہوئے، ان میں خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سلسلۂ نقشبندیہ جاری ہوا، اور باقی تمام سلاسل کا منبع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی ہے، اس کی حقیقی وجہ تو اللہ کو معلوم، لیکن بعض اہل اللہ نے اس کی کچھ توجیہات بیان کی ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ایک اقتباس اس موضوع پر بے حد اہم ہے جو اہل معرفت کے لئے اپنے اندر ایک جہان معنیٰ پوشیدہ رکھتا ہے:

''اور جاننا چاہئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولایت، ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف واقع ہوئی ہے، اور ولایت عیسوی کے بائیں طرف، اور چونکہ حضرت امیرؓ (حضرت علیؓ) ولایت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حامل ہیں، اس لئے مشائخ و اولیاء کے اکثر سلسلے ان سے منتسب ہوئے ہیں، اور حضرت امیرؓ کے کمالات حضرات شیخینؓ کے کمالات کی نسبت اکثر اولیائے عظام پر جو کمالات ولایت سے مخصوص ہیں، زیادہ تر ظاہر ہوئے ہیں، اگر شیخین کی افضلیت پر اہل سنت کا اجماع نہ ہوتا، تو اکثر اولیائے عظام کا کشف حضرت امیرؓ کی افضلیت کا حکم کر دیتا، کیونکہ حضرات شیخینؓ کے کمالات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشابہ ہیں، اور صاحبان ولایت کا ہاتھ ان کے کمالات کے دامن سے کوتاہ ہے، اور اہل کشف کا کشف ان کے کمالات کے درجوں کی بلندی کے باعث راہ میں ہیں، ولایت کے کمالات ان کے کمالات کے مقابلے میں مطروح فی الطریق (راہ میں پھینکے ہوئے) کی

(۶۹۰) کشف المحجوب ص ۵۹۳ مؤلفہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ناشر: مکتبہ شمس و قمر لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ۔

(۶۹۱) دیکھئے: کشف المحجوب ص ۵۴۴ تا ۵۶۴ مؤلفہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ناشر: مکتبہ شمس و قمر لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ۔

طرح ہیں، کمالات ولایت کمالات نبوت پر چڑھنے کے لئے بمنزلہ زینہ کے ہیں، پس مقدمات کو مقاصد کی کیا خبر، اور مطالب کو مبادی کا کیا شعور، آج یہ بات عہد نبوت کے بعد کے باعث اکثر لوگوں کو ناگوار اور قبول سے دور معلوم ہوتی ہے---

اور آپ کو معلوم ہے کہ اولیاء کے تمام سلسلوں کے درمیان سلسلۂ علیہ نقشبندیہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، پس صحو کی نسبت ان میں غالب ہوگی، اور ان کی دعوت اتم ہوگی، اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے کمالات ان پر ظاہر ہونگے، ناچار ان کی نسبت تمام سلسلوں کی نسبتوں سے بڑھ کر ہوگی، دوسروں کو ان کے کمالات کا کیا پتہ، اور ان کے معاملہ کی حقیقت کی کیا خبر، میں نہیں کہتا کہ تمام مشائخ نقشبندیہ اس معاملہ میں برابر ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے، بلکہ ہزاروں میں سے ایک بھی اس صفت کامل جائے تو غنیمت ہے، میرا خیال ہے کہ حضرت مہدئ موعودؒ جو ولایت کی اکملیت کے لئے مقرر ہیں، ان کو یہ نسبت حاصل ہوگی، اور اس سلسلۂ علیہ کی تتمیم و تکمیل فرمائیں گے، کیونکہ تمام ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے نیچے ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی سب ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات سے بہت کم حصہ حاصل ہے، اور یہ ولایت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہونے کے باعث ان کمالات سے وافر حصہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔

ع　　　بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اے بھائی! چونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ ولایت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا بوجھ اٹھانے والے ہیں، اس لئے اقطاب وابدال واوتاد (جو اولیاءے عزلت میں سے ہیں، اور کمالات ولایت کی جانب ان میں غالب ہے) کے مقام کی تربیت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی امداد و اعانت کے سپرد ہے" (۶۹۲)

حضرت الاستاذ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے:

"جو نسبت احسانیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوئی تھی، اس کو انہوں نے خلیفۂ اول (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) سے، پھر خلیفۂ ثانی (حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) سے پھر خلیفۂ ثالث (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) سے راسخ اور مستحکم کیا تو یوں سمجھئے کہ ان کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(۶۹۲) مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۵۱ ج ۲ حصہ چہارم ص ۵۱۰ تا ۵۱۵، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید نقشبندی، ناشر پروگریسو بکس، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۲ء۔

اور آپ کے خلفاء ثلاثہ کے فیضان کا مجموعہ تھی، جس طرح حضرت عثمان غنیؓ کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور شیخین کے فیضان کا مجموعہ تھی، ان حضرات میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تنہا ایسے شخص تھے، جن کی تربیت و تکمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا اور کسی انسان کا حصہ نہیں لہٰذا جو سلاسل بھی حضرت علیؓ سے چلے وہ خلفاء ثلاثہ کے فیضان سے خالی نہیں، ---

خلفاء اربعہ کو دونوں طرح کی امامت کاملہ (ظاہرہ و باطنہ) حاصل تھی اور اعلیٰ درجہ کی جانشینی کے منصب پر فائز تھے اور اس جامعیت میں دیگر صحابہؓ سے افضل تھے (۶۹۳)۔

ایک شیخ سے بیعت ہونے کے بعد دوسرے شیخ کی طرف رجوع

☆ تصوف کے مسائل میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کسی متبع سنت پیر کامل سے بیعت ہونے کے بعد اگر طالب کو فائدہ کا احساس نہ ہو تو کیا پیر تبدیل کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟ یعنی پیر کی زندگی ہی میں اس کی اجازت و رضا کے بغیر دوسرے پیر سے بیعت ہونا از روئے طریقت درست ہے یا نہیں؟

پیر کامل کی تلاش

دراصل اس کی بنیاد جستجو اور تتبع پر ہے، انسان عجلت پسند اور جذباتی واقع ہوا ہے، کسی سے وقتی طور پر متأثر ہوتا ہے اور بیعت ہو جاتا ہے، پھر بعد میں پچھتاتا ہے، بیعت کوئی کھیل نہیں ہے، یہ زندگی بھر کا معاہدہ ہے، اس لئے انسان کو پیر کامل کی تلاش میں پہلے کچھ وقت صرف کرنا چاہئے، بسا اوقات عمریں بیت جاتی ہیں اور انسان کو مرشد کامل نہیں مل پاتا، حضرت مجدد الف ثانیؒ نے شیخ کامل کی تلاش پر اپنے مکاتیب میں بہت زور دیا ہے (۶۹۴)، اس لئے انسان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ خوب تحقیق و جستجو کے بعد پیر طریق کا انتخاب کرے، اس کے بعد استقامت کے ساتھ اس کی صحبت کو لازم پکڑ لے، اور کسی حال میں اس کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ جو کچھ جانچنا یا جائزہ لینا ہو بیعت سے قبل جانچ لے، بیعت ہونے کے بعد امتحان لینا اور جائزہ لینا جرم ہے، اس سے بدعقیدگی اور بدگمانی مترشح ہوتی ہے، جو نسبت و فیض کے لئے قاطع ہے۔

---

(۶۹۳) فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۷۱-۳، ۲۷-۳ مجموعۂ فتاویٰ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ناشر: جامعہ فاروقیہ کراچی۔

(۶۹۴) دیکھئے مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۳ پیر ناقص سے اخذ طریق سے ممانعت کے بیان میں، ج ۱ دفتر اول حصہ اول ص ۸۱ تا ۸۴، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید نقشبندی، ناشر پروگریسو بکس، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۲ء۔

ظاہری فائدہ یا لذت معیار نہیں ہے

جہاں تک میں نے صوفیاء کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ان کی روشنی میں ظاہری فائدہ اس باب میں کوئی معیار نہیں ہے، اس لئے کہ کبھی فوری فائدہ نہیں ہوتا یا فائدہ ہوتا ہے لیکن بسا اوقات طالب کو محسوس نہیں ہوتا، اور کبھی شروع میں لذت وحلاوت کا احساس ہوتا ہے، پھر بے کیفی ہوجاتی ہے، بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ:

''اس طریقہ میں ابتداء میں حلاوت ووجدان ہے اور انتہاء میں بے مزگی اور فقدان ہے، اس طریقہ میں ابتداء میں قرب وشہود ہے اور انتہاء میں بعد وحرمان ہے، اور اس طریقہ کے اکابر نے احوال ومواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے، اور اذواق ومعارف کو علوم شرعیہ کا خادم گردانا ہے (۶۹۵)۔

اس لئے شروع یا بعد کی بے کیفی، اضمحلال یا عدم نفع سے انسان کو بددل نہیں ہونا چاہئے، اور نہ اس کو تبدیلی بیعت کے لئے معیار بنانا چاہئے۔

ایذائے شیخ اور بے برکتی کا سبب

اسی وجہ سے اکثر صوفیاء نے پیر کی حیات میں اس کی مرضی واجازت کے بغیر تبدیلی بیعت کی اجازت نہیں دی ہے، گوکہ شریعت میں ایسی پابندی نہیں ہے، اور جن علماء سے اس کی اجازت منقول ہے وہ شرعی نقطۂ نظر ہے، لیکن از روئے طریقت شیخ کی زندگی میں تبدیلی بیعت شیخ اول کی اذیت کا باعث بن سکتی ہے، اور ایذاء مسلم جائز نہیں ہے، اور اگر ایذاء نہ بھی ہو بایں طور کہ شیخ کو اس کا علم ہی نہ ہو، یا یہ کہ وہ نظر انداز کردیں تو بھی بے برکتی کا موجب ضرور ہے، بلکہ زیادہ اندیشہ یہ ہے کہ اس سے طالب کو نقصان پہونچے گا، انسان کو ہمیشہ اولیاء اللہ کی غیرت سے ڈرنا چاہئے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ:

''معصیت (از روئے شرع) تو نہیں لیکن موجب بے برکتی اور احیاناً سبب تأذی شیخ اول ہے، اور اس تأذی کا افضاء الی المعصیۃ بواسطہ اسباب اختیاریہ کے ممکن ہے گو لازم نہیں، بہر حال محل خطر ہوا۔

(۶۹۵) دیکھئے مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۲۱ پیر ناقص سے اخذ طریق سے ممانعت کے بیان میں، ج ۲ حصہ چہارم ص ۴۵۸ تا ۴۶۰، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید نقشبندی، ناشر پروگریسو بکس، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۲ء۔

ونظیر نفی المعصیة واثبات الاذیة وافضاءها الیٰ بعض المضار الدینیة احیاناً رواہ مسلم فی قصة خطبة علی لبنت ابی جھل علیٰ فاطمة من قولہ علیہ السلام انی لست احرم حلالاً ولا احل حراماً وقولہ علیہ السلام الا ان یحب ابن ابی طالب ان یطلق ابنتی وینکح ابنتھم فانما ابنتی بضعة منی یریبنی ماریبھا ویوذینی ما آذاھا (باب مناقب فاطمة). (۶۹۶)

ارتداد طریق

بلکہ بعض متقدمین اکابر نے اسے ارتداد طریق سے تعبیر کیا ہے اور ایسے شخص کو مرتد طریق قرار دیا ہے، مثلاً: متقدمین صوفیا میں حضرت مخدوم شرف الدین یحیٰ منیریؒ اونچے درجے کے مشائخ طریق بلکہ ائمۂ طریق میں گذرے ہیں، ان کے مکاتیب تصوف میں سند کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے ایک طویل مکتوب کا یہ اقتباس اس معاملے میں کافی واضح اور بصیرت افروز ہے:

''لیکن چوں با پیرے صحبت کرد بے اجازت وے ازآنجا نرود و از صحبت وے جدا نہ گردد، ایں نگاہ دارد و بر جملہ از غیرت پیراں احتراز باید کرد، اگر بے اجازت ایشاں یا بر طریق بطلان از پیر اول نزد پیر دیگر شود روا نباشد ہر کہ چنیں کند مرتد طریق باشد'' (مکتوب پنجم در طلب پیر والحاح در دعاء وسوال)

''(ترجمہ) بہر کیف مسئلہ یہ ہے کہ جب کسی پیر کی صحبت اختیار کر لی، تو بغیر اجازت اس کی صحبت سے الگ نہیں ہوسکتا اور دوسرے پیر کی طرف رجوع نہیں کرسکتا، اس امر کی سخت نگہداشت رکھنی چاہیے، اور پیروں کی غیرت سے بچنا چاہیے، کیونکہ اگر بغیر اجازت یا بطریق بطلان اپنے پیر کو چھوڑ کر مرید دوسرے پیر کی طرف رجوع کرے گا تو وہ مرتد طریقت ہوگا (۶۹۷)۔

☆ رسالہ المجیب پھلواری شریف میں حضرت مولانا شاہ علی سجاد نعمتی پھلوارویؒ کا ایک فارسی مکتوب جناب مولوی حکیم سید محمد یوسف پھلواروی کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے، اس میں بھی یہی مضمون تفہیم کے انداز میں آیا ہے:

(۶۹۶) امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۲۷، ۲۲۸ مؤلفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، بہ ترتیب جدید حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، مکتبہ دار العلوم کراچی، جولائی ۲۰۱۰ء۔

(۶۹۷) مکتوبات صدی مع ترجمہ حضرت سید شاہ نجم الدین فردوسی ص ۴۷ ناشر بیت الشرف خانقاہ بہار شریف ۱۹۷۳ء۔

''بہر کیف وہر قدر کہ ممکن باشد بر معمولات مستقیم باشند واز توقف حصول بے دل نشوند انشاء اللہ ظہور مقصود خواہند یافت، امیدواراں ماہہا وسالہا بر در کافراں وعملہ روبرائے روزگار تگ ودو میکنند وسودے نمی بخشد اگر در بارگاہ جہاں آفریں بے نیاز در برآمد کار توقف رونمود جائے بے دلی نیست، ثمر پریشانی دنیا بجز خسراں ونقصان نیست، وحیرانی وپریشانی در راہ خدا دریں جہاں ودرآں جہاں ثمرہ می دہد۔

''(ترجمہ) جس طرح اور جس قدر بھی ممکن ہو معمولات پر قائم رہیں، حصول مراد میں توقف کی وجہ سے بے دل نہ ہوں انشاء اللہ نفع ہوگا اور مقصود حاصل ہوگا، امیدوار مہینوں اور سالہا سال کافروں اور ان کے عملوں کے دروازے پر دوڑ دھوپ کرتے ہیں اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا اگر جہاں آفریں بے نیاز کی بارگاہ کے دروازے پر حصول مقصود میں توقف رونما ہو تو بے دلی کی کوئی وجہ نہیں ہے، دنیاوی پریشانی کا ثمرہ نقصان اور گھاٹے کے سوا کچھ نہیں لیکن خدا کی راہ میں حیرانی اور پریشانی دونوں جہان میں نفع بخش ہے (۶۹۸)۔

پیر کی اجازت ورضا سے تبدیلی بیعت درست ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک پیر کی اجازت ورضا سے تبدیلی بیعت درست ہے، اس لئے کہ مقصد وصول الی اللہ ہے، پیر تو محض ایک وسیلہ ہے، یعنی پیر کے انکار یا تکلیف کی صورت میں درست نہیں ہے:

''بدانکہ مقصود حق است وپیر وسیلہ است بوصول جناب قدسی حق تعالیٰ، اگر طالبے رشد خود را پیش شیخ دیگر بیند ودل درصحبت او حق سبحانہ جمعہ یابر در است کہ در حیات پیرے اذن پیر طالب پیش اذن شیخ برود وطلب رشد از و نماید، اما باید کہ از پیر اول انکار نہ کند وجز بہ نیکی یا نماید'' (۶۹۹)۔

پیر کی وفات یا کسی دینی خلل کی بنیاد پر تبدیلئ بیعت کی اجازت ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ اگر پیر کی وفات کے بعد دوسرے پیر سے بیعت ہو یا

---

(۶۹۸) رسالہ المجیب پھلواری شریف پٹنہ ص ۴۳ شمارہ ج ۱۱ ماہ رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق نومبر ۱۹۶۹ء۔

(۶۹۹) مکتوبات مجدد الف ثانی ج ۲ ص ۱۷۵ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۱۳ بحوالہ فتاویٰ حقانیہ جلد ۲ ص ۲۵۸ افادات حضرت شیخ مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک۔

پہلے پیر میں کوئی خلل واقع ہوجانے کی بنا پر بیعت تبدیل کرے تو اس کی گنجائش ہے لیکن بلا عذر تبدیلیٔ بیعت طریقت کے ساتھ کھلواڑ ہے:

''تکرار بیعت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوسری بیعت لینا ثابت ہے، اسی طرح مشائخ صوفیاء سے بھی دوسری دفعہ بیعت لینا منقول ہے، اگر دوسرے مرشد سے بیعت پہلے پیر میں کسی خلل یا غیر مشروع بات ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح مرشد کی وفات یا اس کے اس طرح غائب ہوجانے کی صورت میں بھی کوئی حرج نہیں جس میں اس کی واپسی کی امید باقی نہ رہی ہو، البتہ بلا وجہ دوسرے شیخ سے بیعت کرنا اسے ایک کھیل سمجھنا ہے، اس طرح نہ تو برکت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی مشائخ دلی توجہ کرتے ہیں (۷۰۰)''

القول الجمیل کے عربی ترجمہ ''شفاء العلیل'' کی عبارت اس طرح ہے:

فان کان بظھور خلل فی من بایعه فلاباس، و کذلك بعد موته او غیبة منقطعة، و اما بلاعذر فانه یشبه المتلاعب ویذھب بالبرکة ویصرف قلوب الشیوخ عن تعھده. (۷۰۱)

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی رائے بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مطابق ہے (۷۰۲)

صاحب البھجۃ السنیۃ نے شیخ محمد بن عبداللہ الخالدی النقشبندی الحنفی کا قول نقل کیا ہے، اگر شیخ اول منع نہ کرے تو دوسرے شیخ سے استفادہ کرنا درست ہے:

''قال الشیخ محمد بن عبدالله الخالدی النقشبندی الحنفی و جوزوا التعدد بل فی حیاة الشیخ الاول اذ رأی الطالب رشده فی موضع آخر یجوز له من غیر انکار لشیخه الاول ان یذھب الیه و یأخذ علیه و یتخذه شیخاً ثانیاً. (۷۰۳)

مبتدی اور منتہی کا فرق

☆ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (صاحب احسن الفتاویٰ) نے کسی ناپختہ مسترشد کے

(۷۰۰) القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ) ج ۶ ص ۲۵۷، ۲۵۸، اردو ترجمہ، مولانا سید محمد فاروق قادری، تحقیق و تعلیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی، ناشر: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۵ء۔

(۷۰۱) **شفاء العلیل، الفصل الثانی ص ۲، کلکته.**

(۷۰۲) مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ ج ۲ ص ۲۱۸۔

(۷۰۳) **البھجة السنیة فی آداب الطریقة النقشبندیة ص ۳۰ باب فی بیان المشیخة.**

لئے اپنے شیخ کی موجودگی میں کسی دوسرے شیخ کی صحبت کو بھی مضر قرار دیا ہے، البتہ پختگی کے بعد اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے مشائخ کی صحبت سے بھی استفادہ کی گنجائش ہے، مفتی رشید احمد صاحب کے نزدیک جب تک اپنے شیخ سے ربط و استفادہ کی شکل موجود ہو دوسرے شیخ کی طرف التفات صحیح نہیں ہے (۷۰۴)۔

فیضان وترقی مرید کی قلبی حالت پر منحصر ہے، شیخ کی خواہش پر نہیں

مرید کو بیعت سے خارج کر دینے کا مسئلہ

بیعت و فیضان کا تعلق مرید کی عقیدت و ارادت اور قلبی حالت سے ہے، شیخ کے فعل و ارادہ کا اس میں زیادہ دخل نہیں ہوتا، یعنی طالب کی عقیدت سچی ہو اور پورے خلوص و محبت کے ساتھ شیخ کی ہدایات پر عمل کرے تو خواہ شیخ اس کی طرف زیادہ متوجہ ہو یا نہ ہو، طالب کامیاب ہوگا اور ترقی و کمال حاصل کرلے گا، اس کے برعکس اگر شیخ کسی مرید کے بارے میں حسن ظن رکھتا ہو، اور اس کو آگے بڑھانے کا خواہشمند بھی ہو، لیکن مرید کو اپنے شیخ سے زیادہ عقیدت نہ ہو اور نہ اس کے احکام وہدایات پر خلوص کے ساتھ عامل ہو تو محض شیخ کی توجہ و انعطاف سے وہ کامیاب نہیں ہو سکے گا، اور نہ کمال تک پہونچے گا، انسان کو اس کا اپنا عمل آگے بڑھاتا ہے، اور اس کی بے عملی کے ساتھ کسی کی توجہ عام حالات میں مفید نہیں ہوتی۔

اگر پیر کسی مرید کو اپنی بیعت سے خارج کر دے

اسی سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ اگر پیر کسی مرید کو اپنی بیعت سے خارج کر دے لیکن مرید کے دل سے اس کی عقیدت ختم نہ ہو بلکہ بدستور خلوص کے ساتھ اپنے معمولات طریق پر گامزن رہے تو اس کو اپنی عقیدت کا فیض پہونچتا رہے گا، اور پیر کے قطع تعلق کر لینے کے باوجود وہ کمال تک پہونچ جائے گا اور اسی کے سلسلے سے منسوب رہے گا، لیکن اگر کسی مرید کے دل میں اپنے شیخ سے خاطر خواہ عقیدت و محبت موجود نہ ہو، اور نہ اس کے حلقۂ ارادت میں وہ رہنا چاہتا ہو، لیکن شیخ باصرار اس کو اپنے حلقہ میں شامل رکھے اور خارج نہ ہونے دے مگر اس سے طالب کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اور پیر کے نہ چاہنے کے باوجود وہ ان کے سلسلۂ بیعت سے خارج ہو جائے گا، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ (جو شریعت و طریقت دونوں کے شناور تھے اور دونوں میدانوں میں اجتہادی شان کے حامل تھے) نے

(۷۰۴) احسن الفتاویٰ ج ۱۰ ص ۱۲۹، ۱۳۰ مؤلفہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، ناشر: الحجاز پبلشرز، کراچی، ۱۴۲۱ھ۔

ان دونوں مسئلوں کے لئے دو حدیثوں سے استدلال کیا ہے(۷۰۵)۔

☆ایک حدیث حضرت ابی بن کعبؓ کی ہے، جن کو غزوۂ تبوک میں ایک غلطی کی بنا پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر سماجی بائیکاٹ کا سامنا کرنا پڑا تھا، اور معاملات کے لحاظ سے یک گونہ ان کو اسلامی معاشرہ سے خارج کر دیا گیا تھا، لیکن حضرت ابی بن کعبؓ کی قلبی حالت اور صدق و خلوص میں کوئی فرق نہیں آیا تو ان کا ایمان باقی رہا، اور اللہ پاک ان پر متوجہ ہوئے اور وہ کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوئے(۷۰۶)۔

دوسری طرف اس اعرابی کا واقعہ ہے جو مدینہ پاک حاضر ہو کر مسلمان ہوا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، لیکن ایک وقتی تکلیف کی بنا پر اس کے ارادہ میں تزلزل پیدا ہوا اور اس نے اپنی بیعت ختم کرنے کی خواہش کی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بیعت منسوخ نہیں فرمائی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعی و خواہش کے باوجود وہ اس بیعت کو برقرار نہ رکھ سکا اور آخر مدینہ چھوڑ کر فرار ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر ارشاد فرمایا کہ مدینہ ایک ایسی بھٹی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو خود الگ کر دیتی ہے۔

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنهما: أن أعرابيا بايع رسول الله صلى الله عليه وسلم على الإسلام فأصابه وعك فقال أقلني بيعتي فأبى ثم جاءه فقال أقلني بيعتي فأبى فخرج فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم (المدينة كالكير تنفي خبثها وتصنع طيبها). (۷۰۷)

---

(۷۰۵) امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۹۳ مجموعۂ فتاویٰ حضرت تھانویؒ، اس حقیر نے اپنے لفظوں میں اس بحث کو پیش کیا ہے۔ حضرت مولانا سید شاہ زوار حسین صاحب نے بھی عمدۃ السلوک میں یہی بات لکھی ہے (عمدۃ السلوک ص ۷۴ مؤلفہ حضرت مولانا سید شاہ زوار حسین صاحبؒ، ناشر: ادارۂ مجددیہ، ناظم آباد کراچی، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء۔

(۷۰۶) المعجم الكبير ج19 ص 46 حديث نمبر: 15762 المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر: مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية، 1404 - 1983.

(۷۰۷) صحيح البخاري ج6 ص 2636 حديث نمبر: 6783 المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة، 1407 - 1987

تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب: تعليق د. مصطفى ديب البغا.

سلب نسبت کی حقیقت

بزرگوں کے یہاں ایک چیز سلب نسبت ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے بیان فرمایا کہ:

''نسبت قرب الٰہی کا نام ہے، اس کو کوئی سلب نہیں کرسکتا، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندے کو عطا فرمائیں اور دوسرا اسے سلب کرلے، ہاں کیفیات سلب ہوسکتی ہیں، مثلاً ذوق وشوق میں کمی واقع ہوجائے، مگر نسبت کیفیات کا نام نہیں ہے۔

سلب کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کسی تصرف سے کسی کیفیت نفسانیہ کو مضمحل کردیا جائے، جس سے نشاط کی جگہ غباوت پیدا ہوجائے مگر وہ اس کا مقابلہ کرسکتا ہے، لیکن اگر مقاومت نہ کی تو پھر اخلال عمل کے سبب اس کا اثر نسبت تک بھی پہونچ جاتا ہے'' (۷۰۸)

علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین

تصوف کا مقصد انسان کے یقین کی طاقت کو مضبوط کرنا ہے، یوں تو ایمان نام ہی ہے مغیبات پر یقین رکھنے کا، لیکن انسان دنیا کی مختلف مشغولیتوں میں الجھ کر اپنے یقین کی طاقت کو کمزور لیتا ہے، غفلت اسی یقین کی کمزوری کی علامت ہے، جس قدر یقین طاقتور ہوگا اسی قدر اللہ پر اعتماد، یقین اور توکل پیدا ہوگا، اور انسان خلق سے بے نیاز ہوتا جائے گا۔

یقین کے حصول کے تین ذرائع ہیں، ایک دلیل کے ذریعہ، جس کا طریقہ شرعی علوم کی تحصیل ہے، اس کو علم الیقین کہتے ہیں، مثلاً دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ آگ جلاتی ہے، دوسرا مشاہدہ کے ذریعہ، مثلاً اپنی آنکھ سے کسی چیز کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھا، یہ عین الیقین ہے، جس کے لئے تزکیۂ قلب اور تربیت باطن کی ضرورت ہے، اور تیسرا تجربہ کے ذریعہ، یعنی وہ کیفیت مشاہدہ سے گذر کر اپنی حالت اور تجربہ بن جائے، مثلاً آگ میں خود اپنا ہاتھ جل جائے، یہ حق الیقین ہے۔

قرآن کریم نے سورۂ تکاثر میں یقین کا تذکرہ غفلت (**الھاکم**) کے بالمقابل کیا ہے، اور علم الیقین اور عین الیقین دونوں کو الگ الگ بیان کیا ہے، اور حق الیقین تو ان دونوں کا حاصل اور لب لباب ہے اس لئے وہ اس کے اندر خود موجود ہے، بیان کرنے کی ضرورت نہیں:

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝١ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝٢ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٣ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٤

(۷۰۸) آپ بیتی شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ ج ۲ ص ۵۲ ۳ بحوالہ الافاضات ج ا ص ۶۱۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝ ۔(۷۰۹)

علامہ آلوسیؒ اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الأولى المعرفة والثانية المشاهدة والمعاينة وقيل يجوز أن يكون المراد لترون الجحيم غير مرة إشارة إلى الخلود وهذا نحو التثنية في وقوله تعالى {ثم ارجع البصر كرتين} [الملك: 4] وهو خلاف الظاهر جداً. {عَيْنَ اليقين} أي الرؤية التي هي نفس اليقين فإن الانكشاف بالرؤية والمشاهدة فوق سائر الانكشافات فهو أحق بأن يكون عين اليقين فعين بمعنى النفس مثله في نحو جاء زيد نفسه وهو صفة مصدر مثدر أي رأية عين اليقين والعامل فيه لترونها وجوز أن يكون متنازعاً فيه للفاعلين قبله وفي إطلاقه كلام لا أظنه يخفى عليك واليقين في اللغة على ما قال السيد السندالعلم الذي لاشك فيه وفي الاصطلاح اعتقاد الشيء إنه كذا مع اعقاد أنه لا يمكن إلا كذا اعتقاداً مطابقاً للواقع غير ممكن الزوال وقال الراغب اليقين من صفة العلم فوق المعرفة والدراية وإخواتهما يقال علم يقين ولا يقال معرفة يقين وهو سكون النفس مع ثبات الفهم وفسر السيد اليقين بما سمعت ونقل عن أهل الحقيقة عدة تفسيرات فيه وعلم اليقين بما أعطاه الدليل من إدراك الشيء على ما هو عليه وعين اليقين بما أعطاه المشاهدة والكشف وجعل وراء ذلك حق اليقين وقال على سبيل التمثيل علم كل عاقل بالموت علم اليقين وإذا عاين الملائكة عليهم السلام فهو عين اليقين وإذا ذاق الموت فهو حق اليقين ولهم غير ذلك. (۷۱۰)

حافظ ابن حجر ہیثمیؒ لکھتے ہیں:

علم اليقين هومماينشأعن النظروالاستدلال ،عين اليقين وهو مايكون من طريق الكشف والنوال ،وحق اليقين ،وهو مشاهدة الغيب مشاهدة العيان كمايشاهدالرائى. (۷۱۱)

علامہ قشیریؒ نے لکھا ہے کہ علم الیقین اہل عقل کو، عین الیقین اہل علم کو اور حق الیقین اہل معرفت کو

---

(۷۰۹)سورة التكاثر.

(۷۱۰) روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج 23 ص 117 المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبدالله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) مصدر الكتاب: موقع التفاسير.

(۷۱۱) الفتاویٰ الحديثية ص 405 مطلب فی الفرق بين اليقين، قديمی.

حاصل ہوتا ہے:

علم اليقين وعين اليقين وحق اليقين - هذه عبارات عن علوم جلية. فاليقين: هو العلم الذي لا يتداخل صاحبه ريب على مطلق العرف. ولا يطلق في وصف الحق سبحانه؛ لعدم التوقيف. فعلم اليقين: هو اليقين، وكذلك عين اليقين: نفس اليقين، وحق اليقين: نفس اليقين. فعلم اليقين، على موجب اصطلاحهم ما كان بشرط البرهان. وعين اليقين ما كان بحكم البيان. وحق اليقين ما كان بنعت العيان. فعلم اليقين لأرباب العقول وعين اليقين لأصحاب العلوم. وحق اليقين لأصحاب المعارف. (۷۱۲)

حضرت داتا ہجویریؒ لکھتے ہیں:

"علم الیقین عالموں کا درجہ ہے، اس سبب سے کہ وہ احکام امور پر استقامت کرتے ہیں، اور عین الیقین عارفوں کا مقام ہے، اس حکم سے کہ وہ صورت کی استعداد رکھتے ہیں، اور حق الیقیں محبوں کا مقام فنا ہے، کیونکہ وہ کل موجودات سے روگرداں ہوتے ہیں، علم الیقین مجاہدہ سے ہوتا ہے، اور عین الیقین انس سے اور حق الیقین مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے، ایک عام ہے، دوسرا خاص اور تیسرا خاص الخاص، واللہ اعلم (۷۱۳)"

قطب، غوث، ابدال، اوتاد وغیرہ مفہوم اور ماخذ

روحانیت ایک وسیع دنیا ہے، یہاں انسان محنت وتوفیق کے ذریعہ بلند سے بلند تر مقامات تک پہونچ سکتا ہے، اور جس طرح ہر فن میں بعد کے مجتہدین اور محققین نے تقریب فہم اور سہولت کے لئے کچھ اصطلاحات اور درجات مقرر کئے ہیں اسی طرح تصوف کے باب میں بھی ائمہ طریق اور محققین صوفیاء نے کچھ اصطلاحات اور مقامات کا تعین کیا ہے، اس لئے جس طرح ہر فن کی اصطلاحات اور مقامات کو اختراع جدید قرار دے کر رد نہیں کیا جاتا ہے اسی طرح تصوف کی ان مصطلحات وغیرہ کو بھی مسترد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ان میں کئی چیزوں کا ذکر صراحتاً یا اشارتاً قرآن وحدیث میں بھی موجود ہے، اور فی الجملہ ان کی حقیقت نصوص سے ثابت ہے، مثلاً:

(۷۱۲) الرسالة القشيرية ج 1 ص 43 المؤلف: عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (المتوفى: 465هـ) مصدر الكتاب: موقع الوراق

(۷۱۳) کشف المحجوب ص ۵۹۲ مؤلفہ حضرت سید علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش، ترجمہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، ناشر: مکتبہ شمس وقمر لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ)۔

اولیاءاللہ

☆ اولیاءاللہ، اللہ کے دوستوں اور خاص بندوں کو کہا جاتا ہے، ان کا ذکر صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے مثلاً:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾. (۷۱۴)

صوفیاء نے اولیاءاللہ کی بارہ قسمیں تحریر کی ہیں:- (۱) ابدال (۲) ابرار (۳) اخیار (۴) اقطاب (۵) امامین (۶) اوتاد (۷) عمد (۸) غوث (۹) مفرواں (۱۰) مکتوماں (۱۱) نجباء (۱۲) اور نقباء۔

ابدال

☆ اسی طرح ابدال کا تذکرہ احادیث میں آیا ہے، جو مسلمانوں میں اختلاف کے وقت ظاہر ہونگے بعض روایات میں ہے کہ شام کے علاقے میں چالیس (۴۰) ابدال ہیں، جب ایک کا انتقال ہوجاتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ پر نامزد کیا جاتا ہے، ان کی بدولت بارش اور دشمنوں پر فتح کی دعا مانگی جاتی ہے، ان کی برکت سے اہل شام سے عذاب ٹل جاتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اس امت میں تیس (۳۰) ابدال ہونگے، ایک حدیث میں ہے کہ یہ زمین اللہ کے چالیس (۴۰) دوستوں سے کبھی خالی نہیں ہوگی ،اور روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مقام نماز و روزہ وغیرہ کی بدولت نہیں ملتا بلکہ سخاوت اور مسلمانوں کے ساتھ سچی خیر خواہی کی بدولت حاصل ہوتا ہے، ایک بار مصر کے کچھ لوگوں نے اہل شام کو برا بھلا کہا تو حضرت عوف بن مالکؓ نے ان کو ٹوکا کہ اہل شام کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ شام میں ابدال کی جماعت موجود ہے، اس مضمون کی بہت سی روایات مختلف طرق سے منقول ہے، البتہ ان میں کوئی طریق ضعف سے خالی نہیں ہیں:

★ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ «يَكُونُ اخْتِلاَفٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ هَارِبًا إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذَلِكَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ. (۷۱۵)

(۷۱۴) یونس :62

(۷۱۵) سنن أبي داود ج4ص 175 حديث نمبر : 4288 المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4مصدر الكتاب : وزرارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [1- موافق للمطبوع ★مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ==

(باب ما جاء في الابدال و أنهم بالشام) عن شريح بن عبيد قال ذكر أهل الشام وهو عند علي وهو بالعراق فقالوا العنهم يا أمير المؤمنين قال لا إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول البدلاء بالشام وهم أربعون رجلا كلما مات رجل أبدل الله رجلا مكانه يستقى بهم العيث وينتصر بهم على الاعداء ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب. رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير شريح بن عبيد وهو ثقة وقد سمع من المقداد وهو أقدم من علي. وعن عبادة بن الصامت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال الابدال في هذه الامة ثلاثون مثل خليل الرحمن عز وجل كلما مات رجل أبدل الله تعالى مكانه رجلا. رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غير عبد الواحد بن قيس وقد وثقه العجلي وأبو زرعة وضعفه.

عن أنس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لن تخلو الارض من أربعين رجلا مثل خليل الرحمن فبهم تسقون وبهم تنصرون ما مات منهم أحد إلا أبدل الله مكانه آخر. قال سعيد وسمعت قتادة يقول لسنا نشك أن الحسن منهم. رواه الطبراني في الاوسط وإسناده حسن.

وعن ابن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يزال أربعون رجلا من أمتي على قلب ابراهيم يدفع الله بهم عن أهل الارض يقال لهم الابدال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إنهم لم يدركوها بصلاة ولا بصوم ولا صدقة قالوا يا رسول الله فبم أدركوها قال بالسخاء والنصيحة للمسلمين.

رواه الطبراني من رواية ثابت بن عياش الاحدب عن أبي رجاء الكلبي وكلاهما لم أعرفه، وبقية رجاله رجال الصحيح.

وعن شهر بن حوشب قال لما فتحت مصر سبوا أهل الشام فأخرج عوف بن مالك رأسه من برنس ثم قال يا أهل مصر لا تسبوا أهل الشام فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فيهم الابدال فبهم تنصرون وبهم ترزقون. رواه الطبراني وفيه عمرو بن واقد وقد ضعفه جمهور الائمة ووثقه محمد بن المبارك الصوري، وشهر إختلفوا فيه، وبقية رجاله ثقات----

عن علي بن أبي طالب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يكون في آخر الزمان فتنة

==6ص 316 حديث نمبر: 26731 المؤلف: أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر: مؤسسة قرطبة—القاهرة عدد الأجزاء: 6، الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها.

تحصل الناس كما يحصل الذهب في المغدن فلا تسبوا أهل الشام ولكن سبوا اشرارهم فان فيهم الابدال.(۷۱۶)

★باب ما جاء في الشام وأهله (فيه) حديث زيد بن أرقم وسيأتي في الفتن في باب الإيمان بالشام، وحديث ابن حوالة وسيأتي أيضا في الفتن في باب الإيمان بالشام. [1/7054] وعن صفوان بن عبد الله - أو عبد الله بن صفوان - قال: "قال رجل يوم صفين: اللهم العن أهل الشام. فقال علي - رضي الله عنه -: لا تسبوا أهل الشام جما غفيرا، فإن بها الأبدال - قالها ثلاثا". رواه إسحاق، ورواته ثقات. [2/7054] وأحمد بن حنبل ولفظه: عن شريح بن عبيد قال: " ذكر أهل الشام وهو عند علي بن أبي طالب وهو بالعراق فقالوا: العنهم يا أمير المؤمنين. قال: لا، إني سمعت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يقول: الأبدال تكون بالشام، وهم أربعون رجلا، كلما مات رجل أبدل الله مكانه رجلا يستقى، بهم الغيث، وينتصر بهم على الأعداء، ويصرف عن أهل الشام بهم العذاب.(۷۱۷)

ایک طریق کو علامہ شوکانیؒ نے سند حسن قرار دیا ہے، لیکن سچ یہ ہے کہ اس میں بھی ضعف وانقطاع موجود ہے:

قال في اللآلىء: وقد ورد ذكر الأبدال من حديث علي رضي الله عنه وسنده حسن (1) .ومن حديث [عبادة بن الصامت. وسنده حسن (2).

اسکے حاشیہ پر ہے:

هو من طريق شريح بن عبيد الحضرمي الشامي، قال (ذكر أهل الشام عند علي بن أبي طالب ..الخ) قال ابن عساكر 278/1 (هذا منقطع بين شريح وعلي، فإنه لم يلقه) هذا هو

(۷۱۶) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج10 ص62، 63، 317 و ج7 ص317 المؤلف: نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ) ★إطراف المُسْنِد المعتَلِي بأطراف المسنَد الحنبلي ج 2ص 652 حديث نمبر: 3002 المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ) الناشر: [دار ابن كثير، دار الكلم الطيب] - [دمشق - بيروت] عدد المجلدات: 9.

(۷۱۷) إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة ج7 ص126 المؤلف: شهاب الدين أحمد بن أبي بكر بن اسماعيل البوصيري (المتوفى: 840هـ) المصدر: ملتقى أهل الحديث أعده للمكتبة الشاملة: موقع مكتبة المسجد النبوي الشريف.

الصواب، ووهم الهيثمي اغترارأبما ذكره المزي في ترجمة شريح، وقد تعقبه ابن حجر.

(2) كذا في اللآلىء للسيوطي، ويقال أنه قال في النكت (صحيح) وكلاهما مردود، ذكر الإمام أحمد في المسند سند هذا الخبر، وبعض متنه، ثم قال (فيه كلام غير هذا، وهو منكر) وهو من طريق الحسن بن ذكوان عن عبد الواحد ابن قيس عن عبادة، وفيه أمور، الأول: أن في الحسن، وعبد الواحد كلاما شديداً، راجع ترجمتيهما في التهذيب، وإنما خرج البخاري للحسن حديثاً واحداً متابعة، لأنه قد ثبت من روايه غيره، وصرح فيه بالسماع. الثاني: أن الحسن يدلس تدليساً شديداً يسمع الخبر من كذاب عن ثقة، فيذهب يرويه عن ذاك الثقة، ويسقط اسم الكذاب، ولم يصرح هنا بالسماع. الثالث: أن عبد الواحد ابن قيس لا يتحقق له ادراك لعبادة، بل الظاهر البين أنه لم يدركه. توفي عبادة سنة 34، ومن زعم أنه تأخر الى خلافة معاوية، إنما اغتر بحوادث جرت له مع معاوية في إمارته، والمراد بالإمارة إذ كان عاملا على الشام فب خلافة عمر وعثمان، ولو عاش عبادة بعد عثمان لكان له شأن، وعامة شيوخ عبد الواحد من التابعين، روى عن أبي أمامة المتوفى سنة 86، وذكروا أنه روى عن أبي هريرة ولم يره فإن لم يدرك أبا هريرة، فلم يدرك عبادة؛ لان أبا هريرة عاش بعد عبادة نيفاً وعشرين سنة، وإن كان أدركه، ومع ذلك روى عنه ولم يسمعه، فهذا ضرب من التدليس يحتمل أن يقع منه في الرواية عن عبادة على فرض ادراكه له. (۷۱۸)

ابدال کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ کوئی ان پر ظلم کرے تو اس کو معاف کردیں، بدسلوکی کرے، تو اس کے ساتھ حسن سلوک کریں، اور خلق خدا کو اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فیضیاب کریں۔

ابدال کی تفصیل

صوفیاء کے مطابق ابدال کی تفصیل حسب ذیل ہے:

ابدال چالیس (۴۰) ہوتے ہیں: بائیس (۲۲) یا بارہ (۱۲) شام میں، اور اٹھارہ (۱۸) یا اٹھائیس (۲۸) عراق میں رہتے ہیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق یہ سات (۷) ہوتے ہیں، اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں،

(۷۱۸) الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة ج 1 ص 248 المؤلف: محمد بن علي بن محمد الشوكاني (المتوفى: 1250هـ) المحقق: عبد الرحمن بن يحي المعلمي اليماني الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

ان کا مشرب سات انبیاء کے مشرب پر ہوتا ہے، ان کا کام مدد معنوی اور عاجزوں کی فریاد رسی ہے، جیسا کہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

عن ابن مسعود إن الله عز و جل ثلثمائة قلوبهم على قلب آدم وله أربعون قلوبهم على قلب موسى وله سبعة قلوبهم على قلب إبراهيم وله خمسة قلوبهم على قلب جبريل وله ثلاثة قلوبهم على قلب ميكائيل وله واحد قلبه على قلب إسرافيل فإذا مات الواحد أبدل الله مكانه من الثلاثة وإذا مات من الثلاثة فبهم يحيى ويميت ويمطر وينبت ويدفع البلاء. (۷۱۹)

یہ سات (۷) ابدال حسب ذیل ہیں:

(۱) ابدال اقلیم	اول	برقلب	حضرت ابراہیمؑ	نام عبدالحہ
(۲) ابدال اقلیم	دوم	برقلب	حضرت موسیٰؑ	نام عبدالعلیم
(۳) ابدال اقلیم	سوم	برقلب	حضرت ہارونؑ	نام عبدالمرید
(۴) ابدال اقلیم	چہارم	برقلب	حضرت ادریسؑ	نام عبدالقادر
(۵) ابدال اقلیم	پنجم	برقلب	حضرت یوسف	نام عبدالقاہر
(۶) ابدال اقلیم	ششم	برقلب	حضرت عیسیٰؑ	نام عبدالسمیع
(۷) ابدال اقلیم	ہفتم	برقلب	حضرت آدمؑ	نام عبدالبصیر

ان سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر وہ ہیں جنہیں اس ملک یا اس قوم پر مسلط کیا جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ قہر نازل فرماتا ہے اور یہی ذریعۂ مقہوری بنتے ہیں، ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

متذکرہ بالا کے علاوہ پانچ (۵) ابدال اور بھی ہوتے ہیں، جو یمن میں رہتے ہیں، اور جنہیں قطب ولایت کہتے ہیں، قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر، اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر، اور قطب ولایت کا فیض جملہ اولیاء پر وارد ہوتا ہے۔

---

(۷۱۹) كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج 12 ص 194 حديث نمبر: 34629 المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى: 975هـ) المحقق: بكري حياني - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة، 1401هـ/1981م مصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية ★ جامع الأحاديث ج 9 ص 222 حديث نمبر: 8289 المؤلف: جلال الدين السيوطي.

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں، جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلب آدم علیہ السلام پر ہیں، بقول میر سید محمد جعفر مکیؒ یہ تین سو پچاس نہیں بلکہ چار سو چار (۴۰۴) ابدال ہیں، جو مختلف انبیاء کے مشرب پر ہوتے ہیں، اور مختلف خدمات جن کی تفویض میں رہتی ہیں (۷۲۰)۔

ابرار

اکثر صوفیاء نے ان ہی کو ابدال کہا ہے، بروایت دیگران ہی میں سے چالیس ابدال ابرار کہلاتے ہیں۔

اخیار

اخیار پانچ سو یا سات سو ہوتے ہیں، اوران کو ایک جگہ قرار نہیں، سیاح ہوتے ہیں، ان کا نام حسین ہوتا ہے، ایک دوسری روایت کے مطابق متذکرہ بالا ابدال میں سے سات ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں، انہیں اخیار کہتے ہیں، اور نام ان سب کا حسین ہے (۷۲۱)۔

نقباء، نجباء اور اوتاد

☆ بعض روایات میں نقباء، نجباء اور اوتاد کی اصطلاحات اوران کی تعداد اور مقامات وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے، مثلاً:

ومنها ما في تاريخ بغداد للخطيب البغدادي عن الكتاني قال النقباء ثلاثمائة، والنجباء سبعون، والأبدال أربعون، والأخيار سبعة، والعمد أربعة، والغوث واحد، فمسكن النقباء المغرب، ومسكن النجباء مصر، ومسكن الأبدال الشام، والأخيار سياحون في الأرض، والعمد في زوايا الأرض، ومسكن الغوث مكة، فإذا عرضت الحاجة من أمر العامة ابتهل فيها النقباء ثم النجباء ثم الأبدال ثم الأخيار ثم العمد، فإن أجيبوا، وإلا ابتهل الغوث، فلا تتم مسألته حتى تجاب دعوته، قال الزرقاني في شرح المواهب والمراد بالعمد - بضمتين - الأوتاد، وبالغوث القطب المفرد الجامع، والمراد يكون الأبدال مسكنهم الشام أكثرهم، فلا يخالف ما ورد أن ثمانية عشر بالعراق إن صح، ثم المراد أن محل إقامتهم بها، فلا ينافي تصرفهم في الأرض كلها، وقيل إن الغوث مسكنه اليمن، والأصح أن إقامته لا تختص بمكة

(۷۲۰) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۰، ۱۴۱ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔

(۷۲۱) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۱ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔

ولا بغيرها، بل هو جوال، وقلبه طواف في حضرة الحق تعالى وتقدس لا يخرج من حضرته أبدا، ويشهده في كل جهة ومن كل جهة انتهى وقد أفرد الأبدال بالتأليف السخاوي وسماه نظم اللآل، وكذا السيوطي وسماه القول الدال (فائدة) للأبدال علامات: منها ما ورد في حديث مرفوع ثلاث من كن فيه فهو من الأبدال: الرضا بالقضاء، والصبر عن المحارم، والغضب لله ومنها ما نقل عن معروف الكرخي أنه قال من قال اللهم أرحم أمة محمد في كل يوم كتبه الله من الأبدال، وهو في الحلية لأبي نعيم بلفظ من قال في كل يوم عشر مرات اللهم أصلح أمة محمد اللهم فرج عن أمة محمد اللهم أرحم أمة محمد كتب من الأبدال، ومنها ما نقل عن بعضهم أنه قال علامة الأبدال أنهم لا يولد لهم، وروي في مرفوع معضل: علامة أبدال أمتي أنهم لا يلعنون شيئا. (۷۲۲)

لیکن ان میں سے بھی کوئی روایت ضعف سے خالی نہیں ہے:

أحاديث الأقطاب والأغواث والنقباء والنجباء والأوتاد) لم يصح منها شيء وتقدم الكلام على أحاديث الأبدال في بابه (أحاديث المهدي) كلها ضعيفة ليس فيها ما يعتمد عليه ولا يغتر بمن جمعها في مؤلفات. (۷۲۳)

بہر حال احادیث کے ضعف کے باوجود ان اصطلاحات کی حقیقت واصلیت کا انکار نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے عہد سلف کے اکابر نے بھی ان حقائق کو فی الجملہ تسلیم کیا ہے، مثلاً:

صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے کلام میں ان کا ماخذ

☆ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمارؓ کو کوفہ کا امیر اور حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کو ان کا وزیر بنا کر بھیجا تو اہل کوفہ کے نام ایک خط میں ان دونوں بزرگوں کا نجباء کا خطاب دیا(۷۲۴)۔

---

(۷۲۲) كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس ج 1 ص 28 المؤلف: إسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي (المتوفى: 1162هـ) مصدر الكتاب: برنامج المحدث المجاني.

(۷۲۳) أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب ج 1 ص 344 المؤلف: الحوت، محمد بن درويش بن محمد المحقق: الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: عدد الأجزاء: 1.

(۷۲۴) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج 9 ص 291 المؤلف: نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب.

☆ ایک بار حضرت علیؓ نے اپنی جماعت کے لئے ''نجباء'' کا لقب استعمال فرمایا(۷۲۵)۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے کہ اگر بغداد میں کوئی ابدال ہے تو ابو اسحاق ابراہیم بن ہانیؒ ہیں (۷۲۶)۔

اگر شریعت میں ابدال کا کوئی وجود نہیں ہے تو اس کے مصداق پر گفتگو کیوں ہے؟

☆ امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نصر بن کثیر السعدی ابو سہلؒ کا شمار ابدال میں ہوتا تھا (۷۲۷)۔

☆ حضرت محمد بن المثنیٰؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا؟ تو امام صاحب نے فرمایا کہ تم نے سات (۷) ابدالوں میں سے چوتھے ابدال کے بارے میں پوچھا ہے (۷۲۸)۔

☆ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ حضرت معروف ؒ ابدال میں سے تھے اور مستجاب الدعوات تھے (۷۲۹)۔

☆ ابن ابی حاتمؒ نے نقل کیا ہے کہ ابو یعلیٰ الخلیلیؒ بڑے زاہد تھے اور ابدال میں شمار ہوتے تھے، ابو حاتم نے عبدالکبیر ابن المعافی کو بھی ابدال میں شمار کیا ہے، اسی طرح ابوداؤد نے حضرت ابوتوبہؒ (م ۲۴۱ھ) کو ابدال میں شمار کیا ہے (۷۳۰)۔

---

(۷۲۵) جامع الأحاديث ج 30 ص 468 المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ)

(۷۲۶) العلل الواردة في الاحاديث النبوية ج 6 ص 29 المؤلف : أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب

(۷۲۷) العلل الواردة في الاحاديث النبوية ج 6 ص 63 المؤلف : أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب.

(۷۲۸) موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في الجرح والتعديل ج 1 ص 333 المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) جمعه ورتبه : أبو المعاطي النوري رحمه الله وأيمن الزاملي ومحمود خليل أعده للشاملة: أبو عمر 80 عضو في ملتقى أهل الحديث.

(۷۲۹) موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في الجرح والتعديل ج 7 ص 419 المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) جمعه ورتبه : أبو المعاطي النوري رحمه الله وأيمن الزاملي ومحمود خليل أعده للشاملة: أبو عمر 80 عضو في ملتقى أهل الحديث.

(۷۳۰) علل الحديث ج 1 ص 11 و ج 3 ص 214، 418 رسالة الدكتوراة - تحقيق جزء من علل ابن أبي ==

صوفیاء کے مطابق نجباء کی تعداد چالیس یاستر (۷۰) ہےاور مصر میں رہتے ہیں، سب کا نام حسن ہے۔

نقباء کی تعداد تین سو (۳۰۰) ہے، اور ملک مغرب میں رہتے ہیں، سب کا نام علی ہے۔

اوتاد چار ہوتے ہیں، اور عالم کے چاروں کناروں پر ان میں سے ایک ایک متعین ہوتا ہے:

(۱) ایک مغرب میں ہوتا ہے جس کا نام عبدالودود ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا مشرق میں جس کا نام عبدالرحمن ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا جنوب میں جس کا نام عبدالرحیم ہے۔

(۴) چوتھا شمال میں جس کا نام عبدالقدوس ہے۔

غوث وقطب

ابدال واوتادوغیرہ سے اونچا مقام غوث وقطب کا ہے، غوث وقطب ایسے فردفرید کو کہتے ہیں جومقرب بارگاہ الٰہی ہو، جومصدر فیوض ربانی ہو، جس کا رابطہ اللہ پاک سے بے انتہا مضبوط ہو، جوخلائق سے بے نیاز ہو، اور خلق کثیر اس سے نفع اندوز ہو، بعض اہل سلاسل اس کوغوث اور بعض قطب کہتے ہیں، دونوں ایک ہی مقام کے الگ الگ نام ہیں، غوث یہاں مغیث کے معنیٰ میں نہیں ہے جوصفت باری تعالٰی ہے بلکہ ایک صوفیانہ اصطلاح ہے جس کا اطلاق ایسی شخصیتوں پر ہوتا ہے جومخصوص خطوں اور حلقوں کے لئے مصدر فیوض ہوں، اورلوگوں کی شرعی وروحانی رہبری کا فریضہ ادا کرتے ہوں۔

شیخ اکبرمحی الدین ابن العربیؒ تحریرفرماتے ہیں:

ومن هذه الحقيقة أتخذ أهل الله الخلوة للأنفراد لما رأوه تعالى أتخذها للأنفراد بعبده ولهذا لا يكون في الزمان ألا واحد يسمى الغوث والقطب وهو الذي ينفرد به الحق ويخلو به دون خلقه. (۷۳۱)

ارغام المرید میں ہے:

==حاتم: بعض الجنائز، البيوع كاملا، جزء من النكاح المؤلف: عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: 327هـ) تحقيق: د/علي الصياح.

(۷۳۱) الفتوحات المكية ج1 ص 40 للشيخ الأكبر ابن عربي.

قال الشیخ محمدزاھدبن الشیخ حسن الدوزجوی قال السید الغوث ھو القطب حین مایلتجأالیہ ولایسمیٰ فی غیر ذلک الوقت غوثاًاہ، والقطب عبارۃعن الواحدالذی ھو موضع نظر اللہ فی کل زمان اعطاہ الطلسم الاعظم من لدنہ بیدہ قسطاس الفیض الاعم وزنہ یتبع علمہ وعلم الحق یتبع الماھیات الغیر المجعولۃ فھو یفیض روح الحیات علی الکون الاعلیٰ والاسفل۔(۷۳۲)

قطب الاقطاب، غوث الاغواث، غوث اعظم

☆ پھر (صوفیاء کے نزدیک) ان قطبوں میں سے سارے عالم کے لئے چار یا سات اوتاد ہوتے ہیں، اوران چاروں کے سربراہ کو قطب عالم، یا قطب کبریٰ، یا قطب ارشاد یا قطب مدار یا قطب جہان یا جہانگیر عالم یا قطب الاقطاب یا غوث الاغواث یا غوث اعظم کہا جاتا ہے، یہ حق تعالیٰ سے براہ راست اور بلا واسطہ فیض حاصل کرتا ہے، اوراس فیض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے، ایک کے انتقال کے بعد باقاعدہ دوسرا اس منصب پر فائز ہوتا ہے، صوفیاء سلف نے مختلف ادوار کے اقطاب واغواث نیز قطب الاقطاب وغیرہ کی بھی نشاندہی کی ہے۔

حضرت ملاعلی القاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضي اللہ تعالی عنہما قال قال رسول اللہ خیار أمتي في کل قرن خمسمائۃ والأبدال أربعون فلا الخمسمائۃ ینقصون ولا الأربعون کلما مات رجل أبدل اللہ عز وجل من الخمسمائۃ مکانہ وأدخل في الأربعین وکأنہم قالوا یا رسول اللہ دلنا علی أعمالہم قال یعفون عمن ظلمہم ویحسنون إلی من أساء إلیہم ویتواسون فیما آتاہم اللہ عز وجل وبإسنادہ أیضا عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ إن للہ عز وجل في الخلق سبعۃ وساق الحدیث إلی قولہ فبہم یحیي ویمیت ویمطر وینبت ویدفع البلاء----وقال الشیخ زکریا رحمہ اللہ في رسالتہ المشتملۃ علی تعریف غالب ألفاظ الصوفیۃ القطب ویقال لہ الغوث ہو الواحد الذي ہو محل نظر اللہ تعالی من العالم في کل زمان أي نظرا خاصا یترتب علیہ إفاضۃ الفیض واستفاضتہ فہو الواسطۃ في ذلک بین اللہ تعالی وبین عبادہ فیقسم الفیض المعنوي علی أہل بلادہ بحسب تقدیرہ ومرادہ ثم قال الأوتاد أربعۃ منازلہم علی منازل الأرکان من

(۷۳۲) ارغام المرید فی شرح النظم العتید ص 56 ماخوذ از فتاویٰ فریدیہ ج ۱ ص ۲۷۳ افادات مفتی محمد فرید صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ناشر: مولانا حافظ حسین احمد نقشبندی، ستمبر ۲۰۰۵ء۔

العالم شرق وغرب وشمال و جنوب مقام كل منهم مقام تلك الجهة قلت فهم الأقطاب في الأقطار يأخذون الفيض من قطب الأقطاب المسمى بالغوث الأعظم فهم بمنزلة الوزراء تحت حكم الوزير الأعظم فإذا مات القطب الأفخم أبدل من هذه الأربعة أحد بدله غالبا ثم قال الأبدال قوم صالحون لا تخلو الدنيا منهم إذا مات واحد منهم أبدل الله مكانه آخر وهم سبعة قلت الأبدال اللغوي صادق على رجال الغيب جميعا وقد سبق للبدل معنى آخر فالأولى حمله عليه ولعلهم خصوا بذلك لكثرتهم ولحصول كثرة البدل فيهم لغلبتهم فإنهم أربعون على ما في الحديث السابق أو سبعون على ما ذكره صاحب القاموس فقوله وهم سبعة وهم ثم قال النقباء هم الذين استخرجوا خبايا النفوس وهم ثلثمائة أقول لعله أخذ هذا المعنى من النقب بمعنى الثقب والأظهر أن النقباء جمع نقيب وهو شاهد القوم وضمينهم وعريفهم على ما في القاموس ومنه قوله تعالى وبعثنا منهم اثني عشر نقيبا المائدة أي شاهدا من كل سبط ينقب عن أحوال قومه ويفتش عنها أو كفيلا يكفل عليهم بالوفاء بما أمروا به وعاهدوا عليه على ما في البيضاوي والظاهر أنهم خمسمائة على ما سبق في الحديث ثم قال النجباء هم المشتغلون بحمل أثقال الخلق وهم أربعون أقول كأنه أخذ هذا المعنى من اللغة ففي القاموس ناقة نجيب ونجيبة وجمعه نجائب والأنسب ما ذكر فيه أيضا من أن النجيب الكريم والجمع نجباء والمنتجب المختار ونجائب القرآن أفضله هذا. (۷۳۳)

امامین

قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں، جنہیں امامین یا امامان کہا جاتا ہے، ایک اس کے داہنے ہاتھ پر ہوتا ہے، جس کا نام عبدالملک ہے، اور دوسرا بائیں ہاتھ پر ہوتا ہے، جس کا نام عبدالرب ہے، داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے، اور عالم علوی پر افاضہ کرتا ہے، اور بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کر کے عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے، لیکن بائیں ہاتھ والے کا مرتبہ دائیں ہاتھ والے سے بلندتر ہے، جب قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والے کو ملتی ہے، اور دائیں ہاتھ والا بائیں ہاتھ والے کی جگہ آجاتا ہے، عالم کون وفساد میں انتظام رکھنا زیادہ مشکل ہے بہ

(۷۳۳) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج15 ص455، 458، 459 المؤلف: الملا علي القاري، علي بن سلطان محمد (المتوفى: 1014هـ) المصدر: موقع المشكاة الإسلامية إعداد البرنامج وتركيبه: المفتي محمد عارف بالله القاسمي.

نسبت عالم علوی کے، اس لئے بائیں ہاتھ کا وزیر زیادہ قوی اور تجربہ کار رکھا جاتا ہے(۷۳۴)۔

عمد

عمد چار ہوتے ہیں، زوایائے ارض (زمین کے چاروں گوشوں) میں رہتے ہیں، اوران سب کا نام محمد ہے(۷۳۵)۔

مفرداں

مفرداں افراد کو کہتے ہیں، جب قطب عالم ترقی کرتا ہے،توفرد ہوجاتا ہے،فردانیت میں پہونچ کر وہ تصرفات سے کنارہ کش ہوجاتا ہے،فردانیت مقام انبساط وموانست اور یہاں آ کر مراد باقی نہیں رہتی،بعض اولیاء کوتجلی افعالی ہوتی ہے،بعض کوتجلی اسمائی اور بعض کوتجلی آثاری،بعض مقام صحو میں ہوتے ہیں اور بعض مقام سکر میں---مگر اہل فردانیت ان جملہ مقامات سے برتر ہیں،---افراد جب مزید ترقی کر کے فردانیت میں کامل ہوجاتے ہیں تو محبوبیت کا مرتبہ پاتے ہیں،پھر محبوبیت میں بھی بعض مقبولان بارگاہ الٰہی ایک خاص امتیازی شان سے نوازے جاتے ہیں،جیسے حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ، سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہ(۷۳۶)۔

مکتوماں

یہ لوگ پوشیدہ اور چھپے ہوتے ہیں،ان کی تعداد چار ہزار ہوتی ہے،آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں پہچانتے،ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار نہیں پہچان سکتے (۷۳۷)۔واللہ اعلم بالصواب۔

۞ ۞ ۞

(۷۳۴) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔
(۷۳۵) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔
(۷۳۶) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔
(۷۳۷) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۴۱ تا ۱۴۴ مؤلفہ محمد صادق قصوری۔

ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، ہفت منزل

ولایت کے کئی درجات ہیں:

ناسوت: بشریت، عالم بشریت، عبادت میں ایسا مشغول ہو کہ کسی وقت بھی غفلت نہ ہو، عبادت اس کی طبیعت ثانیہ بن جائے۔

ملکوت: اخلاص و عبادت میں ملائکہ کی طرح ہو، عبادت میں ایسا اخلاص، عشق اور ذوق پیدا ہو جائے کہ غیر اللہ کا بالکل خیال نہ رہے۔ یہ مقام رضا ہے، جو صحابۂ کرام کی صفت تھی، **رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔**

جبروت: دین سماوی الٰہی کی ظاہری و باطنی پابندیوں سے پورے عالم پر تصرف جاری ہوجائے، یہ مقام قطب عالم کا ہے۔

لاہوت: ، گنج مخفی، مقام فنا، محویت تامہ، حقیقت وحدت، سالک کے اندر ایسا نور پیدا ہو جس میں تجلی ذات ہو، چون وچناں کی گنجائش نہ ہو تو ایسا شخص عارف باللہ کہلاتا ہے اور یہ ولایت کا سب سے بلند مرتبہ ہے۔

ہاہوت: وہ مقام ہے جس کی جانب ''**کنت کنزا مخفیاً**(۷۳۸)'' میں اشارہ کیا گیا ہے

(۷۳۸) پوری روایت اس طرح ہے: کنت **کنزا مخفیا فأحببت أن أعرف فخلقت خلقا فبي عرفوني** (یعنی میں ایک مخفی خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ لوگ مجھے جانیں، تو میں نے مخلوق پیدا کی، اس طرح لوگوں نے میرے ہی ذریعہ مجھے جانا) یہ روایت صوفیاء کے یہاں بہت سے اصول و مقامات کی بنیاد ہے، لیکن اکثر محدثین نے ان الفاظ میں اس کو بے اصل قرار دیا ہے، لیکن ملا علی قاری اور علامہ طرابلسی وغیرہ کئی محدثین نے اس کے مضمون کو درست قرار دیا ہے:
كنت كنزا لا أعرف ، فأحببت أن أعرف ، فخلقت خلقا ، فعرفتهم بي فعرفوني. وفي لفظ فتعرفت إليهم فبي عرفوني ، قال ابن تيمية ليس من كلام النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعرف له سند صحيح ولا ضعيف. وتبعه الزركشي والحافظ ابن حجر في اللآلئ والسيوطي وغيرهم. وقال القاري لكن معناه صحيح مستفاد من قوله تعالى * (وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون) * أي ليعرفوني كما فسره ابن عباس رضي الله عنهما. والمشهور على الألسنة كنت كنزا مخفيا فأحببت أن أعرف فخلقت خلقا فبي عرفوني. وهو واقع كثيرا في كلام الصوفية ، واعتمدوه وبنوا عليه أصولا لهم (كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس ج2 ص132

ہفت منزل: یہ وہ سات وادیاں ہیں جو سالک کو راہ سلوک میں پیش آتی ہیں، اور جنہیں حضرت خواجہ فرید الدین عطارؒ نے اپنی کتاب منطق الطیر میں بیان فرمایا ہے:

(۱) وادیٔ طلب (۲) وادیٔ عشق (۳) وادیٔ معرفت (۴) وادیٔ استغناء (۵) وادیٔ توحید (۶) وادیٔ حیرت (۷) وادیٔ فقر و فنا (۷۳۹)۔

لطائف عشرہ

انسان دس (۱۰) لطائف کا مجموعہ ہے، ان میں پانچ عالم امر (مجردات) سے متعلق ہیں اور پانچ عالم خلق (مادیات) سے۔ عالم امر سے متعلق لطائف یہ ہیں:

(۱) **لطیفۂ قلب:** یہ بائیں پستان کے نیچے بائیں طرف مائل دو انگلی کے فاصلے پر واقع ہے، اس کا نور سرخ ہے۔

یہاں قلب صرف گوشت کے لوتھڑے کے معنیٰ میں نہیں ہے جو جانوروں میں بھی ہوتا ہے، بلکہ یہ ایک ربانی اور روحانی لطیفہ ہے جسے اس گوشت کے لوتھڑے سے ایک خاص قسم کا تعلق ہوتا ہے، یہ لطیفہ ربانی حق تعالیٰ کی طرف سے مرکز علم ہوتا ہے، اس کے ذریعہ ایسی چیزوں کا ادراک ہوتا ہے جس کا ادراک خیال و وہم کے ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ حقیقت انسان یہی لطیفۂ ربانی ہے، تمام لطائف میں اس کی حیثیت بادشاہ کی ہے، اور اسی کو مخاطب کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ ﴿۳۷﴾. (۷۴۰)

(۲) **لطیفۂ روح:** دوسرا لطیفہ روح ہے، اس کا محل دائیں پستان کے نیچے دو انگشت کے فاصلے پر دائیں طرف مائل ہے، اس کا نور سفید ہے۔

==المؤلف : إسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي (المتوفى : 1162هـ)مصدر الكتاب : برنامج المحدث المجاني)★اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع ج 1 ص 143 محمد بن خليل بن إبراهيم المشيشي الطرابلسي سنة الولادة 1223هـ/سنة الوفاة 1305هـ تحقيق فواز أحمد زمرلي الناشر دار البشائر الإسلامية سنة النشر 1415هـ مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 1).

(۷۳۹) ترجمان شریعت وطریقت ص ۵۵ افادات حضرت مولانا شاہ عبدالغفور العباسی المدنیؒ، مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحانی العباسیؒ، ناشر: ادارۃ الصدیق کراچی ☆ تاریخ نقشبندیہ خیریہ ص ۱۵۵ تا ۱۵۹ مؤلفہ علامہ صادق قصوری۔

(۷۴۰) ق: 37

جسم روح کا ایک فانی لباس ہے، روح ہی اصل ہے، جسم کچھ نہیں، روح سے مراد وہ روح طبعی اور دھواں نہیں ہے جو قلب کے جوف میں سیاہی مائل خون سے پیدا ہوتا ہے، اور رگ و پے کے ذریعہ سارے بدن میں پھیل جاتا ہے، جس کو اطباء روح کہتے ہیں اور جو جانوروں میں بھی موجود ہوتی ہے، بلکہ اس سے مراد وہ لطیفۂ ربانی ہے جس کا قلب سے تعلق ہے، اور یہی حقیقت انسانی اور مرکز علم ہے، قرآن نے اس کو ''امر رب'' قرار دیا ہے، جو انسانی علم وادراک سے بالاتر ہے۔

(۳) لطیفۂ سر: تیسرا لطیفہ لطیفۂ سر ہے، جس کی جگہ بائیں پستان کے وسط سینے کی دو انگشت کے فاصلے پر ہے۔ اس کا نور سبز ہے۔

(۴) لطیفۂ خفی: چوتھا لطیفہ خفی ہے جس کی جگہ پستان کے برابر سینے کی طرف دو انگشت کے برابر کے فاصلے پر ہے۔ اس کا نور نیلگوں ہے۔

(۵) لطیفۂ اخفیٰ: پانچواں لطیفہ اخفیٰ ہے، اس کی جگہ وسط سینہ کے برابر بالکل اوپر (ام الدماغ) ہے، اس کا نور سیاہ مثل سیاہی چشم ہے۔

(۶) لطیفۂ آتش، حرارت کی طرف

(۷) لطیفۂ باد، سردی کی طرف

(۸) لطیفۂ آب، نمی کی طرف

(۹) لطیفۂ خاک، خشکی کی طرف

(۱۰) لطیفۂ نفس، جو مذکورہ بالا چاروں عناصر کا خلاصہ ہے، اور اس کا محل وسط پیشانی ہے یا زیر ناف ہے، اس کا نور زرد ہے (۷۴۱)۔

(۷۴۱) ترجمان شریعت وطریقت ص ۱۱۷ تا ۱۴۳ افادات حضرت مولانا شاہ عبدالغفور العباسی المدنیؒ، مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحانی العباسیؒ، ناشر: ادارۃ الصدیق کراچی۔

مصطلحات صوفیہ

حضرت شیخ ابو القاسم قشیریؒ نے رسالۂ قشیریہ میں بہت سی صوفیانہ اصطلاحات کا ذکر کیا ہے، ان میں سے بعض یہ ہیں:

مقام: اس سے مراد ان صفات کے منازل و درجات ہیں جو سالک کو ریاضت و عبادت میں محنت کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، مثلاً: مقام توبہ، مقام تقویٰ، مقام زہد وغیرہ بشرطیکہ بالترتیب ان مقامات کو طے کیا جائے۔

حال: اس سے وہ اندرونی کیفیت مراد ہے جو بغیر کسی سعی و ارادہ کے قلب پر وارد ہو، یہ یکا یک آتی بھی ہے اور یکا یک چلی بھی جاتی ہے، مثلاً: کیفیت طرب، کیفیت حزن، کیفیت بسط، قبض، شوق، قلق، ہیبت، احتیاج وغیرہ۔

قبض: ان واردات کو کہتے ہیں، جن سے سالک کو توحش اور ہجران اور انقباض طبع ہو، عبادت کی طرف رغبت نہ ہو، کبھی قبض بسط کے بعد آتا ہے اور کبھی بسط سے پہلے، اکثر اوقات سالک کی ترقی کے لئے قبض واقع ہوتا ہے اور یہ قبض محمود ہے۔

بسط: سیر الی اللہ میں کشائش قلب کو کہتے ہیں، سالک کے لئے قبض اور بسط مثل بازوؤں کے ہیں، انہیں بازوؤں سے سالک اپنے معشوق حقیقی کی طرف پرواز کرتا ہے، سالک کو چاہئے کہ جو اسرار و انوار اس کے دل میں وارد ہوں ان کا کسی سے ذکر نہ کرے، پوشیدہ رکھے، اظہار مضر ہو جائے گا، بصورت اخفا جلد منزل مقصود تک رسائی ہو جائے گی۔

ہیبت و انس: یہ دونوں حالتیں بھی قبض اور بسط سے پیدا ہوتی ہیں، ہیبت کی حالت قبض سے پیدا ہوتی ہے، انس کی حالت بسط سے پیدا ہوتی ہے، ہیبت کا حق بے ہوشی ہے، انس کا حق ہوشیاری ہے، دونوں حالتیں اسی وقت طاری ہوتی ہیں جب سالک پر حقیقت کا ظہور ہونے لگے۔

مگر اہل حقیقت ہیبت و انس کی ان دونوں حالتوں کو ایک قسم کا نقص شمار کرتے ہیں، کیونکہ اس سے سالک کی حالت متغیر ہو جاتی ہے، اور اہل تمکین کے احوال تغیر سے بالاتر ہیں، وہ کبھی بدلتے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ تو عین وجود میں محو ہوتے ہیں ان کے لئے ہیبت ہے نہ انس، نہ علم ہے نہ حس کچھ بھی نہیں۔

تواجد: یہ ہے کہ ایک قسم کے اختیار سے وجد کی طلب کی جائے اور چونکہ اس میں ایک قسم کا تکلف

ہے اس لئے بعض صوفیہ اس حالت کو حالت تسلیم نہیں کرتے۔

وجد: وہ حالت ہے جو بغیر کسی ارادہ و آرزو کے قلب پر وارد ہوتی ہے، وجد اس بات کا نتیجہ ہے کہ سالک اپنے باطنی احکام یعنی ہوائے نفس کی پیروی سے گریز کرے۔

وجود: یہ ہے کہ سلطان حقیقت کے ظہور سے سالک بالکل اس میں فنا ہو جائے، جب کہ وجد حقیقت میں استغراق ہے اور تواجد حقیقت کا استیعاب۔

صاحب تواجد اس شخص کے مشابہ ہے جس نے دریا کو دیکھا اور اس کے سامنے پہونچ گیا، صاحب وجد اس کے مانند ہے جو دریا پر سوار ہوا، اور صاحب وجود کی مثال یہ کہ گویا خود دریا میں ڈوب گیا اور اس کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے کشود، پھر ورود، پھر شہود اور پھر وجود اس کے بعد خمود کی حالت حاصل ہوتی ہے۔

جمع: شہود حق کو کہتے ہیں۔

جمع الجمع: خلق کو حق اور حق کو خلق میں دیکھنا، نیز حق کو حق میں اور خلق کو خلق میں مشاہدہ کرنا، یعنی خلق کو خلق، اور حق کو حق اور خلق کو عین حق اور حق کو عین خلق دیکھنا۔

جمع مع الفرق: وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت دیکھنا یعنی ذات میں صفات کو اور صفات میں اسماء کو، اور اسماء میں افعال کو اور افعال میں آثار کو، ذات کو عین اسماء اور اسماء کو عین صفات، اور صفات کو عین افعال اور افعال کو عین آثار دیکھنا اسی کو وحدت در کثرت اور کثرت در وحدت کہتے ہیں۔

جمع کی حالت سے جمع الجمع کی حالت بالاتر ہے یہ بالکل فنا ہے، جس کے بعد سلطان حقیقت کا غلبہ ہونے پر ماسوی اللہ کا احساس تک جاتا رہتا ہے۔

اور جمع الجمع کے بعد ایک اور بڑی بلند حالت ہے جس کو فرق ثانی کہتے ہیں، اسکی یہ کیفیت ہے کہ سالک فرائض خداوندی ادا کرنے کے وقت حالت صحو کی طرف رجوع کرتا ہے

صحو اور سکر: صحو غیبت کے بعد شعور کی جانب واپس آنے کا نام ہے، اور سکر اس بات کا نام ہے کہ کسی قوی وارد کے ذریعہ سے غیبت کی حالت طاری ہو جائے جسے سکر کی کیفیت ہوا کرتی ہے، اس کا سکر بھی اتنا قوی ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ صاحب غیبت سے بھی زیادہ اپنے آپ سے غائب ہو جاتا ہے،---

صحو کا درجہ سکر کے درجہ کے مطابق ہے اگر سکر حق ہے تو صحو بھی حق ہے، جس کا سکر کسی حظ میں آلودہ ہوگا، اس کا صحو بھی حظ کے ساتھ ہوگا۔ سکر صاحب دل کو ہوتا ہے، صحو صاحب کشف کو حقائق عیوب معلوم کرنے کے لئے ہوتا ہے، صحو و سکر کی حالتیں ذوق و شرب کی حالتوں کے بعد ہوا کرتی ہیں۔

ذوق اور شرب: یہ دونوں حالتیں نتائج تجلی ہیں، پہلے حالت ذوق حاصل ہوتی ہے، اس کے بعد حالت شرب، سب سے آخر میں حالت سیرابی عیاں ہوتی ہے، چنانچہ صاحب ذوق متسا کر ہوتا ہے، اور صاحب شرب سکران یعنی شراب محبت کے نشہ میں بدمست ہوتا ہے اور صاحب الرائے یعنی سیرابی کی حالت پر فائز شخص ہوشیار ہوتا ہے۔

محو اور اثبات: احکام بندگی میں عادت کے اوصاف کا رفع کر دینا محو ہے، احکام عبادت کا قائم رکھنا اثبات کہلاتا ہے۔ محو و اثبات کے حقائق کا صدور منجانب اللہ ہوتا ہے، ان کا انحصار مشیت ایزدی ہی پر ہے۔

ستر اور تجلی: عوام ستر کے حجاب میں ہیں، اور یہ ان کی غفلت کی سزا ہے، خواص کو ہمیشہ تجلی الٰہی کے مشاہدہ کا لطف حاصل رہتا ہے، تجلی باری تعالیٰ جس طرح بندگان خدا پر ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح ان پر ایک پردہ بھی ڈالتی ہے، اور یہ پردہ ان کے حق میں رحمت ہوتا ہے، خواص کے لئے استغفار کے یہی معنیٰ ہیں۔

محاضرہ: اس حال کا نام ہے کہ خدا کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر قلب کو اس کا حضور حاصل ہو، اور کبھی یہ حالت قدرت الٰہی کے دلیل اور آثار قلب پر پے در پے ہونے سے ہوتی ہے، جسے یہ حالت حاصل ہے اگر وہ غلبہ یاد الٰہی کی وجہ سے ہے تو ستر کے بعد ہوتی ہے اور اس سے بالاتر ہے۔

مکاشفہ: امور غیبی اور اسرار خفیہ کا سالک کے دل پر اس طرح ظہور ہو کہ سالک چشم ظاہر بند کرے اور مراقب ہو کر قلب کو حق کی طرف متوجہ کر کے چشم قلب سے دیکھے اسوقت قلب پر تجلیات وارد ہونگی، یعنی شہود ذات کو صفات کی صورت پر مشاہدہ کرے گا اس کشف کو کشف صغریٰ اور کشف کونی بھی کہتے ہیں۔

مشاہدہ: صور تجلیات حق بغیر حجاب اشیا کے دیکھے اور اشیاء سے قطع نظر کر کے چشم باطن کو ذات حق پر محکم رکھے اسی کو مشاہدہ کہتے ہیں---حق یہ ہے کہ جب تک ربط و اتصال قلب محکم اور متحقق ہے اس وقت تک مشاہدہ حاصل ہے، یہ بھی ہے کہ انوار اور انکشافات کبھی ہوتے ہیں کبھی نہیں بھی ہوتے۔

محاضرہ صاحب تلوین اور صاحب علم الیقین کا حق ہے، مشاہدہ صاحب تمکین اور صاحب حق الیقین کا حق ہے، اور مکاشفہ ایسا امر ہے جو صاحب تلوین اور صاحب تکوین کے بین بین ہے، اور صاحب عین الیقین کے بھی۔

لوائح، طوالع، لوامع: یہ کیفیات ترقی قلب کی ابتدائی منزلیں ہیں، جو مبتدیوں پر وارد ہوتی ہیں، وہ کبھی تجلی میں کبھی استتار میں ہوتی ہے، جب ان کے قلب پر نفسانی خطوط مسلط ہوتے ہیں، اور اسے

تاریک بناتے ہیں اسی وقت کشف کے لوائح ان پر جلوہ فگن ہوجاتے ہیں، ایسے لوگ اپنے سر کے زمانے میں اچانک لوائح کے ورود کے متوقع اور منتظر رہتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ لوائح کی کیفیت بجلی کی تڑپ سے مشابہ ہے، ادھر ظاہر ہوئی ادھر چھپ گئی، لوامع لوائح کی بہ نسبت زیادہ ظاہر اور نمایاں ہیں، وہ کبھی دیر تک بھی قائم رہتے ہیں، اسی تیزی کے ساتھ زائل نہیں ہوتے جو لوائح میں ہے۔

طوالع لوامع سے بھی زیادہ دیر تک رہتے ہیں، یہ اس سے اثر میں بھی قوی تر ہیں اور ان کا قیام بھی زیادہ ہے۔

بوادہ اور ہجوم: بوادہ کسی چیز کا قلب میں اچانک وارد ہونا جس سے حالت قبض یا بسط کی پیدا ہوجائے۔

اور ہجوم وہ کیفیت ہے جو بغیر کسی آرزو کے وقت کی قوت سے قلب پر وارد ہونا، ان دونوں حالتوں میں کمی بیشی کے لحاظ سے اختلاف بھی ہوتا ہے، کبھی کمزور ہوتی ہے کبھی قوی۔

تلوین: طالب کا صراط مستقیم طلب کرنا، تلوین کو تلوین اس لئے کہتے ہیں، کہ اس میں صفات بشریہ ارباب تلوین کے بدل جاتے ہیں، یہ تلوین ارباب حال کی صفت ہے، جب تک سالک سلوک میں ہے تو صاحب تلوین ہے۔

تمکین: مقام استقامت وثبات کو کہتے ہیں، جب تک سالک راہ میں ہے صاحب تلوین ہے، جب واصل ہوا صاحب تمکین ہوا۔

تلوین کی مثال حضرت یوسفؑ کو دیکھ کر معاً ازخود رفتہ ہوجانے والی عورتوں کی حالت ہے، اور تمکین کی مثال زلیخا کی کیفیت کہ حضرت یوسفؑ کی محبت نے ان کی رگ وپے میں اثر کرلیا تھا۔

قلب سلیم: صوفیاء کے نزدیک قلب سلیم اس دل کو کہتے ہیں، جو درج ذیل بیس (۲۰) خصلتوں سے پاک اور بیس (۲۰) خصلتوں سے معمور ہو۔

جن خصلتوں سے پاک ہونا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں:

(۱) شرک (۲) نفاق (۳) عداوت (۴) رغبت (۵) حرص (۶) شک (۷) جہالت (۸) ضد (۹) تکبر (۱۰) علاقہ (۱۱) طمع (۱۲) امید (۱۳) گریہ وزاری (۱۴) خودپسندی (۱۵) بخل (۱۶) نامیدی (۱۷) رشک (۱۸) حسد (۱۹) بدگمانی (۲۰) نسیان۔

مطلوب خصلتیں یہ ہیں:

(۱) توحید (۲) اخلاص (۳) نصیحت (۴) زہد (۵) محبت (۶) قناعت (۷) یقین (۸) علم

(۹) تفویض (۱۰) انسانوں سے ناامیدی (۱۱) صبر (۱۲) امیدوں کا کم کرنا (۱۳) ممنوعہ چیزوں کی یاد (۱۴) ترک احسان (۱۵) سخاوت (۱۶) توبہ (۱۷) تواضع (۱۸) خوف (۱۹) امید (۲۰) یادخدا۔

توجہ: سالک کا اپنے وجود کو معدوم و نابود کر دینا اور حق کو ہست و موجود جاننا، دوسرے یہ معنیٰ ہیں کہ اپنی طاقت قلب کو دوسروں کے قلوب پر ڈالنا اور دوسرے کے قلب کو اپنے اختیار میں لانا۔ اسی کو تصرف بھی کہتے ہیں جس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے، بعض صوفیاء نے اس کی کئی اقسام بیان کی ہیں:

توجہ انعکاسی: یہ ایسی ہے جیسے کوئی شخص خوب عطر لگا کر مجلس میں آئے اور اس عطر کی خوشبو تمام اہل مجلس کے دماغوں کو معطر کر دے، اس کا اثر صحبت کے باقی رہنے تک محدود رہتا ہے۔

توجہ القائی: جیسے کوئی شخص بتی اور تیل ایک برتن میں ڈال کر لا یا اور دوسرے کے پاس آگ تھی، اس نے روشن کر دیا، بس چراغ تیار ہو گیا، اس کا اثر مجلس کے بعد بھی باقی رہتا ہے، جب تک کہ کوئی آفت پیدا نہ ہو۔

توجہ اصلاحی: یہ اس طرح ہے جیسے پانی کو دریا سے یا کنویں سے لا کر کسی حوض میں جمع کر دیں، حوض کے راستے کو بالکل صاف کر دیں، اس حوض میں فوارہ بھی ہو، اس کا راستہ بھی خوب صاف کر دیں، اس حوض میں فوارہ بھی ہو، اس کا راستہ بھی صاف کر دیں اور پانی چھوڑ دیں، اس کی تاثیر پہلی توجہات سے زیادہ طاقتور ہے، اس سے نفس اور لطائف کی درستگی کا بھی کام لیا جاتا ہے۔

توجہ اتحادی: وہ یہ ہے کہ شیخ اپنی روح کو طالب کی روح سے پوری قوت کے ساتھ ملائے، تاکہ شیخ کی روح کا کمال طالب کی روح میں اتر جائے، اور یہ سب سے طاقتور توجہ ہے۔

اشراق: قلب کا نور محبت سے معمور ہو جانا یہ تجلی حسی کے لوازمات سے ہے۔

الہام: کسی شے کا سالک کے قلب پر یقین کامل کے ساتھ صفائی قلب کے بعد وارد ہونا، یہ صفائی قلب ذکر و شغل کے کسب سے ہو یا محض عنایت ایزدی سے ہو یا بلا کسب کے ہو، ابتدا میں سالک کے دل میں الہام ہوتا ہے اور انتہا میں بلا واسطۂ حق مکالمہ ہوتا ہے۔

القاء: علام الغیوب کی طرف سے کسی مخفی بات کا علم عارف سالک کے دل پر وارد ہونا۔

تفرید: غیر حق کو اپنی نظر سے دور کرنا اور حق کو اپنے میں دیکھنا۔

تجرید: اپنی خودی اور ماسوا اللہ سے دور ہونے اور حق کی خودی سے مل جانے کو کہتے ہیں۔

خلوت: اپنی ہستی اور ماسوا سے بیگانہ ہونے کو کہتے ہیں اس سے مراد بلا خطرات غیر حضوری بحق ہے۔

درویش: اس طالب صادق کو کہتے ہیں، جو سوائے حق کے کسی چیز کا طالب نہ ہو اور نہ کسی

سے کام رکھے۔

فقیر: اسے کہتے ہیں جس کی خودی بالکل زائل ہوگئی ہو اسے فنا اور فناء الفنا کا مرتبہ حاصل ہو، مخلوق سے بالکل التفات نہ رکھے، قناعت اور فقر اختیار کر چکا ہو، خلق سے روکش ہو کر عزلت اختیار کئے ہوئے ہو، کسی کا محتاج نہ ہو۔

فقیر کے لئے چار باتیں ضروری ہیں: علم، ورع، یقین، اور ذکر۔

خرقہ: اس لباس کو کہتے ہیں جو شیخ مرید کو دیتا ہے، اور اسے اجازت و خلافت عطا کرتا ہے۔ یہ کئی طرح سے ہوتا ہے:

خرقۂ تبرک: یعنی شیخ اپنے مرید یا طالب کو جو دوسرے شخص کا مرید ہو خرقہ دے، تا کہ اسے برکت حاصل ہو۔

خرقۂ خلافت: اس کی دو قسمیں ہیں، کبریٰ، صغریٰ۔

کبریٰ یہ ہے کہ شیخ اپنے مرید خاص کو بحکم خداوندی خلافت دے، صاحب خلافت کبریٰ ایک ہوتا ہے۔

صغریٰ یہ ہے کہ شیخ طالب میں قابلیت دیکھ کر اجازت دے، یہ متعدد ہو سکتے ہیں۔

خرقۂ سماع: یہ ہے کہ شیخ سماع وغیرہ کے وقت وجد کی حالت میں اپنا کوئی ملبوس پڑھنے یا گانے والے کو دے دے۔

نسبت: سالک کا ملکات محمودہ سے ملکہ حاصل کرنا اس طرح کہ وہ اس کی روح کو کل جہات سے احاطہ کر لے، اس صفت کے ساتھ لازم ذات ہو جائے اسے نسبت کہتے ہیں۔

طامات: لاف و گذاف، خودنمائی و خودفروشی اور عوام الناس کے لئے فریب و تسخیر اور اظہار کشف وکرامت۔

شطحیات: شطح کی جمع ہے،، ان کلمات کو کہتے ہیں جو عشق و مستی اور ذوق محبت کے وقت کسی واصل کی زبان سے بظاہر خلاف شرع صادر ہوں۔

یادداشت: سالک ہر وقت اور ہر حال میں بر سبیل ذوق اللہ پاک کی طرف متوجہ رہے۔ ط

فنا و بقا: صوفیاء کرام نے فنا سے یہ مراد لی ہے کہ آدمی کے برے خصائل دور ہو جائیں، بقا سے یہ غرض ہے کہ انسان میں قابل تعریف اوصاف قائم ہو جائیں۔

عارف کا اپنے نفس اور خلق سے فانی ہونا یہ معنیٰ رکھتا ہے کہ اسے اپنی ذات اور خلق کا کوئی احساس

نہیں رہتا، جب بندہ مذکورہ بالا طور سے اپنی ذات وصفات سب کو بھلا بیٹھتا ہے اس وقت وہ محض صفات حق تعالیٰ کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے، اور صفات حق تعالیٰ کو بھی فنا کر کے شہود حق کے ساتھ رہتا ہے، پھر شہود وفناء حق کو بھی فنا کرلے تو وجود حق تعالیٰ میں مستہلک ہو کر مطلوب اصلی تک پہونچ جاتا ہے۔

ع ہستی قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

فانی: اس سالک کو کہتے ہیں جو حق میں بالکل محو ہو جائے، اور اس کی ہستی کا نام ونشان تک باقی نہ رہے۔

فنافی الشیخ: سالک اپنے وجود کو مرشد میں گم کر کے اس کے اقوال وافعال کی متابعت کرے، اس کے لئے بعض صوفیاء نے شغل ذکر رابطہ یعنی تصور شیخ کا طریقہ ذکر کیا ہے، یعنی سالک شیخ کی صورت کو اپنے خیال یا دل میں نگاہ رکھے یا اپنی صورت کو شیخ کی صورت تصور کرے، جب یہ رابطہ بڑھ جاتا ہے تو ہر ایک چیز شیخ کی صورت میں نظر آتی ہے، اور اسی کو فنافی الشیخ کہتے ہیں۔

خسرو رین سہاگ کی سوئی میں پی کے سنگ
تن مورا من پیو کا، دونوں ایک ہی انگ

فنافی الرسول: سالک اپنا وجود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود میں فنا کر دے، اور اپنی ذات حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے متحد کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے، فنافی الشیخ کے بعد فنافی الرسول کی منزل آتی ہے۔

فنافی اللہ: سالک اپنا وجود حق میں فنا کر کے علائق غیر سے رہائی پا جائے، فنافی الرسول کے بعد فنافی اللہ کی منزل آتی ہے۔

فنا کی چار قسمیں ہیں:

فنائے خلق: یعنی ماسوا سے امید وبیم کو ختم کر دینا۔

فنائے ہوا: یعنی دل میں سوائے ذات مولیٰ کے کوئی دوسری آرزو نہ رہے۔

فنائے ارادت: یعنی سالک کی ہر خواہش زائل ہو جائے، جیسے مردوں کی۔

فنائے فعل: جس کی ادنی حالت یہ ہے کہ بندہ فاعل ہو اور حق تعالیٰ آلہ ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے:

وما يزال عبدي يتقرب إلي بالنوافل حتى أحبه فإذا أحببته كنت سمعه الذي يسمع به

وبصره الذي يبصر به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها. (۷۴۲)

ترجمہ: بندہ مجھ سے مسلسل نوافل کے ذریعہ قربت حاصل کرتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو چاہنے لگتا ہوں، پھر میں اس کا کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

اور فنا کی اعلیٰ حالت یہ ہے کہ بندہ آلہ ہو اور حق تعالیٰ فاعل ہو۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى. (۷۴۳)

فنا کے بعد جو کیفیت حاصل ہوتی ہے، اس کو بقا اور فناء الفناء کے بعد کی کیفیت کو بقاء البقاء کہتے ہیں۔ فنا کے لئے بےخودی لازم نہیں ہے، جس میں بےخودی ہوتی ہے وہ غیبت ہے اس کو فنا نہیں کہتے۔ نسبت فنا زائل نہیں ہوتی، البتہ ٹھہر جاتی ہے

بقا: سالک کے لئے ایک مقام ہے کہ رویت حق کے لئے کوئی شے اس کو حاجب نہیں

بقا باللہ: اس مقام میں مطلقا! غیریت سالک کی نظر سے اٹھ جاتی ہے، اور سالک صفات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے، اس کی بشریت باعث جامعیت کمال اسمائی ہوتی ہے، اور جسم روح کی خاصیت اختیار کرلیتا ہے۔

پاس انفاس: اس کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنی سانسوں پر آگاہ رہے، اور جب سانس باہر نکلے تو دل کی زبان سے لا الہ کہے اور جب اندر جائے تو الا اللہ کہے، خطروں اور وسوسوں کے دور ہونے میں اس کا بڑا اثر ہے۔

اگر تو پاس داری پاس انفاس بسلطانی رسانندت ازیں پاس (۷۴۴)

---

(۷۴۲) **[صحيح البخاري ج 5 ص 2384 حديث نمبر: 6137 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 - 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا.**

(۷۴۳) **الاعراف 17**

(۷۴۴) **الرسالة القشيرية ص 30 تا 149 المؤلف : عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (المتوفى : 465هـ) مصدر الكتاب : موقع الوراق** ☆ عرفان تصوف مؤلفہ ص ۷۷ تا ۱۶۰ مؤلفہ سید درویش احمد ثروت قادری رزاقی، مرتبہ: سید اسلم میاں، ناشر اسلامک ونڈرس بیورو، دریا گنج نئی دہلی، ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء ☆ عمدۃ السلوک ص ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۷۱، ۱۷۲ مؤلفہ مولانا شاہ زوار حسینؒ۔

اصطلاحات نقشبندیہ

(۱) یاد کرد: یعنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر حضوری دل کے ساتھ کرنا، شیخ نے مرید کو جو ذکر تلقین کیا ہو، اسم ذات ہو یا نفی و اثبات، زبانی ہو یا قلبی، ہر وقت اس میں مصروف رہے۔

(۲) بازگشت: یعنی ذکر کے وقت جیسے زبان دل سے اللہ اللہ یا لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے، ایسے ہی اپنے باطن میں بھی خشوع و خضوع کے ساتھ کہے ''اے اللہ! میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے، میں نے تیرے لئے دنیا و آخرت کو ترک کر دیا ہے، تو مجھے اپنی محبت و معرفت نصیب فرما''۔

شروع میں رسمی طور پر ہی یہ جملہ کہے، اللہ چاہے گا تو کچھ دنوں بعد یہ حقیقت میں تبدیل ہو جائے گا۔

(۳) نگہداشت: خطرات قلب پر نگاہ رکھنا، اور نسبت کی حفاظت کرنا جہاں تک ممکن ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر کی حالت میں خطرات اور وسوسوں سے دل کی حفاظت کرتا رہے، اور پریشاں خیالات سے دل کو متاثر نہ ہونے دے۔

ہر روز گھنٹہ دو گھنٹہ یا اس سے زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خیال نہ آئے، اور اس کی مشق اس قدر کرے کہ اللہ کے ماسوا سب کچھ بھول جائے۔

(۴) یادداشت: یعنی باقی باللہ ہونا اور کیفیت سکر سے حالت صحو میں آنا، یا حق تعالیٰ کی حضوری کا غلبہ حب ذاتی کے ساتھ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب وجدانی ذوق کے طور پر دائمی حضوری و آگاہی نصیب ہو جائے، اس کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں، نیز اسے نسبت خاصہ نقشبندیہ کا نام بھی دیتے ہیں۔

(۵) ہوش در دم: یعنی کوئی سانس اندر جائے یا باہر، بغیر یاد خدا کے نہ جائے اور نہ آئے، طریقۂ نقشبندیہ کا دار و مدار ہی ہوش در دم پر ہے، خواجہ عبید اللہ احرارؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص دم کی نگہبانی نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ طریقۂ شریفہ بھول گیا، اس کے لئے ہر وقت اپنا احتساب ضروری ہے، اگر مسلسل اپنی نگرانی رکھی جائے تو بتدریج دوام حضور حاصل ہو جائے گا۔

(۶) نظر بر قدم: سالک کو چاہئے کہ اپنے چلنے پھرنے کے دوران سوائے پشت قدم کے کہیں نظر نہ ڈالے، اس لئے کہ مختلف رنگوں پر نظر ڈالنے سے سالک کی طبیعت کا ارتکاز متاثر ہوتا ہے، اور اپنی منزل سے دور ہو جاتا ہے، نظر بر قدم ہی میں یہ بھی شامل ہے کہ لوگوں کی آوازوں اور باتوں پر دھیان نہ

دے۔ یہ مبتدی کے لئے ہے، اور منتہی کے لئے اس اصطلاح کا مطلب یہ ہوگا اس کی نگاہ انبیاء بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں پر ہو، کہ ان کے نقش قدم سے انحراف تو نہیں ہو رہا ہے۔

(۷) سفر در وطن: ناپسندیدہ بشری صفات سے پاکیزہ ملکوتی صفات کی طرف بڑھنا۔

یہ دس مقامات ہیں: ۱-توبہ، ۲-انابت، ۳-صبر، ۴-شکر، ۵-قناعت، ۶ ورع، ۷-تقویٰ، ۸-تسلیم، ۹-توکل، ۱۰-رضا۔

(۸) خلوت در انجمن: اس سے مراد ہے ظاہر میں لوگوں کے ساتھ رہنا اور باطن میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہنا، سالک کا زندگی اس طرح گذارنا کہ خلق خدا کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے وہ مطلوب حقیقی سے کٹ نہ جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. (۷۴۵)

ترجمہ: یعنی وہ لوگ جنہیں اللہ کی یاد سے کوئی تجارت، یا خرید وفروخت غافل نہیں کرتی۔

(۹) وقوف عددی: ذکر میں سانس چھوڑتے وقت عدد طاق کا لحاظ رکھنا۔

(۱۰) وقوف قلبی: اس درجہ استحضار قلب کہ بیرونی خطرات کا دل میں دخل نہ ہو، اور ہر لمحہ ذات الٰہی پر توجہ مرتکز رہے، خواجۂ نقشبندؒ نے ذکر کے وقت حبس نفس اور رعایت عدد کو لازم قرار نہیں دیا ہے، لیکن وقوف قلبی کو ذکر میں لازم قرار دیا ہے (۷۴۶)۔

طریقۂ نقشبندیہ کا دار و مدار

طریقۂ نقشبندیہ کا دار و مدار تین باتوں پر ہے: (۱) اہل سنت والجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رہنا (۲) دوام آگہی (۳) عبادت۔ اگر کسی شخص کی ان تین چیزوں میں سے ایک میں بھی خلل وفتور آجائے تو وہ ہمارے طریقہ سے خارج ہے (۷۴۷)۔

۞ ۞ ۞

(۷۴۵) النور: 37

(۷۴۶) تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۱۴۳ تا ۱۴۵ تالیف محمد نذیر رانجھا۔

(۷۴۷) تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۱۴۹ تالیف محمد نذیر رانجھا۔

مراقبات

مراقبہ ترقب سے لیا گیا ہے، اور ترقب انتظار کرنے کو کہتے ہیں، چونکہ سالک ایک خاص طریقے پر بیٹھ کر فیوضات الٰہیہ کا انتظار کرتا ہے، اس لئے ان اسباق کو مراقبات کہتے ہیں:

(۱) مراقبۂ احدیت: اس میں سالک انتظار کرتا ہے کہ فیض اس ذات پاک کی طرف سے آتا ہے جو تمام صفات کمال کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، اور اس فیض کے وارد ہونے کی جگہ قلب ہے، اس مراقبۂ احدیت میں جمع قلب اور حضور حاصل ہوتا ہے، اور لطائف اپنے اصول تک پہونچتے ہیں، اور آفاق میں انوار کا مشاہدہ ہو جاتا ہے اور نفس میں بھی، اس لئے کہ مراقبۂ احدیہ کا دائرہ عالم خلق اور عالم امر کے لطائف پر حاوی ہے، تو جب سالک کو مراقبۂ احدیہ میں فیض حاصل ہو جائے تو اہل سلوک مشارب اللطائف کا مراقبہ کراتے ہیں، کیونکہ مراقبات مشارب اللطائف سے فنا حاصل ہوتی ہے، جو ہر سالک کی منزل مقصود ہے۔

(۲) مراقبہ لطیفۃ القلب: دوسرا مراقبہ اور مشارب کا پہلا مراقبہ لطیفۃ القلب ہے، واضح رہے کہ ہر لطیفہ کی ایک اصل تجلیات الٰہیہ میں موجود ہے، مراقبۂ لطیفۂ قلب کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب کو حضور ﷺ کے قلب مبارک کے مقابل سمجھے، اور خیال کی زبان سے یہ دعا پڑھے، کہ ''الٰہی تجلیات الٰہیہ کا فیض جس کو تو نے آنحضرت ﷺ کے لطیفۂ قلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفۂ قلب میں القا کیا پیران عظام کے وسیلے سے میرے لطیفۂ قلب میں القا فرمادے''۔

اس طریقہ سے جو سالک مقصود تک پہونچے اس کو آدمی المشرب کہا جاتا ہے۔

(۳) مراقبہ لطیفۃ الروح: یہ کل مراقبات کا تیسرا اور مراقبات مشارب کا دوسرا مراقبہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب لطیفۂ روح کو حضرت محمد ﷺ کے لطیفۂ روح کے مقابل تصور کرے اور یہ دعا پڑھے، کہ ''اے رب! تجلیات صفات ثبوتیہ کا فیض میرے لطیفۂ روح پر القا کردے، جس کو تو نے حضور ﷺ کے لطیفۂ روح سے سیدنا نوح علیہ السلام اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے لطیفۂ روح پر القا کیا تھا''---

اس طریقہ سے جو طالب مقصود تک پہونچے اس کو ابراہیمی المشرب کہتے ہیں۔

(۴) مراقبہ لطیفۃ السر: یہ کل مراقبات کا چوتھا اور مراقبات مشارب کا تیسرا مراقبہ ہے، اس

کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے لطیفہ سر کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ سر کے ساتھ تصور کر کے یہ دعا مانگے کہ "الٰہی! تجلیات شئونات ذاتیہ کا فیض میرے لطیفہ سر پر القا کر دے جیسے تو نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ سر سے حضرت موسیٰؑ کے لطیفۂ سر پر القا فرمایا تھا۔

اس طریقہ پر منزل کو پہونچنے والا سالک موسوی المشرب کہلاتا ہے۔

(۵) مراقبہ لطیفۃ الخفی: یہ کل مراقبات کا پانچواں اور مراقبات مشارب کا چوتھا مراقبہ ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے لطیفۂ خفی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ خفی کے مقابل تصور کر کے ان تجلیات صفات سلبیہ کے القا کی دعا کرے جو اللہ پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عیسیٰؑ کے لطیفۂ خفی پر القا فرمایا تھا۔

اس طریق سے مقصود پانے والے کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

(۶) مراقبہ لطیفۃ الاخفی: یہ کل مراقبات کا چھٹا اور مراقبات مشارب کا پانچواں مراقبہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے لطیفۂ اخفیٰ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ کے روبرو تصور کر کے رب العالمین سے ان تجلیات کے القا کی دعا مانگے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطیفۂ اخفیٰ پر القا ہوئے تھے۔

اس طریقہ سے کامیاب ہونے والے سالک کو محمدی المشرب کہتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطیفہ منبع فیوض ہے، (۷۴۸)

(۷) مراقبہ ولایت صغریٰ: مراقبات مشارب پر عبور حاصل ہونے کے بعد ولایت بشریہ کی طرف سالک کو توجہ کرنی چاہیئے، جس کو اہل تصوف ولایت صغریٰ کہتے ہیں، یہ معیت الٰہیہ کا مراقبہ ہے، اس میں سالک اللہ کو اپنے ساتھ تصور کرتا ہے، اس فیض کا منشا ولایت صغریٰ کا دائرہ ہے جو اولیاء عظام کی ولایت ہے، حق تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کی ظل ہے، اور مورد فیض لطیفۂ قلب ہے۔

(۸) مراقبہ ولایت کبریٰ: ولایت صغریٰ کے کمالات کے حصول کے بعد سالک ولایت کبریٰ کے دوائر میں داخل ہوتا ہے، جو کہ انبیاء کرام کی موروثی ولایت ہے، جو ان کی اتباع کامل کی بدولت حاصل ہوتی ہے، یہ ولایت تین دائروں اور ایک قوس پر مشتمل ہے، اس میں **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** کے مضمون کا مراقبہ کیا جاتا ہے، اس تصور کے ساتھ کہ اس پر فیض کا القاء ہو رہا ہے اس ذات کریم کی جانب سے جو اس کی روح سے بھی زیادہ قریب ہے، اور منشا فیض ولایت کبریٰ کا دائرۂ اولیٰ ہوتا ہے۔

(۹) مراقبۂ محبۃ الاولیٰ: ولایت کبریٰ کا دوسرا مراقبہ اہل طریقت کے نزدیک "دائرۂ محبت اولیٰ

---

(۷۴۸) ترجمان شریعت وطریقت ص ۱۵۰ تا ۱۶۳ افادات حضرت مولانا شاہ عبدالغفور العباسی المدنیؒ، مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحانی العباسیؒ، ناشر: ادارۃ الصدیق کراچی۔

'' کے ساتھ مشہور ہے، اس میں آیت کریمہ (**یُحِبُّهُمۡ وَيُحِبُّونَهُ**) کے مضمون کا مراقبہ کیا جاتا ہے، فیض کا منشاولایت کبریٰ کا دائرۂ ثانیہ ہے، جوانبیاء عظام کی ولایت ہے اور دائرۂ اولیٰ کے لئے اصل ہے، اس میں مورد فیض لطیفۂ نفس ہے۔

(۱۰) مراقبۃ القوس: ولایت کبریٰ کا یہ تیسرا مراقبہ ہے، یہ تصور کرے کہ اس ذات سے فیض آتا ہے جو مجھ سے محبت رکھتی ہے، اور میں اس سے محبت رکھتا ہوں، منشأ فیض ولایت کبریٰ کا تیسرا دائرہ ہے۔

(۱۱) مراقبہ اسم الظاہر: ولایت کبریٰ کی سیر ختم ہو جانے کے بعد سالک کو مراقبہ اسم الظاہر کرایا جاتا ہے، اور سالک تصور کرتا ہے کہ اللہ پاک کے اسم ظاہر سے فیض مل رہا ہے، اور مورد فیض میر الطیفۂ نفس اور عالم امر کے پانچوں لطیفے ہیں۔

(۱۲) مراقبہ اسم الباطن: اسم ظاہر سے فراغت کے بعد اسم باطن کی منزل ہے، اس میں سالک اسم باطن سے موسوم ذات سے فیض ملنے کا تصور کرتا ہے، منشأ فیض ولایت علیا کا دائرہ ہے، جو ملائکۂ اعلیٰ کی ولایت ہے، اور مورد فیض عنصر خاکی کے سوا میرے تینوں عناصر ہیں۔ اللہ پاک کے ہر نام میں ایک الگ تاثیر ہے، جس نام کا وظیفہ پڑھے گا یا مراقبہ کرے گا اس کے اثرات ظاہر ہونگے۔

(۱۳) مراقبہ کمالات النبوۃ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک ملحوظ کرے کہ ورود فیض اس ذات سے آتا ہے جو کہ کمالات نبوت کا منشأ ہے اور میرا مورد فیض لطیفہ عنصر خاکی ہوتا ہے۔

(۱۴) مراقبہ کمالات الرسالۃ: اس کا طریقہ یہ ہے کہ ملاحظہ کرے کہ فیض اس ذات سے آتا ہے جو کہ منشأ کمالات رسالت کا ہے، اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے۔

(۱۴) مراقبہ کمالات اولوالعزم: اس میں یہ ملحوظ رکھے کہ ورود فیض اس ذات سے ہو رہا ہے جو کہ منشأ ہے کمالات اولوالعزم کا، اور مورد فیض میرا ہیئت وحدانی ہے۔

(۱۵) مراقبہ کعبۂ ربانیہ: مراقبۂ کمالات نبوت و رسالت و اولوالعزم کے بعد دو طریقے ہیں: ایک طریقہ حقائق الٰہیہ، دوسرا طریقہ حقائق انبیاء علیہم السلام، حقائق الٰہیہ میں پہلا مراقبہ ''مراقبۂ کعبۂ ربانیہ'' ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک ملاحظہ کرے کہ فیض اس ذات واجب الوجود سے آرہا ہے جو تمام کائنات کی مسجود ہے، اور منشأ فیض ''کعبۂ ربانیہ'' ہے، اور مورد فیض میری ہیئت وحدانیہ'' ہے۔

بعض اہل سلوک فرماتے ہیں کہ مکہ کی حقیقت تجلّی الوہیت ہے اور مدینہ کی حقیقت تجلّی عبدیت ہے۔

(۱۶) مراقبۂ حقیقت قرآنی: اس میں یہ ملاحظہ کرے کہ فیض آتا ہے اس ذات بے مثل وسعت والے سے جو منشأ حقیقت قرآن مجید ہے، اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے۔

(۱۷) **مراقبہ حقیقت صلوٰۃ:** اس کا طریقہ یہ ہے کہ سالک ملاحظہ کرے کہ فیض آتا ہے اس ذات بے مثل وسعت والے سے جو حقیقت صلوٰۃ کا منشأ ہے اور مورد فیض میری شکل وحدانی ہے۔

(۱۸) **مراقبۂ معبودیت صرفہ:** اس میں سالک خیال کرے کہ اس ذات سے فیض آتا ہے جو کہ معبود محض ہے اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے۔ سیر فی الحقیقۃ الالٰہیہ اس مراقبہ پر آکر تمام ہو جاتا ہے۔

(۱۹) **مراقبۂ حقیقت ابراہیمی:** طریق حقائق انبیاء کی ابتدا اس مراقبہ سے ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ سالک ملاحظہ کرے کہ فیض اس ذات سے آتا ہے جو حقیقت ابراہیم کی منشأ ہے اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے۔

(۲۰) **مراقبہ حقیقت موسوی:** اس میں لحاظ کرے کہ فیض اس ذات عالی سے آتا ہے جو حقیقت موسویہ کی منشأ ہے، اور مورد فیض میری شکل وحدانی ہے۔

(۲۱) **مراقبہ حقیقت محمدی:** اس میں سالک ملاحظہ کرے کہ فیض اس ذات عالی سے آتا ہے جو منشأ حقیقت محمدی کے لئے محب اور محبوب لنفسہ ہے، اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے۔

(۲۲) **مراقبہ حقیقت احمدی:** پھر مراقبۂ دائرۂ احمدیہ ہے، اور اس میں خیال کرے کہ فیض آتا ہے اس ذات سے جو محبوب لنفسہ ہے اور منشأ ہے حقیقت احمدیہ کا، اور مورد فیض میرا ہیئت وحدانی ہے۔

(۲۳) **مراقبہ حب الصرف:** اس میں سالک ملاحظہ کرے کہ فیض اس ذات سے آتا ہے جو کہ منشأ ہے حب صرف کا اور مورد فیض میری شکل وحدانی ہے۔

(۲۴) **مراقبہ دائرۂ لاتعین:** اس میں سالک ملاحظہ کرتا ہے کہ فیض اس ذات سے آتا ہے جو کہ تعینات سے مبرا اور منزہ ہے، اور مورد فیض میری ہیئت وحدانی ہے (۷۴۹)۔

باقی دقیق مباحث کے لئے تصوف کی مطولات کی طرف رجوع کیا جائے۔

---

(۷۴۹) ترجمان شریعت وطریقت ص ۱۶۳ تا ۲۰۸، افادات حضرت مولانا شاہ عبدالغفور العباسی المدنیؒ، مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحانی العباسیؒ، ناشر: ادارۃ الصدیق کراچی۔

(۱۱)

باب یازدہم

خلفاءومجازین

حضرت قطب الہند مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ

(۱) خلف وجانشین حضرت مولانا محفوظ الرحمن قادری نقشبندی دامت برکاتہم (منورواشریف)
(۲) حضرت مولانا حاجی فقیر محمد چشتی مظہری نقشبندیؒ (ضیا گاچھی، اتر دیناجپور بنگال)
(۳) حضرت حاجی منظور احمد نقشبندیؒ (مصرولیا، ضلع مظفر پور بہار)
(۴) حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب نقشبندی دامت برکاتہم (میاں کے بھٹکن، سیوان بہار)
(۵) حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب نقشبندی دامت برکاتہم (بڑگاؤں، ضلع دربھنگہ بہار
(۶) حضرت مولانا عتیق الرحمن چشتی نقشبندیؒ (چندرسین پور، ضلع مدھوبنی بہار)
(۷) حضرت الحاج صوفی منظور الحق نقشبندی مجددیؒ (موتیہاری، بہار)
(۸) حضرت شاہ عبداللہ نقشبندیؒ (پروہی، ضلع مدھوبنی بہار)
(۹) حضرت الحاج نذیر احمد نقشبندی شاذلیؒ (ایکڈنڈی، ضلع مدھوبنی بہار)
(۱۰) حضرت حاجی ابراہیم نقشبندیؒ (مادھے پور، ضلع مظفر پور بہار)
(۱۱) حضرت وارث علی قادری چشتی نقشبندیؒ (سورجاپور، اتر دیناجپور، بنگال)
(۱۲) حضرت عبدالکریم جمعدار ابدال (سہرسہ بہار)

(۱)

حضرت مولانا محفوظ الرحمن قادری نقشبندی دامت برکاتہم

خلف صالح وجانشین حضرت منورویؒ

(ولادت ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۴۴ء)

(خانقاہ منورواشریف ضلع سمستی پور بہار)

حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب حضرت منورویؒ کے اکلوتے صاحبزادے اور حضرت کے وصال کے بعد حضرت کے واحد جانشین ہیں، کافی آرزؤں اور دعاؤں کے بعد دنیا میں آپ کا ورود مسعود ہوا، ں حضرت منورویؒ کو محل اولیٰ سے کوئی اولاد نرینہ نہیں ہوئی تو بزرگوں کے اشارہ پر آپ نے دوسرا نکاح فرمایا۔

ولادت کی بشارت

حضرت منورویؒ کے نانا جان اور شیخ اول حضرت مولانا امیر الحسن قادریؒ نے آپ کی ولادت کی بشارت اس وقت دی تھی جب حضرت منورویؒ زیر تعلیم ہی تھے، اور شادی کا دور دور تک تصور بھی نہیں تھا، حضرت امیرؒ نے اپنے نواسے کی اولاد کے لئے اپنا کمبل اور کچھ وظائف کی کتابیں اپنی صاحبزادی (بی بی حلیمہؒ والدۂ حضرت منورویؒ) کے حوالے کیا تھا اور فرمایا کہ ''یہ ہمارے بابو کے لئے ہے'' ---چنانچہ حضرت بی بی حلیمہؒ میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب کی ولادت تک باحیات رہیں، بلکہ چھ سات سال تک اپنے پوتے کی تعلیم وتربیت کا بھی ان کو موقعہ ملا، پوتے کی پہلی بسم اللہ بھی انہوں نے ہی کرائی تھی، یہ چیزیں تاحیات حضرت منورویؒ کے پاس رہیں، حضرت منورویؒ کے وصال کے بعد یہ امانت آپ کے پاس منتقل ہوگئی، اور عرصہ تک آپ کے پاس رہی۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

آپ کی ولادت ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳/ دسمبر ۱۹۴۴ء کو بروز سوموار اپنے نانیہال لادھ کپسیا، پوسٹ صلحا بزرگ ضلع سمستی پور میں ہوئی، آپ کا اسم گرامی ''محفوظ الرحمن'' تاریخی ہے جس

سے تاریخ ولادت ۱۳۶۳ھ نکلتی ہے، اسی سال حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا ایوب صاحب گڑھولویؒ کی وفات ہوئی تھی، جو بڑے کامل اور صاحب مقام تھے، ان کا تاریخی نام ''محفوظ رحمن'' تھا، اور ان کے انتقال کی تاریخ ''محفوظ الرحمن'' (۱۳۶۳ھ) سے نکلتی ہے (۷۵۰)، ممکن ہے حضرت جد امجدؒ نے اسی مناسبت سے نیک فال کے طور پر اپنے صاحبزادے کے لئے یہ نام تجویز فرمایا ہو کہ ایک چاند غروب ہوا تو دوسرا طلوع ہوا (انشاءاللہ)۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد قطب الہند حضرت مولانا حکیم احمد حسن منورویؒ سے حاصل کی، آپ نے تعلیم کا آغاز چار (۴) سال کی عمر میں کیا، پہلی بسم اللہ دادی جان نے کرائی، ابھی پانچ چھ سال کے تھے کہ (قریب ۱۹۵۰ء میں) علاقہ میں فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی، اور حضرت منورویؒ اپنے اکلوتے صاحبزادے کو پورنیہ لے کر چلے گئے، جہاں حضرت کا مطب اور خانقاہ تھی، اس طرح آپ کی ابتدائی سے لے کر فارسی تک کی تعلیم (قریب چھ (۶) سال) سورجاپور خانقاہ میں خود حضرت منورویؒ کے پاس ہوئی، کملپور (اتر دیناجپور بنگال) کے منشی ایوب صاحبؒ سے بھی آپ نے کچھ اسباق پڑھے۔

صفر ۱۳۷۶ھ/ستمبر ۱۹۵۶ء میں آپ سورجاپور سے خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ چلے گئے، اور قریب چھ (۶) سال مدرسہ مجیبیہ میں تعلیم حاصل کی (۷۵۱) خانقاہ مجیبیہ میں آپ کے خاص اساتذہ حضرت مولانا شاہ نظام الدین صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ امان اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ، حضرت مولانا شاہ عین احمد قادریؒ تھے، حضرت مولانا شاہ عون احمد قادریؒ آبائی نسبت سے آپ کو ''شاہ صاحب'' کہتے تھے، وہاں آپ کے رفقاء درس میں حضرت مولانا شاہ رضوان اللہ قادری سابق سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ تھے۔

خانقاہ مجیبیہ کے بعد آپ بنارس حاضر ہوئے، اور مدرسہ مظہر العلوم (بنارس) میں داخل ہوئے ---بنارس میں لنگڑے والی مسجد میں کچھ دنوں امامت وخطابت کی، اور مدرسہ میں تعلیم بھی جاری رکھی، قیام بنارس کے زمانے میں آپ اکثر حضرت رسول نما بنارسیؒ کے مزار پر حاضر ہوتے تھے، خصوصی

(۷۵۰) جنۃ الانوار ص ۶۲ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب، طبع ثالث۔

(۷۵۱) میرے پاس منی آرڈر کی دو رسیدیں موجود ہیں، جو حضرت منورویؒ نے صاحبزادہ صاحب کو مدرسہ مجیبیہ پھلواری شریف کے پتہ پر بھیجی تھیں، ایک پر ۱۵/نومبر ۱۹۵۸ء اور دوسری پر ۴/اگست ۱۹۵۹ء کی تاریخ درج ہے، ان سے ان دو سالوں میں پھلواری شریف میں آپ کی موجودگی اور تعلیم کا ثبوت ملتا ہے۔

مواقع پر خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کے اکابر بھی وہاں تشریف لاتے تھے، ان حضرات سے بھی دیرینہ تعلقات کی بنا پر آپ خصوصی نیاز حاصل کرتے تھے، اور اس کی وجہ سے بنارس میں آپ کا حلقۂ احباب وسیع ہو گیا تھا۔

زمانۂ طالب علمی میں فقر وروحانیت کا غلبہ

آپ بنارس میں گوکہ ایک طالب علم تھے، لیکن اسی دور سے آپ پر فقر وروحانیت کا غلبہ ہو گیا تھا، جن دنوں آپ محلہ ڈالمنڈی کی ایک مسجد میں امام تھے ایک دن آپ نے رات کے دو بجے فجر کی اذان دے دی، جب کہ مسجد کے مؤذن جناب عظیم الدین صاحب (موضع بتہا ضلع سیتامڑھی) تھے، اس بے وقت اذان پر لوگ حیران ہوئے، کئی لوگ مسجد چلے آئے، اور پوچھنے لگے کہ امام صاحب خیریت تو ہے؟ آج تہجد کی اذان بھی ہوگئی! تو آپ نے فرمایا کہ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ سورج نکل رہا ہے؟ اور فجر کا وقت ختم ہونے جا رہا ہے، اس وقت بھی آپ کے مشاہدہ کی کیفیت ختم نہیں ہوئی تھی۔

اسی زمانے میں کچھ دنوں (تقریباً دو ہفتے تک) ایک مجذوب کے ساتھ آپ مغل سرائے کے ایک جنگل میں بھی رہے۔

بنارس میں وقفہ وقفہ سے آپ کئی سال تک مقیم رہے، ۱۹۶۳ء/ ۱۳۸۲ھ میں آپ بنارس سے لکھنؤ چلے گئے، اور وہاں نظیر آباد میں قیام فرمایا (۷۵۲)۔

نکاح

۱۹۶۴ء/ ۱۳۸۳ھ میں آپ وطن مالوف (منورواشریف) واپس آگئے، اور اسی سال آپ کا نکاح بتاریخ ۱۱/ ذی قعدہ ۱۳۸۳ھ مطابق ۲۶/ مارچ ۱۹۶۴ء بروز جمعرات صلحابزرگ ضلع سمستی پور کے ایک انتہائی معزز اور علمی وروحانی گھرانے میں حضرت حاجی جمیل احمد صاحبؒ کی صاحبزادی محترمہ ''عشرت افزاء'' (ولادت ۶/ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۵/ جنوری ۱۹۵۱ء) سے ہوا، اور تقریب رخصتی (شادی) جمعرات ۱۰/ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۵/ نومبر ۱۹۶۵ء کو عمل میں آئی، جس میں احباب طریق بڑی تعداد میں شریک ہوئے، ان میں خاص طور پر حضرت علی احمد ناظر (سیوان) اور خطۂ پر بہار کے احباب قابل ذکر ہیں۔

---

(۷۵۲) لکھنؤ نظیر آباد کے پتہ پر آپ کے نام حضرت منورویؒ کے ارسال کردہ منی آرڈر کی ایک رسید میرے پاس محفوظ ہے، جس پر یکم جولائی ۱۹۶۳ء کی تاریخ درج ہے، اس سے ۱۹۶۳ء میں آپ کی لکھنؤ میں موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔

نکاح کے بعد ایک بار کچھ دنوں کے لئے پھر بنارس تشریف لے گئے، لیکن جلد ہی واپس آ گئے، اس کے بعد حضرت منورویؒ کے آخری لمحات تک کہیں نہیں گئے، اور حضرت ہی کی خدمت وصحبت میں مشغول رہے۔

روحانی تعلیم اور تکمیل سلوک

آپ نے روحانی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت منورویؒ سے حاصل کی، حضرت نے تقریباً پندرہ (۱۵) سال کی عمر ہی میں آپ کو شرف بیعت بخشا، بیعت کے دن خاص اہتمام کیا گیا، میٹھی چیز پکائی گئی، آپ کے سر پر دستار باندھی گئی اور پھر کلمات بیعت کی تلقین کی گئی، اس کے بعد حضرت نے حکم دیا کہ جاؤ اسی حالت میں اپنی ماں کو سلام کرو، اس طرح آپ نے ایک طویل مدت تک حضرت کے زیر تربیت رہ کر تمام سلاسل کے مدارج سلوک کی تکمیل فرمائی اور پھر والد ماجدؒ کے وصال کے بعد ان کے حقیقی جانشین ہوئے۔

حضرت منورویؒ کی نیابت وجانشینی

حضرت منورویؒ نے اپنی حیات طیبہ ہی میں آپ کو اپنا قائم مقام بنا کر پورنیہ بھیجا، آخری دور میں منورواشریف میں جو لوگ داخل سلسلہ ہوئے ان کو تلقین کلمات کرانا آپ کے ذمہ تھا، پنجوقتہ امامت کی ذمہ داری بھی حضرت منورویؒ نے آپ کے حوالے فرما دی تھی، اور آپ طویل قرأت کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، اللہ پاک نے آپ کو حسن آواز کے ساتھ دردو تاثیر سے بھی حصہٗ وافر عطا فرمایا تھا، آپ جب نماز پڑھاتے تو ایک سماں بندھ جاتا تھا، حالانکہ آپ باقاعدہ قاری نہیں ہیں، لیکن آپ کی تلاوت کی لذت کسی قاری سے کم نہیں تھی، اسی لئے اچھے اچھے علماء اور قراء بھی آپ کے آگے نماز پڑھانے کی ہمت نہیں کرتے تھے، ایک طویل عرصہ تک آپ نے منورواشریف میں عیدین کی امامت فرمائی، خطبہ دینے کا بھی آپ کا ایک منفرد اور دلکش انداز تھا، اذان بھی آپ بہت اچھی دیتے تھے، ایک بار حضرت منورویؒ نے آپ کی اذان سن کر فرمایا تھا کہ ''تم تو اس لائق ہو کہ حرم شریف میں اذان دو''۔

نسبت خاصہ

حضرت منورویؒ کے آخری لمحات میں حضرت کی نسبت خاصہ سے بھی آپ سرفراز ہوئے، اور حضرتؒ کی نسبت اتحادی یکلخت آپ کی طرف منتقل ہوگئی۔

امانت کی واپسی

حضرت منورویؒ نے اپنے خلیفۂ خاص اور محرم اسرار حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کو ایک تحریر لکھ کر دی تھی کہ سلسلۂ نقشبندیہ مظہریہ مجددیہ کی اجازت وخلافت کی امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں، میرے بعد محفوظ کے حوالے کر دینا۔

چنانچہ حضرت منورویؒ کے وصال (۲۸/رجب المرجب ۱۳۸۷ھ) کے صرف دوماہ کے بعد ہی ۴/شوال المکرم ۱۳۸۷ھ کو حضرت مولانا فقیر محمد صاحب نقشبندی مجددی مظہریؒ نے وہ امانت اپنی خانقاہ ربانیہ ضیا گاچھی کے لیٹر پیڈ پر اس تحریر کے ساتھ واپس کر دی کہ:

''ناچیز فقیر محمد کو جو امانت مرشدنا سیدنا مولانا الحاج حکیم احمد حسن مظہری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے ملی تھی وہ مولانا محفوظ الرحمن نقشبندی مظہری مجددی کے حوالے کر دیا، اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے عمل کی توفیق عطا فرماوے آمین ثم آمین، خاکپائے بزرگان فقیر محمد عفی عنہ''

شجرہ میں لطیف اشارہ

☆ جناب پروفیسر محمد علی نیازی صاحب (پیغمبر پور، دربھنگہ) نے ایک اور نکتہ کی نشاندہی کی ہے کہ حضرت نے جب اپنا شجرۂ منظومہ شائع کیا تو اس میں اپنے نام کے بعد ایک شعر میں اپنے صاحبزادے کے نام کو بھی شامل کیا ہے، اس میں یکگونہ آپ کی جانشینی کی طرف اشارہ ہے (۷۵۳):

دین ودنیا میں مجھے محفوظ رکھ عزت کے ساتھ
آل و اصحاب جناب مصطفےٰ کے واسطے

یہ تمام شواہد یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ حضرت منورویؒ کے وصال کے وقت گو کہ آپ کی عمر صرف تئیس (۲۳) سال سے متجاوز تھی، لیکن آپ نے سلوک میں کمال اور حضرت والد ماجدؒ کا اعتماد حاصل کر لیا تھا، اور حضرت منورویؒ ساری زندگی جس بات کے لئے متفکر رہے، آپ نے حضرت کی ان آرزؤں کو پورا کر دیا، اور حضرت اطمینان اور سکون کے ساتھ دنیا سے تشریف لے گئے۔

حضرت کے وصال کے بعد کچھ دنوں سخت سرگردانی رہی، اور گڑھول شریف اور سرہند شریف وغیرہ مزارات پر حاضری دی، پھر ان بزرگوں کی دعاؤں اور توجہات کی برکت سے فضل الٰہی نے دستگیری کی،

---

(۷۵۳) قلمی یادداشت پروفیسر محمد علی نیازی صاحب۔

اورآپ نے اپنے اورادواشغال کے ذریعہ مزید ترقیات حاصل کیں۔

حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ سے اجازت وخلافت

حضرت کے بعد آپ کسی سے باقاعدہ بیعت تو نہیں ہوئے، لیکن خانوادۂ مجددی کے چشم و چراغ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ خانقاہ مظہریہ دہلی سے آپ نے بعض روحانی مشورے اور ہدایات لیں، اوران کو اپنا مرشد تصور کیا، کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت فاروقیؒ نے بھی آپ کو تمام سلاسل میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت ذکا گڑھولویؒ سے اجازت

حضرت مولانا مفتی محمد ادریس صاحب ذکا گڑھولویؒ (فرزندار جمند قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ) سابق صدر المدرسین ومفتی مدرسہ جامع العلوم مظفر پور نے بھی بلاطلب اپنی نسبت واجازت سے آپ کو مشرف فرمایا۔

☆ حضرت حاجی محمد جمیل صاحب نے بتاریخ یکم ذی قعدہ ۱۳۹۹ھ مطابق ۲۲/ستمبر ۱۹۷۹ء آپ کو تحریری طور پر حزب البحر کی اجازت دی۔

اس طرح آپ کی ذات گرامی مختلف بزرگوں کی نسبتوں کی جامع ہے، اوراس دورانحطاط کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے، اللہ پاک آپ کا سایہ تادیر ہم سبھوں پر قائم رکھے، آمین۔

(۲)

حضرت مولانا حاجی فقیر محمد چشتی مظہری صاحبؒ

(متوفی ۲۴/شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۴/اگست ۱۹۸۳ء)

(خانقاہ ربانیہ مقام ضیا گاچھی، اتر دیناجپور، مغربی بنگال)

حضرت مولانا الحاج فقیر محمد صاحبؒ اپنے وقت کے صاحب نسبت اور صاحب مقام بزرگ تھے، ان کی ولادت موضع ضیا گاچھی میں ہوئی، آپ کے والد ماجد منشی تمیز الدین سرکار بڑے صاحب علم، صاحب تمکنت، صاحب وقار اور بڑے زمینداروں میں تھے۔

حضرت مولانا محمد عابد چندی پوریؒ سے شرف تلمذ اور صحبت

ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی، اس کے بعد علاقہ کے مشہور وممتاز صاحب نسبت عالم ربانی، قطب سبحانی حضرت مولانا محمد عابد چندی پوریؒ (م ۱۷/ربیع الثانی ۱۳۷۸ھ مطابق ۲/ اکتوبر ۱۹۵۸ء) کے سپرد کئے گئے، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، حضرت چندی پوریؒ کی نظر عنایت نے آپ کو خاک سے اکسیر بنا دیا، حضرت چندی پوریؒ کی تربیت اتنی کڑی تھی کہ کوئی صاحب استقامت ہی ان کے پاس ٹک سکتا تھا، لیکن مولانا فقیر محمدؒ تقریباً دس (۱۰) سال ان کی صحبت میں رہے، ان کی صحبت کا فیض تھا کہ اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر سے ہی آپ تہجد کے پابند ہو گئے تھے۔

علمی مقام

چندی پور (ضلع مالدہ) کے بعد آپ نے بھاگلپور پھر دربھنگہ کا سفر اختیار کیا، اور وہاں کے بعض مدارس میں داخل ہوئے، وہیں سے مدرسہ اشرف العلوم کنہواں پہونچے اور یہاں رہ کر اپنی تعلیمی پیاس بجھائی، آپ کا آخری تعلیمی سفر اجمیر شریف کا ہوا، اور اس کے بعد تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا، غالباً ظاہری سند فراغت کسی ادارہ سے آپ کو حاصل نہ ہو سکی تھی، لیکن آپ کا علم بہت گہرا اور وسیع تھا اور تقویٰ اور روحانیت نے اس کو پختہ اور مجلیٰ کر دیا تھا۔

حضرت منورویؒ سے بیعت اوراجازت وخلافت

علم ظاہر سے فراغت کے بعد تعلیم باطن کے لئے آپ حضرت منورویؒ کی طرف رجوع ہوئے، حضرت کی خانقاہ ان دنوں بذرگاؤں (سابق پورنیہ، موجودہ ضلع کٹیہار) میں تھی، تاریخ بیعت کا صحیح پتہ نہیں ہے، لیکن حضرت منورویؒ کا قیام بذرگاؤں میں قریب بارہ سال (۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۲ء تا ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء) رہاہے، اسی دوران کبھی آپ حضرت سے وابستہ ہوئے، اوراجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔

مدرسہ وخانقاہ کا قیام

تکمیل سلوک کے بعد آپ نے اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ احمد حسن منورویؒ کے ایماء پر ضیا گاچھی میں ۱۳۶۱ھ/ ۱۹۴۲ء میں مدرسہ مظہر العلوم کے نام سے ایک دینی ادارہ کی بنیاد ڈالی، اس وقت اس علاقے میں دینی مدارس کی شدید ضرورت تھی، اس مدرسہ نے طویل عرصہ تک شاندار دینی تعلیمی خدمات انجام دیں، اسی کے ساتھ آپ نے ''خانقاہ ربانیہ'' کے نام سے ایک روحانی تربیت گاہ بھی قائم کی، جس سے وہ پورا خطہ فیضیاب ہوا، حضرت منورویؒ کی راست توجہات ان دونوں اداروں کو حاصل رہیں۔

آپ کی شادی موضع شمس پور میں ایک زمیندار گھرانے میں ہوئی، وہاں بھی آپ نے تعلیمی خدمات انجام دیں، اپنی نانیہال موضع کملپور میں بھی کئی سال آپ کا علمی فیضان جاری رہا، یہاں بھی آپ نے ایک دینی درسگاہ قائم کی تھی، جو ان کے جانے کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔

آخری عمر میں آپ فاربس گنج چلے گئے تھے اور یہاں خانقاہ ربانیہ کی ایک شاخ قائم کی تھی، اس طرح آپ کا فیض پورے خطہ میں پہونچا اور آپ حلقۂ بنگال وپورنیہ میں حضرت منورویؒ کے سب سے بافیض خلیفہ ہوئے، اپنے پیرومرشد کی محبت میں فانی تھے، پیر کی حیات میں بھی اوران کے وصال کے بعد بھی ہمیشہ منورواشریف حاضری دی اوراس گھر کے ایک ایک فرد کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کیا۔

حضرت منورویؒ کے اولین خلیفہ

تاریخی لحاظ سے سب سے پہلے آپ کو ہی خلافت واجازت حاصل ہوئی، جب بہت سے احباب نے ابھی طریقت کے اسباق بھی شروع نہیں کئے تھے اس وقت آپ اجازت وخلافت سے سرفراز ہو چکے تھے، اس سے آپ کی عظمت اور بلند روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

آپ بڑے صاحب تصرف اور صاحب کرامات بزرگ تھے، اور تواضع وسادگی کے ساتھ علمی وقار وتمکنت کا پیکر تھے، **فرحمہ اللہ**۔

وصال پرملال

آپ کا وصال ۲۴/شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۴/اگست ۱۹۸۳ء کو بروز جمعرات بوقت ۹/ بج کر ۲۵ منٹ پر دن میں بمقام فاربس گنج ہوا، جنازہ ضیا گاچھی لے جایا گیا اور وہیں قبرستان میں مدفون ہوئے (۷۵۴)۔

(۳)

حضرت حاجی منظور احمد نقشبندی مجددی مظہریؒ

(ولادت: غالباً ۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۶ھ وفات: ۶/رجب المرجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۸/مارچ ۱۹۸۶ء)

(خانقاہ مصرولیا، ضلع مظفرپور بہار)

حضرت حاجی منظور احمد صاحبؒ حضرت منورویؒ کے انتہائی بافیض اور مقرب ترین خلفاء میں تھے، آپ کی عظمت وفضیلت کے لئے یہ کافی ہے کہ حضرت منورویؒ نے اپنے ایک مکتوب میں آپ کو اپنے لئے قابل فخر قرار دیا، حضرت کے ساتھ سفر حج کی سعادت آپ کو میسر ہوئی، بہت سے اسرار ورموز آپ کے ذریعہ دوسروں تک پہونچے، اور آخری دور میں حضرت منورویؒ نے کئی بار ارشاد فرمایا کہ ''اگر اللہ پاک کل یوم حشر پوچھے گا کہ '' احمد حسن! کیا لے کر آئے ہو، تو ناظر ومنظور کو پیش کردوں گا'' (۷۵۵)

(۷۵۴) ان معلومات کا بڑا حصہ حضرت مولانا حاجی فقیر محمد صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب مولانا غلام صابر صاحب کی ڈائری سے لی گئی ہیں (ص ۳۶ تا ۵۹)، میں شکر گذار ہوں جناب نصیر غالب صاحب ابن حاجی محفوظ الرؤف صاحب مرحوم (رئیس کملپور، اتر دیناجپور، بنگال) کا کہ انہوں نے مولانا غلام صابر سے ان کی ڈائری کے یہ صفحات حاصل کر کے مجھے ارسال کئے ---- نیز کچھ معلومات مجھے اپنے والد ماجد اور جناب حاجی محفوظ الرؤف صاحبؒ سے حاصل ہوئیں۔

(۷۵۵) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔

حاجی منظور صاحب کی فراست وبصیرت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پیرومرشد (حضرت منورویؒ) کو کسی نے نہیں پہچانا، میں بھی زیادہ سے زیادہ چار آنہ ہی سمجھ سکا۔(۷۵۶)

فنافی الشیخ

وہ فانی فی الشیخ اور فانی فی التصوف تھے، تصوف کے لئے انہوں نے اپنی سرکاری ملازمت چھوڑ دی، اور پیر کی منشأ کے مطابق اپنا سب کچھ راہ خدا میں قربان کردیا، ساری زندگی اپنے پیر کے مشن کو آگے بڑھانے میں مصروف رہے، سیکڑوں بندگان خدا آپ کے ذریعہ حضرت منورویؒ سے وابستہ ہوئے، اور پھر حضرت کے وصال کے بعد بھی ایک ایک لمحۂ حیات انہوں نے اسی کام میں لگادیا، جذبہ کے خلوص اور فنائیت کی طاقت نے حاجی صاحب کو آگے بڑھایا اور ان کا فیض دور دراز علاقوں تک پہونچا، اور آج بھی یہ سلسلہ روز بروز وسیع ہوتا جارہا ہے۔

ولادت، تعلیم وتربیت، ملازمت اور سبکدوشی

حاجی منظور احمد صاحب ضلع مظفر پور کے ایک گاؤں مصرولیا میں غالباً ۱۹۱۸ء/۱۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے، والد ماجد کا نام شیخ لطائف حسین تھا، وہ گاؤں کے معزز اور دیندار لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے، اور اپنے صلاح وتقویٰ کی وجہ سے گاؤں میں ''پیرمیاں'' کے نام سے مشہور تھے۔

حاجی صاحب بچپن ہی میں والد کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوگئے، آپ تین بھائی تھے، چھوٹے بھائی وصی احمد صاحب کا چالیس (۴۰) سال کی عمر میں جوانی میں ہی انتقال ہوگیا تھا، ان کی تینوں لڑکیوں کی کفالت آپ نے کی، ایک بھائی آپ سے بڑے شفیع احمد تھے۔

مکتب کے بعد فارسی اور کافیہ تک کی آپ نے تعلیم حاصل کی، تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں آپ کا نکاح حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب (مقام مکیا، ضلع دربھنگہ، تلمیذ حضرت شیخ الہندؒ) کی صاحبزادی سے ہوا، مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی، تو دوسری شادی کی، اس سے ایک لڑکی بی بی آرزو پیدا ہوئی، جس کا نکاح اپنی وفات سے دو ماہ قبل مولانا مظفر عالم صاحب کے صاحبزادہ محمد سعد اللہ عرف خواجہ بابو سے نو (۹) سال کی عمر میں کردیا، مولانا مظفر عالم آپ کے چھوٹے بھائی وصی احمد کے داماد ہیں۔

اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں پولیس کی ملازمت اختیار کرلی، جو قریب انتیس (۲۹) سال تک جاری رہی، ۱۹۶۴ء میں آپ نے اختیاری ریٹائرمنٹ حاصل کرلی۔

---

(۷۵۶) یہ بات میرے والد ماجد نے نقل فرمائی۔

پیر کی تلاش

حاجی صاحبؒ نے نیک ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، بچپن میں ان کو حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، نیز خسر محترم حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب بھی ایک بڑے عالم اور بزرگ تھے، اس لئے بچپن ہی سے طبیعت میں صلاح ودینداری اور بزرگوں سے عقیدت ومحبت غالب تھی، تہجد اور تلاوت قرآن کے پابند تھے، پولیس کی نوکری کے زمانے میں کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا، البتہ بیعت وغیرہ کا خیال شروع میں نہیں تھا، اسی لئے جب آپ کے خسر محترم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے آپ کو بیعت کرانے کا خیال ظاہر کیا تو آپ نے کسی گرم جوشی کا مظاہرہ نہیں کیا، لیکن بعد میں جب اس جانب رجحان پیدا ہوا تو پھر پیر کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے، جہاں بھی گئے، ذہن میں کسی مرد حق کی تلاش پیوست رہی۔

حضرت مولانا عابد حسین چندی پوریؒ کی خدمت میں حاضری

چنانچہ ایک بار دمکا یا پورنیہ کے کسی تھانے میں آپ کی ڈیوٹی لگی، اور وہاں حضرت مولانا عابد حسین چندی پوریؒ (ضلع مالدہ) کی شہرت سنی، تو ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر حضرت چندی پوریؒ اس وقت بہت ضعیف ہو چکے تھے، اٹھنا بیٹھنا بھی مشکل تھا، اس لئے آپ کو ان سے عقیدت تو قائم ہوئی مگر خیال ہوا کہ مجھے ابھی اصلاح کی ضرورت ہے، حضرت سے بیعت محض برکت کے لئے تو ٹھیک ہے لیکن ضعف وکبرسن کی وجہ سے میری اصلاح پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکیں گے، اس لئے وہاں سے واپس آ گئے اور بیعت نہیں ہوئے۔

مالدہ اسٹیشن پر حضرت منورویؒ کی پہلی زیارت اور ملاقات

اسی سفر میں یا کسی اور موقعہ پر مالدہ اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر آپ نے ایک بزرگ کو نماز اور ذکر میں مصروف پایا جن کے ہمراہ دو خوبرو نوجوان جو کسی امیر کبیر گھرانے کے شہزادے معلوم ہوتے تھے، شامل تھے، آپ کو ان بزرگ کی نورانی صورت اور ذکر ونماز سے طبعی کشش پیدا ہوئی اور ان سے آکر ملاقات کی، ان بزرگ صاحب نے بھی آپ کو غور سے دیکھا اور ایک پان آپ کی طرف بڑھا دیا، آپ نے پان کھایا، اور دل میں عقیدت ومحبت بھی جاگزیں ہوئی، مگر راستے میں اسٹیشن پر آپ کو کون بتاتا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ کس سلسلہ سے ان کا تعلق ہے؟ ظاہر ہے کہ سرراہ کسی

اجنبی سے تو کوئی بیعت نہیں ہوتا--- بہر حال ٹرین آئی اور وہ بزرگ اس میں سوار ہو گئے۔

یہ بزرگ حضرت منورویؒ تھے اور ان کے ہمراہ دوشہزادے بطور خادم جناب وشواس جی محمد وارث علی صاحب (رئیس سورجاپور ضلع اتر دیناجپور بنگال) اور جناب مولوی ولی اصغر صاحب (رئیس لوٹیا باری، پورنیہ) تھے (۷۵۷)۔

حضرت منورویؒ سے انجانے میں حاجی صاحب کی یہ پہلی ملاقات تھی، اور حضرت منورویؒ کے تیر نظر کے وہ اسی دن شکار ہو گئے تھے، حضرتؒ اپنے شکار کو پہچانتے تھے، ان کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا تھا، اور کہنا چاہئے کہ یہی کشش ایک دن ان کو پھر انجانے ہی میں منورواشریف لے کر آ گئی۔

روسڑا تھانہ میں تبادلہ، منوروا میں ڈیوٹی اور حضرت سے دوسری ملاقات

اس کی صورت یہ ہوئی کہ (غالباً ۱۹۵۷ء میں) (۷۵۸) سمستی پور ضلع کے روسڑا تھانہ میں آپ کا تبادلہ ہو گیا، اور عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر آپ کی ڈیوٹی منورواشریف میں لگائی گئی، ڈیوٹی کے دوران حاجی صاحب نماز کے لئے مسجد تشریف لے گئے، نماز کے بعد ایک بزرگ شخصیت پر نظر پڑی جو بالکل حضرت گڑھولویؒ کے ہم شکل تھے، سوچنے لگے کہ حضرت گڑھولویؒ کے وصال کو ایک مدت گذر چکی ہے، پھر یہ بزرگ کون ہیں؟ لوگوں سے دریافت کر کے حاضر خدمت ہوئے، حاجی صاحب تو شاید نہ پہچان سکے کہ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مالدہ اسٹیشن پر ان کو ایک پان عنایت کیا تھا، ان کو تو صرف حضرت گڑھولویؒ کی شباہت اور ان کی نقل کامل کی کیفیت حضرت کے پاس کھینچ لائی تھی، لیکن حضرت نے انہیں فوراً پہچان لیا، مگر ان پر ظاہر نہیں فرمایا (بعد میں حاجی صاحب بھی جان گئے تھے) حضرت سے حاجی صاحب کی ملاقات ہوئی اور جب تک ڈیوٹی پر رہے (قریب پندرہ دن) پابندی سے حاضر خدمت

(۷۵۷) یہ پورا واقعہ (حضرت چندی پوریؒ کی بارگاہ میں حاضری سمیت) میرے والد ماجد نے خود حاجی منظور احمد صاحب کے حوالے سے نقل فرمایا۔

(۷۵۸) حاجی صاحب کی بیعت کی صحیح تاریخ کا پتہ نہیں ہے، ان کے قریب ترین لوگوں کو بھی اس کی خبر نہیں ہے، ان پر لکھی گئی تحریروں میں بھی کسی تاریخ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، ان کے بعض قریب ترین وارثین سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا، لیکن حضرت منورویؒ سے حاجی صاحبؒ کی جو مراسلت ہوئی ہے (گوکہ اس کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے اور اس کا بہت مختصر حصہ مجھے مصرولیا سے حضرت مولانا مظفر عالم کشفی صاحب مدظلہ کے ذریعہ حاصل ہو سکا) اس میں مکاتبت کی تاریخ کا آغاز ۱۹۵۸ء سے ہوا ہے۔ اس لئے اندازہ یہ ہے کہ آپ پہلی بار ۱۹۵۷ء میں منورواشریف حاضر ہوئے ہونگے، واللہ اعلم بالصواب۔

ہوتے رہے، اور حضرت نے بے پناہ شفقت وعنایت کا مظاہرہ فرمایا، لیکن حاجی صاحب نے بیعت پر کوئی گفتگو نہیں کی، صرف بزرگوں کے حالات وواقعات سنتے رہے---- دل کی کشش تو بہت تھی، اور بیعت بھی ہوجانا چاہتے تھے مگر اظہار میں عجلت مناسب معلوم نہیں ہوئی، اس کے علاوہ وہ شاہ ادریس صاحبؒ سے بھی مشورہ کرنا چاہتے تھے، شاہ ادریس صاحب ایک درویش تھے جو عالم دین بھی تھے، مگر جذبی کیفیت میں رہتے تھے، ان سے حاجی صاحب کی ملاقات مظفر پور میں ڈیوٹی کے دوران ہوئی تھی، اوران سے بےحد قریب ہوگئے تھے، حاجی صاحب اکثر روحانی مسائل میں ان سے مشورے کرتے تھے۔

بڑے بزرگ کے یہاں سے واپس چلے آئے، بیعت کیوں نہ ہوگئے؟

بہر حال ڈیوٹی ختم ہوئی اور حاجی صاحب حضرت سے الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، حضرت نے بہت شفقت کے ساتھ آپ کو رخصت کیا، اور فرمایا، فی امان اللہ، ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی، حاجی صاحب نے دل میں سوچا کہ اب پھر کیا ملاقات ہوگی، یہ تو اتفاقی ڈیوٹی تھی---- لیکن حضرت سے رخصت ہوئے تو دل اسی جانب معلق رہا، جی نہیں چاہتا تھا کہ حضرت کو چھوڑ کر چلے جائیں، بہر حال وہ سمستی پور پہونچے تو حسن اتفاق حضرت شاہ ادریس سے بھی وہیں ملاقات ہوگئی، انہوں نے حاجی صاحب کو دیکھتے ہی فرمایا کہ ”ارے بڑے بزرگ کے دربار سے واپس چلے آئے، بیعت کیوں نہیں ہوگئے؟

منورواشریف دوبارہ حاضری اور بیعت

اس سے حاجی صاحب کا یقین اور بھی زیادہ پختہ ہوگیا، تقدیر الٰہی سے پھر اسی سال محرم الحرام کے موقعہ پر حاجی صاحب کی کمان منوروا کے لئے کٹ گئی، اور حضرت کی بات یاد آئی کہ ”فی امان اللہ، ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی“ حاجی صاحب ڈیوٹی کے مطابق منورواشریف پہونچے، اور صبح بعد نماز اشراق حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، یہ منورواشریف کے پرانے مسکن کی بات ہے، وہاں ٹیوب ویل نہیں تھا، بلکہ مکان کے بیرونی حصہ میں ایک چھوٹا سا مٹی کا کنواں تھا، جس کو یہاں کی اصطلاح میں ”کوپ“ کہتے تھے، جس وقت حاجی صاحب پہونچے حضرت وضو فرمارہے تھے، حاجی صاحب نے حضرت کو دور سے دیکھا تو ایک ہیبت طاری ہوگئی، حضرت کے پاس پہونچنے کے لئے تیز تیز چلنے لگے، اتفاق سے کنواں کے پاس کچھ کیچڑ تھا، حاجی صاحب کیچڑ میں پھسل کر گر پڑے، اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے، گاؤں کے بہت سے

لوگ جمع ہو گئے، کچھ دیر تک یہی کیفیت رہی، پھر طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا، یہ حضرت کی پہلی توجہ تھی، جس نے ان کی عقیدت پر مہر لگادی، غالباً پچھلی ملاقات میں حاجی صاحب نے حضرت سے توجہ کی حقیقت دریافت کی تھی، مگر حضرت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا، چنانچہ اسی دن حضرت سے سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ میں بیعت ہو گئے، پھر طویل عرصہ تک حضرت کی خدمت وصحبت میں رہ کر مقامات سلوک طے کئے، اور اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے اپنی زندگی ہی میں طالبین کی ایک جماعت آپ کے حوالے کردی تھی، تاکہ وہ ان کی تربیت کریں، اور آپ میں بھی پختگی پیدا ہو، اور استاذی کا ہنر معلوم ہو، یہ ایک طرح کی ذیلی خانقاہ تھی جو خود حضرت ہی کے ایماء پر قائم کی گئی تھی، اور اس کا نگراں حاجی صاحب کو بنایا گیا تھا، یہ ذیلی مرکز گوری (ضلع سیتامڑھی) میں (جناب اظفر الکوثر خان صاحب کے مکان پر) اور مصرولیا (ضلع مظفر پور) میں (حاجی منظور احمد صاحب کے مکان پر) قائم کیا گیا، حاجی صاحب حسب سہولت دونوں جگہوں پر تربیت کا کام انجام دیتے تھے۔

اللہ پاک نے آپ سے سلسلہ کا بڑا کام لیا، بڑی محنت وجانفشانی اٹھائی، آخری عمر میں بہت بیمار رہنے لگے تھے، کئی ماہ چلنے پھرنے سے معذور بستر پر رہے، زندگی کا آخری ایک ہفتہ مکمل بے ہوشی میں گذرا، ۶ / رجب المرجب ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۸ / مارچ ۱۹۸۶ء کو ایک بجے شب میں انتقال فرمایا، اور مصرولیا میں مدفون ہوئے، خانقاہ مصرولیا اور مدرسہ احمدیہ کریمیہ مصرولیا آپ کی خوبصورت یادگاریں ہیں، آپ کے بعد آپ کی خانقاہ اور مدرسہ کے ذمہ دار رشتہ میں آپ کے داماد حضرت مولانا مظفر عالم کاشفیؔ ہوئے، اور یہی آپ کے جانشین اور خانقاہ کے سجادہ نشیں بھی ہیں، آپ کے خلفاء میں جناب مولانا شمس الہدیٰ راجوی صاحب مدظلہ بھی بہت مشہور ہیں (۷۵۹)۔

۞ ۞ ۞

(۷۵۹) حاجی منظور احمد صاحبؒ کے تعلق سے معلومات کا بڑا حصہ ارواح طیبہ ص ۳۶۹ تا ۳۷۶ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہری، ناشر: مکتبہ عزیزیہ جنکپور روڈ سیتامڑھی، شوال ۱۴۱۴ھ) اور الاکلیل ص ۳۰۹ تا ۳۳۶ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب سے لیا گیا ہے، البتہ مذکورہ کتابوں میں واقعات کی کئی کڑیاں غائب ہیں، ان کو میں نے مربوط کیا ہے، تاکہ مکمل تصویر سامنے آسکے، اور یہ بھی صاحب واقعہ حاجی منظور صاحب ہی کے حوالے سے میرے والد ماجد کی روایات پر مبنی ہیں۔

(۴)

حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

(ولادت ۱۶ / اکتوبر ۱۹۲۸ء مطابق ۲۹ / ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ)

(خانقاہ میاں کے بھٹکن، سیوان بہار)

حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب کا شمار بھی حضرت منورویؒ کے انتہائی اجل خلفاء میں ہوتا ہے، ابتہائی بافیض اور طاقتور نسبت کے مالک ہیں، حضرت منورویؒ کو اپنے جن احباب پر ناز تھا ان میں ایک آپ بھی ہیں، حضرت کا وہ جملہ حاجی منظور احمد صاحبؒ کے تذکرہ میں آچکا ہے، کہ ''اگر اللہ پاک کل یوم حشر پوچھے گا کہ''احمد حسن! کیا لے کر آئے ہو، تو ناظر و منظور کو پیش کردوں گا'' (۷۶۰) اس سے آپ کے مقام بلند کا اندازہ ہوتا ہے۔

ولادت اور تعلیم

آپ ایک زمیندار گھرانے کے فرد ہیں، والد ماجد کا نام علی اطہر اور والدہ ماجدہ کا نام زبیدہ خاتون تھا، آپ کے والد راج مجھولی میں سرکل آفیسر تھے، آپ سات (۷) بہنوں کے درمیان اکلوتے بھائی ہیں، آپ ۱۶ / اکتوبر ۱۹۲۸ء مطابق ۲۹ / ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو سیوان کے ایک گاؤں میاں کے بھٹکن میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم والد کے زیر سایہ پانچ کلاس تک حاصل کی، پھر مظفر پور کے ایک اسکول میں چھٹے کلاس سے تعلیم شروع کی، اور وہیں مڈل کلاس پاس کیا، پھر ۱۹۴۲ء میں ضلع اسکول میں آٹھویں کلاس میں داخلہ لیا، اور وہیں سے میٹرک پاس کیا (۷۶۱)۔

سرکاری ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کو بلاک میں سرکاری ملازمت مل گئی، پریہار بلاک میں بہت دنوں تک ''بڑا بابو'' کی حیثیت سے کام کیا، بہت دنوں اورائی بلاک میں بھی ناظر کے پوسٹ پر

(۷۶۰) یہ واقعہ میرے والد ماجد نے نقل فرمایا۔

(۷۶۱) یہ تفصیلات خود جناب ناظر صاحب نے لکھوا کر میرے پاس ارسال کی ہیں۔

رہے، اسی بلاک میں حاجی منظور صاحب کا گاؤں مصرولیہ واقع ہے۔

حضرت منورویؒ سے بیعت اور اجازت وخلافت

۱۹۶۲ء میں حاجی منظور احمد صاحب سے آپ کا تعلق قائم ہوا اور انہی کے توسط سے آپ حضرت منورویؒ کی بارگاہ تک پہونچے اور بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک محنت ومجاہدہ کے بعد اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، حضرت منورویؒ نے اجازت کے وقت آپ کو ایک جانماز، اور ایک یمنی کپڑے کی بنڈی عنایت کی تھی، اور مجلس میں اپنے سامنے چند لوگوں کو بیعت کرایا اور طریقۂ بیعت اور طریقۂ توجہ سمجھایا (۷۶۲)۔

طالبین کی ایک جماعت آپ کے حوالے

حضرت نے آپ کو بھی طالبین کی ایک جماعت حوالے کی تھی، اور آپ ان پر پوری محنت صرف کرتے تھے، جیسا کہ حضرت کے نام آپ کے ایک تفصیلی خط (مرقومہ ۳/ستمبر ۱۹۶۳ء) سے اندازہ ہوتا ہے، اس خط میں آپ نے اپنے معمولات ومراقبات ومنامات کی کیفیات ومشاہدات قلمبند کئے ہیں، اسی خط میں اپنے زیر تربیت احباب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میں اپنے کام میں حضور کے حکم کے مطابق عمل کررہا ہوں، اور اللہ کا شکر ہے، کچھ لوگ حلقہ میں آجاتے ہیں، جس کی وجہ سے ذکر کا شغل کافی رہتا ہے، اور لوگ بھی کافی فرحت محسوس کرتے ہیں، اور سب کے سب اچھی طرح ذاکر ہیں، اور اب محسوس بھی کرنے لگے ہیں''

۱۹۸۷ء میں آپ ریٹائرڈ ہوکر اپنے وطن مالوف چلے گئے اور وہاں رشد وہدایت کا ایک مرکز قائم کیا، ماشاء اللہ تادم تحریر باحیات ہیں، اور آپ کا فیض دور دور تک پہونچ رہا ہے، آپ کا روحانی دورہ مظفر پور، سیتامڑھی، پٹنہ، گجرات وغیرہ علاقوں میں مسلسل ہوتا ہے، اب بہت کمزور ہوگئے ہیں، عمر مبارک نوے (۹۰) سے متجاوز ہے، اس لئے اکثر طالبین آپ کی خانقاہ پہونچ کر استفادہ کرتے ہیں۔

علمی باقیات

آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ'' جناب حکیم تجمل حسین مظاہری صاحب نے مرتب کیا ہے، جو علوم ومعارف کا قیمتی مجموعہ ہے، اسی طرح جناب مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب نے اپنی کتاب'' انبیاء واولیاء

---

(۷۶۲) الاکلیل ص ۲۳۱ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، طبع ثانی۔

کے وصایا کا انسائیکلو پیڈیا" میں آپ کے بہت سے قیمتی ملفوظات وہدایات جمع کر دیئے ہیں، اللہ پاک صحت وعافیت کے ساتھ آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے، آپ اس دور میں بلاشبہ خاندان نقشبند کی آبرو ہیں، اور آپ جیسے مشائخ اللہ پاک کی طرف سے انسانیت کے لئے ایک نعمت کبریٰ ہیں۔

(۵)

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب نقشبندی دامت برکاتہم

(ولادت ۱۹۳۴ء/ ۱۳۵۳ھ)

(خانقاہ عثمانیہ نقشبندیہ، موضع بڑگاؤں، ضلع دربھنگہ بہار)

حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب دامت برکاتہم حضرت منورویؒ کے اجل خلفاء میں ہیں، ان کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ ان کو عالم مشاہدہ میں براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا، اسی لئے قاری صاحب حضرت منورویؒ کو رسول نما بزرگ فرماتے ہیں، (واقعہ پہلے تفصیل کے ساتھ آچکا ہے)

اور دوسرا بڑا امتیاز یہ ہے کہ حضرت منورویؒ نے ان کو مجلس بیعت میں ہی اجازت وخلافت عطا فرما دی تھی، یہ وہ خصوصیات ہیں جن میں حضرت منورویؒ کے حلقہ میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے۔

قاری صاحب ایک بڑے عالم دین، بے نظیر خطیب، اور باکمال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی متواضع، منکسر المزاج، مہمان نواز، خوش اخلاق، اور صرف اللہ رسول کی بات کرنے والے انسان ہیں، قاری صاحب کے برادر خورد اور ان کے خلیفۂ اکبر جناب قاری نور محمد صاحبؒ نے کئی بار فرمایا کہ میں بچپن سے بھائی صاحب کے ساتھ ہوں، کبھی ان کی زبان سے دنیاداری کی بات نہیں سنی، اور نہ کبھی زمین جائیداد وغیرہ سے کوئی ربط رہا۔

آپ کی طبیعت پر جمال غالب ہے، ایک زمانہ تھا کہ طبیعت پر نستعلیقیت کا غلبہ تھا، زرق برق لباس اور شیروانی زیب تن کرتے تھے، جدھر سے گذرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ہاں ادھر سے کوئی گذرا ہے، لیکن حضرت منورویؒ کی صحبت میں آنے کے بعد یہ چیزیں آہستہ آہستہ ختم ہوگئیں، اب تو ایسا اپنے آپ کو مٹایا ہے کہ کوئی دیکھ کر گمان بھی نہیں کرسکتا کہ یہ کوئی عالم دین یا شیخ طریق بھی ہیں، انتہائی رقیق القلب ہیں، بات

بات پر آنکھیں نم ہوجاتی ہیں، بالکل سلف کی یادگار، ہر تصنع اور تکلف اور ہر دعویٰ واظہار سے ماوراء، ایسے لوگ تاریخ میں پڑھے جاتے ہیں، نظر نہیں آتے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

قاری صاحب کی ولادت ضلع دربھنگہ کے ایک گاؤں بڑگاؤں میں ۱۹۳۴ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام صوفی مشیر الدین (م ۱۹۷۷ء تقریباً) اور جد امجد کا نام محمد منگل علی تھا، ابتدائی تعلیم قرآن کریم سے فارسی کی دوسری تک مدرسہ عارفیہ چنامنا ضلع پورنیہ میں حاصل کی، پھر مدرسہ رحمانیہ سوپول ضلع دربھنگہ میں داخل ہوئے اور وہاں گلستاں بوستاں ومیزان سے شرح وقایہ (عربی چہارم) تک کی کتابیں پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ سبحانیہ الہ آباد تشریف لے گئے اور ہدایہ (عربی پنجم) کا نصاب وہاں پڑھا، علاوہ حضرت قاری محی الدین الہ آبادیؒ کے پاس تجوید کا کورس مکمل کیا، پھر وہاں سے ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم دیوبند چلے گئے، اور عربی ششم میں داخلہ لیا، ۱۹۵۵ء میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاس بخاری شریف پڑھی اور دورۂ حدیث شریف مکمل کیا، دورہ کے سال حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ آپ کے رفیق درس تھے، دورۂ حدیث شریف سے فراغت کے بعد مزید دو سال رہ کر آپ نے علوم وفنون کی تکمیل کی، اس طرح دارالعلوم دیوبند میں آپ کا قیام تقریبا پانچ (۵) سال (۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۷ء) رہا، اس دوران آپ نے علوم وفنون، اورتمام کتب درسیہ میں کمال پیدا کیا۔

الشیخ العربی

عربی زبان وادب سے تو ایسی مناسبت ہوگئی تھی کہ بے تکلف آپ عربی میں گفتگو فرماتے تھے، حضرت الاستاذ مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں ملازم ہوئے تھے، مفتی صاحب نے مجھے بتایا کہ عربیت کے غلبہ کی وجہ سے قاری عثمان پورے دارالعلوم میں ''الشیخ العربی'' کے نام سے مشہور ہوگئے تھے---حقیر راقم الحروف نے ان کو اس دور میں دیکھا جب ان کا عہد شباب گذر چکا تھا، لیکن ان کھنڈرات میں بھی وہ کھنک باقی تھی جو ہم جیسے کم نصیبوں کے لئے بہر حال قابل رشک تھی۔

حضرت منورویؒ کے نام بھی آپ کی مکاتبت عموماً عربی زبان میں ہوتی تھی، میرے پاس حضرت کے نام آپ کا ایک خط (مرقومہ ۲۲/اگست ۱۹۶۵ء) ہے، جو عربی زبان میں ہے۔

تدریسی خدمات

۱۹۵۷ء میں حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ نے آپ کو مدرسہ امجدیہ برہم پور شہر مظفر پور میں بحیثیت صدر المدرسین بھیج دیا، اس وقت مدرسہ امجدیہ کے بانی جناب امجد علی صاحب زندہ تھے، یہاں تین (۳) سال آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، اس کے بعد سہرسہ ضلع کے مشہور مدرسہ ''مدرسہ فضل رحمانی کمرابلاہی'' میں تین سال بحیثیت صدر المدرسین رہے، اور اونچی کتابوں کا درس دیا، پھر وہاں سے مدرسہ عظمتیہ کلکتہ صدر المدرسین کی حیثیت سے تشریف لے گئے، اور وہاں بھی تین سال رہے۔

باقر گنج جامع مسجد میں بحیثیت امام وخطیب اور درس مشکوٰۃ

اس کے بعد جامع مسجد باقر گنج لہریا سرائے دربھنگہ چلے آئے، اور دس (۱۰) سال یہاں کے امام وخطیب رہے، اور اس مسجد کی شہرت کو آسمان کی بلندیوں تک پہونچا دیا، آپ کے دور میں اس مسجد نے ظاہری اور باطنی دونوں طرح ترقی کی، جامع مسجد کا موجودہ نقشہ آپ ہی کا تیار کردہ ہے، مسجد کی شاہکا رعمارت اور اس کے بلند منارے آپ کے خوبصورت عہد کی یادگار ہیں، آپ کی تقریر میں وہ جادو اور تلاوت قرآن میں وہ تاثیر تھی کہ شہر دربھنگہ ہی نہیں بلکہ اطراف واکناف سے لوگ آپ کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے، یہیں مسجد ہی میں ایک عرصہ تک آپ نے مشکوٰۃ شریف کا بھی درس دیا، باقر گنج کا دور آپ کا سب سے سنہرا دور تھا۔

باقر گنج کے بعد آپ پانچ سال بہار شریف کی جامع مسجد میں امام وخطیب اور قدیم ترین مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں مدرس رہے، کچھ دنوں پٹنہ جنکشن کی مسجد میں بھی رہے۔

مدرسہ عثمانیہ منسرا (دربھنگہ) کا قیام

غرض آپ کی علمی، دینی، اور ملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اللہ پاک نے آپ کے وقت میں بڑی برکت دی، اور آپ کا فیض دور دور تک پہونچا، تیس (۳۰) سال کی عمر میں مدرسہ عثمانیہ منسرا ضلع دربھنگہ قائم کیا۔

ازواج واولاد

☆ آپ نے چار شادیاں کیں، پہلی شادی مظفر پور کے زمانۂ تدریس میں بھریار ضلع دربھنگہ کے ایک معزز گھرانے کی خاتون ''زہدی خاتون'' سے کی۔

☆ان کے انتقال کے بعد دوسری شادی مرحومہ ہی کی چچازاد بہن محترمہ حلیمہ خاتون بنت برکت اللہ مرحوم سے ہوئی۔

☆ تیسری شادی بھی ہوئی تھی اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

☆چوتھی شادی کھینسا ضلع دربھنگہ میں محترمہ عظیمہ خاتون بنت محمد سلیم الدین مرحوم سے ہوئی، تمام ازواج سے آپ کے کل گیارہ (۱۱) بیٹے اور آٹھ بیٹیاں ہیں، اور ماشاء اللہ ان میں اکثر بیٹے عالم یا حافظ ہیں۔

مخصوص اساتذہ

آپ اپنی زندگی میں جن اساتذہ سے متأثر ہوئے ان میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا معراج الحق صاحب (اساتذۂ دیوبند)، حضرت مولانا عثمان گرولویؒ، حضرت مولانا محمد قاسم سپولویؒ، اور حضرت ماسٹر سلیم الدینؒ (مقام ململ ضلع مدھوبنی) (اساتذۂ مدرسہ رحمانیہ سپول ضلع دربھنگہ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مدرسہ رحمانیہ سپول میں ایک اسٹرائک کا واقعہ

مذکورہ بالا اساتذہ میں سے ہر شخص آفتاب وماہتاب تھا، البتہ ماسٹر سلیم الدین صاحب کا ذکر وہ بہت محبت وعقیدت کے ساتھ کیا کرتے ہیں، ایک بار انہوں نے سنایا کہ وہ فارسی کے امام تھے، فارسی زبان میں ایسا قادر الکلام اور برجستہ شاعر انہوں نے نہیں دیکھا، ایک بار ان کی طالب علمی کے دور میں مدرسہ رحمانیہ سپول میں طلبہ نے اسٹرائک کر دی، اور اکابر اساتذہ اور ذمہ داران کی تمامتر افہام وتفہیم بھی رائیگاں چلی گئی، اس اسٹرائک کو ماسٹر صاحب کے چند اشعار نے توڑ دیا، وہ اشعار یہ ہیں:

عجب برتست اے شمع جہانی — چرا خوانی تو وحی آسمانی
تو قدر اوستاداں را ندانی — حدیث مصطفےٰ را کے بخوانی
بشر نفس ناید گوہر علم — بطاعت آید ایں دُرِّ معانی
نصیحت گوش کن گر ہوش داری — کہ تا در فضل جاں پرور بمانی

ماسٹر صاحب نے یہ اشعار طلبہ کو اتنے درد کے ساتھ سنائے کہ طلبہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، طلبہ نے اپنے اساتذہ سے معافی مانگی، اور اسٹرائک ختم ہوگئی۔

اس سے نہ صرف ماسٹر صاحب کے مرتبۂ علم وفضل کا اندازہ ہوتا ہے، بلکہ اس وقت کے مدرسہ

رحمانیہ سپول کے طلبہ واساتذہ کا معیار بھی سمجھ میں آتا ہے۔

اولئك آبائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

روحانی تعلیم کے لئے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے رجوع

روحانی تعلیم کے لئے آپ نے سب سے پہلے مدرسہ امجدیہ مظفر پور کے زمانۂ تدریس میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ (م ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) سے رجوع کیا، اور رائے پور جا کر حضرت سے بیعت ہوئے، لیکن حضرت نے کوئی وظیفہ نہیں دیا، اور فرمایا کہ آپ کا درس ومطالعہ ہی وظیفہ ہے، بیعت کے بعد رائے پور ہمیشہ پہونچنے میں دقت تھی تو حضرت شیخ زکریا کاندھلویؒ کی صحبت میں رہنے کا اشارہ ہوا، یہ تقریباً ۱۹۵۸ء کی بات ہے

حضرت رائے پوریؒ کے بعد حضرت منورویؒ سے رجوع

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی وفات کے بعد آپ حضرت منوروی سے منسلک ہوئے، اور حاجی منظور احمد صاحب اس کا وسیلہ بنے، آپ کو پیر کی تلاش تھی، ادھر حاجی منظور صاحب کی ڈیوٹی لہریا سرائے دربھنگہ میں تھی، وہ نماز باقر گنج کی مسجد میں پڑھتے تھے، اور اپنے حلقۂ احباب کے ساتھ ذکر وفکر ومراقبہ کا شغل بھی مسجد کے ایک گوشہ میں کرتے تھے، ظاہر ہے کہ قاری صاحب امام وخطیب اور دربھنگہ کے مشہور عالم تھے، حاجی صاحب ان سے بالیقین متعارف اور ملتے جلتے رہے ہونگے، قاری صاحب کو حاجی صاحبؒ کا یہ شغف و انہماک بہت اچھا لگا، اور ایک سرکاری سپاہی کو ذاکر و شاغل اور عارف باللہ کی صورت میں دیکھ کر وہ بہت متأثر ہوئے، ایک دن قاری صاحب نے حاجی صاحب سے پوچھا کہ آپ کس بزرگ سے بیعت ہیں؟ حاجی صاحب قاری صاحب کے علاقے سے واقف تھے، فرمایا کہ آپ ہی کے علاقے میں ایک بزرگ سے میں بیعت ہوں، قاری صاحب حیران ہوئے کہ ہمارے علاقے میں ایسے کون بزرگ ہیں؟ جب حاجی صاحب نے تفصیل بتائی تو آپ کو بھی ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ اب جب پیر صاحب تشریف لائیں تو مجھے بھی ملاقات کا شرف بخشیں، اگر اللہ چاہے گا تو میں بھی بیعت ہو جاؤں گا، مجھے بھی پیر کی تلاش ہے۔

حضرت منورویؒ سے ملاقات اور بیعت کا عجیب منظر

حسن اتفاق دوسرے دن ہی حضرت دربھنگہ تشریف لائے، اور نماز کے لئے مسجد تشریف لے

گئے، حضرت تنہا تھے، پتہ نہیں، حاجی منظور صاحب کو اس کی خبر تھی یا نہیں ،اذان ہو چکی تھی ،اور قاری صاحب وضو خانے میں وضو فرما رہے تھے، حضرت نے آپ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو سلام کیا اور فرمایا کہ مولانا! کیا آپ مرید ہونا چاہتے ہیں؟ قاری صاحب حضرت کو نہیں پہچانتے تھے، قاری صاحب کے علم وفضل کی اس وقت شہر میں طوطی بولتی تھی، انہوں نے بہت حیرت کے ساتھ حضرت کے سراپا پر نظر ڈالی، ایک معمولی کرتا اور لنگی پہنے ہوئے اور ہاتھ میں ایک جھولا، بالکل دیہاتی وضع قطع کا ایک شخص شہر کے سب سے بڑے خطیب کو مرید ہونے کی دعوت دے رہا تھا؟ قاری صاحب اس وقت جس شان اور مزاج کے آدمی تھے کہ وہ کچھ بھی جواب دے سکتے تھے، لیکن انہوں نے حیرت واستعجاب کے ساتھ حضرت کی بات سنی اور کوئی جواب نہیں دیا، نہ حضرت کی طرف متوجہ ہوئے، اور اپنے کام میں مشغول ہو گئے، اسی دن شام میں نماز کے بعد حاجی منظور صاحب نے قاری صاحب کو مژدہ سنایا کہ میرے شیخ تشریف لائے ہیں ،اگر آپ ملنا چاہیں تو ملاقات ہوجائے گی، قاری صاحب نے اپنے اشتیاق کا اظہار فرمایا، حضرت ان دنوں بالعموم مدرسہ امدادیہ میں قیام فرماتے تھے، حاجی منظور صاحب قاری صاحب کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ یہ تو وہی دیہاتی شخص ہیں جنہوں نے ظہر کے وقت ان کو بیعت ہونے کی دعوت دی تھی، قاری صاحب اپنی نادانی پر بہت شرمندہ ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ زبان سے اس وقت کوئی نازیبا لفظ نہیں نکلا، انہوں نے بہت ادب کے ساتھ حضرت کو اپنی مسجد میں تشریف لانے کی دعوت دی، اور اگلے دن شام میں حضرت نے تشریف لانے کا وعدہ فرمالیا، حاجی صاحب کے حسب ہدایت قاری صاحب نے سارا انتظام کیا، خاص طور پر چائے اور پان وغیرہ کا۔

عالم کشف میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت

حضرت تشریف لائے تو قاری صاحب نے سوال کیا کہ حضرت !توجہ کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ عربی زبان کا لفظ ہے اور آپ عالم وفاضل ہیں، آپ کا علم تازہ ہے، آپ ہی کو بتانا چاہئے، ---اس کے بعد خاموشی چھا گئی، حضرت نے روشنی گل کرنے کا حکم دیا، اور پھر قاری صاحب کے حجرہ کا ماحول تبدیل ہوگیا، اور یہ مجلس دربھنگہ کے بجائے مدینہ پاک میں محسوس ہوئی، اور قاری صاحب نے اپنے سامنے حضرت کے بجائے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشاہدہ کیا، اور چاروں خلفاء راشدین بھی موجود تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: عثمان! ہاتھ بڑھاؤ، اور پھر قاری صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت ہوگئے، مشاہدہ کی کیفیت تھوڑی دیر تک جاری رہی، قاری صاحب

پر بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی، مشاہدہ ختم ہونے کے بعد بھی ان کی بے ہوشی ختم نہیں ہوئی، کچھ دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت منورویؒ سر پر دست شفقت پھیر رہے ہیں، اور فرمارہے ہیں کہ مولانا! کیا ہوگیا آپ کو؟ قاری صاحب آپ کے قدموں سے لپٹ گئے، اور حضرت کے حکم پر اپنے مشاہدات کی ساری روداد بیان کی، تو حضرت نے بہت خوشی کا اظہار کیا، اور کلمات تحسین ارشاد فرمائے، اور اسی مجلس میں آپ کو خلافت واجازت سے بھی سرفراز کردیا۔

حضرت نے سابقہ بیعت نہیں توڑی

قاری صاحب نے مجھ سے بیان فرمایا کہ جب میں نے عرض کیا کہ میں حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوں، تو حضرت نے شاہ صاحبؒ سے متعلق بلند کلمات ارشاد فرمائے، اور کہا کہ وہ بڑے بزرگ تھے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ کی سابقہ بیعت برقرار رکھتے ہوئے میں آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل کرتا ہوں----شاید حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو بیعت کرانے میں یہی حکمت پیش نظر ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو منتہائے نسبت ہیں۔

میں نے پھونک مولوی عثمان کو دے دی ہے

حضرت منورویؒ نے آپ پر خصوصی محنت کی، کئی مقامات پر آپ شامل رہے، کئی واقعات کے آپ شاہد ہیں، حضرت کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، سلسلہ کی خلافت کے علاوہ دعا تعویذ وغیرہ کی بھی خاص اجازت آپ کو مرحمت فرمائی، اس کی وجہ سے آپ کی طرف لوگوں کا رجوع عام ہوگیا تھا، اس زمانے میں حضرت کے پاس کوئی شخص دعا تعویذ یا تیل پانی دم کرانے کے لئے آتا تو آپ فرماتے کہ ”مولوی عثمان کے پاس چلے جاؤ، میں نے پھونک انہی کو دے دی ہے“

بڑگاؤں میں خانقاہ عثمانیہ کی سنگ بنیاد

قاری صاحب کا فیض دربھنگہ، مظفر پور، پٹنہ، کلکتہ اور دیگر بہت سے علاقوں میں پھیلا، آپ کے بھائی قاری نور محمد صاحب نے آپ کی اجازت سے بڑگاؤں میں باقاعدہ ایک خانقاہ کی بنیاد بھی رکھی تھی، جس کی سنگ بنیاد کے لئے قاری نور محمد صاحبؒ نے میرے والد ماجد کو دعوت دی، لیکن والد صاحب نے معذرت کردی، اور قرعۂ فال اس حقیر کے نام نکلا، اور میں اس سنگ بنیاد کی تقریب میں شریک ہوا۔

مجھے منورواشریف میں دفن ہونا ہے

قاری صاحب جب تک صحت مندر ہے،ان کی منورواشریف حاضری کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا،لیکن اب ضعف وکبرسنی کی وجہ سے کہیں جانے سے معذور ہیں،گھر پر قیام رہتا ہے،آج سے چند سال قبل مجھے آپ کی علالت کی خبر ملی تو میں ملاقات کے لئے آپ کے گاؤں (بڑگاؤں) حاضر ہوا،تو معلوم ہوا کہ انہوں نے مسجد میں اعلان کر دیا ہے کہ حضرت نے مجھے منورواشریف بلایا ہے،وہاں سے گاڑی آرہی ہے،وہیں جامعہ میں رہوں گا اور مجھے وہیں کی خاک میں دفن ہونا ہے'' حالانکہ میں اس ارادے سے نہیں گیا تھا،لیکن ان کی کیفیت دیکھ کر میں انکار نہ کرسکا،میں نے والد صاحب کواس کی اطلاع دی،اورقاری صاحب پورے سامان کے ساتھ منورواتشریف لے آئے،سامان کیا تھاایک مختصر سابیگ تھا،اوروہ بیگ بھی ان کا گاؤں کی مسجد میں پڑا رہتا تھا،جامعہ ربانی کاایک کمرہ ان کے لئے مخصوص کردیا گیا،کھانے پینے کاانتظام گھر پر تھا،لیکن ابھی پانچ دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ قاری صاحب کے صاحبزادوں نے الحاح واصرار کے ساتھ گذارش کی اور بالآخروہ مجبور ہوکرواپس گھر تشریف لے گئے،الحمداللہ ابھی تک آپ باحیات ہیں اللہ پاک آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے اور چشمۂ فیض جاری رہے آمین (۷۶۳)۔

❁ ❁ ❁

(۷۶۳) یہ تمام واقعات قاری صاحب نے منورواشریف میں مجھے خودلکھوائے تھے،اورکچھ چیزیں میرے مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

(٦)

حضرت مولانا عتیق الرحمن احمد نقشبندیؒ

(ولادت ۲۳ / ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ / جولائی ۱۹۳۵ء وفات ۹ / ربیع الاول بروز جمعہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱ / اکتوبر ۱۹۸۸ء)

(چندرسین پور، ضلع مدھوبنی بہار)

حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب حضرت منورویؒ کے ان منتسبین ومجازین میں ہیں، جنہوں نے ہمیشہ اپنے احوال کا اخفا کیا، صاحب کمال ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مٹائے رکھا، بہت کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ آپ ایک عالم کبیر اور محدث جلیل ہونے کے ساتھ صاحب اجازت پیر طریق بھی تھے، آپ نے بہت کم لوگوں کی بیعت لی، آپ کے پاس قلب وروح کا سارا سامان موجود تھا، لیکن کبھی سودائے دل کی دکان سجا کر نہ بیٹھے، وہ چند لوگ جو مولانا سے وابستہ ہوئے اگر اس راز سے پردہ نہ اٹھاتے تو یہ ہمیشہ راز سربستہ ہی رہ جاتا، اللہ جزائے خیر دے ان حضرات کو جنہوں نے اس راز کو سینے سے سفینے میں منتقل کیا۔

ولادت

حضرت مولاناؒ کی ولادت شمالی بہار کی مردم خیز بستی ''چندرسین پور'' کے ایک معزز علمی وروحانی گھرانے میں مؤرخہ ۲۳ / ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۴ / جولائی ۱۹۳۵ء کو ہوئی آپ کا اسم گرامی ''عتیق الرحمن'' اور شاعرانہ تخلص ''احمد'' ہے، آپ کے والد ماجد کا نام حضرت مولانا عبدالحفیظ بشارتیؒ، اور دادا کا نام قاضی تصور علیؒ تھا، آپ کے مورث اعلیٰ اس گاؤں میں باہر سے تشریف لائے تھے۔

والد ماجد

آپ کے والد ماجد حضرت علامہ مولانا محمد ادریس دلمویؒ (تلمیذ رشید حضرت شیخ الہندؒ) اور حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (ولادت ۲۷ / شوال المکرم ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۶ / اکتوبر ۱۸۷۵ء وفات ۱۲ / صفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۵ / جون ۱۹۳۳ء) کے شاگرد تھے، انہوں نے پہلا دورۂ حدیث دملہ میں

حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ کے پاس پڑھا، اس کے بعد دیوبند جاکر علامہ کشمیریؒ کے پاس بھی دورہ کیا---اور روحانی طور پر وہ حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے وابستہ تھے۔

تعلیم وتربیت

حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب ابھی تین سال ہی کے تھے کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا، والد کے گذرنے کے بعد آپ کی پوری کفالت آپ کے عم محترم حضرت مولانا سعید قاسمی حسینیؒ نے کی، ابتدائی تعلیم اپنے ماموں محترم حضرت مولانا امیر حسنؒ (م ۲۵/نومبر ۲۰۰۸ء، چندرسین پور) سے حاصل کی، پھر مدرسہ بشارت العلوم میں داخل ہوئے، یہاں حضرت مولانا سعید صاحبؒ کی نگرانی میں جلالین اور ہدایہ تک کتابیں پڑھیں، پھر دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں دوسال رہ کر ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوئے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے پاس بخاری شریف پڑھی، حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ دورۂ حدیث میں آپ کے رفیق درس تھے۔

نکاح

آپ کا نکاح دوران تعلیم ہی ۱۹۵۴ء/ ۱۳۷۳ھ میں جناب الحاج محمد یسین ابن جناب عبدالرحیمؒ (اجرا، ضلع مدھوبنی) کی صاحبزادی سے ہوگیا تھا (یہ بھی حضرت منورویؒ سے بیعت تھیں)

علمی وملی خدمات

فراغت کے بعد تدریسی خدمات کا آغاز آپ نے چچا محترم کی نگرانی میں مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں، پتھرا ضلع دربھنگہ سے کیا، اور ابتدا سے لے کر بخاری شریف تک ہر فن کی متداول کتابوں کا درس دیا، تدریس وتفہیم کی فطری صلاحیت آپ کے اندر موجود تھی، انتہائی قوی الحافظہ تھے، حدیث وفقہ اور اصول فقہ سے خصوصی شغف تھا، مدرسہ میں فتویٰ نویسی کا کام آپ ہی کے ذمہ تھا، چچا محترم حضرت مولانا سعید صاحب کے وصال (۱۹۷۰ء) کے بعد مدرسہ بشارت العلوم کے مہتمم بنائے گئے، اور تاحیات مہتمم رہے، آپ کے زمانۂ اہتمام میں مدرسہ بشارت العلوم نے تعلیمی اور تعمیری دونوں لحاظ سے بے پناہ شہرت وترقی حاصل کی، یہاں تک کہ اس چراغ کے سامنے علاقے کے اکثر چراغ مدھم پڑ گئے۔

سفر حج

۱۹۸۱ء میں سفر حج کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مناسبت سے ایک مفصل منظوم نذرانۂ عقیدت بھی مرتب کیا، جو ''یادحرم والحج منظوم'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

عظیم الشان جلسۂ تحفظ شریعت اور منصب قضا کی ذمہ داری

۲۰/۲۱/ مارچ ۱۹۸۷ء کو تحفظ شریعت کا ایک عظیم الشان اجلاس مدرسہ بشارت العلوم میں آپ کے زیر اہتمام ہوا، جس میں بڑی تعداد میں علماء وخطباء کے علاوہ لاکھوں سامعین شریک ہوئے، اسی موقعہ پر آپ کو اس خطہ کے لئے امارت شرعیہ کا قاضی بھی بنایا گیا، جس پر آپ تاحیات فائز رہے۔

شعری ذوق

آپ کو شعروشاعری کا بھی لطیف ذوق تھا، اس کا بہترین نمونہ ''یادحرم والحج منظوم'' ہے، آپ کے کلام میں سلاست ولطافت اور برجستگی پورے طور پر پائی جاتی ہے، آپ کی کئی منظوم تصنیفات ہیں جو تشنۂ طباعت ہیں۔

روحانی تعلیم-حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے بیعت

روحانی تعلیم کے لئے آپ نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ سے رجوع کیا، حضرت مدنیؒ عام طور پر چاروں سلاسل میں بیعت کرتے تھے، لیکن مولانا کی آبائی نسبت نقشبندیت تھی، اس لئے آپ کا رجحان طریقۂ نقشبندیہ کے معمولات کی طرف رہا۔

تکمیل سلوک کے لئے حضرت منورویؒ سے رجوع

حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد حضرت منورویؒ سے رجوع ہوئے، اور چونکہ نقشبندیت کا پہلے سے ہی غلبہ تھا، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ سے وابستہ تھے، اس لئے حضرت منورویؒ نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ میں داخل کیا، اور جیسا کہ پہلے کئی بار عرض کیا جا چکا ہے کہ دوسرے مشائخ کے جو طالبین حضرت منورویؒ کے پاس آتے تھے، ان کی بیعت آپ فسخ نہیں کرتے تھے، بلکہ آپ طالب کے حسب حال سلسلہ کی تعلیم دیتے تھے، اور اس کو فیضان اور ترقی شروع ہو جاتی تھی۔

توجہ ومراقبہ کی کیفیت

حضرت مولاناؒ کے صاحبزادے جناب مولانا اہل اللہ قاسمیؒ (م ۶/محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷/ستمبر ۲۰۱۸ء) نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ:

''میرے والد مرحوم نے فرمایا: کہ مراقبہ کے دوران مجھ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوتی تھی، اور حضرت حاجی صاحبؒ (حضرت منورویؒ) توجہ روحانی فرماتے رہتے تھے جس سے طمانیت وجمعیت میں اضافہ ہوتا تھا، توجہ کے دوران جو کیفیت انہیں محسوس ہوتی تھی، اس کا برملا اظہار فرماتے اور کہتے تھے کہ آپ کی نسبت بہت عالی ہے، توجہ کے دوران آپ کے شیخ حائل ہوجاتے ہیں، اور مدارج روحانی طے کراتے رہتے ہیں (۷۶۴)''

حضرت منورویؒ کے نام مولانا کا ایک خط

حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب کا ایک خط (مرقومہ ۱۳/ذی قعدہ یوم پنجشنبہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۷/اپریل ۱۹۶۲ء) حضرت کے نام میرے پاس محفوظ ہے، اس سے مولانا کی عقیدت وشیفتگی اور طلب صادق اور تشنگی کا اندازہ ہوتا ہے اور وہ کوئی مرید صادق ہی اپنے شیخ کو لکھ سکتا ہے، اور اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پر حضرت کی کافی محنت وعنایت رہی ہے، اس خط کے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولائی ومرشدی ادام اللہ ظلکم علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مدعائے تحریر اینکہ بدقسمتی سے آج تک فدوی دربار فیض آثار میں ایک خط بھی نہ لکھ سکا، جس کی معافی کا خواستگار ہوں، رمضان المبارک میں حضرت والا سے رخصت ہوکر ہم لوگ حسن وخوبی کے ساتھ مدرسہ پہونچے اور چچا صاحب مدظلہ ایک روز درمیان میں ٹھہر کر کلکتہ کے لئے روانہ ہوگئے، اور ہم مکان کے لئے، یہ سمجھ کر کہ پتہ نہیں آپ دولت خانہ فیض کاشانہ پر نزول اجلال فرما ہیں یا نہیں، کوئی عریضہ پیش خدمت نہ کرسکا، آج بھی اسی تذبذب کے ساتھ خدمت اقدس میں اپنا ناقص کلام پیش کرنے کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

(۷۶۴) قلمی یادداشت مولانا اہل اللہ صاحبؒ ص ۲ تاریخ تحریر: ۱۰/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۶/مئی ۲۰۱۷ء، مولانا کا پورا مضمون چوبیس (۲۴) صفحات پر مشتمل ہے اور میرے پاس اس کی فوٹو کاپی محفوظ ہے۔

ہم لوگ سب کے سب آں جناب کے دیدار کے مشتاق ہیں، اللہ تعالیٰ وہ دن جلد دکھلائے جس میں حضور والا کی زیارت نصیب ہو، امید ہے کہ حضرت والا اپنے قدوم میمنت لزوم سے ہم خاکسار ناہنجار کی تمنا پوری فرما کر مشرف فرمائیں گے۔

پرزور گذارش ہے کہ آنحضور ہم کم نصیبوں کے لئے اپنی دعاء مستجاب میں دعاء اصلاح حال فرمائیں گے، جناب کے فرمودہ کے مطابق کچھ نہ کچھ کوشش جاری ہے، مگر بظاہر کوئی نمایاں فائدہ نظر سے اوجھل ہے، پتہ نہیں اس میں کوئی میرا حصہ ہے یا نہیں، پھر بھی ناامید نہیں ہوں، ان شاء اللہ ایک روز ضرور جناب کی دعا اور اللہ کی رحمت رنگ لا کر رہے گی---

فقط والسلام مع حرف الاحترام

خاکسار طالب دعا احقر محمد عتیق الرحمن غفرلہ

مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا، پوسٹ سمیلا لال گنج ضلع دربھنگہ

اجازت وخلافت

آخر حضرت کی توجہ اور مولانا کی محنت رنگ لائی، اور مولانا درجۂ کمال تک پہونچ گئے، اور بقول مولانا اہل اللہ صاحبؒ حضرت نے اس ارشاد کے ساتھ آپ کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا کہ:

''میں آپ کے مقام ومرتبہ، حال واحوال، لیاقت وصلاحیت کو ہر طرح کامل ومکمل پاتے ہوئے اجازت بیعت دیتا ہوں اور اللہ پاک سے نافعیت تامہ کی خصوصی دعا کرتا ہوں، اللہ قبول فرمائے آمین'' (۷۶۵)

سلسلہ کی توسیع واشاعت کے لئے فکرمندی

حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحب نے اس سلسلہ کو فروغ دینے میں کافی محنت کی، اور بے شمار

(۷۶۵) قلمی یادداشت مولانا اہل اللہ صاحبؒ ص ۲، ۳۔ لیکن حضرت مولانا نے صاحب اجازت ہونے کے باوجود ہمیشہ اپنے آپ کو چھپایا اور بہت کم لوگوں کی بیعت کی، مولانا اہل اللہ صاحب نے اپنے مضمون میں پانچ (۵) اصحاب کا ذکر کیا ہے، جو حضرت مولاناؒ سے بیعت ہوئے تھے، اور ان میں ایک مجاز بھی ہوئے، وہ پانچ اصحاب یہ ہیں: (۱) خود مولانا اہل اللہ صاحب، یہ حضرت مولانا کی طرف سے مجاز بیعت بھی تھے (۲) مفتی صدر عالم صاحب قاسمی، عشورہ ضلع مدھوبنی (۳) مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی بھتورہ، ضلع مدھوبنی، (۴) جناب ابوالبرکات صاحب، موضع بگھا، ضلع دربھنگہ، (۵) جناب محمد ثناء اللہ ابن حافظ حبیب الرحمن صاحب، موضع اسراہا، ضلع دربھنگہ (مضمون مولانا اہل اللہ صاحبؒ ص ۴ تا ۹)

لوگوں کو حضرت سے مربوط کیا، مولانا اہل اللہ صاحب نے کھرایاں واطراف اور چندرسین پور، اجرا واطراف وغیرہ سے حضرت مولانا عتیق صاحبؒ کے ذریعہ حضرت کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے والے تقریباً چودہ پندرہ اہم اور ممتاز لوگوں کا ذکر کیا ہے (۷۶۶)، جن میں اکابر علماء بھی ہیں، ممکن ہے یہ تعداد اس سے بھی زیادہ رہی ہو، اوران کے نام محفوظ نہ رہ سکے ہوں، اس سے حضرت مولاناؒ کی فدائیت وفنائیت اور سلسلہ کی توسیع واشاعت کے لئے آپ کی فکر مندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

۹/ربیع الاول بروز جمعہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۱/اکتوبر ۱۹۸۸ء کو بوقت مغرب جب دنیا کا آفتاب غروب ہورہا تھا، یہ دین کا آفتاب بھی غروب ہوگیا۔

تصنیفات وتالیفات

آپ نے اولادواحباب کے علاوہ کئی اہم علمی وادبی تصنیفات یادگار چھوڑیں:

(۱) ایثار السنن مع حاشیہ افکار الحسن (عربی) **تکملہ آثار السنن للنیموی** علیہ الرحمۃ۔

(۲) العقائد الحاوی ترجمہ منظوم اردو عقیدۃ الطحاویؒ

(۳) یادحرم الحج منظوم

(۴) مسائل نماز وروزہ منظوم

(۵) علامات قیامت منظوم

(۶) گلہائے رنگارنگ (مجموعۂ کلام)

(۷) پردہ کتاب وسنت کی روشنی میں

(۸) مسائل حج وقربانی (۷۶۷)

❁ ❁ ❁

(۷۶۶) قلمی یادداشت مولانا اہل اللہ صاحبؒ ص ۱۰ تا ۲۳۔

(۷۶۷) یادحرم والحج منظوم ص ۳۰ تا ۵۵ مؤلفہ حضرت مولانا عتیق الرحمن صاحبؒ۔

(۷)

حضرت الحاج صوفی منظور الحق نقشبندی مجددیؒ

(ولادت ۲۰ / رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۳۴ء
وفات ۲۷ / شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲ / جولائی ۲۰۱۸ء)

(خانقاہ احمدیہ مجددیہ نقشبندیہ کریمیہ، موتیہاری، بہار)

حضرت صوفی سید شاہ منظور الحق صاحبؒ حضرت منورویؒ کے ممتاز خلفاء میں تھے، بلکہ حضرت کے خاندان کے ایک فرد تھے، صوفی صاحب کی والدہ حضرت کی چچازاد بہن تھیں، اس طرح آپ حضرت کے بھانجا ہوتے تھے، روحانی تعلق کے ساتھ ساتھ خاندانی قرابت نے رابطہ کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا تھا، حضرت آپ کو اولاد کی طرح مانتے تھے، بارہا سفر و حضر میں شامل رہے، خاص طور پر جب حضرت مظفر پور تشریف لے جاتے تو آپ کو خدمت کا خوب موقعہ ملتا تھا، بہت سی خاندانی معلومات اور اسرار و رموز کی باتیں آپ کے سینے میں دفن تھیں---

ولادت اور تعلیم و تربیت

آپ کی ولادت ۲۰ / رمضان ۱۳۵۲ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۳۴ء کو بتیا شہر محلہ نیا ٹولہ میں ہوئی، والد ماجد کا نام "سید مصباح الحق" تھا، وہ بتیا راج میں آفس سپرنٹنڈنٹ تھے، والدہ ماجدہ کا نام "حسنیٰ خاتون" ہے، یہ مولوی عبدالحمید وکیل (حضرت منورویؒ کے چچا محترم) کی صاحبزادی تھیں--- بتیا ہی میں میٹرک تک تعلیم حاصل کی، ۱۹۵۵ء مطابق ۱۳۷۴ھ میں زمین کی پیمائش کے محکمہ میں "سرویر" کے پوسٹ پر ملازم سرکار ہوئے، ۴ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ / جنوری ۱۹۹۲ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوئے، اور اس کے بعد اپنی خانقاہ احمدیہ مجددیہ نقشبندیہ کریمیہ (موتیہاری) میں مستقل طور پر مقیم بلکہ معتکف ہو گئے۔

روحانی تعلیم حضرت منورویؒ سے بیعت اور اجازت

تقریباً ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں اپنے ماموں جان حضرت مولانا حکیم احمد حسن منورویؒ سے

جناب ادریس وکیل صاحب کی رہائش گاہ پر بیعت ہوئے، اس کا قصہ اس طرح ہے کہ:

حضرت منورویؒ ایک بار اپنے چچا جناب مولوی عبدالحمید وکیل کے یہاں تشریف لائے، جو حضرت کے حلقۂ بیعت میں پہلے ہی داخل ہو چکے تھے، صوفی منظور صاحب اس زمانے میں اپنے نانا (مولوی عبدالحمید) کے مکان کے ایک حجرہ میں رہتے تھے، چائے پلانے کی خدمت ان کے سپرد ہوئی، جب حضرت منورویؒ واپسی کے لئے رکشہ پر بیٹھے اور آپ مصافحہ کے لئے آگے بڑھے تو حضرت نے فرمایا: ''منظور! سب لوگ آتے ہیں، تم کیوں نہیں آکر اپنا حصہ لے لیتے ---''

حضرت کے ارشاد پر آپ ادریس وکیل صاحب کے یہاں حاضر ہوئے، وہاں دیکھا: کہ حضرت تخت پر لیٹے تھے، باقی احباب کی بڑی تعداد نیچے کارپیٹ پر بیٹھی تھی، آپ بھی نیچے بیٹھنے لگے، مگر حضرت نے اپنے پائتانے میں تخت پر بیٹھنے کا حکم دیا، اور سب سے آپ کا تعارف کرایا کہ: ''یہ میرے بھانجے ہیں، ان کو آج ہم کچھ دینا چاہتے ہیں'' -- پھر حضرت نے آپ کو بیعت فرمایا اور آپ حضرت کی تعلیمات وہدایات پر گامزن ہو گئے، ---

چار پانچ سال کی صحبت، خدمت اور ریاضت کے بعد حضرت نے آپ سے فرمایا کہ: ''منظور! اگر کوئی اللہ کا نام پوچھے تو بتا دینا'' --- اس طرح حضرت منورویؒ کی اجازت وخلافت سے آپ سرفراز ہوئے (۷۶۸)۔

خدمات اور فیض عام

بہار و بنگال میں آپ کا فیض بہت عام ہوا، بڑے صاحب کشف اور صاحب تصرف تھے، انتہائی رقیق القلب اور محبت کرنے والے انسان تھے، سب کے کام آنا اور سب کو اپنا سمجھنا یہ آپ کا شیوہ تھا، مسلم اور غیر مسلم سب آپ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے اور کوئی محروم نہیں جاتا تھا، سرکاری ملازمت کی بنا پر مالی دقت نہیں تھی، آپ کا خوان کرم سب کے لئے عام تھا، حسب امکان لوگوں کی مالی مدد بھی فرماتے تھے، آپ کی خانقاہ موتیہاری میں صوفیاء، مشائخ، علماء اور عام مسلمان سب ہی کے لئے مرجع وماویٰ تھی، خانقاہ میں ختم خواجگان کا ایسا اہتمام تھا کہ ساری زندگی میں ایک دن بھی ناغہ نہ ہوا، خانقاہ میں آپ کی زندگی معتکفانہ تھی، کبھی کبھی چھ چھ ماہ تک آپ خانقاہ سے باہر قدم نہیں رکھتے تھے، ہر چیز کا بندھا ٹکا اصول تھا، ہر سامان کے رکھنے کی جگہ اور نظم وضبط اور یکسانیت بالکل منورواشریف جیسی تھی۔

(۷۶۸) یہ معلومات حقیر مرتب کو خود حضرت صوفی سید شاہ منظور الحق صاحبؒ سے حاصل ہوئی ہیں۔

حضرت منورویؒ نے اجازت بیعت کے ساتھ دعا تعویذ کی بھی آپ کو خصوصی اجازت دی تھی، اس لئے عوام کی بھی بڑی بھیڑ ہوتی تھی، اور طبیعت پر جمال ایسا غالب تھا کہ نفی نام کی کوئی چیز ان کی لغت میں موجود نہیں تھی، بہت لوگوں نے آپ کو دکھ بھی پہونچائے اور دھوکے بھی دیئے، لیکن آپ نے اپنا شعار تبدیل نہیں کیا، روشنیاں بکھیرتے اور خوشبوئیں پھیلاتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے۔

اہلیہ محترمہ ''شکیلہ خاتون'' پہلے ہی طویل علالت کے بعد بتاریخ ۳/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۴/ مئی ۲۰۱۲ء داغ مفارقت دے چکی تھیں۔

انتظار موت یا شوق وصال الٰہی

آخری عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی، زندگی کے آخری دو سال آپ مسلسل موت کے انتظار میں رہے، اس حقیر سے ہر دو تین دن کے بعد فون پر تفصیلی گفتگو فرماتے تھے، پرانے بزرگوں کے بے شمار واقعات اور روحانی اشعار ان کو ازبر یاد تھے، فون پر بھی وہ اسی طرح گفتگو کرتے جیسے میں سامنے بیٹھا ہوں، اپنی بہت سی کیفیات وحالات بیان فرماتے، میرے ساتھ آپ کو بہت خاص انس تھا، کہتے تھے کہ بابو! تم سے بات کر کے دل کو قرار آجاتا ہے، جب کبھی ان کو اضطراب پیش آتا خدام سے کہتے کہ بابو کو فون لگاؤ، اسی لئے ان کے فون کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔

میرے والد ماجد عمر میں ان سے چھ سات سال چھوٹے ہیں، لیکن ہمیشہ وہ ان کو حضرت کہتے تھے، اور بڑا احترام کرتے تھے، ایک بار دعوت دے کر والد صاحب کو خانقاہ موتیہاری بلایا، جس میں یہ حقیر بھی شامل تھا، اس قدر اہتمام فرمایا کہ میں حیران رہ گیا، اپنے حلقہ کے تمام لوگوں کو حاضر رہنے کا حکم دیا، اور قافلہ میں شریک ایک ایک فرد کو چلتے وقت نذرانہ پیش فرمایا، اس دور میں عام طور پر چھوٹے لوگ بھی اپنے بڑوں کا اتنا اکرام نہیں کر پاتے، چہ جائیکہ مساوی یا بڑے درجہ کے لوگ، اللہ پاک آپ کو شایان شان بدلہ عنایت فرمائے، آمین۔

۲۷/ شوال المکرم ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲/ جولائی ۲۰۱۸ء کو بروز جمعرات شام میں پانچ بج کر پچاس منٹ پر وفات پائی، آپ نے زندگی میں ہی اپنی قبر تیار کر لی تھی، اسی قبر میں مدفون ہوئے، یہ حقیر بھی جنازہ میں شریک تھا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم فشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(۸)

حضرت شاہ عبداللہ نقشبندیؒ

(م ۲۰/شوال المکرم ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳/اپریل ۱۹۹۳ء)

(خانقاہ پروہی، ضلع مدھوبنی بہار)

حضرت منورویؒ کے نہایت محبوب اور مخصوص لوگوں میں تھے، نومسلم تھے، دربھنگہ کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، ذات کے بڑھئی (کارپینٹر) تھے، ہندو مذہب کے مطابق وہ دو تین جوگ طے کئے ہوئے تھے، مثلاً: آنت کو نکال کر دھونا اور پھر نگل جانا، پانی کے اندر بیٹھ کر تپسیا کرنا وغیرہ۔

شرف اسلام

جب حضرت شاہ نوراللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کے اسلام لانے کی خبر مشتہر ہوئی تو بہت سے ہندوؤں نے ان کو دوبارہ ہندو مذہب کی طرف واپس لے جانے کی کوششیں کیں، ان میں ایک شاہ عبداللہ بھی تھے، وہ حضرت پنڈت جی کو ہندتو کے عقائد ونظریات سمجھانے کے لئے آئے تھے، لیکن وہ خود حضرت پنڈت جیؒ کے شکار ہوگئے، حضرت پنڈت جیؒ نے فرمایا کہ ''اچھا تو مسلمان ہونے کے لئے آیا ہے؟ حضرت بادشاہؒ (حضرت گڑھولویؒ) کے پاس چلو، حضرت پنڈت جیؒ نے حضرت بادشاہؒ سے کہا کہ یہ مسلمان ہونے کے لئے آیا ہے، حضرت اقدسؒ نے فرمایا: پڑھو کلمۂ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' شاہ عبداللہ صاحب کہتے تھے کہ میں نے کلمہ پڑھ دیا حالانکہ میں مسلمان ہونے کو نہیں گیا تھا، اور پھر شاہ صاحب واقعتاً مسلمان ہوگئے

ترک وطن اور مہدولی میں قیام

اپنے گھر میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے، کافرہ بیوی دیکھ لیتی تو کافی جھگڑا کرتی تھی، وہ کہتی کہ مسلمانوں کی طرح پچھّم منہ کر کے کیا کرتے ہو؟ شاہ صاحب کہتے ایسا نہ کروں تو کیا کروں؟ اسی طرح ان کی اہلیہ جانور کے گوبر سے آنگن کو لیپتی تھی، اور آپ برآمدہ پر بیٹھ کر وضو کر لیتے تھے، جس سے وہ گوبر

کالیپ بہہ جاتا تھا، اس پر بھی دونوں میاں بیوی میں جنگ ہوجاتی تھی، ظاہر ہے کہ جب آپ کے اسلام کا راز کھل گیا ہوگا توشاہ صاحب نے اپنی اہلیہ کو اسلام کی دعوت بھی دی ہوگی، اور اس کے ردعمل میں بھی جنگ میں شدت پیدا ہوئی ہوگی، بالآخر شاہ صاحب نے اپنا گھر بار چھوڑ دیا، غالباً یہ ۱۹۳۵ء کی بات ہے، جیسا کہ جناب ماسٹر منظر الحق صاحبؒ (مہدولی) کا بیان ہے کہ میں ان کو ۱۹۳۵ء میں مہدولی لے کر آیا تھا، ان کے چھ ماہ کے بعد حضرت پنڈت جی بھی جمال پورہ سے مہدولی منتقل ہوئے، اور ماسٹر منظر الحق صاحب وغیرہ نے ان کی مستقل رہائش کا انتظام کیا۔

حضرت پنڈت جیؒ کے وہاں آجانے کے بعد شاہ صاحب کا زیادہ تر وقت حضرت پنڈت جیؒ کی خدمت میں گذرنے لگا، ان کی اہلیہ کو اس کی خبر ملی تو وہ مہدولی پہونچ گئی اور واپس لے جانے کے لئے اصرار کیا لیکن آپ واپس نہیں گئے، بعض لوگوں نے ان سے کہا کہ بیوی سے قربت رکھو شاید وہ مسلمان ہوجائے، لیکن شاہ صاحبؒ نے انکار کر دیا کہ نہیں وہ مجھے اپنے دھرم کی دعوت دینے کے لئے آئی ہے (۷۶۹)۔

روحانی تعلیم کے لئے حضرت منورویؒ سے رجوع

غرض اسلام کے لئے انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا، قرآن کریم کی تلاوت حضرت شاہ نور اللہؒ کے باطنی تصرف کے ذریعہ حاصل کی، البتہ صوفیاء کے اصول پر باقاعدہ روحانی تعلیم انہوں نے حضرت منورویؒ سے حاصل کی، اور اسی نسبت سے وہ حضرت منورویؒ کو ''ابا'' کہتے تھے، حضرت کا نام نہیں لیتے تھے، منوروا شریف میں کئی کئی مہینہ حضرت منورویؒ کی صحبت وخدمت میں رہتے تھے۔

عبادت وریاضت حضرت منورویؒ کی تنبیہ

ایک بار منوروا شریف میں حضرت کے مکان سے متصل نہر میں شب کے وقت پانی کے اندر بیٹھ کر آپ گھنٹوں عبادت وریاضت میں مصروف رہے، جیسا کہ ہندو مذہب کے مطابق پہلے وہ کیا کرتے تھے، حالانکہ حضرت منورویؒ کے سوجانے کے بعد وہ نہر میں گئے تھے، اور حضرت نے آپ کو نہیں دیکھا تھا، لیکن صبح کی مجلس میں حضرت نے نام لئے بغیر فرمایا کہ بعض لوگ پانی میں گھس کر مچھلی کی طرح عبادت کرنے کو کمال سمجھتے ہیں، مگر اسلام میں اس طرح کی ریاضت کی کوئی حقیقت نہیں، عبادت

(۷۶۹) الاکلیل ص ۱۷۲ تا ۱۷۳ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، مؤلف نے ماسٹر منظر الحق کے حوالے سے معلومات نقل کی ہیں۔

وریاضت وہی مطلوب ہے جو اللہ اور رسول ؐ سے منقول ہے، دراصل اتباع کا نام عبادت ہے، من چاہی کا نام عبادت نہیں ہے---- شاہ صاحب فرماتے تھے کہ اس دن سے میں نے اس طرح کی چیزوں سے ہمیشہ کے لئے توبہ کرلی (۷۷۰)۔

حضرت منورویؒ کی عنایات خاصہ

حضرت منورویؒ کی نظر عنایت آپ پر ہمیشہ مبذول رہی، خاص طور پر نو مسلم ہونے کی بنا پر آپ کا بہت زیادہ لحاظ رکھتے تھے، تاکہ کسی طرح کی دشواری یا مایوسی پیدا نہ ہو، ایک مرتبہ کھانے پینے کی دشواری ہوئی تو کئی سال تک حضرت نے آپ کو پرو ہی تک تازہ کھانا پہونچایا--- اسی طرح آپ کی دونوں بیٹیوں کی شادی آپ ہی کے حکم پر اجرا ضلع مدھوبنی میں جناب نعیم الدین صاحبؒ کے دونوں صاحبزادوں سے ہوئی۔

تکمیل سلوک اور اجازت وخلافت

تکمیل سلوک کے بعد حضرت منورویؒ نے آپ کو سلسلہ کی اجازت بھی عطا فرمائی، جن دنوں حضرت منورویؒ کا طویل قیام ڈاکٹر غلام رسول صاحب (لہریا سرائے دربھنگہ) کی کوٹھی پر تھا، حضرت نے شاہ صاحب سے متعدد احباب کی موجودگی میں فرمایا، کہ عبداللہ! میں نے ایک چمن لگایا ہے، اس کی دیکھ بھال کرتے رہنا (۷۷۱)۔

اس جملہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ نگرانی اور تربیت کی اہلیت شاہ صاحب میں پیدا ہوگئی تھی، اور حضرت نے اس کی فی الجملہ ذمہ داری آپ کے حوالے فرمائی۔

بڑے صاحب مقام اور مستجاب الدعوات تھے

چنانچہ اللہ پاک نے آپ سے بہت کام لیا، آپ کے ذریعہ سلسلہ کو کافی فروغ ہوا، آپ کثیر الفیض اور وسیع الفیض تھے، سیکڑوں بندگان خدا آپ کی بدولت خدا تک پہونچے، آپ کے ذریعہ عمامہ کی سنت بھی بہت عام ہوئی، آپ کے حلقہ کے اکثر لوگ عمامہ استعمال کرتے ہیں۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، دور دراز سے لوگ دعائیں کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں

(۷۷۰) یہ واقعہ بھی میں نے اپنے والد ماجد سے سنا۔

(۷۷۱) یہ واقعہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا۔

حاضر ہوتے تھے، آپ صاحب کشف اور صاحب کرامات بھی تھے۔

آپ کا وصال ۲۰/شوال المکرم ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳/اپریل ۱۹۹۳ء کو ہوا، اور پروہی میں اپنے مکان کے احاطے میں مدفون ہوئے (۲۷۷)۔

(۹)

حضرت الحاج نذیر احمد نقشبندی مجددی شاذلیؒ

(ولادت ۱۹۲۴ء/۱۳۴۲ھ وفات ۳/ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۳/مارچ ۱۹۷۸ء)

(ایکڈنڈی، ضلع مدھوبنی بہار)

حضرت الحاج نذیر احمد نقشبندیؒ حضرت منورویؒ کے ممتاز خلفاء میں گذرے ہیں، البتہ حضرت منورویؒ کے بعد عمر فانی نے زیادہ ساتھ نہ دیا، اور جلد ہی آپ دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے، اس لئے آپ کا دائرۂ فیض زیادہ وسیع نہ ہو سکا۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

آپ کی ولادت ۱۹۲۴ء/۱۳۴۲ھ میں بمقام ایکڈنڈی ضلع مدھوبنی بہار ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام ''شیخ دوست محمد'' اور دادا کا نام شیخ چولہائی'' تھا، آپ کے والد نے تین شادیاں کی تھیں، آپ تیسری اہلیہ سے ہیں۔

ابتدائی تعلیم اپر اسکول ایکڈنڈی میں جناب مولوی رمضان علی کے پاس ہوئی، اس کے بعد پرا مڈل اسکول میں داخلہ لیا، مڈل پاس کرنے کے بعد سرسنڈ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔

ملی اور سماجی خدمات

تعلیم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک موضع بوگرا (جواب بنگلہ دیش میں ہے) میں رہے، تقسیم ہند کے موقعہ پر وطن واپس آگئے، یہاں آپ پریہار سوسائٹی کے سکریٹری، اور گرام پنچایت پر یہار

(۲۷۷) الاکلیل ص ۱۷۲ تا ۱۷۳ مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، مؤلف نے ماسٹر منظر الحق کے حوالے سے معلومات نقل کی ہیں۔

کے چھ(۶) سال تک آپ مکھیا اور پھر تاحیات مکھیا رہے۔

مدرسہ اشرف العلوم کنہواں ضلع سیتامڑھی کے رکن رکین اور جمعیۃ علماء پریہار بلاک کے سرگرم رکن بھی رہے۔

حضرت منورویؒ سے بیعت اور اجازت وخلافت

۱۹۴۵ء میں جناب علی احمد صاحب پریہار بلاک میں کرانی بن کر تشریف لائے، تو بحیثیت مکھیا آپ کے ان سے تعلقات قائم ہوئے، پھر یہ تعلقات گہرے ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ جب حضرت علی احمد ناظر صاحب حضرت منورویؒ سے بیعت ہوئے، تو انہوں نے جناب نذیر احمد صاحب کو بھی بیعت کی طرف متوجہ کیا، مگر اس وقت ان پر دنیا غالب تھی، اور سینما وغیرہ دیکھنے کے بہت شوقین تھے، انہوں نے ناظر صاحب کے سامنے شرط رکھی کہ فلم بینی پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے تو میں بیعت ہوسکتا ہوں، ناظر صاحب آپ کو حضرت منورویؒ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، اور مذکورہ شرط کا تذکرہ کیا تو حضرت مسکرائے اور بیعت کرلی، شام میں مراقبہ کا حلقہ ہوا تو پہلی مجلس ہی میں جذب وسکر کا ایسا غلبہ ہوا کہ کئی گھنٹہ تک مدہوش رہے، اور بہت دنوں کے بعد یہ کیفیت حد اعتدال کو پہونچی، بالآخر اس سلسلہ کے فیوض وبرکات ومقامات کے زینوں کو طے فرما کر حضرت منورویؒ سے صاحب اجازت وخلافت ہوئے۔

نسبت شاذلیہ کی اجازت

میرے والد ماجد نے بتایا کہ منورواشریف میں میرے سامنے حضرت نے حاجی نذیر احمد صاحب کو سلسلۂ شاذلیہ کی اجازت عطا فرمائی، اس لحاظ سے حضرت منورویؒ کے خلفاء میں آپ واحد شخص ہیں جن کو سلسلۂ نقشبندیہ کے علاوہ سلسلۂ شاذلیہ کی خصوصی نسبت واجازت بھی حاصل ہوئی۔

آپ بڑے خلیق، مہمان نواز، پابند شرع، علماء وصلحا کے خدمت گذار اور صاحب حال بزرگ تھے، ذکر کی کثرت سے بسا اوقات آپ میں ایک کیفیت پیدا ہوتی تھی، پورے بدن میں کپکپی ہوجاتی، کودنے اور تڑپنے لگ جاتے، ۱۹۷۳ء میں حضرت الحاج منظور احمد صاحب (مصرولیا) کے ساتھ سعادت سفر حج سے مشرف ہوئے۔

آپ کی شادی شیخ عبدالحکیم غازی پور بھلئی کی سب سے چھوٹی صاحبزادی خیر النساء صاحبہ سے ہوئی، آپ کی وفات ۳/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۳/ مارچ ۱۹۷۸ء کو ہوئی، اور قبرستان آبائی موضع

بتھا میں سپرد خاک ہوئے (۷۷۳)۔

(۱۰)

حضرت حاجی محمد ابراہیم نقشبندیؒ

(ولادت ۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ وفات ۲۰ / جولائی ۱۹۹۳ء مطابق ۲۷ /محرم الحرام ۱۴۱۴ھ)

(مادھے پور، سلطان پور، علاقہ سید پور ضلع سیتامڑھی بہار)

حاجی ابراہیم صاحب ایک زمیندار گھرانے کے فرد تھے، ان کے والد ماجد کا نام ''الحاج جان علیؒ'' (م ۱۹۱۰ء) تھا، وہ اپنے علاقے کے امیر وکبیر آدمی تھے۔

ولادت اور تعلیم وتربیت

آپ کی ولادت ۱۹۱۰ء/ ۱۳۲۸ھ میں بمقام مادھے پور ہوئی، بچپن ہی میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا، شعور کی عمر کو پہونچے تو آپ کو مظفر پور بھیج دیا گیا، اور کسی اسکول میں داخل کر دیا گیا، وہاں میٹرک تک تعلیم حاصل کی، مظفر پور میں آپ کا قیام مولانا رحمت اللہ صاحب کے گھر پر تھا، جو خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے وابستہ تھے، اور نہایت متقی و پرہیز گار شخص تھے۔

خواب میں زیارت نبوی اور تغیر حالت

حاجی صاحب پر بچپن سے ہی صلاح وتقویٰ کا غلبہ تھا، نماز وغیرہ کے بہت پابند تھے، اسی زمانہ میں آپ کو خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی، اور مسلسل تین دن تک ہوئی، اس کی وجہ سے آپ میں جذب وسکر کی نا قابل برداشت کیفیت پیدا ہو گئی، سینہ اور وجود جلنے لگا، مولانا رحمت اللہ صاحب کے مشورہ سے آپ کو حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ کی خدمت میں لے جایا گیا، اور حضرت کی توجہ سے وہ کیفیت کچھ دیر کے بعد ٹھیک ہو گئی۔

(۷۷۳) ارواح طیبہ ص ۳۳۹، ۳۴۰ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہری۔ اس میں صرف نسبت شاذلیہ والی بات میں نے اپنے والد ماجد سے لی ہے، باقی تمام باتیں اسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

صبر وشکر

حاجی صاحب نے جب آنکھیں کھولیں تو گھر میں ہر طرح کا عیش وآرام موجود تھا، اندرو باہر بہت سے نوکرو چاکر تھے، آپ کی جوانی تک یہی کیفیت رہی، لیکن پھر مشکلات کا دور شروع ہوا، اور سخت عسرت وتنگیٔ معاش سے دوچار ہوئے، قلت مال اور کثرت عیال، لیکن کسی حال میں صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، آپ کی اہلیہ بھی بڑی صابرہ وشاکرہ تھیں۔

بیعت اور اجازت

بزرگوں اور اللہ والوں سے بچپن سے ہی عقیدت ومحبت تھی، پڑھنے کے زمانہ ہی میں حضرت مولانا بشارت کریمؒ کی زیارت سے مشرف ہوچکے تھے، ذکر وفکر کا سلسلہ بھی ابتدا ہی سے جاری تھا، البتہ باقاعدہ بیعت حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ سے ہوئے، اور حضرت پنڈت جیؒ کی ہجرت پاکستان کے بعد حضرت منورویؒ سے رجوع ہوئے، اور مقامات سلوک کی تکمیل کے بعد نسبت واجازت سے مشرف ہوئے۔

ابراہیم بابو نماز پڑھائیں

آپ بکثرت منورواشریف اپنے پیرومرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، جب وہ تشریف لاتے تو حضرت ان کا بڑا لحاظ فرماتے اور گوکہ وہ عالم دین نہیں تھے، مگر ان کے قلب کی کیفیت اور نسبت صلوٰۃ کے فیضان کی وجہ سے حضرت کا حکم ہوتا کہ ابراہیم بابو نماز پڑھائیں، اس سے حاجی صاحب کے مقام رفیع کا اندازہ ہوتا ہے۔

’’مادھو پور میں آبروئے خاندان نقشبند کی آمد‘‘

حضرت منورویؒ کئی بار حاجی صاحب کی دعوت پر اپنے قافلے کے ساتھ مادھے پور تشریف لے گئے اور حاجی صاحب نے خدمت وضیافت کا حق ادا کیا، حاجی صاحب کی اہلیہ بھی حضرت سے بیعت تھیں۔ حاجی صاحب کے صاحبزادے جناب مولانا مفتی ثمین اشرف صاحب (مقیم دبئی) نے حضرت کے ایک سفر کا آنکھوں دیکھا حال نقل کیا ہے، مفتی صاحب کو بچپن میں اپنے گھر پر حضرت کی زیارت حاصل ہوئی ہے، لکھتے ہیں:

’’والد علیہ الرحمۃ کا دالان نہیں تھا، بلکہ وہ ایک خانقاہ تھی، میرے بچپن کا زمانہ تھا، میری

عمر شاید دس بارہ سال سے کم ہوگی، دیکھا کہ والد علیہ الرحمۃ دروازہ کی صاف صفائی اور دالان کی لیپا پوتی کروا رہے ہیں، اور خوب شاداں وفرحاں ہیں، گھر میں خورد ونوش کا اہتمام ہورہا ہے، اور یوں محسوس ہورہا ہے جیسے کسی بادشاہ کی آمد کا ایک فقیر اہتمام کررہا ہو، فقیر کو اپنی بساط کا بخوبی علم ہے، اور آنے والے کی قدر ومنزلت، عظمت ونزاکت کا پاس وخیال بھی دامن گیر ہے، چوکیاں وتخت قرینے سے بچھائے جارہے ہیں، صاف وشفاف بستر لگائے جارہے ہیں، وضو کے لئے پانی کا انتظام ہورہا ہے، ہر چیز سلیقہ وقرینہ سے رکھی جارہی ہے---

الغرض اتنا تو محسوس ہو ہی گیا تھا کہ کوئی محترم نہیں بلکہ صد ہا محترم شخصیت آرہی ہے، اور تنہا نہیں، ایک جماعت کے ساتھ جلوہ افروز ہونے والی ہیں، شام کو دیکھا کہ ایک قافلہ آیا جو پندرہ سے بیس لوگوں پر مشتمل ہوگا، جن کے قائد ایک نحیف جسم، نورانی شکل وصورت، شرم وحیا کے پیکر، جلال وجمال کے مظہر، تجلیات الٰہیہ کی ہیبت میں غرق، اور اپنے منسلکین سے ہمہ وقت تبسم ولینت کے ساتھ تعلیم وتعلم کے خواہش مند وفکر مند۔ یہ حضرت مولانا بشارت کریم علیہ الرحمۃ کے سلسلہ کے امین، اور آبروئے خاندان نقشبند حضرت مولانا احمد حسن منوروا شریف تھے،----

الغرض یہ قافلہ کم وبیش دس روز مادھوپور مقیم رہا، جس میں علاقے کے وہ تمام مشہور ومعروف اہل دل، اہل باطن، اور اہل اللہ تھے اور سب کے سب حضرت مولانا احمد حسن نور اللہ مرقدہ سے اکتساب فیض اور سیر الی اللہ کی منزلوں کو حسب ظرف اخذ کررہے تھے، یہ ننگ ونا کارہ بھی ان بزرگوں کی بس باتیں سنتا اور بروقت جو ضرورت ہوتی وہ گھر سے لاتا''

وفات حسرت آیات

وصال سے دو تین سال قبل ہی تمام علائق دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی، قریب تراسی (۸۳) سال کی عمر میں مؤرخہ ۲۰/ جولائی ۱۹۹۳ء مطابق ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ کو بروز سنیچر بعد نماز مغرب آپ نے وفات پائی، موت کے وقت پورا کمرہ نور سے بھر گیا تھا، اور وصال کے بعد بھی قلب میں حرکت محسوس کی گئی، مادھے پور کے قبرستان میں مدفون ہوئے (۷۷۴)۔

(۷۷۴) یہ معلومات جناب حاجی ابراہیم مادھے پوریؒ کے صاحبزادے جناب مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب (مقیم دبئی) کے مفصل مضمون سے ماٗخوذ ہے جو ص ۹۰ تا ۱۳۹ پر محیط اور بہت سی معلومات پر مشتمل ہے میں نے صرف==

(۱۱)

حضرت مولوی وارث علی قادری چشتی نقشبندیؒ

(ولادت تقریباً ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء-وفات ۶/ رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق

۲۲/ اپریل ۱۹۸۸ء)

(سورجاپور، اتر دیناجپور، بنگال)

حضرت وارث علی صاحبؒ حلقۂ پورنیہ میں حضرت منورویؒ کے انتہائی مخصوص ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے، حضرت کے باقاعدہ کتابی شاگرد بھی تھے، بہت سے معاملات کے مشاہد اور واقعات کے امین تھے، قریب وبعید کے بہت سے اسفار میں حضرت کے شامل رہے، اجمیر شریف، سعد اللہ پور، پنڈوہ شریف وغیرہ مزارات اولیاء پر حاضری میں بطور خادم حضرت کے ہمراہ رہے، خاص طور پر خطۂ پورنیہ میں اکثر جگہوں پر وہ حضرت کے رفیق سفر ہوتے تھے، سورجاپور خانقاہ کی تعمیر میں بھی بہت پیش پیش رہے۔

ولادت، تعلیم اور شخصیت

ان کی پیدائش قریب ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں سورجاپور میں ہوئی، ان کا نام ''وارث علی'' اور والد ماجد کا نام ''واجد علی'' تھا، ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول میں اور کچھ حضرت منورویؒ کے پاس حاصل کی، انتہائی باشعور اور مدبر انسان تھے، بڑے امیر وکبیر اور زمیندار شخص تھے، راجہ پرتھوی لال کے تحصیلدار تھے، اسی لئے وشواش جی کے نام سے مشہور تھے، بے حد خوبصورت، بالکل شہزادہ معلوم ہوتے تھے۔

== ضروری حصہ اس میں سے لیا ہے، تفصیل کے لئے اسی مضمون کا مطالعہ کیا جائے۔

مولانا مفتی محمد ثمین اشرف صاحب نے مجھے بتایا کہ حاجی صاحب کو حضرت منورویؒ سے اجازت بیعت حاصل تھی--- ظاہر ہے کہ وہ اپنے والد کے محرم اسرار ہیں، ان کو یہ بات ان کے والد ماجد نے ہی بتائی ہوگی۔

بیعت واجازت

بیس پچیس سال کی عمر میں حضرت منورویؒ سے بیعت ہوئے، اور سالہا سال تک مسلسل خدمت وصحبت کی سعادت حاصل کی، اور شیخ کے لئے جان ومال نچھاور کرتے رہے، حضرت نے آپ کو تین کتابیں عنایت کی تھیں اور دعا تعویذ نیز سلسلہ کی اجازت بھی مرحمت فرمائی تھی۔

آپ کی وفات ۶ / رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۲ / اپریل ۱۹۸۸ء کو سورجاپور میں ہوئی اور وہیں قبرستان میں مدفون ہوئے (۵۷۷)۔

۞ ۞ ۞

(۵۷۷) یہ معلومات جناب وارث علی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے جناب ظہور اکرم صاحب سے حاصل ہوئیں، انہوں نے ہی یہ بات بتائی کہ حضرت منورویؒ نے ان کو اجازت بیعت بھی دی تھی، لیکن کسی کی بیعت نہیں کی، اور اس کی تائید میری بڑی دادی جان مرحومہ (سیدانی) کے بیان سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ جناب مولانا شمس الہدیٰ صاحب نے الاکلیل (۲۳۲) میں ان کا بیان نقل کیا ہے۔

جناب ظہور اکرم سے یہ معلومات تحریری طور پر جناب بھائی نصیر غالب صاحب (کملپور) نے حاصل کر کے مجھے ارسال کیں، میں ان تمام حضرات کا شکر گذار اور دعا گو ہوں۔

(۱۲)

حضرت عبدالکریم جمعدار ابدال چشتیؒ

(م ۲۵ / جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۲۰ / ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ)

(چپرام کوٹھی ضلع سہرسہ)

حضرت عبدالکریم جمعدار ابن جناب ستاب علی مرحوم چپرام کوٹھی ضلع سہرسہ بہار کے رہنے والے تھے، وہ ایک پولیس آفیسر تھے، اور حالت ملازمت میں وفات پائی۔

۱۹۶۲ء میں ضلع سیتامڑھی کے بیلا تھانہ میں جناب عبدالکریم صاحب کی پوسٹنگ تھی، اسی زمانے میں داروغہ جناب محمد عیسیٰ صاحب (سیوان) کی دعوت پر حضرت منورویؒ بیلا تھانہ تشریف لے گئے تھے اور یہیں پر جناب عبدالکریم صاحب حضرت سے وابستہ ہوئے، اس کے بعد ان حضرات کا تبادلہ مظفر پور ہو گیا، حضرت اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے اور خوب ذکر اور مراقبہ کی مجالس ہوا کرتی تھیں۔

سادگی، تواضع، فیاضی اور غریب پروری

طبیعت میں سادگی اور تواضع تھی، پولیس افسر تو بہت دیکھے ہونگے مگر ایسے سادہ مزاج پولیس افسر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو، کبھی اپنے نام کے ساتھ خان نہیں لکھا، فقط عبدالکریم لکھتے تھے بلکہ اپنے کسی بچے کے نام کے ساتھ بھی خان نہیں جوڑا۔

ہمیشہ ان کے دستر خوان پر کچھ لوگ شامل رہتے تھے جن میں اکثر غرباء اور کم حیثیت کے لوگ ہوتے، غرباء ومساکین بے جھجک ان کے یہاں اپنی فریاد لے کر پہنچتے تھے۔

خوراک بہت مختصر تھی، مہمانوں کا اکرام خوب کرتے تھے لیکن خود سادہ کھانا پسند فرماتے تھے، گھر کے تمام افراد ایک ساتھ ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔

ان کے پاس پہننے کے کپڑے بھی زیادہ معیاری نہیں ہوتے تھے، معمولی کپڑے پہنتے تھے، ظاہر ہے کہ یہ چیزیں ان کو اپنے پیر و مرشد سے حاصل ہوئی تھیں۔

پیرومرشد سے تعلق

پیرومرشد سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی، اور حضرت کی بھی ان پر بہت زیادہ توجہ تھی، اس سے پہلے واقعہ گذر چکا ہے کہ ایک بار غلبۂ حال میں ان کی چار نمازیں فوت ہوگئی تھیں، تو حضرت حالت بیماری میں لمبا سفر کر کے خود ان کی قیامگاہ پر تشریف لے گئے، اور پھر ان کی حالت میں اعتدال پیدا ہوا۔

ایک بار انہوں نے پولیس کی نوکری چھوڑ دینے کا ارادہ کرلیا، حضرت کو معلوم ہوا تو آپ نے منع فرمایا کہ محکمۂ پولیس میں آپ جیسے نیک دل بندوں کی بہت ضرورت ہے۔

اجازت وخلافت

تکمیل سلوک کے بعد حضرت منورویؒ نے ان کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، البتہ ان کے مشاہدین کے بیان کے مطابق ان کے یہاں ذکر جہری کا معمول تھا، غالباً حضرت نے ان کو سلسلۂ چشت میں بیعت فرمایا تھا اور اسی سلسلہ کی اجازت وخلافت بھی عنایت فرمائی۔

حلقۂ عقیدت

انہوں نے سلسلۂ بیعت جاری کیا یا نہیں، یہ تو معلوم نہیں، البتہ لوگوں کو وظائف واذکار کی تلقین کرتے تھے اور ذکر ومراقبہ کے حلقے بھی لگاتے تھے، ان کے معتقدین اور حلقہ بگوش لوگوں کی ایک تعداد تھی، ان میں خاص طور پر جناب یٰسین صاحب قابل ذکر ہیں، وہ ضلع گوپال گنج کے برولی بلاک میں ایک کلرک تھے، ذکر الٰہی سے ان کی رغبت وشغف کا یہ عالم تھا کہ تقریباً روزانہ بیس (۲۰) کیلومیٹر سائیکل چلا کر حضرت عبدالکریمؒ کے یہاں عصر ومغرب کے درمیان پہنچتے تھے، اور رات میں وہیں قیام کر کے صبح کو واپس ہوتے، مغرب کی نماز سے قبل بھی تسبیح وتحلیل میں مشغول رہتے، بعد مغرب ذکر جہری اور پھر مراقبہ ہوتا، اس کے بعد چائے کا ایک چھوٹا سا دور ہوتا، جب تک عشاء کا وقت ہوجاتا تھا، اس کے بعد کھانا، اور پھر جلدی ہی سوجانا، یہ ان کا روزانہ کا معمول تھا۔

جناب یاسین صاحب کے عشق ومحبت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب حضرت عبدالکریم صاحبؒ کے انتقال کی خبر ان کو ملی تو وہ اس کی تاب نہ لاسکے اور چند ہی روز بعد وہ بھی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

بزم گل کی ہم نفس باد صبا ہوجائے گی

حضرت عبدالکریم صاحب مصلیٰ، ٹوپی اور تسبیح اپنے بیگ میں ہمیشہ ساتھ رکھتے تھے بڑے عابد وزاہد، صاحب تصرفات وکرامات، مستجاب الدعوات اور مضبوط نسبت باطنی کے حامل بزرگ تھے۔

نماز کی کیفیت

ان کی نماز کی کیفیت قابل رشک تھی، ایسا لگتا تھا کہ شاید اسی نماز کے اندر ہی ان کی روح فنا ہونے والی ہے، یہ کیفیت تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک رہتی تھی، اللہ اکبر کہہ کر جب نیت باندھتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جلال الٰہی کی ہیبت پورے وجود پر طاری ہے جس کو پاس میں بیٹھا ہوا شخص بھی بخوبی محسوس کرسکتا تھا، سورتوں کے پڑھنے اور رکوع وسجود کے دوران بھی یہی کیفیت رہتی تھی۔

کشف وکرامات اور باطنی تصرفات

ایک بار ایسا ہوا کہ ان کو کشف صدور کثرت سے ہونے لگا، کبھی فرشتے نظر آتے تھے، کبھی دفینے دکھائی دیتے تھے، کبھی چوروں کا گروہ باہم بیٹھے مشورہ کرتے نظر آتے، وہ پریشان ہوگئے، بالآخر اپنے پیرومرشد سے عرض کیا تو حضرت کی دعا سے اس کیفیت میں اعتدال پیدا ہوا۔

ایک شعبدہ باز کا قصہ

ان کے باطنی تصرفات کے بھی کئی واقعات مشہور ہیں، ایک وقت کا ذکر ہے کہ ایک شعبدہ باز تھانے میں آیا اور اپنی اور کرتب دکھانے لگا، آن کی آن میں سب لوگ اس کے گرویدہ ہوگئے مگر جمعدار صاحب دوسری جانب اپنے کام میں مشغول تھے، اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی، تو اس نے ان کے اوپر اپنا رعب ڈالنے کے لئے ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ میں چٹکی بجا کر آپ کی جیب سے آپ کے پیسے نکال سکتا ہوں۔ انہوں نے بھی کہہ دیا کہ نکال سکتے ہو تو نکال لو۔ یہ کہہ کر کچھ پڑھ کر اپنی جیب پر ہاتھ پھیر لیا اور اس کی طرف سے بے توجہ ہوکر بیٹھ گئے، وہ شخص کوشش کرتا رہا۔ پسینے پسینے ہوگیا اور پھر اپنا سامنہ لیکر چلا گیا۔

ان کی دعا سے ایک مردہ سا بچہ زندہ ہوگیا

ایک بار میر گنج تھانے میں ایک پولیس والے کے بچے کی جادو کے اثر سے موت کی سی حالت ہو گئی، اس کے گھر والے رونے پیٹنے لگے، وہ تشریف لے گئے اس بچے کو دیکھا اور ایک گلاس میں پانی

منگوا کر اس پر دم کیا اور اس کے بدن پر چھڑکنے کو کہا، بچہ اللہ کے حکم سے فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وصال پر ملال

غرض ایک اچھی اور سچی مؤمنانہ زندگی انہوں نے گذاری، ملازمت کے دوران ہی انتقال فرمایا، آخری تھانہ ان کا پورنیہ تھا، یہیں بیمار پڑے، طبیعت جب زیادہ خراب ہوئی تو پٹنہ لے جایا گیا، اور وہیں ہولی فیملی ہاسپٹل میں زیر علاج رہے اور بالآخر ۲۵/جنوری ۱۹۸۴ء مطابق ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے، جسد خاکی کو ان کے آبائی گاؤں چیرام کوٹھی، ضلع سہرسہ، لایا گیا اور وہیں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کا شمار اعلیٰ علیین میں فرمائے آمین۔

سہرسہ شہر کے ہٹیا گاچھی محلے میں ایک مکان تعمیر کرالیا تھا، ان کے دو صاحبزادے ہیں، وضیع احمد صاحب اور عبد المتین صاحب، جن کا قیام ہٹیا گاچھی محلے میں ہی ہے۔ بڑے صاحبزادے وضیع احمد صاحب کا تقرر والد کی جگہ پر ہوا تھا، اب داروغہ کے عہدے سے ریٹائر ہو کر ہٹیا گاچھی میں ہی رہتے ہیں (۷۷۶)۔

(۷۷۶) یہ معلومات مجھے محترم جناب انجینیر شمیم صاحب اور جناب پروفیسر نسیم احمد صاحب فرزندان حضرت داروغہ محمد عیسیٰ صاحبؒ (سیوان بہار) سے حاصل ہوئیں، انہوں نے کچھ چشم دید اور کچھ اپنے والد ماجد کی شنید کی روشنی میں یہ معلومات تحریر کر کے مجھے بھیجی ہیں، **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**۔ ان حضرات نے بچپن میں جناب عبد الکریم صاحب کی خوب صحبت پائی ہے، جناب عبد الکریم صاحب کا قیام عرصہ تک جناب محمد عیسیٰ صاحب کے ساتھ رہا، یہ حضرات ان کو چچا کہتے تھے، آج بھی ان لوگوں کے درمیان باہم گہرے مراسم ہیں۔
جناب پروفیسر نسیم احمد صاحب نے لکھا ہے کہ ہم لوگوں نے بچپن میں ہی سنا تھا کہ حضرت نے ان کو اجازت وخلافت عطا کی ہے۔

(۱۲)

باب دوازدہم

تالیفات وتصنیفات

☆مختصر حالات بزرگان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

☆مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت

☆امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ . (سورہ یونس:۶۲)

نقشبند ہر دو عالم نقش چناں بے بند
نقش چناں بے بند کہ گویند نقش بند

مختصر حالات بزرگان

نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

تالیف لطیف

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم سید احمد حسن منورویؒ

(۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء-۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء)

تحقیق وحواشی

اختر امام عادل قاسمی

(نبیرۂ حضرت مؤلفؒ)

دائرة المعارف الربّانية

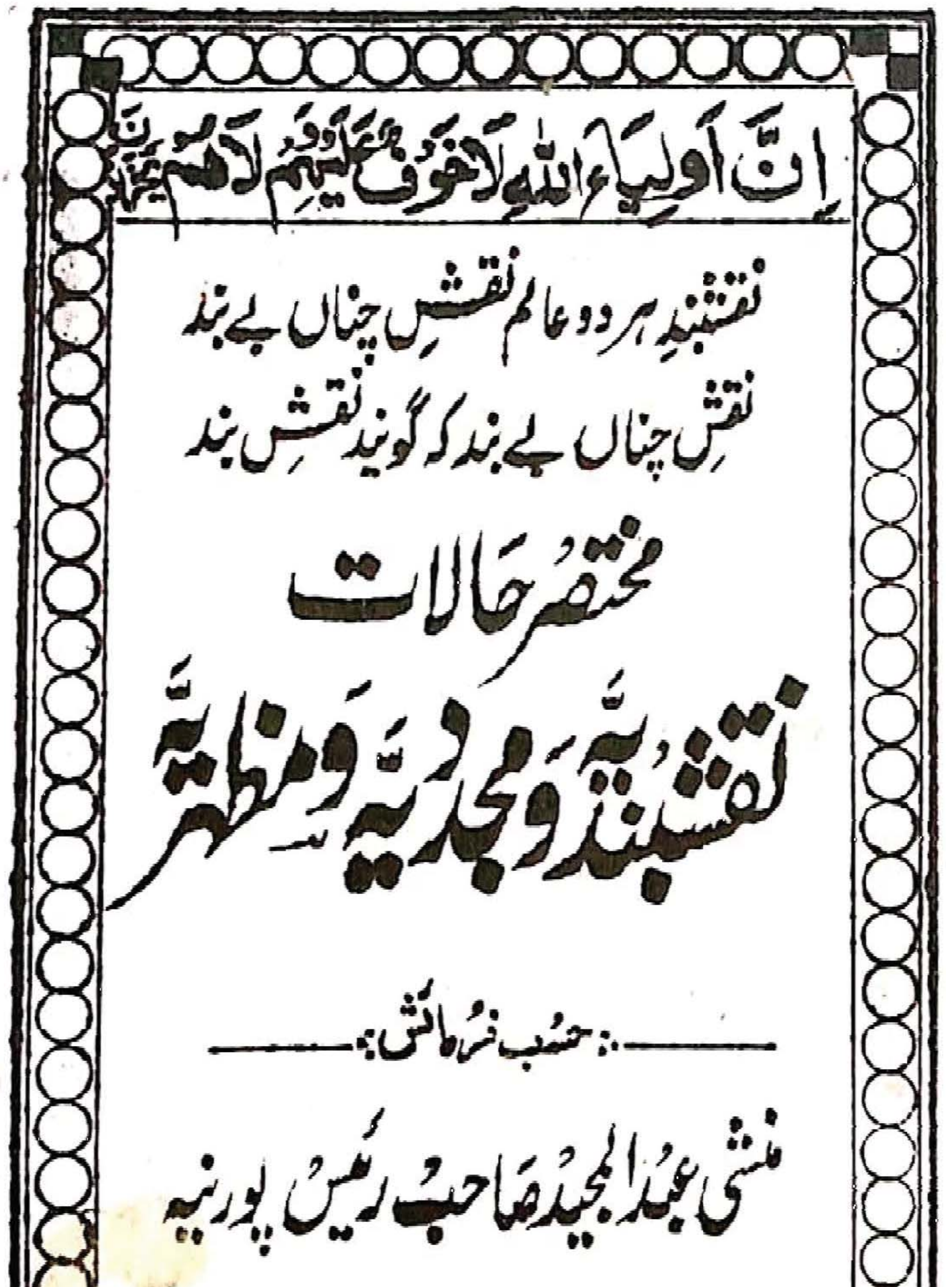
جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: مختصر حالات بزرگان نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ
تالیف: قطب الہند حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منورویؒ
تحقیق وحواشی: اختر امام عادل قاسمی (نبیرۂ حضرت مؤلف)
سن اشاعت: ۱۴۴۲ھ/۲۰۲۰ء
صفحات:
قیمت:
ناشر: جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

۞ ۞ ۞

ملنے کے پتے

☆مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ: سوہما، وایا: بتھان، ضلع سمستی پور بہار، 848207-رابطہ نمبرات: 9934082422-9473136822 ویب سائٹ:
www,jamiarabbani.org email.Jamia.rabbani@gmail.com
☆ مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ۲، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 25


إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

نقشبندِ ہر دو عالم نقشِ چناں بے بند

نقشِ چناں بے بند کہ گویند نقشبند

مختصر حالات

نقشبندیہ و مجددیہ و مظہریہ

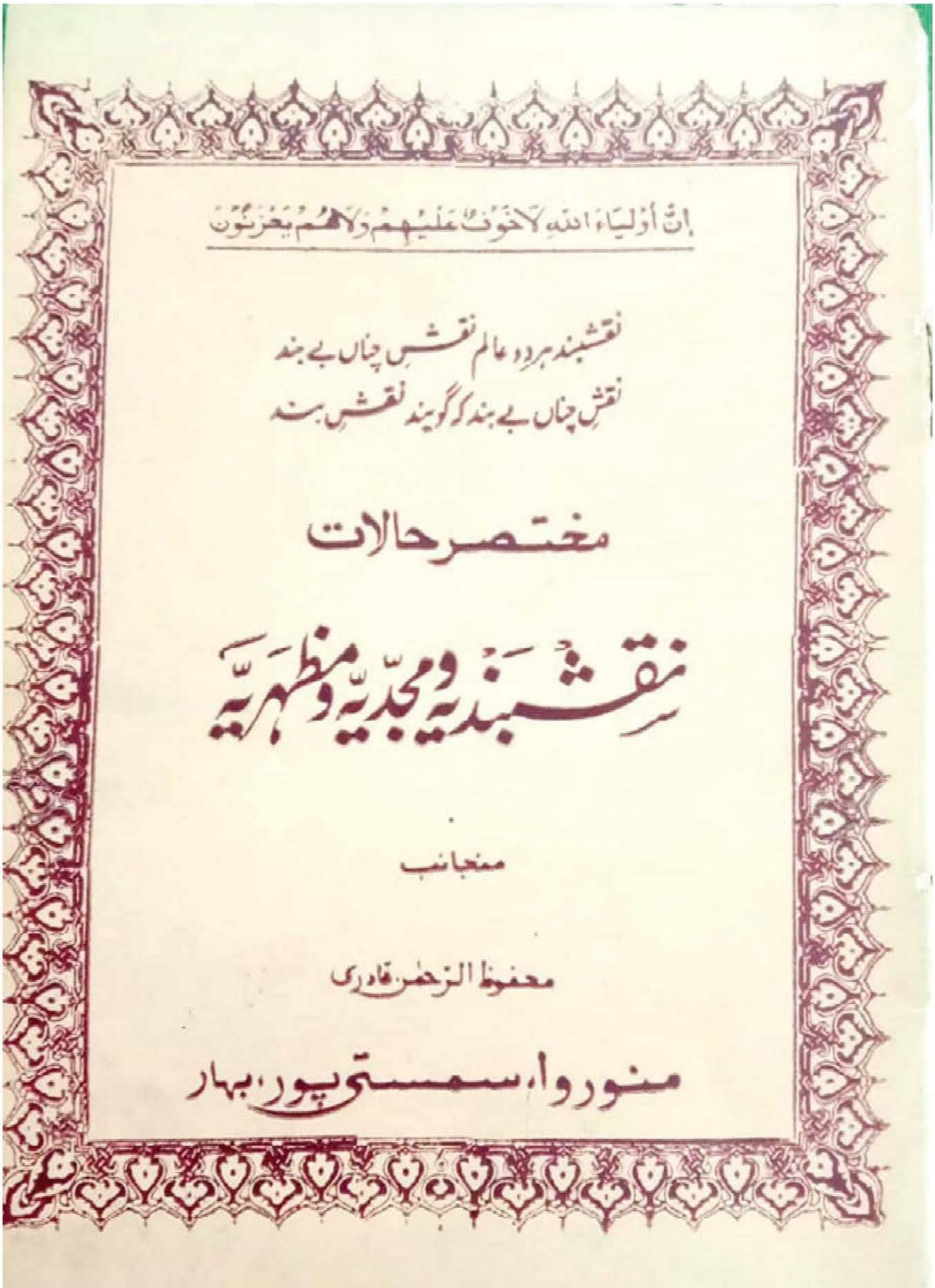
حسب فرمائش

منشی عبد المجید صاحب رئیس پورنیہ

ہدیہ

عکس ٹائیٹل طبع اول

مطبوعہ حمیدیہ برقی پریس، بلوا گنج لہیر یا سرائے، دربھنگہ (سن ندارد، غالباً ۱۹۶۰ء)



إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

نقشبند ہر دو عالم نقش جاں بے بند
نقش جاں بے بند کر گویند نقش بند

مختصر حالات

نقشبندیہ ومجددیہ ومظہریہ

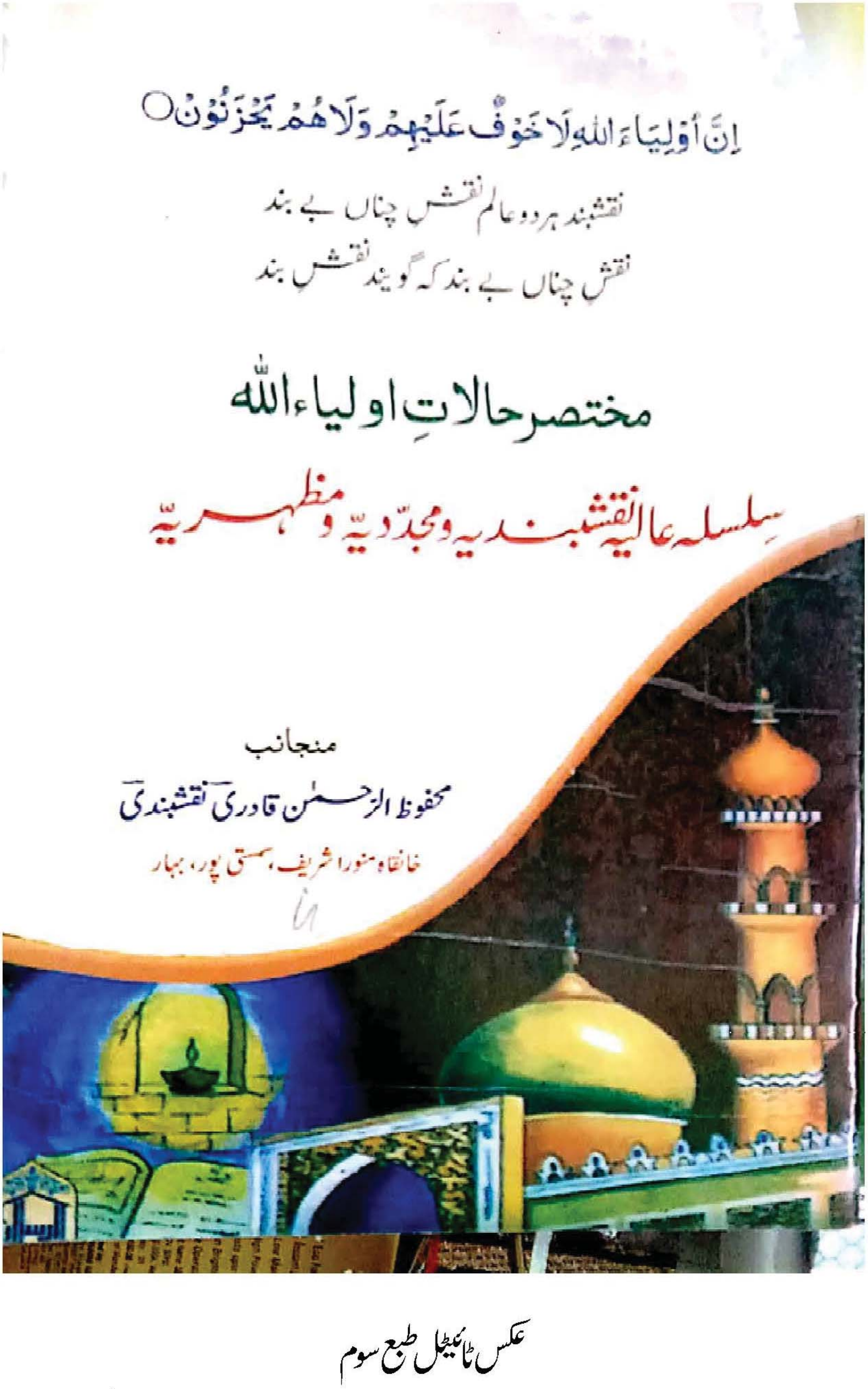
منجانب

محفوظ الرحمٰن قادری

منوروا، سمستی پور، بہار

عکس ٹائیٹل طبع دوم

مطبوعہ سٹی پرنٹرس، بارہ دری بلیماران دہلی (سن ندارد، غالباً ۱۹۸۷ء)



عکس ٹائیٹل طبع سوم

ناشر: خانقاہ عثمانیہ نقشبندیہ بڑگاؤں، دربھنگہ، زیر اہتمام: مدرسہ سراج العلوم بڑگاؤں ضلع دربھنگہ مطبوعہ الجدید پرنٹر کولکاتا (سن ندارد، غالباً ۲۰۱۵ء)

مندرجات کتاب

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف کتاب

یہ کتاب قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کی مشہور و معروف تالیف ہے، جو بعض احباب کے اصرار پر طالبین سلسلہ کے لئے لکھی گئی تھی، اس میں عام طالبین سلسلہ کے معیار اور مذاق کے مطابق ضروری وظائف، شجرۂ منظومہ اور بزرگان سلسلہ کے مختصر حالات درج کئے گئے ہیں، تا کہ اس کتاب کو شب و روز کا معمول بنانا آسان ہو، اور شجرہ میں جن اکابر کے نام ہیں، ان کا مختصر تعارف بھی ذہن میں رہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ خود حضرت مؤلفؒ کی حیات مبارکہ میں خود آپ کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی، اس وقت حق تالیف منشی عبدالمجید صاحب رئیس قمر گنج، ضیا گاچھی، ضلع اتر دیناجپور بنگال کو حاصل تھا۔

اس کی دوسری اشاعت حضرت منورویؒ کے وصال کے تقریباً بیس (۲۰) سال بعد ۱۹۸۸ء میں میرے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن قادری نقشبندی دامت برکاتہم کے ذریعہ عمل میں آئی، اور اس میں قطب الاقطاب حضرت مولانا بشارت کریم گڑھولویؒ اور خود مؤلف کتاب قطب الہند حضرت منورویؒ کے حالات کا اضافہ کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ دونوں شخصیتیں اس سلسلہ میں بنیادی مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، اور طالبین کا ان سے واقف ہونا ضروری ہے۔

دوسری اشاعت کے موقعہ پر منشی عبدالمجید صاحب زندہ نہیں تھے، اس لئے میرے والد ماجد نے حق تالیف ان کی اولاد سے لے کر ایک جماعت کے حوالے کر دیا، جس میں درج ذیل حضرات شامل تھے:

☆ جناب مظہر الحق صاحبؒ آڈٹ آفیسر، مقام حسن پور برہروا ضلع سیتامڑھی۔

☆ جناب پروفیسر افتخار احمد خان صاحب پروفیسر سائنس کالج پٹنہ

☆ جناب سلطان احمد خان دربھنگہ ☆ اور جناب آفتاب احمد خان دربھنگہ

پھر دوسری اشاعت کے تقریباً ستائیس (۲۷) سال کے بعد تیسری اشاعت کی اجازت حضرت والد صاحب نے خانقاہ عثمانیہ نقشبندیہ بڑگاؤں کو ان کی طلب و خواہش پر دی۔ لیکن تیسری اشاعت میں تصحیح کا زیادہ اہتمام نہیں ہو سکا، اور اس میں کتابت کی بہت زیادہ غلطیاں رہ گئیں۔

اب یہ کتاب چوتھی بار حضرت والد صاحب کی اجازت سے حضرت منورویؒ کی زیر نظر سوانح کے

ساتھ شائع ہورہی ہے۔اس میں حقیر راقم الحروف نے کوشش کی ہے کہ:

☆لفظی اور معنوی صحت کا پورا اہتمام کیا جائے، کتاب میں متعدد مقامات پر بہت سی فروگذاشتیں رہ گئی تھیں، جن میں بعض طبع اول سے چلی آرہی تھیں، مستند مصادر کی روشنی میں ان کی تصحیح کی گئی ہے۔

☆آیات واحادیث کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے۔

☆ہجری تاریخ کی تطبیق عیسوی تاریخ سے کی گئی ہے، اور جگہ بہ جگہ مشکل الفاظ کی تشریح بھی ہم رشتہ کی گئی ہے، البتہ اس طرح کی اکثر چیزیں حاشیہ میں رکھی گئی ہیں، اگر متن میں کچھ بڑھانے کی ضرورت پیش آئی ہے تو اس کو بین القوسین کردیا گیا ہے، عیسوی تاریخیں بھی بین القوسین لکھی گئی ہیں، تا کہ یہ اضافے حضرت مؤلفؒ کے متن سے ممتاز رہیں۔

☆کتاب میں شخصیتوں کے حالات بہت اختصار کے ساتھ درج ہیں، اس لئے ہر جگہ موجودہ زمانے میں دستیاب معتبر کتابوں کے حوالے لکھ دیئے گئے ہیں تا کہ استناد واعتماد میں اضافہ ہو نیز تفصیل کے خواہشمند حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کرسکیں۔

واضح رہے کہ حضرت منورویؒ کی زیر نظر سوانح میں بھی کتاب میں مذکور تمام مشائخ کے مستند اور مکمل حالات موجود ہیں۔

☆شجرہ میں کئی مقام پر بظاہر انقطاع پایا جاتا ہے، اس کو دوسرے تاریخی ذرائع سے دور کیا گیا ہے۔

اس طرح حضرت کی یہ تالیف لطیف پہلی بار تحقیق وتعلیق اور تصحیح کے اہتمام کے ساتھ شائع ہورہی ہے، ان شاء اللہ یہ کتاب طالبین کے لئے بھی مفید ثابت ہوگی اور عام اہل علم اور اصحاب ذوق بھی اس سے استفادہ کرسکیں گے ان شاء اللہ (۷۷)۔

العبد الضعیف

اختر امام عادل قاسمی

خاکپائے سلف، منورواشریف بہار الہند

۱۷/ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ مطابق ۶/ستمبر ۲۰۲۰ء

(۷۷) واضح رہے کہ یہ تمام کام کتاب کے طبع اول کو پیش نظر رکھ کر کئے گئے ہیں، اسی لئے بعد کی اشاعتوں میں جو اضافے کئے گئے مثلاً: حضرت گڑھولویؒ اور خود حضرت مؤلفؒ کے حالات وغیرہ، ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے اس لئے کہ وہ حضرت منورویؒ کی اصل کتاب کا حصہ نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کلمات تمہید

ساری تعریفیں ہیں ثابت بس خدا کے واسطے
حمد و مدحت اس کی ذات کبریا کے واسطے
عظمت و سطوت اسی رب العلا کے واسطے

ہوں درود و برکتیں اس ذات اقدس پر تمام
رحمت و الطاف حق ہے جس کا حصہ لا کلام
زیر و بالا سب بنا جس کی رضا کے واسطے

امابعد! خاکسار احمد حسن ساکن منورواڈاکخانہ صلحابزرگ ضلع دربھنگہ راہ خدا کے طالبوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے، کہ منشی عبدالمجید صاحب رئیس قمر گنج عرف ضیا گاچھی ڈاکخانہ دلکولہ ضلع پچھم دیناج پور کے اصرار پر مختصر سوانح حیات سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ تحریر کر کے حق تالیف منشی عبدالمجید صاحب رئیس قمر گنج کو بخشا، اب کوئی صاحب بلا اجازت ان کے کتاب شائع کرنے کی زحمت گوارا نہ کریں، بلکہ ان سے منگوالیں (۷۷۸)۔

(۷۷۸) یہ تمہید کتاب کے طبع اول کے مطابق ہے (دیکھئے ص ۲)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ولادت باسعادت حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طلوع صبح صادق کے بعد وطلوع آفتاب سے پہلے ہوئی، جمہور علماء واہل سیر کا اس پر اتفاق ہے، کہ ظہور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب فیل کے چالیس (۴۰) روز بعد واقع ہوا (۷۷۹)، عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے چھ سو سال بعد نوشیرواں عادل کے عہد میں بارہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن ہوئی (۷۸۰)۔

واقعۂ ہائلہٗ وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی اختلاف ہے، لیکن جمہور علماء واہل سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ۱۲ / ربیع الاول دوشنبہ کے دن مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں ہوئی، جمہور علماء واہل سیر کے نزدیک عمر شریف ترسٹھ (۶۳) برس کی تھی (۷۸۱)۔

❁ ❁ ❁

(۷۷۹) عام طور پر سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت واقعۂ فیل کے پچاس یا پچپن دن کے بعد ہوئی، علامہ سہیلیؒ نے پچاس، اور علامہ سیوطیؒ نے پچپن کا قول اختیار کیا ہے (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۵۲ مؤلفہ حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ، کتب خانہ مظہری کراچی بحوالہ زرقانی ج ۱ ص ۱۳۰)

(۷۸۰) اہل تاریخ کے یہاں مشہور قول یہی ہے، لیکن جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸ / ربیع الاول کو پیدا ہوئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور جبیر بن مطعمؓ سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانیؒ نے اختیار کیا ہے (دیکھئے: سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۵۲ مؤلفہ حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ، کتب خانہ مظہری کراچی بحوالہ زرقانی ج ۱ ص ۱۳۰)

(۷۸۱) سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۵۲ مؤلفہ حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ، کتب خانہ مظہری کراچی بحوالہ زرقانی ج ۳ ص ۱۱۰، فتح الباری ج ۸ ص ۹۸۔

(۲)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ

کنیت افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر ہے اور لقب صدیق اکبر اور عتیق، اور اسم شریف عبداللہ بن ابوقحافہ ہے، یہ خلیفۂ اول حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں، یہ بوڑھوں میں بلا طلب معجزہ ایمان لانے والے پہلے شخص ہیں، ان کی خلافت کا زمانہ دو سال چار ماہ پچیس روز ہے، ولادت باسعادت واقعہ فیل کے دو برس چار مہینہ کے بعد واقع ہوئی، اور وفات ہجرت کے تیرھویں جمادی الاخریٰ کی ۲۲ یا ۲۳ / تاریخ (۲۴ یا ۲۶ / اگست ۶۳۴ء) دوشنبہ کے دن ہوئی، مدت عمر شریف ۶۳ سال ہوئی، مزار مبارک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزار اقدس کے متصل ہے، تاریخ میں آیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے وصیت کی تھی کہ بعد انتقال ہمارے تابوت کو روضۂ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لے جانا اور کہنا کہ حضورؐ کے آستانے پر ابوبکر حاضر ہو کر سلام عرض کر رہا ہے، اگر اجازت ہو اور دروازہ کھل جائے تو روضۂ مبارک کے اندر لے جانا اور دفن کر دینا اور اگر اجازت نہ ہو تو جنت البقیع میں سپرد خاک کر دینا، صحیح روایت میں آیا ہے کہ ابھی یہ کلمات ختم بھی نہ ہونے پائے تھے کہ دروازہ کھل گیا اور آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پہلو میں سلا دو (۷۸۲)۔

❁ ❁ ❁

(۷۸۲) یہ روایت نفحات الانس للجامیؒ اور الخصائص الکبریٰ للسیوطی (ج ۲ ص ۲۸۱) میں امام مستغفریؒ کے حوالے سے آئی ہے، امام مستغفریؒ نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے (تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۴۱، ۴۲ مؤلفہ علامہ محمد نور بخش توکلی، ناشر: مشتاق بک کارنر لاہور، باقی احوال بھی اس کتاب میں موجود ہیں)

(۳)

حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ

کنیت آپ کی ابوعبداللہ اور آپ کو ''سلمان خیر'' کہتے ہیں، یہ ملک فارس میں پیدا ہوئے، یہ صحابۂ کبار اور اصحاب صفہ سے ہیں، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''سلمان میرے اہل بیت سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک ہیں، جن کے لئے جنت مشتاق ہے''، باوجود شرف صحبت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخذ طریقت حضرت صدیق اکبرؓ سے کی تھی، اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی صحبت میں بھی رہے تھے، آپ کی عمر شریف دوسو پچاس (۲۵۰) سال ہے، اور وفات ۱۰/ رجب ۳۶ھ (۶/ فروری ۶۵۵ء) میں واقع ہوئی، مزار مبارک مدائن میں ہے (۷۸۳)۔

(۴)

حضرت سیدنا امام قاسمؒ

اسم شریف قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ ہے، یہ کبار تابعین وفقہاء سبعہ مدینہ منورہ میں سے ہیں، اور یہ اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے زیر تربیت رہے ہیں، یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں، کہ مدینہ میں قاسم سے افضل کسی کو میں نے نہیں دیکھا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں، کہ خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو قاسمؒ کو خلیفہ بناتا، آپ کی وفات ۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۰۶ھ (مطابق ۲۰/ اکتوبر ۷۲۴ء) کو ہوئی، مزار مبارک **مشلل**'' (بقول یاقوت حموی یہ ایک پہاڑ ہے جس سے سمندر کی

---

(۷۸۳) تاریخ دمشق ج ۲۱ ص ۳۷۹ المؤلف: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571هـ ★ تاريخ بغداد 1/ 163 ★ تهذيب التهذيب ج ٤ ص ١٢٢ المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ) ★ تاريخ مشائخ نقشبنديه ص ١٤١ تا ١٤٧ مؤلفه عبدالرسول للهي.

طرف سے قدید کواترتے ہیں) میں ہے(۷۸۴)۔

(۵)

حضرت سیدنا امام جعفر صادقؒ

کنیت آپ کی ابوعبداللہ اور لقب جعفر صادقؒ ہے، ولادت باسعادت آپ کی مدینہ منورہ میں ۸۳ھ بروز دوشنبہ ۱۷/ربیع الاول (مطابق ۲۴/مئی ۶۹۹ء) کو ہوئی، وفات ۱۵/رجب ۱۴۸ھ (مطابق ۶/ستمبر ۷۶۵ء) دوشنبہ کے دن ہوئی، مزار مبارک مدینہ منورہ جنت البقیع میں حضرت سیدنا امام حسنؓ کے پہلو میں ہے(۷۸۵)۔

---

(۷۸۴) (الأعلام المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار/مايو 2002م بحواله: الجرح والتعديل، القسم الثاني من الجزء الثالث 118 ونكت الهميان 230 والوفيات 1: 418 وصفة الصفوة 2: 49 وحلية الاولياء 2: 183.)

☆ تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۱۰ ☆ تذکرۂ نقشبندیہ توکلیہ ص ۵۵ تا ۵۶ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی، طبقات ابن سعدؒ، تہذیب التہذیب للعسقلانیؒ، تاریخ ابن خلکان ۔

کتاب کے اصل نسخہ میں مزار مبارک مدینہ منورہ جنت البقیع لکھا ہے، مگر یہ سہو قلم ہے۔

اسی طرح حضرت قاسمؒ کا حضرت سلمانؓ سے استفادہ بھی تاریخی لحاظ سے مستبعد ہے اس لئے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کی وفات کے وقت (ایک قول کے مطابق) آپ پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے، استفادہ کی عمر ہی نہیں تھی، اسلئے اس کو روحانی استفادہ پر ہی محمول کیا جائے گا (دیکھئے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ص ۲۳۸)

لیکن آپ اکابر تابعین میں سے ہیں، اور بہت سے صحابہ سے آپ نے استفادہ کیا ہے، خود حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کی مربی رہی ہیں، اس طرح حضرت صدیق اکبرؓ اور آپ کے درمیان فی الجملہ اتصال ثابت ہوجاتا ہے، اسلئے حضرت سلمان فارسیؓ سے ظاہری انقطاع کا اثر نسبت ورابطہ کے تسلسل پر نہیں پڑے گا واللہ اعلم بالصواب۔

☆ علاوہ امام زین العابدینؒ آپ کے خالہ زاد بھائی تھے، ان کی صحبت سے حضرت علیؓ کی نسبت بھی آپ کو حاصل ہوئی تھی۔

(۷۸۵) تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۱۲ تا ۲۱۹ ☆ تذکرۂ نقشبندیہ توکلیہ ص ۵۷ تا ۶۳ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ للذہبی، تہذیب التہذیب للعسقلانی، طبقات کبریٰ للشعرانیؒ، صواعق محرقہ لابن حجرؒ، شواہد النبوۃ للجامی، تذکرۃ الاولیاء ==

(۶)

حضرت سیدنا خواجہ بایزید بسطامیؒ

لقب آپ کا سلطان العارفین ہے، اور نام طیفور بن عیسیٰ، آپ کے دادا آتش پرست تھے، بعد میں ایمان لائے، بسطام کے رہنے والے ہیں، حضرت سیدنا بایزیدؒ، سیدنا خواجہ احمد حفرویؒ، ابو حفصؒ، اور خواجہ یحیٰ معاذؒ کا زمانہ ایک ہے، اور حضرت خواجہ شقیق بلخیؒ کو بھی انہوں نے دیکھا ہے، ولایت میں ان کا بڑا درجہ ہے، سید الطائفہ حضرت خواجہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کا مرتبہ ہمارے درمیان ایسا ہی ہے جیسا کہ فرشتوں کے درمیان حضرت جبرئیلؑ کا، توحید کے میدان میں سبھی دوڑنے والوں سے آگے تھے۔

ولادت باسعادت ۱۳۶ھ (۷۵۳ء) میں ہوئی، اور وصال ۱۱/شعبان بروز دوشنبہ ۲۷۲ھ (مطابق ۲۴/جنوری ۸۸۶ء) کو ہوا، مزار مبارک بسطام شریف میں ہے(۷۸۶)۔

==للعطار، کشف المحجوب للہجویریؒ ☆ **الاعلام قاموس تراجم لاشهر الرجال والنساء من العرب والمستعربين والمستشرقين ج ۲ ص ۱۲۶ تأليف خير الدين الزركلي دار العلم – بيروت بحواله : نزهة الجليس للموسوي2:35 ووفيات الاعيان1:105 والجمع70 واليعقوبي3:115 وصفة الصفوة2:94 وحلية الاولياء3:192.**

(۷۸۶) آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، مذکورہ تاریخ کے علاوہ اور بھی متعدد تاریخیں ذکر کی گئی ہیں، ایک قول میں آپ کی وفات ایک سوتینتیس (۱۳۳) سال کی عمر میں ۱۵/شعبان المعظم ۲۶۹ھ/۲۶۱ھ (۲/مارچ ۸۸۳ء/ ۸۷۴ء) اور ایک قول کے مطابق ۱۴/شعبان المعظم ۲۶۱ھ مطابق ۴/جون ۸۷۲ء کو بسطام میں ہوئی (تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۲۰ تا ۲۲۹ ☆ تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۶۴ تا ۷۳ بحوالہ تذکرہ اولیاء، رسالۂ قشیریہ، طبقات کبریٰ للشعرانیؒ، نفحات الانس، انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۶۳ تا ۱۷۴ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

حضرت بایزیدؒ کو حضرت امام جعفر صادقؒ سے ظاہری ملاقات حاصل نہیں تھی، کیونکہ آپ کی پیدائش امام جعفر صادقؒ کی وفات کے بعد ہوئی، البتہ آپ کی باطنی تربیت حضرت جعفرؒ سے روحانی طور پر ہوئی ہے، بعض کتابوں کے مطابق چند واسطوں سے آپ کو متصلاً بھی نسبت حاصل ہے، بایں طور کہ آپ کے شیخ امام علی رضاؒ ہیں، ان کے امام موسیٰ کاظمؒ، اور ان کے امام جعفر صادقؒ ہیں، اس طرح آپ حضرت معروف کرخیؒ کے پیر بھائی ہیں (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ ص ۲۲۷)

(۷)

حضرت سیدنا خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ

آپ کا نام علی بن جعفر بن سلمان ہے، قزوین کے نزدیک ایک خرقان موضع ہے، جہاں آپ سکونت رکھتے تھے، آپ غوث زماں اور قطب وقت تھے، تصوف میں حضرت سلطان العارفین سے نسبت رکھتے تھے، حضرت خواجہؒ کی ولادت باسعادت ۳۵۲ھ (مطابق ۹۶۳ء) میں ہوئی، اور وفات بماہ رمضان ۴۲۴ھ (مطابق اگست ۱۰۳۳ء) میں واقع ہوئی، مزار مبارک خرقان شریف میں ہے (۷۸۷)۔

---

(۷۸۷) آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے، ایک قول میں تاریخ وفات ۱۰/محرم الحرام ۴۲۵ھ (۱۰/دسمبر ۱۰۳۳ء) جبکہ نفحات الانس میں حضرت جامیؒ نے آپ کی تاریخ وفات ذی الحجہ ۴۳۵ھ (جولائی ۱۰۴۴ء) درج کی ہے۔
طریقت میں حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامیؒ سے آپ کی روحانی تربیت اویسی طور پر ہوئی ہے، کیونکہ آپ کی ولادت حضرت بایزیدؒ کی وفات کے بعد ۳۵۲ھ/ ۹۶۳ء میں ہوئی، اس طرح بظاہر یہاں شجرہ میں انقطاع پایا جاتا ہے۔ لیکن روزبہان اصفہانی نے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی شرح وصیت نامہ میں حضرت ابوالحسنؒ کا ایک باواسطہ شجرہ بھی تحریر کیا ہے، وہ یہ ہے کہ:
''حضرت ابوالحسنؒ کو نسبت حضرت ابوالمظفر مولیٰ ترک طوسیؒ سے حاصل ہوئی، حضرت ابوالمظفرؒ کو خواجہ اعرابی بایزید عشقیؒ سے ملی، خواجہ اعرابیؒ کو خواجہ محمد مغربیؒ سے اور ان کو حضرت بایزید بسطامیؒ سے حاصل ہوئی، اس سے انقطاع دور ہو جاتا ہے (تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۷۸ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۱۹ مؤلفہ سید زوار حسین شاہؒ، ناشر زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۱۲ء)
علاوہ ان کو شیخ ابوالعباس قصابؒ کی صحبت بھی حاصل تھی شیخ قصابؒ فرماتے تھے کہ ہمارے بعد ہمارا بازار خرقانی سنبھالیں گے، یعنی گویا وہ ان کو اپنی حاصل محنت تصور فرماتے تھے (دیکھئے: نفحات الانس ص ۵۳۱ مؤلفہ حضرت عبد الرحمن جامیؒ، ترجمہ شمس بریلویؒ، ناشر دانش پبلشنگ کمپنی نئی دلی، ۲۰۱۰ء)

(۸)

حضرت سیدنا خواجہ بوعلی فارمدیؒ

آپ کا اسم گرامی فضل اللہ بن محمد ہے، آپ طوس کے قریب ایک دیہات فارمد کے رہنے والے ہیں، تصوف میں آپ کو نسبت حضرت سیدنا ابوالقاسم گرگانیؒ، اور دوسری نسبت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے ہے، آپ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے پیرومرشد ہیں، آپ کی پیدائش ۴۳۴ھ (مطابق ۱۰۴۲ء) میں ہوئی، اور وفات آپ کی ۴/ ربیع الاول بروز دوشنبہ ۴۷۷ھ (مطابق ۱۶/ جولائی ۱۰۸۴ء) کو واقع ہوئی، مزار مبارک طوس میں مرجع خلائق ہے (۷۸۸)۔

(۷۸۸) تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ ص ۸۹ تا ۹۲ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی بحوالہ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکیؒ نفحات الانس ☆ تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ خیریہ ص ۲۴۱ تا ۲۴۴ مؤلفہ مولانا محمد صادق قصوریؒ ☆ حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۲۲ مؤلفہ مولانا سید زوار حسینؒ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۹۳ تا ۱۹۶ مؤلفہ عبدالرسول للہی۔

واضح رہے کہ حضرت شیخ خرقانیؒ سے حضرت فارمدیؒ کی ملاقات ثابت نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت خرقانیؒ کی وفات (۴۲۵ھ) کے کئی سال بعد حضرت فارمدیؒ کی ولادت (۴۳۴ھ میں) ہوئی، حضرت بوعلی فارمدیؒ کو اصلاً یہ نسبت حاصل ہوئی حضرت امام ابوالقاسم قشیریؒ سے، ان کو خواجہ بوعلی دقاقؒ سے، ان کو خواجہ ابوالقاسم نصیر آبادیؒ سے، ان کو حضرت ابوعلی رودباریؒ، خواجہ ابوبکر شبلیؒ اور حضرت ابوبکر واسطیؒ تینوں بزرگوں سے، اور ان سب کو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ سے، ان کو شیخ سری سقطیؒ سے، ان کو شیخ معروف کرخیؒ سے، ان کو شیخ داؤد طائیؒ سے، ان کو خواجہ حبیب عجمیؒ سے، ان کو امام الاولیاء حضرت حسن بصریؒ سے، ان کو امیر المؤمنین حضرت علیؓ سے، اور ان کو سرور کائنات حضرت رسول مقبول ﷺ سے (الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۲۲۷ مرتبہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی)

ان کے بعد آپ حضرت شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ (خلیفۂ حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت حاصل کی اور تکمیل سلوک کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے --- پھر اویسی طور پر آپ کو براہ راست حضرت شیخ ابوالحسن خرقانیؒ سے بھی نسبت حاصل ہوئی۔

(۹)

حضرت سیدنا خواجہ یوسف ہمدانیؒ

کنیت آپ کی ابویعقوب ہے، زاد بوم (مقام پیدائش) ان کا ہمدان ہے، پیدائش ان کی ۴۴۰ھ (مطابق ۱۰۴۹ء) میں ہوئی، وفات آپ کی ۵۳۵ھ (مطابق ۱۱۴۰ء) میں ہرات کے قریب واقع ہوئی، اور کچھ دنوں کے بعد ان کے گھر والوں نے لاش مبارک کو ''مرو'' لے جا کر دفن کیا، مزار مبارک مرجع خلائق ہے(۷۸۹)۔

(۱۰)

حضرت سیدنا خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

آپ کی پیدائش شہر بخارا سے چھ (۶) کوس کی دوری پر غجدوان ایک دیہات میں ہوئی ، آپ کے باپ کی نسبت چند واسطوں کے بعد حضرت امام مالکؒ تک پہونچتی ہے، آپ کے والد حضرت خضر علیہ السلام سے محبت رکھتے تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کے والد کو آپ کی پیدائش کی خبر دی تھی، اور نام عبدالخالق رکھا تھا، آپ کے پیر حضرت خواجہ یوسف ہمدانیؒ تھے اور حضرت خواجہ خضر علیہ السلام آپ کے پیر سبق تھے، اور مصطلحات ہشتگانہ بنائے طریقہ عجیب وغریب حضرت خواجہؒ ہی کی اختراع ہے:

۱- ہوش دردم ، ۲-نظر برقدم ، ۳-سفر در وطن ، ۴-خلوت درانجمن ، ۵-یادکرد ، ۶-بازگشت ، ۷-نگاہ داشت، ۸-یادداشت۔

وفات ۱۲ / ربیع الاول ۵۷۵ھ (مطابق ۲۳ / اگست ۱۱۷۹ء) کو واقع ہوئی، مزار مبارک غجدوان میں ہے(۷۹۰)۔

(۷۸۹) تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ ص ۹۳ تا ۹۶ مؤلفہ علامہ نور بخش توکلی، تذکرۂ مشائخ خیریہ ص ۲۴۴ تا ۲۴۸ مؤلفہ مولانا محمد صادق قصوریؒ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۱۹۷ تا ۲۰۳ مؤلفہ عبدالرسول للّٰہی۔

(۷۹۰) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۵۰ تا ۲۵۹ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۹۸ تا ۱۰۹۔

(۱۱)

حضرت سیدنا خواجہ عارف ریوگریؒ

بخارا سے چھ (۶) فرسنگ کے فاصلے پر ایک دیہات ریوگر میں پیدا ہوئے، اور آپ کا مدفن بھی اسی جگہ ہے، آپ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے خلفاء میں یکتائے روزگار اور مقبول بارگاہ ہیں، سلسلۂ ارادت ونسبت حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے ہے، آپ کا وصال یکم شوال ۷۱۵ھ (مطابق ۵/ جنوری ۱۳۱۶ء) میں واقع ہوا، مزار مبارک ریوگر میں زیارت گاہ خلائق ہے(۱۹۷)۔

---

(۱۹۷) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۱، ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۱ مؤلفہ: مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۱۰۔

(نوٹ) حضرت عارفؒ نے بہت لمبی عمر پائی، آپ کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے:

☆ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات قریب ایک سو چونسٹھ (۱۶۴) برس کی عمر میں یکم شوال المکرم ۷۱۵ھ (۵/ جنوری ۱۳۱۶ء) کو ہوئی، اور ریوگرہی میں مدفون ہوئے، آپ کے شیخ حضرت غجدوانیؒ کی وفات ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں ہوئی، گویا کہ پیرومرشد کی رحلت کے بعد آپ قریب ایک سو چالیس (۱۴۰) سال تک باحیات رہے (تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۱، ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۱ مؤلفہ: مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۱۰)۔

☆ تذکرہ توکلیہ میں حضرات القدس کے حوالے سے دن تاریخ کی صراحت کے بغیر سن وفات ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء/ ۱۲۲۰ء) درج کیا گیا ہے، یعنی قریب ایک سو (۱۰۰) سال کا فرق ☆ اور یہی تاریخ (غرۂ شوال ۶۱۶ھ) کتاب ''حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ (مؤلفہ حضرت مولانا حسن نقشبندیؒ ص ۱۲۷) میں بھی مذکور ہے، نیز درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی سے شائع ہونے والی کتاب شجرۂ مبارکہ میں بھی یہی مرقوم ہے (دیکھئے: شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ خیریہ ص ۱۵ مرتبہ محترم ابوالنصر انس فاروقی صاحب مدظلہ)، مولانا سید زوار حسین شاہ مجددی کی کتاب ''حضرت مجدد الف ثانی'' میں بھی ''حضرات القدس'' ہی کے حوالے سے یہی تاریخ درج کی گئی ہے، (حضرت مجدد الف ثانی ص ۱۲۷)

تاریخ مشائخ نقشبندیہ (ص ۲۲۰ مؤلفہ صاحبزادہ عبدالرسول للہی) میں بھی یہی مذکور ہے۔

☆ خواجہ عارف کے جس رسالہ ''عارف نامہ'' کا ابھی ذکر آیا، اس کے آخر میں ایک قطعۂ تاریخ وفات درج ہے:

افسوس شد نہاں مہہ تاباں بزیر خاک — کلکم سیاہ پوش جگر ریش وسینہ چاک

تاریخ بہر رحلت او جستم از قلم — ''قطب زماں وعارف باللہ'' زد رقم ==

(۱۲)

حضرت سیدنا خواجہ محمود انجیر فغنویؒ

آپ کی جائے پیدائش انجیر فغنا ہے، جو ملک بخارا میں امکنہ کے قریب ہے، آپ طالبوں کو ذکر جہر کی تعلیم فرماتے تھے، ایک دن مولانا حافظ الدین بخاریؒ جد اعلیٰ حضرت سیدنا خواجہ محمد پارساؒ نے آپ سے سوال کیا، کہ ذکر اعلانیہ کی تعلیم کس نیت سے دیتے ہیں؟ فرمایا تا کہ سونے والے بیدار اور غافل ہوشیار ہو جائیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ذکر اعلانیہ اس شخص کے لئے سزاوار ہے، کہ زبان و دل اس کا جھوٹ سے پاک وصاف ہو جائے۔

ایک درویش نے حضرت خواجہ خوردؒ کے زمانے میں حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے دریافت کیا کہ اس وقت ایسا شخص کون ہے جو جادۂ استقامت پر ثابت ہو، تا کہ میں اس سے بیعت ہو کر اس کی اقتدا کروں، حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ ہیں۔

==(ترجمہ: افسوس کہ چمکتا ہوا چاند زمین کے نیچے پوشیدہ ہوگیا، اس لئے میرا قلم ماتم زدہ و رنجیدہ جگر کو پارہ پارہ کرنے والا ہوگیا، اور سینے کو چاک کرنے والا ہوگیا'')

اس سے تاریخ وفات ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۷ء نکلتی ہے (عارف نامہ ص ۷۲ مؤلفہ حضرت عارف ریوگریؒ، شائع کردہ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی)

لیکن میرے نزدیک ان میں سے اول الذکر روایت (تاریخ وفات ۷۱۵ھ) زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ آپ کے خلیفۂ اکبر حضرت محمود انجیر فغنویؒ کی تاریخ ولادت ۶۲۷ھ (۱۲۳۰ء) ہے، جیسا کہ جناب صادق قصوری صاحب نے کتبۂ مزار اور تاریخی قرائن کی روشنی میں تحریر کیا ہے، اگر آپ کی تاریخ وفات ۶۱۶ھ یا ۶۳۴ھ مانی جائے تو حضرت محمود انجیر فغنویؒ کی ملاقات آپ سے ثابت نہ ہوگی، اس لئے کہ آپ کی وفات یا تو ان کی ولادت سے قبل ہو چکی ہوگی، یا وفات کے وقت صرف سات (۷) سال کے ہونگے، جو کہ شعور اور استفادہ کی عمر نہیں ہے، جب کہ تمام اصحاب تذکرہ نے بالاتفاق حضرت فغنویؒ کو حضرت عارف ریوگریؒ کا خلیفۂ اکبر قرار دیا ہے، اس انقطاع سے بچنے کے لئے ۷۱۵ھ والی روایت ہی زیادہ قابل ترجیح ہے۔

☆ اور اس کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عارف ریوگریؒ کے مزار مبارک پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس پر بھی تاریخ وفات ۷۱۵ھ ہی کندہ ہے، تذکرہ خیریہ میں اس کتبہ کا عکس موجود ہے **واللہ اعلم بالصواب**۔

آپ کی تاریخ وفات ۱۷/ ربیع الاول ۷۱۵ (مطابق ۲۸/ جون ۱۳۱۵ء) ہے، مزار مبارک آپ کا امکنہ میں فیض بخش خلائق ہے(۷۹۲)۔

(۱۳)

حضرت سیدنا خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ

آپ ساتویں صدی ہجری میں مذہب حنفی کے قطب وقت اور مجدد طریقت وشریعت گذرے ہیں، آپ کا نام علی اور لقب عزیزان ہے، آپ کے تصرفات وکرامات عجیب ہیں، جو شخص ایک دن بھی صحبت میں بیٹھتا حقیقت کو پہونچ جاتا، اور جدا ہونے کو جی نہیں چاہتا، ملک بخارا کے دو کوس کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے جس کو رامیتنی کہتے ہیں وہیں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کی پیدائش ۲۸/ ذی قعدہ دوشنبہ کے دن ۷۱۵ھ (مطابق یکم مارچ ۱۳۱۶ء) میں واقع ہوئی، مزار مبارک آپ کا خوارزم شریف میں ہے(۷۹۳)۔

(۷۹۲) آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف پایا جاتا ہے:

☆ ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات ۱۷/ ربیع الاول ۷۱۷ھ (۶/ جون ۱۳۱۷ء) کو ہوئی، مزار مقدس ابکنہ (نزد بخارا) میں ہے۔

(تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۳ تا ۲۶۵ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲ بحوالہ رشحات وروائح)

☆ دوسری روایت ۱۷/ ربیع الاول ۷۱۵ھ (۲۸/ جون ۱۳۱۵ء) کی نقل کی گئی ہے (مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۲۸ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ (ولادت: ۱۲/ رجب المرجب ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸/ مارچ ۱۸۵۶ء- وفات: مطبع احسن المطابع مراد آباد، ربیع الاول ۱۳۲۲ھ، اور میرے جد امجد صاحب تالیف حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ نے بھی غالباً اسی کی روشنی میں یہی تاریخ رقم فرمائی ہے۔

☆ بعض حضرات نے تاریخ وفات ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء تحریر کی ہے (تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۲۴ مؤلفہ عبدالرسول للہی)

(۷۹۳) آپ کی تاریخ وفات میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں:

☆ زیادہ تر کتابوں میں ۲۸/ ذی قعدہ ۷۲۱ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۱۳۲۱ء کی تاریخ مذکور ہے

(تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۶۵ تا ۲۷۳ ☆ ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۳۵ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ)

☆ بعض کتابوں میں سن وفات ۲۸/ ذی قعدہ ۷۱۵ھ مطابق یکم مارچ ۱۳۱۶ء مذکور ہے (تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ==

(۱۴)

حضرت سیدنا خواجہ محمد بابا سماسیؒ

آپ حضرت خواجہ عزیزان علیؒ کے نامدار خلفاء میں سے ہیں، لڑکپن ہی سے (بلکہ حضرت خواجہؒ کی پیدائش سے قبل ہی) حضرت خواجہ بہاء الدین پر آپ کی نظر رحمت تھی جب حضرت بابا صاحبؒ قصر ہند واں (حضرت خواجہ بہاء الدینؒ کی جگہ) کی جانب سے گذرتے، تو فرماتے اس خاک سے ایک مرد کی بو آرہی ہے، بہت ہی جلد یہ قصر ہندواں ''قصر عارفاں'' سے بدل جائے گا، چنانچہ ایک دن حضرت بابا سماسیؒ اپنے خلیفہ سید امیر کلالؒ کی منزل سے ''قصر عارفان'' کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آج بو زیادہ پھیل رہی ہے، عجب کیا ہے کہ وہ مرد پیدا ہو چکا ہو، چنانچہ جب آپ وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ حضرت خواجہ کو پیدا ہوئے تین (۳) دن ہو گئے ہیں، حضرت خواجہؒ کے دادا پورے خلوص و پیار کے ساتھ حضرت خواجہ کو بابا سماسیؒ کی خدمت میں لے گئے، حضرت بابا صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے اس لڑکے کو قبول کیا، اور اصحاب کی طرف متوجہ ہو کر آپ نے فرمایا، میں نے اس کی بو سونگھی ہے یہ مقتدائے زمانہ ہوگا۔

۱۰/ جمادی الاخریٰ ۷۵۵ھ (مطابق ۹/ جولائی ۱۳۵۴ء) کو آپ کا وصال ہوا، مزار مبارک آپ کا سماسی شریف میں ہے(۷۹۴)۔

==وکلیہ ص ۱۱۳ تا ۱۲۰ بحوالہ رشحات ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۳۹ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی بحوالہ حضرت بدرالدین خلیفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ)

☆ بعض حضرات نے ۲۷/ رمضان ۷۱۸ھ مطابق ۲۹/ نومبر ۱۳۱۸ء بھی لکھا ہے (دیکھئے: مرحمت نامۂ نعمت یعنی شجرات اہل طریقت ص ۲۷ مصنفہ شیخ محمد نعمت اللہ نقشبندی، مطبع دی آزاد پریس پٹنہ، ۱۳۴۴ھ)

لیکن زیادہ تر اصحاب تذکرہ نے ۲۸/ ذی قعدہ ۷۲۱ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۱۳۲۱ء کا ذکر کیا ہے (دیکھئے: اول الذکر دونوں کتابیں نیز خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۵۶ تالیف مفتی غلام سرور لاہوری، ترجمہ: محمد ظہیر الدین بھٹی، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء ☆ شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی ص ۱۵، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء)۔

(۷۹۴) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۷۴ تا ۲۷۷ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ بحوالہ رشحات، انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک بخاری خلیفۂ مجاز حضرت خواجہ نقشبندؒ۔ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۴۱ تا ۲۴۳ مؤلفہ عبدالرسول للٰہی۔

(۱۵)

حضرت سیدنا خواجہ سید امیر کلالؒ

آپ حضرت خواجہ محمد بابا سماسیؒ کے بڑے خلفاء میں ہیں، علم شریعت وطریقت وحقیقت ومعرفت میں اپنے عہد کے بزرگوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے، اور سرداری کا شرف رکھتے تھے، آپ کی پیدائش سوخار کے ایک دیہات میں ہوئی، آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں، کہ جس وقت حضرت خواجہ میرے شکم میں تھے، اگر کوئی گناہ کا لقمہ میرے پیٹ میں پڑ جاتا تو فوراً درد شروع ہوجاتا، قے کرنے پر درد سے چھٹکارا پاتی، جب اس قسم کا واقعہ دو تین بار ہوا تو میں نے سمجھا کہ اس لڑکے کے وجود کے باعث اس قسم کا واقعہ ظہور میں آتا ہے، تو میں احتیاط کا لقمہ کھانے لگی۔

ان کی وفات ۸/ جمادی الاولیٰ روز پنجشنبہ فجر کی نماز کے وقت ۷۷۲ھ (مطابق ۵/ دسمبر ۱۳۷۰ء) میں واقع ہوئی، مزار مبارک قریہ سوخار شریف میں ہے(۷۹۵)۔

(۱۶)

حضرت سیدنا خواجۂ خواجگان بہاء الدین نقشبندؒ

آپ کا اسم مبارک محمد بن محمد بخاری ہے، آپ طریقت کے امام، حقیقت کے پیر، شریعت کے مقتدا، اور اہل سنت والجماعت کے پیشوا تھے، کرامت وولایت اور خوارق عادات آپ کے بچپن ہی سے ظاہر ہوتے تھے، چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں، میرا لڑکا خواجہ سید بہاء الدین چار (۴) سال کا تھا، کہ اس نے کہا، یہ گائے سفید پیشانی والا بچہ جنے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آداب طریقت کی تعلیم بظاہر حضرت خواجہ سید امیر کلالؒ سے حاصل کی، لیکن درحقیقت یہ اویسی ہیں، اور روحانی تربیت حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے پائی ہے، (علاوہ

(۷۹۵) تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۸۷ تا ۲۹۲ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۲۴ تا ۱۳۴ بحوالہ مقامات امیر کلالؒ لحفید الامیر حمزہ بن الامیر کلال۔

بارہ (۱۲) سال تک حضرت خلیل اتاؒ کی خدمت میں رہے) آپ کی نسبت حسینی سادات سے ہے، آپ کی پیدائش ماہ محرم ۷۰۸ھ (یا ۷۱۸ھ) (مطابق یکم جولائی ۱۳۰۸ء یا ۱۵ / مارچ ۱۳۱۸ء) میں ہوئی، اوروفات ۳ / ربیع الاول ۷۹۱ھ (مطابق ۹ / مارچ ۱۳۸۹ء) بروز دوشنبہ واقع ہوئی، قطعۂ تاریخ رحلت ہے:

رفت شاہ نقشبنداں خواجۂ دنیا ودیں
آنکہ بودہ شاہ راہ دین ودولت ملتش
مسکن و ماٗوائے او چوں بود قصر عارفاں
قصر عارفاں زیں سبب آمد حساب رحلتش

مزار مبارک قصر عارفان میں بخارا سے ایک میل پر ہے (۷۹٦)۔

(۱۷)

حضرت سیدنا خواجہ علاء الدین عطارؒ

آپ حضرت خواجہ بہاء الدینؒ کے بڑے خلفاء میں ہیں، حضرت خواجہؒ نے بہت سے طالبوں کو اپنی حیات میں آپ کے حوالے کر دیا تھا، اور فرماتے تھے کہ علاء الدین نے میرے بار کو ہلکا کر دیا ہے، وفات شریف آپ کی بدھ کی رات میں عشاء کے بعد ۱۸ / رجب المرجب ۸۰۲ھ (مطابق ۲۴ / مارچ ۱۴۰۰ء) کو ہوئی، مزار مبارک آپ کا توجکان (یا چغانیان) کے ایک دیہات میں فیض بخش خلائق ہے (۷۹۷)۔

(۷۹٦) تذکرہ مشائخ نقشبندیہ توکلیہ ص ۱۳٦ تا ۱۷۷ (بحوالہ انیس الطالبین مؤلفہ خواجہ صالح بن مبارک خلیفہ مجاز حضرت خواجہ نقشبند، رشحات، نفحات) ☆ تذکرۂ نقشبندیہ خیریہ مؤلفہ صادق قصوری ص ۲۹۵ تا ۳۳۳ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۲۵۵ تا ۲۸۸ عبدالرسول للہی ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۵۸ مؤلفہ مولانا حسن نقشبندیؒ۔
(۷۹۷) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۳۵، ۳۴۰ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ص ۱۷۸ تا ۱۸۴۔

(۱۸)

حضرت سیدنا خواجہ یعقوب چرخیؒ

آپ غزنی کے قریب ایک موضع چرخ میں پیدا ہوئے، آپ بے واسطہ حضرت خواجہ بزرگ کے مرید ہیں، پہلی بار جب خواجۂ خواجگان کی خدمت میں پہونچے تو فرمایا کہ میں (مأمور ہوں) کوئی کام خود سے نہیں کرتا ہوں، آج کی رات دیکھوں گا اگر وہ (اللہ پاک) تجھ کو قبول کرلیں تو ہم بھی قبول کرلیں گے، حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے سخت تر رات مجھ پر نہیں گذری، مقدر میں دیکھیں کیا ہے، جب صبح کے وقت حضرت خواجۂ خواجگان کی خدمت میں پہونچا، تو انہوں نے قبول کرلیا، اور خواجہ علاء الدین عطارؒ کے حوالے کردیا، چنانچہ انہی کی صحبت سے مرتبۂ کمال کو پہونچے، اور علم ظاہری وباطنی کے جامع ہوئے، وفات آپ کی ۱۵/صفر المظفر ۸۵۱ھ (مطابق ۱۱/مئی ۱۴۴۷ء) کو ہوئی، مزار مبارک ''ہلغتون'' (یا ''ہلفتو'' یا تلفون، روسی حکومت نے بعد میں اس گاؤں کا نام ''گلستان'' رکھ دیا تھا) میں ہے جو حصار شادماں کے قریب ہے(۷۹۸)۔

(۱۹)

حضرت سیدنا خواجہ عبید اللہ احرارؒ

آپ کا لقب ناصر الدین احرار ہے، آپ آٹھویں صدی ہجری کے قطب وقت اور مجدد گذرے ہیں، فاروقی نسب، حنفی مذہب اور نقشبندی مشرب تھے، آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ بعد ولادت ایام نفاس تک آپ نے ماں کا دودھ نوش نہیں فرمایا، تین برس کی عمر ہی سے حضرت حق جل وعلا کی حضوری رکھتے تھے، آپ بہت مالدار اور اہل زراعت تھے، چنانچہ آپ کے گھوڑے باندھنے کے کھونٹے سونے و چاندی کے تھے، باوجود ان تمام مال ومتاع کے آپ اپنے کو بے تعلق رکھتے، اور ان

(۷۹۸) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۴۵، ۳۴۸ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ص ۱۸۵ تا ۱۸۹ ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۸۹-۹۰ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردو ایڈیشن ۱۹۹۴ء ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۷۹، ۱۸۰ مؤلفہ مولانا حسن نقشبندیؒ۔

مالوں کواللہ کے راستے میں خرچ فرماتے، چنانچہ حضرت عارف نامی مولانا جامی قدس سرہ السامی اس بارے میں فرماتے ہیں:

چوں فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

ولادت باسعادت رمضان المبارک ۸۰۶ھ (مطابق مارچ ۱۴۰۴ء) میں ہوئی اور ۲۹ / ربیع الاول ۸۹۵ھ (مطابق ۱ / مارچ ۱۴۹۰ء) کووصال ہوا، مزار مبارک سمرقند میں ہے(۷۹۹)۔

(۲۰)

حضرت سیدنا خواجہ زاہد ولیؒ

آپ ترک وتجرید میں یکتائے زمانہ اور خلوت وتفرید میں یگانۂ عصر تھے، حضرت سیدنا خواجہ احرارؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کے چند سال پہلے سے آپ زہد وریاضت میں مشغول تھے، اور آنکھ کوخواب سے آشنا نہیں فرماتے اور زہد وریاضت کا حق بجالاتے، آخر اشارۂ غیبی کے ذریعہ بیعت وارادت کے ارادے سے خواجہ احرارؒ کی جانب روانہ ہوئے، جب قریب پہونچے، حضرت خواجہ نور باطن کے ذریعہ اس حال سے آگاہ ہوئے، اور گھوڑے کی سواری سے استقبال کے لئے باہر آئے اور راستے ہی میں ملاقات ہوئی، اور دونوں حضرات باہم بغل گیر ہوکر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے، اور حضرت خواجہؒ نے مولانا کو بیعت سے سرفراز فرما کر تکمیل کو پہونچا کر خرقۂ خلافت واجازت عطا کر کے اسی جگہ سے رخصت کردیا، حضرت خواجہ محمد زاہد ولیؒ حضرت مولانا خواجہ یعقوب چرخی کے اقرباء سے (نواسہ) ہیں۔

وفات شریف آپ کی یکم ربیع الاول بروز دوشنبہ ۹۳۶ھ (مطابق ۱۳ /نومبر ۱۵۲۹ء) کوواقع ہوئی، مزار مبارک آپ کا موضع وخش میں ہے(۸۰۰)۔

(۷۹۹) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۴۹ ۳۶۵ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ص ۱۹۰ تا ۲۰۸ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۰۱ تا ۳۰۲ مؤلفہ عبدالرسول للّٰہی ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۸۰ تا ۱۹۰ مؤلفہ مولانا حسن نقشبندیؒ۔

(۸۰۰) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۶۷، ۳۶۶ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ص ۲۰۹ تا ۲۱۰ ☆ تاریخ مشائخ نقشبندیہ ص ۳۲۳، ۳۲۴ مؤلفہ عبدالرسول للّٰہی ۔

(۲۱)

حضرت سیدنا خواجہ درویش محمدؒ

آپ حضرت محمد زاہد ولیؒ کے خواہرزادہ ہیں، اوران کے اصحاب کبار وخلفاء نامدار سے ہیں، آپ علوم ظاہر و باطن کے جامع اورصوری ومعنوی رموز سے واقف، سخاوعطامیں معروف تھے، بیعت سے قبل پندرہ (۱۵) سال تک بغیر آب ودانہ کے زہدوریاضت، تجرید وتفرید کے خیال سے ویرانہ میں گذرگیا، ایک دن بھوک سے سخت پریشان ہوئے اور آسمان کی جانب چہرہ اٹھایا، اسی وقت حضرت خضرؑ تشریف لائے اورفرمایا، اگرتم کوصبر وقناعت مطلوب ہے، توخدمت میں خواجہ محمد زاہد کے حاضر ہو، ان کے فرمانے کے مطابق حضرت خواجہؒ روانہ ہوئے اورتکمیل کو پہونچے، آپ کا وصال شریف ۱۹ /محرم ۹۷۰ھ (مطابق ۷ ۲ /ستمبر ۱۵۶۲ء) میں ہوا، مزار مبارک شہر سبز ماوراء النہر میں ہے(۸۰۱)۔

(۲۲)

حضرت سیدنا خواجہ امکنگیؒ

آپ حضرت خواجہ درویش محمدؒ کےفرزندار جمنداورخلفاء حق پسند سے ہیں، ظاہری وباطنی تعلیم آپ کواپنے والد سے ہے، سمرقند کے قریب ایک قصبہ امکنگ کے آپ رہنے والے ہیں، نقل ہے کہ کوچ کے قبل اپنے خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے نام (ایک منظوم خط) لکھا، جس کے دواشعار یہ ہیں:

زماں تازماں مرگ یادآیدم ندانم کنوں تاچہ پیش آیدم
جدائی مبادا مرااز خدا جگرہرچہ پیش آیدم شایدم

آپ کی پیدائش ۹۱۸ھ/ ۱۵۱۲ء اوروفات ۲۲ /شعبان ۱۰۰۸ھ (مطابق ۷ / مارچ ۱۶۰۰ء) کوواقع ہوئی، عمرشریف آپ کی نوے (۹۰) سال ہوئی، مزارشریف آپ کا امکنگ بخاراکےقریب

(۸۰۱) تذکرہ نقشبندیہ خیریہ ص ۳۶۹، ۳۷۰ ☆ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نوربخش توکلی ص ۲۱۱ تا ۲۱۳ ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۱۴۵ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیرالدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردوایڈیشن ۱۹۹۴ء۔

ایک دیہات میں ہے(۸۰۲)۔

(۲۳)

حضرت سیدنا خواجہ باقی باللہؒ

اسم شریف آپ کا محمد باقی اور لقب رضی الدین اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام سے مشہور ہیں، آپ کی پیدائش کی جگہ کابل ہے، آپ بزرگ وقت اور مقتدائے زمانہ اور اپنے عہد کے اماموں میں سے تھے، ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ وجذب عشق و محبت سے پیراستہ، زہد و تقویٰ میں معروف اور اوصاف کریمہ سے موصوف تھے، آپ کی ظاہری نسبت خواجہ امکنگیؒ اور باطنی نسبت اویسی خواجۂ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ سے ہے، آپ کی پیدائش ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۴ء اور وفات ۲۵ / جمادی الاخریٰ روز دوشنبہ ۱۰۱۲ھ (مطابق ۳۰/نومبر ۱۶۰۳ء) میں واقع ہوئی، عمر شریف (بلحاظ ہجری) اکتالیس (۴۱) سال کی تھی، مزار مبارک آپ کا دہلی شہر کے باہر اجمیری دروازہ کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم شریف کے نزدیک واقع ہے(۸۰۳)۔

(۲۴)

حضرت سیدنا خواجہ امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ

آپ کے والد کا نام عبدالاحد تھا، آپ کا نسب ۲۸ واسطے پر امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروقؓ تک پہونچتا ہے، آپ کو دولت نسبت ابتداء میں اپنے والد ماجد سے حاصل ہوئی، والد بزرگوار کے انتقال

---

(۸۰۲) خزینۃ الاصفیاء ص ۱۴۶ تا ۱۴۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردو ایڈیشن ۱۹۹۴ء ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۱۷۱ تا ۱۷۳ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ (محلہ کوٹلہ بجنور) مطبع احسن المطابع مراد آباد ۱۳۲۲ھ۔

(۸۰۳) تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف مؤلفہ محمد نذیر رانجھا ص ۸۵ تا ۱۱۰، آپ کے مزید واقعات و واردات کے لئے ملاحظہ فرمائیں اسی کتاب میں ص ۱۱۱ تا ۱۶۴۔

کے بعد ۱۰۰۸ھ (مطابق ۱۵۹۹ء) میں آپ مکہ معظمہ کے سفر پر نکلے، جب آپ دہلی پہونچے مولانا حسن کشمیریؒ جو کہ آپ کے دوستوں اور خواجہ باقی باللہؒ کے مخلصوں میں تھے (۸۰۴) وہ آپ کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں لے گئے، جب حضرت خواجہؒ کی دست بوسی سے مشرف ہوئے، تو حضرت خواجہؒ نے پوری بشاشت کے ساتھ توجہ آپ پر ڈالی، اور آپ مقامات عظیمہ پر پہونچے اور وہ سب کچھ دیکھا جو دیکھنا چاہئے، اور وہاں تک پہونچے جہاں تک پہونچنا چاہئے، قطب الاقطاب اور قیومیت کا رتبہ آپ کو حاصل ہوا، اور عام وخاص آپ سے فیضیاب ہوئے، اولیاء کبار عصر حضرت مولانا شیخ احمد جامؒ (۸۰۵) اور حضرت خواجہ شیخ خلیل اللہ چشتیؒ (۸۰۶) نے آپ کے وجود شریف کی بشارت دی تھی، بلکہ پیغمبر خدا

(۸۰۴) واضح رہے کہ حالات نقشبندیہ مجددیہ کے تمام مطبوعہ نسخوں میں مولانا حسن کشمیریؒ کو علوم معقول میں حضرت مجددؒ کا استاذ لکھا گیا ہے، (دیکھئے: طبع اول حین حیات حضرت منورویؒ ص ۱۸، طبع ثانی میرے والد ماجد ص ۱۷، طبع ثالث قاری عثمان صاحب بڑگاؤں ص ۱۸) مگر یہ درست نہیں ہے، دراصل علوم معقولہ میں آپ کے استاذ مولانا کمال الدین کشمیریؒ تھے، مولانا حسن کشمیریؒ نہیں، غالباً اسی اشتباہ میں یہ عبارت رقم ہوگئی، اور یہی غلطی بعد کے نسخوں میں بھی دہرائی جاتی رہی، مولانا حسن کشمیریؒ آپ کے استاذ نہیں بلکہ دیرینہ دوست تھے، اس پر حضرت مجددؒ کے تمام سوانح نگاروں کا اتفاق ہے، خود حضرت منورویؒ نے بھی حضرت امام مجددؒ کی غیر مطبوعہ سوانح ''امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ'' میں ان کو دوست ہی لکھا ہے، وہ قلمی مخطوطہ پہلی بار اس مجموعۂ سوانح وعلوم کے ساتھ شائع ہو رہا ہے، جو کا غذات کے دفینے میں گم تھا، اللہ پاک نے اس حقیر کو توفیق بخشی کہ اسے اس قیمتی خزانہ تک رسائی ملی، اور پھر اس کی تحقیق واشاعت کے اسباب پیدا فرمائے، فللہ الحمد والشکر۔ اوپر متن میں عبارت کی تصحیح کرتے ہوئے حضرت مؤلف کی وہی عبارت نقل کردی گئی ہے جو سوانح امام ربانی میں آپ نے تحریر فرمائی ہے (قلمی نسخہ سوانح حضرت امام ربانی ص ۱۰) اور مطبوعہ نسخہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

(۸۰۵) مولانا بدر الدین سرہندیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مقامات شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہ میں میں نے خود دیکھا ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ میرے بعد سترہ (۱۷) آدمی میری مثل اور میرے ہم نام پیدا ہونگے، ان سب کے آخر میں جو شخص بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزار سال کے بعد ظاہر ہوگا، وہ سب سے زیادہ بزرگ ہوگا (حضرات القدس ج ۲ ص ۱۹ ماخوذ از حضرت مجدد الف ثانی ص ۹۸ ۳ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسینؒ)۔

(۸۰۶) مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت شیخ نے فرمایا سبحان اللہ خواجگان نقشبندیہ سے ایک عزیز ہندوستان میں پیدا ہوگا، جو تمام اولیاء سے افضل ہوگا، لیکن افسوس کہ میں ان سے شرف ملاقات حاصل نہ کرسکوں گا، بعد ازاں ایک خط اپنی نیازمندی ومعذرت اور دعائے خیر کے لئے لکھ کر اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمن بدخشی کو دیا جو انہوں نے ۱۰۲۲ھ میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر پیش کیا، آپ نے ملاحظہ فرما کر شیخ موصوف==

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی آپ کی بشارت دی ہے، جیسا کہ امام سیوطیؒ کی اس حدیث شریف سے ظاہر ہے:

رجل يقال له صلة يدخل الجنة بشفاعته كذاو كذا.

(ترجمہ: ایک شخص ہوگا جس کو صلہ کہا جائے گا، اس کی سفارش سے اتنے اتنے یعنی بے شمار لوگ جنت میں داخل ہونگے)(۸۰۷)

== کے لئے دعا کی، اور فرمایا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام اولیاء کبار میں نظر آتا ہے (روضۃ القیومیہ ص ۴۳ ماخوذ از حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۹۹ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسینؒ)

اور بھی کئی بزرگوں سے ایسی بشارتیں منقول ہیں۔

(۸۰۷) روضۃ القیومیۃ میں اسی طرح ہے، حضرت منورویؒ نے غالباً اسی کتاب سے یہ روایت لی ہے (حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۲۹ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب)

لیکن اصل روایت اس طرح ہے جس کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے کتاب الزہد والرقاق میں اور ابن سعدؒ نے طبقات کبریٰ میں نقل کیا ہے:

أخبرنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر، قال: بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: » يكون في أمتي رجل يقال له: صلة بن أشيم، يدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا(دلائل النبوة للبيهقي ج 7ص 199 حديث نمبر: 2665 المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ)مصدر الكتاب :موقع جامع الحديث [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع]إعداد البرنامج وتركيبه: المفتي محمد عارف بالله القاسمي *الزهد ويليه الرقائق ج 1 ص 297 المؤلف: عبد الله بن المبارك بن واضح المرزوي أبو عبد الله الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء: 1 ⋆ الطبقات الكبرى ج7 ص 137المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: 230هـ)المحقق: إحسان عباس الناشر: دار صادر – بيروت الطبعة: 1-1968م عدد الأجزاء: 8

☆ مگر اس روایت میں پہلی بات یہ ہے کہ یہ متصل نہیں ہے، بلکہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے بلاغات میں سے ہے، یعنی ان تک یہ روایت پہونچی ہے، پہونچانے والے راویوں کے نام معلوم نہیں ہیں، جیسا کہ خود روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں صلہ سے مراد رابطہ یا سنگم نہیں ہے (جیسا کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے (دیکھئے: مقامات خیر ص ۵۶، ۵۷) بلکہ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ خود روایت میں ولدیت کی تصریح کے ساتھ ان کا نام آیا ہے، ان کا پورا نام ''ابوالصہباء صلۃ بن اشیم العدوی'' ہے، ابوالصہباء کنیت ہے، یہ قبیلۂ بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے، اور بصرہ کے رہنے والے تھے، اکابر تابعین میں سے تھے، امام بخاریؒ ==

اس حدیث شریف کو ابن سعدؒ نے عبدالرحمن بن یزید بن جابر سے روایت کیا ہے، اور لکھا ہے:

الحمد لله الذی جعلنی صلة بین البحرین و مصلحاً بین الفئتین ۔ (۸۰۸)

== ابن ابی حاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ان کا تذکرہ تابعین میں کیا ہے، جبکہ ابن شاہین اور سعید بن یعقوب نے ان کو زمرۂ صحابہ میں شمار کیا ہے، بڑے متقی اور صاحب کرامات بزرگ تھے، کتب تاریخ و روایات میں ان کی متعدد کرامات نقل کی گئی ہیں، مثلاً:

☆ ایک جنگ میں ان کا گھوڑا مر گیا، انہوں نے اللہ پاک سے دعا مانگی کہ پروردگار! راستے میں مجھے کسی کا دست نگر اور منت کش احسان نہ بنا، ان کی اس دعا سے وہ گھوڑا زندہ ہو گیا، آپ نے زین کسا اور اس پر سوار ہو کر گھر پہونچ گئے، گھر میں اپنے صاحبزادے سے کہا کہ گھوڑا کا زین نکال دو وہ میں نے کسی سے عاریت پر لیا تھا، زین نکالتے ہی گھوڑا گر پڑا اور مر گیا۔

☆ ایک بار کسی جنگل میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شیر غراتا ہوا آیا، وہ شاید بھوکا تھا، لیکن آپ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام کے بعد آپ نے شیر سے کہا کہ روزی کہیں اور جا کر تلاش کرو، وہ شیر واپس چلا گیا۔

ان کا وصال عراق پر حجاج کی گورنری کے ابتدائی ایام میں ۷۵ھ/ ۶۹۴ء میں ہوا، غالباً کابل میں قتل کر دیئے گئے، بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں انہوں نے انتقال فرمایا، جب کہ بعض اہل تاریخ کا بیان ہے کہ وہ سجستان میں ۳۵ھ/ ۶۵۵ء میں شہید کئے گئے، اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس (۱۳۰) سال تھی، گویا انہوں نے جاہلیت کا عہد بھی پایا تھا۔

آپ کی اہلیہ کا نام معاذہ بنت عبداللہ العدویہ (م ۸۳ھ/ ۷۰۲ء) تھا، وہ بھی بڑی زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں، وہ تابعات میں سے ہیں، بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایات آئی ہیں (**جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم ج 38 ص 28 المؤلف : ابن رجب الحنبلي المحقق : ماهر ياسين فحل ، وقد جعل تحقيقه للكتاب مجانا فجزاه الله خيرا مصدر الكتاب : موقع صيد الفوائد إعداد البرنامج : المفتي محمد عارف بالله القاسمي ★ الإصابة في معرفة الصحابة ج 2 ص 50 المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى : 852هـ ★ الوافي بالوفيات ج 5 ص 252**

المؤلف : صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى : 764هـ ★ ثقات ابن حبان ج 4 ص 383 المؤلف : محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى : 354هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب)

(۸۰۸) یہ حدیث نہیں ہے، بلکہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا قول ہے، جو خود انہوں نے اپنے بارے میں حضرت خواجہ معصومؒ کے نام ایک خط میں تحریر فرمایا ہے (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۶ دفتر دوم) اس جملہ میں "صلہ" سنگم اور رابطہ کے معنی میں ہے، حضرت مجددؒ نے اپنے کو صلہ قرار دیا یعنی شریعت و طریقت اور علماء ظاہر اور صوفیاء کے درمیان آپ کی شخصیت نقطۂ اتصال کی تھی، بس اس جملہ کا اتنا ہی مفہوم ہے، حضرت مجددؒ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مذکورہ بالا حدیث میں جس ==

(ترجمہ: اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان سنگم اور دو گروہوں کے مابین صلح کرانے والا بنایا)

اور یہ لقب اصحاب کے درمیان مشہور و معروف ہے، اور اکابر علماء زمانہ نے بھی اس حدیث کو ان کی ذات پر مسلم رکھا ہے۔

آپ کی ولادت باسعادت جمعہ کی آدھی رات میں ۱۴/ شوال المکرم ۹۷۱ھ (مطابق ۲۶/ جون ۱۵۶۴ء) کو ہوئی، اور وفات شریف آپ کی بروز سہ شنبہ وقت صبح بعد اشراق ۲۸/ صفر ۱۰۳۴ھ (مطابق ۳۰/ نومبر ۱۶۲۴ء) میں واقع ہوئی، عمر شریف آپ کی ترسٹھ (۶۳) سال کی گذری ہے، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے(۸۰۹)۔

(۲۵)

حضرت سیدنا عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ

آپ کا اسم مبارک محمد معصوم ہے، کنیت ابوالخیرات، لقب مجدد الدین اور حضرت عروۃ الوثقیٰ کے نام سے مشہور ہیں، آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تیسرے صاحبزادے ہیں، حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ خواجہ محمد معصوم ایشاں بر مابسیار مبارک آمد، جس سال آپ پیدا ہوئے، حضرت خواجہ (باقی باللہؒ) کی آستاں بوسی حاصل ہوئی، آپ کا لب مبارک تین (۳) سال کی عمر ہی میں کلمات توحید

== صلہ کا لفظ آیا ہے وہ رابطہ کے معنیٰ میں ہے اور اس کا مصداق میں ہوں، بلکہ بعد کے سوانح نگاروں نے محض صلہ کی لفظی مناسبت کی بنیاد پر از خود یہ نکتہ پیدا کیا کہ حضرت مجددؒ نے اپنے کو جو صلہ فرمایا ہے یہ وہی صلہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے، (دیکھئے مقامات خیر ص ۵۶، ۵۷ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ ☆ وحضرت مجدد الف ثانی ص ۳۹۷، ۳۹۸ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین صاحبؒ)

مگر جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ حدیث میں مذکور ''صلہ'' لغوی معنیٰ میں نہیں ہے، بلکہ ایک تابعی کا نام ہے جو پہلی صدی ہجری میں گذر چکے ہیں، جب کہ حضرت مجددؒ کے جملہ میں لفظ صلہ لغوی معنیٰ میں ہے۔ اس کا مذکورہ حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۰۹) تاریخ و تذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۲۰۵ تا ۳۹۶ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا مطبوعہ لاہور ☆ حضرات القدس ج ۱ ص ۲۶۵ مؤلفہ شیخ بدر الدین سرہندیؒ۔

سے آشنا ہو گیا تھا، اور آپ کہتے تھے:

زمیں منم، آسماں منم، ایں منم، آں منم، آں دیوار حق است، وآں اشجار حق۔

تین ماہ میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا، اور سولہ (۱۶) سال کی عمر میں علوم نقلی و عقلی سے فارغ ہو گئے، اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے، آپ کے پدر بزرگوار آپ کی اعلیٰ استعداد کی نسبت تعریف کرتے اور فرماتے کہ یہ لڑکا بالذات ولایت محمدیہ کی استعداد رکھتا ہے، محمدی المشرب اور محبوبوں میں سے ہے، خواجہ محمد معصوم کا حال نسبتوں کے حاصل کرنے میں صاحب شرح وقایہ کے حال کے مانند ہے، کہ صاحب شرح وقایہ کے جدامجد جو بھی مسئلہ تالیف کرتے صاحب شرح وقایہ اس کو یاد کر لیتے۔

آپ کی بے شمار کرامتیں ہیں، ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ آپ نے رمضان المبارک میں کبھی ماں کا دودھ نوش نہیں فرمایا، چنانچہ ایک مرتبہ ماہ رمضان میں رویت ہلال میں اختلاف واقع ہوا، حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ دریافت کرو کہ محمد معصوم نے آج دودھ پیا ہے کہ نہیں، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ نے دودھ نوش نہیں فرمایا، آپ نے کہا کہ آج رمضان شریف شروع ہو گیا۔

ولادت باسعادت آپ کی ۱۰/شوال ۱۰۰۷ھ (۷/مئی ۱۵۹۹ء) کو ہوئی، اور وفات شریف ۹/ربیع الاول ۱۰۷۹ء (۷/اگست ۱۶۶۸ء) کو واقع ہوئی، آپ نے السلام علیکم کہتے ہوئے جان شیریں جان آفریں کے سپرد کر دی، مزار مبارک آپ کا سرہند شریف میں ہے (۸۱۰)۔

(۲۶)

حضرت سیدنا خواجہ شیخ سیف الدینؒ

آپ حضرت خواجہ عروۃ الوثقیٰؒ کے پانچویں لڑکے ہیں، تھوڑی مدت میں قرآن شریف پڑھ کر کتب متداولہ میں مشغول ہو گئے، اور نسبت باطن لڑکپن ہی کے زمانے میں اپنے والد ماجد سے حاصل کی، آپ گیارہ (۱۱) سال کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار نے آپ کو فنائے قلبی اور ولایت صغریٰ کی بشارت دی، اور بالغ ہونے کے قبل ہی فنائے نفس اور ولایت کبریٰ کی بشارت سے نوازا، مرتبہ کمال و

(۸۱۰) انوار معصومیہ ص ۲۰ مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسینؒ ناشر ادارۂ مجددیہ کراچی ۱۹۸۹ء ☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۶۶۴ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا ☆ حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۳۱ تا ۳۶۵ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندیؒ)۔

تکمیل کے حاصل ہونے کے بعد شروع جوانی میں احکام شریعت اور دین ملت کے ازدیاد کے لئے آپ نے کوشش کرنی شروع کردی، سچ ہے آپ کے زمانہ میں دین وملت نے بہت زیادہ طراوت پائی، اور بدعت کا نام ناپید ہوگیا، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو آپ نے ایسے طریقے سے پھیلایا کہ اس سے پہلے کسی شیخ نے نہیں کیا تھا، یہاں تک کہ ان کے زمانہ میں ہندی بدعت شائع نہیں ہوئی، اسی سبب سے حضرت عروۃ الوثقیٰؒ نے آپ کو محتسب امت کے لقب سے سرفراز فرمایا، آپ کو ظاہری جاہ وجلال بھی بہت تھا، امراء وسلاطین دست بستہ آپ کے سامنے کھڑے رہتے تھے، جب تک اجازت بیٹھنے کی نہ ہوجائے مجال نہیں کہ آپ کے سامنے میں بیٹھ جائیں، ایک شخص کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ حضرت شیخ تکبر رکھتے ہیں، حضرت نے شرف باطن سے فرمایا کہ:

''تکبر ماظل کبریائی اوست جل جلالہ''

ولادت باسعادت آپ کی ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۹ء) میں اور وفات شریف ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ (۳۰ / اپریل ۱۶۸۵ء) کو واقع ہوئی، مزار مبارک آپ کا سرہند شریف میں ہے (۸۱۱)۔

(۲۷)

حضرت خواجہ سید نور محمد بدایونیؒ

آپ علم ظاہر وباطن کے جامع ہیں، سلطان اولیاء حضرت خواجہ شیخ سیف الدینؒ سے آپ نے مقامات سلوک حاصل کئے، اور حضرت خواجہ محمد محسنؒ کی خدمت میں جو کہ حضرت عروۃ الوثقیٰؒ معصوم ایشاں کے خلیفہ تھے، برسوں آپ نے فیض حاصل کیا ہے، آپ پر استغراق کا عالم طاری رہتا تھا اور پندرہ پندرہ (۱۵) سال تک یہ حال رہتا کہ نماز کے وقت استغراق میں تخفیف ہوجاتی، اور پھر مغلوب الحال ہوجاتے، لقمہ میں آپ بہت زیادہ احتیاط رکھتے، کئی کئی دن کا کھانا پکا کر اپنے ساتھ رکھ لیتے اور بھوک پیاس کے وقت اسی سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا تناول فرمالیا کرتے، کثرت مراقبہ سے پشت مبارک آپ کی خم ہوگئی تھی، فرماتے تیس (۳۰) سال سے کھانے کی طرف رغبت نہیں ہے، ضرورت کے وقت جو دل چاہتا ہے کھالیتا ہوں، وفات شریف آپ کی ۱۱ / ذی قعدہ ۱۱۳۵ھ (مطابق ۱۳ / اگست ۱۷۲۳ء) کو

(۸۱۱) حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ ص ۳۷۴ تا ۳۸۲ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندیؒ ☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ دہلی ص ۵۵ تا ۹۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا۔

واقع ہوئی، مزار مبارک شہر دہلی سے باہر حضرت محبوب الہیؒ کے جوار میں نواب اکرم خان کے باغ میں واقع ہے(۸۱۲)۔

(۲۸)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ

اسم مبارک جان جاناں، لقب شمس الدین حبیب اللہ تخلص مظہرؔ ہے، آپ مرزا جانؒ کے صاحبزادے ہیں، آپ علوی نسب، روحانی حسب، فخر اولیاء اور زبدۃ اصفیاء دہر ہیں، نسب شریف آپ کا اٹھائیس واسطے سے بتوسط محمد بن حنفیہ امیر المؤمنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے، آپ کے دادا امیر کمال الدین آٹھویں صدی ہجری میں طائف سے ترکستان تشریف لے گئے، اور وہیں کسی حاکم کی کنواری لڑکی سے شادی کر لی، یہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا، آپ کے والد ماجد حضرت خواجہ مرزا جانؒ نے جاہ وحشمت اور منصب شاہی کو چھوڑ کر فقیری اختیار کر لی، اور اپنے تمام اسباب وجاہ وحشم کو راہ خدا میں خرچ کر دیا، اور وہاں سے اکبر آباد کی جانب چل پڑے، اثنائے راہ ہی میں جمعہ کے دن رمضان المبارک کے مہینہ میں ۱۱۱۱ھ (مطابق یکم مارچ ۱۷۰۰ء) بمقام کالا باغ آپ کی پیدائش ہوئی۔

واقعۂ وفات شریف اس صورت ہے کہ ۷/ محرم روز چہار شنبہ ۱۱۹۵ھ (مطابق ۲/ جنوری ۱۷۸۱ء) کی رات میں جب کہ رات کا کچھ حصہ گذر چکا تھا، چند آدمی آپ کے دروازے پر آئے اور دستک دی، خادم نے جا کر عرض کیا کہ چند آدمی آپ کی زیارت کے لئے آئے ہوئے ہیں، حکم ہوا، بلاؤ، تین آدمی اندر داخل ہوئے، ایک ان میں سے دایت زادہ کا مغل تھا، اس نے پوچھا کہ کیا آپ ہی حضرت مرزا جان جاناں ہیں، فرمایا، ہاں، دوسرے دونوں شخصوں نے کہا، ہاں، مرزا جان جاناں یہی ہیں، پس اس بدبخت نے ایک گولہ طبانچہ کا مارا، جو آپ کے پہلوئے چپ پر قریب دل کے لگا، چونکہ آپ ضعیف اور بوڑھے تھے، درد کی شدت سے پریشان ہو گئے، اور غشی آ گئی، اور خاک وخون میں تڑپنے لگے، اسی حالت میں آپ نے اپنا دیوان پڑھنا شروع کیا:

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریرے

(۸۱۳) خزینۃ الاصفیاء ج ۳ ص ۲۲۶، ۲۲۷ مؤلفہ مفتی غلام سرور☆ تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ دہلی ص ۱۲۷ تا ۱۳۹ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا۔

کہ ایں مقتول راجز بے گناہی نیست تقصیرے

نہا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

زخم دل مظہرؔ مبادا بہ شود ہشیار باش
کیں جراحت یادگار ناوک مژگان اوست

تیسرے دن نماز مغرب کے وقت سنیچر کی رات میں دسویں محرم ۱۱۹۵ھ (مطابق ۶ /جنوری ۱۷۸۱ء) کو اپنے جد بزرگوار حضرت سیدنا امام حسینؓ کے مانند جان شیریں کو راہ مولیٰ میں نثار فرما کر شربت شہادت نوش فرمایا، مزار مبارک شہر دہلی میں حضرت مجددیہ مظہریہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خانقاہ شریف میں ہے (یہ خانقاہ آپ ہی کے نام پر خانقاہ مظہریہ کہلاتی ہے)(۸۱۳)۔

(۲۹)

حضرت خواجہ شاہ غلام علیؒ

آپ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے سجادہ نشیں اور بڑے خلفاء میں سے ہیں، آپ کا نسب شریف حضرت سیدنا اسد اللہ غالب علی بن ابی طالبؓ تک پہونچتا ہے، آپ کے والد بزرگوار حضرت خواجہ سید عبد اللطیف اہل مجاہدہ ومرد باریاضت تھے، آپ کھانے کی جگہ پر صرف ساگ کھا کر اکتفا کرتے اور صحرا میں ذکر جہر کیا کرتے، آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ میں حضرت خواجہ شاہ ناصر الدینؒ کے مرید تھے، ایک دن آپ کے والد حضرت خواجہ عبد اللطیف نے مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں دیکھا، آپ فرما رہے تھے کہ عبد اللطیف تجھ کو ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام میرے نام پر ''علی'' رکھنا، اسی زمانہ میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی خواب میں حضرت محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو دیکھا، آپ نے آپ کی والدہ کو بشارت دی کہ تجھ کو لڑکا پیدا ہوگا، جس کو میرے نام پر عبد القادر نام رکھنا، جب آپ پیدا ہوئے تو آپ کے والد نے مطابق بشارت آپ کا نام علی اور والدہ نے

(۸۱۳) تذکرہ وتاریخ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی ص ۱۴۳ تا ۱۹۰ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا۔

عبدالقادر اور آپ کے عم بزرگوار ایک مرد بزرگ تھے اور ایک ماہ میں قرآن شریف حفظ فرمایا تھا، انہوں نے مطابق حکم سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آپ کا نام عبداللہ رکھا، جب آپ تمیز کو پہونچے تو اپنے کو "غلام علی" مشہور کیا۔

آپ کے والد ماجد نے آپ کو اپنے پیر سے بیعت کرانے کے لئے جو صحبت دار حضرت خضر علیہ السلام کے تھے، وطن سے بلایا جس رات کو آپ وہاں پہونچے ان بزرگ کا اسی رات میں کہ گیارہ (۱۱) رجب کی تھی انتقال ہوگیا، آپ کے والد بزرگوار نے فرمایا کہ میں نے تم کو بیعت کے لئے بلایا تھا، لیکن تمہاری تقدیر میں نہیں تھا، اب جہاں جی چاہے بیعت کرلو، ۱۱۸۰ھ میں جب آپ کی عمر شریف بائیس (۲۲) سال کی تھی، حضرت سیدنا خواجہ مرزا جان جاناں شہیدؒ کی خانقاہ شریف پہونچے۔ بیت

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سرزمینے بود منظور آسمانے یافتم

بیعت کا استدعا کیا ہے، آپ نے فرمایا، جہاں تمہارا ذوق وشوق اجازت دے وہاں بیعت کرلو، اس جگہ سنگ بے نمک چاٹنا ہے، عرض کیا، مجھ کو یہی منظور ہے، فرمایا، مبارک ہو، اور بیعت کرلی۔

ولادت باسعادت آپ کی ۱۱۵۸ھ (۱۷۴۵ء) میں ضلع پنجاب کے موضع پٹیالہ میں واقع ہوئی، اور وفات شریف ۲۲/صفر روز شنبہ ۱۲۴۰ھ (مطابق ۱۶/اکتوبر ۱۸۲۴ء) کو ہوئی، مزار مبارک آپ کا شہر دہلی میں خانقاہ میں پیر صاحب کے پہلو میں ہے (۸۱۴)۔

(۳۰)

حضرت خواجہ شاہ ابوسعیدؒ

آپ صاحبزادے ہیں حضرت خواجہ صفی القدر بن خواجہ عزیز القدر بن حضرت خواجہ سلطان الاولیاء شیخ سیف الدینؒ کے، آپ کی ولادت دوسری ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ (مطابق ۹/اکتوبر ۱۷۸۴ء) کو مصطفیٰ آباد عرف رام پور میں ہوئی، ایام طفلی ہی سے آثار **السعيد من سعد في بطن أمه** (۸۱۵)، آپ کی

(۸۱۴) تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندی دہلی ص ۳۲۵ تا ۳۵۳ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا۔

(۸۱۵) المعجم الكبير ج3 ص 176 حديث نمبر: 3041 المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر: مكتبة العلوم والحكم – الموصل الطبعة الثانية، 1404 – 1983 تحقيق: حمدي بن عبدالمجيد السلفي عدد الأجزاء: 20

جبین مبارک سے ظاہر تھے، آپ ظاہری و باطنی علوم کے جامع تھے، آپ اپنے والد کی اجازت سے قبلۂ عالم حضرت خواجہ محمد زبیرؒ کی خانقاہ شریف پہونچ کر خاندان قادریہ عالیہ کی نسبت حاصل کر کے خلیفۂ خاص کی خلعت سے سرفراز ہوئے، اس کے بعد عالی جناب قطب الاقطاب غوث شیخ وشاب حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر تمام مقامات عالیہ نقشبندیہ کو طے فرما کر خلیفۂ اعظم اور جانشین اپنے پیر بزرگوار کے ہوئے۔

پیر روشن ضمیر کے وصال کے دس سال بعد ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۳ء) میں آپ عازم حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً ہوئے، محرم کے مہینہ میں ایک شدید مرض میں مبتلا ہو کر اسی حال میں زیارت حرمین شریفین اور ہزاروں فتوحات وفیوضات حاصل کر کے گھر کی طرف لوٹے، ۲۲/ رمضان المبارک کو شہر ٹونک میں داخل ہوئے، اس جگہ مرض بہت زیادہ ترقی کر گیا، یہاں تک کہ آٹھ دن بعد عید الفطر کے دن ۱۲۵۰ھ (مطابق ۳۱/ جنوری ۱۸۳۵ء) کو اس دنیائے ناپائیدار سے آپ کوچ فرما گئے، غسل اور جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے منجھلے صاحبزادے حضرت خواجہ شاہ عبد الغنیؒ آپ کی نعش مبارک صندوق میں رکھ کر چالیس (۴۰) روز کے بعد دہلی لے آئے اور حضرت خواجہ شاہ غلام علیؒ کے پہلو میں دفن کیا (۸۱۶)۔

(۳۱)

حضرت خواجہ شاہ احمد سعیدؒ

آپ کا اسم شریف احمد سعید اور لقب سراج الاولیاء اور کنیت ابو المکارم ہے، آپ حضرت خواجہ شاہ ابو سعیدؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں، حضرت خواجہ شاہ غلام علیؒ آپ کو لڑکا کہا کرتے تھے اور آپ ان کے خلیفہ بھی ہیں، پندرہ (۱۵) سال تک حضرت خواجہ شاہ غلام علیؒ کی خدمت بابرکت میں فیضیاب رہے، حضرت خواجہؒ کی مفارقت کے بعد آپ اپنے والد ماجد سے فیض پاتے رہے، جب آپ کے والد بزرگوار کا وصال ہو گیا تو آپ ان کے قائم مقام اور سجادہ نشیں ہوئے، ہند، خراسان، بلخ، بدخشاں تک کے طالبان حق آپ کے دربار میں حسب حوصلہ فائدہ اٹھاتے تھے۔

(۸۱۶) مقامات خیر ص ۷۵ تا ۷۸ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابو الحسن فاروقیؒ۔

ماہ محرم ۱۲۷۴ھ (مطابق اگست ۱۸۵۷ء) میں ہند سے ہجرت فرما کر آپ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے، اور وہاں کے لوگوں کو فیض پہونچایا۔

آپ کی پیدائش ربیع الثانی کی پہلی تاریخ ۱۲۱۷ھ (مطابق ۳۱/ جولائی ۱۸۰۲ء) کو رام پور میں ہوئی، (اور وفات ۲/ ربیع الاول ۱۲۷۷ھ مطابق ۱۸/ ستمبر ۱۸۶۰ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی) عمر شریف آپ کی ساٹھ (۶۰) برس تھی، اور مسند ارشاد پر آپ اٹھائیس (۲۸) سال تک جلوہ افگن رہے، مزار مبارک آپ کا مدینہ طیبہ میں حضرت امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنیؓ کے مزار شریف کے بغل میں واقع ہے۔(۸۱۷)

(۳۲)

حضرت خواجہ شاہ محمد عمرؒ

آپ حضرت خواجہ شاہ احمد سعیدؒ کے منجھلے صاحبزادے ہیں، تمام مقامات عالیہ نقشبندیہ مجددیہ وعالیہ قادریہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں رہ کر طے کئے، حضرت سراج الاولیاء اور لڑکوں سے زیادہ آپ کی رعایت کرتے تھے، آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے تولد کے قبل خواب میں دیکھا کہ میرے گھر میں مہتاب نکلا ہے، حضرت سراج الاولیاءؒ نے اس خواب کی تعبیر آپ کی والدہ ماجدہ کو بتلائی کہ تمہارے گھر میں مہتاب جیسا لڑکا پیدا ہوگا، حضرت سیدنا خواجہ باقی باللہؒ نے خواب میں آپ کو اپنی فرزندی میں لینے کا شرف بخشا تھا۔

ولاایں بشارت نشاید نہفت　　　　که فرزند خود خواجہ باقیش گفت

ولادت باسعادت آپ کی ۶/ شوال المکرم ۱۲۴۴ھ (مطابق ۱۰/ اپریل ۱۸۲۹ء) کو خانقاہ شریف میں ہوئی، اور وفات شریف ۲/ محرم روز یکشنبہ ۱۲۹۸ھ (مطابق ۴/ دسمبر ۱۸۸۰ء) کو واقع ہوئی، تاریخ وصال اس مصرعہ سے نکلتی ہے:

ع　　یوم یکشنبہ دوم شہر محرم آہ آہ

مزار مبارک آپ کا رام پور میں حضرت سیدنا خواجہ حافظ جمال اللہؒ کے چبوترہ پر واقع ہے(۸۱۸)۔

---

(۸۱۷) مقامات خیر ص ۸۸ تا ۱۱۳۔

(۸۱۸) تفصیل کے لئے دیکھئے مقامات خیر ص ۱۱۴ تا ۱۴۷۔

(۳۴)

حضرت سیدنا ومولانا شاہ محی الدین ابوالخیر فاروقیؒ

آپ کی پیدائش شاہ جہاں آباد میں حضرت مجددیہ مظہریہ کی خانقاہ شریف میں بوقت سعید تاریخ ۲۷/ربیع الاول ۱۲۷۲ھ (مطابق ۶/جنوری ۱۸۵۶ء) واقع ہوئی، آپ کا قطعۂ تاریخ پیدائش حسب ذیل ہے:

چو ابوالخیر شدہ نور فلگن مہر بنیاد چراغ نبوی
سال میلاد عمر خواست زدل کردار شاد چراغ نبوی

آپ چار پانچ سال کے تھے کہ حضرت سراج الاولیاء جدامجد سے اپنے شرف بیعت حاصل کر کے خلافت خاصہ سے سرفراز ہوئے، آپ کے جدامجد آپ کو اور پوتوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، نو (۹) سال کی عمر میں آپ حفظ قرآن شریف کر کے تحصیل علم میں مشغول ہوگئے، کتب درسیہ کی تعلیم اکابر علماء وقت سے جو اس وقت حرمین شریفین میں تھے، مثلاً مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، ومولانا مولوی سید حبیب الرحمن صاحب مہاجر مکیؒ، وحضرت مولانا سبط احمد صاحب مکیؒ سے حاصل کی اور تصوف کی کتابیں آپ نے اپنے والد معظم اور عم مکرم حضرت مولانا شاہ محمد مظہرؒ سے اور کتب احادیث حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی ثم المدنیؒ سے پڑھیں، اور علوم ومعارف توحید اپنے پدر بزرگوار سے حاصل کر کے اجازت مطلقہ وخلافت عامہ سے سرفراز ہوئے، اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں آپ بڑے بڑے علماء وفضلاء کے مرجع قرار پا گئے تھے، آپ کی ذات علوم عقلیہ ونقلیہ کی جامع قرار پائی۔

سالہا بردند مرداں انتظار تا یکے را یار باشد صد ہزار

۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) میں آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ مصطفیٰ آباد تشریف لائے اور چھ (۶) ماہ کے بعد آپ کے والد ماجدؒ کا وصال ہوگیا، اور آپ ان کے قائم مقام اور جانشین بنے، لوگوں سے بے تعلقی اور حکومت میں رہ کر ریاضت ومجاہدات میں مشغول ہوئے، جب آپ مرتبۂ اعلیٰ پر پہونچے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے (بطریق الہام) آپ کو مدینہ طیبہ جانے کی اجازت دی، آپ وہاں گئے، مدینہ منورہ میں آپ کو بے انتہا و بے حساب ترقی حاصل ہوئی، اور طالبان خدا ہر طرف سے

آپ کے یہاں آنے لگے، یہاں تک کہ شریف مدینہ حضرت خالدؓ بھی آپ کے مرید ہوگئے، شریف مدینہ کے مرید ہونے سے آپ کی بہت زیادہ شہرت ہوگئی، تو آپ نے شریف مدینہ سے فرمایا کہ آپ کو میرے یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے، میں غائبانہ توجہ آپ کو دوں گا۔

چند مدت کے بعد بحکم سید المرسلین وخاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ہندوستان چلے آئے، اور دہلی میں مجددیہ مظہریہ خانقاہ شریف میں رونق افروز ہوئے، دور دراز کے طالبان حق آپ کی غلامی سے مشرف ہوئے، اور حسب استعداد کمالات عظمیٰ پر پہونچے، چھتیس (۳۶) سال سجادہ نشیں رہے۔

۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۱ھ (مطابق ۱۶/فروری ۱۹۲۳ء) میں وصال فرمایا، بروز شب جمعہ مزار مبارک بہ پہلو سراج الاولیاء واقع ہے، دہلی خانقاہ مجددیہ مظہریہ میں (۸۱۹)۔

شاہ ابوالخیر بصد خیر بشیر جنت — رفتی و دیدۂ پر از خون بفراقت کردیم

تاریخ وفات درعربی: — **رضی اللہ جل وعلا عنہ (۱۳۴۱ھ)**

مظہر حق قامت دلجوئی تو — دیدہا محو رخ نیکوئی تو

اے ہلال عید جود ابروئے تو — چشم امید مریداں سوئے تو

مفلسانم آمدہ در کوئے تو — شیئاً للہ از جمال روئے تو

❁ ❁ ❁

(۸۱۹) مقامات خیر ص ۱۵۲ تا ۵۶۹ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ۔

اذکارواشغال کا بیان

سرلطائف سے مقصود وصول الی اللہ اور دوام حضور ہے، مشائخ کرام نے ابتداء میں دوطریقے ذکر کے رکھے ہیں: اول اسم ذات، دوسرے نفی اثبات، طریقہ اسم ذات کا یہ ہے کہ دوزانو بیٹھ کرتین بار استغفار اور تین بار **اللهم حرق قلبي بنار عشقك** کر کے لطیفۂ قلب کی طرف متوجہ ہو، اور خیال کرے کہ دل سے اللہ اللہ نکلتا ہے، اور اس خیال کے وقت زبان یا کسی عضو کو حرکت نہ دے، اسی طریقہ سے صبح وشام ذکر کرے، مگر اس خیال سے کسی وقت غافل نہ ہو، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے یہی خیال رہے، اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ تمام کام چھوڑ دے، ہمارے حضرت مولانا سید شاہ بشارت کریم صاحبؒ نے فرمایا: ایں ہم کن وآں ہم کن تا غلبہ کرا باشد، اس خیال کی مواظبت میں کوشش کرے پھر غلبہ حال یا تو سب کام چھڑا دے گا یا یکبارگی ایسی عنایت ایزدی ہوگی کہ کوئی کام اس خیال کو مانع نہ ہوگا، اور خلوت در انجمن کا مدعا حاصل ہوگا، جب قلب جاری ہوجائے تو اسی طرح لطیفۂ دوم کی طرف متوجہ ہواور دھیان کرے کہ روح سے اللہ اللہ نکلتا ہے، اور اسی خیال میں محو ہوجائے، یعنی بغیر خیال اس سے ذکر جاری ہوجائے تو لطیفۂ سر کی طرف متوجہ ہواور اسی طرح ذکر کرے، پھر لطیفۂ خفی سے، اس کے بعد لطیفۂ اخفیٰ سے، پھر لطیفۂ نفس سے ذکر کرے، پھر لطائف اربعہ عناصر پر نوبت پہونچے تو خیال کرے کہ تمام اعضاء بلکہ ہر بن مو سے اللہ اللہ نکلتا ہے، حضرات نقشبندیہ کی اصطلاح میں اسے سلطان الاذکار کہتے ہیں۔

لطائف کا رنگ اور مقام

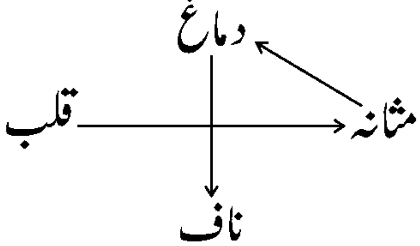
صفائی لطیفہ کی علامت بزرگوں نے یہ لکھی ہے، کہ اس لطیفہ کا نور سالک پر ظاہر ہوجائے، اور ہر ایک کا نور جدا رنگ رکھتا ہے، قلب کا نور زرد مثل نور چراغ کے، روح کا نور سرخ، سر کا نور سفید، خفی کا نور سیاہ، اخفیٰ کا نور سبز، اور نفس کا نور بے کیف ہے۔

لطیفۂ قلب بائیں پستان کے دوانگل نیچے، اور لطیفۂ داہنے پستان کے دوانگل نیچے، اور لطیفۂ سر بائیں پستان کے دوانگل اوپر، اور لطیفۂ خفی داہنی پستان کے دوانگل اوپر، اور لطیفۂ اخفیٰ بیچ سینہ کے، لطیفۂ سر اور لطیفۂ اخفیٰ کے اوپر پانچوں لطیفے عالم امر کے ہیں۔

طریقۂ نفی اثبات

لا کو ناف سے اٹھا کر دماغ تک لے جائے اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پر لائے اور الا اللہ کی ضرب دل پر لگائے، مگر یہ سب خیال سے کرے، جسم کو حرکت نہ ہو تا کہ صورت خیالیہ معکوس ہو جائے۔

اس کی شکل یہ ہے



وقت نفی کے ماسوا کی نفی اور وقت اثبات کے اس ذات مطلق کا اثبات کرے، اس ذکر کو حبس دم کے ساتھ کرتے ہیں، اور بغیر حبس دم کے بھی کرتے ہیں، اگر حبس دم کے ساتھ کرے تو سانس کو ناف کے نیچے روک لے، مگر ہر ایک سانس میں عدد طاق کا خیال رکھے، اور سانس چھوڑتے وقت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان خیال سے کہے، حضرات نقشبندیہ حبس دم کو ذکر میں ضروری نہیں کہتے، البتہ بہت مفید بتاتے ہیں، حضرات نقشبندیہ کے نزدیک تعداد نفی اثبات کی تین سو (۳۰۰) مرتبہ ہے، اور تعداد اسم ذات کی ۲۴ ہزار مرتبہ ہے۔

حضرت مولانا سید شاہ غلام علی نقشبندی مجددیؒ اور ان کے خلفاء نے اختصار کی غرض سے بعد طے کرنے لطیفۂ قلب کے لطیفۂ نفس کی سیر کو قائم رکھا، اور ارشاد فرمایا کہ اور لطائف اس کے اندر طے ہو جاتے ہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے، اور جب وہ خراب ہوتا ہے، تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے، اور وہ ٹکڑا قلب ہے۔

عالم امر اور عالم خلق - لطائف عشرہ

دائرۂ امکان دو حصوں میں منقسم ہے، ایک حصہ عرش اعظم کے اوپر اور ایک حصہ اس کے نیچے، اوپر والے حصہ کا نام عالم امر ہے، اور نیچے والے حصہ کا نام عالم خلق ہے، عالم امر صرف حکم الٰہی سے

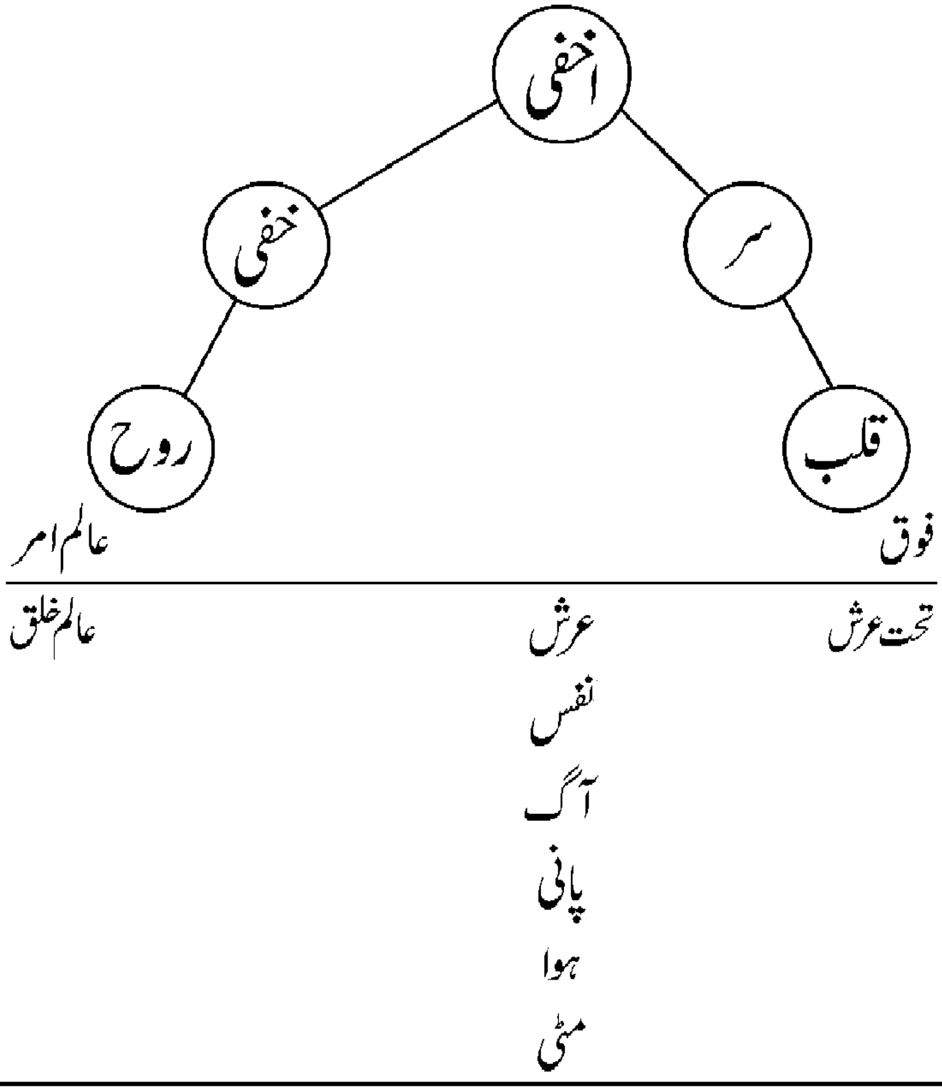
یکبارگی پیدا ہو گیا، اور عالم خلق بتدریج آہستہ آہستہ پیدا ہوا، عالم امر محض لطیف اور نورانی اور عالم خلق کثیف اور ظلماتی ہے۔

خدائے تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات اور مظہر اتم اس طرح بنایا کہ دس چیزیں مختلف جوان دونوں عالموں میں ہیں۔ ان سب کا خلاصہ اس میں رکھ دیا، ان میں پانچ چیزیں تو عالم امر کی ہیں: قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔ اور پانچ چیزیں عالم خلق کی ہیں: نفس، آگ، پانی، ہوا، مٹی، ان سب کو حضرات نقشبندیہ کی اصطلاح میں لطائف عشرہ کہتے ہیں۔

اکابر نقشبندیہ نے جو اپنے کشف سے بائیس (۲۲) مقامات قرب معلوم کئے ہیں، اور ہر ایک مقام کو دائرہ کہتے ہیں، ان میں سے دائرۂ امکان کا اول مقام ہے، ان لطائف خمسہ کا جدا جدا طے کرنا اور اس کے بعد لطیفۂ نفس کی سیر کرنا اور پھر لطائف اربعہ عناصر پر عبور کرنا جس کو سلطان الاذکار کہتے ہیں۔

لطائف خمسہ کی شکل

دائرۂ امکان



''بیان مراقبات''

مراقبۂ اول مراقبۂ لطیفۂ قلب

اپنے قلب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قلب مبارک کے روبرو خیال کر کے سرکار فیاض سے التجا کرے کہ الٰہی! تیری تجلی افعال کا فیض جو قلب مبارک حضور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ سے حضرت آدم علیہ السلا مکے قلب میں پہونچا ہے، وہ اس عاجز کے قلب میں پہونچے اور اس کے انتظار میں محو ہو جائے، کثرت ذکر اور اس مراقبہ کی زیادتی سے اگر فضل ایزدی ہوا تو فنائے قلب تجلی افعال میں ہوگی، یعنی یہ حالت ظاہری ہوگی کہ اپنے اور تمام جہان کے افعال کو اس وحدہ لاشریک لہ کا فعل جانے گا، اور کسی کا فعل اس کی نظر میں نہ رہے گا۔

لطیفۂ قلب سے فنائے لطیفہ نفس بھی ہوتی ہے۔

مراقبۂ دوم مراقبۂ لطیفۂ رُوح

لطیفۂ رُوح کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح منور کے روبرو خیال کر کے اس فیاض سرکار سے التجا کرے کہ الٰہی صفات ثبوتیہ کے انوار جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روح مبارک کے ذریعہ سے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی روح کو پہونچے ہیں، وہ میری روح کو مرحمت ہو۔

لطیفۂ روح سے لطیفۂ باد بھی طے ہوتا ہے۔

مراقبۂ سوم مراقبۂ لطیفۂ سر

لطیفۂ سر کو تعلق شیونات ذاتیہ الٰہیہ اور موسیٰ علیہ السلام سے ہے، اس لئے بطور سابق شیونات ذاتیہ کا فیض اپنے لطیفۂ سر میں آتا ہوا خیال کرے، شیونات ذاتیہ وہ صفات ہیں جن کی مناسبت بندوں کی صفات میں نہیں ہے، مثلاً شان معبودیت، شان قدوسیت جب اس لطیفہ کی سیر نصیب ہوتی ہے، تو سالک اپنے آپ کو فنافی اللہ پاتا ہے، کہ وہ مقام ہے کہ بعض وقت انا الحق زبان سے نکلتا ہے۔

لطیفۂ سر اور لطیفۂ آب کی اصل ایک ہے۔

مراقبۂ چہارم مراقبۂ لطیفۂ خفی

لطیفۂ خفی کو تعلق صفات سلبیہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے، اس لئے بطور سابق صفات سلبیہ کا فیض اپنے لطیفۂ خفی میں آتا ہوا خیال کرے۔

لطیفۂ خفی سے لطیفۂ آتش بھی طے ہوتا ہے۔

مراقبۂ پنجم مراقبۂ لطیفۂ اخفیٰ

لطیفۂ اخفیٰ کو تعلق شان جامع اور حضور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، اس لئے بطور مذکور شان جامع کا فیض اپنے لطیفۂ اخفیٰ میں آتا ہوا خیال کرے۔

لطیفۂ اخفیٰ اور لطیفۂ خاک کی اصل ایک ہے۔

مراقبۂ احدیت

مراقبۂ احدیت دائرۂ امکان میں ہے، مراقبۂ احدیت کی نیت کر کے آنکھ اور منہ بند کر کے یہ نیت کر کے انتظار میں بیٹھنا چاہئے کہ اس ذات پاک احدیت سے جو بے مثل و یکتا ہے، تمام صفات کمال اس میں موجود ہیں، اور جمیع نقائص سے منزہ و پاک ہے، فیض آتا ہے، مراقبہ کے وقت کوئی ذکر قلبی یا لسانی نہیں کرنا چاہئے، سارا خیال دل کی طرف رہے اور دل کا خیال ذات پاک احدیت کی طرف، کاسۂ دل کو بندہ پیش کر رہا ہے، تا کہ جل شانہ اس فقیر کے کاسۂ دل میں انوار و تجلیات بھر دے، اس مراقبہ میں فیض لطیفۂ قلب پر آتا ہے۔

شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آل محمد

و علیٰ آل سیدنا محمد افضل صلواتك بعدد معلوماتك و بارك و سلم علیه

یا الٰہی احمد خیر الوریٰ کے واسطے
سرور عالم امام الانبیاءؑ کے واسطے

جاں نثار و یار غار و جانشین مصطفیٰ
حضرت صدیق اکبرؓ باصفا کے واسطے

واقف اسرار ایزد داخل آل رسول
فارسی سلماںؓ صحابی مقتدا کے واسطے

نور عین حضرت صدیق ہادیٔ جہاں
حضرت قاسمؒ امام الاصفیاء کے واسطے

نور چشم مصطفیٰ و مرتضےٰ و فاطمہ
حضرت صادقؒ امام الاتقیاء کے واسطے

نیر بسطام سلطان و امام العارفیں
عاشق حق بایزیدؒ رہنما کے واسطے

شیخ الاسلام اور پیر شیخ الاسلام ہرات
خرقانیؒ بوالحسن نور الہدیٰ کے واسطے

پیر مولانا غزالیؒ فارمد کے آفتاب
بوعلیؒ شیر نیستان ہدیٰ کے واسطے

یوسف ہمدانیؒ محبوب رب العالمیں
آفتاب چرخ ہمداں پرضیا کے واسطے

خواجہ عبدالخالقؒ مرشد امام خواجگاں
غجدوانیؒ شمع بزم اولیاء کے واسطے

کاشف انوار ایزد سرو باغ ریوگر
خواجہ عارفؒ مرشد بااتقیا کے واسطے

زینت انجیر فغنہ خواجہ محمودؒ ولی
رازدان سر خاص کبریا کے واسطے

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنیؒ
بادشاہ ملک تسلیم و رضا کے واسطے

خواجہ بابائے سماسیؒ پیشوائے کاملاں
شاہ باز اوج عرفان خدا کے واسطے

سید عالی نسب خورشید برج مکرمت
حضرت میر کلالؒ پر ضیا کے واسطے

حضرت خواجہ بہاء الدینؒ جناب نقشبند
تاجدار اولیاء مشکل کشا کے واسطے

شمع دیں خواجہ علاء الدین عطارؒ ولی
قطب ارشاد ہدایت رہنما کے واسطے

خواجۂ یعقوب چرخیؒ آبروئے خانداں
عالم علم حقیقت پیشوا کے واسطے

حضرت خواجہ عبیداللہؒ احرارش لقب
ناصر دین نبی شمس الضحیٰ کے واسطے

خواجہ مولانا محمد زاہدؒ عالی مقام
واصل حق الیقیں نجم الہدیٰ کے واسطے

عارف بے مثل درویش محمدؒ محوذات
عاشق حق کشتۂ حب خدا کے واسطے

خواجۂ دیں خواجگی خورشید شہر امکنہ
ماہ کامل ہادئ شاہ وگدا کے واسطے

شہ رضی الدین خواجہ باقی باللہؒ امام
فانی اندر ذات پاک کبریاء کے واسطے

شہ مجدد الف ثانی شیخ احمدؒ نورحق
نائب حضرت محمد مصطفیٰؐ کے واسطے

عروۃ الوثقیٰ جناب حضرت ایشاں لقب
خواجۂ معصوم محبوب خدا کے واسطے

خواجہ سیف الدیں محمدؒ رہبر دنیا ودیں
قطب عالم بادشاہ اولیا کے واسطے

خواجۂ نور محمدؒ سید عالی نسب
قبلۂ دیں تاجدار اتقیاء کے واسطے

شاہ شمس الدیں حبیب اللہ مظہر جان جاںؒ
غوث عالم وارث دین ہدیٰ کے واسطے

رہبر راہ حقیقت شاہ عبداللہ علیؒ
قطب ارشاد خلائق باخدا کے واسطے

ابر فیضان الٰہی چشمۂ جود وکرم
بوسعید احمدیؒ بدرالدجیٰ کے واسطے

قطب عالم حضرت احمد سعید احمدیؒ
آفتاب چرخ ارشاد وہدیٰ کے واسطے

پیرومرشد حضرت شاہ عمرؒ غوث جہاں
مظہر حق نائب خیرالوریٰ کے واسطے

شہ محی الدین عبداللہ ابوالخیر ولیؒ
بوبلال وزید وسالم مقتدا کے واسطے (۸۲۰)

یاالٰہی کرعطا دارین میں ہردم فلاح
حضرت حاجی دوست محمدؒ رہنما کے واسطے

مجھ کو اور احباب کو میرے ہدایت کر نصیب
حضرت عثمان داماںؒ پر ضیا کے واسطے

امت احمدؐ کی کردے مغفرت از فضل خویش
وہ سراج الدینؒ مرد باخدا کے واسطے

نام کو ہے جس کے نسبت باغلام باحسینؒ
مغفرت فرما خدا اس پیشوا کے واسطے

سوز دل اور استقامت بہر شریعت کر عطا

---

(۸۲۰) یہاں تک پورا شجرۂ منظومہ (ایک شعر کا استثنا کر کے) بعینہ وہی ہے جو خانقاہ مظہریہ دہلی سے حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ کا تیار کردہ شجرۂ منظومہ ''روض الازہار فی ذکر الاخیار'' میں شائع ہوا ہے، اور روض الازہار کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے اس پر سن اشاعت ۱۳۴۴ھ (مطابق ۱۹۲۵ء) درج ہے، یعنی حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے وصال کے صرف دو سال بعد یہ کتاب شائع ہوئی، اس وقت حضرت مولانا بشارت کریم گڑھلویؒ باحیات تھے، اور حضرت منورویؒ کا روحانی ارتباط ان سے قائم نہیں ہوا تھا، اور نہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی دہلویؒ خانقاہ مظہریہ کے سجادہ نشیں ہوئے تھے، یہ شجرہ==

وہ بشارت اور کریمؒ پارسا کے واسطے
کر تو مجھ کو بھی عنایت چشم تر اور درد دل
شاہ نور اللہؒ مرشد رہنما کے واسطے

نام میں ہے جس کے احمد اور حسنؒ بھی ساتھ ہے
آرزو برلا میری اس پارسا کے واسطے
عشق اپنا دے مجھے اور معرفت بھی کر عطا
اے میرے پروردگاران اولیاء کے واسطے(۸۲۱)
دین و دنیا میں مجھے محفوظ رکھ عزت کے ساتھ
آل و اصحاب جناب مصطفیٰ کے واسطے
آ پڑا ہوں تیرے در پر ہر طرح سے ہوں ملول

==حضرت شاہ ابوالخیر صاحبؒ کا تیار کردہ ہے جو قرین قیاس یہ ہے کہ مریدین کو دیا جاتا رہا ہوگا، کیا عجب کہ حضرت منورویؒ کے پاس بھی حضرت شاہ صاحبؒ کا عطا کردہ شجرہ موجود رہا ہو اور تالیف کتاب کے وقت وہی شجرہ پیش نظر رہا ہو۔ اس تفصیل اور پس منظر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شجرہ میں حضرت شاہ ابوالخیرؒ کے نام کے ساتھ بوبلال وزید وسالم کا مصرعہ حضرت منورویؒ کا اضافہ نہیں بلکہ یہ بھی حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا فرمودہ شعر ہے، دراصل شاہ صاحبؒ اپنے نام کے ساتھ از راہ محبت اپنے تینوں صاحبزادگان کا نام بھی بالعموم لکھا کرتے تھے، اس کی صراحت خود آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا زید ابوالحسن مجددیؒ نے کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''جب ہم تینوں بھائی عالم وجود میں آگئے تو آپ اپنے اسم گرامی کے بعد ہم تینوں کا نام بھی تحریر فرماتے تھے'' (اور اس کی کئی مثالیں درج کی ہیں)

(مقامات خیر ص ۴۱۴ تا ۴۱۵ مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ)

اس لئے مذکورہ مصرعہ سے یہ معنیٰ پیدا کرنا کہ حضرت منورویؒ کو اس طریق نقشبندیت کی اجازت حضرت مولانا زید ابوالحسنؒ سے حاصل ہوئی تھی، بڑی زیادتی اور شعر کے پس منظر اور مفہوم سے ناآشنا ہونے کی علامت ہے۔

البتہ اس شجرہ میں ایک شعر زائد نظر آتا ہے جو کہ ''روض الازہار'' کے مذکورہ بالا نسخہ میں موجود نہیں ہے، وہ شعر یہ ہے:

خواجۂ دیں خواجگی خورشید شہر امکنہ ماہ کامل ہادئ شاہ وگدا کے واسطے

ممکن ہے کہ قدیم شجرہ میں یہ شعر بھی موجود رہا ہو، اور بعد کے ایڈیشن میں حذف ہو گیا ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حضرت منورویؒ کا اضافہ ہو واللہ اعلم بالصواب۔

(۸۲۱) یہ شعر بھی روض الازہار میں موجود ہے۔

کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول
کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے (۸۲۲)

---

(۸۲۲) اس شجرہ کو حضرت منورویؒ نے حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے بعد لکیر ڈال کر دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے، ایک حضرت شاہ احمد سعیدؒ کی نسبت خاندانی ہے جو حضرت شاہ احمد سعید دہلویؒ سے حضرت شاہ عمرؒ اور حضرت شاہ ابوالخیر دہلویؒ صرف دو واسطوں سے ابا عن جد حضرت منورویؒ تک پہونچی ہے، یہ عالی نسبت ہے، اور دوسری نسبت وہ ہے جو حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے خلفاء کے واسطوں سے حضرت منورویؒ کو حاصل ہوئی ہے، اس میں درمیانی واسطے کم از کم پانچ ہیں اور اگر حضرت شاہ نور اللہ عرف حضرت پنڈت جیؒ کی نسبت بھی شامل کر لی جائے تو واسطے چھ (٦) ہو جاتے ہیں، پہلی نسبت کے مقابلے میں یہ نسبت بعیدہ اور سافلہ ہے--- بہرحال حضرت منورویؒ کی شخصیت نسبت آبائی اور نسبت خلفاء دونوں کی جامع ہے، اور آپ کے سلسلہ سے وابستہ ہونے والوں کو دونوں نسبتوں کا کامل فیض ملتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ (سورہ یونس:۶۲)

مختصر حالات بزرگان

چشت اہل بہشت

(المعروف بہ ''سرکار غریب نوازؒ'')

تالیف لطیف

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن قادری چشتی نقشبندیؒ

(۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء - ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء)

تحقیق وحواشی

اختر امام عادل قاسمی

(نبیرۂ حضرت مؤلفؒ)

دائرۃ المعارف الربّانیۃ

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب: مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت
(المعروف بہ ''سرکار غریب نواز'')
تالیف: قطب الہند حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منوروی
تحقیق وحواشی: اختر امام عادل قاسمی (نبیرۂ حضرت مؤلفؒ)
سن اشاعت: ۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۰ء
صفحات:
قیمت:
ناشر: جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

ملنے کے پتے

☆ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منورواشریف، پوسٹ: سوہما، وایا: بتھان، ضلع سمستی پور ، بہار، 848207-رابطہ نمبرات: 9473136822-9934082422 ویب سائٹ:

www,jamiarabbani.org email. Jamia.rabbani@gmail.com

☆ مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ۲، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 25

خانقاہ چشت میں جس نے قدم پہلا رکھا
دوسرا اس کا قدم یارو! فنا فی اللہ ہوا
''قاب قوسین''اس کے آگے ایک'' ادنیٰ'' ہے مقام
واں پہونچ کر کچھ نہ پوچھو کیا سے کیا وہ کیا ہوا (۸۲۳)

(۸۲۳) یہ معروف شاعر محبت و معرفت علامہ راز احمد المعروف بہ ''شاہ نیاز احمد بریلویؒ (ولادت: ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۶۰ء بمقام سرہند-وفات ۶/ جمادی الثانیہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۹/ اکتوبر ۱۸۳۴ء بمقام بانس بریلی) کے اشعار ہیں، البتہ پہلے شعر کا مصرعہ ثانی ''دیوان نیاز میں اس طرح ہے'' دوسرا اس کا قدم پھر عرش کے بالا پڑا'' (دیکھئے: دیوان نیاز بے نیاز ص ۸ ناشر: شاہ محمد حیدر اطہر میاں نیازی، جولائی ۲۰۰۴ء)۔ حضرت منورویؒ نے کچھ ترمیم کے ساتھ اس کو شامل کیا ہے۔

☆ دوسرے شعر میں آیت کریمہ **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ﴿۹﴾** (النجم: ۹) سے تلمیح کی گئی ہے، اور اس میں ''ادنیٰ'' سے مراد اقرب ہے، یہ بھی ایک مقام ہے، یہ اردو زبان کا ادنیٰ نہیں ہے، اس میں شاعر نے مقامات قرب اور فنائیت کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔


الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون ہ

سرکار غریب نواز قدس سرہٗ

خانقاہ چشت میں جس نے قدم پہلا رکھا
دوسرا اسکا قدم یار و فنافی اللہ ہوا
قاب قوسین اس کے آگے ایک ادنیٰ ہے مقام
واں پہونچکر کچھ نہ پوچھ کیا سے کیا وہ کیا ہوا

مولفہ
احمد حسن قادری چشتی نقشبندی مجددی دربھنگوی

باہتمام
جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی عرف میگھو مقام مانکول
ڈاک خانہ ڈانکولہ ضلع پچھم دیناجپور۔

قیمت :- عار روپیہ

کتاب کی پہلی اشاعت کے ٹائٹل کا عکس، جو ۱۰/نومبر ۱۹۶۱ کو جہانگیر پریس کشن گنج سے طبع ہوئی تھی، اور اس کی کتابت جناب خلیل احمد پورنویؒ نے کی تھی۔

مندرجات کتاب

سلسلہ نمبر	مضامین	صفحات

فہرست حواشی

تعارف کتاب

اختر امام عادل قاسمی

اس کتاب کا اصل نام ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' ہے، جیسا کہ حضرت مؤلفؒ نے اندرون کتاب تمہیدی سطور میں خود اس کا ذکر فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''امابعد: خاکسار احمد حسن ساکن منورواڈاکخانہ صلحابزرگ ضلع دربھنگہ راہ خدا کے طالبوں کی خدمت میں ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' تحریر کرکے آپ حضرات کے سامنے پیش کرتا ہے، امید کہ قبول فرماکر دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے'' (۸۲۴)

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس کتاب میں حضرت غریب نوازؒ کے علاوہ سلسلہ چشت کے اکثر مشائخ کا ذکر اختصار اور جامعیت کے ساتھ کیا گیا ہے، البتہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے حالات نسبتاً تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، نیز ہندوستان میں بانی سلسلہ آپ ہی کی ذات گرامی ہے، اس لئے یہ کتاب ''سرکار غریب نوازؒ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ابتداء حضرت مؤلفؒ نے صرف حضرت غریب نوازؒ کی سوانح عمری لکھنے کا ارادہ کیا ہو، لیکن دوران تالیف دیگر بزرگان عظام کے حالات بھی ضمناً شامل ہوتے چلے گئے، اور یہ حضرت مؤلفؒ کے پورے سلسلۂ چشت کی نمائندہ کتاب بن گئی، اس کی تائید حضرت منورویؒ کے ایک خط (مرقومہ ۷/ دسمبر ۱۹۶۰ء مطابق ۱۶/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ) سے ہوتی ہے جو انہوں نے جناب محمد وارث علی صاحب رئیس سورجاپور (ضلع اتر دیناجپور بنگال) کو لکھا ہے، لکھتے ہیں:

''۲۹/ جمادی الثانی تک ان شاء اللہ حاضر خدمت ہونے کی کوشش کریں گے، ---خواجہ غریب نوازؒ کی مکمل سوانح عمری لکھی جاچکی ہے، ان شاء اللہ لیتے آئیں گے''

البتہ جن مشائخ چشت کا ذکر اس سے قبل شائع ہونے والی کتاب ''مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ'' میں آچکا تھا، ان کا اعادہ اس کتاب میں نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت مؤلف نے خود اپنی اسی کتاب میں آخری زیر تذکرہ بزرگ حضرت شیخ عبدالاحد قدس سرہ کے حالات کے اختتام پر اس کا ذکر کیا ہے (۸۲۵)۔

---

(۸۲۴) مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت **المسمیٰ بہ** ''سرکار غریب نوازؒ'' ص ۲ مؤلفہ حضرت منورویؒ، باہتمام: جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی، موضع مانسکول ضلع پچھّم دیناجپور، سن طباعت ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء۔ طبع اول۔

☆ کتاب کے آخر میں سلسلۂ چشتیہ کا منظوم شجرہ بھی شامل ہے، جو کئی شجرات کو سامنے رکھ کر حضرت مؤلفؒ نے مرتب کیا ہے، اس شجرہ میں حضرت مولانا شاہ ابوالخیر مجددی دہلویؒ، حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددیؒ اور حضرت منورویؒ وغیرہ کے اسماء گرامی بھی موجود ہیں۔

کتاب کی پہلی اشاعت

اس کتاب کا مسودہ حضرت منورویؒ کے دوسرے حج سے قبل جمادی الثانیہ ۱۳۸۰ھ/ دسمبر ۱۹۶۰ء میں تیار ہوگیا تھا، جیسا کہ مذکورہ بالا مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس کی طباعت کی نوبت حج ثانی کے بعد آئی، اور یہ ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء مطابق ۳۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ کو جہانگیر پریس کشن گنج سے شائع ہوئی، کتاب کے سرورق پر ناشر کی جگہ پر جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی عرف میگھو، مقام مانسکول ضلع پچھم دیناجپور کا نام درج ہے، نیز کتاب کے آخری صفحہ (۱۱۲) پر ''حسب فرمائش'' کے عنوان سے نو (۹) حضرات کا ذکر کیا گیا ہے، غالباً ان حضرات نے طباعت کے اخراجات میں حصہ لیا ہوگا، ان کے اسماء گرامی کتاب کے مطابق حسب ذیل ہیں:

(۱) جناب مولوی حاجی فقیر محمد صاحب چشتی مظہری متولی مدرسہ غوثیہ مظہریہ قمر گنج مقام ضیا گاچھی۔

(۲) جناب منشی عبدالمجید صاحب قادری چشتی مہتمم مدرسہ مظہر العلوم ربانیہ رئیس ضیا گاچھی، ڈاکخانہ دلکولہ ضلع پچھم دیناجپور

(۳) جناب محمد وارث علی صاحب نقشبندی چشتی رئیس سور جاپور، دلکولہ ضلع پچھم دیناجپور

(۴) جناب عین الدین صاحب نقشبندی چشتی رئیس مانسکول دلکولہ ضلع پچھم دیناجپور (۸۲۶)

(۵) جناب مولوی ولی اصغر صاحب نقشبندی رئیس لوٹیاباری ضلع پورنیہ

(۶) امین عبدالستار صاحب مظہری مقام ضیا گاچھی، دلکولہ ضلع پچھم دیناجپور

(۷) جناب منشی شمس الدین قادری چشتی مانسکول، ڈاک خانہ دلکولہ ضلع پچھم دیناجپور

---

(۸۲۵) ملاحظہ کریں: ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المسمیٰ بہ ''سرکار غریب نواز'' ص ۱۰۱، باہتمام: جناب محمد لقمان صاحب قادری چشتی، موضع مانسکول ضلع پچھم دیناجپور، سن طباعت ۱۰/ نومبر ۱۹۶۱ء۔ طبع اول۔

(۸۲۶) تاریخ وفات ۶/ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۷/ مارچ ۱۹۷۸ء۔

(۸) حاجی منظور احمد صاحب موضع مصرولیا ضلع مظفر پور

(۹) حاجی محمد ابراہیم صاحب موضع منورواضلع دربھنگہ (۸۲۷)۔

ان حضرات میں سے اب کوئی اس دنیا میں باقی نہیں ہے۔

یہ کتاب شائع ہوئی تو حضرت منورویؒ اس کے بہت سے نسخے لے کر بارگاہ اجمیر شریف حاضر ہوئے اور وہاں کے خدام اور حاضرین وزائرین میں مفت تقسیم فرمائے، یہ دربار خواجہؒ سے آپ کے گہرے انس اور عقیدت کی علامت تھی۔

حج سے واپسی پر دربار خواجہؒ میں حاضری غالباً اس نیابت ہند کی توثیق کے لئے بھی تھی جس کے لئے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کو ہندوستان واپس بھیجا گیا تھا۔

یہ کتاب اب عام طور پر نایاب ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن اب تک شائع نہیں ہوا تھا۔

کتاب کی دوسری اشاعت اور خصوصیات

اب یہ دوسری اشاعت آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو تحقیقات وحواشی سے مزین ہوکر پیش کی جارہی ہے، اور کوشش کی گئی ہے کہ کتاب بہتر سے بہتر صورت میں اہل علم کے ہاتھوں میں پہونچے۔

اس کتاب میں حقیر راقم الحروف نے کئی کام کئے ہیں:

☆ کتابت وطباعت کی بہت سی غلطیاں موجود تھیں، حتی الامکان ان کی تصحیح کی گئی ہے۔

☆ کتاب میں مذکور آیات واحادیث کی تخریج کی گئی ہے۔

☆ جن بزرگوں کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ مذکور ہیں، وہاں تفصیلی مراجع کی نشاندہی کی گئی ہے، تاکہ تفصیل کے خواہشمند حضرات وہاں رجوع کرسکیں۔

☆ بعض جگہ ترتیب میں خلط یا ابہام محسوس ہوا اس کو دور کیا گیا ہے۔

☆ کئی مقامات پر ذیلی عناوین کا اضافہ کیا گیا ہے، یا حسب موقعہ عنوان میں ترمیم کی گئی ہے۔

☆ ہجری تاریخوں کے ساتھ انگریزی تواریخ کی تطبیق بین القوسین پیش کی گئی ہے

☆ کتاب میں اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے کہ حضرت مؤلفؒ کی اصل عبارت بعینہ برقرار رکھی جائے، جہاں کسی تشریحی نوٹ یا اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو بین القوسین یا حاشیہ میں یہ خدمت انجام دی گئی ہے۔

---

(۸۲۷) ان حضرات کے حالات کے لئے رجوع فرمائیں "حیات قطب الہند حضرت منورویؒ"۔

اس طرح امید ہے کہ کتاب کا یہ ایک صحیح ترین نسخہ تیار ہوگیا ہے، پھر بھی کوئی انسانی کام نقائص اور کمزوریوں سے پاک نہیں ہے، اہل علم سے گذارش ہے کہ ایسی کوئی فروگزاشت محسوس ہو تو حقیر رراقم الحروف کو اس سے آگاہ فرمائیں، **فجزاهم الله احسن الجزاء.**

اختر امام عادل قاسمی
یکے از غلامان آستانہ حضرت احمد حسنؒ
منورواشریف، سمستی پور
۱۹ / صفر المظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۷ / اکتوبر ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید از مؤلف

اللهم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد افضل صلوٰتك بعدد معلوماتك وبارك وسلم عليه

ساری تعریفیں ہیں لائق بس خدا کے واسطے
حمد و مدحت اس کی ذات کبریا کے واسطے
عظمت وسطوت اسی رب العلا کے واسطے

ہوں درود و برکتیں اس ذات اقدس پر تمام
رحمت و الطاف حق ہیں جس کا حصہ لا کلام
زیر و بالا سب بنا جس کی رضا کے واسطے

وہ نہ ہوتا تو نہ ہوتا یہ جہان کائنات
واسطے سے اس کے عالم کو ملا پائے ثبات
ذات احمد فخر ہے ارض وسماء کے واسطے

رحمت حق ہو پیاپے ان کے کل اصحاب پر
ان کی آل پاک پر انصار اور احباب پر
رہبر کامل ہیں جو خلق خدا کے واسطے

بعد ان کے ہادیان دین پیران کرام
کوششوں سے جن کی قائم دین برحق کا نظام
جن کی مرگ و زیست ہے حق کی رضا کے واسطے

امابعد! خاکسار احمد حسن ساکن منورواڈا کخانہ صلحا بزرگ ضلع دربھنگہ راہ خدا کے طالبوں کی خدمت میں ''مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت'' پیش کرتا ہے، امید کہ قبول فرما کر دعائے خیر سے یاد فرمائیں گے۔

تصوف کی ہمہ گیری

تصوف ابتدا سے ہے اور آخر تک رہے گا، کسی زمانے میں اس نے عروج حاصل کیا اور کسی زمانے میں زوال، اس دور ضلالت میں حقیقی صوفی گمنامی کا لباس اوڑھے ہوئے پوشیدہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اسلام میں فنا، بقا، کشف، شہود، لطائف، روشن تصور اور پرواز سب کچھ موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ㉑ .(۸۲۸)

تمہارے اندر ہی سب کچھ موجود ہے، تمہارے قلب ہی میں اللہ کی نشانیاں موجود ہیں، پھر کیا تم ان نشانیوں کو نہیں دیکھتے؟ ہم نے تمہارے قلب میں گوناگوں صفات پیدا کر دی ہیں، تم کوشش کرو اور جس طرح اور دنیا کی سیر کرتے ہو تاکہ اس میں تمہیں انوار الٰہی نظر آئیں، جس طرح پہاڑوں، دریاؤں، آسمانوں، تاروں، درختوں، ہواؤں، سمندروں پر غور و تحقیق کر کے اور حقائق اشیاء کی تہہ تک پہونچ کر انسان نے بے شمار علوم حاصل کئے، اسی طرح نفس کی گہرائیوں میں اترنے اور قلب کی پہنائیوں میں غوطہ لگانے کا نام تصوف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ .(۸۲۹)

یعنی جو لوگ ہماری ذات میں سعی و جہد سے کام لیتے ہیں، مجاہدے اور ریاضات کرتے ہیں، ہم ان کے سامنے انہیں کھول دیتے ہیں۔

(۸۲۸)سورۃ الذاریات:21

(۸۲۹)-سورۃ العنکبوت:69

(۱)

مولائے کائنات حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

حضرت علیؓ نام، کنیت ابوالحسن، لقب: اسداللہ، ۱۳/ رجب کو ہجرت کے تئیس (۲۳) سال قبل پیدا ہوئے، پرورش بہ ظل عاطفت حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوئی، ۲۵ برس کی عمر میں خاتون جنت جناب فاطمہ زہرہ بنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا، آپ شاہ ولایت ومرید وخلیفہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے، اور اصل ومرجع ومنتہی سلاسل فقراء علویہ کے ہیں، بعد شہادت اپنے ہم زلف حضرت ذوالنورینؓ ۱۹/ ذی الحجہ ۳۵ھ (مطابق ۱۷/ جون ۶۵۶ء) روز سہ شنبہ کو خلیفۂ چہارم مقرر کئے گئے، چار سال نو ماہ خلافت کا کام انجام دے کر ۲۱/ رمضان ۴۰ھ (مطابق ۳۰/ جنوری ۶۶۱ء) شب دو شنبہ کو (ترسٹھ) ۶۳ سال کی عمر میں جام شہادت نوش فرمایا، مزار شریف نجف اشرف میں ہے (۸۳۰)۔

(۲)

امام الاولیاء حضرت خواجہ حسن بصریؒ

کنیت ابومحمد ہے، ۲۱ھ (مطابق ۶۴۲ء) میں بعہد حضرت عمر فاروقؓ مدینہ میں پیدا ہوئے، والد کا نام سیار تھا، جو مولیٰ حضرت ثابت انصاریؒ کے تھے، بیعت آپ کی حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰؓ سے تھی، خرقہ امام حسنؓ سے پایا، ۵/ رجب ۱۱۲ھ (مطابق ۲۶/ ستمبر ۷۳۰ھ یا یکم یا ۴/ محرم الحرام ۱۱۰ھ یا ۱۱۱ھ مطابق ۱۱/ مئی ۷۲۸ء یا ۷۲۹ء) کو بروز جمعہ وفات پائی، مزار مبارک نزد بصرہ ہے (۸۳۱)۔

---

(۸۳۰) خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۵۹ تا ۷۰۔

(۸۳۱) خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۱۱ تا ۱۶ مؤلفہ مفتی غلام سرور ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۱۴ تا ۱۲۱ مؤلفہ حضرت مولانا شیخ محمد زکریا صاحبؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم سہارن پور، ۱۳۹۳ھ۔

(۳)

حضرت شیخ عبدالواحد بن زیدؒ

کنیت ابوالفضل ہے، آپ ہمیشہ روزہ رہتے، اور تیسرے روز افطار کرتے تھے، فقر و ارادت خواجہ حسن بصریؒ سے پہونچا، چالیس (۴۰) سال مجاہدہ میں عمر گذاری، بغداد میں رہتے تھے، آخر عمر میں سخت بیمار پڑے، نماز کے وقت خادم حاضر نہیں تھا، جو وضو کراتا، اور نماز کا وقت ہوتا جاتا تھا، آپ نے دعا کی:

''الٰہی! مرا آنقدر قوت عنایت فرما کہ وضو بسازم و نماز ادا کنم، بعد ازاں حکم حکم تست''

دعا کے بعد ہی آپ تندرست ہوگئے، وضو کر کے نماز پڑھی، ختم نماز کے بعد وہی حالت ہوگئی، اسی میں ۲۷/صفر ۱۷۷ھ (مطابق ۳۱/ اگست ۷۹۳ء) کو وصال ہوا، مزار مبارک بغداد شریف میں ہے(۸۳۲)۔

(۴)

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ

بوعلی کنیت تھی، حضرت شیخ عبدالواحد قدس سرہ کے خلیفہ تھے، عبادت گذاری کا یہ حال تھا کہ دن بھر میں پانچ صد (۵۰۰) رکعت نماز پڑھا کرتے تھے، چار چار روز تک کھانا نہیں کھاتے تھے، ہر روز دو ختم قرآن شریف کیا کرتے تھے، خلیفہ ہارون رشید بے حد قدر کیا کرتا تھا۔

آپ کے خلفاء پانچ (۵) تھے: ۱-سلطان ابراہیم بن ادہمؒ، ۲-شیخ محمد بن یزید الشراریؒ، ۳-خواجہ بشر حافیؒ، ۴-حضرت شیخ ابورجا العطاریؒ، ۵-خواجہ عبداللہ سیاریؒ۔

(وفات ۳/ربیع الاول ۱۸۷ھ مطابق ۴/ مارچ ۸۰۳ء یا ۱۸۶ھ/ ۸۰۲ء کو ہوئی) مزار مبارک مکہ معظّمہ جنت المعلیٰ میں ہے(۸۳۳)۔

(۸۳۲) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵ تا ۲۰، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۱ تا ۱۳۰ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین، خزینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء، روضۃ الریاحین۔

(۵)

حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ

کنیت ابواسحاق ہے،اورآپ کانسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن ادھم بن شیخ سلیمان بن شیخ منصور بن شیخ ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروقؓ۔

آپ کی صحبت میں کثرت سے فقراء وغرباء رہا کرتے تھے،آپ ریاضت ومجاہدہ میں لگے رہتے تھے،ایام جوانی میں بلخ کی بادشاہی پر لات مارکرفقیری اختیارکی،ہمیشہ روزہ رکھتے تھے،جنگل سے لکڑی کاٹ کرلاتے اوراس کوفروخت کرکےغرباء کی پرورش کیا کرتے،آپ کے دوخلیفہ تھے،ایک خواجہ حذیفہ مرعشیؒ،دوسرے خواجہ شفیق بلخیؒ **قدس اللہ اسرارھما.**

۲۶ / (یا ۲۸) جمادی الاولیٰ ۲۸۰ھ (مطابق ۱۸ / اگست ۸۹۳ء) کووفات پائی،مزارمبارک مکہ معظّمہ میں ہے(۸۳۴)۔

(۸۳۳) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۰ تا ۲۴،مولفہ مفتی غلام سرورلاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۰ تا ۱۳۷ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین،روضۃ الریاحین،طبقات شعرانی،تنبیہ المغترین۔

(۸۳۴) آپ کی تاریخ وفات میں مختلف اقوال ہیں،حافظ ابن حجرؒ کی تحقیق کے مطابق آپ کی وفات ایک سودو(۱۰۲) برس کی عمر میں ۱۶۲ھ/ ۷۷۹ء میں ہوئی،سمعانیؒ نے ۱۶۱ھ/ ۷۷۸ء کاقول نقل کیاہے،محدثین کاقول تاریخی حیثیت سے زیادہ قابل اعتماد ہے،یہ بات حضرت شیخ زکریاؒ نے لکھی ہے،لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء نے لکھاہے کہ سیرالاقطاب میں آپ کی وفات بروز جمعہ ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۲۸۰ھ مطابق ۱۸ / اگست ۸۹۳ء لکھی ہے،اورسفینۃ الاولیاء میں ۲۶۱ھ/ ۸۷۵ء ہے،مخبرالواصلین میں ۲۶۵ھ/ ۸۷۹ء ہے،جناب محمد رضاانصاری صاحبؒ نے بھی قریب یہی بات لکھی ہے،آپ کامزارشام میں بتایا جاتاہے،اوربعض لوگوں نے مدینہ منورہ بتایاہے،آپ کے دوخلیفہ تھے،ایک خواجہ شقیق بلخیؒ،دوسرے حضرت حذیفہ المرعشیؒ (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۴ تا ۳۲،مولفہ مفتی غلام سرورلاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۳۷، ۱۴۵ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ تعلیم الدین،انوارالعاشقین نفحات،انوار الاتقیاء، طبقات شعرانی،تنبیہ المغترین)

(۶)

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ

آپ مشائخ کبار سے تھے،فقیہ وعالم تھے،ہروقت باوضور ہا کرتے تھے،کھانا کم کھاتے،''فرمودے کہ غذائے درویش ذکرلاالٰہ الااللہ است'' روزاورشب میں ایک کلام مجید ختم کیا کرتے تھے، ہمیشہ کپاس پہنتے تھے،خلوت میں زیادہ وقت گذارتے تھے، ۲۴/شوال المکرم ۲۵۲ھ (مطابق ۱۰/ نومبر ۸۶۶ء) کووصال فرمایا،مزار مبارک عراق میں ہے،آپ کے خلیفہ شیخ ہبیرہ بصری قدس سرہ تھے(۸۳۵)۔

(۷)

حضرت شیخ ہبیرہ بصریؒ

مقتدائے علماءواولیاء تھے،تیس (۳۰) سال مجاہدہ کیا، پانچ پانچ روز کھانا نہیں کھاتے تھے،ایک سوبیس (۱۲۰) سال کی عمر میں ۷/شوال کو۲۸۷ھ (مطابق ۹/اکتوبر ۹۰۰ء) میں وصال فرمایا،مزار شریف بصرہ میں ہے(۸۳۶)۔

---

(۸۳۵) آپ کی وفات مشہور قول کے مطابق ۱۴یا۲۴/شوال ۲۰۲ھ مطابق ۲۸/اپریل ۸۱۸ءکوہوئی،شعرانیؒ نے سن وفات ۲۰۷ھ/ ۸۲۳ھ لکھا ہے،یہ بات شیخ زکریاؒ نے لکھی ہے،لیکن صاحب خزینۃ الاصفیاء نے تذکرۃ العاشقین کے حوالے سے سن وفات (۷/شوال) ۲۷۶ھ مطابق ۵/فروری ۸۹۰ءنقل کیا ہے اور سیر الاقطاب کے حوالے سے ۲۴/شوال ۲۵۲ھ مطابق ۱۰/نومبر ۸۶۶ءلکھا ہے،اوران میں پہلی تاریخ کودرست قرار دیا ہے،تمام تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے وصال کے بعد آپ نو(۹) سال تک باحیات رہے،جناب محمد رضا انصاری صاحب نے بھی ۲۷۶ھ والی تاریخ ہی نقل کی ہے(خزینۃ الاصفیاءج ۲ ص ۳۲،۳۳مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۵،۱۴۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ سفینۃ الاولیاء،ملفوظات خواجگان چشت،تعلیم الدین ☆ تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ ص ۱۱۰تا۱۱۲مؤلفہ جناب محمد رضا انصاری)

(۸۳۶) خزینۃ الاصفیاءج ۲ ص ۳۴مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۷،۱۴۸ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ انوارالعاشقین،خزینۃ الاولیاء،تعلیم الدین

(۸)

شیخ المشائخ حضرت ممشاد علوی دینوریؒ

عراق کے بزرگ مشائخ میں یگانۂ روزگار تھے، حافظ کلام ربانی اور جامع علوم ظاہری و باطنی تھے، حضرت شیخ معروف کرخیؒ کی صحبت سے بھی فیض پایا تھا اور خلافت بھی حاصل کی تھی، آپ سات (۷) روز کے بعد افطار فرمایا کرتے تھے، اور زبان کی خشکی دور کرنے کے لئے تھوڑا پانی پی لیتے تھے اور خرما پر قناعت کرتے تھے، آپ ہمیشہ صائم رہے، ۱۴/محرم ۲۹۹ھ (مطابق ۱۵/ستمبر ۹۱۱ء) کو وفات پائی، مزار مبارک ملک عراق دینور میں ہے، آپ کے تین خلیفہ تھے، خواجہ ابو اسحاق شامیؒ، خواجہ ابو عامرؒ، شیخ اسود دینوریؒ (۸۳۷)۔

(۹)

شمس الاولیاء حضرت خواجہ اسحاق شامیؒ

لقب شرف الدین تھا، ایک زمانہ تک رجال الغیب کی صحبت میں رہے، بارہ (۱۲) سال مرشد کے پاس رہے، مجاہدہ وریاضت و فقر و فاقہ میں اوقات بسر کئے، فقر کا مرتبۂ اعلیٰ پایا، تمام عمر رشد و ہدایت کرتے رہے، ۱۴/ربیع الثانی ۳۲۹ھ (مطابق ۲۰/جنوری ۹۴۱ء) کو وصال ہوا، مزار شریف مکہ شریف میں مرجع خلائق ہے (۸۳۸)۔

---

(۸۳۷) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۲ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۴۸ تا ۱۵۱ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ انوار العاشقین، خزینۃ الاولیاء، تذکرۃ الفقراء، تعلیم الدین۔

(۸۳۸) تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۱، ۱۵۲ مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: مکتبہ شیخ زکریا، سہارن پور، ۱۳۹۳ھ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۷، ۳۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۱ تا ۱۶۳ مؤلفہ خلیق احمد نظامی بحوالہ سیر الاولیاء (فارسی مطبوعہ چرنجی دہلی) ص ۳۹، ۴۰ و تذکرۃ الاولیاء ص ۳۸۳، ۳۸۴ (اردو ترجمہ عبدالرحمن شوق امرتسری۔

(۱۰)

حضرت سیدنا خواجہ احمد ابدال چشتیؒ

آپ حضرت سیدنا امام حسنؓ کی اولاد میں ہیں، آپ شرفائے چشت وایرانی ولایت سے تھے، آپ نے کم عمری سے ریاضت شاقہ اختیار کی، ہمیشہ باوضو رہتے تھے، سات (۷) یوم میں ایک مرتبہ چند لقمہ تناول فرماتے، (یکم یا ۳ یا) ۱۵/ جمادی الثانیہ ۳۵۵ھ (مطابق ۳۱/مئی ۹۶۶ء یا ۱۲/ جون ۹۶۶ء) میں وصال فرمایا، مزار شریف چشت میں ہے(۸۳۹)۔

(۱۱)

حضرت سیدنا شیخ ابو محمد چشتیؒ

لقب ناصح الدین تھا، مشائخ زمانہ میں سے تھے، ولی مادرزاد تھے، بعد وفات والد سجادہ نشیں ہوئے، سلاطین، قاضی ومشاہیر خدمت میں حاضر رہتے تھے، آپ شب وروز عبادت وریاضت میں مشغول رہتے، آپ کے تین خلفاء ہوئے، حضرت خواجہ ناصر الدینؒ، حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ، ومحمد کاکوؒ، ۱۴/ ربیع الاول ۴۱۱ھ (مطابق ۱۳/ جولائی ۱۰۲۰ء) کو انتقال فرمایا، مزار مبارک چشت میں ہے(۸۴۰)۔

(۸۳۹) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۹ تا ۴۲ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۳ تا ۱۵۵ شیخ زکریا کاندھلویؒ۔

(۸۴۰) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۴ تا ۴۶ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۵ تا ۱۵۷ شیخ زکریا کاندھلویؒ۔

(۱۲)

حضرت خواجہ سیدنا ابو یوسف چشتیؒ

آپ حضرت امام حسن عسکریؒ کی اولاد میں ہیں، آپ مشائخ چشت میں بلند مرتبہ رکھتے، بے حد صاحب کشف وکرامات تھے، آپ کی مکمل سوانح ''سیر الاقطاب''(۸۴۱) میں تحریر ہے، ۳/رجب ۴۵۹ھ (مطابق ۲۵/مئی ۱۰۶۷ء) کو وفات پائی، مزار شریف چشت میں ہے(۸۴۲)۔

(۱۳)

حضرت سیدنا خواجہ مودود چشتیؒ

آپ نے سات (۷) سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، اس کے بعد تحصیل علم میں لگ گئے، چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں والد کا سایہ اٹھ گیا، باپ کے جانشین ہوئے، علم ظاہر و باطن میں بے نظیر تھے، اس زمانہ کے جملہ مشائخ آپ کے حلقہ بگوش تھے، ستانوے (۹۷) سال کی عمر میں یکم رجب ۵۲۷ھ (مطابق ۱۴/مئی ۱۱۳۳ء) عہد سلطان معز الدین سنجریؒ میں وفات ہوئی، مزار شریف چشت میں ہے(۸۴۳)۔

(۸۴۱) اردو ترجمہ ''تذکرہ خواجگان چشت'' (فارسی) مصنف: الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم، مترجم: محمد معین الدین دردائیؒ

(۸۴۲) آپ کی تاریخ وفات اکثر مؤرخین کے نزدیک ۳/رجب المرجب ۴۵۹ھ مطابق ۲۵/مئی ۱۰۶۷ء ہے، بعض نے اوائل جمادی الآخر، بعض نے یکم جمادی الاولیٰ، اور بعض نے ۴/ربیع الثانی بھی لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۶ تا ۴۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۷، ۱۵۸ شیخ زکریا کاندھلویؒ)۔

(۸۴۳) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۴۹ تا ۵۴ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۵۹، ۱۶۰ شیخ زکریا کاندھلویؒ۔

(۱۴)

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

آپ حضرت مودود چشتیؒ کے خلیفۂ اعظم تھے، چالیس (۴۰) سال صحرا میں گذارے، اکثر اوقات برگ درخت پر گذر تھی، جس روز بالکل فاقہ سے رہتے، یک صد نفل ادا کرتے، صاحب سماع تھے، ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر پا کر ۳/رجب ۶۲۰ھ (مطابق ۳ یا ۱۰/نومبر ۱۲۱۵ء) کو وصال فرمایا، مزار شریف سنجر میں ہے(۸۴۴)۔

(۱۵)

حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہارونیؒ

آپ قطب وقت اور یکتائے زمانہ تھے، علم شریعت وطریقت کے امام تھے، مقتدائے اوتادو اولیا واقطاب تھے، آپ کے چار خلفاء تھے: (۱) حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ، (۲) شیخ نجم الدین صغریؒ، (۳) شیخ سوری لنکوچیؒ (یا منگوہیؒ)، (۴) شیخ محمد ترکؒ قدس اللہ اسرارہم، آپ نے ۵/شوال ۶۱۷ھ (مطابق ۹/دسمبر ۱۲۲۰ء) کو وصال فرمایا، مزار شریف مکہ معظّمہ میں ہے(۸۴۵)۔

(۱۶)

حضرت سیدنا خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتیؒ

یوں تو پہلی صدی ہجری میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی، اور رفتہ رفتہ

(۸۴۴) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵۷ تا ۱۶۱ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۱ تا ۱۷۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ خزینۃ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، تعلیم الدین۔

(۸۴۵) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵۷ تا ۱۶۱ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۱ تا ۱۷۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ بحوالہ خزینۃ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، تعلیم الدین۔

ساحلی مقامات کے علاوہ شمالی مغربی علاقہ میں اسلامی حکومت بھی قائم ہوچکی تھی، اور روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ بھی ہورہا تھا، مگر چونکہ ہندوستان کی اسلامی سلطنت نے اسلام کی طرف کوئی توجہ نہ دی تھی، اس کا دائرۂ عمل صرف فتوحات اور حکمرانی تک محدود تھا، اس لئے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (بطریق کشف والہام) حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو ہندوستان کے ظلمت کدہ میں اسلام کی روشنی پھیلانے کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا، سرکار خواجہ غریب نوازؒ نے مفوضہ خدمت کو جس خیر و خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ سو (۵۰۰) سال میں اسلام کی افواج قاہرہ جو کام نہ کرسکیں، وہ آپ نے چند گنے چنے سالوں میں کردکھایا، جس ملک میں مسلمانوں کے سائے تک سے نفرت کی جاتی ہو، وہاں دس گیارہ کڑور (۱۹۶۰ء میں) مسلمانوں کا وجود اور ماشاء اللہ روزافزوں اضافہ یقیناً حیرت انگیز کرامت ہے۔

ولادت وخاندان

حضرت خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز ''سجز'' میں جو نواح غور میں واقع ہے، ۵۳۷ھ میں ۱۴/رجب (مطابق ۸/فروری ۱۱۴۳ء) کو پردۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے (۸۴۶)، والد کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام حسینؓ تک جاتا ہے۔

سلسلۂ پدری

خواجہ معین الدین چشتیؒ بن حضرت غیاث الدین حسن چشتیؒ بن حضرت سید کمال الدین حسن چشتیؒ بن حضرت سید نجم الدین طاہرؒ بن حضرت سید عبد العزیزؒ بن سید ابراہیمؒ بن سیدنا امام موسیٰ کاظمؒ بن

(۸۴۶) شیخ زکریاؒ نے تاریخ مشائخ چشت میں ''سنجر'' لکھا ہے (ص ۱۶۵) لیکن جناب خلیق نظامی صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحیح لفظ ''سجزی'' ہے، سنجری نہیں، خواجہ صاحبؒ کا وطن سجستان تھا، اسی کی نسبت سے ''سجزی'' کہے جاتے تھے، کاتب کی غلطی سے یہ لفظ ''سنجری'' مشہور ہوگیا، رسالہ ''احوال پیران چشت'' غالباً پہلا قدیم مسودہ ہے، جس میں یہ لفظ صحیح لکھا ہوا میری نظر سے گذرا ہے۔

فتوح السلاطین (تصنیف ۱۳۵۰ھ بہ تصحیح محمد یوشع، مطبوعہ مدراس ۱۹۴۸ء، ص ۴۶۶) کے اشعار بھی ''سجزی'' ہی سے موزوں ہوتے ہیں، ایک شعر ہے:

معین الدین آں سجزی دیں پناہ　　　که خفت است به اجمیر آں مرد راه

علامہ عصامیؒ کی فتوح السلاطین ہندوستان کے مذہبی اور غیر مذہبی لٹریچر میں پہلی کتاب ہے جس میں مشائخ چشت کا شجرہ نظم کیا گیا ہے (دیکھئے: تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۴، ۱۶۵ مؤلفہ خلیق احمد نظامی)۔

سیدنا امام جعفر صادقؒ بن سیدنا امام باقرؒ بن سیدنا امام زین العابدینؒ بن سیدنا امام حسینؓ بن مولائے کائنات علی کرم اللہ وجہہ بن ابی طالب (۸۴۷)۔

آپ کے پدر بزرگوار حضرت سید غیاث الدین حسن سجزیؒ کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ دیا تھا، بڑے صاحب ثروت بزرگ تھے، اور ''سجز'' کے بہت بڑے بزرگ تھے، (شعبان) ۵۵۲ھ (مطابق ستمبر ۱۱۵۷ء یا شعبان ۵۴۴ھ مطابق دسمبر ۱۱۴۹ء) (۸۴۸) میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

نسب نامہ مادری

بی بی ماہ نورؒ (۸۴۹) بنت سید داؤدؒ بن سید عبداللہ حنبلیؒ بن سیدنا یحیٰ زاہدؒ بن سیدنا محمد رومیؒ بن سیدنا داؤدؒ بن سیدنا موسیٰؒ ثانیؒ، بن سیدنا عبداللہ ثانیؒ بن سیدنا موسیٰ جونؒ بن سیدنا عبداللہ محضؒ بن سیدنا حسن مثنیٰؒ بن سیدنا امام حسنؓ بن شاہ ولایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ۔

ولادت سے پیشتر حیرت انگیز کرامت کا ظہور

حضرت بی بی ماہ نورؒ فرماتی ہیں کہ جب معین حسن میرے شکم میں آئے، تو دین و دنیا کی خیر و برکت سے میرا گھر بھر گیا، تمام دشمن دوست بن گئے، دن بدن منزلت اور اعزاز میں اضافہ ہونے لگا، اور تمام غم والم میرے دل سے دور ہو گئے، پھر جس وقت آپ کے جسم اقدس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے روح ڈالی تو اس وقت سے پیدائش تک آپ کا یہ معمول رہا کہ نصف شب سے سواپہر دن چڑھے تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، پھر جس شب خواجہ معین الدین پیدا ہوئے، میرا تمام گھر نور الٰہی سے معمور ہو گیا، دور دور تک فرشتوں کے پرے کے پرے نظر آنے لگے، مگر تھوڑی

(۸۴۷) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۲ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری۔

(۸۴۸) ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے شعبان ۵۴۴ھ کی تاریخ لکھی ہے (دیکھئے: مکمل سوانح عمری غریب نوازؒ یعنی نائب رسول اللہ فی الہند ص ۱۶ مؤلفہ ڈاکٹر ظہور الحسن شاربؔ، ناشر: ظفر الدین خان بک سیلر ڈیوڑھی بیگم آگرہ، پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۸ء) عبد الحلیم شررؔ نے تاریخ وفات ۵۵۱ھ تحریر کیا ہے (ماہنامہ المنعم پٹنہ خواجہ غریب نواز نمبر ص ۲۶ جل ۳ شمارہ ۳، ۴ مارچ اپریل ۱۹۸۱ء)۔

(۸۴۹) بعض لوگوں نے والدہ کا نام بی بی ام الورع تحریر کیا ہے (مکمل سوانح عمری غریب نوازؒ یعنی نائب رسول اللہ فی الہند ص ۱۶ مؤلفہ ڈاکٹر ظہور الحسن شاربؔ، ناشر: ظفر الدین خان بک سیلر ڈیوڑھی بیگم آگرہ، پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۸ء)، مفتی غلام سرور لاہوریؒ نے والدہ کا نام ''خاص الملکہ'' لکھا ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۲ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری)۔

دیر کے بعد وہ نور غائب ہو گیا۔

اس حیرت انگیز نظارے سے میرے دل پر ہیبت طاری ہوئی ،غیب سے ندا آئی : بی بی ماہ نور! تم کیوں پریشان ہو وہ نور جلوہ نما تو میرا تھا، میں نے اس نور کو تیرے فرزند معین الدین کے دل میں بھر کر دین و دنیا کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے، یہ آواز سن کر میرے دل کی وحشت دور ہوگئی، میں چاہتی تھی کہ اپنے لخت جگر کو اٹھا کر سینے سے لگاؤں، دیدۂ ودل سے پیار کروں، مگر یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ معین الدین بالب جنباں گریہ کناں بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہیں، معین الدین نے جوں ہی اپنا سر سجدہ سے اٹھایا میں نے ان کو اٹھا کر کلیجے سے لگایا، اور روئے زیبا پر بوسے دیئے، شکر خداوندی ادا کیا، آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو زمین و آسمان کے درمیان ہزار ہا خوش پوش وخوش رو جوان نظر آئے ،جن کے جسم اور لباس فاخرہ سے ایسی مست خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں کہ دل و دماغ معطر ہو کر سرور کا عالم طاری ہو گیا، یہ لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے اشارے کر رہے تھے، اس نظارہ سے بھی میں حیران و ششدر رہ گئی، میری حیرانی و پریشانی کو دیکھتے ہوئے، ان میں سے ایک شخص نے مجھے مخاطب کر کے کہا، معین الدین کی ماں ! ہم سب لوگ اس زمانہ کے ابدال ہیں ،تمہارے فرزند دلبند کی ولادت با سعادت کی خبر سن کر مبارکباد دینے حاضر ہوئے ہیں، یہ کہہ کر وہ سب غائب ہو گئے۔

تعلیم و تربیت

حضور سرکار خواجہ غریب نوازؒ ۵، ۶ سال کی عمر سے تیرہ (۱۳) سال کی عمر تک والدین کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، سن شعور کو پہونچ کر آپ کی تعلیم کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا ،خراسان اس زمانے میں علوم وفنون کا مرکز تھا، بڑے بڑے علماء وہاں موجود تھے ،حضرت خواجہ بزرگ کو امام الحرمین حضرت ابوالمعالیؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہونے کا موقع ملا، اس کے بعد آپ خراسان سے بلخ تشریف لے گئے، اور علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حضرت مولانا حسام الدینؒ کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے ،اس وقت حضرت خواجۂ بزرگ کی عمر ۱۶، ۱۷ سال کی تھی ،آپ یہاں تقریباً سات آٹھ سال تک مختلف علماء کے زیر درس رہے۔

ابھی آپ کی عمر سولہ (۱۶) سال کی ہوئی تھی ،کہ آپ کے والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا، حضرت خواجہ غیاث الدین آشوب روزگار اور انقلاب حکومت سے عراق منتقل ہو گئے تھے،عراق ہی میں آپ کا انتقال ہوا، خواجہ بزرگ مع اپنی والدہ اور دو بھائیوں کے عراق سے خراسان واپس آئے، وطن پہونچنے کے چند روز بعد بھائیوں نے ترکۂ پدری تقسیم کر لیا، آپ کے حصہ میں ایک باغ

آیا، جس کی آمدنی پر آپ کے تمام اخراجات کا دارومدار تھا، باغ کی پرورش و پرداخت خود فرمایا کرتے۔

ایک مرد مجذوب سے ملاقات

آپ ایک روز اپنے باغ میں درختوں کو پانی دے رہے تھے کہ حضرت ابراہیم قندوزیؒ (۸۵۰) جو کا بر مجاذیب وقت میں تھے، باغ میں تشریف لائے، حضور غریب نوازؒ نے نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ خوش آمدید کہا، اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا کر انگوروں کا ایک خوشہ ان کی خدمت میں پیش کیا، خواجہ غریب نوازؒ کی اس آؤ بھگت سے حضرت ابراہیمؒ بہت مسرور ہوئے، آپ نے اپنی زنبیل سے ایک کھلی کا ٹکڑا نکال کر منہ میں چبا کر خواجہ بزرگ کو کھلایا، یہ چبائی ہوئی کھلی کھا کر خواجہ غریب نواز کو دنیا سے نفرت ہوگئی، دل نور الٰہی سے معمور ہو گیا، جملہ آلائش قلبی دور ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا ہوگئی۔

اس واقعہ کے تیسرے روز خواجہ بزرگ اپنی کل املاک کو فروخت کر کے اس کی کل قیمت فی سبیل اللہ تقسیم کر دی، اور والدہ سے اجازت حاصل کر کے مطلوب حقیقی کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، خراسان سے چل کر سمرقند اور سمرقند سے بخارا تشریف لے گئے۔

حضرت خواجہ بزرگؒ کے پیر طریقت

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد خواجہ بزرگ باطن کو آراستہ کرنے کے لئے پیر کامل کی تلاش میں روانہ ہوئے، اس زمانہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ طریقت کے پیشوا اور قطب وقت مانے جاتے

(۸۵۰) حضرت ابراہیم مجذوب کی ولادت و وصال کی تاریخ اور دیگر حالات معلوم نہیں ہو سکے، غالباً یہ وہی بزرگ ہیں جن کا ذکر نفحات الانس میں آیا ہے، بڑے صاحب کرامات و تصرفات تھے، عجیب و غریب احوال کے حامل تھے، کھانے پینے میں اعتدال نہیں تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ کئی کئی دن تک کچھ نہ کھاتے، اور کبھی ایک وقت میں ایک سو (۱۰۰) سیر کھانا کھا جاتے تھے، اور کچا پکا گوشت، چاول آٹا، دال سب کھا جاتے، کتابوں کی جلدیں بھی کھا جاتے۔ حضرت جامیؒ نے کئی واقعات ان کے نقل کئے ہیں، یہ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (ولادت ماہ رجب ۵۳۹ھ/ دسمبر ۱۱۴۴ء وفات ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۴ء) کے معاصر ہیں (دیکھئے نفحات الانس ص ۱۹، ۲۰۷ مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ) غالباً ان کو خوش کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ خوب زوردار ضیافت کی جائے، اور اسی لئے حضرت خواجہؒ نے جب ان کی خدمت میں خوش اخلاقی کے ساتھ پھل وغیرہ پیش کئے تو گو کہ انہوں نے خوشۂ انگور کی طرف کوئی توجہ نہ کی (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۲ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری) لیکن ان کے اس حسن خلق سے وہ بے حد خوش ہوئے، اور ان پر خاص توجہ مبذول فرمائی، واللہ اعلم بالصواب۔

تھے،طلب کامل وصادق تھی،آپ بخارا قصبہ ہارون جو اطراف نیشاپور میں واقع ہے تشریف لے گئے،اور حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر قدم بوس ہوئے،مرشد کامل نے حضرت خواجہ بزرگؒ کے باطنی اوصاف کو ایک ہی نظر میں جانچ کر اپنے مریدان خاص میں شامل کرلیا، اور پہلی ہی ملاقات میں مرشد کامل نے سلوک کی تمام منزلیں طے کرادیں،خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں بیس (۲۰) برس رہ کر کمالات روحانی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حضرت سیدنا عثمان ہارونیؒ آخر عمر میں مکہ معظّمہ میں گوشہ نشیں ہو گئے تھے،اسی مبارک اور مقدس شہر میں آپ نے بتاریخ ۵ / شوال ۶۰۷ھ (مطابق ۹ / دسمبر ۱۲۲۰ء) میں وفات پائی ،آپ کا مزار مبارک خانۂ کعبہ کے شامی دروازے کے قریب مرجع خواص وعوام ہے۔

سیر وسیاحت

مرشد کامل سے کامل تربیت اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد سرکار غریب نواز اصفہان روانہ ہوئے،راستہ میں ایک عظیم الشان بت خانہ پڑا،آپ ان گم گشتگان راہ خداوندی کو راہ راست پر لانے کے لئے چند روز قیام کے ارادے سے ایک درخت کے نیچے فروکش ہوئے،آپ نے اپنے خادم فخر الدین کو آگ لانے کے لئے اس بت خانہ میں بھیجا،بت خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا،وہ بلا تأمل اندر چلے گئے،ان کو دیکھ کر وہ سب لوگ جو مندر میں جمع تھے ان کے درپے آزار ہوئے،اور کہا کہ ابھی ابھی مندر سے نکل جاؤ ورنہ جان سے مارڈالیں گے،میاں فخر الدین ناچار بصد اضطراب حضور غریب نوازؒ کے پاس آئے اور دست بستہ حالات عرض کئے،سرکار غریب نواز اس وقت نہر پر بیٹھے ہوئے تھے،وضو میں مشغول تھے،بت پرستوں کی باتیں سن کر آپ کو طیش آ گیا،فوراً اٹھ کر بت خانہ تشریف لے گئے، آپ کو دیکھتے ہی سب دم بخود رہ گئے،ان لوگوں کی زبان پر ایسی مہر سکوت لگی کہ کوئی ایک حرف زبان سے نہ نکال سکا،آپ نے دیکھا،ایک پیر مغاں تخت پر قیام پذیر ہے،اور اس کے سامنے اس کا دس (۱۰) سالہ لڑکا کھیل کود میں مشغول ہے،اور قریب ہی آگ بھی خوب روشن ہے۔

خواجہ غریب نواز: بتاؤ تمہارا کیا مذہب ہے؟ تم آگ کو کیوں پوجتے ہو؟

پیر مغاں: ہم آگ کو خدا مانتے ہیں،اس لئے آگ کی پوجا کرتے ہیں۔

خواجہ غریب نواز: تمہارا خیال بے بنیاد اور عقل کا فساد ہے،کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آگ تھوڑے پانی سے بجھ جاتی ہے۔اگر تم آگ کو اپنا معبود مانتے ہو تو ذرا آگ میں ہاتھ ڈال کر دیکھو،اگر

آگ سے تمہارا ہاتھ نہ جلے تو کوئی بات بھی ہے۔

پیر مغاں نے ہنس کر جواب دیا: آگ کی خاصیت تو جلانے کی ہے، بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ آگ میں ہاتھ ڈالا جائے اور آگ سے ہاتھ نہ جلے۔

خواجہ غریب نواز: تو تم بڑے ہی احمق ہو جو آگ کو پوجتے ہو، ارے نادان! معبود حقیقی تو وہ ہے جس نے یہ کل کائنات پیدا کی ہے، اور ہر چیز میں علٰحدہ خاصیت ودیعت فرمائی ہے، دیکھ اس کے نام میں یہ طاقت ہے، اور آیت کریمہ:

يٰنَارُ كُونِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا. (۸۵۱)

پڑھ کر اور اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر آگ میں کود گئے، کچھ دیر کے بعد باہر تشریف لائے، لڑکا اور آپ دونوں آگ کے اثر سے محفوظ رہے، یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر وہ سب بت پرست آپ کے قدموں پر گر کر مسلمان ہو گئے، پیر مغاں کا نام عبداللہ اور اس کے لڑکے کا نام ابراہیم رکھا، آپ کی نظر فیض سے یہ دونوں باپ بیٹے ولی کامل بن گئے، سرکار غریب نواز نے اس بت خانہ کی بنیاد کھدوا کر وہاں ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی، اور عبداللہ کو ان سب کا سردار بنا کر آپ وہاں سے خراسان کی طرف روانہ ہو گئے، اور خراسان سے سبزوار (۸۵۲) تشریف لے گئے۔

سبزوار (یا ہرات) کا حاکم محمد یادگار بڑا فاسق وفاجر (اور بدعقیدہ) تھا، اولیاء اللہ کی شان میں نہایت گستاخ اور بے ادب تھا (۸۵۳)، سبزوار پہونچ کر حضور خواجہ غریب نوازؒ کا قیام اتفاقاً اس باغ میں ہوا، جہاں حاکم سبزوار شراب نوشی اور رنگ رلیاں منایا کرتا تھا، باغ نہایت سرسبز وشاداب تھا، میووں کے درخت بہ کثرت تھے، صاف وشفاف پانی کا نہر وسط باغ میں جاری تھا، خواجہ غریب نواز یہ خوش منظر دیکھ کر وہیں ٹھہر گئے، نہر میں غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی، اور قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔

اتنے میں آپ کے خادم نے دست بستہ عرض کیا کہ اس علاقہ کا حاکم نہایت بیہودہ اور اولیاء اللہ کا دشمن ہے، حاکم کے نوکر چاکر باغ کو فرش فروش سے آراستہ کرنے آ گئے ہیں، میری رائے یہ ہے کہ آپ

---

(۸۵۱) لانبیاء:69

(۸۵۲) خزینۃ الاصفیاء میں ہرات لکھا ہے۔

(۸۵۳) یہ شخص اعتقادی طور پر شیعہ امامیہ تھا، وہ نہایت اہتمام کے ساتھ صحابۂ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا، وہ اتنا سخت بد باطن تھا کہ اگر اس کی رعایا میں سے کوئی اپنے بچہ کا نام ابوبکر یا عمر رکھ لیتا تو وہ اسے قتل کر دیتا تھا (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۶۴ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری)۔

کسی دوسری جگہ تشریف لے چلیں، ایسا نہ ہو کہ وہ بے ادب کوئی گستاخی کر بیٹھے، یہ سن کر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا تو جا! کسی درخت کے نیچے بیٹھ جا، اس کو آج تک کسی اللہ والے سے واسطہ نہیں پڑا تھا، اسی اثنا میں لب نہر فراش اور خدام نے بیش بہا قالین اور فرش فروش بچھائے، آپ کی عظمت وجلالت کی وجہ سے آپ سے کچھ کہنے سننے کی ہمت نہ ہوئی، تھوڑی دیر بعد جب حاکم سبزوار باغ میں پہونچا تو حضور غریب نواز کو لب نہر مصروف عبادت پایا، محمد یادگار جوں ہی حضور کے قریب آیا، مارے ہیبت کے تھر تھر کانپنے لگا، اور دست بستہ حضور اقدس میں استادہ رہا، خواجہ بزرگؒ نے جوں ہی ایک نظر محمد یادگار پر ڈالی، زمین پر گر کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا، محمد یادگار کا یہ حال دیکھ کر اس کے خواص سرکار غریب نواز میں عرض گذار ہوئے کہ اگر حضور کا فضل وکرم اس وقت دستگیری نہ کرے گا تو محمد یادگار اس طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا، آپ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ تھوڑا سا پانی نہر سے لا کر اس کے منہ پر چھینٹے مارو، خادم نے جوں ہی سرکار کے حکم کے مطابق عمل کیا، محمد یادگار کو ہوش آ گیا، اور بے تابانہ حضور کے قدموں پر گر کر بیعت کی سعادت حاصل کی، (اور کچھ عرصہ حضرت کے زیر تربیت رہ کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوا، حضرت خواجہ نے ہرات کی ظاہری و باطنی خلافت اس کے حوالے کی اور وہاں سے رخصت ہو گئے (۸۵۴))۔

ایک منکر صوفیاء حکیم صاحب کی اصلاح اور بیعت

دوران سیاحت میں جب حضور غریب نوازؒ کا گذر بلخ کی طرف ہوا تو آپ نے اتفاقاً ایسے باغ میں قیام فرمایا، جس کا مالک ظاہری علم وفضل کے باوجود علم باطن سے نا آشنا تھا، اور موجودہ صوفیاء و مشائخ کے بارے میں حسن عقیدہ نہیں رکھتا تھا، حضور غریب نواز بہ نظر احتیاط اپنے ہمراہ تیر وکمان رکھا کرتے تھے، اگر کسی جگہ صحرا میں غذا میسر نہ ہوتی تھی، تو بقدر حاجت شکار کر کے روزہ افطار کر لیا کرتے تھے، افطار کا وقت قریب تھا، آپ نے تیر وکمان منگا کر ایک کلنگ کا شکار کیا، اور خادم کو حکم دیا کہ افطار کا وقت قریب ہے، فوراً اس کا کباب تیار کرو، ادھر خادم کباب بنانے میں مصروف تھا، ادھر خواجہ غریب نوازؒ وضو کر کے مصلیٰ پر تشریف فرما تھے، کہ حکیم ضیاء الدین نے باغ میں آ کر یہ نظارہ دیکھا اور خادم سے دریافت کیا کہ تم کس کے لئے کباب بنا رہے ہو؟ اور یہ کون بزرگ ہیں؟ خادم نے عرض کیا کہ آپ خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں، اتنے میں خواجہ بزرگ نے نماز سے فارغ ہو کر جوں ہی ایک نظر حکیم صاحب پر ڈالی، وہ بے تاب ہو کر زمین پر گر پڑے، آپ نے اپنا دست حق پرست ان کے سینے پر رکھا

(۸۵۴) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۴، ۶۵ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری۔

تو ہوش آ گیا، مگر ایک سکتہ کا عالم طاری تھا، نہ آنکھ کھولتے تھے، نہ منہ سے بولتے تھے، جب ہوش آیا تو خواجہ بزرگ کے قدم مبارک پر سر رکھا، آپ نے مزاج پرسی فرمائی، اور مولانا کو کباب عنایت فرمایا، کباب کھاتے ہی حکیم صاحب کا دل صاف ہو گیا اور شاگردوں سمیت بیعت ہو گئے (۸۵۵)۔

سرکار غریب نواز کا سفر حج

حضور سرکار غریب نوازؒ جس زمانہ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں رہتے تھے، آپ کو حضرت خواجہؒ کے ساتھ دمشق کے سفر کا اتفاق ہوا، دمشق سے حرمین شریفین تشریف لے گئے، مکہ معظّمہ پہونچے، اور طواف سے فارغ ہو کر میزاب رحمت کے نیچے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر دعا فرمائی، ندا آئی ہم نے معین الدین کو قبول کیا، اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر حضرت نے فرمایا: بارگاہ رسالت میں سلام عرض کرو، آپ نے سلام عرض کیا، روضۂ اقدس سے آواز آئی: وعلیکم السلام یا قطب المشائخ!، اس کے بعد آپ نے اٹھائیس (۲۸) روز تک خواجہ بزرگؒ کو فقر کی تعلیم فرما کر خرقہ، مصلیٰ، نعلین چوبی، اور عصا مرحمت فرما کر ارشاد فرمایا، یہ چیزیں ہمارے پیران طریقت کی ہیں، ان کو نہایت ادب کے ساتھ اپنے پاس رکھنا، پھر اس کے بعد آپ کو رخصت کیا۔

بارگاہ رسالت سے ہندستان کو روانگی کا حکم

مرشد کامل کی تعلیمات سے فراغت اور خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ وطن مالوف تشریف لائے، اور بعد چندے قیام زیارت حرمین کے لئے روانہ ہو گئے، حج بیت اللہ سے فراغت ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، ایک روز روضۂ اطہر کے سامنے آپ مصروف عبادت تھے، کہ روضۂ اقدس سے آواز آئی: اے معین الدین حسن! تو ہمارے دین کا معین و مددگار ہے، ہندوستان کی ولایت ہم نے تم کو عطا کی، اب تم اجمیر جا کر اقامت کرو، وہاں بہت بری طرح کفر و شرک کی ظلمت پھیلی ہوئی ہے، وہاں تمہارے قیام سے اسلام کی روشنی پھیلے گی۔

یہ مژدۂ جانفزا سن کر آپ حیران تھے، کہ ہندستان کون سا ملک ہے؟ کہاں واقع ہے؟ اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی، سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم رویا میں مشرق سے مغرب تک کی سیر کرائی، اور ایک انار آپ کو عنایت فرمایا، جاؤ، ہم نے تم کو اللہ کے سپرد کیا۔

---

(۸۵۵) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۶۴، ۶۵ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری۔

خواجہ غریب نوازؒ کی حجاز سے واپسی

دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمان روانگی حاصل کرتے ہی آپ حجاز سے روانہ ہوگئے، بغداد شریف تشریف لائے، اور حضور غوث الاعظمؒ سے فرمان رسالت کا تذکرہ کیا، سرکار غوث پاکؒ نے خواجۂ بزرگ کو سینہ سے لگا کر سپرد بخدا فرما کر روانگی کی اجازت دی، آپ بغداد شریف سے روانہ ہوکر مختلف امصار ودیار کی سیر وسیاحت کرتے ہوئے لاہور تشریف لائے، اور سرکار داتا گنج بخش ہجویریؒ (ولادت غالباً ۳۸۱ھ یا ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مطابق ۹۹۱ء یا ۱۰۰۹ء یا ۱۰۱۰ء- وفات ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ/ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۷۶ء)(۸۵۶) کی خدمت بابرکت میں چندروز قیام کر کے اجمیر شریف روانہ ہوگئے۔

(۸۵۶) اسم گرامی ''علی'' اور ابوالحسن کنیت ہے، سلسلۂ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے، شجرۂ نسب اس طرح ہے: حضرت مخدوم علی، بن عثمان، بن سید علی، بن عبدالرحمن، بن شاہ شجاع، بن ابوالحسن علی، بن حسین اصغر، بن سید زید شہید، بن حضرت امام حسنؓ، بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ آپ کی ولادت افغانستان کے شہر ''غزنی'' میں غالباً ۳۸۱ھ یا ۴۰۰ھ یا ۴۰۱ھ مطابق ۹۹۱ء یا ۱۰۰۹ء یا ۱۰۱۰ء میں ہوئی، آپ نے علم ظاہر حضرت ابوالعباس بن محمد شقانیؒ اور دیگر اساتذہ سے حاصل کیا، آپ بطن مادر ہی سے ولی کامل پیدا ہوئے تھے، لیکن روحانی تعلیم میں آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل محمد بن الحسن الختلیؒ (م ۴۶۰ھ/ ۱۰۶۸ء) تھے، آپ ان سے سلسلۂ جنیدیہ میں بیعت ہوئے، جیسا کہ خود آپ نے کشف المحجوب میں اس کا ذکر کیا ہے، ان کے وصال کے بعد اور بھی کئی معاصر مشائخ سے استفادہ کیا، مثلاً ابوالقاسم بن قاسم عبداللہ الکرگانیؒ، ابوالقاسم امام قشیریؒ، حضرت شیخ احمد حمادی سرخسیؒ، حضرت ابوجعفر محمد بن المصباح الصید لانیؒ، حضرت ابوسعید ابوالخیر شیخ ابواحمد المظفر بن احمد بن حمدانؒ، کے علاوہ صرف خراسان میں تین سو(۳۰۰) مشائخ کا خود داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں ذکر کیا ہے، جن سے آپ کو ملاقات حاصل تھی، حضرت خضر علیہ السلام سے بھی استفادہ کیا۔ آپ حنفی المذہب تھے، حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام انتہائی عقیدت کے ساتھ لیا ہے۔

آپ کی شادی والدین کی زندگی میں ہوئی تھی مگر اہلیہ مزاج شناش نہ تھیں، اس لئے ان کی وفات کے بعد شادی نہیں کی، گیارہ (۱۱) سال کے بعد ایک خاتون کے غائبانہ حسن وکمال کے اسیر ہوئے، لیکن اللہ پاک نے دستگیری فرمائی، اور اس عورت کا خیال دل سے ہمیشہ کے لئے نکل گیا۔

آپ نے کئی کتابیں تحریر فرمائیں، آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف کشف المحجوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ کی آخری تصنیف ہے، اور اس سے قبل نو (۹) کتابیں آپ نے اور لکھی تھیں، لیکن اب ان میں سے کوئی دستیاب نہیں ہے، بعض کے سرقہ اور دوسروں کا اپنی طرف منسوب کر لینے کا واقعہ حضرت نے خود لکھا ہے، بہرحال ان نو تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱- دیوان، اس کو کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا (کشف المحجوب ص ۲) ۲- کتاب فنا وبقا، ۳- اسرار الخرق والمؤونات، ۴ الرعایۃ بحقوق اللہ تعالیٰ۔ اس نام کی ایک تصنیف شیخ احمد بن خضرویہؒ (م ۲۴۰ھ) کی بھی ہے جو کشف المحجوب= =

اجمیر کا حال

حضور خواجہ غریب نواز اجمیر کی تشریف آوری سے بارہ (۱۲) سال قبل پرتھوی راج کی والدہ نے اپنے بیٹے کو علم نجوم کے ذریعہ آگاہ کر دیا تھا کہ آج سے بارہ (۱۲) سال بعد اجمیر میں ایک درویش اس صورت وشکل اور اس وضع قطع کا اپنے چالیس (۴۰) ہمراہیوں کے ساتھ حدود سلطنت میں داخل ہوگا، پرتھوی راج نے اس روز سے تمام قلمرو میں یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ اگر آج کی تاریخ سے کوئی مسلمان اس صورت وشکل کا چالیس ہمراہیوں کے ساتھ حدود سلطنت میں داخل ہوتو فوراً اس کو گرفتار کر کے ہمارے

== کے مآخذ میں شامل ہے، اور اسی نام کی ایک کتاب ابوعبداللہ الحارث بن اسد المحاسبی (م ۲۴۳ھ) کی تصنیف بھی ہے، جولندن سے چھپ چکی ہے۔ ۵-کتاب البیان لاہل العیان، ۶-نحو القلوب، ۷-منہاج الدین، طریقت، تصوف، اور مناقب اصحاب صفہ پر مشتمل ہے، اور حسین بن منصور حلاجؒ کا حال بھی بیان کیا ہے۔ دیوان کی طرح اسے بھی کسی نے اپنی طرف منسوب کرلیا۔ ۸-ایمان، ۹-شرح کلام منصورؒ

ایک کتاب کشف الاسرار کے نام سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی طرف منسوب ہے، مگر تحقیق کے مطابق وہ جعلی ہے، حضرت کی کتاب نہیں ہے۔

البتہ کشف المحجوب آپ کی سب سے اہم تصنیف ہے، جو مسائل شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کا ایک بیش بہا گنجینہ ہے، اور اولیاء متقدمین کے حالات بابرکات اور ان کی مقدس تعلیمات کا بہترین خزینہ ہے، نیز فارسی زبان میں تصوف واحسان پر لکھی جانے والی یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ ہر دور کے اکابر اولیاء اللہ نے اس کو ایک بے مثل کتاب قرار دیا ہے۔ یہ کتاب آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں تصنیف کی، اور اس کا تین چوتھائی حصہ یقیناً لاہور میں لکھا۔

کشف المحجوب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے پاک وہند کے اکثر شہروں کی سیاحت کی تھی، اور آخری اقامتگاہ بننے کا شرف لاہور کی خاک کو حاصل ہوا، آپ کے لاہور آمد کی تاریخ میں اختلاف ہے، مگر قرین قیاس یہ ہے کہ ۴۵۱ھ/۱۰۵۹ء میں لاہور تشریف لائے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور تشریف لاتے ہی اپنی فرودگاہ کے ساتھ ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کرائی، آپ کی تاریخ وفات میں بھی سخت اختلاف ہے، قرین صحت ۴۶۵ھ تا ۴۶۹ھ/ ۱۰۷۳ء تا ۱۰۷۶ء ہے۔ مزار پرانوار لاہور میں مرجع خلائق ہے، ظہیر الدولۃ سلطان ابراہیم بن مسعود بن محمود نے آپ کا مزار تعمیر کرایا، اور یہ بھی لکھا کہ حضرت کے ساتھ جو دو قبریں ہیں وہ شیخ احمد حمادی سرخسیؒ اور شیخ ابوسعید ہجویریؒ کی ہیں۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

(کشف المحجوب (مترجم از ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ) ص ۱۴ تا ۶۵ مؤلفہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ، دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، تحقیق وتخریج وتدوین: ڈاکٹر خالق داد ملک، وڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ناشر مکتبہ شمس وقمر جامعہ حنفیہ لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ)۔

حضور میں پیش کیا جائے یا قتل کر دیا جائے۔ سرکار غریب نواز لاہور سے روانہ ہو کر جب سوانہ (پانی پت) کے قریب پہونچے تو وہاں کا راجہ اور پرتھوی راج کے سپاہیوں نے آپ کو شناخت کرلیا، حاکم کو اطلاع دی گئی، حاکم سمانہ (پانی پت) نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار عقیدت کے طور پر دعوت طعام دی، آپ فوراً مراقب ہوئے، حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ مکار ہیں، ان کی باتوں میں نہ آؤ، دربار رسالت سے یہ ہدایت حاصل ہوتے ہی آپ نے دعوت رد کر دی، اور آپ وہاں سے اجمیر کے لئے روانہ ہو گئے۔

سرکار غریب نواز اجمیر میں

الغرض سرکار غریب نواز بتاریخ ۷/محرم ۵۶۱ھ (۱۹/نومبر ۱۱۶۵ء) کو داخل اجمیر ہوئے اور شہر سے باہر ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیام فرمانے کا ارادہ کیا، ابھی سامان رکھنے نہ پائے تھے کہ ایک شخص نے رعونت آمیز لہجہ میں کہا، یہاں سامان نہ اتارو، کہیں اور جا کر ٹھہرو، یہ راجہ کے اونٹوں کے باندھنے کی جگہ ہے، یہ سن کر خواجہ غریب نوازؒ نے فرمایا، ہمیں اونٹوں سے کیا غرض، وہ یہاں ہی بیٹھے رہیں گے، ہم جاتے ہیں، یہاں سے اٹھ کر آپ اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے کر اس پہاڑ پر تشریف لے گئے، جہاں اب آپ کا چلہ بنا ہوا ہے، اور جو انا ساگر کے اوپر واقع ہے، شام کو جب وہ اونٹ وہاں آ کر بیٹھے تو بیٹھے کے بیٹھے ہی رہ گئے، ساربانوں نے ہر چند ان کو مارا پیٹا مگر انہوں نے ذرہ برابر جنبش نہ کی، مجبور ہو کر ساربانوں نے سرکار میں حاضر ہو کر گریہ وزاری کی، تب آپ کے حکم سے وہ اونٹ اس جگہ سے اٹھے۔

بچھیا دودھ دینے لگی

جس وقت خواجہ غریب نوازؒ نے اناساگر کے پہاڑ پر ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیام کیا، تو وہاں گائے کی بہت سی بچھیا چر رہی تھیں، آپ نے گوالہ کو بلا کر فرمایا، ہمیں دودھ پلاؤ، گوالہ نے باادب جواب دیا، حضور! یہ راجہ کی گایوں کے بے بیائے بچے ہیں، ان میں سے کوئی بھی دودھ نہیں دیتی، آپ نے ایک بچھیا کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، اچھا جاؤ اس بچھیا کا دودھ دوہ لاؤ، گوالہ نے جوں ہی اس بچھیا کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اس کے تھن دودھ سے بھر گئے، آپ کی برکت سے اس بچھیا نے اس قدر دودھ دیا کہ اکتالیس (۴۱) آدمیوں نے خوب سیر ہو کر پیا، آپ کی یہ حیرت انگیز کرامت دیکھ کر وہ گوالہ مسلمان ہو گیا۔

پجاریوں کے چہرے فق ہو گئے

ایک روز سرکار غریب نوازؒ کا ایک خادم غسل کے ارادے سے اناساگر گیا، چونکہ اناساگر پر بے شمار بت خانے تھے، وہاں پجاریوں کا ہروقت جمگھٹا رہتا تھا، پجاریوں نے اس کو دیکھ کر صرف شور وغل ہی نہیں مچایا بلکہ آمادۂ فساد ہوگئے، ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان کے ہاتھ لگانے سے تالاب کا پانی ناپاک ہوجائے گا، خادم مجبور ہوکر وہاں سے لوٹا اور حضور غریب نوازؒ کی خدمت میں حاضر ہوکر نازیبا سلوک کی شکایت کی، خواجہ بزرگ کو پجاریوں کی اس نامعقول حرکت پر بہت غصہ آیا، آپ نے خادم کو بحالت غیظ وغضب حکم دیا کہ اناساگر میں سے ایک چھاگل پانی بھرلاؤ، خادم نے جوں ہی چھاگل پانی سے بھرا، اناساگر جیسا تالاب اور تمام کنووں، چشموں حتیٰ کہ دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں دودھ خشک ہوگئے، یہ حال دیکھ کر پجاریوں کا رنگ فق ہوگیا، اور وہ دوڑے ہوئے پرتھوی راج کے پاس گئے، اور حالات سے باخبر کیا، تالاب اور چشموں کا پانی خشک ہوجانے کی وجہ سے عوام کے دلوں پر ہیبت بیٹھ گئی، حتیٰ کہ راجہ پرتھوی راج اس حیرت انگیز مشاہدہ سے نہ صرف حیران ودم بخود تھا بلکہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا، اور وہ دوڑا ہوا اپنی والدہ کے پاس آکر کہنے لگا، ماتاجی! جس گرو مہاراج کے آنے کی آپ نے آج سے بارہ (۱۲) سال پہلے مجھے خبر دی تھی وہ گرو مہاراج آگیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اب ہمارا زمانہ اخیر آگیا ہے، اب ہمارے راج پاٹ کی خیر نہیں۔

پرتھوی راج نے فوراً ہی ارکان دولت کو بلاکر مشورہ کیا، کہ اس فقیر کو دفع کرنے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے، منت سماجت سے کام لیا جائے یا بہ جبر شہر سے باہر نکال دیا جائے، ارکان دولت نے عرض کیا، ان داتا! فقیر بڑا پہونچا ہوا ہے، اور اپنے وقت کا بڑا کامل ہے، مقابلے سے جانبر ہونا دشوار ہے، بہتر ہے کہ جوگی جے پال کو یہ خدمت سپرد کی جائے۔

جے پال جوگی کو شکست فاش اور قبول اسلام

راجہ کے حکم سے فوراً ایک ہرکارہ جئے پال جوگی کے پاس گیا اور راجہ کا پیغام سنایا، کہ جلد مدد کو پہونچو ورنہ کہانی ختم ہے، جئے پال ننگے سر ننگے پاؤں بھاگا ہوا آیا، راجہ کو بحال پریشان دیکھا، راجہ سے بات چیت کرکے جئے پال جوگی ڈیڑھ ہزار مزید جادوگروں کو ساتھ لے کر مقابلہ کے لئے روانہ ہوا، خواجہ بزرگ کو جب جئے پال جادوگر کے آنے کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنے اور اپنے چالیس (۴۰) ساتھیوں کے گرد عصائے مبارک سے حصار کھینچ دیا، جوگی جئے پال جوں ہی سامنے آیا، اور حصار میں

قدم رکھنا چاہا، اوندھے منہ گر گیا، پھر اس نے سحر کی پوری طاقت صرف کر دی، مگر اس کا کوئی سحر کامیاب نہ ہو کا، بلکہ وہ الٹا جۓ پال جوگی کے ساتھیوں کے لئے پیغام موت ثابت ہوا، جۓ پال اپنی شکست فاش تسلیم کر کے قدموں پر گر پڑا اور اپنی اور اہالیان اجمیر کی تشنگی کا رونا رویا، حضور نے فرمایا، جا! وہ پانی کی چھاگل اٹھالا، جۓ پال نے ہر چند چھاگل اٹھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا، سرکار غریب نوازؒ نے فرمایا کہ بس اسی برتے (بل) پر ہمارا مقابلہ کرنے آیا تھا، اور اسی زور پر ناز تھا۔

جۓ پال جوگی نے حضرت خواجہؒ کو مغلوب کرنے کے لئے فن سحر کے تمام کمالات ختم کر دیئے تھے، مگر آپ کے آگے اس کی کچھ نہ چل سکی، اب جۓ پال جوگی نے اپنا آخری حربہ استعمال کیا، وہ جادو کے زور پر آسمان پر اڑ کر چلا گیا، سرکار غریب نوازؒ نے اسی وقت اپنی کھراون (لکڑی کی چپل) کو حکم دیا کہ جاؤ اس سحر کار کی خوب مرمت کرو، حکم ملتے ہی کھراون ہوا میں پرواز کرنے لگی، اور جۓ پال جوگی کے سر و چشم پر اس زور سے پڑنے لگی، کہ پٹتے پٹتے اس کا برا حال ہو گیا، مجبور ہو کر ہر چند جۓ پال جوگی نے بیر مہابیر کو پکارا مگر حق کے سامنے باطل کا زور کہاں چل سکتا ہے، لاچار ہو کر آپ کے قدموں پر گر کر مشرف بہ اسلام ہو گیا، سرکار غریب نواز نے جۓ پال کا نام بدل کر عبداللہ رکھا، عبداللہ نے حضور سے درخواست کی کہ اس کمترین کے حق میں قیامت تک کی زندگی کے لئے دعا فرمایئے، آپ نے دعا فرمائی، کہ تو ان شاء اللہ قیامت تک زندہ رہے گا، بعض زائرین کا بیان ہے کہ عبداللہ بیابانی لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں، اور آج بھی زندہ ہیں، بھولوں کو راستہ بتاتے ہیں، اور مصیبت کے ماروں کے کام آتے ہیں (۸۵۷)۔

شادی دیو جن کا قبول اسلام

جۓ پال کی حسرت ناک ناکامی سے پرتھوی راج کا دل ٹوٹ گیا، اب اس کا رہا سہا راوہ جن رہ گیا تھا، جس کی پرستش اہالیان اجمیر از راہ عقیدت کیا کرتے تھے یہ جن چونکہ پرتھوی راج کا دوست

(۸۵۷) لیکن جیسا کہ خلفاء کے بیان میں آگے آرہا ہے کہ حضرت عبداللہ بیابانیؒ کی وفات ۲۵ / رجب ۶۴۸ھ مطابق ۲۹ / اکتوبر ۱۲۵۰ء کو ہو گئی تھی، مزار اجمیر شریف میں ہے،----

اخبار الاخیار میں ایک اور شیخ عبداللہ بیابانیؒ (ولادت ۸۰۲ھ/ ۱۴۰۰ء وفات ۹۰۵ھ/ ۱۴۹۹ء) کا بھی ذکر ہے، مگر وہ متاخر ہیں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے منسلکین میں تھے، ابتداء میں ان کا قیام دہلی میں تھا، بعد میں وہ مندو منتقل ہو گئے تھے، وہیں ان کا مزار ہے (اخبار الاخیار ص ۴۴۹ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)۔

تھا، اسے اپنے دوست کی پریشانی کا علم ہوا، تو فوراً راجہ کے پاس دوڑا آیا، اور بے قراری اور پریشانی کی وجہ دریافت کی، راجہ نے سارا قصہ من و عن بیان کر دیا، اس جن نے جوں ہی سرکار غریب نواز کا نام سنا، تھرا گیا، ہیبت طاری ہوگئی، کہنے لگا، نادانو! اس مرد بزرگ سے نا آشنا ہو، یہ شخص شیر بیشۂ معرفت ہے، اس کے سامنے تمہاری کیا حقیقت ہے، یہ کہہ کر فوراً سرکار غریب نواز کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر قدم بوس ہوا، ---عرض کیا، یاہادی! مجھ گم گشتۂ راہ کو راہ ہدایت بتلایئے، آپ نے اس جن کو کلمۂ طیبہ پڑھایا، وہ جن بہ رضا و رغبت خود مسلمان ہوگیا۔

پرتھوی راج کا غصہ

سحر و ساحری کے ذریعہ جنگ میں شکست فاش کھا کر پرتھوی راج کا غصہ بڑھ گیا تھا، وہ دل ہی دل میں کھول رہا تھا، کہ اس بلائے بے درماں کے دفعیہ کی کیا تدبیر اختیار کی جائے، ایک روز پرتھوی راج قلعہ کی برجی پر بیٹھا ہوا مصروف نظارہ تھا کہ سدا بہار پہاڑی پر خواجہ غریب نواز کے گرد اہل حاجات اور بڑے بڑے لوگوں کا جم غفیر نظر آیا، فرط غضب میں پرتھوی راج نے ایک راجپوت سردار کو حکم دیا، کہ ایک دستہ سپاہیوں کا لے کر اس پورے ہجوم کو گرفتار کر ڈالو، اور فقیر سے کہو کہ کل تک اجمیر سے چلا جائے اور تمام شہر میں منادی کرادی کہ اس اعلان کے بعد جو شخص اس فقیر کے پاس جائے گا اس کو سزا دی جائے گی، اور گھر بار تاراج کر دیا جائے، راجہ کا قاصد اور کوتوال شہر جب سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر سدا بہار پہاڑی پر پہونچا اور راجہ کا گستاخانہ پیغام سنایا تو آپ نے فرمایا، ہم تو خلق اللہ کی غمخواری کے لئے آئے ہیں، رائے پتھورا ہمارے کام میں کیوں خواہ مخواہ دخل انداز ہوتا ہے، راجہ سے کہہ دینا کہ تین دن کے اندر معلوم ہو جائے گا کہ میں یہاں سے نکلتا ہوں یا تم۔

سرکار غریب نوازؒ روزہ سے تھے، حاضرین کی گرفتاری آپ کو یک گونہ شاق گذری، مغرب تک مصلیٰ پر خاموش بیٹھے رہے، روزہ افطار فرمایا اور نماز سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر مراقبہ میں بیٹھے رہے، مراقبہ سے فارغ ہو کر خدام کے دریافت کرنے پر فرمایا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے پرتھوی راج کے اختیارات کی باگ ڈور شہاب الدین کے ہاتھ میں دے دی ہے۔

غیبی طاقت کا ادنیٰ کرشمہ

اگلے روز پرتھوی راج قلعہ کے برج پر یہ دیکھنے چڑھا کہ سرکار غریب نوازؒ یہاں سے چلے گئے یا نہیں، کہ اسے گوگرا گھاٹی کی طرف سے دو سانڈنی سوار تیزی سے آتے ہوئے دکھائی دیئے، راجہ نے

سمجھا، یہ دونوں قاصد کھانڈے راؤ حاکم دہلی کے ہیں ،کوئی خاص خبر لے کر آرہے ہیں ،راجہ پرتھوی راج محل میں واپس آکر ارکان دولت کو جمع کرکے قاصدوں کی آمد کا انتظار کرنے لگا،تھوڑی دیر میں وہ دونوں قاصد راجہ کے دربار میں پہونچ گئے،اور کھانڈے راؤ کے ایک خط کے ساتھ شہاب الدین غوری کا اعلان جنگ پیش کیا، پرتھوی راج نے دونوں خط کو پڑھ کر کھانڈے راؤ حاکم دہلی کو خط لکھا کہ آس پاس کے تمام راجاؤں کو متحدہ طاقت سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ کرتے ہوئے تیار ہوجاؤ،اور خود بھی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوگیا۔

سرکار غریب نوازؒ شادی دیو کی قیام گاہ پر

اسی دوران میں سرکار غریب نواز جئے پال اور شادی دیو کی درخواست پر شادی دیو کی قیامگاہ پر جو وسط شہر میں واقع تھی،تشریف لے گئے،وہاں پہونچ کر آپ نے پرتھوی راج کو دعوت اسلام بھیجی،مگر اس نے قبول کرنے سے انکار کردیا،سرکار غریب نواز کے قاصد نے جب پرتھوی راج کی سرکشی اور دعوت اسلام رد کردینے کا حال ذکر کیا،تو آپ نے آنکھیں کھول کر فرمایا،اگر یہ کم بخت ایمان نہ لایا تو اسے اسلامی لشکر کے ہاتھوں زندہ گرفتار کرادوں گا۔

پرتھوی راج کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا،اس کا خیال تھا کہ میں شہاب الدین کو شکست دے کر ہی نہیں چھوڑوں گا بلکہ تاخت وتاراج کرتا ہوا غزنی تک پہونچوں گا،اس مقصد کے لئے اس نے بہت سے راجاؤں کو اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ جب پرتھوی راج اور کھانڈ راؤ کی جنگی تیاریاں مکمل ہوگئیں ،تو وہ ڈیڑھ لاکھ سوار اور ایک لاکھ پیادہ اور تین ہزار جنگی ہاتھی،اور سولہ ہزار سامان جنگ کے چھکڑے لدوا کر شہاب الدین کا راستہ روکنے کے لئے پہلے ہی سے دریائے سرستی عبور کرکے تراوری (ترائن (۸۵۸)) کے میدان میں پہونچ گیا،ادھر شہاب الدین کی فوج بھی آگئی ،اور تراوری کے میدان میں دونوں جانب سے صف بندی ہوگئی۔

شہاب الدین غوری کا لشکر

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ پرتھوی راج کی فوج تین لاکھ اور شہاب الدین غوری کا لشکر صرف ایک لاکھ ستر ہزار تھا،بہادر راجپوت کے مقابلے میں اگرچہ شہاب الدین کی فوج کی تعداد کچھ بھی نہ تھی ،تاہم

(۸۵۸) تاریخ فرشتہ میں ترائن لکھا ہے (تاریخ فرشتہ ج ا ص ۱۴۷ مؤلفہ محمد قاسم فرشتہ ،ترجمہ عبدالحی خواجہ (مشفق خواجہ)،ناشر:المیزان ،لاہور،۲۰۰۸ء)۔

شہاب الدین کو یقین تھا کہ وہ اس جنگ میں یقیناً فتحیاب ہوگا۔

پرتھوی راج نے اپنی تین لاکھ فوج اس طرح ترتیب دی کہ آگے ایک لاکھ تیراندازوں کی قطاریں تھیں، ان کے پیچھے ڈیڑھ لاکھ سوار صف بستہ تھے، پشت پر ڈیڑھ سو (۱۵۰) راجاؤں کی فوجیں تھیں، اور ان کے پیچھے پرتھوی راج مع پچاس ہزار سواروں کے موجود تھا، اور پشت پر ہاتھیوں کی قطار کھڑی تھی۔

ادھر شہاب الدین نے اپنے مختصر سے لشکر کو اس طرح ترتیب دیا کہ سب سے آگے ایک کمان کی شکل میں بیس ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل تھے، ان کے وسط میں قطب الدین ایبک تھا، میمنہ پر اپنے بھتیجے عبداللہ کو اور میسرہ پر اپنے لڑکے محمود خان کو مقرر کیا، اور بقیہ تقریباً ساٹھ ہزار سواروں کو بارہ بارہ ہزار کے پانچ دستوں پر تقسیم کیا (۸۵۹)۔

۲۷/محرم ۵۸۸ھ (مطابق ۱۹/فروری ۱۱۹۲ء) کو جب ہر دو جانب سے صف بندی مکمل ہوگئی، تو راجپوتوں نے طبل جنگ بجایا، ایک لاکھ تیراندازوں نے تیروں کی بارش شروع کردی، ادھر غوری سپاہیوں نے نیزے سنبھالے، دیکھتے ہی دیکھتے دونوں لشکر گتھم گتھا ہوگئے، ہزاروں سر کٹ کٹ کر تنوں سے زمین پر گرنے لگے، آہ وبکا اور چیخ وپکار کی صدا سے فضا گونجنے لگی، ڈیڑھ گھنٹہ سخت معرکہ رہا، دشمنوں کو کاٹتے کاٹتے بہادر غوریوں کے ہاتھ شل ہوگئے، راجپوتوں کا ٹڈی دل سپاہی بڑھ بڑھ کر غوری لشکر کو ہٹانے کی کوشش کررہا تھا، کہ شہاب الدین کا بارہ ہزار کا تازہ دم دستہ آگے بڑھا، ہر گھنٹہ تازہ دم کمک پہونچنے کی وجہ سے مصروف جنگ غوری سپاہیوں کی ہمت بڑھتی رہی، جنگ طول پکڑتی رہی، دوپہر ہوگئی، پرتھوی راج کی فوج لڑتے لڑتے تھک گئی، قریب تھا کہ راجپوت فوج بھاگ پڑے مگر وقت کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے پرتھوی راج اور شرکائے جنگ راجگان نے تلسی کے پتے چبا چبا کر قسمیں کھائیں کہ مر جائیں گے مگر میدان جنگ سے منہ نہ موڑیں گے، الغرض تمام راجاؤں نے اپنی فوج کو جوش دلانا شروع کیا، جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی، شہاب الدین غوری گھوڑے کی پشت پر بیٹھا جنگ کی حالت ملاحظہ کررہا تھا، کہ اس نے یکایک گھوڑے کی زین پر اپنی پیشانی رکھ دی، غنودگی سی طاری ہوئی، عالم رویا میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی شاندار جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ہورہی ہے، شہاب الدین بھی جماعت میں شریک ہے، نماز سے فارغ ہوکر خطیب نے شہاب الدین کا شانہ پکڑ کر ہلایا، زین سے اٹھایا اور کہا کہ معز الدین! اٹھو، یہ سونے کا وقت نہیں ہے، کارکنان قضاوقدر نے فتح ونصرت

(۸۵۹) تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۱۴۷، ۱۴۸ مؤلفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحی خواجہ (مشفق خواجہ)، ناشر: المیزان، لاہور، ۲۰۰۸ء۔

تمہارے لئے مقدر کردی ہے، پرتھوی راج کی موت تمہارے ہاتھ میں ہے، غم نہ کرو، خدائے عزوجل تمہارے ساتھ ہے، یہ بشارت سنتے ہی شہاب الدین کی آنکھ کھل گئی ،فوج کی طرف نظر ڈالی تو وہی مر دخدا ہر طرف فوج کی نگرانی کرتے نظر آئے۔

شہاب الدین غوری موقعہ شناس اور بہادر سپاہی تھا، اس نے جب دیکھا کہ گرمی کے سخت دن ہیں ،دونوں طرف کی فوجیں لڑتے لڑتے تھک گئی ہیں، اور جنگ ایسے نازک مرحلے پر پہونچ گئی ہے کہ کسی فریق کی ادنیٰ سی غفلت بھی شکست کا باعث بن سکتی ہے، تو اس نے فوراً چھ چھ ہزار کے تازہ دم دو دستے میمنہ ومیسرہ کی طرف روانہ کئے، اس کے علاوہ شہاب الدین کی خاصہ فوج کے بارہ ہزار سوار تھے، شہاب الدین خود ان کو دو دو ہزار کی چھ صفوں میں ترتیب دے کر قلب لشکر سے نکلا، اور راجپوت لشکر کی طرف بڑھا، اور عام حملہ کا حکم دیا، پرتھوی راج تین طرف سے گھر گیا، غوری کے خلجی نوجوانوں نے تھکے ہوئے راجپوتوں کو پیچھے ہٹا دیا۔ راجپوتوں کے بدمست ہاتھیوں نے خود راجپوتوں کو روند ڈالا۔

غرض ایک گھنٹہ کی تابڑتوڑ جنگ سے شہاب الدین نے تراوری (ترائن) کا معرکہ سر کرلیا، پرتھوی راج اور دیگر راجگان بھاگ پڑے ،غوری سپاہیوں نے تعاقب کر کے چند راجاؤں کو مار ڈالا، اور پرتھوی راج سرستی کے کنارے گرفتار ہوکر قتل کردیا گیا۔

تراوری کا میدان فتح کر لینے کے بعد شہاب الدین کیکڑی کے راستے اجمیر روانہ ہوا، جس وقت شہاب الدین دیولی پہونچا تو وہاں ان راجاؤں کے لڑکے جن کے باپ اس جنگ میں مارے جا چکے تھے، دستاویزات فرمانبرداری اور شاہانہ تحائف لئے استقبال کے لئے جمع تھے، شہاب الدین نے شاہانہ کرم وعنایت سے ان کی دستاویزات پر مہر توثیق ثبت فرمائی، اور پرتھوی راج کے لڑکے کے ساتھ بالخصوص نہایت خندہ پیشانی سے پیش آیا، جاگیریں واگزاشت کیں، پرتھوی راج کے لڑکے کو از راہ ترحم خسروانہ اجمیر کی حکومت عطا فرمائی ،شہاب الدین غوری کے شاہانہ سلوک سے متاثر ہوکر راجگان نے کیکڑی کے مشہور تالاب کے کنارے چراغاں منایا ،غرض شہاب الدین غوری دیولی سے روانہ ہوکر غروب آفتاب کے وقت اجمیر پہونچا، اذان کی آواز سن کر حیران رہ گیا، کہ یہاں حق کی آواز! یہ کیا معاملہ ہے؟ اجمیر کے کسی ہندولڑکے نے شہاب الدین سے عرض کیا، عالی جاہ! یہاں سال بھر سے چند درویش ٹھہرے ہوئے ہیں، وہ دن رات میں کئی مرتبہ اسی طرح پکار کر پوجا کرتے ہیں۔

سلطان شہاب الدین خواجہ غریب نوازؒ کے قدموں پر

کاشانۂ ولایت پر پہونچ کر دیکھا کہ نماز باجماعت ہورہی ہے شہاب الدین بھی شریک ہوگیا،

جس وقت امام نے بعد فراغت نماز مقتدیوں کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو شہاب الدین نے دیکھا کہ امام صاحب تو وہی بزرگ ہیں، جو میدان جنگ میں میری فوجوں کی رہنمائی کر رہے تھے، شہاب الدین حضور خواجہ غریب نوازؒ سے قدم بوس ہونا چاہتا تھا کہ خواجہ بزرگؒ نے اس کو خود اپنی آغوش میں لے لیا، شہاب الدین بہت دیر تک اپنے رخسار حضور کے سینۂ مبارک سے لگائے رہا، جب حضور خواجہؒ نے دعائیں دے کر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا تو شہاب الدین کی ڈاڑھی خوشی کے آنسوؤں سے تر تھی، اس کے بعد شہاب الدین نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

شان فقر و درویشی

حضور سرکار خواجہ غریب نواز پر (غالباً آخری عمر میں) اکثر اوقات استغراقی کیفیت رہتی تھی، اور وہ بھی اس درجہ کی کہ آپ کو اپنی بھی خبر نہ رہتی تھی، نماز کے وقت حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور قاضی حمید الدین ناگوریؒ سامنے کھڑے ہو کر بہ آواز بلند ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' پکارتے پھر بھی آپ ہوشیار نہ ہوتے، تب مجبوراً شانۂ مبارک ہلایا جاتا تو آنکھیں کھولتے تھے۔

آپ ہر سال بہ قوت روحانی اجمیر شریف سے زیارت کعبہ کے واسطے تشریف لے جاتے تھے، آخر زمانے میں تو یہ عالم تھا کہ آپ ہر شب خانۂ کعبہ میں طواف کرتے اور صبح صادق سے پہلے اجمیر شریف واپس آ کر نماز فجر ادا کرتے تھے۔

سرکار غریب نوازؒ ایک دن حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے، کہ ندا آئی اے معین الدین! ہم تجھ سے خوش ہیں، اور تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہتے ہو مانگو عطا کروں گا، آپ نے عرض کیا، معین الدین کے مرید ان سلسلہ کو بخش دے، ارشاد ہوا، تیرے سلسلہ کے تمام مریدان کو بخش دوں گا۔

سیر الاقطاب میں ہے کہ خواجہ غریب نوازؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک میرے مرید جنت میں داخل نہ ہو جائیں۔

سرکار غریب نوازؒ کی عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا، کہ آپ نے تمام عمر عبادات و ریاضات و مجاہدات میں بسر کی، ستر (۷۰) برس تک پہلوئے مبارک کو زمین سے نہ لگایا، سوائے اشد ضرورت کے آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے، عموماً عشا کی نماز سے فجر کی نماز ادا فرمایا کرتے تھے، سفر اور حضر میں آپ روزانہ دو قرآن مجید ختم فرمایا کرتے تھے، ایک دن میں اور ایک رات میں، جب آپ پر حالت جلالی کا غلبہ ہوتا تھا تو حجرہ کا دروازہ بند کر کے مشغول ہو جاتے تھے، نماز کے وقت حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لاتے، اس وقت جس پتھر پر نظر پڑ جاتی تھی، وہ اسی وقت خاک ہو جاتا تھا۔

حضور غریب نوازؒ سنت نبوی کے سخت پابند تھے، خدا کے خوف سے ہر وقت لرزہ براندام اور اشکبار رہتے تھے، اخلاق محمدی کا مکمل نمونہ تھے، تحمل، عفو، اور بردباری کا یہ عالم تھا کہ آپ کبھی کسی سے رنجیدہ اور آشفتہ خاطر نہ رہتے تھے، نہ کسی پر غصہ فرماتے تھے، جودوکرم کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے در سے خالی نہ جاتا تھا، آپ بڑے حلیم، متواضع، اور منکسر مزاج تھے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے تھے، ہر ملاقاتی سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آیا کرتے تھے، اور ان کے رنج وغم میں برابر شریک رہا کرتے تھے۔

آپ کے مطبخ میں ہر روز اس قدر کھانا پکا کرتا تھا کہ شہر کے تمام غرباء ومساکین سیر ہوکر کھایا کرتے تھے، یومیہ خرچ کے لئے جس قدر رقم درکار ہوتی خادم دست بستہ عرض کرتا آپ مصلیٰ کا گوشہ اٹھا کر فرماتے، آج کے خرچ کے واسطے جس قدر درکار ہو لے لو، آپ کی خدمت میں جو سائل یا حاجت مند حاضر ہوتا آپ اس کے لئے دعا فرماتے۔ اور جو کچھ اس کی قسمت کا ہوتا مصلےٰ کے نیچے سے عطا فرماتے تھے، زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ باوجود آپ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بادشاہ وقت کے پیر تھے اور بادشاہ بھی ان کا نہایت معتقد تھا، لیکن آپ نے کبھی اس شاہی تعلق کو کوئی اہمیت نہیں دی، امراء جو کچھ آپ کی خدمت میں پیش کرتے تھے، آپ اسی وقت غرباء میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے، سرکار غریب نواز سفر اور حضر میں ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النہار رہا کرتے تھے، اور صرف افطار پر اکتفا فرماتے تھے، ساتویں روز خشک روٹی کا ایک ٹکڑا جو وزن میں پانچ مثقال سے کسی حالت میں بھی زیادہ نہ ہوتا تھا، پانی میں بھگو کر تناول فرمایا کرتے تھے۔

لباس مبارک ہمیشہ دوہرے کپڑے کا بخیہ شدہ ہوتا تھا، جب کہیں سے پھٹ جاتا تھا، تو جس قسم کا کپڑا میسر ہوتا تھا بلا تأمل پیوند لگا لیا کرتے تھے، آپ کے جسم اقدس پر ہمیشہ پیوند دار لباس رہا کرتا تھا، ابتدائی دور میں آپ کا ذریعۂ معاش باغ اور پن چکی کی آمدنی تھی، مگر ان دونوں کو راہ خدا میں لگانے کے بعد آپ تیر وکمان اور چقماق ساتھ رکھتے تھے، اور شکار کے گوشت پر قناعت فرماتے تھے۔

سرکار غریب نواز کی ازواج واولاد سعیدہ

حضرت سرکار غریب نوازؒ نے بہ ایمائے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی عمر میں شادی کی تھی، آپ کی پہلی شادی خواجہ وحید الدین مشہدیؒ کی صاحبزادی بی بی عصمتؒ سے ۵۸۹ھ (مطابق ۱۱۹۳ء) میں ہوئی تھی، اور دوسری شادی بی بی امت اللہ سے۔

پہلی بیوی سے تین صاحبزادے، (۱) خواجہ فخر الدین ابوالخیرؒ، (۲) خواجہ ضیاء الدین ابوسعید، (۳) اور خواجہ حسام الدین ابوصالح پیدا ہوئے، اور دوسری بیوی سے حافظہ جمال صاحبہ، الغرض حضرت خواجہ بزرگؒ کی صلبی اولاد میں صرف تین لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔

☆ **حضرت خواجہ فخر الدین ابوالخیرؒ** کا مزار شریف قصبہ سردار شریف ریاست کشن گڑھ میں اجمیر سے چونتیس (۳۴) میل کے فاصلے پر ہے، آپ کا عرس تین سے چھ شعبان تک ہوتا ہے۔

☆ **حضرت خواجہ ضیاء الدین ابوسعید** منجھلے صاحبزادے کا مزار شریف احاطۂ درگاہ غریب نواز میں جھالرہ میں واقع ہے، عرس ۱۳/ ذی الحجہ کو ہوتا ہے۔

☆ **حضرت خواجہ حسام الدین ابوصالح**، آپ حضرت خواجہ غریب نواز کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں، آپ کا مزار شریف بھی لب جھالرہ اپنے بھائی خواجہ ابوسعیدؒ کے مزار کے قریب ہے۔

☆ **تاج المستورات حافظہ جمال:** آپ کا مزار شریف خواجہ غریب نوازؒ کے بائیں ایک چھوٹے سے قبہ میں زیارت گاہ خلائق ہے، ۱۹/ رجب کو آپ کی فاتحہ بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔

سرکار غریب نواز کے چند ممتاز خلفاء

یوں تو سرکار غریب نواز کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر چند ممتاز خلفاء کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

(۱) قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ: آپ سرکار کے اول خلیفہ وخلیفۂ اعظم ہیں، آپ کا مزار مبارک قصبہ مہرولی میں دہلی سے تیرہ (۱۳) میل کے فاصلے پر زیارت گاہ خاص وعام ہے، ۱۴/ ربیع الاول کو نہایت تزک واحتشام کے ساتھ عرس ہوتا ہے۔

(۲) سلطان التارکین حضرت خواجہ حمید الدین ناگوریؒ (م ۵/محرم ۶۴۳ھ مطابق ۸/ جون ۱۲۴۵ء مزار: دہلی)

(۳) قاضی وحید الدین ناگوریؒ (خراسانی) (م۹/ جمادی الثانیہ ۶۴۵ھ مطابق ۱۷/ اکتوبر ۱۲۴۷ء مزار: ہرات)

(۴) حضرت عبداللہ بیابانیؒ (م ۲۵/ رجب ۶۴۸ھ مطابق ۲۹/ اکتوبر ۱۲۵۰ء مزار: اجمیر شریف)

(۵) حضرت شیخ محمد علی سنجریؒ

(٦) حضرت شیخ محمد زاہد ترک نارسوئیؒ (م ۱۱/محرم الحرام ۶۳۴ھ مطابق ۲۰/ستمبر ۱۲۳۶ء، مزار: دہلی)

ہدایت المعارف میں پچپن (۵۵) جنات خلفاء کے نام بھی درج ہیں۔

پندرہ (۱۵) آپ کے پیر بھائی بھی تھے جو حضرت کے ہمراہ ہندوستان آئے تھے۔

کرامات خواجہ

یوں تو سرکار غریب نواز کی حیات طیبہ سرتاپا کرامت ہی کرامت تھی، کتب سیر وسوانح آپ کے تصرفات اور خرق عادات کے تذکرے سے پر ہیں، لیکن اس خیال سے کہ یہ مضمون اس عنوان سے تشنہ نہ رہ جائے، سرکار غریب نوازؒ کی چند کرامات تقویت ایمان اور غذائے روح کے طور پر ذیل میں درج ہیں:

شمس الدین التمشؒ کی بادشاہت کی پیش گوئی

☆ ایک روز حضرت سلطان الہند خواجہ غریب نوازؒ اور شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ایک جگہ بیٹھے ہوئے گفتگو فرما رہے تھے، کہ سامنے سے ایک لڑکا تیر وکمان ہاتھ میں لئے ہوئے گذرا، سرکار غریب نواز نے فرمایا، مجھے لوح محفوظ پر دیکھ کر معلوم ہوا ہے کہ یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ ہوگا، آپ کی پیشین گوئی حرف بحرف صادق آئی، وہ لڑکا سلطان شمس الدین التمشؒ تھا، جو دہلی کا جلیل القدر شہنشاہ بنا۔

ارادۂ قتل سے باخبر ہوگئے

☆ ایک روز ایک شخص بغل میں چھری دبا کر قتل کے ارادے سے خدمت اقدس میں حاضر ہوا، عرض کیا، مجھے حضور کی قدمبوسی کا بے حد اشتیاق تھا، آپ نے فرمایا، تو جس کام کے لئے آیا ہے وہ کام کر، میں تیرے سامنے موجود ہوں، یہ سن کر وہ شخص خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا، عرض کیا، حضور! میں بے قصور ہوں، مجھے فلاں شخص نے آپ کے قتل کے لئے بھیجا تھا، اللہ معاف فرمایئے، یہ کہہ کر اس نے چھری آپ کے آگے ڈال دی، آپ نے کمال خندۂ پیشانی سے اسے معاف فرمادیا، وہ فوراً تائب ہوکر آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگیا۔

آپ کی دعا سے مردہ زندہ ہوگیا

☆ ایک روز ایک عورت نالہ وفریاد کرتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، آپ اس وقت وضو

فرمارہے تھے، عورت نے عرض کیا حضور حاکم شہر نے میرے لڑکے کو ناحق قتل کر دیا ہے، میں حضور کے پاس فریاد لے کر آئی ہوں، آپ نے وضو سے فارغ ہو کر عصائے مبارک ہاتھ میں لے کر مقربان کے جلوس قتل گاہ کی طرف تشریف لے جاکر سر اور جسم کو ملا کر رکھا اور خداوند کریم سے دعا کی، یااللہ! اگر یہ لڑکا بے قصور ہے، تو اس کو زندہ کر دے، یہ دعا کر کے آپ نے لڑکے کے جسم پر عصائے مبارک رکھ کر فرمایا، خدا کے حکم سے زندہ ہوجا، وہ اسی وقت زندہ ہو گیا، سرکار غریب نواز کی کرامت صرف آپ کی حیات تک ہی مخصوص نہ تھی، وفات کے بعد بھی اب تک جاری ہے۔

ولی کی علامات

حضور خواجہ غریب نوازؒ کا ارشاد ہے، کہ جس شخص میں تین (۳) خصلتیں ہوں اس کو ولی کامل سمجھنا چاہئے، اول دریا کی سخاوت، دوم سورج کی طرح شفقت، سوم زمین کی طرح تواضع۔

سرکار غریب نواز کا وصال

وصال سے کچھ روز پہلے آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ محبوب حقیقی سے وصال کا وقت قریب آ گیا ہے، اسی روز سے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری رہنے لگی تھی، وصال سے چند روز پیشتر حضرت خواجہ قطب الدینؒ کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا، اور قطب جہاں کا خطاب عطا فرمانے کے بعد دہلی روانہ فرمایا، ۵ / رجب المرجب ۶۳۳ھ (۲۱ / مارچ ۱۲۳۶ء) کی شام آپ پر اس خاص کیفیت کا غلبہ زیادہ ہو گیا، چنانچہ بعد نماز عشا حجرۂ مبارک کا دروازہ بند کرنے کے بعد سرکار غریب نواز نے خدام کو اندر آنے سے منع فرمایا، خدام تمام رات حجرے کے باہر حاضر رہے، اور صدائے وجد سنتے رہے، لیکن آخر شب میں آواز آنی موقوف ہو گئی، نماز فجر کے وقت خدام دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے تھے، جب دروازہ نہ کھلا تو خدام نے دستک دی، کوئی جواب نہ آیا، تو دروازہ توڑا گیا، دیکھا کہ آپ واصل بحق ہو چکے تھے، اور آپ کی پیشانی مبارک پر بہ خط نور لکھا تھا ''**حبیب اللہ مات فی حب اللہ**'' آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ فخر الدین نے آپ کے جنازے کی نماز پڑھائی، انبیاء علیہم السلام کی سنت کے مطابق آپ بمقام اجمیر اسی حجرۂ مبارک میں جہاں آپ بود و باش رکھتے تھے محو استراحت ہیں (۸۶۰)۔

---

(۸۶۰) آپ کی وفات سلطان شمس الدین التمشؒ کے دور میں ہوئی، تاریخ وفات جمہور اہل تاریخ کے نزدیک ۶ / رجب المرجب یوم دوشنبہ ۶۳۲ھ مطابق ۲ / اپریل ۱۲۳۵ء ہے، بعض نے ۳۰ / ذی الحجہ بھی لکھا ہے، مگر پہلا قول صحیح ہے، البتہ سن وفات میں سخت اختلاف ہے، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ، ۶۳۶ھ، ۶۳۷ھ کئی اقوال ہیں، عمر میں بھی کئی اقوال==

(۱۷)

حضرت خواجہ قطب الاقطاب قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ قطب الاقطاب ۱۹ / ربیع الاول ۵۳۷ھ (مطابق ۱۹ / اکتوبر ۱۱۴۲ء) کو بروز دو شنبہ صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے، آپ کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں، کہ نصف شب گذر چکی تھی، میں حسب معمول بیدار ہوئی، زمین سے آسمان تک تجلیات کا ہجوم تھا، سارا گھر بقعۂ نور معلوم ہوتا تھا، میری آنکھیں حیران تھیں، اوردل مضطرب تھا، عرض کیا بارالٰہا! یہ کیا معاملہ ہے؟ غیب سے ندا آئی، یہ وقت تمہارے بیٹے کی ولادت کا ہے، اور یہ تمام جلوہ سامانی اسی فرزند کی وجہ سے ہے، اس کے بعد آثار ولادت شروع ہوئے، اور صبح صادق کے وقت قطب الدین پیدا ہوئے، میں نے دیکھا کہ قطب الدین نے سجدہ کے لئے اپنا سر زمین میں رکھ دیا ہے، اور سبحان ربی الاعلیٰ کہہ رہے ہیں، جب انہوں نے بولنا شروع کیا، تو اسی نوعمری ہی میں یہ حال تھا، کہ جو کچھ کہتے فوراً وقوع پذیر ہوجاتا، حضرت قطب صاحبؒ کی عمر ڈھائی (یا ڈیڑھ) برس کی ہوئی تو آپ کے والد محترم حضرت خواجہ سید کمال الدینؒ کا وصال ہوگیا اور والدہ محترمہ نے خاص توجہ کے ساتھ آپ کی تربیت شروع کی، آپ کی عمر کا پانچواں سال شروع ہوا تو حسن اتفاق سے اسی زمانہ میں خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتیؒ "اوش" میں تشریف لائے، حضرت قطب صاحبؒ کی والدہ محترمہ نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا، تاکہ اس مقدس بزرگ کے سامنے وہ پہلی بار زانوئے تلمذ تہہ کریں، حضرت خواجہ اجمیریؒ نے ہاتھ میں تختی اور قلم لے کر ابھی کچھ لکھنا ہی چاہا تھا، کہ خواجہ حمید الدین ناگوریؒ تشریف لائے، اور آپ نے اپنے دل کے تقاضے پر وہ تختی اور قلم خواجہ ناگوریؒ کی طرف بڑھا دیا، خواجہ ناگوریؒ نے ازراہ مزاح حضرت قطب صاحبؒ سے دریافت کیا، تختی پر کیا لکھوں؟ حضرت قطب صاحبؒ نے فرمایا، قرآن مجید کے پندرہویں پارے سے شروع کیجئے، خواجہ ناگوریؒ کو تعجب ہوا، اور آپ نے

== ہیں، بعض نے چھیانوے (۹۶) سال، بعض نے ایک سو چار (۱۰۴) اور بعض نے ایک سوسات (۱۰۷) سال بتائی ہے (اخبار الاخیار ص ۵۹ تا ۶۵ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ☆ خزینۃ الاصفیاء ص ۶۱ تا ۶۷ مؤلفہ مفتی غلام سرور ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۵ تا ۱۷۰ مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: مکتبہ شیخ زکریا، سہارن پور، ۱۳۹۳ھ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۶۸ خلیق نظامی)۔

دریافت فرمایا، اور پندرہ (۱۵) پارے تم نے کہاں پڑھے، حضرت قطب صاحبؒ نے جواب دیا، میری والدہ پندرہ پارہ کی حافظہ ہیں، وہ پڑھا کرتی تھیں اور میں یاد کرتا رہتا تھا، خواجہ ناگوریؒ نے آپ کو سینہ سے لگایا، اور پندرہویں پارے سے تختی لکھ دی، خواجہ ناگوریؒ سے حفظ قرآن مکمل کرکے اپنے وقت کے مشہور عالم وصوفی حضرت مولانا ابوحفصؒ سے حضرت قطبؒ نے علوم کی تکمیل کی، ۱۷/ سال کی عمر میں حضرت قطب صاحبؒ نے خواجہ اجمیریؒ سے بغداد کی ایک مسجد میں بیعت طریقت کی، جہاں حضرت شیخ برہان الدین چشتیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جیسے باعظمت اولیاء اللہ موجود تھے۔

بغداد ہی میں حضرت قطب صاحبؒ نے ریاضت اور مجاہدے کی منزلیں طے کیں، یہاں تک کہ حضرت خواجہ اجمیریؒ نے آپ کو خرقۂ خلافت سے نوازا اور عوام کی رشد وہدایت پر مامور فرمایا۔

حضرت قطب صاحبؒ سے عوام کو اتنی محبت تھی کہ حضرت قطب صاحبؒ جب کسی جگہ تشریف لے جاتے تو بہت سے آدمی آپ کے ہمرکاب ہوتے، حضرت قطب صاحب حجرے سے مسجد تشریف لے جاتے تو بہت سے امراء، علماء، صوفیاء، اور دوسرے عوام وخواص اس راستے میں اپنے دوشالے اور پگڑیاں بچھا دیتے، تاکہ آپ کے مبارک پاؤں زمین پر نہ پڑنے پائیں، اور اسی ارادت وعقیدت کی وجہ سے ان کو بھی روحانی برکت وسعادت حاصل ہو، سلطان شمس الدین التمشؒ کو حضرت قطب صاحبؒ سے بے پناہ عقیدت تھی، سلطان روزانہ حضرت قطب صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا، اپنے اہم معاملات میں آپ سے طالب دعا ہوتا تھا، آپ اس کے لئے دعا فرماتے تھے، اور ان امور میں اسے کامیابی ہوتی تھی۔

حضرت قطب صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو پانی کی بہت تکلیف ہوتی تھی، اس لئے سلطان شمس الدین التمش نے زائرین وحاضرین کی آسانی کے لئے ایک حوض تعمیر کرانے کا ارادہ کیا، تو سلطان نے خواب میں دیکھا کہ حضور فخر کائنات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر تشریف رکھتے ہیں، اور ارشاد فرما رہے ہیں کہ، شمس الدین! اگر تم حوض بنانا چاہتے ہو تاکہ خلق خدا کو فائدہ پہونچے تو جہاں میں کھڑا ہوں اس جگہ حوض بناؤ، بیدار ہونے کے بعد سلطان کو وہ جگہ یاد رہی، اور اسی جگہ اس نے ایک بہت بڑا حوض تعمیر کرایا، جسے تاریخ نے ''حوض شمس'' کے نام سے یاد رکھا ہے، ایک طویل مدت تک تبلیغ کا کام انجام دینے اور لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے بعد حضرت قطب صاحب ۱۴ (یا ۲۴)/ ربیع الاوّل (۶۳۳ھ) ۶۳۴ھ (مطابق ۳ یا ۱۳/ دسمبر ۱۲۳۵ء یا ۱۲۳۶ء دوشنبہ) کو جوار رحمت میں

تشریف لے گئے (۸۶۱)۔

وصال کا واقعہ مؤرخین نے یہ لکھا ہے کہ حضرت قطب صاحب خانقاہ میں تشریف رکھتے تھے، کہ قوال نے یہ شعر پڑھا:

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جان دیگر است

قطب صاحب پر حال کی کیفیت طاری ہوئی، خواجہ حمید الدین ناگوریؒ اور شیخ بدر الدین غزنویؒ اس حال کو دیکھ کر آپ کو حجرہ میں لے گئے، تین شبانہ روز یہی حال رہا، بالآخر چوتھے روز وصال فرمایا، جس جگہ آپ کا مزار مبارک ہے وصال سے چندروز پہلے آپ نے اپنے دفن ہونے کے لئے اس جگہ کو آپ نے خود ہی پسند فرمایا تھا، وصال کی اطلاع ہوئی، تو سلطان شمس الدین التمش نے حاضر ہو کر آپ کو غسل دیا، کفن پہنایا اور جنازے کی نماز پڑھائی (۸۶۲)۔

حضرت قطب صاحبؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ نے قبر شریف تیار کی، سبع شمائل میں حضرت سیدنا قاضی حمید الدین ناگوریؒ نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا کہ میں بعد دفن کرنے قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر موجود تھا، میں نے بطور کشف کے دیکھا کہ منکر نکیر آئے اور خواجہ قطبؒ کے سامنے بہت ادب سے بیٹھ گئے، اسی اثناء میں دو فرشتے اور پہونچے، حق تعالیٰ کا سلام حضرت قطبؒ کو پہونچایا، اور ایک کاغذ سبز روشنائی کا لکھا ہوا نکالا اور حضرت خواجہؒ کے ہاتھ میں دیا، اس میں لکھا تھا کہ اے قطب الدین! میں تم سے خوش ہوں اور میں نے تمہاری برکت سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے سب گنہ گاروں کی قبروں سے عذاب اٹھالیا، اس لئے کہ جب زندوں نے تم سے بہت نفع اٹھایا ہے تو مردے بھی تم سے نفع حاصل کریں، اور تمہاری قدر جانیں، دو فرشتے اور بھی پہونچے، خواجہ کو حق کا سلام پہونچایا، اور منکر نکیر سے کہا، حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، ہمارے قطب سے سوال مت کرو، میں نے اپنے قطب سے خود سوال کرلیا ہے، اور وہ سوال

---

(۸۶۱) آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے، حضرت منورویؒ نے جو تاریخ وفات لکھی ہے اکثر مؤرخین کے نزدیک وہی راجح ہے، جیسا کہ مفتی غلام سرور نے سفینۃ الاولیا، اخبار الاولیاء، اور معراج الولایت وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں، البتہ مخبر الواصلین میں سن وصال ۶۳۳ھ لکھا ہے، مگر پہلا قول راجح ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۷۶ تا ۱۹۰ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری)۔

(۸۶۲) اخبار الاخیار ص ۶۷ تا ۶۹ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۷۶ تا ۱۹۰ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۱ تا ۱۷۶ شیخ زکریا کاندھلویؒ۔

کا جواب ہم کو دے چکے ہیں، تم لوگ واپس جاؤ۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں درگاہ شریف کے کچھ حصے کو نقصان پہونچا تھا، ہندوستان کی جمہوری حکومت نے اس نقصان کو شدت سے محسوس کیا، اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپے صرف کر کے درگاہ شریف کے شکستہ حصوں کو از سر نو تعمیر کرایا، حضرت قطب صاحب کی درگاہ شریف کے مصارف کے لئے مختلف سلاطین نے جائیدادیں وقف کی تھیں، جن کا انتظام برطانوی حکومت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اور خدام درگاہ کو مصارف کے لئے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) روپے سالانہ دیئے جاتے تھے، ۱۹۴۷ء کے بعد آج تک یہ انتظام بدستور قائم ہے، اور ہندستان کی جمہوری حکومت درگاہ شریف کے لئے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) روپے سالانہ دے رہی ہے، جس سے درگاہ شریف کے مصارف پورے ہوتے ہیں۔

(۱۸)

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ

آپ کا اسم گرامی مسعود لقب فرید الدین ہے، دنیا آپ کو گنج شکر یا شکر گنج کے نام سے یاد کرتی ہے، آپ کی ولادت باسعادت ۲۹/ شعبان ۵۹۴ھ)۱۲/ جولائی ۱۱۹۸ء) کو ضلع ملتان کے ایک معمولی قصبہ میں ہوئی، اور تمام ہفتہ روزہ رکھا، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت فاروق اعظمؓ سے ملتا ہے، آپ کے والد بزرگوار حضرت جمال الدین سلیمانؒ جو شہاب الدین غوری کے عہد میں افغانستان سے ہندوستان تشریف لائے تھے، اول لاہور میں اقامت گزیں ہوئے، اور قلیل مدت کے بعد قصور اور ملتان ہوتے ہوئے قصبہ کہن والی (کھوتوال) میں آباد ہو گئے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی ولادت باسعادت اسی مقام پر ہوئی، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے مقام پیدائش پر ہی حاصل کی، اس کے بعد آپ حصول تعلیم کے لئے ملتان تشریف لے گئے، یہاں آپ نے قرآن کریم حفظ کیا، اسی زمانہ میں حضرت بختیار کاکیؒ ملتان تشریف لائے، ایک روز آپ نے اس مسجد میں نماز ادا کی جہاں شیخ فرید الدین اقامت گزیں تھے، شیخ نے جب حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کو دیکھا تو پہلی نظر ہی میں ان کے دلدادہ ہو گئے، اور حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے، اس وقت شیخ کی عمر اٹھارہ (۱۸) برس کی تھی، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ تو دلی تشریف لے گئے، اور اپنے مرید سے تاکید فرما گئے کہ وہ تعلیم میں ترقی کی کوشش کریں، چنانچہ فوراً ہی بعد شیخ فرید الدین ملتان سے نکل کر غزنی، بغد

ادا اور بدخشاں ایسے شہروں کی طرف روانہ ہوگئے، جو اس زمانے میں اسلامی علوم وطریقت کے مشہور ومعروف مراکز تھے، اس طویل سیاحت کے زمانے میں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کو بڑے بڑے اکابر اولیاء اللہ سے ملاقات اور استفادہ کا موقع ملا، ان میں سب سے بزرگ شخصیت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی ہے، شیخ فریدالدینؒ کو ان سے بڑی محبت ہوگئی تھی، سیاحت کے دوران آپ کو بیت المقدس کی زیارت واقامت کا شرف بھی حاصل ہوا، طویل سیاحت کے بعد آپ واپس وطن تشریف لائے، اور دہلی میں اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ کی تربیت میں مجاہدہ شروع کیا، اسی زمانہ میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ آپ سے ملنے کے لئے آپ کے حجرہ میں تشریف لائے، بابا صاحب دیکھتے ہی عجلت کے ساتھ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے، مگر ضعف اس قدر غالب تھا کہ پھر دھم سے زمین پر گر پڑے اور اپنی بے اختیاری ومجبوری پر رو پڑے، خواجہ صاحب تو غریب نواز مشہور ہی تھے، آنسو دیکھتے ہی دریائے رحمت جوش میں آگیا اور خود قطب صاحب سے فرمانے لگے، بختیار! خود شہباز جال میں پھنسا ہے، اب کب تک اس نوجوان کو مجاہدہ کی آگ میں جلاتے رہوگے، اس پر کچھ عنایت کرو، یہ فرما کر خواجہ غریب نوازؒ نے خود ہاتھ پکڑ کر قبلہ رو کھڑا کیا، اور اپنے اور خواجہ قطبؒ کے درمیان لے لیا، اسم اعظم کی تعلیم کی اور وہ کچھ عطا کیا جس تک طائر تصوف ہزار سال اڑ کر بھی نہیں پہونچ سکتا، غرض مالا مال کردیا، دیر تک آپ کے حق میں دعا کرتے رہے، پھر فرمایا کہ ان شاء اللہ اس مجسمۂ عرفان وفدائیت سے ہمارے سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں بڑا عروج ہوگا۔

بابا صاحب مسند خلافت پر

چند ہی روز کے بعد خواجہ قطب صاحب نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا اور سند خلافت لکھ کر حوالہ کیا، اب یہ ذات گرامی جو عرصہ سے مجاہدات وریاضات وعبادات میں مصروف تھی، خواجہ قطب سے ضیائے کامل حاصل کرکے خود آفتاب بن چکی تھی، وقت آگیا تھا کہ یہ آفتاب افق ہند پر طلوع ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں سے بھی آپ کو قبولیت عامہ کا منصب عطا ہوچکا تھا، اور واپسی کے عظیم وجلیل شرف سے بھی آپ مشرف ہونے ہی والے تھے، اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرنے لگتا ہے، دنیا اس سے محبت کرنے لگتی ہے، واپسی کی سعادت کے بعد تو مخلوق سمندر کی امواج کی طرح اس کی طرف امنڈ امنڈ کر آتی ہے، دہلی کے قیام ہی میں آپ کا شہرہ پھیل گیا، اور لوگ جوق درجوق آپ کے پاس آنے اور فیض حاصل کرنے لگے، ہجوم کی کثرت آپ کے اذکار واشغال میں خلل کا باعث ہونے لگی، اس لئے آپ

اجازت لے کر وہاں سے چلے گئے، وہاں حضرت جمال الدین ہانسویؒ ایک مدت سے مجاہدہ وریاضت کر رہے تھے، تصفیۂ باطن ہو چکا تھا، آپ نے انہیں اپنے حلقۂ راست میں لے کر ایک ہی نظر میں کامل کر دیا، اور تمام حجابات اٹھ گئے، مخلوق کا اژدہام بہت بڑھا تو آپ تنگ آکر شیخ جمال الدین کو خلافت عطا کر کے پھر اپنے وطن کوٹھوال تشریف لے گئے، اور پھر وہاں سے ضلع ملتان کے ایک مقام اجودھن میں آکر مقیم ہو گئے۔

اجودھن اس زمانے میں جنگلوں سے گھرا ہوا تھا، آپ نے سمجھا یہ تھا کہ یہاں سکون واطمینان میں رہ کر زندگی بسر کروں گا اور عبادات وریاضات میں کوئی فرق نہ آئے گا، لیکن یہاں بھی ہجوم ہو گیا، اور آپ نے ارادہ کر لیا کہ اس قصبہ کو بھی خیر باد کہہ دیا جائے، لیکن مراقبہ کی حالت میں آپ کو اپنے مرشد گرامی کی طرف سے حکم ہوا کہ تمہیں خاص طور سے اس قصبہ میں بھیجا گیا ہے، اب یہاں سے قدم نہ نکالو۔

آپ نے راہ سلوک میں بڑی بڑی ریاضتیں کیں، بیس (۲۰) برس تک عالم تفکر میں کھڑے رہے، اور بیٹھنے کا ہوش نہیں آیا، رمضان المبارک میں ہر رات کو تراویح کی نماز میں دو مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے، اور بعض راتوں کو دس دس پارے مزید پڑھ جاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے خوف کا یہ عالم تھا، کہ مجلس میں بات بات پر آنکھوں سے اشکوں کا سیلاب بہتا تھا، آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے نہایت محبت تھی، آپ کا ذکر خیر ہوتا تو زار وقطار رونے لگتے تھے، ایک شب سماع کی حلت وحرمت کے متعلق گفتگو شروع ہوئی اور علماء ظاہر کے اختلاف کا ذکر آ گیا، آپ نے فرمایا، سبحان اللہ، یکے سوخت وخاکستر شد دیگر ہنوز دراختلاف است"۔

ازواج واولاد

اتباع سنت میں آپ نے تین (۳) شادیاں کی تھی، ایک بیوی سلطان غیاث الدین بلبن کی صاحبزادی تھی، ان کے بطن سے پانچ (۵) صاحبزادے اور تین (۳) صاحبزادیاں ہوئیں:

صاحبزادے: خواجہ شہاب الدین، خواجہ بدرالدین، خواجہ نظام الدین، خواجہ یعقوب، اور خواجہ عبداللہ۔

صاحبزادیاں: بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ، اور بی بی مستورہ۔

وصال پر ملال

حضرت کا انتقال ۶۶۴ھ میں ۵/محرم (۲۳/اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو عشا کی نماز کے بعد حالت سجدہ

میں ہوا (۸۶۳)، سجدہ میں سر رکھا اور یا حی یا قیوم کہتے ہوئے جاں بحق ہوئے، خانقاہ میں مدفون ہوئے، جہاں آج تک انوار برستے ہیں، عظیم الشان روضہ بنا ہوا ہے، جلال الدین اکبر بادشاہ نے جسے آپ کے مزار مبارک سے بڑی عقیدت تھی، اس مقام کا نام پاک پٹن رکھا جو آج تک اسی نام سے مشہور ہے۔

(۱۹)

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ

شیخ کے آباء واجداد بخارا سے ترک وطن کر کے ہندوستان آئے تھے، اور لاہور میں مقیم ہوئے، پھر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، بدایوں اس وقت ''قبۃ الاسلام'' کہلاتا تھا، اس پاک زمین میں (۲۷/صفر المظفر ۶۳۶ھ یا ۶۳۴ھ مطابق ۱۵/اکتوبر ۱۲۳۸ء یا ۱۲۳۶ء کو) شیخ کی ولادت ہوئی، آپ کے والد ماجد علیل ہوئے، ایک رات آپ کی والدہ ماجدہ (بی بی زلیخاؒ) نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ کہہ رہے ہیں، کہ دو میں سے صرف ایک کو اختیار کر سکتی ہو یا خواجہ احمدؒ کو یا بیٹے کو، اس پاک دامن بیوی نے بیوگی کو قبول کیا اور شیخ کی زندگی کو خواجہ احمد کی موت پر ترجیح دی، انہوں نے چند روز کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، اور بدایون کی سرزمین میں دفن کئے گئے، سلطان المشائخ جب بڑے ہوئے تو ان کی والدہ نے انہیں مکتب میں بھیجا، مکتب میں آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا، اور دیگر علوم منقولات کی تحصیل بھی کی، اور تیرہ (۱۳) سال کی عمر میں علم فقہ کی تشنگی سے سیراب ہونے کے لئے دہلی تشریف لائے، اور شیخ مجیب الدین متوکل کے ہمسائے میں قیام کیا، دہلی میں رہ کر تین چار سال کی مدت میں وہ تبحر علمی حاصل کیا، کہ علمائے وقت سے مذاکرے رہنے لگے۔

(۸۶۳) صاحب خزینۃ الاصفیاء نے سیر الاقطاب کے حوالے سے ۶۹۰ھ مطابق ۱۲۹۱ء نقل کیا ہے، اور اسی کو معتبر قرار دیا ہے، پاک پٹن ضلع ملتان میں آپ کا مزار مبارک ہے جو لاہور اور ملتان کے درمیان واقع ہے، آپ کے خلفاء کی تعداد حد شمار سے باہر ہے، بعض لوگوں نے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) تک بتایا ہے، بعض نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) اور بعض حضرات نے خلفاء کی تعداد پانچ سو چوراسی (۵۸۴) لکھی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت علی احمد صابر کلیریؒ آپ ہی خلفاء میں ہیں، خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے تینتیس (۳۳) خلفاء کی فہرست دی گئی ہے، (خزینۃ الاصفیاء ص ۱۰۸ تا ۱۳۸ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوری ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۷۶ تا ۱۸۰ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارن پور، ۱۳۹۲ھ)۔

حضرت شیخ المشائخؒ کو حضرت بابا صاحبؒ کی زیارت کی تمنامدت سے تھی، ایک دن رخت سفر باندھا اور اجودھن جا پہونچے، بدھ کا دن تھا، (۱۵/ رجب المرجب) ۶۵۵ھ (مطابق ۴/ اگست ۱۲۵۷ء) میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، پہلی بات جو انہوں نے شیخ کی زبان سے سنی یہ تھی:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

شیخ کے دست حق پرست پر بیعت کی، اس وقت شیخ کی عمر بیس (۲۰) سال کی تھی، اور دہلی کی خلافت پائی، دہلی آکر اپنے اقلیم صدق وصفا پر حکمرانی شروع کردی، بادشاہ عوام پر حکومت کرتا اور آپ عوام کے دلوں پر قابض تھے، لوگ جوق در جوق آتے تھے، اور شیخ سے فیض حاصل کرتے تھے، سارے عالم میں حضرت شیخ کی عظمت وکرامت کا ڈنکا بج رہا تھا، فقراء ومساکین، امراء ورؤساء، علماء وصوفیاء سب کے سب شیخ کے گرد جمع رہتے تھے، اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق مستفیض ہوتے تھے۔

آزمائشیں

☆ سلطان علاء الدین خلجی کے انتقال کے بعد سلطان قطب الدین یہاں کے شاہی تخت پر بیٹھا، تو ظفر خان کو قتل کردیا، یہ وہی ظفر خان ہے جو محبوب الٰہی کا مرید اور معتقد تھا، مبارک شاہ کو حضرت شیخ سے عداوت ہوگئی تھی، اور وہ آپ کو ایذا پہونچانا چاہتا تھا، لیکن اس کے تمام اراکین سلطنت اور سرداران لشکر حضرت کے معتقد تھے، اس کو تکلیف پہونچانے کا موقع نہیں ملتا تھا، ایک دن سلطان نے قاضی محمد غزنوی سے جو اس کا محرم راز تھا دریافت کیا کہ اس قدر خرچہ جو خانقاہ میں ہوتا ہے کہاں سے آتا ہے، قاضی نے جواب دیا، اکثر امراء اور ملازمان سلطانی نذرانہ پیش کیا کرتے ہیں، اس زمانہ میں تقریباً تین ہزار (۳۰۰۰) روپیہ روزانہ مطبخ اور خیرات مساکین وغیرہ کے سلسلے میں صرف ہوتا تھا، بادشاہ نے ایک عام حکم جاری کیا، شہزادوں، ملازموں، سرداروں اور متعلقات سلطانی میں سے جو کوئی شیخ کے یہاں حاضری دے گا، اور نذرانہ پیش کرے گا اس کی جائیداد وغیرہ ضبط کرلی جائے گی، اس قسم کے تاکیدی احکامات ساری عملداری میں جاری کئے گئے، جب یہ حکم شیخ کے گوش مبارک تک پہونچا تو اپنے خادم خواجہ اقبال کو کہا کہ آج سے دوچند خرچ کیا کرو، اور جب حاجت ہو طاق میں بسم اللہ کہہ کر ہاتھ ڈالا کرو، جس قدر ضرورت ہوگی ملا کرے گا، جب یہ خبر سلطان تک پہونچی متحیر ہوا اور نادم ہوکر معافی کا خواستگار رہا۔

''ہنوز دلی دوراست''

☆اسی طرح سلطان غیاث الدین تغلق کو بھی حضرت محبوب الٰہی سے خصومت ہوگئی تھی، جب وہ سفر بنگالہ سے واپس ہورہا تھا تو اس نے ایک حکیم کو حضرت محبوب الٰہیؒ کے پاس بھیجا کہ اس وقت تک کہ میں دہلی پہونچوں آپ غیاث پور سے چلے جایئے، شیخ کی طبیعت اس وقت علیل تھی، آپ نے پیغام سن کر فرمایا، ''ہنوز دلی دوراست'' سلطان دہلی کے قریب جب پہونچا تو حضرت کے مریدان وجاں نثار ان سلطان کے قہر کے خیال سے بابار عرض کرتے تھے کہ آپ چندروز کے لئے مصلحتاً کسی دوسرے مقام پر تشریف لے چلیں، مگر آپ یہی فرماتے کہ ''ہنوز دلی دوراست''، یہاں تک کہ سلطان آپہونچا، اور دہلی سے چار پانچ میل کے فاصلے پر موضع افغان پور میں خیمہ زن ہوا، جب تغلق آباد کے قلعہ کے قریب پہونچا اور محل میں ٹھہرا جو اس کے بیٹے الغ خان نے بنوایا تھا، اور خوب آراستہ وپیراستہ کیا تھا، دفعتاً گر پڑا اور بادشاہ دب کر مرگیا، اب تک یہ مثل زبان زد خاص وعام ہے کہ ''ہنوز دلی دوراست''

قال ابتر حال ابتر سب مرے ابتر ہیں کام
لطف سے اپنے مرے کر ملک دیں کا انتظام
شہ نظام الدین بلخیؒ مقتدا کے واسطے (۸۶۴)

---

(۸۶۴) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے تاعمر شادی نہیں کی، اور مجرد رہے، اکانوے (۹۱) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی، موت سے چالیس (۴۰) دن قبل آپ نے کھانا ترک کردیا تھا، اور آخری ایام میں ہر نماز دوبار پڑھتے تھے، آٹھ (۸) روز تک آپ کا پیشاب بند رہا، آپ نے لنگر سمیت اپنی تمام ذاتی چیزیں لوگوں میں تقسیم کردیں، بروز جمعرات ۱۸/ ربیع الاول ۷۲۵ھ مطابق ۱۱/ مارچ ۱۳۲۵ء کو وصال پرملال ہوا، اخبارالاخیار میں تاریخ وفات بعد طلوع آفتاب بروز چہارشنبہ ۱۷/ ربیع الاول ۷۲۵ھ درج ہے، ممکن ہے کہ ۱۷ کو وفات ہوئی ہو اور رات دیر گئے تدفین عمل میں آئی ہو، بعض لوگوں (مثلاً مخبر الواصلین) نے آپ کی عمر چورانوے (۹۴) سال لکھی ہے، تاریخ نظامی میں تاریخ وفات ۱۸/ ربیع الثانی ۷۲۵ھ مطابق ۱۰/ اپریل ۱۳۲۵ء تحریر کی گئی ہے، سلطان غیاث الدین تغلق آپ سے ایک ماہ اور اٹھارہ دن قبل فوت ہوا تھا (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۷۵ تا ۱۹۳، مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ اخبارالاخیار ص ۱۲۹ تا ۱۴۱ مولفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ نفحات الانس للجامیؒ ص ۵۱۷، ۵۲۷ ☆ تاریخ نظامی ص ۷ تا ۳۷ مؤلفہ پیرضامن نظامی سید بخاری سابق سجادہ نشیں درگاہ حضرت نظام اولیاء، ناشر: پیرزادہ خواجہ احمد نظامی، منیجت کتب خانہ نظامی دہلی)

(۲۰)

حضرت سیدنا مخدوم علاء الدین صابر عاشق الٰہیؒ

انوار القدس میں اس طرح لکھا ہے کہ جب حضرت صابر شکم مادر میں تھے، تو عجیب حالات رونما ہوتے تھے، کبھی اس نور میں تجلیاں ظاہر ہوتی تھیں، والدہ صاحبہ جس حجرہ میں رہتی تھیں، وہاں نور کے بادل چھائے رہتے تھے، حجرہ اکثر خوشبوؤں سے معطر رہتا تھا۔

۱۷/شعبان ۵۱۲ھ (مطابق ۹/دسمبر ۱۱۱۸ء) کو عبدالوہاب پیدا ہوئے، گیارہ (۱۱) سال کی عمر میں انہوں نے دین کے علوم و معارف کی تکمیل کی، ۲۲/رجب ۵۳۱ھ (مطابق ۲۱/اپریل ۱۱۳۷ء) کو بروز دوشنبہ ایک مجلس عام میں انہیں بیعت کیا اور کچھ عرصہ کے بعد انہیں خرقہ پہنایا، سیف الاسلام صاحبزادہ عبدالوہاب جیلانی اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں کہ والد ماجد کی زبان فیض ترجمان سے یہ سن چکا تھا کہ میرے لڑکے عبدالرحیم عبدالسلام کے گھر میں ایک آفتاب معرفت پیدا ہوگا، اس لئے ان کی تربیت میں خاص جدوجہد کی، عبدالرحیم میں کچھ آثار مجذوبیت پائے جاتے تھے، حضرت والد ماجد بھی ان کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے، حضرت سیف الدین عبدالوہاب اپنے ایک ملفوظ میں لکھتے ہیں کہ جب عبدالرحیم عبدالسلام کی عمر اٹھارہ (۱۸) سال کی ہوگئی تو ۱۷/ذی الحجہ ۵۵۸ھ (مطابق ۲۲/نومبر ۱۱۶۳ء) کو حضرت والد ماجد غوث الثقلین نے بعد نماز مغرب عبدالرحیم کو اپنے سامنے بیٹھایا، توجہ دی اور بیعت سے مشرف فرمایا، میں نے اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا، اسی وقت سے وہ کیفیت باطن کی طرف متوجہ ہوگئے، یکم محرم ۵۵۹ھ (مطابق ۶/دسمبر ۱۱۶۳ء) کو مجھ سے کہا کہ میں سیر و سیاحت کے لئے ہرات کی طرف جانا چاہتا ہوں، میں نے اجازت دی، علیم اللہ ابدال کو ان کے ساتھ کر دیا ایک سال کے بعد علیم اللہ ابدال کے خط سے معلوم ہوا، عبدالرحیم ہرات میں خیریت سے ہیں، اور شیخ محمد بن اسحاق جو سلسلۂ قادریہ کے داعی ہیں، ان کے مکان پر رہتے ہیں، اب طبیعت پر جذب کا غلبہ نہیں ہے، تحصیل علوم ظاہری میں جدوجہد کر رہے ہیں، اسی زمانہ میں حضرت شیخ الاسلام بابا فریدؒ نے خواب میں حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، عبدالرحیم جو مرد صالح پوتا ہے عبدالقادر جیلانی کا شہر ہرات میں موجود ہے، اس کا نکاح اپنی بہن کے ساتھ کر دو، حضرت بابا صاحب نے ان سے ملاقات کی، اپنے ساتھ کوتوال ضلع ملتان میں لے گئے، بتاریخ ۱۷/جمادی الاولیٰ ۱۷۵ھ

(مطابق ۹ / دسمبر ۱۱۷۵ء) بروز پنجشنبہ بعد نماز عشا اپنی بہن ہاجرہ جمیلہ خاتون کے ساتھ عبدالرحیم عبد السلام جیلانی کا نکاح کر دیا، حضرت عبدالرحیم جیلانی اٹھارہ (۱۸) ماہ تک بابا صاحب کے پاس رہے، پھر ہرات آ گئے، اور خدمت دین میں مشغول ہو گئے، حضرت عبدالرحیم عبدالسلام جیلانیؒ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں، کہ بتاریخ ۱۱ / ربیع الآخر ۵۹۱ھ (مطابق ۳۱ / مارچ ۱۱۹۵ء) صابر بطن مادر میں جلوہ افروز ہوئے، بعد نماز تہجد رجال الغیب میرے پاس آئے، اور مبارکباد دی، وقت مقررہ کے بعد علی احمد صابر عالم ظہور میں آئے، ۱۹/ ربیع الاول ۵۹۲ھ (۲۷/فروری ۱۱۹۶ء) کو پیدا ہوئے، مسماۃ بصری بنت ہاشم دایہ نے بغیر وضو کے غسل دینا چاہا، اس کے جسم سے آگ سی لگ اٹھی، اس نے مادر مخدوم سے کہا، محترمہ نے فرمایا، تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بچہ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد میں سے ہے، جلد وضو کر اس کے بعد غسل کا انتظام کر، دایہ نے حکم کی تعمیل کی، اور اس کی حالت بہتر ہوگئی، غسل کے بعد حضرت صابرؒ کو سرکار غوث الثقلین کا کرتہ پہنایا گیا، حضرت مخدوم کا چہرہ مثل یاقوت کے تھا، ایک عجیب خوشبو سارے مکان میں محیط ہوگئی، رفتہ رفتہ خوشبو سارے شہر میں پھیل گئی، اور لوگوں کے دماغ معطر ہو گئے، نماز ظہر کے بعد رجال غیب اور اغواث واقطاب کی پاک ارواح جلوہ افروز ہوئیں اور حضرت صابرؒ کی مبارک پیشانی کو بوسہ دیا، جب حضرت مخدوم صابر کی عمر پانچ سال کی تھی، کہ بتاریخ ۱۷/ ربیع الاول ۵۹۷ھ (مطابق یکم جنوری ۱۲۰۱ء) بروز دوشنبہ بعد نماز ظہر حضرت کے والد ماجد عبدالرحیم جیلانیؒ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت مخدومؒ، بابا صاحبؒ کی خدمت میں

حضرت والد صاحب کے وصال کے بعد حضرت مخدوم صابر زیادہ تر خاموش رہتے تھے، اگر کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو والدہ سے طلب کر لیتے تھے، جب عمر شریف حضرت صابرؒ کی سات (۷) سال کی ہوگئی، تو والدہ صاحبہ آپ کو بابا فریدؒ کی خدمت میں پاک پٹن لے گئیں، اور بابا صاحب سے کہا، میں اس لڑکے کو آپ کی غلامی کے واسطے لائی ہوں، اسے قبول کیجئے، حضرت بابا صاحب نے حضرت صابر صاحبؒ کو اپنے سینے سے لگایا، اور بہن سے کہا، میں تمہارا احسان مند ہوں کہ تم نے ایک جوہر کامل اور ایک بدر منیر مجھے دیا ہے۔

حضرت بابا صاحبؒ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں: کہ صابر اکثر روزے سے رہتے، چوتھے پانچویں روز روٹی پانی میں بھگو کر کھاتے، اکثر حالت وجد طاری رہتی، میں نے علوم دین کی تکمیل کرائی،

تین (۳) سال میں انہوں نے اتنا کچھ حاصل کیا، جو دوسرا آدمی دس سال میں بھی حاصل نہیں کر سکتا تھا، بتاریخ ۵ /شوال ۶۰۱ھ (مطابق ۲۹ /مئی ۱۲۰۵ء) میں نے مخدوم صابر کو اپنے ہاتھ پر بیعت کیا، اور حکم دیا کہ تم مساکین اور فقراء کو لنگر تقسیم کیا کرو، اس کے بعد میری بہن ہرات چلی گئیں، علی احمد صابر بعد نماز اشراق کے لنگر تقسیم کرتے، حجرے سے باہر آتے اور اس کام سے فارغ ہو کر پھر حجرے میں چلے جاتے، میں نے ان کو شغل نوری تعلیم کیا تھا، جو یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللھم اجعل لی نوراًفی قلبی و نوراًفی سمعی و نوراًفی بصری"

حضرت صابر نے جب سے لنگر تقسیم کرنا شروع کیا کسی نے ان کو کوئی چیز کھاتے اور پیتے نہیں دیکھا، حضرت باباصاحب ایک مکتوب میں لکھتے ہیں، کہ میں حکم الہام باطن کے مطابق تبلیغ احکام طریقت کے لئے سفر میں جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ سفر سے واپس آیا، تو معلوم ہوا کہ ۲۷ /محرم ۶۱۰ھ (مطابق ۲۴ / جون ۱۲۱۳ء) کو میرا لڑکا نعیم الدین مخدوم صابر کے حجرہ میں کواڑوں کے روزن سے جھانک رہا تھا، اسی وقت اسے خون کی قے ہوئی، اور فوت ہوگیا، یکم صفر ۶۱۰ھ (مطابق ۲۸ / جون ۱۲۱۳ء) کو میرے چھوٹے لڑکے فرید بخش نے مخدوم صابر کے حجرہ کے قریب پیشاب کر دیا، وہ اسی وقت فوت ہوگیا، ان واقعات کو سن کر میں نے لوگوں سے کہا، علی احمد شمشیر برہنہ ہے جو بے ادبی کرے گا ہلاک ہوگا۔

دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعام

ایک دوسرے مکتوب میں باباصاحب فرماتے ہیں، کہ ۲ /محرم ۶۱۴ھ (مطابق ۱۷ / اپریل ۱۲۱۷ء) کو میری بہن والدۂ مخدوم کا انتقال ہوگیا، اس واقعہ کے نو (۹) سال تک صابر حجرے سے باہر نہیں آئے، ۱۱ /محرم ۶۲۳ھ (مطابق ۱۸ / جنوری ۱۲۲۶ء) کو میں حسب الحکم الہام باطن مخدوم کے حجرے میں گیا، دیکھا کہ استغراق محویت تامہ کے ساتھ حاصل ہے، میں نے اس کے کان میں سات مرتبہ کلمۂ شہادت پڑھا، مخدوم کی طبیعت مرتبۂ فنا سے مرتبۂ بقا کی طرف متوجہ ہوئی، آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا، آداب بجالائے، میں ان کو اپنے ساتھ حجرے سے باہر لایا، اور محفل میں بیٹھنے کا حکم دیا، میں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا، اپنی کلاہ پہنادی، اور چادر اڑھادی، اسی روز سے دن کے وقت میرے پاس

رہتے اور رات کو ان پر محویت طاری ہو جاتی تھی۔

۲۴/ رمضان ۶۵۰ھ (مطابق ۴/دسمبر ۱۲۵۲ء) کو بعد نماز تہجد میرے سرکار مرشد محترم حضرت قطب الاقطاب عالم مثال میں تشریف لائے، اور مجھ سے فرمایا، علی احمد! صابر کو جلد سے جلد لے چلو، میں نے عالم مثال ہی میں مخدوم صابر کو حجرے میں سے اپنے ساتھ لیا اور حضور مرشد کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا، چند لمحوں میں عالم ملکوت سے عالم جبروت کی طرف پہونچ گئے، تاحد نگاہ ایک پرکیف روشنی تھی، ایک مبارک دربار میں پہونچے، ارباب معرفت کا ہجوم تھا، سرکار دو عالم ﷺ ایک تخت پر جلوہ افروز تھے، مرشد محترم نے مجھے اور مخدوم علی احمد صابرؒ کو ایک مقام پر کھڑا کر دیا، میں حسب ارشاد صابر کو تخت مبارک کے قریب لے گیا، سرکار دو عالم ﷺ نے مخدوم صابر کے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا، ھذا ولی اللہ، اس کے بعد ہم اپنی خانقاہ میں موجود تھے، دوسرے دن میں نے عمامہ سبز اپنے ہاتھ سے مخدوم صابر کے سر پر باندھا، اور خدمت کلیر کی سند ان کو دی، شہد خالص پر فاتحہ دی گئی، اور یہ شہد حاضرین کو تقسیم کیا گیا، قوالوں نے نعتیہ کلام پڑھا، مخدوم پر غلبہ کیفیت حال کا ہونے لگا، مصلحتاً قوالی بند کر دی گئی۔

۱۵/ ذی الحجہ ۶۵۰ھ (مطابق ۲۲/فروری ۱۲۵۳ء) کو مخدوم کلیر کی طرف روانہ ہوئے، علیم اللہ ابدال کو ان کے ساتھ بھیجا گیا، سولہ (۱۶) روز کے بعد کلیر میں داخل ہوئے، کلیر اس زمانے میں گناہوں کا عظیم تر مرکز تھا، رئیس شہر اور قاضی دونوں اول درجے کے فاسق و فاجر و بدکار تھے، جس دن حضور صابرؒ کلیر میں داخل ہوئے، اسی دن آپ عصر کی نماز کے بعد جامع مسجد تشریف لائے، حضرت ممدوح نے بآواز بلند لوگوں سے کہا، اللہ تبارک تعالیٰ سے لوگو! وفاداری کا اقرار کرو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو، اس وقت مسجد میں تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) آدمی موجود تھے، شیخ بہاء الدین اور جمال محمد حضرت کو دیکھتے ہی بہ دل و جان معتقد ہو گئے، شیخ بہاء الدین نے اعلان کیا، کہ یہ کلیر کی خوش قسمتی ہے کہ حضرت مخدوم یہاں تشریف لائے، یہ اللہ کے ولی ہیں، آفتاب ہدایت ہیں، آپ پر فرض ہے کہ ان کے مبارک ہاتھ پر بیعت توبہ کریں، حاضرین میں سے کسی نے بیعت قبول نہیں کی، اور قاضی شہر اور رئیس کی شان میں قصیدہ خوانی کرنے لگے، حضرت بابا صاحب نے ایک خط قیام الدین رئیس کلیر کو اور قاضی شہر کے نام لکھا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور سرکشی و گناہ سے توبہ کرو، اگر تم ان حرکات شنیعہ سے باز نہ آؤ گے تو قہر الٰہی نازل ہوگا، رئیس شہر اور قاضی نے اس خط کو چاک کر دیا، حضرت مخدومؒ کو یہ بات سن کر نا گوار گذری۔

شان جلال و جبروت

۱۰/محرم ۶۵۱ھ (مطابق ۱۸/ مارچ ۱۲۵۳ء) بروز جمعہ حضرت مخدومؒ جامع مسجد تشریف لے گئے اور صف اول میں جلوہ افروز ہوئے کچھ دیر بعد رئیس اور قاضی شہر جامع مسجد میں آئے اور حضرت مخدوم کو اور آپ کے خادموں کو نازیبا الفاظ میں حکم دیا، کہ صف اول سے ہٹ جاؤ، حضرت مخدوم مع اپنے ساتھیوں کے مسجد سے باہر آگئے، جب سب لوگ رکوع میں گئے، تو حضرت مخدوم نے زمین مسجد سے ارشاد فرمایا تو بھی رکوع کر، حضرت کے ارشاد فرماتے ہی مسجد نے رکوع کیا، رئیس اور قاضی اور ان کے کل ساتھی ہلاک ہوگئے، زمین نے جنبش کی تمام شہر میں تہلکہ برپا ہوگیا، بعد ازاں آگ کا طوفان برپا ہوا، اور سرکشوں کو جلا دیا، حضرت علیم اللہ ابدال ایک مکتوب میں لکھتے ہیں، کہ جب آگ کا طوفان پیدا ہوا تو حضرت مخدوم گولر کے درخت کے نیچے کھڑے ہوگئے، اور بائیں ہاتھ سے گولر کی ایک ڈالی پکڑی اور سیدھے ہاتھ کو آسمان کی طرف بلند کیا، استغراق بدرجۂ کمال پیدا ہوگیا، کچھ دیر کے بعد دونوں ہاتھ یکا یک بے اختیار نیچے آگئے، حضرت نے آنکھیں کھولیں، آگ بارہ کوس تک پھیل گئی، اور شعلے آسمان کی طرف جانے لگے۔

۹/محرم ۶۵۹ھ (مطابق ۱۷/ دسمبر ۱۲۶۰ء) کو حسب ارشاد بابا صاحب خواجہ شمس الدین سرکار مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، دلکش انداز میں قرآن شریف کی تلاوت کی، حضرت مخدوم نے آنکھیں کھول دیں، استغراق کم ہوگیا، اور ارشاد فرمایا: اللہ کا شمس آسمان پر ہے، فقیر کا شمس زمین پر ہے۔

۲/محرم ۶۶۴ھ (مطابق ۲۰/ اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو حضرت خواجہ شمس الدین پاک پٹن شریف پہونچے، حضرت بابا صاحب نے تبرکات عنایت فرمائے، ۵/محرم ۶۶۴ھ (مطابق ۲۳/ اکتوبر ۱۲۶۵ء) کو بابا صاحب کا وصال ہوگیا، چندروز کے بعد خواجہ شمس الدین پھر دربار صابری میں حاضر ہوئے، سرکار مخدوم کبھی کبھی ان کو معرفت کی تعلیم دیتے، ایک روز سرکار نے فرمایا، شمس بابا، تم شہر امیر کو جاؤ وہاں علاء الدین پریشان ہے، اس سے قلعہ فتح نہیں ہوسکتا، تمہاری دعا سے قلعہ فتح ہوجائے گا، لیکن یاد رکھو، وہی دن ہماری رحلت کا ہوگا، خواجہ شمس نے عرض کیا، غلام کو کیوں کر علم ہوگا، فرمایا باد تند چلے گی، روشنی تمام لشکر کی بجھ جائے گی، اس وقت بادشاہ تیرے پاس آئے گا، تیرا چراغ روشن رہے گا، تیری دعا سے قلع فتح ہوگا، خواجہ شمس الدین نے عرض کیا، جب یہ واقع ہوگا، تو حضور کو غسل کون دے گا؟ فرمایا، غسل تم دوگے، پھر فرمایا، غم تم مت کرو، سب انتظام ہوجائے گا، یہ الفاظ سن کر خواجہ شمسؒ کی آنکھیں

آنسوؤں کے بوجھ سے جھک گئیں۔

چنانچہ ۱۳/ ربیع الاول ۶۹۰ھ (مطابق ۲۱/ مارچ ۱۲۹۱ء) کو بروز چہارشنبہ بعد نماز ظہر آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔

ڈھائی سو سال کے بعد برق جلال کی مستوری

ڈھائی سو (۲۵۰) سال تک متواتر یہی صورت حال رہی، کہ کلیر کے قرب وجوار میں کوئی متنفس بھی نہ پھٹک سکا، آخر دسویں صدی ہجری میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کو اشتیاق پیدا ہوا، اور عازم کلیر ہوئے، مزار مقدس کا فاصلہ ایک میل باقی رہ گیا تھا، تو برق جلال نظر آئی، مگر آپ آگے بڑھتے ہی چلے گئے، نصف فاصلہ طے کیا تھا، کہ برق جلال نہایت شدت سے چمکی، آپ کا شوق اور بڑھا، تیسری دفعہ تو کڑک چمک نے دل ہلا دیا، آنکھیں خیرہ ہوگئیں، آپ ہر بار منت سے عرض کرتے کہ خادم بڑی تمنا سے حاضر ہو رہا ہے، آخر بجلی غائب ہوئی، ایسی کہ پھر نہ چمکی، آپ نشان مزار پر پہونچ گئے، فاتحہ پڑھی اور سر جھکا کر بیٹھ گئے، یکا یک آپ پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی، حجابات اٹھ گئے، دیکھا، مخدوم صاحب سامنے تشریف فرما ہیں، اور فرما رہے ہیں کہ عبدالقدوس! چونکہ تم میرے طریق پر تھے، اس لئے تمہیں یہاں تک پہونچنے کی اجازت دے دی گئی، شیخ نے عرض کیا کہ تمام مخلوق حضور کی زیارت کی آرزومند ہے، اگر آپ برق جلال کو نور جمال سے تبدیل کر دیں، تو مخلوق عالم زیارت مزار کی سعادت حاصل کرے، حکم ہوا، بہتر ہے ہم اپنے جلال کو چھپائے لیتے ہیں، آئندہ نشان جمال ہی کا ظہور ہوگا، اب سب کو آنے کی اجازت ہے، اسی اثنا میں شیخ کی وہ حالت استغراق جاتی رہی، اور منظر نگاہوں کے سامنے سے ہٹ گیا، اس کے بعد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے مزار پختہ بنوایا اور مجاور وہاں رہنا شروع ہوئے (۸۶۵)۔

---

(۸۶۵) خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۵۳ تا ۱۵۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۰ تا ۱۸۲ شیخ زکریا کاندھلویؒ۔ حضرت منورویؒ کی ذکر کردہ بہت سی تفصیلات میرے پاس موجود کتابوں میں نہیں ہیں، حضرت کے پیش نظر جو ماخذ تھے ان تک میری رسائی نہیں ہوسکی۔

(۲۱)

تاج العارفین خواجہ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

آپ خلیفہ و جانشین حضرت مخدوم علاء الدین صابرؒ کے تھے، پانی پت کے صاحب ولایت تھے، اور علم ظاہری و باطنی میں بے مثل تھے، آپ کے فیوض و برکات بہت زیادہ ہیں، پانی پت میں مزار اقدس ہے، ۱۹/ شعبان کو ۷۱۶ھ (مطابق ۱۳/ نومبر ۱۳۱۶ء) کو وصال ہوا(۸۶۶)۔

(۲۲)

شیخ العارفین حضرت خواجہ جلال الدین پانی پتیؒ

آپ کا نسب حضرت عثمان غنیؓ تک منتہی ہوتا ہے، آپ بے انتہا کشف و کرامت رکھتے تھے، آپ نے چالیس (۴۰) سال سفر میں گذارے، اور مکرر حج کئے، بیسیوں مشائخ عہد سے نعمت حاصل کی، آپ صاحب ثروت تھے، صدہا لوگ آپ کے یہاں کھاتے تھے، مگر خود آپ فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے، ۱۳/ ربیع الاول ۷۶۵ھ (مطابق ۲/ دسمبر ۱۳۶۳ء) کو وفات پائی، مزار مبارک پانی پت میں ہے(۸۶۷)۔

---

(۸۶۶) آپ کا وصال جمہور کے قول کے مطابق ۷۱۵ھ/ ۱۳۱۵ء میں ہوا، بعض نے ۷۱۶ھ مطابق ۱۳۱۶ء یا ۷۱۸ھ مطابق ۱۳۱۸ء اور ۷۱۹ھ مطابق ۱۳۱۹ء بھی نقل کیا ہے، مہینہ کی تاریخ میں بھی اختلاف ہے، ۱۹/ شعبان المعظم، یا ۱۰ جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ، (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۱۶۳ تا ۱۶۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ شیخ زکریا کاندھلویؒ)۔

(۸۶۷) بعض لوگوں نے تاریخ وفات ۱۳/ ذی قعدہ ۷۶۵ھ مطابق ۱۹/ اگست ۱۳۶۴ء درج کی ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۲۳ تا ۲۳۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۴ تا ۱۸۶ شیخ زکریا کاندھلوی)۔

(۲۳)

حضرت خواجہ عبدالحق رودولویؒ

آپ پیشوائے مشائخ عصر تھے، آپ کی کرامات بہت مشہور ہیں، ۱۵/ جمادی الثانیہ ۸۳۷ھ (مطابق ۱۴/فروری ۱۴۳۴ء) کو وصال فرمایا۔ شیخ احمد عارف قدس سرہ آپ کے خلیفہ تھے، حضرت خواجہ محمد عارف خلیفہ حضرت شیخ عبدالحق رودولویؒ آپ کے سجادہ تھے، ۸۸۵ھ جمادی الثانیہ (مطابق اگست ۱۴۸۰ء) میں وصال فرمایا، مزار شریف رودولی شریف میں ہے(۸۶۸)۔

(۲۴)

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ مشائخ ہند میں صاحب مراتب تھے، آپ مادرزاد ولی تھے، جو منہ سے نکلتا وہ خدا قبول فرماتا، قوت لایموت کے لئے مشغلہ زراعت اختیار کر رکھا تھا، آپ کے مرید و خلیفہ کثرت سے تھے، (۲۰/ جمادی الثانیہ ۹۴۵ھ (مطابق ۲۲/نومبر ۱۵۳۸ء) میں وفات پائی، گنگوہ میں مزار شریف ہے(۸۶۹)۔

(۸۶۸) بعض لوگوں نے تاریخ وفات ۱۳/ ذی قعدہ ۷۶۵ھ مطابق ۱۹/ اگست ۱۳۶۴ء درج کی ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۲۷ تا ۳۲۹ مولفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۸۴ تا ۱۸۶ شیخ زکریا کاندھلوی)۔

(۸۶۸) آپ کا وصال چوراسی (۸۴) سال کی عمر میں بحالت نماز ۲۰/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۳/ دسمبر ۱۵۳۷ء کو ہوا (یہ آپ کے صاحبزادہ حضرت شیخ رکن الدینؒ کی کتاب ''لطائف قدوسی'' کے مطابق ہے) بعض لوگوں نے ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء لکھا ہے (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۵۸ حاشیہ مؤلفہ مولانا شاہ زوار حسینؒ) بعض نے ۲۳/ جمادی الثانیہ ۹۴۴ھ مطابق ۶/ دسمبر ۱۵۳۷ء اور بعض نے ۹۴۰ھ/ ۱۵۳۳ء لکھا ہے، ایک قول ۹۲ھ/ ۱۵۱۹ء کا بھی ہے، مگر شیخ زکریا صاحبؒ نے اول الذکر ۹۴۴ھ/ ۱۵۳۷ء کے قول کو ترجیح دی ہے (اخبار الاخیار ص ۴۵۰ تا ۴۵۴ مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ☆ تاریخ مشائخ چشت ص ۱۹۳ تا ۲۰۹ مؤلفہ حضرت شیخ محمد زکریاؒ، بحوالہ خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، افاضات یومیہ، السنۃ الجلیۃ، حق السماع)

(۲۵)

حضرت خواجہ رکن الدینؒ

مرید وخلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے تھے، اپنے زمانہ کے مشہور مشائخ میں تھے، عالم باعمل اور شیخ کامل تھے، تمام عمر طاعت وعبادت، درس وتدریس اور ذکر وسماع میں گذری، ۱۵/ ذی الحجہ ۹۷۵ھ (مطابق ۲۰/ جون ۱۵۶۸ء) کو وفات پائی، مزار اقدس گنگوہ ضلع مظفرنگر میں ہے (۸۷۰)۔

(۲۶)

حضرت شیخ عبدالاحدؒ

آپ صاحب کشف وکرامت تھے، شغل درس وتدریس تھا، تمام رات مراقب رہتے، بیس (۲۰) سال گوشۂ عزلت میں عبادت کی، ۲۴/ رجب ۱۰۲۱ھ (مطابق ۱۹/ ستمبر ۱۶۱۲ء) میں وفات پائی (۸۷۱)، مزار مبارک سرہند شریف میں ہے، آپ حضرت امام ربانی شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہندیؒ کے والد بزرگوار ہیں۔

ان سے آگے باقی بزرگوں کے حالات کتاب ''مختصر حالات نقشبندیہ مجددیہ'' میں چھپ چکے ہیں۔

---

(۸۷۰) آپ کی تاریخ وصال میں ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴ء نیز ۹۸۳ھ مطابق ۱۵۷۵ء کے اقوال بھی منقول ہیں (نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۱۴ مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی ☆ حضرت مجدد الف ثانی ص ۵۸ مؤلفہ شاہ زوار حسین، بحوالہ زبدۃ المقامات ص ۱۰۱، ۱۰۲ ☆ تذکرہ اکابر گنگوہ ج ۱ ص ۱۸۲ تا ۱۸۴ مرتبہ مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی، ناشر: مکتبہ شریفیہ گنگوہ، ۱۴۳۵ھ)۔

(۸۷۱) دیگر کتابوں کے مطابق آپ نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۱۷/ رجب المرجب ۱۰۰۷ھ مطابق ۱۳/ فروری ۱۵۹۹ء کو وصال فرمایا، بعض مؤرخین نے آپ کی تاریخ وصال ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۰۰۷ھ مطابق ۲۶/ دسمبر ۱۵۹۸ء بھی لکھی ہے، اولاد اور مریدین کے علاوہ کئی اہم تصنیفات (مثلاً کنوز الحقائق، اسرار التشہد) یادگار چھوڑیں (تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف ص ۲۰۹ تا ۲۱۵ مؤلفہ محمد نذیر رانجھا)۔

اذکار واشغال کا بیان

جو بزرگان چشتیہ نے تصفیۂ قلب اور تجلیات روح کے واسطے تجویز کئے ہیں، طریق آپ کا یہ ہے کہ بعد نماز تہجد کے توبہ اور استغفار، عجز وانکسار سے کرکے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا:

اللهم طهر قلبي عن غيرك ونور قلبي بنور معرفتك ابدأيا الله يا الله.

بحضور قلب تین بار تکرار کرے، اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے اور کمر سیدھی رکھے اور نہایت حرمت وتعظیم کے ساتھ بہ خوش الحانی ذکر شروع کرے، سر کو قلب کی زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت کے واقع ہے، جھکا کے کلمۂ لا کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچ کر اور الٰہ کو داہنے مونڈھے پر لے جا کر سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈال دیا، اور دم کو چھوڑ کر لفظ الا اللہ کی ضرب زور اور سختی کے ساتھ دل پر مارے، اسی طرح نفی اثبات کو دو سو (۲۰۰) بار کہے اور اس ذکر میں نو (۹) بار لا الٰہ الا اللہ اور دسویں بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہے، اس کے بعد دو لمحہ مراقب ہو کر تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینہ میں آتا ہے، پھر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کا کرے، اس طرح سے آنکھیں بند کر کے سر کو داہنے مونڈھے پر لا کر لفظ مبارک اللہ اللہ کی دونوں ضرب جہر اور قوت سے دل پر دو سو (۲۰۰) بار مارے، اس کے بعد تین بار کلمۂ طیبہ اور ایک بار کلمۂ شہادت کہہ کے درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھے، اور دعا مانگے کہ الٰہی! تو ہی میرا مقصود ہے، اور تیری رضا مطلوب ہے، ترک کیا میں نے دنیا اور آخرت کو تیرے لئے، اپنی نعمتیں عطا کر بحق شجرۂ پیران چشت۔

❁ ❁ ❁

شجرۂ عالیہ چشتیہ

یاخدا اپنے جمال کبریا کے واسطے　　سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے
اپنی الفت کر عطا کل اولیا کے واسطے

کچھ نہیں مطلب دو عالم کے گل وگلزار سے　　کر مشرف مجھ کو تو دیدار پر انوار سے
مصطفیٰؐ کے واسطے خیر الوریٰ کے واسطے

دور کر دل سے حجاب جہل وغفلت میرے سب　　کھول دے دل پر درِ علم حقیقت میرے سب
ہادیٔ عالم علیؓ مشکل کشا کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیق حسن اے ذوالمنن　　تا کہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن
شیخ حسن بصریؒ امام الاولیاء کے واسطے

کر میرے دل سے تو واحد اب دوئی کا حرف دور　　دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور
خواجہ عبد الواحدؒ زید شہا کے واسطے

راہ زن میرے ہیں دو قزاق با گرز گراں　　تو پہونچ فریاد کو میری کہیں اے مستعاں
شہ فضیل ابن عیاضؒ اہل دعا کے واسطے

نے طلب شاہی کی نے خواہش گدائی کی مجھے　　بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے
شیخ ابراہیم ادہمؒ بادشاہ کے واسطے

عیش وعشرت سے دو عالم کی نہیں مطلب مجھے　　چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یارب مجھے
شیخ حذیفہ مرعشیؒ صاحب صفا کے واسطے

ہے مرے تو پاس ہر دم لیک میں ہوں بے خبر　　بخش وہ نور بصیرت جس سے تو آوے نظر
بو ہبیرہؒ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

شادی وغم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر　　اپنے درد وغم سے یارب دل کو میرے شاد کر
خواجہ ممشاد علویؒ بو العلا کے واسطے

حد سے گزرا درد فرقت اب تو اے پروردگار　　کر مری شام خزاں کو وصل سے روز بہار
شیخ ابو اسحاق شامیؒ خوش ادا کے واسطے

صدقہ احمدؐ کے یہ ہے امید تیری ذات سے — تو بدل کردے مرے عصیاں کو اب حسنات سے
احمد ابدال چشتیؒ باسخا کے واسطے

مست اور بے خود بنا بوئے محمدؐ سے مجھے — محترم کر خوارئ کوئے محمد سے مجھے
بو محمدؒ محترم شاہ دلا کے واسطے

رحم کر مجھ پر تواب چاہ ضلالت سے نکال — بخش عشق و معرفت کا مجھ کو یارب ملک و مال
شاہ بو یوسفؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے

آتش شوق اس قدر دل میں مرے بھر اے ودود — ہر بن مو سے مرے نکلے تری الفت کا دود
خواجۂ مودود چشتیؒ پارسا کے واسطے

دور کر مجھ سے غم موت وحیات مستعار — زندہ کر ذکر شریف حق سے اے پروردگار
شہ شریف زندنیؒ بااتقا کے واسطے

یاالٰہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام — جس سے جز عشق نبیؐ مجھ کو نہ ہووے اور کام
خواجۂ عثمانؒ باشرم وحیا کے واسطے

بے طرح ہے نفس وشیطاں درپئے ایمان ودین — جلد ہو یا رب میرا آ کر مدد گار ومعین
شہ معین الدینؒ حبیب کبریا کے واسطے

عشق کی رہ میں ہوئے جو اولیاء اکثر شہید — خنجر تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
خواجہ قطب الدینؒ مقتول ولا کے واسطے

دے ملاحت مجھ کو حق تمکینئ ایمان سے — اور حلاوت بخش تو گنج شکر عرفان سے
شہ فرید الدیں شکرؒ گنج بقا کے واسطے

اے میرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لیل ونہار — عشق میں اپنے مجھے بے صبر و بے تاب وقرار
شیخ علاء الدین صابرؒ بارضا کے واسطے

ہے مکدر ظلمت عصیاں سے میرا شمس دیں — کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
شیخ شمس الدین ترکؒ شمس الضحیٰ کے واسطے

دین ودنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ وجلال — ایک ذرہ درد کا یا حق مرے دل میں تو ڈال
شہ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ کے واسطے

کھول دے راہ طریقت قلب پر یارب میرے — کر تجلی حقیقت قلب پر یا رب میرے

احمد عبدالحقؒ شہ ملک بقا کے واسطے

کر عطا راہ شریعت روئے احمدؐ سے مجھے　　اور دکھا نور حقیقت خوئے احمدؐ سے مجھے
شیخ احمد عارفؒ صاحب عطا کے واسطے

کر معطر روح کو بوئے محمدؐ سے مری　　اور منور چشم کو روئے محمدؐ سے مری
اے خدا شیخ محمدؒ رہنما کے واسطے

حب دنیاوی سے کر کے پاک مجھ کو اے حبیب　　اپنے باغ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
عبدقدوسؒ شہ قدس وصفا کے واسطے

ہے یہی بس دین میرا اور یہی سب ملک ومال　　یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ وجلال
شاہ رکن الدینؒ جلیل اصفیا کے واسطے

شرک وعصیان وضلالت سے بچا کر اے کریم　　کر ہدایت مجھ کو اب راہ صراط المستقیم
شیخ عبدالاحدؒ باصدق وصفا کے واسطے

حب حق حب الٰہی حب مولا حب رب　　الغرض کر دے مجھے محو محبت سب کا سب
شہ مجدد الف ثانیؒ باخدا کے واسطے

داغ عصیان وجرائم سے نہ ہو خجلت مجھے　　اتقا وعفت وعصمت کا دے خلعت مجھے
خواجہ معصومؒ میر اصفیا کے واسطے

میں بنوں مرد مجاہد حق کی منزل کے لئے　　سیف ہو میری زباں تردید باطل کے لئے
شاہ سیف الدینؒ تاج الاولیا کے واسطے

معصیت عصیاں نہ آئے بھول کر میرے قریب　　روز وشب مجھ کو تر ا ذوق عبادت ہو نصیب
حضرت نور محمدؒ پر ضیاء کے واسطے

مجھ کو از سر تا بہ پا کر مظہر صدق وصفا　　ہو میری اولاد بھی ہو متقی وپارسا
جان جاناں شاہ مظہر میرزاؒ کے واسطے

ہو خیال ماسوا سے اے خدا ہرگز نہ کام　　روز وشب ہر وقت ہر ساعت رہوں تیرا غلام
غلام باعلیؒ مرد رضا کے واسطے

کامل انسانیت کے حسن سے ہوں ارجمند　　چرخ رفعت پر میرا انجم سعادت ہو بلند
بوسعیدؒ پاک نجم اہتدا کے واسطے

جلوۂ حسن مجازی میں حقیقت ہوعیاں بن کے میں تیرا محب ہوجاؤں محبوب جہاں
حضرت احمد سعیدؒ مقتدا کے واسطے

بادۂ حسن تجلی سے مجھے مخمور کر میرے دل کو معرفت کے نور سے معمور کر
مولوی شاہ عمرؒ صدق وصفا کے واسطے

اس طریقہ پر چلوں مطلق نہ ہو جس میں غلو دے مجھے دنیا وعقبیٰ میں شرافت اور علو
حضرت بوالخیرؒ شاہ پر صفا کے واسطے

بندگی میں تیری استغراق ہولیل ونہار تیرے نیک وپاک بندوں میں ہو میرا بھی شمار
مرشد زید حسنؒ صاحب ولا کے واسطے

مبتدی ہوں کر میری تکمیل اے رب غفور اور بشارت دے مجھے اپنے کرم کی اے غفور
عاجز و مسکین احمدؒ بے نوا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یارب غرض ہر کار میں کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں
مجھ ذلیل وخوار و مسکین وگدا کے واسطے

آپڑا در پہ ترے میں ہر طرف سے ہوں ملول کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول
یاالٰہی اپنی ذات کبریا کے واسطے

ربناتقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين. (۸۷۲)

---

(۸۷۲) اس شجرہ کے بعض اشعار ''روح الارواح'' (مؤلفہ خواجہ شاہ فیضان احمد، رام پور سہارن پور) کے شجرۂ چشتیہ ناصریہ سے کچھ ترمیم کے ساتھ لئے گئے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کئی شجرات کو سامنے رکھ کر حضرت منورویؒ نے یہ شجرۂ منظومہ چشتیہ مرتب کیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

مآخذ و مراجع حاشیہ

(۱)-القرآن الکریم

(۲)-دیوان نیاز بے نیاز ناشر: شاہ محمد حیدر اطہر میاں نیازی، جولائی ۲۰۰۴ء

(۳)-خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور

(۴)-تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ حضرت مولانا شیخ محمد زکریا صاحبؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم سہارن پور، ۱۳۹۳ھ

(۵)-تذکرہ حضرت سید صاحب بانسویؒ مؤلفہ جناب محمد رضا انصاری

(۶)-اردو ترجمہ ''تذکرہ خواجگان چشت'' (فارسی) مصنف: الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم، مترجم: محمد معین الدین دردائیؒ

(۷)-مکمل سوانح عمری غریب نوازؒ یعنی نائب رسول اللہ فی الہند مؤلفہ ڈاکٹر ظہور الحسن شاربؒ، ناشر: ظفر الدین خان بک سیلر ڈیوڑھی بیگم آگرہ، پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۸ء

(۸)-ماہنامہ المنعم پٹنہ خواجہ غریب نواز نمبر جلد ۳ شمارہ ۳، ۴ مارچ اپریل ۱۹۸۱ء

(۹)-نفحات الانس مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ

(۱۰)-کشف المحجوب (مترجم از ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ) مؤلفہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ، دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، تحقیق وتخریج وتدوین: ڈاکٹر خالق داد ملک، وڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ناشر مکتبہ شمس وقمر جامعہ حنفیہ لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

(۱۱)-اخبار الاخیار مؤلفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، ترجمہ: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

(۱۲)-تاریخ فرشتہ مؤلفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبدالحی خواجہ (مشفق خواجہ)، ناشر: المیزان، لاہور، ۲۰۰۸ء)

(۱۳)-تاریخ نظامی مؤلفہ پیر ضامن نظامی سید بخاری سابق سجادہ نشین درگاہ حضرت نظام اولیاء، ناشر: پیرزادہ خواجہ احمد نظامی، منیجت کتب خانہ نظامی دہلی

(۱۴)-حضرت مجدد الف ثانیؒ حاشیہ مؤلفہ مولانا شاہ زوار حسین

(۱۵)-نزهة الخواطر مؤلفہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی

(۱۶)-تذکرہ اکابر گنگوہ مرتبہ مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی، ناشر: مکتبہ شریفیہ گنگوہ، ۱۴۳۵ھ

(۱۷)-تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف مؤلفہ محمد نذیر رانجھا

(۱۸)-روح الارواح'' مؤلفہ خواجہ شاہ فیضان احمد، رام پور سہارن پور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا

(سنن أبي داود ج ۴ ص ۱۷۸ حديث نمبر: ۴۲۹۳)

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت

شیخ احمد سرہندیؒ

تالیف لطیف

قطب الہند حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن قادری چشتی نقشبندیؒ

(۱۳۱۷ھ/ ۱۹۰۰ء - ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء)

تحقیق وحواشی

اختر امام عادل قاسمی

(نبیرۂ حضرت مؤلفؒ)

دائرة المعارف الربّانية

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

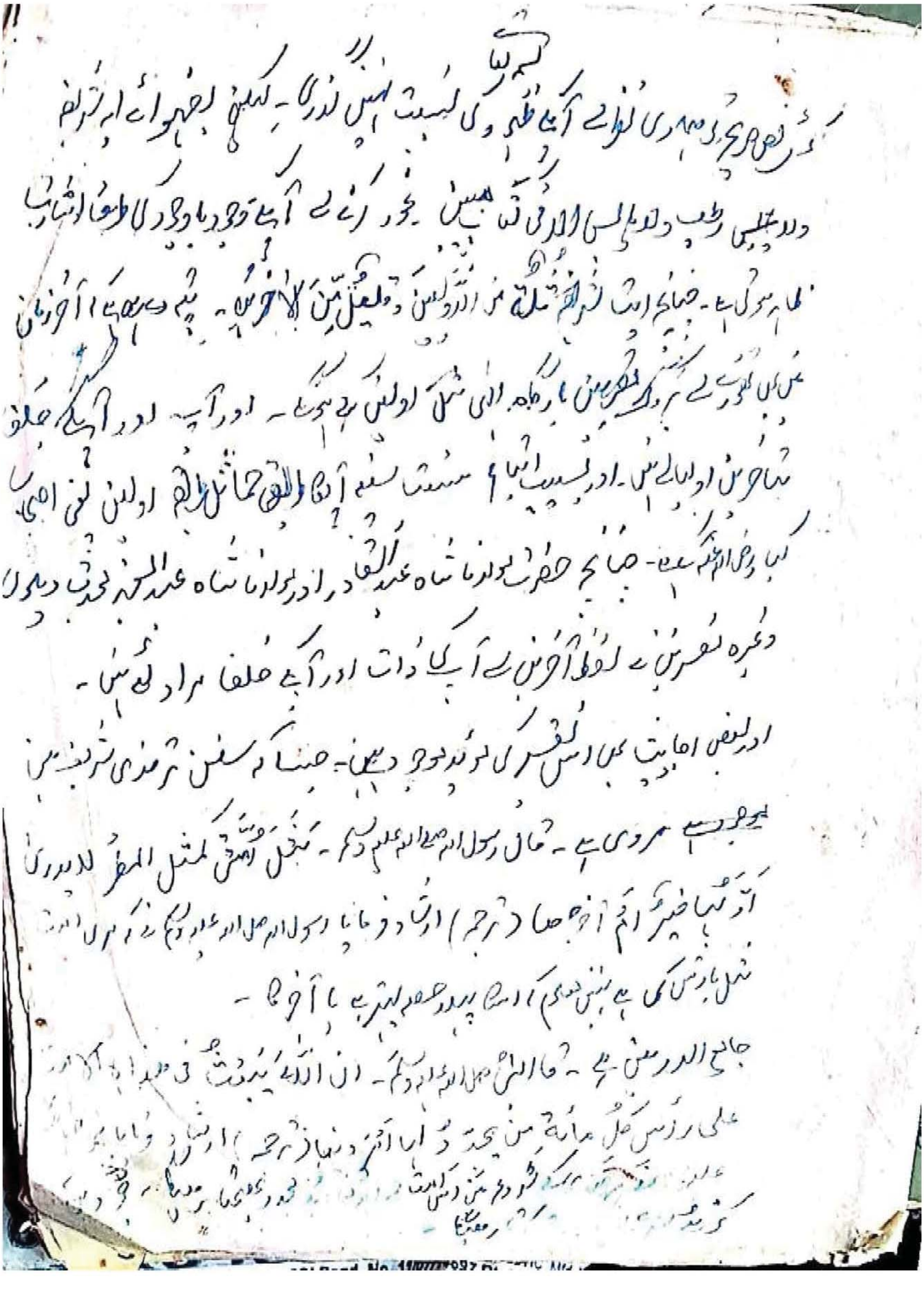
نام کتاب:	حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ
تالیف:	قطب الہند حضرت مولانا حکیم سید احمد حسن منورویؒ
تحقیق وحواشی:	اختر امام عادل قاسمی (نبیرۂ حضرت مؤلفؒ)
سن اشاعت:	۱۴۴۲ھ/ ۲۰۲۰ء
صفحات:	60
قیمت:	50
ناشر:	جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

ملنے کے پتے

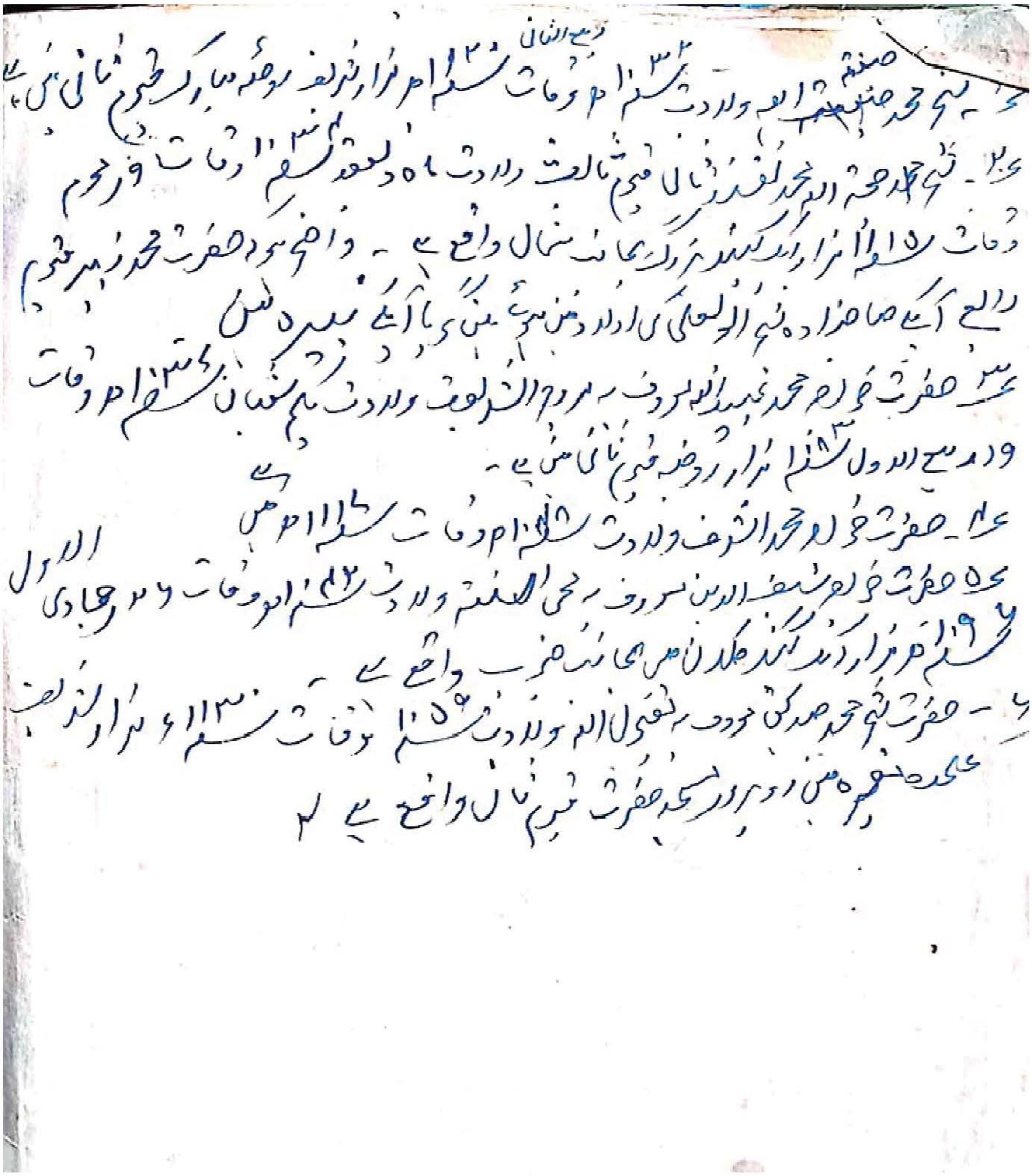
☆ مفتی ظفیر الدین اکیڈمی، جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ: سوہما، وایا: بتھان، ضلع سمستی پور، بہار، 848207 - رابطہ نمبرات: 9934082422-9473136822 ویب سائٹ:

www,jamiarabbani.org email. Jamia.rabbani@gmail.com

☆ مکتبہ الامام، سی 212، شاہین باغ، ابوالفضل انکلیو پارٹ ۲، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 25


[illegible] نص صریح [illegible] آپ کے ظہور کی نسبت نہیں گذرا۔ لیکن بعض [illegible]
[illegible] رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین بحر زخار سے آپ کا وجود باوجود [illegible] اشارۃ
علماء سے مروی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ثلۃ من الاولین وقلیل من الآخرین۔ [illegible]
[illegible] مفسرین [illegible] اولین [illegible] اور آپ [illegible] اور آپ کے خلفاء
[illegible] اور بسبب اتباع [illegible] اولین [illegible]
[illegible] جیسا کہ حضرت مولانا شاہ عبد الحق اور مولانا شاہ عبد [illegible] محدث دہلوی
وغیرہ مفسرین نے لفظ آخرین سے آپ کی ذات اور آپ کے خلفاء مراد لئے ہیں۔
اور بعض احادیث میں اس کی تفسیر موجود ہے۔ جیسا کہ سنن ترمذی شریف میں
[illegible] سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مثل امتی مثل المطر لا یدری
اولہ خیر ام آخرہ (ترجمہ) ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت
مثل بارش کی ہے نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخر کا۔
جامع الدرر میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان اللہ یبعث فی ہذہ الامۃ
علی رأس کل مائۃ من یجدد لہا امر دینہا (ترجمہ) ارشاد [illegible]
[illegible]

کتاب ’’حضرت امام ربانی‘‘ ---(مخطوطہ) کے صفحۂ اول کا عکس خود حضرت منرویؒ کے قلم سے



کتاب ’’حضرت امام ربانی---(مخطوطہ) کے آخری صفحہ کا عکس خود حضرت منورویؒ کے قلم سے

مندرجات کتاب

فہرست حواشی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خزینۂ نایاب

یہ رسالہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حالات وکمالات اور مقامات کے مختصر تذکرہ پر مشتمل ہے اور عقیدت ومحبت کی روشنائی میں قلم کو ڈبو کر لکھا گیا ہے، یہ عرصۂ دراز سے کاغذات کے انبار میں دفن تھا، اور حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ کی اس کتاب سے کوئی شخص واقف نہیں تھا، حضرت منورویؒ کی دو کتابیں ''مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ'' اور ''سرکار غریب نواز'' - آپ کی حیات طیبہ میں آپ کے زیر نگرانی شائع ہوئی تھیں، ان سے احباب حلقہ عام طور پر واقف ہیں، لیکن حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی شخصیت اور مقام پر ان کی یہ تالیف لطیف اب تک گوشۂ گمنامی میں پڑی ہوئی تھی، عجب نہیں کہ ضائع ہو جاتی، اللہ پاک کی توفیق سے اس بندۂ عاجز کو اس عظیم علمی وروحانی خزانہ تک رسائی نصیب ہوئی، اس حقیر کو شروع سے خاندانی کاغذات بالخصوص حضرت جدامجد کی چیزوں سے خاص دلچسپی رہی ہے، طالب علمی کے زمانے میں تو اس کا شعور نہیں تھا، لیکن رسمی طالب علمی سے فراغت کے بعد مجھے اس جانب خاص توجہ ہوئی، اور اسی ضمن میں کئی نادر ونایاب چیزوں کے ساتھ یہ رسالہ بھی دریافت ہوا، **فللہ الحمد و الشکر.**

مخطوطہ کی دریافت

یہ قلمی رسالہ خود حضرت منورویؒ کے اپنے قلم سے ایک عام قسم کی کاپی پر لکھا ہوا ہے، مجھے حضرت منورویؒ کے خطوط وتحریرات مسلسل پڑھتے رہنے کی وجہ سے آپ کے خط اور طرز تحریر سے تھوڑی مناسبت پیدا ہوگئی ہے، لیکن مزید توثیق کے لئے میں نے یہ رسالہ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محفوظ الرحمن صاحب قادری نقشبندی دامت برکاتہم کی خدمت میں پیش کیا، جو اس دور میں حضرت منورویؒ کی شخصیت کے سب سے بڑے محرم اسرار اور آپ کے خط اور انداز تحریر کے سب سے زیادہ واقف کار ہیں، والد صاحب نے اس کی تصدیق فرمائی اور اس عظیم علمی وروحانی سرمایہ کے انکشاف پر بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا۔

عہد تالیف

یہ کتاب کب اور کن حالات میں لکھی گئی؟ معلوم نہیں ہے، کتاب پر کوئی سن تاریخ درج نہیں ہے ،اور نہ کوئی تمہیدی سطریں تحریر کی گئی ہیں، یہاں تک کہ کتاب کا نام بھی تجویز نہیں کیا گیا ہے،---شاید اس کا موقعہ نہ مل سکا یا کچھ اوراق گم ہو گئے---

البتہ کتاب پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت کے دور آخر کی تحریر ہے، غالباً اس دور کی جب نسبت مجددیہ آپ پر غالب تھی اور آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے منتہائے کمال تک پہونچ چکے تھے، اس کتاب میں جس اختصار اور جامعیت کے ساتھ حضرت امام مجددؒ کے احوال و مقامات اور امور باطنہ پر گفتگو کی گئی ہے اور ولادت کے قبل سے لے کر مابعد ظہور تک کے اسرار و رموز کی گرہ کشائی کی گئی ہے وہ کسی عارف و محقق اور مرد کامل ہی کا کام ہوسکتا ہے۔

کتاب کے مآخذ

اس کتاب میں کسی حوالہ یا مآخذ کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے، لیکن کتاب کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب کی تصنیف کے وقت حضرت مؤلف کے پیش نظر درج ذیل کتابیں رہی ہیں:

☆ روضۃ القیومیۃ ،مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ

☆ حضرات القدس ،مؤلفہ حضرت مولانا بدرالدین سرہندیؒ (ولادت ۱۰۰۲ھ/ ۱۵۹۳ء- ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء تک زندہ رہے، صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں ہے)

☆ زبدۃ المقامات، مؤلفہ حضرت مولانا محمد ہاشم کشمیؒ (م ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ء)

کتاب کی تحقیق و تعلیق

☆ اس کتاب کا نام حضرت مجددؒ کے حالات کی مناسبت سے اس حقیر نے ''حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ'' تجویز کیا ہے۔

☆ مرکزی اور ذیلی عنوانات خود حضرت مؤلفؒ کے قائم کردہ ہیں، البتہ بعض عناوین کا اضافہ راقم الحروف نے کیا ہے۔

☆ حضرت مؤلفؒ کی عبارت میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی ہے، اگر کسی جگہ تشریح یا اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ بات بین القوسین کہی گئی ہے، ہر جگہ بین القوسین کی عبارت اس حقیر کی ہے۔

☆ حضرت مؤلفؒ نے صرف ہجری تاریخوں پر اکتفا کیا ہے، بین القوسین میں ان کے مطابق انگریزی تاریخیں بڑھائی گئی ہیں۔

☆ حالات وواقعات کو اس موضوع کے دوسرے مصادر و مآخذ سے بھی مقابلہ کیا گیا ہے، جن کی نشاندہی کر دی گئی ہے، کہیں کوئی فرق یا وضاحت طلب بات نظر آئی تو حاشیہ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ آیات واحادیث کی تخریج وتحقیق کی گئی ہے۔

☆ کتاب میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے، حاشیہ میں ان میں سے اکثر کا ضروری تعارف لکھ دیا گیا ہے، الا یہ کہ وہ بہت زیادہ متعارف شخصیت ہو یا واقعہ سے براہ راست ان کا تعلق نہ ہو۔

اس طرح کوشش کی گئی ہے کہ کتاب بہتر سے بہتر اور مستند طور پر اہل علم اور اصحاب ذوق کے سامنے پیش کی جائے، اللہ پاک ہماری کوششوں کو قبول فرمائے اور حضرت مؤلفؒ کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور ان کے فیوض عالیہ سے ہمیں مستفیض ہونے کا موقعہ عنایت فرمائے آمین۔

اختر امام عادل قاسمی
خادم جامعہ ربانی منورواشریف
۲۹/صفرالمظفر ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/اکتوبر ۲۰۲۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ولادت سے قبل بشارتیں

اشارات قرآنی

کوئی نص صریح تو ہماری نظر میں آپ کے ظہور کی نسبت نہیں گذری، لیکن بفحوائے آیت شریفہ:

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾. (۸۷۳)

(ترجمہ: کوئی تروخشک ایسی چیز نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو(۸۷۴))

(۸۷۳)الانعام:59

(۸۷۴) مگر یہاں کتاب مبین سے مراد مفسرین کے نزدیک لوح محفوظ ہے، قرآن کریم نہیں، جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

سعيد بن جُبَير، عن ابن عباس قال: خلق الله النون -وهي الدواة -وخلق الألواح، فكتب فيها أمر الدنيا حتى ينقضي ما كان من خلق مخلوق، أورزق حلال أوحرام، أوعمل بر أو فجور وقرأ هذه الآية: { وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلا يَعْلَمُهَا } إلى آخر الآية(تفسير القرآن العظيم ج ۳ص 266 المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م عدد الأجزاء: 8)

جلالین میں ہے:

"وَمَا تَسْقُط مِنْ" زَائِدَة "وَرَقَة إِلَّا يَعْلَمهَا وَلَا حَبَّة فِي ظُلُمَات الْأَرْض وَلَا رَطْب وَلَا يَابِس" عُطِفَ عَلَى وَرَقَة "إلَّا فِي كِتَاب مُبِين" هُوَ اللَّوْح الْمَحْفُوظ(تفسير الجلالين ج ۲ ص ۳۵۵ المؤلف: جلال الدين محمد بن أحمد المحلي (المتوفى: 864هـ)وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911هـ)

تفسیر بیضاوی میں ہے:

وَلاَ حَبَّةٍ فِى ظلمات الأرض وَلاَ رَطْبٍ وَلاَ يَابِسٍ } معطوفات على ورقة وقوله: {إِلاَّ فِي كتاب مُّبِينٍ} بدل من الاستثناء الأول بدل الكل على أن الكتاب المبين علم الله سبحانه وتعالى، أو بدل الاشتمال إن أريد به اللوح وقرئت بالرفع للعطف على محل ورقة أو رفعاً على الابتداء و الخبر (إِلاَّ فِى كتاب مُّبِينٍ) (أنوا التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي ج ۲ ص ۱۶۲ المؤلف: ناصر الدين أبو سعيد==

غور کرنے سے آپ کے وجود باجود کی طرف اشارات ظاہر ہوتے ہیں:

چنانچہ آیت شریفہ:

ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿١٤﴾. (۸۷۵)

(ترجمہ: اولین کی ایک پوری جماعت ہے اور بعد والوں میں ایسے کم لوگ ہیں) پتہ دے رہی ہے کہ آخر زمان میں بھی تھوڑے سے لوگ مقربین بارگاہ الٰہی مثل اولین کے ہونگے---

آپ (حضرت مجددؒ) اور آپ کے خلفاء متأخرین اولیاء میں سے ہیں، اور بسبب اتباع سنت سنیہ آپ کا طریق مماثل طریقۂ اولین یعنی اصحاب کبار کے ہے، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادرؒ اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ وغیرہ مفسرین نے لفظ آخرین سے آپ کی ذات اور آپ کے خلفاء مراد لئے ہیں (۸۷۶)۔

==عبدالله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى:685هـ)

تفسیر ابن عباس میں ہے:

وَلاَ رَطْبٍ} يعني الماء {وَلاَ يَابِسٍ} يعني البادية {إِلاَّ فِي كِتَابٍ} مكتوب {مُّبِينٍ} كل ذلك في اللوح المحفوظ مبين مقدارها ووقتها (تنوير المقباس من تفسير ابن عباس ج ۱ ص ۱٤٤

المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادى (المتوفى: 817هـ)

روح المعانی میں ہے:

وقوله سبحانه: {إِلاَّ فِي كتاب مُّبِينٍ} كالتكرير لقوله سبحانه: {إِلاَّ يَعْلَمُهَا} لأن معناهما واحد في المآل سواء أريد بالكتاب المبين علمه تعالى أو اللوح المحفوظ الذي هو محل معلوماته سبحانه، وإلى هذا ذهب الزمخشري وأراد كما قال السعد: أنه تكرير من جهة المعنى (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۵ ص ۳۵۳ المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ)

(۸۷۵) الواقعة: 13، 14

(۸۷۶) یہ بات حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں لکھی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

"قال المجدد الصحابة كلهم كانوا مستغرقين فى كمالات النبوة ومن التابعين اكثرهم ومن اتباع التابعين اقلهم ثم انطمس انوار النبوة واختفىٰ آثارها وظهر كمالات الولاية واستعلىٰ انواها السكر و الشطح و كثرة الخوارق المستفادة من التجليات الصفاتية و الظلية حتىٰ اذا مضىٰ بعد الهجرة الف سنة تدارك رحمة الله الواسعة افاض كمالات النبوة بمقتضىٰ طينة النبى ﷺ علىٰ بعض اتباعه حتىٰ اشتبه==

اشارات نبوی

بعض احادیث بھی اس تفسیر کی مؤید موجود ہیں، جیسا کہ سنن ترمذی شریف میں مروی ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلی اللہ علیہ وسلم- »مَثَلُ أُمَّتِى مَثَلُ الْمَطَرِ لاَ يُدْرَى أَوَّلُهُ خَيْرٌ أَمْ آخِرُهُ «قَالَ وَفِى الْبَابِ عَنْ عَمَّارٍ وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ عُمَرَ وَهَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ. (۸۷۷)

ترجمہ: ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ میری امت مثل بارش کے ہے، نہیں معلوم کہ اس کا پہلا حصہ بہتر ہے یا آخر کا۔

☆ جامع الدرر میں ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَ دِينَهَا. (۸۷۸)

ترجمہ: ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہر صدی کے شروع میں اس امت سے اللہ تعالیٰ ایک مجدد بھیجتا رہے گا، جو دین کے امر کو نئے سرے سے درست کرتا رہے گا“

==آخر الامة باولها ----(وقليل من الآخرين)وهم ارباب كمال النبوة الذين وجدوابعدالف سنة كماذكرنامن قبل (تفسیر المظہری ج۹ ص۱۴۶، ۱۴۷ مؤلفہ حضرت قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندیؒ (۱۱۴۳ھ ۱۲۲۵ء) تحقیق: احمد عزو عنایہ، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء)

(۸۷۷) الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٥ ص ١٥٢ حديث نمبر: ٢٨٦٩ المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق :أحمدمحمد شاكر و آخرون عدد الأجزاء:5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها۔ قال الشيخ الألباني:حسن صحيح .

(۸۷۸) سنن أبي داودج ٤ ص ١٧٨ حديث نمبر:٤٢٩٣ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب:وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب] 1- موافق للمطبوع 2- معنون 3- مشكل 4 - غير مقابل 5- في التعليق حكم الألباني۔قال الألباني: صحيح.* المستدرك على الصحيحين ج 4 ص 567 حديث نمبر : 8592 المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى، 1411 – 1990 تحقيق:مصطفى عبد القادر عطاعدد الأجزاء : 4مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص - تعليق الذهبي قي التلخيص : سكت عنه الذهبي في التلخيص.

☆ جمع الجوامع میں امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ

قال النبی ﷺ یکون رجل یقال لہ صلة یدخل الجنة بشفاعة کذا و کذا.

ترجمہ: ارشاد فرمایا نبی کریم ﷺ نے، میری امت میں ایک شخص صلہ ہوگا (یعنی مخلوق کو خالق سے ملانے والا یا شریعت وطریقت کے ساتھ جمع کرنے والا) جس کی شفاعت سے اتنے اتنے یعنی بے شمار لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

دونوں معنیٰ کے لحاظ سے آپ کی ذات بابرکات صلہ اور مصداق حدیث ہے (۸۷۹)

(۸۷۹) اصل روایت اس طرح ہے جس کو بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے کتاب الزھد والرقاق میں اور ابن سعد نے طبقات کبریٰ میں نقل کیا ہے:

أخبرنا عبد الرحمن بن يزيد بن جابر، قال: بلغنا أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول: » يكون في أمتي رجل يقال له: صلة بن أشيم، يدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا (دلائل النبوة للبيهقي ج 7 ص 199 حديث نمبر: 2665 المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث [الكتاب مرقم آلياغير موافق للمطبوع] إعداد البرنامج وتركيبه: المفتي محمد عارف بالله القاسمي * الزهد ويليه الرقائق ج 1 ص 297 المؤلف: عبد الله بن المبارك بن واضح المرزوي أبو عبد الله الناشر: دار الكتب العلمية — بيروت تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء: 1 ★ الطبقات الكبرى ج 7 ص 137 المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: 230هـ) المحقق: إحسان عباس الناشر: دار صادر — بيروت الطبعة: 1 - 1968 م عدد الأجزاء: 8.

☆ مگر یہ روایت متصل نہیں ہے، بلکہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے بلاغات میں سے ہے، یعنی ان تک یہ روایت پہونچی ہے، پہونچانے والے راویوں کے نام معلوم نہیں ہیں، جیسا کہ خود روایت سے ظاہر ہے۔

☆ دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں صلہ سے مراد رابطہ یا سنگم نہیں ہے (جیسا کہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ نے اس کا ترجمہ کیا ہے (دیکھئے: مقامات خیر ص ۵۶، ۵۷) بلکہ یہ ایک شخص کا نام ہے، جیسا کہ خود روایت میں ولدیت کے ساتھ ان کا نام آیا ہے، ان کا پورا نام ''ابوالصہباء صلة بن اشیم العدوی'' ہے، ابوالصہباء کنیت ہے، یہ قبیلۂ بنوعدی سے تعلق رکھتے تھے، اور بصرہ کے رہنے والے تھے، اکابر تابعین میں سے ہیں، امام بخاریؒ، ابن ابی حاتم اور ابن حبان وغیرہ نے ان کا تذکرہ تابعین میں کیا ہے، جبکہ ابن شاہین اور سعید بن یعقوب نے ان کو زمرۂ صحابہ میں شمار کیا ہے، بڑے متقی اور صاحب کرامات بزرگ تھے، کتب تاریخ وروایات میں ان کی کئی کرامات نقل کی گئی ہیں، مثلاً:

☆ ایک جنگ میں ان کا گھوڑا مر گیا، انہوں نے اللہ پاک سے دعا مانگی کہ پروردگار! راستے میں مجھے کسی کا دست نگر اور منت کش احسان نہ بنا، ان کی اس دعا سے وہ گھوڑا زندہ ہوگیا، آپ نے زین کسا اور اس پر سوار ہوکر گھر پہونچ ==

دوسری حدیث روضۂ قیومیہ میں وارد ہے کہ:

یبعث رجل علیٰ احدعشر مأۃسنۃھو نورعظیم اسمہ اسمی بین السلطانین الجا برین ویدخل الجنۃ رجالا الوفاً۔ (۸۸۰)

ترجمہ: گیارہویں صدی کے شروع میں دو جابر بادشاہوں کے درمیان ایک شخص بھیجا جائے

== گئے، گھر میں اپنے صاحبزادے سے کہا کہ گھوڑا کا زین نکال دو، وہ میں نے کسی سے عاریت پر لیا تھا، زین نکالتے ہی گھوڑا گر پڑا اور مر گیا۔

☆ایک بار کسی جنگل میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شیر غراتا ہوا آیا، وہ شاید بھوکا تھا، لیکن آپ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، سلام کے بعد آپ نے شیر سے کہا کہ روزی کہیں اور جا کر تلاش کرو، وہ شیر واپس چلا گیا۔

ان کا وصال عراق پر حجاج کی گورنری کے ابتدائی ایام میں ۷۵ھ/ ۶۹۴ء میں ہوا، غالباً کابل میں قتل کئے گئے، بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے زمانے میں انہوں نے انتقال فرمایا، جب کہ بعض اہل تاریخ کا بیان ہے کہ وہ سجستان میں ۳۵ھ/ ۶۵۵ء میں شہید کئے گئے، اس وقت ان کی عمر ایک سو تیس (۱۳۰) سال تھی، گویا کہ انہوں نے جاہلیت کا عہد بھی پایا تھا۔

آپ کی اہلیہ کا نام معاذہ بنت عبداللہ العدویہ (م ۸۳ھ/ ۷۰۲ء) تھا، وہ بھی بڑی زاہدہ اور عابدہ خاتون تھیں، وہ تابعات میں سے ہیں، بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایات آئی ہیں (**جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم ج 38 ص 28 المؤلف : ابن رجب الحنبلي المحقق : ماهر ياسين فحل، وقد جعل تحقيقه للكتاب مجانا فجزاه الله خيرا مصدر الكتاب : موقع صيد الفوائد إعداد البرنامج : المفتي محمد عارف بالله القاسمي★الإصابة في معرفة الصحابة ج 2 ص 50 المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ★الوافي بالوفيات ج 5 ص 252. المؤلف : صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى : 764هـ★ثقات ابن حبان ج 4 ص 383 المؤلف : محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: 354هـ) مصدر الكتاب : موقع يعسوب)**

(۸۸۰) (حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۲۹ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب)

روضۃ القیومیۃ میں یہ روایت جامع الدرر کے حوالے سے نقل کی گئی ہے، مگر حدیث کی کسی کتاب میں یہ روایت مجھے نہیں ملی، بظاہر یہ بے اصل معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ سن کی تعیین کے ساتھ کوئی پیش گوئی صحیح روایات میں منقول نہیں ہے۔ لگتا ہے کہ امام مہدی کی روایات کے ساتھ خلط کیا گیا ہے۔

گا، وہ میرا اہم نام ہوگا اور اس کا نور عظیم الشان ہوگا، اور ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

آپ کی نسبت اولیاء سابقین کی بشارتیں

حضور غوث پاک کا ارشاد

روضۂ قیومیہ میں دیگر کتب معتبرہ سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت غوث پاک اعظمؒ کسی جنگل میں مراقبہ فرما رہے تھے، کہ یکا یک ایک نور آسمان سے ظاہر ہوا، اس سے تمام عالم منور ہوگیا، اور القاء ہوا کہ پانچ سو (۵۰۰) سال کے بعد جب کہ عالم میں شرک و بدعت پھیل جائے گی، ایک بزرگ و حیدامت پیدا ہوگا اور دنیا سے شرک والحاد کے نام کو نابود کردے گا، دین محمدی کو نئے سرے سے تازگی بخشے گا، اس کی صحبت کیمیائے سعادت ہوگی، اس کے صاحبزادے اور خلفاء بارگاہ احدیت کے صدر نشیں ہونگے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے خرقہ کو خاص اپنے کمالات سے مملو کر کے اپنے صاحبزادہ سید تاج الدین عبدالرزاقؒ کو تفویض کیا، اور ارشاد فرمایا کہ جب ان بزرگ کا ظہور ہو یہ ان کے حوالہ کرنا، اس وقت سے صاحبزادہ صاحب کی اولاد میں وہ خرقہ یکے بعد دیگرے اسی طرح سپرد ہوتا رہا، حتیٰ کہ ۱۰۱۳ھ/ ۱۶۰۴ء میں حضرت پیران پیر کے پوتے سید شاہ سکندر قادریؒ نے آپ کے حوالے کیا، جس کا مفصل بیان آگے آئے گا (۸۸۱)۔

حضرت شیخ احمد جامؒ کا ارشاد

مقامات شیخ الاسلام احمد جامؒ (۸۸۲) میں مذکور ہے کہ شیخ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا، کہ

(۸۸۱) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۲۳۲ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔

(۸۸۲) آپ کا اسم گرامی احمد النامقی، کنیت ابو نصر احمد بن ابی الحسن اور لقب شیخ الاسلام ہے، صحابی رسول ﷺ حضرت جریر بن عبداللہ البجلیؓ (سال اسلام ۱۰ھ) کی نسل سے ہیں، ولادت ۴۴۱ھ مطابق ۱۰۴۹ء میں ہوئی، بالکل امی تھے، بائیس (۲۲) سال کی عمر میں توبہ کی توفیق ملی، توبہ کے بعد پہاڑ پر چلے گئے، اور اٹھارہ (۱۸) سال مسلسل ریاضت کی، چالیس (۴۰) کی عمر میں رشد و ہدایت کا کام شروع کیا، بڑے صاحب کرامات و تصرفات بزرگ تھے، آپ پر علم لدنی کے دروازے کھول دیئے گئے تھے، باوجود امی ہونے کے تین سو (۳۰۰) محققانہ تصانیف یادگار چھوڑیں، چھ لاکھ ==

میرے بعد سترہ (۱۷) آدمی میرے ہم نام ہونگے، ان سب کے آخر کے صاحب جو مجھ سے چارسو (۴۰۰) سال بعد پیدا ہونگے، سب سے افضل ہونگے، شیخ کے فرزند شیخ ظہور الدینؒ نے اپنی کتاب ''رموز العاشقین'' میں لکھا ہے، کہ اخیر عمر تک میرے باپ کے ہاتھ پر چھ (۶) لاکھ آدمیوں نے بیعت کی تھی، میں نے ان سے عرض کیا کہ اکثر مشائخ کے حالات کتابوں میں مرقوم ہیں، مگر آپ کے حالات سب سے ممتاز ہیں، آپ نے فرمایا، چارسو (۴۰۰) سال بعد ایک بزرگ میرا ہم نام پیدا ہوگا، اس کے حالات مجھ سے کہیں افضل اور مثل اصحاب کبار ہونگے (۸۸۳)۔

حضرت مولانا جامیؒ کا رشاد

نفحات الانس میں مولانا جامیؒ (م ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۳ء) نے بھی شیخ احمد جامؒ کا مذکورہ بالا مقولہ نقل کیا ہے، اور شیخ کی سن وفات ۶۰۰ھ (تقریباً مطابق ۱۲۰۴ء) تحریر کی ہے، چونکہ حضرت امام ربانیؒ کا ظہور ۱۰۰۰ھ (۱۵۹۲ء) میں ہوا، جو زمانۂ شیخ سے پورا چارسو (۴۰۰) سال بعد ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ بزرگ آپ ہی ہیں (۸۸۴)۔

حضرت خلیل اللہ بدخشیؒ کا الہام

مقامات شیخ خلیل اللہ بدخشیؒ میں مذکور ہے کہ شیخ نے ایک روز فرمایا، سبحان اللہ، سلسلۂ خاندان نقشبند میں ایک عزیز افضل ترین اولیاء امت ملک ہند میں پیدا ہونے والے ہیں، اس سے شرف

==لوگوں نے آپ کے دست حق پر بیعت توبہ کی، اللہ پاک نے آپ کو انتالیس (۳۹) بیٹے اور تین (۳) بیٹیاں عطا فرمائی تھیں، آپ کے انتقال کے بعد صرف چودہ (۱۴) لڑکے اور تین بیٹیاں زندہ تھیں، اور یہ چودہ لڑکے سب کے سب عالم، کامل اور صاحب تصنیف ہوئے، آپ کا وصال ۵۳۶ھ مطابق ۱۱۴۱ء میں ہوا (نفحات الانس للجامیؒ ص ۹۵۳ تا ۶۰۱، مترجمہ: شمس بریلوی، مکتبہ الحسنات دہلی، ۲۰۱۰ء)۔

(۸۸۳) حضرات القدس ج ۲ ص ۱۹ مؤلفہ حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ، محکمۂ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۷۱ء۔

(۸۸۴) بلا شبہ نفحات الانس میں حضرت شیخ احمد الجامیؒ کے حالات میں شیخ احمد کی آمد کی پیش گوئی موجود ہے، بلکہ اس میں خرقہ کی سپردگی کا بھی ذکر ہے، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت صدیق اکبرؓ کا خرقہ تھا جو بطور میراث ان تک منتقل ہوتا چلا آیا تھا۔ مگر وہاں شیخ کی وفات کے چارسو (۴۰۰) سال بعد نہیں بلکہ چند سال بعد کا ذکر ہے، علاوہ یہ بھی صراحت موجود ہے کہ حضرت شیخ جامؒ کے وصال کے چند سال بعد ایک احمد نامی نوجوان بزرگ تشریف لائے اور حسب وصیت حضرت کا رکھا ہوا خرقہ ان کے سپرد کر دیا گیا، یعنی وہی احمد اس پیش گوئی کے مصداق تھے۔ نہ کہ چارسو سال بعد والے احمد سرہندیؒ (دیکھئے نفحات الانس للجامیؒ ص ۹۵۴، مکتبہ الحسنات دہلی، ۲۰۱۰)

ملاقات نہ ہونے کا بڑا افسوس ہے، انہوں نے ایک خط بطور عرضداشت آپ کے نام تحریر کیا اور اپنے خلیفہ خواجہ عبدالرحمن بدخشیؒ کو دیا، جو ۱۰۲۲ھ (مطابق ۱۶۱۳ء) میں آپ کے حضور پیش کیا گیا، اس میں آپ سے دعا کے لئے استدعا کی گئی تھی، آپ نے ملاحظہ فرما کر ان کے لئے دعا فرمائی اور کہا کہ شیخ خلیل اللہ کا مقام کبار اولیاء امت میں نظر آتا ہے (۸۸۵)۔

دیگر مشائخ کرام کے الہامات

☆حضرت شیخ سلیم بن بہاء الدین چشتیؒ (۸۸۶) (ولادت ۸۸۴ھ/۱۴۷۹ء یا ۸۷۷ھ/ ۱۴۷۲ء - وفات ۲۹/رمضان المبارک ۹۷۹ھ مطابق ۲۳/فروری ۱۵۷۲ء)، شیخ نظام نارنولیؒ (۸۸۷) (م ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء)، اور شیخ عبداللہ سہروردیؒ اور دیگر اکابر اولیائے ہند کی خدمت میں لوگ حاضر ہو کر اکبر بادشاہ کی بد دینی اور گمراہی کی شکایت کرتے اور ترقی اسلام کے لئے دعا کے خواستگار ہوتے تھے، یہ اولیاء وقت جب توجہ باطنی فرماتے تو الہام ہوتا کہ عنقریب ایک امام وقت اور مجدد اسلام کا ظہور ہوگا، وہ سب بد دینی اور ضلالت کو رفع فرمائے گا، اور قیامت تک اس کا نور باقی رہے گا (۸۸۸)۔

---

(۸۸۵) روضۃ القیومیہ ص ۴۳ ماخوذ از حضرت مجدد الف ثانی ص ۹۹ ۳ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسینؒ۔

(۸۸۶) آپ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر کی اولاد میں ہیں، برصغیر میں شیخ سلیم کے نام سے مشہور تھے، لیکن عرب وعراق میں شیخ الہند کے نام سے آپ کو شہرت حاصل ہوئی تھی، والد کا اسم گرامی بہاء الدین اور والدہ کا بی بی احد تھا، آپ کی ولادت دہلی میں معارج الولایت کے مطابق ۸۸۴ھ/ ۱۴۷۹ء اور اخبار الاخیار کے مطابق ۸۷۷ھ/ ۱۴۷۲ء میں ہوئی، ملک العلماء شیخ مجد الدین سے کتب درسیہ کی تعلیم حاصل کی، بڑے صاحب کشف وکرامات تھے، شہنشاہ اکبر آپ کا معتقد تھا، آپ کا وصال ۲۹/رمضان المبارک ۹۷۹ھ مطابق ۲۳/فروری ۱۵۷۲ء کو ہوا، فتح پور سیکری میں مدفون ہیں (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۶۲ تا ۳۶۴ مؤلفہ مفتی غلام سرور)

(۸۸۷) آپ شیخ خانو گوالیری (م ۹۴۰ھ/ ۱۵۳۳ء - خلیفہ خواجہ حسین ناگوریؒ) کے خلیفہ خاص تھے، ہر سال نارنول سے پا پیادہ چل کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہوتے تھے، چالیس سال تک خلق خدا کی روحانی خدمت کی، آپ پر ہمیشہ ذوق اور وجد طاری رہتا تھا، اللہ پاک نے بڑی قبولیت سے نوازا تھا، آپ کی وفات ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء میں ہوئی (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۸۲، ۳۸۳ مؤلفہ مفتی غلام سرور)

(۸۸۸) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۳۲ تا ۳۴ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا ارشاد

حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کی بیعت کے وقت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۲۳/ جمادی الثانیۃ ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۷ء) نے فرمایا، کہ آپ کی پیشانی میں ایک ولی برحق کا نور جلوہ گر ہے، اس سے شرق وغرب روشن ہونگے، بدعت وضلالت دور ہوگی، میں اگر اس وقت تک زندہ رہا تو وسیلۂ قرب الٰہی گردانوں گا (۸۸۹)۔

منجمین کی پیش گوئی

روضۂ قیومیہ میں مفصل مندرج ہے کہ ۹۷۱ھ (مطابق ۱۵۶۳ء) میں نواب خان اعظم (اکبر کا رضاعی بھائی مرزا عزیز کوکہ) رکن سلطنت (جو اسلام کی زبوں حالی سے بہت فکرمند تھے) کے دربار میں نجومی جمع ہوئے، اور بالاتفاق سب نے یہ کہا کہ تین دن سے ایک ستارہ طلوع ہو رہا ہے جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے آج تک کبھی نہ نکلا تھا، اس کے بعد یہ نتائج ظاہر ہونگے کہ کوئی مرد خدا اسلام کو دوبارہ تازگی بخشے گا (چنانچہ نواب خان اعظم کو ایسے مرد خدا کے ظہور کا شدت سے انتظار رہا، اور بالآخر حضرت مجددؒ کی زیارت وصحبت کی سعادت انہیں حاصل ہوئی) (۸۹۰)۔

ارکان سلطنت کے خواب

ارکان سلطنت اکبری - شیخ سلطان (۸۹۱) (م ۲/ جمادی الثانیہ ۱۰۰۷ھ مطابق یکم جنوری

(۸۸۹) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۳۳ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(۸۹۰) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۳۵، ۳۶ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(۸۹۱) بادشاہ اکبر کے بڑے مقرب اور علاقہ تھانیسر کے حاکم تھے، کتب تاریخ میں حاجی سلطان تھانیسری کے نام سے مشہور ہیں، اپنے زمانے کے ممتاز علماء وفضلاء میں تھے، حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ سے بھی مشرف تھے، علوم نقلیہ میں کافی دسترس حاصل تھی، چار سال کی مدت میں بادشاہ کے حکم پر آپ نے مہابھارت کا فارسی ترجمہ ''رزم نامہ'' کے نام سے کیا تھا، بادشاہ آپ کا بڑا قدردان تھا، اس نے آپ کو تھانیسر اور کرنال کا کروڑی بنا دیا تھا، کچھ عرصہ بعد تھانیسر کے ہندوؤں نے بادشاہ سے شکایت کی کہ آپ گاؤکشی کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، بادشاہ نے اس جرم میں آپ کو سندھ جلاوطن کر دیا، پھر عبدالرحیم خان خاناں کی سفارش پر دوبارہ اسی عہدہ پر تھانیسر میں بحال کر دیئے گئے، لیکن لیکن پھر کسی جرم میں ان کو ماٴخوذ کر کے سزائے موت کا حکم جاری کیا، چنانچہ ۲/ جمادی الثانیہ ۱۰۰۷ھ مطابق یکم ==

۱۵۹۹ء)، خان اعظم، مدار المہام سید صدر جہاں نے چند خواب اس بارے میں دیکھے، ان کی تعبیر کے لئے شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (۸۹۲) (م ۱۴/ذی الحجہ ۹۸۹ھ مطابق ۱۸/جنوری ۱۵۸۲ء) کی خدمت میں عرض کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ سرہند سے جو نور کا ظہور دیکھا ہے، وہ کسی ولی برحق کی ولادت کی علامت ہے، اور بگولوں کا دور ہونا اور بچھوؤں کا مارا جانا کفر و بدعت کا دور ہونا ہے (۸۹۳)۔

حضرت مخدوم عبدالاحدؒ کا کشف

حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ العزیز (م ۱۷/رجب ۱۰۰۷ھ مطابق ۳/فروری ۱۵۹۸ء) آپ کے والد ماجد نے ایک روز مراقبہ میں دیکھا کہ عالم میں تاریکی پھیل گئی ہے، غوک، بند اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کررہے ہیں، ایک نوران کے سینہ سے نکلا جس سے جہان روشن ہوگیا، اور برق خاطف

== جنوری ۱۵۹۹ء میں آپ کو پھانسی دے دی گئی، **انا اللہ وانا الیہ راجعون۔**

آپ حضرت مجددؒ کے خسر محترم ہیں، انہوں نے غیبی الہامات کے تحت اپنی دختر نیک اختر کی شادی حضرت مجدد سے کی تھی، جب وہ تھانیسر کے حاکم تھے اور حضرت مجدد اپنے والد ماجد کے ہمراہ اکبر آباد سے سرہند لوٹتے ہوئے ان کے یہاں قیام فرمایا تھا، یہ شادی بڑی شاہانہ انداز میں ہوئی تھی، اور دلہن سرہند رخصت کی گئی تھی۔ تقریباً یہ ۹۹۸ھ/۱۵۹۰ء کی بات ہے، اس شادی کے بعد حضرت مجدد کی مالی حالت درست ہوگئی تھی، اپنے خسر کی اس دردناک شہادت سے حضرت مجددؒ کو بے حد صدمہ پہونچا تھا (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۶۰ تا ۱۶۲ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

(۸۹۲) حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفۂ خاص تھے، ماں باپ کی نسبت سے فاروقی تھے، اصلی وطن بلخ تھا، والد کا نام قاضی محمود تھا، سات (۷) سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا، اور سترہ (۱۷) سال کی عمر میں تمام علوم سے فارغ ہوگئے تھے، آپ درس بھی دیتے تھے اور فتویٰ بھی، بڑے صاحب مقامات تھے، بڑی کرامتیں آپ سے منسوب ہیں، ہر وقت آپ پر استغراق کی کیفیت طاری رہتی تھی، سماع کا خوب ذوق رکھتے تھے، کہا جاتا ہے کہ سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں آپ کے رتبہ کا بزرگ کوئی نہیں ہوا، آپ کا وصال ۱۴/ذی الحجہ ۹۸۹ھ مطابق ۱۸/جنوری ۱۵۸۲ء کو ہوا، مزار تھانیسر میں ہے (خزینۃ الاصفیاء ج ۲ ص ۳۷۴ تا ۳۷۵ مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ، مطبوعہ لاہور)

(۸۹۳) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۳۷ تا ۳۹ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

روضۃ القیومیہ میں تمام خوابوں کی پوری تفصیل موجود ہے، حضرت منورویؒ نے بہت اختصار سے کام لیا ہے اور محض اشارات پر اکتفا کیا ہے،--- روضۃ القیومیۃ کے مطابق حضرت شیخ جلال الدینؒ نے صرف سید صدر جہاں (جو سلطنت اکبری میں مدار المہام کے منصب پر فائز تھے) کے خواب کی مذکورہ تعبیر بتائی تھی، شیخ سلطان اور خان اعظم کے خوابوں کی تعبیرات کے لئے دوسرے معبرین سے رجوع کیا گیا تھا، اور ان کی تعبیرات بھی تقریباً مذکورہ تعبیر کے مماثل تھیں۔

نے نکل کر سب درندوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ پھر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک تخت پر کوئی بزرگ مسند نشین ہیں، اس کے چاروں طرف بہت سے نورانی آدمی اور ملائک مؤدب کھڑے ہیں ملحدوں، زندیقوں، ظالموں، اور جابروں کو ان کے حضور میں پیش کر کے بکریوں کی طرح ذبح کرر ہے ہیں، اور منادی ندا دے رہے ہیں:

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ . (۸۹۴)

ترجمہ: حق آیا اور باطل پامال ہوا اور باطل پامال ہونے ہی کے لائق ہے

آپ نے یہ واقعہ حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ (۸۹۵) (ولادت ۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹ء - وفات ۱۹/ جمادی الثانیہ ۹۸۱ھ مطابق ۱۶/ اکتوبر ۱۵۷۳ء) سے عرض کیا، آپ نے توجہ الی اللہ کر کے فرمایا، کہ آپ کو ایک فرزند گرامی پیدا ہوگا جو افضل اولیاء وقت ہوگا، اس کے نور سے شرک و بدعت کی تاریکی

---

(۸۹۴) الاسراء: ۸۱.

(۸۹۵) امام العارفین، سلطان الاوتاد، قدوۃ السالکین، حجۃ العاشقین حضرت شاہ کمال کیتھلی قادری ۸۹۵ھ/ ۱۴۸۹ء میں بغداد میں پیدا ہوئے، آپ کا سلسلۂ نسب بارہویں پشت میں حضرت غوث اعظمؒ سے مل جاتا ہے، والد گرامی کا نام سید حاجی عمر تھا، آپ مادرزاد ولی تھے، علم ظاہر وقت کے اکابر علماء سے حاصل کیا، علم ظاہر سے فراغت کے بعد علم باطن کے لئے حضرت شاہ فضیل قادریؒ سے رجوع کیا، اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، پھر ریاضات ومجاہدات میں مشغول رہے، اور برسوں سمرقند، بخارا، روم و ایران، مصر وفلسطین، اور عراق وحجاز کے بیابانوں اور جنگلوں میں اور اٹلی وسسلی، الجزائر و قبرص کی سنگلاخ پہاڑیوں میں گشت لگاتے رہے۔

پیر طریق کے ساتھ سیر وسیاحت کرتے ہوئے کئی بار سعادت حج سے سرفراز ہوئے، پھر پیر ومرشد کے حکم پر ہندستان تشریف لائے، غالباً آپ شہنشاہ بابر کے آخری ایام میں آئے، ہندستان میں آپ کی آمد کا زمانہ ۹۲۷ھ مطابق ۱۵۲۰ء ہے، اول اول ٹھٹھہ میں قیام فرمایا جو کہ علم وادب، تہذیب وتمدن اور فنون لطیفہ کا مرکز تھا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ حضرت شکر اللہ شیرازیؒ، حضرت سید شاہ عبد اللہؒ، اور حضرت شاہ مبین تھے، آخر الذکر دونوں بزرگ حضرت غوث اعظمؒ کی اولاد میں ہیں، ان دونوں کے مزارات ٹھٹھ میں ہے، یہاں آپ نے تقریباً دو سال قیام فرمایا، اس کے بعد آپ ملتان تشریف لائے، پھر لدھیانہ اور سرہند ہوتے ہوئے بالآخر کیتھل پہونچے اور یہیں مستقل مقیم ہوگئے، یہاں بے شمار خلق خدا نے آپ سے فیض پایا، آپ کے خلفاء کی بڑی تعداد ہے، آپ کی وفات ۱۹/ جمادی الثانیہ ۹۸۱ھ مطابق ۱۶/ اکتوبر ۱۵۷۳ء کو ہوئی، مزار کیتھل میں واقع ہے، جو مشرقی پنجاب میں ضلع کرنال کی ایک تحصیل ہے (تذکرۂ مشائخ قادریہ ص ۱۳۱ تا ۱۳۸ مؤلدہ مولانا محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور، ۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء)۔

دوراور دین محمدی کوروشنی اورفروغ حاصل ہوگا(۸۹۶)۔

اکبر بادشاہ پرایک جعلی کتاب کا نزول اور مجدد اسلام کی ضرورت

اکبر بادشاہ (م ۱۶۰۵ء) کے عہد میں جس قدر کفر والحاد کوفروغ اور شرع اسلام کوضعف اور انحطاط ہوگیا تھا، وہ محتاج بیان نہیں، دربار کا آداب سجدہ تھا، اور بادشاہ کے مہر خاص کا سجعہ تھا **جل جلال اکبر** ’’اور دوسری مہر تھی‘‘ **ما اکبر شانہ تعالی**‘‘۔

ایک دن وزیر سلطنت ابوالفضل(۸۹۷) (**ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء وفات ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء**) نے عربی زبان میں ایک کتاب بادشاہ کولا کردی، اور کہا کہ آسمان سے آپ کے واسطے فرشتہ لایا ہے، تا کہ آپ اس پرعمل کریں، چنانچہ اس کتاب کی ایک آیت یہ بھی تھی:

یاایھاالبشر لاتذبح البقر، وان تذبح البقر فمأواك السعر‘‘

ترجمہ: اے بشر! گائے کوذبح مت کرو، اور جوتو کرے گا توٹھکانہ تیرا جہنم ہوگا(۸۹۸)۔

یہ وہ حالات تھے جب شخصی طاقتیں بادشاہی مقابلہ سے عاجز تھیں، امداد غیبی کا ہرکس وناکس کو انتظار تھا اور امام وقت اور مجدد اسلام کے لئے سب چشم براہ تھے۔

آپ کی ولادت باسعادت کا بیان

لکھ اے قلم خوشی سے ولادت جناب کی
قیوم وقت، شاہ ولایت مآب کی

غوث زمان وقطب وجودوامام دہر
سرتاج اولیاء شہ گردوں قباب کی (۸۹۹)

(۸۹۶) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج۱ ص ۳۳ تا ۳۴ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(۸۹۷) ابوالفضل ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء میں آگرہ میں پیدا ہوا، یہ شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا ہے، یہ شیعہ تھا، اپنے بڑے بھائی فیضی کے ذریعہ دربار میں پہونچا اور اپنی ذہانت کی بدولت جلد ہی بادشاہ کا منظور نظر بن گیا، اکبرنامہ اور آئین اکبری لکھی، ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء میں قتل ہوا (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۷ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

(۸۹۸) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج۱ ص ۲۷، ۲۸ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب

(۸۹۹) قباب قبۃ کی جمع ہے، چوٹی کے معنی میں، ہندی میں کلس کہتے ہیں، قباب میں قاف پر زیر ہے، پیش نہیں۔

تشریف لائیے شہ کون ومکاں شتاب
راہیں بتایئے ہمیں صدق وثواب کی

مشہور ہے کہ ۱۰/محرم ۹۷۱ھ (مطابق ۶/ستمبر ۱۵۶۳ء) شب جمعہ کو ایک نور عالم تاب آسمان سے ظاہر ہوا، جس کا تمام خلقت نے مشاہدہ کیا، اسی تاریخ میں آپ نے شکم مادر بزرگوار میں قرار پکڑا، عالم میں سرسبزی کے آثار نمودار ہوئے، ارکان دین استوار ہوئے، زمین وآسمان میں غلغلۂ شادمانی بلند ہوا، اور خطۂ ہند اس اعزاز سے ارجمند ہوا:

نظم

شور تھا ہر سو کہ شاہ خوش خصال آنے کو ہے
گلشن پیغمبری کا نونہال آنے کو ہے

ہے مجدد الف ثانی جس کا قطبوں میں خطاب
وہ امام حق بصد جاہ وجلال آنے کو ہے

دور کرنے کو جہاں سے شرک کی تاریکیاں
نور محبوب خدائے ذوالجلال آنے کو ہے

آن کروہ نور سنت ہر طرف پھیلائے گا
نائب برحق نبیؐ بے مثال آنے کو ہے

اے صبا گر ہو گذر اس شاہ کے دربار میں
کہیو خدمت میں فقیر پرملال آنے کو ہے

نو (۹) ماہ چار (۴) روز گذرنے کے بعد اس آفتاب جاہ وجلال، انوار ذوالجلال، ماحیٔ بدعت نے بوقت مسعود شب جمعہ کو بتاریخ ۱۴/شوال المکرم ۹۷۱ھ (مطابق ۲۶/جون ۱۵۶۴ء) برج حمل سے مطلع شاہ سرہند میں طلوع فرمایا، اور اپنے انوار جہاں آراء سے عالم وعالمیان کو منور کیا، ہر گل وغنچہ پر نور تھا اور ہر شگوفہ و بوٹا عکس طور تھا:

نظم

نائب خیر الوریٰ پیدا ہوئے　　نور چشم مرتضیٰ پیدا ہوئے
آج وہ پیدا ہوئے حق کے ولی　　جس کے تھے مشتاق سب شیخ وصبی
محیٔ احکام دیں پیدا ہوئے　　حامیٔ شرع متیں پیدا ہوئے
ہے وہ ذات احمدی ابرار حق　　جس سے ہیں پرنور یہ چودہ طبق
صدق صدیقیؓ ہے ان سے پرضیا　　عدل فاروقیؓ میں آیا انجلا
اور عثمانیؓ ضیاء کا ہے ظہور　　علیؓ کا ہر طرف پھیلا ہے نور
مصدر انوار پاک مصطفیٰ　　ہیں وہ بے شک سایۂ خاص خدا
ان سے ہر سو ہو گئے روشن نجوم　　قال صلی اللہ صحابی کالنجوم
ان کے آتے ہی ضلالت کا نشاں　　مٹ گیا دنیا سے بے ریب وگماں

زمانۂ طفولیت

بمتابعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ مختون پیدا ہوئے، آپ عام بچوں کی طرح کبھی گریہ وزاری نہ فرماتے، ہر وقت خندہ پیشانی سے رہتے، کبھی آپ برہنہ نہ ہوتے، آپ کا بدن یا کپڑا کبھی نجس نہ ہوتا۔

حضرت شاہ کمال کیتھلیؒ کے حضور

ایک مرتبہ آپ زمانۂ رضاعت میں علیل ہو گئے، آپ کے والد ماجد حضرت سید شاہ کمال کیتھلیؒ کو آپ کے اوپر دعا ودم کرانے کی غرض سے بلا کر لائے (۹۰۰)، انہوں نے آپ کو ملاحظہ فرمایا، اور جوش میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر دراز کرے، یہ عالم باعمل اور عارف کامل بنے گا اور بہت سے بزرگ آپ اور مجھ جیسے اس کے دامن عافیت میں مستفید ہونگے، تا قیامت اس کا نور روشن رہے گا، اکثر اولیاء امت اس کی ولادت باسعادت کی خبر دے گئے ہیں، باخبر بزرگ اس کے ظہور کے منتظر اور چشم براہ تھے، اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے دہن مبارک محبت سے دے دی، آپ

(۹۰۰) مقامات خیر ص ۴۰ مؤلفہ حضرت شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ میں اسی طرح ہے، البتہ اس میں یہ ہے کہ حضرت شاہ کمالؒ اچانک خود ہی تشریف لے آئے تھے، لیکن روضۃ القیومیۃ (ص ۴۵) میں لکھا ہے کہ آپ کو حضرت شاہ کمالؒ کی خدمت میں لے جایا گیا تھا۔

نے بہت زور سے اس کو چوسا، شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ طریقۂ قادریہ کی تمام نعمت اس کو پہونچ گئی (۹۰۱)۔

علم شریعت اور اپنے والد ماجد سے استفادہ

ابتداء آپ نے کلام اللہ شریف حفظ کرنا شروع کیا، تھوڑے ہی عرصہ میں آپ حافظ ہو گئے، پھر آپ نے اپنے والد ماجد سے علم ظاہر کی تحصیل شروع کی، ابواب فتح وکشائش آپ پر مفتوح ہو گئے، تحقیق کا مادہ پیدا ہوا، اور آپ مسائل متکلمہ بآسانی حل فرمانے لگے، چند ہی روز میں کتب ضروریہ کے درس سے آپ فارغ ہو گئے، اور دلکش عبارات سے بعض کتب پر حاشیے تحریر فرمائے (۹۰۲)۔

آپ کے دیگر اساتذہ اور طریقۂ کبرویہ کی اجازت

بعدہ علماء فحول مولانا کمال الدین کشمیریؒ (م ۱۰۱۷ھ/۱۶۰۸ء) (۹۰۳) سے سیالکوٹ جا کر عضدی وغیرہ چند کتب مشکلہ کا درس لیا۔

☆ کشمیر میں شیخ یعقوب صیرفیؒ (۹۰۴) (ولادت ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۲ء-وفات ۱۲/ذی قعدہ ۱۰۰۳ھ مطابق ۱۸/جولائی ۱۵۹۵ء) سے جو قطب وقت شیخ حسین خوارزمیؒ کے خلیفہ تھے، (اور حرمین

(۹۰۱) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۴۵، مؤلفہ خواجہ کمال الدین، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔

(۹۰۲) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۴۶ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔

(۹۰۳) حضرت مولانا کمال کشمیریؒ علم ظاہر و باطن دونوں میں اسم بامسمیٰ تھے، اپنے زمانہ کے اکابر علماء میں تھے، سیالکوٹ اور لاہور میں عرصہ تک آپ کا درس جاری رہا، حضرت مجدد الف ثانیؒ، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ، اور علامہ سعد اللہؒ (وزیر شاہ جہاں بادشاہ) جیسے اکابر آپ کے ممتاز تلامذہ ہوئے (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

(۹۰۴) حضرت مولانا یعقوب کشمیریؒ کے والد ماجد خواجہ حسن عاصمیؒ کشمیر کے امرائے سلطنت میں تھے، شیخ یعقوبؒ کی ولادت ۹۲۸ھ مطابق ۱۵۲۲ء میں ہوئی، حفظ قرآن اور تحصیل علوم کے بعد علم باطن کے لئے سمرقند حضرت شیخ حسین خوارزمیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے آپ کو بعد تکمیل خرقۂ خلافت عطا فرما کر کشمیر رخصت کر دیا، پھر اکبر بادشاہ کے دربار میں پہونچے، بعد ازاں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے، بکثرت کتابیں تصنیف کیں، بروز جمعرات ۱۲/ذی قعدہ ۱۰۰۳ھ مطابق ۱۸/جولائی ۱۵۹۵ء کو وصال فرمایا (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۳ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

شریفین کے بڑے بڑے نامور محدثین مثلاً: امام ابن حجر مکیؒ، عبدالرحمن بن فہد مکیؒ وغیرہ سے مستفید تھے، نامور محدث اور سلسلۂ کبرویہ کے مقتدا اور پیشوا تھے) سے آپ نے کتب حدیث پڑھ کر سند حدیث اور اجازت طریقۂ کبرویہ سہروردیہ حاصل فرمائی (۹۰۵)۔

☆ قاضی بہلول بدخشانیؒ تلمیذ شیخ الحدیث والمحدثین عبدالرحمن بن فہد مکیؒ (جن کا گھر اباً عن جد صدیوں سے بیت الحدیث تھا) سے تفسیر واجدی مع دیگر مؤلفات واجدی وتفسیر بیضاوی مع دیگر مصنفات قاضی بیضاویؒ، صحیح بخاری مع متعلقات وثلاثیات وغیرہ، مشکوٰۃ شریف، ترمذی شریف مع شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطیؒ، قصیدہ بردہ، اور حدیث مسلسل بالاولیۃ کی اجازت حاصل فرمائی، سترہ (۱۷) سال کی عمر میں آپ فارغ التحصیل ہوگئے، اور بشارت ہوئی کہ آپ طبقۂ محدثین میں داخل کئے گئے، اس کے بعد آپ مسند ہدایت پر متمکن ہوئے، مختلف ممالک سے صدہا طلبہ جوق در جوق آنے شروع ہوگئے، رات دن درس وتدریس کا مشغلہ تھا، اور حلقۂ حدیث وتفسیر گرم رہتا تھا، آپ کی درسگاہ سے بہت لوگ فارغ التحصیل ہوئے (۹۰۶)۔

سفر اکبرآباد

اسی اثناء ایک دومرتبہ دارالخلافۃ اکبرآباد (موجودہ آگرہ، جواس دور میں پورے ملک کا دارالحکومت تھا) بھی جانا ہوا، وہاں فیضی (۹۰۷) (ولادت ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء وفات ۱۰/صفر ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۱۵۹۵ء) وابوالفضل (ولادت ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء وفات ۱۰۱۱ھ مطابق ۱۶۰۲ء) سے ملاقات ہوئی، ان کو راہ راست پر لانے کی تلقین فرمائی، بعدہ واپس وطن مألوف ہوئے (۹۰۸)۔

(۹۰۵) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۷۴ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(۹۰۶) حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۴ تا ۱۵۶ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ۔

(۹۰۷) فیضی شیخ مبارک ناگوری کا بڑا بیٹا ہے، یہ شیعہ تھا، ۹۵۴ھ/۱۵۴۷ء میں آگرہ میں پیدا ہوا، بیس (۲۰) سال کی عمر میں دربار اکبری میں پہونچ گیا، اور ملک الشعراء کا خطاب پایا، تفسیر بے نقط ۱۰۰۲ھ/۱۵۹۳ء میں مکمل کی، ۱۰/صفر ۱۰۰۴ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۱۵۹۵ء کو فوت ہوا (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۷ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

(۹۰۸) اندازہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ بائیس (۲۲) سال کی عمر میں ۹۹۳ھ/۱۵۸۵ء میں اکبرآباد (آگرہ) تشریف لائے ہونگے (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۶ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ) حضرت ==

سند مصافحہ

آپ نے حاجی عبدالرحمن بدخشیؒ (کابلی معروف بہ حاجی رمزی) سے مصافحہ کیا، انہوں نے حافظ سلطان ادہمیؒ سے (جن کی عمر ایک سودس سال تھی)، انہوں نے شیخ محمودؒ اشعریؒ سے، انہوں نے شیخ عبدمعمن حبشیؒ سے، اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، ان میں سے ایک صاحب جن تھے (۹۰۹)۔

علم طریقت اور اپنے والد ماجد سے خلافت

اولاً آپ اپنے والد ماجد حضرت مخدوم عبدالاحد قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے، آپ نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت کو لازم پکڑا، اور ریاضت وعبادت میں مشغول ہوئے، انہوں نے دس (۱۰) سلاسل میں آپ کو خلافت عطا فرمائی (۹۱۰)۔

== نے ایک طویل عرصہ تک یہاں قیام فرمایا، اور تدریسی خدمات انجام دیں، بڑے بڑے علماء آپ کے حلقۂ تلمذ میں داخل ہوئے، آپ کے علم کی شہرت دربار سلطنت تک پہونچی، یہاں تک کہ خود ابوالفضل اور فیضی آپ کی طرف متوجہ ہوئے، آپ کو دربار میں حاضری کی دعوت دی، لیکن جب آپ آمادہ نہیں ہوئے تو خود بنفس نفیس چل کر یہ دونوں آپ کی قیامگاہ پر حاضر ہوئے، اور پھر اپنے گھر کھانے کی دعوت پیش کی، حضرت نے اس دعوت کو قبول فرمایا، اس کی تفسیر بے نقط میں اس کی مدد فرمائی، اور ان سے روابط بڑھے، لیکن جب آپ کو ان کے عقائد وافکار کا علم ہوا تو ان کو سنبھالنے کی کوشش کی، روضۃ القیومیہ میں اس ضمن میں کئی مباحثات ومناظرات کا ذکر ہے، لیکن وہ اپنی فطرت پر قائم رہا، یہاں تک کہ آپ نے اس سے دوری قائم فرمالی، اسی زمانے میں آپ نے رسالہ ''اثبات النبوۃ''، رسالہ تہلیلیہ، اور رسالہ رددر وافض جیسی کتابیں لکھیں، اکبرآباد میں حضرت مجددؒ کا قیام اتنا طویل ہوا کہ خود آپ کے والد ماجد کو باوجود ضعف وکبرسنی یہاں تشریف لانا پڑا اور حضرت کو اپنے ساتھ لے گئے (حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ا ص ۴۸ تا ۵۳ مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب)

(۹۰۹) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ا ص ۴۷، ۴۸ مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(نوٹ) لیکن روضۃ القیومیۃ میں ''شیخ عبدمعمن حبشی'' کی جگہ پر ''شیخ سعید'' درج ہے، حضرت مولانا شاہ زوار حسینؒ نے جواہر مجددیہ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے (حضرت مجدد الف ثانیؒ ص ۱۵۶ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ)

(۹۱۰) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ا ص ۵۵ مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب۔

(نوٹ) لیکن روضۃ القیومیہ میں صرف تین (۳) سلاسل کا ذکر ہے: سلسلۂ سہروردیہ، سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ قادریہ۔

دیگر کمالات اور نسبت فردیت

آپ نے حضرت مخدومؒ سے ان کے مخصوص علوم نیز تعلیم کتب تصوف - عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ - حاصل فرمائی اور نسبت فردیت وتوفیق عبادت جوان کوان کے شیوخ سے پہونچی تھی حاصل فرمائی، چنانچہ اس کا ذکر آپ نے اپنی کتاب ''مبدأ و معاد'' میں اس طرح فرمایا ہے کہ:

''اس درویش کو توفیق عبادت نافلہ کی امداد بھی اپنے والد ماجد سے ہی پہونچی، جوان کو چشتیہ طریق کے شیوخ سے حاصل ہوئی تھی'' (۹۱۱)۔

آپ کے والد ماجد کا طریقۂ نقشبندیہ کی توصیف کرنا

حضرت مخدومؒ (آپ کے والد ماجد) نے طریقۂ نقشبندیہ کے جو فضائل اپنے بزرگوں سے سنے اور کتب میں دیکھے تھے، کہ اس بادیہ کی شاہراہ اور اس دائرۂ کار کا مرکز طائفۂ عالیہ نقشبندیہ کے ہاتھ میں ہے، مگر دنیا اس طریقہ کے بزرگ سے خالی ہے، اور افسوس ہے کہ ہم کو اس سلسلۂ جلیلہ سے استفادہ کا موقعہ نہ مل سکا۔

افضلیت طریقۂ نقشبندیہ

طریقت کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ مرید اپنے پیر کو سب سے افضل سمجھے، ورنہ فیض سے محروم رہتا ہے، اس سلسلہ کے پیر اعلیٰ سیدنا ابوبکر صدیق ہیں، جن کی شان یہ ہے کہ: **افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق** - پس آپ کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے سے شریعت وطریقت دونوں کی تکمیل ہوتی ہے، علاوہ ازیں اس طریقہ کے تمامی اصول وفروع میں اتباع سنت واجتناب بدعت بدرجۂ کمال ہے، یعنی اصحاب کبار کا سا لباس ہے، انہی کی سی معاشرت، ویسے ہی اذکار واشغال، وہی محاسبۂ نفس، اور ہر دم کی حضوری، وہی آداب شیخ، کم ریاضتیں اور فیضان کثیر اور کمالات ولایت کے علاوہ کمالات نبوت کی بھی تعلیم، نہ اس میں چلہ کشی ہے، نہ ذکر بالجہر، نہ سماع، نہ مزامیر، نہ قبور پر روشنی، نہ غلاف نہ چادر اندازی، نہ ہجوم خواتین، نہ سجدۂ تعظیمی نہ سر کا جھکانا، نہ بوسہ دینا، نہ توحید وجودی، نہ دعویٰ انا الحق وہمہ اوست، نہ مریدوں کو پیروں کی قدمبوسی کی اجازت، نہ مرید عورتوں کی ان کے پیروں سے بے پردگی۔

---

(۹۱۱) حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۵۵ مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔ ☆ مبدأ و معاد (فارسی مع اردو) ص ۱۱، ۱۲ مؤلفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، ادارۂ مجددیہ کراچی)۔

نظم

کیا سلسلوں میں سلسلۂ نقشبند ہے
جو نقشبند ہے وہ یقیں حق پسند ہے
جس کو حصول سلسلۂ نقشبند ہے
واللہ ارجمند ہے وہ ارجمند ہے
طالب کو استواریٔ ایمان ہے نصیب
جس کے سبب سے مرتبہ اس کا دو چند ہے

آپ کا سفر دہلی اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے نیازمندی

ہمیشہ سے آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شوق تھا، اس لئے آپ ہمیشہ بے چین و بے آرام رہتے تھے، کیونکہ آپ کے والد ماجد سن رسیدہ ہو گئے تھے، بوجہ ان کی خدمت کے آپ ان کی مفارقت گوارا نہ کر سکتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے والد نے ۱۰۰۷ھ (۱۵۹۸ء) میں وفات پائی، ۱۰۰۸ھ (۱۵۹۹ء) میں آپ نے حج کی غرض سے سفر کیا، جب آپ دہلی پہونچے، مولانا حسن کشمیریؒ سے جو آپ کے دوستوں اور خواجہ باقی باللہ کے مخلصوں میں سے تھے ملاقات ہوئی، انہوں نے آپ سے خواجہ صاحب کے کمالات کا اظہار کر کے ملاقات کرنے کی تحریک کی، اور بیان کیا کہ حضرت خواجہ صاحب اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے فرد یگانہ ہیں، اور ہر چہار طرف دور دراز تک آپ کی نظیر نہیں ہے، آپ کی ایک نظر سے وہ فیض طالبوں کو حاصل ہوتا ہے، جو اور طریقوں میں بہت سے چلوں اور شاقہ ریاضتوں سے بھی کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔

چونکہ آپ نے اپنے والد ماجد سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ و اکابر سلسلہ کے حالات سن رکھے تھے، اور کتابوں میں بھی دیکھے تھے اور اس نسبت کی قابلیت واستعداد آپ بوجہ اتم رکھتے تھے، آپ مولانا کے ہمراہ حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے حضرت خواجہؒ سے بیعت کی درخواست کی، حضرت خواجہ نے آپ کو خلوت میں طلب فرما کر مرید کیا، ذکر قلبی کی تعلیم فرمائی، فوراً آپ کا دل ذاکر ہو گیا، اور آرام وحلاوت ذکر قلبی والتذاذ تمام حاصل ہوا، یوماً فیوماً ترقیات عالیہ وعروجات متعالیہ ظاہر ہوتے رہے، اور کمال شوق واشتیاق سے گریہ وزاری ہونے لگا۔

مدہوشی وفنا

ایک روز کے بعد بحالت بے خودی ایک دربار محیط اور صور واشکال عالم اس دریا کے سایہ میں نمودار ہوئے، رفتہ رفتہ اس کیفیت بے خودی نے اور بھی غلبہ کیا، کبھی ایک پہر تک رہتی، کبھی دو پہر اور کبھی تمام شب، میں (حضرت مجددؒ) نے اپنے خواجہ کی خدمت میں یہ کیفیت بیان کی، تو آپ نے فرمایا، کہ ''ایک قسم کی فنا حاصل ہوگئی ہے''

مقام ظلال وفناء الفنا

اس کے بعد آپ نے ذکر کرنے سے منع کر دیا، لیکن موجودہ ذکر کی نگاہ داشت کے لئے ارشاد فرمایا، پھر دو روز کے بعد مجھے ''فناء مصطلح'' حاصل ہوئی، تو میں نے خدمت والا میں کیفیت عرض کی، ارشاد فرمایا کہ تمام عالم کو ایک دیکھتے ہو اور ذات واحد سے متصل پاتے ہو یا نہیں؟ میں نے عرض کیا ''ایک پاتا ہوں'' فرمایا، فناء الفنا میں یہ بات معتبر ہے کہ باوجود اتصال ابدان بے شعوری حاصل ہو'' اسی رات مجھ پر یہی کیفیت گذری تھی، وہ سب میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا، اور کہا کہ میں اپنے علم کو نسبت حق سبحانہ تعالیٰ اب حضوری میں پاتا ہوں، (یعنی علم حصولی پالینے کے بعد بلا توسط حصول صورت علم حضوری پاتا ہوں اور جو اوصاف میری طرف منسوب تھے حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف منسوب پاتا ہوں)۔

مرتبۂ علمی

اس کے بعد ایک نور سیاہ رنگ کا ظاہر ہوا، جو تمام اشیاء کو محیط تھا، میں نے اس کی کیفیت بھی عرض کی تو ارشاد فرمایا کہ انبساط جو اس نور میں دکھائی دیتا ہے، علم الٰہی ہے، کہ بواسطہ تعلق ذات حق سبحانہ ان اشیاء کے ساتھ جو بالا و پستی میں واقع ہے، وہ منبسط ہے، لہٰذا اس انبساط کی بھی نفی کرنی چاہئے، اس کے بعد اس نور منبسط میں انقباض ظاہر ہوا، اور تنگ ہونے لگا، حتیٰ کہ صرف ایک نقطہ کے برابر رہ گیا۔

مقام حیرت وحضور نقشبندیہ

فرمایا اس نقطہ کی بھی نفی کرنی چاہئے، اور حیرت میں آنا چاہئے، میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ وہ نقطہ بھی زائل ہوگیا، اور حیرت ظاہر ہوئی، کہ اس مقام پر خود بخود شہود حق تعالیٰ ہے، میں نے یہ کیفیت عرض کی، تو فرمایا یہی حضور نقشبندیہ ہے (اور اس حضور کو حضور بے غیبت بھی کہتے ہیں، اور بدایت میں نہایت

کا مندرج ہونا اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے)۔

مقام فنائے حقیقی وشرح صدر

اس کے بعد پھر ایک روز فنا حاصل ہوئی ، جسے فنائے حقیقی کہتے ہیں ،اور دل میں اس قدر وسعت پیدا ہوگئی ، کہ تمام عالم عرش سے فرش تک اس کے پہلو میں رائی کے دانہ کے برابر دکھائی دینے لگا۔

مقام حق الیقین وجمع الجمع

اس کے بعد میں نے اپنے آپ کو اور ہر فرد عالم کو بلکہ ہر ذرہ کو حق دیکھا ،اس کے بعد ہر ذرہ عالم کا الگ الگ اپنا عین دیکھا ،اور اپنے آپ کو بلکہ ہر ذرہ کو اس قدر منبسط اور وسیع پایا کہ تمام عالم بلکہ ایسے ایسے کئی عالم اس میں سما سکیں ، بلکہ اپنے آپ کو اور ہر ذرے کو ایسا پھیلا ہوا نور پایا جو ہر ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہے ،اور عالم کی صورتیں اور شکلیں اس نور میں منفعل مثل لاشے کے ہیں ،-- جب میں نے یہ کیفیت حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کی ،تو فرمایا ، کہ توحید میں مرتبۂ حق الیقین یہی ہے ، اور جمع الجمع عبارت اسی مقام سے ہے۔

وحدت مطلق میں جان خلق وخدا ایک ہے
دیکھنا توحید ہے یہ بولنا ترک ادب

مرتبۂ فرق بعد الجمع

بعدہ میں نے آپ کی خدمت بارکت میں حاضر ہوکر اپنا حال عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ ابھی تمہارا حضور صاف نہیں ہے ،تم اپنے کام میں مشغول رہو ، یہاں تک کہ موجود اور موہوم کے درمیان تم پر تمیز ظاہر ہو جائے ، اللہ عزوجل نے آپ کی توجہ سے کامل دو روز میں موہوم اور موجود کے درمیان تمیز ظاہر کر دی ،اور خارج میں بجز ایک ذات موجود کے اور کچھ نہ دیکھا ، جب یہ حالت میں نے عرض خدمت کی تو ارشاد ہوا کہ مرتبۂ فرق بعد الجمع یہی ہے (۹۱۲)۔

---

(۹۱۲) حضرت خواجہ سے امام مجدد کی ملاقات اور درجہ بدرجہ مقامات کی مذکورہ تفصیلات حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب سے ماخوذ ہیں جو آپ نے مولانا ہاشم کشمیؒ کے نام تحریر فرمایا ہے (دیکھئے: مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۹۰ مطبوعہ امرتسر۔

نسبت مرادیت ومحبوبیت

الحاصل آپ نے دقائق علیہ وواردات مرضیہ واحوال شریفہ بہت ہی تھوڑے دنوں میں حاصل فرمالئے، جواور سالکوں کو برسوں میں بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔

حضرت غوث پاکؒ کے خرقہ کی حوالگی اور شاہ سکندر قادریؒ سے خلافت

سابق میں مذکور ہوا ہے کہ قطب الوجود حضرت غوث اعظمؒ نے اپنا خرقہ مبارک اپنے جانشین صاحبزادہ حضرت سید تاج الدین عبدالرزاقؒ (ولادت ۱۸ / ذی قعدہ ۵۲۸ھ مطابق ۱۵ /ستمبر ۱۱۳۴ء-وفات دوشنبہ ۶ /شوال المکرم ۶۰۳ھ مطابق ۱۲ /مئی ۱۲۰۷ء یا ۶ /شوال ۶۲۳ھ مطابق ۶ /اکتوبر ۱۲۲۶ء) کو آپ کے حوالے کرنے کے لئے تفویض فرمایا تھا، اور آپ کے جانشینوں میں یکے بعد دیگرے امانۃً چلا آیا تھا، وہ اسی سال آپ کے حوالے کیا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت شاہ سکندر قادریؒ (۹۱۳) (سے ان کے دادا حضرت شاہ کمال کیتھلی نے خواب میں فرمایا کہ اس خرقۂ مبارک کے وارث جن کے لئے حضرت غوث پاکؒ نے وصیت فرمائی تھی، شیخ احمد سرہندیؒ ظاہر ہوگئے ہیں، اس لئے یہ خرقہ ان کے حوالہ کردو، انہوں نے خرقہ شریف کے تفویض کرنے میں یہ خیال کرکے تأمل کیا کہ گھر کی نعمت گھر ہی میں رہے تو بہتر ہے، پھر دوبارہ آپ نے ظاہر ہوکر تاکید فرمائی پھر بھی انہوں نے ٹالا، تیسری مرتبہ بحالت غضبنا کی ظاہر ہوکر متنبہ فرمایا اگر تم اپنی خیریت اور نسبت کی سلامتی چاہتے ہوتو خرقۂ مبارک اس کے وارث کے حوالے کردو، ورنہ تمہاری نسبت وکرامت سلب کرلی جائے گی، شاہ سکندرؒ ہیبت زدہ ہوکر خرقہ شریف کے ساتھ آپ کی خدمت میں تشریف لائے، آپ بعد نماز فجر حسب عادت حلقۂ ذکر وتوجہ میں مشغول ومراقب تھے، آپ جب فارغ ہوئے، شاہ صاحب نے خاندان عالیہ قادریہ کی خلافت آپ کو عطا کی، اور خرقۂ مبارک آپ کو تفویض فرمایا، آپ نے زیب تن مبارک

---

(۹۱۳) حضرت شاہ سکندر بن شاہ عماد الدین بن حضرت شاہ کمال کیتھلی کی ولادت کیتھل میں ہوئی، بچپن ہی میں اپنے جد امجد کی صحبت میں باطنی وروحانی علوم کی تکمیل کی، آپ کو احوال ومواجید اور خرق عادات میں حضرت شاہ کمالؒ کا ورثہ حاصل تھا، حضرت مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں، کہ آفتاب کو دیکھنا آسان ہے، لیکن حضرت شاہ سکندرؒ کو نورانیت کے غلبہ کے سبب نگاہ کو دیکھنے کی تاب نہیں ہے، آپ کی وفات ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء میں ہوئی، مزار پرانوار قصبہ کیتھل ضلع کرنال میں ہے۔ (حضرت مجدد الف ثانی ص ۱۹۲ حاشیہ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ زوار حسین صاحب، بحوالہ زبدۃ المقامات و دربار قادری)

کیا، نسبت قادریہ نے آپ پر غلبہ واستیلا کیا، نسبت نقشبندیہ غائب ہوگئی، بعدہ نسبت نقشبندیہ کو غلبہ ہو گیا، ایسا ہی کئی مرتبہ ہوا۔

ارواح اولیاء کی آمد اور آپ کے لئے مسابقت

اسی اثناء میں روح مبارک حضرت غوث الاعظمؒ وحضرت امیر المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مع بزرگان سلسلہ تشریف لائے۔ان کے بعد روح پرفتوح حضرت خواجہ نقشبندؒ وحضرت امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبرؓ مع بزرگان سلسلہ تشریف لائے، دونوں حضرات میں باہم اشارات ہوئے، حضرت غوث اعظمؒ نے فرمایا، اس نوجوان نے بچپن میں ہی بواسطہ ہمارے پوتے سید شاہ کمال کیتھلیؒ کی زبان چوس کر کامل فیض نسبت حاصل کیا ہے، لہٰذا ان پر ہمارے سلسلہ کی خدمت اور اشاعت کا بڑا حق ہے، حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا کہ ہمارے طریق کا استحقاق اس وجہ سے ان پر زیادہ ہے کہ بتوسط ہمارے خلیفہ خواجہ باقی باللہؒ کے حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت معہودہ انہوں نے پائی ہے۔دونوں بزرگوں کی ارواح طیبات میں یہی گفتگو ہو رہی تھی، کہ ارواح مقدسہ اکابر سلسلۂ چشتیہ بھی تشریف فرما ہوئیں، انہوں نے بھی اپنا دعویٰ مع دلیل پیش فرمایا، کہ آپ کے بزرگوں کی نسبت آبائی واجدادی ہمارے سلسلہ کی ہے، اور آپ نے ہمارے ہی آغوش پرورش میں نشوونما پایا ہے، اور سب سے پہلے ہمارے ہی سلسلہ کی خلافت حاصل کی ہے، لہٰذا ہمارے سلسلہ کا حق سب سے زیادہ ہے، اسی طرح عالیہ سہروردیہ کبرویہ طریق کے مشائخ عظام کی ارواح بھی تشریف فرما ہوئیں، انہوں نے بھی اپنا دعویٰ مع دلیل پیش کیا، غرض کہ سرہند میں جمیع سلاسل کے پیشرو مشائخ کا اجتماع ہو گیا، ہر ایک سلسلہ کے بزرگ آنجناب کی نسبت اپنے سلسلہ کے لئے خواہش کر رہے تھے، کہ آپ انہی کے سلسلہ کے شیخ قرار دیئے جائیں۔

سرہند شریف میں اولیاء اللہ کا ہجوم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ

مولانا ہاشم کشمیریؒ اور مولانا بدرالدینؒ اپنی اپنی تواریخ میں رقمطراز ہیں، کہ اس وقت اولیاء امت کا سرہند میں ایسا ہجوم ہوا تھا کہ شہر اور نواح شہر کے دیہات وقصبات کے کوچہ و بازار اولیاء کرام سے پر ہو گئے، اور ۱۵/ شعبان ۱۰۱۲ھ (مطابق ۱۶/ جنوری ۱۶۰۴ء) کی صبح سے آخر وقت نماز ظہر تک یہی معرکہ رہا، بالآخر معاملہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں فیصلہ کے لئے پیش ہوا، اور خورشید رسالت نے ہر ایک کو تسلی اور دلاسہ دے کر فیصلہ فرمایا کہ: آپ سب بزرگوار اپنے اپنے کمالات نسبت بتمام و

کمال اس بزرگ کے حوالے کردیں، کہ یہ سب سلسلے میں داخل ہوجائیں، اور تم سب کو علی التساوی حصہ ملے، مگر چونکہ نقشبندیہ سلسلہ خیر البشر بعد الانبیاء حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے، اور اس میں اتباع سنت سنیہ واجتناب بدعت نامرضیہ سب سے زیادہ ملحوظ ہے، لہٰذا یہ سلسلہ خاص خدمت تجدید سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، پس یہ سلسلہ اور سلسلہ قادریہ وسہروردیہ بپاس خاطر غوث الاعظمؒ ان سے زیادہ ترویج پائیں گے، اور دوسرے سلاسل کبرویہ چشتیہ بھی ان سے مروج ہونگے۔

طریق مجددیہ میں تمام نسبتوں کا شمول

پس جمیع مشائخ عظام نے اپنے اپنے کمالات اور نسبتیں آپ میں القا فرمائیں، آپ نے سب کو اپنے طریق میں امتزاجاً شامل کیا، اور ان کو اپنی نسبت خاصہ سے جو جناب باری تعالیٰ سے بوساطت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو خصوصیت کے ساتھ عطا ہوئے تھے، مندرج فرمایا، پس طریقۂ مجددیہ تمام امت کے اولیاء کے سلسلوں کا جامع ہے، اور اس طریق کے سالکوں کو ہر ایک سلسلہ کے اولیاء کا فیض حاصل ہوتا ہے (۹۱۴)۔

آپ کی شان میں حضرت سیدنا خواجہ باقی باللہ کے ارشادات

☆ میاں شیخ احمد کے طفیل ہم کو معلوم ہوا کہ توحید وجودی ایک تنگ کوچہ ہے اور شاہراہ طریقت اور ہی ہے (۹۱۵)۔

☆ میاں شیخ احمد ایک آفتاب ہیں، اور ہم جیسے کتنے ستارے ان کی روشنی میں گم ہیں (۹۱۶)۔

---

(۹۱۴) پوری تفصیل کے لئے دیکھئے: زبدۃ المقامات ص ۱۳۴، ۱۳۵ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۰۷ھ، ☆ روضۃ القیومیہ ص ۱۰۹، ۱۱۱ مؤلفہ خواجہ کمال الدین، اللہ والوں کی قومی دکان، لاہور ۱۳۳۵ھ۔

(۹۱۵) مکتوبات امام ربانی دفتر اول، مکتوب ۴۳۔

(نوٹ) واضح رہے کہ حضرت خواجہؒ سے اس قسم کے کئی اقوال وارشادات منقول ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے امام مجددؒ سے اکتساب فیض کیا تھا یا یہ کہ وہ آپ سے کمتر تھے۔ دراصل لائق وفائق تلمیذ کی بدولت فیاض عالم کی طرف سے شیخ پر خصوصی فیضان ہوتا ہے، اور طالب کے ظرف کے مطابق شیخ کے اوپر فتوحات کے دروازے کھلتے ہیں، یہ فیضان بھی شیخ ہی کا ہوتا ہے، لیکن چونکہ مرید اس کا واسطہ بنتا ہے کہ اگر اس نے شیخ سے رجوع نہ کیا ہوتا تو خدائے پاک کی طرف سے ان علوم ومعارف اور فیوض وواردات کا نزول نہ ہوتا، اور اس کا بیشتر تجربہ علماء ومشائخ کو ہوتا ہے امام مجددؒ کے بارے میں حضرت خواجہؒ کے ارشادات کو اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے واللہ اعلم بالصواب۔

(۹۱۶) زبدۃ المقامات ص ۳۳۰ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۰۷ھ۔

☆ ہماری اور میاں شیخ احمد کی تمثیل خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ اور ان کے مرید عبیداللہ کی ہے، اگر پیر زندہ رہتے تو اپنے مرید کا مرید ہوتے (۹۱۷)۔

☆ میاں شیخ احمد کمال مرادوں اور محبوں میں ہیں۔

☆ میاں شیخ احمد کے مانند آج زیر فلک کوئی نہیں۔

☆ صحابہ و تابعین کے بعد شیخ احمد کے مماثل معدودے چند بزرگ گذرے ہیں۔

☆ میاں شیخ احمد جامع قطبیت ارشاد و مدار ہیں۔

☆ الحمداللہ ہماری تین چار سال کی محنت رائیگاں نہیں گئی، شیخ احمد عزیز الوجود شخص نے تربیت پائی (۹۱۸)۔

نظم

کیا اولیاء میں شان مجدد بلند ہے | قطبوں اور غوثوں میں وہ ارجمند ہے
منکر ہے شیخ احمد سرہندی کا وہی | دروازہ جس پہ فیض الٰہی کا بند ہے
جو اعتقاد رکھتے ہیں ان کی جناب میں | ہاں ان کا دو جہان میں رتبہ بلند ہے
صدیق سے عروج و مجددپہ ہے نزول | کیا مستند یہ سلسلۂ نقشبند ہے

حضرت مجددؒ کے مخصوص کمالات اور اخلاق و اعمال

اللہ پاک نے آپ کو بے شمار کمالات عالیہ اور مدارج مخصوصہ عطا فرمائے تھے، ان میں سے چند بطور مشتے نمونہ از خروارے پیش کئے جاتے ہیں:

☆ آپ مجدد الف ثانی یعنی دین کو نئے سرے سے تازگی بخشنے والے تھے۔

☆ (صوفیاء نقشبندیہ مجددیہ کی اصطلاح میں) آپ قیوم اول کہلاتے ہیں (جو دیگر صوفیاء کے یہاں قطب اعظم یا غوث اعظم کے ہم معنیٰ ہے)

☆ آپ کو (بطور الہام و کشف) خزینۃ الرحمۃ کے خطاب سے سرفرازی بخشی گئی۔

(۹۱۷) کلیات باقی مکتوب ۸۳ ص ۱۴۰ مؤلفہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۷ء بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی ص ۹۷ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہؒ۔

(۹۱۸) کلیات باقی مکتوب ۸۳ ص ۱۴۰ مؤلفہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۷ء بحوالہ حضرت مجدد الف ثانی ص ۹۷ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہؒ۔

☆ آپ کو مرتبۂ فردیت عطا ہوا۔

☆ آپ مجموعۂ قطب مدار و قطب ارشاد ہیں (۹۱۹)۔

☆ آپ کے ہی سلسلہ میں قیامت تک قطب مدار وارشاد ہوا کریں گے۔

☆ آپ کو مقام محبوبیت ذاتیہ کا خرقہ عطا کیا گیا۔

☆ عبادت وملاحت ممتزجہ عطا ہوئی۔

☆ آپ کو ضمنیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واصالت وکرامت عطا ہوئی۔

☆ آپ کو علم لدنی عطا کیا گیا۔

☆ آپ پر علم الیقین اور حق الیقین ظاہر کیا گیا۔

☆ آپ پر مقامات تعین جبی و وجودی ظاہر کئے گئے

☆ آپ کی زیارت کے لئے کعبہ شریفہ آیا اور آپ کی خانقاہ شریف کے کنویں میں آب زمزم برآمد ہوا۔

☆ آپ کے طریقہ میں تمام اولیاء کے فیوض ممتزج اور شامل ہیں، آپ کا طریقہ افضل اور سہل ہے۔

☆ آپ کا طریقہ جامع شریعت وطریقت ہے، اور اس میں مقامات ولایت کے علاوہ کمالات نبوت بھی شامل ہیں، وغیرہ (۹۲۰)۔

قصیدہ

پلادے ساقیا ساغر مجدد الف ثانی کا
کہ ہوں مشتاق میں یکسر مجدد الف ثانی کا

---

(۹۱۹) اولیاء کے مناصب یہ ہیں: اول قطب الاقطاب، بعدہ فرد، پھر غوث اور قطب مدار، سلف کے نزدیک غوث اور قطب ایک ہی ہیں، چہار (۴) اوتاد اور چالیس (۴۰) ابدال، ان کے بعد نجباء، نقباء، شرفاء اور رجال الغیب ہیں--- حضرت مجدد صاحبؒ اولیاء کے مذکورہ بالا مناصب کو تسلیم نہیں فرماتے، غوث کو قطب مدار سے جدا کرتے ہیں، اور مناصب ولایت جداگانہ بیان فرماتے ہیں، مثلاً: خلافت، امامت، سابقیت، خالصیت، تخلصیت، اصالت اور قیومیت وغیرہ وغیرہ (حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۷، ۸ مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب ☆ مکتوبات امام ربانی دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۵۶)

(۹۲۰) اس کے بہت سے اجزاء روضۃ القیومیہ میں موجود ہیں (دیکھئے: حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۶۸ تا ۲۷ مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب)۔

پلا دے وہ مئے عرفاں کہ زائل ہو خودی جس سے
رہوں مخمور تا محشر مجدد الف ثانی کا
رہے نام و نشاں مرا نہ کچھ ذات وصفت باقی
رہے باقی رخ انور مجدد الف ثانی کا
کرامت ان کی ہیں لاکھوں عیاں ہے جملہ عالم پر
بنا نا قطب و غوث اکبر مجدد الف ثانی کا

آپ کے طریق کی تعلیم اور دیگر طرق میں فرق

اولیاء سلف کے سلوک کی سیر حسب ذیل ہے:

☆ **سیر الی اللہ:** اس میں عالم خلق، عالم امر، واحدیت، وحدیت کی سیر ہوتی ہے۔

عالم خلق سے مراد مخلوق تحت العرش، اور عالم امر سے مخلوق فوق العرش ملائک وغیرہ۔

واحدیت سے مفصل صفات الٰہی، وحدت سے مجمل صفات الٰہی، احدیت سے ذات بحت جو ہر قسم کے اعتبار سے منزہ ہے، (عالم مثال اور عالم شہادت وحدیت کے ماتحت ہیں، احدیت، وحدت، واحدیت، عالم مثال، عالم شہادت ان پانچوں کو حضرات الخمس کہتے ہیں)

یہ مراتب محض اعتباری ہیں، ورنہ وہ ایک ہی ذات ہے جو قدم سے امکان تک موجود ہے۔

☆ **سیر فی اللہ:** اس میں احدیت کی سیر ہوتی ہے، جس کو آپ اپنی تحقیق میں فرماتے ہیں کہ یہ سیر حقیقتاً ظلال اسماء صفات کی ہے۔

☆ **سیر عن اللہ یا اللہ:** اس میں احدیت سے کثرت خلق کی طرف نزول کی سیر ہوتی ہے۔

جبکہ آپ (حضرت مجددؒ) کے سلوک کی سیر حسب ذیل ہے:

☆ **ولایت صغریٰ یا ولایت اولیاء:** اس میں سیر الی اللہ ہوتی ہے، نیز وہ سیر جس کو دیگر اولیاء نے سیر فی اللہ سمجھا ہے، اور حقیقت میں وہ سیر ظلال ہے۔

☆ **ولایت کبریٰ یا ولایت انبیاء:** اس میں اصل اسماء وصفات کی ہوتی ہے، جو اور طریقوں میں نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اور سولہ سترہ مقامات مفصلہ ذیل ہیں:

۱-ولایت علیاء یا ولایت ملائک، ۲-کمالات نبوت، ۳-کمالات رسالت، ۴-کمالات اولوالعزمی، ۵-قیومیت اشیاء، ۶-حقیقت کعبہ، ۷-حقیقت قرآن، ۸-حقیقت صلوٰۃ، ۹-بعض لوگوں

کے نزدیک ''حقیقت صوم، ۱۰- معبودیت، ۱۱- عبدیت، ۱۲- خلت حقیقت ابراہیمیہ، ۱۳- محبت حقیقت موسویہ، ۱۴- محبوبیت ممتزجہ حقیقت محمدیہ، ۱۵- محبوبیت سازجہ حقیقت احمدیہ، ۱۶- تعین جبی، ۱۷- تعین وجودی، اس کے بعد دائرۂ لاتعین، یعنی ذات بحت مع الصفات الثمانیۃ الحقیقیۃ (۹۲۱)۔

مرض الموت اور وصال پر ملال

شب برأت ۱۰۳۳ھ (مطابق یکم جون ۱۶۲۴ء) کو آپ نے اپنی وفات کے متعلق ظاہر فرما دیا کہ اسی سال میں ہوگی، حتیٰ کہ آپ عید الاضحیٰ کی نماز سے فراغت پا کر در دولت کو تشریف لائے، تو اپنے خلفاء و مریدین سے فرمایا کہ بموجب عدد عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری عمر بھی تریسٹھ (۶۳) سال ہوگی، اور اس کا وقت قریب ہوگیا ہے، آپ سب کو لازم ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے رہیں، پانچ روز کے اندر ہی آپ کو مرض ضیق النفس کا دورہ شروع ہوگیا، حتیٰ کہ ۱۲/محرم ۱۰۳۴ھ (مطابق ۲۴/اکتوبر ۱۶۲۴ء) ہوئی، آپ نے تعداد ایام باقیہ ظاہر فرمادی، اور ایک روز اپنے والد ماجد کے مزار شریف کی آخری زیارت کو تشریف لے گئے، اور دیر تک مراقب رہے، اور اس قبرستان کے اہل قبور کے لئے بہت کچھ دعائے مغفرت فرمائی، اور وہاں سے جد اعلیٰ حضرت امام رفیع الدینؒ کے مزار پر تشریف لے گئے، اور اسی طرح سے مراقبہ فرمایا، اور وہاں سے اہل قبور کے لئے دعائے مغفرت فرما کر رخصت ہوئے، اور دولت خانہ کو تشریف لائے، حتیٰ کہ ۲۲/صفر ۱۰۳۴ھ (۳/دسمبر ۱۶۲۴ء) کو آپ نے اپنے مریدین اور صاحبزادگان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو وہ سب کچھ عطا فرمایا جو بشر کو عطا کیا جاسکتا ہے، یہ سن کر سب پر آپ کی جدائی کے غم کے آثار پیدا ہوئے، ۲۳/صفر ۱۰۳۴ھ (مطابق ۴/دسمبر ۱۶۲۴ء) کو آپ نے تمام لباس فقراء کو خیرات کر دیا، اور مرض مذکور کا غلبہ شروع ہوا، وہ شب جس کے بعد آپ کا وصال ہوا باصرار تمام آپ اٹھ کر بیٹھے اور جو حقائق کہ منکشف ہوئے تھے، بیان فرمائے، کہ میری ہمت کا مرغ آستان قدس تک پہونچا، اور آواز آئی کہ یہ حقیقت کعبہ ہے، اس کے بعد اور عروج ہوا اور مقام صفات حقیقیہ تک پہونچا، جو بوجود ذات موجود ہیں، پھر میں شیونات ذاتیہ تک پہونچا، وہاں سے ذات بحت تک پہونچا جو ہر قسم کے اعتبارات اور نسبتوں سے معریٰ ہے اور گرد ظلیت وہاں تک راہ نہ پائی، اس کے بعد ضعف کا غلبہ ہوگیا، تہجد کی نماز وضو کر کے کھڑے

(۹۲۱) دیکھئے: حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۶ تا ۷ و ص ۶۵ تا ۶۷ تا مؤلفہ خواجہ کمال الدینؒ، مترجم: مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر: مطبع بلبیر پریس ریاست فریدکوٹ پنجاب ☆ ومکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۷۷ ودفتر اول، مکتوب نمبر: ۲۸۷، ۳۰۲، ومکتوب نمبر: ۲۵۶۔

ہوکر ادا فرمائی، صبح کی نماز بھی باجماعت پڑھی، پھر اشراق کی نماز جمعیت کے ساتھ ادا کی، اور تمام ادعیہ ماثورہ پڑھتے رہے، اور مراقبہ میں مصروف ہو ہوجاتے تھے۔

بستر پر اس طرح لیٹے کہ سر شمال کی طرف، منہ قبلہ کی طرف، داہنا ہاتھ ٹھوڑی مبارک کے نیچے، اور ذکر میں مشغول ہوئے، سانس کی تیزی کو صاحبزادہ صاحب نے دیکھ کر عرض کیا، کہ مزاج کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا، اچھا ہے، جو دو رکعت نماز پڑھ چکے ہیں، کافی ہیں، یہ حکم کا آخری کلام تھا، اس کے بعد اللہ اللہ جاری رہا، ۲۸/صفر ۱۰۳۴ھ (مطابق ۱۰/ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو بروز دوشنبہ بوقت اشراق داعی اجل کو لبیک فرمایا۔

نقل ہے کہ اس روز زمین و آسمان روتے رہے، آسمان کا رونا اس کا چاروں طرف سے سرخ ہونا ہے، اسی طرح کتاب صدر میں ہے، آپ کو غسل دیتے وقت یہ واقعہ پیش آیا کہ دونوں ہاتھ مثل نماز کے بستہ تھے، کئی مرتبہ غسل دیتے وقت کھول دیئے گئے، پھر ویسے ہی ہو گئے، آپ کا چہرۂ مبارک متبسم تھا، آپ کا مدفن شریف وہی گنبد ہے، جس میں آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ محمد صادقؒ مدفون ہیں، وہی زیارت گاہ خاص و عام ہے(۹۲۲)۔

نسبی یادگاریں

آپ کے سات (۷) صاحبزادے اور تین (۳) صاحبزادیاں تھیں:

حضرت خواجہ محمد صادقؒ

☆ اکبر الاولیاء حضرت خواجہ محمد صادقؒ ۱۰۰۰ھ (مطابق ۱۵۹۲ء) میں پیدا ہوئے، تھوڑی ہی عمر میں علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کرلیا، (آپ نے فنون عربی شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے اور علوم حکمیہ مولانا محمد معصوم کابلیؒ سے پڑھے، روحانی تعلیم حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور اپنے والد ماجد حضرت امام مجددؒ سے حاصل کی اور مراتب کمال تک پہونچے) آپ کی ذات بابرکات میں انواع واقسام کے فضائل جمع تھے، بتاریخ ۹/ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ (مطابق ۲۸/ مارچ ۱۶۱۶ء) بروز دوشنبہ بعمر اٹھارہ (۱۸) سال بعلالت وبائی وصال فرمایا (مکتوبات امام ربانی میں آپ کے نام پانچ مکتوبات ہیں، آپ کی اولاد میں

(۹۲۲) زبدۃ المقامات ص ۲۹۶ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۰۷ھ ☆ حضرات القدس ۱۷۹ ☆ حضرت مجدد الف ثانی ص ۲۵۵ تا ۲۵۸ مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسینؒ۔

صرف ایک صاحبزادے شیخ محمدؒ تھے، جن سے آپ کی نسل جاری ہوئی)(۹۲۳)

خازن الرحمۃ حضرت خواجہ محمد سعیدؒ

شوال ۱۰۰۵ھ (مطابق ۳۱/مئی ۱۵۹۷ء) میں پیدا ہوئے، آپ بھی علوم ظاہری و باطنی میں مثل برادر معظم کامل و مکمل تھے، (کتب درسیہ شیخ محمد طاہر لاہوریؒ سے پڑھیں، کچھ کتابیں بڑے بھائی خواجہ محمد صادقؒ سے بھی پڑھیں، حدیث کی کتابیں اپنے والد ماجد اور شیخ عبدالرحمن رمزیؒ سے پڑھیں، اور سند حاصل کی، تحصیل علم ہی کے زمانہ میں اپنے والد ماجد سے علوم باطن بھی حاصل کئے)۲۷/ جمادی الثانیہ ۱۰۷۰ھ (مطابق ۹ /مارچ ۱۶۶۰ء) کو وصال ہوا، اسی مقبرہ میں بجانب مشرق آپ مدفون ہیں، آپ کے لئے بھی جگہ مثل حضرت والد بزرگوار روضۂ شریف میں وسیع ہوگئی تھی، آپ کے آٹھ (۸) صاحبزادے اور پانچ (۵) صاحبزادیاں تھیں، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں:

☆ شاہ عبداللہؒ ☆ شاہ لطف اللہؒ ☆ مولوی فرخ شاہؒ ☆ شیخ سعد الدینؒ ☆ شیخ عبدالاحدؒ وحدت المعروف بہ شاہ گل ☆ شیخ خلیل اللہؒ ☆ شیخ محمد یعقوبؒ ☆ شیخ محمد تقیؒ۔

(قلمی یادگاروں میں آپ کی مکتوبات صد مطبوعہ ہے، غالباً پہلی مرتبہ حکیم عبدالمجید سیفی مجددی نقشبندیؒ نے لاہور ۱۳۸۵ھ میں شائع کیا تھا(۹۲۴))

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم قیوم ثانیؒ

۱۱/شوال ۱۰۰۷ھ (مطابق ۷/مئی ۱۵۹۹ء) کو پیدا ہوئے، آپ بھی علوم ظاہری و باطنی میں فرید دہر اور وحید عصر تھے، بعد والد بزرگوار آپ ہی کو منصب قیومیت سے سرفرازی بخشی گئی، ۹/ربیع الاول ۱۰۷۹ھ (مطابق ۱۹/ اگست ۱۶۶۸ء بروز شنبہ) کو وصال ہوا، ایک عظیم الشان گنبد میں آپ کا مزار شریف ہے، اور اس کے قریب ایک عظیم الشان مسجد بھی ہے، جو آپ ہی کے نام سے منسوب ہے، آپ کی اولاد میں چھ (۶) صاحبزادے اور پانچ (۵) صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں؛

(۱) حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ :ولادت ۱۰۳۲ھ (مطابق ۱۶۲۳ء) وفات ربیع الثانی ۱۱۲۰ھ

(۹۲۳) زبدۃ المقامات ص ۳۰۶ مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۰۷ھ ☆ مقامات خیر ص ۵۸ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ زید ابوالحسن فاروقیؒ۔

(۹۲۴) حضرت مجدد الف ثانی ص ۳۳۷ تا ۳۳۹ مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسینؒ۔بحوالہ زبدۃ المقامات وروضۃ القیومیۃ وغیرہ

(مطابق ۱۷۰۸ء) مزار شریف روضۂ مبارک قیوم ثانی میں ہے۔

(۲) شیخ حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی قیوم ثالث: ولادت ماہ ذی قعدہ ۱۰۳۴ھ (مطابق ۱۶۲۵ء)، وفات ۹/ محرم ۱۱۱۵ھ (مطابق ۲۳/ جون ۱۷۰۳ء) مزار ایک گنبد بزرگ میں بجانب شمال واقع ہے۔ واضح ہو کہ حضرت محمد زبیر قیوم رابعؒ آپ کے صاحبزادہ شیخ ابوالعلیٰ کی اولاد میں ہوئے ہیں، گویا آپ کے نبیرہ ہیں۔

(۳) حضرت خواجہ محمد عبید اللہ المعروف بہ مروج الشریعۃ: ولادت یکم شعبان ۱۰۳۷ھ (مطابق ۵/ اپریل ۱۶۲۸ء)، وفات ۱۹/ ربیع الاول ۱۰۸۳ھ (مطابق ۱۴/ جولائی ۱۶۷۲ء) مزار روضۂ قیوم ثانی میں ہے۔

(۴) حضرت خواجہ محمد اشرف محبوب اللہ: ولادت ۱۰۴۸ھ (مطابق ۱۶۳۸ء)، وفات ۱۱۱۷ھ (مطابق ۱۷۰۵ء)

(۵) حضرت خواجہ سیف الدین المعروف بہ محی السنۃ: ولادت ۱۰۵۹ھ (مطابق ۱۷۰۵ء)، وفات ۲۶/ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ (مطابق ۲۹/ اپریل ۱۶۸۵ء) مزار ایک گنبد کلاں میں بجانب جنوب واقع ہے۔

(۶) حضرت شیخ محمد صدیق المعروف بہ مقبول اللہ: ولادت ۱۰۵۹ھ (مطابق ۱۶۴۹ء)، وفات ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۱۳۰ھ (مطابق ۲۶/ مارچ ۱۷۱۸ء) مزار شریف علٰحدہ مقبرہ میں روبرو مسجد حضرت قیوم ثانی واقع ہے۔

تتمہ

کتاب یہیں پر پوری ہوگئی ہے، حضرت مجددؒ کے باقی صاحبزادگان کا ذکر حضرت مؤلفؒ نے نہیں کیا ہے، غالباً اس لئے کہ سلسلہ میں ان کا تذکرہ نہیں آتا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے باقی صاحبزادگان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۴) حضرت خواجہ محمد فرخ: ولادت ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء، وفات ۷/ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۱۶۱۶ء بہ عمر پندرہ (۱۵) سال

(۵) حضرت خواجہ محمد عیسیٰؒ: ولادت ۱۰۱۷ھ مطابق ۱۶۰۸ء، وفات ۷/ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۱۶۱۶ء بہ عمر آٹھ (۸) سال

(۶) حضرت خواجہ محمد اشرف: وفات بہ عمر دو (۲) سال

(۷) حضرت خواجہ محمد یحیٰ: ولادت ۱۰۲۴ھ یا ۱۰۲۷ھ مطابق ۱۶۱۵ء یا ۱۶۱۸ء، وفات جمادی الاخریٰ ۱۰۹۶ھ یا ۱۰۹۸ھ مطابق مئی ۱۶۸۵ء یا ۱۶۸۷ء (۹۲۵)۔

خاندان مجددی کے تفصیلی حالات کے لئے بہت سی مطول کتابیں موجود ہیں، تفصیل کے لئے ان کی طرف رجوع کیا جائے۔

مآخذ ومراجع

کتاب امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ

(۱)-القرآن الکریم

کتب تفسیر

(۲)-تفسير القرآن العظيم ج المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ) المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م عدد الأجزاء: 8

(۳)- تفسير الجلالين المؤلف: جلال الدين محمد بن أحمد المحلي المتوفى: 864هـ) وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911هـ

(۴)-أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي المؤلف: ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى: 685هـ

(۵)-تنوير المقباس من تفسير ابن عباس المؤلف: ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى: 68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادى (المتوفى: 817هـ)

(۶)- روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ)

(۷)-تفسیر المظہری مؤلفہ حضرت قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندیؒ (۱۱۴۳ھ ۱۲۲۵ء) تحقیق: احمد عز وعنایہ، ناشر: دار احیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء۔

(۹۲۵) حضرت مجدد الف ثانی ص ۷۲۵ تا مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسینؒ۔ بحوالہ زبدۃ المقامات وروضۃ القیومیۃ وغیرہ۔

کتب احادیث

(۸)-الجامع الصحيح سنن الترمذي المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق: أحمدمحمد شاكر و آخرون عدد الأجزاء: 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها قال الشيخ الألباني: حسن صحيح

(۹)-سنن أبي داود المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب] 1-موافق للمطبوع

(۱۰)- المستدرك على الصحيحين المؤلف: محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى، 1411 – 1990 تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 4 مع الكتاب: تعليقات الذهبي في التلخيص.

(۱۱)-دلائل النبوة للبيهقي المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع] إعداد البرنامج وتركيبه: المفتي محمد عارف بالله القاسمي.

(۱۲)-الزهد ويليه الرقائق المؤلف: عبدالله بن المبارك بن واضح المرزوي أبو عبدالله الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي 13- الطبقات الكبرى المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: 230هـ) المحقق: إحسان عباس الناشر: دار صادر – بيروت الطبعة: 1-1968م عدد الأجزاء: 8.

(۱۴)- جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم المؤلف: ابن رجب الحنبلي المحقق: ماهر ياسين فحل، وقد جعل تحقيقه للكتاب مجانا فجزاه الله خيرا مصدر الكتاب: موقع صيد الفوائد إعداد البرنامج: المفتي محمد عارف بالله القاسمي

سیر وسوانح وتصوف

(۱۵)-الإصابة في معرفة الصحابة المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ.

(۱۶)-الوافي بالوفيات المؤلف: صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى: 764هـ.

(۱۷)-ثقات ابن حبان المؤلف: محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: 354هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب).

(۱۸)-☆ نفحات الانس للجامیؒ، مترجمہ: شمس بریلوی، مکتبہ الحسنات دہلی، ۲۰۱۰ء

(۱۹)-مبدأ و معاد (فارسی مع اردو) مؤلفہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، ادارۂ مجددیہ کراچی

(۲۰)-مکتوبات امام ربانی مطبوعہ امرتسر

(۲۱)-حضرات القدس مؤلفہ حضرت مولانا بدر الدین سرہندیؒ محکمۂ اوقاف پنجاب لاہور، ۱۹۷۱ء۔

(۲۲)-زبدۃ المقامات مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ، مطبع نامی نول کشور کانپور ۱۳۰۷ھ،

(۲۳)-روضۃ القیومیۃ مؤلفہ خواجہ کمال الدین، اللہ والوں کی قومی دکان، لاہور ۱۳۳۵ھ

(۲۴)-حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب۔

(۲۵)-خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ، مطبوعہ لاہور

(۲۶)-مقامات خیر مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ، ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی، دہلی، ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

(۲۷)-حضرت مجدد الف ثانیؒ مؤلفہ حضرت مولانا زوار حسین شاہ صاحبؒ، ناشر: زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، ۲۰۱۲ء

(۲۸)-الشیخ عبد القادر الجیلانی، الامام الزاہد القدوۃ مؤلفہ الدکتور عبد الرزاق الکیلانی، ناشر دار القلم بیروت، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء

(۲۹)-قطب الاقطاب حضرت سید عبد الرزاق مرتبہ محی الدین قادری

(۳۰)-تاریخ مشائخ قادریہ مجیدیہ، مؤلفہ: تنویر خان قادری بدایونی، ناشر: تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء

(۳۱)-کلیات باقی مؤلفہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۷ء

(۳۲)-تذکرۂ مشائخ قادریہ مؤلفہ: مولانا محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبۂ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء

مآخذ ومراجع

کتاب حیات قطب الہند حضرت منورویؒ

۱-القرآن الکریم

کتب تفسیر

۲-روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف:شهاب الدين محمود بن عبدالله الحسيني الألوسي (المتوفى:1270هـ)مصدر الكتاب: موقع التفاسير

۳-تفسير القرآن العظيم المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)المحقق: سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ - 1999م عدد الأجزاء: 8)

۴-تفسير الجلالين المؤلف: جلال الدين محمد بن أحمد المحلي (المتوفى: 864 هـ) وجلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911هـ)

۵-أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي المؤلف: ناصر الدين أبو سعيد عبد الله بن عمر بن محمد الشيرازي البيضاوي (المتوفى:685هـ)

۶- تنوير المقباس من تفسير ابن عباس المؤلف : ينسب لعبد الله بن عباس - رضي الله عنهما - (المتوفى:68هـ)، جمعه محمد بن يعقوب الفيروزآبادى (المتوفى: 817هـ)

۷-تفسیر المظہری مؤلفہ حضرت قاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندیؒ (۱۱۴۳ھ ۱۲۲۵ء) تحقیق: احمد عز وعنایہ، ناشر: داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

کتب حدیث وشروح حدیث

۸-الجامع الصحيح المختصر المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير، اليمامة –بيروت الطبعة الثالثة، 1407 – 1987 تحقيق: د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة - جامعة دمشق عدد الأجزاء: 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا هجر للطباعة والنشر الطبعة : الأولى سنة الطبع : 1419هـ - 1999م عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : مكتبة أبي المعاطي أعده للشاملة :

مصطفى الشقيري

۹-الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق: الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة۔ بيروت الطبعة: عدد الأجزاء: ثمانية أجزاء في أربع مجلدات.

۱۰-مسند الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) المحقق: شعيب الأرنؤوط - عادل مرشد، وآخرون إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1421 هـ - 2001م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وهو مذيل بحواشي التحقيق كاملة]★

۱۱- مسند أبي داود الطيالسي — المشكول، المؤلف: سليمان بن داود بن الجارود المتوفى سنة 204هـ تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي بالتعاون مع مركز البحوث والدراسات العربية والإسلامية بدار هجر الناشر: هجر للطباعة والنشر الطبعة: الأولى سنة الطبع: 1419 هـ - 1999 م عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: مكتبة أبي المعاطي أعده للشاملة: مصطفى الشقيري.

۱۲-سنن البيهقي الكبرى المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر: مكتبة دار الباز - مكة المكرمة، 1414 - 1994 تحقيق: محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء: 10)

۱۳- المعجم الكبير المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر: مكتبة العلوم والحكم — الموصل الطبعة الثانية، 1404 — 1983 تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي عدد الأجزاء: 20).

۱۴-دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني المؤلف: أبو نعيم أحمد بن عبد الله بن أحمد الا صبهاني (المتوفى: 430هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث.

۱۵-سنن أبي داود المؤلف: أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر: دار الكتاب العربي۔بيروت عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: وزارة الأوقاف المصرية وأشار وإلى جمعية المكنز الإسلامي [1-موافق للمطبوع.

۱۶- مجمع الزوائد ومنبع الفوائد المؤلف: نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (المتوفى: 807هـ)

١٧-الجامع الصحيح سنن الترمذي المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق :أحمدمحمد شاكر و آخرون عدد الأجزاء:5الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها_قال الشيخ الألباني:حسن صحيح

١٨-سنن أبي داود المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي- بيروت عدد الأجزاء: 4 مصدر الكتاب: وزارة الأوقاف المصرية وأشار وا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب] 1- موافق للمطبوع 2- معنون 3- مشكل 4- غير مقابل 5- في التعليق حكم الألباني_قال الألباني: صحيح.

١٩-المستدرك على الصحيحين المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسا بوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق: مصطفى عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص - تعليق الذهبي قي التلخيص : سكت عنه الذهبي في التلخيص.

٢٠-دلائل النبوة للبيهقي المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْ جِر دي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى: 458هـ) مصدر الكتاب: موقع جامع الحديث [الكتاب مرقم آليا غير موافق للمطبوع] إعداد البرنامج وتركيبه: المفتي محمد عارف بالله القاسمي*

٢١-الزهد ويليه الرقائق المؤلف : عبد الله بن المبارك بن واضح المرزوي أبو عبد الله الناشر: دار الكتب العلمية—بيروت تحقيق: حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء: 1.

٢٢-جامع العلوم والحكم بشرح خمسين حديثا من جوامع الكلم المؤلف : ابن رجب الحنبلي المحقق : ماهر ياسين فحل، وقد جعل تحقيقه للكتاب مجانا فجزاه الله خيرا مصدر الكتاب: موقع صيد الفوائد إعداد البرنامج: المفتي محمد عارف بالله القاسمي★

٢٣-إطراف المُسْنِد المعتَلِي بأطراف المسنَد الحنبلي المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى:852هـ) الناشر: [دار ابن كثير، دار الكلم الطيب] - [دمشق - بيروت] عدد المجلدات:9.

٢٤-إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة المؤلف: شهاب الدين أحمد بن أبي بكر بن اسماعيل البوصيري (المتوفى: 840هـ) المصدر : ملتقى أهل الحديث أعده للمكتبة الشاملة: موقع مكتبة المسجد النبوي الشريف.

۲۵-الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة المؤلف: محمد بن علي بن محمد الشوكاني (المتوفى: 1250هـ) المحقق: عبد الرحمن بن يحي المعلمي اليماني الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

۲۶-كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال المؤلف: علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى: 975هـ) المحقق: بكري حياني - صفوة السقا الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الطبعة الخامسة 1401هـ/ 1981ممصدر الكتاب: موقع مكتبة المدينة الرقمية.

۲۷- جامع الأحاديث المؤلف: عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى:911هـ)

۲۸- كشف الخفاء و مزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس المؤلف: إسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي (المتوفى: 1162هـ) مصدر الكتاب: برنامج المحدث المجاني.

۲۹-أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب المؤلف: الحوت، محمد بن در ويش بن محمد المحقق: الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: عدد الأجزاء: 1.

۳۰-علل الواردة في الاحاديث النبوية المؤلف: أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب.

۳۱-موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في الجرح و التعديل المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) جمعه و رتبه: أبو المعاطي النوري رحمه الله و أيمن الزاملي و محمود خليل أعده للشاملة: أبو عمر 80 عضو في ملتقى أهل الحديث.

۳۲-موسوعة أقوال الإمام أحمد بن حنبل في الجرح و التعديل المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) جمعه و رتبه: أبو المعاطي النوري رحمه الله و أيمن الزاملي و محمود خليل أعده للشاملة: أبو عمر 80 عضو في ملتقى أهل الحديث.

۳۳-علل الحديث رسالة الدكتوراة - تحقيق جزء من علل ابن أبي حاتم: بعض

الجنائز، البيوع كاملا، جزء من النكاح المؤلف: عبد الرحمن بن محمد بن إدريس بن المنذر التميمي، الحنظلي، الرازي ابن أبي حاتم (المتوفى: 327هـ) تحقيق: د/علي الصياح.

۳۴- فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة - بيروت، 1379 تحقيق: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي عدد الأجزاء: 13

۳۵- الأحاديث الواردة في الصحيحين في الجن والشياطين جمع وإعداد فيصل بن سعيد بن محمد الصاعدي.

۳۶- الديباج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المؤلف: عبد الرحمن ابن أبي بكر أبو الفضل السيوطي.

۳۷- عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى: 855هـ، مكتبة الشاملة).

۳۸- فيض القدير المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي المناوي (المتوفى: 1031هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع.

۳۹- مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح المؤلف: الملا علي القاري، علي بن سلطان محمد (المتوفى: 1014هـ) المصدر: موقع المشكاة الإسلامية.

۴۰- كشف الخفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الاحاديث على ألسنة الناس المؤلف: إسماعيل بن محمد العجلوني الجراحي (المتوفى: 1162هـ) مصدر الكتاب: برنامج المحدث المجاني)

۴۱- اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له أو بأصله موضوع محمد بن خليل بن إبراهيم المشيشي الطرابلسي سنة الولادة 1223هـ/سنة الوفاة 1305هـ تحقيق فواز أحمد زمرلي الناشر دار البشائر الإسلامية سنة النشر 1415هـ مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 1)

کتب فقہ

۴۲- البحر الرائق شرح كنز الدقائق المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن نجيم، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ)

۴۳- حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ - 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء8.

۴۴-الفتاوى الحديثية { ذيل فتاوى ابن حجر الهيتمى }المؤلف / المؤلف / أحمد شهاب الدين بن حجر الهيتمي عدد الأجزاء /1.

۴۵-الاشارات في علم العبارات ،المؤلف: خليل بن شاهين الظاهري، غرس الدين (المتوفى:873هـ)

۴۶-فتاویٰ حقانیہ مجموعۂ افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ودیگر مفتیان دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پاکستان، ناشر دارالعلوم حقانیہ۔

۴۷-مسائل حج وقربانی'' مرتبہ حضرت مولانا محمد عتیق الرحمن صاحبؒ، ناشر: مدرسہ بشارت العلوم کھرایاں پتھرا، ۱۹۷۳ء

۴۸-فتاویٰ محمودیہ ج ۴ ص ۱۷۳، ۲۷۳ مجموعۂ فتاویٰ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، ناشر: جامعہ فاروقیہ کراچی

۴۹-امدادالفتاویٰ مؤلفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ، بہ ترتیب جدید حضرت مفتی محمد شفیع صاحب، مکتبہ دارالعلوم کراچی، جولائی ۲۰۱۰ء مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ۔

۵۰-احسن الفتاویٰ مؤلفہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانویؒ، ناشر: الحجاز پبلشرز، کراچی، ۱۴۳۱ھ

۵۱-فتاویٰ فریدیہ افادات مفتی محمد فرید صاحب، جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، ناشر: مولانا حافظ حسین احمد نقشبندی، ستمبر ۲۰۰۵ء۔

کتب سیرت پاک

۵۲-سیرت المصطفیٰ مؤلفہ حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلویؒ، کتب خانہ مظہری کراچی

۵۳-مقام محمود (امتیازات سیرت طیبہ)، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، ناشر: جامعہ ربانی منوروا شریف، ضلع سمستی پور، بہار

کتب تاریخ وسوانح

۵۴-الطبقات الكبرى المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء،

البصري ، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى : 230هـ)المحقق : إحسان عباس الناشر: دار صادر—بيروت الطبعة: 1-1968م عدد الأجزاء: 8.

۵۵- الإصابة في معرفة الصحابة المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ.

۵۶- ثقات ابن حبان المؤلف : محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي (المتوفى: 354هـ) مصدر الكتاب: موقع يعسوب)

۵۷- الوافي بالوفيات المؤلف: صلاح الدين خليل بن أيبك الصفدي (المتوفى : 764هـ)

۵۸-ذيل طبقات الحنابلة المؤلف : عبد الرحمن بن أحمد بن رجب الحنبلي (المتوفى :795هـ

۵۹- سير أعلام النبلاء المؤلف: شمس الدين أبو عبدالله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى:748هـ.

۶۰-جمهرة أنساب العرب المؤلف : أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي (المتوفى: 456هـ)

۶۱-تاريخ دمشق المؤلف: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571هـ.

۶۲-تهذيب التهذيب المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى: 852هـ)

۶۳-التاج المكلل من جواهر مآثر الطراز الآخر والاول لصديق حسن خان القنوجی.

۶۴-الأعلام لمؤلف: خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى: 1396هـ) الناشر: دار العلم للملايين الطبعة: الخامسة عشر - أيار / مايو 2002م.

۶۵- طبقات الشاذلية الكبرىٰ (المسمىٰ جامع الكرامات العلية فی طبقات السادة الشاذلية)،مؤلفه ابوعلی الحسن بن —محمد بن قاسم الكوهن الفاسی المعربی (م ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء)، تحقیق وتحشیہ: محمد علی، ناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۲۶ھ/ ۲۰۰۵ء

۶۶-لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابی العباس وشیخہ ابی الحسن، للشیخ تاج الدین بن عطاء اللہ احمد

بن محمد الشاذلی الاسکندریؒ (م ۷۰۹ھ)

۶۷-شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ مؤلفہ محمد بن محمد بن عمر بن قاسم مخلوف (م ۱۳۶۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۳ء/ ۱۴۲۴

۶۸-قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبد القادر للشیخ محمد بن یحیٰ التادفی الحنبلی الحلبی (م ۹۶۳ھ)

۶۹-الشیخ عبد القادر الجیلانی الامام الزاہد القدوۃ مؤلفہ الدکتور عبد الرزاق الکیلانی، ناشر: دار القلم دمشق، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء)

۷۰-بستان الاکرم ترجمہ تذکرۃ الکرام مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد ابوالحیوٰۃ قادری پھلواروی (۱۱۹۴ھ/ ۱۷۸۰ء تا ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء)، ترجمہ سید محمد اسد علی خورشید، ناشر دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۰۰۸ء)

۷۱-تاریخ فرشتہ مؤلفہ محمد قاسم فرشتہ، ترجمہ عبد الحی خواجہ (مشفق خواجہ)، ناشر: المیزان، لاہور، ۲۰۰۸ء

۷۲-اخبار الاخیار مؤلفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ، ترجمہ: مولانا سبحان محمود و مولانا محمد فاضل، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، ۲۰۰۴ء

۷۳-آثارات پھلواری شریف، موسوم بہ اعیان وطن مؤلفہ حکیم مولانا سید شاہ محمد شعیب نیرؔ پھلواروی، ناشر: دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۹۴۷ء

۷۴-تاریخ دعوت وعزیمت مؤلفہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ،

۷۵-تذکرہ حضرت مولانا فضل رحماں گنج مرادآبادیؒ مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ناشر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بار دوم)

۷۶-اسرار الاخیار (تذکرہ اولیاء کشمیر) مصنفہ شمس الدین محمد، سری نگر ۲۰۰۲ء۔

۷۷-تذکرہ مشائخ پاک وہند مرتبہ پروفیسر محمد اقبال مجددی لاہور ۲۰۱۳ء

۷۸-تاریخ وتذکرہ خانقاہ سرہند شریف مرتبہ جناب نذیر رانجھا، جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور ۲۰۱۱ء

۷۹-تاریخ وتذکرہ خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ مجددیہ دہلی مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء

۸۰-تاریخ وتذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی مؤلفہ محمد نذیر رانجھا، ناشر: جمعیۃ پبلیکیشنز لاہور، جولائی ۲۰۱۰ء

۸۱-مقامات خیر مؤلفہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ، ناشر شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء۔

۸۲-شیخ سلطان لکھمنیاوی مجددی نقشبندیؒ-حیات وخدمات (کل صفحات ۱۳۲) مؤلفہ پروفیسر شاہ غلام سلطانی سبکدوش صدر شعبہ اردو بی این وی کالج مدھے پورہ بہار، ناشر: فردوس پبلی کیشنز، لکھمنیا بیگوسرائے اگست ۲۰۱۲ء

۸۳-مکمل سوانح عمری غریب نوازؒ یعنی نائب رسول اللہ فی الہند مؤلفہ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، ناشر: ظفر الدین خان بک سیلر ڈیوڑھی بیگم آگرہ، پانچواں ایڈیشن ۱۹۷۸ء)

۸۴-علماء بہار کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ مؤلفہ مہر النساء، شعبۂ علوم اسلامی، کلیہ معارف اسلامیہ کراچی، دسمبر ۲۰۰۵ء

۸۵-اسلامی کتب خانے مؤلفہ الحاج محمد زبیر، مطبوعہ ایجوکیشنل پریس کراچی، اکتوبر ۱۹۷۸ء

۸۶-تذکرہ مسلم مشاہیر ویشالی مؤلفہ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی ناشر: جامعہ ایوبیہ نصیر چک ویشالی، ۲۰۰۱ء

۸۷-کتابچہ دار العلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، مرتب کردہ: جناب مولانا محمد سلیم صاحبؒ، شائع کردہ: رجب ۱۳۸۳ھ/ دسمبر ۱۹۶۳ء

۸۸-مجاہد اسلام مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی مؤلفہ مولانا اسیر ادروی، ناشر دار الکتاب لاہور، مئی ۲۰۱۵ء

۸۹-ترجمان شریعت وطریقت (افادات حضرت شاہ عبد الغفور العباسی المدنی) مؤلفہ حضرت مولانا فضل سبحان عباسی، ناشر ادارۃ الصدیق، کلفٹن کراچی طبع چہارم

۹۰-پورنیہ پر فوجداروں کی حکومت مؤلفہ اکمل یزدانی جامعی، طابع: فاراں شکوہ یزدانی، ۱۹۸۳ء

۹۱-تذکرہ علماء بہار مؤلفہ مولانا ابوالکلام قاسمی، ناشر جامعہ اسلامیہ قاسمیہ بالاساتھ سیتامڑھی، ۱۹۹۵ء

۹۲-تذکرہ مشائخ غازی پور مؤلفہ عبید الرحمن صدیقی، ناشر انیس پبلی کیشنز، غازی پور، ۲۰۰۱ء)

۹۳-"تذکرہ حضرت آہ مظفر پوریؒ" ص ۹۸ تا ۱۹۵ مطبوعہ جامعہ ربانی منورواشریف ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۰۱۸ء۔

۹۴- تذکرۂ مشاہیر کوپاگنج مؤلفہ: مولانا محمد عثمان معروفی اعظمیؒ، معاون ابوالکلام جوہر ندوی،

حسن پریس دارالعلوم مئو روڈ، ۱۴۰۵ھ۔
۹۵-تذکرہ مشائخ نقشبندیہ نور بخش توکلی ناشر مشتاق بک کارنر لاہور۔
۹۶-تذکرہ نقشبندیہ خیریہ مولفہ محمد صادق قصوریؒ ناشر دربار عالیہ مرشد آباد پشاور ۲۰۰۷ء
۹۷-تاریخ مشائخ نقشبندیہ (للہیہ) مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للہی، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء۔للہ شریف ضلع جہلم میں حضرت غلام نبی للہی (نقشبندی قصوری)
۹۸-تذکرہ مشائخ قادریہ مجیدیہ مؤلفہ تنویر خان قادری بدایونی، ناشر تاج الفحول اکیڈمی بدایوں، ۱۴۳۶ھ/ ۲۰۱۴ء)
۹۹-تذکرہ مشائخ قادریہ مؤلفہ جناب محمد دین کلیم قادری، ناشر مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۷۵ء/ ۱۳۹۵ھ
۱۰۰-تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ حضرت مولانا شیخ محمد زکریا صاحبؒ، ناشر: کتب خانہ اشاعت العلوم سہارن پور، ۱۳۹۳
۱۰۱-سیرت پیر مجیب مؤلفہ مولانا ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف ۲۰۰۵ء
۱۰۲-تذکرۂ ابوالمحاسن (مجموعۂ مقالات سیمینار) مرتبہ: اختر امام عادل قاسمی، شائع کردہ: جمعیۃ علماء ہند دہلی، ۲۰۱۹ء۔
۱۰۳-تاریخ مشائخ نقشبندیہ (للہیہ) مؤلفہ پروفیسر صاحبزادہ محمد عبدالرسول للہی، ناشر مکتبہ زاویہ لاہور، ۲۰۰۷ء۔
۱۰۴-تاریخ مشائخ چشت مؤلفہ خلیق احمد نظامی، ناشر: مشتاق بک کارنر لاہور۔
۱۰۵-نفحات الانس مؤلفہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ، ترجمہ: شمس بریلوی، ناشر: دانش پبلشنگ کمپنی دریا گنج دہلی، ۲۰۱۰ء
۱۰۶-سفینۃ الاولیاء فارسی مؤلفہ داراشکوہ
۱۰۷-طبقات الصوفیۃ مؤلفہ شیخ ابوعبدالرحمن محمد بن الحسین السلمی، مترجم شاہ محمد چشتی، ناشر: اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دریا گنج دہلی، ۲۰۱۴ء
۱۰۸-حضرت مجدد الف ثانیؒ مؤلفہ سید زوار حسین شاہؒ، ناشر زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۱۲ء۔
۱۰۹-حسرۃ الآفاق بوفاۃ مجمع الاخلاق مؤلفہ مولانا عنایت اللہ فرنگی محلیؒ، ناشر: اشاعۃ العلوم فرنگی محل

،سن تصنیف: ۱۹۲۹ء
۱۱۰-حیات ابوالمحاسن، مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، ناشر جامعہ ربانی منورواشریف، فرید بکڈ پو دہلی ۲۰۱۹ء
۱۱۱-تذکرہ حضرت سید صاحب مؤلفہ محمد رضا انصاری صاحبؒ تقسیم کار: دانش محل امین الدین پارک لکھنؤ، ۱۹۸٦ء۔
۱۱۲-تذکرۃ الانساب مؤلفہ پیرزادہ مولانا سید امام الدین احمد نقوی گلشن آبادی (م ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء، تسہیل وترتیب: محمد افروز قادری چریاکوٹی ساؤتھ افریقہ، ناشر وتقسیم کار: رفاعی مشن ناسک، مہاراشٹر، ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱٦ء
۱۱۳-تذکرۂ مشائخ بنارس مؤلفہ مولانا مفتی عبدالسلام نعمانیؒ، تحقیق وتعلیق: مولانا عبدالباطن نعمانی ،ناشر: مفتی پرنٹنگ اینڈ پبلی کیشنز وارانسی، ۱۴۳۴ھ/ ۲۰۱۳
۱۱۴-تاریخ اطباء بہار مؤلفہ حکیم اسرار الحق صاحبؒ سابق پروفیسر گورنمنٹ طبی کالج پٹنہ، پٹنہ لیتھو پریس، رمنہ روڈ پٹنہ، ۱۹۸۰ء
۱۱۵-مشاہیر دارالعلوم دیوبند مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، ناشر دفتر اجلاس صدسالہ دارالعلوم دیوبند ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء
۱۱٦-الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام المعروف بنزھۃ الخواطر مولانا عبدالحی الحسنی لکھنوی (متوفی ۱۳۴۱ھ/ ۱۹۲۲ء) مطبوعہ دار ابن حزم بیروت ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء
۱۱۷-تاریخ اولیاء پاک وہند، مصنفہ: ڈاکٹر ظہور الحسن شارب مطبوعہ لاہور ۱۹۹۹ء
۱۱۸-''سوانح حیات سید عارفین شاہ بلال'' مرتبہ حضرت شاہ زید ابوالحسن فاروقی مجددیؒ ناشر: حضرت شاہ ابوالخیر اکیڈمی، درگاہ شاہ ابوالخیر چتلی قبر دہلی، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء
۱۱۹-قطب الاقطاب سید شاہ عبدالرزاق بانسوی قدس سرہ الاصفی مع شجرۂ بیعت وخلافت مؤلفہ جناب محی الدین قادری الرزاقی عرف غوثو میاں، اشاعت جدید: بہ اہتمام صوفی خلیفہ مشرف علی فتح گڑھ، فروری ۲۰۱۱ء/ صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
۱۲۰-عرس حضرت بانسہ مؤلفہ حضرت مولانا قیام الدین عبدالباری فرنگی محلیؒ، ناشر قادری بک ایجنسی لکھنؤ، ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء
۱۲۱-واقعات دارالحکومت دہلی مصنفہ بشیر الدین احمد دہلویؒ ایم، آر، اے، ایس، لندن، اول

تعلقہ دار (کلکٹر) پنشنر سرکار عالی نظام، شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خان و محمد شمس الدین خان کے اہتمام سے چھپی، ۱۹۱۹ء

۱۲۱-الاکلیل طبع ثانی مؤلفہ مولانا شمس الہدیٰ صاحب، ۲۰۰۷ء

۱۲۲-ارواح طیبہ مؤلفہ مولانا محفوظ الرحمن صابری مظاہریؒ، ناشر مکتبہ عزیزیہ جنکپور روڈ سیتامڑھی بہار، ۱۴۱۴ھ

۱۲۳-سیرت غوث اعظم مؤلفہ مولانا ابو البیان محمد داؤد فاروقی نقشبندی مجددی، ناشر: خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

۱۲۴-سیرت غوث اعظم، مؤلفہ عبد الرحیم خان قادری، ناشر: مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰

۱۲۵-سرگذشت امثال باقی الموسوم بہ سیرت باقی مؤلفہ جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی نقشبندی مدیر پیشوا دہلی، ناشر محبوب المطابع برقی پریس دہلی، ۱۹۲۶ء

۱۲۶-درس حیات، مؤلفہ حضرت قاری فخر الدین گیاویؒ، ناشر مدرسہ قاسمیہ اسلامیہ گیا، طبع ثانی ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۱۰ء)

۱۲۷-سیرت مولانا محمد علی مونگیری مؤلفہ مولانا سید محمد الحسنی، ناشر مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۸۰ء

۱۲۸-رئیس المفسرین امام المؤحدین مولانا حسین علیؒ مؤلفہ میاں محمد الیاس، اشاعت اکیڈمی پشاور

۱۲۹-خزینۃ الاصفیاء مؤلفہ مفتی غلام سرور لاہوریؒ (م ۱۳۰۷ھ)، ترجمہ محمد ظہیر الدین بھٹی، ناشر: مکتبۂ نبویہ لاہور، فارسی ایڈیشن ۱۲۹۰ھ، اردو ایڈیشن ۱۹۹۴ء

۱۳۰-حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مؤلفہ مولانا محمد حسن نقشبندی مجددیؒ (محلہ کوٹلہ بجنور) مطبع احسن المطابع مرادآباد ۱۳۲۲ھ

۱۳۱-مختصر حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ مؤلفہ حضرت مولانا احمد حسن منورویؒ طبع دوم شائع شدہ منوروا شریف، ضلع سمستی پور،

۱۳۲-مختصر حالات بزرگان چشت اہل بہشت المعروف بہ سرکار غریب نواز مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ، طبع اول ۱۹۶۱ء

۱۳۳-امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مؤلفہ حضرت مولانا الحاج حکیم احمد حسن منورویؒ (قلمی)

۱۳۴-امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مرتبہ پروفیسر محمد مطیع الرحمن سابق صدر شعبۂ اردو، متھلا یونیورسیٹی دربھنگہ

۱۳۵-تاریخ نظامی مؤلفہ پیرضامن نظامی سید بخاری سابق سجادہ نشیں درگاہ حضرت نظام اولیاء، ناشر: پیرزادہ خواجہ احمد نظامی، منیجت کتب خانہ نظامی دہلی

۱۳۶-آپ بیتی حضرت شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ ، ناشر مکتبہ عمر فاروق کراچی، اشاعت دوم

۱۳۷-تذکرہ اکابر گنگوہ مرتبہ مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی، ناشر: مکتبہ شریفیہ گنگوہ، ۱۴۳۵ھ

۱۳۸-حیات عابد-خدمات اور کارنامے، مرتبہ: مولانا حسب اللہ ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ناشر: خانقاہ عابدیہ چندی پور مالدہ بنگال ط ۲۰۰۲ء

۱۳۹-پس مرگ زندہ مؤلفہ مولانا نور عالم خلیل الامینی استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند و رئیس التحریر الداعی، ناشر: ادارہ علم و ادب، افریقی منزل دیوبند، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ/ مئی ۲۰۱۰ء

کتب تصوف واخلاقیات وملفوظات ومکتوبات ومخطوطات

۱۴۰- الآداب الشرعية المؤلف: شمس الدين أبو عبدالله محمد بن مفلح المقدسي (المتوفى: 763هـ)

۱۴۱-المدخل المؤلف: أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج (المتوفى: 737هـ)★

۱۴۲-إحياء علوم الدين المؤلف: محمد بن محمد أبو حامد الغزالي (المتوفى: 505هـ).

۱۴۳-کشف المحجوب (مترجم از ابوالحسنات سید محمد احمد قادریؒ) مؤلفہ حضرت داتا گنج بخش لاہوریؒ، دیباچہ از حکیم محمد موسیٰ امرتسری، تحقیق وتخریج وتدوین: ڈاکٹر خالق داد ملک، وڈاکٹر طاہر رضا بخاری، ناشر مکتبہ شمس وقمر جامعہ حنفیہ لاہور، فروری ۲۰۱۲ء/ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

۱۴۴-الرسالۃ القشیریۃ مؤلفہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ (۳۷۶ھ/ ۹۸۶ء ۴۶۵ھ/ ۱۰۷۳ء)، ترجمہ: محمد عبدالنصیر بن عبدالبصیر العلوی، ناشر مکتبہ رحمانیہ لاہور

۱۴۵-الفتوحات المكية للشيخ الأكبر ابن عربي.

۱۴۶-عارف نامہ مؤلفہ حضرت عارف ریوگریؒ، شائع کردہ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کراچی

۱۴۷-عمدۃ المقامات مؤلفہ حاجی محمد افضل ؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۹۶ء

۱۴۸-قواعد التصوف مؤلفہ شیخ احمد زروق، تحقیق: ابراہیم الیعقوبی، مطبعۃ الملاح، ۱۹۶۸ء،

۱۴۹-شرح حزب البحر مؤلفہ شیخ احمد زروق، تحقیق احمد فرید المزیدی، ناشر: دار جوامع الکلم قاہرہ

۱۵۰-مکتوبات صدی مع ترجمہ حضرت سید شاہ نجم الدین فردوسی ناشر بیت الشرف خانقاہ بہار شریف ۱۹۷۳ء۔

۱۵۱-کلیات باقی مؤلفہ ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور ۱۹۶۷ء

۱۵۲-مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، اردو ترجمہ: مولانا محمد سعید احمد نقشبندی، ناشر: مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ کراچی، ۱۹۷۱ء۔

۱۵۳-مقامات معصومی مؤلفہ میر صفر احمد معصومی /محمد اقبال مجددی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور ۲۰۰۴ء

۱۵۴-انوار معصومیہ مؤلفہ مولانا سید شاہ زوار حسین ؒ ناشر ادارۂ مجددیہ کراچی ۱۹۸۹ء

۱۵۵-زبدۃ المقامات مؤلفہ مولانا محمد ہاشم کشمی ؒ، مکتبہ الحقیقۃ استنبول ۱۹۸۸ء

۱۵۶-حسنات الحرمین حضرت خواجہ محمد معصوم ؒ، مترجم فارسی شیخ محمد شاکر، ناشر: مکتبہ سراجیہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان ۱۹۸۱ء

۱۵۷-حضرات القدس مؤلفہ شیخ بدرالدین سرہندی ؒ، ناشر مجلس اوقاف لاہور پنجاب ۱۳۹۱ھ مطابق ۱۹۷۱ء

۱۵۸-روضۃ القیومیۃ مؤلفہ محمد کمال الدین احسان معصومی، ناشر: اللہ والے کی قومی دکان لاہور ۱۹۱۷ء

۱۵۹-مکتوبات امام ربانی مکتوب، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء

۱۶۰-حدیقۂ محمودیہ ترجمہ روضۃ القیومیۃ مترجم مولانا محمد ولی اللہ صدیقی، ناشر مطبع بلبیر پریس ریاست فرید کوٹ پنجاب)

۱۶۱-مقامات مظہری، مرتب: شاہ غلام علی دہلوی ؒ تحقیق وتقدیم: محمد اقبال مجددی، ناشر: اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۱۹۸۳ء۔

۱۶۲-مکاتیب محمدیہ حصہ اول، مرتبہ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ مظفر پوری ؒ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور، ۱۳۳۹ھ/۱۹۱۱ء

۱۶۳-الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ دہلوی مرتبہ مفتی عطاء الرحمن قاسمی ،شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی

۱۶۴-القول الجمیل فی بیان سواء السبیل، مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ، تحقیق وتعلیق: مفتی عطاء الرحمن قاسمی، شائع کردہ: شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ دہلی ۲۰۱۵ء

۱۶۵-جنۃ الانوار مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد ادریس ذکیؒ گڑھولوی، طبع ثالث ناشر مرکز التعلیم الا سلامی جالے دربھنگہ، ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء

۱۶۶-شمائم امدادیہ ترجمہ اردو نفحات مکیہ من مآثر امدادیہ مؤلفہ مولانا عبدالغنی بہاری عظیم آبادیؒ ومترجمہ جناب حاجی محمد مرتضیٰ خان، باہتمام محمد نثار حسین نثار مالک قومی پریس وپیام یار بماہ ذی قعدہ ۱۳۱۴ھ درقومی پریس مطبوع لکھنؤ مطبوع شد

۱۶۷-ارشاد رحمانی وفضل یزدانی مؤلفہ حضرت مولانا سید شاہ محمد علی مونگیریؒ، مطبع انتظامی کانپور

۱۶۸-رسالہ وحدۃ الوجود مع ترجمہ وحاشیہ حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقیؒ ص ۴، اشاعت مئی ۱۹۷۱ء)

۱۶۹-روض الازھار فی ذکر الاخیار، محبوب المطابع دہلی، ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء۔

۱۷۰-افادات محمدیہ مؤلفہ مولانا عبدالوارث خان صاحب حیدرآبادیؒ، ناشر دارالاشاعت رحمانی مونگیر، طبع سادس ۱۴۰۰ھ

۱۷۱-مجموعۂ فوائد عثمانی مرتبہ سید محمد اکبر علی دہلوی ناشر: خانقاہ سراجیہ نقشبندیہ میاں والی، مطبوعہ دارا لکتاب لاہور ۲۰۱۷ء

۱۷۲-وصایا انبیاء واولیاء انسائیکلوپیڈیا'' مرتبہ مولانا مفتی محمد ثمین اشرف قاسمی صاحبزادہ حاجی ابراہیم صاحب مادھے پوریؒ، ناشر: حافظ محمد رزین اشرف ندوی پونے، ۲۰۱۲ء)

۱۷۳-کلیات امدادیہ رسالہ ضیاء القلوب مؤلفہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، ناشر: دارالاشاعت کراچی)

۱۷۴-آثار البرکۃ مؤلفہ حضرت مولانا شاہ محمد برکت اللہ دہلویؒ سوداگر آئینہ، مطبوعہ جید برقی پریس بلی ماران دہلی، ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء

۱۷۵-حزب البحر (مترجم) مرتبہ وطبع باجازت حضرت مولانا محمد ادریس صاحب ذکیؒ (گڑھول شریف)، ناشر محمد سمیع الحسن مدھوبنی بہار، سن اشاعت: ۱۴۰۱ء/ ۱۹۸۱ء

۱۷۶-وسیلۂ نجات یعنی شجرۂ عالیہ حضرات نقشبندیہ مجددیہ،توکلیہ،محبوبیہ،اصغریہ،بشارتیہ،کریمیہ رحمۃ اللہ علیہم،حسب فرمائش حضرت خلیفہ صوفی میاں نورمحمد صاحب کریمی امروہوی ثم الدہلوی مقیم لال چاہ کٹرہ شیخ چاند دہلی،زیر ہدایت حضرت صوفی عبدالکریم شاہ صاحب بشارتی امروہوی خلیفۂ اعظم پیر سید بشارت علی شاہ صاحب میرٹھیؒ،الامان پریس دہلی

۱۷۷-رسالہ روح الارواح (مطبوعہ کمرشیل آرٹ پریس کلکتہ)،تالیف خواجہ شاہ فیضان احمدؒ (قصبہ رام پور منہاران ضلع سہارن پور محلہ محل الانصار)

۱۷۸-عمدۃ السلوک مؤلفہ حضرت مولانا سید شاہ زوار حسین صاحبؒ،ناشر:ادارۂ مجددیہ،ناظم آباد کراچی، ۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳

۱۷۹-عرفان تصوف مؤلفہ سید درویش احمد ثروت قادری رزاقی،مرتبہ:سید اسلم میاں،ناشر اسلامک ونڈرس بیورو، دریا گنج،نئی دہلی، ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء

۱۸۰-ملفوظات حضرت ڈاکٹر علی احمد ناظر صاحب نقشبندی مجددی،مرتبہ:حکیم محمد تجمل حسین مظاہری،مطبوعہ پٹنہ،جولائی ۱۹۹۶۔

۱۸۱-مرحمت نامۂ نعمت ''یعنی شجرات اہل طریقت مؤلفہ حضرت الحاج نعمت اللہ شاہؒ خلیفہ حضرت چاند شاہؒ (ٹانڈہ)،شائع کردہ باہتمام مولوی جلال الدین احمد الصدیقی،دی آزاد پریس سبزی باغ پٹنہ، دسمبر ۱۹۵۹ء طبع ثانی)

۱۸۲-شجرۂ منظومہ نقشبندیہ مجددیہ مع فہرست خلفاومجازین حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتا بگڈھیؒ، ناشر قاری مشتاق احمد صاحبؒ ابن حضرت پرتا بگڈھیؒ بانی مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ

۱۸۳-شجرۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ مرتبہ جناب مطیع الرحمن صاحبؒ دربھنگہ،بہ اجازت حضرت مولانا محمد سعید خان صاحبؒ سنگراواں ضلع اعظم گڑھ،سن اشاعت ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء)

۱۸۴-شجرۂ مبارکہ نقشبندیہ مجددیہ مظہریہ درگاہ شاہ ابوالخیر دہلی، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء

۱۸۵-شجرۂ وارثیہ وشجرۂ سہروردیہ مؤلفہ جناب علی احمد صابر چشتی سہروردی،نقشبندی قادری آساپوری

۱۸۶-ایک اشتہار جوحضرت شاہ عبیداللہ کےوصال کےفوری بعد جناب مولانا محمد عزیر فریدی مجیبی پھلواریؒ کی جانب سے شائع کیا گیا تھا،جوحضرت شاہ عبیداللہ صاحب سے بیعت اور مدرسہ معینیہ اجمیر شریف سے فارغ التحصیل تھے،اور مدرسہ اسلامیہ موتیہاری میں مدرس رہے،یہ اشتہار

میرے پاس موجود ہے
۱۸۷-قلمی یادداشت حضرت حاجی جمیل احمد صاحب صلحاویؒ تبییض جناب ماسٹر نورالدین صاحب حفید حضرت حاجی جمیل صاحب
۱۸۸-قلمی یادداشت مولانا اہل اللہ صاحبؒ تاریخ تحریر: ۱۰/شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ۶/مئی ۲۰۱۷ء

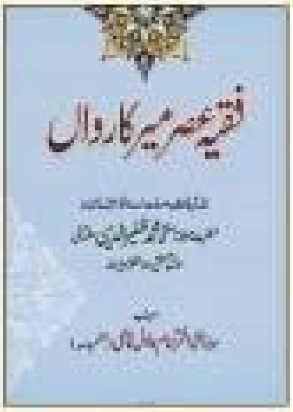
کتب ادب ورسائل وجرائد

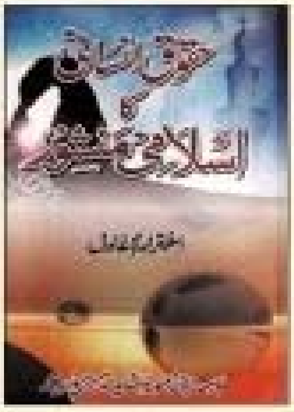
۱۸۹-عمدۂ منتخبہ (تذکرۂ شعراء) دہلی، مرتب: خواجہ احمد فاروقی، ناشر: دہلی یونیورسیٹی، ۱۹۶۱
۱۹۰-دیوان نیاز بے نیاز ناشر: شاہ محمد حیدر اطہر میاں نیازی، جولائی ۲۰۰۴ء
۱۹۱-کلام ذکا ''مجموعۂ کلام حضرت ذکاؔ، مرتب مولانا محمد مظہر الحق کریمی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ناشر مولانا محمد جابر حسین قاسمی مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین جھٹکی، سیتامڑھی، ۱۴۱۴ھ
۱۹۲-شعرائے سمستی پور مرتبہ بسمل عارفی، اشفاق قلق، ناشر بسمل عارفی، ۲۰۱۰ء
۱۹۳-رسالہ المجیب پھلواری شریف پٹنہ شمارہ ا ج ۱۱ ماہ رمضان ۱۳۸۹ھ مطابق نومبر ۱۹۶۹ء۔
۱۹۴-محدث میگزین لاہور، شمارہ ۲۰۲ جنوری ۱۹۹۵ء
۱۹۵-نغمات الانس فی مجالس القدس مؤلفہ مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری پھلواروی، ناشر دارالا شاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ، ۱۴۳۷ھ/۲۰۱۶ء)
۱۹۶-الاحسان، شعبۂ علوم اسلامیہ وعربی، شمارہ نمبر ا گورنمنٹ کالج یونیورسیٹی، فیصل آباد
۱۹۷-یاد حرم والحج منظوم مؤلفہ مولانا اہل اللہ صاحب چندر سین پوری
۱۹۸-ماہنامہ المنعم پٹنہ خواجہ غریب نواز نمبر شمارہ ۳، ۴ مارچ اپریل ۱۹۸۱ء

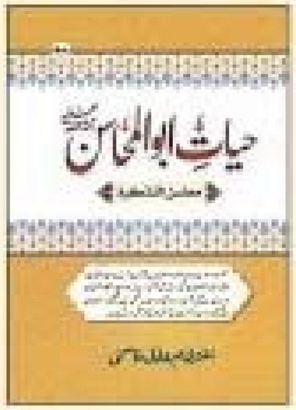
ویب سائٹ

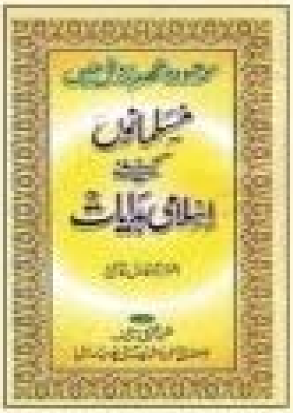
دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ ویب سائٹ
''تکمیل الطب کالج'' ویب سائٹ

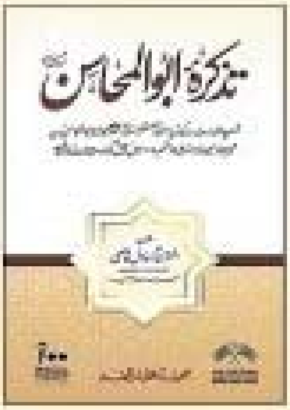




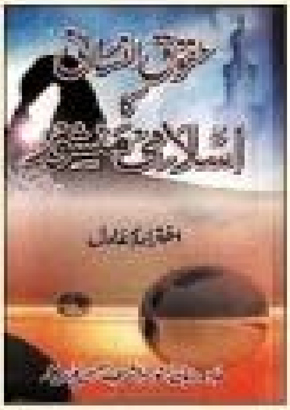




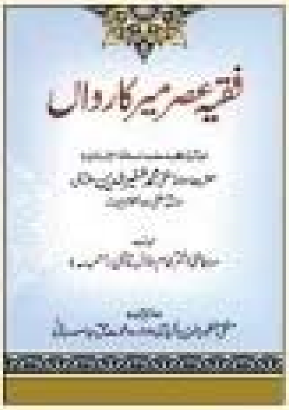


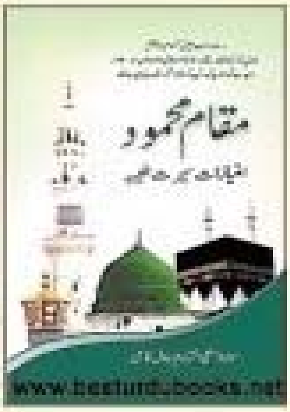


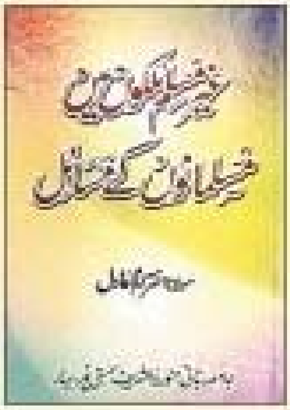


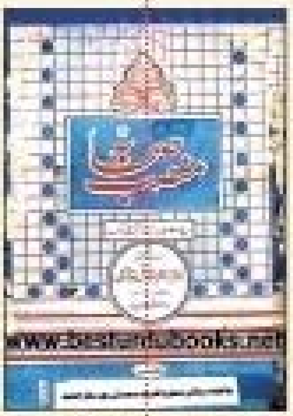












ISBN 8192761568
9788192761365

PRINTOLOGY INC.
2660, KUCHA CHELLAN, DARYA GANJ
NEW DELHI - 110002 (INDIA)
Ph.: 011-2326996, +91-9350334143
Email : razaprintology@gmail.com